224012

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224012
UNIVERSAL
LIBRARY

الهلال

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الهلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ [illegible] گنج سرکلر روڈ - کلکتہ [illegible] شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	- -	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	- -	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- - -	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	- -	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں اُنکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱ | کلکتہ : جمعہ ۸ ذوالحج ۱۳۴۵ ہجری | جلد ۱

Calcutta: Friday, June 10, 1927.

فہرس

افتتاحیہ ۲

مطبوعات جدیدہ

فتوحات شام کی سرسری تاریخ ۳

مذاکرۂ علمیہ

ذرۂ آبکی سرگذشت ۵

برید فرنگ

جرمنی میں جمہوریۃ اور شاہیۃ کی کشمکش ۸

حسن و عشق اور تاج و تخت ۱۰

آثار عتیقہ

اندلس میں اسلامی تمدن کا آخری نقش قدم ۱۲

عالم شرق و اسلام

شام کی حرکۃ استقلال ۱۶

مقالات

اسلام اور نیشنلزم ۱۷

بصائر و حکم

منکر اور مومن کا ایک دلچسپ مکالمہ ۲۰

تفریح و تروئیح فکر

بعض مشہور آدمیوں کے لطیفے ۲۳

برید شرق

مکتوب انگورہ ۲۴

مکتوب مصر ۲۵

مکتوب فلسطین ۲۷

خواطر و سوانح

اخباری زندگی کا ایک لمحہ ۲۸

عالم مطبوعات و صحائف

نہایۃ الارب اور مسالک الابصار ۲۹

مذہب اور دنیائے جدید ۲۹

اعتذار

(۱) الہلال کی اشاعت میں اندازہ سے زیادہ تاخیر ہوگئی - امید تھی کہ نئے ٹائپ کی مطلوبہ مقدار پہلی مئی تک مل جائیگی اور پہلے ہفتہ سے پرچہ نکل جائیگا ' لیکن پہلی مئی کی جگہ مئی کے اواخر تک بھی ٹائپ کی کافی مقدار طیار نہوسکی ' اور سارا مہینہ اسی انتظار میں نکل گیا - اب بھی جسقدر ٹائپ مہیا ہوا تھا وہ کافی نہ تھا - کم از کم ایک ہفتہ اور انتظار کی ضرورت تھی لیکن چونکہ اب زیادہ تاخیر نا قابل برداشت تھی ' اسلئے کسی نہ کسی طرح پہلا نمبر مرتب کر کے شائع کر دیا جاتا ہے - امید ہے کہ اس ہفتہ ٹائپ کی پوری مقدار حاصل ہو جائیگی ' اور جرمنی اور قاہرہ کا ٹائپ بھی پہنچ جائیگا جسکا ایک عرصہ سے انتظار تھا .

(۲) اسی سبب سے اس نمبر کے بعض اہم مضامین درج ہونے سے رہگئے - " باب التفسیر " کا حصہ ٹائپ کیلئے چھوڑ دیا گیا تھا ' لیکن ٹائپ کی کمی کی وجہ سے کمپوز نہ ہوسکا اور اسکی جگہ " مطبوعات جدیدہ " کا ایک صفحہ دیکر فارم پورا کردیا گیا - حالانکہ اُسکی جگہ اِس فارم میں نہ تھی - انشاء اللہ آیندہ نمبر سے تمام ابواب اپنی اصلی ترتیب میں درج ہوسکینگے .

(۳) ایک اہم سوال آیندہ الہلال کے مضامین اور انکے طرز بیان کا ہے - یہ ظاہر ہے کہ الہلال کے فوائد عام نہیں ہوسکتے جب تک کہ اسکا دایرۂ بحث و نظر عام فہم نہو - اور عام فہم جبھی ہوسکتا ہے جبکہ مطالب کے سہل ہونے کے ساتھہ اُنکا اُسلوب بیان اور زبان بھی سہل ہو - لیکن مشکل یہ ہے کہ ہر طرح کے مطالب کا عام فہم طریقہ پر بیان کرنا آسان نہیں ' بعض دقیق اور علمی مطالب ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں کتنا ہی گھلا کر بیان کیا جاے ' ایک حد تک مشکل اور گراں ضرور ہونگے - اس مشکل کا ہم نے یہ حل سوچا ہے کہ آیندہ الہلال میں دونوں قسم کے مضامین درج کئے جائیں بڑا حصہ تو سہل و عام فہم ہو ' لیکن کچھہ حصہ بلند اور خاص قسم کا بھی ہو - اس طرح عوام و خواص ' دونوں کے ذوق و نظر کا سامان مہیا ہوجائیگا - باقی رہا زبان کا معاملہ ' تو وہ ہر حال میں حتی الوسع سہل اور صاف اختیار کی جائیگی ' کسی درجہ کا موضوع ہو ' لیکن اسلوب بیان مشکل اور دیر فہم نہوگا .

بسم الله الرحمن الرحيم

مئے کہ می رود امروز در گلوئے دوکون
کمینہ جرعۂ تہ شیشہ ہائے دوش من ست!

الحمد لله وحده - الہلال کا پہلا نمبر جون سنہ ۱۹۱۲ - میں شائع ہوا تہا اور آخری نمبر نومبر سنہ ۱۹۱۴ میں- پھر نومبر سنہ ۱۹۱۵ سے دوسرا سلسلۂ اشاعت " البلاغ " کے نام سے شروع ہوا اور مارچ سنہ ۱۹۱۶ میں ختم ہوگیا - اب یہ تیسرا سلسلۂ اشاعت ہے جو کامل گیارہ برس کے بعد از سر نو شروع ہوتا ہے : ربنا آتنا من لدنک رحمة وهي لنا من امرنا رشدا .

***

اس دنیا میں انسان کی بے چارگی اور مشیت الہی کے حکم و سلطان کا سب سے بڑا مظہر انسانی ارادوں کی ناکامی اور قضاء مشیت کا فیصلہ ہے - اسی لئے بعض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا ہے کہ " عرفت ربي بفسخ العزائم " یہ عجیب بات ہے کہ سنہ ۱۹۱۶ - کے اواخر سے لیکر گذشتہ ستمبر تک کوئی خیال بھی میرے ذہن سے اسقدر بعید نہ تہا جسقدر الہلال کی سہ بارہ اشاعت اور اسکی ذمہ داریاں قبول کرنے کا خیال تہا - میری شخصی زندگی اور اسکی احتیاجات ' نیز قومی و علمی مقاصد اور انکا مقتضی ' دونو اس بات کے مخالف تہے کہ الہلال جیسے رسالہ کی ہفتہ وار اشاعت کی ذمہ داری تیسری مرتبہ اپنے اوپر لیتا - جہانتک میری شخصی حالت کا تعلق ہے ' سب سے پہلا سوال صحت کا تہا اور میں دیکھ رہا تہا کہ وہ روز بروز کمزور ہو رہی ہے ' اور یہ زندگی کی ابتدائی احتیاطوں کے خلاف ہوگا اگر سنہ ۱۹۱۲ اور سنہ ۱۹۱۶ کی سی محنتیں پھر اسکے لئے مہیا کی جائیں - قومی و علمی مقاصد کا یہ حال تہا کہ بعض اہم تصنیفات کی تکمیل و اشاعت عرصہ سے ملتوی چلی آتی تہی ' اور الہلال جیسے رسالہ کی ہفتہ وار اشاعت کا بار اٹہا لینے کے بعد مشکل تہا کہ اتنے لمبے فراغ خاطر میسر آسکتا - اسکے علاوہ طبع و فکر کی کامجوئیوں اور طلب و نظر کی وسعت پیمائیوں نے بے شمار ارادے نہاں خانۂ دل میں جمع کررکہے تہے - اُن سب کیلئے بھی اوقات فراغ کی ضرورت اور خلوت و انزوا کی جستجو تہی - یہی وجہ ہے کہ ۶ - جنوری سنہ ۱۹۲۳ - میں جب قید خانہ سے نکلا تو اس بارے میں ایک طے شدہ ارادہ اپنے سامنے رکہتا تہا - خیال تہا کہ جونہی وقت کی سیاسی مشغولیت مہلت دیگی ' پہلا کام یہ کرونگا کہ چار پانچ سال کیلئے کسی ایسے گوشے میں کہ صحت کی درماندگیوں کیلئے سودمند اور چند رفقاء علم و عمل کی موجودگی سے دلپسند ہوگا ' مقیم ہوجاونگا اور اپنے پیش نظر علمی و عملی مقاصد کی مشغولیت و تکمیل کے سوا اور کسی کام سے علاقہ نہیں رکہونگا :

فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے !

احباب و مخلصین میں جن حقیقت شناسوں کی نظر اُن کاموں کی اہمیت پر تہی وہ تو اُنہی کے متمنی تہے ' لیکن عام طور پر لوگوں کو طلب الہلال کی تہی - کوئی وقت بھی اسکی طلب و اصرار سے خالی نہیں جاتا تہا ' تاہم میری طبیعت کا یہ حال تہا کہ کسی طرح بہی اسکے لئے آمادہ نہیں ہوتی تہی - تمام تر جستجو اسی بات کی تہی کہ فراغ خاطر اور یکسوی طبع کے ساتھ اپنی علمی زندگی میں مشغول ہوجاؤں اور ان ارادوں کی تکمیل کی سعی کروں جو مدتوں سے وقت و مہلت کے منتظر ہیں -

***

لیکن اس تمام طلب و جستجو کا بالاخر نتیجہ کیا نکلا ؟

یہ نکلا کہ وقت کے تقاضے ' احباب کے پیہم اصرار ' اور التوا و انتظار عمل کی ناقابل برداشت حالت سے عاجز آکر مشغولیت کی وہی صورت اختیار کرلینی پڑی جس سے سالہا سال تک اس درجہ گریز رہا تہا - یعنی فیصلہ کرلینا پڑا کہ الہلال جاری کردیا جائے ' اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکہنے کی بھی کوشش کی جائے - اگر دونوں کاموں کا بہ یک وقت انجام دینا دشوار ہے تو دشواری پر غالب آنا چاہئے - اگر صحت ساتھ نہیں دیتی تو کیا مضائقہ ؟ آے ساتھ لینا چاہئے - ضرورت ہماری درماندگیوں اور کمزوریوں کا انتظار کیوں کرے ؟ کیوں وہی ہو جو ہماری پسند اور انتخاب ہے ؟ کیوں وہ نہ ہو جو وقت کا حکم اور مشیت الہی کا فیصلہ ہے ؟

سالہا سال سے جس عنقاے فراغ اور کیمیاے سکون کی جستجو تہی ' بالاخر اسکا نتیجہ نکلا تو یہ نکلا !

این رسم و راہ تازہ ز حرمان عہد ماست
عنقا بہ روزگار کسے نامہ بر نبود !

***

جنوری سنہ ۲۰ - سے لیکر دو سال تک کا زمانہ تحریک ترک موالات یا لا تعاون کا زمانہ تہا اور اسکی خود فروشانہ سرگرمیوں میں اسکی مہلت ہی نہیں مل سکتی تہی کہ مستقبل کی طرف نظر اٹہائی جائے - لیکن ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ - کو جب میں گرفتار ہوگیا ' اور اسکے چند ماہ بعد مہاتما گاندہی کی گرفتاری پر تحریک کی عملی سرگرمیاں ختم ہوگئیں ' تو قید خانہ کی کوٹہری میں موقعہ ملا کہ مستقبل کی طرف نظر اٹہاؤں اور وقت کی ضرورتیں اور اپنی استعداد کار دیکہتے ہوے آیندہ کاموں کا فیصلہ کروں - میں نے فیصلہ کیا ' اور اسپر مطمئن دل و دماغ لیکر ۶ - جنوری سنہ ۲۳ - کو باہر نکلا ' لیکن باہر نکلنے کے بعد ملک کی جو صورت حال سامنے آئی ' وہ بھی ایسی نہ تہی کہ نظر انداز کردی جاتی - تحریک کی عملی قوتیں ختم ہوچکی تہیں ' تفرقہ و انتشار ہر گوشے میں نمایاں تہا ' کانگریس دو متحارب جماعتوں میں بٹ گئی تہی ' اور ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی شروع ہوگئی تہی - ضروری تہا کہ بقدر استطاعت اصلاح حال کی کوشش کی جاتی - لیکن جب کوشش شروع کی تو بتدریج اسکا دامن پہیلتا گیا - یہانتک کہ پورا سنہ ۱۹۲۳ - اسی میں نکل گیا .

جنوری سنہ ۲۴ - میں حالات نے نئی صورتیں اختیار کیں - کانگریس کی ایک جماعت نے اسمبلی اور کاونسلوں کیلئے کھڑے ہوکر ملک کی سیاسی خاموشی میں ہلچل پیدا کردی - مہاتما گاندہی

کي رهائي سے نئي اميديں فروغ پانے لگيں' هندو مسلمان کے باهمي تفرقه اور اسکے پيچ در پيچ معاملات سے جنکي ابتدا سنه ۱۹۲۳ - ميں هوچکي تهي ' اب زياده وسيع اور گهري حالت اختيار کرلي' اور اسلئے اصلاح حال کي کوششوں کي اهميت اور مقدار بهي ده چند هوگئي - نتيجه يه نکلا که دنوں نے هفتوں کي شکل اختيار کي ' هفتے تيزي کے ساتهه مهينے بنے ' اور مهينوں نے ديکهتے ديکهتے برس کا دائره پورا کرديا - اس طرح سنه ۱۹۲۴ - کا خاتمه بهي سامنے آگيا اور مجهے سر اٹهانے کي مهلت نه ملي .

***

اب جو چيز ميرے ارادوں کي تعميل ميں سب سے بڑي روک تهي ' وه مسٹر سي ' آر' داس کا وجود تها - وه کسي طرح بهي اس پر راضي نهيں هوتے تهے که ميں کلکته کا قيام ترک کروں ' اور ميں محسوس کرتا تها که ميرے تمام ارادوں کي تعميل کے لئے کلکته کا قيام ترک کرنا سب سے پهلي چيز هے - کئي ماه اس کشمکش ميں نکل گئے - بالاخر ستمبر سنه ۲۴ - ميں ميں نے ارادہ کرليا که کسي نه کسي طرح يه منزل طے کرلينې چاهيے - چنانچه دهلي کے قيام کا ارادہ کيا اور نقل مکان کے تمام ضروري انتظامات عمل ميں لانا شروع کر ديے - يهانتک که اواخر دسمبر ميں کتب خانه بهي صندوقوں ميں بند هوکر کلکته سے دهلي پهنچ گيا که ميرے نقل مکان کي سب سے بڑي متاع يهي تهي .

ليکن جنوري سنه ۱۹۲۵ - ميں جب بلگام کانگرس سے واپس هوا اور ميرے نقل قيام کے معامله نے شهرت پائي' تو مسٹر سي' آر' داس اپنے اوصاف و محاسن کي ساري گيرائيوں اور محبت و رفاقت کي تمام کششوں کے ساتهه کچهه اس طرح راه روک کر کهڑے هوگئے که ميرے لئے دهلي کي طرف قدم اٹهانا ناممکن هوگيا - يقيناً ميرا ارادہ متزلزل نه هوتا اگر ان کے ساتهه ملک کے بعض اهم مقاصد کي اميديں بهي صف آرا نه هو جاتيں - يه وه وقت تها جب ملک کي عام حالت کي طرف سے ميں نهايت افسرده دل رکهتا تها ' اور نهايت اضطراب کے ساتهه محسوس کر رها تها که اگر کانگرس کے هندو رهنماؤں ميں سے ايک اولوالعزم شخص بهي ايسا نکل آئے جو هر طرح کي سياسي مشغوليتيں اور انکے سود و زياں کي آلودگياں چهوڑ کر صرف ملکي مسئله کے حل کے لئے اٹهه کهڑا هو' تو ميں باوجود هر طرح کے افسرده کن حالات کے اميد و مراد کا ايک کامياب قدم اٹها سکتا هوں - ميرے دل پر اس جوانمرد سياست کي خوبياں نقش تهيں - مجهے يقين تها که مهاتما گاندهي کے بعد يهي ايک شخص هے جو اگر آماده کار هوگيا تو بهت ممکن هے راه کي رکاوٹيں دور کي جاسکيں - وه مجهے همرهي و رفاقت کا يقين دلاتے تهے اور مستعد تهے که بنگال کاونسل کے آينده معرکه کے بعد همه تن اس کام کيلئے وقف هو جائينگے - نتيجه يه نکلا که اتني دور تک قدم اٹها دينے کے بعد ' پهر واپس لوٹنا پڑا اور اس سلسله ميں وقت و مصارف کے جو گراں قدر نقصانات پيش آئے ' برداشت کرلينے پڑے .

ليکن اس اثنا ميں مشيت الهي ايک دوسرا هي فيصله کر چکي تهي - مسٹر داس مجهے روک کر دارجلنگ گئے ' ليکن وهاں پيام اجل خود انهيں روک لينے کي طياري کر رها تها - جون ميں يکايک ان کا انتقال هوگيا اور کلکته واپس آئے تو اس طرح واپس آئے که هميشه کے لئے رخصت هوچکے تهے ' اور انکے ساتهه وقت کي وه اميديں بهي رخصت هوچکي تهيں جنکي صف کهڑي کرکے انهوں نے پانچ ماه پهلے ميري راه روکي تهي :

دريں چمن که بهار و خزاں هم آغوش ست
زمانه جام بدست و جنازه بردوش ست

بهر حال کهانتک اس افسرده کن داستان کو طول ديا جاے ؟ مختصر يه هے که يکے بعد ديگرے اس طرح کے حالات پيش آتے رهے که وقت جو اپني تيز رفتاري ميں کبهي همارے حالات کي پروا نهيں کرتا ' برابر نکلتا گيا ' اور ديکهتے ديکهتے سنه ۱۹۲۳ - کي جگه سنه ۱۹۲۶ - کا خاتمه سامنے آگيا !

يک لمحه غافل بودم و صد ساله راهم دور شد !

اب بهي طبعيت کا ميلان کسي ايسي ذمه داري قبول کرنے کي طرف نه تها - ليکن انساني طبيعت کے انفعال و تاثر کا کچهه عجيب حال هے - گزشته ستمبر ميں اشغال کے پے در پے التوا اور ملک کي اجتماعي و ذهني ضروريات کے تقاضے سے طبيعت کچهه اس طرح متاثر هوگئي که جب ايک موقعه پر بعض دوستان عزيز نے خصوصيت کے ساتهه الهلال کي اشاعت پر زور ديا اور اس کي ضرورت کے مختلف پهلوؤں پر توجه دلائي تو طبيعت انکار کي طرف مائل نه هو سکي - خيال هوا که ميرے ذاتي حالات کا مقتضا کچهه هي کيوں نه هو' ليکن ترجيح وقت کي ضرورت هي کو هے ' اور کام کرنے والوں کيلئے ناگزير هے که اسکے سامنے سر تسليم خم کرديں .

ايک حقيقت بالکل واضح تهي اور اس کا ميرے پاس کوئي جواب نهيں تها - يه واقعه هے که اگر سنه ۱۲ - اور سنه ۱۶ - ميں الهلال ضروري تها تا که مقصد و عمل کي مسدود راه قوم پر کهول دے ' تو سنه ۲۷ - ميں بهي وه کم ضروري نهيں هے تا که سفر کي سب سے بڑي نازک اور پر خطر منزل ميں وقت کي رهنمائي کرے - مجهے تسليم کرنا پڑا که اگر تقسيم عمل کے فقدان سے اس ضرورت کا کوئي دوسرا انتظام موجود نهيں ' تو چاهيے که اپني تمام ناتوانيوں اور درماندگيوں کے ساتهه ضرورت و عمل کے مختلف گوشوں ميں جسقدر بهي کام کر سکتے هيں ' کرتے رهيں - اقلاً کوشش سے باز نه آئيں - سعي کي تکميل اور توفيق کي مساعدت مشيت الهي کے فيصله پر موقوف هے ' اور جو اسکے کرنے کي چيز هے وه اسي کے حواله کرديني چاهئے .

***

الهلال کے تيسرے دور کا پهلا پرچه شائع کرتے هوے مقتضائے وقت نے فکر و تصور کے هر گوشے ميں جنبش پيدا کردي هے - افکار و مطالب کا هر طرف سے هجوم هے - قلم کي درماندگي اور گنجايش اوراق کي کوتاهي کسي طرح بهي اسکا ساتهه نهيں دے سکتي - جي چاهتا هے ' گيارہ سال کي خاموشي کي تلافي ايک هي مجلس ميں کرديجے :

روی بازار مراد امروز عرفی با منست
دیدۂ تر می فروشم دامن تر می خرم !

ليکن مشکل يه هے که طبيعتيں طوالت بيان کي متحمل نهيں اور رشتۂ بيان کا يه حال هے که ايک مرتبه کهل جاے تو پهر جلد لپيٹا نهيں جا سکتا :

ایں رشته به انگشت نه پیچی که دراز ست !

مجبوراً قلم روکتا هوں - آج کے ليے اس سے زياده کي ضرورت نهيں ' باقي مطالب جو اس موقعه کے لحاظ سے ضروري تهے ' انکے ليے آينده اشاعت کا انتظار کيجيے - اب گيارہ برس کے بعد يه برهم شده مجلس ديريں پهر آراسته هوئي هے تو جهانتک جوش بيان اور ذوق سماع ساتهه ديگا ' مجهے کهنا هے اور حريفان بزم کو سننا هے :

زخمه بر تار رگ جاں می زنم
کس چه داند تا چه دستاں می زنم

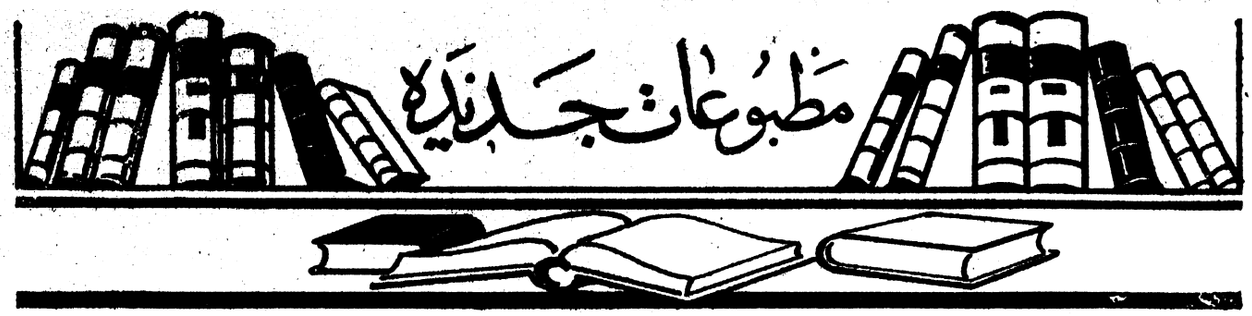

فتوح الشام کي سرياني تاريخ

پہلي صدي ہجري کي اسلامي فتوحات پر عربي زبان ميں تاريخ کا وافر ذخيرہ موجود ہے ' ليکن يہ کمي ہميشہ محسوس کي گئي ہے کہ تمام تر بعد کے مورخين کے قلم سے مدون ہوا ہے - خود اُس عہد کي کوئي قلمي شہادت موجود نہيں - يہي وجہ ہے کہ فتوحات مصر و شام کي تاريخي روايات پر زمانۂ حال کے نکتہ چينوں نے اعتراضات کئے ہيں ' اور بعض سرگزشتوں کي نسبت خيال کيا ہے کہ مبالغہ سے خالي نہيں ہيں .

ليکن حال ميں مشہور انگريز مستشرق ڈاکٹر رائٹ کو ايک سرياني تاريخ کا پتہ چلا ہے - خيال کيا جاتا ہے کہ يہ دمشق کے کسي مسيحي عالم کي تحرير ہے جو فتوحات شام کے زمانہ ميں موجود تھا اور اکثر واقعات اپني آنکھوں سے ديکھہ چکا تھا - بد قسمتي سے اسوقت تک پوري کتاب دستياب نہيں ہوئي ہے - صرف ايک صفحہ ملا ہے - وہ بھي دست برد زمانہ سے محفوظ نہيں - اُس ميں کل ۲۹ سطريں ہيں - سات ابتدائي سطريں تو کيڑے نے بالکل کھا ڈالي ہيں - باقي سطور ميں بھي جا بجا الفاظ مٹ گئے ہيں يا کرم خوردہ ہيں - زمانۂ حال کے مشہور جرمن مستشرق پروفيسر نولڈک Noeldeke نے اس صفحہ کي عبارت حل کي ہے اور اُس پر ايک مختصر رسالہ شائع کيا ہے - چونکہ يہ ايک نہايت قيمتي تاريخي شہادت ہے اسلئے اسکا خلاصہ بعض ضروري تشريحات کے ساتھہ ہم شائع کر ديتے ہيں .

اِس صفحہ ميں جنگ يرموک کا حال لکھا ہے - معلوم ہے کہ فتوحات شام ميں يہ جنگ سب سے بڑي اور فيصلہ کن جنگ تھي - اِسي لئے يہ کرم خوردہ صفحہ مورخين کي نظر ميں غير معمولي اہميت رکھتا ہے - ذيل ميں اُسکي ہر سطر کا ترجمہ ملاحظہ ہو :-

۱ — ۷ ... (پڑھي نہيں گئي)

۸ — ... کانون ثاني (جنوري ميں معاہدہ قرار پايا اور ہماري جانيں بچيں .

۹ — حمص اور دوسرے بہت سے گاؤں برباد اور اُنکے باشندے قتل ہوے .

۱۰ — ... (کرم خوردہ) ... محمد ... مقتول اور قيدي بکثرت تھے .

۱۱ — ... (کرم خوردہ) جليل سے بيت ...

۱۲ — عرب اطراف (دمشق ؟) ميں پھيل گئے -

۱۳ — ہر جگہہ نمودار ہوے -

۱۴ — اور آئے ... اور ... انکي طرف ... اور ... دوران -

۱۵ — سنہ ... اور بيس ميں فوج کا ہراول روانہ ہوا اور بھيڑوں کے گلے ضبط کر لئے .

۱۶ — اطراف حمص ميں ' اور رومي اُنکے مقابلہ پر آگئے -

۱۷ — ... اور تاريخ دس

۱۸ — ماہ آب — (يعني اگست) ميں رومي دمشق سے مفرور ہوگئے .

۱۹ — اُنکي تعداد دس ہزار کے قريب تھي ' اور

۲۰ — ايک سال بعد رومي آئے اور ماہ آب (اگست) کي ۲۰ تاريخ سنہ

۲۱ — ۹۴۷ ميں رومي جابيہ کے مقام ميں جمع ہوگئے .

۲۲ — اور رومانوں کے بہت زيادہ آدمي قتل ہوئے

۲۳ — تقريباً پچاس ہزار

۲۴ — سنہ (۷) ۹۴ ميں ... ۲۵ — ... اور پھيل گئے

۲۶ — ... خوش ہوے . ۲۷ — ...

۲۸ — ... ۲۹ — ليکن رومي رنجيدہ ہوے

(قوسين کے مابين جتنے الفاظ ہيں مستشرق نولڈک نے بڑھا ئے ہيں)

اِس کرم خوردہ صفحہ نے ايک اہم اور قيمتي بات دنيا کي معلومات ميں اضافہ کرديي ہے - ابتک جنگ يرموک کي ٹھيک تاريخ معلوم نہيں تھي - اسلامي مورخين نے کوئي معين تصريح نہيں کي ہے - اُنکا بيان صرف اس قدر ہے کہ رجب سنہ ۱۵ ھ ميں ہوئي تھي - ليکن اِس سرياني صفحہ نے اُسکي تاريخ متعين کردي - اِسميں ۲۰ آب سنہ ۹۴۷ مذکور ہے - يہ سنہ مسيحي نہيں " سلوکيدي " ہے - سلوکيدي تاريخ شاہ " سوليکوس " کي تخت نشيني سے شروع ہوتي ہے - يہ سکندر اعظم کي وفات کے بعد (سنہ ۳۲۳ قبل مسيح) شام کا بادشاہ تھا - قديم زمانے ميں يہي تاريخ شام ' عراق ' فاسطين اور اناطوليہ وغيرہ ممالک ميں رائج تھي - يہوديوں کي بول چال ميں اِس سنہ کا نام " منيان هشطاروت " ہے - غرضکہ اِس سرياني سند کے بموجب جنگ يرموک ۲۰ آب سنہ ۹۴۷ سلوکيدي ميں ہوئي تھي - يعني ۲۰ - اگست سنہ ۶۳۶ عيسوي ميں - ہجري حساب سے يہ تاريخ ٹھيک ۱۲ - رجب سنہ ۱۵ ہوتي ہے .

اِس صفحہ سے ايک اور اہم نقطہ بھي حل ہوجاتا ہے - يعني جنگ کے اصلي محل کا تعين - عرب مورخ اُسے خود " يرموک " ميں قرار ديتے ہيں - ليکن يہ سرياني مورخ " جابيہ " بتاتا ہے - جابيہ دريائے يرموک سے کچھہ فاصلہ پر ہے - غالباً لڑائي جابيہ ہي ميں ہوئي تھي - ليکن چونکہ يرموک عرب ميں زيادہ مشہور تھا اس لئے عربي مورخين نے اُسے يرموک ہي کي طرف منسوب کرديا - پھر يہ وجہ بھي ہوسکتي ہے کہ اسلامي لشکر نے اپنا پڑاؤ يرموک ہي کے کنارے ڈالا ہوگا - کيونکہ يہ لڑائي اگست کے مہينہ ميں ہوئي ہے جبکہ شام ميں پاني کي قلت ہوتي ہے - ضروري ہے کہ عرب دريا کے قريب رہنے پر مجبور ہوئے ہوں .

عرب مورخوں نے اِس جنگ ميں رومي فوج کي تعداد کئي لاکھہ بتائي ہے - مورخ بلاذري وغيرہ قريب دو لاکھہ کے قرار ديتے ہيں - مقتولين کي تعداد بھي بلاذري نے تقريباً ستر ہزار بتائي ہے - بعض يوربين مورخ اِسے مبالغہ کہتے تھے - ليکن اِس سرياني صفحہ نے عرب مورخين کي تصديق کر دي - اِس ميں رومي مقتولين کي تعداد کا تخمينہ پچاس ہزار ہے جو عرب مورخين کے بيان کے قريب قريب ہے - ظاہر ہے مقتولين کي اِتني بڑي تعداد اُسي فوج ميں ہوسکتي ہے جو ڈيڑھ دو لاکھہ سے کم نہ ہو .

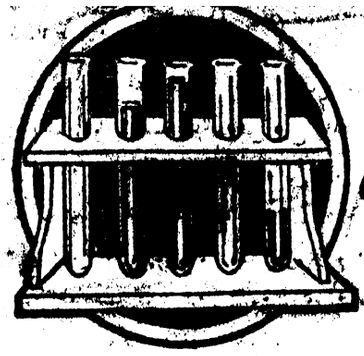

مذاکرہ علمیہ

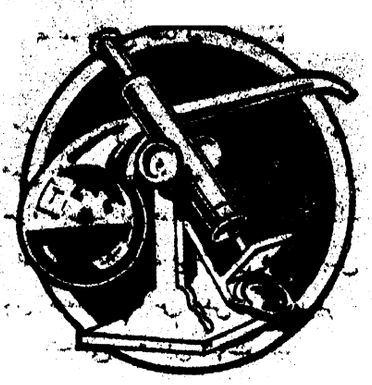

ذرۂ آب کی سرگزشت

علمی مطالب کے بیان کا ایک دلچسپ اور دلنشیں طریقہ یہ ہے کہ تمثیلات و حکایات کے پیرایہ میں بیان کیے جائیں تاکہ وہ لوگ بھی دلچسپی لے سکیں جو علمی مطالب کے خشک مباحث کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ یورپ کے بعض اہل قلم اس قسم کی ادبیات لکھنے میں شہرت و امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ منجملہ انکے مسٹر ویر شیلڈ ہیں جو شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے رسالہ سائینٹفک امریکن میں ایک دلچسپ سلسلہ لکھنا شروع کیا تھا جسکے ہر نمبر میں کوئی ایک علمی موضوع بطریق تخیل و حکایت بیان کرتے تھے۔ ہم آج اس سلسلہ کا پہلا نمبر ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ یہ ذرۂ آب کی سرگزشت ہے اور خود اسی کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ پانی کا وہ چھوٹا سے چھوٹا خوردبینی (Microscopic) ذرہ جو چشم غیر مسلح (Naked eye) سے دکھائی بھی نہیں دیتا۔ اپنے نشوؤ بلوغ کے مختلف درجوں سے گزر کر کس طرح ایک عظیم اور بے کنار سمندر کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ اور پھر ابتدا کی اس بے مایگی سے لیکر انتہا کی عظمت بے پایاں تک کیسے کیسے عجیب تغیرات و تاثرات اس پر گزرتے ہیں؟ وہ کبھی بادلوں کی چادر ہے۔ کبھی بارش کی بوند ہے۔ کبھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی سطح منجمد ہے۔ اور کبھی نہروں کی روانی کی صورت میں گنگا جمنا اور دجلۂ و فرات ہے۔ حکمت الٰہی اور فطرۃ کائنات کے یہ تمام عجائب اس مختصر سی داستان میں آپ سن لینگے۔ اس مضمون کے ساتھ دو تصویریں بھی درج کی جاتی ہیں جو ذرۂ آب کے تبدلات کے دو مختلف منظر پیش کرتی ہیں۔ ایک تصویر میں پہاڑی نہر کا منظر دکھلایا ہے جب وہ جم کر بالکل برف ہو گئی ہے۔ دوسری تصویر میں قلم فطرۃ کی نہایت ہی عجیب گلکاری ہے۔ یعنے منجمد پانی کے وہ بلوری مربع ہیں جن میں طرح طرح کے نقوش بن گئے ہیں۔

میں پانی کا ایک ننہا سا ذرہ ہوں۔ اتنا چھوٹا ہوں کہ انسانی آنکھ لاکھ کوشش کرے مجھے دیکھ نہیں سکتی۔ قوی سے قوی خوردبین میں بھی میں نظر نہیں آسکتا۔ تاہم میں موجود ہوں۔ یقینی طور پر موجود ہوں۔ میرے وجود میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کرسکتا۔ میں اپنے ہی جیسے ننھے ننھے ذروں سے مل کر موسلادھار مینہ کی صورت میں شور برپا کرتا ہوں، دریا کی شکل میں موجیں مارتا ہوں، پھر بے پایاں سمندروں کی نیلگوں سطح بنکر زمین کے چاروں طرف پھیل جاتا ہوں۔ میں اس سے بھی بڑھ کر ایک چیز ہوں۔ میں تمام حیوانات و نباتات کے جسموں میں موجود ہوں۔ بلکہ اکثر جسم مجھی سے بنے ہیں۔ میں زمین کے بھی تقریباً ہر مادہ میں موجود ہوں۔ حتیٰ کہ سنگلاخ چٹانوں اور ٹھوس دھاتوں تک میں سمایا ہوا ہوں۔ میری سرگزشت بہت طولانی ہے۔ اگر سننا چاہتے ہو تو مجھے انکار نہیں۔

(میری پیدایش)

میں کس طرح پیدا ہوا؟ یہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ لیکن مجھے معلوم ہے۔ بے شمار صدیاں گزر چکی ہیں۔ کم سے کم دس کروڑ برس پہلے میں پیدا ہوا تھا۔ اس تمام مدت کے اندر کیسے کیسے عجیب و غریب حالات مجھپر گزرے؟ یہ ایک نہایت طویل داستان ہے۔ تم اسے شروع سے آخر تک کسی طرح بھی نہیں سن سکتے۔ اس کیلئے کئی سو برس درکار ہونگے۔ تمہاری عمر زیادہ سے زیادہ سو برس کی ہوتی ہے حالانکہ یہ بمشکل میری زندگی کی ایک ساعت ہے!

ایک زمانہ ایسا گزرا ہے جب میں پانی نہ تھا۔ کوئی دوسری ہی چیز تھا۔ پھر ایک عجیب طریقہ پر میری ہستی کی ابتدائی بناوٹ ہوئی۔ یہ کروڑوں برس پہلے کی بات ہے۔ دراصل میری ولادت ایک آتش فشاں پہاڑ یعنی آگ کے پہاڑ کی گردن میں ہوئی تھی۔ یہ پہاڑ اب موجود نہیں ہے۔ بجھکر خاک ہوگیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب زمین نئی نئی جمی تھی۔

میں اس طرح پیدا نہیں ہوا جس طرح نر اور مادہ کے ملنے سے حیوان اور پھول پتے پیدا ہوتے ہیں۔ میری پیدائش دو ذاتوں سے نہیں، تین ذاتوں سے ہوئی ہے۔ "ہیڈروجین" کے دو جوہر "آکسیجن" کے جوہر سے مل گئے۔ انکے ملتے ہی میں اچانک ظاہر ہوگیا!

یہ تین جوہر جنکے ملنے سے میری خلقت ہوئی ہے، بہت پہلے سے موجود تھے۔ اتنے پہلے سے جسکا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ میرے ان اجداد کی تاریخ ضرور عجیب اور عظیم الشان واقعات سے لبریز ہوگی۔ اگر مجھے کسی طرح معلوم ہوجاتی تو میں آفتاب کی اصلیت اور ستاروں کے گزشتہ انقلابات کے تمام اسرار فاش کردیتا۔ یہ تینوں جوہر اثیر (ایتھر) یا لامتناہی فضا میں موجود تھے جس سے کہ آفتاب کی تکوین ہوئی ہے۔ پھر جب ستارے آفتاب سے جدا ہوگئے تو میرے ان تینوں بزرگوں نے اپنے لئے زمین پسند کرلی۔ وہ شاید جانتے تھے کہ زمین ہی زندوں کا مسکن بنیگی، لہذا انہوں نے کمال دانشمندی سے باقی تمام ستاروں پر اسے ترجیح دی۔ صرف ترجیح ہی نہیں دی بلکہ یہ احسان عظیم بھی کیا کہ اسے کرہ بننے کیلئے جس ابتدائی سروسامان کی ضرورت تھی، اسکے بنانے میں اس کا ہاتھ بھی بٹایا۔ حالانکہ وہ خود اس وقت نہایت کمزور اور کم مقدار تھے۔

میری تکوین کے وقت یہ تینوں حضرات، جیسا کہ ابھی کہہ چکا ہوں، آتش فشاں کی گردن میں معلق تھے۔ انکے لئے پہاڑ کے آتشیں پیٹ میں باہم ملاقات و معانقہ ناممکن تھا۔ کیونکہ وہاں سخت گرمی تھی اور دباؤ بھی بے حساب تھا۔ لہذا وہ اوپر کو چلے۔ یہاں انہوں نے حرارت میں جو ذرا کمی پائی تو بے صبری سے بیچ گردن ہی

میں هم آغوش هوگئے- اُنکا ملنا نه تها - ایک طلسم تها - فوراً میرا وجود ظهور میں آگیا!

لیکن یه نه سمجهنا که ان تینوں بزرگوں کو صرف ایک هي فرزند نصیب هوا- ایک اکیلا میں هي پیدا نهیں هوا تها- میرے ساتهه بیک وقت میرے کروڑوں بهائي بهن بهي پیدا هوگئے تهے- سب ٹهیک میری هي طرح پیدا هوئے اور بالکل میرا هي سا قد و قامت پایا- میں کیا کهوں هم سب کس دوزخ میں تهے ؟ هماری جنم بهومي میں قیامت کي گرمي تهي - دم منهه کو آتا تها- گلا گهٹا جاتا تها- ایک پر ایک گرا پڑتا تها- آخر اِسکے سوا کوئي صورت نظر نه آئي که کسي طرح باهر نکل کهڑے هوں - چنانچه هم آهسته آهسته اوپر کي پهاڑ کي گردن تک پهنچے- یهاں جو ذرا دباؤ میں کمي هوئي اور هماري قوت بڑهي تو هم سب نے ایک ساتهه زور مارا اور اچانک باهر کود پڑے- همارا نکلنا کوئي معمولي سي بات نه تهي - ایک هولناک دهماکا تها - پهاڑ کي پوري چوٹي اُڑکر ریزه ریزه هوگئي- پهر هم نے فوراً پهاپ کے ایک ستون کي شکل اختیار کرلي - یه ستون بهت لمبا تها- هم سیدهے اوپر کي طرف اُٹهتے رهے- اب هم اپني سب سے پهلي قید سے آزاد هوگئے تهے .

(فضـــا میں پـــرواز)

پهاڑ کي چوٹي توڑ کر جب هم باهر نکلے تو میں نے اپنے آپکو فضا میں اڑتا پایا- گرم هوا مجهے بهت اونچي بلندیوں پر لے گئي- میں نهیں کهه سکتا کتني دور تک پهنچا - میرے پاس ناپنے کا کوئي آله نه تها - تاهم مجهے یقین هے که زمین سے دس میل تو ضرور اوپر هوگیا هونگا - وهاں پهنچکر میں ٹهہر گیا- آکسیجن اور نائٹروجن کے عناصر جنسے هوا مرکب هے مجهے گهیرے تهے- میرے گرد کروڑوں آبي ذرے رقص کر رهے تهے- کسي کو قرار نه تها- حیرت انگیز سرعت سے اوپر نیچے هوتے رهتے تهے- ساتهه هي سخت تصادم بهي جاري تها- هر لمحه لاکهوں ذرے آپسمیں ٹکریں مارتے اور هر ایک عناصر بهي انسے متصادم هوتے- میں کهه نهیں سکتا کس غرض سے یه تمام رقص و تصادم جاری تها؟ بلکه مجهے یه بهي معلوم نهیں انکے وجود سے مقصود اصلي کیا تها؟ میں صرف اپنا مشاهده بیان کررها هوں- اسرار اور عمل کا شناسا نهیں هوں .

بهر حال هواؤں نے همیں اپني گود میں اٹها لیا اور مشرق کي سمت لے چلیں- تم کهوگے مشرق کي طرف کیوں لے گئیں؟ یه اِس لئے که اُن بلندیوں پر هوائیں همیشه پچهم سے پورب هي کي طرف چلتي هیں- هواؤں کي گود میں آرام سے بیٹهکر میں نے اپنے دوسرے ساتهیوں آبي اور خاکي ذروں کے ساتهه پورے کرهٔ زمین کا پهلي مرتبه دوره لگایا .

یه بڑے اچهے دن تهے - همارے لئے خوشي هي خوشي تهي- هوا نهایت لطیف تهي- هم پاني کے ذرے پوري آزادي اور وسعت کے ساتهه چلتے پهرتے تهے- یه آزادي همارے لئے سب سے بڑي نعمت تهي کیونکه حرکت هماري فطرت میں هے - هم ایک دم بهي ٹهہر نهیں سکتے- اُس وقت حرکت کي همیں پوري آزادي تهي - اسکا نتیجه یه ضرور تها که هم میں هروقت سخت تصادم جاري رهتا تها- ایک لمحه میں لاکهوں مرتبه باهم ٹکراتے تهے!

اُس زمانه میں همارا مسکن بادلوں اور هواؤں کے اوپر تها- یه تمام چیزیں نشیبي فضا میں رهتي هیں اور هم اُنسے بلندی پر تهے- هم اپنے اوپر آسمان کو سیاه دیکهتے اور آفتاب نیلا دکهائي دیتا - تارے همیں ٹهیک دوپهر کو بهي نظر آجاتے تهے- وهاں هوا از بس لطیف هے- زمین سے دسواں حصه بهي اُس میں کثافت نهیں - لیکن هوا کي اِس لطافت نے آفتاب کي شعاعیں بهت تیز کردي تهیں - کیونکه لطیف هوا دهوپ بهت کم جذب کرتي هے - یهي باعث هے که وهاں سردي بهي بلا کي پڑتي هے- سورج کي شعاعیں بهت تیز تهیں لیکن مجهپر انکا کوئي اثر نهیں پڑتا تها- اُنکا اثر صرف اُنهیں جسموں پر پڑسکتا هے جو بهت سے ذروں سے مرکب هوکر بنے هوں- مجهپر کیسے اثر پڑتا ؟ میں تو محض ایک ننها سا ذره تها.

(بادلوں میں داخله)

مدت دراز تک هم اِسي حالت میں رهے- پهر هوا کا وه حصه ٹهنڈا پڑگیا جهاں هم تهے- میں فوراً اپنے لاکهوں بهائیوں کے ساتهه خاک کے ایک ذره سے لپٹ گیا جو پاس هي اُڑرها تها - اِس حرکت کا نتیجه یه هوا که میں اچانک پاني کا ایک منجمد قطره بن گیا - لیکن یه قطره نهایت هي چهوٹا اور هلکا تها- یهي وجه هوئي که وه هوا میں برابر اُڑتا رها - میرے قطره کي طرح اور بهي بے شمار قطرے بن گئے تهے- یه سب میرے قطرے سے مل گئے اور اب هم ایک برفاني بادل کي صورت میں آسمان پر چهاگئے - یه قصه اُس وقت کا هے جب تمهاري انساني نسل کا کهیں پته بهي نه تها- بلکه کوئي بهي سانس لینے والا حیوان زمین پر موجود نه تها - البته مچهلیاں موجود تهیں - اگر وه اُس وقت آسمان کي طرف نگاه اُٹهاکر دیکهتیں تو اُنهیں اِس گنبد نیلگوں میں بادل کي ایک خوبصورت چادر هلتي نظر آتي!

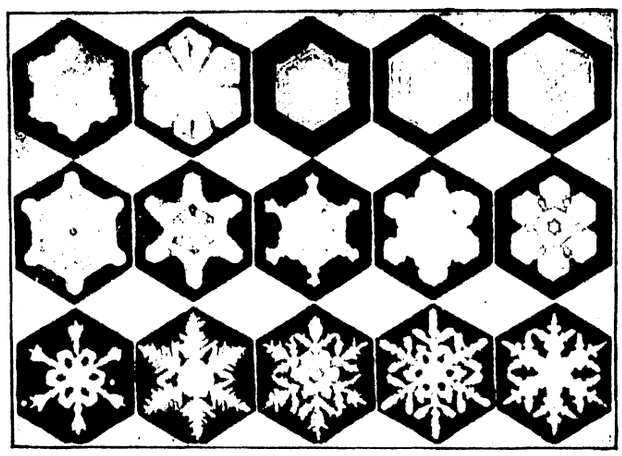

برف کے بلوري ٹکڑے جس طرح که خوردبین میں نظر آتے هیں

اِس اثنا میں کبهي کبهي هوا کي هلکي موجیں هم سے آکر ٹکراتي تهیں اور همیں ایک دوسرے سے جدا کردیتي تهیں- اِس حالت میں همارا بادل غائب هو جاتا تها- کیونکه هوا کے تصادم سے گرمي بڑهه جاتي تهي اور همارے برفاني قطرے بهاپ بن کر اوجهل هوجاتے تهے- یه عمل مدت تک جاري رها - آخرکار ایک مرتبه ایسا هوا که هم اتفاق سے نشیبي فضا میں سیر کر رهے تهے- اچانک هوا کي موجیں آکر ٹکرا گئیں- اِس وقت اُنکي رفتار بهت زیاده تیز تهي- اِس سرعت کا لازمي نتیجه حرارت کي زیادتي هوئي - هم نے غبار کا ایک ذره پکڑکر سهارا لینا چاها - مگر اچانک سیال پاني کي ننهي بوند بنکر رهگئے - یهي حال میرے دوسرے بهائي بندوں کا بهي هوا- سب پاني کي بوندیں بن گئے - پهر اِن سب بوندوں نے مل کر ایک چهوٹي سي آبي بدلي کي شکل اختیار کرلي - یه بدلي کي دوسري حالت تهي جو هم پر طاري هوئي .

همارے یه دوسري بدلي آهسته آهسته بهاري اور موٹي هوتي گئي- کیونکه بے شمار آبي ذرے اُس میں آکر جمع هوتے گئے- هوتے

ہوئے یہي بدلي ایک عظیم‌الشان کالي گھٹا کي صورت میں تبدیل ہوگئي- وہ پورے آسمان پر چھاگئي تھي اور سورج کو زمین کے ایک حصہ سے چھپادیا تھا- اب ہم دو مخالف اور متضاد قوتوں کے بیچ میں تھے- ایک طرف قوت جاذبہ تھي - یہ ہمیں مجبور کرتي تھي کہ ایک دوسرے سے ملیں اور باہم پیوست ہوں تاکہ بڑے بڑے قطرے وجود میں آئیں - دوسري طرف قوت دفع کرنے والي تھي اور اسکي کوشش یہ تھي کہ ہم باہم ایک دوسرے سے جدا رہیں اور منتشر ہو جائیں - لیکن یہ قوت آہستہ آہستہ کمزور ہوتي گئي اور پہلي قوت قوي ہوتي گئي - لہذا ہماري باہمي پیوستگي برابر بڑھتي رہي اور بڑے بڑے قطرے بنتے گئے .

ہوتے ہوتے یہ قطرے اِتنے بڑے اور وزني ہوگئے کہ ہوا میں اُنکے اُٹھانے کي قوت باقي نہ رہي - اب ایک عظیم انقلاب پیش آیا - قطرے مینھہ کي صورت میں زمیں پر آ کر گرے ' اور میں جو بالا نشیں تھا زمین برس ہوگیا - یا تو ہوا کي گود میں اِتني بلندي پر اُڑا اُڑا پھر رہا تھا' یا اب گر کر دریائے زخار کا ایک نہایت ہي حقیر جزو ہوکر رہ گیا - اِتنا حقیر کہ تم شاید تصور بھي نہیں کرسکتے - سوئي کي نوک پر پاني کي جتني بڑي بوند ٹھہر سکتي ہے ' اُس سے بھي کہیں زیادہ میں چھوٹا تھا - اِس بوند میں میرے جیسے کروڑوں ذرے موجود ہوتے ہیں!

(سمندر میں واپسي)

سمندر میں پہنچکر ایک اور انقلاب میں نے دیکھا - فضا میں اگرچہ میں آزاد تھا تاہم ہوا کے قبضہ ہي میں تھا - ہوا مجھے اٹھائے اور پکڑے تھي - لیکن اب سمندر میں خود میں نے پگھلے ہوے مواد گھیرنا اور پکڑنا شروع کردیے - یہ مواد مختلف قسم کے ہیں اور تمھارے علماء نے انکے الگ الگ نام رکھے ہیں- اِن میں سب سے زیادہ مشہور کھانے کا نمک ہے - اِس کا نام اصطلاح میں " کلورایڈ سوڈیم " یا " کلورایڈ سوڈیک " ہے - اسکے بعد "کلورایڈ مگنیشیم" پھر " سلفائڈ مگنیشم " اور " کلشیم" اور " پوٹیشیم" اور " کاربن" اور " برومائڈ" اور "آیوڈایڈ" اور " فلورایڈ " وغیرہ ہیں- اِنہي مواد میں سونا چاندي بھي داخل ہیں- غرضکہ سمندر کا پاني اُنسے خالي نہیں ہے- ہم نے باوجود رقیق ذرے ہونے کے بہت سے مواد قید کرلئے' جس طرح ہوا نے گیس ہونے پر بھي ہمیں قید کر رکھا تھا- ہم نے صرف یہي نہیں کہ خود ہوا سے بھي اپني پراني قید کا بدلہ لے لیا - لیکن وہ بھي انتقام پر اتر آئي - اُسنے غیظ و غضب سے ہم پر حملے کرنا اور موجوں کي شکل میں ہمیں اُچھالنا شروع کیا - دوسري مصیبت یہ پیش آئي کہ بعض علاقوں میں سورج بھي ہم پر نہایت سختي سے اپني گرم شعاعیں ڈالنے لگا - اِس کا اثر یہ ہوا کہ ہمارا وزن کم ہوگیا اور رفتار سست پڑگئي- اِس دوران میں میري حالت ناقابل بیان تھي - کبھي میں ساحل پر آکر گرتا تھا ' کبھي دھارے میں پڑکر خط استوا سے قطب تک چلا جاتا تھا' اور کبھي زمین کے چاروں طرف چکر کھاتا پھرتا تھا .

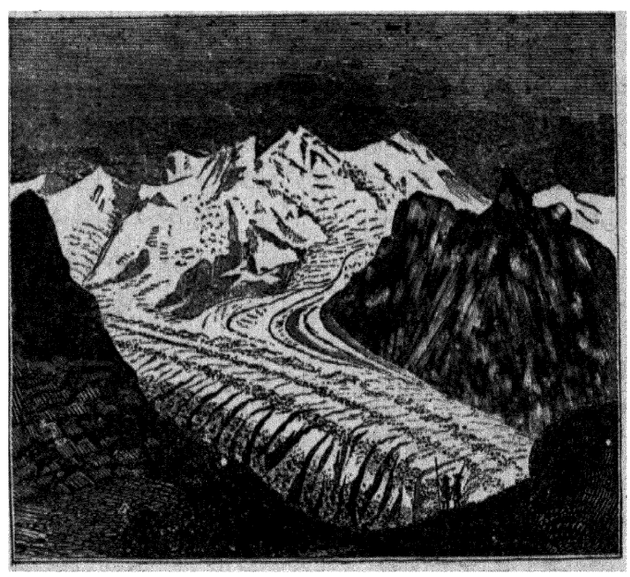

منجمد تہہ ایک سطح جو اوپر کي چوٹیوں سے نشیب میں جارہي ہے

ستم یہ ہوا کہ ہوا اور سورج دونوں مخالف ہوکر ہمیں نیچا دکھانے پر تل گئے - ایک مرتبہ میرے بہت سے بھائي بند آبي ذرے سطح سمندر پر غفلت میں پڑے تیر رہے تھے کہ اچانک ہوا نے حملہ کردیا اور قید کرلینا چاہا- سورج بھي فوراً اُسکي کمک پر مستعد ہوگیا اور اپني شعاعوں کا لشکر اتار دیا - اب مقابلہ ناممکن تھا- یہ تمام ذرے قید ہوگئے- میري جو شامت آئي تو میں بھي تماشہ دیکھنے اوپر آ گیا - ہوا اور سورج نے دیکھا تو مجھپر بھي ہاتھ صاف کیا اور قید کرکے اوپر لے چلے- میري ناداني دیکھو کہ میں اِس قید پر بہت خوش ہوا - میں نے خیال کیا کہ سمندر میں رہنے سے ہوا میں رہنا کہیں اچھا ہے- چنانچہ بغیر کسي عذر کے روانہ ہوگیا - بہت اوپر لیجاکر ہوا نے مجھے چھوڑ دیا - میں خوش و خرم لامتناهي فضا میں رقص کرنے اور دوڑنے لگا- اب مجھے کوئي غم نہ تھا- جب ذرا جي گھبراتا تو نیچے نظر کرکے خشکي اور تري کا تماشہ دیکھہ لیا کرتا - مجھے معلوم نہ تھا کہ میري اس خوشي کي عمر بہت تھوڑي ہے .

(برفاني دریا اور پہاڑ میں)

مدت دراز تک میں اِسي حالت سے آسمان پر سیاحي کرتا رہا- کبھي تن تنہا پھرتا - کبھي بھاپ کے ابر کے ساتھہ ہواخوري کرتا- اخر یہ آزادي رنگ لائي- ایک دن میں سیر و تفریح میں مصروف تھا کہ سخت سردي نے آگھیرا- قریب تھا کہ اکڑ کر رہ جاؤں - میں بھاگا- فوراً برف کے ایک ننھے سے قطرہ میں جو نہایت شفاف ' بلوري' اور مثلث تھا ' میں جا گھسا - یہ مثلث قطرہ دوسرے برفاني مثلثوں کے ساتھہ سرد ہوا میں قائم تھا- نور کي شعاعیں اُنپر پڑتیں اور منعکس ہوکر ہالے کي شکل میں سورج اور چاند کے گرد نظر آتیں- اِسکے بعد میرے برفاني مثلث نے آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا- یہانتک کہ مسدس شکل کي ایک برفاني چادر سي بن گئي - یہي حال دوسرے مثلثوں کا بھي ہوا- پھر سب باہم مل گئے ' اور برف کا بھاري بادل بن کر فضا میں چل پڑے - چلتے چلتے ایک بہت ہي قدیم اور سربفلک پہاڑ ملا - میں نے کہ پہاڑ کبھي نہیں دیکھا تھا - اِس پر برف جمي پڑي تھي- ہمارا بادل اچانک اُس کي چوٹي پر اُتر پڑا- اب بھي نجات ممکن تھي ' مگر غضب یہ ہوا کہ ہمارے بادل پر فوراً اور بہت سے برفاني بادل بھي آگرے- میں انکے نیچے بالکل دفن ہوگیا - یہاں کي سردي ناقابل بیان تھي - کہاں میں خط استوا کے سمندروں میں گرم سورج کے نیچے رہتا تھا ' یا اب برف کي بے شمار تہوں کے نیچے دبا پڑا تھا !

لیکن خوش نصیبي سے میرے اوپر کي برف کو ترس آ گیا - شاید خود اُسے بھي سردي لگي اور وہ آہستہ آہستہ پہاڑ سے نیچے کي طرف پھسلنے لگي- اب مجھے پھر اِس مصیبت سے نکلنے کي امید بندھي - مگر ابھي قسمت میں آرام نہ تھا- اوپر سے اور برف برابر گررہي تھي - قبل اِسکے کہ میري برف پگھل کر پاني ہو'

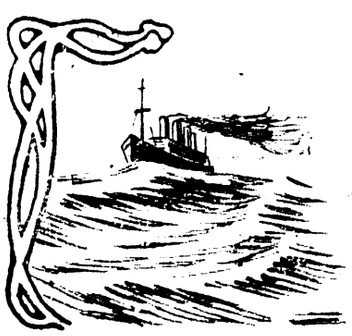

بریدِ فرنگ

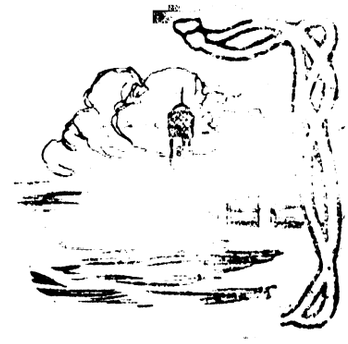

جمہوریۃ اور شاہیۃ کی نئی کشمکش

تاج بدلنے دو جرمن مورتوں کی مخفی جنگ

الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے

(اصل انگریزی سے ترجمہ کیا گیا)



فیلڈ مارشل ہنڈنبرگ

چند دن ہوئے برلن کی سڑکوں نے ایک ہیبت ناک منظر دیکھا - شاہراہوں پر اس طرح گولیاں چلتیں اور لاشیں گرتی تھیں جس طرح عام بغاوتوں کے زمانہ میں ہوا کرتا ہے - یہ لڑائی جمہوریت پسندوں اور شاہ پسندوں کے درمیان تھی - پولیس بھی بے دھڑک فیر کر رہی تھی اور علانیہ جمہوریت پسندوں کے خلاف تھی - لڑائی کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پریسیڈنٹ ہیڈنبرگ کا حریف ہوئیلان بھی اس میں شریک تھا اور سخت زخمی ہوا .

لیکن یہ لڑائی کتنی ہی سخت ہو' مجھے اس کی تفصیلات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں - رپوٹر ایجنسی نے اس فرض سے سبکدوش کردیا ہے - مجھے اس وقت اصلی معاملہ پر غور کرنا ہے - یہ لڑائی اور اس جیسی بہت سی لڑائیاں جو جرمنی میں ہوتی رہتی ہیں' بجائے خود زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں - اصلی اہمیت اس سبب کو حاصل ہے جو ان خانہ جنگیوں کا اصلی موجب ہے .

دنیا جانتی ہے کہ جرمنی میں اگرچہ جمہوری حکومت قائم ہوگئی ہے مگر ملک کا عام رجحان شاہی کی طرف ہے - جرمنی آج بھی اسی طرح تاج و تخت کی پرستش کرتا ہے ' جس طرح جنگ سے پہلے کرتا تھا - معزول قیصر اس وقت بھی جرمن دلوں کا ویسا ہی دیوتا ہے جیسا اپنے عروج کے زمانہ میں تھا - جرمنی میں جمہوری حکومت اس لئے قائم نہیں ہوگئی ہے کہ باشندوں کی اکثریت اسے چاہتی ہے ' بلکہ اس وجہ سے ہے کہ جرمنی کے لئے انگلستان اور فرانس کو خوش رکھنا ضروری ہے اور وہ سابق قیصر اور خاندان ہوہنزولرن کی حکومت پسند نہیں کرتے .

پھر دنیا یہ بھی خوب جانتی ہے کہ اب ان دونوں طاقتور حریفوں کا رعب ہم بلکہ تقریبا زائل ہوگیا ہے - اب جرمن علی الاعلان اپنے شاہ پسندانہ میلان کا اظہار کرتے اور جنگی سپہسالار اپنے آقا ولیعہم کی وفاداری کے کھلے بندوں مقر ہیں - خود جنرل ہنڈنبرگ موجودہ رئیس جمہوریت بھی اپنے اس رجحان کے لئے مشہور ہو چکا ہے - ایک مرتبہ تو اس نے صاف صاف اعلان کردیا تھا کہ " سابق قیصر کی وفاداری کی جو قسم میں نے کھائی تھی ' اس سے ابتک آزاد نہیں ہوا ہوں " یہی باعث ہے کہ جب وہ رئیس جمہوریت منتخب ہوا تو عام طور پر دنیا نے خیال کیا کہ یہ قیصر کے واپس آنیکی تمہید ہے - یہ خیال بے بنیاد بھی نہ تھا - یہ واقعہ ہے کہ اس بوڑھے جنرل نے سیاسی زندگی کی " برجھل ذمہ داریاں زیادہ تر اسی نیت سے قبول کیں کہ اپنے پرانے آقا کے لئے زمین طیار کرے - برلن کے سیاسی حلقوں میں تو یہانتک کہا جاتا ہے کہ ہنڈنبرگ نے یہ منصب خود قیصر کے اصرار و حکم سے قبول کیا ہے - صرف ہیڈنبرگ ہی نہیں ' جو جماعت اس وقت برسر حکومت ہے ' اسکی اکثریت بھی سراسر شاہ پسند ہے .

میں جس پہلو پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ' وہ ابتک عام نظروں سے تاریکی میں ہے - باوجود شاہ پرستی کے عام میلان کے ابتک شاہی حکومت کا قیام کیوں وجود میں نہیں آسکا ؟ یہ سوال اکثر دلوں میں پیدا ہوتا ہے مگر صاف جواب حاصل کئے بغیر رہ جاتا ہے .

نئی برف نے آکر اسے ٹھوس یخ بنا دیا - اب میں سخت اور شفاف برف کی چٹان کا ایک جزء بن گیا تھا - قدرت کے کرشمے دیکھو ! ایک وقت میں بھاپ کا ذرہ تھا - ہر طرف اڑتا پھرتا تھا - اب ایک نہایت ٹھوس جسم کا جزء بن گیا - جب تک ہوا میں رہا ' آزادی سے حرکت کرتا تھا - سمندر میں بھی زیادہ بندش نہ تھی - لیکن برف میں پڑ کر مجھے صدیوں ایک تنگ اور سرد قید خانہ میں رہنا پڑا - نہ وہاں روشنی نظر آتی تھی - نہ کسی طرف جنبش کرسکتا تھا - اندھیرا گھپ - موت کی سی خاموشی - قبر سے بدتر قید خانہ !

(سمندر میں واپسی)

صدیاں گزر گئیں - میں نا امید ہو چکا تھا - سمجھتا تھا کبھی رہائی نصیب نہ ہوگی - مگر یہ بھی میری غلطی تھی - جس برف میں میں مقید تھا وہ برابر نیچے اترتی جاتی تھی در اصل اسکے ایک پرفانی سیلاب کی شکل اختیار کر لی تھی - اترتے اترتے وہ زمین کے کنارے پہنچ گئی - میں بالکل غافل تھا - اچانک اسکا ایک بڑا ٹکڑہ ٹوٹ کر سمندر میں گر پڑا اور زور کا دھماکا ہوا - میں سمجھا پہاڑ پھٹ پڑا ہے - پھر خاموشی چھاگئی اور میری نا امیدی لوٹ آئی - لیکن بالآخر ایک دن جبکہ میں غافل تھا ' برف کا وہ ٹکڑہ ایک طوفان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا ' اور میں قید سے آزاد ہوگیا - اب میں پھر اسی سمندر میں پڑا تیر رہا ہوں جس سے کسی زمانہ میں ہوا قید کر کے آسمان پر لے اڑی تھی - یہ ہے میری سرگزشت کا ایک حصہ - باقی حصے کسی دوسری فرصت میں بیان کرونگا .

تحقیقات کے بعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہی کے قیام میں زیادہ تر اس وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے کہ خود شاہ پسندوں میں پھوٹ پڑگئی ہے - اُنکی دو پارٹیاں ہوگئی ہیں اور ایک دوسرے کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہے -

عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پارٹیوں کے لیڈر دو ضدی عورتیں ہیں - دونوں میں سخت عداوت ہے - ایک دوسری کو پیس ڈالنے پر تلی ہوئی ہے اور پس پردہ سخت جنگ ہو رہی ہے - صدیوں کے بعد آج جرمنی پھر عورتوں کی سازشوں کا آماجگاہ بن گیا ہے .

یہ دونوں لڑنے والی عورتیں کون ہیں ؟ سامں اور بہو ! سابق قیصر ولیم کی نئی دلہن اور سابق ولی عہد کی بیگم - یہ ہیں وہ دو آتش مزاج اور اولوالعزم عورتیں جو پروشیا کے تخت کے لئے خانہ جنگی کی طیاریاں کر رہی ہیں !

یہ ایک کھلا راز ہے کہ شاہزادی ہرمائن (سابق قیصر کی دوسری بیوی) اپنے بڑھے شوہر کے دل و دماغ پر پوری طرح حاوی ہے - خود قیصر ولیم امریکا کے ایک مشہور اخبار میں ایک حد تک اس کا اعتراف کر چکے ہیں - قیصر نے اپنے مضمون میں اپنی دو محبتوں کی سرگزشت لکھی تھی - پہلی محبت کا تعلق متوفی ملکہ اُگسٹا سے ہے - اِس کے بارے میں قیصر نے یہ جملہ لکھا تھا : " اُسکی جدائی کا داغ میرے قلب سے کبھی مٹنے والا نہیں " لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ داغ مٹ گیا اور بدنصیب شہنشاہ کے آنسو زندگی کی ایک نئی دلچسپی نے بہت ہی جلد خشک کردیے - ایک دن یہ غمزدہ انسان اپنی ڈاک کا تھیلا دیکھ رہا تھا - اچانک ایک خط نظر آیا - یہ خط ایک بیوہ کے لڑکے نے لکھا تھا .

قیصر کہتا ہے " مجھے فوراً اپنے ایک مرحوم وفادار افسر کا نام یاد آ گیا اور اس مناسبت نے دلچسپی پیدا کردی " چنانچہ خط و کتابت جاری ہوگئی اور قیصر کے دل میں محبت کی گدگدی پیدا ہونے لگی - شاہزادی ہرمائن کی شادی اسی اتفاقی خط و کتابت کا نتیجہ ہے - قیصر نے بڑی گرم جوشی سے اپنی نئی بیوی کا ذکر کیا ہے - دوروں میں آنے جانے والے واقف ہیں کہ بوڑھا شہنشاہ کس طرح اپنی نئی دلہن کے قبضہ میں ہے - سابق ملکہ کے ساتھ وہ ایک سخت گیر شوہر تھا - مگر اب وہ پورے معنوں میں مطیع خاوند ہے .

یہ واقعہ ہے کہ جنگ میں ناکامی کے بعد قیصر کی طبیعت بالکل بجھ گئی تھی - وہ بقیہ زندگی گوشہ نشینی میں گزارنا چاہتا تھا - مگر شاہزادی ہرمائن نے آکر اُس میں ایک نئی روح پھونک دی - یہ اُسی کے اِصرار کا نتیجہ تھا کہ قیصر نے کھوئے ہوئے تاج و تخت کا پھر خیال کیا اور برلن واپس جانے کی کوشش شروع کردی .

جاننے والے جانتے ہیں کہ ہرمائن کیسی بلند حوصلہ اور مستقل مزاج عورت ہے ؟ وہ اپنے سر پر تاج دیکھنے کیلئے سخت بیچین ہے - ممکن ہے وہ پورے جرمنی کی ملکہ نہ بن سکے - لیکن پروشیا کے تاریخی تخت پر بیٹھنے کا تو اُسنے عزم مصمم کر لیا ہے - قیصر کی اِس وقت بھی یہی ضد ہے کہ اُسے سب لوگ " امپریس " (شہنشاہ ملکہ کے) لقب سے پکاریں .

میدان میں ایک طرف ہرمائن ہے اور پوری قوت سے کام کر رہی ہے - دوسری طرف شاہزادی سیسیلیا سابق ولی عہد کی بیوی کھڑی ہے - یہ شاہزادی اپنے شوہر کی طرف سے بالکل نا اُمید ہوگئی ہے - اب اُسکی اُمیدوں کا مرکز اُس کا لڑکا ہے جسکی عمر اس وقت ۲۴ برس کی ہوگئی - وہ اسی کو تخت شاہی پر بٹھانا چاہتی ہے - قیصر ولیم کا یہ پوتا نہایت خوبصورت ، خوش اخلاق ، ملنسار ، اور بہادر ہے - پوری جرمنی اُس سے محبت کرتا ہے - اُس کی شخصیت کے متعلق طرح طرح کے عقیدتمندانہ قصے تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں .

اِن دونوں شاہزادیوں میں جان توڑ مقابلہ ہو رہا ہے - دونوں اِس جنگ میں غیرمعمولی ہمت و مہارت ظاہر کر رہی ہیں ، اور دونوں نے لاکھوں دلوں پر قبضہ کر لیا ہے - مگر ایسے آثار موجود ہیں جو ہرمائن کی فتحمندی کا زیادہ یقین دلاتے ہیں - بلکہ اس وقت تک وہ کئی کامیابیاں حاصل بھی کرچکی ہے - چنانچہ اپنے اور اپنے شوہر کیلئے حکومت سے دو لاکھ پچاس ہزار ایکڑ زمین اور ایک لاکھ پونڈ نقد حاصل کر چکی ہے - روز بروز اُسکا اقتدار بھی بڑھتا جاتا ہے - بظاہر اُسکی کامیابی قریب ہے - معزول قیصر کی واپسی کے خلاف جو قانونی بندش کئی سال سے قائم تھی ، چند مہینے بعد ختم ہو جائیگی - خیال کیا جاتا ہے کہ اُس وقت قیصر کو کوئی قوت بھی جرمنی میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتی !

یہ عجیب بات ہے کہ اِس لڑائی میں دونوں کے شوہر بڑی حد تک بے غرض ہیں - معزول قیصر کی زندگی ختم ہونے پر ہے - اِس لئے اُسے اپنی ذات کے لئے اب کچھ ہونا نہیں ہے - صرف اپنی محبوب بیوی کی رضا جوئی پیش نظر ہے - اسی طرح سابق ولی عہد بھی تاج و تخت سے بیزار ہے - صرف اپنے بیٹے کی محبت اُسے مجبور کر رہی ہے کہ اپنی بیوی کی کوششوں کا ساتھ دے .

پاؤں کی کیلیں

بعض آدمیوں کے پیروں میں کیلیں نکل آتی ہیں - یہ کیلیں گھٹنوں سے مختلف ہوتی ہیں - گھٹنا پڑتا ہے تو اُس میں پاؤں کی کھال مڑتی ہو جاتی ہے - کیل میں بھی کھال مڑتی ہو جاتی ہے مگر سادہ ہی گوشت میں اُٹھنی کیل کی طرح ایک لمبی سی کیل بھی پڑ جاتی ہے اور سخت تکلیف دیتی ہے - عام طور پر اسے کاٹ دیا جاتا ہے اور عارضی آرام ہو جاتا ہے مگر وہ پھر بڑھ جاتی ہے اور پریشان کرتی ہے - بہت سے لوگ اُسے گرم لوہے سے داغ دیتے ہیں مگر زیادہ فائدہ نہیں ہوتا .

یہ لحمی کیلیں تنگ جوتا پہننے سے پیدا ہوتی ہیں - کبھی پاؤں کے تلوے میں ہوتی ہیں - کبھی انگلیوں کے اوپر ، اور کبھی اُن کے درمیان پڑ جاتی ہیں - تنگ جوتے سے جس مقام پر زیادہ دباؤ پڑتا ہے ، وہاں التہابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - اگر جوتا اتارا نہ جائے تو کھال کٹ جاتی ہے لیکن اُتارنے کے بعد یہ التہاب اکثر کیل ہی شکل اختیار کر لیتا ہے .

یہ کیلیں تندرستی کے لئے نہایت مضر ہیں - سیدہ اور حلق پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکا میں اِس سے بچنے کے لئے عام طور پر ڈھیلے جوتے پہنے جاتے ہیں - انگریز اِس بارے میں سب سے زیادہ محتاط ہیں - حتی کہ کبھی کبھی اُن کے جوتے اِتنے ڈھیلے ہوتے ہیں کہ برے معلوم ہوتے ہیں - انگریزوں کی احتیاط کا اندازہ اِس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ لارڈ ولنگٹن سے پوچھا گیا سپاہی کو سب سے زیادہ کس چیز کی ضرورت ہے ؟ اُنھوں نے کہا " تین چیزوں کی : ڈھیلا جوتا - ڈھیلا جوتا - ڈھیلا جوتا "

حسن و عشق اور تاج و تخت

رومانیا کا تخت شاهي ایک فتنه گر حسن کے رحم پر

(قیس کي داستان لیلیٰ کي زباني)

الهلال کے مقاله نگار پیرس کے قلم سے

اس وقت دنیا کے کسي ملک میں بهي وہ عجیب صورت حال درپیش نهیں هے جو ایک برس سے رومانیا کو ایک سخت داخلي اضطراب میں مبتلا کیے هوئے هے - ملک میں هر وقت خانه جنگي اور خونریزي برپا هو جانے کا اندیشه هے - نهیں کها جاسکتا حالات کي یه نازک صورت حال کس حد تک پهنچکر رکیگي ؟

یه تمام اضطراب و اختلال کیوں هے ؟ صرف اسلیے که پرنس کارل سابق ولي عهد رومانیا پر اماندار عشق کا بے پناه تیر چل گیا اور وہ ایک فتنه گر حسن کي نگاه برق پاش کا مقابله نه کرسکا :

عشق ازین بسیار کرد ست و کند !

دوران جنگ میں جب جرمن فوجیں بخارست (دارالحکومت رومانیا) پر قابض نهیں' تو یه شاهزاده اپني فوج کے ایک افسر کي لڑکي پر فریفته هوگیا اور اُس سے اوڈیسا میں خفیه شادي کرلي - لیکن جنگ کے بعد جب دونوں رومانیا واپس آئے تو بادشاه پر یه رشته گراں گزرا اور اسنے علحدگي کا حکم دیدیا .

ملکه آور بهي زیاده سخت تهي - عرصه تک کشمکش جاري رهي - بالاخر شهزاده کو مجبور هو جانا پڑا اور اپني بیوي کو طلاق دیدي - ایک شیر خوار بچه اُسکي گود میں تها - طلاق کے بعد مع اپنے بچے کے رومانیا سے جلا وطن کر دي گئي .

اسکے بعد شاهزاده کي شادي یوناني شاهزادي هیلینا سے کردي گئي - اُسوقت عام طور پر یقین کیا جاتا تها که اب ولي عهد مطمئن هوکر شاهي زندگي بسر کریگا اور یه ناگوار حادثه فراموش هوجائیگا - لیکن واقعات اسکے برخلاف ثابت هوئے - چند هي دنوں بعد شاهزاده کو اپني نئي بیوي سے نفرت هوگئي اور اُس نفرت نے عشق و اُلفت کا ایک نیا محل ڈهوڈهه نکالا - دسمبر سنه ۱۹۲۵ کي صبح کو اچانک معلوم هوا که شاهزاده بخارست سے پرشیده نکل گیا هے ' اور میڈم لوبسکو نامي ایک عورت بهي اسکے ساتهه فرار هوگئي هے - شهزاده کي ایک تحریر اُسکي نشست کے کمره سے ملي - اس میں لکها تها که میں اب ولي عهدي سے دست بردار هو جاتا هوں - جس ولي عهدي سے مجهے اپني زندگي کي ابتدائي راحت بهي نهیں مل سکتي ' بهتر هے که اُسے کسي دوسرے کیلئے چهوڑ دوں !

اس واقعه نے تمام یورپ میں هلچل مچادي - ۴ - جنوري سنه ۱۹۲۶ - کو رومانی پارلیمنٹ کا جلسه هوا اور اُسنے طے کیا که شهزاده کا پانچ برس کا لڑکا جو پرنس هلینا کے بطن سے هے ولي عهد مقرر کیا جاے - ساتهه هي اعلان کیا گیا که دس برس کیلئے پرنس کارل کا داخله رومانیا میں ممنوع قرار دیا جاتا هے .

پرنس پر یه کارروائي شاق گزري - اب وہ اپنے ملک میں واپس آنا اور اپنا حق واپس لینا چاهتا هے - اس صورت حال کا نتیجه یه هے که ملک دو گروهوں میں بٹ گیا هے - حلقهٔ حکومت پرنس کے خلاف هے ' مگر رعایا کي اکثریت اُسکي حمایت پر تلي هوئي هے - پرنس کي مخالفت میں سب سے زیاده سرگرم خود اُسکي ماں هے - اس ملکه کي سختي اس حد تک پهنچ گئي هے که اُسے "دل میں خنجر رکهنے والي ماں" کے لقب سے خود رومانی پکارنے لگے هیں .

ولي عهد کي موجوده روش کي تمام ذمه داري اُسکي نئي محبوبهٔ میڈم لوبسکو کے سر ڈالدي گئي هے - یورپ کے اخبارات اُسکے خلاف مضامین شایع کر رهے هیں - اور اسے "خوفناک ساحره" اور 'قزاق" کا لقب دیا جا رها هے - وہ سال بهر تک تو خاموش رهي ' لیکن اب پهلي مرتبه زبان کهولي هے - حال میں ایک انگریز اخبار نویس خاتون اس سے پیرس میں ملي تهي - اس خاتون نے اپني ملاقات کي سرگذشت حسب ذیل بیان کي هے :

"میں نے رومانیا کا تخت شاهي نهیں هلایا - نه پرنس کارل میري وجه سے تخت شاهي سے دست بردار هوا هے جیسا که دنیا نے همارے دشمنوں کے کهنے سے یقین کر رکها هے - میں نه تو ساحره هوں - نه قزاق هوں - میں محض پرنس کي ایک مخلص دوست هوں - میں پرنس کے فرائض کي راه میں کبهي رکاوٹ نهیں بن سکتي"

ان الفاظ سے مدام لوبسکو نے اپني گفتگو شروع کي :

"میں نے پرنس کارل کو تخت شاهي سے علحده نهیں کیا" میڈم نے کها "میں اُنهیں بادشاه بننے سے هرگز نهیں روکتي - میں تو محض اُنکے رنج میں شریک اور جلاوطني کي رفیق هوں - اس سے زیاده میري کوئي حیثیت نهیں"

انگریز خاتون لکهتي هے : مدام لوبسکو پیرس کے مضافات میں مقیم هے - مکان اچها خاصه دو منزله هے - مکان کے گرد آهني احاطه هے اور اسمیں مضبوط دروازے لگے هیں - همیشه خفیه پولس کے دو آدمي نگراني کرتے هیں - پهاٹک کي کنجي ایک وفادار دربان کے پاس رهتي هے - وهي کهولتا اور بند کرتا هے .

مکان کے اندر میں نے هر چیز آرام دہ اور گهریلو پائي - نرم ریشمي فرش بچها تها - جابجا نفیس کرسیاں رکهي تهیں - خوبصورت گلدستے قرینے سے میزوں پر چنے تهے - غرضکه گهر کي مجموعي هیئت صاف بتا رهي تهي که اس میں کوئي با سلیقه عورت رهتي هے .

میرے لیے دروازہ کهلا - میں معترف هوں که میڈم لوبسکو کو اچانک اپنے سامنے دیکهکر میں دم بخود رہ گئي - یهي وہ سرخ سر والي ساحرهٔ حسن هے جسنے رومانیا کي پوري سلطنت اپني چشم و ابرو کے ایک اشاره سے هلا ڈالي ! یهي وہ شهرهٔ آفاق مگر پر اسرار عورت هے جسے بهت کم آدمیوں نے دیکها هے مگر سب نے اُسکے بارے میں خیال آفریني کي هے ! اسي کي نسبت مشهور هے که اسکي جانستاں اداؤں نے مستقبل کے ایک بادشاه سے اُسکا تاج و تخت چهڑوا دیا ! میں تسلیم کرتي هوں که میں نے اسکي جو تصویر اپنے ذهن میں کهینچ رکهي تهي' وہ اُس سے بالکل مختلف نکلي .

یه ایک نهایت حسین عورت هے - عمر بیس برس سے بهي کم هوگي - بال سرخ نهیں هیں جیسا که عام طور پر مشهور هوگیا هے - اُسکے بالوں کا رنگ پکے گیهوں کا رنگ هے جب ڈوبتے هوئے سورج کي زرد شعاعوں سے وہ چمک دار هوجاتا هے - چهرہ کے گرد گهنے ' ریشمیں' سنهري' بالوں کا هجوم هے - بال نهایت شاندار هیں - نئے فیشن کے خلاف اپني پوري درازي رکهتے هیں - وہ عورت نهیں هے - گلاب کا نازک ' تازہ ' شگفته ' خنداں ' اور دلفریب پهول هے !

اُسنے مجھے دیکھتے ہی جوش کے ساتھہ کہا " میرا نام ایلن ہے " ایلن واقعی اپنے پورے معنوں میں منظر جمال ہے - قد درمیانی ' جسم سڈول ' نہ فربہ نہ لاغر ' ہاتھہ پاؤں تناسب و اعتدال کا نمونہ - اُسکا رنگ صاف بتا رہا تھا کہ یہودی نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہوگیا ہے .

میرے خیال میں اُسکی سب سےزیادہ عجیب چیز اُسکی آنکھیں ہیں - سچ مچ کو سحر کار ' جادو بھری آنکھیں ' نہ چھوٹی نہ بڑی ' صاف اور سنہری ' دراز پلکوں کے نیچے ساکن ' لطیف ابروؤں کے سایہ میں مطمئن ' لیکن ہزاروں معانی و مطالب حسن سے لبریز !

اپنے خندہ جانستان سے بجلیاں گراتی ہوئی میرے استقبال کو بڑھی - رسمی سلام و کلام کے بعد ایک صوفے پر بیٹھہ گئی اور بغیر کسی انتظار کے اپنی باریک ' ٹھنڈی ' مگر سنجیدہ آواز میں گفتگو شروع کردی :

" اب مجھے بے لاگ حقیقت کا اعلان کردینا چاہئے " اُسنے کہا " میں بہت دن خاموش رہی لیکن کب تک خاموشی کے ساتھہ دنیا کی تہمتیں برداشت کرتی رہوں ؟ میں نے سخت عذاب جھیلا ہے - آہ ! کیسا نا قابل تحمل عذاب ! عالمگیر انسانی تحقیر کا عذاب ! دشمنوں نے دنیا بھر میں مشہور کردیا ہے کہ میں ایک بد چلن اور آوارہ گرد عورت ہوں ! کیا میں بد چلن عورت ہوں ؟ یہ کیسی خوفناک تہمت ہے ! "

اب اُسکے چہرہ پر ہلکی سی زردی چھا گئی :

" لوگوں نے سب ہی کچھہ کہا اور لکھا - وہ کون سا برا لفظ تھا جو میری نسبت نہیں لکھا گیا - کیا یہ سچ نہیں ہے ؟ "

ایک لمحہ خاموشی کے بعد اُسنے پھر تقریر شروع کی :

" دشمنوں نے دنیا کو یقین دلانے کی پوری کوشش کی کہ مجھہ میں وہ تمام رذالتیں جمع ہیں جو کسی عورت میں ہوسکتی ہیں - میں ساحرہ ہوں - غارت گر ہوں - آوارہ ہوں - ہرجائی ہوں - پرنس کارل کو برباد کرنے والی ہوں - اُسکی بیوی بچے سے اُسے جدا کرنے والی ہوں - میں اُسے بھگا لائی ہوں - اُسکے خاندان میں پھوٹ ڈالنے والی ہوں - آہ ! غریب و ناتواں ایلن رومانیا کی جملہ مصائب کی تنہا ذمہ دار ہے ! جب میں اپنی انگلی یوں ہلاتی ہوں (اُسنے اپنی مخروطی انگلی اٹھاکر کہا) تو رومانیا کا قدیم شاندار تخت شاہی لرز جاتا ہے - اُلٹ کر پاش پاش ہو جاتا ہے ! "

اُس نے ایک غم ناک قہقہہ مارا " بلا شبہ یہ عجیب ہے اگر ہولناک نہیں ہے " یہ کہکر وہ کرسی سے اُٹھہ کھڑی ہوئی - پھر بیٹھہ گئی اور سنجیدگی سے کہنے لگی :

" میں تمہیں حقیقت بتاتی ہوں - تم نے سنا ہوگا میں گزشتہ سال میلانو میں تھی - تمام اخباروں نے لکھہ مارا کہ پرنس کارل میرے ساتھہ بھاگ آیا ہے - حالانکہ یہ قطعاً جھوٹ تھا - اصلیت صرف اتنی ہے کہ رومانیا میں سخت سیاسی مشکلات در پیش تھیں - مصائب نے پرنس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا - اتفاقیہ میری اُس سے ملاقات ہوگئی - اُسے ایک سچے رفیق و مونس کی ضرورت تھی - اُس نے میری طرف دیکھا اور میں نے اُس کی رفاقت و ہمدردی کا فیصلہ کر لیا "

اُس نے پھر بدلا اور کرسی اپنی انگلی سے کریدنے لگی :

" تم سمجھہ سکتی ہو " اُس نے رنجیدہ پیرایہ میں کہا " میں کیسی سخت مشکل میں پڑ گئی تھی ؟ صرف یہی ایک خیال مجھے تسلی دیسکتا تھا کہ سچی دوستی کے معنی ہیں نفس کی کامل قربانی ' اور میں اپنی قربانی کرکے فرض دوستی ادا کر رہی ہوں - بلا شبہ جب کبھی میں دشمنوں کی تہمتیں سنتی تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا - لیکن پھر صبر و عزم سے کام لیتی اور سوچتی کہ یہ حالت زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتی - در اصل دشمنوں کی یہ تمام شرارت اسلئے تھی کہ شاہزادہ کو ہمیشہ کے لئے تباہ کر دیا جائے اس میں شک نہیں شرارت بہت دنوں تک کامیاب رہی - حتی کہ ایسا وقت بھی ہم پر گزر چکا ہے جب اس دنیا میں ایک انسان بھی ہمارا ہمدرد نہ تھا "

" تم نے بر وقت کیوں ان تہمتوں کی اصلیت ظاہر نہیں کردی ؟ " میں نے سوال کیا .

" میں متکبر تھی " اُس نے تیزی سے جواب دیا " ہاں میں متکبر تھی - میری خودداری کو سخت ٹھیس لگی تھی - میں دنیا کو مخاطب کرنا پسند نہیں کرتی تھی - میں اس دنیا سے جو سنگ دل انسانوں سے بھری ہوئی ہے نفرت کرتی ہوں - شاید میں ہمیشہ نفرت کرتی رہوں - میں یوں دنیا کی کمینہ تہمت تراشیوں کے جواب میں اپنے آپ کو نمایا کرتی ؟ تم خود دیکھتی ہو معاملہ بالکل صاف تھا - کسی صفائی کی ضرورت ہی نہ تھی - مجھے یقین ہے کہ میرا دامن بے داغ ہے - پھر میں اپنی صفائی کی کیوں کوشش کرتی ؟ جو آدمی اپنی صفائی کرتا ہے وہ گویا خود اپنے اوپر تہمت اوڑھہ لیتا ہے "

تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد وہ پھر بولی :

" اِس تمام قصہ کی بنیاد صرف اتفاق پر ہے - پہلا اتفاقیہ طور پر پرنس سے میری ملاقات ہوگئی - میں پرنس سے دوستی کا رشتہ جوڑنے پر مجبور ہوگئی کیونکہ اُس وقت اُسے دوستی کی ضرورت تھی - میں نے کوشش کی کہ ٹھیک وہ روش اختیار کروں جو ایسے حالات میں کسی مخلص دوست کی ہو سکتی ہے - کیا ایک دوست کیلئے اسکی ضرورت ہے کہ اپنی دوستی کیلئے اپنی برائی ثابت کرے ؟ "

" پھر اب کیوں تم نے راے بدل دی ؟ کیا تمہارے اور پرنس کے درمیان کوئی نئی بات پیدا ہوگئی ہے یا عنقریب ہونے والی ہے ؟ " میں نے سوال کیا -

اُسنے شانے ہلا کر بے صبری سے جواب دیا :

" ہمارے درمیان کوئی بات بھی واقع نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہو سکتی ہے - کیونکہ ہمارا معاملہ ایسی محبت کا معاملہ نہیں ہے جو ہوا و ہوس کی محبت ہو اور جیسا کہ لوگ یقین کر رہے ہیں - ہمارا علاقہ نفس انسانی کے اُن پست درجوں سے نہیں بالا تر ہے - کہا جاتا ہے کہ دوستی ' حقیقی دوستی ؛ سورج کے نیچے کم یاب ہے - اور مرد اور عورت کے درمیان تو اور زیادہ - لیکن میں یہ کہنے کی جرات کرتی ہوں کہ میں نے اس دنیا میں ایک انسان کے ساتھہ دوستی کی ہے - پرنس کو ایک دوست کی ضرورت تھی - میں اُسکی دوست بن گئی - اُسے ابتک دوست کی ضرورت ہے ' اِس لئے میں ابتک اُسکے ساتھہ ہوں - میں چونکہ اسکی دوست ہوں اسلئے اسکی تمام مصالح و فوائد کی بھی دوست ہوں ' اور ایک لمحہ کیلئے بھی گوارا نہیں کرسکتی کہ اسکی خوشحالیوں کی راہ میں روک ثابت ہوں "

مدام جوش سے تقریر کر رہی تھی - وہ مجھے یقین دلانا چاہتی تھی کہ پرنس اور اُسکی بیوی ہیلینا کے ملاپ اور مفاہمت کو وہ ناپسند نہیں کرتی .

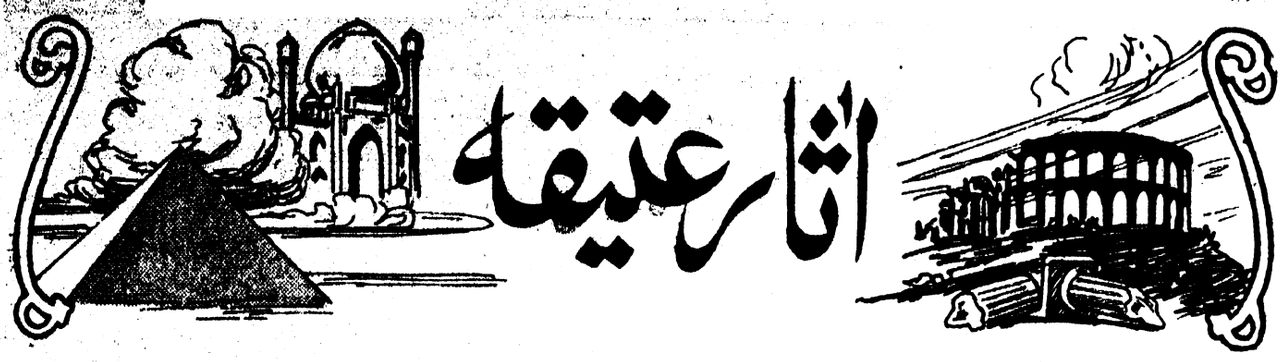

وہ اچانک کرسي کي پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئي اور چھت کی طرف نظر اٹھا کر کہنے لگي - مجھے سخت حیرت ہوئي کیونکہ اب اسنے ایک دلربا نازنین کي جگہ اچانک ایک حکیم اور فلسفي کا لب و لہجہ اختیار کر لیا تھا :

" دوستي اُس چیز سے بہت بلند ھے جسے محبت کہتے ھیں - دوستي سراسر قرباني اور اعتماد ھے ' مگر محبت سراسر انانیت اور خود پرستي ھے - یہي سبب ھے کہ جب میں دیکھتي ھوں لوگ ھمارے باھمي تعلق کو عشق و محبت کا تعلق بتاتے ھیں تو میرے جذبات سخت مجروح ھوجاتے ھیں - اگر ھم میں عشق ھوتا تو میں اِتني خوش نصیب اور مطمئن نہ ھوتي جتني اِس وقت ھوں - محبت چند ھفتے ' چند مہینے ' شاید چند برس رھتي ھو - لیکن دوستي زندگي کا ایک ابدي معاھدہ ھے - جوں جوں وقت گذرتا ھے ' اسکا جوش افسردہ نہیں پڑتا بلکہ اور زیادہ بڑھتا جاتا ھے "

" اعلیٰ خیال ھے " میں نے اسکي تصدیق کي " لیکن اب کیا ارادہ ھے ؟ آیندہ کا پروگرام کیا ھے ؟ "

مدام لوبسکو کرسي سے اُٹھ کر کھڑکي کے پاس گئي - ریشمیں پردہ ھٹا کر سورج پر نظر ڈالي - پھر لوٹ آئي :

" سچ یہ ھے میں نے ابتک کچھ بھي غور نہیں کیا ھے " اُس نے بے پروائي سے جواب دیا " در اصل کوئي پروگرام نہیں ھے - قدرتي طور پر معاملہ کا دار مدار ..... " وہ اچانک رُک گئي " میں پیرس میں بہت خوش ھوں " بات ٹالنے کے لئے کہنے لگي " میري دلي تمنا ھے کہ لوگ مجھے تنہا چھوڑ دیں - بالکل بھول جائیں - میں خاموش زندگي بسر کرنا چاھتي ھوں "

یہ اُس نے سچ کہا - یہ عجیب عورت پیرس سے صرف پندرہ منٹ کے فاصلہ پر مقیم ھے - مگر تین تین ھفتہ تک شہر نہیں جاتي - واقعي وہ تنہائي پسند ھے .

" میں یہاں رھنا پسند کرتي ھوں " اُس نے کہا " کیونکہ یہاں ھر طرف خاموشي ھے - موسم بہار میں یہ درخت ھرے بھرے ھو جائینگے "

میں نے اِس افواہ کے متعلق سوال کیا کہ دونوں عاشق و معشوق عنقریب سیاحي شروع کرنے والے ھیں - اُس نے جواب دیا :

" مجھے سیاحي کا شوق نہیں ھے - میرے خیال میں رومانیا دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت ملک ھے "

در حقیقت یہ نازنین حیرت انگیز جاذبیت اور کشش رکھتي ھے - کوئي شخص بھي اُس کے تاثیر جمال سے اپني حفاظت نہیں کرسکتا - اُس کي شخصیت سادہ لیکن پورے معنوں میں موثر ھے - اِس ملاقات کے بعد مجھے کوئي تعجب نہیں اگر رومانیا کا تخت شاھي اِس عورت کے خوف سے تھرتھرا رھا ھے !

اندلس میں اسلامي تمدن کا اخري نقش قدم

(کنیسۂ اسکوریال کے عربي آثار)

اندلس (اسپین) کے موجودہ دارالحکومت میدرد سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ایک عظیم الشان مسیحي خانقاہ " اسکوریال " کے نام سے موجود ھے جسے شاہ فلپ ثاني نے سنہ ۱۵۸۴ میں تعمیر کیا تھا - جہانتک عمارت کے طرز و قسم کا تعلق ھے ' وسعت و بزرگي کے سوا اسمیں کوئي خاص بات ایسي نہیں جو قابل ذکر ھو - اندلس کے آخري مسیحي عہد کي تمام عمارتوں کي طرح یہ عمارت بھي تعمیري فنون لطیفہ کي تمام خوبیوں سے خالي ھے - با ایں ھمہ اسکي دلکشي میں کلام نہیں - ھمیشہ دنیا کے سیاح اور محقق اسکي زیارت کیلئے آتے رھتے ھیں اور دنیا کي مشہور عمارتوں کے سلسلے میں اِسکا نام بھي برابر لیا جاتا ھے .

یہ اسلئے ھے کہ اسي عمارت کے ایک حصہ میں اندلس کا شاھي کتب خانہ محفوظ ھے - اندلس کے قبل از اسلام اور بعد از اسلام عہد کے متعلق جو کچھ بھي موجودہ دنیا کي وراثت میں آیا ھے ' وہ اسي خانقاہ کي سنگین دیواروں کے قبضہ میں ھے ' اور اسلئے علم و تاریخ کے سراغ رسانوں کیلئے یہ مقام بھي لنڈن کے برٹش میوزیم ' پیرس کے قومي کتب خانے ' قاھرہ کے دارالآثار ' اور برلن کے کتب خانۂ مشرقي سے کم قدر و قیمت نہیں رکھتا - بلکہ بعض حالتوں میں کہیں زیادہ قیمتي ھے

(کتب خانے کے دو حصے)

اس کتب خانے میں تقریباً ۴۵ ھزار نسخے کتابوں کے محفوظ ھیں - پرانے سکوں ' تصویروں ' نقوش ' اور مختلف قسم کي تاریخي اشیاء و نوادر کي بھي ایک کافي مقدار جمع کي گئي ھے - ایک حصہ اُن کتابوں اور تاریخي آثار کا ھے جو اندلس کے قبل از اسلام عہد سے تعلق رکھتے ھیں - دوسرا حصہ وہ ھے جسکا تعلق عہد اسلام کے آثار سے ھے - ان دونوں حصوں کي موجودگي بجاے خود تاریخ کي ایک نہایت عبرت انگیز داستان ھے !

پہلے حصہ میں قبل از اسلام عہد کے وہ تمام نوادر و آثار موجود ھیں جنکي اُس عہد کي تمدني استعداد دیکھتے ھوئے توقع کي جا سکتي ھے - تورات و انجیل کا وہ نسخہ جو اسپین کے مسیحي حکمرانوں کي تلاوت کا خاص نسخہ تھا ' اپني کامل و اصلي حالت میں موجود ھے - ایک سو سے زیادہ لاطیني زبان کي مذھبي کتابیں بھي اُس عہد کي یادگار ھیں - ایک بڑي تعداد اُن نوشتوں کي بھي ھے جو قدیم اندلسي زبان میں لکھے گئے تھے اور اندلس کے ملکي و سیاسي انقلابات اِنکے وجود پر کوئي مخالف اثر نہ ڈال سکے - ایک خاص مقدار مسیحي مذھبي کتب کي یونانی زبان میں بھي ھے ' اور اس سے اُس مذھبي و علمي اقتدار کا سراغ لگتا ھے جو ازمنۂ وسطیٰ میں

یونانی زبان کو حاصل تھا - اُس عہد کی صنعت کتابت و تزئین کے آثار بھی محفوظ ہیں - یعنی ایسی کتابیں بھی محفوظ ہیں جو مطلا و مذہب یا مصور لکھی گئی تھیں ' اور کاغذ کی جگہ ہرن کی جھلی استعمال کی گئی تھی - مذہبی اعمال و رسوم کی بعض اشیاء بھی پائی جاتی ہیں جو اسپین کے آخری مسیحی فرمانروا راڈرک کے استعمال میں آتی تھیں .

عمارت کا ایک دوسرا حصہ اندلس کے اسلامی عہد تمدن کی یادگاروں پر مشتمل ہے اسمیں تقریباً دو ہزار مجلدات عربی کتابوں کی ہونگی - کچھہ ذخیرہ تصاویر و نقوش اور صنعتی اشیاء و نوادر کا بھی ہے . . . . . .

(اسکوریال کی خاموش شہادت)

لیکن کیا اندلس کے آٹھہ سو برس کے اسلامی تمدن کا صرف اتنا ہی ذخیرہ دنیا کے حصہ میں آیا تھا جو اسکوریال میں محفوظ ہے ؟ اور کیا یہ ذخیرہ بھی اندلس کے دوسرے مسیحی دور کی علمی حفاظت کا نتیجہ ہے ؟

نہیں ' تاریخ ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دیتی ہے .

دنیا کی تاریخ میں شاید ہی علم و تمدن کیلئے ایسے تاریک و المناک ایام آئے ہوں جیسے اسلامی حکومت کے زوال و اخراج کے بعد اندلس میں آئے - سنہ ۱۴۹۱ع میں جب غرناطہ کا آخری مسلمان فرمانروا ابو عبد اللہ اسلامی حکومتوں کی امانت سے مایوس ہوکر مجبور ہوگیا کہ غرناطہ دشمن کے حوالہ کر دے ' تو اُسوقت فردی نند اور اہالی غرناطہ میں ایک معاہدہ ہوا تھا - اسمیں ۶۷ شرطیں تھیں جو آجتک صفحات تاریخ پر ثبت ہیں - ان شرطوں میں بعض شرائط اسلامی مدرسوں اور کتب خانوں کے بارے میں بھی تھیں - جس طرح فردی نند نے مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور شہری و مدنی حقوق کے احترام کا عہد کیا تھا ' اُسی طرح اس بات کا بھی عہد کیا تھا کہ تمام اسلامی مدرسے قائم رکھے جائینگے ' اور اسلامی کتب خانے مسلمانوں کی ملکیت تسلیم کئے جائینگے - لیکن اس معاہدہ اور اسکی ۶۷ شرطوں کا نتیجہ کیا نکلا ؟ مشہور مورخ لاس اور ریمیر کے لفظوں میں یہ نکلا کہ " دنیا میں شاید ہی کسی انسانی گروہ نے انسانوں کے قتل ' آبادیوں کی ویرانی ' علم و مدنیۃ کی بربادی ' اور وحشت و بربریۃ کی اشاعت میں ایسی مجنونانہ بیتابی دکھلائی ہوگی جیسی کہ اسپین کے عام برداران مسیحیت نے دکھلائی - پچاس برس کے اندر نہ صرف مسلمانوں سے ' بلکہ علم و مدنیۃ کی تمام علامتوں اور نشانیوں سے پورا جزیرہ نماے اندلس صاف کر دیا گیا " !

اسپین میں علوم و کتب کی موجودگی اسلامی حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت تھی ' لیکن جب مسیحی حکومت کا علم لہرانے لگتا تو اسکا پہلا نتیجہ یہ نکلتا کہ مدرسوں کی عمارتیں منہدم ہوجاتیں اور کتابوں کے انبار آگ کے حوالے کردیے جاتے - قریب ڈیڑھہ سو برس تک (جو اندلس میں اسلامی حکومت کے زوال اور مسیحی اقتدار کے عروج کا زمانہ ہے) اسکا سلسلہ جاری رہا - جب کسی شہر سے غرب خارج کئے جاتے ' تو فاتح جماعت کا پہلا کام یہ ہوتا کہ ڈھونڈھہ ڈھونڈھکر کتابیں جمع کی جاتیں اور آگ کے حوالے کردی جاتیں - آخری کتب خانہ جو جلایا گیا ' وہ غرناطہ کا شاہی کتب خانہ تھا جسکی حفاظت کا خصوصیت کے ساتھہ فردی نند نے معاہدۂ تسلیم میں عہد کیا تھا - مورخین یورپ نے اس کتب خانہ کی کتابوں کی تعداد اسی ہزار سے ایک لاکھہ تک بیان کی ہے - تاریخ کے جس انسان کو اتنے بڑے ذخیرۂ علم و مدنیۃ کے ضائع کردینے کی لازوال شہرت حاصل ہوئی ' وہ تاریخ اسپین کا مشہور کارڈنیل فرانسسکو زی مینس Cordinal Francisco Ximens ہے .

کارڈنیل مذکور کو اسپین کی تاریخ میں وہی درجہ حاصل ہے جو ایک دوسرے کارڈینل ریشیلیو Richelieu کو فرانس کی تاریخ میں حاصل ہوا ہے - دونوں مذہبی حلقہ سے نکلکر حکومت و فرمانروائی کے حلقہ میں آئے ' اور ترقی کرتے کرتے نائب السلطنت کے عہدہ تک پہنچ گئے - یہی وجہ ہے کہ مورخین نے دونوں شخصیتوں کا مقابلہ کیا ہے اور انکے خصائص پر بحثیں کی ہیں - زمانہ حال کے بعض مورخوں نے زی مینس کو ریشیلیو پر ترجیح دی ہے ' کیونکہ وہ آخر الذکر سے کہیں زیادہ عالم و فن کا شائق تھا - وہ کہتے ہیں کہ اُسی کی کوشش سے اسپین کی پہلی یونیورسٹی وجود میں آئی جو الکلا Alcala میں قائم ہوئی تھی اور جسکی نسبت فرانسس اول نے کہا تھا " تمہارے زی مینس نے تنہا وہ کام کیا جو فرانس میں پندرہ بادشاہوں کی ایک پوری صف کرسکی ہے " اور پھر یہ اُسی کی محنت و توجہ کا نتیجہ تھا کہ سنہ ۱۵۱۷ ع میں کتب مقدسہ کی مختلف زبانوں کا ایک مکمل ایڈیشن مع ضمیموں اور تشریحات کے چھہ جلدوں میں چھپکر شائع ہوا .

تاہم مذہبی تعصب و جنون کی یہ کیسی عجیب مثال ہے کہ سنہ ۱۴۹۹ میں یہی کارڈنیل جو یونیورسٹی کا موسس اور فن طباعت کا قدردان ہے ' ایک دوسرے مقدس آدمی فرڈیننڈ دی ٹالاویرا Ferdinand de Talavera کے ساتھہ ملکر یہ فتوی صادر کرتا ہے کہ غرناطہ کا شاہی کتب خانہ جلا دیا جاے ' کیونکہ خود اِسی بانی دار العلوم کے لفظوں میں " اسکی کتابیں انجیل کی تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں " !

مشہور مورخ کانڈی Conde لکھتا ہے :

" ان اسی ہزار کتابوں کے علمی مطالب کی قدر و قیمت بجاے خود رہی ' ان میں سے ہر کتاب کی جلد اس درجہ بیش قیمت اور عجیب و غریب صفحوں سے بنی ہوئی تھی کہ لوگوں نے جلتے ہوئے انباروں میں سے جلدوں کے پترے نکال لئے تاکہ اُنمے سونا چاندی اور قیمتی رنگوں کی بڑی مقدار حاصل کرلیں !"

یہ معاملہ یہیں تک پہنچکر ختم نہیں ہوگیا - شاہی کتب خانہ جلا دینے کے بعد محکمہ تفتیش مقدس Inquisition نے اپنے عمال شہر میں بھیجے تاکہ مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی لیں اور عربی کی جس قدر کتابیں ملیں ضبط کرلی جائیں - مشہور فرانسیسی مستشرق پروفیسر دوزی Dozy کی تاریخ مسلمانان اندلس Histoire des Musalmans d' Espagne کی شہادت کے مطابق یہ ذخیرہ بھی شاہی کتب خانہ کے ذخیرہ سے کسی طرح کم نہ تھا .

کتب خانۂ اسکندریہ کے جلائے کی نہانی میں بیان کیا گیا ہے کہ کتابیں چھہ مہینے تک شہر کے حماموں میں ایندھن کی جگہ جلتی رہی تھیں - افسانہ میں کتابیں چھہ ماہ تک جلسکتی ہیں - لیکن کسی واقعہ میں آگ کا عمل اتنا کمزور نہیں ہوسکتا کہ چھہ ماہ تک کتابوں کو مہلت زندگی دیدے - غرناطہ کا حادثہ افسانہ نہیں ہے - واقعہ ہے - اس لئے جو کچھہ بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ " کامل سات دن تک کتابوں کے ڈھیر جلتے رہے تھے " !

ان حالات کے بعد ظاہر ہے کہ اندلس کے اسلامی تمدن کا کوئی علمی ذخیرہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو موجودہ دنیا تک پہنچ سکتا -

ایک مدت کے بعد جب اسپین کو مذہبی تعصب کے جنون سے نجات ملی تو عہد اسلامی کے ذخیرۂ علم و تمدن کی جستجو شروع ہوئی، لیکن اب قرطبہ اور غرناطہ کے کھنڈروں کے سوا اور کونسی چیز باقی رہ گئی تھی جو اس جستجو کا استقبال کرتی ؟

ہاے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا !

لیکن اتفاق سے انہی ایام میں ایک حادثہ ایسا پیش آگیا جسنے اسپین کیلئے عربی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کردیا - سولہویں صدی کے آخر میں اسپین کے دو جنگی جہاز بحر متوسط میں مشغول جنگ تھے کہ اُنہیں تین جہاز دولۃ مراکش کے ملگئے جو مولائی زیدان صاحب مراکش کیلئے نادر کتابوں کے ذخیرے لے جا رہے تھے - اسپینی جہازوں نے یہ جہاز [illegible] اور اپنے ساتھ اسپین لے گئے - چونکہ اب اسپین کی مذہبی ذہنیت بدل چکی تھی - اسلیے [illegible] آگ کے حوالے نہیں کیا گیا، خانقاہ اسکوریال میں رکھدیا گیا - موجود [illegible] اسی ذخیرہ کا ایک حصہ ہیں - پروفیسر ہارٹوگ ڈارنبرگ Hartiwig Derenbourg نے کتب خانۂ اسکوریال کی عربی مخطوطات پر ایک مفید کتاب Les Manuscrits de L' Escurial لکھی ہے - وہ لکھتے ہیں کہ یہ ذخیرہ اگرچہ اندلس کا ذخیرہ نہ تھا - مولائی زیدان کی کتابیں تھیں جو اسنے غالباً بلاد مصر و شام سے منگوائی تھیں - تاہم اگر یہ کتابیں بھی پوری محفوظ رہجاتیں تو عربی علوم کے نوادر کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہوتا - مگر معلوم ہوتا ہے مسلمانوں کے اخراج کے بعد اندلس کی قسمت میں علم و تہذیب کی دائمی بربادی ہی آئی تھی - جب مذہبی جنون نے کتابوں کا جلانا ضروری نہ سمجھا تو حوادث [illegible] عمل شروع کردیا - اس ذخیرہ کے اسکوریال میں رکھنے کے [illegible] عرصے بعد یکایک وہاں آگ لگ گئی، اور دیگر اشیاء و نوادر کے ساتھ عربی ذخیرۂ کتب کا بھی ایک بڑا حصہ جل گیا - اب جسقدر ذخیرہ موجود ہے، یہ وہ ہے جو اس آتش زدگی سے کسی طرح بچ رہا تھا - یہ زیادہ سے زیادہ دو ہزار کتابیں ہونگی - مشہور اسپینی مستشرق اِف، کوڈیرا F. Codera نے بھی (جنہوں نے اسی کتب خانے سے ابن بشکوال کی کتاب الصلہ وغیرہ حاصل کرکے شائع کی ہے) قریب قریب ایسا ہی لکھا ہے .

(تاریخ کی صداے عبرت)

کتب خانے کے ان دونوں حصوں کی موجودگی [illegible] ایک درد انگیز صداء عبرت پیدا ہوگئی ہے جو ہر زائر کے وارد کو سنائی دیتی ہے .

پہلے حصے میں اندلس کے قبل از اسلام عہد کا تمام ذخیرۂ کتب و آثار موجود ہے - حتیٰ کہ وہ انجیل بھی موجود ہے جسکی سلاطین اسپین تلاوت کیا کرتے تھے - اِن اشیا کی موجودگی اس حقیقت کا قطعی ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ عربوں نے فتح اندلس کے بعد جسقدر

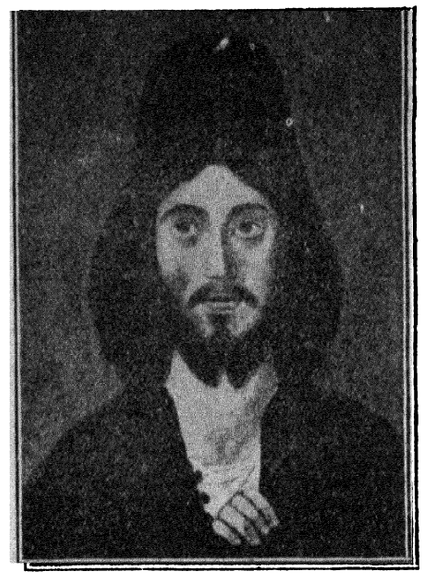

فرمانرواے غرناطہ

بھی ذخیرہ علم و آثار کا پایا، [illegible] و علم کی مقدس امانت سمجھکر محفوظ رکھا اور آٹھ [illegible] تک اسکی حفاظت کرتے رہے یہانتک [illegible] کے ہاتھوں جلاوطنی پر مجبور ہوئے تو اسوقت بھی اس امانت علم میں خیانت نہ کی، یہ پورا ذخیرہ اُسی طرح چھوڑ دیا، جسطرح آٹھ سو برس پہلے حاصل کیا تھا صدیوں تک ملکی لڑائیوں اور اسلامی اور مسیحی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، اور اس اثنا میں ہمیشہ مسیحیت کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ ویسا ہی رہا جو قرون وسطیٰ میں اسکی مذہبی خصوصیت تسلیم کی گئی ہے، تاہم مسلمانوں نے علم و تاریخ کی وہ امانتیں کبھی ضائع ہونے نہ دیں جو سرزمین اندلس نے اُن کے سپرد کی تھیں - اس سے بھی بڑھکر یہ کہ اندلس کے اسلامی عہد میں بعض زمانے ایسے بھی گزرے ہیں جب علماء مذہب کی تنگ نظری اور تعصب سے علوم حکمیہ کی کتابیں ضائع ہوگئیں یا ضائع کرائی گئیں [illegible] ابن [illegible] نے میں ہوا تھا، تاہم یہ جو کچھ بھی ہوا، خود مسلمانوں کے اندر ہوا - اندلس کا مسیحی ذخیرہ ہمیشہ محفوظ رہا - اندلس کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ کسی تنگ نظر سے تنگ نظر بادشاہ نے بھی مسیحی خانقاہوں کا علمی ذخیرہ تاراج کیا ہو - اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو آج اندلس کے قبل از اسلام عہد کی ایک چیز بھی اسکوریال میں موجود نہ ہوتی .

لیکن اسکے مقابلے میں کتب خانے کے مشرقی حصہ کی شہادت کیا ہے ؟ یہ ہے کہ ایک ایسے عظیم و وسیع تمدن کا جسکی کوئی دوسری مثال اُس عہد کی تاریخ میں موجود نہیں، تمام ذخیرۂ علم و تمدن انتہائی وحشت و جنون کے ساتھ ضائع کردیا گیا، اور اب جو کچھ بھی موجود ہے، اندلس کا نہیں ہے - مراکش کے ایک مسلمان فرمانروا کے علمی ذوق کی بچی بچائی پونجی ہے !

اگر "اسلامی" اور "مسیحی" تمدن کی تقسیم کی جا سکتی ہے، تو اس تقسیم کی تاریخی خصوصیات کا اندازہ کرنے کیلئے اسکوریال کے صرف یہ دو منظر ہی کافی ہیں !

(اسکوریال کے بعض قیمتی آثار)

اسکوریال کے مشرقی حصہ میں ذخیرۂ کتب کے علاوہ چند تصاویر و آثار بھی موجود ہیں جو غالباً سولہویں صدی کے بعد مختلف مصادر سے جمع کیے گئے ہیں - اس ذخیرہ میں جو اشیا تاریخی حیثیت سے قدر و قیمت رکھتی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) غرناطہ کے آخری فرمانروا ابو عبداللہ کی تصویر جو فرڈی نینڈ کے حکم سے طیار کی گئی تھی .

(۲) اُس منظر کا مرقع جب ابو عبداللہ معاہدۂ تسلیم کے بعد غرناطہ سے



ابو عبداللہ کی ایک مزرکش قبا

نکلا ہے اور شہر و محل کی کنجیاں فرڈی نینڈ اور ازابلا کے حوالے کر رہا ہے ۔

(۳) ابو عبداللہ کی تلوار اور ڈھال ۔

(۴) ابو عبداللہ کی ایک ریشمین اور مزرکش قبا ۔

(۵) قرآن رکھنے کی ایک طلائی رحل جو سلاطین موحدین کی خیال کی جاتی ہے ۔

(۶) ایک قدیم تاریخی مرقع جس میں غرناطہ کے اسلامی دار القضا کا منظر دکھلایا گیا ہے اور جو قصرالحمراء کی ایک دیوار کے مرقع سے نقل کیا گیا ہے ۔

(۷) "اے وی روس دی گریٹ" یعنی قاضی ابن رشد اعظم کی تصویر جو اُس سنگی بت کی نقل ہے جو اُس کے بعض یہودی شاگردوں نے طیار کیا تھا ۔

(۸) اندلس کے عرب جنگ آزماؤں کا ایک منظر ۔

(۹) غرناطہ کے محل شاہی کی طلائی کنجیاں جو عبد اللہ نے فرڈی نینڈ کے حوالے کی تھیں ۔

(۱۰) الحمراء کے ایک سنگی بت کی نقل جسکی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی عہد وسطی کے ایک مسلمان فرمانروا کی شبیہ ہے ۔

(پروفیسر امیلیو کی منتخبات)

ہم پروفیسر ایم امیلیو (M. Emilio) کے نہایت شکرگزار ہیں کہ انہوں نے الہلال میں شائع کرنے کیلئے کتب خانۂ اسکوریال کے آثار و نوادر کے عکسی فوٹو اور ضروری تشریحات بھیج دی ہیں - پروفیسر موصوف اسپین کے مستشرقوں میں اپنے ذوق علم اور مستعدی تصنیف کے لحاظ سے ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور متعدد کتابیں عربی علوم و آثار پر مرتب کرچکے ہیں - ہم وقتاً فوقتاً انکی فراہم کردہ معلومات الہلال کے صفحات پر شائع کرتے رہینگے - آج اس سلسلہ میں اسکوریال کے چار آثار ہدیۂ قاریین ہیں :

(۱) سب سے پہلا منظر اسلامی اندلس کی آخری نگاہ تودیع ہے - یہ غرناطہ کا آخری فرمانروا ابو عبد اللہ ہے جو سنہ ۸۹۷ ہجری میں اندلس سے خارج کیا گیا - اسکے اخراج پر یورپ کے ہشت صد سالہ عربی حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا - تمام مورخین عرب و فرنگ متفق ہیں کہ یہ نہایت کمزور دل و دماغ کا انسان تھا - اُسکا ارادہ پست ، دماغ وہمی ، اور طبیعت عیش پسند واقع ہوئی تھی - وہ اپنی نسل کا ویسا ہی کمزور انسان تھا جیسا نسل عباسی کا آخری فرمانروا المعتصم باللہ یا نسل تیموری کا آخری نام لیوا بہادر شاہ تھا - لیکن تاریخ اِن شخصیتوں کو انکی شخصیتوں میں نہیں دیکھتی - اُنکے زوال میں ایک پورے عہد و ایام کا زوال اُسکے سامنے آجاتا ہے - ابو عبد اللہ اپنی ذات سے کتنا ہی برا ہو ، لیکن وہ سر زمین یورپ میں اسلامی و عربی تمدن کا آخری نقش قدم تھا - اُسکے مٹنے سے صرف اسکی شخصیت ہی نہیں مٹ گئی - بلکہ اسلام کا



غرناطہ کے قاضیوں کی مجلس

ہشت صد سالہ نقش تمدن و عظمت بھی مٹ گیا :

ہمارے بعد بہت ہم کو روے اہل وفا
کہ اپنے مٹنے سے مہر و وفا کا نام مٹا !

بہر حال ابو عبد اللہ کی یہ شبیہ خاندان بنی احمر کے آخری فرمانروا کی شبیہ ہی نہیں ہے بلکہ اسکے خال و خط کے پیچھے تاریخ عرب کی عظمت رفتہ کا ایک طول طویل سلسلہ دیکھا جاسکتا ہے - اگر ممکن ہوتا تو ہم اپنے اقبال رفتہ کا ایک مرقع ماتم کھینچتے ، اور اُسمیں بغداد کے معتصم ، اندلس کے ابو عبداللہ ، اور دہلی مرحوم کے بہادر شاہ کو پہلو بہ پہلو جگہ دیتے ، تاکہ گاہ گاہ نظر حسرت ڈال لینے اور زخم ہائے کہنہ کو کبھی کبھی نشتر غم سے چھیڑ دینے کیلئے ایک سامان عبرت و درد فراہم ہوجاتا - یہ تین شخصیتیں در اصل ہماری عظمت ماضی کے تین افسانے ہیں :

و ما کان قیس ہلکہ ہلک واحد
و لکنہ بنیان قوم تہدما !

(۲) دوسرا مرقع اسی منظر حسرت کا ایک دوسرا گوشہ ہے - یہ ابو عبداللہ کی ایک ریشمی اور مزرکش قبا ہے جو اِس وقت تک اپنی اصلی حالت و شکل میں محفوظ ہے - اس سے نہ صرف اُس عہد کے وضع و قطع لباس کا ایک شاہی نمونہ ہمارے علم میں آجاتا ہے ، بلکہ اسلامی اندلس کی مختلف صناعیوں کا بھی پورا سراغ لگتا ہے - کپڑے کی بناوٹ ، اُسکی خیاطی ، زر تار کامدانی کے مشجر اور گل بوٹے جن سے اِسکا حاشیہ اور متن مزین ہے ، اس درجہ قیمتی اور صنعت گرانہ ہیں کہ بعض اہل نظر نے صرف اس قبا سے مستنبط صنائع پر ایک پوری تحریر لکھی ہے ۔

(۳) تیسرا منظر ایک مرقع ہے جسمیں غرناطہ کے قاضیوں کی ایک مجلس دکھلائی گئی ہے - مرقع کے نیچے جو عبارت درج ہے ، اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مرقع مشہور قصر "الحمراء" کی ایک دیوار پر منقش تھا - سولہویں صدی کے وسط میں ایک مصور نے اُس سے یہ نقل طیار کی - اس مرقع کی ہر تصویر فن مصوری کے لحاظ سے اس درجہ صحیح اور باقاعدہ ہے کہ موجودہ زمانہ بھی بمشکل کوئی نقص نکال سکتا ہے - الحمراء کی دوسری تصویروں کی طرح یہ مرقع بھی اندلس کے عربی عہد کی اُن ترقیات پر گواہ ہے جو فن مصوری کی اعلیٰ اقسام میں اُسے حاصل تھیں - تاریخی قدر و قیمت کا پہلو یہ ہے کہ اُس عہد کے شرفاء و علماء کی وضع قطع اور طریق لباس و نشست کا ایسا واضح منظر سامنے آجاتا ہے جسکا کسی دوسرے ذریعہ سے علم ممکن نہیں ۔

(۴) چوتھا منظر عربی فوج کی ایک جماعت کا منظر ہے جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ قرون وسطی میں کسی صناع نے طیار کیا تھا اور اُن عرب سپاہیوں کا ایک سایہ سا دکھلانا چاہا تھا جنھوں نے فرانس پر فوج کشی کی تھی - اس سے عربی فوج کی وضع و قطع اور آلات و اسلحہ پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے ۔



عربی فوج کا ایک منظر جسنے فرانس پر حملہ کیا تھا

عالم شرق و اسلام

شام کي حـرکت استقـــلال

فرانسيسي مظالم کے چند خونيں مناظر

الهلال کے مقالہ نگار مقيم بيروت کے قلم سے



شام کي حرکت استقلال پر قابل بيس مہينے گزر چکے - ان بيس مہينوں کے اندر اسکے فرزندوں کا خون جس بے دردي کے ساتھہ بہايا گيا ہے ' اور خود انہوں نے بھي جس بے پروائي کے ساتھہ اپنا خون بہنے دیا ہے ' وہ ایک ایسي سرگزشت ہے جو ظلم و مظلومي اور حق و استبداد کي تاريخ ميں ایک بڑے ہي دردانگيز داستان کا اضافہ کرتي ہے !

ميں آج آپ کو چند تصاوير بھيجتا ہوں - فرانسيسي حکومت کے محکمہ ڈاک اور تار پر جيسا جابرانہ احتساب قائم رکھا ہے ' اسے ديکھتے ہوئے اميد نہيں کہ يہ بسلامت پہنچ سکيں - ليکن اگر پہنچ گئيں تو ہم از ہم ایک لمحہ کے لئے آپ اُن قتيلان حريت و استقلال کي ياد سے اپنا دل و دماغ غمگين کر سکينگے جنہيں بيسويں صدي کے سورج کي روشني ميں يورپ کي سب سے بڑي متمدن قوم نے علانيہ قتل کيا ہے ' اور صرف اسليے قتل کيا ہے کہ اپنے وطن عزيز کي آزادي پر دل دردمند اور زبان ماتم سرا رکھتے تھے !

فرانس ' "انقلاب فرانس" کے مبادي حريت و استقلال کا فرانس ' نے شمار انسانوں کا علانيہ قتل جائز رکھتا ہے اسليے کہ وہ اپنے وطن کيليے حق اور استقلال کا لفظ بولنے کي جرأت کرتے ہيں !

ان تصويروں ميں پہلا منظر دو شہيدان وطن کي نعشوں کا ہے جنہيں دمشق کے ميدان مرجہ (ساحة المرجه) ميں پھانسي دي گئي تھي اور پھانسي کے بعد اُنکي نعشيں جبور دي گئي تھيں تاکہ دو دن تک لٹکتي رہيں ' اور تمام باشندگان دمشق اپني آنکھوں سے ديکھ ليں پرستي کي سزا اس دنيا ميں کيا ہے ؟

ان ميں پہلي نعش جسکے سر پر طربوش ہے شيخ احمد خياط کي مشہور شامي زعيم حرکة سعيد عکاش کا عزيز دوسري نعش جسکے سر پر عمامہ ہے شيخ عبد العزيز ... ہے - يہ اطراف دمشق کے ایک دروز ... کے شيخ تھے .

ان دونوں شہيدان وطن کا جرم يہ تھا کہ ١٦ مئي سنہ ٢٦ کو دروازۂ دمشق کے سامنے دروزي قبائل کي ایک جانفروش جماعت نے فرانسيسي فوج کو سخت ہزيمت دي تھي ' اور اُس ہزيمت کي ذلت مٹانے کيليے اس مہذب قوم کو ضرورت تھي کہ چند بے گناہ انسانوں کا خون بہاکر اپنے دل انتقام پرست کو تسکين دے - چنانچہ بہت سے آدمي گرفتار کئے گئے اور انميں سے شيخ خياط اور شيخ سلامي کو فوراً پھانسي پر چڑھا ديا گيا - ان کا جرم يہ قرار ديا گيا کہ يہ شيخ سعيد عکاش کے دوستوں ميں سے ہيں جسکا گروہ دمشق سے باہر فرانسيسي فوجوں کو پے در پے شکستيں ديرہا ہے - جب انسے دريافت کيا گيا کہ کيا وہ عکاش کے دوستوں ميں نہيں ہيں ؟ تو ان دونوں سر فروشان حق نے بے تامل جواب ديا " شام کا کون ایسا بے عزت انسان ہوسکتا ہے جو عکاش جيسے بہادر اور جانفروش وطن کي دوستي سے انکار کرے ؟ "

دوسرے مرقع ميں بھي ایک نعش سولي پر لٹک رہي ہے ' يہ بھي ایک وطن پرست غيور کي ہے جسے "باغي ... شمار کيا گيا - اسکا نام احمد دباغ تھا اور يہ ان لوگوں ميں سے تھا جنھوں نے فرانسيسي فوج کي خدمت و اعانت سے انکار کرديا تھا - اگر آپ تصوير کو غور سے ديکھينگے ' تو نعش کے سينے پر کچھہ حروف لکھے نظر آئينگے - در اصل يہ ایک کاغذ ... سينے پر ديديئے کے بعد ہر نعش کے سينے پر چسپاں کر ديا جاتا ہے اور اسپر " مجرم " کے جرم کي نوعيت اور مقدار لکھدي جاتي ہے - جب تک نعش لٹکتي رہتي ہے يہ کاغذ بھي چسپاں رہتا ہے تاکہ جب کبھي کسي شخص کي نظر پڑجاے تو وہ اُسکا جرم و گناہ معلوم کرلے - کونسا جرم ؟ کونسا گناہ ؟ حقوق وطن کي حفاظت کا جرم ! اور حقوق ملت کے احترام کا گناہ ! اس سے بڑھکر آج يورپ کي عدالت ميں مشرق کا کوئي جرم نہيں ہے :

فمن شاء فلينظر الي فمنظري
و نذير الي من ظن ان العود سهل

اکتوبر سنہ ٢٥ سے ليکر اسوقت تک جتنے آدميوں کو پھانسي کے ذريعہ قتل کي سزا دي گئي ہے ' انکي تعداد سينکڑوں سے کسي طرح کم نہوگي - صرف دمشق کے ميدان مرجہ ميں ستر سے زيادہ آدمي سولي کے تختے پر کھڑے ہوچکے ہيں - انميں سے چند سولیوں کي تصوير لينے کا ایک مقامي عکاس کو موقعہ ملگيا تھا - بعض ذرائع سے اُنکي نقليں مجھہ تک پہنچ گئيں - اگر آپکے ذريعہ يہ مناظر شائع ہوسکے تو ممکن ہے برادران ہند کي آنکھيں چند قطرات اشک بہانے ميں بخل نہ کريں - ليکن جانداران عشق وطن کيليے آنسوؤں کے يہ چند قطرے بھي بہت قيمتي ہونگے کيونکہ انکي قربانياں اسوقت تک دنيا کي نظروں سے پوشيدہ ہيں ' اور آنہيں مورخ کے حقيقت سرا قلم کا ابھي مدتوں انتظار کرنا ہے .

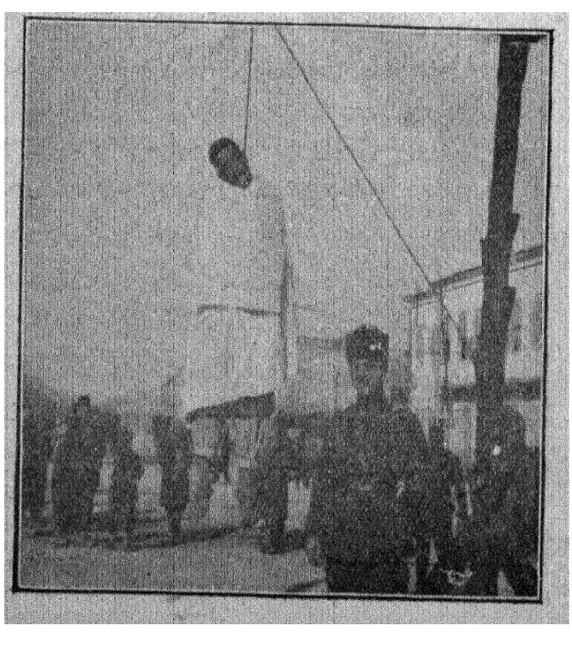

مقالات

اسلام اور نیشنلزم

بہ بدمستی سزد گر نغمہ سازد مراساقی
ہنوز از بادۂ دوشینہ ام پیمانہ بردارد!

یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جو زمانہ سب سے زیادہ باہر کے اسلامی معاملات کے انہماک کا زمانہ تھا۔ یعنی حرکت خلافت کا زمانہ، اُسوقت کسی شخص کو بھی یہ خیال نہیں گزرا کہ باہر کے اسلامی معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا ہندوستان کی [illegible] خیال سے کہاں تک موزوں ہو سکتا ہے، یا یہ کہ نام نہاد پان اسلامیزم [illegible] جذبے ہیں جو بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ اُسوقت بھی ایک گروہ حرکت خلافت کا مخالف تھا، لیکن اُس میں ہندو مسلمان دونوں تھے، اور اُس کی مخالفت بھی اس بنا پر نہ تھی کہ یہ معاملہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کا ہے، بلکہ اس لئے تھی کہ وہ اس قدر دُور تک جانا پسند نہیں کرتا تھا جس قدر دور یہ حرکت جانا چاہتی تھی۔ مطالبات خلافت پر موقوف نہیں، خود ہندوستان کے سیاسی مطالب کے لئے بھی وہ اس طریق عمل سے متفق نہ تھا۔

لیکن جونہی ۱۹۲۲ء میں حرکت کی سرگرمیاں رُکیں اور لوگوں کے ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے فوراً طرح طرح کی بحثیں اور کاوشیں شروع ہو گئیں۔ اب ہر شخص سوچنے لگا کہ ہندوستان کے جغرافیائی حدود سے باہر کے معاملات میں اس قدر دلچسپی لینا کہاں تک قومیت و وطنیت کے جذبات کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ مسئلہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مسلمانوں سے گزر کر اسلام کی تعلیم تک پہنچ گیا۔ اب سکڑوں دماغ و قلم ہیں جنھیں اس سوال کی بحث و کاوش سے فرصت نہیں ملتی کہ اسلام کی دینی تعلیم کی روح قومیت کے موافق ہے یا مخالف؟

یہ حالت بظاہر کتنی ہی عجیب معلوم ہوتی ہو مگر فی الحقیقت عجیب نہیں ہے۔ علم الاجتماع کے مطالعہ کرنے والے ایسے ہی احوال و تغیرات میں جماعت کے ذہنی قوانین کی جستجو کیا کرتے ہیں۔ جب آدمی بیکار ہوتا ہے تو ضرورت سے زیادہ سوچنے لگتا ہے۔ مشغول آدمی کو زیادہ خیال آرائیوں کی مُہلت ہی نہیں ملتی۔ یہی حال جماعتوں اور قوموں کا بھی ہے۔ جبوقت تک وہ عملی زندگی میں مشغول رہتی ہیں، ذہن و فکر کو ضرورت سے زیادہ دقیقہ سنجیوں کی مُہلت ہی نہیں ملتی۔ لیکن جونہی ہاتھ پاؤں بیکار ہو جاتے ہیں، ذہن و خیال اُبھر آتا ہے اور اپنی کارستانیاں شروع کر دیتا ہے۔ پہلے ارادہ کی ساری قوت عمل میں مشغول تھی۔ اب عمل کی جگہ تخیل کے لئے وقف ہو جاتی ہے۔ پہلے کسی کو ذہنی بلند پروازیوں کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اب جس کسی کو دیکھو غیر ضروری بحثوں، بے محل کاوشوں، فرضی صورتوں، تخمینی سوالوں، بے قید تخیلات، اور مطلق العنان اوہام و ظنون سے سرگرار ہو جاتا ہے!

ذہن و عمل کے توازن کا یہی عدم توازن ہے جس سے جماعتوں کی زندگی میں عملی استعداد کی افسردگی اور تعطل کی بنیاد پڑتی ہے، اور بعض اوقات یہ علت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ عمل کی استعداد بالکل منفقود ہو جاتی ہے۔ یا اس درجہ کمزور پڑ جاتی ہے کہ کوئی نمایاں اور عظیم قدم نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

ہر قوم کی تاریخ میں اس حالت کی مثالیں ڈھونڈھی جا سکتی ہیں۔ تو عرج کے زمانے پر نظر ڈالو گے تو وہ سرتاپا عمل نظر آئے گا، لیکن تنزل کا عہد دیکھو گے تو عمل کی جگہ تخیل کی فرمانروائی ہو گی۔ پہلی حالت میں تخیل محدود مگر قدم بے روک ہوتا ہے۔ دوسری حالت میں قدم رُک جاتا ہے مگر خیال آسمان پیمائیاں شروع کر دیتا ہے۔ عربوں نے جب روم اور ایران کے تخت اُلٹ دیئے تھے تو اُن کی سادگی فکر کا یہ حال تھا کہ قضاء و قدر کے مسئلہ میں وہم و گمان کا دخل بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن جب قضاء و قدر اور جبر و اختیار کی گتھی سلجھانے کے لئے اُنھوں نے پچاس سے زیادہ مذہب گڑھ لئے، تو وحشی تاتاریوں کے جولانِ قدم سے اُن کے تمام دارالخلافے پامال ہو رہے تھے!

آج بھی یورپ کی قوموں میں اس کی مثالیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ انگلو سکسن نسل کے مقابلے میں فرانسیسی قوم زیادہ ذہنی اور تخیل پسند ہے، اور اس لئے کسی طرح بھی اپنا روز افزوں تنزل روکنے پر قادر نہیں ہے۔

۱۹۲۰ء میں حالات کی رَو نے ذہن تخیل کو زیادہ بے لگام ہونے کی مہلت ہی نہیں دی تھی مہاتما گاندھی نے مسئلہ خلافت کو محض اُس کی سادہ اور عملی شکل میں دیکھا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُنھوں

کہ اُس کی موجودہ منزلِ حیات میں اس سے زیادہ کاوش کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ نہایت تیزی کے ساتھ اُٹھے، اور قبل اس کے کہ ذہن و خیال کو چنیں و چناں کی مُہلت ملے، کام شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند مہینوں کے اندر ایک عام حرکت ظہور میں آ گئی۔ مطالبۂ خلافت ہندو مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ بن گیا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں ہندوؤں نے اسی طرح گرمی اور بے پروا دلچسپی ظاہر کی جیسی خود مسلمان ظاہر کر رہے تھے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض حالتوں میں خود مسلمانوں سے بھی اُنکے قدم پیش پیش تھے۔

لیکن جب عملی مشغولیت کا دَور ختم ہو گیا تو ردِ فعل کا عمل درآمد شروع ہو گیا۔ وہی چیز جو چند دن پہلے ملک کا سب سے زیادہ مقبول عمل تھی، اب ایک مشتبہ اور بحث طلب چیز بن گئی، اور فکر و خیال نے طرح طرح کی کاوشیں شروع کر دیں۔ جبوقت ہزاروں کی تعداد میں لوگ قید خانے جا رہے تھے تاکہ ٹرکی کے ساتھ انصاف کیا جائے، اُسوقت کسی کو بھی یہ بات نہ سوجھی کہ اس مطالبہ کا اس درجہ انہماک ہندوستانی قومیت کے ساتھ میل کھاتا ہے یا نہیں؟ لیکن اب ہر شخص اسی خیال سے متفکر ہے، اور کوئی قلم و زبان نہیں جو یہ سوال طاری نہ ہوا!

ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جو ناتہ چینی کے رنگ میں اس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں، دوسری طرف مسلمان اہل قلم ہیں، اور چونکہ خود انکے سامنے بھی کوئی صاف اور واضح حقیقت نہیں ہے، اس لئے کچھ عجیب طرح کے افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے الہلال کے پچھلے صفحات پر اس قسم کی بحثیں دیکھی تھیں کہ اسلام کی وسعت نظر وطنیت کی تنگ نظری کی تحلل نہیں، چونکہ بات کے حل اور موقعہ پر ان کی نظر نہیں ہے، اس لئے وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام "نیشنلزم" کا مخالف ہے اور کسی مسلمان کو "نیشنلسٹ" نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مسلمانانِ ہند کی سیاسی بے حسی سے سخت نالاں ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ باہر کے اسلامی مسائل کے لئے اُن میں جس قدر دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اُس قدر خود اپنے ملک کے لئے نہیں ہوتی تو وہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی وسعت علائق و احساس ہی اس صورت حال کے لئے ذمہ دار ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ اب ایسے خیر باد کہہ دینا چاہئے حالانکہ نہ تو اسلام کی وسعت نظر کے یہ معنی ہیں کہ وہ قومیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ نہ قومیت کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اسلامی ذہنیت کا دائرہ تنگ کیا جائے۔ یہ دونوں صورتیں افراط و تفریط میں داخل ہیں، اور ہر معاملہ کی طرح یہاں بھی حقیقت اطراف میں نہیں بلکہ وسط میں ڈھونڈھنی چاہئے۔

وہ "وسط" کیا ہے؟

اس تحریر سے مقصود اُسی کی جستجو و تحقیق ہے۔ چونکہ مسئلہ کے اطراف وسیع ہیں اس لئے ضروری ہے کہ انھیں چند حصوں میں منقسم کر دیا جائے۔ آج پہلا حصہ ہدیۂ قارئین ہے۔

۱

حیاتِ اجتماعیہ اور اس کا سلسلۂ ارتقاء

"قومیت" کیا ہے؟ انسان کی اجتماعی زندگی کے احساس و اعتقاد کی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ یہ انسانوں کے کسی ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے ممتاز کرتی ہے اور اس کے ذریعہ اُس کی ایک بڑی جمعیت باہم مربوط ہو کر زندگی بسر کرتی اور اجتماعی زندگی کے کشاکش سے عہدہ برا ہوتی ہے۔ اس لئے قبل اس کے کہ اس بارہ میں اسلام کی تعلیم و دعوت پر نظر ڈالی جائے خود انسان کی حالت پر نظر ڈالنی چاہئے کہ اُس کے اجتماعی رشتوں اور رشتوں کے احساس و اعتقاد کا کیا حال ہے؟

جس طرح کائنات ہستی کی ہر شئے پر قانون نشوء و ارتقاء جاری ہے۔ یعنے ہر چیز ابتدائی حالت سے انتہائی درجہ تک، طفولیت سے رُشد و بلوغ تک، تنگی سے وسعت تک، پستی سے بلندی تک، اور نقص سے کمال تک بہ تدریج ترقی کرتی ہے، اور اس رفتار ترقی میں اُسے مختلف درجوں اور [illegible]

اور بالآخر وسعت و بلوغ تک پہنچ جاتا ہے۔ دنیا کی تمام چیزوں کی طرح اُس کی بھی ایک کڑی ابتدا کی ہے اور ایک انتہا کی ہے۔ ابتدائی کڑی میں اُس کا احساس اُس کے جسم و دماغ کی طرح گہوارۂ طفولیت میں سوتا نظر آتا ہے۔ پھر جوں جوں دماغی ادراک نشوونما پاتا ہے، اجتماعی رشتوں، علاقوں کا احساس بھی وسعت پذیر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے اور پھیلتے پھیلتے اُس نقطۂ بلوغ و کمال تک پہنچ جاتا ہے جو اس سلسلۂ ارتقا کی آخری کڑی ہے۔

حلقات تسعۂ ارتقا

انسانی حالت پر ہمیشہ دو مختلف حیثیتوں سے نظر ڈالی جاتی ہے: نوعی اور انفرادی۔ نوعی سے مقصود یہ ہے کہ بہ حیثیت ایک نوع کے اُس پر جو کچھ گزر چکا ہے اس کی جستجو کی جائے۔ انفرادی سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ایک انسانی وجود پر جو کچھ گزرتا ہے اس کی تحقیق کی جائے۔ پہلی کے لئے تاریخ و آثار کا اور دوسری کے لئے خود انسان کی زندگی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے اگر انسان کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی احساس و ادراک کا یہ سلسلۂ ارتقا نوع اور فرد دونوں زندگیوں میں یکساں طور پر موجود ہے، اور اس کی بڑی اور اصولی کڑیاں حسب ذیل ہیں:

(۱) امومۃ۔
(۲) ابوّۃ۔
(۳) عائلہ۔
(۴) قبیلہ۔
(۵) بلدیۃ۔
(۶) وطنیۃ۔
(۷) جنسیت و قومیۃ۔
(۸) برّاعظمیت یا تقسیم بہ لحاظ جغرافیہ۔
(۹) انسانیت و ارضیۃ۔

"امومۃ" کے معنی عربی میں ماں ہونے اور ماں کے رشتہ کے ہیں۔ اس سے مقصود انسان کی وہ ابتدائی حالت ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی ساری دنیا صرف ماں کی گود ہوتی ہے۔ اس ابتدائی منزل میں انسان کا علاقۂ اجتماع صرف "امومۃ" میں محدود ہوتا ہے۔ فطرۃ کا فرشتہ اُس کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے معصوم ہاتھ ماں کی گردن میں حمائل ہو جاتے ہیں۔ یہ فردیۃ سے اجتماعیت کی طرف انسان کا پہلا قدم ہے۔

"ابوّۃ" سے مقصود باپ کا رشتہ ہے۔ ماں بچے کو باپ کے آغوش محبت میں رکھ دیتی ہے اور اب وہ ماں کے ساتھ ایک دوسرے وجود کا رشتہ بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

تمدن کے وجود میں آنے سے پہلے انسان انفرادی اور خلقی زندگی بسر کرتا ہوگا۔ اُس وقت ازدواج مدنی (یعنی تعین و التزام کے ساتھ مرد و عورت کے ملنے) کا وجود نہ تھا۔ ممکن ہے عام حیوانات کی طرح ولادت کا بنیادی رشتہ محض امومۃ کا رشتہ ہو اور ابوّۃ کا تعین اور تشخص وجود میں نہ آیا ہو۔ میں نے "ممکن ہے" کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس بارے میں علماء علم الانسان کے نظریات مختلف ہیں اور کوئی واضح روشنی موجود نہیں۔ بہرحال ابتدا میں ابوّۃ کا تشخص ہو یا نہ ہو، جس دن سے یہ تشخص شروع ہوا ہے، امومۃ کے بعد احساس اجتماع کی دوسری منزل یہی ہے۔

"عائلہ" عربی میں خاندان کو کہتے ہیں لیکن خاندان کا لفظ ہماری زبان میں زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ "عائلہ" کا اطلاق اُس سے کم تر دائرے پر ہوتا ہے۔ اس سے مقصود وہ قریبی رشتہ دار ہیں جن کے اکٹھے ہونے سے ایک گھرانے کی مشترکہ زندگی کا نظام قائم ہوتا ہے۔ یہ اس سلسلۂ ارتقا کی تیسری کڑی ہے۔ انسان نے جب انفرادی زندگی کی جگہ مل جل کر رہنا شروع کیا تو اس کا پہلا منظر یہ تھا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کا حلقہ بنا کر رہتا تھا تاکہ زندگی کی کش مکش میں تنہا رہنے کی جگہ ایک جتھا پیدا ہو جائے۔ "قریبی رشتہ داروں" کے اس احساس ہی سے اجتماعی ارتقا کی یہ تیسری منزل وجود میں آتی ہے۔ کیونکہ اب ماں باپ کے علاوہ دوسرے انسانوں کا بھی رشتہ محسوس کیا جانے لگا اور اجتماعیۃ کے احساس میں وسعت ہو گئی۔

"قبیلہ" اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔ اور یہ بہ نسبت "عائلہ" کے زیادہ وسیع حلقہ مہیا کرتی ہے۔ تمدن کے ابتدائی ایام میں جب کچھ عرصہ تک "عائلہ" کا نظام جاری رہا تو ہر خاندان کی نسل بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ پانچ پانچ دس دس پشتیں گزرنے کے بعد ہر خاندان کے افراد کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ اتنی بڑی تعداد صرف عائلہ کی چار دیواری میں سمٹ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر ایک وسیع تر حلقۂ تعارف پیدا ہو گیا، اور باوجود مختلف جگہوں میں رہنے کے ہر فرد اُس حلقہ کی نسبت سے پہچانا جانے لگا۔ جنگ و صلح کے موقعہ پر بھی یہ حلقے ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوتے ہونگے۔ اس طرح "قبیلہ" کی بنیاد پڑی، اور اب اس منزل میں پہنچ کر وہی انسان جس کا احساس اجتماع صرف "امومۃ" اور "ابوّۃ" میں محدود تھا، اپنے آپ کو ایک وسیع حلقۂ انسانی کا رکن سمجھنے لگا۔ یہ پورا حلقہ ایک خاص مورث اعلیٰ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر اور اس کے وجود کو اپنی رشتہ داریوں اور قرب جوئیوں کے لئے اعتقاد و شرف کا مرکز ٹھہراتا۔ یہیں سے نسب کی بنیاد چلی اور اس کی حفاظت کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ عرب، افریقہ، ہندوستان، امریکہ، اور آسٹریلیا وغیرہ میں آج تک قبائل کا نقش قدم ڈھونڈھا جا سکتا ہے۔ عرب میں تو قبائل کی تقسیم اور نسب کی حفاظت کا ایسا دور دورہ رہا کہ تمدنی اور شہری زندگی کا اختلاط بھی اُسے نہ مٹا سکا۔ اس وقت بھی اندرون عرب میں ہر قبیلہ بہ حیثیت قبیلہ کے اُسی طرح موجود ہے جس طرح چھٹی صدی عیسوی سے پہلے تھا۔ ہندوستان میں راجپوتوں کے مختلف نسلی سلسلے اور سورج بنسی اور چندر بنسی کا انتساب بھی اسی کا نتیجہ ہے۔

یہ جو نسل انسانی کی آج بڑی بڑی اصولی تقسیمیں کی جا رہی ہیں۔ مثلاً سامی، آرین، منگولین تو ان کی بھی بنیاد جب پڑی ہوگی، اسی "قبیلہ" کی منزل میں پڑی ہوگی۔ اب اگرچہ نسل انسانی اس منزل سے بہت آگے بڑھ چکی ہے، لیکن اس کی انفرادی زندگی میں یہ اب بھی ویسی ہی درمیانی منزل ہے، جیسی بہ حیثیت نوع کے تاریخ میں پیش آئی تھی۔ اب [illegible] انسان کا بچہ بڑا ہوتا ہے اور طفولیت کے سادہ احساسات کی جگہ تربیت و سماع کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں، تو وہ اپنے گھرانے کے حلقہ سے ایک زیادہ وسیع حلقہ رشتہ داریوں کا محسوس کرتا ہے۔ یہی احساس "عائلہ" کے بعد "قبیلہ" کا احساس ہے۔

اس چوتھی کڑی پر نسل کا [illegible] ہو جاتا ہے اور [illegible] کا رشتہ ظہور کرتا ہے۔ اب تک انسان کا احساس اجتماع صرف نسل کے رشتے میں محدود تھا۔ کیونکہ اُس کے دماغ کے لئے سب سے زیادہ قریبی رشتہ یہی تھا اور ہمیشہ اُس کے ادراک کا سفر قرب سے بعد کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن اب ایک دوسرا رشتہ بھی دعوت اعتقاد دینے لگا۔ ابتدا میں انسان کی زندگی محض انفرادی زندگی تھی، پھر عائلہ اور خاندان کی بنیاد پڑی، لیکن پھر بھی وہ عرصہ تک ویسی ہی غیر شہری زندگی بسر کرتا رہا جیسی آجکل بھی صحرائی قبائل یا ایشیا اور یورپ کے جنگلیوں کی زندگی ہے۔ وہ پانی، چارہ، اور غذا کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرتا رہتا تھا۔ لیکن جب ایک کافی مدت اس حالت پر گزر گئی، تو ہر قبیلہ اور گروہ کے لئے کوئی خاص حصۂ زمین مسکن و مولد کی شکل میں متعین ہو گیا۔ مثلاً کوئی خاص قبیلہ تھا جو خزاں میں ایک جگہ رہتا اور بہار میں دوسری جگہ چلا جاتا۔ عرصہ کے تواتر قیام سے یہ دونوں مقام اُس کے لئے مسکن و موطن بن گئے۔ یا کسی جماعت نے کسی ایک ہی مقام پر قیام اختیار کر لیا اور کچھ عرصہ کے بعد وہ اس جگہ میں اپنے لئے خصوصیت محسوس کرنے لگی۔ ساتھ ہی ایسا بھی ہوا کہ مختلف قبائل کسی ایک ہی حصۂ ارضی میں آس پاس رہنے لگے اور عرصہ تک قریب رہنے کی وجہ سے ان میں باہمی قرب و علائق کی ایک خاص حالت پیدا ہو گئی۔ ان اسباب سے اُس اجتماعی احساس اور جذبہ کی بنیاد پڑی جسے میں نے "بلدیۃ" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اس احساس کی پانچویں منزل ہے اس منزل میں پہنچ کر انسان ایک نیا رشتہ محسوس کرنے لگا جو کسی ایک ہی جگہ رہنے سہنے اور وہیں پیدا ہونے کے اشتراک کا رشتہ ہے۔

ایک مدت تک جس مقام پر انسان رہتا ہے قدرتی طور پر اُس سے زیادہ مانوس ہو جاتا ہے اس اُنس کے اسباب ایک سے زیادہ ہیں۔ اوّل تو اُس مقام کی ارضی خصوصیات کے ساتھ اُس کی زندگی کے حالات کچھ اس طرح مل جل جاتے ہیں کہ وہاں کے ہر موسم اور ہر حالت کے ساتھ اُس کی زندگی کی کوئی نہ کوئی حالت وابستہ ہو جاتی ہے، اور اس کے تصور میں اُس کے لئے کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ ثانیاً، مشاہدہ کے استمرار و تواتر میں بجائے خود حیوانی دماغ کے لئے تاثیر ہے۔ جن چیزوں سے اُس کا لگاتار واسطہ رہتا ہے قدرتی طور پر اُن سے زیادہ مالوف ہو جاتا ہے۔ ثالثاً، مکان و قیام کے ساتھ نسل و رفاقت کے بھی تمام رشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ جس مقام پر انسان پیدا ہوا ہو اور پرورش پائی ہو وہیں اس کے تمام عزیز و اقارب اور جانے پہچانے ہوئے آدمی ہوتے ہیں اور اس لئے اُن کی محبتوں کی یاد وہاں کے چپہ چپہ میں بس جاتی ہے۔ غرضکہ انسان نے نسل کے بعد مکان و توطن کا رشتہ بھی محسوس کیا اور بہ تدریج اس کی گیرائیاں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ یہ اس کے جذبات محبت کا مرکز اور مکانی دل بستگی کے ولولوں کا محور بن گیا:

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ
بواد، وحولی اذخر و جلیل!

"بلدیۃ" کے بعد چھٹی کڑی "وطنیۃ" کی آتی ہے۔ وطنیۃ "بلدیۃ" کے رشتہ کی ایک خاص ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ جب تمدن میں مزید ترقی و وسعت ہوئی، بکثرت آبادیاں اور شہر بس گئے، اور انسان کے باہمی علائق بھی زیادہ وسیع ہوئے، تو "بلدیۃ" کے جذبات میں بھی وسعت شروع ہو گئی، اور اب انسان نہ صرف اپنے مسکن و مولد ہی کو بلکہ اُس تمام علاقے کو اپنا وطن محسوس کرنے لگا جس کے ایک گوشہ میں وہ آباد تھا۔ پھر بتدریج اس دائرہ میں اور وسعت ہوئی، چھوٹے چھوٹے علاقوں کی جگہ زمین کے بڑے بڑے حصے داخل ہو گئے، یہاں تک کہ اب ایک پوری اقلیم بھی مفہوم وطنیۃ میں داخل ہو جاتی ہے!

نسل کے اجتماعی احساس نے افراد کی کثرت نسل کے نقطۂ وحدت میں سمیٹ دی تھی۔ اب مسکن

وحدت نمایاں ہوئی اور اس نقطۂ وحدت نے نسلی دائرہ سے زیادہ وسیع وعام دائرہ اپنے گرد بنا لیا۔ یہ دائرہ مختلف قبیلوں اور نسلوں کو باہم دگر مربوط و متحد کر دیتا ہے۔

"وطنیت" کے بعد جذبۂ اجتماع کے لئے "جنسیت" کی منزل نمایاں ہوتی ہے۔ اس سے مقصود انسانی علاقہ کا ایک ایسا وسیع دائرہ ہے جو تمام پچھلے دائروں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے، اور ان سب سے بالاتر رشتۂ اشتراک پیدا کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ رشتہ کسی خاص اصل پر مبنی ہو۔ کہیں وطنیت نے ایک زیادہ وسیع صورت اختیار کر لی ہے اور دوسری وطنیتوں کو بھی اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ کہیں ایسا ہوا ہے کہ کوئی بعید تاریخی نسل کا اشتراک فقط اتحاد بن گیا ہے اور جس قدر انسانی جماعتیں اس سے وابستگی پیدا کر سکتی ہیں، پیدا کر لیتی ہیں۔ [redacted] مختلف اقطاع ارضی میں آباد ہوں۔ رنگ اور زبان بھی اسی وجہ اشتراک کا کام دیتی ہے اور وہ تمام مختلف وطنیتیں اور نسلی جماعتیں شامل ہو جاتی ہیں جو رنگ میں یا زبان کے ابتدائی مواد میں اشتراک رکھتی ہوں۔ "جنسیت" کا یہ دائرہ تمدن کی وسعت و ترقی اور ملکی و سیاسی مقاصد کی کشمکش سے بہ تدریج ظہور پذیر ہوا۔ مختلف وطنیتوں نے دیکھا کہ وہ وطنیت کے دائرہ سے بھی زیادہ [redacted] دائرہ اتحاد اور ہمرشتگی کا پیدا کر سکتی ہیں جو مختلف وطنیتوں کو اپنے اندر سمیٹ لے گا، اس لئے انھوں نے "جنسیت" کی طرف قدم بڑھایا۔ آمنتکن جنسیت دنیا کی مختلف نسلوں اور وطنیتوں کا مجموعہ ہے۔ فاشسٹ جنسیت [redacted] فرد کو اپنے میں شامل کر لیتی ہے جو چند خاص اجتماعی و معیشتی عقائد و اعمال [redacted] ان تمام قوموں کو منسلک کرتی ہے جو لاطینی حلقہ کی مختلف شاخوں سے ملی ہوئی ہیں۔ سفید، سرخ، زرد، اور گندمی رنگت کی بھی تقسیم پیدا ہو گئی، اور جنس کا کام دینے لگی۔

بہرحال احساس اجتماع کا یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو تمام پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے اور انسانوں کی بڑی بڑی تعداد اسمیں سمٹ آتی ہے۔

"جنسیت" کے بعد اس سے بھی زیادہ وسیع دائرہ اُس رشتہ کا پیدا ہو جاتا ہے جو جغرافیہ کی بڑی بڑی تقسیموں سے پیدا ہو گیا ہے۔ مثلاً ایشیا، افریقہ، مشرق، مغرب، اس دائرہ میں پہونچکر انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کے باہمی علائق کی دنیا وطن و جنس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ ایشیا کا باشندہ تمام ایشیا کو اپنا وطن سمجھنے لگتا ہے، اور یورپ کا باشندہ تمام براعظم یورپ میں پہنچ کر جذبۂ وطنیت محسوس کرتا ہے۔

جغرافیہ کی تقسیم پر پہنچکر اضافی وسعت کی تمام کڑیاں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ منزل سامنے آجاتی ہے جو حقیقت کے عموم و اطلاق کی آخری منزل ہے اور جہاں پہونچکر یہ سلسلۂ ارتقا درجۂ بلوغ و تکمیل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ منزل "انسانیت" اور "ارضیت" کی منزل ہے۔ یہاں پہونچکر انسان محسوس کرتا ہے کہ [redacted] رشتوں، علاقوں کی تمام حد بندیاں اور اضافی نسبتیں جو اُسنے بنا رکھی تھیں، ان میں سے کوئی بھی حقیقی و فطری نہیں ہے۔ حقیقی رشتہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام کرۂ ارضی انسان کا وطن ہے، تمام نسل انسانی ایک ہی گھرانے کے افراد ہیں اور ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے۔ اس منزل پر پہونچکر انسان کے اجتماعی علائق کا سفر ختم ہو جاتا ہے اور وحدۃ نسلی، وحدۃ مکانی اور وحدت جنسی کی جگہ فاطر السماوات والارض کی بنائی ہوئی ایک ہی وحدۃ انسانی اپنی کامل اور بے پردہ صورت میں آشکارا ہو جاتی ہے!

انسانی علم و معرفت کے سفر میں یہ منزل وحدت اور کل کی منزل ہے، اُس کا ہر سفر جزو در جزو سے شروع ہوتا ہے، اور کل اور نوع کی وحدۃ پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں تعین اور نسبیت کے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں، اضافت اور نسبت کی تمام تنگ نظریاں اور حد بندیاں دور ہو جاتی ہیں، اور عارف منزل شناس دیکھ لیتا ہے کہ اس کائنات کثرت میں حقیقت بجز وحدۃ کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہر گوشہ میں پہلے کثرت ہے، افراد ہیں، اجزاء ہیں، لیکن اگر جستجوئے حقیقت کا قدم وہاں نہیں تو بالآخر وحدۃ، نوع، اور کل کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ نسل، وطن، قوم، جنس، سفید، سیاہ، افریقی، ایشیائی، بہت سے اسمار گڑھ لئے گئے تھے، حالانکہ مسمّیٰ ایک سے زیادہ نہ تھا اور وہ صرف "انسان" ہے:

عباد اتنا شتی وحنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر!

وحدت سے کثرت کی طرف

تم نے نوع انسانی کو اُس کی طفولیت کے گہوارہ میں دیکھا؟ یہ وہی انسان ہے جسکی دست نظر علائق کے لئے آج کرۂ ارضی کا پورا دائرہ بھی کافی نہیں ہے۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے کہ نظام شمسی کے دوسرے ستاروں سے اپنا رشتۂ وجود جوڑ لے، لیکن اُسوقت کیا حال تھا؟ اُسوقت اس کے ادراک و احساس کی غفلت و مجہولیت کا یہ حال تھا کہ خود اپنے وجود کی وحدت و نوعیت کی بھی خبر نہیں رکھتا تھا! وہ اس طرح باہم گتھم گتھا اور بے رشتگی کی زندگی بسر کرتا تھا گویا ایک نوع کی جگہ مختلف انواع کے افراد ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کے علم و ادراک کی بند آنکھیں کھلنے لگیں۔ وہ محسوس کرنے لگا کہ اپنے انفرادی وجود میں تنہا نہیں ہے۔ ایک ایسے مجموعہ کا فرد ہے جس کا ہر فرد اسی طرح انسان ہے۔ لیکن چونکہ علم و احساس کی یہ رفتار قرب سے بُعد کی طرف تھی، اس لئے سب سے پہلے وہ رشتہ نمایاں ہوا جو سب سے زیادہ قریب تھا، اور سب سے آخر اُس رشتہ کا سراغ ملا جو سب سے زیادہ دُور تھا۔ قرب و بعد کے ان دونوں کناروں کے درمیان جس قدر منزلیں پیش آئیں، اُن میں سے ہر منزل اپنی ماقبل منزل سے دُور تر لیکن مابعد منزل سے قریب تر تھی۔ انسانی ادراک و احساس کے لئے سب سے زیادہ قریبی اور سامنے کا رشتہ کیا تھا؟ ماں باپ کا رشتہ، اس لئے سب سے پہلے اُسی کا احساس بیدار ہوا۔ سب سے زیادہ دُور کا رشتہ کیا تھا؟ "انسانیت" اور "انسانی اخوت" کا رشتہ۔ اس لئے سب سے آخر اسی منزل کی نمود ہوئی۔

انسانی اخوت کا رشتہ دُور کا رشتہ اس لئے ہوا کہ یہ ایک غیر محدود کثرت کو وحدت میں لانے کے بعد نمایاں ہو سکتا تھا اور چونکہ ہمیشہ کثرت و تعدد کی وسعت میں انسانی عقل گم ہو جایا کرتی ہے، اس لئے وحدت تک پہنچتے پہنچتے اُسے بہت دیر لگ جاتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ کائنات ہستی وحدت و کثرت کی صورت آرائیوں کا ایک عجیب و غریب طلسم ہے، اس لئے جب کبھی کاروان عقل جستجوئے حقیقت میں نکلتا ہے، تو اُسے کثرت سے وحدت کی طرف بڑھنا پڑتا ہے، اور جب تک منزل بہ منزل پوری مسافت طے نہیں کر لیتا، حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق ہستی کے ہر گوشہ میں انسانی علم کی تاریخ ایک پوری داستان سیاحت ہے۔ درجہ بدرجہ اور منزل بہ منزل علم نے ترقی کی ہے اور جستجو نے سُراغ پایا ہے جس طرح انسان کو صرف اتنی بات معلوم کرنے کے لئے کہ ایک ہزار ہشکل جانور ایک ہزار متنفس نہیں ہیں، بے شمار زمانہ مطلوب تھا، اسی طرح وہ خود اپنے وجود کی نوعی وحدت اور اسکے عالمگیر رشتے کا علم و احساس بھی فوراً حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ ناگزیر تھا کہ ایک پوری مسافت منزل بہ منزل طے کی جائے، چنانچہ طے کی گئی، اور بالآخر وحدت انسانی کی منزل نمودار ہو گئی!

انسان کی حیات انفرادی

یہ انسان کی نوعی زندگی کی سرگزشت تھی اب کچھ دیر کے لئے اُس کی انفرادی زندگی پر بھی ایک نظر ڈال لو۔ نوعی زندگی کے علم کے لئے تاریخ کے اوراق اُلٹنے پڑے تھے، لیکن فرد کی زندگی کا صفحہ تو ہر وقت ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ یہاں بھی دیکھو، کس طرح احساس اجتماع کا فطری سلسلۂ ارتقا درجہ بدرجہ ظہور کرتا ہے اور منزل بہ منزل آگے لے جاتا ہے؟ جب ایک بچہ ماں کی گود میں آنکھیں کھولتا ہے تو ماں کے سوا اور کسی انسانی رشتے کا احساس نہیں رکھتا۔ پھر آہستہ آہستہ اُس کا ادراک اُبھرتا اور پھیلتا ہے، اور احساس کی وہ کڑیاں نمودار ہونے لگتی ہیں جو قرب سے بُعد کی طرف اُس کی رہنمائی کرتی ہیں۔ پہلے صرف ماں باپ ہی کے دامن سے لپٹتا تھا، یہ "اُمومتہ" اور "ابوۃ" کی ابتدائی کڑیاں تھیں۔ پھر اُس کے گھر کی چار دیواری اُسکی دُنیا ہو گئی۔ نظر طفولیت کی نارسائی اس سے آگے نہیں دیکھ سکتی تھی یہ "عائلہ" کی منزل تھی۔ پھر اُس کی عمر کچھ زیادہ ہوئی تو اپنے گھرانے اور خاندان کے تمام رشتہ داروں کو بھی جاننے پہچاننے لگا اگرچہ وہ اُس کے گھر کی چار دیواری میں نہ رہتے ہوں۔ یہ وہی منزل ہے جسے پہلے "قبیلہ" کے نام سے پہچان چکے ہو۔ اس اثنا میں مسکن و سکان کا رشتہ بھی بوجہ قربی ہونے کے دائرہ احساس و ادراک میں آجاتا ہے۔ پہلے اپنے ہمسایہ سے پھر اپنے محلے کے لوگوں سے، پھر پوری بستی اور شہر سے مانوس ہو جاتا ہے۔ یہ وہی منزل ہے جو "بلدیۃ" کے نام سے نوع کو پیش آچکی ہے۔

ان ابتدائی احساسات کے بعد وہ وقت آتا ہے جب طفولیت کا عہد ختم ہو جاتا ہے اور نشو و نما پا لیتے ہیں کہ مشاہدہ کی طرح سماع سے بھی علم و احساس حاصل کریں، تو تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس کی ذہنیت اسی سانچے میں ڈھلنا شروع ہو جاتی ہے جو انسان کی تمدنی زندگی نے پیدا کر لی ہے۔ لیکن اب بھی احساس اجتماع کی رفتار وہی رہتی ہے جو قرب سے بُعد کی طرف ہونی چاہئے۔ وہ اپنے دل میں پہلی کشش وطن کی طرف پاتا ہے۔ پھر قوم و جنس کا سراغ لگاتا ہے، سب سے آخر میں انسانیت آتی ہے اور اس کے دل کے دروازہ پر دستک دینے لگتی ہے!

اگر ایک بچہ کو باقاعدہ تعلیم و تربیت کی ہوا نہ لگے، تو اس صورت میں بھی اُسے ایسی ہی منزلیں پیش آئیں گی۔ البتہ بعض کڑیاں جو تہذیب و تمدن کے انکار و مفاسد سے پیدا ہو گئی ہیں اُس کے سامنے نہ آئیں۔ وہ قدرتی طور پر پہلے اپنے مولد و مسکن کا رشتہ محسوس کرے گا۔ پھر اطراف وجوانب کی طرف کھنچے گا۔ پھر اپنے ملک و اقلیم کا تصور کرے گا، اور سب سے آخر دنیا اپنے رشتۂ انسانیت کے ساتھ نمود کریگی!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیا جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۲ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد یہ رسالہ ترجمان میں چھپی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲)

منیجر الہلال کلکتہ

بصائر و حکم

مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا اَنڈا؟

مومن اور مُنکر کا ایک دلچسپ مکالمہ

جدال فی اللہ بغیر علم!

چھ مجلسیں

پہلی مجلس

میرا بھائی ایک ایسا ہی "آزاد خیال" شخص ہے جیسے آزاد خیال اشخاص بیسویں صدی کی عام پیداوار ہیں۔ بحث و مناظرہ کا اسے بہت شوق ہے۔ اپنے تیز اور قطعی خیالات کے اظہار میں کبھی تامل نہیں کرتا اور جب کبھی گفتگو کرتا ہے تو اس کا معاندانہ سخت اور حجت بے جھجک ہوتی ہے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا:

"مجھے یقین نہیں آتا کہ "بلعام" کی گدھی بولی ہو جیسا کہ تورات میں بیان کیا گیا ہے!"

میں نے جواب دیا:

"میں نہایت خوش ہوں گا اگر دُنیا بھر کے گدھوں کا سُر باندھ دیا جائے اور وہ کبھی اپنی گرخت آواز دنیا کو نہ سنا سکیں"

میرا جواب بھائی نے مذاق پر محمول کیا وہ سنجیدہ تھا اور علمی مباحث میں ہرگز مذاق گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے چین بجبیں ہو کر کہا:

"میں مہمل گفتگو پسند نہیں کرتا۔ سنجیدہ دقیق مباحث میں میرا جی لگتا ہے"

میں نے کہا:

"بہت بہتر۔ کوئی سنجیدہ مسئلہ پیش کرو تاکہ میں بھی سنجیدگی سے گفتگو کروں"

ایک لمحہ غور کرنے کے بعد کہنے لگا:

"تعجب ہے آپ ہمیشہ مجھی سے سوال چاہتے ہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ سُدا میں ہی حملہ آور ہوں اور آپ مدافعت کریں؟ آج خود آپ ہی کیوں نہ پہلا گولہ پھینکیں؟ کیا مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے؟"

میں نے جواب دیا:

"کیوں نہیں؟ کسی عمارت کا ڈھا دینا تعمیر سے زیادہ آسان ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ تم کوئی عمارت ہی نہیں رکھتے۔ تمھارے پاس کوئی مثبت چیز ہے ہی نہیں۔ صرف انکار اور منفی پہلو ہے۔ پھر میں کس چیز پر حملہ کروں؟ تاہم ایک مسئلہ میں تمھاری زبان سے ائمۂ الحاد کے فتوے سننا چاہتا ہوں"

اُسنے وعدہ کیا کہ میرے ہر سوال پر سنجیدگی کے ساتھ بحث کرے گا اور مخالفین کے انکار پوری وضاحت سے پیش کرے گا۔

میں نے سوال کیا۔

"مُرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا؟"

ساتھ ہی میں نے کہا:

"سوال بالکل آسان اور صاف ہے۔ "متقدر علماء" نے اسے مزور حل کیا ہوگا، تمھاری کیا رائے ہے؟"

وہ کچھ گھبرا سا گیا:

"یہ سوال بے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر بحث کی کیا ضرورت ہے؟"

اسنے جواب دیا۔

"ممکن ہے تمھارا خیال صحیح ہو"

میں نے کہا:

"لیکن اگر میری ذاتی رائے پوچھتے ہو تو میں اس سوال کو بہت اہم سمجھتا اور تمھارے جواب کا بیصبری سے منتظر ہوں۔ خود تم نے مجھ سے سوال کی خواہش کی تھی۔ اب تمھیں جواب سے گریز نہیں کرنا چاہئے"

وہ "یہ سوال بہ ظاہر بالکل معمولی ہے لیکن در اصل اپنے اندر ایک دقیق فلسفی بحث چھپائے ہے۔ یا تو آپ اسے کسی دوسری شکل میں پیش کیجئے یا اپنا مقصود واضح کر دیجئے"

میں "تم بہت دُور ہے ہو۔ حالانکہ تمھیں ڈرنا نہیں چاہئے۔ یہ سوال کچھ جہاں نہیں ہے جس میں پھنس جاؤ گے۔ مجھے اس موضوع کے متعلق صرف اتنی ہی واقفیت ہے کہ انڈا مرغی کے پیٹ سے نکلتا ہے اور مرغی بیضے سے نکلتی ہے"

آسنے میری تصدیق کی۔ پھر مُنے کہا:

"اگر یہ صحیح ہے تو کیا علم طبقات الارض کے ماہر سر چارلس لائل نے یہ اصل قرار نہیں دے دی ہے کہ "ماضی کو حاضر کے دلائل سے واضح کرنا چاہئے؟"

وہ "بیشک"

میں "تو انڈے اور مرغی کا یہ معاملہ ہمیشہ سے یوں ہی چلا آرہا ہے؟"

وہ "ہاں"

میں "تو ضرور ہے کہ پہلی مرغی اور پہلے انڈے کا وجود اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہوگا؟"

وہ "بیشک"

میں "اگر یہ صحیح ہے تو پہلی مرغی انڈے سے پہلے وجود میں آئی کیونکہ وہ انڈے سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو سر چارلس لائل کا اصول ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ حاضر کا مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور ماضی کو واضح نہیں کرتا۔ ہم دیکھتے ہیں ہر مرغی انڈے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حاضر کی اس دلیل و مشاہدہ سے ہمیں یہی کہنا چاہئے کہ ہمیشہ مرغی انڈے ہی سے پیدا ہوتی رہی ہے۔ مگر تمھیں ابھی تسلیم کرنا پڑا کہ سب سے پہلی مرغی انڈے سے پیدا نہیں ہوئی"

اسپر وہ دیر تک خاموش رہنے کے بعد بولا:

"آپنے بالبحث یہ کیسے تسلیم کر لیا کہ سب سے پہلی مرغی بغیر انڈے کے موجود ہوئی؟ خود مرغی کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ اُسی انڈے کی ترقی یافتہ مکمل صورت ہے۔ اگر ہم صحیح علمی اصول کی روشنی میں غور کریں تو فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ انڈا پہلے ہوا ہے، لہذا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سب سے پہلی مُرغی بھی انڈے ہی سے وجود میں آئی ہے"

میں "بہت خوب۔ تو اب یہ طے پا گیا کہ سب سے پہلی مرغی انڈے سے پیدا ہوئی ہے۔ یعنی انڈے کا وجود مرغی کے وجود سے پہلے ہوا یعنی سب سے پہلا انڈا مرغی کے پیٹ سے نہیں نکلا۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو بھی لائل کا نظریہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ حاضر، ماضی کی تائید نہیں کر رہا ہے بلکہ سراسر مخالف ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں ہر انڈا مُرغی ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی بتا دو کہ اگر سب سے پہلا انڈا مُرغی سے پیدا نہیں ہوا تو کہاں سے آیا؟ کیونکر آیا؟ کب آیا؟"

وہ "میں سمجھ گیا آپ مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ انڈا خدا نے پیدا کیا"

میں "میں قائل ہوں، مجیب نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آسمانی کتابوں کے قائل اس سوال [redacted] اور معمولی جواب دے کر سبکدوش ہو جاتے ہیں کہ سب سے پہلا انڈا خدا نے خود پیدا کیا تھا میں یہ نہیں کہتا ہوں۔ اگر تم علمی دلائل و براہین سے کوئی فیصلہ کن جواب [redacted] ہوں گا"

وہ "[redacted] کائنات پر چسپاں ہو سکتا ہے؟"

میں "بیشک۔ ضرور ہے کہ شروع شروع گیہوں کا سب سے پہلا دانہ موجود ہوا ہو، سب سے پہلی بلی ہو، سب سے پہلی گائے ہو، سب سے پہلی بکری ہو۔ سب سے پہلا انسان ہو۔۔۔ اگر تم انڈے کی گتھی سلجھا دو تو میں باقی تمام کائنات کو اسی پر قیاس کر لوں گا، اور ہم آفرینش کا راز دنیا پر کھول سکیں گے"

وہ "آفرینش کا سوال بہت قدیم سوال ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کائنات، تدریجی ارتقا کے ساتھ وجود میں آئی ہے"

میں "صحیح ہے۔ لیکن اصل حیات اس سے مستثنیٰ ہے۔ زندگی کا پہلا تخم ضرور ہے کہ پیدا کیا گیا ہو۔ نظریۂ ارتقا مجھے مرعوب نہیں کر سکتا ارتقا کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے کوئی وجود موجود ہو، اور اُس میں تدریجی ترقی ہوئی ہو۔ لیکن عدم محض میں کیونکر ترقی ممکن ہے؟ ضرور ہے کہ پہلے انڈے کا وجود تسلیم کرو پھر اُس پر [redacted] کی عمارت کھڑی کرو۔ پس میرا سوال یہی ہے کہ وہ سب سے پہلا انڈا کہاں سے آیا؟"

وہ "میں ڈاکٹر باسٹین کے اس نظریہ سے بالکل متفق ہوں کہ ہر جاندار غیر عضوی بے جان مواد سے وجود میں آیا ہے"

میں "لیکن ہکسلے اور ٹنڈال نے اس نظریہ کو باطل قرار دیا ہے اور تمام علماء نے وہی قدیم نظریہ تسلیم کیا ہے کہ جاندار جاندار سے موجود ہوا ہے"

اسپر وہ لاجواب سا ہو گیا اور کہنے لگا باقی گفتگو کل ہوگی،

دوسری مجلس

دوسرے دن میں نے اُس سے کہا:

"کل میں زندگی کی اصل کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ میرا سوال ایک ایسے انڈے کے متعلق تھا جو زندہ عناصر سے مرکب ہو لیکن تم نے ڈاکٹر باسٹین کا قول پیش کر دیا کہ انڈا غیر جاندار مواد سے وجود میں آیا ہے۔ حالانکہ میرا سوال جاندار انڈے کے متعلق تھا، مُردہ انڈے سے بحث نہ تھی۔ لیکن خیر میں تمھاری خاطر فرض کئے لیتا ہوں کہ سب سے پہلا غیر عضوی مُردہ مواد سے ظہور پذیر ہوا تھا مثلاً ہم کہیں سب سے پہلے انڈے کی اصل، ریت کا ایک ذرہ تھا۔ کہ یہ کہنے کے بعد بھی سوال بدستور قائم رہتا ہے۔ اب اُس کی صرف لفظی شکل بدل جاتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ریت کا ذرہ کہاں سے آیا؟"

وہ "ریگ کا ذرہ اور ہر عنصر بہت سے ایسے دقیق ذرات و اجزا سے مرکب ہے جنھیں انسانی نگاہ کبھی کسی بھی مشاہدہ میں نہیں کر سکتی لیکن باوجود اس کے ہم ان غیر مرئی ذرات کے وجود کے قائل ہیں، سر دست ہم عناصر کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے لیکن جراثیم

علم ترقی کرے گا ان عناصر کے شمار میں تخفیف ہوتی جائے گی۔ بہت ممکن ہے ایک زمانہ آئے جب ہم دعویٰ سے کہہ سکیں کہ صرف ایک ہیڈروجین ہی تمام عناصر و کائنات کی اصل ہے، سب کچھ اُسی سے ظہور پذیر ہوا ہے۔"

میں "شاباش! اگر کائنات، ہیڈروجین سے بنی ہے تو بتاؤ مرغوں کی وہ معزز پردادی کیونکر وجود میں آئی جس نے پہلا انڈا دیا تھا؟ ظاہر ہے وہ خود تو انڈے سے پیدا نہیں ہوئی۔"

وہ "یہ سب سے پہلی مرغی پیدا نہیں ہوئی بلکہ ظہور پذیر ہوئی تھی۔"

میں "کس [illegible] پذیر ہوئی؟"

وہ "میں نہیں [illegible]"

میں "تو تم اُس کا وجود ثابت نہیں کر سکتے؟"

وہ "میں [illegible]"

میں "تمھارے [illegible] تا ہوں لیکن تم کہہ چکے ہو کہ اولین مادۂ حیات پیدا نہیں کیا گیا۔ اب ہم کائنات کی اصل و ابتداء کے موضوع پر پہنچ گئے۔ [illegible] انڈے کی بحث پر۔ مگر تم نے اپنے جہل کا اعتراف کر لیا اور نہیں بتا سکے کہ وہ انڈا پیدا کیا گیا یا پیدا نہیں کیا گیا؟"

وہ "یہی سہی۔ لیکن میں برابر مدعی ہوں کہ کائنات اُس طرح پیدا نہیں ہوئی جس طرح توراۃ میں لکھا ہے۔"

میں "مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کائنات کس طرح خلق ہوئی ہے بہرحال کسی نہ کسی طرح وجود میں ضرور آئی ہے۔"

وہ "میں صفائی سے اعتراف کرتا ہوں کہ علم اس گتھی کے سلجھانے میں ناکام رہا ہے اور بقول "مسٹر لانگ" کبھی مستقبل میں اس کا فیصلہ ہو سکے گا۔"

میں "تمھارے اس اعتراف جہل کی بھی میں قدر کرتا ہوں۔ اچھا اب بحث کا رُخ ذرا پھیر دیں۔ کیا تم یقین کرتے ہو کہ تمام بلوری مخلوقات سبزیاں، اور حیوانات صرف ایک ہیڈروجین کے مختلف مرکبات ہیں۔"

وہ "ہاں"

میں "کیا خالی ظرف سے کسی چیز کا نکالنا ممکن ہے؟"

وہ "ہرگز نہیں۔ لیکن جناب! میں نے یہ کب کہا کہ ہیڈروجن ایک خالی ظرف ہے؟"

میں "لیکن میں بھی تو یہ نہیں کہتا، اچھا یوں سہی، کیا کسی ظرف سے اُتنا نکالا جا سکتا ہے جتنا اُس میں نہیں ہے؟"

وہ "نہیں"

میں "تو کیا ہیڈروجین سے اُتنا حاصل کیا جا سکتا ہے جتنا اُس کے اندر نہیں ہے؟"

وہ "نہیں"

میں "کیا تم خیال کرتے ہو کہ مادۂ حیات ہیڈروجین سے وجود میں آیا ہے؟"

وہ "بیشک، تمام اسفنجی اجسام (fungi)، نباتات، حیوانات تمام اہل فن، مصور، شاعر، مصنف، فلاسفر، علماء، غرضکہ تمام کائنات اُسی اصلی ہیڈروجینی انڈے کی پیداوار ہیں۔"

میں "اس عجیب طلسمی انڈے کے خواص و ممیزات کیا ہیں؟"

وہ "اسمیں کوئی طلسم یا جادو نہیں۔ یہ نیچر، کائنات کی ماں ہے۔"

میں "ہاں والدہ ماجدہ! لیکن ضرور ہے کہ اُس اصلی ہیڈروجینی انڈے میں کچھ خاصیتیں تھیں۔ خود ہیڈروجین کہاں سے آیا؟"

وہ "نہیں معلوم"

میں "یہ عجیب خواص اُس میں کیونکر پیدا ہوئے؟"

وہ "نہیں معلوم"

میں "تم قائل ہو کہ ہیڈروجین میں کچھ خاصیتیں تھیں جنہوں نے بتدریج کائنات کو ظاہر کیا۔ لیکن کیا تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ ہیڈروجین میں یہ خواص بغیر کسی صاحب ادراک اور عاقل ہستی کے عمل کے خود بخود موجود ہو گئے؟"

وہ "موضوع نہایت دقیق ہے۔ میری ناقص عقل اُس کے فہم کی قابلیت نہیں رکھتی۔"

میں "میرا سوال یہ ہے کہ ان عجیب خواص کا انڈا یا ہیڈروجینی کتلہ جس سے تمام کائنات رونما ہوئی اور جس سے مادۂ حیات اُچھل کر برآمد ہوا، ممکن ہے کہ بغیر کسی ذہانت اور عقلی قوت کے وجود کے موجود ہو گیا ہو؟ اگر ہیڈروجین میں عقل و ادراک نہیں تو تم جو اس سے بنے ہو، کیونکر عاقل اور صاحب ادراک ہو؟"

وہ "میں آج مزید گفتگو نہیں کر سکتا۔ شب بخیر!"

تیسری مجلس

میں ایک رسالہ اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ اتفاق سے اسمیں یہ قصہ درج تھا کہ ایک شہزادے نے اپنی محبوبہ کو ایک آہنی انڈا تحفتہً بھیجا۔ محبوبہ اُسے دیکھ کر سخت برہم ہوئی اور اُسے زور سے زمین پر دے مارا۔ انڈا ٹوٹ گیا، اُس کے اندر سفیدی چاندی کی تھی، زردی سونے کی زردی کی ڈلی کے اندر چھوٹا سا طلائی تاج اور الماس کی انگوٹھی رکھی تھی۔ یہ قصہ پڑھ کر مجھے خیال ہوا کہ شاہزادہ کا بھیجا ہوا یہ انڈا اس عظیم انڈے کے مقابلہ میں ہیچ ہے جس کے اندر سورج، چاند، ستارے ثریا، زمین، عالم نباتات و حیوان اور دنیا بھر کی عقل و حکمت بھری ہوئی ہے۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرا بھائی آ گیا اور کہنے لگا:

"کس سوچ میں ہو؟"

میں "کیا تم بتا سکتے ہو کہ دنیا میں کوئی دریا بھی ایسا ہے جو کسی سرچشمہ سے نہ پھوٹا ہو؟"

وہ "بالکل معمولی سوال ہے۔ نہیں"

میں "کیا اثرات، بغیر موثرات کے موجود ہو سکتے ہیں؟"

وہ "ہر اثر کے لئے موثر و سبب کا وجود ضروری ہے۔ لیکن بواعث و اسباب کی بحث نہایت پیچیدہ ہے۔ شاید آپ ڈیویڈ ہیوم کے اس قول سے متفق نہیں کہ مسبب اور سبب کے مابین وہی تعلق ہے جو رات اور دن کے درمیان؟"

میں "ہاں میری یہ رائے نہیں۔ رات، دن کے بعد ضرور آتی ہے لیکن دونوں میں کوئی سببی علاقہ نہیں ہے۔ خیر آؤ، ہم اُسی عجیب طلسمی انڈے پر غور کریں۔ "نیچر" کیا ہے؟ کہاں سے آیا؟ کیسے آیا؟ کب آیا؟ کیا تم "نیچر" کی تعریف بیان کر سکتے ہو؟"

وہ "نیچر کی تعریف آسان نہیں: بقول ایک حکیم کے "آسمان کے نیچے چلو اور نیچر کی تعلیمات و قوانین سے آگاہ ہو" یا بقول ایک دوسرے حکیم کے، "نیچر کی بوقلمونی پر نظر کرو: ذرّے باہم وابستہ ہیں، جذب کرتے ہیں اور جذب ہوتے ہیں۔ نیچر کا قرب تمھیں اُس کے وصل سے شادکام کر دے گا۔"

میں "تم کہہ چکے ہو کہ نیچر نے سب سے پہلا انڈا طیار کیا اور اُسے مختلف الاشکال زندہ پُرجمال مرکبات بنانے کی قوت بخشی، میں بغیر مزید معلومات حاصل کئے نیچر کی یہ قابلیت تسلیم نہیں کر سکتا۔ آخر بتاؤ تو نیچر ہے کیا بلا؟ فرشتہ ہے؟ بھوت ہے؟ کیا نیچر سنٹ کلاز (فرضی گلابی رنگ کا بوڑھا جو کرسمس میں اچھے بچوں کے لئے تحفے لا کر غائب ہو جاتا ہے) ہے، رات کو چپ چپاتے آتا اور صبح ہوتے ہی غائب ہو جاتا ہے؟"

وہ "براہ عنایت مذاق نہ کیجئے۔"

میں "تم کہتے ہو نیچر ہر چیز کی ماں ہے اور اُس کی اولاد سمندر کے کناروں پر بچھی ہوئی ریگ کے ذرّوں سے بھی زیادہ ہے، لیکن پھر بھی تم میری اس سے تقریب نہیں کراتے۔"

وہ "نیچر ہر قسم کی تعریف و تعارف سے برتر ہے۔ اُس کے دامن میں زمین آسمان دونوں بچوں کی طرح پڑے ہیں۔"

میں "تمھارے خیال میں نیچر ایک ان دیکھی قوت نہیں ہے جس کی شخصیت، ذرات سے الگ ہو کر کارفرمائی کرتی ہے؟"

وہ "ہرگز نہیں حکیم سٹوارٹ مل کہتا ہے "نیچر ہر ہونے والی چیز کا نام نہیں ہے بلکہ وہ صرف اُس چیز کا نام ہے جو انسان کی قوت و ذہانت کے بغیر واقع ہوتی ہے۔" وہ نیچر ہی ہے جس نے ہمیں آسمان، زمین، پھول پتی، کھیتیاں اور سمندر کی مچھلیاں بخشی ہیں۔"

میں "لیکن تم کہہ چکے ہو کہ ہر چیز اولین ہیڈروجینی انڈے سے ہوئی ہے۔ اور اس طلسمی انڈے نے اپنی قوت نیچر سے حاصل کی ہے پس اب بتاؤ اس انڈے اور نیچر میں کیا فرق ہے؟"

وہ "دونوں کا تجزیہ و فصل بہت مشکل ہے۔ لیکن یہ یقینی ہے کہ ایک دوسرے کا مسبب نہیں ہے۔"

میں "خیر ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ شروع میں ہیڈروجینی انڈا موجود تھا اور اُسی سے تمام کائنات وجود میں آئی، لیکن کیا تم یہ نہیں تسلیم کرو گے کہ اس انڈے کے لئے بھی کوئی خالق ہونا چاہئے اور اُسی خالق کو اُس کا نگراں اور مربی ہونا چاہئے؟ کائنات کا یہ ارتقا صرف ازلی و ابدی خدا ہی کی قدرت کا ایک کرشمہ ہونا چاہئے۔"

وہ "میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔"

میں "پھر خدا کی جگہ پر کسے رکھتے ہو؟ اگر انڈا فعلاً موجود تھا تو اُس کے لئے کسی عاقل ہستی کا وجود ضروری ہے۔ اگر انڈا خود بخود موجود ہوا اور خود اُسی نے اپنے آپ کو بنایا ہے اور خود ہی اپنا مربی و محافظ تھا تو بس وہی وہ ہستی ہے جسے ہم خدا کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اگر اُس انڈے میں اپنے سنبھالنے اور حرکت کرنے کی ذاتی قوت نہیں تو ضرور کوئی اُس سے بھی بڑی قوت ہوگی جس نے اُسے حرکت دی اور اُس میں حسب مرضی تصرف کیا۔"

اس پر اُس نے غور کرنے کی مہلت مانگی۔

چوتھی مجلس

دوسرے دن آنے کے ساتھ ہی کہنے لگا:

"جس چیز کو تم خدا کہتے ہو وہ محض "نظام" ہے جو کائنات میں جاری و ساری ہے۔ سٹوارٹ مل کہتا ہے: بلا استثناء تمام ظواہر اٹل قوانین کے ماتحت ہیں جن کی راہ میں کوئی طبیعی یا غیر طبیعی قوت حائل نہیں ہو سکتی۔"

میں "مل نے واقعی، علم منطق میں نفیس کتابیں تصنیف کی ہیں، کیا اچھا ہوتا اگر فلسفہ پر گفتگو کرتے وقت بھی وہ منطق ہی کی پیروی کرتا، مگر افسوس اس بحث میں آ کر وہ اپنی ساری منطق بھول جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے "تمام ظواہر یعنی ستاروں کی حرکت، آلو کی پیداوار کرکٹ کا کھیل۔ شراب کا نشہ" اگر معاملہ کو صرف ستاروں ہی تک محدود رکھتا تو شاید ہم مخالفت میں زبان نہ کھول سکتے، مگر نشہ، آلو، کرکٹ کے ذکر پر آ کر ہم اُسے خاموش کر سکتے ہیں، سادہ لوح کہہ سکتا ہے کہ ان امور کا کسی دوسری قوت سے کوئی تعلق نہیں، لیکن عقلمند جانتا ہے کہ اٹل قوانین کے اندر کوئی حقیقی قوت موجود ہے جو نیکی اور تقویٰ کی طرف آدمی کو لے جاتی ہے۔ خود مل نے بھی اپنی منطقی کتاب میں تصریح کی ہے کہ اٹل قوانین کے اندر حاکمانہ قوت مخفی ہے۔ یہ قوت اگرچہ حکومت نہیں کرتی مگر موجود ضرور ہے پس اب بتاؤ "نیچر" سے تمھارا مقصود کیا ہے؟ "نیچر" اور نیچر کے قوانین میں کیا فرق ہے؟ میں ہکسلے اور انڈل وغیرہ کی کتابیں پڑھتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ وہ خواص اعضاء، بجلی، کیمیا، نباتات، حیوانات، وغیرہ مباحث پر بڑے سلیقہ سے گفتگو کرتے ہیں، لیکن جہاں فلسفہ میں آئے اُنکے حواس گم ہو گئے، محض معمولی سطح کے آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ اُن کی تمام تر ذہانت اس پر صرف ہوتی ہے کہ "خدا" "معجزہ" اور "خلق" کے الفاظ پر بحث شروع کر دیتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ یہ ہنر دکھاتے ہیں کہ ان الفاظ کو دوسرے الفاظ "نیچر" "فطرت" "قانون" "ناموس" سے بدل دیتے ہیں۔ میں "نیچر" اور "قانون" دونوں کی علحدہ علحدہ تعریف جاننا چاہتا ہوں۔ تم کہتے ہو قانون، قوت فعالہ ہے یعنی زبردست محرک۔ لیکن اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔ یہ محض فرض ہی

نہیں بلکہ سراسر دعویٰ ہی دعویٰ ہے"

وہ "لیکن اب تمام علماء بالاتفاق یہی کہہ رہے ہیں کہ ہر چیز بلا کسی استثنا کے "قانون" ہی کے ذریعہ واقع ہوتی ہے"

میں "ہمارے ملک کی تمام تجارت، مال، کے ذریعہ چل رہی ہے لیکن ظاہر ہے خود مال اپنے ارادہ سے تجارت نہیں چلا رہا ہے۔ مال، قادر یا جاندار قوت نہیں ہے۔ تمام سلطنت قانون سے چل رہی ہے۔ مگر خود قانون حکمران نہیں ہے بلکہ جج اور مجسٹریٹ قانون کے بموجب عمل کرتے ہیں، کہا جاتا ہے نیچر میں کچھ قدیم موروثی قویٰ ہیں اور ڈارون کے بقول وہی فعال و مؤثر قانونی قوت ہے جو نظام عالم میں جاری و ساری ہے۔ بہت بہتر۔ مگر آپ کچھ بہت دور کی کوڑی نہیں لائے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کر سکے کہ "خدا" کے لفظ کی جگہ دو لفظ: نیچر اور قانون رکھ دیے۔ یعنی دو اندھے، بہرے، گونگے وجود۔ تم تو ان یونانیوں سے بھی بدتر ہو جو ایک نامعلوم دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ وجود میں کوئی ایک قوت یا فعال ہستی موجود ہے۔ یا یہ کہ ہیڈروجینی انڈے میں حیات پائی گئی۔ لیکن اس بارے میں کچھ نہیں جانتے کہ آخر یہ انڈا بنا کیسے؟ کیونکر محفوظ رہا؟ کس طرح ایسے عجیب روپ بھر سکا جو انتہائی عقل و ذہانت پر دال ہیں؟ سچ یہ ہے تم واجب الوجود خدا کی جگہ ایک غیر موجود کو بٹھاتے ہو حالانکہ ساتھ ہی ایک فعال قوت کے وجود کو بھی مانتے ہو اور یہ کہ ذرات، ازلی ابدی قویٰ سے رونما ہوئے ہیں۔ اب براہ عنایت مجھے بتا دو کہ اس ہیڈروجینی انڈے کا جوڑا کس سے لگا؟ کیونکر لگا؟ کب لگا؟ کون اس کے بچے اپنے پیٹ کے نیچے رکھ کر سینے بیٹھا؟ کس نے بچہ پیدا کرایا؟ تمھیں "خدا" پسند نہیں۔ "قانون" اور "نیچر" کے لفظوں پر فریفتہ ہو گئے ہو بہت بہتر۔ یہ رشتہ مبارک ہو اور پھل پھول لائے، لیکن تم یہ بتانے پر راضی نہیں کہ آخر "میاں قانون" نے "بی نیچر" سے کیونکر شادی کی اور بچے کیسے جنے؟ انسانی قلوب میں کوئی حکمران قوت ضرور موجود ہے لیکن ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "ہم اس قوت کو ہرگز نہیں جان سکتے" میں تم سے اس معاملہ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ عقل و وحی کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے، مسٹر اسپنسر یہ بھی کہتا ہے کہ "نیچر ایک نامعلوم قوت کا مظہر ہے اور یہ کہ انسان اس قوت کے بھید سے قطعاً جاہل ہے" لیکن اسپنسر کیونکر سمجھ سکے کہ قانون قدرت کے پیچھے ایک قوت موجود ہے؟ نیز مسٹر ویٹل نے اس خیال کی کس بنیاد پر تائید کی اور کیوں یقین قائم کیا کہ "ہم سبب اول کا علم کسی طرح بھی حاصل نہیں کر سکتے" ان اقوال کی روشنی میں تم دیکھ سکتے ہو لامذہبوں اور اہل مذاہب میں فقط لفظی جھگڑا ہے۔ اہل مذاہب جس چیز کو "خدا" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں بعینہ اسی چیز کو لامذہب، نیچر کے مافوق قوت بتاتے ہیں، دونوں گروہ اس قوت کو فعال اور ازلی ابدی قرار دیتے ہیں۔ سارا جھگڑا صرف لفظ "خدا" میں ہے"

وہ "لیکن فلاسفہ تمھارے خدا کا مذاق اڑاتے ہیں کیونکہ تم نے اسے ایک خاص شخصیت، اخلاق، اور عقلی و ذہنی اوصاف کا مالک بنا رکھا ہے"

میں "لیکن تم بھی تو تسلیم کرتے ہو کہ اگر وہ مافوق فطرت قوت معدوم ہو جائے تو کائنات میں کوئی چیز بھی رونما نہیں ہو سکتی۔ یہ تسلیم کر کے تم بھی میرے اس ایمان میں شریک ہو جاتے ہو کہ ایک فعال قوت موجود ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا یہ قوت کوئی ایسا اثر ظاہر کر سکتی ہے جو اس کے اندر ذاتی طور پر موجود نہیں؟ زیادہ صاف لفظوں میں یوں سمجھو کہ اگر وہ قوت خود عاقل و مدرک نہیں تھی تو اس نے تمھیں کیونکر عاقل و مدرک بنا دیا؟ تمھارے اندر یہ ذہانت و عقل کس سرچشمہ سے آئی؟"

وہ "مجھے اپنے آباء و اجداد سے ورثہ میں ملی ہے"

میں "درست! اور یہ بھی مسلم ہے کہ تمھارے ایک جد امجد حضرت بندر بھی ہیں؟"

اس جملہ پر وہ خفا ہو گیا۔ میں معذرت کر کے آگے بڑھا:

"اسپنسر وغیرہ فلاسفہ تسلیم کرتے ہیں کہ نیچر کے پرے ایک مجہول قوت موجود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سی بکواس کرتے ہیں۔ ذرات و جزئیات کا ذکر کرتے ہیں، ان کا حجم و وزن بتاتے ہیں اور انھیں جمع کرنے والی قوت کا بیان کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر جب میں پوچھتا ہوں یہ ذرات و جزئیات کیا چیز ہیں؟ تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ مثلاً کہتے ہیں "۶۴ عنصر موجود ہیں اور یہ سب ہیڈروجینی کی مختلف شکلیں ہیں" بہتر۔ لیکن خود ہیڈروجینی کیا ہے؟ کہاں سے آئی؟ کیونکر آئی؟ جواب ندارد۔ اصل یہ ہے فلاسفہ کا گروہ علم اور دین دونوں سے بے بہرہ ہے۔ قانون کشش کو بڑے شد و مد سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں اسی قانون کے بموجب سیب زمین پر گرتا ہے۔ سورج، زمین کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور زمین، سورج کو۔ مانتا ہوں، مگر خود کشش، جذب، جاذبیت کیا چیز ہے؟ کوئی جواب نہیں ملتا۔ "ایتھر" کا ذکر کرتے ہیں جو ہوا سے کہیں زیادہ لطیف ہے۔ اور کہتے ہیں "روشنی اسی ایتھر کے اہتزاز و ارتعاش کا نتیجہ ہے" بہت خوب۔ مگر خود "ایتھر" کیا ہے؟ خاموشی! آخر مجبور ہو کر لاگیت تک کو اعتراف کر لینا پڑا کہ "ہمیں یقین ہے ہم اشیاء کی ماہیت و حقیقت نہیں جانتے۔ لیکن بایں ہمہ یہ بھی یقین ہے کہ اشیاء کا سلسلہ معقول ہے"

اس پر گفتگو ختم ہو گئی۔

پانچویں مجلس

دوسرے دن پھر میں نے کہا:

"کیا تمھیں یقین ہے کہ ذرہ سے لیکر سب سے زیادہ ترقی یافتہ حیوان حتیٰ کہ انسان تک کی پوری زنجیر میں کوئی کڑی الگ نہیں ہے؟"

وہ "ہرگز نہیں۔ اگرچہ پروفیسر ویلس کہتا ہے کہ نیچر میں متعدد ایسے دور اور بکثرت ایسے حالات پائے گئے ہیں جن میں خارجی موثرات نے مداخلت کی ہے لیکن ڈارون نے اس قول سے اختلاف کیا ہے، اول الذکر کی رائے اگرچہ قابل احترام ہے لیکن محض ایک بے دلیل دعویٰ ہے"

میں "ویلس یہ بھی تو کہتا ہے کہ "انسان میں موسیقی، ریاضی، ذہانت اور رقت کے اوصاف اسے ہرگز اپنے اسلاف حیوانات سے ورثہ میں نہیں ملے ہیں"

وہ "یہ دعویٰ ہے مگر دلیل؟"

میں "نیز وہ کہتا ہے: انسان میں جو ایک خاص قابلیت ہے وہ اس کے اندر ایک خاص روح یا طبیعت کا پتہ دیتی ہے"

وہ "لیکن یہ بھی کوئی دلیل نہیں"

میں "اگر ہم اس علامہ کے قول سے متفق نہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ نیچر ایک اندھی بڑھیا تھی، اس کے پیٹ میں مردہ اندھی اشیاء کے ذرات بھرے پڑے تھے جو تاریکی میں محض اتفاقات سے بڑھے اور پلے حالانکہ اس فیلسوف کا نظریہ یہ ہے کہ "عالم مادہ میں ایک دوسرا عالم روح بھی ہے جو ذرات کی امداد کرتا اور ان میں قوت و حرکت پیدا کرتا ہے"

وہ "لیکن یہ بھی دلیل نہیں"

میں "تم قائل ہو کہ بسائط (غیر مرکب) یا جزئیات یا ذرات اولین مادہ ہیں۔ یہی سب سے پہلے ہوئے اور تمام کائنات انھی سے بنی نیز تم یہ بھی مانتے ہو کہ یہ بسائط یا ذرات اپنی حرکت اور نشو و نما کے لئے ایک اور قوت کے محتاج تھے۔ لیکن جب میں تم سے اس قوت کی حقیقت دریافت کرتا ہوں تو تم سے کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ تمھاری پرواز یہ ہو سکتی ہے کہ نتائج و ظواہر دیکھ کر اس قوت کے متعلق کچھ سرسری رائے زنی کر دو۔ لیکن مسٹر ویلس کا نظریہ یہ ہے کہ غیر عضوی مواد نے اولین تخم حیات موجود کیا۔ اسی تخم سے نباتات کا ظہور ہوا، نباتات سے حساس حیوان پیدا ہوا اور حساس حیوان سے عاقل و ذہین حیوان یا انسان ظاہر ہوا۔ یہ علامہ کہتا ہے "یہ تمام ادوار ایک عجیب دانائی اور مکمل نظام پر دلالت کرتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ ایک عالم روحانی ضرور موجود ہے جس کی ہمہ گیری کے سامنے عالم مادی محض دوسرے درجہ کی چیز ہے"

وہ "یہ تو اس علامہ کا قول ہے [illegible] عالم روح کے وجود کا ثبوت؟"

میں "قطعی ثبوت پیش کرنا تو بہت مشکل ہے۔ لیکن ہمیں تمام نظریوں کو سامنے رکھ کر اس نظریہ کو بہر حال قبول کرنا پڑتا ہے جو عقل سے زیادہ قریب ہو۔ جذب، اتصال، کشش [illegible] طیسی قوت کہاں سے آئی؟ نظریہ ارتقاء ہمیں کوئی [illegible] نہیں دیتا۔ نیچر کا قانون ہے کہ سیب آسمان پر اڑ کر نہیں چلا جاتا بلکہ ہمیشہ ٹوٹ کر زمین ہی پر گرتا ہے۔ لیکن کل [illegible] کی راہ میں سد راہ ہو گئی۔ اس [illegible] پر گرنے نہیں دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور مخفی قوت بھی ضرور موجود ہے"

وہ "اگر تم اس عالم روح کا مجھے یقین دلا دو تو از حد ممنون ہونگا"

صحبت کل کے لئے ملتوی ہو گئی۔

چھٹی مجلس

میں: "مانتے ہو کہ ابتدائے آفرینش سے پست ترین اقوام تک میں بھی مذہب موجود تھا؟"

وہ "ہاں"

میں "تو انسان میں مذہب کا خیال اسی طرح جبلی ہے جس طرح چڑیوں میں اپنا گھونسلہ بنانے کا اور شہد کی مکھی میں چھتا طیار کرنے کا؟"

وہ "ہاں"

میں "مذہب کا یہ خیال انسان کی فطرت میں کیسے پیدا ہوا؟"

وہ "ترقی و ارتقاء کے ذریعہ"

میں "یعنی جس طرح سیب جنگلی سیب سے، بادام جنگلی بادام سے ترقی کر کے ظاہر ہوا ہے اسی طرح انسان نے بندر کے درجہ سے ترقی کی ہے؟"

وہ "ہاں، علماء و فلاسفہ کا یہی خیال ہے"

میں "تو بندر میں بھی، کہ جس سے انسان نے ترقی کی ہے، ضرور ناقص اخلاقی شعور یعنی ضمیر موجود ہوگا؟ ضرور ہے حیوانات میں اس قسم کا کچھ نہ کچھ شعور موجود ہو، ورنہ ان کی ترقی یافتہ صورت انسان میں ہرگز نہ پایا جاتا... اگر یہ صحیح ہے تو انسان کی اخلاقی ذہنیت نے اسی بندر سے بتدریج ترقی کی ہوگی اور وہ آہستہ آہستہ مذہب، عقائد وغیرہ پر غور کرنے لگا ہوگا پھر مثلاً اس نے تورات بنائی، اس نے انجیل لکھی، قرآن مرتب کیا، اور دنیا میں مذہب پھیل گیا؟"

وہ "بیشک"

میں "تو اب ہمیں بندر سے اتر کر سانپ بچھو، مچھلی اور چڑیوں کی بابت بھی یہی کہنا چاہئے کہ ان میں بھی یہ دینی شعور موجود تھا، پھر اور نیچے اتر کر کیچڑ کو دیکھنا چاہئے جو مادہ حیات کا ابتدائی سرچشمہ ہے۔ پھر چونکہ کیچڑ ننھے ننھے ذرات و جزئیات سے مرکب ہے اس لئے ان ذرات میں بھی اس شعور کو تسلیم کرنا چاہئے۔ پھر اور چند سیڑھیاں نیچے اتر کر ہیڈروجین یعنی اسی انڈے کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا چاہئے جو تمام کائنات کی اصل الاصول ہے اور بصد ادب مان لینا چاہئے کہ اس انڈے میں بھی یہ شعور موجود تھا۔ واقعی یہ عجیب انڈا تمام معجزوں کا باپ ہے!"

وہ خفا ہو گیا کیونکہ میں نے معجزہ کا لفظ استعمال کیا تھا، کہنے لگا:

"عجیب کہئے مگر براہ عنایت معجزہ نہ کہئے"

میں "عجیب سہی، معجزہ نہ سہی"

اس کے بعد میں نے سوال کیا:-

"کیا تم اسپنسر کے متبعین کا یہ عقیدہ تسلیم کرتے ہو کہ تمام ظواہر زمین و آسمان - ایک مجہول مخفی قوت کا اعلان ہیں جو اُن کے پس پردہ کارفرما ہے؟ اسی قوت کا نام میری بول چال میں "خدا" ہے"

اُسنے کوئی جواب نہیں دیا - میں نے کہا:

"انسان اپنے افعال و اعمال میں کچھ اختیار رکھتا ہے یا محض مشین کے ایک پرزے کی طرح بغیر اپنے ارادہ و اختیار کے عمل کرتا ہے؟"

وہ "کالون کا مذہب یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے، قاتل اس لئے قتل کا ارتکاب کرتا ہے کہ وہ اس پر [illegible] ہے - قضاء و قدر سے وہ بالکل بے بس [illegible]

میں "اس عقیدے کے ماننے والوں کا علاج یہ ہے کہ سب ایک ساتھ پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں اور ہمیشہ کے لئے دنیا کو اُن سے نجات دے دی جائے"

آخر میں میں نے ایک سوال کیا:

"ہم کس منزل کی طرف جا رہے ہیں؟"

وہ "موت کی طرف - موت ہی ہم سب کی منزل مقصود ہے جس دن تم مرو گے، اُس دن سے تم معدوم ہو گئے - یہ سچ ہے کہ جسم کے ذرات غیر فانی ہیں، ہمیشہ باقی رہینگے - لیکن وہ چیز جسے ہم شخصیت یا ضمیر کہتے ہیں، دائمی طور پر فنا ہو جائے گی - مجھے قیامت یعنی دوسری زندگی کا ہرگز یقین نہیں ہے - میں دوبارہ زندگی کے لطف اُٹھانے کا متمنی نہیں ہوں - مرتے ہی، عدم محض طاری ہو جائے گا - روز لوگوں کو مرتے دیکھتے ہو - اُن کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے - آخری سانس کے ٹوٹتے ہی عقلی قویٰ ختم ہو جاتے ہیں اور انسان خاک میں ملجاتا ہے، خاک ہی سے اُٹھا تھا، خاک ہی میں مل گیا - اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ!"

میں "تو تمھارا نظریۂ ارتقا، ایک منحوس مذہب ہے اور آخرت میں اُس سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، وہ انسان کو کس قدر جلد فنا کر دیتا ہے؟ پہلے تو وہ انسان کو ابدیت کا سبز باغ دکھاتا ہے اور جب وہ مسکین قبضہ میں آجاتا ہے تو نا اُمید کر کے چھوڑ دیتا ہے اس کے پاس بدبخت انسان کے لئے اُمید اور یقین کا کوئی سُراغ نہیں"

وہ "ہمیں حقیقت کی پیروی کرنا چاہئے، نتائج کو چھوڑ دینا چاہئے"

میں: "تو تمھارا عقیدہ ہے کہ عمر ختم ہونے پر جسم انسانی کے اجزا اور عناصر مضمحل ہو کر اپنا عمل چھوڑ دیتے ہیں - یعنی قوت اصلیہ محرکہ ختم ہو جاتی ہے اور پورا کارخانہ اچانک رُک جاتا ہے - اگر یہی ہے تو پھر وہی طلسمی انڈا ہمارے سامنے آموجود ہوتا ہے قدرتی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ انڈے میں کوئی محدود قوت پوشیدہ کر دی گئی تھی، جبھی تو ایک معین زمانہ کے بعد وہ ہاتھ پاؤں ڈال دیتا ہے - اس کے بعد دو ہی صورتیں ممکن ہیں: یا تو دائمی موت یا نئی زندگی کا آغاز، میرے دوست کیا یہ ممکن نہیں کہ جس نیچر نے ایک مرتبہ ہمارے طلسمی انڈے کو اپنی قوت کا مظہر بنایا تھا وہی کچھ مدت آرام لینے کے بعد پھر انگڑائی لے کر اُٹھے اور نئی قوت نئی مستعدی اور نئے چولے میں اپنی نمود کرے؟ یہ خیال ہماری خودداری اور شرف کے کس قدر خلاف ہے کہ ہمارا آغاز بندر کے نطفہ سے ہو اور خاتمہ دائمی فنا پر ہو جائے! یہ زندگی اور یہ موت دونوں نہایت مکروہ و نامبارک ہیں! انسان میں جو چیز سب سے افضل ہے یعنی اُس کی شخصیت، ضمیر، عقل، اور اگر خفا نہ ہو تو اُس کی [illegible]، یہ سب تو فنا ہو جائیں اور ادنیٰ چیزیں، گوشت، پوست، ہڈیاں، کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ برقرار رہیں؟ یہ کیسی عجیب منطق کیسی عجیب عقلیت، اور کیسا عجیب فلسفہ ہے؟"

اس گفتگو پر میرے مخاطب کے چہرے کا رنگ بدل گیا، وہ گہرے سوچ میں پڑ گیا - دیر کے بعد سر اُٹھا کر کہنے لگا "پھر ملینگے"

استدراک

مضمون مندرجہ صدر ایک انگریز اہل قلم مسٹر جیکب ہارٹر کی کتاب سے ماخوذ ہے جو حال میں شائع ہوئی ہے - ہم نے یہاں "ترجمہ" کی جگہ "اخذ" کا لفظ اس لئے اختیار کیا کہ اُردو میں انگریزی تحریر کے مطالب بہ تصرف منتقل کر دیئے گئے ہیں - انگریزی عبارت کا بجنسہٖ ترجمہ نہیں کیا گیا ہے - ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کے مطالب کو کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنے کا بہتر اور مؤثر طریقہ یہی ہے - بعض مقامات میں حذف و اضافہ بھی کیا گیا ہے جو ہمارے خیال میں ضروری تھا -

---

گئے اور اُنھیں کھانے کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملا - شوہر نے اپنی بیوی کو روتے دیکھ کر پوچھا:

"پیاری کیا بات ہے؟"

"بھوک سے میرا دم نکلا جاتا ہے" عورت نے روتے ہوئے جواب دیا - شوہر نے کہا "میں ابھی بندوبست کرتا ہوں"

چنانچہ وہ اُٹھا، گھنٹی بجائی، خادم دوڑا آیا - اور اُسنے اُس سے کہا "میری بیوی کے لئے ابھی پلیٹ میں روٹی اور مکھن لاؤ"

۱۹۱۵ء میں مسٹر لائڈ جارج اپنی موٹر میں جا رہے تھے - راستہ میں شام ہو گئی - ڈرائیور موٹر روک کر اُترا اور لالٹین جلانے لگا - مسٹر لائڈ جارج بھی اُتر پڑے اور پیچھے کی بتی دیکھنے لگے - ڈرائیور اپنے کام سے فارغ ہو کر تیزی سے اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور موٹر چھوڑ دی، اُسے کیا معلوم تھا کہ لائڈ جارج گاڑی کے پیچھے کھڑے ہیں، موٹر چلدی اور یہ پیچھے کھڑے چلاتے رہ گئے، اب رات اندھیری ہو گئی تھی - لائڈ جارج سخت پریشان تھے، اُن کا مکان ۵ میل دور تھا، مجبوراً پیدل چلے تھوڑی دور پر پاگل خانہ تھا، اُنھوں نے خیال کیا شاید یہاں کوئی سواری مل جائے، اطمینان سے آگے بڑھے اور پھاٹک پر دستک دی، دربان آرام کر رہا تھا، دستک سنکر خفا ہوا، اور دروازہ کھولا، وزیر نے اپنی ضرورت بیان کی اور موٹر کے لئے درخواست کی، مغرور دربان نے حقارت سے سر ہلایا اور دروازہ بند کرنے لگا - لائڈ جارج نے اُسے روکا اور کہا "تم جانتے نہیں میں وزیر مال ہوں!" دربان نے کہا "درست، درست! وزیر صاحب اسوقت ہمارے پاگل خانے میں آپ جیسے چھ وزیر بند ہیں، اگر پسند کریں تو اُن سے حضور کی ملاقات کرا دوں! بہتر یہ ہے کہ اسی سڑک پر سیدھے چلے جاؤ، زیادہ مسافت نہیں ہے - نور کے تڑکے گھر پہنچ جاؤ گے!"

وزیر کی پھر کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی اور خاموش روانہ ہو گئے، مگر خوش قسمتی سے ڈرائیور اُن کی تلاش میں موٹر واپس لے آیا -

---

ایک مرتبہ ایک دولتمند عورت نے اپنے محلہ کے تمام لڑکوں کی دعوت کی - لڑکے کھاتے جاتے تھے اور باتیں کر رہے تھے - ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا "کل میرے باپ نے مجھے ایک چمچہ خرید کر دیا ہے جس پر لکھا ہے "باپ کا تحفہ بیٹے کو" اُس پر دوسرے لڑکے نے کہا "بہت شیخی نہ بگھارو کل میرے باپ نے بھی مجھے ایک چمچہ دیا ہے جس پر لکھا ہے "سیوائے ہوٹل!" اس طرح لڑکے نے اپنے باپ کی چوری نادانستہ کھول دی،

ایک فلسفی کہتا ہے "شادی کا مطلب یہ ہے کہ ۳ ہفتے تعارف کے تین مہینے محبت کے، تین سال باہمی تکرار اور جھگڑے کے، پھر تیس سال "درگزر اور چشم پوشی کے!"

تفریح و ترویح فکر

بعض مشہور آدمیوں کے لطیفے

انگلستان میں ایک مشہور ممثل (ایکٹر) تھا اُس کے زمانہ میں کوئی آدمی بھی اس فن میں اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا، ایک مرتبہ وہ اپنا تھیٹر لے کر مانچسٹر گیا - ہزاروں کی تعداد میں مخلوق دیکھنے آئی - خیال کیا گیا کہ ایکٹر یہاں بہت کامیاب ہوگا - مگر اتفاق سے اُنھیں دنوں میں ایک خوبصورت رقاصہ بھی مانچسٹر پہونچی - یہ عورت اگرچہ اپنے فن میں ذرا بھی مہارت نہیں رکھتی تھی، لیکن تھی نہایت حسین اور دلفریب پبلک نے سُنا تو ایکٹر کو چھوڑ کر رقاصہ کی طرف رُخ پھیر دیا - شہر کے ایک معزز آدمی نے یہ حالت دیکھی تو فن سے دلچسپی ظاہر کرنے کے لئے ایکٹر کے پاس گیا، اور ہمدردی کی راہ سے کہنے لگا "افسوس، لوگوں کو فن کی قدر نہیں - تمھارے جیسے ماہر کو چھوڑ کر اُس جاہل عورت کے ہو گئے ہیں!" ایکٹر نے فوراً جواب دیا "نہیں حضرت! افسوس نہ کیجئے، فن، نیچر کا مقابلہ نہیں کر سکتا" ایکٹر کا مقصود یہ تھا کہ میں تو صرف فن کا ماہر ہوں، لیکن رقاصہ، نیچر کی دولت یعنی حسن کی مالک ہے، میرا اُس کا کیونکر مقابلہ ہو سکتا ہے؟

ایک مرتبہ انگلستان کی ایک کمسن شاہزادی اپنی ماں کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے لندن کی ایک سڑک پر جا رہی تھی - راستہ میں فاقہ زدہ مزدوروں کی ایک بڑی بھیڑ دکھائی دی جو غل مچا رہی تھی، شاہزادی نے اپنی ماں سے دریافت کیا "یہ کون لوگ ہیں اور کیوں چلا رہے ہیں؟" ماں نے جواب دیا "یہ مزدور ہیں، روٹی کے لئے پریشان ہیں" شاہزادی نے تعجب سے کہا "روٹی نہیں ملتی تو کیک کیوں نہیں خرید لیتے!"

پرنس آف ویلز کے متعلق مشہور ہے کہ بچپن میں ایک مرتبہ شاہی دعوت میں تھے - دسترخوان پر بڑے بڑے معزز لوگ جمع تھے اور بادشاہ اُن سے گفتگو میں مصروف تھا - کھانے کے دوران میں ولیعہد نے اچانک بادشاہ سے کہا "بابا، بابا!" بادشاہ نے لڑکے کو جھڑک دیا اور خاموش رہنے کا حکم دیا، جب گفتگو ختم ہوئی تو بادشاہ نے لڑکے سے کہا "کہو کیا کہتے تھے؟" ولی عہد نے کہا "اب کچھ نہیں - اُس وقت آپکے کیک میں ایک کیڑا تھا، میں اُسی کی بابت کہنا چاہتا تھا مگر آپنے مجھے چپ کر دیا اور کیڑا کھا گئے!"

شاہ ایڈورڈ کا قصہ ہے کہ ولی عہدی کے زمانہ میں اُنھوں نے ایک مرتبہ اپنی والدہ ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھا اور ۵ پونڈ طلب کئے - ملکہ نے روپیہ کے بجائے لمبا چوڑا خط بھیجا اور کفایت شعاری کی خوبیاں بتائیں - ایک ہفتہ بعد ولی عہد نے ماں کو شکریہ کا خط لکھا "آپکا خط موصول ہوا - اب مجھے ۵ پونڈ کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ میں نے آپ کا خط ۲۰ پونڈ میں فروخت کر ڈالا!"

موجودہ شاہ جارج کے متعلق مشہور ہے کہ بچپن میں انھوں نے اپنی ایک کھلائی سے فرمائش کی کہ انھیں کوئی کہانی سنائے - کھلائی نے کہا نہیں تم خود کوئی کہانی لکھ کر مجھے سناؤ - چنانچہ شہزادہ نے حسب ذیل کہانی لکھی:

"ایک حقیر جھونپڑے میں میاں بیوی رہتے تھے، دونوں بالکل مفلس تھے - کچھ بھی کھانے کو نہ رکھتے تھے - ایک مرتبہ وہ دن گزر

برید شرق

مکتوب انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار نعیم انگورہ کے قلم سے)

ٹرکی اور بلغاریہ

مشہور "معاہدۂ ٹیرانا" کے بعد بلقان میں ایک نئی صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے۔ یہ معاہدہ اٹلی اور البانیا کے مابین اسی سال ہوا ہے اور اس کی رُو سے البانیا تقریباً اٹلی کی ماتحتی میں آگیا ہے۔ اس معاہدہ نے یوگوسلاویا (سرویا) کو بہت ناراض کر دیا ہے، اور اٹلی کے میدان میں آجانے کے بعد بلقان کا سیاسی توازن ٹوٹ گیا ہے۔ اس کے بعد ہی اٹلی نے ہنگری سے بھی ایک معاہدہ حال ہی میں سرانجام دیا ہے اسنے صورتِ حال میں اور بھی زیادہ پیچیدگی پیدا کر دی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عنقریب رومانیا بھی اٹلی کی گود میں جا رہا ہے۔ اور کوشش کی جا رہی ہے کہ بلغاریہ کو بھی ہلا لیا جائے، اس کے معانی یہ ہیں کہ بلقان میں ایک نئی سرگرمی رونما ہوئی ہے اور اٹلی، ہنگری، رومانیہ، البانیہ اور بلغاریہ کا جتھا بن گیا ہے یا عنقریب بن جانے والا ہے۔ اس جتھے کی اصلی غرض کیا ہے؟ وہ سمجھی جاتی ہیں:

(۱) البانیہ پر اٹلی کا قبضہ

(۲) بالشویک روس کے خلاف مشرقی یورپ کی سلطنتوں کا اتحاد۔

درحقیقت یہ صورتِ حال برطانیہ کی خارجہ پالیسی نے پیدا کی ہے اور روس کے خلاف عالمگیر جہاد شروع کرنے کی طرف یہ اس کا خطرناک عملی قدم ہے۔

اس بلقانی پیچیدگی نے یوگوسلاویا کی پوزیشن بہت خراب کر دی ہے، وہ اس جتھے میں شریک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ البانیہ پر اٹلی کا اقتدار اُسے کسی حال میں بھی گوارا نہیں ہو سکتا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل بے یار و مددگار رہ گیا ہے اور اُس کی سلامتی کو واقعی خطرہ درپیش ہے۔ یوگوسلاویا کے بعد اس صورتِ حال کا سب سے زیادہ اثر ٹرکی پر پڑتا ہے، کیونکہ بلقان کی ہر تبدیلی اُس کے حال و مستقبل پر گہرا اثر ڈال سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرکی بھی پریشان ہے اور یوگوسلاویا کے ساتھ علانیہ ہمدردی ظاہر کر رہا ہے۔

ٹرکی کی بظاہر یہ کوشش ہے کہ مذکورہ بالا جتھے کے مقابلہ میں یوگوسلاویا، بلغاریہ، یونان اور ٹرکی مل کر ایک جتھا قائم کریں۔ مگر اس راہ میں سخت مشکلات ہیں۔ یوگوسلاویا، بلغاریہ کے بہت سے علاقے دبائے بیٹھا ہے اس لئے بلغاریہ اُس سے ملنے پر طیار نہیں۔ ادھر یونان اپنی ناقابلِ فراموش بربادیوں کی وجہ سے ٹرکی کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ تاہم کوشش ہو رہی ہے۔ اس کوشش کی ایک تازہ مثال وہ اہم مضمون ہے جو تحوبک نے اپنے نیم سرکاری اخبار حاکمیت ملت میں بلغاریہ کے متعلق شائع کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ترکی جمہوریت نے بلغاریہ سے تعلقات بڑھانے میں ہر ممکن سعی کی اور پورے اخلاص سے کام لیا۔ چنانچہ ایک خاص سفیر صوفیا بھیجا اور تجارتی معاہدہ کے لئے گفت و شنید کی۔ بڑی جد و جہد کے بعد بالآخر معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ مگر بعض مخفی اسباب کی وجہ سے دوستانہ تعلقات پھر بھی قائم نہ ہو سکے۔ ہمیں تعجب ہے کہ بلغاریہ کا سرکاری اخبار "بلکار" بلقانی اتحاد پر شرح و بسط سے گفتگو کرتا ہے مگر اس سلسلہ میں ترکی کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔ بلغاریہ، بلقانی جتھے میں تنہا شامل ہو جانا چاہتا ہے مگر اپنے قریبی پڑوسی، ٹرکی کا کوئی خیال نہیں کرتا"

اس کے جواب میں بلغاری اخبار کا یہ جملہ بہت معنی خیز ہے:

"محمود تحوبک بلغاریہ کو الزام دیتے ہیں مگر یہ حقیقت بالکل بھول جاتے ہیں کہ بلغاریہ نے اب تک کوئی عملی کارروائی نہیں کی ہے۔ بلاشبہ بلقانی اتحاد کی بحث درپیش ہے، لیکن اسے بلغاریہ نے پیش نہیں کیا ہے، بلغاریہ اس وقت اپنی داخلی مشکلات میں اس درجہ منہمک ہے کہ ہرگز اس قسم کے کسی اتحاد کا خیال نہیں کر سکتا۔ اٹلی سے بلغاریہ کے تعلقات دوستانہ ہیں اور اُن کی بنیاد بلقان کے امن و سلامتی پر ہے۔ پھر ترکی جمہوریت اور اُس کے محترم صدر سے بھی ہمارے اخلاص میں کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ ہم ٹرکی کے موجودہ انقلاب کی پوری عزت کرتے اور اُس کے حیرت انگیز نتائج سے ہرگز چشم پوشی نہیں کر سکتے"

بہرحال ۱۹۱۲ء کی طرح اسوقت بھی بلقان کی گتھی بہت زیادہ اُلجھی ہوئی ہے مستقبل کے متعلق سُردست پیشین گوئی کرنا مشکل ہے۔

پورا ملک سپاہی بنجائے

قومی مدافعت کی کمیٹی کے اُس مسودۂ قانون کو تحقیقاتی کمیٹی نے پاس کر کے وزارت کے حوالہ کر دیا ہے جو تمام ملک کو سپاہی بنا دینے کے متعلق ادھر ایک برس سے زیرِ غور تھا۔ وزارت نے بھی اسے منظور کر لیا ہے اور عنقریب پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے والی ہے۔

اس مہتم بالشان قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام سال کی عمر سے ۴۶ سال کی عمر تک ہر باشندہ فوجی خدمت کے لائق ہے۔ فوجی خدمت جبری ہوگی۔ پیدل فوج میں خدمت کی مدت ڈیڑھ سال ہے، جنگی موسیقی میں دو سال۔ جندرمہ میں ڈھائی سال اور بحری فوج میں تین سال۔ بحری فوج، جندرمہ اور افسروں کے مدرسہ میں اٹھارہ سال سے کم عمر کا کوئی رضاکار منظور نہیں کیا جائے گا۔

اس قانون نے طالب علموں کے لئے بڑی سہولتیں پیدا کر دی ہیں اعلیٰ تعلیم یافتوں کے لئے فوجی خدمت کی مدت صرف ۶ مہینے رکھی گئی ہے۔ ثانوی (سکنڈری) تعلیم پانے والوں کے لئے ۸ مہینے ابتدائی ڈگری حاصل کرنے والوں کے لئے دس مہینے۔ نیچے درجوں میں پڑھنے والے طالب علم اسوقت تک معاف ہیں جب تک اپنی تعلیم ختم نہ کر لیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ زمانہ انتیس ۲۹ سال کی عمر سے زیادہ نہ ہونا چاہئے۔ جو طالب علم اس عمر میں بھی فارغ التحصیل نہیں ہوگا اُسے فوجی خدمت میں زبردستی داخل کر دیا جائے گا، جو لوگ فوجی خدمت سے مستثنیٰ رہنا چاہتے ہیں اُنھیں چھ سو ۶۰۰ ترکی پونڈ ادا کرنا چاہئے۔ نیز کم از کم ۶ مہینے کسی مقام پر جنگی قواعد سیکھنی چاہئے۔

اس قانون سے حکومت کا صاف مقصد یہ ہے کہ پوری ترکی قوم کو سپاہی بنا دینا چاہتی ہے، یہ موجودہ حکومت کی بیدار مغزی اور مدبرانہ پالیسی کی ایک بیّن دلیل ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے نتائج بہت جلد قریب میں نہایت شاندار ظاہر ہونگے۔

ٹرکی کا میزانیہ

۱۹۲۷ء کے میزانیہ (بجٹ) کی تحقیقات ختم ہوگئی۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی آمدنی ۱۹،۸۰،۵۵،۴۵ ترکی پونڈ ہے اور خرچ ۱۹،۴۴،۷،۴۰۰ پونڈ ہے۔ یعنی آمدنی خرچ سے کسی قدر زیادہ ہی ہے۔

کمیٹی کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بری بحری فوج جندرمہ (یعنی فوجی پولیس) اور چند دوسرے محکموں کے علاوہ حکومت کے پاس ۸،۴۸،۷،۲۰ چھوٹے بڑے عہدے دار اور ۹،۷۸،۷،۸۱ معمولی ملازم اور خدمت گار ہیں۔

ذیل کے نقشہ سے موجودہ سال کے وزارت کی اہم مدیں معلوم ہوں گی:

قومی پارلیمنٹ	۱۹[illegible]،۴۴	پونڈ ترکی
صدر جمہوریت کا عملہ	۳،۱۱،۰۳۴	〃
محکمۂ حسابات	۴،۴۴،۳۳۵	〃
محکمۂ مشورت	۲،۳۴،۴۲۴	〃
صدر معاملات مذہبی کا عملہ	۱۷،۹۶،۲۴۰	〃
وزارت مال	۲،۹۳،۸۱،۸۱۱	〃
عام قرضے	۹۸،۷۴،۷۰۹	〃
وزارت داخلیہ	۵۸،۷۲،۷۷۴	〃
ڈاک اور تار	۵۴،۷۱،۵۶۸	〃
امن عام	۵۹،۵۵،۶۳۳	〃
جندرمہ	۵۱،۹۵،۲۹۲	〃
مہاجرین کی آبادی	۲۵،۷۵،۸۵۹	〃
وزارت خارجیہ	۳۲،۱۴،۰۹۶	〃
مطبوعات	۳،۹۴،۰۶۸	〃
محکمۂ حفظان صحت	۳۲،۰۲،۸۸۰	〃
محکمۂ عدالت	۵۱،۹۵،۷۵۶	〃
وزارت تعلیم	۶۱،۵۸،۹۳۰	〃
پبلک ورکس	۲،۵۷،۲۳،۰۴۳	〃
وزارت تجارت	۱۰،۰۵،۶۱۱	〃
بندرگاہوں کا محکمہ	۴،۲۴،۱۲۳	〃
وزارت زراعت	۳۷،۲۷،۲۹۸	〃
وزارت جنگ	۵،۸۰،۹۶،۱۳۴	〃
جنگی ضروریات	۵۱،۹۰،۴۵۷	〃
محکمۂ نقشہ کشی	۷،۴۵،۰۶۷	〃
وزارت بحر	۵۶،۲۷،۱۸۰	〃

محکمۂ قانون و عدالت

بجٹ پر بحث کے سلسلہ میں حکومت کے مختلف شعبوں کی کارگزاری پر بھی پارلیمنٹ میں لچھ تبصرے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ محمود اسعد بک نے محکمۂ عدالت کے متعلق حسبِ ذیل تصریحات کیں۔

"عدالتوں کی وزارت پوری کوشش کر رہی ہے کہ اپنے عہدے داروں کو خوش حال بنا دے تاکہ وہ دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں۔ چنانچہ عدالت عالیہ کے ججوں کی تنخواہ پہلے ۱۹۰ پونڈ تھی اب ۴۰۰ پونڈ (ترکی) ماہوار کر دی گئی ہے۔ اسی طرح تمام عہدہ داروں کی تنخواہ میں ۹۵ فی صدی کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس وقت پورے ملک میں سات سو سے زیادہ چھوٹی بڑی عدالتیں موجود ہیں، وزارت نے پوری کوشش کی ہے کہ اُس کے تمام ملازم، مدارس کے باقاعدہ تعلیم یافتہ ہوں۔ چنانچہ خاص اس مقصد سے اُسنے بکثرت تعلیم گاہیں جاری کی ہیں، وزارت کی مستعدی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس قلیل مدت میں اُس کے ۸۰ فیصدی ملازم باضابطہ تعلیم پا چکے ہیں، انگورہ کے مدرسۂ قانون (لا کالج) میں جو صرف ۲ سال پہلے جاری ہوا ہے، اسوقت ۶۰۰ طالب علم موجود ہیں۔ سابق عدالت

سے پہلے اُن کی تعداد ۹۰۰ تک پہنچ جائے گی، وزارت
بڑا کارنامہ، وہ قانون ہے جو حکام کے لئے بنایا گیا ہے، اس
قانون نے حکام کے فرائض و اختیارات صاف صاف واضح
کر دیئے ہیں اور اُنھیں بے سبب معزولی کے خطرہ سے ہمیشہ کے لئے
محفوظ کر دیا ہے۔"

تعزیری قوانین کے متعلق وزیر نے بیان کیا:

"یہ ضابطۂ قوانین صرف دس مہینے سے جاری ہوا ہے، پہلے
ضابطہ میں صرف ۲۶۰ دفعات تھیں مگر اسمیں ۶۴۰ دفعات ہیں۔
اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلے انصاف کی جو راہیں بند تھیں، اب کھل گئی
ہیں۔ پہلے انصاف، سب کے لئے یکساں نہ تھا، امیروں اور طاقت
وروں کے ساتھ رعایتیں کی جاتی تھیں اور غریبوں اور کمزوروں کا
حق مارا جاتا تھا۔ مگر اب یہ ناممکن ہے۔ قانون کی نظر میں سب بالکل
برابر ہو گئے ہیں۔"

وزیر کے بیان میں سب سے اہم حصہ وہ تھا جس میں اُنھوں نے
موجودہ ترکی عدالتوں کی حیثیت کے متعلق یورپین مبصروں کی
شہادتیں پیش کی تھیں، اُنھوں نے کہا۔

"معاہدۂ لوزان کے بموجب ہمنے ۵ سال کے لئے چار یورپین
قانونی مشیر ملازم رکھے تھے۔ ہم نے اُن سے اپنی عدالتوں کی موجودہ
حیثیت کے متعلق رپورٹ طلب کی تھی۔ اُنھوں نے اب یہ رپورٹ
پیش کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں" اس تمام مدت میں ترکی عدالتوں
کے خلاف ہمارے سامنے ۶ شکایتیں پیش ہوئیں۔ ہم نے جانچ
کر کے معلوم کر لیا کہ وہ سب کی سب بالکل بہتان ہیں۔ ہماری ملازمت
عنقریب ختم ہونے والی ہے۔ ہم اپنے ملکوں کو واپس جائیں گے اور
ہر جگہ یہ اعلان کرینگے کہ موجودہ ترکی عدالتیں، اپنے افسروں کی
دیانت، قابلیت، انصاف پسندی، اور مقدمات کے جلد سے
جلد فیصلہ کر دینے کی وجہ سے دُنیا کی ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ عدالتوں
سے کسی طرح بھی کم درجہ نہیں ہیں۔"

وزارت تعلیم

مصطفےٰ نجاتی بک وزیر تعلیم نے اپنے محکمہ کے متعلق بیان کیا:

"۱۹۲۶ء میں ابتدائی مدارس کی تعداد ۵،۶۵۵ تھی، مدرسوں
کی تعداد ۱۰،۵۳۹۔ اور طالب علموں کی ۳،۴۶،۴۵۹ تھی، لیکن
اب مدرسے ۵،۸۸۷ ہیں، مدرس ۱۱،۷۶۶ ہیں اور طالب علم
۳،۸۵،۴۵۵ ہیں۔"

اس کے بعد وزیر نے پوری تفصیل سے اپنی وزارت کی کوششوں
پر تبصرہ کیا اور بتایا ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں کیا کیا ترقیاں ہوئی
ہیں۔ پھر تعلیم و تربیت کے اُس بورڈ کا ذکر کیا جو انگورہ میں قائم
ہوا ہے۔ نیز تعلیمی انسپکٹروں کی کارگزاریاں سنائیں جو تمام ملک
میں دورہ کرتے پھرتے ہیں، اُنھوں نے اپنی تقریر اس تصریح پر ختم کی۔

"اب سے پہلے ہمارے ملک میں تعلیم نہ دنیا کے لئے مفید تھی نہ دین
کے لئے، لیکن اب اُس کی حالت بالکل بدل گئی ہے، اب ہماری تعلیم
ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہے، دل و دماغ کو آزاد کرتی ہے۔ جدید ترین علمی
اصول پر جاری ہے۔ ترکی قومیت کا جذبہ جگاتی ہے، ترکی قوم کو صحیح
معنوں میں زندہ قوم بنا رہی ہے۔ مختصر یہ کہ اب ہماری تعلیم کا مطمح نظر
ترکی صدر جمہوریت کے لفظوں میں یہ ہے۔

"تعلیم کی غرض یہ نہیں ہونی چاہئے کہ اُس سے مستفید ہو کر لوگ
باتونی اور مغرور بنیں۔ تعلیم کا اصلی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ اپنی مادی و
معنوی زندگی میں کامیابی حاصل کی جائے۔"

بری و بحری فوج

رجب بک وزیر جنگ نے بری فوج کے متعلق یہ نہایت مختصر مگر اہم تصریح کی:

"جمہوری فوج، اپنے جملہ انتظامات و ترتیبات کے ساتھ اپنا فرض ادا
کرنے کے لئے طیار ہے۔ فوج کی صحیح حالت بیان کرنے کے لئے میں صرف
اسی قدر کہوں گا کہ وہ مستقبل قریب میں وطن مقدس کی کامیاب حفاظت
کے لئے پوری طرح آراستہ ہے۔ مستقبل قریب سے میری مراد یہ ہے کہ "کل"!

وزیر بحر احسان بک نے کہا:

"بحری وزارت جمہوری بیڑے کی تقویت کے لئے ہر ممکن کوشش کر
رہی ہے۔"

ہیٹ کا قضیہ

جزیرۂ قبرص کے شرعی محکمہ نے ایک مسلمان کو اس جرم پر میراث
پانے سے محروم کر دیا ہے کہ اُسنے ہیٹ پہننا شروع کر دیا ہے۔ ترکی میں
یہ خبر پہنچی تو اخبارات کے نامہ نگار یہاں کے مفتی اعظم کی خدمت میں
حاضر ہوئے اور اُن سے سوال کیا۔ مفتی کا جواب حسب ذیل تھا:

"ترکی میں لاکھوں مومن، ہیٹ پہنتے ہیں۔ مگر اس سے اُن کے
دینی عقائد میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ قبرص کے شرعی محکمہ کا یہ حکم، جہالت،
تعصب اور ریاکاری پر مبنی ہے۔ شریعت کی نظر میں اس کی کوئی قدر و
قیمت نہیں۔"

مزدوروں کا قانون

عنقریب انگورہ کی قومی پارلیمنٹ اُس مسودۂ قانون پر غور کرنے
والی ہے جو مزدوروں اور کارخانہ داروں کے متعلق طیار کیا گیا ہے۔

اس قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ دس سال سے کم عمر بچوں کو مزدور
نہیں بنایا جائے گا۔ مزدوری کا وقت روزانہ دس گھنٹے ہوگا درمیان
میں ایک گھنٹہ آرام کے لئے مخصوص ہوگا لیکن اگر کوئی ناگزیر ضرورت
پیش آجائے تو حکومت کی اجازت سے بارہ گھنٹے بھی مزدوروں سے
کام لیا جا سکتا ہے۔ مگر اس صورت میں زیادہ گھنٹوں کی مزدوری دونی
دی جائے گی اور اس کے بعد مزدور کو بارہ گھنٹے آرام کے لئے
دیئے جائیں گے۔ کوئی مزدور اچانک کام سے علحدہ نہیں کیا جا سکے گا۔
طرفین کو پندرہ دن پہلے نوٹس دینا ضروری ہے۔ علحدگی کے وقت مزدور
کو اُس کی پوری اُجرت دی جائے گی۔ کارخانہ داروں کے لئے ضروری
ہے کہ مزدوروں کی تندرستی کی حفاظت کریں۔ اُنکے لئے مفت دواخانے
اور ڈاکٹر مہیا کریں اور اُنھیں زیادہ سے زیادہ آرام دینے کی کوشش
کریں۔ جو مزدور کام کے دوران میں مر جائیں، اُن کی تجہیز و تکفین کارخانہ
داروں کے ذمہ ہوگی۔ نیز اُنکے خاندان کو اُن کی روزانہ مزدوری کا
چھ سو گنا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

پٹرول کے چشمے

عباس حلمی پاشا سابق خدیو مصر کا قائم کردہ صنعتی و تجارتی بینک
"موفتہ" اور "شارکوئی" کے علاقہ میں پٹرول کے چشمے تلاش کر رہا
ہے۔ حکومت نے اُسے زمین کھودنے کی اجازت دے دی ہے اگر یہ چشمے
مل گئے تو اُن سے کام لینے کے لئے بینک سرمایہ داروں سے معاملہ
طے کرے گا۔

ترکی کلب

جدید قومی حرکت کے ساتھ اناطولیہ کے طول و عرض میں بکثرت کلب
قائم ہو گئے تھے، یہ کلب پچھلے نازک زمانہ میں وطنی جہاد کے مرکز تھے، اور
اب امن کے زمانہ میں قومیت کے مدرسے بن گئے ہیں۔ حال میں تمام کلب
گھروں کی ایک بڑی کانفرنس انگورہ میں منعقد ہوئی، دو سو دس نمائندے
مختلف علاقوں سے منتخب ہو کر شریک ہوئے۔ محمود اسعد بک وزیر محاکم عدالت
نے صدارت کی۔ اُن کا خطبہ اس جملہ سے شروع ہوا "جمہوریت ہی وہ بنیادی
پتھر ہے جس پر ترکی کلب قائم ہیں" اور اس عبارت پر ختم ہوا "قومی جذبہ
جیسا کہ ہمارا وطنی شاعر کہتا ہے: ایک بے روک سیلاب ہے جو زمانہ کا شکم
توڑ کر بہتا اور راہ کی تمام رکاوٹیں اپنی قوت قاہرہ سے دور پھینک دیتا
ہے" میں اس پر یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ قومی جذبہ، روشن حقیقت کا
سیلاب ہے جو تمام تاریکیاں نابود کر دیتا ہے اور قوموں کو اُن کی قومی
زندگی کی درخشاں صبح میں پہنچا دیتا ہے۔"

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں،
منیجر "الہلال" کلکتہ

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

جدید وزارت

عدلی پاشا یکن کی وزارت پچھلے دنوں مستعفی ہو گئی تھی۔ استعفا کا
سبب بالکل معمولی تھا۔ پارلیمنٹ میں مصری بینک کی اعانت کے سلسلہ
میں بعض ممبروں نے تجویز پیش کی تھی کہ اس اعانت پر وزارت کا شکریہ
ادا کیا جائے۔ مجلس نے اتنی ذرا سی بات پر شکریہ غیر ضروری سمجھا اور
تجویز مسترد کر دی۔ وزارت نے پارلیمنٹ کے اس فعل کو بے اعتمادی پر
محمول کیا اور استعفا دیدیا۔ حالانکہ یہ محض غلط فہمی تھی جیسا کہ سرکاری
طور پر اعلان ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ استعفا پیش کیا جا چکا تھا اس لئے
وزارت نے واپس لینے میں اپنی سبکی دیکھی اور فیصلہ پر قائم رہی۔

مقام مسرت ہے کہ اس واقعہ سے سیاسی پارٹیوں کے اتحاد میں کوئی
خلل پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ مصر کے برطانی "دوستوں" نے اس کی
بہت کوشش کی تھی۔ چنانچہ نئی وزارت میں پارٹیوں کا وہی تناسب
ہے جو پرانی وزارت میں تھا۔ بلکہ اُس کے تمام رکن بھی وہی ہیں جو
سابق وزارت میں تھے۔ صرف سابق وزیر اعظم عدلی پاشا نہیں ہیں
لیکن اُنھی کی پارٹی کے ایک رکن عبدالخالق ثروت پاشا وزیر اعظم
ہیں۔

مصر ٹرکی کی روش اختیار کر رہا ہے

ٹرکی کے موجودہ انقلاب نے مصر کی اجتماعی و ذہنی حالت پر بہت
اثر ڈالا ہے۔ مصر اگرچہ موجودہ تمدن سے مدت ہوئی متاثر ہو چکا تھا
لیکن علماء ازہر کا رسمی اقتدار نئی اصلاحات کا مخالف تھا، اور نیا
طبقہ ان کی مخالفت پر قادر نہ تھا۔ اب ترکی انقلاب نے ملک میں
ایک نئی ذہنیت پیدا کر دی ہے۔ مواد پہلے سے پختہ ہو چکا تھا۔ ایک نئی
جنبش کی ضرورت تھی اور وہ ٹرکی کے انقلاب سے پیدا ہو گئی۔ اب
اچانک صورت حال اس درجہ منقلب ہو گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے ازہر کا اقتدار
بھی ختم ہو چکا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ اور موجودہ پارلیمنٹ، دونوں کی کوشش
ہے کہ ٹرکی کی طرح مصر کی سیاسی زندگی پر سے بھی سرکاری علماء کا اقتدار
اُٹھا دیں تاکہ سیاسی اصلاحات بے روک ٹوک نافذ کی جا سکیں لیکن
جو لوگ قدیم و جدید کی نزاع میں معتدل روش رکھتے ہیں وہ بجا طور
پر اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ علماء قدیم کے جمود کا یہ ردِ فعل (ری ایکشن)
افراط و تفریط تک پہنچ جائے گا۔

یہ جد و جہد اخبارات کے کالموں، کتابوں کے صفحوں، پارلیمنٹ
کے جلسوں، مقرروں کی تقریروں، اسکولوں کے کمروں، حتیٰ کہ چائے
خانوں تک میں نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ علماء پر بری طرح
لے دے ہو رہی ہے اور اُنھیں ترقی و اصلاح کا دشمن ثابت کیا جا
رہا ہے۔ یہ جد و جہد اتنی وسیع اور قوی ہے کہ علماء اُس کے مقابلہ
میں پیچھے ہٹتے چلے جا رہے ہیں اور شکستوں پر شکستیں اُٹھا رہے ہیں
چنانچہ نکاح و طلاق اور تعدد ازدواج کے مسائل میں علماء ازہر
کی رائے کے خلاف حکومت نے بے تامل فیصلہ کر دیا۔ نئے اصلاحی
قوانین معیشت کے سلسلے میں یہ مسائل زیر بحث تھے۔

علماء ازہر کی بے وقعتی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گزشتہ ماہ
پارلیمنٹ میں شیخ الازہر پر خیانت، غبن، اور فریب دہی کا علانیہ الزام
لگایا گیا، اور سربرآوردہ ممبروں نے مطالبہ کیا کہ اُن پر مقدمہ چلایا
جائے۔ اس معاملہ کا تعلق اُس خلافت کانفرنس سے تھا جو دو
برس پہلے علماء ازہر نے منعقد کی تھی۔ شیخ ازہر نے محکمۂ اوقاف سے
تین ہزار پونڈ (۴۵ ہزار روپیہ) یہ کہکر وصول کئے تھے کہ دینی مدارس پر
خرچ کئے جائیں گے، لیکن اب یہ راز طشت از بام ہو گیا ہے کہ یہ تمام

رقم خلافت کانفرنس پر صرف کردی گئی۔ اخبارات نے اس معاملہ کو بہت اُبھارا اور علماء کے خلاف مظاہرہ شروع کردیا حتیٰ کہ بات پارلیمنٹ تک پہنچ گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شیخ ازہر کی حیثیت محض ایک عالم اور پرنسپل ہی کی نہیں ہے اُن کا درجہ مصر میں وہی تھا جو ٹرکی میں "شیخ الاسلام" کا تھا، وہ ہمیشہ اس لقب سے مخاطب بھی کئے جاتے تھے۔ مگر دوران بحث میں پارلیمنٹ کے ممبروں نے صاف اعلان کردیا کہ "مصر میں شیخ الاسلام کا کوئی عہدہ نہیں ہے" اس اہم اعلان پر نہ کسی ممبر نے اعتراض کیا نہ صدر نے ٹوکنے کی ضرورت محسوس کی۔ گویا عملاً مان لیا گیا کہ مصر کسی شیخ الاسلام کا وجود تسلیم نہیں کرتا!

یہ اور اسی قسم کے واقعات یقین دلاتے ہیں کہ مصر میں بھی ٹرکی جیسا ایک انقلاب انگیز ذہنی انقلاب جلد رونما ہونے والا ہے۔ در اصل بلاد اسلامیہ کے لئے اب اس انقلاب کی منزل سے گزرنا ناگزیر ہوگیا ہے۔ علماء قدیم اصلاح و تجدید کی جگہ اصلاح کی مخالفت اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ زمانہ کا مزاج اس سختی کا متحمل نہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کسی معتدل اور صحیح امتزاجی حالت کی جگہ رد فعل شروع ہوجاتا ہے۔ پہلے افراط تھی، تو اب تفریط کا دور دورہ ہوجاتا ہے۔ ٹرکی میں یہی ہوا، مصر میں بھی ہو رہا ہے، اور دیگر اسلامی ممالک بھی جلد یا بدیر اسی حالت میں مبتلا ہونے والے ہیں۔ شاید اس افراط و تفریط کے بعد اعتدال و قوام کا دور شروع ہو۔ بظاہر حال تو اصحاب اعتدال کے لئے کوئی قریبی اُمید نظر نہیں آتی۔

عربی انسائیکلوپیڈیا

مصر میں علمی بیداری غیر معمولی وسعت اختیار کر رہی ہے۔ جنگ کے بعد سے رفتار ترقی بہت تیز ہوگئی ہے۔ اچھے اچھے اہل علم و قلم پیدا ہوگئے ہیں۔ بڑی سرگرمی سے کوشش ہو رہی ہے کہ ملک جلد سے جلد متمدن ملکوں کے قریب پہنچ جائے۔ اسوقت تصنیف و ترجمہ کی سطح بھی سابق سے بلند ہوگئی ہے۔ قومی اخبارات نے بھی بہت زیادہ ترقی کی ہے اور قریب ہے کہ یورپین اخبارات کے درجہ پر پہنچ جائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم تجویز عربی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف) کی تجویز ہے۔ یہ تجویز اگرچہ پرانی ہے اور گیارہ جلدوں کی ایک ابتدائی دائرۃ المعارف موجود بھی ہے لیکن اُس پر پہلے کبھی سنجیدگی کے ساتھ غور نہیں کیا گیا تھا اب خود حکومت نے اس کی طرف عملی قدم اُٹھایا ہے۔ وزیر اعظم اور وزیر تعلیم دونوں نے ملکر ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس کا کام یہ ہوگا کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے طریقوں پر غور کرے۔ وزیر اعظم نے تصریح کی ہے کہ انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں کی انسائیکلوپیڈیا کا عربی زبان میں حذف و اضافہ کے ساتھ ترجمہ "عربی انسائیکلوپیڈیا" مرتب کرنے کی بہترین صورت ہے۔ ملک کے علمی حلقے اس رائے کی تائید کر رہے ہیں۔ بلکہ بعض اہل علم نے تو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقدمہ کا ترجمہ بھی شروع کردیا ہے۔ ایک موقر مصری اخبار نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اصل کتاب شروع کرنے سے پہلے اُس کی انڈیکس (یعنی فہرست اسماء و الفاظ) ترجمہ کرلی جائے تاکہ علمی اصطلاحات کے وضع و انتخاب کا مرحلہ طے ہوجائے۔ عربی انسائیکلوپیڈیا کی تجویز جس درجہ اہم ہے، حاجت بیان نہیں لیکن ہمیں اس رائے سے قطعاً اختلاف ہے کہ انگریزی اور فرنچ انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ حصول مقصد کے لئے کافی ہوگا۔ بغیر مستقل ادارۂ تصنیف و ترتیب کے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا اور جب خود حکومت کا محکمۂ تعلیم اس کے لئے آمادہ ہوگیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس درجہ کا اہتمام ناقابل عمل ہو۔

عربی کا موجودہ ملک الشعراء

چند دن ہوئے مصر میں بڑی ادبی چہل پہل دیکھی گئی۔ اسمیں تقریباً تمام سربرآوردہ ادباء و شعراء نے حصہ لیا۔ صرف مصر ہی کے ادباء نے نہیں بلکہ فلسطین، شام، عراق، بحرین وغیرہ عربی ممالک نے بھی کافی دلچسپی ظاہر کی۔ بہت سے ادیب و شاعر بذات خود آکر شریک ہوئے، بہتوں نے اپنا کلام بھیجا۔ تقریب یہ تھی کہ مصر کے مشہور اور سابق درباری شاعر احمد شوقی بک کے کمال فن کے اعتراف میں قومی مظاہرہ کرتے ہوئے ایک مؤتمر عربی (عربی کانفرنس) منعقد کی جائے، سلطان مصر نے مؤتمر کی سرپرستی کی اور جملہ ارکان حکومت اور اسلامی سلطنتوں کے سفراء شریک ہوئے۔

مؤتمر کے جلسے کئی روز تک جاری رہے۔ عربی زبان اور اُسکی شاعری پر مبسوط مضامین پڑھے گئے۔ حسب موقع قصیدے سنائے گئے۔ فلسطین کے مفتی اعظم سید امین حسینی اور یہودیوں کے "حاقام اکبر" بھی مؤتمر کی شرکت کی غرض سے مصر آئے تھے۔

در اصل مصریوں میں وطنیت کے جذبات بہت ترقی کر گئے ہیں، وہ اپنے وطن کی عزت بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور اسمیں کبھی کبھی حد اعتدال سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں۔ مثال میں خود یہی واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ احمد شوقی موجودہ عصر کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ مگر اُس درجہ کے نہیں جو مصریوں نے اپنی مبالغہ پسندی سے اُنھیں دے دیا ہے۔ اُنھیں "امیر الشعراء" اور "ملک الشعراء" کا خطاب دینا اصلیت سے زیادہ ہے وقت کے عربی شعراء میں ان سے بلند پایہ رکھنے والے شعراء خود مصر میں موجود ہیں۔

ہمارے خیال میں عراق کے مشہور فلسفی شاعر جمیل صدقی زہاوی نے شوقی پر صحیح تنقید کی ہے۔ ہم اُسے یہاں نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ زہاوی لکھتے ہیں:

"شوقی بڑے شاعر ہیں مگر ملک الشعراء نہیں ہیں۔ شوقی حال کے نہیں ماضی کے شاعر ہیں۔ شوقی آگے کی طرف چل رہے ہیں مگر اُن کا چہرہ پیچھے کی طرف مڑا ہوا ہے۔ موجودہ عربی نسل اُنھیں اس لئے پسند کرتی ہے کہ اُن کا کلام اُس کی ذہنیت و ذوق کے مطابق ہے۔ لیکن جب عربی عقل و ذہنیت مستقبل قریب میں اپنی موجودہ سطح سے بلند ہوجائے گی تو شوقی کا شعر مر جائے گا"

بہرحال یہ مظاہرہ نہایت شاندار اور پُراثر تھا۔ کئی دن تک عظیم الشان اجتماع جاری رہا جسمیں تمام ادباء و شعراء عصر کے برقی اور بریدی پیام نظم و نثر سنائے گئے اور شرکاء نے تقریریں کیں۔ تیسرے دن رات کو ایک عالیشان ڈنر ہوا۔

مسٹر فلبی اور حجاز

مشہور انگریز مستشرق مسٹر فلبی جو کچھ عرصہ سے جدہ میں مقیم ہیں، پچھلے دنوں مصر آئے تھے۔ مصری اخبارات نے اُن کی حسب ذیل گفتگو شایع کی ہے:

"میں حجاز کی موجودہ تاریخ مرتب کر رہا ہوں۔ اسمیں شریف حسین کی خود مختاری کے دن سے سلطان ابن سعود کے قبضہ تک تمام مستند حالات جمع کئے جائیں گے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں جزیرہ نمائے عرب کی مفصل تاریخ لکھوں گا۔ کیونکہ ایک انگریزی کمپنی نے اس کی فرمائش کی ہے"

سلطان ابن سعود کی شخصیت کے بارے میں مسٹر فلبی نے کہا:

"مجھے پورا یقین ہے کہ ابن سعود موجودہ زمانہ کے عظیم ترین آدمیوں میں سے ہے۔ وہ صرف سپہ سالار اور مدبر ہی نہیں ہے بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔ بلاشبہ اب تک دنیا نے اُنکی صرف جنگی قابلیت ہی دیکھی ہے، انتظامی قابلیت نہیں دیکھی ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ انتظامی قابلیت میں کم درجہ ہیں۔ انتظامی قابلیت ملک کی تنظیم و ترتیب اور سیاسی اصلاحات کا نام ہے۔ یہ چیز ہفتوں اور مہینوں میں ظاہر نہیں ہوسکتی۔ ابن سعود کی انتظامی قابلیت کا یہ کارنامہ ہی کیا کم ہے کہ اُنھوں نے نہایت قلیل مدت کے اندر حجاز میں ایسا امن امان قائم کردیا جیسا اس ملک میں عرصہ سے نہیں دیکھا گیا ہے"

"مسئلہ خلافت" کے متعلق مسٹر فلبی نے کہا:

"مجھے نہیں معلوم ابن سعود منصب خلافت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں لیکن مجھے بہ تحقیق معلوم ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ مجھے جہاں تک اس شخص کی ذہنیت کا پتہ چلا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ خود کسی چیز کی طرف بڑھنا نہیں چاہتے الا یہ کہ وہ خود انکے سامنے آجائے۔ فتح حجاز کی بھی انھوں نے کوئی کوشش نہیں کی تھی لیکن وہ خود بخود حاصل ہوگئی"

یمن و نجد کی کشیدگی کے متعلق اُنھوں نے کہا:

"ابن سعود نے بار بار اعلان کردیا ہے کہ اُنھیں امام یحییٰ سے جنگ کرنے کا ہرگز شوق نہیں۔ وہ اس لڑائی کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور بغیر شدید مجبوری کے اس کی طرف کبھی قدم نہیں اُٹھائیں گے۔ شدید مجبوری کی خود اُنھوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ امام یحییٰ اُن کی سرحدوں پر علانیہ حملہ کردیں۔ میرے خیال میں امام یحییٰ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ الا یہ کہ اٹلی اُنھیں اسپر مجبور کردے"

مسٹر فلبی کے اس آخری جملہ کو مصری اخبارات نے بہت اہمیت دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اٹلی کا عرب کے دونوں بادشاہوں کی لڑائی میں بہت نفع ہے۔ اٹلی خوب جانتا ہے کہ امام یحییٰ ابن سعود کو کامل شکست دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اُنکے حملہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابن سعود بھی حملہ آور ہونگے۔ اُسوقت اٹلی سیاسی میدان میں آکودیگا اور سلطان نجد سے مطالبہ کرے گا کہ یمن میں پیش قدمی نہ کریں کیونکہ یمن کے ساتھ اس کا معاہدہ حمایت ہوچکا ہے اس طرح اسے عرب کے معاملات و مسائل میں مداخلت کا پورا موقع مل جائے گا۔

جدید انگریزی نجدی معاہدہ کے متعلق مسٹر فلبی نے کہا:

"ابھی تک معاہدہ طے نہیں پایا ہے۔ لیکن گفت و شنید جاری ہے۔ اُمید ہے طرفین جلد ایسی شرطوں پر پہنچ جائیں گے جو دونوں کے لئے باعزت اور مفید ہوں گی"

مسجد پیرس

سلطان مراکش کے وزیر تشریفات (چیمبرلین) قاہرہ آئے ہیں۔ ان کا نام سید قدور بن غبریط ہے۔ یہ مراکش کے سربرآوردہ شخص ہیں جدید تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہیں۔ اپنے درباری عہدہ کے علاوہ شمالی افریقہ کے محکمۂ اوقاف کے صدر بھی ہیں۔ پیرس میں جو عظیم الشان مسجد تعمیر ہوئی ہے وہ زیادہ تر انہی کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ آج کے مصری اخبارات میں ان کا حسب ذیل بیان شائع ہوا ہے:

"میں مصر اس لئے آیا ہوں کہ یہاں کے مخیر اور فیاض مسلمانوں سے مسجد پیرس کی بعض ملحقہ نامکمل عمارتوں کی تکمیل کے لئے امداد حاصل کروں۔ یہاں سے میں فلسطین اور شام بھی جاؤں گا۔ شام میں میری ایک کوشش یہ بھی ہوگی کہ فرانسیسی حکام کو حجاز ریلوے کے دوبارہ اجراء پر آمادہ کروں تاکہ حاجیوں کو سفر میں آسانی ہو"

مسجد پیرس کی تاریخ تعمیر بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

پیرس میں جامع مسجد تعمیر کرنے کا خیال ۵۰ برس سے موجود تھا مگر عمل میں نہ آسکا۔ پہلے فرانس میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ لیکن حالات میں جلد جلد تبدیلی ہوئی اور مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ ۵۰ ہزار سے بھی زیادہ ہوگئی۔ ظاہر ہے اب مسجد کا قیام ضروری تھا چنانچہ سلطان مغرب "بائی ٹیونس" اور امراء الجزائر کی فیاضیوں نے یہ عظیم الشان مسجد عروس البلاد پیرس میں تعمیر کردی

"مسجد ۸ ہزار مربع میٹر کے وسیع رقبہ میں بنائی گئی ہے۔ اُس کے ساتھ اندلسی وضع کا نہایت دلفریب باغچہ ہے۔ صحن میں پانی کا عظیم الشان فوارہ ہے اور اُس کے گرد عربی طرز کے خوبصورت ستون کھڑے کئے گئے ہیں۔ مسجد کے ساتھ شفاخانہ بھی ہے ہفتہ میں تین دن اُس کے دروازے کھلتے ہیں اور غریب مسلمانوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔ ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا ہے یہ اگرچہ ابتدائی حالت میں ہے، لیکن بتدریج ترقی کر جائے گا۔ اُس میں وہ تمام کتابیں جمع کی جائیں گی جو دنیا کی مختلف زبانوں میں اسلام اور مسلمانوں کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ایک علمی ایوان بھی ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم علماء و ادباء جمع ہونگے اور مبادلۂ خیالات کریں گے۔ ساتھ ہی مشرقی طرز کا ایک حمام بھی بنایا گیا ہے جو تمام یورپ میں اپنی وضع کا تنہا حمام ہے۔ ایک مشرقی ہوٹل بھی کھولا گیا ہے۔ اس میں مشرقی عربی کھانے معتدل قیمت پر ملتے ہیں۔ چائے خانہ بھی ہے جس میں [illegible] فرانسیسی آتے ہیں اور عربی قہوہ پیتے ہیں۔

سودا کا انتظام شمالی افریقہ کے فاتحہ اوقاف کے ہاتھ میں ہو۔ ۔۔۔ نے تین دن اور ایک ہفتی مقرر کیا گیا ہو۔ ان چاروں کا فرض یہی ہو کہ مسلمانوں کی مختلف ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کریں۔ مراکشی حاجیوں کے متعلق سوال کیا گیا تو موصوف نے کہا:

"گزشتہ برسوں میں مراکش اور شمالی افریقہ کے حاجیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ کیونکہ حجاز کی حالت ابتر اور بدامنی عام تھی۔ مگر اب جبکہ سلطان ابن سعود نے حجاز میں امن و امان قائم کر دیا ہو تو شمالی افریقے کے مسلمانوں میں حج کا شوق بھی عام ہو گیا ہو۔ اس سال بکثرت حاجی جا رہے ہیں"

جزیرۃ العرب اور مسیحی تبلیغ کا مجنونانہ عزم

مسیحی یورپ، جزیرۃ العرب کی آزادی سلب کرنے پر ہی قانع نہیں ہو بلکہ اب اس کے تبلیغی حلقے کو شش کر رہے ہیں کہ اسلام کے اس گہوارے کو مسیحیت کا حلقہ بگوش بنا لیا جائے۔ یہ کوشش زیادہ تر برطانیہ کی تبلیغی جماعتوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہو۔ اس کی تازہ مثال وہ اعلان ہو جو حجازی حکام کے ہاتھ فلسطین میں لگا ہو۔ یہ اعلان "انجمن تبلیغ مسیحیت در عالم و جزیرۃ العرب" واقع نمبر ۱۹ ہیلنڈ روڈ اپر نورڈ۔ لندن" کی طرف سے خفیہ عیسائیوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس پر مسٹر آشد صدر انجمن اور پادری پارکن کے دستخط ثبت ہیں۔

مصری اخبارات نے یہ اعلان شائع کر دیا ہو۔ اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہو:

یسوع مسیح جزیرۃ العرب کے لئے

"دیکھ میں ایک نئی چیز کروں گا۔ اب وہ نمودار ہو گی۔ کیا تم اس کا ملاحظہ نہ کرو گے؟ ہاں میں بیابان میں ایک راہ اور صحرا میں ندیاں بناؤں گا"

(یسعیاہ باب ۴۳ آیت ۱۹)

"عرب کے لئے نماز پڑھو"

"عرب کا رقبہ ۱۰ لاکھ مربع میل ہو۔ آبادی ۴۰ لاکھ سے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ تک ہو۔ لیکن اب تک وہاں انجیل نہیں پہنچی ہو۔ بت پرستی کی موت مر رہے ہیں۔ جزیرۃ العرب اسلام کا گہوارہ ہو۔ اسی میں کعبہ ہو جس کی طرف ۲۲ کروڑ مسلمان شیطان کی ترغیب سے منہ کرتے ہیں تاکہ روز جھوٹی اور ریاکارانہ نماز پڑھیں۔ اے مسیحیو! عرب کے لئے نماز پڑھو اور دعائیں کرو تاکہ خدا انھیں نجات دے۔ انھیں شیطان نے دھوکہ دیا ہو اور ان کے لئے ایک جھوٹی کتاب بنائی ہو۔ یہ کتاب "قرآن" ہو۔ یہ قرآن، خدا کے زندہ اور نجات دینے والے کلمہ کی جگہ قائم ہو گیا ہو۔ عرب تک انجیل کون پہنچائے گا؟ وہ کون مرد خدا ہو جو اپنے گھر سے پہلے کنگاروں پر لوٹے، اچھی کھیتی کرے، اور خوش و خرم اپنی لگائی ہوئی کھیتی کاٹے؟

یسوع مسیح نے یہ حکم دیئے ہیں:

(۱) "اور دیکھو، جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہو میں اس کو تم پر نازل کروں گا لیکن جب تک عالم بالا پر سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو"

(لوقا باب ۲۴ آیت ۴۹)

(۲) "اور اس نے ان سے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو" (مرقس باب ۱۶۔ آیت ۱۵)

(۳) "پس تم جا کر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اور انھیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو اور انھیں یہ تعلیم دو کہ ان سب باتوں کو جن کا میں نے تم کو حکم دیا ہو اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمھارے ساتھ ہوں گا"

(متی باب ۲۸۔ آیت ۱۹ و ۲۰)

مسیح کے حکم پر عمل جاری قدرت سے باہر نہیں ہو

"یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں اگر تم کو آسمان اور زمین کا [illegible] ہو تو [illegible]"

(متی باب ۲۱ آیت ۲۱)

"[illegible] ہو تو [illegible] ہو جائے گا"

(متی باب ۱۷ آیت ۲۰)

حکم ہر زمانہ میں اُن کے شاگردوں کے لئے عام ہو۔ اور ہم بھی اُسی کے مخاطب ہیں۔ مسیح سب کی طرف سے فدیہ ہو کر مرا اور مر کر زندہ ہو گیا۔ وہ تمھاری طرف سے فدیہ ہوا، میری طرف سے فدیہ ہوا اور عرب کی طرف سے فدیہ ہوا۔ پس جو مسیح کے حکم کا مطیع ہو وہ یہ دعوت لیکر عرب میں جائے۔

"بے شمار حاجی سالانہ عرب کا ریگستان طے کر کے مکہ حج کو جاتے ہیں اسی شہر میں..... نبی پیدا ہوا تھا (نبی کے ساتھ "کاذب" کا لفظ نہیں) مدینہ میں اس کی زیارت کرتے ہیں، اسی میں اُس کی قبر ہو۔ پس مسیح کے حاجیوں میں کون ہو جو ان بے شمار حاجیوں کی ہدایت کے لئے جائے تاکہ وہ ایک اکیلے مسیح کے حاجی بنا جائیں؟ اگر ہم عذاب جہنم میں مسیح کے شریک ہوئے ہیں تو ہم ملکوت الٰہی میں بھی اُس کے شریک بنیں گے۔ اللہ نے بیٹے سے کہا تیرا تخت ہمیشہ باقی رہنے والا ہو۔ پس اے مسیح کے حاجیو! چلو۔ آؤ دوڑیں اور بادشاہت لے لیں!

"وہ برّے سے لڑینگے، اور برّہ اُن پر غالب آئے گا۔ کیونکہ وہ خداوندوں کا خداوند اور بادشاہوں کا بادشاہ ہو۔ اور جو بُلائے ہوئے اور برگزیدہ اور وفادار اُس کے ساتھ ہیں وہ بھی غالب آئیں گے"

(مکاشفہ باب ۱۷۔ آیت ۱۴)

"اور خدا جو اطمینان کا چشمہ ہو، شیطان کو تمھارے پاؤں سے جلد کچلوا دے گا۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تمھارے شامل حال رہے"

(رومیوں باب ۱۶۔ آیت ۲۰)

"اسرائیل کے بیٹوں سے کہہ کہ آگے بڑھیں۔ ملک عرب کی طرف ... تمام جہان کی طرف کیونکہ... کیونکہ بادشاہ کا حکم فوری تھا"

(سموئیل اول باب ۲۱، آیت ۹)

"مسیح کے ساتھ میں نے مناژ پڑھی۔ میں زندہ نہیں ہوں بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہو۔ جسم کے اندر میری زندگی در اصل ایمان کی زندگی ہو خدا کے بیٹے کی زندگی جسنے مجھ سے محبت کی اور میرے لئے اپنی جان دی اور انھوں نے شہر آگ سے جلا دیا"

(یشوع باب ۶ آیت ۴ (؟))

"مسیح فداکار مبلغوں کی شدید ضرورت ہو۔ وہ بے خوف و خطر قبائل عرب میں جائیں اور انھیں انجیل کی دعوت پہنچائیں۔ وہاں مسیح قبیلے ایسے موجود ہیں جنھیں انجیل کی دعوت آسانی سے پہونچائی جا سکتی ہو۔ یہ قبیلے خیموں میں ویسی ہی زندگی بسر کرتے ہیں جیسی "ابراہیم" بسر کرتے تھے۔ ان میں ایک قبیلہ "صلیبی" کہلاتا ہو اور ان قدیم "صلیبی مجاہدوں" کی نسل سے ہو جنھیں عربوں نے قید کر لیا تھا۔ دو مرتبہ اُسے زیارت میسر آ چکی ہو حالانکہ وہ اس سے زیادہ زیارت کا خواہشمند ہو۔ اس قبیلہ کے لوگ ابتک چند انگریزی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً "گو" (یعنی جاؤ) کام کرنے والے کم ہیں۔ کیا ان قبیلوں کو فنا ہو جانے کے لئے چھوڑ دینا روا ہو؟ کیا اللہ کے کنیسہ کو، جسے اُسنے اپنے خون سے خریدا ہو، مناسب نہیں ہو کہ اللہ کی دعوت کو لبیک کہے؟ اے شخص! تیرا جواب کیا ہو؟ کیا تو ندامت میں گرنا اور ہمیشہ کے لئے حقارت کا مورد بننا چاہتا ہو؟ یا تو اُس عمل کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتا ہو جو اُس ذات کو پسند ہو جسنے ہم سے محبت کی، ہماری طرف سے فدیہ ہوئی، اور اپنے خون سے ہمارے گناہ دھو ڈالے؟

"کیا تو یہ چاہتا ہو کہ تیری بابت اور دوسروں کی بابت ابدالآباد تک کہا جائے کہ تیرے اور تیرے بھائیوں کے گناہ مسیح کے سب سے زیادہ قیمتی خون سے دھوئے گئے؟ تم نے اُس کے حکم جان لئے۔ مزدوت معلوم کی، خدا کی پکار سنی، مسیح سے قوت و حاجت حاصل کی، مگر اسکے بعد بھی تم نہیں گئے؟

"میری تجھ سے درخواست ہو کہ عرب کے لئے دعا کر۔ خود عرب میں جا۔ دوسروں کو عرب میں بھیج۔ کتاب مقدس عرب میں لیجا۔ کبھی اپنی نمازیں عرب اور عربوں کو نہ بھول۔ عرب اور عربوں کو مسیح کی طرف بلا۔ ۲۲۰ ملین مسلمانوں کو دین مسیح کی طرف دعوت دے۔ شہ سبلغوں کے لئے دعا کر کیونکہ عرب میں ان کی سخت ضرورت ہو۔ دعا کر کہ اب مقدس عرب میں پہنچ جائے۔ دعا کر کہ خدا شہ سبلغوں کو برکت دے۔ مسیح نے کہا ہے: "میں بہت جلد آؤں گا" آمین"

اس اعلان کی مجنونانہ و متصبانہ اسپرٹ دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بیسویں صدی کی ایک صدا دار دعوت ہو جو جدید تمدن کے مرکز اعظم لندن کی ایک مشنری سوسائٹی سے بلند کی گئی ہو، لیکن واقعہ یہی ہو، اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہو کہ انگلستان کی مذہبی جماعتیں عرب کی طرف کس نظر سے دیکھ رہی ہیں۔ یقیناً تاریخ اسلام کے اوراق شریف حسین اور اس کے لڑکوں کو کبھی معاف نہ کریں گے جنسے عرب کا دروازہ یورپ کے داخلہ کے لئے کھول دیا۔

فلسطین کی چٹھی

بحر میت۔ شرق اردن۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)

(عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا)

بحر میت سے نمک

کچھ مدت سے تجویز تھی کہ بحر میت (مردہ سمندر) کے پانی سے نمک طیار کیا جائے۔ اب مجھے معتبر ذریعوں سے معلوم ہوا ہو کہ یہ تجویز عنقریب عملی صورت اختیار کرنے والی ہو۔ اس سلسلہ میں ایک اہم کام یہ ہونے والا ہو کہ دو ریلوے لائن قائم کی جائیں گی۔ ایک شہر عکہ سے شروع ہو کر عمان اور حیفا تک جائے گی۔ دوسری خود مرکز سے عقبہ کو متصل کرے گی۔ ان دونوں لائنوں سے بیشمار فوائد حاصل ہونگے نہ صرف یہ کہ اس سے یہ علاقے بلکہ دور دور کے علاقے بھی بے نیاز ہو جائینگے یہی نہیں بلکہ پورے مشرق قریب میں بحر میت کا نمک جرمنی کے نمک کا مقابلہ کر سکے گا اور فلسطین میں ایک نیا تجارتی مرکز قائم ہو جائے گا۔ انہی اسباب سے یہودی سرمایہ دار ان علاقوں میں زمینیں بکثرت خریدنے لگے ہیں۔ عربوں کو ابھی صورت حال سے پوری واقفیت نہیں ہو اس لئے زیادہ قیمت کی لالچ میں آ کر اپنی زمینیں فروخت کر رہے ہیں۔

شرق اردن میں نئی بیداری

عربی قوم کے حالات سمجھنے والے اُس صورت حال سے متعجب ہیں جو اچانک شرق اردن میں رونما ہو گئی ہو۔ اب سے پہلے اس علاقے میں کوئی سیاسی حرکت موجود نہ تھی۔ لیکن گزشتہ ہفتہ عرب باشندوں نے برطانوی وصایۃ اور شریف عبداللہ کی نام نہاد حکومت کے خلاف بہت موثر طریقہ پر آواز بلند کی ہو۔

دار الحکومت عمان میں پہلی مرتبہ سیاسی انجمن قائم ہوئی ہو جس میں تمام سربرآوردہ عرب مشائخ اور روشن خیال نوجوان شریک تھے انھوں نے برطانیہ اور امیر عبداللہ سے اپنے وعدے پورے کرنے کا مطالبہ کیا ہو۔ انجمن کے نمائندوں نے امیر عبداللہ سے ملاقات بھی کی اور نمائندہ مجلس یا پارلیمنٹ کے قیام پر زور دیا۔ امیر عبداللہ نے دو مہینے کی مہلت طلب کی ہو اور وعدہ کیا کہ وہ انگریزی حکومت سے گفت و شنید کریگے۔

انجمن نے اپنے عام جلسے میں اعلان کر دیا ہو کہ امیر عبداللہ کی حکومت کو برطانیہ سے براہ راست معاہدہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہو، اور یہ کہ وہ تمام معاہدے کالعدم ہونے چاہئیں۔ ملک کی باقاعدہ منظوری حاصل کئے بغیر کئے جائینگے۔ انجمن نے بالآخر یہ اعلان بھی کر دیا ہو "اگر شرق بردن میں ظلم و استبداد کا اسی طرح دور دورہ رہا تو باشندگان فلسطین خطرناک سے خطرناک راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"

برطانوی حلقوں کی پریشانی کا بڑا سبب یہی ہو کہ عربی قبائل میں

نجدی تحریک نہایت تیزی سے پھیل رہی ہو۔ بکثرت قبیلے نجدی مذہب اختیار کرچکے ہیں اور رہبت سے اختیار کرنے کی طیاری میں ہیں۔ برطانوی حکام اس دینی تحریک سے خائف ہیں اپنے علاقوں میں دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ ابھی چند دن ہوئے برطانی حکام نے دو عرب سرداروں (نیفاں باشا المجالی شیخ المشائخ اور شعلان باشا الفائز شیخ قبائل صخر کو طلب کیا تھا اور بڑی آؤ بھگت کی تھی۔ مگر انھوں نے حکومت کا ساتھ دینے سے صاف انکار کردیا۔

اس علاقہ کے باشندوں میں یہ تحریک بھی پھیل رہی ہو کہ امیر عبداللہ کی حکومت الٹ دی جائے اور ملک کا تعلق براہ راست برطانوی حکام سے ہوجائے۔ اس تحریک کا مقصد یہ ہو کہ اگر ملک برطانی اقتدار سے نجات حاصل نہیں کرسکتا تو کم از کم برائے نام عربی حکومت کی دوسری مصیبت سے تو نجات حاصل کرلے۔ یقیناً برطانیہ کی براہ راست حکومت اس سے کہیں زیادہ بہتر اور ذمہ دار ہوگی جسقدر اس کے بٹھائے ہوئے پتلے امیر عبداللہ کی ہو۔

(فوجی قانون کا اعلان)

شرق اردن کی مذکورۂ بالا بیداری اور دروزی مجاہدین کی آمد رفت کی وجہ سے امیر عبداللہ نے علاقہ "ازرق" میں فوجی قانون (مارشل لا) کا اعلان کردیا ہو۔ اس سے مقصود یہ ہو کہ ایک طرف ملک کی عام رائے مرعوب کردی جائے، دوسری طرف فرانس بھی خوش ہوجائے۔ فرانس مدت سے شاکی تھا کہ دروزی مجاہدین اس علاقہ میں پناہ لیتے اور یہاں سے تروتازہ ہوکر واپس آتے ہیں۔

یہودی بیت المال

گزشتہ ماہ یہودی بیت المال کی آمدنی ۱۰۱۷۰ پونڈ یعنی ۱۰۲۶۵ روپے ہوئی۔ امیریکہ کے یہودیوں کا عطیہ ۳۲۸۸۲ پونڈ کینیڈا کے ۲۰ ہزار ۵۳۶ پونڈ اور روانیہ کا ۳۵۶ پونڈ ہو۔ دنیا کی ترقی خواہ قوموں کی اولوالعزمیاں ایسی ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہماری ہمتوں کا جو حال ہو وہ معلوم ہو!

حضرت یوسف کی قبر

فلسطین کے ایک قدیم شہر "سنیجم" میں کھدائی ہورہی ہو اگر یہ تحقیقات کامیاب ہوئی تو ۴۰ صدیوں کے راز دنیا کے سامنے آجائیں گے۔ اس شہر میں یورپین محققین کی ایک جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر تلاش کررہی ہو۔ خیال کیا جاتا ہو کہ اس شہر سے بے شمار اسرائیلی روایات وابستہ ہیں اور اُن پر سے جلد پردہ اُٹھنے والا ہو۔

بروایت توراۃ سنیجم ہی میں حضرت ابراہیم نے محراب بنائی تھی اور شاہ بلوط کے ایک بڑے درخت کو بطور مقدس علامت کے قرار دیا تھا۔ نیز اسی شہر میں حضرت یعقوب نے عامر کی اولاد سے زمین خریدی اور مقدس محراب بنائی۔ نیز سنگلاخ زمین میں ایک کنواں بنایا تھا جو ۸۰ فٹ گہرا اور ۱۰ فٹ کے قطر میں تھا۔ لیکن شیشام بن عامر جسنے زمین بیچی تھی، یعقوب کی لڑکی "دینا" پر عاشق ہوگیا اور اُسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ عقد سے پہلے ہی اُس کے ساتھ زن وشوئی زندگی بسر کرے۔ اسپر یعقوب کے لڑکوں کو غصہ آیا اور انھوں نے "سیخا میوں" کو قتل کرڈالا۔ پھر یعقوب (علیہ السلام) اس علاقے سے چلے گئے۔ مگر جانے سے پہلے انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مخالف قبیلہ کے تمام دیوتا اور عبادت کے آلات ایک غار میں پھینک دئیے جائیں۔

موجودہ کھدائی سے ایک غرض ان دیوتاؤں کی تلاش بھی ہو سنیجم میں یعقوب علیہ السلام کا کنواں ابتک موجود ہو۔ روایت ہو کہ یوسف علیہ السلام کی لاش بھی مصر سے لاکر اسی علاقہ میں دفن کی گئی تھی، ایک مقبرہ عرصہ سے حضرت یوسف کی طرف منسوب ہو چونکہ یہ عربی قبائل کے تحت ونفوذ میں تھا اس لئے اب تک اسکی تحقیقات نہ ہوسکی۔

لیکن اب ڈاکٹر ارنسٹ سلین کو، جو اس تحقیقاتی جماعت کے صدر ہیں، قبر کھولنے کی اجازت مل گئی ہو۔ اُمید کی جاتی ہو کہ حضرت یوسف کی لاش موجود کی ہوئی صحیح وسالم دستیاب ہوجائے گی۔ نیز قدیم مصری کاغذ پر لکھی ہوئی تحریریں بھی نکلیں گی کیونکہ پہلے مصر میں انکی نقش مصری طریقہ پر دفن کی گئی تھی، وہاں سے کنعان میں لائی گئی۔ اگر یہ اُمیدیں کامیاب ہوئیں تو یقیناً اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا کہ حضرت یوسف کے عہد کا فرعون کون تھا؟

اسی شہر میں ایک ٹیلہ پر کھدائی کرتے ہوئے ایک اور قدیم شہر اور تمدن کے نشان ملے ہیں۔ عمار آثار کا خیال ہو کہ یہ عمارت مشہور اسرائیلی بادشاہ "عزیام اول" کا قلعہ ہو۔ خیال کیا جاتا ہو اسی ٹیلہ میں حضرت یعقوب کی قوم کے دیوتا اور دوسری یادگاریں بھی مدفون ہیں۔

سنیجم فلسطین کا ایک نہایت ہی قدیم شہر ہو۔ اس کی تاریخ کا آغاز اُسوقت سے ہوا ہو جب نئے نئے عبرانی کنعان کی سرزمین پر نمودار ہوئے تھے۔ خوش قسمتی سے اب تک اس شہر کے بہت سے آثار دستیاب ہوچکے ہیں۔ اُس کی شہر پناہ اور وہ بہت ہی عظیم الشان پھاٹک نکل آئے ہیں۔ نیز ایک محل کی بنیادیں بھی ملی ہیں جو نوستوئی پر قائم تھا اور اُس کے بڑے بڑے کمرے بھی مل گئے ہیں۔

غرضکہ یہ تحقیقات دنیا کے علم میں معقول اضافہ کرے گی اور اسرائیلی تاریخ کے وہ پہلو روشنی میں آجائیں گے جو اب تک تاریکی میں ہیں۔

(پارٹیوں کا اتحاد)

سیاسی جماعتوں کے اختلاف کی وبا فلسطین میں بھی انگریزی قبضہ کے ساتھ پہنچی اور قومی اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔ مصلحین مدت سے کوشش کررہے ہیں کہ سیاسی پارٹیوں میں اتحاد قائم ہوجائے مگر اب تک کوئی صورت نہ نکل سکی۔ اب کچھ مدت کی خاموشی کے بعد پھر اس قسم کی کوششیں شروع ہوئی ہیں، بظاہر کامیابی کی امیدیں۔ کیونکہ اکثر لیڈر اپنی ذاتی اغراض کے بندے ہیں۔

ارتھوڈکس مسیحی

کل ارتھوڈکس مسیحیوں کی کانفرنس منعقد ہوئی، عیسائیوں میں یہ فرقہ یہاں سب سے زیادہ مظلوم ہو۔ کیونکہ کوئی طاقت در سلطنت اُس کی پشت پناہی پر موجود نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہو اب یہ فرقہ بھی اپنے حقوق کے لئے عملی کوشش شروع کرنے والا ہو۔

شریف علی

مجھے معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا کہ شریف علی سابق شاہ حجاز بہت جلد یہاں آنے والے ہیں۔ آمد کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہو کہ محض تبدیل آب وہوا مقصود ہو۔ لیکن بعض حلقوں میں یقین کیا جاتا ہو کہ انھیں اس لئے بلایا گیا ہو کہ فلسطین کے مسلمانوں میں برطانیہ کے موافق جذبات کو ترقی دیں۔ فلسطین میں شریف حسین اور اُن کے خاندان کا پروپیگنڈا سالہا سال سے جاری ہو۔ عوام کی ایک جماعت اُس سے متاثر ہوچکی ہو۔ برطانیہ کا ایک زمانہ میں خیال تھا کہ اگر اس ملک نے براہ راست برطانی حکومت منظور نہیں کی تو یہاں بھی شریف حسین کا کوئی لڑکا بٹھا دیا جائے گا، مگر بعد کے حالات نے یہ خیال پورا نہ ہونے دیا۔

شرفاء مکہ کے اس خاندان کی بدبختی پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہو۔ برطانیہ کے ہاتھوں ایسا روز بد دیکھنے کے بعد بھی وہ اب تک اُس کی انگلیوں پر ناچ رہا ہے۔ عراق میں امیر فیصل عبودیت کے فرائض انجام دے رہا ہو۔ شرق اردن میں امیر عبداللہ غلام بنا ہوا ہے، اور اب امیر علی فلسطین کو گمراہ کرنے آرہے ہیں!

تذکرہ

مولنا ابوالکلام صاحب آزاد کے زمانۂ نظربندی کی یادگار تصنیف تاریخ وادب کے علاوہ حقائق دین اور معارف تجدید ودعوت کے اہم مباحث کا مجموعہ۔ آخر میں اپنے سوانح وخاطرات پر بے نظیر تحریر اب دوبارہ اُمل کا کوئی نسخہ باقی نہیں رہا۔

دوبارہ دوم قیمت سے دوبارہ بھیجنے کا
مینجر البلاغ پریس۔ ۱۱۔ بالی گنج سکولر روڈ کلکتہ

خواطر و سوانح

میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

اخبار نویس کی ڈاک

حال میں ایک نہایت دلچسپ کتاب اس نام سے فرانس میں شائع ہوئی ہو۔ اسمیں فن اخبار نویسی کے تیس فرانسیسی ائمہ نے اپنی اپنی صحافتی زندگی کا سب سے زیادہ دلچسپ اور یادگار واقعہ لکھا ہو۔ کتاب از حد مقبول ہوئی ہو۔ لاکھوں کی تعداد میں اُس کے نسخے نکل چکے ہیں۔ کئی دوسری زبانوں میں بھی ترجمے شائع ہوگئے ہیں ناظرین کی دلچسپی واگاہی کے لئے ہم اُس کا ترجمہ الاقساط درج کرینگے۔ آج اُس کا پہلا مضمون ملاحظہ ہو۔ یہ مشہور اخبار نویس موسیو کیان ودڈیل نے حسب ذیل مسخرہ سے لکھا ہو:

اخبار نویس اور مجنوں

مجھ سے دماغی امراض کے ایک ماہر ڈاکٹر نے کہا:

"میں اپنے مریض سے پہلا سوال یہ کرتا ہوں "کیا تم اخبار نویسوں سے خط وکتابت کرسکتے ہو؟ اگر وہ اقرار کرتا ہو تو سمجھ لیتا ہوں اسکے علاج میں کافی وقت لگے گا"

"یہ کیونکر؟" میں نے تعجب سے سوال کیا۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ اخبار نویسوں سے خط کتابت کرنے والے سب لوگ مجنوں ہوتے ہیں" اُسنے جواب دیا "لیکن مجھے یقین ہو کہ اُن میں سے اکثر ضرور پاگل ہوتے ہیں!"

مدت کے بعد مجھے ڈاکٹر کی سچائی پر ایمان لانا پڑا۔ میرا تجربہ بھی یہی ہو کہ پراگندہ دماغ اور پاگل ہی زیادہ تر اخبار نویسوں سے خط وکتابت کرتے ہیں۔ اس مصیبت کو میرے ہم پیشہ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔

روز ڈاک میں میرے پاس ہزاروں خطوط پہنچتے ہیں۔ لکھنے والے ان کی تزئین وآرائش میں غیر معمولی محنت گرتے ہیں، قسم قسم کی روشنائی استعمال کی جاتی ہو۔ کوئی عبارت سرخ ہو، کوئی نیلی، کوئی سبز، کہیں پر بڑے بڑے حروف، کہیں پر حروف کے گرد پھول پتیاں بنی ہوئیں۔ بسا اوقات عبارت کا آغاز سنجیدگی سے ہوتا ہو مگر چند سطروں کے بعد ہی معلوم ہوجاتا ہو کہ کسی مجنوں کا خط ہو!

شالاً ایک واقعہ سنئے۔ پیرس کے باشندوں کو شکایت پیدا ہوئی کہ موٹروں کی کثرت نے راستہ چلنا مشکل کردیا ہو۔ اخبارات میں بھی اس کا ذکر ہوا۔ اب کیا تھا؟ ہزاروں خط روزانہ ہمارے پاس آنا شروع ہوگئے۔ ہر خط میں اس مشکل کا ایک نیا حل موجود ہوتا تھا۔ کیسا حل؟ ایسا حل کہ اگر میں بیان کروں تو شاید آپ یقین نہ کریں۔ ایک صاحب نے لکھا "اس مشکل کا بہترین حل یہ ہو کہ دریائے سین اسفلٹ سے پاٹ دی جائے اور شہر کی سڑکوں کے بجائے اُسی پر موٹر چلیں!"

اور سنئے امن وامان کے حامیوں نے یہ تجویز لکھ بھیجی "تمام یورپ ایک جمہوریت کے ماتحت ہوجائے!" یہی نہیں بلکہ ازراہ عنایت اس "افلاطونی جمہوریت" کا دستور العمل بھی مرتب کرکے بھیجدیا!

ایک "ماہر اقتصادیات" نے لکھا "حکومت، پانچ کے بنک نوٹ تیار کرے تاکہ اقتصادی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اُن کا نرخ بھی خود بخود تبدیل ہوتا رہے!"

یہ عاقلانہ تجویزیں، عاقل سے عاقل حکومتوں میں کی جاتیں، اگر چہ

...صرف کرتے ہیں اور اُن کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ...بھی ساتھ بھیج دیتے ہیں۔ صرف فوٹو ہی نہیں بلکہ اپنی آمدنی کا ...مینہ اور انکم ٹیکس کی رسیدیں بھی روانہ کر دیتے ہیں تاکہ اخبار نویس اُنھیں معمولی آدمی خیال نہ کرے۔

اخبارات کے بعض مباحث خاص طور پر اِن مجنونوں کا جنون خط نویسی اُبھار دیتے ہیں۔ مثلاً روحانیات، نباتیات، نسائیات وغیرہ۔ اِن مباحث پر اخبار میں ایک مضمون بھی ہماری بدبختی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ہر طرف سے مجنونوں کے خط آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ جنون مردوں سے کہیں زیادہ عورتوں میں ہے۔ ویسے بھی عورتوں کی ایک جنسی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں لکھنے کے لئے کسی مناسبت اور ربط مقصد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اُنکے ہر خط میں ایک نئے موضوع پر بحث ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ہر مجنوں خاتون اپنے رازوں کے لئے کسی ایک اخبار نویس کو "صندوق" بنا دینا ضروری تصور کرتی ہے۔ بدقسمتی سے مجھے بھی ایک خاتون نے ایک مرتبہ اس عزت کا مستحق سمجھا۔ مسلسل تین سال تک ہر روز ایک خط پہنچ جاتا۔ اِن خطوط میں اُس کی مفصل سوانحعمری ہوتی تھی۔ خانہ داری کے جھگڑے، شوہر کے معاملات، محبت کے اثرات، بیوفائی کے شکوے، غرضکہ کوئی بات نہ تھی جو اِن خطوں میں تفصیل سے موجود نہ ہو۔ میں نے کبھی کسی خط کی رسید نہیں بھیجی۔ مگر محترم خانم کو رسید کی چنداں پرواہ نہ تھی اُسے صرف خط لکھنے سے کام تھا۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو

لیکن یہ سلسلہ ایک مرتبہ اچانک ٹوٹ گیا اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کہ محترم خاتون اب اپنے جنون سے شفا پا گئی۔ اور مجھے بھی نجات مل گئی!

عورتوں کا سب سے سخت جنون، مذہبی جنون ہوتا ہے۔ جب یہ کسی "خوش نصیب" اخبار نویس سے خوش ہو جاتی ہیں تو اپنے خطوط کے ساتھ گنڈے تعویذ بھی بھیجا کرتی ہیں، اور بڑی بڑی قسمیں دلا کر مرسل الیہ کو مجبور کرتی ہیں کہ یہ تعویذ ضرور استعمال کرے۔ لیکن جس اخبار نویس سے وہ ناراض ہوئیں تو بس اُس کے لئے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ وہ کون گالی ہے جو اُسے دی نہیں جاتی؟ اتنی بددعائیں اور لعنتیں آتی ہیں کہ غریب اخبار نویس کتنا ہی مستقل مزاج ہو ضرور کانپ اُٹھتا ہے!

بلاشبہ ہم مجنونوں کے خط پڑھنے پر مجبور نہیں ہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ بہت سے مجنوں خط و کتابت ہی کافی نہیں سمجھتے بذات خود بھی ملاقات کو تشریف لے آتے ہیں اور یہ مصیبت بالکل لاعلاج ہے!

ایک دن دفتر میں چپراسی نے ایک ملاقاتی کارڈ میرے حوالہ کیا۔ "مسیو گبورنل" نیچے کی سطر میں یہ لفظ تھے "ایک اہم شخصی معاملہ" میں نے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ پہلی نظر میں خیال ہوا اچھا خاصہ سنجیدہ باوقار آدمی ہے۔

"جناب! میں آپکی کوئی خدمت بجا لا سکتا ہوں؟" خاموش ملاقاتی سے میں نے سوال کیا۔

"آپ اُس معاملہ سے واقف ہیں جس کے لئے میں حاضر ہوا ہوں" اُسنے متین آواز میں جواب دیا۔

"مجھے افسوس کے ساتھ انکار کرنا پڑتا ہے" میں نے عاجزی سے کہا۔

"تجاہل عارفانہ نہ برتئے۔ آپ خوب جانتے ہیں" حضرت کا جواب تھا۔

"جناب، آج پہلی مرتبہ مجھے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے"

"لیکن آپ اپنے مضامین میں روز میرا ذکر کرتے ہیں!"

"عجیب! یہ پہلا موقعہ ہے کہ میں اسم گرامی سے واقف ہوا ہوں"

"ریاکاری چھوڑ دیجئے۔ بیوقوف نہ بنائیے ... میں روز آپکے مضامین میں اپنا ذکر پڑھتا ہوں" اچانک اُس کی صورت بدل گئی۔ غصہ سے کانپنے لگا "تم میرے خاندان کے راز جانتے ہو۔ اپنے گندہ مضامین میں یہ راز لکھ کر مجھے روز رسوا کرتے ہو... آہ! لیکن خیر اب اس کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ میں اس وقت اسی لئے آیا ہوں کہ اپنے آپکو اور [illegible] شرارت سے نجات دیدوں..." آپ میری حیرانی کا اندازہ کر سکتے ہیں جب میں نے اس عجیب سلسلۂ کلام کے خاتمہ پر اچانک سُنا "میں قتل کر ڈالوں گا"

فوراً جیب سے بھرا ہوا پستول نکالا... "خدایا کیا کروں؟" میں نے خیال کیا "اب میرا کام تمام ہوا... عنقریب میرے دوست میرا جنازہ اُٹھانے آئیں گے... لیکن خود اس پاگل کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ عدالت جنون کے عذر پر اسے رہا کر دے گی... میں نے ارادہ کیا اس عجیب ملاقاتی پر ٹوٹ پڑوں اور پستول چھین لوں لیکن یہ ناممکن تھا کیونکہ میری ایڈیٹری کا بڑا میز ہمارے مابین حائل تھا۔ افسوس اخبار نویسی کا منحوس میز! میں نے اپنے حواس بجا کئے:

"سگریٹ پیجئے" میں نے مصنوعی بے خوفی سے کہا اور فوراً کوٹ کی جیب سے سگریٹ کی خوشنما ڈبیا نکالکر پیش کر دی۔ خلاف توقع سگریٹ نے اُس کا غصہ بالکل فرو کر دیا۔ وہ خاموش بیٹھکر دھواں اُڑانے لگا

"واقعی میں خطاوار ہوں۔ مگر براہ عنایت مجھے وہ مضمون بتلائیے جس میں آپ کو رسوا کرنے کی میں نے جرأت کی ہے" میں نے ڈرتے ڈرتے بڑی لجاجت سے کہا۔

مجنوں نے جیب سے ایک پلندا نکالا اور میرے سامنے پھینک دیا میں نے غور سے تمام مضمون دیکھے۔ اُن میں کوئی ایک بھی شخصی معاملات پر نہ تھا۔ کسی میں مکانوں کی گرانی پر بحث تھی۔ کسی میں بازار کے نرخ پر کسی میں علمی نمائش پر، اور کسی میں عورتوں کے کترے ہوئے بالوں اور اونچے لباس پر گفتگو تھی۔ اسی طرح عام معاشرتی معاملات سے سب کا تعلق تھا۔ میں نے حیرت سے مجنوں کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ وہ میرا تعجب سمجھ گیا۔ کھڑا ہو گیا۔ اخبار اُٹھا کر جا بجا سے پڑھنا اور ہر ہر فقرے پر مجھے قہر آلود نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ آخر میں اُسنے عورتوں کے کترے ہوئے بالوں پر مضمون پڑھنا شروع کیا اور جوش سے چلایا۔

"یہ دیکھو۔ اب بھی انکار کرو گے؟ کیسے بند بند لفظوں میں میرے خاندان کا مضحکہ اُڑایا ہے؟ اس فقرے کے کیا معنی ہیں "جو عورت اپنے بال کٹواتی ہے وہ ایک نہ ایک دن ضرور گنجی ہو جائے گی" یہ میرے چچا ڈاکٹر بیگورنل پر کھلی چوٹ ہے! غلط کہتا ہوں؟ میرا چچا گنجا ہے۔ ایک دن وہ میڈم... پر خفا ہوئے۔ لیکن میں تفصیل کیوں بیان کروں؟ تمھیں سب معلوم ہے۔ میرے چچا کو بھی جانتے ہو۔ اس میڈم کو بھی، اور اُس کی خفگی کے سبب کو بھی۔ تمھیں سب راز معلوم ہے۔ تم ہمیں بدنام کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔ تم کمینہ ہو!"

خوش قسمتی سے اس سخت لفظ نے اُس کا غصہ پھر کم کر دیا۔ میں نے گھنٹی بجائی۔ نوکر کے آنے پر مجھے اطمینان ہوا۔ مجنوں نے ایک پُر از حقارت نظر مجھ پر ڈالی اور کہا۔

"جناب! اس مرتبہ معاف کرتا ہوں۔ آئندہ احتیاط رہے۔ مجھے اور میرے خاندان کو نہ چھیڑیئے ورنہ کیڑے مکوڑوں کی طرح کچل ڈالونگا"

وہ بغیر سلام کئے چلا گیا۔ میں نے بھی مشایعت کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور میں خیال کرتا ہوں اس ضرورت کے عدم احساس پر کوئی صاحب مجھے ملامت کرنا پسند نہ کرینگے۔

اشتہار

(امام ابن تیمیہ کے تازہ ترین رسالے)

شیخ الاسلام کے حسب ذیل رسالوں کا ترجمہ مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کے قلم سے حال ہی میں شایع ہوا ہے۔ قابل دید رسالے ہیں:

(۱) مجذوب: شریعت میں مجذوب کا کیا حکم ہے؟ وہ ولی اللہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ قیمت ۴ر (۲) حسین و یزید: تاریخ اسلام کی یہ سب سے زیادہ پیچیدہ گتھی سلجھا کر رکھدی ہے۔ قیمت ۵ر (۳) صداقت رسول: پوری سیرت نبوی اسطرح سمیٹ کر جمع کر دی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی عظمت کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے قیمت ۴ر (۴) مناظرۂ ابن تیمیہ: صوفیوں سے پادشاہوں کے سامنے عظیم الشان مباحثہ ہوا تھا خود شیخ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے قیمت ۵ر منیجر ہند بک ایجنسی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۲۰۲ بالیگنج کلکتہ

عالم مطبوعات و صحائف

نہایۃ الارب اور مسالک الابصار

علماء تاریخ نے ہر زبان کی ادبیات کی طرح عربی علم ادب کے بھی تین دور قرار دیے ہیں۔ پہلا دور تحریر و تدوین کا ہے۔ دوسرا تکمیل و تنقیح کا۔ تیسرا توسیع و تہذیب کا۔ اس آخری دور نے تصنیف و تالیف کی صناعت میں جو نئی نئی وسعتیں پیدا کیں، اُن میں ایک خاص قسم اُن کتابوں کی ہے جنھیں متاخرین "موسوعات" اور "مجامیع" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "موسوعات" سے مقصود ایسی کتابیں ہیں جو کسی ایک موضوع پر نہیں لکھی جاتی تھیں بلکہ متعدد علوم و فنون کا مجموعہ ہوتی تھیں۔ بعض علماء نے اس کا دائرہ یہاں تک وسیع کیا کہ تمام علوم و فنون اور ان کی چھوٹی بڑی شاخیں اسمیں آگئیں۔ اس قسم کی "موسوعات" بیس سے لیکر ۵۰-۵۰ جلدوں تک کی لکھی گئیں!

دراصل یہ موسوعات ایک طرح کی انسائیکلوپیڈیا تھیں، اُس عہد کے علماء موسوعات کا تاریخ علوم میں وہی درجہ ہے جو یورپ کی سترہویں صدی کے انسائیکلوپیڈین علماء کا موجودہ تاریخ علوم میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ موسوعات کی ترتیب علوم کی ترتیب تھی جو ایک خاص حد تک پھیلکر ختم ہو جاتی ہے مگر انسائیکلوپیڈیا کے لئے لغت و قوامیس کی ترتیب اختیار کی گئی جس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔

اس عہد کی کتب موسوعات میں دو کتابوں کو بہت شہرت حاصل ہوئی تھی شہاب الدین احمد نویری کی نہایۃ الارب اور ابن فضل اللہ العمری کی مسالک الابصار، پہلی کتاب تیس سے زیادہ جلدوں میں ختم ہوئی ہے اور دوسری کم و بیش بیس جلدوں میں ہے۔

اِن دونوں کتابوں کے مکمل نسخے عزیز الوجود تھے۔ پچھلے دنوں مصر کے مشہور محقق کتب احمد زکی پاشا نے عرصہ کی محنت و کاوش کے بعد انکے دو صحیح و کامل نسخے مرتب کئے اِن کا بڑا حصہ قسطنطنیہ کے کتب خانوں سے بذریعہ عکس حاصل کیا گیا تھا۔ چار سال ہوئے حکومت مصر نے اِن دونوں کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ کیا اور کتب خانۂ خدیویہ کے "احیاء کتب عربیہ" کے سلسلہ میں ان کی طباعت شروع ہو گئی۔ گذشتہ سال دونوں کتابوں کی تین تین جلدیں چھپ گئی تھیں اب دو جلدیں مزید چھپکر شائع ہو گئی ہیں اور ہمارے سامنے ہیں۔ اگرچہ یہ عہد متاخرین کی تصنیف ہیں اور جو کچھ ہے جمع و تالیف ہے تاہم چونکہ اب وہ ذخیرہ بھی ہمارے پاس موجود نہیں جو اِن کتابوں کے عہد تالیف میں موجود تھا، اس لئے اِن دونوں کتابوں سے تاریخ و علوم کے مختلف اہم مسائل پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔ ہم عنقریب اِن دونوں نئی جلدوں کے بعض مفید مطالب ہدیۂ قارئین کرینگے۔

مذہب اور دنیائے جدید

حال میں پروفیسر وہائیٹڈ کی ایک تصنیف:

"Religion in the Making"

کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ یہ دراصل ان کی چار تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے گذشتہ سال بوسٹن یونیورسٹی میں کی تھیں۔ جو حضرات انگریزی کی جدید الطبع مصنفات پر نظر رکھتے ہیں، انھوں نے پروفیسر موصوف کی وہ کتاب ضرور دیکھی ہوگی جو پچھلے دنوں "علم اور دنیائے جدید" کے نام سے شائع ہوئی تھی، وہ بھی ان کی بعض تقریروں کا

مجموعہ تھی۔ یہ دونوں کتابیں ایک مکمل نظریۂ علم و مذہب کی مثنیٰ ہیں۔ پہلی کتاب میں علم کے مستقبل پر نظر ڈالی ہے۔ اور اس میں اُسی اصول نظر کے ماتحت مذہب کے مستقبل پر بحث کی ہے۔

کتاب کے ۴ باب ہیں (۱) مذہب کی تاریخ (۲) مذہب اور عقائد (۳) جسم اور روح (۴) تبصرہ۔

ان ابواب میں سب سے زیادہ اہم باب "جسم اور روح" کے مسئلہ پر ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

"ہم اس مادی دنیا کے باہر اور ان ظاہری اجزا کے علاوہ جو اس کی وضع و ترتیب میں شامل ہیں کوئی واقفیت نہیں رکھتے یہ اجزار کیا کیا ہیں؟ مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہے:

(۱) خالقیت (Creative energy) جوہر وجود کے وقتی ارتقا میں ظاہر ہوتی ہے۔

(۲) خیالی موجودات و اشکال کا عالم جو خود تو کوئی حقیقت نہیں رکھتا مگر ہر حقیقت رکھنے والی چیز میں ایک خاص مناسبت کے ساتھ مشمل ہوجاتا ہے۔

(۳) وہ حقیقی مگر غیر مادی قوت جس کا تصور کرتے ہوئے ہم ایک ایسی معین قوت کا تصور کرنے لگتے ہیں جس کے کاموں میں قصد اور ارادہ کو دخل ہونا چاہیئے"

پروفیسر موصوف کے خیال میں "یہی غیر مادی اور حقیقی ہستی وہ ہے جسے انسان خدا کہتا ہے۔ وہی خدا جو ہر ذی عقل مذہب کا خدائے برتر و برتر ہے"

مذہب کے حقائق کی طلب و جستجو کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی مقام یہ ہے کہ یہ سفر کس نقطہ سے شروع کیا جائے؟ جن جن قدموں نے ٹھوکر کھائی ہے صرف اس لئے کھائی ہے کہ قدم اُٹھانے سے پہلے اس کا فیصلہ نہیں کیا کہ کس رُخ سے قدم اُٹھانا چاہیئے؟ نتیجہ یہ نکلا کہ جس قدر بڑھتے گئے منزل مقصود سے دُوری بھی بڑھتی گئی!

اسی لئے قرآن حکیم نے اس بارے میں عقل انسانی کی رہنمائی کی۔ وہ بتلاتا ہے کہ خدا کی ہستی اور اس کے اعمال و صفات کی جستجو دائرہ ہستی سے الگ ہو کر نہیں بلکہ خود اُس کے اندر سے کرنی چاہیئے اور اس سفر کی صحیح جہت یہ ہے کہ کائنات کے حسن و جمال اور نظم و اتقان کے مطالعہ و تفکر کے نقطہ سے قدم اُٹھائے جائیں۔

مذہب و عقل کے سلسلہ میں پروفیسر موصوف کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ انھوں نے کتب سماویہ کی یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی۔ مشہور حکیم کانٹ کا مذہب یہ تھا کہ خدا کی ہستی کا تصور دنیا کے نظام اخلاقی کی ایک ضرورت ہے مگر پروفیسر موصوف اس سے متفق نہیں ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "کائنات ہستی کے ہمہ گیر حسن و جمال کے مطالعہ ہی سے ہم عالم ایجاد کا عقدۂ تحلیل حل کر سکتے ہیں۔ کانٹ کا نظام اخلاقی کیا ہے؟ وہ بھی اسی نظام جمال کا ایک منظر ہے"

پروفیسر موصوف نے صفات الٰہی کے موضوع پر بھی نظر ڈالی ہے اور ان کی نظر اُسی پہلو پر گئی ہے جو متکلمین اسلام میں معتزلہ نے اختیار کیا تھا۔ معتزلہ کی نظر تنزیہہ کی طرف گئی تھی اور اشاعرہ کی نظر قدرت کی طرف۔ اس لئے معتزلہ خدا کی طرف کسی اعتبار سے بھی شر کی نسبت گوارا نہیں کرتے، لیکن اشاعرہ کہتے ہیں کہ اس کی قدرت و خلقت کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں، البتہ اس کے تمام احکام و اعمال حکمت و عدالت پر مبنی ہوتے ہیں۔

اسی طرح مسیحی علم کلام میں "نفی شر" کا مسئلہ سینٹ اگسٹائن کی طرف منسوب ہے۔

پروفیسر موصوف کہتے ہیں:

"خدا کی اچھائی ہی خدا کی حد ہے۔ خدا کی ابدی ہستی اسی حال میں کامل کہی جا سکتی ہے جب شر کے منافی ہو"۔

اس سوال کے جواب میں کہ اگر خدا کی قدرت اور اس کے اعمال صرف خیر ہی میں محدود ہیں تو یہ قدرت کا نقص ہے، وہ کہتے ہیں

"اس کا ہم کوئی جواب نہیں دے سکتے البتہ ہم حق، حسن اور خیر کا ایک ہمہ گیر نظام محسوس کر رہے ہیں۔ یہ خود ہم میں بھی موجود ہے اور اس کا مبدء خدا کی کامل ہستی ہے، جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اذعان ہوجاتا ہے کہ اس ابدی و ازلی مبدء میں شر کی گنجائش نہیں"

دراصل پروفیسر موصوف نے اس منزل پر پہونچکر سخت غلطی کی اور اسی لئے سوال اور جواب، دونوں حقیقت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ موقعہ بحث و تشریح کا نہیں، قارئین الہلال باب التفسیر کے مباحث کا انتظار کریں۔

الہلال کی قدیم جلدیں

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

الہلال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم و ادب مشتاق تھے۔ چند جلدیں جو دفتر مہیا کر سکا ہے حسب ذیل قیمت پر بھیجی جا سکتی ہیں:

الہلال جلد سوم
" جلد چہارم — قیمت فی جلد ۸- روپیہ
" جلد پنجم

البلاغ (یعنے الہلال کا دوسرا سلسلۂ اشاعت) ۵- روپیہ

متفرق پرچے
فی پرچہ ۸ر قیمت پر بھیجے جا سکتے ہیں۔

منیجر الہلال

اشتہار

بیت المقدس میں عیسائیوں اور مسلمانوں کی جنگ

اشتہار

اور تمام یورپین حکومتوں کے صلیبی جہاد کے مقابلہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے شجاعانہ کارنامے یعنی صلاح الدین میں یکجہتی جس عیسائیوں اور مسلمانوں کی صف آرائیوں کے تفصیلی حالات کے علاوہ اُس جنگ کی کیفیت بھی مسیح ہے جس انگریزوں کے بادشاہ "رچرڈ شیر دل" کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست اُٹھا کر بھاگنا پڑا اور جس میں سات خون ریزی ہوئی کہ میدان جنگ میں خون گھوڑوں کے سینہ تک بھر گیا تھا، ولائتی سرورق اور سلطان صلاح الدین کا فوٹو قابل دید ہے قیمت ۱۲ر

سیرۃ الصدیق:- اسمیں مولنا حبیب الرحمن صاحب شروانی صدر الصدور اُمور مذہبی حیدرآباد دکن نے مورخانہ انداز اور نہایت مؤثر پیرایہ میں خلیفۂ اوّل کے حالات لکھے ہیں، جن لوگوں نے مولنا شبلی مرحوم کی الفاروق کو دیکھا ہے اسکو ضرور پڑھیں، کاغذ چکنا ولائتی، رنگین سرورق قیمت عدہ (ایکروپیہ)

علمائے سلف:- اسمیں علمائے سلف کی زندگی کے ہر پہلو پر نظر ڈالی گئی ہے اور اُنکے کمال، اخلاق اور تحصیل علم کے لئے اُن کی محنتوں کا ذکر ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپکو معلوم ہوگا کہ علما نے کس قدر آزادی سے اپنا فرض ادا کیا ہے، کاغذ چکنا ولائتی، رنگین سرورق، قیمت (ایکروپیہ) **زاد المعاد**:- معصوم مشورہ کی پُر اثر زندگی **الصالحات**:- ۴۷ صحابی خواتین کے مذہبی و معاشرتی زندگی کے سبق آموز حالات، بچوں، بچیوں اور عورتوں کے لئے یہ کتاب بہت ضروری ہے کیونکہ اس کتاب کے مطالعہ سے صحابیات کی پاکیزہ زندگی اور صحیح عمل کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ جلی قلم، سرورق ولائتی رنگین قیمت ۱۲ر

سیرۃ الغازی مصطفےٰ کمال پاشا:- غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی مستند سوانح عمری جو ترکی دستور سے مستند مواد فراہم کر کے تیار کی گئی ہے۔ اسمیں غازی ممدوح کا فوٹو چکنا ولائتی کاغذ اور رنگین سرورق لگایا گیا ہے قیمت ۱۲ر **جنگ یونان و ترکی** قیمت بارہ آنے (۱۲ر) **سفرنامہ انگورہ**۔ قیمت ایکروپیہ (۱۲ر)

مجاہدین ریف کے کارنامے:- یعنی "تاریخ ریف" جسمیں مراکش و ریف کی مکمل تاریخ کے علاوہ ہسپانیہ و فرانس کے مقابلہ میں مجاہدین کے تحریر کارنامے بھی آپ پڑھ سکتے ہیں، قیمت چودہ آنے (۱۴ر) **قتل زار و روس**، قیمت ۴ر **جنگ روم و ایران** قیمت دس آنہ۔ **پارتی**:- بنگالی لڑکی کے مفارقت شوہر میں تباہ جذبات

غازی جمال پاشا کی یادداشتیں:- ان یادداشتوں میں عرب کی بغاوت، مقدمہ کے جنگی معرکوں کی تفصیل، روم و ایران کی جنگوں کے حالات اور انور پاشا کے فوجی و جنگی کارنامے نہایت خوبی سے لکھے گئے ہیں اور یورپ کی اُن سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اُسنے ترکی کے خلاف کی تھیں قیمت عہ (دو روپے آٹھ آنے)

شہید ترک کا جنگی روزنامچہ:- اس کتاب کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ خالدہ ادیب خانم وزیر تعلیم انگورہ اپنے قلم کے زور سے قسطنطنیہ کے کسی گوشہ میں علالت جذبات غازی جمال پاشا کی یادداشتیں ہیں قیمت عہ **ترک آہو باز**:- جنگ اناطولیہ میں سلطان عبدالحمید مرحوم کے صاحبزادے شہزادہ عبدالرحیم کے کارنامے، یونانیوں پر ترکی ہوابازی کی کامیابی اور جہاز ترکی، **مسٹر بکھال** (انگریز نومسلم) ایڈیٹر روزنامہ تہمبی کرانیکل کے معرکۃ الآرا ناول کا ترجمہ جسکو پڑھ کر ترکوں کے حیرت انگیز کارنامے اور پیچھے قدمی آپکو اپنی آنکھوں کے سامنے معلوم ہونگے، قیمت عہ **کلیات جعفر زٹلی**:- میر جعفر زٹلی مشہور ہزل گو شاعر کے کلام کا مجموعہ، قیمت مدہ **ہمالیاں کی پرباں**:- قابل قدر تصنیف

آزادیٔ اسلام:- از مولنا ابوالکلام صاحب آزاد، قیمت عہ **لیڈران اسلام**:- علی برادران، مولنا احمد، مولنا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری کی تقریریں قیمت عہ **جہنم کی آبادی**:- قیمت ۸ر **افسانۂ قیس**:- مجنوں لیلیٰ کے حالات اور عاشقانہ جذبات قیمت ۴ر **حوریہ**:- ایک ترکی جاسوسہ کے کارنامے جسنے بڑے بڑے یونانی فوجی افسروں کو اپنا متوالا بنا کر اور اُن کی آنکھوں میں خاک ڈالکر اپنی خدمات انجام دی تھیں، قیمت ۸ر **آریوں پر اسلامی بم** اگر آپ دیکھنا چاہیں تو آج ہی منگا لیں، قیمت ۸ر **غازی محمود و سرسیال** کی تصانیف، کفر توڑ، سر توڑ، آداگون توڑ، بت شکن، رشیلزم اور اسلام (دو تقریر جو غازی موصوف نے آریہ دھرم ترک کرتے ہوئے فرمائی تھی) قیمت اصلی ۸ر ۸ر رعایتی ۱۲ر **جوار** قیمت تین پیسہ **ویدک الٰہور کی حقیقت**:- آریوں کے ہزاروں دیوتاؤں کے حالات قیمت ۲ر **تحفۂ الہند** مؤلفہ مولوی سلوئی۔ ہندوؤں کے عقائد پر بحث از مولوی عبیداللہ صاحب بالن انت رام قیمت ۱۲ر **ترکوں کی کہانیاں**:- قیمت ۱۲ر **انگورہ میں ہندوستانی جاسوس**

تصانیف علامہ شبلی مرحوم:- **الفاروق**:- سوانح نقشہ دنیائے اسلام، ۳۰ صفحات، خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی جنگی و انتظامی تدابیر، فتوحات عالمگیر کے متعلق انگریز مؤرخوں کی شرانگیز اور غلط بیانیاں اور شہنشاہ مرحوم کے صحیح حالات، قیمت ۸ر **رسائل شبلی**۔ مختصر علمی، تاریخی، اسلامی مضامین قیمت عہ **مقالات شبلی**:- مولنا شبلی کے بے بہا مضامین کا مجموعہ قیمت عہ **مجموعہ نظم شبلی**، قیمت ۸ر **سیرۃ النعمان**:- امام ابوحنیفہ کی علمی و فقیہانہ زندگی، آپکا اجتہاد و ذہن و حافظہ وغیرہ وغیرہ قیمت عہ **سفرنامۂ روم**:- مصر و شام، بیروت، قسطنطنیہ، قاہرہ وغیرہ ممالک اسلامیہ کے حالات، ترکوں، عربوں کے اخلاق سلطان سے ملاقات۔ قیمت عہ **سوانح مولنا روم**:- آپکی پاکیزہ صوفیانہ زندگی کا تذکرہ قیمت عہ **الغزالی**:- امام ابوحامد احمد غزالی کے سوانح قیمت عہ

واجد علیشاہ کا پریخانہ۔ یعنی محل شاہی جسمیں واجد علیشاہ بادشاہ کے واقعات ہیں قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ:- منیجر نجات بک ایجنسی نجیب آباد (یوپی)

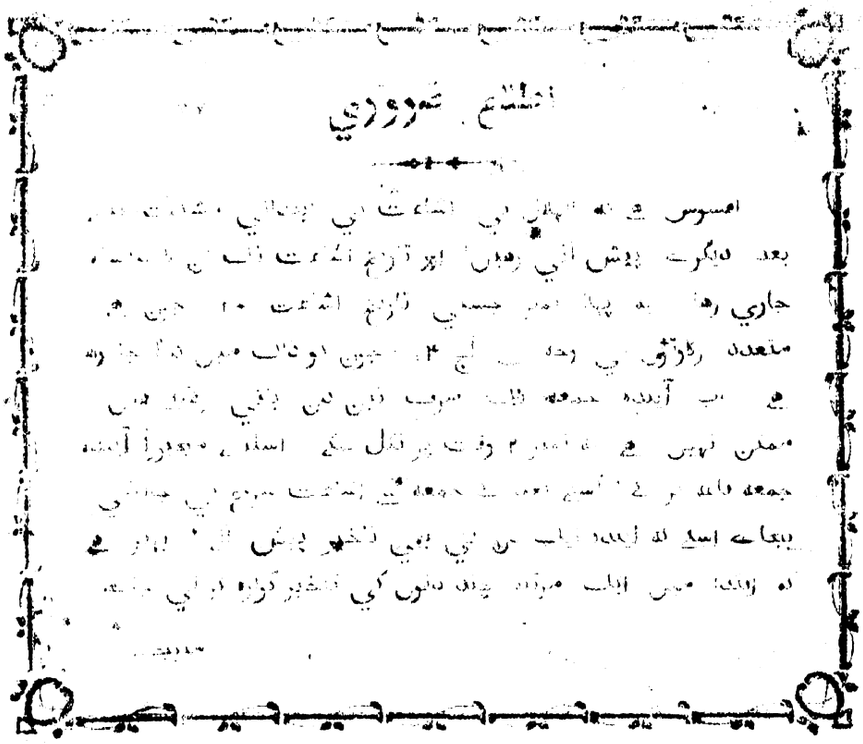

اطلاع ضروری

افسوس ہے کہ الہلال کی اشاعت کی ابتدائی [illegible]
بعد دیگرے پیش آتی رہیں اور تاریخ اشاعت تک [illegible]
جاری رہا۔ یہ پہلا نمبر جسکی تاریخ اشاعت ۱۰ جون ہے
متعدد رکاوٹوں کی وجہ سے آج ۱۴ جون کو ڈاک میں ڈالا جا رہا
ہے۔ اب آئندہ جمعہ تک صرف تین دن باقی رہتے ہیں
ممکن نہیں ہے کہ نمبر ۲ وقت پر نکل سکے۔ اسلئے مجبوراً آئندہ
جمعہ ناغہ کر کے اسکے بعد کے جمعہ سے اشاعت شروع کی جاتی
بجائے اسکے کہ آئندہ ایک دن کی بھی تاخیر پیش آئی۔ بہتر ہے
کہ آئندہ میں ایک مرتبہ چند دنوں کی تاخیر گوارا کر لی جائے

[illegible]

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CAL
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

آب حیات

جملہ اقسام کی انسانی و حیوانی بیماریوں کا فوری علاج۔ جس کے متعلق بیس (۲۰) سال میں تیس ہزار سرٹیفکیٹ موصول ہو چکے ہیں قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (محصول) نمونہ کی شیشی ۸ر

اکسیر عنبری مقوی اعضائے رئیسہ اور مردانہ طاقت بڑھانے والی گولیاں۔ قیمت فی شیشی چار روپیہ

نمک سلیمانی معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے اور خون صالح پیدا کرنے کی بہترین دوائی ہے

قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲ر)

مفصل فہرست ادویہ مفت

مینجر کارخانہ آب حیات پنڈی بہاؤالدین

(پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,

PINDI BAHA-UD-DIN, PUNJAB.

اسلامی مذاق کی کتابیں

قرآن۔ حدیث۔ تصوف۔ فقہ۔ عقائد۔ تاریخ اور علم جدید پر

کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری فہرست منگائیں۔ سرمایہ دار اگر مذہبی

تجارت پر روپیہ لگا کر فائدہ اٹھانا چاہیں تو قواعد منگا کر ملاحظہ فرمائیں

مینجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین

The Sufi Printing and Publishing Co. Ltd.

— PINDI BAHA-UD-DIN. (PUNJAB)

قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح)

یہ ترجمہ جسکے لئے مسلمان مدتوں سے سراپا انتظار تھے بفضلہ تعالیٰ نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے بکثرت طلب کیا جا رہا ہے۔ آج تک جسقدر ترجمے قرآن پاک کے ہوچکے ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ تحت لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس زبان ایسی شستہ اور صاف کہ جس کو معمولی پڑھا لکھا بھی بخوبی سمجھ سکے۔ لمعانی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ زیب جلد چھپی ہوئی پختہ ہے۔ ہدیہ مجلد چرمی منقش نقرئی روپئے۔ جلد اعلیٰ منقش طلائی ۱۸ روپیہ محصول ڈاک و پیکنگ ۲ روپیہ فرمایش کے ساتھ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری

نمونہ مفت

اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ع سے قابل اہل قلم ایڈیٹروں کی زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار اردو جرائد میں کثیر الاشاعت۔ سیاست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا مشتہر عرقی انگریزی اخبارات کا خلاصہ دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنے والا مطالعہ و مطالعہ خود ہمارے بیان کی تصدیق کر دیگا۔ نمونہ مفت قیمت سالانہ ۶ روپیہ ششماہی تین روپیہ آٹھ آنہ۔ سہ ماہی ۱۰ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ۔

غنچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچیوں کا اتالیق طالب علموں کا استاد علم و فن کا خزینہ معلومات کی کان اخلاقیات و ادبیات کا گنجینہ خاص خاص ملک و ملت کے نونہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے زر سالانہ اور عام قوم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیں کمیشن ۳ روپیہ۔

(محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ و غنچہ

ہندوستان کا بہترین قومی ازر ادبی ہفتہ وار اخبار

استقلال ہند (دہلی)

ایڈیٹر — بچن سنگھ

(دنیائے صحافت کا یہ روشن ستارہ ۲ جون سنہ ۱۹۲۷ کو طلوع ہوگا)

آپ کو استقلال ہند کیوں ضرور مطالعہ کرنا چاہئے؟ اس لئے کہ

(۱) استقلال ہند ہندوستانیوں کو پیام اتحاد سنائے گا

(۲) استقلال ہند غلامی کی زنجیروں کو توڑے گا

(۳) استقلال ہند غریبوں کو سرمایہ داروں کے دام تزویر سے رہائی دلائیگا۔

(۴) استقلال ہند ہندوستانی ریاستوں کو غیر ملکی اقتدار سے بچائیگا۔

(۵) استقلال ہند میں بلند پایہ سیاسی و ادبی مضامین شایع ہونگے

(۶) استقلال ہند سے بہتر افسانے آپ کو دیگر اخبارات میں نہ مل سکینگے۔

(۷) استقلال ہند میں ہر ہفتہ غیر ملکی وقایع نگاروں کے مضامین شایع ہونگے۔

(۸) استقلال ہند میں ظریفانہ مضامین کا خاص اہتمام ہوگا۔

(۹) استقلال ہند میں واقعات حاضرہ کے متعلق پر لطف کارٹون شایع ہوا کریں گے۔

(۱۰) استقلال ہند نامور شعراء ملک کا تازہ ترین کلام پیش کریگا۔

(۱۱) استقلال ہند کے دائرہ ادارت میں اکثر معجب وطن انشاء پرداز منسلک ہیں۔

(۱۲) استقلال ہند بہترین کاغذ پر دیدہ زیب لمعانی چھپائی کے ساتھ شایع ہوگا۔

ان تمام محاسن کے باوجود قیمت فی پرچہ صرف ایک آنہ
قیمت سالانہ چار روپے — ششماہی دو روپے آٹھ آنے

آج ہی نمونہ کے لئے خط لکھئے

منیجر استقلال ہند — چاندنی چوک - دہلی

جلد ۱ نمبر ۲
۱۴ نومبر ۱۹۱۲ء

الہلال

لعلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	- -	سات روپیہ
قیمت پی پرچہ	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں اُنکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو رسول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایئے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲ — کلکتہ : جمعہ ۲۳ ذوالحج ۱۳۴۵ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, June 24, 1927.

فہرس

افتتاحیہ ۲

ادبیات ۵

شاعر اور بلبل

مادری محبت و شعور

مطبوعات جدیدہ ۷

فرانس میں عربی نسل

مذاکرۂ علمیہ ۸

برقی مچھلیاں

عالم شرق و اسلام ۱۰

حج سنہ ۱۹۲۷

شام کی حریت استقلال

بصائر و حکم ۱۷

انسانیت موت کے دروازہ پر

مقالات ۱۵

اسلام اور نشنلزم

عالم مطبوعات و صحائف ۱۹

اطلاعات ضروری

(۱) ہر چیز کی ابتدا ہوتی ہے اور تکمیل - الہلال کے یہ دو نمبر نئے سلسلۂ اشاعت کی ابتدا تھی - ہمیں امید ہے کہ تیسرے نمبر سے اسکی ظاہری و معنوی تکمیل شروع ہو جائیگی -

(۲) ان دونوں نمبروں میں متعدد اہم ابواب شروع نہ ہوسکے - اب آئندہ نمبر کی ترتیب ابتدا سے ایسی اختیار کی جائیگی کہ زیادہ سے زیادہ ابواب و اقسام کی گنجایش نکل آئے - خاص مضامین میں سے ملکی و سیاسی مباحث اور باب التفسیر کے مختلف عنوان، اور عام قسم کے مضامین میں سے افسانہ و تاریخ کا حصہ اہم ہے - امید ہے کہ آیندہ نمبر سے شروع ہو جایگا -

(۳) تصاویر کا بھی مطلوبہ ذخیرہ طیار ہوگیا ہے - ٹائپ کے حصہ کے تمام مضامین تقریباً مصور ہونگے - ایک خاص صفحہ صرف تصاویر کا بھی بڑھا دیا جایگا - بعض مضامین کیلئے متعدد رنگون میں چھپی ہوی تصاویر ضروری نہیں - انکی لوحین بھی بنکر طیار ہوگئی ہیں -

(۴) مصر اور جرمنی کا ٹائپ بھی آگیا ہے - امید ہے کہ مزید حسن و زیبائش کا باعث ہوگا -

(۵) عالم شرق و اسلام کے مشاہیر اہل قلم کے متعدد اہم مقالات (علاوہ ہفتہ وار چھٹیوں کے) پچھلی ڈاک میں آگئے ہیں - اور آیندہ درج ہونگے -

(۶) شائقین الہلال سے امید ہے کہ توسیع اشاعت کیلئے پوری کوشش کرینگے، کیونکہ الہلال کے گرانقدر مصارف صرف اسکی غیر معمولی اشاعت ہی سے پورے کیے جاسکتے ہیں -

(۷) رسالہ کی خریداری وغیرہ امور کے متعلق جو خطوط ہوں، براہ عنایت انہیں مولانا ابوالکلام کے نام نہ بھیجئے - اسکی وجہ سے تعمیل میں تاخیر ہو جاتی ہے - براہ راست "منیجر" کے نام سے آنا چاہئیں -

الهلال کا تیسرا دور

باز نوائے بلبـــلاں عشق تو یاد مي دهد !
هر که بعشق نیست خوش عمر به باد مي دهد !

(مقاصد و مطالب)

جب کسي چیز کے اوصاف اسکي خصوصیات کا درجه حاصل کر لیتے هیں تو پهر ذات اور صفات کي تفریق اٹهه جاتي هے - ذات کا تصور هي اوصاف کے تصور کیلئے کافي هوتا هے - الهلال کے ظاهري و باطني اوصاف جتنے بهي تهے اور جیسے اٹهه بهي تهے ' خصوصیات کا درجه رکهتے تهے ' اور اب بهي که گیارہ برس کي کافي مدت گزر چکي هے ' بدستور خصوصیات هیں - پس جهانتک مقاصد و مطالب کا تعلق هے ' اسکي تشریح و تفصیل کي ضرورت نهیں - صرف اسقدر کهدینا کافي هے که الهلال تیسري مرتبه اسلئے نکل رها هے تاکه تیسري مرتبه الهلال نکلے - الهلال کے مقاصد و مطالب کي تشریح میں اگر صفحے کے صفحه لکهڈالے جائیں ' جب بهي اتني وضاحت نه هوسکے گي ' جتني اس ایک جمله میں موجود هے :

تو خود حدیث مفصل بخوان ازین مجمل

لیکن ممکن هے بعض طبیعتوں کیلئے که معاني و حقیقت سے کهیں زیاده صورت و لفظ سے آشنائي رکهتے هیں ' یه کافي نهو اور انکا انتظار باقي رهے ' اسلئے بهتر هوگا که چند الفاظ اس بارے میں بهي حوالۂ قلم کردیے جائیں -

(مقاصد خاص و مقاصد عام)

الهلال جب سنه ۱۹۱۲ - میں نکلا تها تو اس کے پیش نظر کچهه مقاصد تو خاص قسم کے تهے اور کچهه عام قسم کے -

عام مقاصد کا تعلق عام و ادب اور سیاست و صحافت کے عام مباحث سے تها ' اور مقصود یه تها که اردو زبان میں هر اعتبار سے ایک ایسا بلند پایه رساله وجود میں آجائے جو زمانه کي رفتار ترقي کا ساتهه دے سکے ' اور فکر و نگارش کے هر میدان میں ایک نئي قسم کي بلندي پیدا کردے -

خاص مقاصد کا تعلق اس کي " دعوت " سے تها - وه دعوت جو مذهب میں مجتهدانه نظر و فکر کا ایک نیا دروازه کهولتي تهي ' اور سیاست میں آزادي فکر و عمل اور علوئے نظر و رائے کي طرف مسلمانوں کو لیجانا چاهتي تهي - اس کي دعوت کا معامله اس درجه وسیع اور کهرا هے که یا تو صرف مجمل اشاره کیا جا سکتا هے ' یا پوري تفصیل کي جاسکتي هے - ادهوري تفصیل یا تفصیل نما اجمال سود مند نهوگا - اس لئے صرف اشاره پر اکتفا کرتا هوں -

بهر حال اس کے مقاصد کا ایک حصه " دعوت " تها اور یه خاص تها - ایک حصه علم و ادب اور صحافة و کتابة کے اعلی نمونوں پر مشتمل تها اور یه عام تها - اس کي " دعوت " سے اگر قوم کي سیاسي و دیني ذهنیت (مینٹیلٹي) میں انقلاب پیدا کرنا چاها تها ' تو تحریر و کتابت کے اردو ادبیات کي رفتار بدل دینا چاهي تهي - ان دونوں قسموں کے مقاصد میں اسے کهاں تک کامیابي حاصل هوئي ؟ اس کے جواب کا معامله اب تاریخ کے سپرد هوچکا هے - بهتر هے که اس میں مداخلت نه کي جاے -

دنیا اور دنیا کے ساتهه هندوستان گیاره باره برس آگے بڑهچکا هے - سنه ۱۲ اور ۲۷ کے درمیان تغیر و ترقي کي ایک بڑي مسافت حائل هے - تاهم جهانتک الهلال کے عام و خاص مقاصد کا تعلق هے ' صورت حال میں کوئي تبدیلي نهیں هوئي - اسکے لئے اب بهي دونوں میدان عمل ویسے هي منتظر و باز هیں ' جیسے سنه ۱۲ اور ۱۶ میں تهے - اب بهي اسکي " دعوت " کیلئے وقت کي احتیاج راه تک رهي هے - اور اسکي تحریر و کتابة اور آرایش اوراق و صحائف کي جگه بزم سخن میں خالي هے - البته حالات کي تبدیلي نے سفر میں نهیں لیکن منزل کے محل میں ضرور تبدیلي کردي هے - پهلے اگر اسکا سفر ابتدا کے نقطه سے شروع هوا تها تو آپ بعد کي منزلوں سے شروع هونا چاهیے - پهلے دعوت کي ضرورت اسلئے تهي که راه کهلے اور سفر شروع هو - اب که دروازه کهل چکا هے اور قدم بهي رسم و راه سفر سے نا آشنا نه رهے ' اسکي صدائیں اسلئے مطلوب هیں که راه کي مشکلیں حل کي جائیں ' اور سعي و طلب کے جو قدم اٹهه چکے هیں وه بے راهه روي سے محفوظ رهیں :

مرا دو خضر عنان گیر باید از چپ و راست
که گم رهي نه کنم و رنه عزم راه خطاست !

اس سلسله میں اگرچه بهت سي چیزیں اهم هیں اور انهیں جلد از جلد بیان میں آنا چاهئے ' لیکن خصوصیت کے ساتهه تین موضوع وقت کي ضروریات کے اصلي موضوع هیں ' اور اسلیے الهلال کے صفحات پر انکا خصوصیت کے ساتهه انتظار کرنا چاهئے :

(۱) ملک کي موجوده سیاسي زندگي کے عملي مسائل .

(۲) مسلمانوں کي اجتماعي زندگي کا موجوده ذهني اور عملي انتشار جو پچهلي حرکت کے رد فعل (ري ایکشن) کي صورت میں نمایاں هوا ' اور اسکے عملي مسائل و مباحث .

(۳) مسلمانان هند کي قومي و اجتماعي ذهنیت کي تشکیل اور اسکے اهم مباحث .

(الهـــلال کے دیني اور علمي مباحث)

انکے علاوه ایک اور قسم بهي اهم هے - الهـــلال نے اپنے دیني و علمي مباحث میں نظر و تحقیق کا ایک خاص دروازه کهولا تها ' لیکن وه محض ابتدا تهي - ضرورت تهي که ان بنیادوں پر عمارتیں اٹهائي جاتیں - باره سال گزر گئے - لوگ انتظار کرتے کرتے تهک گئے - انتظار و طلب نے مایوسي کي شکل اختیار کرلي - لیکن مجهے مهلت نه ملي که اس کام کي تکمیل و اشاعت کي طرف متوجه هوتا - جو اصحاب علم و ذوق اُن چیزوں کے طالب گار تهے ' اُن پر میري ملکي مشغولیتیں شاق گزرتي تهیں - وه چاهتے تهے ' همه تن الهي کاموں کیلئے وقف هو جاؤں - میں اپني سیاسي مشغولیت ترک کر دینے پر قادر نه تها - اب بهي قادر نهیں هوں - لیکن ساتهه هي یقین رکهتا هوں که نه صرف علمي و دیني تحقیقات کے لحاظ سے بلکه خود قوم کي عملي زندگي کي صحیح نشوونما کیلئے اُن کاموں کي تکمیل سب سے زیاده ضروري هے -

(حکایت برق و خرمن)

اِس بارے میں میرے اجزاء فکر اور اوراق نظر کي پریشان حالیوں کا بھي کچھہ عجیب حال ھے - علم کي زندگي سیاست کي زندگي سے کچھہ اس طرح مختلف واقع ھوئي ھے کہ دونوں کا ایک وقت اور ایک محل میں جمع ھونا بہت مشکل ھے - میري زندگي کي مشکلات میں پہلي مشکل یہ واقع ھوئي کہ میں نے چاھا دونوں کو بہ یک وقت اور بہ یک محل جمع کردوں :

پنبہ را آشتي ایں جا بہ شرار اُفتاد ست !

دراصل ذوق کي وسعت ' طلب کي عدم قناعت ' نظر کي بلند پیمائیاں ' اور فکر کي مشکل پسندیاں نہ تو ایک راہ پر صبر کرسکتي ھیں ' نہ سہل و آسان روشیں اختیار کرسکتي ھیں - دنیا نے فکر و عمل کے الگ الگ گوشے بنائے ھیں ' اور استعداد و صلاحیت کے دائرے بناکر اُن میں لکیریں کھینچ دي ھیں ' تاکہ تقسیم عمل کے حدود قائم ھو جائیں - لیکن یہ تقسیمیں اور حد بندیاں ھمیشہ نہیں چل سکتیں - کبھي کبھي ایسا بھي ھوتا ھے کہ طبیعت کا جوش اور فکر کي وسعت ان چھوٹے چھوٹے خانوں کي تنگ نائیوں میں قانع نہیں رھسکتي ' اور حد بندیاں توڑ کر باھر نکل جاتي ھے - میں فکر کي یکسوئي اور ایک ھي راہ پر پڑ جانے کي آسانیوں سے بے خبر نہیں ھوں - لیکن کیا کروں ؟ مبدۂ ازل نے طبیعتیں تقسیم کرتے ھوئے مجھہ نا مراد کیلیے یہي پسند کیا کہ ھر راہ کي پیمائش اور ھر کوچے کي گردش کا اضطراب اُسمیں ودیعت کردیا جاے - علم کا استغراق اور سیاست کي خود فروشیاں دنیا کیلیے متضاد ھوں تو ھوں ' لیکن میرے لیے تو ایک ھي دماغ کا سودا اور ایک ھي دل کي تپش تھي :

روے دریا سلسبیل و قعر دریا آتش ست !

جہاں تک بن پڑا ' آب و آتش کي اس یک جائي اور برق و خرمن کي اس بہم آمیزي میں کوتاھي بھي نہ ھوئي - سیاسي زندگي کي سرگردانیاں کیسي ھي سخت کیوں نہ رھي ھوں ' لیکن ذھن و فکر کي مشغولیتوں میں کبھي خلل نہ ڈال سکیں - لوگوں نے گوشہ ھائے چمن کے سکون اور کتب خانوں کے بے خلل استغراق میں علم و نظر کے مرحلے طے کیے ھیں ' لیکن یہاں جو کچھہ پیش آیا یہ تھا کہ سیاسي و ملکي صف آرائیوں کے ھنگامے تھے ' یا نظر بندي کي سختیاں اور قید خانے کي کوٹھریاں تھیں - تاھم دماغ اپنے کاموں میں مشغول اور فکر اپني کاوشوں میں سرگرم تھا :

تا دست رسم بود زدم چاک گریباں
شرمندگي از خرقۂ پشمینہ نہ دارم

لیکن اس کارخانۂ طبیعت میں کوئي چیز بھي اپنے قدرتي خواص معطل نہیں کردے سکتي - برق کے لیے گرنا اور خرمن کے لئے جلنا ناگزیر ھے - نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ایک طرف ذوق علم کاغذ و قلم کے انبار لگا رھا تھا ' تو دوسري طرف سیاسي مشغولیت کي آتش افروزیاں بھي اپنے کام میں سرگرم تھیں :

متاعی جمع کن شاید کہ غارتگر شود پیدا !

سنہ ۱۶ - سے لیکر سنہ ۲۱ - تک یکے بعد دیگرے اس طرح کے حالات پیش آتے رھے کہ ایک طرف میں اپنا سرمایۂ فکر جمع کرتا جاتا تھا - دوسري طرف دست برد زمانہ اُنھیں پوري بے دردي کے ساتھہ منتشر کرتا جاتا تھا - اور چونکہ یہ خود اپني اختیار کردہ زندگي کا لازمي نتیجہ تھا ' اس لیے صبر کے سوا چارۂ کار بھي نہ تھا :

ایں کار چو خود کردم ' با خود چہ توانم کرد ؟

(سنہ ۱۶ - سے ۲۱ - تک)

سنہ ۱۶ - میں جب بنگال سے مجھے خارج کیا گیا اور رانچي گیا ' تو یہ وہ وقت تھا کہ البلاغ اور دار الارشاد کي مشغولیت کے ساتھہ میں نے اپنے افکار و تحقیقات کي تحریر و ترتیب بھي شروع کردي تھي - جن امور کي تکمیل و ترتیب پیش نظر تھي ' وہ کسي ایک ھي موضوع سے تعلق نہیں رکھتے تھے - بے شمار گوشے سامنے آتے تھے ' اور ھرگوشۂ نظر میں اس کثرت سے متفرق اور منتشر حقیقتیں نمایاں ھوتي تھیں کہ ان سب کا جمع کرنا ' اور اصول و کلیات کے ماتحت لانا آسان نہ تھا - ضرورت تھي کہ عرصہ تک فکر و کاوش کا معاملہ جاري رھے بہت سي چیزیں ابتدائي شکل میں مرتب ھوئي تھیں - بہت سي نا تمام تھیں - برسوں سے دماغ اس کا عادي ھوگیا ھے کہ ھمیشہ کسي نہ کسي گوشۂ تحقیق کي فکر اور کسي نہ کسي عقدۂ کار کے حل میں مشغول رھتا ھے ' اور اسلیے بے شمار یاد داشتیں جو في الحقیقت کسي نہ کسي معاملۂ علم و تحقیق کي اصولي بنیادیں ھوتي ھیں ' قلم سے نکلتي رھتي ھیں - اُسوقت تک کم از کم ایک ھزار چھوٹے بڑے پرچے تو صرف یاد داشتوں ھي کے سیاہ ھوچکے ھونگے !

تالیف نسخہ ھاے وفا کر رھا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھي فرد فرد تھا !

یہ تمام ذخیرہ ' دماغ کا حاصل اور زندگي کا سرمایہ تھا - اسمیں سے کچھہ حصہ تو اپنے ساتھہ رانچي لے گیا تھا - باقي حصہ کلکتہ کے سکونتي مکان میں چھوڑ دیا تھا - کیونکہ اُسوقت حالات کي رفتار کچھہ عجیب طرح کي تھي - نہیں کہا جاسکتا تھا کہ مستقبل میں کیا پیش آئگا - لیکن جب پانچ ماہ کے بعد حکومت ھند نے میري نظر بندي کے احکام جاري کیے ' تو ایک ھي وقت میں رانچي اور کلکتہ ' دونوں جگہ خانہ تلاشي کي گئي - اور پھر اُس وقت سے لگاتار سلسلہ اس کا جاري ھوگیا - رانچي میں دو مرتبہ اور کلکتہ میں تین مرتبہ یہ معاملہ پیش آیا - کلکتہ میں نہ صرف میرے سکونتي مکان اور مطبع ھي کي تلاشي لي گئي بلکہ اُن تمام مکانات کي بھي لي گئي جہاں کوئي ادنیٰ سا شبہ بھي میرے کاغذات کي موجودگي کا ھوسکتا تھا - کاغذات زیادہ تر متفرق مسودات تھے - یاد داشتیں تھیں - مجمل اشارات تھے - میں عموماً یاد داشت فارسي میں یا عربي میں لکھا کرتا ھوں کیونکہ اردو میں اختصار ممکن نہیں - تلاشي کا کام زیادہ تر انگریز حکام یا بنگالي ماتحتوں کے ذمہ تھا - اگر ان میں کوئي مسلمان تھا بھي تو ٹوٹي پھوٹي اردو کے سوا کچھہ نہیں جانتا تھا - نتیجہ یہ نکلا کہ ھر کاغذ پر اسرار اور ھر سطر سیاسي راز بنگئي ' اور سب کو ایک ڈھیر کي شکل میں جمع کرکے قبضہ میں لے لیا گیا - کاش احتیاط کے ساتھہ جمع کرتے اور احتیاط کے ساتھہ رکھتے - لیکن ان میں کون تھا جسے ان چیزوں کا درد ھوتا ؟ نتیجہ یہ نکلا کہ نصف سے زیادہ اوراق تو تلاشي کے وقت کي بے احتیاطیوں میں ضائع گئے ' اور نصف جو باقي رھے ' انھیں بھي اس بے احتیاطي کے ساتھہ اِدھر اودھر جوڑ دیا گیا کہ کوئي ایک چیز بھي اپني اصلي شکل میں باقي نہ رھي - پھر اس پر طرہ یہ کہ یہ برباد شدہ ذخیرہ بھي پورا واپس نہیں ملا - جو کاغذات کلکتہ سے لیے گئے تھے ' بیان کیا جاتا ھے کہ کچھہ دنوں تک پولیس کمشنر کے دفتر میں رکھے گئے - اتفاقاً وھانکے ایک گوشہ میں آگ لگ گئي - اور دفتر کے سامان کے ساتھہ بعض اوراق بھي جل گئے - پولیس کے دفتر میں آگ بھي لگني تھي تو اُسي وقت ' جب یہ دفتر پریشان وھاں جمع تھا !

گري تھي جسپہ کل بجلي وہ میرا آشیاں کیوں ھو ؟

ان مسودات میں حسب ذیل کتابیں ایک حد تک مرتب تھیں :

تاریخ معتزلہ - سیرۃ شاہ ولی اللہ - دیوان غالب اردو پر تبصرہ - خصائص مسلم - امثال القرآن - شرف جہاں قزوینی پر تبصرہ - مقدمۂ تفسیر کے تا تمام اجزاء - ترجمان القرآن کا مسودہ سورۂ ہود تک - تفسیر البیان سورۂ نساء کے ابتدائی حصہ تک - مضامین اور یاد داشتوں کا ذخیرہ انکے علاوہ ہے - قیام رانچی کے ابتدائی زمانے میں دو رسالے نئے لکھنا شروع کیے تھے - ایک وحدۃ قوانین کائنات پر - دوسرا قانون انتخاب طبیعی اور معنویۃ کائنات پر - انکے اوراق بھی اسی ذخیرہ میں شامل ہوگئے -

اسکے بعد رانچی کی زندگی میں وہاں کی مقامی خدمات سے جسقدر وقت بچا ' تصانیف و تالیف میں صرف ہوا - مقدمہ ' ترجمہ ' اور تفسیر کے بارے میں بہت سی تبدیلیاں فکر و خیال میں ہوگئی تھیں - تقریباً از سر نو کام شروع ہوا تھا - جنوری سنہ ۲۰ - میں اپنا تمام نیا ذخیرہ لیکر رانچی سے نکلا - اس مرتبہ ارادہ کرلیا تھا کہ کم از کم ترجمان القرآن کسی نہ کسی طرح شائع کر دینا چاہئے - اسی خیال سے متن قرآن کی کاپیاں ایک درست عزیز نے اپنے اہتمام و صرف سے لاہور میں لکھوالیں ' اور ترجمہ کی کتابت کا کام بھی ستمبر ۱۹۲۱ - میں شروع ہو گیا -

اگر پانچ چھہ ماہ تک بھی یہ حالت باقی رہتی ' تو باوجود ہر طرح کی سیاسی مشغولیت کی سرگرانیوں کے ' عجب نہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ ایک چیز مکمل ہوجاتی - لیکن اسے کیا کیجیے کہ اگر ایک طرف ان خرمن سازیوں اور سرمایہ اندوزیوں کی کوششیں جاری تھیں - تو دوسری طرف نگاہ برق کی دعوت میں بھی کوتاہی نہیں ہوتی تھی - ۱۰ - دسمبر سنہ ۱۹۲۱ - کو میں گرفتار ہوا ' اور پھر خانہ تلاشیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا - مختلف اغراض سے (جنکی تشریح کا یہ موقعہ نہیں) پے در پے تلاشیاں لی گئیں -

نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف بے شمار مسودات و اوراق ' بلکہ کتابت کی ہوئی کاپیوں کا بھی تمام ذخیرہ پریشان و منتشر ہوکر پولیس کے قبضہ میں چلا گیا - ۶ - جنوری سنہ ۲۳ - کو جب رہا ہوکر واپس آیا ' تو سنہ ۱۹۱۶ - سے لیکر سنہ ۲۰ - تک کی تمام محنت تقریباً رائگاں ہوچکی تھی !

و متی یسا عدنا الوصال و دھرنا * یومان ' یوم نوی و یوم صدود

عرصہ کی ردوکد کے بعد اوراق واپس ملے ' لیکن تمام تر ناقص ' منتشر ' اور برباد شدہ تھے - اب بغیر نئی محنت کے آن کا کوئی حصہ بھی کام نہیں دے سکتا تھا - یہ بربادی پہلی بربادی سے بھی زیادہ ہمت شکن تھی ' لیکن چونکہ خود اختیاری حالات کا نتیجہ تھی ' اس لئے جس طرح پہلی مرتبہ صبر و خاموشی کے ساتھ برداشت کرلی گئی تھی ' اس مرتبہ بھی برداشت کرلینی پڑی - حتی کہ آج سے پہلے شاید اسکا تذکرہ بھی قلم و زبان سے آشنا نہیں ہوا -

جن لوگوں کو تصنیف و تالیف کے معاملات کی خبر ہے ' وہ جانتے ہیں کہ ایک مفکر اور اہل قلم کے لئے یہ بات کتنی مشکل اور اذیت دہ ہوتی ہے کہ اپنی لکھی ہوئی چیز برباد دیکھے اور دوبارہ قلم اٹھانے پر مجبور ہو - مشہور ہے کہ جب کارلائل کی تاریخ انقلاب فرانس کا مسودہ جل گیا ' تو عرصہ تک اس کا یہ حال تھا کہ قلم پکڑتا اور بغیر ایک حرف لکھے چھوڑ دیتا - کارلائل کا حادثہ اتفاقی تھا - اس لیے اسے شکایت زیب دیتی تھی اور اس کی بے شکیبی بھی قابل ملامت نہیں - لیکن مجھے جو حوادث پیش آئے ' اتفاقی نہ تھے - اختیاری تھے - اس لیے دل کے لیے کتنے ہی درد انگیز اور ہمت شکن ہوں ' لیکن دماغ کے لیے ان میں کوئی وجہ شکایت نہیں ہوسکتی تھی - مجھے دونوں مرتبہ تسلیم کرلینا پڑا کہ یا تو اس طرح کی زندگی اختیار نہیں کرنی تھی - یا کی ہے تو پھر اس کے تمام لازمی نتائج گوارا کرلینے چاہئیں - سرمد کا فیصلہ صرف ایک گوشۂ عشق ہی کا نہیں بلکہ انسان کی تمام مصیبتوں کیلئے عام و ابدی فیصلہ ہے :

یا تن بہ رضاء دوست می باید داد * یا قطع نظر ز یار می باید کرد !

قصد کے خلاف اس حصۂ بیان میں بہت طول ہوگیا - مختصر یہ ہے کہ جہانتک میری مذہبی اور علمی تدوینات کا تعلق ہے ' حالات کی رفتار کچھہ عجیب طرح کی رہی ہے - عرصہ کے انتظار و التواء اور بار بار کی تعمیر و تخریب سے طبیعت کچھہ اس طرح اکتا گئی ہے کہ اب نہ تو ترتیب و ضبط کی طرف مائل ہے ' نہ آرائش گفتار اور زینت بیان کا شوق ہے - صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح بھی بنے ' اور جس شکل و حالت میں بھی ممکن ہو ' وہ تمام مطالب و تحقیقات ایک مرتبہ شائع ہو جائیں ' جو اس تمام مدت کی دماغی گردش و جستجو کا نتیجہ ہیں -

چنانچہ اب کہ الہلال تیسری مرتبہ شائع کرنا پڑا ہے ' اسکے صفحات کا ایک خاص حصہ اس مقصد کیلئے بھی وقف رہیگا -

البتہ یہ یاد رہے کہ نہ تو ہر طبیعت ان مباحث کی شائق ہے اور نہ ہر مخاطب انکے بار فہم کا متحمل :

بزم میں اہل سخن بھی ہیں تماشائی بھی !

رسالہ کی حسن ترتیب بھی اسکی متحمل نہیں کہ کوئی ایک ہی قسم کی چیز زیادہ جگہ روک لے - اسلئے ناگزیر ہے کہ حسب گنجائش جستہ جستہ جگہ نکالی جاے ' اور ترتیب اشاعت ایسی اختیار کی جاے کہ صحبت کا ذائقہ بدلتا رہے - ایک ہی سلسلۂ بیان سے طبیعتیں اکتا نہ جائیں -

(عام مقاصد)

لیکن اگر ان خاص مقاصد سے قطع نظر کر لی جاے ' جب بھی عام مقاصد کی ضرورت و اہمیت کا یہ حال ہے کہ اگر الہلال کے درجہ کے دس رسالے بھی ملک میں شائع ہوں جب بھی ضرورت پوری نہوگی -

چند حقیقتیں صاف اور تسلیم شدہ ہیں - یقیناً ان میں دو رایوں کی گنجایش نہیں : موجودہ زمانہ " پریس " اور مطبوعات کا زمانہ ہے - نہ صرف علم و ادب کی ترقی کیلئے بلکہ قومی و اجتماعی زندگی کی نشو ؤنما کیلئے بھی انکا وجود ناگزیر ہے - علم و ادب کی صحیح ترقی بجاے خود قوم کے اجتماعی ذہن و فکر کی ترقی ہے - جیسی جیسی اسکی سطح بلند ہوگی ' اتنی ہی قومی زندگی کی سطح بھی بلند ہوتی جائیگی - جہانتک " پریس " اور صحافۃ (جرنلزم) کا تعلق ہے ' دنیا اسقدر آگے نکل چکی ہے کہ اب دس برس پیشتر کی صحافۃ صدیوں کی پرانی چیز معلوم ہوتی ہے - قومی زندگی کی تعمیر کیلئے ایک بنیاد کی اینٹ زبان ہے - زبان کی ترقی کے لئے پہلی چیز اسکی ادبیات (لٹریچر) ہیں - ادبیات کی نشو ؤنما بغیر اعلی درجہ کے رسائل و مطبوعات کے ممکن نہیں -

یہ ' اور اس طرح کی وہ تمام باتیں جو معروف و معلوم ہیں ' اگر صحیح ہیں ' تو کیا اسکی ضرورت لوگ محسوس نہیں کرتے کہ تمام بر اعظم ہند میں کم از کم ایک رسالہ اردو کا ایسا موجود ہو جو اپنی ظاہری اور باطنی خصوصیات میں دنیا کی ترقی یافتہ صحافۃ کا نمونہ پیش کرسکے ؟

دنیا نے انیسویں صدی کے اوائل میں طباعت و صحافۃ کا کام جس نقطہ پر چھوڑا تھا ' اردو زبان کی صحافۃ سنہ ۱۹۲۷ - میں اس پر قناعت کیے ہوے ہے - آخر یہ حالت کب تک باقی رہیگی ؟



موجودہ ترکي شاعري کا ایک نمونہ

شاعر اور بلبل

موجودہ عہد کے ترک اہل قلم نے جدید ترکي علم ادب کو دو قسموں میں منقسم کر دیا ہے- پہلي قسم "قبل از دستور" کي ہے- دوسري "بعد از دستور" کي - "دستور" سے مقصود سنہ ۱۹۰۸ کا انقلاب ہے جب عثماني پارلیمنٹ قائم ہوئي تھي -

عہد "بعد از دستور" کے شعرا میں ضیاء الدین خسرو زادہ خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں- عالمگیر جنگ سے پہلے انکے کلام کا ایک مجموعہ "نغمۂ فلک" کے نام سے شائع ہوا تھا اور اس درجہ مقبول ہوا تھا کہ فرانسیسي اور طلیاني زبانوں میں بھي اسکا ترجمہ ہوگیا - اب اُنکے کلام کا ایک نیا مجموعہ "نغمۂ ارض" شائع ہوا ہے - "نغمۂ فلک" میں اجرام سماوي کي بزم طرب آراستہ کي گئي تھي - لیکن نغمۂ ارض زمین کے مناظر حسن اور سامان جمال کي طرف دعوت نظر اور صلاے ذوق ہے !

اِس مجموعہ میں پہلي نظم "شاعر اور بلبل" کے عنوان سے ہے اور چار حصوں میں ختم ہوئي ہے - ہم اُسکے ایک حصہ کا ترجمہ آج شائع کرتے ہیں- اُردو کے شائقین ادب اِس سے اندازہ کرسکینگے کہ موجودہ ترکي شاعري کے ذوق و تخیل کا کیا حال ہے ؟

***

"شاعر اور بلبل"

شعراء نے بلبل دیکھي اور اُس سے سوال کیا :

"گانا ختم کرنے کے بعد تیري جگہہ کہاں ہوگي ؟"

بلبل نے جواب مین اپنے شیرین راگ شروع کردیے - سب کے دل گرما گیے- سب کے سر جھک گئے - ایک لمحہ کامل خاموشي میں گزر گیا !

آخر ایک شاعر نے سر اُٹھایا :

"کیسي عجیب چڑیا ہے ! دنیا کي تمام زبانیں سمجھتي ہے - اسي لیے روئے زمین کے سب ملکوں کي سیاحت کر چکي ہے !"

دوسرے نے کہا :

"بے شک یہ تمام زبانیں سمجھتي ہے - لیکن خود ایک ایسي زبان بولتي ہے جسے گو سمجھتے سب ہیں مگر بول کوئي نہیں سکتا —"

سب گردنیں جھکاکر بحر خیال میں ڈوب گئے - پھر کسي نے ایک لفظ بھي نہ کہا !

***

شاعر جمع تھے - رات کا وقت تھا - تاریکي پھیلي ہوئي تھي - چمن زار سے بلبل نکلي - قریب کے درخت پر آبیٹھي دلکش نغمے بلند ہوگئے - ہر شاعر کا سر بے اختیار اُٹھہ گیا -

مجمع پر کامل خاموشي چھائي تھي !

راگ دلفریب اور فضا غمناک تھي !

ایک شاعر کي آنکھیں اشکبار ہوگئیں :

"جا ' جا ' — اُو خوش گلو گویے جا — دوست عزیز — آہ تو نے میرے وطن کے شفاف آسمان کے نیچے پرورش پائي ہے — میرے دل کے دونوں پٹ تیرے لئے کھل گئے — میں تجھسے محبت کرتا ہوں — وطن عزیز اور میرے دوستوں کا حال سنا — مجھے وہ دل کشا باغ و چمن یاد ہیں — وہ بلوري نہر — وہ چھوٹي سي پہاڑ کي چوٹي — زرافشاں کرنوں میں چمکتي ہوئي — وہ آباد شہر' مجھے سب کچھہ ابتک یاد ہے — تیري شیریں آواز نے فراموشي کے بادل میرے دماغ سے ہٹا دیے — یاد داشت رفتہ واپس آگئي — تذکار محزون نے پھر زخم دل بنکر نشتر چبھو دیا - آہ ! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے کان پاني بہنے کا شور سن رہے ہیں — پہاڑوں اور جنگلوں سے پاني لہراتا ہوا باغوں میں چلا آرہا ہے - ہرے بھرے باغ — سرد و شیریں پاني — افسوس ! میں پردیس کي مصیبتیں کیوں جھیل رہا ہوں ؟ رنج و کلفت میں کیوں اسیر ہوں — ؟"

بلبل نے راگ میں جواب دیا :

"آسمان پر سورج چاند کي جوڑي ہمیشہ بني رہے ! ستاروں کي بزم عشرت کبھي برہم نہ ہو ! ہم ہر وقت اُنسے لطف اُٹھاتے ہیں — چشموں کے منہہ ہر انسان کیلئے کھلے ہیں — امیدوں کا طائر میمون ہر دل پر بازو کھولے اُڑ رہا ہے — محبت کي دیوي سب سے ہم آغوش ہونے کو طیار ہے — مسرت کي مقدار لا متناہي ہے — عیش حیات کي صراحي کبھي خالي نہیں ہوئي — کامراني کا جام ہمیشہ سے گردش میں ہے — جتنا جي چاہے پي لو — آخر کار ہم ایک ہي مکان کے صحن میں جمع ہونگے — وہاں ' اُس آخري وطن میں ' اپنے محبوب عزیز کو گلے لگائینگے —"

روتے ہوئے شاعر نے ٹھنڈي سانس بھري اور چپ ہوگیا.

***

دوسرے شاعر کي اکھڑي آواز بلند ہوئي :

"میرے وطن کي سرحدیں کس طرح طے کیں ؟ — خوبصورت چڑیا ! ہم وطنوں نے تجھے کیوں جانے دیا ؟ — کسي نے بھي تجھے نہیں روکا ؟ — کیا تو پھر وہاں جائیگي ؟ — اگر جائیو تو مجھے بھي ساتھہ لیتي جائیو — پھولوں سے لدے پھندے باغ اپنے ساتھہ لے چل! آہ وہ باغ جنکي مخملي زمین پر میري مسین بھیگي تھیں — میں یہاں غمزدہ ہوں — زندگي اور کامراني کا بوسہ حاصل کرنے سے پہلے ہي قبر کي آغوش میں چلا جاونگا - آہ ' زندگي اور کامراني کا بوسہ — نئے چمکتے ہوے آفتاب کا بوسہ — ماہ دو ہفتہ کي سرد اور پر عیش کرنوں سے ہم آغوشي — لیکن میري قبر پر ایک ناتمام آنسو بھي نہیں بہایا جائیگا —"

بلبل نے جواب دیا :

"آفتاب و ماہتاب کي جوڑي سلامت رہے — زندگي میں سب اُنسے مسرت لوٹتے ہیں — ہم سب کے سروں پر آسمان کي نیلي شبنمي تني ہے — ہر دل میں آرزوئیں ہیں — ہر روح

میں امیدوں کا بسیرا ہے — سب کا مسرت میں حصہ ہے — نہ تو سورج کی کرنوں نے کبھی بخل کیا - نہ چاند کی بخشش جمال میں کبھی کوتاہی ہوئی — آخرکار ہم سب ایک ہی چار دیواری میں جمع ہونگے — وہاں اپنے محبوب عزیز کے بوسہ ہاے عشق سے لذت دوام حاصل کرینگے !"

***

عین اُس وقت کالی گھٹائیں ہٹ گئیں - ستاروں کے جھرمٹ میں بدر منیر جھومتا ہوا بر آمد ہوا -

تمام تاریکیاں معدوم ہوگئی تھیں - آسمان کی مجلس شب افروز آراستہ تھی - نور کے فرشتے صف بستہ کھڑے تھے !

ایک شاعر نے دبی زبان سے کہا :

" بلبل اپنی نغمہ سرائی میں صادق اور اپنے زیر و بم میں معصوم ہے — یہ دیکھو ماہتاب سامنے ہے — اُسکی روپہلی چاندنی ہمیں دعوت نشاط دے رہی ہے ! آخر کار دوستوں سے ملاقات یقینی ہے — پھر ہم کیوں رنج کریں ؟ کیا سورج کی چمک ' چاند کی مسکراہٹ ' ستارونکی شب افروزی ' پھولوں کا قہقہہ ' شاخوں کا رقص 'باد صبا کی اٹکھیلیاں ' دریاؤں کی خوش خرامی ' اور پھر فطرۃ کے اس تمام جلوہ زار عیش و جمال کے سامنے اس مطرب کائنات کی نغمہ سنجی ' ہمارے سرور روح کیلیے کافی نہیں ؟ "

سب کے چہروں پر اطمینان کا سکون پھیل گیا - لبوں پر تبسم دوڑنے لگا - گویا اِس طائر میمون نے فکروں کا پہاڑ سر سے گرا دیا -

اب ہجر و فراق کا تلخ جام سب کے سامنے سے ہٹ گیا تھا - عیش دوام کی صراحی سب کے منہ سے لگی تھی !

***

آتش دان کے سامنے ایک بوڑھا چپ بیٹھا تھا - افسردہ نگاہیں آگ پر تھیں - ٹھنڈی سانس لیکر بولا :

" آہ ! میں اِس ایندھن کی طرح ہوں — قریب ہے کہ سب لکڑی جل جائیگی — بالکل جل جائیگی — اِسی طرح میں بھی عنقریب جل جاؤنگا — سر تا سر جل جاؤنگا — "

لیکن فوراً بلبل کی آواز کان میں آئی - مایوس بوڑھا جھنجھلا کر بولا :

" چپ اُو زباں دراز چڑیا چپ — جوانی کے دن یاد نہ دلا — وہ دن جب جسم میں قوت اور چستی تھی — جب نہ آنکھیں دیکھنے سے تھکتی تھیں ' نہ کان سننے سے — خوشی کے دنوں کی یاد تازہ نہ کر — میں اب زندہ اور پر امید انسان کی جگہ ہڈیوں کا ایک ڈھیر ہوں — مجھے پچھلا زمانہ بھول جانے دے — "

بلبل نے جواب دیا :

" ماضی بعینہ مستقبل ہے — اگر مستقبل تاریک ہے تو ماضی کی یاد اُسے روشن کر دیگی — ماضی کی روح پرور نسیم ' حاضر کی گرمی ہلکا کر دیگی — آفتاب زندگی ہر وقت درخشاں ہے — خود ہم اُسے اپنے فکروں کے بادلوں سے چھپا دیتے ہیں — "

ماضی ' حاضر ' مستقبل ' تینوں بوڑھے کے دماغ میں آگئے اور مل جل گئے - دل میں گدگدی پیدا ہوئی - آرزوں کے معطر پھول شگفتہ ہوگئے - وہ پھول جو چالیس برس کی عمر میں کلیوں کی پنکھڑیاں توڑ کر مسکرائے تھے !

بوڑھے نے آہستہ سے کہا :

" بلبل نے سچ کہا — بے شک زندگی کا آفتاب ہر وقت روشن ہے — شباب اور پیری ایک ہی ہے — عاقل پیری کو بھی جوانی بنا سکتا ہے — بشرطیکہ جوانی کا پر جوش پانی بڑھاپے کے ساکن پانی میں ملا دے — مسرت کے دنوں کی یاد سے بڑھکر بھی کیا اس دنیا میں کوئی مسرت ہو سکتی ہے ؟ "

پھر وہ چارپائی پر لیٹ گیا اور بلبل کے نغموں میں بے خبر سو گیا !

مان

(مادری محبت و شعور پر چند خیالات)

" دنیا کا سب سے زیادہ دلکش اور مؤثر منظر کیا ہے ؟ مان کے وجود کا منظر ہے جب وہ اپنے بچہ کو مامتا بھری نظروں سے دیکھتی ہے ! اِس سے زیادہ دلفریب نظارہ کوئی نہیں ہوسکتا کہ ہر قسم کے افکار و خیالات سے خالی الذہن ' سادہ دل بچہ کودتا اچھلتا پھرتا ہے ' اور اُسکی ماں مادرانہ محبت و ہوشیاری سے اُسکی معصومانہ حرکتوں کی نگرانی کر رہی ہے ! " (نامق کمال)

***

" اُس احساس سے زیادہ خوشگوار احساس شاید کوئی نہیں جو ماں کے دل میں اپنے بچہ کے کھلانے کے وقت پیدا ہوتا ہے - اس احساس سے زیادہ الم ناک احساس کوئی نہیں جو ماں اپنے بچہ کو تکلیف میں دیکھکر محسوس کرتی ہے . اِس باب میں عورت ' مرد سے کہیں زیادہ زندگی اور زندگی کی حقیقت کا شعور رکھتی ہے "

" انسان ' باپ سے زیادہ ماں سے متاثر ہوتا ہے - سب سے پہلی صورت جو ہمارے ذہن میں قائم ہوتی ہے وہ ہماری ماں ہی کی صورت ہوتی ہے - ہم زندگی بھر اُس صورت سے متاثر رہتے ہیں - جب ہم حسن کا احساس کرتے ہیں تو ہمارے سامنے اپنی ماں کا وہ چہرہ آجاتا ہے جو ہمیں ہنسایا کرتا تھا - کبھی ہم اُسی کے خط و خال کو نا دانستہ حسن کا معیار قرار دیتے ہیں - ہم اپنی ماں کے کس قدر مزاج داں ہوتے ہیں ؟ صرف اُس کی آنکھیں دیکھکر ہم سمجھ جاتے ہیں کہ وہ خوش ہے یا ناخوش ' حالانکہ ہم بالکل بچہ ہوتے ہیں اور ہمارا سادہ ذہن دنیا کی کوئی بات بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا " (بوفی)

***

" دنیا کی کوئی زبان بھی مادری محبت کی قوت ' خوبصورتی ' اور بہادری کو الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی - مرد جھجک کر رہ جاتا ہے - اُس کی قوت جواب دے جاتی ہے ' مگر ماں اپنے بیٹے کی محبت میں کبھی کمزور اور سست نہیں پڑتی - ماں ہمیشہ امانت و اخلاص کا ستارہ بنکر زندگی کے اِس صحرا میں اپنے بچے کی رہنمائی کرتی رہتی ہے " (شاپن)

***

" باپ بے اعتنائی کرسکتا ہے - بھائی دشمن بن سکتا ہے - زن و شو میں عداوت پیدا ہوسکتی ہے - لیکن ماں کی محبت میں کبھی فتور نہیں پڑ سکتا - وہ زندگی بھر یکساں حالت میں تر و تازہ رہتی ہے - لڑکا کتنے ہی قصور کرے ' ماں کی محبت برقرار رہتی ہے - وہ ہمیشہ آس لگائے بیٹھی رہتی ہے کہ کسی نہ کسی دن اُس کا لخت جگر نادم ہوکر اُس کی شفقت بھری گود میں ضرور آجائیگا - ماں زندگی بھر بچہ کی مسکراہٹ یاد رکھتی ہے - وہ مسکراہٹ جو اُس کے سینہ کو مسرت سے لبریز کردیتی تھی ! اِس یادکی موجودگی میں وہ کسی طرح بھی اپنی مادری محبت سے دست بردار نہیں ہوسکتی " (واشنگٹن ارونگ)

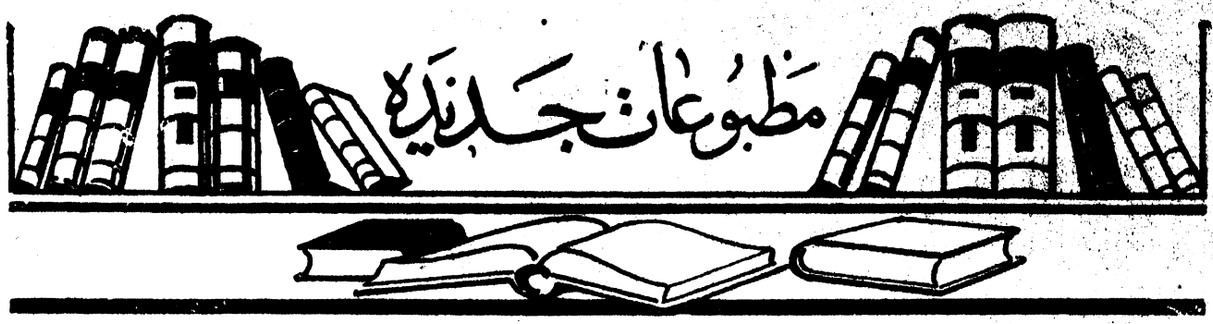

کیا یورپ میں عربي نسل موجود ھے ؟

مندرجۂ صدر سوال کے جواب میں ڈاکٹر احمد شاھین ایک مصري اھل قلم نے ایک دلچسپ کتاب شائع کي ھے جو مصر کي تازہ ڈاک میں آئي ھے - اِس میں مختلف تاریخي اور جغرافیائي مصادر سے ثابت کیا ھے کہ اسوقت تک براعظم یورپ کے مختلف مقامات میں عربي نسل کي آبادیاں موجود ھیں - غالباً اس موضوع پر یہ پہلي کتاب ھے جو تاریخي تحقیقات کا ایک نیا میدان اھل نظر کیلئے مہیا کرتي ھے - مصنف نے فرانس کي عربي النسل آبادي کے بارے میں جو کچھ لکھا ھے، ھم اس کا خلاصہ یہاں ترجمہ کر کے درج کرتے ھیں :

"ساتویں صدي کے اوائل میں عربوں نے فرانس پر حکمراني کي تھي - کاسوں کے علاقہ پر اُنکا پورا قبضہ تھا اور یگور، روینگ، جیود، وان ڈگلے، لورا، اور وادي رون تک اُنکي فوجیں بڑھتي رھتي تھیں - اُنکا سب سے بڑا حریف ڈیوک ڈاکٹن تھا، اور برابر مقابلے کر رھا تھا - لیکن جب اُسکا ایک نیا دشمن پرنس چارلس مارٹل پیدا ھو گیا، تو اُس نے عربوں سے صلح کرلي اور اپني لڑکي عرب سپہ سالار عثمان بن علي سے بیاہ دي - اِسکے بعد سنہ ۲۵۵ ھ میں خود عربوں میں پھوٹ پڑ گئي - سپہ سالار عثمان نے خلیفۂ اندلس سے الگ ھو کر خود مختاري کا اعلان کر دیا - خلیفہ نے اُسکي سرکوبي کیلیے ایک فوج گراں بھیجي - اھل یورپ نے یہ حالت دیکھي تو باھم متفق ھوکر عربوں کے مقابلہ پر آ گئے اور "بواتیہ" کا تاریخي معرکہ واقع ھوا - عربوں کو شکست ھوئي، اور وہ فرانس میں ھرطرف بھاگ نکلے - فرانس کے عام باشندوں نے انکے ساتھ بد سلوکي نہیں کي، بلکہ مفروروں کا گرم جوشي سے خیر مقدم کیا - اُنکي شرافت، نیکي، اور اخلاق کي شہرت وہ مدت سے سنتے آئے تھے .

فرانسیسیوں کا یہ حسن ظن آج تک باقي ھے - دیہاتوں میں ابتک عربوں کي شجاعت اور فیاضي کي داستانیں پھیلي ھوئي ھیں جب کاموں سے فارغ ھوکر فرانسیسي کسان رات کے وقت بیٹھتے ھیں تو یہ پراني کہانیاں ایک دوسرے کو سنایا کرتے ھیں .

مقام کونٹر-کسویل کے قریب ایک گاؤں "کرنبلیہ" نام موجود ھے - یہاں کے باشندے عام فرانسیسیوں سے بالکل علحدہ زندگي بسر کرتے ھیں - اُنسے رشتہ داریاں بھي منظور نہیں کرتے - اِنکي زبان بھي خاص ھے دوسرے لوگ اُسے نہیں سمجھتے - کیونکہ اُس میں عربي الفاظ بکثرت موجود ھیں - یہ لوگ شادي کي تقریب میں فرانسیسیوں کي طرح ناچ - جلسے بھي نہیں کرتے - اپني عورتوں کو باھر نکلنے سے بھي روکتے ھیں - اُنکي اکثر عورتیں ابتک برقعہ پہنتي ھیں .

فرانس کے اندروني علاقوں میں بکثرت ایسے دیہاتي موجود ھیں جو اپنے رنگ، ذھانت، اور محنت و مشقت میں عام فرانسیسیوں سے بالکل مختلف ھیں - یہ لوگ بھي دراصل عربي نسل سے ھیں - ملک کي آب و ھوا نے اُنپر زیادہ اثر نہیں ڈالا - صرف زبان بدل گئي ھے - تاھم "اللہ" کا تلفظ اسوقت تک صاف کرتے ھیں - اِس لفظ کا استعمال اُنکي زبان میں عام ھے - اور بھي بہت سے عربي لفظ اُنکي بول چال میں موجود ھیں .

یہي باعث ھے کہ مشہور فرانسیسي مورخ مسیر جیمو نے لکھا ھے :

"جب کسي کسان کو دبلا، سانولا، تیز نظر، اور جري پاؤ، تو سمجھہ لو کہ وہ قدیم عربوں کي نسل سے ھے"

ایک دوسرا مورخ تصریح کرتا ھے :

"میں نے بہت سے فرانسیسي کسان ایسے دیکھے ھیں جنکے نام ابتک عربي ھیں - مثلاً فتح اللہ، عبد اللہ، باب اللہ وغیرہ - اُن کي زبان بھي عربي ھے اگرچہ بگڑ گئي ھے - میرے سوال پر اُنھوں نے بتایا کہ اُن کا نسب محفوظ ھے اور یہ کہ وہ عربي النسل ھیں"

ڈرسب اور ڈوردان برگے کے علاقوں کے باشندے ابتک عربوں کو یاد کرتے اور اُن کي بڑي تعریفیں کرتے ھیں - وہ تمام قدیم آثار اور شکستہ قلعوں کو عربي بتاتے ھیں - مغربي اور متوسط فرانس میں ابتک بہت سي عربي یادگاریں مثلاً پھاٹک اور کنوئیں وغیرہ موجود ھیں - اُن کے نام بھي عربي ھیں - اگرچہ اُنھیں فرانسیسي لب و لہجہ نے مسخ کر ڈالا ھے .

تاریخ، عربي فتوحات کي برکتوں کے ذکر سے لبریز ھے - اُنھوں نے صرف یہي نہیں کیا کہ اُن تاریک زمانوں میں علم کا نور فرانس میں پھیلایا بلکہ ھر طرح کي تمدني اصلاحات بھي جاري کیں - چنانچہ آب پاشي کے ذرائع اُنھي نے مہیا کیے اور باشندوں کو اُنسے فائدہ اٹھانے کے طریقے سکھائے - مختلف قسم کے غلے لے گئے اور اُنکي کاشت رائج کي - الپس کے پہاڑوں پر عمدہ گھاس مویشیوں کیلئے اُنھي کي پیدا کي ھوئي ھے - اوبوسوں کے علاقے میں دري اور قالین بننے کے کارخانے قائم کئے - کورڈین نامي گاؤں میں ابتک اِن کارخانوں کے عرب مزدوروں کي نسل موجود ھے - عربوں کے جانے سے پہلے فرانسیسي کشتي اور جہاز بنانا نہیں جانتے تھے - عربوں ھي سے اُنھوں نے یہ فن سیکھا - موسیر فرومنین اور گیلرمیہ وغیرہ مورخین نے اپني کتابوں میں ثابت کیا ھے کہ اھل فرانس نے فن تعمیر بھي عربوں ھي سے سیکھا تھا - اِسکا زندہ ثبوت ابتک موجود ھے - فرانس کا موجودہ فن تعمیر صاف بتا رھا ھے کہ عربي ذوق اُس میں کار فرما ھے"



برقي مچھلیاں

حکمت الہي کي کارفرمائیاں بھي کیسي عجیب و غریب ھیں! انسان نے لاکھوں برس کي سراغ رسانیوں کے بعد کائنات کي ایک سب سے بڑي قوت کا کھوج لگایا جسکا نام قوت برق ھے - یہ قوت آج اُس کي کاربرارہوي کا سب سے بڑا خزانہ ھے - زمین اِس سے روشن ھوتي ھے - آسمان پر طیارے اسي کے ذریعہ اُڑتے ھیں - سواري کیلئے سب سے بڑا مرکب یہي ھے - کارخانوں کیلئے سب سے بڑي قوت حرکت اسي سے ملتي ھے - خبر رساني میں اسي کي پیغام بري پر آج بحر و بر کا دار و مدار ھے - زمین کي طاقت کے تمام خزانے خالي ھو جائیں' لیکن اس لازوال خزانے کے ختم ھو جانے کا کبھي اندیشہ نہیں -

لیکن جب انسان نے اس عجیب خزانۂ قوت پر قبضہ کر کے فخر و غرور سے سر اُٹھایا' تو قدرت نے اپنے پردۂ اسرار کا ایک نیا گوشہ کھول دیا - انسان نے دیکھا اور دیکھکر ششدر رھگیا کہ جس چیز کو وہ اپني طاقتوں کا سب سے بڑا خزانہ سمجھکر اسقدر مغرور ھو رھا ھے' وہ قدرت کے کارخانۂ حیات میں اس سے زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتي کہ چند حقیر اور مجہول جانوروں کے جنگ و شکار کا ایک معمولي سا ھتیار ھے !

قدرت نے ھر جاندار کو اُسکي غذا کے حصول کیلئے مختلف قسم کي قوتیں اور طرح طرح کے آلات دیے ھیں - کسي جانور کے پاس بڑے بڑے پنجے ھیں - کسي کے پاس لنبے لنبے دانت ھیں' کوئي سینگ کے ھتیار سے لڑتا ھے' کوئي اپني تیز سانس کے ذریعہ اپنا شکار کھینچ لیتا ھے - ایساھي ایک ھتیار برقي قوت کا خزانہ (بیٹري) بھي ھے - جن جانوروں کے پاس یہ خزانہ ھے' وہ اسے ایک ھتیار کي طرح کام میں لاتے ھیں - جب اُنکا شکار قریب آتا ھے' تو برقي قوت کي لہر اسے بے ھوش یا شل کرکے ڈالدیتي ھے' اور وہ اسے بہ آساني اپنا نوالہ بنا لیتے ھیں !

ان جانوروں کا برقي خزانہ انکے دوران خون کي حرکت سے کچھہ ایسا عجیب تعلق رکھتا ھے کہ ھمیشہ برقي قوت اس سے حاصل ھوتي رھتي ھے - قوت کي تیزي اور اجراء کیلئے معرک کي ضرورت ھے - یہ کام اُنکے جوش اور غضب کے ھیجان سے لیا جاتا ھے - جونہي وہ جوش میں آتے ھیں' غضب و ھیجان کي حرارت برقي خزانہ کیلئے تازہ قوت بہم پہنچا دیتي ھے' اور برقي لہریں تیزي کے ساتھہ اُٹھنے اور ٹکرانے لگتي ھیں !

ان جانوروں میں سب سے زیادہ عجیب برقي مچھلیاں ھیں - آج ھم انکي بعض اقسام کي تشریح کرتے ھیں - یہ تشریح اُس دلچسپ اور محققانہ مضمون سے ماخوذ ھے جو رسالہ سائنٹفک امریکن کي پچھلي اشاعت میں شائع ھوا ھے -

(پر اسرار جانور)

سنہ ۱۸۸۲ء کے موسم سرما میں جب پروفیسر ڈیوڈ اسٹار جارڈن مقام کي ویسٹ Key west کي مچھلیوں کي اقسام و عادات کي تحقیق میں سرگرم تھا' تو ایک سیاح ایک چھوٹي سي مچھلي اپنے ھاتھہ میں لئے اُس کے دفتر میں وارد ھوا اور ایک دلچسپ قصہ بیان کیا - اُس نے کہا میں نے یہ مچھلي ساحل کے قریب دیکھي تھي - میں نے اُس کے جسم میں چاقو بھونکدیا' مگر جوں ھي چاقو کا لوھا اس سے مس ھوا' ایک سخت صدمہ میں نے محسوس کیا اور میرا بازو شل ھوگیا !

برقي مچھلي کا یہ پہلا انکشاف تھا -

(تارپیڈو مچھلي)

یہ مچھلي اُس جنس کي تھي جسے اب ٹارپیڈو Torpebo یا برقي رے (Electric ray) کہتے ھیں - اس جنس کي بھي یہ سب سے چھوٹي قسم کي مچھلي تھي - بہاما (Bahama) اور مغربي کي (Key west) کے مقامي ماھیگیر اسے " نمب فش " (numb fish) یعني شل کردینے والي مچھلي کہتے ھیں - قدیم زمانے میں اس طرح کي مچھلیاں جن اور بھوت کا جامہ بہ آساني پہن لیتي ھونگي - معلوم نہیں الف لیلہ کے سند باد کا کبھي ان دریائي بھوتوں سے سابقہ پڑا تھا یا نہیں ؟

ان مچھلیوں کا جسم بہت نرم' جسم کي ساخت مدور' اور کھال ھموار اور چکني ھوتي ھے - یہ برقي مچھلیاں تمام گرم سمندروں میں ساحل کے قریب پائي جاتي ھیں - ان کي دو قسمیں جو امریکہ کي ریاستہاے متحدہ میں کمیاب ھیں' بحر اطلس اور بحر الکاھل کي ٹارپیڈو کہلاتي ھیں - اُنکا طول تین فٹ تک ھوتا ھے اور وزن ایک من دس سیر سے زیادہ نہیں ھوتا - رنگ عموماً سیاہ ھوتا ھے - عام طور پر غذا کے لئے استعمال نہیں کي جاتیں -

تمام تارپیڈو مچھلیوں کا برقي آلۂ ساخت ایک ھي وضع کا ھوتا ھے - یہ آلہ ایک بڑي تھیلي کي طرح ھوتا ھے جس میں شہد کي مکھیوں کے چھتے کي طرح چھوٹي چھوٹي شش پہل کوٹھریاں بني ھوتي ھیں - بڑي جنسوں میں ایسي کوٹھریاں چارسو تک دیکھي گئي ھیں - اس طرح کي تھیلیاں کھال کے نیچے' سر کے دونوں جانب' آنکھوں کے پیچھے' اور بازؤں یا پیروں کے جڑ سے ملي ھوئي پائي گئي ھیں - اس تھیلي کي ھر کوٹھري گویا جسم کے پٹھوں کي ایک تبدیل شدہ صورت ھے - وہ ایک شفاف اور متحرک گاڑھے قوام (Jelly) سے بھري ھوتي ھے -

تارپیڈو مچھلي میں اس تھیلي کا برقي خزانہ سب سے بڑا ھوتا ھے - وہ اپنے دشمن پر اسي ھتیار سے حملہ کرتي اور اُسے شل کردیتي ھے - چاقو' برچھي' تلوار سے اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دھات کي اشیاء فوراً برقي لہر قبول کرلیتي ھیں اور اُن کے

ذریعه جسم انسانی تک پہنچ جاتی ہیں - یہ اثر اگرچہ خطرناک نہیں ہے مگر کافی دہشت طاری کردیتا ہے - اس مچھلی کی برقی قوت ایک مرتبہ عمل کرنے کے بعد پھر عارضی طور پر جاتی رہتی ہے اور جب تک مچھلی عرصہ سکون و آرام کی زندگی بسر نہ کرلے کام نہیں دیسکتی .

ٹارپیڈو کی تقریباً بیس قسمیں گرم اور نیم گرم سمندروں کے متفرق حصوں میں پائی جاتی ہیں .

(نیل کی برقی مچھلی)

برقی مچھلیوں کی دوسری جنس دریاے نیل میں پائی جاتی ہے ' جس کو علمی اصلاح میں الکٹریکس مالیپٹیروروس (Electricus Malapterurus) کہتے ہیں - اس کی صورت ٹارپیڈو مچھلی سے مختلف ہے - یہ ایک چھوٹی سی مضبوط روغن‌دار مچھلی ہے جس کی کھال چکنی اور پر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں - اسکی مونچھیں بھی ہوتی ہیں مگر چھوٹی - بھورے جسم پر چھوٹے بڑے سیاہ داغ ہوتے ہیں - اس مچھلی کا بھی برقی آلہ تقریباً تار پیڈو مچھلیوں کی طرح ہوتا ہے .

(ستارہ بیں)

برقی مچھلیوں کی تیسری قسم داغدار ہے - اس کا اصطلاحی نام ایسٹروسکوپس گوٹیٹس (Astrascopus guttatus) ہے - اسکی شکل سب سے علیحدہ اور عجیب ہوتی ہے - یہ ایک چھوٹی مگر قوی الجثہ مچھلی ہے جو تک دم لمبی اور صورت میں مینڈک سے مشابہ ہوتی ہے - اسکا سر بڑا اور اوپر کی طرف چپٹا ہوتا ہے - اسکے ٹھوس اور کھردرے بدن پر چھوٹے چھوٹے چھلکے ہوتے ہیں - جسم کے اوپر کا حصہ چھوٹے چھوٹے گول داغوں سے بھرا ہوتا ہے -

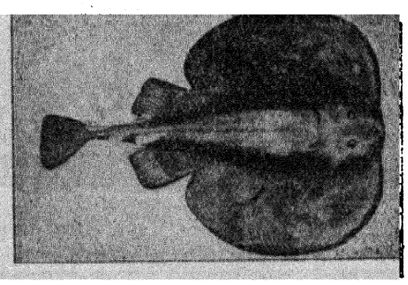

ٹارپیڈو برقی مچھلی

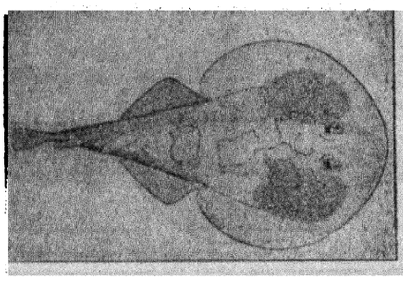

ٹارپیڈو کا برقی خزانہ ایکس رے کی تصویر میں

اس کی اصلی خصوصیت اُسکے سر کی ساخت ہے - یہ سر ایک مربع بکس کی طرح ہوتا ہے - دونوں آنکھیں سرے پر اس طرح لگی ہوتی ہے کہ ادھر اودھر یا نیچے نہیں دیکھ سکتیں یہی وجہ ہے کہ اسکا نام ستارہ بیں (Star gazer) رکھا گیا ہے -

اس مچھلی کی آنکھوں کے پیچھے چکنے چمڑے کے دو چھوٹے چھوٹے خزانے ہوتے ہیں - پرنسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر اُلرک ڈاہلگرن (Ulric Dahlgren) نے اس برقی خزانے کے اجزاء کا مطالعہ کیا - برقی آلہ کی ساخت بالکل نئی وضع کی ہے - اس میں بہت سے مسطح پرت مساوی مقدار کے ہوتے ہیں جنکو الکٹروپلیکس (Electroplax) کہتے ہیں ' اور ہر دو پرتوں کے درمیان ایک گاڑھا قوام ہوتا ہے - ستارہ بیں کی بہت سی دوسری قسمیں جاپان اور یورپ کے ساحلوں پر ملتی ہیں - چونکہ یہ مچھلیاں گوشت خوار ہیں ' اسلئے قرینہ یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں برقی صدمے سے بیحس ہوکر انکے وسیع دھانے کا نوالہ بن جاتی ہونگی -

(برقی ایل)

جس مچھلی میں سب سے زیادہ برقی قوت ودیعت کی گئی ہے وہ برقی ایل (Eel) ہے جسکا اصطلاحی نام الکٹریکس الکٹروفورس (Electricus Electroforus) ہے - یہ مچھلی برازیل اور گائنا کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے - ایل مچھلی کو ہندوستان میں بام مچھلی کہتے ہیں اور کھائی بھی جاتی ہے - برقی ایل اگرچہ اپنی لمبی اور سانپ نما شکل میں بام مچھلی سے مشابہ ہوتی ہے مگر علم حیوانات کی تحقیقات میں اسکی باطنی ساخت بام سے مختلف ہے -

برقی ایل اپنی برقی قوت میں تمام برقی مچھلیوں سے زیادہ طاقتور ہے - یہ برقی آلات کے دو جوڑے رکھتی ہے اور دونوں میں بہ کثرت چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہوتی ہیں اس برقی آلہ کا ایک جوڑا اسکی دم کے اوپر ہوتا ہے ' دوسرا پچھلے پیروں کی جڑ میں - برازیل کی برقی ایل کی لمبائی چھ فٹ تک ہوتی ہے - اس کا برقی صدمہ ایسا تیز و شدید ہوتا ہے کہ مس ہوتے ہی جسم کو بالکل شل کردیتا ہے .

ڈاکٹر ایم ' ای ' بلاک (M. E. Block) نے مچھلیوں کی طبعی تاریخ (Natural History) میں برقی ایل پر متعدد تجربوں کا بیان کرتے ہیں - ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مچھلیاں جب سکون و عافیت میں ہوتی ہیں تو برقی صدمہ نہیں پہونچاتیں ' لیکن اگر انہیں چھیڑ کر یا انگیختہ کردیا جاے تو تیز برقی لہر اٹھنے لگتی ہے - انہیں جسقدر سخت غصہ آیگا ' اُتنا ہی زیادہ برق کا صدمہ بھی شدید ہوگا - جب یہ اپنی آزادی کی حالت میں پانی کے اندر ہوتی ہیں تو ان میں برقی قوت زیادہ رہتی ہے ' مگر جب قید کرلی جاتی ہیں تو گھٹ جاتی ہے -

جب برقی مچھلی مرنے لگتی ہے تو اسکی برقی قوت بھی کم ہوتی جاتی ہے - یہانتک کہ مرنے کے بعد بالکل زائل ہوجاتی ہے - ان مچھلیوں کی برقی لہر دھات کی اشیا اور تمام برق پذیر conductor اشیاء میں فوراً سرائت کرجاتی ہے مگر شیشہ اور ریشم پر اثر نہیں کرتی - چھوٹی مچھلیاں ان سے مس ہوتے ہی شل ہو جاتی ہیں اور یہ بہ آسانی اُن کا شکار کرلیتی ہیں .

بعض لوگوں نے دعوا کیا ہے کہ اگر دھات کے دو ٹکڑوں سے یہ مچھلی چھو دی جائے تو دونوں ٹکڑوں کے درمیان ایک برقی شرارہ پیدا ہوجائیگا - مگر یہ دعوی ابھی تجربے کا محتاج ہے - ایک ماہر بیان کرتا ہے کہ اٹھائیس آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر حلقہ میں کھڑے ہوگئے ' اور اس حلقہ کے ایک سرے پر برقی ایل کا جسم چھو دیا گیا - معاً حلقہ کے تمام آدمیوں کو اسی طرح کا برقی صدمہ محسوس ہوا جیسا کسی بہت بڑے برقی آلہ کے استعمال سے ہو سکتا ہے !

عالم شرق و اسلام

حج سنہ ۱۳۴۵

" وادي غير ذي زرع " میں قوموں کا ہجوم از ملکوں کا اتصال !

و اذن في الناس بالحج یاتوک رجالاً وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق !

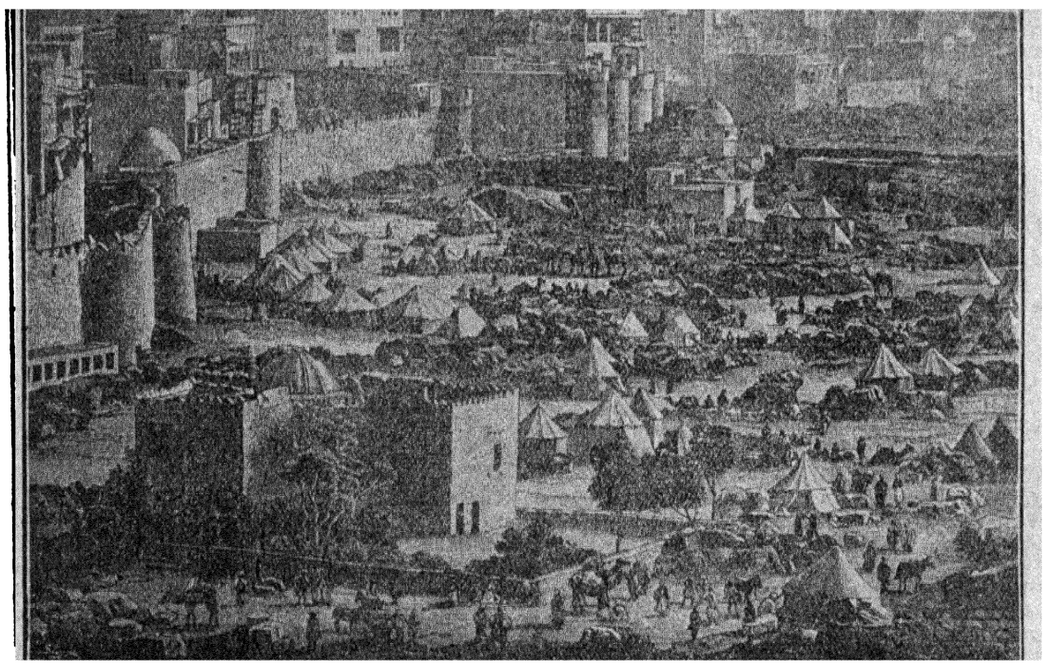

منیٰ میں حاجیوں کا پڑاؤ

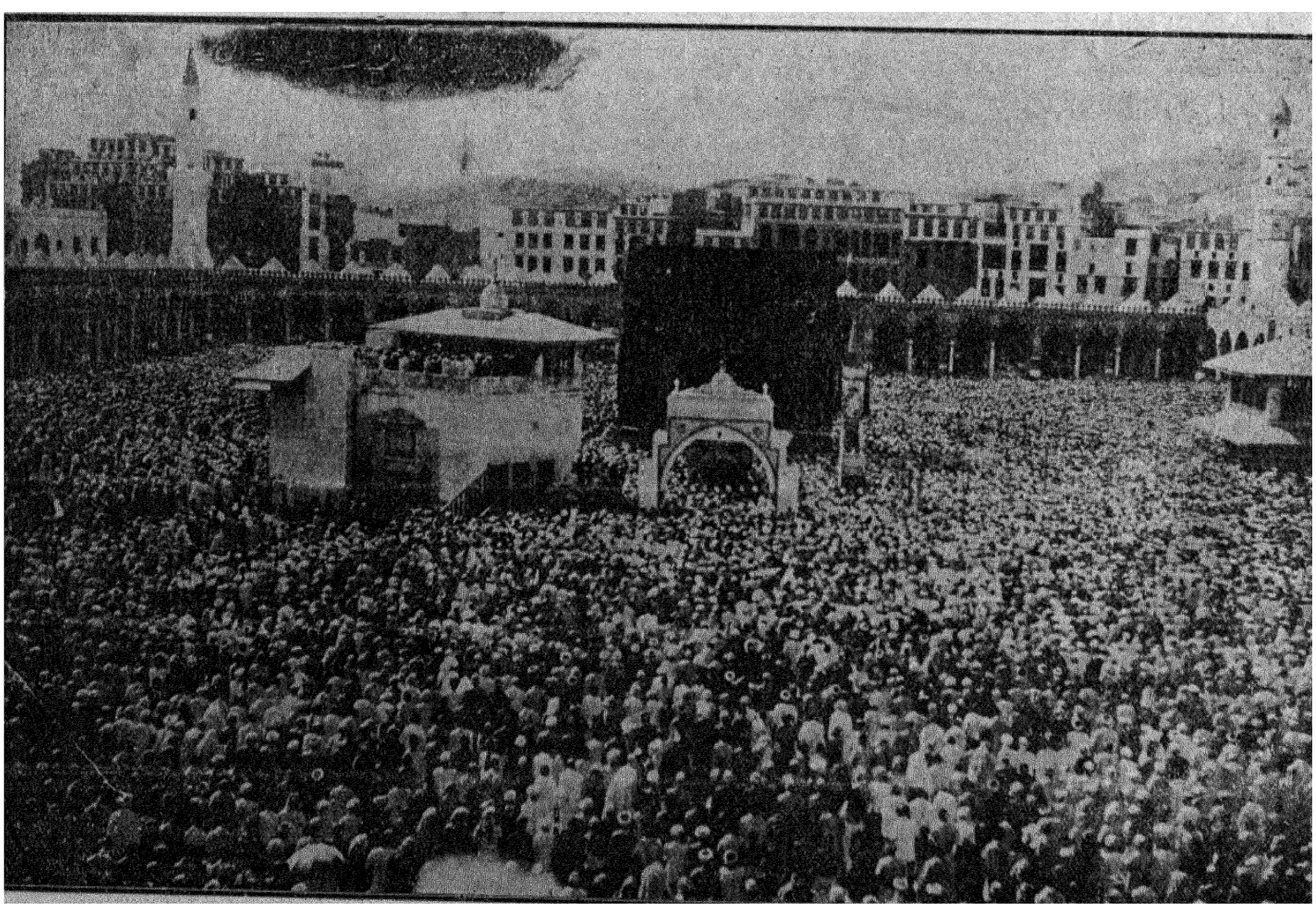

موسم حج میں مسجد حرام کا اجتماع جمعہ

موجودہ زمانے کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بتلائی جاتی ہے کہ علوم و تمدن کی ترقی اور سیر و حرکت کے حیرت انگیز وسائل نے قوموں اور ملکوں کا تفرقہ دور کر دیا ہے ' بحر و بر کے فاصلے مل گئے ہیں ' اور ساری دنیا ایسی ہوگئی ہے ' جیسے ایک مسلسل آبادی کے مختلف محلے اور حصے ہوتے ہیں !

لیکن اس پر بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ قوموں اور ملکوں کے مکان کا تفرقہ جسقدر کم ہوتا جاتا ہے ' دل اور دماغ کا تفرقہ اُتنا ہی بڑھتا جاتا ہے - جسقدر تیزی سے بیسویں صدی کی موٹریں اور طیارے دوڑ رہے ہیں ' اُتنی ہی تیزی سے قوموں کے دل بھی ایک دوسرے سے برگشتہ ہو رہے ہیں !

لیکن اب سے تیرہ سو برس پہلے جب دنیا موجودہ زمانے کے تمام وسائل قرب و اجتماع سے محروم تھی ' بحر احمر کے کنارے ' ریگستان عرب کے وسط میں ' حجاز کی " غیر ذی زرع اور بے زراعت وادی " کے اندر ' ایک صداء اجتماع بلند ہوئی ' اور نسل انسانی کے منتشر افراد کا ایک نیا گھرانا آباد کیا گیا - انسانی اجتماع و یگانگت کی یہ پکار صرف اتنا ہی نہیں چاہتی تھی کہ ملکوں کی سرحدیں اور جغرافیہ کی حدیں ایک دوسرے سے قریب ہوجائیں '

الہلال کے مقالہ نگار مقیم جدہ ۲۸ مئی کے مراسلہ میں لکھتے ہیں :

" آجکل بحر احمر کا یہ ساحلی مقام تمام کرۂ ارضی کے انسانوں کا مرکز بن گیا ہے - خشکی اور تری ' دونوں راہوں سے قوموں اور ملکوں کے قافلے پہنچ رہے ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جدہ کی زمین شق ہوگئی ہے اور انسانوں کے انبوہ اُگل رہی ہے -

اخبارات سے آپکو معلوم ہوچکا ہوگا کہ برطانی نمایندہ جدہ میں مقیم تھا تاکہ سلطان ابن سعود سے نئے معاہدہ کے مواد پر گفتگو کرے - نمایندہ کے ساتھ سکریٹروں کا بھی ایک پورا اسٹاف تھا - ایک دن میں نے مغرب کی نماز ساحل کی رینگ پر ادا کی جہاں بعض رؤساء جدہ نے کلب کی طرح ایک روزانہ [illegible] الصلوۃ " کے نام سے قائم کر رکھا ہے - نماز کے بعد جب میں لوٹا اور بازار کے قریب پہنچا ' تو کیا دیکھتا ہوں برطانی نمایندہ کے اسٹاف کے چند [illegible] بازار کے نظارہ میں غرق ہیں - ان میں ایک شخص مسٹر رابرٹس بھی تھے جن سے میں ایک دو مرتبہ مل چکا تھا میں نے انسے پوچھا " آپ کس چیز کے نظارہ میں اسقدر دلچسپی لے رہے ہیں ؟ " انہوں نے کہا :

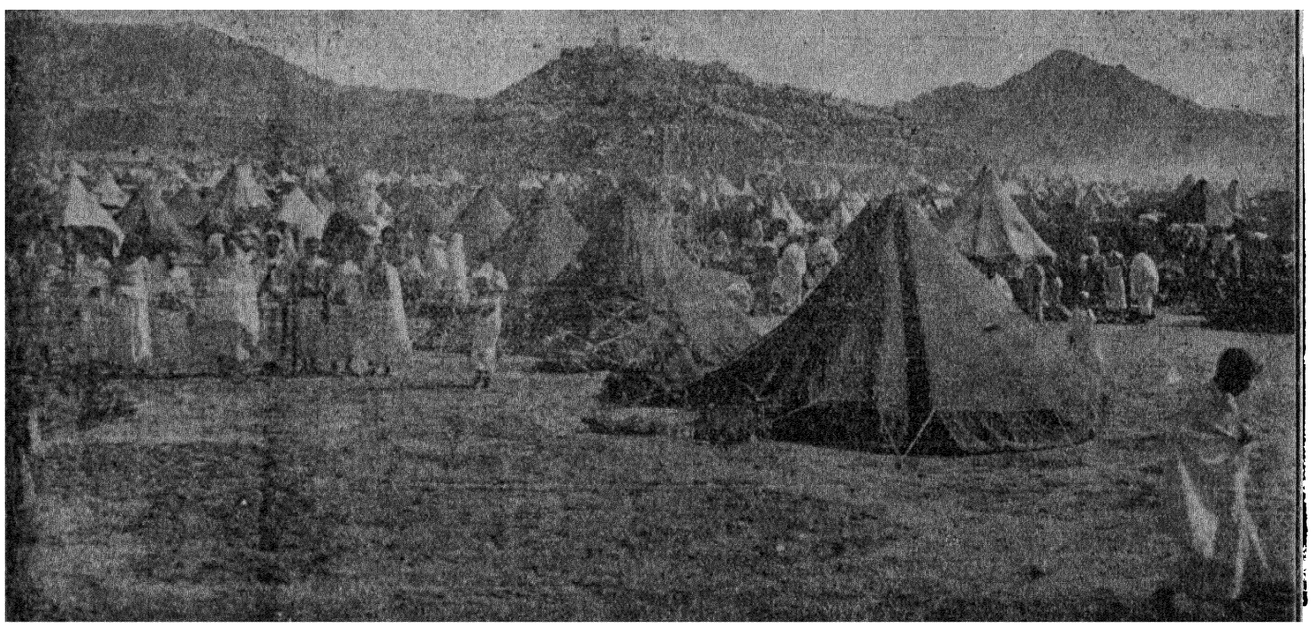

عرفات میں حاجیوں کا اجتماع !

بلکہ اس کا مقصد نسل انسانی کے بکھرے ہوئے دلوں اور برگشتہ روحوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دینا تھا -

یہ پکار سنی گئی - کرۂ ارضی کے سارے گوشوں اور خشکی اور تری کی ساری راہوں سے اس پکار کی بازگشت بلند ہوئی - انجن اور برق کی برق رفتار سواریوں کے ذریعہ نہیں ' تار اور لاسلکی کے گاڑے ہوئے ستونوں پر سے نہیں ' بلکہ دل کے اعتقاد اور روح کے ایمان کے ذریعہ اُسکی پکار سب نے سنی ' اور اسکی پکار کا جواب سب کی زبانوں سے نکلا !

یہ اسلام کی پکار تھی ! یہ اسلام کا فریضۂ حج تھا !

اس نے ملکوں کو ایک دوسرا دیدیا ' قوموں کو جوڑ دیا ' نسل اور زبان و مکان کے سارے تفرقے دور کردیے ' گورے کو کالے کے ساتھ اور بادشاہ کو فقیر کے ساتھ ایک ہی مقام میں ' ایک ہی وضع و لباس میں ' ایک ہی صورت و اعتقاد کے ساتھ ' اسطرح جمع کردیا کہ انسانی گمرہی کے بنائے ہوئے سارے امتیازات مٹ گئے ' انسانی اخوت و وحدت اپنی اصلی صورت میں بے نقاب ہوگئی !

" دیکھو ' یہ ہندوستانیوں کا گروہ ہے - یہ پانچ پستہ قد جاوی کھڑے ہیں - انکے ساتھ ایک چینی کی منگولیں صورت دکھائی دے رہی ہے - دوسری طرف ایک ترکستانی کی سیاہ ٹوپی اور افغانی کی بڑی سی پگڑی ہے - انکے پیچھے ایک گروہ یمنی عربوں کا سرخ جبے پہنے جا رہا ہے اور انکے ساتھ اقصاء افریقہ کا ایک جزائری بربر ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے - تیسری طرف دو حبشی کھڑے ہیں اور ایک مصری طربوش اُنکے پیچھے نظر آرہی ہے - اگر ان تمام قوموں کی آبادیاں جغرافیہ کے نقشے میں ڈھونڈھی جائیں ' تو کیسے کیسے عظیم سمندر اور بے کنار صحرا ان میں حائل نظر آئینگے ؟ لیکن یہاں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے - سال کے اس موسم میں خود بخود دنیا کے تمام گوشے اِس جگہ یک جا ہو جاتے ہیں - کیا آج دنیا کے کسی حصے میں بھی ایسا منظر نظر آسکتا ہے ؟ کیا اس منظر سے بھی بڑھکر کوئی منظر ہے جو انسانی اجتماع کی ایک عجیب و غریب قوت کا پتہ دے ؟ میں سوچ رہا ہوں کہ کس کے ہاتھوں میں اُس رشتہ کا سرا ہے جس سے بحر و بر کے یہ تمام گوشے کھینچ لیے جاسکتے ہیں ؟

اسلام کے ہاتھ میں ! چھٹی صدی کے صحراء عرب کا اسلام آج بھی انسانی اخوت کی سب سے بڑی زندہ قوت ہے !"

شام کي حرکت استقلال

فرانسیسي مظالم کے چند خونین مناظر!



غوطہ (دمشق) میں دو وطن پرست غیور گرلیوں سے مار ڈالے گئے اور انکي نعشیں سڑک پر چھوڑ دي گئیں -



۷ - اکتوبر کے حادثہ کے بعد بے شمار آدمي پھانسي پر چڑھاے گئے - ایک پھانسي کا منظر جسمیں تین نعشیں لٹک رهي هیں!



دمشق کے محلہ میدان کا ایک منظر - بے گناہ اور غیر مسلح آبادي کا قتل عام - بے شمار لاشیں سڑک پر پڑي هیں - عرصہ تک یہ اسي طرح پڑي رهیں!

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

شاہیر عالم اپنی زندگی کے آخری اوقات میں!

امام علی علیہ السلام

ایک مغربی شاعر کہتا ہے: "اگر تم ایک انسان کو اس کے تمام اوصاف و خصائل اور خیر و معروف میں اصلی صورت میں دیکھنا چاہتے ہو تو انتظار کرو۔ اس وقت تک انتظار کرو جب موت کا دروازہ اس پر کھل جائے۔ اس وقت وہ ساز بناوٹی پردے پھینک دیگا جو انسان اپنی حقیقی صورت پر ڈال لیا کرتا ہے۔ اس کی روح شرم کی دستک سنتے ہی نقاب پھاڑ ڈالتی ہے اور بے حجاب ہو کر دنیا کے سامنے آجاتی ہے۔" یہ بالکل صحیح ہے۔ انسانی حقیقت کا بے پردہ معائنہ صرف اس کی زندگی کے آخری لمحوں ہی میں کیا جا سکتا ہے۔

ایک مرتبہ ہمیں خیال ہوا کہ اگر دنیا کے اکابر و مشاہیر کے صرف وہ حالات جمع کر دیئے جائیں جن کا تعلق انکی زندگی کی آخری گھڑیوں سے ہے، تو یہ اخلاق، حکمت اور موعظت کا نہایت عبرت انگیز مجموعہ ہوگا۔ اور انسانی طبیعت و اخلاق کے بے شمار نکتے ان سے حل ہو جائینگے۔ چنانچہ اس خیال سے مشاہیر عالم کے حالات پر نظر ڈالی گئی، اور جستجو و تحقیق کے بعد ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو گیا۔ اسمیں تاریخ اسلام کے تمام اکابر و مشاہیر خلفاء راشدین سے لیکر ملوک و حکام تک آگئے ہیں۔ انکے علاوہ عام مشاہیر عالم کے واقعات وفات کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔ بحیثیت مجموعی جب ان خیرہ پر نظر ڈالی گئی، تو یہ دیکھکر حیرت ہوئی کہ وہی تنوع حالات جو اپنی انفرادی صورتوں میں کئی خاص اثر نہیں رکھتے تھے اب یکجا ہو کر تاریخ عالم کی کسی مفید پر تاثیر اور قیمتی چیز بن گئے ہیں؟ آج ہم اس مجموعہ میں سے حضرت علی علیہ السلام کی وفات کے حالات شائع کرتے ہیں۔ آیندہ بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔ یہ یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود شہرت طلبی یا زینت حالات کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ اسکے جمع کرنے میں پوری کاوش و جستجو کی گئی ہے۔

جنگ جمل کے بعد اسلامی خلافت کی نزاع دو شخصوں میں محصور ہو گئی تھی: امام علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان۔ ان کے درمیان تیسری شخصیت عمرو بن العاص کی تھی اور اپنے سیاسی تدبر کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی۔

جنگ صفین نے مسلمانوں میں ایک نیا فرقہ "خوارج" کا پیدا کر دیا تھا۔ یہ اگرچہ تمامتر سیاسی اغراض و مقاصد رکھتا تھا لیکن مسلمانوں کے دوسرے سیاسی فرقوں کی طرح اس کے عقائد بھی دینی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اسنے اپنا سیاسی مذہب یہ آیت قرار دی تھی کہ "ان الحکم الا للہ" یعنی حکومت کسی آدمی کی نہیں ہونی چاہئے۔ دراصل تاریخ اسلام کے خوارج موجودہ تمدن کے انارکسٹ تھے۔ لہذا وہ کوفہ اور دمشق، دونوں حکومتوں کے مخالف تھے۔

مکہ میں ٹھیکہ خارجیوں نے سازش کی۔ تین آدمیوں نے بیڑا اٹھایا کہ پوری تاریخ اسلام بدل دینگے۔ اور انھوں نے بدلدی۔ عمرو بن بکیر تمیمی نے کہا "میں حاکم مصر عمرو بن العاص کو قتل کر دوں گا، کیونکہ وہ فتنہ کی متحرک روح ہے!"

برک بن عبداللہ تمیمی نے کہا "میں معاویہ بن ابی سفیان کو قتل کر دوں گا کیونکہ اسنے شام میں قیصریت قائم کی ہے!"

ایک لمحہ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ علی بن ابی طالب کے نام سے دل تھراتے تھے۔ بالآخر عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے سکوت توڑی: "میں علی کو قتل کر دوں گا!"

ان ہولناک مہموں کے لئے ۱۷ رمضان کی تاریخ مقرر کی گئی۔ دو پہلے شخص اپنی مہم میں ناکام رہے۔ لیکن عبدالرحمن بن ملجم کامیاب ہو گیا۔ اس احوال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

مکہ سے چلکر عبدالرحمن کوفہ پہونچا۔ یہاں بھی خوارج کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ عبدالرحمن ان کے ہاں آتا جاتا تھا۔ ایک دن قبیلۂ تیم الرباب کے بعض خارجیوں سے اسکی ملاقات ہو گئی۔ انہی میں ایک خوبصورت عورت قطام بنت شجنہ بن عدی بن عامر بھی تھی۔ عبدالرحمن اس پر عاشق ہو گیا۔ سنگ دل نازنین نے کہا "میرے وصل کی شرط یہ ہے کہ جو مہر طلب کروں وہ ادا کرو" ابن ملجم راضی ہو گیا۔ قطام نے اپنا مہر یہ بتایا: "تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک کنیز، اور علی کا قتل!" عبدالرحمن نے کہا "منظور مگر علی کو کیونکر قتل کر دوں؟" خونخوار معشوقہ نے جواب دیا "چھپکر اگر تو کامیاب ہو کر لوٹ آئے گا تو مخلوق کو شر سے نجات ملے گا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ مسرت کی زندگی بسر کرے گا۔ اگر مارا جائے گا تو جنت اور لازوال نعمت حاصل کرے گا" عبدالرحمن نے مسلمن ہو کر یہ شعر پڑھا:

ثلاثۃ آلاف وعبد وقینۃ — وضرب علی الھام المصمم لہ
فلا مھر اغلی من علی وان غلی — ولا فتک الا دون فتک ابن ملجم لہ

(طبقات ابن سعد۔ کامل للمبرد وغیرہ)

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کے قلب میں آنے والے حادثہ کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ عبدالرحمن ابن ملجم کی طرف جب دیکھتے تو محسوس کرتے کہ اس کے ہاتھ خون سے رنگین ہونے والے ہیں۔ ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرماتے تھے "خدا کی قسم مجھے اس حضرت صلعم نے بتلایا ہے کہ میری موت قتل سے ہوگی"

عبدالرحمن بن ملجم دو مرتبہ بیعت کے لئے آیا مگر آپنے ٹوٹا دیا۔ تیسری دفعہ آیا تو فرمایا "سب سے زیادہ بدبخت آدمی کو کون چیز روک رہی ہے؟ واللہ یہ چیز (اپنی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کیا) اس کے خون سے (سر کی طرف اشارہ کر کے) مزدہ رنگ جانے والی ہے" (ابن سعد)

کبھی کبھی جب اپنے ساتھیوں سے خفا ہوتے تو فرماتے "تمہارے سے زیادہ بدبخت آدمی کو آنے اور میرے قتل کرنے سے کون چیز روک رہی ہے؟ خدایا میں ان سے اکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں۔ مجھے ان سے راحت دے، اور انھیں مجھ سے راحت دے" (ابن سعد)

ایک دن خطبہ میں فرمایا "قسم اس پروردگار کی جسنے بیج اگایا اور جان پیدا کی! یہ اس سے سرخرو رنگ جانے والی ہے (اپنی ڈاڑھی اور سر کی طرف اشارہ کیا) بدبخت کیوں انتظار کر رہا ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا "امیر المومنین! ہمیں اس کا نام بتائیے ہم ابھی اس کا فیصلہ کر ڈالیں گے" فرمایا "تو تم ایسے آدمی کو قتل کرو گے جسنے مجھے ابھی قتل نہیں کیا ہے"

عرض کی گئی "تو ہم کسی کو خلیفہ بنا دیجئے" فرمایا "نہیں میں تمہیں اسی حال میں چھوڑ جاؤنگا جس حال میں پیغمبر نے تمہیں چھوڑا تھا اور صلع چھوڑ گئے تھے"

لوگوں نے عرض کیا "اس صورت میں آپ خدا کو کیا جواب دینگے؟"

فرمایا "کہوں گا "خدایا میں ان میں تجھے چھوڑ آیا ہوں، تو چاہے تو ان کی اصلاح کرے اور چاہے انھیں بگاڑ دے"

(مسند امام احمد۔ مستدرک علی)

حادثہ سے پہلے

آپکی کنیز ام جعفر کی روایت ہے کہ واقعہ قتل سے چند دن پہلے میں آپکے ہاتھ دھلا رہی تھی کہ آپنے سر اٹھایا۔ پھر داڑھی ہاتھ میں لی اور فرمایا "حیف تجھ پر، تو خون سے رنگی جائے گی" (ابن سعد)

آپکے بعض اصحاب کو بھی اس سازش کا کچھ پتہ چل گیا تھا۔ چنانچہ خود بنی مراد میں سے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا "امیر المومنین ہوشیار رہئے۔ یہاں کچھ لوگ آپکے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں"

(الامامۃ والسیاسہ)

یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ کس قبیلہ میں سازش ہو رہی ہے؟ چنانچہ ایک دن آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے آکر عرض کی "ہوشیار رہئے کیونکہ قبیلہ مراد کے کچھ لوگ آپکے قتل کی فکر میں ہیں" (ابن سعد)

یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ کون شخص ارادہ کر رہا ہے؟ اشعث نے ایک دن ابن ملجم کو تلوار لگائے دیکھا اور اس سے کہا "مجھے اپنی تلوار دکھاؤ" اسنے تلوار دکھائی تو وہ بالکل نئی تھی۔ اشعث نے کہا "تلوار لگانے کی کیا وجہ ہو حالانکہ یہ زمانہ جنگ کا نہیں" عبدالرحمن نے کہا "میں گاؤں کے اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہوں" اشعث سمجھ گئے اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت علی کے سامنے حاضر ہوئے اور کہا "آپ ابن ملجم کی جرأت و شجاعت سے واقف ہیں" آپنے جواب دیا "لیکن اسنے مجھے ابھی تک قتل نہیں کیا ہے!"

(الکامل)

ایک دن آپ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ ابن ملجم منبر کے پاس بیٹھا تھا۔ لوگوں نے سنا کہ وہ دانت پیسکر کہہ رہا ہے "واللہ میں انھیں تیرے شر سے نجات دیدوں گا" امیر المومنین جب مسجد سے اپنے گھر لوٹے تو لوگ اسے گریبان سے پکڑ کر لائے اور تمام واقعہ سنایا۔ آپنے فرمایا "لیکن ابھی تک اسنے مجھے قتل نہیں کیا ہے۔ چھوڑ دو" (الکامل)

ابن ملجم کا ارادہ اس قدر مشہور ہو گیا تھا کہ خود آپ بھی اسے دیکھکر عمرو بن سعید کیوب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ابید حارہ ویرید قتلی — عذیرک من خلیک من مراد

ابن ملجم برابر برأت ظاہر کیا کرتا تھا لیکن ایک دن جھلا کر کہنے لگا "جو بات ہونے والی ہو ضرور ہو کر رہے گی"

اسپر بعض لوگوں نے کہا: آپ اسے پہچان گئے ہیں۔ پھر اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے؟ فرمایا "اپنے قاتل کو کیسے قتل کر دوں؟" (کامل)

صبح شہادت

اقدام قتل جمعہ کے دن نماز فجر کے وقت ہوا۔ رات بھر ابن ملجم، اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا

لہ قبیلہ بنی مراد کے ظلم و تشدد کی داستان کا ایک ورق ہم نے اپنے مضمون "بنی مراد کے ہاتھوں ایک بے گناہ کا قتل" میں پیش کیا تھا۔ ملاحظہ ہو الاعتصام ۱۴ جلد ۲۳

رہا۔ اُسنے کوفہ میں شبیب بن بجرہ نامی ایک اور خارجی کو بھی اپنا شریک بنا لیا تھا۔ دونوں تلوار لے کر چلے اور اُس دروازے کے مقابل بیٹھ گئے جس سے امیر المومنین نکلا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

اُس رات امیر المومنین کو نیند نہیں آئی۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ سحر کے وقت میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ فرزند! رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ ذرا پڑ رہوئی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھا۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ، آپکی اُمت سے میں نے بڑی تکلیف پائی" فرمایا۔ دعا کر کہ خدا تجھے ان سے چھٹکارا دیدے" (کامل)

اسپر میں نے دعا کی "خدایا! مجھے ان سے بہتر رفیق عطا فرما اور انھیں مجھ سے بدتر ساتھی دے" (ابن سعد)

حضرت حسن (علیہ السلام) فرماتے ہیں اسی وقت ابن آنبلج مؤذن بھی حاضر ہوا اور پکارا "الصلوۃ!" (نماز) میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا۔ آپ اُٹھے۔ ابن آنبلج آگے تھا۔ میں پیچھے تھا۔ دروازے سے باہر نکل کر آپنے پکارا "لوگو، نماز!" روز آپ کا یہی دستور تھا کہ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں جگاتے پھرتے تھے (ابن سعد)

ایک اور روایت میں ہے کہ مؤذن کے پکارنے پر آپ اُٹھے نہیں۔ لیٹے رہے۔ مؤذن دوبارہ آیا مگر آپ سے پھر بھی اُٹھا نہ گیا۔ سہ بارہ اُس کی آواز دینے پر آپ بہ مشکل اُٹھے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے مسجد کو چلے:

اشدد حیازیمک للموت فان الموت لاقیکا

(موت کے لئے کمر کس لے کیونکہ موت تجھ سے ضرور ملاقات کرنیوالی ہے)

ولا تجزع من الموت اذا حل بوادیکا

(موت سے نہ ڈر اگر وہ تیرے یہاں نازل ہو جائے)

(احیاء العلوم جلد ۴)

"فزت برب الکعبہ!"

آپ جوں ہی آگے بڑھے، دو تلواریں چمکتی نظر آئیں، اور ایک آواز بلند ہوئی "حکومت خدا کی ہے نہ کہ علی تیری!" شبیب کی تلوار تو طاق پر پڑی۔ لیکن ابن ملجم کی تلوار آپکی پیشانی پر لگی اور دماغ تک اُتر گئی۔ (ابن سعد)

زخم کھاتے ہی آپ چلائے "فزت برب الکعبہ" (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) (احیاء ج ۴)

نیز پکارے "قاتل جانے نہ پائے" لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ شبیب تو نکل بھاگا۔ (ابن سعد)

عبدالرحمن نے بھی تلوار گھمانا شروع کر دی۔ اور مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ہاتھ سے نکل جائے لیکن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب جو اپنے وقت کے پہلوان تھے دوڑے اور بھاری کپڑا اُس پر ڈال دیا اور زمین پر دے مارا (الکامل)

قاتل اور مقتول

امیر المومنین گھر پہنچائے گئے۔ اپنے قاتل کو طلب کیا جب وہ سامنے آیا تو فرمایا "اے دشمن خدا! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کئے تھے؟ اُسنے کہا "ہاں" فرمایا "پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟" کہنے لگا "میں نے اسے (تلوار کو) چالیس دن تیز کیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ اس سے اپنی بدترین مخلوق قتل کرائے" فرمایا "میں سمجھتا ہوں تو اسی سے قتل کیا جائے گا۔ اور خیال کرتا ہوں تو ہی خدا کی بدترین مخلوق ہے" (طبری جلد ۶)

آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم نے پکار کر کہا "او دشمن خدا تو نے امیر المومنین کو قتل کر ڈالا!" کہنے لگا "میں نے امیر المومنین کو قتل نہیں کیا البتہ تیرے باپ کو قتل کیا ہے!" اُنھوں نے خفا ہو کر کہا "والد میں امید کرتی ہوں امیر المومنین کا بال بیکا نہ ہوگا" کہنے لگا "پھر کیوں لٹوے بہاتی ہو!" پھر بولا "بخدا میں نے مہینہ بھر اسے (تلوار کو) زہر پلایا ہے۔ اگر اب بھی یہ بے وفائی کرے تو خدا سے غارت کرے!" (ابن سعد)

امیر المومنین نے حضرت حسن سے کہا "یہ قیدی ہے۔ اس کی خاطر تواضع کرو۔ اچھا کھانا دو، نرم بچھونا بچھا دو۔ اگر زندہ رہوں گا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعویدار میں ہونگا۔ قصاص لوں گا یا معاف کر دوں گا۔ اگر مر جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کر دینا۔ رب العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔

(ابن سعد) اے بنی عبدالمطلب ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی خونریزی شروع کر دو اور کہو کہ "امیر المومنین قتل ہو گئے! امیر المومنین قتل ہو گئے!" خبردار میرے قاتل کے سوا کوئی دوسرا قتل نہ کیا جائے۔ اے حسن اگر میں اس کی اس ضرب سے مر جاؤں تو ایسی ہی ضرب سے اُسے بھی مارنا۔ اس کے ناک کان کاٹ کر لاش خراب کرنا کیونکہ میں نے نبی صلعم کو فرماتے سنا ہے کہ خبردار ناک کان نہ کاٹو اگرچہ وہ کتا ہی کیوں نہ ہو" (طبری)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا "اگر تم قصاص لینے ہی پر اصرار کرو تو چاہئے کہ اسے اُسی طرح ایک ضرب سے مارو جس طرح اسنے مجھے مارا ہے لیکن اگر معاف کر دو تو یہ تقوی سے زیادہ قریب ہے (کامل) دیکھو زیادتی نہ کرنا۔ کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (ابن سعد)

وصیتہ

پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو جندب بن عبداللہ نے حاضر ہو کر کہا "خدانخواستہ اگر ہم نے آپ کو کھو دیا تو کیا حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں؟" آپنے جواب دیا "میں تمھیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو" (طبری)

پھر اپنے صاحبزادوں حسن اور حسین کو بلا کر فرمایا "میں تم دونوں کو تقوی الہی کی وصیت کرتا ہوں۔ اور اس کی کہ دنیا کا پیچھا نہ کرنا اگرچہ وہ تمھارا پیچھا کرے۔ جو چیز تم سے دور ہو جائے اُس پر کڑھنا نہ ہمیشہ حق کہنا۔ یتیم پر رحم کھانا۔ بیکس کی مدد کرنا۔ آخرت کے لئے عمل کرنا۔ ظالم کے دشمن بننا۔ مظلوم کے حامی ہونا۔ کتاب اللہ پر چلنا۔ خدا کے باب میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا"

پھر اپنے تیسرے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ کی طرف دیکھا "جو نصیحت میں نے تیرے بھائیوں کو کی تو نے حفظ کر لی؟" اُنھوں نے عرض کی "جی ہاں" فرمایا "میں تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے ان دونوں بھائیوں کے عظیم حق کا خیال رکھنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ بغیر انکی رائے کے کوئی کام نہ کرنا"

پھر امام حسن حسین (علیہما السلام) سے فرمایا "میں تمھیں اس کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمھارا بھائی ہے۔ تمھارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمھارا باپ اس سے محبت کرتا تھا"

پھر امام حسن سے فرمایا "فرزند! میں تجھے وصیت کرتا ہوں خوف خدا کی۔ اپنے اوقات میں نماز قائم کرنے کی۔ میعاد پر زکوۃ ادا کرنے کی۔ ٹھیک وضو کرنے کی۔ کیونکہ نماز بغیر طہارت ممکن نہیں اور مانع زکوۃ کی نماز مقبول نہیں۔ نیز وصیت کرتا ہوں خطائیں معاف کرنے کی۔ غصہ پی جانے کی۔ رشتے جوڑنے کی۔ بردباری کی۔ دین میں عقل و دانش کی۔ ہر معاملہ میں تحقیق کی۔ قرآن سے مزاولت کی۔ پڑوسی سے حسن سلوک کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی۔ فواحش سے اجتناب کی" (طبری جلد ۶)

پھر اپنی تمام اولاد کو مخاطب کر کے کہا "خدا سے ڈرتے رہو اُس کی اطاعت کرو۔ جو تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے اُس کا فکر نہ کرو۔ اپنے پروردگار کی عبادت پر کمربستہ رہو، چست و چالاک بنو، سست نہ بنو۔ ذلت قبول نہ کرو۔ خدایا ہم سب کو ہدایت پر جمع کر۔ ہمیں اور انھیں دنیا سے بے رغبت کر دے۔ ہمارے اور انکے لئے آخرت اوّل سے بہتر کر" (الامامۃ والسیاسۃ)

آخری وصیت

وفات کے وقت یہ وصیت لکھوائی "یہ علی بن ابی طالب کی وصیت ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا، میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ پھر اے حسن میں تجھے اور اپنی تمام اولاد کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا خوف کرنا اور جب مرنا تو اسلام ہی پر مرنا۔ سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔ کیونکہ میں نے ابوالقاسم (رسول اللہ صلعم) کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا ملاپ قائم رکھنا روزے نماز سے بھی افضل ہے۔ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، اُن سے بھلائی کرو، خدا تمہارا حساب آسان کر دے گا۔ اور ہاں، یتیم! یتیم! یتیموں کا خیال رکھو۔ اُنکے منہ میں خاک مت ڈالو۔ وہ تمھاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اور دیکھو تمھارے پڑوسی! تمھارے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔ کیونکہ یہ تمھارے نبی کی وصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر پڑوسیوں کے حق میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ ہم سمجھے شاید انھیں ورثہ میں شریک کر دینگے۔ اور دیکھو، قرآن قرآن! ایسا نہ ہو قرآن پر عمل کرنے میں کوئی تم سے بازی لے جائے۔ اور نماز! نماز! کیونکہ وہ تمھارے دین کا ستون ہے۔ اور تمھارے رب کا گھر! اپنے رب کے گھر سے غافل نہ ہونا! اور جہاد فی سبیل اللہ! جہاد فی سبیل اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہو۔ زکوۃ! زکوۃ! زکوۃ! پروردگار کا غصہ ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ اور ہاں، تمھارے نبی کے ذمی! تمھارے نبی کے ذمی! (یعنی وہ غیر مسلم جو تمھارے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں) ایسا نہ ہو اُن پر تمھارے سامنے ظلم کیا جائے۔ اور تمھارے نبی کے صحابی! تمھارے نبی کے صحابی! یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابیوں کے حق میں وصیت کی ہے۔ اور فقراء و مساکین! فقراء و مساکین! انھیں اپنی روزی میں شریک کرو۔ اور تمھارے غلام! تمھارے غلام! غلاموں کا خیال رکھنا خدا کے باب میں اگر کسی کی بھی پرواہ نہیں کرو گے تو خدا تمھارے دشمنوں سے تمھیں محفوظ کر دے گا۔ خدا کے تمام بندوں پر شفقت کرو۔ جب بات کرو تو میٹھی زبان میں بات کرو۔ ایسا ہی خدا نے حکم دیا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ چھوڑنا، ورنہ تمھارے اشرار تم پر مسلط کر دئے جائینگے، پھر تم دعائیں کرو گے مگر قبول نہ ہونگی۔ باہم ملے جلے رہو۔ بے تکلف اور سادگی پسند رہو۔ خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ آپس میں پھوٹ ڈالنا۔ نیکی اور تقوی پر باہم مددگار رہو۔ گرگناہ اور زیادتی میں کسی کی مدد نہ کرو۔ خدا سے ڈرو کیونکہ اس کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا تمھیں محفوظ رکھے اور اپنے نبی کو تم میں یاد رکھے

میں تمھیں خدا ہی کے سپرد کرتا ہوں۔ تمھارے لئے سلامتی اور رحمت چاہتا ہوں"

اس کے بعد "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ (طبری جلد ۶)

دفن کے بعد

دفن کے بعد دوسرے دن حضرت امام حسن نے مسجد میں خطبہ دیا:

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص رخصت ہوگیا ہے جس سے نہ اگلے علم میں پیشقدمی کرگئے اور نہ پچھلے اُس کی برابری کرسکیں گے۔ رسول اللہ صلعم اُسے جھنڈا دیتے تھے اور اُس کے ہاتھ پر فتح ہوجاتی تھی۔ اُسنے چاندی سونا کچھ نہیں چھوڑا۔ صرف اپنے روزینے میں سے کاٹ کر ۷۰۰ درہم گھر کے لئے جمع کئے تھے" (ایک درہم تقریباً چار آنے کا ہوتا تھا) (مسند حسن)

زید بن حسین سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعہ مدینہ پہنچی۔ سنتے ہی تمام شہر میں کہرام پڑگیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو روتی نہ ہو۔ بالکل وہی منظر درپیش تھا جو رسول اللہ کی وفات کے دن دیکھا گیا تھا۔ جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ نے کہا "چلو ام المومنین عائشہ کو دیکھیں کہ رسول اللہ کے بھتیجے کی موت سُنکر اُن کا کیا حال ہے؟"

حضرت زید کہتے ہیں "سب لوگ ہجوم کرکے ام المومنین کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ اُنھوں نے دیکھا کہ حادثہ کی خبر یہاں پہلے سے پہنچ چکی ہے اور ام المومنین غم سے نڈھال، آنسوؤں سے تر بتر بیٹھی ہیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو خاموش لوٹ آئے"

حضرت زید فرماتے ہیں "دوسرے دن مشہور ہوا ام المومنین رسول اللہ کی قبر پر جارہی ہیں۔ مسجد میں جتنے بھی مہاجرین و انصار تھے، استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کرنے لگے۔ مگر ام المومنین نہ کسی کے سلام کا جواب دیتی تھیں، نہ بولتی تھیں، ..... شدت گریہ سے زبان بند تھی۔ دل تنگ تھا۔ چادر تک سنبھلتی نہ تھی۔ بار بار پیروں میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا لڑکھڑا جاتیں بدقت تمام پہنچیں۔ لوگ پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ حجرہ میں داخل ہوئیں تو دروازہ پکڑکر کھڑی ہوگئیں اور ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا:

"اے نبی ہدایت! تجھ پر سلام! اے ابو القاسم تجھ پر سلام! اے رسول اللہ! آپ پر اور آپکے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں آپکے محبوب ترین عزیز کی موت کی خبر آپکو سنانے آئی ہوں! میں آپ کو آپکے عزیز ترین کی یاد تازہ کرنے آئی ہوں! بخدا آپ کا چُنا ہوا حبیب، منتخب کیا ہوا عزیز، قتل ہوگیا! واللہ وہ قتل ہوگیا جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی! واللہ وہ قتل ہوگیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اُترا! میں رونے والی غمزدہ ہوں! میں اُسپر آنسو بہانے اور دل جلانے والی ہوں! اگر قبر کھل جاتی تو تیری زبان بھی یہی کہتی کہ تیرا عزیز ترین اور مقرب ترین وجود قتل ہوگیا!..." (عقد الفرید ج ۲)

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین عائشہ نے جب امیر المومنین کی شہادت سنی تو ٹھنڈی سانس لی اور کہا "اب عرب جو چاہیں کریں، کوئی اُنھیں روکنے والا باقی نہیں رہا" (استیعاب)

مرثیہ

آپکے مشہور صحابی ابو الاسود الدؤلی نے مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر کتب ادب و محاضرات میں عام طور پر نقل کیا جاتا ہے:

الا ابلغ معاویۃ بن حرب ؛ فلا قرت عیون الشامتینا



مقالات

اسلام اور "نیشنلزم"

لا تقل دارہا بشرقی نجد
کل نجد للعامریۃ دار!

(۲)

انسان اپنی نوعی زندگی میں اپنے اجتماعی رشتوں کی مختلف منزلوں سے درجہ بدرجہ کیونکر گزرا؟ اُس کی انفرادی زندگی میں آج بھی یہ تمام منزلیں کس طرح یکے بعد دیگرے پیش آتی ہیں؟ اسکی مختصر سرگزشت تمھاری نظروں سے گزر چکی۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ:

(۱) قومیت اور وطنیت انسان کے اجتماعی رشتہ کی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ لیکن یہ کوئی مستقل حالت نہیں ہے۔ ایک سلسلۂ دراز کی مختلف کڑیوں میں سے ایک کڑی ہے۔

(۲) یہ سلسلہ "انسان کی اجتماعی زندگی اور اجتماعی ربط و علاقہ کے احساس و اعتقاد" کا سلسلہ ہے۔ جس طرح کائنات ہستی کی ہر چیز اپنے ابتدائی نقطہ سے شروع ہوکر بہ تدریج بلوغ و کمال تک پہنچتی ہے اور جس طرح انسان نے اپنے علم و عمل کے ہر گوشے میں بہ تدریج ترقی کرکے حقیقت و کمال تک رسائی حاصل کی ہے؛ اُسی طرح اس معاملہ میں بھی اُس کا سفر ابتدا سے انتہا تک، طفولیت سے رشد و بلوغ تک، اور نقص سے کمال تک پہنچتا اور ختم ہوتا ہے۔ اس ارتقائی سلسلہ کی ابتدائی کڑی "امومۃ" اور انتہائی "انسانیۃ" ہے۔ جس رشتہ کو قومیت اور جنسیت سے آج تعبیر کیا جاتا ہے، وہ دراصل اس سلسلۂ ارتقا کی ایک درمیانی کڑی ہے۔

(۳) چونکہ درمیانی کڑی ہے، اس لئے وہ اجتماعی رشتہ کی کوئی حقیقی حالت نہیں ہے۔ محض ایک اضافی چیز ہے۔ جس طرح ایک زمانے میں انسان نظر کی تنگی اور علم کی کوتاہی سے صرف "امومۃ" اور "ابوۃ" یا "عائلہ و قبیلہ" کے رشتہ پر قانع تھا، اُسی طرح جب وسعت علائق کے ایک دو قدم اور آگے بڑھے، تو قومیت و جنسیت کا دائرہ پیدا ہوگیا۔ بلاشبہ یہ دائرہ پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے، لیکن فطرۃ کی حقیقی وسعت کے مقابلے میں پھر تنگ اور ناتمام ہے۔ فطرۃ اور حقیقت کی اصلی وسعت کیا ہے؟ "انسانیت" اور "ارضیۃ" کا عالمگیر رشتہ۔ یہی انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک ہی فطری رشتہ ہے۔ باقی سب اضافے، اور اس لئے غیر حقیقی ہیں۔

(۴) اس معاملہ کی پوری وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ اسی قسم کی دوسری حالتیں بھی سامنے لائی جائیں۔ انسان نے صرف اپنے ہی کو نہیں بلکہ اپنے سے باہر کی بھی ہر چیز اسی طرح پائی ہے۔ اُسنے پہلے زمین کے اُس ٹکڑے کو سب کچھ سمجھا تھا جس میں پیدا ہوا تھا۔ اب بھی جب پیدا ہوتا ہے تو گھر کی چار دیواری ہی اس کی دنیا ہوتی ہے۔ اُسنے زمین کی عام مخلوقات پر نظر ڈالی، اور اُن میں سے ہر قسم اور نوع کو مدتوں کے بعد پہچان سکا۔ اُسنے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی، اور ہزاروں لاکھوں برس کے بعد یہ حقیقت معلوم کرسکا کہ سورج کا ایک نظام اجتماع ہے اور خود کرۂ ارضی بھی اُسی کا ایک فرد ہے۔

علم و ادراک کے ان تمام سفروں میں اُن کی درمیانی منزلیں جو درجہ رکھتی ہیں، وہی درجہ یہاں کی بھی درمیانی منزلوں کا ہے۔ زمین کے بارے میں انسانی علم کی ایک درمیانی منزل یہ تھی کہ آبادی صرف اس کے نصف حصہ میں ہے باقی سمندر ہے۔ یہ منزل علم اور حقیقت کی منزل تھی، یا جہل اور محجوبیت کی؟ اگر علم اور حقیقت کی منزل نہ تھی، تو پھر بعینہ وطنیۃ اور جنسیت بھی اس سفر کی ویسی ہی درمیانی منزلیں ہیں۔ یہ انسان کے جہل و نقص کی منزلیں کیوں نہ ہوں؟ انسان نے جب پہلے پہل جہاز رانی شروع کی تھی تو (مثلاً) ہر سمندر کے گوشہ کو پانی کی ایک مستقل دنیا یقین کرلیا تھا اور اُنکے بیشمار نام رکھ دیئے تھے۔ پھر ایک وقت آیا جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ اُسکے علم و نظر کی ناتمامی تھی۔ دراصل زمین کا سمندر ایک ہی ہے۔ اُسی کے مختلف گوشے ہیں جو ادھر اُدھر پھیل گئے ہیں۔ جب اُسنے ایک سمندر کو پچاس سمندر خیال کیا تھا، تو یہ منزل علم و حقیقت کی منزل تھی، یا نقص و جہل کی؟ اگر نقص و جہل کی تھی تو انسانی احساس و اعتقاد کی وہ حالت کیوں جہل و نقص کی حالت نہ ہو جب وہ یقین کرتا ہے کہ انسانیۃ کا ایک ہی رشتۂ اجتماع، ایک ہی رشتۂ اجتماع نہیں ہے پچاس ٹکڑے اور بے شمار قسمیں ہیں؟ بلاشبہ جس طرح زمین کے ایک حصہ کا علم و تعین، اُس حالت کے مقابلے میں جب انسان کو زمین کا اتنا علم بھی حاصل نہ تھا، علم کی وسعت تھی اور حقیقت سے قرب تھا۔ اُسی طرح یہاں بھی قومیت و جنسیت کی حالت اُس حالت کے مقابلہ میں جب انسان عائلہ اور قبیلہ کے تنگ دائروں پر قانع تھا، علم کی زیادہ وسعت اور حقیقت سے زیادہ قرب ہے، لیکن یہ ایک اضافی حالت ہوئی۔ علم اور حقیقت نہیں ہے۔ علم و حقیقت کی منزل اگر نمودار ہوجائے تو پھر وہ کمال کا نقطہ اور ارتقا کی انتہا ہوگی۔ اُس وقت کسی پچھلی منزل پر قانع رہنا ترقی نہیں ہوگی۔ تنزل ہوگا۔

اگر آج ایک شخص امریکہ کے وجود سے منکر ہو اور کہے کرہ کا صرف ایک ہی حصہ آباد ہے، تو تم کیا کہوگے؟ یقیناً یہی کہوگے کہ چھ سو برس پیشتر کا جہل قبول کرنے کے لئے دنیا طیار نہیں ہوسکتی

اچھا، تم اُس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو کہتا ہے کہ انسان کو نسل و مکان یا جنس و قوم کے رشتے پر قناعت کرلینی چاہئے کیونکہ ایک زمانے میں اُس کا علم و ادراک انہی دائروں میں محدود تھا؟ تم نے ابھی کہا تھا کہ "دنیا چھ سو برس پیشتر کا جہل قبول کرنے کے لئے طیار نہیں" کیا اب تمھیں ٹھیک اُسی طرح یہ نہیں کہدینا چاہئے کہ "دنیا ہزاروں برس پیشتر کا جہل قبول

کرنے کے لئے طیار نہیں"؟ کیسی عجیب بات ہے کہ تم ایک ہی چیز کو ایک جگہ ٹھکراتے ہو اور دوسری جگہ اپنے سر پر جگہ دیتے ہو؟ اس سے بھی بڑھ کر انسان کی عالمگیر غفلت و محجوبیت کا کوئی منظر ہو سکتا ہے کہ اُسے چھ سو برس پیچھے ہٹنے سے تو انکار ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کہ ہزاروں برس پیچھے دھکیل دیا جائے؟

۳

اسلام اور عصبیت قوم و جنس

ان مقدمات کی تشریح کے بعد اب دیکھنا چاہئے کہ اسلام نے اس بارے میں دنیا کو جس طرف لیجانا چاہا تھا، وہ کونسی منزل اور کونسا نقطہ ہے؟

وہ منزل "انسانیۃ" کی منزل ہے۔ وہ نقطہ اس سلسلۂ ارتقا کا نقطۂ کمال ہے!

چھٹی صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو دنیا کے قدم "قبیلہ" اور "وطنیۃ" کی منزل سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا، اور عرب کی آبادی قبیلوں کا مجموعہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنی نسلی جنسیت کے دائرہ کے اندر محدود تھا، اور اس سے باہر کی کوئی وسعت قبول نہیں کرتا تھا۔ ان تنگ دائروں کے اعتقاد سے فخر و غرور نسل انسانی کی تحقیر و تذلیل، اور باہمدگر غلبۂ و تسلط کے جس قدر مہلک جذبات پیدا ہو جایا کرتے ہیں (جن کی تشریح آگے آئے گی) وہ سب کے سب اس شدت و قوت کے ساتھ اُن کے خمیر میں سرایت کر چکے تھے کہ شاید ہی کسی قوم کی تاریخ میں اس کی نظیر مل سکے۔ اُن میں کا ہر فرد اپنے قبیلہ کے انتساب سے بڑھ کر دنیا کی کوئی عظمت و کبریائی تسلیم نہیں کرتا تھا۔ سیکڑوں ہزاروں جانیں آن کی آن میں قربان ہو جاتی تھیں تاکہ قبیلہ کے شرف و غرور کو صدمہ نہ پہنچے۔ یہ معاملہ اس درجہ معلوم و مسلم ہے کہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ حماسہ میں آج بھی انکے اشعار پڑھتے ہیں تو جذبات نسل و نسب کی شدت و حرارت سے دل و دماغ تنور کی طرح گرم ہو جاتا ہے۔ دنیا کی کسی قوم کی شاعری ان جذبات میں عرب جاہلیۃ کا مقابلہ نہیں کر سکتی!

عربی میں قبیلہ، خاندان، نسل، اور مکان کی اس حد بندی کے اعتقاد اور اس کے غلو کو "عصبیت" سے تعبیر کرتے تھے۔ اس عصبیت کی پہلی بنیاد عربیت پر تھی، یعنے غیر عرب کے مقابلہ میں عرب کی فضیلت، اور اس کے بعد عربیت میں بھی ہر قبیلہ اپنے نسلی امتیاز کے غرور سے سرگراں تھا۔

عرب سے باہر بھی دنیا کا تمام آباد حصہ قبیلہ اور وطن سے زیادہ وسیع دائرہ کوئی نہیں رکھتا تھا۔ رومی تمدن نے رومن قومیت کی بنیادیں استوار کی تھیں، لیکن اس کی بنیاد بھی نسل اور وطن ہی پر تھی۔ سسلی کے حاکم نے جب ایک رومانی کو گرفتار کر کے دُرّے سے پٹوایا تھا تو وہ اُس کی ہر ضرب پر چیختا تھا "میں رومانی ہوں" مشہور رومی خطیب سیسرو نے اس حاکم کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "ایک رومانی فورم کے وسط میں لٹایا جاتا ہے اور دُرّے سے پیٹا جاتا ہے۔ وہ نہ تو درد و اذیت کی شکایت کرتا ہے۔ نہ روتا دھوتا ہے۔ صرف اس جملہ کی تکرار کرتا ہے کہ میں رومانی ہوں! اے مجلس قضاۃ! اس مظلوم کو یقین تھا کہ میں اپنے آپ کو رومانی کہکر ساری تکلیفوں اور بے عزتیوں سے بچا لے سکتا ہوں۔ کیونکہ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ رومانی ہونا کسی انسان کے لئے حفاظت اور شرف کی سب سے بڑی ضمانت تھی" یہ سیسرو کی قانونی تقریروں میں سب سے زیادہ فصیح تقریر تسلیم کی گئی ہے۔ سیسرو نے صرف اس پر زور دیا کہ وہ رومانی تھا۔ یہ نہیں کہا کہ انسان تھا۔ اُسے انسانیت کا نہیں، رومانیت کا استغراق تھا!

لیکن اسلام ان منزلوں میں رُک نہ سکا۔ اسنے اُن تمام رشتوں اور رشتوں کی بنیادوں سے انکار کر دیا جو انسان کے علم و نظر کی کوتاہیوں نے بنا رکھے تھے۔ وہ نسل، وطن، جنس، رنگ، زبان، کسی غیر حقیقی رشتے کو تسلیم نہ کر سکا۔ اُسنے انسان کو صرف ایک ہی رشتے کی دعوت دی۔ انسانیت اور انسانی برادری کے فطری رشتہ کی!

یا ایھا الناس! انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم، ان اللہ علیم خبیر (۴۹:۱۳)

"اے مجمع انسانی! ہمنے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، پھر ایسا کیا کہ تمھیں مختلف شاخوں اور قبیلوں کی صورت دے دی بہت سے گروہوں اور ملکوں میں بکھر گئے۔ لیکن شاخوں اور قبیلوں کا یہ اختلاف صرف اس لئے ہوا تاکہ ایک گروہ سے دوسرا گروہ پہچانا جا سکے۔ باقی رہی یہ بات کہ انسان کے شرف و عزت کا معیار کیا ہے تو اسکی بنیاد یہ طرح طرح کی گروہ بندیاں نہیں ہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی ہے۔ اللہ کے حضور وہی سب سے زیادہ شریف ہے جو سب سے زیادہ اپنے کاموں میں پرہیزگار ہے"!

اس آیت کی ساری روح "لتعارفوا" کے لفظ میں ہے۔ اس لفظ نے اس حقیقت کا اعلان کر دیا کہ انسانوں کے گروہوں اور جماعتوں کے جتنے بھی حلقے بنے ہیں، خواہ وہ نسل کی بنا پر بنے ہوں خواہ وطن و جنس کی بنا پر، ان کی ساری قدر و قیمت صرف اتنی ہے کہ باہم دگر پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی اثر نہیں رکھتے۔ تمام کرۂ ارضی پر پھیلی ہوئی نسل انسانی کے لئے ضروری تھا کہ مختلف حصوں اور گروہوں میں منقسم ہو جائے اور جب منقسم ہو گئی تو ناگزیر ہوا کہ ایک گروہ کو دوسرے سے پہچاننے کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعۂ تعارف پیدا ہو جائے۔ یہ تمام حلقے تعارف کا ذریعہ ہیں۔ یہ افریقی ہے، یہ عربی ہے۔ یہ آرین ہے، یہ منگولین ہے۔ اس طرح ہر جماعت کی پہچان ہو جاتی ہے۔ لیکن اس تقسیم میں نہ تو کوئی امتیاز ہے، نہ یہ کوئی حقیقی تقسیم ہے۔ حقیقی امتیاز صرف ایک ہی ہو سکتا ہے، اور وہ انسان کی سعی و عمل کا امتیاز ہے۔

اب تمام نسل انسانی ایک سطح اور ایک صف میں کھڑی ہو گئی۔ حقیقت کسی کو بلندی نہیں دیتی، مگر اُس کو جو اپنے عمل سے شرف و رفعت کا استحقاق ثابت کر دے!

جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں، مینا اُسی کا ہے!

رشتۂ انسانیت کی وحدۃ و اخوۃ کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کر دیا کہ "خلقناکم من ذکر و انثی" تمام نوع انسانی ایک ہی نسل، ایک ہی خاندان، ایک ہی گھرانا ہے۔ پس جب فی الحقیقت نہ تو نسل میں امتیاز ہوا کہ نسل ایک ہی ہے۔ نہ وطن میں تفریق ہوئی کہ وطن بھی سب کا ایک ہی کرۂ ارضی ہے، تو پھر ان میں کا ایک گروہ دوسرے گروہ سے کیوں الگ ہو؟ کیوں ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھرانے کے رشتہ دار ایک دوسرے سے کٹ کر غیر اور اجنبی بن جائیں؟

اس بارے میں اسلام کی بنیادی تصریحات اس درجہ مشہور و معلوم ہیں کہ یہاں اُن کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ مقصود صرف اشارہ ہے۔ من جملہ اُن قرآنی تصریحات کے جو انسانی وحدۃ کا اعلان کرتی ہیں، وہ تمام آیتیں ہیں جن میں ظاہر کیا گیا ہے کہ مجمع انسانی کی اصل وحدۃ تھی۔ تفرقہ گمراہی اور فطرۃ الٰہی سے دُوری کا نتیجہ ہے:

وما کان الناس الا امۃ واحدۃ فاختلفوا ولولا کلمۃ سبقت من ربک لقضی بینھم فیما فیہ یختلفون (۱۹:۲۰)

اسلام کے داعی اول کی تعلیم اور عمل کا جو کچھ حال تھا، وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ آپنے نسل و جنس کے غرور و تنگ نظری کو عصبیۃ جاہلیۃ سے تعبیر کیا اور بار بار اعلان کر دیا کہ "لیس منا من مات علی العصبیۃ۔ لیس منا من دعی الی العصبیۃ۔ لیس منا من قاتل علی العصبیۃ" یعنی وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کی خصوصیت کے تعصب پر دنیا سے جائے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو نسل و قوم کے تعصب کی طرف دعوت دے۔ وہ ہم میں سے نہیں جو اس تعصب کی بنا پر کسی دوسری جماعت سے لڑائی لڑے۔ حجۃ الوداع یعنی اُس حج کے موقعہ پر جو آپ کی زندگی کا آخری حج تھا، آخری خطبہ وصیت دیتے ہوئے فرمایا "لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی کلکم ابناء آدم" (صحیحین) "لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقوی الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب" (رواہ الجماعۃ) آج کے دن سے نسل و قومیت کے سارے امتیازات مٹ گئے۔ اب نہ کسی عرب کو عرب ہونے کی وجہ سے عجمی پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ نہ عجمی کو عربی پر۔ فضیلت اسی کے لئے ہے جو اپنے عمل میں فضیلت رکھتا ہو۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں، اور اس لئے سب ایک ہی صف میں اور ایک ہی درجہ کے ہیں!

اسلام کی دعوت میں انسانی وحدت و اخوۃ کی حقیقت کو کس درجہ اہمیت حاصل تھی؟ اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ آنحضرت (صلعم) سے جو دعائیں پانچ وقت کی نماز میں ثابت ہیں، اُن میں سے ایک دعا یہ ہے۔ زید بن ارقم نامی ایک راوی کہتے ہیں کہ آپ ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگتے تھے: (کان رسول اللہ صلعم یقول فی دبر کل صلوۃ):

اللھم ربنا و رب کل شیء۔ انا شھید انک الرب وحدک لا شریک لک! اللھم ربنا و رب کل شیء، انا شھید ان محمدا عبدک و رسولک! اللھم ربنا و رب کل شیء، انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ (مسند امام احمد و ابوداؤد)

"خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ صرف تو ہی پروردگار عالم ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں۔ خدایا! ہمارا اور ساری کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ محمد اس سے زیادہ نہیں ہے کہ تیرا بندہ ہے اور تیرا رسول ہے! خدایا! ہمارا اور تمام کائنات ہستی کا پروردگار! میں گواہ ہوں کہ تیرے سارے بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انھوں نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہیں لیکن تو نے اُن سب کو ایک ہی رشتۂ انسانیت میں جوڑ دیا ہے"!

غور کرو، اس دعا میں یکے بعد دیگرے تین شہادتیں ہیں پہلی پروردگار عالم کی توحید و ربوبیت کی ہے۔ دوسری رسول کی رسالت اور بندگی کی ہے۔ یہ دونوں شہادتیں اسلام کے دینی عقائد کی بنیاد اور اولین اصول ہیں۔ اب ان دو اہم ترین عقیدوں کی شہادت کے ساتھ ہی تیسری شہادت جس بات کی دی جا رہی ہے ضروری ہے کہ وہ بھی اسلام کے نقطۂ نگاہ سے اس درجہ اہم ہو کہ ان دونوں کے بعد تیسری جگہ پا سکے۔ وہ کیا ہے؟ "ان العباد کلھم اخوۃ" خدایا! اگرچہ انسان نے تیری بنائی ہوئی انسانی برادری چھوڑ کر طرح طرح کی نئی برادریاں اور رشتے بنا رکھے ہیں، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ جس طرح تیری وحدانیت اور تیرے رسول کی رسالت برحق ہے، اُسی طرح یہ بھی برحق ہے کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انھوں نے جہل و محجوبیت سے کتنا ہی یہ مقدس رشتہ بھلا دیا ہو، لیکن یہ رشتہ حقیقی ہے اور قائم ہے!

داعی اسلام توحید اور رسالت کے بعد جس حقیقت کا اعلان عام کرنا چاہتا تھا، وہ انسان کی انسانی برادری تھی!

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے۔ کہ قرآن و اسلام

کی بولی میں "شہادت" کے لفظ کے ساتھ جب کسی عقیدے کا اظہار کیا جاتا ہو، تو اُس کی ایک خاص حیثیت ہوتی ہو۔ یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔ مختصراً یوں سمجھنا چاہئے کہ شہادت کے معنی گواہی دینے کے ہیں اور یہ اُسی وقت دی جاسکتی ہو جبکہ دو باتیں موجود ہوں: ایک یہ کہ جس بات کی گواہی دی جائے، اُس پر گواہ کو پورا پورا یقین ہو۔ ایسا یقین جیسا اپنی آنکھ سے دیکھی بھالی چیز پر ہوتا ہو۔ دوسری یہ کہ وہ کوئی ایسی بات ہو جس کی سچائی اور حقیقت پوشیدہ ہوگئی ہو اور دنیا میں عام طور پر اسے جھٹلایا جارہا ہو، اس لئے ضرورت ہو کہ اُس پر گواہی دیکر اُسے نمایاں اور عالم آشکار کردیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہو تو اُس کے لئے "شہادت" کا لفظ موزوں نہ ہوگا۔ اظہار خیال کے دوسرے الفاظ کافی ہونگے۔

یہی وجہ ہو کہ اسلام نے "شہادت" کے لفظ کے ساتھ جن جن امور کا اعلان کیا ہو، وہ تمام تر وہی ہیں جو عقائد و ایمان کی بنیادی سچائیاں ہیں اور جن کی حقیقت انسان کے جہل و گمراہی سے اس درجہ پوشیدہ ہوگئی تھی کہ اُنکے جھٹلانے پر تمام دُنیا نے ایکا کرلیا تھا۔ ضرورت تھی کہ انکے لئے نوع انسانی کے دل و زبان سے اُس پر گواہی دلوائی جائے۔ تاکہ ایک طرف اُنکے یقین و اعتقاد کا اعلان ہوجائے، دوسری طرف اُنکے جھٹلانے کی تکذیب ہوجائے۔ پھر اس شہادت کے بھی مراتب اور اقسام ہیں لیکن ان کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں۔

اب غور کرو کہ اس دعا میں جس طرح توحید اور رسالت کا اقرار لفظ "شہادت" کے ساتھ کیا گیا ہو، ٹھیک اُسی طرح انسانی برادری کی حقیقت پر بھی "شہادت" دی گئی ہو۔ اس سے تین باتیں واضح ہوگئیں:

اوّل یہ کہ اسلام کے نزدیک انسانی برادری کا قیام اس درجہ اہم تھا کہ اس کے اقرار کے لئے بھی "شہادت" کا لفظ اختیار کیا گیا جو اُسنے ایمان و عقائد کی بنیادی صداقتوں کے اقرار کے لئے مخصوص کردیا ہو۔

دوسرے یہ کہ یہ ایک ایسی بات تھی جس کے لئے زیادہ سے زیادہ مضبوط یقین و ایمان مطلوب تھا۔ ایسا یقین جو ایک گواہ گواہی دیتے ہوئے کسی بات کی واقعیت پر رکھتا ہو۔

تیسرے یہ کہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو ہر طرف جھٹلائی جا رہی تھی۔ اور چونکہ جھٹلائی جارہی تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ اُسپر "گواہی" دی جائے، اور اُس کی گواہی ہمیشہ کے لئے قائم کردی جائے۔

انسان کی عالمگیر اخوت کی راہ میں سب سے بڑی روک چار چیزیں تھیں: نسل۔ وطن۔ رنگت۔ زبان۔ انہی چار امتیازات کی بنا پر الگ الگ حلقے بنائے گئے تھے، اور انسانیت کا ایک دائرہ بے شمار چھوٹے چھوٹے دائروں میں بٹ گیا تھا۔ اسلام نے نہ صرف ان چاروں سے انکار کیا، بلکہ انکے خلاف اس درجہ واضح اور قطعی اعلانات کردیئے کہ کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ "نسل" کی نسبت صاف صاف کہدیا کہ سب کی نسل ایک ہی ہو۔ "وطن" کی نسبت کہدیا کہ عرب ہو یا عجم، سب ایک ہی خدا کی زمین کے باشندے ہیں۔ "زبان" اور "رنگت" کی نسبت فیصلہ کردیا کہ یہ خدا کی حکمت و قدرت کی نشانیاں ہیں۔ کسی جگہ کی آب و ہوا ایک رنگ پیدا کرتی ہو۔ کہیں کی آب و ہوا دوسرا رنگ۔ کہیں ایک خاص طرح کی زبان اداء مطلب کے لئے وجود میں آگئی۔ کہیں دوسری زبان۔ لیکن یہ اختلافات انسان کے امتیاز اور تفرقہ کی بنیادیں نہیں ہیں۔

پھر اس کے ساتھ ہی اُسنے اپنے اعمال کا جو نظام طیار کیا، اُس کے ہر گوشہ کی وضع و قطع ایسی رکھی جس کے ساتھ امتیاز نسل و قوم جمع ہی نہیں ہوسکتا۔ روزانہ اعمال و عبادات میں ایسی چیزیں رکھ دی گئیں کہ ہمیشہ انسانی وحدت و مساوات کا عملی اقرار ہوتا رہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سب میں یہ روح کام کررہی ہو۔ انسانی اخوۃ کے قیام و نفوذ کا ایک پورا نظام ہو جو اپنے ہر فرد کو مجبور کر دیتا ہو کہ اس حقیقت کا اقرار کرے، اُس کے سامنے سر اطاعت خم کردے، اس کے یقین و ایمان کی عملی تصویر بنجائے!

اس بارے میں بے شمار چیزیں کھولنے اور بیان کرنے کی ہیں لیکن یہاں یہ ذکر ضمناً آگیا ہو، اس لئے صرف اشارات پر اکتفا کیا گیا۔

اسلام کو اپنی اس دعوت میں کہاں تک کامیابی ہوئی؟ انسانی برادری کا گم گشتہ حلقہ قائم ہوگیا یا نہیں؟ اس کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ لیکن تاریخ اور مشاہدہ کا یہ فیصلہ تو بلا نزاع مسلم ہو کہ:

(۱) عرب کی نسلی اور وطنی عصبیت پر ایسی کاری ضرب لگی کہ پھر سر نہ اُٹھا سکی۔

(۲) عرب سے باہر وہ جہاں جہاں پہنچا، ایک ایسی انسانی اخوۃ کی دعوت جو وطنی اور نسلی امتیازات سے بالاتر تھی، اُس کے ساتھ ساتھ گئی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب یورپ کی اجتماعی زندگی "عائلہ" اور "قبیلہ" کی سرحد سے آگے نہیں بڑھی تھی، اسلام اسپین اور فرانس میں انسانی اخوۃ کا پیغام سُنا رہا تھا!

(۳) اُسنے ایک ایسا عالمگیر معاشرتی نظام قائم کردیا جو ہر طرح کے نسلی و وطنی تعصبات سے بالاتر ہو، اور جس کی بنیاد انسانی اخوۃ اور وحدۃ پر ہو۔

(۴) قرون وسطیٰ (مڈل ایجز) کے بعد یورپ کے تمدن کا نیا دور شروع ہوا، اور اسنے قومیت و جنسیت کا صور اس زور سے پھونکا کہ تمام دُنیا اس کی صدائے بازگشت سے گونج اُٹھی۔ اب "انسانیت" کی راہ میں جنسیت و قومیت کی کڑی حائل ہوگئی ہو لیکن اسلام نے اب سے تیرہ سو برس پہلے یہ تمام کڑیاں طے کرلی تھیں۔

(۵) اگر کہا جائے کہ اسلام کی دعوت سے بھی انسانیت کا عام حلقہ پیدا نہ ہوسکا۔ بلکہ "اسلامیت" کا ایک نیا حلقہ بن گیا، تو یہ صحیح ہو لیکن چند حقیقتیں تسلیم کرنی پڑیں گی:

اوّلاً یہ تصور زمانے کی استعداد کا ہو نہ کہ اسلام کی دعوت کا۔ مختلف وجوہ سے جن کی تشریح آگے آئے گی دُنیا کو عملاً منزل انسانیت تک پہنچنے کے لئے ابھی بڑا وقت درکار تھا۔

ثانیاً اگرچہ "اسلامیت" کا ایک نیا حلقہ پیدا ہوگیا مگر کیسا وسیع حلقہ؟ ایسا وسیع حلقہ کہ اسوقت تک کے تمام اجتماعی حلقوں میں سب سے زیادہ وسیع حلقہ وہی ہو۔ بلاشبہ وہ بھی ایک چار دیواری کھینچ دینے پر مجبور ہوگیا، لیکن کیسی چار دیواری؟ اس درجہ وسیع چار دیواری کہ دنیا کے تمام بنائے ہوئے حلقے اُس کے پھیلاؤ کے اندر آگئے۔ اُسنے کسی گوشے، کسی دائرہ کسی ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کو بھی اپنی چار دیواری سے باہر رہنے نہیں دیا۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہو کہ کم از کم اسلام کی دعوت نے انسانی اجتماع کا ایک ایسا دائرہ پیدا کردیا جو نوع انسانی کے تمام پچھلے دائروں سے اوپر اور صرف ایک ہی دائرہ مطلقۂ انسانیت سے نیچے ہو۔ وہ انسان کو تمام پچھلے درجوں سے بلند کرکے ایک ایسی سطح تک پہونچا دیتا ہو جہاں سے "انسانیت" کی آخری بلندی صرف ایک درجہ بلند ہو۔ وہ دُنیا کے قدم اُس سطح تک پہنچا دیتا ہو جہاں سے صرف ایک قدم آگے بڑھنا رہجاتا ہو۔ حالانکہ دنیا کی تمام قوموں کے لئے ابھی منزلوں کی منزلیں باقی ہیں!

اس اعتبار سے اگر رشتۂ اجتماع کی تمام کڑیوں پر دوبارہ نظر ڈالی جائے، تو اُن میں ایک نئی کڑی ساری کڑیوں سے اوپر گر آخری "انسانیت دارضیۃ" سے نیچے بڑھا دینی پڑے گی، اور اس سلسلۂ ارتقا کی نو منزلوں کی جگہ دس منزلیں بنجائیں گی:

(۱) امومۃ
(۲) اُبوۃ
(۳) عائلہ
(۴) قبیلہ
(۵) بلدیۃ
(۶) وطنیۃ
(۷) قومیت و جنسیت
(۸) براعظمیت یا تقسیم بہ لحاظ جغرافیہ
(۹) اسلامیت
(۱۰) انسانیت دارضیۃ

"اسلامیت" کی سرحد "انسانیت" کی سرحد سے متصل ہو اگر دنیا چاہے تو صرف ایک قدم میں منزل مقصود تک پہنچ جاسکتی ہو!

لیکن کیا دُنیا میں اس کی طلب موجود ہو؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں دوسری مجلس کا انتظار کرنا چاہئے۔

دُنیا کی بہترین پنسل

امریکن کارخانہ "شیفر"

کی

"لائف ٹائم" پنسل ہو

اسلئے کہ

(۱) "لائف ٹائم" یعنے عمر بھر کے لئے کافی ہو۔

(۲) اُس کا خول اسقدر خوشنما اور دیدہ زیب ہو کہ دنیا کی کوئی پنسل خوبصورتی میں اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

(۳) ارزانی میں بھی تمام قسموں کی پنسلوں کا مقابلہ کرتی ہو۔

یاد رکھئے

آپکو "لائف ٹائم" پنسل خریدنی ہو!

عالم مطبوعات و صحائف

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ اس کے نیچے وہ تمام مفید اور دلچسپ معلومات جمع کی جاسکیں جو مشرق و مغرب کی مطبوعات و صحائف سے اخذ کی جاسکتی ہیں۔ "صحائف" کے ساتھ "مطبوعات" کا لفظ اس لئے بڑھایا گیا ہے تاکہ اخبارات و رسائل کے علاوہ ہر قسم کی مطبوعہ چیزیں بھی اس کے دائرۂ نظر میں آجائیں۔ ہر ہفتہ دنیا کے مختلف حصوں میں ایک بڑی تعداد کتابوں کی شائع ہوتی رہتی ہے۔ ان کا بڑا حصہ ایسا ہے جو یا تو بآسانی میسر آجاتا ہے یا کم از کم علمی اخبارات و رسائل کے ذریعہ انکے ضروری مطالب و فوائد معلوم ہوجاتے ہیں۔ اس عنوان کے نیچے اُن کا تذکرہ کیا جاسکے گا، ضروری مطالب اخذ و نقل کئے جاسکیں گے، اور بعض حالتوں میں مختصراً نقد و تبصرہ بھی ہوجائے گا۔

اخبارات و رسائل کا یہ حال ہے کہ اگر تمام زبانوں کے اخبارات میں سے صرف انگریزی، عربی، اور ترکی زبان کے اخبارات ہی چُن لئے جائیں، اور ان میں سے بھی صرف وہی لئے جائیں جو نہایت وقیع درجہ کے ہیں، جب بھی ان کی تعداد اتنی بڑی ہوگی کہ نہ تو بہ آسانی خریدی جاسکتی ہے، نہ ہر شخص اپنے اوقات فراغ میں اُن سب کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ اس لئے علم و اطلاع کا بہتر و سہل ذریعہ یہی ہے کہ اُن کا خلاصہ نظر سے گزرتا رہے۔ ہر اخبار میں خواہ وہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا کیوں نہ ہو کام کی چیزیں چند ہی ہوتی ہیں اور بہ آسانی چُن لی جاسکتی ہیں۔ یہی حال کتابوں کا ہے۔ یورپ کی زبانوں میں متعدد رسائل کا موضوع یہی ہے۔ اُردو پریس نے ابھی تقسیم عمل کے اس درجہ تک کہاں ترقی کی ہے کہ اس قسم کے پرچے شائع ہوں؟ البتہ یہ ممکن ہے کہ چند صفحات اس کے لئے مخصوص کردئے جائیں، الہلال میں یہ باب اسی غرض سے قرار دیا گیا ہے۔

اس باب کی اہمیت اور نفع کا اندازہ شاید فوراً نہ ہوسکے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ اس نمبر میں بہت کم جگہ اس کے لئے نکل سکی۔ لیکن اگر چند ہفتوں تک اس کا مطالعہ جاری رہا تو آپ محسوس کرلیں گے کہ یہ کس درجہ مفید اور دلچسپ چیز ہے؟ الہلال کے ان چند صفحات کا مطالعہ کرلینا مغرب و مشرق کی مطبوعات کے تمام وقیع ذخیرہ کا مطالعہ ہوگا۔

الہلال کے ان چند کالموں کے لکھنے کے لئے جس محنت و صرف کی ضرورت ہے مشکل ہے کہ آپ اُس کا اندازہ لگا سکیں۔ جو چیز ہفتہ بھر کی لگاتار محنت و کاوش کے بعد لکھی جائے گی، وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ کے اندر آپ پڑھ لیں گے۔ ممکن ہے مطالب کی دلچسپی اتنا وقت بھی محسوس نہ ہونے دے۔ تاہم اس واقعہ سے آپ کو بے خبر نہیں رہنا چاہئے کہ سیکڑوں روپیہ کے صرف اور ایک اہل قلم کے پورے سات دن کی محنت سے یہ چند کالم تیار کئے جاتے ہیں بسا اوقات اس کی صرف ایک سطر لکھنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ کئی کئی سو صفحوں کی کتاب یا اخبارات و رسائل اوّل سے لیکر آخر تک پڑھ ڈالے جائیں، اور بعض اوقات تو ایسا ہوگا کہ صفحوں کے صفحے پڑھ کر رکھ دینے پڑینگے اور ایک سطر بھی میسر نہ آئے گی!

اسوقت دفتر الہلال میں مغرب و مشرق کے وقیع اخبارات و رسائل کا بہت بڑا ذخیرہ ہفتہ وار آتا ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، طلیانی، جرمن، اسپینی، عربی، ترکی، فارسی اور جاپانی زبان کے روزانہ، سہ روزہ، ہفتہ وار، ماہوار، سہ ماہہ، ہر قسم کے اخبار و رسائل مہیا کئے گئے ہیں طلیانی اور اسپینی زبانوں کے سوا باقی تمام زبانوں کے مطالعہ اور اخذ و ترجمہ کا انتظام موجود ہے۔ اور اُمید ہے کہ بہت جلد ان دو زبانوں کے مطالعہ کا بھی انتظام ہوجائے گا۔ یہی حال نئی کتابوں کا ہے۔ شاید ہی کوئی ہفتہ اس سے خالی جاتا ہو کہ نئی مطبوعات کا وافر ذخیرہ یہاں نہ پہنچتا ہو۔ ہم کوشش کرینگے کہ حتی الوسع اس تمام ذخیرہ کا بہترین خلاصہ ہر ہفتہ درج کردیا کریں۔

یہ واضح رہے کہ "عالم مطبوعات و صحائف" کا باب "مطبوعات جدیدہ" سے مختلف ہے "مطبوعات جدید" کا عنوان اس لئے رکھا گیا ہے تاکہ اہم کتابوں پر نقد و تبصرہ کیا جائے، یا اگر کسی خاص کتاب کا کوئی اہم حصہ قابل اشاعت ہو تو اسے بجنسہ نقل کرلیا جائے، لیکن عالم مطبوعات و صحائف کا دائرۂ نظر عام و وسیع ہے۔ [illegible] مطبوعات سے ہر طرح کی ضروری معلومات منتخب کرکے درج کی جائیں گی۔

تاریخ کبیر ذہبی

تاریخ اسلام کے [illegible] امام شمس الدین الذہبی (المتوفی سنہ ۷۴۸ھ) [illegible] جو درجہ حاصل ہے، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ [illegible] کا عہد تھا تاہم جو قبولیت و شہرت اُن کی مصنفات کو حاصل ہوئی، اُس سے اُن کے بڑے بڑے معاصر حتیٰ کہ شیوخ [illegible] بھی محروم ہیں۔ اُنکی مصنفات میں ایک بڑا حصہ تاریخ و رجال کا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسوقت تک میزان الاعتدال کے سوا (جسے سب سے پہلے ہندوستان کے ایک عالم مولانا عبدالحی مرحوم فرنگی محلی نے چھپوا کر شائع کیا) اور کوئی مطول کتاب شائع نہ ہوسکی۔

تاریخ میں ان کی سب سے بڑی کتاب "تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر الاسلام" ہے جو تاریخ کبیر ذہبی کے نام سے مشہور ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے بعد اسلام کی جسقدر تاریخیں لکھی گئیں، سب کی سب اس سے ماخوذ ہیں۔ کوئی متأخر مؤرخ ایسا نہیں جو اس کا حوالہ نہ دیتا ہو۔ اس کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تمام ناقص ہیں۔ بدقسمتی سے کسی ایک مقام پر بھی کوئی مکمل نسخہ موجود نہیں۔

یورپ کے مستشرقین اور مستشرق جماعتوں کا ایک خاص طریق کار یہ ہے کہ وہ جب کوئی خاص کتاب شایع کرنی چاہتے ہیں تو پہلے اُس کے تمام موجودہ نسخوں کی ایک یادداشت طیار کرلیتے ہیں۔ یہ یادداشت نہایت قیمتی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ دنیا کے مختلف مقامات میں اس کے کون کون سے نسخے موجود ہیں، اور کیونکر اُن سب سے اس کا ایک مکمل اور صحیح نسخہ مرتب کیا جاسکتا ہے؟ سنہ ۱۸۹۹ء میں ہالینڈ کے مشہور مستشرق پروفیسر دی گوئے De Goeie نے ایک یادداشت اس کتاب پر شائع کی تھی۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پہلی اور پانچویں جلد پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہے۔ دوسری اور چوتھی اکسفورڈ میں ہے۔ تیسری روم اور قاہرہ میں ہے۔ چھٹی، ساتویں، اور آٹھویں برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے۔ نویں سے لے کر بارہویں جلد تک قسطنطنیہ کے کتب خانہ ایا صوفیہ میں موجود ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر جلدیں ناقص ہیں اور جب تک اُنکے ناقص اجزاء کے مقابلہ میں دوسرے نسخوں سے کامل اجزاء نہ مل جائیں مکمل نسخہ کی ترتیب مشکل ہے۔ اس یادداشت میں ان اجزاء کا بھی حال درج تھا، اور امید کی گئی تھی کہ مکمل نسخہ مرتب ہوجائیگا۔

ہندوستان میں بھی اس کے نسخے جابجا پائے جاتے ہیں مگر مکمل نسخہ کہیں نہیں ہے۔ رامپور کے کتب خانے میں تین جلدیں ہیں۔ لکھنؤ کے کتب خانہ مولانا حامد حسین مرحوم میں بھی تین ہیں۔ بانکی پور میں ایک جلد ہے۔ مولانا ابوالکلام . . کے کتب خانہ میں دو جلدیں ہیں دوسری اور چوتھی۔ غالباً حیدرآباد میں بھی بعض جلدیں پائی جاتی ہیں۔

اصل کتاب کی ایک کتابت میں بارہ جلدیں ہیں اور ایک میں تیرہ۔ مصنف نے ابتداء اسلام سے اپنے عہد تک یعنے ساتویں صدی ہجری تک کے حالات و تراجم جمع کرنے کا التزام کیا تھا۔ ترتیب یہ اختیار کی ہے کہ پوری مدت ستر بابوں میں منقسم ہے یعنی ہر بیس برس کے لئے ایک باب ہے۔ ہر باب میں پہلے وقائع و حوادث بہ ترتیب سنین جمع کئے ہیں۔ پھر وفیات و تراجم بہ ترتیب حروف تہجی بیان کئے ہیں دوسری اور چوتھی جلد جو مولانا کے کتب خانہ میں موجود ہیں، ان میں سنہ ۴۱ھ سے سنہ ۱۳۰ھ تک کے، اور سنہ ۱۹۱ھ سے سنہ ۲۴۰ھ تک کے حالات ہیں۔

دنیا اس کتاب کی اشاعت سے مایوس ہوچکی تھی۔ لیکن اب شائقین علم یہ سُنکر نہایت خوش ہونگے کہ نہ صرف اس کا مکمل نسخہ مرتب کرلیا گیا ہے، بلکہ اُس کی طباعت کا کام بھی شروع ہوگیا ہے۔ چنانچہ جرمنی سے پروفیسر ہارٹ من لکھتے ہیں کہ "تاریخ کا مکمل نسخہ جو گذشتہ پندرہ سال سے زیر تصحیح و تکمیل تھا اب مکمل ہوگیا ہے۔ اور پہلی جلد کی چھپائی بھی شروع ہوگئی ہے"۔

پروفیسر موصوف کا یہ خط مولانا ابوالکلام کے نام آیا ہے جن سے اُن کی خط و کتابت سنہ ۱۹۱۲ء سے جاری ہے۔ اسمیں انھوں نے مولانا کے کتب خانہ کی دونوں جلدیں طلب کی ہیں، اور اس کام کی نہایت دلچسپ تاریخ بھی بیان کی ہے تاکہ الہلال میں شایع کی جائے۔ پروفیسر موصوف یورپ کے اُن مشاہیر اہل علم میں سے ہیں جنھوں نے ازراہ عنایت الہلال کے لئے تحریر مقالات کا وعدہ فرمایا تھا۔ ہم آیندہ اُن کی تحریر کا ترجمہ بہ سلسلۂ مقالات شایع کرینگے۔

پریم

A. Tale of Modern India

مندرجۂ صدر نام سے مسٹر ایچ۔ کے۔ گورڈن نے ایک ناول لکھا ہے جو پچھلی ڈاک کی نئی کتابوں میں ہمارے پاس پہونچا ہے۔ اس میں پنجاب کی دیہاتی زندگی کی ایک دلچسپ داستان بیان کی گئی ہے، اور مصنف کا بیان ہے کہ یہ داستان نہیں ہے ایک سچی سرگزشت ہے۔ سر مائیکل اوڈوائر (سابق گورنر پنجاب) نے اسپر دیباچہ لکھا ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ "زمانۂ حال کی ہندوستانی زندگی کے مسائل سمجھنے میں یہ سرگزشت بہت مدد دے گی"

اس افسانہ میں اگرچہ متعدد سیرتیں (کیریکٹرز) دکھائی گئی ہیں لیکن دو سیرتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ ایک تو خود "پریم" کی جو اپنی کاشتکاری کی پُرصعوبت زندگی شروع کرتا ہے

سری سیٹھ بدری پرشاد کی جو دہلی کے الکان آرامنی میں سے ہے ہندوستان کی زمیندارانہ خصائل کا کامل نمونہ ہو۔ مصنف کے کو "پریم" سے زیادہ بدری پرشاد کی تصویر کھینچنے میں کامیابی ئی ہو۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ ہندوستانی زندگی کے جس افسانہ پر دہ دائرہ کے قلم سے دیباچہ نکلے گا، سیاسی حیثیت سے اُسکی ج کیا ہوگی؟ افسانہ کا معاشرتی ماحصل جو کچھ بھی ہو، لیکن سیاسی حصل یہ ہو کہ ہندوستان کی اصلی آبادی دیہات کی آبادی ہو۔ اس کے حقیقی اور عملی مسائل اقتصادی اور زرعی ہیں نہ کہ سیاسی ضرورت اُنہی کے حل اور اصلاح کی ہو۔ سیاسی نظام کی ترقی نہ ضروری ہو نہ سود مند!

قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود!

آشور اور بابل کی نئی تاریخ

Ancient Records of Assyria And Babylonia

آشور (اسیریا) اور بابل کا امین النہرین تمدن، تاریخ قدیم کی وہ عجیب داستان ہو جو صرف ہزاروں برس پہلے کے کھنڈر اور زیر زمین اینٹوں ہی کی زبانی سنی جا سکتی ہو۔ قلم و کتابت کے ذریعہ بہت کم صدائیں ہم تک پہنچی ہیں۔ علماء آثار نے اس عہد کے آثار سے بہت کچھ ذخیرۂ علم حاصل کر لیا ہو۔ یہ اب تاریخ کی ایک مستقل شاخ ہو گئی ہو۔ تاہم بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری ہو۔

حال میں شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کے ایک پروفیسر مسٹر ڈی۔ ڈی لکنبل (Luckenbill. D. D.) نے اس موضوع پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہو جو پچھلے ماہ شائع ہو گئی اسمیں کوشش کی ہو کہ جس قدر بھی معلومات آثار قدیمہ کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں، وہ سب تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیجائیں تاریخ کی ابتدا اُس زمانہ سے کی ہو جو تاریخ کی ابتدائی روشنی کا زمانہ ہو، اور ختم اُس عہد پر کیا ہو جب سرزمین نینوا تباہ ہو جاتی ہو۔ مصنف نے دیباچہ میں تصریح کی ہو کہ:

"اس تاریخ کا تمام تر دارومدار آثار قدیمہ پر ہو۔ آثار سے جو معلومات حاصل کی جاتی ہیں وہ بہت حد تک ایک خاص طریق استدلال پر مبنی ہوتی ہیں۔ اگر اس طریق استدلال کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ بھی غلط ثابت ہو جائے تو نتائج کا بہت بڑا سلسلہ نظر انداز کر دینے کے قابل ہو جائے گا۔ اس لئے میں نے کوشش کی ہو کہ حتی الامکان استدلالی طریقہ کی جگہ استنباط و استخراج کے سادہ طریقہ پر قناعت کروں لیکن یہ ہر جگہ کام نہیں دے سکتا تھا۔ بعض مقامات ایسے ہیں کہ استدلال کے بغیر قدم بڑھایا ہی نہیں جا سکتا۔ ایسے موقعوں پر طریق استدلال کام میں لایا گیا ہو مگر یہ احتیاط کر لی ہو کہ اول تو صرف مستند علماء آثار کے بیانات پر قناعت کر لی جائے۔ ثانیاً حتی الوسع استدلال میں ہی قریبی اور صاف استدلال سے نکالے ہوئے نتائج لئے جائیں۔"

قدیم ہندوستان میں سانپ کی حیثیت

Indian Serpent-Lore or The Nagas in Hindoo Legend

ڈاکٹر جے۔ ووجل Vogel نے مندرجہ صدر نام سے ایک کتاب لکھی ہو۔ ہندوؤں کے علم الاصنام میں سانپ کے وجود نے کیوں اہمیت حاصل کر لی؟ اور کس طرح اس کی پرستش کا رواج ہوا؟ اس کتاب میں اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی ہو۔ مصنف نے پہلے ہندوستان میں سانپوں کی کثرت اور انکے اثرات پر بحث کی ہو۔ پھر "ناگ" اور اس کے تخیل پر نظر ڈالی ہو اور اس سلسلہ میں وہ تمام افسانے بھی درج کر دیئے ہیں جن کا تعلق ناگ پادشاہوں اور ناگ کی قوم سے ہو۔

کتاب بہ حیثیت مجموعی دلچسپ ہو اگرچہ تحقیقات کا پایہ بلند نہیں ہو۔ ہم اس کے بعض حصوں کا ترجمہ آئندہ شایع کریں گے۔

تجہیز و تکفین کی فضول خرچیاں

Funeral Customs: Their Origin and Development

مسٹر بی۔ اچ۔ بکل Buckle نے یہ کتاب اس غرض سے لکھی ہو کہ مسیحی رسوم کے مطابق تجہیز و تکفین کے جو طریقے یورپ میں رائج ہیں، ان پر تاریخ و فلسفہ کے نقطۂ خیال سے نظر ڈالی جائے، اور اقتصادی حیثیت سے اُن کا سرسری پہلو بھی واضح کیا جائے۔ کتاب کا موضوع اگرچہ صرف یورپ کی زندگی سے تعلق رکھتا ہو لیکن تجہیز و تکفین کا مسئلہ عام ہو، اس لئے جا بجا نہایت دلچسپ اور مفید مباحث آ گئے ہیں۔ یہ کیا بات ہو کہ موت جو زندگی کا خاتمہ اور حسرت و ماتم کا پیغام ہو، اُس ساز و سامان سے علیحدہ نہ ہو سکی جو انسان نے زندگی کی شان و شوکت اور ہنگامہ آرائیوں کے لئے اختیار کئے تھے؟ وحشی قوموں سے لے کر موجودہ عہد کی متمدن قوموں تک، کوئی بھی اسپر راضی نہیں ہوتا کہ موت کا مرحلہ محض خاموشی و گمنامی کے ساتھ طے کر لے؟ مصنف اس کے جواب میں چار سبب بتلاتا ہو:

(۱) یہ قدیم اور عالمگیر اعتقاد کہ بعض رسوم کی ادائیگی پر میت کی آئندہ عافیت موقوف ہو۔

(۲) اگر میت کے ساتھ انصاف اور فیاضی کا لحاظ نہ رکھی گئی تو وہ زندوں کو ستانے لگے گا۔

(۳) رائے عامہ جسے حق حاصل ہو کہ جنازوں کی شان و شوکت یا سادگی و بے وقعتی پر اظہار خیال کرے۔

(۴) میت کے عزیزوں قریبوں کے دماغ کی وہ عارضی حالت جو کچھ عرصہ کے لئے دنیا اور دنیا کے تمام مصالح و فوائد سے بے پروا ہو جاتی ہو اور فضول خرچی کی مضرتوں کا احساس باقی نہیں رہتا۔

لوزان کی آئندہ مسیحی کانفرنس

معلوم نہیں قارئین الہلال کو اُس کانفرنس کا حال معلوم ہو یا نہیں جو ۱۹۱۰ء میں اس لئے قائم کی گئی تھی تاکہ تمام مسیحی ممالک کے مذہبی عقائد و نظام کی وحدت و یک جہتی کے لئے مسلسل کوشش شروع کی جائے؟ یہ کانفرنس لوزان میں منعقد ہوئی تھی جس کا نام ترکی معاہدۂ صلح کے سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہو۔ اب آئندہ اگست میں اس کا دوسرا اجلاس منعقد ہوگا۔ پچھلی ڈاک کے تمام اخبارات اس کے تذکرہ سے لبریز ہیں۔

یہ مسیحی مذہب کا حال ہو جسنے اول دن سے اصول و عقائد کے تفرقہ میں پرورش پائی تھی۔ لیکن اسلام کی بنیاد اس حالت میں پڑی کہ کلیسا اور کلیسا کے اختلافات کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رکھی گئی تھی۔ پھر کیا مسلمانوں کے لئے اسمیں کوئی عبرت نہیں ہوگی؟ کاش ہندوستان میں بھی کسی "لوزان" کی صدا بلند ہوا!

ٹرکی کی جدید مردم شماری

ترکی حکومت نے نئی مردم شماری کا انتظام کیا ہو۔ اس سلسلہ میں اخبار نیز ایسٹ لندن نے لکھا تھا کہ "ٹرکی حکومت کی جانب سے بار بار ظاہر کیا گیا ہو کہ اُس کی موجودہ آبادی ساڑھے تیرہ ملین (ایک کروڑ پینتیس لاکھ) سے کم نہیں ہو لیکن واقعہ یہ ہو کہ اس سے بہت کم ہو" اسپر مطلب بے نے جو موجودہ ترکی حکومت میں دیوانی امور کے ڈائرکٹر جنرل ہیں، ایک بیان شائع کیا ہو اور نیز ایسٹ کی تغلیط کی ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ تخمینہ تمام سرکاری کاغذات سے ثابت شدہ ہو، اور بہت ممکن ہو کہ آئندہ مردم شماری میں اس سے بھی زیادہ تعداد ثابت ہو"۔

آزادی پر دنیا کی نئی نظر

مئی کے کنٹمپریری ریویو میں سر ہربرٹ سیموئل نے ایک مطول مقالہ "لبرٹی" (آزادی) کے عنوان سے لکھا ہو۔ انگلستان کے درمیانی طبقہ کا ذہنیہ نگاہ معلوم کرنے کے لئے یہ ایک نہایت مفید تحریر ہو۔ یہ نہ تو اس میدان میں زیادہ دور تک جانا چاہتی ہو۔ نہ اسپر قانع ہو کہ قدم نہ اٹھائے۔ پڑھنے والا محسوس کرتا ہو کہ اُسے ایک درمیانی جگہ مل گئی ہو۔

مقالہ نگار نے آزادی کی وہی پانچ قسمیں کی ہیں جو آجکل عام طور پر کی جاتی ہیں:

(۱) شخصی
(۲) دماغی
(۳) سیاسی
(۴) اقتصادی
(۵) قومی

پھر بتلایا ہو کہ ان میں سے ہر آزادی کا ایک حلقہ ہو۔ لیکن مشکل یہ پیش آ جاتی ہو کہ ہر حلقہ دوسرے حلقہ سے متناقص ہو جاتا ہو۔ مجبوراً ان سب میں اتنی کمی بیشی کر دینی پڑتی ہو کہ مجموعی حالت میں اعتدال پیدا ہو جائے۔ کبھی شخصی آزادی گھٹا دی جاتی ہو تاکہ سیاسی آزادی کو صدمہ نہ پہنچے۔ کبھی سیاسی آزادی محدود کر دی جاتی ہو تاکہ شخصی آزادی کا درجہ گھٹ نہ جائے۔ ان تمام حلقوں کے ایسے حدود قائم ہو جانا جو باہمدگر موافق و مطابق ہوں، دنیا کی علمی مشکلات میں سے سب سے بڑی مشکل ہو۔ جس دن ہم یہ مشکل حل کر لینگے، آزادی کا علمی عقدہ بھی حل ہو جائے گا۔

جدید روس کا جدید تمدن

اسی رسالہ میں مسٹر سی۔ ایچ ہرفورڈ کا ایک نہایت دلچسپ مقالہ "بالشویزم کی تہذیب" پر نکلا ہو۔ مسٹر موصوف لکھتے ہیں:

"بالشوسٹ روس کو ہم اسوقت تک صرف تعصب ہی کی عینک میں سے دیکھتے رہے ہیں لیکن یہ حالت کب تک باقی رہے گی؟ کب تک حقیقت سے زیادہ ہمیں اپنے متعصبانہ جذبات کا پاس رہے گا؟ روس کے اس انقلاب کو ہم تمدن کا تنزل

بتلاتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ طرح طرح کے تمدنی اور تعلیمی قیاسات کے مدارج پورے سرعت کے ساتھ طے کر رہا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ ہم ہر طرح کے تعصبات سے الگ ہو کر اعتدال فکر کے ساتھ روسی انقلاب کا مطالعہ کریں"

ترک اور نسل ابراہیمی

پچھلے دنوں پروفیسر حقی بے نے جو جامعۂ مستنطنیہ میں اسلامی تاریخ کے مدرس ہیں، ایک عجیب نظریہ اخبارات میں شائع کیا تھا۔ ماحصل اس کا یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی نسل سے تھے جو ترکوں کی نسل ہے۔ نظریہ کے اثبات میں تورات قرآن، اور علم الاقوام سے دلائل پیش کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن جتنی باتیں ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر نکالی گئی تھیں، اُن میں ایک بھی ایسی نہ تھی جو اہل علم کے لئے قابل التفات ہو۔ خصوصاً قرآن سے استدلال تو نہ صرف غیر مفید بلکہ عدم فہم و تدبر پر مبنی تھا۔

پچھلی ڈاک کے ترکی اخبارات میں پھر یہ بحث چھڑ گئی ہے۔ توحید افکار میں ایک اہل قلم نے طول طویل مضمون لکھا ہے، وقت کے مقالہ نگار نے اُس کے رد پر زور قلم صرف کر دیا ہے۔ توحید افکار کا مضمون حقی بک کی تائید میں ہے۔ وقت کا مضمون تغلیط میں۔ ضمناً یہ بحث بھی چھڑ گئی ہے کہ قدیم تقسیم اقوام کی بنا پر منگولین نسل کا ایک حلقہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن یہ کہاں تک نکتہ چینیوں سے محفوظ ہے؟ توحید افکار کے مقالہ نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قدیم تاتاری نسل اپنی ایک مستقل شاخ رکھتی ہے۔ مشرق اقصیٰ اُس کا محل وطن نہ تھا۔ یہ دنیا کے وسطی حصوں سے وہاں پہنچی تھی۔

اس سلسلہ میں لفظ "تارخ" اور آزر" کی اصلیت نے بھی ایک سخت نزاع پیدا کر دی ہے۔ یہ بحث بھی چھڑ گئی ہے کہ "تارخ" اور "آزر" اصلاً ایک ہی لفظ ہیں یا دو مختلف نام ہیں؟ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم کو "آزر" کا بیٹا بتلایا گیا ہے: اذ قال ابراھیم لابیہ آزر" لیکن تورات میں "تارخ" ہے۔ مفسرین نے اس کی یوں توجیہ کی ہے کہ "آزر" حضرت ابراہیم کا باپ تھا چچا تھا۔ باپ "تارخ" ہی تھا۔ لیکن چونکہ اُسی نے حضرت ابراہیم کی پرورش کی تھی۔ نیز عربی میں چچا پر بھی باپ کا اطلاق ہوتا ہے، اس لئے قرآن نے "آزر" کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا۔

بہر حال یہ، اور اس طرح کی بحثیں ایک طرح کی کاوش فکر اور تفنن طبع ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی کوئی وقعت نہیں جہاں تک حضرت ابراہیم کے باپ کی شخصیت کا سوال ہے، صاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ "تارخ" اور "آزر" سے ایک ہی شخصیت مراد ہے۔ قدیم الفاظ و اعلام میں اس طرح کے تبدلات بکثرت ہوئے ہیں۔

امریکہ کے شامی اور استقلال شام

قارئین الہلال کو غالباً معلوم ہوگا کہ امریکہ میں شامی مہاجرین کی بڑی بڑی نو آبادیاں ہیں۔ انھوں نے امریکن جنسیت قبول کر لی ہے۔ اور عام امریکن آبادی کی طرح تمول و خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے خاص عربی اخبارات ہیں، کلب ہیں، ہوٹل ہیں، جہاز رانی کی کمپنیاں ہیں، اور خاص نیویارک میں بڑے بڑے آباد محلے ہیں۔ غالب تعداد رومن کیتھولک مسیحی ہے۔ کثر مسلمان بھی ہیں۔

چونکہ ان کی جدید تمدنی زندگی کی ابتدائی نشو و نما فرانس کے زیر اثر ہوئی تھی، اس لئے قدرتی طور پر جذبات کا میلان اُسی طرف رہتا ہے۔ جنگ کے بعد جب فرانس نے شام پر فعلاً قبضہ کیا، تو انھوں نے شام کو مبارکباد دی۔ پھر جب شامیوں نے فرانسیسی مظالم سے عاجز آکر اعلان جنگ کر دیا، تو ان کے اخبارات علانیہ فرانس کے حامی اور دروزیوں کی "وحشت و جہالت اور ناشکر گزاری" پر متاسف تھے!

چونکہ مہاجرین امریکہ ابناء شام کی سب سے بڑی متمول اور طاقتور جماعت ہیں، اس لئے قدرتی طور پر انکے خیالات کا مسئلہ شام پر نہایت مضر اثر پڑتا تھا۔

یہ حال دیکھ کر متعدد شامی لیڈروں نے امریکہ کا سفر کیا۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر عبد الرحمٰن شہبندر گئے تھے، جنھوں نے آمریکہ کی تمام شامی آبادیوں میں لکچر دیئے اور صورت حال سے مطلع کیا۔ اُنکے بعد مشہور شامی زعیم، امیر شکیب ارسلان نے اسی غرض سے آمریکہ کا سفر کیا اور کئی ماہ تک مقیم رہے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کوششیں پوری طرح بار آور ہوئی ہیں اور امریکن شامیوں کی رائے عامہ میں بہت کچھ تبدیلی ہو گئی ہے۔ کئی ہفتہ سے آمریکہ کے جس قدر عربی اخبارات آرہے ہیں، سب سے اس تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔ پچھلی ڈاک کے البیان اور الہدیٰ میں کئی مضامین شام کے مسئلہ استقلال پر نکلے ہیں۔ سب میں وہی نقطۂ خیال کام کر رہا ہے جو شام کا مخلصانہ وطنی نقطۂ خیال ہے۔ الہدیٰ لکھتا ہے

"بلاشبہ ہم فرانس کے علم و ادب کے مقروض ہیں۔ ہمیں اس قرضہ کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن ہم اس کے لئے طیار نہیں کہ اس کے معاوضہ میں اپنا وطن عزیز اور اُس کا وطنی استقلال مال غنیمت کی طرح حوالہ کر دیں۔ ہم فرانس کے آگے عبودیت و محکومیت کا سجدہ کرنے سے انکار کرتے ہیں"

پارہ کا فوری علاج

ہر شخص جانتا ہے کہ کچا پارہ اگر جسم کے اندر چلا جائے تو نہایت مضر ہوتا ہے۔ پارہ کا پھوٹنا مشہور ہے۔ ایک مدت سے طبی حلقوں کو تلاش تھی کہ اسکا کوئی فوری اور قطعی علاج معلوم ہو جائے اب آمریکہ کے مشہور طبی رسالہ "جرنل ان دی میڈیکل ایسوسی ایشن" میں اس کا مجرب اور سہل علاج بتلایا گیا ہے۔ آمریکہ کے تمام مستند طبی حلقے اس کی تصدیق کرتے ہیں:

"اگر کوئی شخص پارہ کھا گیا ہو تو پہلے ایک یا دو گلاس دودھ پلا دو۔ پھر چند کچے انڈے کھلا دو۔ یہ چیزیں جب پارے سے ملتی ہیں تو فوراً ایک نمک طیار ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ معدہ میں پارہ ہضم نہ ہو سکے گا اور دودھ اور انڈے کی چکناہٹ معدہ کی دیواروں کو چکنا بھی کر دے گی تاکہ پارہ جذب نہ ہو سکے۔ البتہ یاد رہے کہ ہر حال میں دو باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ ایک یہ کہ پارہ کے بعد جہاں تک جلد ممکن ہو یہ علاج عمل میں آجائے۔ دوسرے یہ کہ معدہ کی صفائی اچھی طرح کر دی جائے"

خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں و نیز نام اور پتہ صاف ہونا چاہیئے ورنہ تعمیل میں دیر ہوگی۔
منیجر "الہلال" کلکتہ

کیا آپکو معلوم نہیں
کہ
اسوقت دنیا میں بہترین فاؤنٹین قلم
امریکن کارخانہ "شیفر"
کا
"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا۔
(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپ کی زندگی بھر کام دے سکتا ہے
(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں۔

کم از کم تجربہ کیجئے
یاد رکھئے جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہیئے!

بریدِ شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار قسطنطنیہ کے قلم سے)

دو تاریخی دشمن رُو در رُو

سابق خدیو مصر کا مقدمہ

عباس پاشا حلمی، دورِ حاضر کے سربرآوردہ مشاہیر میں سے ہیں۔ جنگ عمومی کے آغاز تک مصر کے فرمانروا تھے۔ برطانیہ سے اِن کی مخالفت تاریخی واقعہ بن گئی ہے۔ باہمی عداوت کی سرگزشت خود لارڈ کرومر نے اپنے پُرزور سیاسی قلم سے لکھی ہے اور "عباس ثانی" کے نام سے دُنیا کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ لارڈ موصوف نے عباس کی مذمت میں اپنی تمام قوت کتابت صرف کردی ہے۔ مگر شروع سے آخر تک کتاب پڑھ ڈالنے کے بعد اس کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوتا کہ "یہ خدیو، برطانیہ کا دشمن تھا" کیونکہ "برطانیہ نے اُس کے مُلک پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا"

یہاں ہم خدیو کی وطن پرستی کی تاریخ بیان کرنی نہیں چاہتے لیکن یہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آخر کار اسی وطن پرستی نے عباس حلمی کو اپنے تاج و تخت سے محروم کرایا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ برطانیہ نے مصر میں اُس کی تمام ذاتی جائداد ضبط کرکے پُورا پُورا انتقام لے لیا۔

آج مصر میں خدیو کی کوئی ملکیت باقی نہیں ہے حالانکہ جنگ سے پہلے وہ مصر کا سب سے بڑا صاحب املاک تھا۔ خدیو کی سابق دولت کے متعلق بہت سے قصے مشہور ہیں۔ وہ اپنے عہد حکومت میں دنیا کے چند سب سے زیادہ دولتمند فرمانرواؤں میں سے تھا

بہرحال وہ قدیم تاریخی دشمنی آج پھر منظر عام پر آگئی ہے۔ پہلے اُس کا دائرہ شاہی محل، انگریزی ریزیڈنسی، اور سیاسی حلقوں میں محدود تھا۔ آج وہ عدالت کے ایوان میں جلوہ آرا ہے، اور جج اُس پر محاکمہ کرنے بیٹھے ہیں۔

مقدمہ کی نوعیت

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سابق خدیو نے قسطنطنیہ کی مخلوط اعلیٰ عدالت میں حکومت برطانیہ پر دعویٰ دائر کیا ہے، اور اپنی جائداد کا معاوضہ طلب کیا ہے جو دوران جنگ میں ضبط کرلی گئی تھی۔ خدیو کا دعویٰ یہ ہے کہ برطانیہ نے اُس کی جائداد ضبط کرنے کے بعد اُسے صرف ۶،۰۰،۰۰۰ پونڈ معاوضہ ادا کیا یہ رقم بہت کم ہے۔ اُسے ۲۸،۲۳،۸۰۲ پونڈ معاوضہ ملنا چاہئے

مدعا علیہ کا جواب دعویٰ

دعویٰ اپنے اجمال میں صاف اور سادہ ہے۔ لیکن تفصیلات نے بہت سی پیچیدگیاں پیدا کردی ہیں جن کے حل کرنے میں اس وقت ٹرکی، مصر، برطانیہ، اور بعض دوسرے یورپین ملکوں کے قابل ترین علماء قانون مشغول ہیں۔ یہ پیچیدگیاں دراصل برطانیہ کی طرف سے پیدا کی گئی ہیں۔ برطانوی وکیل مورس اموس نے کل عدالت میں اپنے اعتراضات پیش کئے تھے۔ سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ عدالت، جس کے سامنے مقدمہ پیش ہے، اس مقدمہ کی سماعت کا اختیار نہیں رکھتی۔ برطانی نمایندے نے اس کے لئے دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ اول مدعی کی شخصیت۔ ثانیاً دعوے کا موضوع۔

انگریزی وکیل نے کامل تین گھنٹے تقریر کی۔ اور ان دونوں نقطوں پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی۔ اُس کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"مدعی کی شخصیت، موجودہ عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ یہ اس لئے کہ خدیو کی جنسیت مصری ہے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ اس عدالت کے سامنے صرف اُنھی لوگوں کے دعوے آسکتے ہیں جو ترکی جنسیت رکھتے ہوں اور برطانیہ یا اُس کی رعایا کے خلاف دعویٰ رکھتے ہوں" اپنے دعوے کے ثبوت میں وکیل نے کہا "ابتک مصری حکومت سابق خدیو کو "مصری" ہی گردانتی ہے اور اور اُن کی ترکی جنسیت تسلیم نہیں کرتی۔ اس بارے میں مصری اور ترکی حکومت میں گفت و شنید بھی ہوچکی ہے۔ مگر مصری حکومت اپنے فیصلہ پر قائم ہے۔ میرے لئے سرکاری کاغذات پیش کرنا مشکل ہے۔ لیکن میرے پاس موجودہ مصری وزیر اعظم عبدالخالق ثروت پاشا کا خط موجود ہے جو اُن سے خاص اس موقعہ کے لئے حاصل کیا گیا ہے"

اس کے بعد وکیل نے وزیر اعظم مصر کا خط پیش کیا جو حسب ذیل ہے:

"آپ کا خط پہونچا۔ افسوس جواب میں بہت تاخیر ہوئی۔ اس کا اصلی سبب وزارت کا استعفا تھا۔ اسی استعفا کی وجہ سے اُس نوٹ پر دستخط بھی دیر سے ہوئے جو سابق خدیو عباس پاشا کے متعلق مصری حکومت ترکی سفیر کے حوالہ کرنے والی تھی۔ آج اس نوٹ پر دستخط ثبت ہوگئے اور ترکی سفیر کو دے دیا گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصری حکومت سابق خدیو کی جنسیت کی تبدیلی تسلیم نہیں کرتی... میں آپ کی اس مہم میں پُوری کامیابی کا خواہشمند ہوں"

خط سُنانے کے بعد انگریزی وکیل نے کہا:

"اب یہ مسئلہ بالکل صاف ہوگیا کہ عباس حلمی مصری ہیں۔ ترکی نہیں ہیں۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے مصر پر اپنے حمایت (پروٹیکٹریٹ) کا اعلان کیا۔ اُس وقت سے خدیو انگریزی رعایا ہوگئے۔ لہٰذا اُن کا موجودہ دعویٰ برطانیہ کا ایک داخلی معاملہ ہے۔ یعنی برطانیہ کی ایک رعایا نے حکومت برطانیہ پر دعویٰ کیا ہے موجودہ عدالت کو ایسے مقدمات سننے کا قانوناً حق نہیں ہے۔ بنا بریں عدالت کو اس مقدمہ پر غور نہیں کرنا چاہئے"

اس کے بعد وکیل نے دوسرے نقطہ پر بحث شروع کی:

"خدیو اپنی جائداد کا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ موجودہ عدالت کو معاوضہ کے دعوؤں پر غور کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عدالت، معاہدۂ لوزان کے بموجب وجود میں آئی ہے اور معاہدہ میں صاف تصریح موجود ہے کہ ترکی برطانی عدالت صرف اُن دعوؤں پر غور کرے گی جو ٹرکی یا دول اتحاد طرفین پر کسی جائداد کے متعلق دائر کرینگے بشرطیکہ اُس جائداد کا طرفین کو علم ہو۔ لیکن خدیو کسی جائداد کا مطالبہ نہیں کررہے ہیں بلکہ معاوضہ طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ معاوضہ کا معاملہ اس عدالت کے اختیار سے باہر ہے"

یہ کہکر وکیل نے معاہدۂ لوزان کی دفعہ ۵۸ پڑھی جس کا مضمون یہ ہے:

"ٹرکی اور دول اتحاد باہمی رضامندی سے اُن تمام نقدی معاوضوں کے مطالبہ سے دست بردار ہوتے ہیں جن کا تعلق یکم اگست ۱۹۱۴ء سے تاریخ معاہدہ تک طرفین کی جائداد سے ہے عام اس سے کہ وہ جائدادیں تباہ ہوگئی ہوں یا ضبط کرلی گئی ہوں"

وکیل نے کہا "اس تصریح کے بعد خدیو کا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہوجاتا ہے" یہاں پر انگریزی وکیل کو اعتراف کرنا پڑا کہ "لوزان کا معاہدہ اُن معاہدوں سے بالکل مختلف ہے جو دول اتحاد نے جرمنی، آسٹریا، اور بلغاریہ سے کئے ہیں۔ یہ معاہدے غالب اور مغلوب کے مابین ہوئے تھے، اسی لئے اُن میں غالب کی سخت شرطیں موجود ہیں۔ لیکن لوزان کا معاہدہ دو برابر کے حریفوں میں ہوا تھا غالب اور مغلوب میں نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے اُس کی تمام شرطوں کی بنیاد مساوات پر ہے"

یہ تاریخی واقعہ بھی اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ "لوزان کانفرنس میں اتحادیوں نے ٹرکی کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ تین کرور پونڈ تاوان جنگ طلب کیا تھا۔ مگر ٹرکی نے صاف انکار کردیا۔ اس کے بعد ڈیڑھ کرور طلب کیا۔ اسپر بھی ٹرکی راضی نہ ہوا۔ آخر ایک کرور بیس لاکھ پر اصرار کیا گیا۔ مگر ٹرکی نے اس بارے میں گفتگو کرنے سے قطعی انکار کردیا۔ مجبوراً اتحادیوں کو مذکورہ بالا دفعہ ۵۸ پر راضی ہونا پڑا، جس کی رُو سے طرفین ہر قسم کے مالی معاوضوں سے دست بردار ہوگئے"

اس کے بعد وکیل نے معاہدہ کی دفعہ ۶۵ اور ۶۶ پر بحث کی "بلاشبہ ان دفعوں میں طرفین نے تسلیم کیا ہے کہ ضبط شدہ جائدادیں واپس کردیں گے یا اُن کی قیمت ادا کردیں گے۔ مگر اس میں صاف تصریح موجود ہے کہ ایسے دعوے اُس عدالت میں پیش ہوسکتے ہیں جو طرفین خاص اسی غرض سے مقرر کرینگے موجودہ عدالت کی یہ حیثیت نہیں ہے، لہٰذا اس مقدمہ پر غور کرنا اُس کے اختیار سے باہر ہے"

اس کے بعد وکیل نے یہ اعتراض پیش کیا کہ "معاہدۂ لوزان کی رُو سے طرفین ایسی ہی جائدادوں کا مطالبہ کرسکتے ہیں جو کسی ایک فریق کے قبضہ میں ہیں۔ کیونکہ اگر قبضہ میں نہیں ہیں تو اُن کی واپسی بھی ناممکن ہے۔ مدعی عباس پاشا کی فی الحال کوئی

جائداد بھی برطانیہ کے قبضہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ مصر اب ایک خود مختار سلطنت ہے اور برطانیہ کو اُس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا حق باقی نہیں رہا"

"علاوہ بریں" وکیل نے مزید استدلال کرتے ہوئے کہا "معاہدۂ لوزان نے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ برطانیہ اُنھی ملکوں کی جائدادیں واپس کرے گا جو اس معاہدہ کے وقت ترکی کے قبضہ سے نکلے ہیں۔ ظاہر ہے مصر کا شمار ایسے ملکوں میں نہیں ہے مصر جنگ سے پہلے ہی ترکی سے علحدہ ہوچکا تھا"

اس موقعہ پر وکیل نے لاہائی کی عدالت عالیہ کے مشہور جج موسیو کوبر کا یہ قول نقل کیا کہ کسی ملک کے اپنی سلطنت سے علحدہ ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ سلطنت یہ علحدگی تسلیم بھی کھلے فعلاً کسی ملک کی حکومت کا بے اختیار ہوجانا اس کے لئے کافی ہے کہ اُسے حکومت کے امتیاز سے محروم تسلیم کرلیا جائے"

اس قول سے وکیل نے یہ استدلال کیا کہ "ٹرکی نے اگرچہ مصر کی علحدگی سرکاری طور پر اُس وقت تسلیم نہیں کی تھی۔ مگر مصر فعلاً اُس سے علحدہ ہوچکا تھا اور اگر اُس وقت کی علحدگی قانوناً جائز نہ ہو تو پھر ۱۹۱۴ء میں انگریزی حمایت نے تو مصر کو قطعاً الگ کردیا تھا اور دول نے بھی اسے تسلیم کرلیا تھا۔ اگر یہ بھی معتبر نہ ہو تو پھر ۱۹۲۲ء میں مصر کے اعلان خود مختاری پر تو کوئی رد و قدح نہیں ہوسکتی۔ یہ اعلان صرف دول یورپ ہی نے نہیں بلکہ خود ٹرکی نے بھی تسلیم کرلیا ہے"

غرضکہ انگریزی وکیل نے ہر ممکن دلیل سے ثابت کرنا چاہا کہ خدیو عباس کا موجودہ دعویٰ اگر بے بنیاد نہ ہو تو بھی اس عدالت میں پیش نہیں ہوسکتا۔ عدالت میں ۶۰ سے زیادہ سربرآوردہ ترک اور سفراء دول موجود تھے۔ مگر کسی نے بھی انگریزی وکیل کی تقریر پسند نہیں کی۔ اُس کی تقریر غیر دلچسپ اور افسردہ کن تھی تمام حاضرین اس بات پر مسکرا رہے تھے کہ وہ بار بار جوش میں آکر تمسخر انگیز حرکتیں کرنے لگتا تھا سب سے زیادہ تمسخر انگیز منظر اُس کی عینک میں تھا۔ وہ اپنی عینک کسی طرح بھی سنبھال نہیں سکتا تھا۔ بار بار ناک پر رکھتا اور پھر گھبرا کر اُتار دیتا۔ جب رکھتا تھا تو اس طرح ججوں کو دیکھنے لگتا تھا گویا کتاب پڑھ رہا ہے۔ جب اُتار دیتا تھا تو اس طرح نظریں اُٹھا دیتا تھا گویا اندھیرے سے اچانک روشنی میں آگیا ہے!

برخلاف اس کے خدیو کے پیروکار بڑے سلیقہ اور وقار کے وکیل تھے۔ انکے سرگروہ مشہور قانون داں طاہر بک ہیں۔ یہ آستانہ کے مدرسۂ قانون کے مہتمم ہیں اور لوزان کانفرنس میں ترکی وفد کے قانونی مشیر تھے۔

خدیو کے وکلاء کی بحث

خدیو کی طرف سے تین وکیل تھے۔ تینوں نے انگریزی وکیل کی بحث کے تین اہم نقطوں کو باہم تقسیم کرلیا تھا۔

طاہر بک نے خدیو کی جنسیت پر بحث کی اُنھوں نے کہا:

"خدیو، ترکی رعایا ہیں۔ کیونکہ ترکی قانون جنسیت اُنھیں ترکی رعایا قرار دیتا ہے اور مصری قانون جنسیت اُنھیں مصری تسلیم نہیں کرتا۔ خود برطانیہ معترف ہے کہ ۵ نومبر ۱۹۱۴ء تک خدیو کا شمار ترکی رعایا میں تھا، پھر اس تاریخ کے بعد بقول اُس کے خدیو مصری رعایا ہوگئے۔ حالانکہ ۱۹۲۶ء کے مصری قانون جنسیت کی دفعہ ۲ خدیو کو مصری جنسیت سے خارج کررہی ہے۔ کیونکہ مصر میں اُن کی عدم موجودگی اور مصر میں اُن کے داخلہ کی ممانعت کی وجہ سے اُن پر وہ شرطیں عائد نہیں ہوتیں جو مصری رعایا ہونے کے لئے قانون میں درج ہیں۔ اس قانون میں صاف لکھا ہے کہ وہی لوگ مصری رعیت ہیں جو ۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو مصر میں موجود تھے اور اسکے بعد بھی برابر وہاں بود باش رکھتے ہیں۔ خدیو عباس میں یہ دونوں شرطیں پوری نہیں ہوئیں۔ بلاشبہ ۱۹۱۴ء میں خدیو اپنے ملک واپس جانا چاہتے تھے مگر خود انگریزی سفیر مقیم قسطنطنیہ نے اُنھیں واپسی سے روک دیا"

اس کے بعد طاہر بک نے مصری وزیر اعظم عبدالخالق ثروت پاشا کے مذکورۂ بالا خط پر گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"یہ نام نہاد خط، اس مقدمہ میں پیش کرنا درست نہیں۔ کیونکہ طرفین نے عدالت کے سامنے پہلے ہی طے کرلیا تھا کہ ایسے کاغذات پیش نہیں کئے جائیں گے جو پہلے سے طرفین کے معائنہ میں نہیں آچکے ہیں۔ انگریزی وکیل نے یہ کارروائی بالکل خلاف اصول کی ہے۔ تاہم میں اس خط پر چند لفظ کہے بغیر نہیں رہ سکتا یہ خط محض شخصی اور نجی کاغذ ہے۔ سرکاری دستاویز نہیں ہوسکتا خود میرے پاس ترکی حکومت کے سرکاری کاغذات موجود ہیں جن سے میرے موکل کی ترکی جنسیت پوری طرح ثابت ہوتی ہے مگر میں نے پیش نہیں کئے کیونکہ میں کوئی کارروائی باہمی معاہدہ کے خلاف نہیں کرنی چاہتا۔ ثروت پاشا کے خط پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ خط صرف اس لئے حاصل کیا گیا ہے کہ مدعا علیہ مقدمہ پر اپنے موافق اثر ڈالے۔ نیز یہ ایک ایسی حکومت کے وزیر اعظم نے لکھا ہے جس کی مصلحت اسی میں ہے کہ میرا موکل مقدمہ ہار جائے۔ کیونکہ اُس کی جائداد اسی حکومت کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس سے تمتع ہو رہی ہے۔ اس خط کو کتنی ہی اہمیت دی جائے مگر وہ مصری قانون جنسیت کی دفعہ ۲ کو باطل نہیں کرسکتا جسنے خدیو کو مصری جنسیت سے محروم کردیا ہے"

اس کے بعد ترکی وکیل نے اپنے حریف کے اس بیان کی تردید کی کہ خدیو کی جنسیت کے بارے میں مصری اور ترکی حکومتوں کے مابین گفت و شنید ہوئی تھی۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی حکومت نے اس بارے میں مصری حکومت سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ترکی حکومت پوری تاکید سے خدیو کو ترکی سمجھتی رہی ہے۔ پھر وہ ایک ایسے صاف معاملہ پر گفتگو کرکے اُسے مشتبہ کیسے بنا سکتی تھی؟ ممکن ہے یہ حقیقت ثروت پاشا کے لئے تکلیف دہ ہو۔ ممکن ہے حکومت برطانیہ کو موجودہ مشکل سے نکالنے کے لئے مصری حکومت اپنے سر ذمہ داری لے لے مگر ان تمام کوششوں کے بعد بھی حقیقت، حقیقت ہی رہے گی۔ خدیو، ترکی سے مصری نہیں ہوجائیں گے۔ ہمارے موکل نے انگریزی وکیل کے اس بیان پر عصمت پاشا کو توجہ دلائی تھی۔ اسپر انھوں نے جو جواب بھیجا ہے وہ میں عدالت کے سامنے رکھ دیتا ہوں"

اس کے بعد انھوں نے عصمت پاشا کا حسب ذیل خط پڑھ کر سنایا:

"آپکی جنسیت کے متعلق ہمیں حکومت مصر کے کسی اعتراض کا آجتک علم نہیں۔ ہماری وزارت خارجیہ بھی اب تک ناواقف ہے کہ مصر میں ترکی سفیر کو مصری حکومت نے اس بارے میں کوئی نوٹ دیا ہے۔ آپکی جنسیت کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ یہ معاملہ کسی حال میں بھی معرض بحث میں نہیں لایا جاسکتا"

طاہر بک کے بعد خدیو کے دوسرے وکیل سیسو بر گریہ نے اس نقطہ پر بحث کی کہ مصر، ٹرکی سے کب علحدہ ہوا؟ اُنھوں نے ثابت کیا کہ ٹرکی مصر سے معاہدۂ لوزان کے وقت سے دست بردار ہوا ہے نہ کہ اس سے پہلے۔ معاہدہ کی دفعہ ۱۶ میں صاف لکھا ہے کہ ٹرکی اپنی حدود کے باہر جملہ مقبوضات سے دست بردار ہوتا ہے پھر مصر اور سوڈان کے متعلق اسی دفعہ میں فریدہ تصریح موجود ہے کہ ان دونوں ملکوں سے دست برداری ۵ نومبر ۱۹۱۴ء سے تصور کی جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مصر کی الحاقی علحدگی معاہدۂ لوزان سے ہوئی ہے۔ نہ کہ کسی اور معاہدہ یا واقعہ سے۔

اس کے بعد خدیو کے تیسرے وکیل مسیو گارز نے وکیل کے اس اعتراض پر بحث کی کہ موجودہ عدالت اس مقدمہ پر غور نہیں کرسکتی اُنھوں نے کہا:

"میرے موکل کی جائداد مصر میں تھی۔ برطانیہ نے اُسے ضبط کرلیا۔ ثبوت یہ ہے کہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو جبکہ یہ واقعہ پیش آیا مصر برطانیہ کے قبضہ میں تھا اگرچہ اس قبضہ کا باضابطہ اعلان ۱۸ دسمبر ۱۹۱۴ء میں ہوا ہے"

اس کے بعد وکیل نے بین الاقوامی قوانین کی بہت سی کتابوں کے حوالے پڑھ کر بتایا کہ کسی ملک پر قبضہ اگر فعلاً موجود ہو اور اس قبضہ کے لئے کوئی معاہدہ یا اعلان نہ بھی ہوا ہو جب بھی وہ قبضہ قانوناً تسلیم کیا جائے گا۔ فعلاً اُس کا موجود ہونا اُس کی موجودگی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ تمام علماء قانون نے قبضہ کی تعریف یہ کی ہے کہ کسی ملک کی مدافعت کی ذمہ داری اور اُس کے معاملات میں مداخلت کا نام قبضہ ہے۔ یہ چیز اُس وقت سے موجود تھی جب سے برطانیہ کی فوجیں مصر میں داخل ہوئیں۔

اپنے دعویٰ کی دلیل میں وکیل نے لارڈ کرمر اور دوسرے ذمہ دار انگریزوں کی تصریحات بھی پیش کیں اور بتایا کہ مصر فعلاً انگریزی حمایت میں تھا اگرچہ اُس کا باضابطہ اعلان ۱۸ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ہوا۔ وکیل کی سب سے بڑی دلیل جسنے پوری عدالت کو سکتہ میں ڈال دیا، انگریزی سپہ سالار مصر کا وہ اعلان تھا جو اُسنے اگست ۱۹۱۴ء میں شایع کیا تھا اور اسمیں لکھا تھا کہ برطانیہ نے اُسے مصر کی حمایت و مدافعت کے لئے مقرر کیا ہے۔

غرضکہ وکیل نے قطعی طور پر ثابت کردیا کہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں جبکہ خدیو کی جائداد ضبط ہوئی ہے، مصر برطانیہ ہی کے قبضہ میں تھا۔ اس کے بعد وکیل نے اُن تمام اعتراضوں کو ایک ایک کرکے رد کردیا جو انگریزی وکیل نے معاہدۂ لوزان پر بحث کرتے ہوئے ضبط شدہ جائدادوں اور اُن کے معاوضہ کے متعلق پیش کئے تھے۔

ترکی حکومت کا بیان

تمام کارروائی ختم ہونے کے بعد ترکی حکومت کے نمائندے وصفی راشد بک نے عدالت کے سامنے ۱۹ بڑے صفحوں پر لکھی ہوئی ایک دستاویز پیش کی۔ اسمیں ترکی حکومت نے مقدمہ کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کئے تھے۔ اسکے بعد ترکی وزیر خارجیہ کا یہ پیغام پڑھا گیا:

"عباس حلمی پاشا ترکی جنسیت رکھتے ہیں۔ ہم نے مصری حکومت سے جو گفت و شنید کی تھی وہ خدیو کے بارے میں نہیں بلکہ مصری قانون جنسیت کے بارے میں تھی۔ چونکہ خدیو جنگ عمومی کے قبل ہی سے قسطنطنیہ میں مقیم ہیں اس لئے مصری قانون کی دفعہ ۲ و ۳ کی رُو سے وہ مصری رعایا نہیں ہوسکتے"

آخر میں عدالت نے انگریزی وکیل سے پوچھا کہ اُسے کچھ اور کہنا ہے؟ وکیل نے انکار کیا۔ اسپر عدالت برخواست ہوگئی فیصلہ کی تاریخ کا بعد میں اعلان کیا جائے گا۔

مکتوب فلسطین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بیت المقدس کے قلم سے)
(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

جامعۂ عبرانی

فلسطین کی عبرانی یونیورسٹی نے اعلان کیا ہے کہ وہ عربی زبان کا شعری لغت مرتب کر رہی ہے۔ اس سے مقصود لغت کی ایک ایسی کتاب ہے جس میں اُن تمام لفظوں اور محاوروں کی تحقیق کی جائے گی جو عربی اشعار میں استعمال ہوئے ہیں۔

یہ تجویز نہایت اہم اور ایک بڑی ضرورت پوری کرنے والی ہے عربی علم ادب سے ممارست رکھنے والے جانتے ہیں کہ عہد جاہلیت اور مولّدین کے کتنے اشعار محض اس لئے مشکل ہو گئے ہیں کہ موجودہ کتب لغت میں اُن کے الفاظ اور محاوروں کی پُوری تحقیق موجود نہیں۔

تحقیقات سے مجھے معلوم ہوا کہ اس غرض کے لئے یونیورسٹی نے علماء کی ایک کمیٹی بنائی ہے۔ مشہور یہودی علامہ ہرتفنز اس کے صدر ہیں۔ کام شروع ہو گیا ہے۔ لیکن اس کی تکمیل میں تقریباً پندرہ برس لگیں گے۔

اسی سلسلہ میں یونیورسٹی کی ایک اور تجویز بھی قابل ذکر ہے۔

عربی ادب سے دلچسپی رکھنے والوں نے جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر ہیکر کا نام سُنا ہوگا۔ یہ اس وقت پروشیا کے وزیر تعلیم ہیں انھوں نے سالہا سال کی کوششوں سے عربی زبان کی بکثرت قدیم قلمی تحریریں جمع کی ہیں۔ علمی دنیا میں ان کا مجموعہ نہایت نادر اور قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ فلسطین کی یہودی یونیورسٹی نے گزشتہ ماہ یہ تجویز منظور کی ہے کہ پروفیسر مذکور سے یہ تاریخی مجموعہ خرید لیا جائے اور پُورے اہتمام کے ساتھ شایع کر دیا جائے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اگر یہ مجموعہ شایع ہوا تو دس جلدوں میں ختم ہوگا۔

عبرانی یونیورسٹی کے کارناموں میں مشرق کی اکثر قوموں کے لئے بڑی ہی عبرت ہے۔

عبرانی اپنے بولنے والوں کی پراگندگی و بربادی کے بعد خود بھی برباد ہو گئی تھی۔ مُردہ زبانوں میں اُس کا شمار تھا۔ مذہبی کتابوں اور عبادت خانوں کے باہر اُس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا لیکن سخت جان یہودیوں کی بیس برس کی کوششوں نے آج اُسے ایک زندہ زبان بنا دیا ہے۔ اس وقت فلسطین میں عربی کے بعد سب سے زیادہ مستعمل یہی زبان ہے۔ عدالتوں اور بازاروں تک میں بولی جاتی ہے۔ اسمیں نئے علوم و فنون ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہے۔ اپنی خاص یونیورسٹی رکھتی ہے جس کا شمار موجودہ عہد کی بہترین یونی ورسٹیوں میں ہے!

عبرانی یونی ورسٹی کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ دو سال کی قلیل مدت میں اُسنے ایک لاکھ ۴۰ ہزار کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر لی ہیں جو تمام تر یہودی علوم اور یہودی قوم سے تعلق رکھتی ہیں!

قومی مؤتمر

فلسطین کی قومی مؤتمر (کانگرس) نے ایک عام اجتماع منعقد کرنے کی دعوت شایع کی ہے۔ اس سے غرض اُس قانون پر بحث و اعتراض ہے جو گورنمنٹ نے فلسطینی قومیت یا جنسیت کے متعلق حال میں بنایا ہے۔ یہ قانون اُن تمام لوگوں کو فلسطینی جنسیت سے خارج کرتا ہے جو فلسطین کے باہر بود و باش رکھتے ہیں۔ نیز اُنھیں اپنے ملک میں واپس ہونے سے بھی منع کرتا ہے۔ اس قانون کی وجہ سے ہزاروں سخت ہیجان میں ہیں۔

مجلس تشریع

ملک میں مجلس تشریع (لیجسلیٹو کونسل) کے قیام کا مطالبہ عام ہے گورنمنٹ بھی اس پر غور کر رہی ہے۔ اس راہ میں بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جن لوگوں پر قوم کو اعتماد ہے، حکومت اُنھیں پسند نہیں کرتی۔ اور حکومت کے آدمیوں پر قوم کو اعتماد نہیں۔ اس صورت میں کونسل کا قیام کیسے ہو سکتا ہے؟ حکومت ڈرتی ہے کہ اپنا ایک نیا دشمن کیوں پیدا کرے؟ قوم خیال کرتی ہے حکومت کے ہاتھ میں ایک نیا ہتھیار کیوں دے؟ لیکن متعدد سیاسی رہنماؤں نے اعلان کیا ہے کہ ہم حکومت کے ساتھ اتحاد عمل کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ وہ سچائی کے ساتھ قومی مطالبے کی طرف عملی قدم اُٹھائے۔ ایسے معاملات میں "سچائی" کی قید ہمیشہ مشتبہ ہوتی ہے!

ایک اہم انکشاف

پروفیسر ولیم یہاں آثار قدیمہ تلاش کر رہے ہیں۔ حال میں اُنھیں "تل متیشا" پر زمین کے اندر ایک دیوار ملی ہے۔ سولہ سے بیس فٹ تک موٹی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے یہ ۱۸۰۰ قبل مسیح میں تعمیر ہوئی تھی۔

ڈاکٹروں کی تعداد

آخری اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ اس وقت فلسطین میں کل ۵۳۴ ڈاکٹر ہیں۔ ان میں ۳۷۳ یہودی ہیں، ۴۰ عرب ہیں ۱۲۳ یورپین ہیں۔ یہودی ڈاکٹروں میں ایک تہائی عورتیں ہیں۔

امیر عبداللہ

اخبارات نے امیر عبداللہ کی ایک ملاقات کا احوال شایع کیا ہے جو اُنھوں نے ایک مصری اخبار نویس سے حال میں کی تھی۔ امیر نے کہا:

"مصر میں ذہنی بیداری اس طرح اُبل رہی ہے جس طرح کڑھا اُبلتا ہے۔ اس کے مستقبل اور نتیجہ کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا قدیم خیالات و افکار کے باب میں فکر کی آزادی میرے نزدیک نہایت مستحسن ہے۔ تجدید و اجتہاد میں جو چیز مجھے بہت پسند ہے وہ اعتدال ہے جلد بازی اور شرقی فضائل و اخلاق کی تحقیر مجھے پسند نہیں"

مصر کی سیاسی بیداری کے متعلق امیر نے گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنی تصریح کی "مصر کے دوستوں کو یہ بیداری بہت مرغوب ہے"

اپنی ریاست کے متعلق اُنھوں نے کہا "میں اپنے ملک کو وہ تمام دستوری (پارلیمنٹری) حقوق دینا پسند کرتا ہوں جو اسکے لئے مضر نہ ہوں" اور اُس کی "عقلی استعداد" کے مطابق ہوں"

انگریزی معاہدہ کے متعلق کہا "معاہدہ ابھی آخری منزل میں نہیں پہونچا ہے۔ البتہ گفت و شنید ختم ہو گئی ہے۔ ممکن ہے نرمد ترمیم ہو۔ بہرحال مجھے یقین ہے کہ یہ ویسا ہی معاہدہ ہوگا جیسا برطانیہ نے عراق سے کیا ہے"

اپنے والد شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بارے میں اُنھوں نے کہا "اپنی آخری حاضری کے وقت میں نے عرض کیا تھا کہ کسی دوسرے ملک میں اقامت اختیار کریں۔ مگر اُنھوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے والد قبرص میں محض اپنی خوشی سے مقیم ہیں۔ وہ بالکل آزاد ہیں جس ملک میں چاہیں قیام کر سکتے ہیں"

فلسطین کی ایک بڑی شخصیت

فلسطین کے ایک ممتاز اور معزز سیاسی رہنما موسیٰ کاظم پاشا حسینی ہیں۔ شروع سے وطن کی آزادی کے لئے کوشاں ہیں۔ قومی انجمن کے فی الحال صدر ہیں۔ اخبارات نے اُن کی ایک سیاسی گفتگو شایع کی ہے۔ یہ فلسطین کی عام رائے کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اُس کا خلاصہ ذیل ہے:

"ملک کا مطالبہ یہ ہے کہ قومی حکومت دستوری بنیادوں پر قائم ہو۔ قومی مجلس اُس کی پشت پناہ اور نگراں ہو دنیا کی تمام حکومتوں کی طرح یہ حکومت بھی صرف ملکی مجلس ہی کے سامنے جوابدہ ہو۔ ہم برطانوی حکمرانی تسلیم نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ایک معین مدت تک کے لئے اپنے خارجی معاملات اجنبیوں کے ہاتھ میں سونپ دیں۔ لیکن ہم کامل اندرونی آزادی چاہتے ہیں ہم سردست اپنے ملک کے لئے وہی سیاسی حیثیت چاہتے ہیں جو عراق کو حاصل ہے۔ یعنی ہم انگریزوں سے اس شرط پر معاہدہ کر سکتے ہیں کہ ملک کی اندرونی آزادی محفوظ رہے اور دستوری حکومت قائم کرنے دی جائے۔ ہماری راہ میں سب سے بڑی مشکل یہودی قوم ہے ہم یہودیوں سے کوئی عداوت نہیں رکھتے۔ ہم اپنے ملک میں اُن کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ مگر وہ زیادتی کرنا چاہتے ہیں ہمارے ملک کو غصب کرنا چاہتے ہیں، یہ بات ہم کبھی منظور نہیں کر سکتے۔ عربوں کو برطانیہ سے بیشمار شکایتیں ہیں۔ سب سے بڑی شکایت یہ ہے کہ اُسنے اُن کی آزادی سلب کر لی۔ دوسری شکایت یہ ہے کہ تقریباً تمام اعلیٰ و درمیانی عہدے یہودیوں اور انگریزوں کے لئے خاص کر دیے، تیسری یہ کہ انگریزی حکومت نے ہماری تعلیم اپنے قبضہ میں کر لی ہے جس سے ملک کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ چوتھی یہ کہ بیشمار ٹیکس غریب ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ پانچویں یہ کہ ظالمانہ قانون جاری کئے گئے ہیں۔ اس قانون سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ حکومت جسے مشتبہ سمجھے ۶ مہینے کے لئے بغیر مقدمہ چلائے قید کر سکتی ہے"

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)
(اصل عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

مصر و برطانیہ کی نزاع

"قوم کی روح کو نہ جنگی قانون مغلوب کر سکتا ہے نہ ظالم کا ظلم، نہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت"

(سعد پاشا زغلول)

مصر کی موجودہ سیاسی جدوجہد کی پوری تاریخ اس ایک جملہ میں پنہاں ہے۔ برطانیہ نے ہر ممکن ذریعہ سے اس چھوٹی سی قوم کو مغلوب و مقہور کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس ننھی قوم نے مغلوب ہونے سے ہمیشہ اپنے [illegible] برطانیہ کو مجبوراً ظلم و جور کے ہتھیار رکھ دینا پڑے۔ سیاسی بازی گری شروع کی۔ مگر اس قوم نے فریب کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ برطانیہ کا آخری اور خطرناک حربہ، زیور پاشا کی وزارت تھی۔ یہ شخص مصری تھا مگر برطانیہ سے زیادہ مصر کے لئے مُضر تھا۔ اسنے ملک کی سیاسی زندگی کا گلا گھونٹنے کی پوری کوشش کی، مگر قوم نے اُسے بھی چشم زدن میں گرا دیا۔ آج مصر پر حکومت خود مصری کی ہے۔ آج مصر کی حکومت، عام رائے کے ماتحت ہے۔ عام رائے برطانیہ کے خلاف ہے، اس لئے ملک کی حکومت بھی برطانیہ کے خلاف ہے۔ عام رائے ملک میں برطانیہ کا کوئی امتیاز باقی نہیں

دینا نہیں چاہتی، اس لئے حکومت بھی برطانوی امتیازات اُٹھا دینے پر تلی ہوئی ہے۔

مصر کی "خود مختاری" تسلیم کر لینے کے بعد بھی برطانیہ نے اپنے لئے کئی حاکمانہ امتیازات باقی رکھے ہیں۔ انگریزی فوج مصر کی سرزمین پر موجود ہے۔ مصری فوج کا سپہ سالار انگریز ہے۔ متعدد انتظامی محکموں پر انگریز عہدہ داروں کی نگرانی ہے۔ طور سینا اور خلیج السویس کے سرحدی علاقے انگریز افسروں کی ماتحتی میں ہیں۔

ظاہر ہے یہ امتیازات ملکی آزادی اور قومی خود مختاری کے قطعی منافی ہیں۔ ان کی موجودگی میں مصر کا اعلان خود مختاری بالکل بے معنی اور مضحکہ انگیز رہتا ہے۔ مصر نے سالہا سال صبر کیا، لیکن اب وہ طیار ہو گیا ہے کہ اپنے حقوق کا آخری مطالبہ شروع کر دے۔

انگریز افسروں اور سپہ سالار کی موقوفی

اس سلسلہ میں مصری حکومت کی پہلی کارروائی یہ تھی کہ اُسنے انتظامی محکموں کے تمام انگریز عہدہ دار برخاست کر دیئے صرف محکمہ عدالت، محکمہ مال، اور بعض دوسرے عہدوں پر گنتی کے انگریز رہنے دیئے، لیکن انکے لئے بھی خاص خاص شرطیں مقرر کر دی گئیں یہ واقعہ عدلی پاشا کی وزارت میں ہوا تھا۔ اب ثروت پاشا نے آکر دوسرا قدم اٹھایا ہے، اور یہ قدم نہایت نتیجہ خیز ہے۔ مصری پارلیمنٹ کی جنگی کمیٹی نے طے کر دیا کہ سردار سپاہ کا عہدہ توڑ دیا جائے اور اُس کے اختیارات ایک جنگی مجلس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ حکومت نے بھی یہ تجویز پسند کی اور اُسے جاری کرنا چاہا۔ مگر انگلستان اپنے غاصبانہ دعووں سے دست بردار ہونے کے لئے طیار نہیں ہے۔

برطانیہ کا دعویٰ ہے کہ ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کی تصریح میں یہ طے پا گیا ہے کہ مصری فوج انگریزی سردار سپاہ کے ماتحت رہے گی۔ حالانکہ یہ دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے۔ اس تصریح میں فوج کا مطلقاً کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ صرف اس تصریح میں بلکہ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۲۴ء تک کے کسی معاہدہ یا گفت و شنید میں اس کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ مصری حکومت کی حجت یہ ہے کہ انگریزی حمایت (پروٹیکٹریٹ) کے زمانہ میں مصری فوج "سردار" کے ماتحت تھی۔ لیکن اب اعلان خود مختاری کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ قدیم نظام باقی رکھا جائے۔

غرضکہ اس وقت یہ مسئلہ برطانیہ اور مصر کے درمیان سخت نزاع کا موجب ہو گیا ہے۔ طرفین اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور ایک قدم بھی پیچھے ہٹنا منظور نہیں کرتے۔ اس مسئلہ کی اہمیت صاف ظاہر ہے۔ انگریز سپہ سالار کی ماتحتی میں مصری فوج رہنے کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں ہیں کہ یہ فوج بھی انگریزوں ہی کی ہے۔ برطانیہ خوب سمجھتا ہے کہ "سردار" کی موقوفی کے بعد مصر کو خنگی قوت حاصل ہو جائے گی اور زبردستیوں کا وہ سلسلہ بند ہو جائے گا جو مدت سے برطانیہ جاری کئے ہوئے ہے۔

لارڈ جارج لائڈ کی بے ضابطگی

ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہوا تھا کہ ایک اور نئی مشکل پیدا ہو گئی یہ مشکل برطانوی ہائی کمشنر لارڈ جارج لائڈ نے پیدا کی ہے۔ موصوف چند سال پہلے ہندوستان کے ایک صوبہ کے گورنر تھے۔ ہندوستان سے انگلستان واپس ہوئے اور فوراً مصر بھیج دیئے گئے۔ مصر پہونچکر اُنھیں یاد نہیں رہا کہ اب ایک ایسے ملک میں آئے ہیں جو ہندوستان کی طرح برطانیہ کے ماتحت نہیں ہے۔ بات بات میں حاکمانہ شان دکھانے لگے۔ قاہرہ میں اُن کی آنکھیں شاہی استقبال اور مظاہر عبودیت ڈھونڈتی تھیں۔ یہاں اس کا امکان نہ تھا۔ مایوس ہو کر دیہاتی علاقوں پر نظر ڈالی۔ وہاں علاقۂ "منیا" میں چند قدیم الدار خائن موجود ہیں۔ اُنھوں نے مدح کی خواہش پوری کر دی۔ ایک پُر تکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اسپیشل ٹرین پر دھوم دھام سے پہنچے۔ خشوع و خضوع کے مظاہرے قبول کئے، اور کتاب میں بالکل دیسی ہی حاکمانہ تقریر کی جیسی تقریروں کے وہ ہندوستان میں عادی رہ چکے ہیں۔

لیکن جب اخبارات میں یہ خبر شایع ہوئی، تو عام رائے میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ ہر طرف سے اعتراض شروع ہوا کہ برطانوی ہائی کمشنر کو اس کارروائی کا کیا حق تھا؟ اخبارات سے گزر کر یہ معاملہ پارلیمنٹ تک پہنچا۔ وہاں ممبروں نے نہایت سخت نکتہ چینی کی اور حکومت کو مجبور کیا کہ جواب طلب کرے۔

سب کو معلوم ہے کہ مصری پارلیمنٹ پر زغلول پاشا کی وطن پرست پارٹی حاوی ہے۔ اس واقعہ سے فائدہ اُٹھا کر انگریزی اخبارات نے لکھنا شروع کر دیا ہے کہ برطانیہ کی مخالفت صرف یہی جماعت کر رہی ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ برطانیہ کی مخالفت پر تمام جماعتیں متحد ہیں۔ ذیل میں ہم چند اقتباس صرف اُن تقریروں کے دیتے ہیں جو معتدل جماعت کے سربرآوردہ ممبروں نے اس معاملہ پر پارلیمنٹ میں کی ہیں۔

حسین یوسف عامر آفندی نے کہا "ہمیں برطانوی نمایندوں سے صاف کہدینا چاہئے کہ مصر اپنی آزادی کسی قیمت پر بھی فروخت کرنے کے لئے طیار نہیں۔ اگر ہم نے برطانیہ کے ساتھ مفاہمت کی پالیسی پسند کی تھی تو صرف اس لئے کہ ہمیں یہ پالیسی مصر کی خود مختاری کے لئے مفید معلوم ہوئی تھی۔ اگر برطانیہ ہماری ملائمت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے تو ہم اپنی پالیسی بدل ڈالنے میں ایک لحظہ بھی پس و پیش نہیں کرینگے"

ابراہیم دسوقی آفندی نے کہا "برطانوی نمائندے کو حق ہے کہ ملک کے جس حصہ میں چاہے سیر کرے۔ نیز ملکی خائنوں کو بھی حق ہے کہ جس طرح چاہیں اُس کی آؤ بھگت کریں لیکن ساتھ ہی برطانوی نمائندے کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مصر ایک آزاد ملک ہے، اور یہ کہ اس سرزمین میں جب 'ملک' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود صرف وہ ہستی ہوتی ہے جو مصر کے تخت پر بیٹھی ہے۔ میں اُس پالیسی کے ہرگز کوئی معنی نہیں سمجھتا جس کا نتیجہ ملک کی خود مختاری کی قطعی پامالی ہو"

طراد علی آفندی نے کہا "مصر کی مصالحانہ پالیسی کو اُس کی کمزوری پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ ہم کمزور نہیں ہیں۔ ہمارے پاس حق ہے اور ہم حق کی قوت سے قوی ہیں"

سب سے زیادہ اہم اور پُر زور تقریر، معتدل جماعت کے مشہور زعیم ابراہیم لبادی بک کی تھی۔ یہ وہی شخص ہیں جو ایک زمانہ میں برطانیہ کے بڑے مداح اور مخلص خدمت گذار تھے۔ ۱۹۰۹ء کے مشہور حادثۂ "دنشوائی" میں انہی نے انگریز مجرموں کی طرف سے قانونی پیروی کی تھی اور اُنھیں سزا سے بچا لیا تھا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

"بہت سی تقریریں ہو چکی ہیں۔ لیکن معاملہ اس قدر اہم ہے کہ میں بھی گفتگو کرنے پر مجبور ہوں۔ دنیا دیکھ لے کہ میں نوجوان نہیں ہوں، میرا سر سفید ہو گیا ہے۔ بڑھاپا اپنی جملہ کمزوریوں کے ساتھ مجھ پر ٹوٹ پڑا ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ مصری پارلیمنٹ پُر جوش نوجوانوں کے تہور کا ساتھ دے رہی ہے۔ میں سعد پاشا کی جماعت میں سے بھی نہیں ہوں۔ البتہ میں مصری ہوں، اور چونکہ تمام مصر برطانوی نمائندے سے نالاں ہے اس لئے قدرتی طور پر میں بھی نالاں ہوں۔ اس برطانوی نمائندے نے سیاسی دستور لعمل کی خلاف ورزی کی ہے۔ اُسنے ہمارے ملک کی آزادی کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے ..."

پارلیمنٹ میں اُس مصری پولیس افسر پر بھی بڑی لے دے ہوئی تھی جسنے "منیا" میں لارڈ جارج لائڈ کی تقریر ترجمہ کی تھی۔ ایک مقرر نے اس مناسبت سے نپولین اعظم کا یہ تاریخی واقعہ بیان کیا "ایک جنگ میں دشمن فوج کے ایک بڑے افسر نے نپولین کے لئے جاسوسی کی تھی جس سے بالآخر بادشاہ کو فتح ہوئی۔ فتح کے بعد جاسوس طرح طرح کی امیدیں لے کر نپولین کے خیمہ کی طرف دوڑا۔ وہ یقین کرتا تھا نپولین اس شاندار خدمت پر اُس سے مصافحہ کرے گا اور اپنے سینہ سے لگائے گا۔ لیکن نپولین نے جونہی اُسے دیکھا، ناگواری کے ساتھ اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ایک لمبی لاٹھی کے سرے پر اشرفیوں کی تھیلی باندھی اور جاسوس سے کہا "یہ ہے تیرا صلہ، لے لے۔ تیرے جیسے خائن سے میں اپنا ہاتھ مس کرنا پسند نہیں کرتا"

ابراہیم لبادی بک نے سلطان عبدالعزیز کا بھی ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے کہا "ستر برس گزرے سلطان عبدالعزیز نے فرانس کی سیاحت کی تھی۔ ایک دن وہ پیرس میں جا رہے تھے۔ نپولین ثالث شاہ فرانس اُنکے پہلو میں بیٹھا تھا۔ سلطان فرانسیسی زبان نہیں جانتے تھے۔ لیکن ترکی وزیر خارجہ راشد پاشا جانتے تھے اور دونوں فرمانرواؤں کی گفتگو کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ نپولین نے راشد پاشا سے کہا "سلطان المعظم سے کہو کہ جزیرۂ کریٹ میں اپنی رعایا پر رحم کریں اور نئے انتظامات جاری کریں" راشد پاشا نے اس جملہ کا ترجمہ ترکی میں اپنے آقا کو سنایا۔ اس پر سلطان کا جواب کیا تھا؟ وہ بالکل خاموش ہو گئے، گویا سنا ہی نہیں۔ نپولین نے خیال کیا سلطان مطلب نہیں سمجھے۔ راشد پاشا سے پھر ترجمہ کرنے کو کہا۔ مگر اُنھوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سلطان ناراض ہو گئے ہیں چنانچہ دوبارہ ترجمہ کرنے سے معذرت کی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ سلطان نے اپنی قیام گاہ پر پہنچتے ہی عالی پاشا وزیر اعظم کو طلب کیا اور حکم دیا کہ فوراً راشد پاشا وزیر خارجہ کو برطرف کر دو۔ وزیر کو اس اچانک عتاب پر سخت تعجب ہوا۔ ڈرتے ڈرتے سبب پوچھا۔ سلطان نے کہا "راشد پاشا نے ایک ایسے جملہ کا ترجمہ مجھے سنایا جو ہرگز سنانا نہیں چاہئے تھا کیونکہ وہ میرے ساتھ بطور مترجم کے نہیں تھے۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے تھے۔ میرے وزیروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ کون بات میری سلطنت کے مصالح اور عزت کے مطابق ہے کون مخالف ہے۔ جب ایک اجنبی بادشاہ نے ایک ایسی بات منہ سے نکالی تھی جس سے میری سلطنت کے معاملات میں مداخلت پائی جاتی ہے تو میرے وزیر خارجہ کا فرض تھا کہ اُس بات کا مجھے ترجمہ سنانے سے صاف انکار کر دیتا!"

ایک اور مشکل

لارڈ جارج لائڈ کی اس کارروائی نے ایک اور معاملہ کی یاد بھی تازہ کر دی ہے۔ عام سیاسی دستور یہ ہے کہ جب کسی سلطنت کا سفیر یا نمائندہ دوسرے ملک میں پہنچتا ہے تو اُس ملک کی حکومت کے سامنے اپنی تقرری کے کاغذات پیش کرتا اور اُس کی منظوری حاصل کرتا ہے۔ مصر میں بھی یہی دستور جاری تھا۔ جنگ سے پہلے تک جتنے برطانوی نمائندے آئے اپنے کاغذات خدیو کے سامنے پیش کرتے رہے۔ لارڈ کچنر نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ لیکن دوران جنگ میں یہ رسم موقوف ہو گئی کیونکہ اب مصر خود مختار نہیں رہا تھا۔ برطانیہ کا ایک مقبوضہ ملک تھا۔ مصر کے اعلان خود مختاری کے بعد سب سے پہلا برطانوی نمائندہ، یہی لارڈ جارج لائڈ تھے۔ یہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں پہنچے۔ خیال تھا کہ اپنے کاغذات شاہ مصر کے سامنے پیش

رہینگے۔ مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اُسوقت مصر کے وزیر اعظم برطانیہ کے ساختہ پرداختہ احمد زیور پاشا تھے۔ اُنھوں نے اس اہم واقعہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اب لارڈ جارج کی سیاحت "نیا" سے یہ سوال مصری پارلیمنٹ میں پیدا کردیا ہے، سوال یہ ہے کہ لارڈ جارج مصر میں برطانوی نمائندے کیونکر ہوسکتے ہیں جبکہ اُنھوں نے شاہ مصر کے سامنے اپنے کاغذات پیش نہیں کئے؟

اس قانونی سوال کا جواب وزیر اعظم نے یہ دیا ہے کہ "سفراء کا اپنے کاغذات پیش کرنا، قرون وسطیٰ کی رسم ہے جبکہ بادشاہ باہم ایک دوسرے سے خط و کتابت کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں یہ رسم کوئی معنی نہیں رکھتی اور بعض حکومتوں، مثلاً سوئٹزرلینڈ نے اسے بالکل موقوف کردیا ہے۔ تاہم ابتک یہ رسم اکثر ملکوں میں باقی ہے اور مصر میں بھی تھی۔ لہذا اگرچہ زیور پاشا کی وزارت نے برطانوی نمائندے کی اس فروگزاشت پر کوئی اعتراض نہیں کیا تاہم ابھی وقت ہے، موجودہ وزارت حکومت برطانیہ سے اس بارے میں گفتگو کریگی۔

"ہائی کمشنر"؟

دوران بحث میں ایک اور قانونی سوال پیدا ہوگیا۔ برطانوی نمائندہ "ہائی کمشنر" کیوں کہلاتا ہے؟ حالانکہ عام طور پر سیاسی نمائندے اس لقب سے نہیں پکارے جاتے۔

اس کے جواب میں وزیر اعظم نے بیان کیا "بین الاقوامی کتب قانون میں عام طور پر سیاسی نمائندوں کا لقب "Ministre Plenipotenitare" یا "Amlassadim" ہے۔ لیکن بعد میں ایک نیا لقب "ہائی کمشنر" کے نام سے رائج ہوگیا۔ یہ لفظ بین الاقوامی کتب قانون میں شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتا ہے۔ بین الاقوامی طریق عمل نے بھی اس کے معنی ابتک پوری طرح متعین نہیں کئے ہیں۔ تاہم اس قدر طے پاگیا ہے کہ یہ لقب ایسے دو ملکوں کے سیاسی نمائندوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کے سیاسی علائق صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہوتے۔ یہی سبب ہے کہ معاہدۂ لوزان سے پہلے جدید ٹرکی میں انگلستان اور فرانس کے سیاسی نمائندے "ہائی کمشنر" کہلاتے تھے۔ اسی طرح اسوقت ولایات متحدۂ امریکہ میں کینیڈا کا سیاسی نمائندہ "ہائی کمشنر" کہلاتا ہے۔ حالانکہ ایک لمحہ کے لئے بھی کینیڈا کو امریکہ کے زیر اثر نہیں کہا جاسکتا۔ اعلان خود مختاری سے پہلے مصر میں انگریزی نمائندہ اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا اس لئے اب تک اسی لقب سے پکارا جاتا ہے، کیونکہ مصر اور برطانیہ کے سیاسی علائق متعین اور صاف بنیادوں پر قائم نہیں ہیں"

محمل مصری

اس سال محمل مصری کا منظر نہیں گئی۔ وجہ یہ ہوئی کہ گزشتہ سال موسم حج میں ایک ناگوار واقعہ پیش آگیا تھا۔ کئی صدیوں سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ محمل کے ساتھ ایک مصری فوج اور توپخانہ جاتا ہے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ اُس وقت حجاز میں امن پوری طرح قائم نہ تھا اور مقامی حکومت، محمل کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لیتی تھی جب عادت گزشتہ سال بھی محمل کے ساتھ مصری فوج گئی۔ نجدیوں سے اُس کا بعض امور میں اختلاف ہوا اور اختلاف نے کشت و خون کی صورت اختیار کرلی۔ اس نزاع میں بہت سے نجدی مارے گئے کیونکہ وہ نہتے تھے اور مصری فوج کا کوئی قابل ذکر نقصان نہیں ہوا۔

اس واقعہ کے بعد سلطان ابن سعود نے حکومت مصر کو لکھا کہ آئندہ سے محمل کے ساتھ مسلح فوج نہ آئے۔ مصری حکومت نے اسے منظور نہیں کیا کیونکہ گذشتہ سال کے واقعہ کے بعد خطرہ کا امکان اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محمل کی روانگی ملتوی رہی۔

سلطان ابن سعود نے اپنی خواہش کے جواز پر تین دلیلیں پیش کی تھیں۔ ایک یہ کہ اب حجاز میں ہر طرح امن امان ہے اور حجاز کی حکومت محمل اور حجاج کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی سلطنت میں غیر سلطنت کی مسلح فوج کا داخل ہونا، اُس کی خود مختاری کے منافی ہے۔ تیسرے یہ کہ شرعی احکام کے بموجب بھی یہ مناسب نہیں کہ ہتیار بند فوج بلا ضرورت حدود حرم میں داخل ہو۔

مصری حکومت نے اپنے انکار کی دو وجہیں قرار دی ہیں: ایک یہ کہ کئی صدیوں سے برابر یہ رسم چلی آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اُسوقت حجاز کی اس ذمہ داری پر پورا اطمینان نہیں ہے کہ وہ محمل اور مصری حاجیوں کی حفاظت کرسکے گی۔

بہرحال اس سال محمل نہیں گیا۔ البتہ مصری حاجیوں کی ایک بڑی تعداد حج کے لئے روانہ ہوگئی ہے۔

مکتوب چین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم شنگھائی کے قلم سے)

اس وقت چین کی کیا حالت ہے؟

یہ سوال ہے جو بیرونی دنیا میں عام طور پر پوچھا جارہا ہے۔ مگر کوئی صاف جواب نہیں ملتا۔ کیونکہ برطانی دعایۃ (پروپیگنڈا) نے اصلیت پر پردے ڈال دیئے ہیں اور اس قدر غلط فہمیاں پھیلادی ہیں کہ حقیقت معلوم کرنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔

برطانیہ کو پورے چین سے پرخاش نہیں ہے۔ شمالی حکومت تو اُس کے زیر اثر ہے۔ اس لئے باوجود حد درجہ بدنظمی اور عام بدامنی کے اس حکومت کے خلاف اُس کی زبان نہیں کھل سکتی۔ بلکہ اُلٹی تعریفیں کی جارہی ہیں۔

لیکن چین کی جنوبی حکومت کے خلاف اُس کے پریس کی تمام قوتیں وقف ہوگئی ہیں۔ جتنی بھی بُرائیاں ہیں۔ سب اُس کے سر تھوپی جارہی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ حکومت قوم پرستوں کی حکومت ہے اور برطانی ملک گیر پالیسی کے خلاف شمشیر کھنچ ہے!

بیرونی دنیا کو یقین دلایا جارہا ہے کہ جنوبی چین کمیونٹ روس کے اثر و اقتدار میں ہے۔ وہاں سرے سے کوئی باضابطہ حکومت ہی نہیں ہے۔ قتل و غارت اور بے امنی عام ہے۔ حالانکہ یہ صریح کذب افترا ہے۔

قوم پرست چین ہرگز روسی کمیونسٹوں کے اثر میں نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس میں کمیونسٹوں کو بہت قوت حاصل ہے۔ گروہ کمیونسٹ بھی نہیں خود چینی ہیں۔ کمیونزم کچھ روس کی ذاتی جائداد نہیں ہے۔ وہ معاشرتی عقائد کا ایک مذہب ہے اور ہر قوم اُسے قبول کرسکتی ہے بغیر اس کے کہ کمیونسٹ روس کے ماتحت یا زیر اثر ہو۔ بلاشبہ قوم پرست چین، روس کی طرف مائل ہے۔ لیکن اس کی وجہ بالکل معقول ہے۔ وہ روس ہی ہے جس نے دول یورپ کے جتھے سے نکلکر چین کے ساتھ انصاف کیا اور وہ تمام مراعات از خود چھوڑ دیں جو اُسے پچھلے غاصبانہ معاہدوں کی رو سے حاصل تھیں اور جن کے برقرار رکھنے کے لئے برطانیہ جنگ پر تلا ہوا ہے اور تمام دول یورپ اور امریکہ کو بھڑکا رہا ہے۔

اسی طرح قومی حکومت کی سرحدوں میں امن و امان بھی عام ہے اتنا عام جتنا دنیا کی باقاعدہ سے باقاعدہ حکومت میں ہوسکتا ہے۔ یہاں چوری قزاقی کی وارداتیں سنی نہیں جاتیں۔ تقریباً روز بڑے بڑے شہروں میں عظیم الشان جلوس اور مظاہرے نکلتے رہتے ہیں، مگر انتظام ایسا مکمل ہے کہ کبھی کوئی تصادم نہیں ہوتا۔ پھر یہاں ہندوستان کی طرح مذہبی جھگڑے بھی پیدا نہیں ہوتے۔ کوئی مقام نہیں جہاں بودھ، کنفیوشس اور اہل اسلام موجود نہ ہوں۔ بہت سے علاقوں میں دیسی عیسائیوں کی بھی آبادیاں ملی جلی موجود ہیں۔ لیکن سب امن و صلح کے ساتھ رہتے ہیں۔ حکومت قومی ہے اس لئے کبھی کوئی باہمی نزاع پیدا ہی نہیں ہوتی۔

دنیا بھر میں یہ بھی مشہور کردیا گیا ہے کہ جنرل چنک کے شیک کی علحدگی کے بعد قومی حکومت بہت کمزور ہوگئی ہے۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہے۔ بلاشبہ جنرل مذکور پر مین اثرات سے متاثر ہو کر قومی حکومت سے باغی ہوگیا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اُس کے ماتحت ایک بڑی فوج بھی ہے۔ کئی علاقوں پر قابض ہے اور نان کنگ اُس کا صدر مقام ہے لیکن اس سے مرکزی حکومت کی قوت میں کوئی کمزوری پیدا نہیں ہوئی ہے۔ وہ آج بھی کافی طاقتور ہے اور اُسکی مظفر و منصور فوجیں شمالی چین کو فتح کرتی ہوئی برابر بڑھ رہی ہیں۔

پھر جنرل کے شیک کی بغاوت بھی ابتک ایک معما ہے۔ اسوقت تک مرکزی حکومت سے اُس کا کوئی قابل ذکر تصادم نہیں ہوا۔ اُسنے بانکو پر حملہ نہیں کیا بلکہ سیدھا شمالی چین کی طرف روانہ ہوگیا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بغاوت برطانیہ کے لئے عملاً کچھ مفید نہ ہوسکی بلکہ سراسر نقصان ہی پہنچا۔ پہلے اُس کے حلیف شمالیوں پر صرف کنٹون کا دباؤ تھا۔ اب یہ جنرل الگ ہوکر نئی طاقت سے دہرا دباؤ ڈال رہا ہے۔

علاوہ بریں اگر قوم پرست حکومت کو اس با اثر سپہ سالار کی علحدگی سے نقصان پہونچا تو ساتھ ہی قدرت نے اُس کی فوراً تلافی بھی کردی عین وقت پر چین کا مشہور عیسائی جنرل فینگ (جو کئی سال تک پیکین کا حاکم رہ چکا ہے) اُس سے آملا اور اپنی تازہ دم منظم فوج لاکر اُس کی قوت میں نمایاں اضافہ کردیا۔ یہ جنرل اپنی جنگی قابلیت کی ایک پوری تاریخ رکھتا ہے۔ تمام یورپ و امریکہ اور جاپان کے اخبارات ایسے چند سال پہلے تسلیم کرچکے ہیں کہ جیسی باقاعدہ فوج اس کے پاس ہے کسی دوسرے چینی جنرل کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اب جبکہ وہ کمیونٹ ہوکر قوم پرست حکومت کے جھنڈے تلے آگیا ہے تو کہا جارہا ہے کہ اُس سے بڑا اور گرگ کوئی نہیں!

یہ اسی جنرل کے اتحاد کا نتیجہ ہے کہ قوم پرست فوجیں تیزی سے "پیکین۔ ہانکو ریلوے" اور "ٹین سن۔ پاکو" لائن پر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ ان کی قوت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ نئی نئی قومیں اُن کی فتوحات دیکھ کر اُن سے ملتی جاتی ہیں اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم خبر یہاں کے چینی حلقوں میں یہ پھیلی ہوئی ہے کہ عنقریب صوبۂ "شانسی" کا جنگی حاکم جنرل "ین ہی۔ شان" قوم پرستوں کی جماعت میں شامل ہونے والا ہے۔ اگر یہ خبر صحیح نکلی تو قومی حکومت کو غیر معمولی قوت حاصل ہوجائے گی۔ (۱۲۔ جون کی سرکاری خبر مظہر ہے کہ یہ جنرل قوم پرستوں سے مل گیا۔ الہلال)

غرضکہ اسوقت چین کی حالت قومی نقطہ نظر سے نہایت عمدہ اور امید افزا ہے۔ قومی حکومت روز بروز طاقت ور ہو رہی ہے۔ پیکین کی (شمالی) حکومت کو سخت زوال ہو رہا ہے۔ برطانیہ اور دوسری سلطنتوں میں اس صورت حال سے سخت بےچینی پیدا ہوگئی ہے۔ وہ پیکین کے بچانے کی فکر کر رہی ہیں۔ لیکن کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ [illegible]

برید فرنگ

جرمنی کی چٹھی

کمزور قوموں کے لئے عبرت و موعظت

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

گزشتہ جنگ عمومی میں جتنی بربادیاں جرمنی پر آئیں، اُن کا تصور بھی بیرونی دُنیا نہیں کرسکتی۔ جنگ نے جرمنی کو بالکل دیوالیہ کردیا تھا۔ تمام خزانے خالی ہوگئے تھے۔ صنعت و حرفت فنا ہوگئی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں نوجوان قتل ہوئے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں بیکار ہوگئے تھے۔ پُورا ملک فقر و فاقہ میں مبتلا تھا پھر جنگ، شکست پر ختم ہوئی۔ ایسی شکست جس کی نظیریں تاریخ میں کم ملتی ہیں۔ تمام بیرونی مقبوضات نکل گئے۔ ۱۳ فی صدی اصلی ملک کم ہوگیا۔ ۱۰ فیصدی آبادی نکل گئی۔ ۲۵ سے ۷۵ فی صدی تک قیمت کی خام پیداوار جاتی رہی۔ مزید براں یہ کہ اس برباد شدہ ملک پر تاوان جنگ کا اتنا بھاری بوجھ ڈالدیا گیا جس کی مثال دُنیا نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

جرمنی کے دوست اور دشمن دونوں یقین کرتے تھے کہ اب اس ملک کی تاریخ ختم ہوگئی۔ اتنی سخت ضربوں کے بعد بھی کبھی کوئی بچا ہے؟ لیکن پُورے دس برس بھی ابھی اسیر نہیں گزرے تھے کہ یہ مردہ پھر قبر سے نکل آیا اور اس طرح زندہ ہوگیا کہ سچ مچ طلسم معلوم ہوتا ہے، جرمنی نے جو معجزہ دکھایا ہے اُس کے بیان کے لئے ہومر جیسے شاعر کی ضرورت ہے۔

آج جرمنی، پھر اول درجہ کی یورپین طاقت بنتی جاتی ہے۔ مجلس اقوام میں اسوقت اُسے وہی مرتبہ حاصل ہے جو برطانیہ اور فرانس کو ہے جنھوں نے آج سے ۸ برس پہلے ورسیلز کے محل میں بیٹھکر اُس کا گلا گھونٹا تھا۔ آج سے دو برس پہلے جرمنی کا سکہ تباہ ہوگیا تھا۔ نجات کی کوئی صورت بھی نظر نہ آتی تھی۔ مگر آج جرمنی دنیا کی تیسری اقتصادی قوت ہے اور برطانیہ اور آمریکہ کے بعد سب سے بڑی تجارت کا مالک بن گیا ہے۔ اسوقت اُس کی صنعت و حرفت نہایت تیزی سے اُس سطح تک آرہی ہے جہاں جنگ سے پہلے تھی!

آخر اس حیرت انگیز کامیابی کا راز کیا ہے؟ جواب بالکل صاف ہے۔ اس ملک پر ایک سرسری نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جرمنی کو جس چیز نے موت کے منہ سے نکالا وہ اُسکی ہمت، محنت، اشتراک عمل، اور اپنی حالت کا صحیح اندازہ لگا لینا ہے۔ جرمن قوم کی یہ امتیازی صفت ہے کہ فتح و شکست دونوں حالتوں میں بہادر رہتی ہے۔ قوم کے تمام افراد اور جماعتیں اتنی بڑی خود اعتمادی موجود ہے جو دنیا کی کسی دوسری قوم میں پائی نہیں جاتی۔ دراصل یہی خود اعتمادی اُس کی کامیابی کا اصلی راز ہے۔

جرمنی کی موجودہ ترقی صرف پچھلے تین سال سے شروع ہوئی ہے۔ یہ ملک تقریباً اُن تمام اقتصادی مشکلات پر غالب آگیا ہے جو یورپ کی اکثر سلطنتوں کی زندگی خطرے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جرمنی نے سب سے پہلے اپنے سکّے کی طرف توجہ کی۔ اسوقت دُنیا میں جرمنی ہی وہ ملک ہے جس کا سکّہ اپنی حقیقی قیمت پر قائم ہے۔

جن لوگوں نے جرمنی کو دورانِ جنگ میں دیکھا ہے وہ موجودہ حالت میں دیکھکر ضرور دنگ ہوجائیں گے۔ جرمنی کے ماریک دن نکل گئے۔ درخشاں مستقبل صاف نظر آرہا ہے۔ برلن اب پھر عروس البلاد ہے۔ جنگ سے پہلے پیرس، وائنا، اور برلن کسل میں بھی وہ عظمت و جلال موجود نہ تھا جو آج برلن میں ہر طرف دیکھا جاسکتا ہے!

فتحمند فرانس منحوس دنوں کا انتظار کررہا ہے جیسا کہ ایک فرانسیسی وزیر نے حال میں اعلان کیا ہے۔ مسرف دولتمندوں نے پیرس کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے، اس لئے فرانس کے پائے تخت پر ہر جگہ اُداسی چھاگئی ہے۔ لیکن برلن کے تھیٹر اور کلب گھر عیش پسند امیروں سے لبریز ہیں۔

آج جبکہ تمام یورپ فقیر ہورہا ہے اور روز بروز دولت کم ہو رہی ہے، جرمنی کی دولت میں روز افزوں ترقی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ سال جرمن عورتوں نے صرف اپنے لباس پر ۳۷ کروڑ روپیہ صرف کیا تھا! ممکن ہے آپ خیال کریں بحالت موجودہ یہ جرمن عورتوں کا تباہ کن اسراف ہے، لیکن ایک جرمن وزیر نے جس روشنی میں اسے دیکھا ہے وہ آپکے خیال سے بالکل مختلف ہے۔

وزیر موصوف نے عورتوں کے اس اسراف کے بارے میں کہا "گزشتہ زمانہ میں ہمارے لئے کچھ مشکل نہ تھا کہ سال میں کپڑوں کے دو جوڑے دیکر عورتوں کو مطمئن کردیتے۔ ایک جوڑے میں بھی کام نکل جایا کرتا تھا۔ لیکن اب حالت بالکل بدل گئی ہے۔ پہلے سال بھر کے کپڑوں میں جتنا خرچ ہوتا تھا اُس سے زیادہ اب عورتوں کی رئیشین جرابوں میں صرف ہوجاتا ہے۔ اگر گھر میں کم سے کم بارہ جوڑے موجود نہ ہوں تو عورت شکایت کرتی ہے کہ "پہننے کو کچھ بھی نہیں ہے"! لیکن میں عورتوں کو ہرگز ملامت نہیں کروں گا۔ دراصل ہمیں اُن کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ اس اسراف سے وہ ملک کی بڑی خدمت انجام دے رہی ہیں۔ جنگ نے ہماری ہمتیں پست اور ولولے سرد کرڈالے تھے۔ ہم کمر کھولکر کاہلی کی زندگی پر اُتر آئے تھے۔ مگر ہماری عورتیں اُٹھیں دل کھولکر خرچ کرنے لگیں، اور اس طرح مردوں کو مجبور کردیا کہ زیادہ سے زیادہ محنت کرکے ملک کے لئے دولت پیدا کریں"

تازہ ترین اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت افراد کی شخصی آمدنی ۷۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ مارک سالانہ ہے۔ گویا ہر فرد کی آمدنی ۹۰ مارک ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی اپنی جنگ سے پہلے کی خوشحالی کے قریب پہنچ گیا ہے۔ جنگ سے پہلے افراد کی آمدنی اس سے صرف ۱۵ فیصدی زیادہ تھی۔

جرمنی کی صنعتی ترقی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۲۴ء میں برآمد کی قیمت ۵۵،۰۰،۰۰،۰۰۰ مارک تھی لیکن ۱۹۲۶ء میں بڑھکر ۹۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ مارک تک پہنچگئی ہے۔ جرمنی کا تجارتی بیڑہ تباہ ہوگیا تھا لیکن اب پھر اس کا بیڑہ سمندروں میں پھیلا نظر آرہا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں یہ بیڑہ صرف ۶۰،۰۰،۰۰۰ ٹن وزن کا تھا۔ اب ۱۹۲۶ء میں اُس کا وزن ۳۲۰،۰۰،۰۰۰ ٹن ہوگیا ہے۔ جرمنی کی خوشحالی اب اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ حکومت نے ارادہ کیا ہے "ایمن" اور "مالیڈی" کے دو زرخیز علاقے لکسمبرگ سے خریدلے!

جرمنی کی موجودہ خوشحالی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس وقت کام کرنے والوں کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ جنگ سے پہلے جو لوگ بیکاری کی زندگی بسر کرتے تھے اب وہ کام کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ اس وقت ملک میں ۱،۷۰،۵۰،۰۰۰ آدمی شدید محنت کے کام کررہے ہیں، حالانکہ جنگ سے پہلے ایسے محنتی کارکنوں کی تعداد اس سے آدھی تھی۔

مکتوب فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

فرانس کی عظمت!

۸ مئی کو نُور کے تڑکے پیرس کے آسمان پر ایک عظیم نقش اُڑتی دکھائی دی۔ اس پر ایک بڑی انسانی کھوپڑی، دو بیڈی ہڈیوں اور دو درخشاں شعلوں کی تصویریں بنی تھیں!

یہ نقش نہ تھی، فرانس کی قومی عظمت تھی، اور تاریخ کی ابدیت کی طرف جارہی تھی۔ یہ علم و حکمت اور انسانی اولوالعزمی کے میدان میں فرانس اور آمریکہ کا مقابلہ تھا، اور بالآخر خوفناک موت کی طرف جانے والا تھا۔

آمریکہ کی طرف سے اعلان ہوا کہ ہم بحر اعظم اٹلانٹک کو بلا انقطاع ایک ہی پرواز میں عبور کرلیں گے۔ نیویارک سے اُڑینگے اور پیرس میں جاکر دم لیں گے! فرانس نے سُنا تو اُسے اس اعلان میں اپنی عظمت کی تحقیر محسوس ہوئی۔ اُسنے کہا "قبل اس کے کہ تم پیرس آؤ اور تاریخ کی لازوال شہرت حاصل کرلو۔ ہم تم سے بازی لے جائیں گے اور نیویارک پر اپنے جلال کا پرچم اُڑائیں گے!"

یہ بہادرانہ الفاظ تھے جو فرانس کی طرف سے کپتان ننجیسر نے کہے۔

۳۵ سال کی عمر، بھرپور جوانی، دلفریب مردانہ حسن، نازنینان پیرس کی دل پسندیوں کا مرکز۔ یہ نخچیسر ہے! مگر فرانس کی عظمت سب سے بالاتر ہے!

وہ اُٹھا، اپنے ایک رفیق کو ساتھ لیا۔ اور ہوائی جہاز میں اُڑ چلا۔ اتنی بڑی مہم اور صرف ایک انجن کا جہاز! مخلوق چلائی "موت! موت!" مگر کپتان نے جواب دیا "ہاں فرانس کی عظمت

کے لئے موت! لیکن جری دل موت سے کب ڈرتے ہیں؟"

اضطراب و مسرت!

پورا پیرس ہمہ تن گوش تھا۔ دو دن گزر گئے۔ دوشنبہ کی شام کو میدانوں اور پبلک مقاموں میں ایسا ہجوم تھا جیسا جنگ کے بعد کبھی دیکھا نہیں گیا۔ مضطرب دل اور لڑکھڑاتی زبانیں چلا رہی تھیں "خبر؟ خبر؟" "یہ لو خبر آگئی!" اچانک شور مچا "نجمیر پہنچ گیا!" اخبارات کے ضمیموں کی جلی سرخی تھی۔ بھٹیرا اخبار فروشوں پر ٹوٹ پڑی۔ کش مکش اور ہجوم میں بہت سے اخبار پھٹ گئے۔ ایک خریدتا تھا اور دس اس کے ہاتھ سے چھینتے تھے۔ کئی عورتیں بھیڑ میں گر پڑیں۔ کئی لڑکے کچل گئے "سفید چڑیا نیویارک کے آسمان پر دیکھی گئی!" یہ خبر تھی جو اخبارات نے شایع کی تھی۔ اب کیا تھا؟ مسرت اور قومی فخر و غرور کی عام لہر دوڑ گئی۔ مصافحے اور معانقے ہونے لگے۔ ہر ہونٹ پر ہنسی تھی اور ہر آنکھ میں مسرت کے آنسو تھے۔

کپتان کی ماں!

اچانک مجمع میں ایک طرف جنبش ہوئی۔ انسانوں کا سیلاب ایک خاص گوشہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہجوم سے باہر نکلنا ناممکن تھا۔ میں نے بھی اپنی باگیں چھوڑ دیں۔ لاکھوں آدمی کی بھیڑ ایک سہ منزلہ مکان کے سامنے پہنچکر رک گئی۔ یہ کپتان کی ماں کا گھر تھا۔ سخت کش مکش ہوئی سب کی خواہش تھی کہ میڈم کے کمرے میں پہنچ جائیں۔ خوش قسمتی سے مجھے اوپر چڑھنے کا موقعہ مل گیا۔ ساٹھ برس کی ایک پُروقار بوڑھی خاتون ہمارے سامنے تھی! مسرت نے اُس کا عجب حال کر دیا تھا۔ ہر لمحہ شادی مرگ کا اندیشہ تھا۔ اسوقت وہ پورے فرانس کی ماں تھی پورا پیرس اُسے کھڑا سلام کر رہا تھا!

یقینی خبر

دو دن پھر گزر گئے "سفید چڑیا" کی کوئی خبر نہیں آئی۔ آج پورا پیرس اُداس ہے۔ سب کے دل دھڑک رہے ہیں۔ انتظار سے تنگ ہوکر پیرس پھر میدانوں کی طرف چلا۔ پہلے سے کہیں زیادہ ہجوم تھا! اچانک تمام آوازیں بند ہوگئیں کامل سکون چھا گیا۔ ایک لمحہ کے بعد تالیوں کا شور بلند ہوا۔ بیک وقت لاکھوں تالیاں بج رہی تھیں۔ پھر یکایک نعرے بلند ہونے لگے "نجمیر پہنچ گیا!" "سرکاری طور پر تصدیق ہوگئی!"

سرکاری عمارتوں پر جھنڈے اُڑا دئے گئے۔ پورے یورپ سے "مبارک اسلامت!" کے پیغام حکومت فرانس کے نام آنے لگے اب عصبی پیرس کی خوشی ناقابل بیان تھی! فرانس نے امریکہ کو شکست دیدی!!

لیکن...

"لیکن؟"

"لیکن" کا حال کوئی پیرس کے دل سے پوچھے "افسوس! خبر غلط تھی" اخبارات کی اس سرخی نے پیرس کا تمام سرور و عیش رنج و الم سے بدل دیا۔ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ نیویارک کے آسمان پر جو "سفید چڑیا" منڈلاتی نظر آئی تھی، وہ فرانسیسی جہاز نہ تھا۔ امریکہ ہی کا ایک ہوائی جہاز تھا۔

اسوقت تمام پیرس اُداس ہے، کیونکہ اُس کے قومی فاتح کا کہیں پتہ نہیں۔ کیا وہ بحر اعظم کی موجوں پر ہے؟ کینیڈا کے پہاڑوں پر ہے؟ آئرلینڈ کے جنگلوں میں ہے؟ خدایا! وہ کہاں ہے؟ ہر زبان یہی سوال کرتی ہے مگر کوئی جواب نہیں ملتا۔ کپتان کے دو بھائی میں ایک اُسے انگریزی آبنائے میں تلاش کرکے ناامید واپس آچکا ہے۔ دوسرا سواحل امریکہ میں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ مگر ابتک کہیں کوئی سُراغ نہیں ملا!

عقاب موت

پیرس کی بیچینی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس بہادرانہ عزم سے پہلے بھی نجمیر اُسے محبوب تھا۔ دورانِ جنگ میں اس نوجوان نے ایسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے تھے کہ اُس کا جنگی لقب "عقاب موت" ہوگیا تھا۔ جنگ میں اسے بار بار کاری زخم آئے۔ ۲۴ آپریشن کئے گئے۔ ڈاکٹروں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ اب یہ فوج کے لائق نہیں رہا۔ مگر زخم بھرتے ہی وہ پھر فوج میں تھا۔ سپہ سالار نے کہا "تم فوج میں قبول نہیں کئے جا سکتے" اُسنے فوراً جواب دیا "لیکن میں فوج کو قبول کر سکتا ہوں" چنانچہ برابر لڑتا رہا۔ ۷۵ ہوائی معرکے سر کئے ۷۰ دشمن جہاز برباد کر ڈالے۔ فرانس کا سب سے بڑا جنگی تمغہ حاصل کیا۔ ۴۲ چھوٹے تمغے اور ستارے پائے۔ یہ سب حکومت فرانس کی طرف سے تھے۔ برطانیہ اور امریکہ کے تمغے اس کے علاوہ ہیں۔

کپتان کی ماں سے ملاقات

کپتان کی بوڑھی ماں کا کیا حال ہے؟

خوش قسمتی سے اس معزز خاتون نے چند لمحے مجھے بھی بخشے میں اُس کی ملاقات کو بے اختیار اور بغیر اطلاع کے پہنچ گیا تھا۔ دروازہ پر میں نے دستک دی، دستک کے ساتھ ہی پٹ کھل گئے اور میں نے ایک مضطرب آواز سُنی: "کوئی خبر لائے ہو؟" یہ غمزدہ ماں کی آواز تھی۔ افسوس، میرے پاس کوئی خبر نہ تھی۔ فرط تاثر سے میری آواز بند ہوگئی "خبر کا نہ ہونا خود اچھی خبر ہے" خاتون نے سر ہلا کر شکستہ آواز میں کہا۔ اس سے اُس جانگداز اندیشہ کا پتہ چلتا تھا جس میں اس کا الم زدہ دل مبتلا تھا! بایں ہمہ اس کے صبر و تحمل کا وقار بدستور قائم تھا۔ وہ اب بھی ہنستی تھی مگر ایسی ہنسی جس ہزاروں نالہ ہائے دردمکی چھپیں پوشیدہ تھیں۔

"تمام دنیا آپکے قلق میں شریک ہے" میں نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا

"صاحب! تمھیں بھی امید ہے نہ؟" خاتون نے اضطراب سے کہا۔

"بلاشک! مجھے کیا بہتوں کو یقین ہے کہ کپتان آمریکہ کے کسی غیر آباد علاقے میں پہنچ گیا ہے" میرا جواب تھا۔

مدام اب اپنے آنسو روک نہ سکی۔ "ماما! رو نہیں" اُس کے ایک لڑکے نے کہا۔

"کیا؟" خاتون نے سخت جد و جہد سے اپنے کو سنبھالا کہا "میں روتی نہیں ہوں۔ مجھے اب تک یقین ہے۔ وہ ضرور لوٹ آئے گا۔ تین مہینے گزر جائیں۔ ۶ مہینے گزر جائیں، مگر یہ امید میرے دل میں برابر زندہ رہے گی!"

میں اس گھر میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ بہ مشکل مجھ سے اجازت مانگی گئی۔ سڑک پر پہنچتے پہنچتے میرا رومال بھی تر تھا!

شاید اسوقت بھی وہ گرجا میں قربان گاہ کے سامنے اپنے گھٹنوں پر جھکی ہوئی "چارلی" یعنے پیرس کے گم شدہ محبوب کے لئے دعا مانگ رہی ہے۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۲ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظربند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۷ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

منیجر الہلال کلکتہ

خواطر و سوانح

میری اخباری زندگی کا ایک لمحہ

گذشتہ نمبر میں ہم نے ایک کتاب کا ذکر کیا تھا جو حال میں شایع ہوئی ہے اور جسمیں تیس فرانسیسی اخبار نویسوں نے اپنی اپنی زندگی کے اہم واردات و حوادث بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کی ایک سرگزشت پچھلی اشاعت میں آپکی نظر سے گزر چکی ہے۔ آج ایک دوسری سرگزشت درج کی جاتی ہے۔ یہ موسیو گستن شیرو کے قلم سے نکلی ہے جو عرصہ تک اخبار طان پیرس کے مشرقی مقالہ نگار رہ چکے ہیں۔ اس سرگزشت میں انھوں نے اپنے قیام طرابلس کے زمانہ کے بعض واردات لکھے ہیں۔ جب اٹلی اور اندرون طرابلس کے عربوں میں لڑائی جاری تھی:

صحرا کے خنزیر!

یورپین تہذیب سے دور، طرابلس، صحرائے افریقہ کے دامن میں پوشیدہ پڑا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں یکایک اٹلی نے حملہ کیا اور مغربی ممالک پر اُس کے بند دروازے کھل گئے!

مجھے وہ رات عمر بھر یاد رہے گی جو میری اخباری زندگی کی سب سے زیادہ عجیب رات ہے۔ یہ رات مجھے طرابلس میں پیش آئی تھی۔

میں اپنے ہوٹل میں بیٹھا تھا کہ وہ نوجوان عرب کمرے میں آیا جو میری خدمت کرتا اور روز صبح گھوڑا تیار کر دیتا تھا۔ اُسنے کمرے میں ہر طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور میرے تنہا ہونے کا پورا یقین حاصل کر کے کہنے لگا:

"محمد سعید ملاقات کرنی چاہتا ہے۔ اگر آپ راز داری کا وعدہ کریں تو میں آج ہی رات آپکو اُسکے پاس لے چلوں"

پھر مجھے متعجب دیکھ کر بولا:

"آپ اُسے نہیں جانتے مگر وہ آپکو جانتا ہے"

میں غور کرنے لگا۔

علی میرے زین کی رکاب صاف کرنے لگا۔

"ملعون یوسف آج پھر رکاب صاف کرنا بھول گیا" علی بڑبڑا رہا تھا۔

"آج رات جب ڈاکخانہ سے نکلئے گا تو میں آپ کا پیچھا کرونگا بشرطیکہ کوئی ساتھ نہ ہو" اُسنے مجھے مخاطب کئے بغیر کہا۔

اُسوقت طرابلس محفوظ نہیں تھا۔ ذرا سی بے احتیاطی بھی دور بین کے لئے موت کا باعث تھی۔ میرا فرانسیسی ہونا، میری زندگی کے لئے ضمانت نہ تھا۔ کسی طرف سے اچانک ایک گولی آکر میرا خاتمہ کر سکتی تھی۔ میں متردد تھا کہ بغیر کچھ معلوم کئے محمد سعید کے ہاں چلا جانا مناسب ہے یا نہیں؟ میرا قاعدہ تھا کہ روزانہ رات کو تار گھر جاکر اپنے دن بھر کی معلومات پیرس کے اخبارات کو بھیجدیا کرتا تھا۔

شاید گیارہ بجے میں تار گھر سے نکلا۔ رات نہایت تاریک تھی سڑکوں پر کوئی روشنی نہ تھی۔ میں تنہا نہ تھا۔ ایک اٹالین اور ایک فرانسیسی اخبار نویس بھی میرے ساتھ تھے۔ تھوڑی دور چلکر یہ دونوں اپنے ہوٹل کے سامنے پہنچ گئے۔ اب مجھے اپنے ہوٹل کی طرف تنہا جانا تھا۔

ایک چوراہے پر پہنچکر مجھے محسوس ہوا کہ کسی کی پرچھائی میں نے دیکھی ہے۔ میرا خیال صحیح تھا۔ میرا خدمتگار علی میرے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔

ہم دونوں شہر کے بازار سے گزر کر تنگ گلیوں میں داخل ہو گئے۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ پورا شہر سو رہا تھا۔ بند دوکانوں کی آواز بھی بہت کم سنائی دیتی تھیں۔

میں نے اپنے تئیں اچانک عربوں کے محلہ میں پایا۔ الف لیلہ کے پُراسرار اور اونچی دیواروں سے گھرے ہوئے مکانات میرے دونوں طرف تھے!

علی ایک پست اور گول دروازے کے سامنے رُک گیا، اپنے دونوں ہونٹھ بھینچے اور ایک خاص قسم کی شیریں آواز میں چلایا:

"محمد! محمد!"

فوراً دروازہ کھلا۔ میں اندر داخل ہوا۔ خادم کے ہاتھ میں شمع تھی۔ اس کی روشنی میں مجھے ایک بھاری بھرکم شیخ دکھائی دیا۔

"آپ محمد سعید کے گھر میں ہیں" شیخ نے اپنی فصیح زبان میں کہا۔ "گویا آپ خود اپنے گھر میں ہیں۔ محمد سعید میں ہی ہوں۔ میں آپکا منتظر تھا۔ میری زندگی آپکے لئے حاضر ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں گے؟ یہاں جتنے لوگ ہیں، سب میرے فرمانبردار اور آپکے دوست ہیں"

محمد سعید کی ظاہری ہیئت بتاتی تھی کہ مالدار ہے اور دوسرے بہت سے شیخوں کی طرح اس فتنہ کی وجہ سے خانہ نشین ہو گیا ہے۔ وہ مجھے ایک غلام گردش میں لے چلا میں نے دیکھا وہاں بہت سے لوگ سو رہے ہیں۔ پھر ہم ایک بڑے ایوان میں پہنچے۔ شیخ نے تالی بجائی اور ایک خادم نے پیتل کی صینی لاکے رکھدی۔ صینی میں ٹھنڈے پانی سے لبریز گلاس، مٹھائی کی تشتری، اور قہوہ کی پیالیاں تھیں

محمد سعید نے ایک بلند ٹھیک پر مجھے بٹھایا۔ اسپر دبیز اور نرم قالین بچھا تھا۔ خود بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"میں اپنے مکان میں آپ کا استقبال کرتا ہوں" محمد سعید نے میرے چہرے پر اپنی تیز سیاہ آنکھیں جما کر کہا "یہاں آپکو آنے کی زحمت دیکر میں نے عربی اخلاق کے خلاف عمل کیا ہے۔ معافی چاہتا ہوں لیکن مجھے یقین تھا۔ آپ ایک ایسے شخص کو تسلی دینے کی ضرور تکلیف گوارا کریں گے جس کی زندگی ختم ہو چکی ہے، اور جو یہاں اپنے گھر میں بیٹھا اپنے ملک کی بربادی دیکھ رہا ہے، میں بغیر کسی تمہید کے اپنی دعوت کا مقصد بیان کرتا ہوں۔ یہاں طرابلس میں آپ تین فرانسیسی موجود ہیں۔ میں جانتا ہوں آپ ان غاصب طلیانوں کی طرح نہیں ہیں۔ آپ عربوں سے محبت کرتے ہیں۔ محمد سعید اُس شخص کا بیٹا ہے جس نے آپ کی قوم کے ایک بڑے آدمی کی خدمت کی تھی اور اُس سے اپنے خدمت پر اعلیٰ سندیں حاصل کی تھیں۔ میرا باپ ٹیونس میں فرانس کے سپہ سالار اعظم ماسکوآٹ کا معتمد تھا"

محمد سعید نے میرا تعجب محسوس کر لیا۔ وہ مسکرایا: چند دن ہوئے آپ خود اُس کا ذکر کر رہے تھے۔ مجھے خبر پہنچ چکی ہے" شیخ نے پہلو بدل کر کہا "مجھے آزادی سے گفتگو کرنیکی اجازت دیجئے۔ میں مطمئن ہوں کہ خدا کے سامنے بے خوف کھڑا ہوں گا۔ کیونکہ مجھے اپنا کوئی ایسا گناہ معلوم نہیں جسپر میں نادم ہوں۔ لیکن اس بدنصیب ملک کی قسمت معلوم کرنے سے پہلے مرجانا میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے۔ آپنے خود اپنی آنکھوں سے پرسوں چودہ لاشیں پھانسی پر لٹکی دیکھی ہونگی۔ خدا اُنھیں کبھی معاف نہ کرے گا جنھوں نے ان معصوموں کی جان لی ہے! میں نے سُنا ہے آپ نے ان بے گناہوں کے لئے چند کلمے شفقت کے کہے تھے۔ آپ میری بات غور سے سنئے اور صاف جواب دیجئے۔ کیا واقعی میری قوم فنا کر ڈالی جائے گی؟"

میں نے مضطرب شیخ کو ہر طرح اطمینان دلایا اور دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھر میں نے واپسی کا خیال کیا۔ وہ سمجھ گیا:

"میں آپکے ساتھ دو آدمی بھیجنے کو مستعد ہوں۔ وہ آپ کو حفاظت سے پہنچا دیں گے۔ لیکن ممکن ہے کسی کی متجسس نظریں پڑ جائیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے آپ یہیں سو جائیں؟ صبح قریب ہے؟"

اُسنے پھر تالی بجائی۔ خادم کو قالین لانے کا حکم دیا۔ مجھ سے کہنے لگا: "آپ اسی جگہ سوئیں گے جہاں بیٹھے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کس چیز پر آپ بیٹھے ہیں؟ آپ محمد سعید کی تھوڑی سی مگر پوری دولت پر بیٹھے ہیں"

یہ کہکر اُسنے اُس بیٹھک کا فرش حقارت سے اُلٹ دیا جسپر ہم بیٹھے تھے اور اوپر کا تختہ ہٹا کر جوش سے کہنے لگا:

"دیکھو"

میں نے دیکھا۔ مگر کیا دیکھا؟ عمر بھر اسے نہ بھولوں گا۔ میں نے دیکھا عظیم صندوق میں سونا اس طرح بھرا پڑا ہے جس طرح کوٹھی میں غلہ بھرا ہوتا ہے!

"یہ سب مجھے اپنے چچاؤں سے ملا ہے۔ قافلہ والوں سے اور خود میں نے کمایا ہے" اُسنے سادگی سے کہا "اگر اس سب کے لٹا دینے سے میری قوم کی جان بچ سکتی ہے تو میں اسے لٹا دینے پر بخوشی تیار ہوں"

پھر اُسنے بے پرواہی سے ڈھکنا چھوڑ دیا۔ وہ زور سے صندوق پر گرا۔ اور محمد سعید باہر چلا گیا۔ اُسنے اپنے خزانہ میں قفل تک نہیں لگایا۔ میں نے عربی شب بخیر کی آواز سنی اور پھر اُس کا پرجوش چہرہ غائب تھا!

میں آرام کی نیند سو گیا۔ میں اس قدر متاثر تھا کہ یہ خیال بھی نہیں ہوا کہ میں صحرا کے خزانہ پر لیٹا ہوں!

کیا یہ خواب تھا؟

نہیں، لیکن جب غور کرتا ہوں تو یہ واقعہ بھی کم از خواب نہیں! محمد سعید کی آرزو پوری نہیں ہوئی۔ اُس کا ملک اُس کی قوم کے لئے آزاد نہ ہو سکا۔ مگر اس کا پُراسرار خزانہ کبھی کبھی اب بھی مجھے اُس عظیم تہ خاک صندوق کی یاد آجاتی ہے!

بیسویں صدی کا آدم خور گروہ

یورپ کی زبانوں میں ایک لفظ قدیم سے موجود ہے جس کا تلفظ انگریزی میں Cannibalism ہے۔ یعنی انسانی گوشت کھانے کا مذہب اور طریقہ۔ ازمنۂ وسطیٰ (مڈل ایجز) کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ یورپ میں انسانی گوشت کھایا جاتا تھا۔ صلیبی لڑائیوں کے صحیح مجاہدین جب اسلامی ممالک میں پہنچے تھے تو جب کبھی غذا کی قلت ہوتی انسان کا گوشت کھانا شروع کر دیتے تھے۔ مشہور مورخ گبن اور تجاڈ شہادت دیتے ہیں کہ انطاکیہ، طرابلس، عکا، اور خود بیت المقدس میں صلیبی مجاہدین انسانی گوشت کا علانیہ استعمال کرتے تھے!

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مذہب کے پیروؤں سے اب بھی سرزمین یورپ خالی نہیں ہے۔ پچھلی ڈاک کے انگریزی اخبارات میں ایک عجیب تفصیل آئی ہے۔ وسط یورپ سے ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ "زگوسلاویا میں چھبیس آدمی اس جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں کہ ان کی سب سے زیادہ مرغوب غذا آدمی کا گوشت ہے"!

پولیس کی تحقیقات ظاہر کرتی ہے کہ یہ لوگ ایک جنگل کے قریب خیموں میں رہتے تھے۔ اُس طرف سے جو آدمی نکلتا تھا اُسے قتل کر کے کھا جاتے تھے۔ مجرموں نے عدالت میں اعتراف کیا ہے کہ اُنھوں نے ایک مہینے کے اندر صرف ۶ آدمی نوشجان کئے۔ پانچ عورتیں اور ایک طالب علم! یقیناً انکے نزدیک انسانی گوشت کی ایک خاص قسم طالب علم کا گوشت ہوگا!

اُنھوں نے اپنا عذر یہ بیان کیا کہ "ہم کام نہ ملنے کی وجہ سے بالکل غریب ہو گئے تھے۔ گوشت خرید نہیں سکتے تھے۔ صرف چاول اور آلو پر گزر تھی! مجبور ہو کر یہ طریقہ اختیار کیا"!

اُنھوں نے آدمی شکار کرنے کا طریقہ بھی بتایا ہے: "جب کوئی شخص اُس راستہ پر نظر آتا تھا، ہم اُس سے بڑے اخلاق سے ملتے تھے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے اور دم دلاسا دیکر اپنے خیموں میں لے آتے تھے۔ پھر اُسے مانوس اور غافل کرنے کے لئے یورپ کی اقتصادی و سیاسی حالت پر گفتگو شروع کر دیتے تھے۔ جب وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا اور وقت کے سیاسی مباحث میں غور و فکر کرنے لگتا تو پیچھے سے اُس کے سر پر کلہاڑی مار دیتے تھے۔ پھر اُس کے کباب بنا کر کھا لیتے تھے!"

اس بیان کی سادگی اور واقعیت کا تو اعتراف کرنا چاہئے۔ لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کلہاڑی مارنے کے فیصلہ کن عمل سے پہلے "اقتصادی اور سیاسی مباحث" کا تذکرہ کیوں ضروری سمجھا گیا تھا۔

طالب علم جسکی عمر صرف ۷۰ برس ہے!

پچھلے دنوں فرانس کی شہرۂ آفاق یونیورسٹی سوربون کے اعلیٰ علمی امتحان میں ایک طالب علم دیکھا گیا جس کی عمر اسوقت ۷۰ برس ہے۔ حاضرین کو زیادہ حیرت اس لئے بھی ہوئی کہ یہ عجیب طالب علم ملک کا ایک مشہور آدمی ہے۔ اس کا نام مسیو آنڈریہ ہے۔ یہ فرنچ پارلیمنٹ کا ایک سابق ممبر، پولیس کا سابق کمشنر، اور کئی زمانہ میں فرانس کا دوسرے ممالک میں سفیر بھی رہ چکا ہے!

لوگوں کی حیرت دیکھ کر اُسنے سنجیدگی سے کہا "میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر میرا علمی شغف بدستور جوان ہے!"

اسنے کامل ۳ گھنٹہ امتحان کی کمیٹی کے روبرو زبانی امتحان دیا۔ اور قوی دلائل سے اپنا تاریخی موضوع بحث ثابت کر دیا۔ ممتحنوں نے بڑی سختی برتی اور اعتراض کرنے میں اُس کی عمر کی کوئی رعایت نہیں کی۔ جب پوری طرح اُس کا علمی تبحر ثابت ہو گیا تو فن تاریخ میں ڈاکٹر کی سند دی گئی۔

امتحان کا ایوان بڑے بڑے علماء و مشاہیر سے پُر تھا۔ مشہور مسیو کلیمنشو بھی موجود تھے۔ یہ "طالب علم" کے پرانے دوست ہیں۔ کامیابی پر سب سے پہلے انہی نے تالی بجائی۔ پھر تحسین و آفریں کی صداؤں سے پورا ایوان گونج اُٹھا۔

یہ "طالب علم" اپنی حاضر جوابی میں قدیم سے مشہور ہے۔ اُسکا یہ واقعہ اب تک لوگوں کو یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ پارلیمنٹ میں تقریر کر رہا تھا۔ ایک ممبر نے اُٹھکر اُسپر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ مقرر نے طعنہ زنی کی راہ سے معترض کو مخاطب کیا "میں" نامعلوم" محترم ممبر کا نہایت شکر گزار ہوں گا اگر وہ مجھے اپنی تقریر ختم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں" معترض نے غصہ سے کہا "مسیو آنڈریہ! میں نامعلوم نہیں ہوں، آپ مجھے خوب جانتے ہیں" مقرر نے فوراً یہ مسکت جواب دیا "میں نے کب کہا کہ آپ میرے لئے "نامعلوم" ہیں۔ البتہ مجھے معلوم نہیں کہ آپ دنیا کے نزدیک بھی "معلوم" ہیں!"

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي- اُس نے ملک کے سیاسي' علمي' ادبي' اور دیني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے' قریب هے که مستقبل هند کا مورخ اُن پر بحث کریگا اور اُن کے اندر وه عناصر و مبادیات ڈهونڈهیگا جن سے هندوستان کي سنه ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي ذهنیت ظهور پذیر هوئي .

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها- اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب' مذهب' سیاست' ادبیات' علوم و فنون' اور معلومات عامه کے هوتے تهے اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں- اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں- اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي' مذهبي' سیاسي' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں ان کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے- جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں- پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جائے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو اخري موقعه دیتے هیں که اس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکتي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه — الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " " چهارم ۱۰ روپیه — " " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے- قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اِس کے علاوه هے -

منیجر " البلاغ پریس "

آبِ حیات

جملہ اقسام کی انسانی و حیوانی بیماریوں کا فوری علاج۔ جس کے متعلق بیس (۲۰) سال میں تیس (۳۰) ہزار سرٹیفکیٹ موصول ہو چکے ہیں

قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (عمدہ) نمونہ کی شیشی ۸

اکسیر عنبری مقوی اعضائے رئیسہ اور مردانہ طاقت بڑھانے والی گولیاں۔ قیمت فی شیشی چار (۴) روپیہ

نمک سلیمانی معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے اور خون صالح پیدا کرنے کی بہترین دوائی ہے

قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲)

مفصل فہرست ادویہ مفت

منیجر کارخانہ آبِ حیات پنڈی بہاؤالدین

(پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,

PINDI BAHA-UD-DIN, PUNJAB.

اسلامی مذاق کی کتابیں

قرآن۔ حدیث۔ تصوف۔ فقہ۔ عقائد۔ تاریخ۔ اور علوم جدید پر بہترین اور تازہ کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری فہرست منگائیں۔ سرمایہ دار اگر مذہبی کتابوں کی تجارت پر روپیہ لگا کر فائدہ اٹھانا چاہیں تو قواعد منگا کر ملاحظہ فرماویں۔ پتہ یہ ہے

منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

The SUFI PRINTING and PUBLISHING Co LTD

— PINDI BAHA-UD-DIN, (PUNJAB)

قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح)

یہ ترجمہ جسکے لئے مسلمان مدتوں سے سراپا انتظار تھے بفضلہ تعالیٰ نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب کیا جا رہا ہے۔ آج تک جسقدر ترجمے قرآن پاک کے ہوچکے ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ تحت لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس ہے۔ زبان ایسی شستہ اور صاف کہ جس کو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھ سکے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ زمین حنائی چھپی ہوئی پختہ ہے۔ ہدیہ مجلد چرمی منقش نقرئی پندرہ روپئے۔ جلد اعلیٰ منقش طلائی ۱۸ روپیہ محصولڈاک و خرچ پیکنگ ۲ روپیہ فرمایش کے ساتھ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری ہیں۔ نمونہ مفت

اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ع سے قابل اہل قلم ایڈیٹروں کی زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے۔ آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار، اردو جرائد میں کثیر الاشاعت، سیاست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا مشتہر، عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ، دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنے والا، ملاحظہ و مطالعہ خود ہمارے بیان کی تصدیق کریگا۔ نمونہ مفت۔ قیمت سالانہ ۶ روپیہ۔ ششماہی تین روپیہ آٹھ آنہ سہ ماہی ۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ۔

غنچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچوں کا اتالیق، طالب علموں کا اُستاد، علم و فن کا خزینہ، معلومات کی کان اخلاقیات و ادبیات کا گنجینہ، ہفتہ وار خاص ملک و ملت کے نونہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے۔ زبان سلیس اور عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے۔ قیمت سالانہ ۳ روپیہ۔

(محمد مجید حسن مالک اخبار
مدینہ و غنچہ۔ بجنور

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

جلد ۱ نمبر ۳ و ۴
یکم و ۸ جولائی ۲۷ء

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول - - بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے - - سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی - - - سات روپیہ
قیمت فی پرچہ - - پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں اُنکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی اردر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۳ و ۴ — کلکتہ : جمعہ ۱ - و ۸ - محرم ۱۳۴۶ ہجری — جلد ۱

Calcutta : Friday, 1 & 8 July 1927.

فہرس

پنجاب هائي كورٹ كا ايك فيصله ۱

مذاكرهٔ علميه

انسان كي پيدائش كا اولين مقام ۴

عماليق يا دراز قد آدمي ۵

مطبوعات جديده

انساني قابليت كا مقياس ۶

برید فرنگ

فرانس كي اولوالعزمي كي قرباني ۹

سنه ۲۷ - ميں ۲۵ - پر ايك نظر

ديش بندهو چترنجن داس ۱۱

سير في الارض

ايك سياح كے تاثرات ۱۳

برید شرق

مكتوب قسطنطنيه ۱۳

عراق ۱۶

فلسطين ۱۷

شام ۱۸

مصر ۱۹

آثار عتيقه

گلسلا كے آثار ۲۰

برید فرنگ (بقيه)

مكتوب فرانس ۲۳

مقالات

اسلام اور ہيشنلزم ۲۵

پنجاب هائيكورت كا ايك فيصله

كيا هندوستان ميں دلازار اور نفرت انگيز مذهبي حملوں كي روك كيليے كوئي قانون نهيں هے ؟

مولانا ابوالكلام نے حسب ذيل تحرير بعض اخبارات ميں بغرض اشاعت بهيجي هے :

جناب من ! بكثرت لوگوں نے بذريعه خطوط اور تار دريافت كيا هے كه " رنگيلا رسول " نامي كتاب كي اپيل كے فيصله سے جو صورت حال پيدا هوگئي هے ' اسكي نسبت ميري راے كيا هے ؟ ميں چاهتا هوں مندرجه ذيل سطور اس بارے ميں شائع كردي جائيں :

ميرے خيال ميں بلاشبه اس فيصله سے وقت كا ايك نهايت ضروري سوال پيدا هوگيا هے - وه صرف مسلمانوں هي كيليے نهيں بلكه اُن تمام لوگوں كيليے قابل غور هے جو چاهتے هيں كه ملك كي اخلاقي اور دماغي فضا شائسته اور پاك رهے ' اور لوگ قلم و زبان كي گندگيوں سے آلوده نهوں - هندوستان جيسے مختلف المذاهب ملك ميں تو صلح و امن كا قيام بهي بهت كچهه اسي پر موقوف هے - اگر في الحقيقت اس بارے ميں كوئي قانوني روك موجود نهيں ' تو هميں منتظر رهنا چاهيے كه هر مذهب كا پيرو دوسرے مذهب اور اسكے رهنماؤں كو علانيه گاليان دينا شروع كرديگا - اور ظاهر هے كه اسكے نتائج كيا هونگے ؟

ميں نے كتاب زير بحث نهيں ديكهي هے ' ليكن اب اسكے ديكهنے كي ضرورت بهي باقي نهيں رهي - جسٹس كنور دليپ سنگه اپنے فيصله ميں تسليم كرتے هيں كه " كتاب بقيناً بانيِ (داعي) اسلام كي هجو پر مشتمل هے - طرز تحرير معاندانه هے - اور مسلمانوں كے احساسات مجروح هونے كا احتمال هے - بلكه ان كے دلوں ميں نفرت كے جذبات پيدا هونے كا خيال بهي حق بجانب هے " با ايں همه

دو نمبروں كا مجموعه هونے كي وجه سے اس نمبر كي قيمت ۷ - آنه هے - نمونه ۵ - آنه جيسا كه اوپر هے -

وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا فعل دفعہ ۱۵۳ - الف کی زد میں نہیں آتا جو پراسکیوٹر کے طرف سے لگائی گئی ہے - کیونکہ انکے لفظوں میں " یہ دفعہ ایسے وسیع مفہوم کیلیے وضع نہیں ہوئی ہے - یہ صرف اسلیے وضع ہوئی ہے کہ کسی شخص یا جماعت پر جو اسوقت زندہ موجود ہے کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہو - گذشتہ مذہبی رہنماؤں کے خلاف حملے ' اگرچہ کیسے ہی شرارت انگیز اور سفیہانہ کیوں نہوں ' اسکے مفہوم میں داخل نہیں ہوسکتے "

دوسرے لفظوں میں جسٹس موصوف کی راے یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ ۱۵۳ - الف کا تعلق ایسی تحریر و تقریر سے ہے جسکے ذریعہ کسی جماعت کے خلاف دوسری جماعت میں دشمنی و نفرت پیدا کی جاے - لیکن اگر ایک شخص کسی مذہب یا بانی مذہب کے خلاف بد زبانی کرتا ہے ' تو اسے یہ نہیں قرار دیا جا سکتا کہ اُس نے دو جماعتوں کے اندر دشمنی و نفرت پیدا کرنی چاہی ہے - کیونکہ یہ ایک شخص کا ذاتی فعل ہے - اسکی وجہ سے خود اُسکی ذات اس مذہب کے پیروؤں کے نزدیک قابل نفرت ہو جاسکتی ہے ' لیکن اِسے " دو جماعتوں میں دشمنی و نفرت پیدا کرنا " نہیں کہا جا سکتا -

نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ جسٹس موصوف نے دو صورتیں قرار دی ہیں : ایک یہ کہ مثلاً ایک شخص کوئی ایسی کتاب لکھے جس سے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے اندر یا ہندوؤں کے برخلاف مسلمانوں کے اندر دشمنی و نفرت پیدا ہو سکتی ہے - دوسری صورت یہ ہے کہ کسی مذہب یا بانی مذہب کے خلاف دلازار حملہ کیا جاے - وہ کہتے ہیں دفعہ ۱۵۳ - الف کا تعلق پہلی صورت سے ہے - دوسری صورت سے نہیں ہے -

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں صورتیں مختلف ضرور ہیں - اس میں بھی شک نہیں کہ دفعہ ۱۵۳ - الف کا ابتدائی مفہوم جماعتوں سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ افراد سے - لیکن اسکے ساتھ ہی میں انکے اس خیال سے متفق نہیں ہوسکتا کہ زیر بحث معاملہ پر اس دفعہ کی زد نہیں پڑتی اور وہ اس دائرۂ اثر سے بالکل باہر ہے -

بلاشبہ میں ماہر قانون نہیں ہوں - میں یہ بھی پسند نہیں کرونگا کہ جسٹس موصوف کی قانونی قابلیت کے اعتراف میں کوتاہی کروں - لیکن میں سمجھتا ہوں ' معاملہ اسقدر صاف اور واضح ہے کہ اسمیں کسی طرح کی قانون موشگافی کی ضرورت ہی نہیں ہے - ہر شخص جو قانون کے منشاء ' الفاظ ' اور حالات پر معمولی درجہ کی نظر بھی رکھتا ہے ' بغیر کسی کاوش کے معلوم کرلے سکتا ہے کہ جسٹس موصوف کی نظر صرف ایک ہی پہلو پر گئی ہے - دوسرا پہلو اُنہوں نے نظر انداز کردیا ہے -

علاوہ بریں اگر دفعہ ۱۵۳ - الف کی زد اسطرح کے افعال پر نہیں پڑتی تو دفعہ ۲۹۸ - بھی موجود ہے - لیکن مشکل یہ ہے کہ جسٹس موصوف کی تنقیح میں اسطرح کے معاملات دفعہ ۲۹۸ - کے ماتحت بھی نہیں آسکتے -

پہلے میں چند الفاظ اِن دونوں دفعات کی نسبت کہنا چاہتا ہوں -

سنہ ۱۸۶۸ - میں جب ایکٹ نمبر ۴۵ - یعنی مجموعہ تعزیرات ہند نافذ ہوا ' تو اس میں کوئی دفعہ ایسی موجود نہ تھی جسکے ذریعہ " مختلف طبقات میں دشمنی و نفرت پیدا کرنے " کے افعال صاف اور صریح لفظوں میں روکے جاسکیں - اسمیں آٹھواں باب ان جرائم کی نسبت موجود تھا جو آسودگی عامۂ خلائق میں خلل انداز ہوسکتے ہیں - لیکن اسکی تمام دفعات زیادہ تر بلوے اور بلوے کے اشتعال وغیرہ سے تعلق رکھتی تھیں - البتہ ایک باب " جرائم متعلق مذہب " موجود تھا - اسمیں ۲۹۵ - سے لیکر ۲۹۸ - تک چار دفعات رکھی گئی تھیں - پہلی دفعہ کا تعلق مذہبی معابد اور متبرک مقامات کی توہین سے تھا - دوسری کا مذہبی اعمال و رسوم سے ' تیسری کا اموات و قبور سے - چوتھی دفعہ ۲۹۸ - تھی ' اور اُس کے الفاظ یہ تھے :

" جو شخص سونچ بچار کر مذہب کی نسبت کسی شخص کا دل دکھانے کی نیت سے کوئی بات کہے ' یا کوئی آواز نکالے ' یا کوئی حرکت کرے ' یا کوئی چیز سامنے لائے ' تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی "

واضعان تعزیرات ہند نے خیال کیا تھا کہ یہ دفعات کافی ہیں ' لیکن بعد کو تجربے سے معلوم ہوا کہ کافی نہیں ہیں - سنہ ۱۸۹۸ - میں ایکٹ نمبر ۴ - کے ذریعہ تعزیرات ہند کی ترمیم کی گئی اور دفعہ ۱۵۳ - الف - کا اضافہ کیا گیا میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس دفعہ کے الحاق سے اصلی مقصود گورنمنٹ کی سیاسی اغراض کا پورا کرنا تھا ' لیکن میں یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ اِس کا دائرہ اس درجہ تنگ ہے جس درجہ جسٹس موصوف نے قرار دیا ہے - اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں :

" جو کوئی ایسی باتوں کے ذریعہ جو تلفظ سے ادا کی جائیں ' یا لکھی جائیں ' یا اشاروں کے ذریعہ ' یا نقوش مرئیہ کے ذریعہ ' یا اور کسی ذریعہ سے ملک معظم کی رعایا کے مختلف طبقات کے درمیان دشمنی یا نفرت کے خیالات بڑھائے ' یا بڑھانے کا اقدام کرے ' تو اُسے ایسی قید کی سزا دی جائیگی ..... الخ "

اب تعزیرات ہند میں دو دفعہ ہوگئیں - ۲۹۸ - اور ۱۵۳ - الف -

پہلی دفعہ ہر طرح کی مذہبی " دلازاری " کو جرم قرار دیتی ہے جو عمداً عمل میں لائی جائے - دوسری دفعہ ہر ایسے فعل کو جس کے ذریعہ برطانی ہندوستان کی دو مختلف جماعتوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کے خیالات پیدا ہوں یا ہوسکتے ہوں ' تعزیری جرائم میں شمار کرتی ہے -

میں نے اپنی عادت کے خلاف بار بار یہ دفعات پڑھیں اور صورت حال پر غور کیا - میں کوئی معقول وجہ نہیں دیکھتا کہ اس قسم کی تحریریں جیسی کہ زیر بحث تحریر ہے ' کیوں ان دونوں دفعات کی زد میں نہیں آتیں ؟ جسٹس دلیپ سنگھ کہتے ہیں " اگرچہ کتنی ہی دلازار اور سفیہانہ کیوں نہ ہوں ' اس کی زد میں نہیں آتیں " مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اگرچہ کتنی ہی کم دلازار اور کم سفیہانہ کیوں نہو ' ہوں لیکن اگر وہ واقعی دلازار اور سفیہانہ ہیں ' تو اِن دفعات کی زد سے بچ نہیں سکتیں -

امر تنقیح طلب صرف یہ ہے کہ اس قسم کی چیزوں سے " دو مختلف جماعتوں میں دشمنی اور نفرت کے خیالات " پیدا ہوتے ہیں یا نہیں ؟ نیز اِس سے " کسی فرد یا جماعت کی دلازاری " ہوتی ہے یا نہیں ؟ سب سے پہلے دفعہ ۱۵۳ - الف کو لیجیے - جسٹس موصوف کی نظر صرف فرد اور جماعت کے فرق کی طرف گئی ہے - بلا شبہ یہ فرق پیش نظر رکھنا چاہیے - مگر سوال یہ ہے کہ دفعہ کا منشا صرف فعل کی صورت اور اُسکی لفظی نسبت سے تعلق رکھتا ہے ' یا اُسکا زور فعل کے اثر اور نتائج پر ہے ؟ اگر جواب اثبات میں ہے ' اور میں امید کرتا ہوں کہ قانونی نقطۂ خیال سے اسکا صرف یہی جواب ہوسکتا ہے ' تو پھر معاملہ کا فیصلہ نہایت آسان ہے - یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے - تمامتر واقعہ سے تعلق رکھتا ہے - دیکھنا یہ چاہیے کہ اس قسم کی مذہبی بد زبانی اور ہجوگوئی کا برطانی ہندوستان کی مختلف جماعتوں میں کیا اثر پیدا ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے ؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ برسوں سے ملک کی دو جماعتیں یعنی مسلمانوں اور آریا سماجیوں میں باہمدگر

دشمني اور نفرت کے جذبات بڑھرہے ہیں اور اُنکا سب سے بڑا باعث اسي طرح کي مذهبي بد زباني اور مذهبي دلازاري کي کوششیں هیں؟ کیا یه واقعه نهیں هے که اب مسلمانوں اور آریا سماجیوں سے بهي گزر کر معامله مسلمانوں اور هندؤں کا بن گیا هے' اور اس قسم کے حملوں سے روز بروز دونوں جماعتوں کے دلوں کي برگشتگي بڑهه رهي هے؟ یقیناً جج کي نظر قانون پر رهني چاهیے - لیکن قانون پر نظر رکهنے کے معني یه نهیں هیں که وه تعزیرات هند کے صفحات سے باهر کے لیے اپني آنکهیں میچ لے - یقیناً جج کے لیے ضروري هے که وه بیروني اثرات سے متاثر نهو' لیکن بیروني اثرات سے متاثر نهونے کا یه منشا نهیں هے که مقدمه کي نوعیت اور حالات کي اُفتاد کے لیے بهي اُسکے پاس کوئي گوشۂ نگاه نهو -

یاد رکهنا چاهیے که قانون اور اخلاق ' دونوں کا حکم بهت حد تک حالات اور گرد و پیش کے تابع هوتا هے - ایک هي فعل ایک وقت اور جگهه میں جرم نهیں هوتا ' مگر دوسري جگهه اور دوسري حالت میں جرم هوجاتا هے - میں تسلیم کرتا هوں که اگر یورپ یا امریکه میں اس قسم کي کتاب حضرت مسیح کي نسبت لکهي جاے' اور وهاں دفعه ۱۵۳ الف - کے مضمون کي کوئي دفعه موجود هو' تو اُسکي زد میں کتاب نهیں آئیگي - اُسے قانوني گرفت میں لانے کے لیے کسي دوسرے قانون کي ضرورت هوگي - یا غالباً گرفت میں لانے کي ضرورت هي پیش نه آئے - لیکن هندوستان جیسے ملک کي حالت وهاں سے بالکل مختلف هے - یهاں اگر ایک شخص اسطرح کي مذهبي بد زباني اور هجو سرائي کرتا هے' تو قطعاً اُسکے اثرات بهت زیاده شدید اور بهت زیاده وسیع هوتے هیں' اور اسکي وجهه سے صرف لکهنے والے هي کے برخلاف نهیں ' بلکه اُسکے هم مذهبوں کے خلاف بهي نفرت کے خیالات پهیل جاتے هیں - کها جاسکتا هے که هندوستان کے عوام کي یه ذهنیت غلط هے اور اس میں اصلاح هوني چاهیے - لیکن میں یاد دلاؤنگا که قانون اور عدالت کا فرض اصلاح (ریفارم) نهیں هے' بلکه صورت حال کے مطابق لوگوں کے عقائد و جذبات کا اعتراف کرنا هے- یه صورت حال اچهي هو یا بري لیکن موجود هے یا نهیں؟ اگر موجود هے ' تو جب تک موجود هے ' دفعه ۱۵۳ - الف کي زد میں اس طرح کے تمام مذهبي حملے آنے چاهئیں - تعزیرات هند کا مجموعه هندوستان کي دماغي اصلاح کیلیے مرتب نهیں هوا هے - امن و انصاف کے قیام کے لیے مرتب هوا هے - اُسے اس سے کوئي غرض نهیں که کیا هونا چاهیے؟ وه صرف یه دیکهتا هے که کیا هو رها هے؟ اور جو کچهه هو رها هے ' اُسے ملحوظ رکهتے هوے باشندوں کے جذبات و مصالح کا کیونکر تحفظ کیا جا سکتا هے؟

اب دوسري دفعه ۲۹۸ - پر نظر ڈالیے - اپنے مقصد اور مقصد کے بیان میں یه کسقدر واضح هے؟ مگر جسٹس موصوف کهتے هیں ' اس قسم کے افعال کے لیے یه بهي سودمند نهیں - دفعه میں " دلازاري " کا لفظ هے - وه خود تسلیم کرتے هیں که کتاب دلازار هے - تاهم اُنکے خیال میں یه دلازاري وه " دلازاري " نهیں هے جو ۲۹۸ - میں مقصود هے - وه کهتے هیں که اگر اس قسم کي کتابیں اس دفعه کے ماتحت لائي جائیں ' تو نتیجه یه نکلیگا که هر طرح کي آزادانه نکته چیني جرم هوجائیگي - کیونکه کوئي نکته چیني کسي پیشواے مذهب کے خلاف کتني هي معتدل کیوں نهو' اُس کے پیروؤں کیلیے ضرور دلازار هوگي -

مجهے افسوس کے ساتهه کهنا پڑتا هے که یهاں جسٹس موصوف کي تنقیح پهلي تنقیح سے بهي زیاده تعجب انگیز هے - اگر یه طرز تنقیح تسلیم کرلیا جاے تو مجهے خوف هے که صرف ۲۹۸ - هي نهیں بلکه تعزیرات هند کي پانچ سو گیاره دفعات میں سے اکثر دفعات کا نفاذ مشکله هوجائیگا !

تین چیزیں هیں' اور تینوں کا حکم ایک نهیں هوسکتا - ایک چیز نکته چیني هے - ایک سخت نکته چیني هے - ایک بدزباني اور هجو هے - دفعه ۲۹۸ - مذهبي " دلازاري " کو روکتي هے - دیکهنا یه چاهیے که ان تینوں قسم کي چیزوں میں سے کونسي چیز اس " قانوني دلازاري " کے ماتحت آتي هے؟ بلا شبه هر مذهب کے ماننے والوں میں ایسے غیر روادار لوگ موجود هیں جو اپنے عقیده کے خلاف کسي طرح کي نکته چیني بهي نهیں سن سکتے - هر طرح کي نکته چیني ان کے لیے دلازار هوجاتي هے مگر یه معلوم هے که اس طرح کے معاملات میں قانون کسي خاص انتهائي حالت کا اعتراف نهیں کرتا ' بلکه هر طرح کي نرم و گرم حالتوں سے ایک معتدل اور مناسب اوسط نکال لیتا هے - دلازاري کے احساس کي ایسي حالت ایک انتهائي درجه کي حالت هے - قانون اسکا لحاظ نهیں کریگا - وه هر طرح کي گرم اور نرم طبائع سامنے رکهکر معلوم کریگا که اس بارے میں احساس دلازاري کا اوسط درجه کیا هوسکتا هے؟ یه اوسط بالکل واضح هے - یه ایک ایسے ادمي یا جماعت کا احساس هے جو ایک طرف تو هر انسان کے ازادانه حق راے زني کا پورا احترام کرتا هے - دوسري طرف اس حق کا بے اعتدالانه اور حمله آورانه استعمال بهي روا نهیں کرتا - ایسے شخص یا ایسي جماعت کیلیے مذهبي نکته چیني ' اگرچه کتني هي آزادانه کیوں نهو ' کبهي " دلازار " نهیں هوسکتي - البته هر طرح کي بد زباني ' هجو ' تذلیل و تحقیر ' اور هنسي اوڑانے کي کوشش ضرور " دلازار " هوگي - یهي " دلازاري " دفعه ۲۹۸ - کي زد میں آتي هے ' اور اگر زیر بحث رساله کي روش اور زبان ایسي هي هے (اور خود جسٹس موصوف نے تسلیم کیا هے که ایسي هي هے) تو پهر کوئي وجه نهیں که کیوں وه اس دفعه کي زد میں نه آئے؟

بهر حال هندوستان کي اعلیٰ عدالتوں میں سے ایک عدالت کا فیصله اسکے خلاف هوگیا هے' اور اب اسکے سوا چاره نهیں که ایک صاف اور غیر مشتبه قانون کے ذریعه اسطرح کي مذهبي دلازاریوں کا (نه که نکته چیني کا) سد باب کردیا جاے - هز ایکسلنسي وزیر پنجاب کے بهي مسلمانان پنجاب کے وفد کا جواب دیتے هوے اسکي ضرورت تسلیم کرنے پر میلان ظاهر کیا هے - میں آینده زیاده تفصیل کے ساتهه اس بارے میں اپنا نقطۂ خیال ظاهر کرونگا -

اطلاع

افسوس هے که همارا پچهلا اندازه صحیح نه نکلا اور طباعت و اشاعت کي مشکلات دور نه هوسکیں - اب اسکے سوا چاره نه تها که هر هفته کے پرچے یکجائي نکالدیے جائیں - چنانچه یه نمبر ۳ اور ۴ کا مجموعه هے جو شائع هو رها هے - اسکے بعض فارم پهلے چهپ چکے تهے جنکي پیشاني پر صرف یکم جولائي هے - لیکن بعد کو جو فارم چهپے اُنپر ۱—۸ جولائي بنا دیا گیا هے - ضخامت بهي اِسکي اُس سے زیاده هے جسقدر آخري صفحه کے عدد سے معلوم هوتي هے - ٹایپ کے آخري حصه میں ۱۲ الف - سے ۱۲ د- تک چار صفحے مزید بڑها دیے گئے هیں' اور رساله کي ضخامت پوري دو جزء هے -

همیں اس بد نظمي کے لیے جسقدر افسوس هے اُسکا اظهار الفاظ میں سودمند نه هوگا جب تک عمل کے ذریعه ظهور میں نه آئے - هم اس بارے میں بجز اِسکے اور کچهه کهنا نهیں چاهتے که انتهائي کوشش جو مطبع کي دقتیں دور کرنے کے لیے کي جاسکتي هیں هم کر رهے هیں' اور انشاءالله همیں امید هے که یه اس مطبع کي آخري بدنظمي ثابت هوگي اور آیندہ هر نمبر ٹهیک اپنے وقت پر شائع هوگا -

متعدد باب جو اس وقت تک شروع نه هوسکے تهے' وه بهي آیندہ نمبر کے لیے کمپوز هو رهے هیں -

منیجر

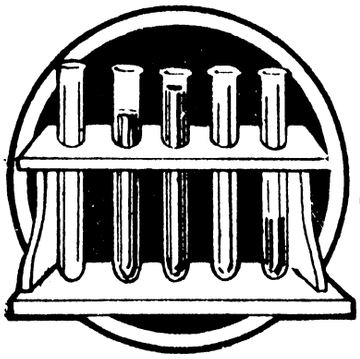

مذاکرہ علمیہ

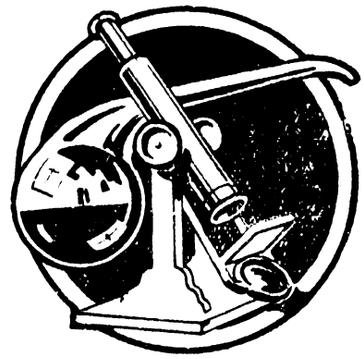

انسان کی تخلیق وظہور کا اولین محل

(صحراء " گوبي " انسانیت کا اولین گہوارا ہے)

ایک جدید نظریہ

صحراء "گوبي" واقع منگولیا میں یورپین علماء کي ایک جماعت تحقیقات میں مصروف ہے - اسکي غرض یہ جدید نظریہ ثابت کرنا ہے کہ یہي صحراء انسانیت کا اصلي گہوارہ ہے - یہیں سے نکل کر انسان کي نسل تمام دنیا میں پھیلي -

اس جماعت کے صدر پروفیسر انڈرز نے یورپ و امریکہ کے علمي رسائل میں حسب ذیل بیان شائع کیا ہے :

"اس بات کے ثبوت میں متعدد دلائل موجود ہیں کہ انسان نے اپني سب سے پہلي نشوؤنما صحراء گوبي میں حاصل کي ہے - یہ ثابت ہوچکا ہے کہ آن نہایت پرانے زمانوں میں جبکہ تمام یورپ اور امریکا برف سے ڈھکا ہوا تھا ' وسط ایشیا میں ایک خطہ ایسا موجود تھا جو طوفان برف سے محفوظ تھا - یہ خطہ یہي صحراء تھا - اُس وقت صرف یہي ایک زمین زندگي کي نشوؤنما کي صلاحیت رکھتي تھي -

پھر ہمارے سامنے اس امر کے بھي دلائل موجود ہیں کہ انسان جس راستہ سے دنیا کے دوسرے خطوں میں آباد ہونیکے لیے پہنچا ' وہ راستہ یورپ اور امریکا کے درمیان واقع تھا - علماء کو فرانس اور امریکا کي زمینوں کے اندر سے ایسے آثار دستیاب ہوے ہیں جو باہمدگر پوري مشابہت رکھتے ہیں ' اور صاف بتا رہے ہیں کہ اُنکي اصل اور سر چشمہ ایک ہي ہے - نیز اُنسے یہ بھي ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وسط ایشیا سے تعلق رکھتے ہیں -

اکثر علماء یقین کرتے ہیں کہ صحراي زمین پر ایک کروڑ برس پہلے عظیم الخلقت حیوانوں سے آباد تھي - یہ تمام حیوان نابود ہوگئے - بعض کي ہڈیاں ملتي ہیں - انمیں سب سے اہم حیوان وہ تھے جنہیں آجکل علماء علم حیوان " ڈینو سر " اور " مسٹوڈن " کے نام سے موسوم کرتے ہیں - صحراء گوبي ان حیوانوں سے لبریز تھا - کسي نامعلوم زمانہ میں وہ منتشر ہوے - ایک طرف سے چین پہنچے ' دوسري طرف سے امریکا میں وارد ہوے - یہي سبب اُس مشابہت کا ہے جو امریکا اور مشرق قریب کے زیر زمین آثار میں ہم دیکھ رہے ہیں .

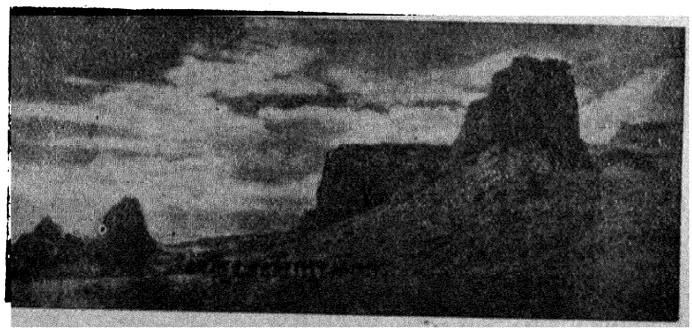

صحراء گوبي کے ایک سرسبز کوہہ کا منظر

ممکن ہے اعتراض کیا جاے کہ ایسے بے آب و گیاہ ریگستان میں زندگي کیونکر قائم رہ سکي ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقریباً ایک کروڑ سال پہلے یہ صحراء ریگستان نہ تھا - سر سبز و شاداب علاقہ تھا - ہر طرف درختوں کي کثرت تھي ' دریا بہہ رہے تھے ' زمین صاف تھي ' اور پھلوں اور ترکاریوں سے لبریز تھي - اُس وقت یہ صحراء انسان کے ظہور اور نشوونما کیلیے سب سے زیادہ موزوں مقام تھا .

زندگي یہاں برابر بڑھتي اور ترقي کرتي رہي - یہانتک کہ رینگنے والے جاندار ظاہر ہوے - پھر چھاتیاں رکھنے والے حیوان پیدا ہوے - پھر انسان نے ظہور کیا - قدیم انسان موجودہ انسان سے کسي قدر مختلف تھا - امتداد زمانہ کے ساتھہ ساتھہ اُسنے بھي ترقي کي - اُسکي نسل بڑھتي گئي - یہانتک کہ یہ علاقہ اُسکے لیے ناکافي ہو گیا - پھر یہ مصیبت بھي پیش آئي کہ یہاں کا جنگل خشک ہونا شروع ہوگیا - آہستہ آہستہ درخت سوکھنے لگے - پاني کم ہونے لگا - مجبوراً انسان نے ہجرت کي ' اور یہ جنگل ریگستان ہوکر رہگیا جیسا کہ اس وقت ہم دیکھہ رہے ہیں.

یہاں سے نکل کر انسان سب سے پہلے چین ' ہندوستان ' روس ' فرانس ' جرمني ' برطانیا ' اور امریکا پہنچا - اُسکي جماعتیں برابر آگے بڑھتي اور نئي نئي زمینیں تلاش کرکے آباد ہوتي گئیں - حتیٰ کہ تمام قابل بود و باش سر زمینوں پر اُسکا قبضہ ہوگیا "

یہ اس جدید نظریہ کا خلاصہ ہے - پروفیسر انڈرز کي جماعت بحث و تمحیص کے بعد ایسے نتائج پر پہنچي ہے جو اس نظریہ کي پر زور تائید کرتے ہیں - چنانچہ اُسے " ڈینوسر " اور " مسٹوڈن " اور چھاتي رکھنے والے حیوانات کي ہڈیاں ملي ہیں - ان ہڈیوں کي کثرت اس یقین پر مجبور کرتي ہے کہ یہ حیوانات اس صحراء میں باہر سے آئے ہوے مسافر نہیں تھے - بلکہ مقیم تھے - یہ مان لینے کے بعد قدرتي طور پر یہ بھي تسلیم کر لینا پڑیگا کہ اُس وقت یہ مقام صحراء نہ تھا - سرسبز جنگل تھا - اور یہ کہ انمیں سے بعض حیوانوں کي بلندي چھہ میٹر سے بھي زیادہ تھي .

اس تحقیقاتي کمیشن کو سب سے اہم چیز جو ہاتھہ لگي ہے ' وہ ڈینو سر جانور کے انڈے ہیں - ایسے فوسل موجود ہیں جنسے خیال کیا جاتا ہے کہ ڈینو سر کي مادہ نے حسب عادت ریت کے گڑھے میں انڈے دیے تھے - مگر اچانک آندھي آئي اور ریگ نے انڈوں کو چھپا لیا - لاکھوں برس نیچے رہنے کے بعد بالآخر یہ انڈے

عمالیق یا دراز قد آدمی

درازي قد کي علمي ترجیحه

قد کي درازي اگر ایک خاص معتدل حد تک هو تو حسن و جمال کي دلاویزیوں میں سے شمار کي جاتي هے - خواجه حافظ نے اسي قد کي درازي میں اپني " عمر دراز " کي " کوتاهي " کا پیغام سنا تها :

بالا بلند ' سروقد خوش خرام من
کوتاه کرد قصهٔ عمر دراز من !

آنریبل کا ایک عملاق جس کا قد ۲۵۵ سنٹي میٹر تها -



ایک جرمن عورت جس کا قد ۲۴۵ سنٹي میٹر تها



لیکن یهي " بالا بلندي " جب حد سے گزر جاتي هے تو حسن و دلاویزي کي جگه عجائب الخلقة میں شمار هونے لگتي هے - مختلف قوموں میں ایسے عجیب الخلقة دراز قد آدمي پائے گئے هیں اور اب بهي پائے جاتے هیں - عربوں کي ایک قدیم شاخ نے مصر پر حمله کیا تها - اسکے اکثر افراد قد آور تهے - اسي لیے عربي میں انکا نام " عمالیق " پڑ گیا تها - غیر معمولي دراز قد کو عربي میں " عملاق " کہتے هیں -

تهوڑي مدت گزري نیو یارک میں ایک عجیب آدمي ظاهر هوا تها اسکي عمر ۲۴ سال تهي - یه شخص اس قدر لانبا تها که جب موٹر میں بیٹهتا تو اسکي چهت میں سوراخ کرنا پڑا تاکه اسکا سر باهر نکلا رهے - کیونکه وه کسي طرح بهي موٹر میں سما نه سکا تها - بازاروں میں لوگوں نے اسے دیکها تو تصاویریں لینے لگے - اسکا قد ۸ - فٹ تها !

سنه ۱۹۲۴ع میں وٹمبلي (لنڈن) کي مشهور نمائش میں ایک عملاق نمودار هوا تها - اسکي عمر صرف ۲۳ سال تهي مگر قد دو میٹر ۸۴ - سنٹیمتر تها - یه لنڈن اس لئے آیا تها که اجرت لیکر اپني نمائش کرے - وه اپنے قد کي درازي کي وجه سے همیشه اپني خاص چارپائي اور پاني کا ٹب ساتهه رکهتا تها - کیونکه یه دونوں چیزیں اسکے مناسب حال کهیں بهي دستیاب نهیں هوتي تهیں - اسکي خوراک لنڈن میں کیا ؟ اسکا اندازه اس سے هو سکتا هے که اسکے روز کے ناشته میں ۱۵ - انڈے ' ۳ - بڑي مچهلیاں ' ۵ - پلیٹ سالن کے ' ۱۲ - روغني ٹکیاں ' اور ۸ - پیالیاں چاے کي هوتي تهیں !

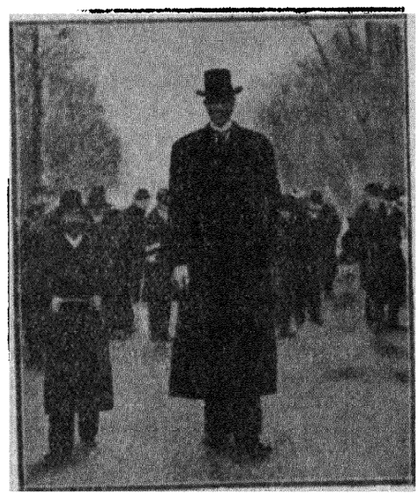

موجوده زمانے کا سب سے بڑا عملاق ایک روسي ماشکوف نامي هے - قد ۲۸۵ سنٹي میٹر -

آج کل یورپ کے بعض علمي رسائل میں یه بحث چهڑ گئي هے که اس طرح کي غیر معمولي درازي قدي کي علت کیا هے ؟

عام طور پر علماء کا خیال هے که اسکي علت دماغي گلٹي هے - مشاهده سے معلوم هوچکا هے که هر انسان میں دماغ کے نیچے اور ناک کے پیچهے ایک گلٹي هوتي هے - اسے عربي میں " الغدة النکفیة " اور انگریزي میں Parotid gland کہتے هیں - یهي گلٹي قد کي کمي بیشي کي علت هوا کرتي هے -

انساني جسم گلٹیوں سے بهرا پڑا هے - وهي اسے قائم رکهتي هیں اور اسکے اجزاء سے جسم کا توازن برقرار رهتا هے - چنانچه فربهي و لاغري ' بلند قامتي و پسته قدي ' ذهانت و بلادت ' دوران خون کي تیزي و سستي ' سب کا تعلق انهي گلٹیوں سے هے - اس دماغي گلٹي کا ایک اهم کام یه بهي هے که وه ایسے مواد خارج کرتي رهتي هے جو خون کے ساتهه جاري رهتے اور هڈیاں بڑهاتے [illegible] - جب ان مواد کا اخراج کم هو [illegible] قد رہ جاتا هے - جب ضرورت سے زیاده هو جاتا هے تو هڈیاں غیر معمولي طور پر لمبي هو جاتي هیں اور آدمي کا قد بهي بهت بڑه جاتا هے .

یه دماغي گلٹي دو حصوں میں منقسم هے : ایک حصه آگے هوتا هے - دوسرا پیچهے هوتا هے - دونوں ایک عظمي (هڈي کے) صندوقچه میں بند هوتے هیں - یه صندوقچه کهوپڑي کے اندر بطور ایک چهوٹي سي کهوڑي کے رکها هوتا هے - رونگٹے شعاعوں کے ذریعه تحقیق [illegible] آدمیوں

پتهرا گئے - معلوم هوتا هے ریگ کے بوجهه سے انکا چهلکا چٹک گیا تها اور ریگ کے ذرے اندر پهنچ گئے تهے - امتداد زمانه سے اندروني اور بیروني دونوں حصے پتهرا گئے هیں اور کهوکها برس سے قائم هیں .

اسکے علاوه بعض اور یادگاریں بهي دستیاب هوتي هیں - شاید وه ان انڈوں سے بهي زیاده قیمتي ثابت هوں - یه یادگاریں پتهرائے هوئے انساني دانت هیں اور کئي هزار برس کے پرانے هیں - وهاں انکي موجودگي اس بات کا قطعي ثبوت هے که کسي زمانه میں یه صحرا انسانوں سے معمور تها - تحقیقات سے ثابت هوا هے که یه دانت غاروں میں رهنے والے انسانوں کے نهیں هوسکتے (کیونکه اُن زمانوں میں زمین پر غار موجود هي نه تهے) خیال کیا جاتا هے یه انسان نهروں اور جهیلوں کے کنارے رهتے هونگے - مکان بهي نه تهے - آسمان کي چهت کے نیچے سوتے هونگے - اسکے بعد بتدریج گهر بنانا شروع کیا - پهر پتهر کے اوزار طیار کئے - اسي لئے اس عهد کو " عهد حجري " کہتے هیں .

یه تحقیقاتي کمیشن اس صحرا میں ابهي تین سال اور رهیگا - اسے یقین هے که مزید تحقیقات کا دروازه عنقریب کهلنے والا هے دنیا کا تمام حلقهٔ علم اسکے آخري نتائج کي راه تک رها هے -

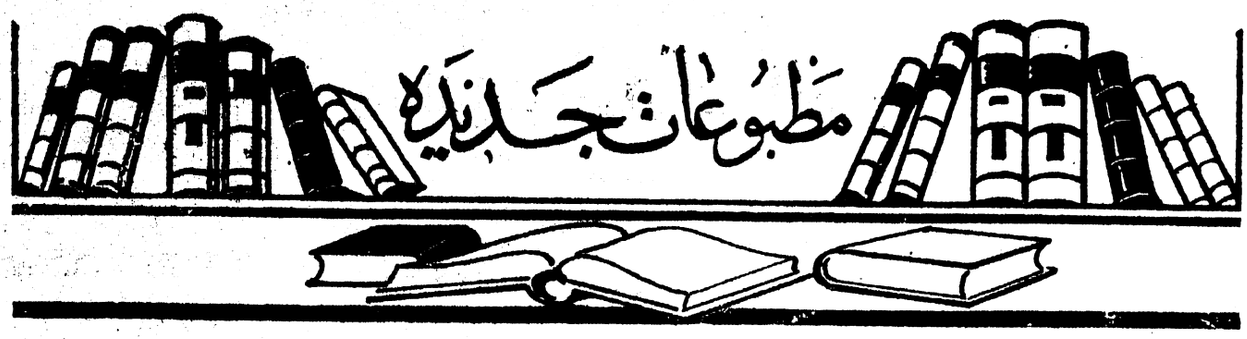

قابليت کا مقياس و ميزان

انسان کے انتخاب ميں انتخاب اصلح

هر شخص جانتا هے که دنيا ميں وهي کام کامياب هوسکتا هے جسے اُس کا اهل اور قابل آدمي انجام دے - بهتر سے بهتر کام بهي کامياب نهيں هوگا ' اگر اسکے ليے اهل آدمي ميسر نه آئينگے -

ليکن هر کام کيلئے اُسکي ضرورت کے مطابق اهل آدمي کيونکر چنا جائے ؟ اسکا فيصله آسان نهيں هے -

دنيا ميں قدرت الهي کے قوانين عمل ميں سے ايک قانون " اِنتخاب اصلح " کا هے - يعني قدرت هر چيز ميں اصلح اور بهتر کو چهانٹ ليتي هے - غير صالح اور کمتر کو چهوڑ ديتي هے - زندگي ' صحت ' طاقت ' اور کامراني کي ساري بنياد اسي قانون پر هے - افسوس انسان کي نا مرادي پر ' اگر وه خود اپني جنس کے انتخاب ميں ايسا نه کرسکے !

موجوده زمانے ميں " اهل آدمي کا انتخاب " ايک مستقل علمي موضوع هو گيا هے - اسکے بڑے بڑے ماهر فن هيں - حال ميں اس فن کے ايک بهت بڑے امريکن ماهر نے اس موضوع پر ايک کتاب لکهي هے جو امريکه کي ايک تجارتي انجمن کے اهتمام سے شائع هوي هے - يه دراصل اُن مقالات کا مجموعه هے جو مصنف کتاب نے وقتاً فوقتاً اس موضوع پر لکهے تهے ' اور امريکه کے مختلف علمي رسائل ميں شائع هوے تهے - کتاب نهايت مفيد اور دلچسپ هے ' اور چونکه ايک خالص نظري مسئله کو عملي اصول و قواعد کي شکل دي گئي هے ' اسليے علمي حلقوں نے اُس کا نهايت پرجوش استقبال کيا هے - هم وقتاً فوقتاً اسکے بعض ضروري مباحث الهـلال ميں شائع کرتے رهينگے - آج اسکے بعض ابتدائي مباحث کا ترجمه هديۂ قارئين کرتے هيں -

پهلے باب ميں انتخاب اهل کي ضرورت پر بحث کرتے هوے مصنف لکهتا هے :

(انتخاب اصلح)

" تمام کام جبهي انجام پاسکتے هيں جب اهل آدميوں کے سپرد کئے جائيں ' ورنه آلات کي ايجاد ' بجلي کے استعمال ' اور کوئله کي کفايت سے کوئي فائده حاصل نه هوگا - يه چيزيں کام ميں مدد ديتي هيں ' ليکن کام کو کامياب نهيں بنا سکتيں - کاميابي صرف اهل و اصلح کارکنوں کے انتخاب پر موقوف هے .

هم هر چيز انتخاب کرتے هيں - کوئي چيز خريدنے سے پهلے اُسکا انتخاب کرکے خريدتے هيں - تم بازار ميں ايک دانه سيب ليے جاتے هو تو ايک ايک چن کر ليتے هو - يه نهيں کهتے که سب سيب هي هيں ' بغير انتخاب کے لے ليں - يهي حال آدميوں کا بهي هے - سيب کي طرح سب آدمي بهي يکساں نهيں هوتے - کچهه اچهے هوتے هيں ' کچهه برے - کچهه اهل هوتے هيں ' کچهه نا اهل - لهذا انميں بهي انتخاب هونا چاهئے - اچها اور قابل لے لينا چاهئے - برا اور نا کاره چهوڑ دينا چاهئے - پهر محض اتناهي کافي نهيں هے که اهل و قابل کا انتخاب کرليا جاے ' بلکه اُسے اُسي حيثيت ميں بهي رکهنا چاهئے جسکا وه مستحق هے - مثلاً اگر ايک موسيقي داں کو موسيقي کي خدمت کيلئے منتخب کيا جائے ' تو اُسے در بدر پهر کر روٹي کمانے سے مستغني کردينا بهي ضروري هے - تاکه بے فکر هوکر اپني پوري قابليت سے فائده پهنچاسکے "

(معيار انتخاب)

اِسکے بعد اس سوال پر بحث کرتے هوے که " هر کام کيلئے اهل اور صالح شخصيت کے انتخاب کيلئے کوئي معيار اور قاعده بن سکتا هے يا نهيں " ؟ لکهتا هے :

" ميرے دفتر ميں چاليس آدمي کام کرتے هيں - جب ميں کوئي نيا کام شروع کرتا هوں اور نئے آدميوں کي ضرورت محسوس هوتي هے ' تو سب سے پهلے غور کرتا هوں که يه کام آله کے ذريعه سے کيا جاسکتا هے ' حيوان کے ذريعه ' يا آدمي کي ضرورت هے ؟ اگر پهلي صورت ممکن هوتي هے تو وهي کام ميں لاتا هوں - کيونکه آلات حيوان و انسان سے بهتر کام کرتے هيں - مثلاً پن چکي ' آب پاشي ' بهاري بوجهه اٹهانا - ظاهر هے يه کام آلات کے ذريعه آساني اور

ميں يه گلٹي بهت بڑي هوتي هے ' اور برنوں ميں بهت هي چهوٹي هوتي هے - اِس گلٹي کي ايک خاصيت يه بهي بيان کي جاتي هے که وه خون ميں نمکين ماده کو معتدل رکهتي هے ' اور اُسے اُتني مقدار ميں کرديتي هے ' جتني سمندر کے پاني ميں هوتي هے -

تاريخ ميں بهت سے عماليق کے نام محفوظ هيں - فرانس ميں ايک شخص " جان ٹورنر " نامي گزرا هے - ۱۵ - برس کي عمر ميں اُس کا قد غير معمولي سرعت سے بڑهنے لگا - يهاں تک که ۸ - فٹ ۳ - انچ تک پهنچ گيا - اُس کا جوتا ۱۴ - انچ لمبا هوتا تها - مرنے پر اُس کے دماغ کا وزن کيا گيا تو دو سير دهائي اونس تها - سر کي جانچ کرنے پر معلوم هوا که اُس کي دماغي گلٹي بهت بڑي تهي -

ڈاکٹروں کا خيال هے که وه زمانه جلد آنے والا هے جب انسان چند نشتر کي پچکاريان (يعني انجيکشن) ليکر اپنا قد جتنا چاهے کا بڑها لے گا - اگر کئے کو انجيکشن ديديا جائيگا تو وه گهوڑے کے برابر هو جائيگا - يه بات بظاهر عجيب معلوم هوتي هے - مگر علم جس سرعت سے ترقي کر رها هے ' اُسے ديکهتے هوے اب کوئي بات بهي عجيب نهيں رهي هے -

عمدگی سے کیے جاسکتے ہیں - لیکن اگر دوسری صورت ہوتی ہے تو حیوان سے کام لیتا ہوں - مثلاً اُن مقامات میں جہاں ریل اور سڑکیں نہیں ہیں باربرداری کا کام جانور زیادہ اچھا کرسکتے ہیں - آخری درجہ میں انسان سے کام لیتا ہوں - یہ اصول اگرچہ ہمارے اسلاف کو معلوم تھا مگر اُن سے عملاً کام لینا صرف پچاس برس ہی سے شروع ہوا ہے -

اب غور کرنا چاہئے ' اہل و قابل اشخاص کا انتخاب کیونکر کیا جاے ؟ فرض کرو ' حکومت امریکا کو ایک مرد یا عورت کی ضرورت ہے - امریکا کی آبادی دس کروڑ ہے - وہ کیا صفتیں ہیں جو مطلوبہ مرد اور عورت میں ہونی چاہئیں ؟

عام طور پر پہلی شرط یہ قرار دی جاتی ہے کہ وہ شخص امریکن ہو - یہیں پیدا ہوا ہو ' یا امریکن قومیت اختیار کرچکا ہو - دوسری شرط یہ سمجھی جاتی ہے کہ اُسکی عمر سولہ برس سے زیادہ اور ساٹھ سے کم ہو - اِس شرط کی رو سے دو ثلث آبادی دائرۂ انتخاب سے باہر نکل جاتی ہے -

حالانکہ انتخاب میں ہمیں کسی ایک شرط یا صفت ہی پر اڑ جانا نہیں چاہئے - کیونکہ کبھی عمر کا معاملہ قومیت سے زیادہ اہم ہوتا ہے - کبھی تربیت ' قدرتی قابلیت سے زیادہ کار آمد ہوتی ہے - کبھی تجربہ ' قابلیت سے زیادہ ضروری ہوتا ہے - ہمیں اگر اصلح انسان کی ضرورت ہے تو اسکے لیے قومیت ' وطنیت ' اور عمر کی شرطیں ابتدائی شرطیں کیوں سمجھی جائیں ؟

طویل غور و فکر اور تجربہ کے بعد میں نے انسانی انتخاب کا ایک پیمانہ طیار کیا ہے - اُسمیں ۲۳ - درجے رکھے ہیں - انتخاب کے وقت اِس پیمانہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے - ذیل میں اُسکی تفصیل ملاحظہ ہو :

(۱) قومیت	(۲) نسل
(۳) شہریت	(۴) عمر
(۵) ابتدائی تربیت یا وراثت	(۶) ذهنی قابلیت
(۷) جسمانی قابلیت	(۸) عملی قابلیت
(۹) اولین ماحول	(۱۰) تعلیم
(۱۱) عام تربیت	(۱۲) تجربہ
(۱۳) فطری قابلیت	(۱۴) فنی مہارت
(۱۵) مزاج	(۱۶) سیکھنے کی قابلیت
(۱۷) حرکات و سکنات	(۱۸) عام ذهنی یا بدنی شکل
(۱۹) قد و قامت	(۲۰) سختی یا نرمی
(۲۱) رنگ	(۲۲) کانٹھی
(۲۳) مجموعی هیئت	

جب مجھے کسی آدمی کی ضرورت ہوتی ہے تو میں یہ پیمانہ سامنے رکھ لیتا ہوں اور ہر شخص کو اِن تیئیس وجوہ انتخاب کی بنا پر جانچتا ہوں - جسکے نمبر زیادہ نکلتے ہیں ' اسے انتخاب کرلیتا ہوں - البتہ جانچنے والے کیلیے بھی صاحب نظر ہونا ضروری ہے -

عام طور پر لوگ انتخاب میں فنی مہارت (اکسپرٹ نس) کو دیکھتے ہین اور دوسری تمام صفات نظر انداز کر جاتے ہیں - حالانکہ یہ سخت غلطی ہے - جانور اور چڑیاں پالنے والے مذکورہ بالا صفات تمام کے تمام ملحوظ رکھتے ہیں - کیونکہ وہ سب ضروری ' اور انسان و حیوان کے مفید و مضر ہونے کا سبب ہوتی ہیں .

ان تیئس وجوہ انتخاب پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں کچھہ تو ایسے ہیں جنکے لیے خارجی معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہوگی - مثلاً تعلیم ' جنسیت ' تربیت وغیرہ - اور کچھہ ایسے ہیں جنکے لیے بے خطا قیافہ شناسی کی ضرورت ہوگی - قیافہ شناسی کی یہ استعداد بغیر اسکے حاصل نہیں ہوسکتی کہ انسانی دماغ و جسم کے علوم میں سے ہر علم سے ضروری واقفیت حاصل کرلی جاے -

انسانی مزاج اور قابلیت کا صحیح طور پر معلوم کرنا بہت مشکل ہے - قد و قامت ' رنگ روپ ' اور جسم کی کانٹھی سے بھی طبیعت کا اندازہ کرنا آسان نہیں - اِس بارے میں انسان ' حیوان سے بہت کچھہ مختلف ہے - طویل تجربہ کی ضرورت ہے کہ انسان ' انسان شناس نگاہ پیدا کرلے - بارہا ایسا ہوا کہ میں کسی مرد کی ذہانت یا کسی عورت کے حسن سے دھوکا کھا گیا ہوں -

اِنہی تجربوں کی بنا پر میری پختہ رائے ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق یقین ہوجاے کہ وہ زندگی بھر کام میں لگا رہے گا ' تو اُسکے امتحان میں دس بیس ہزار ڈالر اور چار پانچ سال خرچ کردالنا کچھہ بیجا نہ ہوگا -

بلا شبہ مناسب اور اصلح آدمی کا انتخاب مشکل ہے - لیکن مذکورہ بالا پیمانہ اگر کام میں لایا جائے تو بڑی حد تک آسانی ہوجاتی ہے اور انتخاب میں زیادہ غلطی نہیں ہوتی -

(ایک مثال)

کچھہ مدت پہلے ریلوے میں ایک معمولی جگہ خالی ہوئی تھی - اسکے لئے آدمی کا انتخاب میرے سپرد کیا گیا - میں نے اخبارات میں حسب ذیل اعلان شایع کیا :

" ریلوے میں کام کرنے کیلئے ایک امریکن نوجوان کی ضرورت ہے - اُسے تجربہ کار اور خوش اخلاق ہونا چاہئے - ساٹھہ ڈالر تنخواہ دی جائیگی - تین مہینے امتحان کیا جائیگا - پھر اضافۂ و ترقی کا سوال پیدا ہوگا - درخواست کرنے والوں کو اپنی تین تصویریں بھیجنی چاہئیں : ایک اپنے رخسار اور کنپٹی کی - دوسری پورے چہرہ کی - تیسری پورے قد کی "

تین سو درخواستیں آئیں اور چھہ گھنٹے معاینہ میں صرف ہوئے - ۲۹۰ - میں نے پہلی ہی نظر میں مسترد کردیں - کیونکہ اُنکی شکلوں میں کوئی نمایاں عیب موجود تھا - بعضوں کے لباس اور خط و خال سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ محض ناکارہ ہیں - بعضوں کی ہیئت اور قطع بتلا رہی تھی کہ بڑے ضدی ہیں - سیکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے - بعضوں کے دل و دماغ اور اخلاق کی کمزوری عیاں تھی -

باقی دس تصویروں کی میں نے پوری دیدہ ریزی سے جانچ کی - دو آدمی مطلوب تھے - مگر جانچ میں چار پورے اترے - اور تجربہ نے بتا دیا کہ میری جانچ درست تھی - خود آدمیوں سے ملاقات کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ اُن کی تصویریں منگا لی جائیں اور اُنکا دقت نظر کے ساتھہ مطالعہ کیا جاے "

(چار تصویریں)

اسکے بعد مصنف نے نو آدمیوں کی تصویریں درج کی ہیں اور ہر تصویر کے نیچے صاحب تصویر کے اوصاف بھی درج کردیے ہیں :

(۱) دماغی آدمی — یہ شکل ایک ایسے آدمی کی ہے جو سنجیدہ ' مطمئن ' حلیم ہے - کم منفعل ہوتا ہے - زیادہ غور کرتا ہے - سوچ سمجھکر رائے قائم کرتا ہے اور اُس سے کبھی ہٹتا نہیں - حال سے زیادہ ماضی پر نظر رکھتا ہے - سست عمل ہے - مگر ہوشیاری سے کام کرتا ہے - ہمیشہ ایک ہی طریقہ پر رہتا ہے -



نمبر ۱

(۲) دماغي عملي آدمي ـــ اپنے آپ کو بہت کچھہ سمجھتا ہے - بلند همت ہے - محنتي ہے - مضبوط ارادہ رکھتا ہے - شک کو پاس آنے نہیں دیتا - فصیح‌اللسان ہے - اپني قوت اور اپنے کام کي اهمیت پر یقین رکھتا ہے - صاف دماغ کا مالک ہے -

(۳) عملي دماغي آدمي ـــ خوش کلام - دلوں کا محبوب - سب کو راضي رکھنے والا ' بلند همت ' فراخ دل ' ترقي اور محنت کا شیدائي - بہت حرکت کرنے والا ' بہت نفع پہنچانے والا ' تنہائي میں کام کرنے والا ' مستقل مزاج -

(۴) عمل کي قوت نفوذ رکھنے والا آدمي ـــ مضبوط ارادہ ' مضبوط رائے ' سخت مزاج ' سنگ دل ' جلد منفعل هوجانے والا ' تنہائي پسند ' بھروسہ اور اعتماد کے لائق - اس کي مثال اُس هیرے کي سي ہے جو خراد سے هنوز محروم ہے -

(۵) مستعد عملي آدمي ـــ سخت اور درشت مزاج ' عزم صادق کا مالک ' کم غور کرنے والا ' اپنے نفس پر بھروسہ رکھنے والا ' کتني هي مشکلات هوں مگر اپنے ارادہ پر عمل کرنے والا -

(۶) دماغي عملي آدمي ـــ خوش گفتار ' بڑي بڑي اسکیمیں سوچنے والا ' دوسروں پر اثر ڈالنے والا ' اپنے اصلي خیالات چھپانے والا ' اپني رائے پر جما رهنے والا ' گرد و پیش پر نظر رکھنے والا ' اپنے اوپر بہت بھروسہ رکھنے والا ' صاف دماغ کا مالک -

(۷) دماغي عملي آدمي ـــ مستقل رائے رکھتا ہے ' زیادہ نفع پہنچاتا ہے - معاملات پر صحیح رائے رکھتا ہے - خوش تقریر ہے - صاف بیان ہے - فراخ دل ہے - ترقي اور رفاہ عام کے کام زیادہ پسند کرتا ہے -

(۸) دماغي آدمي ـــ نرم مزاج ' محبوب ' حلیم ' مضبوط رائے رکھنے والا ' سست عمل ' مفکر ' متاثر نہیں هوتا ' حق کو سنتا ہے اور قبول کرلیتا ہے -

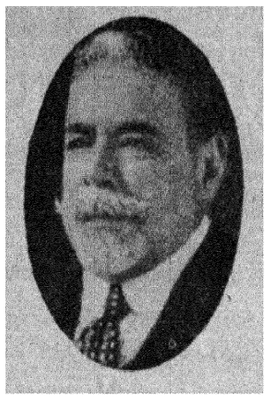

نمبر ۲

(۹) دماغي عملي آدمي ـــ صاف رائے رکھتا ہے ' بحث میں قوي دلیلیں لاتا ہے ' مخلص ہے ' حق کا جویا ہے ' زندہ ضمیر کا مالک ' معتمد ہے ' مخاطب کو اپني گفتگو سے قائل کردیتا ہے -

ان نو قسموں میں اصولي قسمیں در اصل چار هیں : دماغي ' عملي ' دماغي عملي ' عملي دماغي - اور انهي کے متعدد نمونے دکھائے گئے هیں - دماغي اور عملي کا مطلب واضح ہے - " دماغي عملي " سے مقصود ایسي شخصیت ہے جسکے خصائل میں اگرچہ عملیت کا عنصر بھي موجود ہے لیکن غلبہ دماغیت کو ہے - " عملي دماغي " اسکے برعکس ہے - اسمیں عملیت غالب اور دماغیت مغلوب هوتي ہے - خالص " دماغي " عملي قوت سے ' اور خالص " عملي " دماغي اوصاف سے عاري هوتا ہے -

هم اس مضمون کي وضاحت کے لیے چار تصویریں بھي کتاب سے نقل کردیتے هیں جن سے چار اصولي قیافے واضح هو جائینگے :

(۱) دماغي

(۲) عملي

(۳) دماغي عملي

(۴) عملي دماغي

تصویر نمبر (۱) خالص دماغي کي ہے - هرشخص جو انسان شناسي کي [illegible] بھي نظر رکھتا ہے ' پہلي نگاہ هي میں راے قائم کرلیگا کہ اسکے خط و خال کي مجموعي شہادت ذهن و فکر کا اعلان ہے - عملیت سے خالي ہے - مگر نمبر (۲) اسکے برعکس ہے - یہ ایک ٹھوس عملي قیافہ ہے جسمیں ذهنیت کي هلکي سي جھلک بھي نظر نہیں آتي - نمبر (۳) اور (۴) میں پہلي ذهنیت کے غلبہ اور عملیت کي موجودگي کا پتہ دیتي ہے ' اور دوسري میں عملیت کے غلبہ کے ساتھہ ذهنیت کا عنصر بھي نمایاں ہے -



نمبر ۳



نمبر ۴

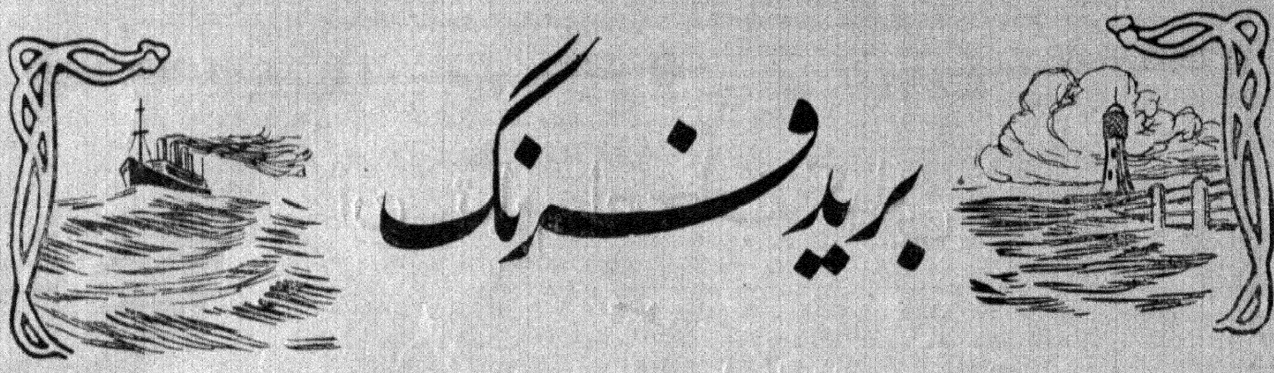

فرانسیسی اولوالعزمی کی قربانی

کپتان نذجیسر کي مفقوه الخبري !

بیسویں صدي کے تمام وسائل علم و احاطه کي شکست !

انسان کي علمي اولوالعزمیوں اور قدرت کي قهرمان حکومت میں ایک مسلسل جنگ جاري هے !

اُس نے سمندر کے طوفانوں کا مقابله کیا اور طاقتور سے طاقتور جهاز طیار کر لیے !

اُس نے زمین کي پهنائي کا مقابله کیا ' اور بهاپ اور بجلي پر قبضه کرکے ایسي سواریاں بنالیں ' جو ایک مدت میں دو دو میل طے کرلیتي هیں !

اُسنے آسمان کي طرف دیکها - هوا میں پرند هر طرف اُڑ رهے تهے ' لیکن انسان کیلیے کوئي جگه نه تهي - بالاخر اُس نے یهاں بهي کامیابي حاصل کي ' اور ایسے طیارے ایجاد کرلیے جو تمام کرهٔ ارضي کي فضا میں چکر لگا رهے هیں !

اِن پے درپے کامیابیوں کے بعد اُسنے دم لیا ' اور فخر و غرور سے سر اٹهایا - خشکي ' تري ' هوا : تینوں مسخر هو چکے هیں !

لیکن قدرت ! اٹل ' بے پروا ' بے مهر ' اور قهرمان قدرت ! کیا اُسکے حاکمانه قوانین بهي مسخر هوگئے ؟ کیا سچ مچ کو انساني اولوالعزمي نے اُسے شکست دیدي ؟

اولوالعزم انسان کا سر اپني بے بسي کے تصور سے جهک گیا - کیونکه اُس نے دیکها که ان ساري اولوالعزمانه کامرانیوں کے بعد بهي اُس تناسب میں کوئي فرق نهیں آیا هے جو اُسکي بے بسي اور قدرت کي حاکمانه سطوت کا روز اول سے قائم هوچکا هے !

پهلے وه چهوٹي چهوٹي باد باني کشتیوں ' جانوروں کي سواریوں ' اور دشت و جبال کے قافلوں میں قوانین قدرت کے سامنے بے بس تها - اب بیسویں صدي کے دخاني جهازوں ' زیر آب کشتیوں ' برق رفتار ریلوں ' اور باد پیما طیاروں کے اندر بے بس هے !

قدرت اُسے بڑهنے سے نهیں روکتي - خود اُکساتي رهتي هے که آگے بڑهے - لیکن یه گوارا نهیں کرتي که اُسکي بے بسي کي حدیں ٹوٹ جائیں - وه برابر بڑهتا رهیگا - قدرت اُسے برابر دعوت اقدام دیتي رهیگي - لیکن اُس کي بے بسي ' بیچارگي ' بے دست و پالي ؛ تو وه اٹل هے ' اُمٹ هے ' ناقابل تغیر هے ' ابدي هے ' اُس کي پیشاني خلقت کي سرنوشت هے جو قلم قدرت نے صبح ازل کي روشني میں نقش کردي هے - اُس کا مقام بدلتا رهیگا - کل تک وه جس جگه کهڑا تها ' آج اُس سے سیکڑوں کوس اونچا هوگیا هے - کل اِس سے بهي بالاتر هوگا - مگر فضاء عالم لامتناهي هے - وه کتنا هي بلند هوتا جائے ' پهر بهي بلندي باقي هي رهیگي !

قارئین الهلال کپتان نذجیسر کي هوائي مهم اور اُسکے نتیجه سے بے خبر نهیں هیں - گذشته نمبر میں همارے مقاله نگار پیرس کي چٹهي شائع هوچکي هے جس نے نهایت موثر پیرایه میں اس مهم کي مفقودالخبري کي سرگزشت سنائي تهي - اب کئي هفته اور گزر چکے - اس عرصه میں ریوٹر نے دو مرتبه ایسي خبریں دیں ' جسسے امید بندهي که کم از کم کپتان کي موت کا سراغ لگ جائیگا - لیکن بعد کو پهر انکي تغلیط کردي گئي - نتیجه یه نکلا که دنیا اب تک اس اولوالعزمي کے نتیجه سے بے خبر هے !



کپتان نذجیسر

هر ایجاد کي طرح طیاروں کي ایجاد بهي علمي قربانیوں کي ایک بهت بڑي داستان هے ' لیکن موجوده عهد میں هوائي مهموں کي مفقودالخبري کا یه غالباً چهٹا یا ساتواں واقعه هوگا - اس سے پهلے انگلستان ' امریکه ' اٹلي ' اور هالینڈ کے متعدد طیارے مفقودالخبر هوچکے هیں -

لیکن موجوده عهد میں انساني قافلوں کي مفقودالخبري کس درجه عجیب واقعه هے ؟ ریل ' ڈاک ' تار ' اسلکي ' نے تمام دنیا کو ایک کردیا هے ' خشکي اور تري کا چپه چپه اور گوشه گوشه ایک دوسرے سے ملگیا هے ' بیسویں صدي کي معلوم ' محکوم ' اور مسخر دنیا هے ' اور انسان کي علمي اور عقلي فتح مندیاں اپنے منتهاء عروج تک پهنچ چکي هیں - تاهم قدرت کي حاکمانه سطوت کے مقابلے میں انسان اب بهي اسدرجه بے بس هے که دنیا کے تمام وسائل علم و اطلاع جواب دیچکے هیں اور اب تک نه تو اس هوائي مشین کا کچهه سراغ لگ سکا هے ' نه اُسکے اولوالعزم سائق کا کچهه پته چلا هے - دنیا فرانس اور امریکه کے هوائي مقابله کے نتیجه کیلئے مضطرب تهي ' لیکن اُسے ایک دوسرے هي مقابله کے نتیجه کي خبر سننے پڑي - وه مقابله ' جسمیں ایک طرف قدرت الهي کي اٹل حاکمانه سطوت هے ' دوسري طرف انسان کے ناقص اور محدود علم کي بلند پروازیاں هیں ! و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا -

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ھین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ھے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار ' پراني قلمي اور مطبوعه کتابیں ' پراني تصویریں ' پراني سکے اور نقوش ' پراني زیور ' آرائش و تزئین کا هر قسم کا سامان ' اور هر طرح کے پراني صنعتي عجائب و نوادر ' اگر آپ کو مطلوب هیں ' تو هم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم هماري نمایش گاهوں اور ذخائر کي فهرستیں هي منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت ' دونوں کیلیے همارا ذخیره قیمتي ھے -

نوادر عالم کا یه ذخیره

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولي مصارف و مساعي کے بعد حاصل کیا گیا ھے -

دنیا کے تمام قدیم تمدني مرکزوں مثلاً مصر ' شام ' فلسطین ' هندوستان ' ایران ' ترکستان ' چین ' وغیره ممالک میں همارے ایجنٹ همیشه گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ ، امریکه ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل ' کتب خانے ' اور عجائب خانے ' هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهره کے نئے ایران شاهي کے نوادر ابھي حال میں هم هي نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بھي پہلے هم هي سے خط و کتابت کیجیے - بہت ممکن ھے که همارا سفري یا مقامي ایجنٹ آپسے مل سکے -

جولائی سنه ۱۹۲۷ مین جولائی سنه ۱۹۲۵ پر ایك نظر !

دیش بندهو چترنجن داس

۱۷ - جون سے پہلي جولائي تک تمام ملک نے دیش بندهو چترنجن داس کي یادگار میں جلسے منعقد کیے هیں - یه دیکهکر مے اختیار خیال سنه ۱۹۲۵ - کي طرف منتقل هوگیا - سنه ۲۵ - اور سنه ۲۷ - میں صرف دو برس کي مدت حائل هے ' لیکن ان دو برسوں کے اندر ملک کي سیاسي و قومي زندگي میں کیسي کیسي عظیم تبدیلیاں هوگئیں ؟ سنه ۲۵ - اگرچه سنه ۲۰ - اور سنه ۲۱ - نه تها - مگر پهر بهي سنه ۲۵ - تها - ۲۶ - اور ۲۷ - نه تها - کاش سنه ۲۷ - میں هم سنه ۲۵ - کي زندگي هي واپس لا سکیں !

اس تقریب سے مسٹر سي - آر - داس کي شخصیت بهي سامنے آگئي - في الحقیقت ملک کو اسکي موجوده منزل حیات میں ایسے هي سیاسي رهنماؤں کي ضرورت تهي - دو سال گزر گئے مگر ابتک داس کي جگه ملکي رهنماؤں کي صف میں خالي هے ' اور نهیں معلوم کب تک خالي رهیگي !

جولائي سنه ۲۵ - میں مسٹر داس کي وفات پر ایک تحریر حوالهٔ قلم هوئي تهي ' تاکه ایک مقامي انگریزي اخبار کے خاص نمبر میں شائع هو - مناسب معلوم هوا که اس موقعه پر اسے شائع کردیا جاے - جولائي سنه ۲۷ - میں جولائي سنه ۲۵ - کے افکار و خیالات پر یه ایک نظر باز گشت هے !

(تاریـــخ کا انتظار)

فرانس کے مشهور مصنف وکٹر هیوگو Victor Hugo نے والٹیر Voltaire کي صد ساله یادگار مناتے هوے کہا تها " زندگي کتني هي شاندار اور عظیم هو لیکن تاریخ اپنے فیصله کیلئے همیشه موت کي منتظر رهتي هے " اگر یه سچ هے تو هندوستان کے مورخ کا انتظار ختم هوچکا - دیش بندهو چترنجن داس کي زندگي کي عزت اب تاریخ کے اوراق کیلئے ایک فیصل شده واقعه هے - وه اپني زندگي میں اپنے لیے جو بات نهیں بتلا سکے تے ' اپني موت سے دنیا پر آشکارا کرگئے !

هندوستان نے اپني جدید تاریخ میں شاید هي کسي قومي رهنما کي موت پر ایسا عالمگیر ماتم کیا هوگا ' جیسا دیش بندهو کي ناگهاني وفات پر هوا - ۱۹ - جون کو جب اُنکي نعش کلکته کي طولاني سڑکوں پر سے گزري تو اس عظیم الشان شهر نے اپني پوري آبادي استقبال کیلئے صف بسته کردي تهي - ماتمي انسانوں کا ایک صحرا تها جو ایک کنارہ سے دوسرے تک پهیلا هوا تها - غمگین دلوں اور اشکبار آنکهوں کي وه آن گنت تعداد اسکے علاوه هے جو س کماري سے لیکر کشمیر تک ' هر جگه هندوستان میں دیکهي جا سکتي تهي !

پهلي جولائي کي مغموم اور خاموش سه پهر کے اضافه نے اس ماتم کي تاثیر اور زیاده مکمل کردي - اس دن بر اعظم هند کے گوشے گوشے میں ماتمي مجلسیں منعقد هوئیں جنکي روئداد سے اسوقت تک اخباروں کے صفحے رنگے هوے هیں -

هندوستان جو بد قسمتي سے زندگي کے هر گوشے میں طرح طرح کے تفرقوں میں بٹ چکا هے ' موت کے اس ماتم میں اس طرح متحد هوگیا تها ؟ مذهب ' نسل ' جماعت ' کوئي اختلاف بهي یه اتحاد نه روک سکا - سب نے یه یک وقت محسوس کیا که هم میں سے ایک بڑي زندگي جدا هوئي هے - ان میں بهت سے ایسے بهي تهے جو اُنکي زندگي میں اُنکي پیروي نه کر سکے تے - بهت سے ایسے بهي تهے جنکے قدم همیشه اُنکے خلاف اٹهتے رهے تے - تاهم جب وه مر گئے ' تو ان میں سے کوئي بهي اپنے آپکو اُنکي عزت سے نه روک سکا - زندگي کیلئے موت کا بهي فیصله هے جسکا تاریخ انتظار کیا کرتي هے !

(موت کا ماتم اور زندگي کے آثار)

هندوستان کے کروڑوں دلوں کا یه متحده احساس هندوستان کي موجوده تاریخ کا ایک اهم واقعه هے - ایسے هي واقعات سے احساس قومیت کے ضعف و قوت اور اس کے نشو و نما کا صحیح اندازه لگایا جاسکتا هے - اس میں صرف ایک هر دلعزیز انسان کي موت کا غم هي نهیں هے - بلکه کروڑوں دلوں کي زندگي کي جهلک بهي دکهائي دے رهي هے - یه موت کي مایوسي میں زندگي کي امید هے - اس سے معلوم هوتا هے که ملک کي عام زندگي میں غفلت اور افسردگي کتني هي نمایاں هوگئي هو ' لیکن اُس کي تهه میں ایک گهري اور حقیقي بیداري جگه پکڑ چکي هے ' اور جیسا که تاریخ کا تجربه شهادت دیتا هے ' بیداري کي یه اندروني قوت جب ایک مرتبه جگه پکڑلے تو پهر اسے پامال نهیں کیا جاسکتا - یه اپنے نشو و نما اور تکمیل میں همیشه سے اٹل رهي هے اور همیشه اٹل رهیگي !

(دیش بندهو کي کامیابي کا راز)

لیکن میں اسوقت اتنا دور نهیں جانا چاهتا - میں تو صرف اس بات پر غور کرنا چاهتا هوں که اس شخصیت نے یه حیثیت ایک سیاسي رهنما کے جو کامیابي حاصل کي ' اسکا راز کیا هے ؟ هر شخص کو معلوم هے که ان کي ملکي رهنمائي کي عمر اونچي نهیں هے - اُن کي نمایاں قابلیتوں پر اگرچه عرصه سے نظریں پڑ رهي تهیں اور سنه ۱۹۱۷ میں وه اچهي طرح پبلک پلیٹ فارم پر نمایاں هوگئے تے ' تاهم ان کي رهنمائي کا اصلي زمانه تحریک لا تعاون (نون کوا پریشن) سے شروع هوتا هے - یه زیاده سے زیاده پانچ سال کا زمانه هے - اتنے قلیل عرصه کے اندر هي انهوں نے هندوستان کي تاریخ میں اپني نمایاں جگه بنا لي اور تمام ملک کے قلوب فتح کرلیے - همیں معلوم کرنا چاهیے که اس غیر معمولي کامیابي میں اُنکے ان غیر معمولي اوصاف کو زیاده دخل تها ؟

جس طرح ایک مکمل تصویر بنانے کیلیے کوئي ایک رنگ هي کافي نهیں هوتا - اسي طرح ایک بڑے آدمي کیلیے بهي کوئي ایک قابلیت کافي نهیں هو سکتي - بلکه هي مختلف رنگ چاهئیں جنسے کمال اور بڑائي کي ایک شاندار تصویر کهینچي جا سکتي هے - دیش بندهو میں یه مختلف اوصاف اپني کافي مقدار میں جمع هوگئے تے - وه دماغي اور اخلاقي ' دونوں طرح کے وصفوں سے مالدار تے - انکي ذهانت غیر معمولي تهي - اُنکي راے تعجب انگیز حد تک صائب اور بحث و استدلال کي قوت اعلے درجه

بات کے قائل نہیں تھے کہ انتظار کرو اور سوچو - " جو پتھر راستے میں آجائے اسے فوراً ہٹا دینا چاہیے اور رکنا نہیں چاہیے " یہی آنکے سفر کا دستورالعمل تھا - شکسپیر نے عملت میں انسانی دماغ کی وہ حالت بتلائی ہے جب وہ حیران ہوکر سوچتا ہے " کروں یا نہ کروں ؟ " یہ " کروں یا نہ کروں " اُن میں نہ تھا !

آنکا دوسرا وصف بھی ایک طرح اسی وصف کے ساتھہ بیان کیا جا سکتا ہے - ہندوستان کی قومیت کی راہ میں سب سے زیادہ مشکل روک ہندو مسلم مسئلہ کی پیچیدگیاں ہیں - حالات ایسے گہرے اور شدید ہیں کہ بسا اوقات ایک بڑا سے بڑا ہندو محب الوطن بھی فرقہ وارانہ تنگ نظری سے اپنے دماغ کی [illegible] نہیں کر سکتا - بڑی ہی ہمت' عشق وطن اور جنون آزادی کا بڑا ہی طاقتور جذبہ چاہیے جو ہمیں ایسی بلندی پر پہنچا [illegible] تک ان نچلے جذبات کی رسائی نہو - میں زور سے [illegible]

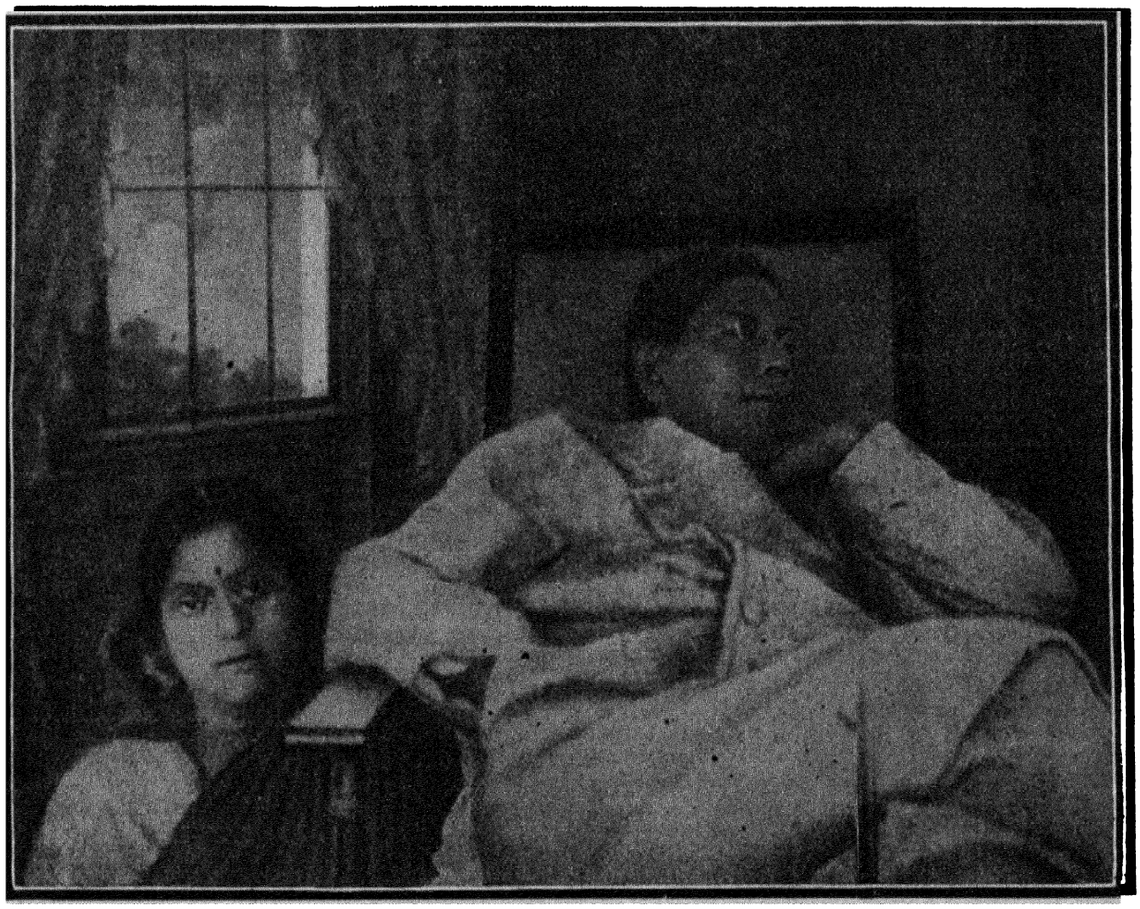

موت سے دو دن پہلے

کہہ سکتا ہوں کہ چترنجن داس نے ایسی بلندی حاصل کرلی تھی اور وہ کسی حال میں بھی اُس سے [illegible] لئے طیار نہ تھے - اِس بارے میں آنکا دل فراخ اور فیاض [illegible] ملک کی آزادی اور نجات کیلئے وہ ساری چیزیں قربان کر دینے کیلئے طیار تھے' جو اس اعلیٰ مقصد سے کمتر درجہ کی ہو سکتی ہیں - صرف یہی روح ہندوستان کا مسئلہ حل کر سکتی ہے - افسوس کے ساتھہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ مقام اسوقت تک بہت کم ہندوستانی رہنماؤں کو حاصل ہو سکا ہے -

(میثاق بنگال)

ہندو مسلم مسئلہ کے سلسلے میں " میثاق بنگال" (بنگال پیکٹ) ان کی زندگی کا مشہور واقعہ ہے - اس پر موافق مخالف' دونوں طرح کی رائیوں کا نہایت پر جوش مظاہرہ ہوچکا ہے - لیکن اسوقت تک بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہ میثاق وجود میں کیونکر آیا تھا ؟

"جن لوگوں کو ہندو مسلم مسئلہ کی عملی مشکلات کا علم ہے' وہ جانتے ہیں کہ معاملہ کس درجہ مشکل اور پیچیدہ ہے ؟ معاملہ کی کوئی جانب اختیار کی جائے' ضروری ہے کہ مشکلوں اور مزاحمتوں کا ایک طوفان عظیم سامنے آجائے - گزشتہ فروری (سنہ ۱۹۲۴) میں دھلی کی آل پارٹیز کانفرنس نے کامل ایک ہفتہ تک نشست جاری رہی لیکن بالاخر بلا کسی فیصلہ کے منتشر ایسا مشکل اور ہمت آزما معاملہ جب دیش بندھو کے سامنے اچانک آگیا تو انہوں نے کیا کیا ؟ میں پہلی مرتبہ لوگوں کو بتلانا چاہتا ہوں [illegible] پانچ منٹ کے اندر فیصلہ کردیا !

یہاں میں نے پانچ منٹ تھوڑ [illegible] کے معنی میں مجازاً استعمال نہیں کیا ہے - بلکہ سچ مچ تھوڑی کے پانچ منٹ مراد ہیں - بنگال لیجس لیٹو کاونسل کے انتخاب سنہ ۲۳ - سے جب ہم فارغ ہوئے' تو مخالفین نے کانگرس کو ناکام رہنے کے لئے ہر طرح کے ہتیار آزمانا شروع کردیے - ان میں سب سے زیادہ موثر اور آزمودہ ہتیار فرقہ وارانہ حقوق کا مسئلہ چھیڑ دینا تھا - اُس وقت کاونسل کے اندر اور باہر' دونوں جگہ جماعت کی کامیابی بہت کچھہ اسپر موقوف تھی کہ مسلمان کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں ؟ جیسا کہ معلوم ہے' مسلمان دو جماعتوں میں منقسم تھے : ایک جماعت کانگرس کے ساتھہ تھی - ایک باہر - کانگرس کی کوشش تھی کہ تمام مسلمان کانگرس کا ساتھہ دیں - مخالفین کوشش کر رہے تھے کہ ہندو مسلم مسئلہ چھیڑ کر انہیں اس سے باز رکھا جائے - اس اثناء میں وہ ایک عجیب چال چلے - انہوں نے ممبران کاونسل سے کہا کہ اگر کانگریس پارٹی میں شامل ہی ہونا چاہتے ہو تو کم از کم اس کا فیصلہ کرلو کہ مزید سیاسی حقوق ملنے پر مسلمانوں کی نمائندگی کا کیا حال ہوگا ؟ یہ انہیں [illegible] اُن کا خیال تھا' مسلمانوں کی جانب سے جو مطالبات پیش ہونگے' انہیں کانگرس

پارٹي منظور نہ کر سکے گي - نتیجہ یہ نکلیگا کہ مسلمان مایوس ہوکر الگ ہو جائینگے ' اور مسلمانوں کي علحدگي کے بعد کانگرس پارٹي نہ تو کاونسل کے اندر کچھہ کر سکیگي - نہ باہر مضبوط ہو سکیگي -

چنانچہ مسلمانوں کے مطالبات کي ایک فہرست ایک بڑے سرکاري افسر کے یہاں طیار کي گئي - اچانک ایک دن صبح مجھے معلوم ہوا کہ آج مطالبات پیش کیے جائینگے - میں نے اُسي وقت مسٹر داس سے بذریعہ ٹیلي فون گفتگو کي - میں نے دریافت کیا کہ

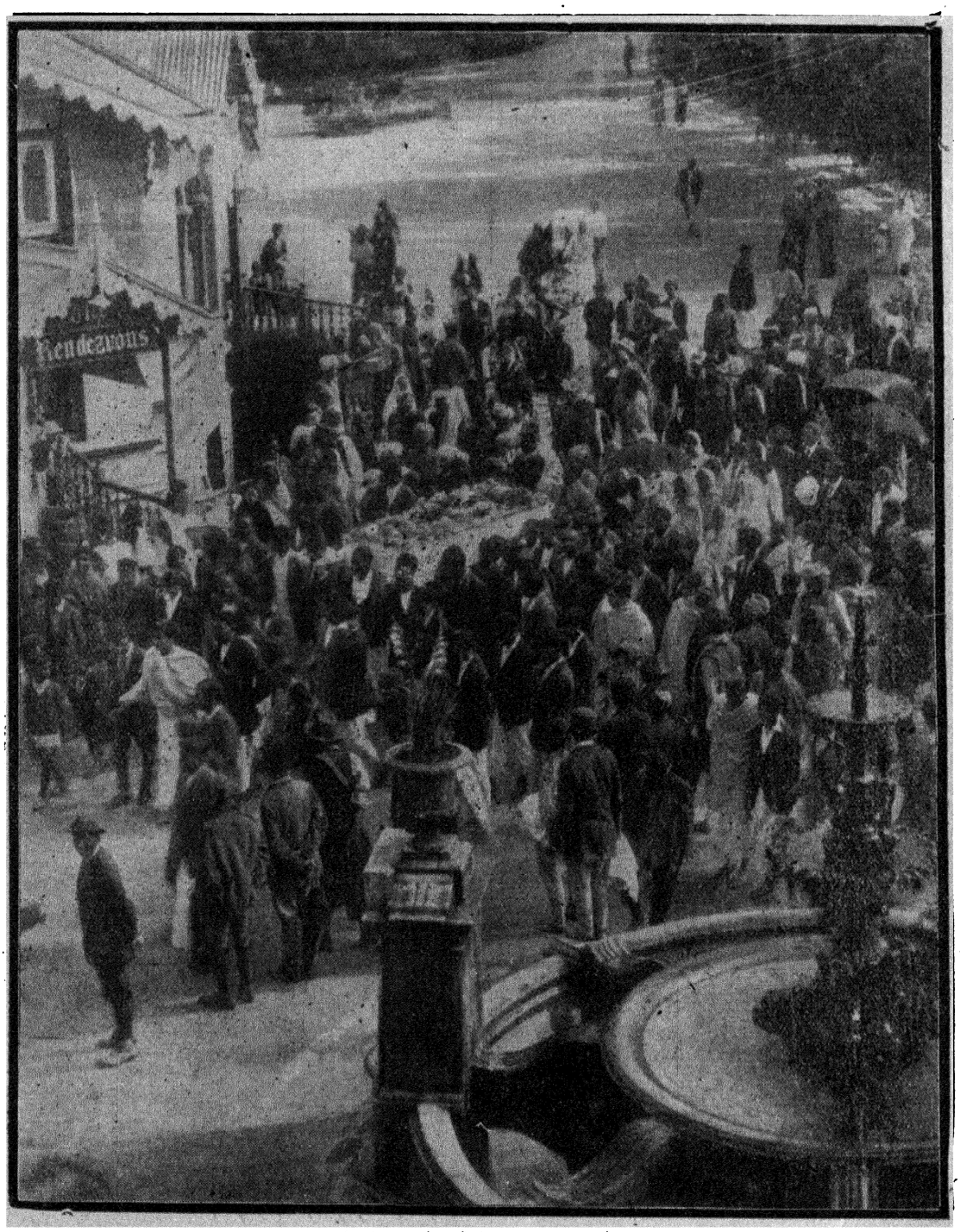

دارجلنگ میں جنازہ کا کلکتہ کي طرف کوچ

اگر یہ مطالبات پیش ہوے تو آپکا طرز عمل کیا ہوگا ؟ انہوں نے بلا کسي تامل کے جواب دیا " میں فوراً منظور کر لونگا - کوئي وجہ نہیں کہ ایک معقول مطالبہ منظور نہ کیا جاے اگرچہ بے موقعہ پیش ہوا ہو " - یقیناً انہوں نے یہ فیصلہ پانچ منٹ سے بھي کم میں کردیا تھا !

اس طرح ایک سخت خطرہ سے فوراً نجات ملگئي - البتہ ایک دوسرا خطرہ پیدا ہوگیا - یعنے مخالفت کا وہ طوفان عظیم جو اس کے خلاف شروع ہوا - لیکن اسکے فرو کرنے کیلئے بھي ہم اس وقت کافي طاقتور تھے -

(کارپوریشن کي میرشپ)

شاید کلکتہ سے باہر بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئي کہ جب کارپوریشن کلکتہ کے پچھلے انتخابات میں کانگرس کو کامیابي ہوئي ' اور کارپوریشن کے پہلے میر کے انتخاب کا مسئلہ پیش آیا '

تو مسٹر داس بالکل طیار نہ تھے کہ خود میر منتخب ہوں - پہلي مرتبہ جب اس بارے میں مجھہ میں اور اُن میں مشورہ ہوا تو انہوں نے زور دے کر کہا " میں چاہتا ہوں پہلا میر ایک مسلمان ہو - یہ اُس روح کا عملي ثبوت ہوگا جو کانگرس پارٹي نے مسلمانوں کي نسبت ظاہر کي ہے - اور چونکہ بجز تمہارے اور کوئي مسلمان ایسا موجود نہیں جسے ہم سب بالاتفاق منتخب کرلیں ' اسلیے تم اسکے لیے

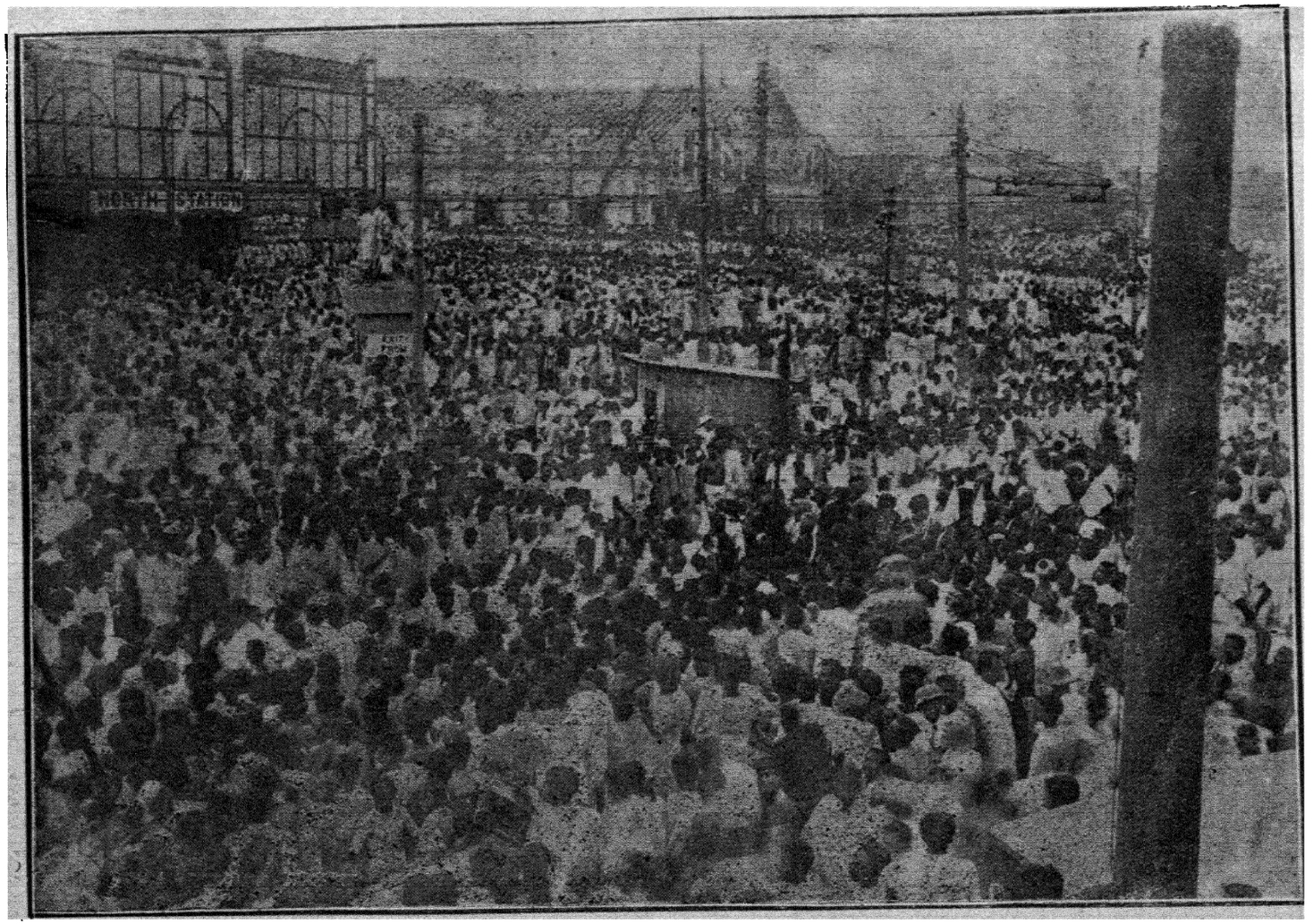

۱۹ - جون سنہ ۱۹۲۷ - تو کلکتہ کی تمام [illegible] سڑکوں پر جمع ہوگئی تھی [illegible] مسٹر داس [illegible] نعش کا استقبال کرے۔
[illegible] اپریل سنہ ۲۶ [illegible] آبادی سڑکوں پر [illegible] جمع ہوگئی [illegible] ایک
دوسرے کا سر پھوڑے!

طیار ہو جاؤ " اُسوقت تک الذر مین کا انتخاب بھي نہیں ہوا تھا - انہوں نے پانچ الذر مین میں ایک نام میرا اسي غرض سے رکھا تھا تاکہ مجھے میر منتخب کیا جاسکے -

لیکن میں نے نہایت اصرار کے ساتھہ اس سے اختلاف کیا - میں نے کہا - جہانتک میري ذات خاص کا تعلق ہے میں نہ تو اب اور نہ کبھي آئندہ اپنے آپ کو ان مناصب کے لئے مستعد کرسکتا ہوں - میري زندگي کي رفتار ابتدا سے دوسري ہے - وہ کسي طرح ان مناصب کے ساتھہ جمع نہیں ہوسکتي - باقي رہا کسي مسلمان کا میر ہونا' تو بلا شبہ مسلمانوں کو پوري کشادہ دلي کے ساتھہ موقعہ دینا چاہیے - لیکن اسوقت ہر اعتبار سے ضروري ہے کہ آپ ہي میر منتخب کیے جائیں - خود مسلمانوں کي بھي خواہش یہي ہے -

(میرا اُن کا باھمي تعلق)

میں چند الفاظ اپنے اور اُن کے باھمي تعلقات کي نسبت کہے بغیر نہیں رہ سکتا - اُن کي برادرانہ محبت کي یاد میرے دل کا ایک نا قابل اندمال زخم ہے - ہمارا ایک دوسرے سے تعارف سوسائٹي میں نہیں ہوا - نہ ہم میں اور کسي طرح کا ذاتي تعلق تھا - محض قومي خدمت کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے روشناس ہوے - لیکن طبیعتوں کي مناسبت نے بہت جلد دلي علاقہ کي صورت اختیار کرلي - حتی کہ ہم محسوس کرنے لگے کہ دو بھائیوں کي طرح ایک دوسرے سے منسلک ہوچکے ہیں -

سنہ ۱۹۱۷ - سے پہلے ان کي شہرت زیادہ تر بہ حیثیت ایک کامیاب بیرسٹر کے تھي - اسي سنہ میں وہ پبلک پلیٹ فارم پر نمایاں ہوئے - میں اسوقت نظر بند ہوچکا تھا اور رانچي میں مقیم تھا - اخبارات میں ان کي سرگرمیوں کا حال پڑھتا رہا - جنوري سنہ ۲۰ میں جب رہا ہوکر واپس آیا' تو پہلي مرتبہ اُن سے شناسائي ہوئي - ایک دعوت میں جو مجھے دي گئي تھي ' وہ بھي شریک تھے - لیکن یہ شناسائي محض سرسري تھي - اس کے بعد ھي "نوان کوآپریشن" کي تحریک کا ابتدائي زمانہ شروع ہوگیا اور اگست میں کانگریس کا خاص اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا - اس موقعہ پر وہ اس نظام عمل سے متفق نہ ہوسکے - سال کے آخر تک مخالف رہے - اور اس لئے یہ زمانہ ہم دونوں نے باھمي مخالفت میں بسر کیا - وہ ناگپور کانگریس کے لئے مخالفانہ طیاریاں کر رہے تھے - میري کوششیں موافقانہ تھیں -

ناگپور کانگریس میں وہ اس لائحہ عمل سے متفق ہوگئے ' اور پھر ہم دونوں از سرنو ملے تاکہ بنگال کے کاموں کي نسبت مشورہ کریں - في الحقیقت اسي زمانہ سے میرے اُن کے تعلقات کا اصلي زمانہ شروع ہوتا ہے - اس تاریخ سے لیکر اُن کے انتقال تک میرا اُن کا شب و روز ساتھہ رہا - روز بروز باہم ایک دوسرے سے قریب تر ہوتے گئے - اُنہیں مجھپر اعتماد تھا - اور میرے دل پر ان کي خوبیاں نقش تھیں -

باھمي علائق کا یہ زمانہ کچھہ عجیب گوناگوں حالات میں بسر ہوا - اس میں دسمبر سنہ ۲۱ - کا وہ یادگار وقت بھي شامل ہے جب سب سے پہلے بنگال میں " سول ڈس اوبیڈینس " کا قدم اٹھایا گیا اور دو ہفتہ کے اندر اُس نے حکومت کو مجبور کردیا کہ سختي و مقابلہ کي جگہ صلح و آشتي کا ہاتھہ بڑھائے - اس زمانہ میں ہم رات کے دو دو بجے تک اکٹھے بیٹھتے' اور دوسرے دن کا پروگرام تجویز کرتے - ۹ دسمبر سنہ ۲۱ - کو ہمیں معلوم ہوگیا کہ اب ہماري گرفتاري میں تاخیر نہیں کي جائیگي - اُس دن رات کے گیارہ بجے مسٹر کیرن شنکر رائے کے مکان پر ہمارا آخري اجتماع ہوا' اور دوسرے دن سہ پہر کو بہ یک وقت گرفتار کرلیے گئے - قید خانہ میں بھي ہماري یک جائي قائم رہي - البتہ اُنہیں چھہ ماہ کي سزا دي گئي تھي - مجھے ایک سال کي - اس لیے وہ مجھہ سے چھہ ماہ پہلے رہا ہوگئے -

۶ - جنوري سنہ ۲۳ - کو جب میں رہا ہوا' تو کانگریس دو جماعتوں میں بٹ چکي تھي - اور نئي سوراجیہ پارٹي کے لیڈر مسٹر داس تھے - دونوں جماعتیں مجھے اپني طرف کھینچ رہي تھیں لیکن میں کسي میں بھي شریک نہیں ہوا' اور اپنا وقت تمام تر اس کوشش میں صرف کر دیا کہ کسي طرح یہ اختلاف دور ہوجاے - یا کم از کم ایسي شکل اختیار کرلے کہ کانگریس کي مجموعي طاقت باھمي جنگ و جدال میں ضائع نہ جاے - چونکہ دونوں طرف جماعت بندي کے شدید جذبات کام کر رہے تھے ' اور متحدہ نقطۂ عمل اپني جگہہ سے ہٹ چکا تھا ' اسلئے قدم قدم پر مشکلات پیش آئیں - بالاخر کامل آٹھہ ماہ کي جد و جہد کے بعد مجھے اپني کوشش میں کامیابي ہوئي اور دھلي کے خاص اجلاس کانگریس میں ایک متفقہ فیصلہ ہوگیا -

اس کوشش کے اثنا میں مسٹر داس کا جو طرز عمل ظاہر و باطن رہا ' اسنے میرے دل پر انکي غیر معمولي صفات کا اثر اور زیادہ گہرائي کے ساتھہ نقش کردیا - میں اس کام میں بہ حیثیت ایک صلح جو (پیس میکر) کے مجبور تھا کہ حسب ضرورت دونوں طرف رد و کد کروں' اور کبھي ایک جماعت کو دباؤں - کبھي دوسري کو - بارہا ہ میں نہایت تیز اور سخت بحثیں بھي ہوگئیں - مجھے جس طر "نو چینجرز" کے جمود و تقلید سے اختلاف تھا - اسي طر "پرو چینجرز" کي بے قیدي سے بھي متفق نہ تھا - با ایں ہم ان تمام حالات کے اندر بھي جو حقیقت برابر مجھپر کھلتي گئي ' و بہ حیثیت ایک سیاسي قائد اور مدبر کے مسٹر داس کي شخصیت تھي -

جہانتک ہندو مسلم مسئلہ کا تعلق ہے ' میرا انکا معاملہ کچھہ عجیب طرح کا تھا - میں ڈرتا ہوں کہ ملک کي موجودہ آب ہوا میں بہت کم لوگ اُسے ٹھیک طور پر سمجھہ سکینگے - ہم جب کبھي اس طرح کے معاملات پر گفتگو کرتے تھے ' تو بلا مبالغہ ہمیر ایک ادنی احساس بھي کسي طرح کي تفریق کا نہیں ہوتا تھا - بارہا وہ کسي معاملہ میں ہندوں کي کسي جماعت کے نقطۂ خیال کے خلاف راے دیتے - اور میں مسلمانوں کے کسي گروہ کي راے سے متفق نہ ہو سکتا - میرے دل میں کبھي یہ گمان بھي نہیں گزرتا کہ ان میں میرے ہم مذہبوں کے خلاف کوئي فرقہ وارانہ جذبہ ہے - اسي طرح وہ بھي کبھي اس کا خیال نہیں کر سکتے تھے کہ میري حق پسندي فرقہ وارانہ خود غرضي سے آلودہ ہو سکتي ہے - وہ تمام معاملات جو آج ملک میں فرقہ وارانہ نزاعات کا ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں ' ہمارے سامنے آتے تھے ' اور ہم اس آساني کے ساتھہ فیصلہ کر لیتے تھے کہ ہم دونوں کے علاوہ کسي تیسرے کو کانوں کان خبر بھي نہیں ہوتي تھي - بارہا ہم نے ایک دوسرے سے یہ سوال کیا کہ کیا تمام ملک کے اندر بھي کوئي انسان بھي ایسے پیدا نہیں ہو سکتے جو اسي طرح انصاف اور حق پسندي کے ساتھہ ہر معاملہ پر نظر ڈالیں ؟

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم؟
(۳۰:۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

مغرب اقصیٰ اور اندلس پر ایک نظرِ اعتبار!

ایک مصری سیاح کے تاثرات

الجزائر

۹۰ سال سے الجزائر پر فرانس کا قبضہ ہے۔ فرانسیسیوں کی چستی و چالاکی، ذہانت و ذوق مشہور ہے۔ الجزائر اس کی بہترین نمائش گاہ ہے۔ ملک کا اکثر حصہ، جنت کا نمونہ بن گیا ہے۔ اسمٰعیل پاشا خدیو نے مصر کے لئے دعا کی تھی کہ "افریقہ کا یہ خطہ یورپ بن جائے"۔ خدا نے الجزائر میں اُن کی دعا قبول کر لی ہے۔ محال ہے کہ کوئی سیاح ایسے نیم متمدن افریقہ سمجھے۔ اب یہ یورپ کا ایک ٹکڑا اور بہترین ٹکڑا ہے، فرانس کا ٹکڑا ہے، بلکہ فرانس کا سب سے بہتر ٹکڑا — پیرس ہے!

الجزائر "پیرس" بن گیا ہے۔ یعنی الجزائر کی سرزمین، لیکن اس سرزمین کے باشندوں کا کیا حال ہے؟ کیا اُنھیں بھی "پیرس" کے باشندوں کی زندگی حاصل ہے؟ افسوس! سرزمین "بہشت" بن گئی ہے مگر اس کے بدنصیب باشندوں کے لئے غلامی اور غلامی کی زندگی کے "جہنم" کے سوا کچھ نہیں ہے! وہ نہ تو "ایرنچی" رہے اور نہ "فرانسیسی" بن سکے۔ فرانسیسی تمدن اس سرزمین پر قبضہ کرتا جاتا ہے، اور وہاں کے اصلی باشندے جگہ چھوڑتے جاتے ہیں گویا نئی تہذیب انہیں دھکیل رہی ہے، اور ملک کے اُن گوشوں کے اندر قید کر رہی ہے جو علم و تمدن کی روشنی سے محروم ہیں۔

الجزائر کے بڑے شہروں میں دیسی باشندوں کا کوئی گھر نظر نہیں آتا، بازاروں میں ان کی کوئی بڑی دوکان نہیں۔ چائے خانوں، سیر گاہوں، درجہ اول کی گاڑیوں میں کبھی الجزائری نظر نہیں آئے گا۔ گویا پورا ملک اپنے اصلی باشندوں سے خالی ہو گیا ہے بڑی تلاش کے بعد شہروں میں دو چار حقیر اور میلے کچیلے محلے ملتے ہیں۔ الجزائری انھیں محلوں میں قید ہیں۔ یورپین محلوں اور بازاروں میں اگر آتے بھی ہیں تو بھیک مانگنے، مزدوری کرنے، گاڑیاں چلانے وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون!

الجزائر میں الجزائریوں کی تعداد برابر کم ہو رہی ہے۔ اور فرانسیسی بڑھ رہے ہیں۔ اُن کا ٹڈی دل یورپ سے چلا آ رہا ہے اور الجزائری جوق جوق پہاڑوں اور بیابانوں کی طرف بھاگ رہے ہیں حتیٰ کہ اسوقت ان کی آبادی چھ میں ایک رہ گئی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں ان کی تعداد اور بھی کم ہے۔ پائے تخت میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہونگے!

اگر تاریخ کا افسانہ صحیح ہے اور تو میں اُسی طرح فنا ہو جاتی ہیں جس طرح افراد اور حیوانات و نباتات، تو تاریخ کو اپنے دامن میں ایک نئے افسانۂ زوال کے لئے گنجائش نکال لینی چاہئے۔ عنقریب ایک بڑی قوم صفحۂ روزگار سے حرف غلط کی طرح مٹ جانیوالی ہے۔ یہ قوم الجزائر کی سرزمین پر پڑی سسک رہی ہے یا سے زیادہ سوبرس اُسے دم توڑنے میں اور لگیں گے۔ کون کہتا ہے جہل و غفلت کے ہاتھ پاؤں نہیں؟ جسے دیکھنا ہو الجزائر میں آئے۔ یہاں جہل کے ہاتھ ایک قوم کا گلا گھونٹ رہے ہیں، اور غفلت اپنے پردوں سے اُسے کچل رہی ہے!

مراکش

مراکش اور الجزائر میں بہت فرق ہے۔ زمین میں بھی اختلاف ہے۔ باشندوں کے طبائع و خصوصیات میں بھی اختلاف ہے۔ مراکش زیادہ سرسبز اور خوبصورت ہے۔ مراکش، اسپین سے بہت مشابہ ہے۔ وہ دراصل اسپین ہی ہے صرف سمندر کی گردن نے دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ مراکش اور اسپین کے باشندوں میں بھی بہت مشابہت ہے۔ ایک ہی خاندان کی دو شاخیں معلوم ہوتے ہیں!

اہل مراکش کی معاشرتی زندگی اور قدیم تاریخ، دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک وقت میں یہ قوم بہت بڑے تمدن کی مالک تھی۔ شرق اور مغرب کے مابین دریائی کڑی تھی۔ آسمان تمدن پر ایک روشن سورج تھی اور چار دانگ عالم کو روشن کر رہی تھی۔ لیکن جس قدر اس کی ترقی کی رفتار تیز رہی تھی، اُسی قدر اس کا زوال بھی سریع السیر ہوا۔ یوں کہنا چاہئے کہ اسپر قبل از وقت بڑھاپا آ گیا۔ مراکشیوں کی موجودہ معاشرتی زندگی کی ایک عجیب خصوصیت اُنکے ہر حلقہ اور ہر درجہ کی یکساں معنویت ہے۔ ایسی معنویت جو ایک امارۃ و تمدن رفتہ کی خبر دیتی ہے۔ سب پرانے پادشاہوں کا سا دراز اور طویل الذیل لباس پہنتے ہیں۔ سب کے چہروں پر لوڈھوں کی سی متانت اور سنجیدگی نظر آتی ہے۔ ہر مراکشی اپنی داڑھی اور وضع قطع میں ایک پیر مرشد اور ثقہ عالم معلوم ہوتا ہے۔ سکون سکوت، آہستگی، سنجیدگی، ہر حال میں ملحوظ رہیگی۔ اٹھ اٹھینگے تو رُک رُک کر، سر گھمائیں گے تو سوچ سوچ کر، بولیں گے تو ٹھہر ٹھہر کر، چلیں گے تو متانت و تمکنت سے دامن لباس سنبھالتے ہوئے! میرے خیال میں یہ لباس عیش پسند پادشاہوں کا تھا لیکن پوری قوم عیش پسند ہو گئی اور سب نے پادشاہوں کا لباس پہن لیا!

ناممکن ہے کہ آج کے مراکشی نے آئین فتح کیا ہو اور آدھا فرانس تہ و بالا کر ڈالا ہو۔ نازک جوتیاں پہننے والا پہاڑوں پر کیسے دوڑ سکتا ہے؟ لمبے لمبے جبے، بھاری بھاری عمامے، انسان کو کب چست و چالاک بننے دے سکتے ہیں؟ لیکن نہیں وہ یہی مراکشی تھے۔ اُسوقت مراکش جوان تھا۔ اب بوڑھا ہو گیا ہے!

مراکشیوں اور جزائریوں میں فرق

اہل مراکش کے چہروں پر مجھے وہ نیکی دکھائی دی جو اہل جزائر کے چہروں پر موجود نہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا یہ محض ظاہری فرق ہے یا حقیقی ہے؟ مراکشی داڑھیوں کی پرورش کرتے ہیں۔ خدا انکے گھنے بالوں میں برکت دے! برخلاف انکے جزائری کلّوں کی صفائی کرتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں۔ خدا اُنھیں طول و عرض میں پھیلائے! مراکشی کتنے ہی غیظ و غضب کا اظہار کرے مگر بغض دیکھنے سے اُس کا دل خالی ہے وہ واقعی نیک اور پاک دل ہوتا ہے۔

مراکشی کی ساکن نظریں اُس کے باطنی سکون کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن اس سکون کے ساتھ غفلت بھی نمایاں دکھائی دیتی ہے اور بسا اوقات حماقت تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اُن میں یہ غفلت و حماقت کہاں سے آئی؟ حالانکہ وہ شراب اور ہر مسکر کے نشوں سے قطعی طور پر دور ہیں۔ اگر واقعی ان میں غفلت و حماقت موجود ہے تو یہ اُس عیش و راحت کا نتیجہ ہوگی جس میں وہ صدیوں سے مبتلا ہیں۔

میرے خیال میں مراکشی غفلت و حماقت کے اس قدر شکار نہیں ہوئے ہیں جس قدر مصائب نے اُنکے حواس گم کر دیئے ہیں ہر طرف سے اُن کے وطن پر اغیار کی یورش ہے۔ وہ بے بس ہو گئے ہیں۔ چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ اس حالت نے اُنھیں مدہوش بنا دیا ہے حالانکہ وہ حقیقت میں مدہوش نہیں ہیں: وتحسبھم ایقاظا وھم رقود، وما ھم بسکاری، ولکن عذاب اللہ شدید!

برخلاف ان کے جزائری کی نظریں تیز اور ولولوں سے لبریز ہیں۔ لیکن کمزوری اُنھیں نیچا کئے دیتی ہے۔ اُن کی نظروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا بیمار شیر ہیں، اور زنجیروں میں کسے ہوئے ہیں۔ اُن میں زندہ دلی بھی ہے، اور اتنی ہے کہ اگر میدان خالی پائے تو خطرناک صورت اختیار کر لے!

اہل مراکش کی عربیت میرے لئے بہت مشکل تھی۔ برخلاف اس کے الجزائر کی زبان مصر و شام کی عربی سے زیادہ قریب ہے البتہ الجزائر کی زبان میں یہ خرابی بہت نمایاں ہو گئی ہے کہ انھوں نے بکثرت فرانسیسی لفظ داخل کر لئے ہیں فصیح عربی وہاں تقریباً مفقود ہوتی جاتی ہے۔

اندلس

اندلس (اسپین) اسلام و عرب کی آٹھ صدیوں کا اندلس، بہت مفصل ہے۔ لاکھ مختصر کیا جائے مگر اس کا نقشہ کھینچا نہیں

جاسکتا۔ اسپین کے چپہ چپہ میں عربی ہیں۔ رومن زمانے کی یادگاریں ہیں اس سے پہلے کی، اور اس کے بعد کی یادگاریں ہیں۔ لیکن تمدن قدیم کے سراغرساں عربی یادگاروں ہی کی قدر کرتے ہیں، اور انہی کے مشاہدے کے لئے تمام دنیا سے شدِ رحال کرکے آتے ہیں۔

اندلس میں ابتک بہ کثرت عربی آثار باقی ہیں اگرچہ متعصب اور جاہل اسپینیوں نے ان کے مٹانے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی انھوں نے عرب اور عربوں کو اندھے دینی جوش کے ساتھ برباد کیا عربوں کا سندر تک پیچھا کیا، اور اب خود عربی ممالک میں ان کا قلع قمع کررہے ہیں!

اسپینیوں نے عربی یادگاریں محو کرنے کی پوری کوشش کی مگر چند یادگاریں اتنی سخت جان تھیں کہ ابتک موجود ہیں۔ پتھر اور چونے کی یادگاروں کے علاوہ بہت سی معنوی یادگاریں بھی ایسی قائم ہیں کہ انھیں کوئی انسانی قوت ہٹا نہیں سکتی۔ اسپینی زبان، بے شمار عربی الفاظ سے لبریز ہے۔ ان الفاظ کا نکال دینا ناممکن ہے۔ انکے نکال دینے کے بعد اسپینی زبان، زبان ہی نہیں رہے گی۔ پھر اسپین میں کتنے بے شمار چہرے ہیں، جو پکار پکار کر اعلان کررہے ہیں کہ ہم عربی ہیں! پیشانی کی ساخت، ناک کی قطع، بالوں کی سیاہی، زری، اور پیچ وخم، سب عربی ہیں۔ کتنی آنکھیں ہیں جو عربی ملاح کی آنکھوں سے لپک کر معانقہ کریں اور زبان حال سے پکارتی ہیں:

وانا نہری اقدامنانی نخالہم وانفاہم اللہی والحق جبا!

پھر اسپین کی پوری سرزمین، اور اس سرزمین کا ذرہ ذرہ عرب شہیدوں کے خون سے تر ہوا۔ اسپینی لاکھ کوشش کریں اپنی سرزمین سے شہیدوں کا خون جلا دھو نہیں کرڈالے سکتے!

اسپین میں ابتک عربوں کے محلے موجود ہیں اگرچہ عرب اُن میں آباد نہیں ہیں۔ کہیں نہیں رہے۔ لیکن مکان اب تک موجود ہیں! عربی بازار ہیں، عربی قلعے ہیں، عربی محل ہیں، عربی باغ ہیں۔ مسجدیں بھی ہیں جن کے میناروں پر اب موذن کی صداؤں کی جگہ سنہری صلیبوں کی نمائش ہوتی ہے!

عبرت کے مقالات میں بھی کبھی کوئی سہنا ہے؟ لیکن میں نے اپنے تئیں اندلس کی عبرت گاہوں میں حیرت سے دیکھا کہ مسکرا رہا ہوں! میں قصر الحمراء کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کیونکہ مجھے وہ بادشاہ اور امراء سر نیچے کئے اور کمر جھکائے، رینگتے نظر آتے تھے جنھوں نے اپنے اجداد کی عظمت اتنی بیش بہا قربانیوں کی نذر کردی اور خود ذلیل وخوار ہوکر خس وخاشاک کی طرح بہ گئے! میں نے انھیں پکار کر کہا "قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا، فہل وجدتم ما وعد ربکم حقا؟" لیکن میرا یہ جملہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ خود اُن کی اور دل کی آہ نے فضا کو اس طرح پر سکوت پایا کہ نظرات شک کی صورت اختیار کرلی۔ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ میری زبان پر تھی: کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فیہا فاکہین کذلک واورثناہا قوما آخرین۔ فما بکت علیہم السماء والارض وما کانوا منظرین!

(علی عبدالرزاق)

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی روح سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب وملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

منیجر "الہلال" کلکتہ

بریدِ شرق

مکتوبِ قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ٹرکی کا محرم۔ امیرالبحر بریطل کا بیان۔ انگورہ قیصریہ ریلوے۔ روسی انگریزی جھگڑا اور ٹرکی

ٹرکی کا محرم

ہجری سال ختم ہورہا ہے۔ نئے سال کی آمد آمد ہے۔ یہاں چائے خانوں میں آجکل بعض لوگ جاہیاں لے رہے ہیں۔ انھیں سال نو کی ذرا بھی خوشی نہیں۔ محرم کے غم میں گھلے جاتے ہیں۔ محرم کے پرانے جلسوں اور مجلسوں کی موقوفی پر!

ان کا غم ایک حد تک بجا ہے۔ واقعی ٹرکی خصوصاً قسطنطنیہ کا محرم بہت دلچسپ ہوتا تھا۔ نئی حکومت نے جہاں اور بہت سی پرانی رسمیں موقوف کردی ہیں، محرم کے جلسے بھی روک دئے ہیں! حکومت کی یہ کتنی ہی بڑی اصلاح کیوں نہ ہو لیکن جنھیں ان جلسوں کی چاٹ پڑ چکی ہے، انھیں ناراض ہونے سے نہیں روکا جاسکتا۔ وہ کہتے ہیں "زندگی کا آدھا مزہ جاتا رہا"

حکومت نے ۱۹۲۵ء میں محرم کے مراسم موقوف کردئے۔ اب وہ افسانہ بن گئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ دنیا انھیں فراموش کرے یا تاریخ اپنے صفحات میں ان کے لئے جگہ نکالے، ہم ایک ترجمہ اور انھیں یاد کرلینا چاہتے ہیں۔

میں جو کچھ لکھنے والا ہوں، سنی سنائی باتیں نہیں ہیں چشم دید واقعات ہیں۔ زیادہ تفصیل کا موقعہ نہیں۔ صرف خانقاہوں کے محرم کا ذکر کروں گا۔

حالت یہ تھی کہ خانقاہوں کے بے فکرے اور نام کے صوفی سال بھر تک محرم کا بےچینی سے انتظار کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی کمائی اور خوش وقتی کا اصلی موسم یہی تھا۔ پہلی محرم سے خانقاہوں میں سیاہ پردے پڑ جاتے تھے۔ انکے پراسرار رہنے والے اپنے سفید اور سبز عمامے اتار کر سیاہ عمامے پہن لیتے تھے۔ پانی کے نل بند کردئے جاتے تھے۔ لاکھ پیاس لگی ہو مگر وہاں پانی نل نہیں پی سکتا تھا۔ پانی کے ظروف تک ہٹا دئے جاتے تھے۔ جملہ سمجھتے تھے یہ لوگ اہل بیت کے محب ہیں، پانی تک نہیں پیتے! حالانکہ یہ محض فریب تھا۔ یہ محرم بھر سیراب رہتے تھے۔ پانی رنگین بوتلوں میں بھر کر مکان کے کونوں، غسل خانوں، اور پاخانوں میں رکھ دیا جاتا تھا! اور یہ "محرم کے روزے دار" وہاں جاجا کر اپنی پیاس بجھا لیا کرتے تھے!

مجھے بارہا خانقاہوں میں محرم کی مجلسیں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ سب سے آخری مجلس کی یاد ابتک میرے دل میں تازہ ہے۔ چونکہ یہ سب سے آخری مجلس تھی۔ اس کے بعد قانون نے اس طرح کی مجلسیں ممنوع ٹھہرادیں۔ اس لئے اسے ایک تاریخی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے میں اس کا مختصر حال درج کئے دیتا ہوں۔

پرانی خانقاہ

باسفورس کی نیلگوں سطح کے کنارے، ایک سرسبز بلند پہاڑ پر، ایک عظیم خانقاہ تھی۔ محرم کے دنوں میں ایک دوست کے ساتھ میں اس خانقاہ میں گیا۔ تیسرا پہر تھا۔ پہاڑ دشوار گزار تھا۔ میں بہت تھک گیا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے عمارت میں داخل ہوتے ہی میں نے بے اختیار پانی مانگا۔ اپنی غلطی پر میں اب تک نادم ہوتا ہوں۔ ہر طرف سے درویشوں کی سیاہ تیز آنکھیں مجھ پر اُٹھ گئیں اور غیظ وغضب سے گھورنے لگیں ایک آواز بلند ہوئی "خارجی!" دوسری آواز بلند ہوئی "یزیدی!" تیسری آواز بلند ہونے والی تھی کہ میرے دوست نے اُسے روک دیا۔ درویش میرے رفیق سے واقف تھے۔ اُسنے انھیں یقین دلایا کہ یہ شخص (یعنی میں) خارجی نہیں ہے۔ محب اہل بیت کرام اور صوفیوں کا معتقد ہے۔ یہ حرکت محض نادانستہ ہوگئی ہے!" اگر میں اس مکاری اور ریاکاری کی حقیقت سے واقف نہ ہوتا تو یقیناً متاثر ہوتا اور عجب نہیں ان درویشوں کے ہاتھ چوم لیتا جو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں پیاسے رہتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم ایک وسیع ایوان میں مدعو کئے گئے۔ نماز باجماعت ہوئی۔ پھر مرثیہ شروع ہوا۔ واقعی نہایت پُرتاثیر مرثیہ تھا۔ حاضرین کی رو رو کے ہچکی بندھ گئی تھی۔

نماز کی جگہ دسترخوان

مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہم سمجھے اب نماز ہوگی۔ مگر نماز کے بجائے ہم "عاشورا کی دعوت" پر بلائے گئے۔ درویشوں کو ہماری یہ حرکت بہت ناگوار گذری کہ ہم کھانے پر نماز پڑھنے کو کیوں مقدم رکھا؟ جب ہم دسترخوان پر پہنچے تو گھنی داڑھیوں کے اندر انکے گال غصہ سے لال نظر آرہے تھے!

کھانا پُرتکلف تھا۔ مگر پانی کا نام نہیں۔ میں شروع ہی سے بہت پیاسا تھا۔ حلق میں لقمے اٹکتے تھے۔ مگر خون سے پانی کا نام بھی نہیں لے سکتا تھا۔ کھانا ختم ہوگیا۔ اب پانی کی امید بندھی مگر بالکل عبث۔ جہنمی پیاس کے ساتھ بیٹھا میں دل ہی دل میں اپنے رفیق کو کوس رہا تھا۔

سیاہ پوش پریوں کا غول!

اچانک ایک دروازہ کھلا اور ایوان میں سیاہ پوش پریوں کا غول داخل ہوگیا! مجھے کوئی تعجب نہیں ہوا کیونکہ حقیقت سے

بے خبر نہ تھا۔ عاشوراء کی مجلس کا خاتمہ ابھی نازنینوں کے ہاتھوں پر ہوا کرتا تھا۔ انکے چہرے چمکتے ہوئے زہرشکن حسن سے تیر افگن آنکھوں سے شوخی ٹپک رہی تھی، ادائیں مستانہ۔ اور ہاتھوں میں جام اور بلوری صراحیاں، آموجود ہوئیں۔ دَور چلنے لگا۔ کس چیز کا دَور؟ پانی کا؟ نہیں۔ شربت کا؟ نہیں۔ ے کا! یا دیوبندیوں کی اصطلاح میں "شراب طہور" کا! محرم کی مجلس! حسین علیہ السلام کا ماتم! اور ساغر و پیمانہ! یہ ساقی! یہ سال بھر کے بھوکے خانقاہ نشین درویش!

ساقی نے تین پھیرے کئے۔ یاران قدح نوش پر مستی چڑھی کچھ عجب "سرور" کا عالم ہوا۔ ہر پہلو میں ایک ایک ساقی نے جگہ لے لی۔ پھر نغمۂ معرفت" شروع ہوا۔ تمام حاضرین نے وجد کے ساتھ گانا شروع کیا۔ صرف ایک میں اپنی خشک طبعی کی وجہ سے اس "سعادت" سے محروم رہا تھا۔

اس "نغمۂ معرفت" کے چند بند ملاحظہ ہوں:

"کاف اور "نون" (کُن) کے خطاب سے بھی پہلے ہم موجود تھے۔ قبل اس کے کہ کسی کو دیدار ربانی حاصل ہو، ہم رب سے قاب قوسین او ادنیٰ تھے!"

"آدم سے پہلے، حوا سے پہلے ہم حق تھے اور حق کے ساتھ "بزم مُہم" میں ہم آغوش تھے!"

"ہم ایک رات مریم بتول کے ساتھ رہے (معاذ اللہ!) ہم ہی عیسیٰ مسیح کے باپ تھے!" (معاذ اللہ)

"ہمیں کو موسیٰ کلیم نے پکارا تھا "رب ارنی" (خدایا مجھے اپنا جلوہ دکھا)

"ہمیں نے موسیٰ کو جواب دیا تھا "لن ترانی" (تو مجھے ہرگز دیکھ نہیں سکتا)

"ہم ہی طور سینا پر جلوہ گر ہوئے تھے!....."

جب رات زیادہ گئی۔ درویش اور نازنین حجروں کی طرف بڑھے تو میں اپنے رفیق کے ساتھ دن بھر کی پیاس سے قریب موت پیٹا سے نیچے اُتر رہا تھا۔

حکومت نے اب "غم دام" کی یہ مجلسیں موقوف کردی ہیں۔ استنبول کے عیاش، سابق خانقاہ نشین درویش، اُنکے غم میں مدتوں روئیں گے۔

موجودہ ترکی حکومت کی اصلاحات الحاد و بے دینی سے تعبیر کی جاتی ہیں کہ اُسنے اس طرح کے تمام "مذہبی" اور "مقدس" اعمال درسوم بند کردئے ہیں۔ لیکن کیا آپکے قارئین کرام میں سے کوئی بزرگ مجھے بتلائیں گے کہ اسلام کے نقطۂ خیال سے اس طرح کی رسوم کیا حکم رکھتی تھیں؟ اور ان کا استناد "الحاد" اور "بے دینی" ہے یا "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کا قیام ہے؟

امیر البحر بریسٹیل اور ترکی انقلاب

امیر البحر بریسٹیل، ٹرکی میں آمریکہ کے سیاسی نمائندے ہیں اس ہفتہ انھوں نے ترکی انقلاب کے متعلق اپنے خیالات یہاں کے اخبارات میں شایع کئے ہیں۔ اُنکے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"مشرق قریب میں میری زندگی کے یہ ۸ برس میری پوری پچھلی زندگی کے اہم ترین سال ہیں۔ میں نے اس مدت میں بے شمار عقلی و ذہنی فوائد حاصل کئے۔ میں نے ایک قوم کی موت اور اُس کی دوبارہ زندگی اپنی آنکھوں سے دیکھی!

"ٹرکی کا موجودہ انقلاب، درحقیقت تاریخ جدید کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ یہ انقلاب ایسا اچانک نہیں ہوگیا جیسا کہ بہت سے لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں۔ یہ سالہا سال سے اندر ہی اندر اپنی سنگین بچھا رہا تھا، یہاں تک کہ مناسب موقعہ پر نمایاں ہوگیا۔ بلاشبہ یہ انقلاب بہت جلد ہوگیا۔ لیکن اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ خوش قسمتی سے ٹرکی کو عین وقت پر ایسے اولوالعزم، مدبر، بہادر اور قابل رہنما مل گئے، جو بجا طور پر تاریخ کی عظیم ترین شخصیتوں کے ساتھ وزن کئے جاسکتے ہیں۔ ان ترکی رہنماؤں نے اپنی ان تھک کوششوں اور حیرت انگیز جوش سے ایک نہایت قلیل مدت کے اندر وہ نتائج حاصل کرلئے جنکے لئے قوموں کو صدیوں تک انتظار کرنا پڑتا ہے!

"کوئی شخص بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ ٹرکی کی آخری جنگ، وطنی حکومت کا قیام، پھر سابق حکومت کی برطرفی اور جمہوریت کی تاسیس، ایسے عظیم الشان واقعات ہیں جو ہمیشہ یادگار رہیں گے، اور اُنکے ساتھ غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور اُنکے رفقاء کے نام بھی ہمیشہ زندہ رہیں گے!

"۱۹۱۹ء میں جب میں یہاں پہونچا، تو قریب تھا، یہ ملک دنیا کے نقشے سے مٹ جائے۔ لیکن آج کیا حال ہے؟ آج ٹرکی صحیح معنوں میں خود مختار، طاقتور اور زندہ ملک ہے۔ ایک اندازا مستقبل اُس کے سامنے ہے۔ میں بغیر کسی جھجھک کے اعلان کرتا ہوں کہ جب کبھی مجھے ٹرکی کی جنگ آزادی کا خیال آتا ہے، میرا سر شریف اور بہادر قوم کی عظمت کے سامنے جھک جاتا ہے!

"تلوار کا جہاد ختم ہوچکا۔ اب تجارتی و اقتصادی جہاد شروع ہوا ہے۔ یہ جہاد پہلے جہاد سے بھی زیادہ سخت ہے اور عظیم قربانیاں طلب کرتا ہے۔ اس میدان میں بھی ترک پوری طرح ساعی ہیں لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اب تک اُنھیں نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ملک کی ناتجربہ کاری ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر کوششیں جاری رہیں تو ترک یہ میدان بھی سر کرلینگے۔ نئی ریلوں کا جاری ہونا، نئی بندرگاہوں کا کھلنا، نئی سڑکوں کی تعمیر، زراعت کی ترقی، تعلیم کا عموم، حفظان صحت کا اہتمام اور اقتصادی معاملات سے عام دلچسپی، یہ ساری باتیں ایک نہایت روشن مستقبل کی خبر دے رہی ہیں!

"عدل و انصاف اور امن و امان کا دَور دورہ اور ماہرین فن مالیات و اقتصادیات کی کثرت ہمیں بہت کچھ امیدیں دلا رہی ہے۔ پھر ٹرکی کا صلح جویانہ مسلک، اپنے پڑوسیوں سے دوستانہ تعلقات جنگی قوت کے عاجلانہ استعمال سے پرہیز، ایسی باتیں ہیں جو دنیا بھر میں ٹرکی کو معزز بنا رہی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ٹرکی، بدامنی اور فساد کے اس تنور (مشرق قریب) کی ہمیشہ یوں ہی نگرانی کرتا رہے گا اور اُسے کبھی پھٹنے نہیں دے گا۔"

"میں خیال کرتا ہوں کہ اب آمریکہ، ٹرکی کو پہلے سے زیادہ جاننے پہچاننے لگا ہے۔ اہل آمریکہ عملی لوگ ہیں، اور ہمیشہ صرف نتائج ہی پر نظر رکھتے ہیں۔ قدیم ٹرکی کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن اگر موجودہ حکومت نے موجودہ مساوات کو ہمیشہ کے لئے قائم کر دکھایا (جیسا کہ مجھے امید ہے کہ وہ کر دکھائیگی) تو کوئی وجہ نہیں کہ امریکہ میں بہت جلد عزت و عظمت حاصل نہ کرلے"

انگورہ۔ قیصریہ ریلوے

گزشتہ ہفتہ "انگورہ، قیصریہ" ریلوے ..... لائن کا افتتاح ہوگیا۔ یہ ریلوے مختلف حیثیتوں سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ جنگی نقطۂ نظر سے تو یہ ٹرکی کے لئے بمنزلۂ روح ہے۔ جنگ آزادی کے زمانے میں ترکوں نے یہ حقیقت معلوم کرلی تھی۔ دشمن انگورہ کے دروازوں پر کھڑا دستک دے رہا تھا اور ترکی نوجیں دُور دُراز علاقوں میں بکھری پڑی تھیں۔ کیونکہ اندرون ملک میں کافی ریلوے لائنیں نہ تھیں۔ پہلے انگورہ سے قیصریہ تک گھوڑوں اور گاڑیوں پر چھ اور نو دن لگتے تھے۔ فوجی نقل و حرکت کے لئے اس سے جنگی مدت صرف ہوتی تھی۔ اب ریل بجانے کے بعد یہ پوری مسافت صرف چند گھنٹے کی مسافت ہے!

تجارتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی یہ ریلوے بہت مفید ہوگی۔ اندرون ملک کی پیداوار بہ آسانی ہر جگہ منتقل کی جاسکے گی اور ضروری اشیاء بہ آسانی وہاں پہنچ جایا کرے گی۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس ریلوے نے ترکی عزم و اہلیت کا ناقابل رد ثبوت بہم پہونچا دیا ہے۔ یہ ریلوے صرف ترکی سرمایہ اور ترکی محنت سے طیار ہوئی ہے۔ باہر کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی گئی۔ جب ترکی پارلیمنٹ نے اس کی اسکیم منظور کی تھی تو یورپ کے سرمایہ دار ہنستے تھے۔ وہ کہتے تھے ترک یہ کام تن تنہا انجام نہیں دے سکیں گے۔ لیکن ترکوں نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ انجام دے دیا اور یورپ کی زبانیں حیرت سے بند ہوگئیں۔

یہی سبب ہے کہ اس کے افتتاح پر تمام ملک نے مسرت کا عام مظاہرہ کیا۔ افتتاحی جلسہ بھی بڑا شاندار تھا۔ اس جلسہ میں عصمت پاشا وزیر اعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"قیصریہ کے باشندے ۳۰ سال سے کوشاں تھے کہ کسی طرح اُنکے زرخیز علاقے میں ریل جاری ہوجائے۔ مگر پچھلی حکومتوں کو اس کی توفیق نہ ملی۔ موجودہ جمہوریت نے ملکی آزادی کی طرف سے اطمینان حاصل کرتے ہی سب سے پہلا کام اپنے سامنے یہی رکھا تھا جسکی تکمیل آج ہمارے سامنے ہے۔ جب ہم نے اپنے داخلی پروگرام پر عمل کرنا چاہا اور ریلوے لائنوں کی تعمیر کا ارادہ کیا، تو ہر طرف سے صدائیں اُٹھیں "یہ ناممکن ہے" ہم نے کہا "ناممکن کیسے ہے؟ ہر باشندے کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی خوشحالی کے لئے کوشاں ہو۔ فرض بھی کبھی ناممکن ہوا کرتا ہے؟" ہم اپنی قدرت و قابلیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر دوسرے حلقوں سے ہماری بے چارگی اور بے قدرتی کا اعلان کیا جاتا تھا لیکن آج کسی کو ہمیں ناقابل کہنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ یہ ریلوے درحقیقت ہماری ایک داخلی اور خارجی فتح ہے۔ لیکن جس طرح ہماری جنگی فتوحات نے ہمیں مغرور اور غافل نہیں کیا تھا، اسی طرح یہ فتح بھی ہماری ہمتوں کو اور آگے بڑھائے گی۔ یہ ریلوے محض ایک ابتدا ہے۔ کئی اور اہم لائنیں طیار ہو رہی ہیں بہت سی عنقریب شروع کی جانے والی ہیں۔ ہم جلد تمام ملک میں، ایک سرے سے دوسرے سرے تک آہنی خطوط کا جال بچھا دینگے"

روسی انگریزی جھگڑا اور ٹرکی

ادھر کئی مہینہ سے انگلستان اور روس کے تعلقات کی کشیدگی نے خطرناک صورت اختیار کرلی ہے۔ ابھی تک جنگ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن اگر جلد تصفیہ نہ ہوا تو مستقبل قریب میں جنگ یقینی ہے۔ اگر یہ جنگ ہوئی تو اُس میں ٹرکی کی کیا حیثیت ہوگی؟

یہ سوال ہے جو اسوقت انگلستان، روس، اور خود ٹرکی میں ہر جگہ پوچھا جا رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس جنگ میں ٹرکی کو اپنے جغرافی محل و اطراف کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگی۔ طرفین کوشاں ہیں کہ اُسے اپنے ساتھ ملالیں۔ مگر جہاں تک ترکی کی عام رائے کا تعلق ہے، روس کی طرف رجحان عام ہے ترکی اخبارات روس کی حمایت میں مضامین شایع کر رہے ہیں اور کہتے ہیں روس نے ٹرکی کی اسوقت مدد کی تھی، جب انگلستان نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ ملکر اُسے غیبت و نابود کر دینے کی

ٹھان لی تھی۔

اس سوال پر ترکی حکومت بھی سنجیدگی سے غور کر رہی ہو، کیونکہ جنگ کی صورت میں اُسے لامحالہ کسی ایک فریق کا ساتھ دینا پڑے گا۔

مکتوب عراق

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم بغداد کے قلم سے)
(عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا گیا)

تعلیم

مجھے اپنے اس پہلے مراسلہ میں عراق کی تعلیمی حالت پر کچھ نہ کچھ تبصرہ ضرور کرنا چاہیے۔ کیونکہ تعلیم کا معاملہ نہایت اہم ہو خصوصاً عراق جیسے ملک کے لئے جو خود مختاری کے لئے بیچین ہو مگر فقدان علم کی وجہ سے اپنی آرزو پوری نہیں کر سکتا۔

بدقسمتی سے عراق میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کوئی درس گاہ موجود نہیں ہو۔ یہی وجہ ہو کہ عراقیوں کو بیرونی دنیا پر بھروسہ کرنا پڑتا ہو۔ زیادہ تر طالب علم قسطنطنیہ اور بیروت جاتے ہیں۔ کچھ کلکتہ بھی بھیجے گئے ہیں۔ یورپ اور امریکہ جانے والوں کی تعداد ابھی بہت کم ہو۔

موجودہ حکومت نے یا تو اعلیٰ تعلیم کی طرف توجہ ہی نہیں کی یا کی مگر موانع حائل ہو گئے۔ بہرحال عراق میں اعلیٰ تعلیم بالکل مفقود ہو۔ البتہ حکومت ابتدائی تعلیم کی اشاعت میں زیادہ مستعدی کا اظہار کر رہی ہو۔ اسوقت ابتدائی مدارس میں طالب علموں کی تعداد ۲۳۸۰۰ ہو۔ مکاتب میں ۱۳۴۵۵ ہو۔ اور شیعہ مدرسوں میں ۲۰۷۸ ہو یعنی کل تعداد ۳۹۳۳۳ ہو۔ یہ تعداد اگر گذشتہ سالوں کے مقابلہ میں رکھی جائے، تو تقریباً ڈیوڑھی ہوگی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ثانوی (سکنڈری) تعلیم کا درجہ ہو اور اسی تناسب سے اُس کی ترقی بھی ہونا چاہیے۔ لیکن یہاں صورت حال اس سے بالکل مختلف ہو۔ حکومت نے بغداد، موصل، نجف، بصرہ، حلہ، عمارہ، کرک، سلیمانیہ میں ثانوی مدرسے قائم کئے ہیں مگر طالب علموں کی تعداد اب تک ۷۶۱ سے زیادہ نہیں ہو سکی!

ابتدائی اور ثانوی کے علاوہ دو مدرسے معلمین کی تعلیم کے لئے بھی ہیں۔ ایک مردوں کے لئے اور ایک عورتوں کے لئے۔ اول الذکر میں طالب علموں کی تعداد ۲۹۵ ہو اور ثانی الذکر میں ۸۸۔

تعلیم کی زبان عربی ہو اور درجہ تعلیم کچھ زیادہ پست نہیں ہو۔ البتہ مدرسۃ الحقوق (یعنی مدرسۂ قانون) اور مدرسۃ الہندسہ (یعنی انجنیری کے اسکول) میں تعلیم کا معیار نہایت ناقص ہو۔ اس لئے کہ یہاں بھی تعلیم عربی ہی میں ہوتی ہو۔ اور عربی زبان میں ان علوم پر کتابیں بہت کم ہیں۔ عراقی طالب علم چونکہ کوئی یورپین زبان جانتے نہیں، اس لئے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا ہو کہ صرف اُن یادداشتوں کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہو جو طلبا اساتذہ کی تقریروں سے طیار کر لیتے ہیں۔

البتہ ایک بات بہت امید افزا ہو اور وہ یہ ہو کہ اب حکومت نے اپنے خرچ سے طالب علموں کو یورپ اور امریکہ بھیجنا شروع کر دیا ہو۔ اسوقت ان طالب علموں کی تعداد چالیس تک پہنچی ہو لیکن اسی سال ۲۵ کا اور اضافہ بھی ہونے والا ہو۔ انکے علاوہ چند طالب علم وزارت جنگ نے انگلستان بھیجے ہیں اور محکمہ بحریہ نے چند لڑکوں کو کلکتہ کی درس گاہوں میں بھیجدیا ہو۔

امیر فیصل سے ملاقات

چند دن ہوئے امیر فیصل "شاہ عراق" نے ایک مصری اخبار نویس کو اپنی ملاقات کا موقعہ دیا۔ مقامی اخبارات نے ملاقات کی حسب ذیل تفصیل شایع کی ہو:

انگریزی عراقی معاہدہ کے متعلق امیر فیصل نے کہا "اس معاہدہ کی مدت ۱۹۲۸ء کے آغاز میں ختم ہو جائے گی۔ معاہدہ میں ایک دفعہ اس بارے میں موجود ہو کہ ہر چار سال بعد معاہدہ کی تجدید یا ترمیم ہوا کرے گی۔ عراق میں جوں جوں قابلیت پیدا ہوتی جائے گی برطانیہ اُسے زیادہ آزادی اور حقوق دیتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ ایک دن مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) کا ممبر ہو جائے گا، اور دُنیا کے دوسرے خود مختار ملکوں کی طرح ایک خود مختار ملک کی زندگی بسر کر سکے گا"

امیر فیصل نے کہا "مجھے یقین ہو عراق بہت جلد یہ درجہ حاصل کرے گا۔ بہت جلد سے میری مراد ایک دو سال ہو"

مجھے اُمید ہو آپکے قارئین کرام کا ذوق سیاسی اس سے مستغنی ہوگا کہ میں امیر کے بیان پر لئے زنی کروں۔

عراق کی حکومت کو اب تک بیرونی سلطنتوں نے تسلیم نہیں کیا ہو۔ اس کے متعلق امیر فیصل نے کہا:

"ہماری نظر میں اس مسئلہ کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں ہو۔ کیونکہ جن سلطنتوں کے فوائد عراق سے وابستہ ہیں، وہ ایک نہ ایک دن ہماری حکومت کے اعتراف پر ضرور مجبور ہو جائیں گی۔ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ہمارے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔ مستقبل قریب میں ہم ٹرکی سے سیاسی تعلقات قائم کر سکیں گے۔ حکومت ایران کے نمائندے نے اگرچہ مجلس اقوام میں عراقی حکومت کا وجود تسلیم کر لیا ہو مگر طہران کی مرکزی حکومت نے اب تک عملی اعتراف کا کوئی ثبوت نہیں دیا"

اب تک عراق کے قنصل دوسرے ملکوں میں موجود نہیں ہیں۔ بیرونی دنیا میں عراق کے معاملات کا ذمہ دار صرف برطانیہ ہو۔ اس صورت حال کی تاویل ہمارے "خود مختار بادشاہ" نے یہ کی:

عراق کو اس کی ذرا بھی فکر نہیں ہو۔ کیونکہ بجز ایران اور ٹرکی کے بیرونی دنیا میں ہمارے مصالح کہیں بھی نہیں ہیں۔ جب ان دونوں پڑوسیوں سے ہماری مفاہمت ہو جائے گی تو ہم سیاسی نمائندوں کا تبادلہ کریں گے۔ دوسرے ملکوں سے اس طرح کے علائق پیدا کرنے کا ہمیں کوئی خیال نہیں ہو!"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ عراق کی "دو سال کے اندر" ملجانیوالی "خود مختاری" کے ساتھ یہ توجیہ کہاں تک جمع ہو سکتی ہو؟ تصر کے موجودہ ذہنی انقلاب کے متعلق امیر نے یوں اظہار خیال کیا:

"میں نے اس ذہنی انقلاب کی پوری تحقیق نہیں کی ہو۔ اس لئے میری رائے چنداں اہمیت نہیں رکھتی۔ تاہم اپنی محدود واقفیت کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر مصر برابر اسی طرح ذہنی ترقی کرتا گیا تو بہت جلد مغربی قوموں کے برابر ہو جائے گا۔ البتہ یہ بھی ضروری ہو کہ ذہنی انقلابوں کی بنیادیں ہمیشہ قومی روایات پر قائم ہونا چاہئیں۔ اسوقت مصر، تمام عربی ممالک کے لئے شمع ہدایت بنا ہوا ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسکی ذہنی ترقی صالح روایات پر مبنی ہو، تاکہ دوسری عربی قومیں بھی اپنی عربیت و قومیت قائم رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دے سکیں۔ پھر یہ بھی ضروری ہو کہ قومی بیداری صرف عقل و ذہن ہی تک محدود نہیں رہنا چاہئے۔ عملی بیداری بھی ہونی چاہیے۔ مجھے افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہو کہ مشرق کی موجودہ بیداری محض ذہنی و نظری ہو۔ حالانکہ قومیں عملی بیداری ہی سے کامل قومی ترقی حاصل کر سکتی ہیں"

عراقی فوج اور برطانیہ

انگریزی عراقی معاہدہ کی ایک دفعہ یہ ہو کہ ۱۹۲۳ء میں معاہدہ پر نظر ثانی کی جائے گی، اور برطانیہ اپنی تمام فوجی قوت ملک سے ہٹالے گا۔

اب جبکہ یہ مدت ختم ہو رہی ہو تو قدرتی طور پر عراقی حکومت کو خیال ہوا کہ اپنی قومی فوج میں اضافہ کرے۔ چنانچہ اُسنے جبری بھرتی کی تجویز منظور کر لی۔ برطانی ہائی کمشنر پہلے تو برابر خاموش رہا، لیکن جب حکومت نے عملاً کارروائی شروع کر دینی چاہی تو اُسنے اعتراض کیا اور اس تجویز سے حکومت کی مخالفت ظاہر کی۔

اُسنے اپنے نوٹ میں لکھا ہو

"عراق کی مدافعت صرف عراقی فوج نہیں کر سکتی۔ اُسے برابر انگریزی قوت کی ضرورت ہو۔ عراق کے پاس ہوائی بیڑہ موجود نہیں ہو۔ اس بیڑے اور فوج کی تنظیم کے لئے کافی روپیہ بھی نہیں ہو۔ لہذا جبری بھرتی کی تجویز ناقابل عمل ہو۔ علاوہ بریں یہ غیر ضروری بھی ہو۔ کیونکہ برطانیہ اپنی "دوستی" میں برابر "وفادار" ہو اور عراق کی مدافعت کی ذمہ داری قبول کر چکا ہو"!

یہ ہو ہمارے ہمدرد کی وہ موعودہ خود مختاری جس کا دو تین سال کے اندر انہیں انتظار ہو!

برطانی ہائی کمشنر کے اس اعتراض پر عراقی وزارت نے اپنا استعفا پیش کر دیا۔ مگر امیر نے منظور نہیں کیا اور اسپر زور دیا کہ حکومت برطانیہ سے مزید گفت و شنید جاری کی جائے۔

اسوقت صرف یہ فوج ہی کی مشکل درپیش نہیں ہو بلکہ ایک دوسرا معاملہ بھی درپیش ہو۔ عراقی حکومت نے برطانیہ سے مطالبہ کیا ہو کہ وہ ریلوے اور بندرگاہ سے دست بردار ہو جائے جیسا کہ اُسنے وعدہ کیا تھا مگر برطانیہ اسپر آمادہ نہیں ہو، اور ظاہر ہو کہ کیوں آمادہ ہو؟

کویت کی پنچایت

نجد و عراق میں کئی سال ہوئے ایک معاہدہ ہوا تھا اور فریقین نے اتفاق کیا تھا کہ وقتاً فوقتاً عراقی اور نجدی نمائندوں کی پنچایت منعقد ہوا کرے اور قبائل کے تمام باہمی معاملات کا فیصلہ اُسی کے ہاتھ میں ہو۔ چنانچہ اس قسم کی ایک پنچایت اسی ماہ کویت میں منعقد ہونے والی ہو۔ کیونکہ ادھر عراقی نجدی قبائل میں کئی لڑائیاں اور غارت گریاں ہو چکی ہیں۔

کُردستان

سلیمانیہ کی کمشنری میں کُردوں کے دو علاقے "شاہ بازار" اور "بخوین" اب تک حکومت عراق کے مطیع نہیں ہوئے تھے اتنا ہی نہیں بلکہ ان علاقوں کے باشندے قرب و جوار کے علاقوں پر حملے بھی کرتے رہتے تھے۔ اس ہفتہ حکومت نے "بخوین" کے شہر پر فوجی قبضہ کر لیا ہو اور مشہور کردی زعیم شیخ محمود سے لڑائی ہو رہی ہو

فلسطین

قومیں مر کر پھر کس طرح جی اٹھتی ہیں؟

اسرائیل کے منتشر گھرانے کا اجتماع!

صیہونی تحریک

اس ہفتہ کی ڈاک میں ہمارے مقالہ نگار فلسطین کی کوئی تحریر نہیں آئی ہے۔ ممکن ہو کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی ہو۔ لیکن مصری معاصر "السیاسۃ" میں اُس کے نامہ نگار کی ایک نہایت دلچسپ تحریر شائع ہوئی ہے۔ چونکہ اس کا موضوع اہم اور ضروری ہے اس لئے ہم بریدِ شرق کے سلسلہ میں اس کا ترجمہ یہاں درج کر دیتے ہیں۔

یہودیوں کی پراگندگی

پہلی صدی مسیحی میں رومن بیڑے نے اسرائیل کی بھیڑوں کا سراغ لگالیا، اور پھر اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس گھرانے کا پورا گلہ یا تو ہلاک ہوگیا، یا منتشر ہوگیا۔ اپنے وطن سے بھاگ کر یہودی دنیا بھر میں بکھر گئے۔ لیکن جہاں بھی پناہ لی، ہائے، ستائے، اور ذلیل کئے گئے۔ لیکن یہ قوم ایسی سخت جان تھی کہ ہر قسم کی بربادیوں اور قتلِ عام پر بھی زندہ رہی۔ صرف زندہ ہی نہیں رہی بلکہ اپنا اجتماعی شیرازہ بھی دست بُرد زمانہ سے محفوظ رکھا۔

عربوں یا مسلمانوں کا عہد، یہودیوں کے لئے سب سے زیادہ مبارک ثابت ہوا۔ اسلامی ملکوں میں وہ ظلم و ستم سے محفوظ ہوگئے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھیں پوری شہری اور مدنی آزادی حاصل ہوگئی۔ وہ اپنے تمام مذہبی شعائر قائم رکھ سکتے تھے اور اپنے تمام اجتماعی و معاشی اعمال میں خود مختار تھے۔ متعدد یہودی مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ اگر اسلام کی سیاسی قوت قائم نہ ہوجاتی، تو یہودی قوم قطعاً برباد ہوجاتی!

اپنی آخری بدنصیبی کے ابتدائی دَور کے بعد اس قوم کے لئے سب سے زیادہ سخت زمانہ وہ تھا، جب اسلامی سلطنتیں تہ و بالا ہونے لگیں اور مسیحیت نے از سرِ نو سنبھالا لیا۔ اس منحوس عہد میں یہودیوں کی پراگندگی آخری حد تک پہنچ گئی۔ تاریک قرونِ وسطیٰ (مڈل ایجز) کے مسیحی تعصب نے انھیں بُری طرح برباد کیا۔ کوئی مسیحی ملک تھا جہاں یہودیوں پر عام جہاد کا اعلان نہ کر دیا گیا ہو۔ اُن کے مدرسے بند کر دئے گئے۔ اُن کی انجمنیں توڑ دی گئیں۔ اُن کی کتابیں جلا ڈالی گئیں۔ اُنکے علماء پھانسی پر لٹکائے گئے۔ اُنھیں مجبور کیا گیا کہ اپنا دین چھوڑیں یا قتل اور آگ میں جلنا منظور کریں!

بالآخر یہ تاریک دن بھی نکل گئے۔ نئی تہذیب کا سورج ظلمت کدۂ مغرب میں طلوع ہوا اور "اسرائیل" کی مُردہ لاش نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کیا۔ دنیا سمجھتی تھی یہ قوم فنا ہوگئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتی ہے کہ اُس میں زندگی کے آثار پوری طرح موجود ہیں۔ اب یورپین ملکوں میں یہودیوں کو دینی و اجتماعی آزادی مل گئی اور وہ امن سے زندگی بسر کرنے لگے۔

مگر یہ دن زیادہ دراز نہیں نکلے۔ مسیحی یورپ نے یہودیوں سے سیاسی خطرہ محسوس کیا اور از سرِ نو ظلم شروع کر دیا۔ اس مرتبہ دینی تعصب کی جگہ سیاسی تعصب کارفرما تھا۔ انیسویں صدی کے آخر تک تقریباً یہی حالت رہی۔ یہودیوں کی مخالف تحریک کو فرانسیسی کی بول چال میں "L' ANTI-SEMETIONE" یعنی مخالف سامی تحریک کہتے تھے۔ حالانکہ یہودیوں کو غیر سامی قرار دینا خود ایک سخت ظلم تھا۔ یہودی ہی دنیا میں خالص ترین سامی ہیں۔

یہودی مفکرین نے نہایت دانشمندی سے اب یہ طے کیا کہ اس ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ اپنی ظاہری قومی خصوصیات، مثلاً زبان، لباس، طرزِ بود و باش سے دست بردار ہوجائیں، اور جس ملک میں رہیں، اسی کی وضع و قطع اختیار کرلیں تاکہ مخالفین کا تعصب اور ظلم کم ہوجائے۔ لیکن یہ تجویز بھی کچھ زیادہ سود مند ثابت نہ ہوئی خصوصاً روس میں جہاں یہودیوں کا قتلِ عام جاری تھا۔

وطنی مرکز کی طرف عود

اب یہودیوں میں اچانک ایک نیا خیال پیدا ہوا۔ فلسطین کی یاد ہر زمانہ میں انھیں بیچین رکھتی تھی۔ لیکن یہ یاد محض روحانی تھی اب جو خیال پیدا ہوا اُسنے فلسطین کو ایک نئے روپ میں دکھایا۔ اُنھیں نظر آیا کہ یہ مقدس وطن جس سے نکلے ہوئے دو ہزار برس ہو چکے ہیں، از سرِ نو اُن کا وطن بن سکتا ہے۔

اس دعوت کا مبشر ایک روشن خیال، متدین، آسٹریا کا یہودی اخبار نویس تھا۔ اس کا نام ڈاکٹر تھیوڈر ہرٹسل تھا۔ اپنے اپنی دعوت اُسوقت شروع کی جبکہ روس اور فرانس میں یہودیوں کے حقوق تلف ہو رہے تھے۔ اسنے ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب "یہودی سلطنت" کے نام سے شایع کی اور قوی دلائل سے ثابت کیا کہ "یہودی مسئلہ کا تنہا حل یہی ممکن ہے کہ تمام یہودی ایک ملک میں جمع ہوجائیں، اور تمام سلطنتیں اُنکے ملک کی خود مختاری تسلیم کرلیں"

یہ دعوت دنیا بھر کے یہودیوں نے پسند کی اور ۱۸۹۷ء میں اپنی پہلی کانفرنس شہر "بال" میں منعقد کی۔ اسمیں مختلف ملکوں سے دو سو یہودی نمائندے شریک ہوئے تھے۔

اب سے تیس برس پہلے روس کے یہودیوں میں فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کی تحریک موجود تھی۔ کئی سو یہودی ہجرت کر بھی چکے تھے اور بیت المقدس میں ایک انجمن "محبینِ صیہون" کے نام سے قائم بھی ہوگئی تھی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ دنیا بھر کے یہود کو سرزمین مقدس کی طرف ہجرت کی دعوت دی جائے۔ مگر یہ انجمن کامیاب نہیں ہوئی۔ صرف چند زراعتی نوآبادیاں فلسطین میں قائم ہوسکیں۔

لیکن "بال کانفرنس" نے قومی وطن کی تحریک منظور کرلی اور اسے یہودیوں کی قومی تحریک بنا دیا۔ اس تحریک کا نام "صیہونی تحریک" قرار پایا (صیہون، ایک پہاڑ کا نام ہے جس کی بابت توراۃ میں لکھا ہے کہ بیت المقدس اسی پر تعمیر ہوا تھا) اور اُس کے لئے ایک قابلِ عمل پروگرام طیار کیا گیا۔ پروگرام حسبِ ذیل تھا:

"صیہونی تحریک کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لئے ایک ایسا قومی وطن پیدا کیا جائے جس کی حمایت بین الاقوامی قانون کے ذمہ ہو۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے مندرجۂ ذیل وسائل اختیار کئے جائیں:

(۱) یہودی کاشتکاروں اور دستکاروں کو فلسطین کی طرف ہجرت پر آمادہ کیا جائے۔

(۲) مقامی اور بین الاقوامی انجمنوں کے ذریعہ یہودیوں کی شیرازہ بندی کی جائے۔

(۳) یہودی قومیت کا جذبہ تمام قوم میں جگایا جائے۔

(۴) عثمانی حکومت کو یہودی وطن کی تجویز قبول کرلینے پر آمادہ کیا جائے۔

عملی جدوجہد کا آغاز

اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے وائنا میں مرکزی انجمن قائم کی گئی اور ڈاکٹر ہرٹسل نے جدوجہد شروع کردی۔ اسنے ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۲ء تک کئی مرتبہ سلطان عبدالحمید سے ملاقاتیں کیں اور انھیں یہ تجویز قبول کرلینے پر بہت بہت راغب کیا، مگر وہ برابر انکار ہی کرتے رہے۔ جب اُدھر سے بالکل ناامیدی ہوگئی تو ڈاکٹر نے برطانیہ سے گفت و شنید شروع کی اور جزیرہ نمائے سینا میں یہودی نوآبادی قائم کرنے کی اجازت چاہی برطانیہ نے اسے منظور کرلیا، اور مصری حکومت بھی آمادہ ہوگئی کہ یہ علاقہ یہودیوں کے حوالہ کردے۔ مگر بعد میں اس تجویز پر عمل نہیں کیا جاسکا، کیونکہ تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ صحرا آبادی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر ہرٹسل نے پھر انگریزی حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اُسنے یہودیوں کو جنوب افریقہ میں ایک وسیع علاقہ پیش کردیا۔ لیکن چھٹی یہودی کانفرنس نے اسے بھی نامنظور کردیا کیونکہ زمین کے ماہروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا "یہ نیم من بھی آبادی کے لئے موزوں نہیں ہے"

ڈاکٹر ہرٹسل کا ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوگیا۔ لیکن مرنے سے پہلے دو کام ایسے کرگیا جو یہودی قومیت کے لئے عملی بنیاد بن گئے۔ ایک "یہودی نوآبادی بینک" اور دوسرا "یہودی ہفت روزہ"

اس کے بعد بھی صیہونی کانفرنسیں برابر منعقد ہوتی رہیں اور یہودیوں میں قومی روح پھونکتی رہیں۔ اُن کی نظر فلسطین پر لگی ہوئی تھی، مگر مشکل یہ تھی کہ ترکی حکومت اس کے بارے میں ایک لفظ بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔ خود فلسطین کے مسلمان اور عیسائی باشندے بھی اسے گوارا کرنے کے لئے طیار نہ تھے۔

عالمگیر جنگِ عالم

۱۹۱۴ء میں جنگِ عمومی کی پہلی توپ چلی، اور اُس کے ساتھ ساتھ یہودیوں میں بھی نئی حرکت پیدا ہوگئی۔ اُنکے مدبروں نے فیصلہ کیا کہ جرمنی، ٹرکی، اور اس کے اتحادیوں کی فتح سے اُن کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا بلکہ اُلٹا نقصان ہوگا۔ لہذا اُنھوں نے برطانیہ کا ساتھ دیا اور جنگ میں اپنی دولت و اثر سے اُس کی بہت بڑی مدد کی۔

اس تمام جدوجہد کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ یہودیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوگئی۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کا دن ان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ یہی وہ دن ہے جس برطانیہ نے یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی تجویز منظور کی۔ یہ یادگار دستاویز "تصریح بالغور" کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ اُسوقت لارڈ بالفور برطانیہ کے وزیر خارجہ تھے۔ انھی نے انگلستان کے مشہور یہودی ساہوکار لارڈ راتھچیلڈ کے نام سرکاری مراسلہ بھیجا تھا۔ اس اسلہ کا لفظی ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

تصریح بالغور

"میں انتہائی مسرت سے حکومت برطانیہ کی جانب سے آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ ہز مجسٹی کی حکومت فلسطین میں یہودی قومی وطن کا قیام پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرے گی۔ البتہ یہ ظاہر ہے کہ برطانیہ کوئی ایسی بات نہیں کرسکتی جو فلسطین کے غیر یہودی باشندوں کے

دینی یا شہری حقوق کے منافی ہو۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ یہ تصریح صیہونی انجمن تک پہونچا دیں"

یہ تصریح در اصل ڈاکٹر حایم ویزمان کی کوششوں سے حاصل ہوئی تھی۔ یہ اُسوقت صیہونی انجمن کی انتظامی مجلس کے ممبر تھے اور اب اُس کے صدر ہیں۔ اس تصریح کے صادر ہوتے ہی فرانس، اٹلی، جاپان، اور امریکہ نے اسے تسلیم کر لیا۔ یہودیوں نے ایک لمحہ ضایع کئے بغیر عملی کارروائیاں شروع کر دیں۔ ڈاکٹر ویزمان کی صدارت میں ایک نمائندہ وفد فلسطین بھیجا گیا تاکہ برطانوی حکام کی تائید سے یہودیوں کی مہاجرت اور آبادی کا سامان مہیا کرے۔

یہودیوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ مجلس اقوام سے بھی اس کی تصدیق چاہی۔ چنانچہ فلسطین کی برطانی دصایۃ (مینڈیٹ) کی دستاویز کے دیباچہ میں تحریر ہے "تمام دول اتحاد اس بات پر متفق ہیں کہ برطانی سلطنت اُس تصریح کو عملاً کارگر بنانے کے لئے ذمہ دار ہے جو ۲ نومبر کو اُس کی جانب سے ظاہر کی گئی ہے"

اس دستاویز کی دفعہ ۲ میں ہے:

"حکمدار حکومت اس امر کی ذمہ دار ہے کہ ملک (فلسطین) میں ایک ایسی سیاسی، انتظامی، اقتصادی صورت حال پیدا کرے جو یہودی وطن کے قیام کے لئے ضروری ہے"

چوتھی دفعہ میں ہے:

"یہ طے پا گیا کہ یہودیوں کی نمائندہ مجلس فلسطین میں ایک ذمہ دار مجلس تسلیم کی جائے گی، اور اُن تمام اقتصادی و اجتماعی معاملات میں اُس سے مشورہ لیا جائے گا جن کا تعلق "یہودی وطن" سے ہے۔ یہ بھی طے پا گیا کہ صیہونی انجمن ہی ایک ایسی مجلس ہے جو یہودیوں کی قائم مقام اور ذمہ دار ہے۔ لہذا وہ اُسوقت تک یہودیوں کی نمائندہ تسلیم کیجائے گی جب تک اپنی یہ حیثیت برقرار رکھے گی۔ لہذا صیہونی انجمن کو اختیار دیا جاتا ہے کہ برطانیہ کے مشورہ سے وہ تمام تدابیر اختیار کرے جن سے "قومی وطن" کے لئے دُنیا بھر کے یہودیوں سے امداد و اعانت حاصل کی جا سکتی ہے"

غرضکہ اس دستاویز میں اسی طرح کی اور بھی کئی تصریحیں موجود ہیں۔

اجراء، عمل، اور ترقی!

جس دن سے بالفور کی تصریح جاری ہوئی ہے، یہودی اپنی تجویز کو حیرت انگیز سرگرمی اور جوش سے عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اُنھوں نے کئی مجلسیں بنا رکھی ہیں:

(۱) عام صیہونی انجمن۔ اس کی ۷۶ شاخیں ہیں اور دُنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس انجمن میں ہر یہودی مقررہ فیس ادا کر کے داخل ہو سکتا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں اس کے ممبروں کی تعداد ۶ لاکھ تیس ہزار تھی۔ اس انجمن کی سالانہ کانفرنس درحقیقت صیہونی تحریک میں سب سے زیادہ با اختیار مجلس ہوتی ہے۔ یہی پروگرام بناتی، عزل و نصب کرتی، میزانیہ منظور کرتی اور نئے سال کے لئے مختلف مجلسیں منتخب کرتی ہے۔

ان کمیٹیوں میں سب سے زیادہ اہم اُس کی جمعیتہ عاملہ اور مرکزی جمعیتہ ہے۔ جمعیتہ عاملہ میں دس ممبر ہوتے ہیں۔ ۵ ہمیشہ لندن میں رہتے ہیں اور ۵ بیت المقدس میں۔ ان کا کام اُن تمام قضایا سیاسی مسائل کا حل کرنا ہے جن کا تعلق فلسطین کے یہودیوں سے ہے۔

(۲) مالی مجالس۔ ان سے مقصد یہودی وطن کی مالی ضروریات کا پورا کرنا ہے۔ یہ مجالس در اصل تین بینک ہیں:

(۱) یہودی نوآبادی بینک۔ اس کا دفتر لندن میں ہے اور راس المال تیس لاکھ پونڈ ہے۔

(۲) فلسطینی انگریزی انجمن۔ اس کا راس المال بھی ۳۰ لاکھ پونڈ ہے

(۳) یہودی بیت المال۔ اس کا دفتر بھی لندن میں ہے اور سرمایہ ۲۲ لاکھ پونڈ ہے۔

یعنی یہودیوں کی قومی تحریک کے پاس اسوقت ۸۲ لاکھ پونڈ ۱۲ کروڑ روپیہ موجود ہے۔

یہ ہے وہ عملی قوت جس سے قومیں مرکز زندہ ہوتی ہیں! یہ وہ قوم تھی جس کا حوادث عالم خاتمہ کر چکے تھے جس کی پیشانی پر ذلت و مسکنت کی مُہر لگ چکی تھی۔ جو دنیا کے ہر گوشہ میں مظلوم، بے بس، اور تباہ حال تھی۔ جس کی کُل تعداد چند ملین نفوس سے زیادہ نہیں۔ بایں ہمہ جب اُسنے زندہ ہونے اور زندہ رہنے کا فیصلہ کر لیا تو دُنیا کی کوئی رکاوٹ بھی اس کی راہ نہ روک سکی۔ حتیٰ کہ بڑی بڑی طاقتور حکومتوں کو بھی راستہ خالی کر دینا پڑا!

لیکن اُس کے مقابلہ میں ہمارا کیا حال ہے؟ اُن مشرقی اقوام کا کیا حال ہے جو صدیوں سے حکمرانی کرتی آئی ہیں۔ جو اب بھی حکومت کی عزت سے محروم نہیں، جنھیں حکومت کے تخت سے اُترے ابھی پُوری ایک صدی بھی نہیں گزری ہے۔ جن کی تعداد کروڑوں نفوس سے متجاوز ہے۔ اور جو اپنی قومی کامرانیوں اور فتحمندیوں کی ایک مسلسل اور قریبی تاریخ رکھتی ہیں؟

جواب کی ضرورت نہیں، لیکن یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا جب غفلت دُور ہوگی اور دانش رفتہ واپس آجائے گی؟ ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وہو شہید!

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

شام کا مستقبل

شام کے فرانسیسی ہائی کمشنر ایم ہنری پوانکو، مدت سے پیرس میں مقیم ہیں۔ ملک میں عام طور پر خیال کیا جا رہا ہے کہ ان کی غیر حاضری محض اسوجہ سے ہے کہ نئی اصلاحات کے اجراء کے لئے وہ مرکزی حکومت سے مشورے کر رہے ہیں۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا اُن کی اس پُراسرار غیر حاضری کی اصلی وجہ کیا ہے؟ لیکن اس کی وجہ سے ملک میں عام بےچینی پھیلی ہوئی ہے ایک گروہ اس صورت کو نیک شگون سمجھتا ہے اور بڑے بڑے ہوائی قلعے بنا رہا ہے۔ دوسرا گروہ اسے شگون بد سمجھتا ہے اور نا اُمیدی کا اظہار کر رہا ہے۔ شاید ہائی کمشنر کے روپوش کر دینے میں حکومت کی بھی یہی مصلحت تھی کہ ملک کے جذبات میں اختلاف حال پیدا ہو اچھا اور متحدہ مطالبے کی قوت کمزور پڑ جائے۔ اگر یہی مصلحت تھی تو اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک حد تک کامیاب ہوئی ہے!

آئندہ شام کا نظام حکومت کیا ہوگا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب اسوقت کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ خود فرانس بھی نہیں دے سکتا۔ شام کے بارے میں فرانس کی پالیسی ابتک نہایت مضطرب رہی ہے۔ کبھی وہ چاہتا ہے اس ملک کو الجزائر کی طرح اپنا ایک محکوم نوآباد علاقہ بنا لے۔ کبھی سوچتا ہے ٹیونس کی سی برائے نام ریاست قائم کر دے۔ کبھی امیر عبدالقادر الجزائری مرحوم کی اولاد کی طرف میلان ظاہر کرتا ہے۔ کبھی شام کے تخت کے لئے سلطان عبدالحمید کے کسی لڑکے کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ کبھی شریف حسین سابق شاہ حجاز کے بیٹوں پر اُس کی نظر پڑتی ہے۔ غرضکہ اُس کا مسلک ابتک استوار نہیں ہوا ہے۔

شام کی موجودہ مشکلات درحقیقت اسی سیاسی اضطراب کا نتیجہ ہیں۔ جب تک فرانس اپنی روش مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں کرے گا، اُسوقت تک یہ مشکلات دُور نہیں ہوں گی۔

ایک نیا نظریہ

آجکل دمشق میں مغرب اقصیٰ کے ایک وزیر سید قدور بن غبریط گئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی آمد کی غرض یہ بتائی ہے کہ پیرس کی مسجد کے لئے چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہاں کی عام رائے اسے تسلیم نہیں کرتی۔ لوگ کہتے ہیں یہ کام اتنا اہم نہ تھا کہ اس کے لئے ایک وزیر اپنے فرائض وزارت چھوڑ کر اتنا طویل سفر اختیار کرتا۔ پھر اگر یہ کام اتنا ہی اہم تھا تو بھی شام میں چندہ کی تحریک کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ملک اندرونی شورشوں سے برباد ہو رہا ہے۔ چندے کے لئے سب سے مناسب مقام، مصر اور ہندوستان تھے۔ (ہم اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ "سب سے مناسب مقام" اب اگر صرف مصر ہی کو سمجھا جائے تو ہندوستان کو کوئی شکایت نہ ہوگی! - الہلال)

پھر آخر سید قدور بن غبریط کیوں آئے ہیں؟ اس کا جواب وہی دیا جا رہا ہے جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، یعنی فرانس کی سیاسی حکمت عملی کا اضطراب۔ خیال کیا جاتا ہے اب فرانس، شام کو مراکش کے ماتحت کر دینا چاہتا ہے۔ اس کی صورت یہ تجویز ہوئی ہے کہ "سلطان" مراکش کے بھائی یا لڑکے کو شام کا "بادشاہ" بنا دیا جائے گا۔ اور حکومت کی باگیں مراکش کے فرانسیسی حکام کے ہاتھوں میں ہیں گی!

اگر یہ افواہ صحیح ہو تو بدنصیب شام کی طرح فرانس کے تدبر پر بھی ماتم کرنا چاہئے۔ شام، مراکش سے کہیں زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ملک ہے۔ بھلا شامی یہ تجویز ایک لمحہ کے لئے بھی قبول کر سکتے ہیں کہ مراکش کے ماتحت ہو جائیں؟ جب سے یہ افواہ مشہور ہوئی ہے ہر طرف عام ناراضی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ شام کے باشندے بڑے مہمان نواز ہیں، مگر اس افواہ نے اُنھیں سید قدور سے سخت متنفر کر دیا ہے۔ چند دن کی بات ہے کہ دمشق کی بلدیہ (میونسپلٹی) کے رئیس نے مراکشی مہمان کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا اور معززین شہر کو خطوط کے ذریعہ دعوتیں بھیجی تھیں۔ مگر چونکہ اُسوقت تک یہ افواہ پھیل چکی تھی، اس لئے چھ سات آدمیوں سے زیادہ دعوت میں مجمع نہ ہو سکا اور اس مہمان "عزیز" نے معلوم کر لیا کہ شام اب اُنھیں اُنکے مقصد سفر سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتا!

جہاد آزادی

"دروز" ابتک جہاد آزادی سے تھکے نہیں ہیں۔ بلاشبہ اُنھیں سخت نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ مٹھی بھر قوم اور فرانس جیسی سلطنت سے جنگ! تاریخ کی بڑی سے بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ مگر یہ بہادر قوم کسی طرح بھی ہتیار رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی!

دروزیوں کی موجودہ قوت کیا ہے؟ اُن کا پروگرام کیا ہے یہ بات بھی ویسی ہی مبہم ہے جیسی خود فرانس کی حکمت عملی ہے۔ ہائی کمشنر نے پیرس میں تقریر کرتے ہوئے شام کی حالت یہ بتائی

ہے کہ "ملک میں ہم نے پوری طرح امن امان قائم کر دیا ہو اگرچہ کبھی کبھی ہتیار بند ٹولیاں غارت گری کر جاتی ہیں" ایک اعتبار سے یہ بیان صحیح ہو۔ بلاشبہ اسوقت دروز کوئی قابل ذکر جنگی کاروائی نہیں کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں ہر شخص جانتا ہو اور خود حکومت فرانس بھی جانتی ہو کہ یہ سکون، ایک آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہو۔

شام کی قومی تحریک

اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد قدرتی طور پر سوال ہوتا ہو کہ آخر شام کی قومی تحریک کیا ہو؟ اُس کے مقاصد کیا ہیں؟ اُس کی تاریخ کیا ہو؟ جواب کے لئے بڑی تفصیل کی ضرورت ہو اور وہ اس مراسلہ میں ممکن نہیں۔ تاہم ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہو تاکہ آپکے قارئین حقیقت حال سے بے خبر نہ رہیں۔

شام کی قومی تحریک کے متعلق یہ سمجھنا سخت غلطی ہو کہ وہ فرانس کی خصومت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو۔ یہ تحریک جنگ عمومی سے پہلے بھی موجود تھی اور خود عثمانی حکومت کے مقابلہ میں شروع ہوئی تھی۔

جنگ عام میں شام کا رجحان دول اتحاد کی طرف تھا اور اسی رجحان کی وجہ سے شام کو مرحوم جمال پاشا کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلنی پڑیں۔ اتحادیوں کی طرف یہ رجحان محض اس لئے تھا کہ شام امید کرتا تھا وہ اتحادیوں کے ذریعہ اپنی وطنی آزادی حاصل کر سکے گا۔ اتحادیوں میں فرانس سے اُسے بڑی عقیدت تھی۔ کیونکہ فرانس ۵۰ برس سے یہاں اپنا اثر پھیلا رہا تھا، اور شامی تحریک کی علانیہ پیٹھ ٹھونکتا تھا۔ یہی وجہ ہو کہ جب جنگ کے خاتمہ پر فرانس کو شام کی وصایۃ (مینڈیٹ) ملی تو ملک میں مسرت کے نعرے بلند ہوگئے اور سادہ لوح باشندوں نے یقین کیا کہ اب فرانس کے ہاتھوں آزادی کی دولت ضرور ملجائے گی۔ مگر انھیں جلد ہی اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ انھوں نے دیکھ لیا کہ فرانس ترکوں سے بھی زیادہ مستبد اور سخت گیر ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ آزادی دینی نہیں چاہتا، بلکہ اُن کی قومیت بھی برباد کر ڈالنا چاہتا ہو۔

فرانس نے قبضہ حاصل کرتے ہی یہ کیا کہ ملک کے چار ٹکڑے کر ڈالے، اور چاروں کو ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظام اور دستور کے ماتحت رکھا۔ چنانچہ لبنان ایک علیحدہ "جمہوریت" بنا دی گئی۔ دمشق کی حکومت الگ کر دی۔ جبل حوران کو بھی ایک علیحدہ قطعہ بنا دیا۔ اور اسی طرح بلاد علویین کو بھی ایک مستقل ملک قرار دے دیا۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے ان چاروں حصوں میں کسی قسم کا سیاسی، اجتماعی، اور انتظامی رشتہ و ارتباط باقی نہ رہے، بلکہ الگ الگ ہو کر ایک دوسرے کی مخالفت شروع کر دیں۔

یہی نہیں بلکہ ہر حصۂ ملک میں فرقہ وارکشمکش بھی پیدا کر دی جو شرق میں مغربی حکومتوں کا سب سے بڑا آلۂ کار ہو۔ پہلے مسلمانوں عیسائیوں، یہودیوں میں پھوٹ ڈال دی۔ پھر ان میں سے ہر فرقہ کی مختلف شاخوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کر دیا۔ عرب اور غیر عرب کا جھگڑا، شیعہ اور سنی کا جھگڑا، ترکوں اور چرکسیوں کا جھگڑا، آرمنی اور یہودیوں کا جھگڑا، غرضکہ بے شمار فتنے پیدا کر دئے۔

لیکن باوجود ان تمام ریشہ دوانیوں کے مجموعی طور پر شام کے وطن پرست اب تک اپنی اصلی تحریک بچائے ہوئے ہیں۔ اُن کا مطالبہ صرف ایک ہو، اور وہ یہ ہو کہ فرانس شام کو خالی کر دے۔ وطنی جماعت سے اتر کر معتدل پارٹی ہو، اور اسکا مطالبہ یہ ہو کہ شام کی موجودہ تقسیم منسوخ کر دی جائے، اور ملک کو اندرونی خود مختاری دیدی جائے۔ تیسرا گروہ ابن الوقت لوگوں کا ہو۔ وہ فرانس کے بھی حامی ہیں اور گاہ گاہ ملک کے بھی حمایتی ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگوں کا خیال ہو کہ جس طرح برطانیہ نے عراق اور شرق اردن میں دو بریلے نام پادشاہ بٹھا دئے ہیں، اسی طرح فرانس کو بھی شام میں ایک "پادشاہ" کا پتلہ بٹھا دینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں متعدد شاہزادوں اور امیروں کا نام لیا جاتا ہو جن کا ذکر اوپر آچکا ہو۔ لیکن زیادہ میلان عباس حلمی سابق خدیو مصر یا ان کے چھوٹے بھائی پرنس محمد علی اور پرنس یوسف کمال کی طرف ظاہر کیا جاتا ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(عربی سے ترجمہ کیا گیا)

انگریزی مصری نزاع

پچھلے مکتوب میں اس نزاع اور اُس کے بنیادی نقطوں پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ نزاع کی اصلی بنیاد درحقیقت مصری فوج کا معاملہ ہو۔ مصری حکومت انگریزی "سردار" کا عہدہ منسوخ کر کے فوج اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہو۔ برطانیہ اسے منظور نہیں کرتا۔ اور مصر کو مصنوعی آزادی اور نام نہاد خود مختاری دیکر بدستور محکوم رکھنا چاہتی ہو۔

اس نزاع میں برطانیہ نے اپنے وہ تمام حربے استعمال کئے جن کا وہ مدت سے عادی ہو۔ سر آسٹن چیمبرلین نے پارلیمنٹ کے ایوان میں کھڑے ہو کر اپنا وہی پرانا راگ الاپا "یورپین باشندوں کی زندگی خطرے میں ہو" ساتھ ہی جنگی جہاز بھی بھیجدئے۔ نیز برآں تمام یورپ میں مصر کے خلاف دعایۃ (پروپگنڈا) شروع کر دی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس، اٹلی، اور بعض دوسرے یورپین ممالک کے اخباروں نے مصر کے خلاف زہر اگلنا اور برطانیہ کو سخت سے سخت کارروائی کا مشورہ دینا شروع کر دیا۔ درحقیقت فرانس اور اٹلی، دونوں مصر کی بیداری سے اُسی طرح خائف ہیں، جس طرح خود برطانیہ ہو۔ اٹلی کو خوف طرابلس کی وجہ سے ہے فرانس کو الجزائر، ٹیونس، مراکش، اور خود شام کی وجہ سے۔

لیکن ان تمام دھمکیوں اور تہدیدوں کا اثر کیا ہوا؟ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ مصری حکومت انگریزی قوت کے سامنے فوراً جھک جائے گی۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہو کہ وہ زمانے لد گئے جب اس طرح کے مظاہرے رعب پیدا کر دیا کرتے تھے۔ مصری حکومت خلاف توقع اسوقت تک اپنے مسلک پر قائم رہی ہو۔

جان بل کی عادت ہو کہ جب ہمکی سے حریف مرعوب نہیں ہوتا تو خود نرم پڑ جاتا ہو۔ چنانچہ مصری حکومت کی استقامت دیکھتے ہی لارڈ لائڈ جارج بہت کچھ نرم پڑ گئے ہیں اور اپنے مطالبات ہلکے کرتے جاتے ہیں۔ ابھی تک نزاع ختم نہیں ہوئی ہو۔ لیکن خیال کیا جاتا ہو کہ امروز فردا میں نرم گرم تصفیہ ہو جائے گا۔ انگریزی مصری گفت و شنید پردۂ راز میں ہو۔ لیکن یہاں کے اخبارات نے وہ بنیادی نقطے شایع کر دئے ہیں جن پر مصری حکومت کی آخری یا دو اشت مبنی ہو۔ وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مصری پارلیمنٹ بدستور تنفیذی قوت کی نگرانی کا حق رکھتی ہو۔

(۲) وزارت جنگ اور اُس کی تمام شاخوں پر مصری پارلیمنٹ کا اقتدار قائم رہے گا۔

(۳) وزارت جنگ کی تمام مجالس بدستور قائم رہیں گی اور اُن کی موجودہ قوت و اختیار میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۴) تمام سرزمین مصر پر مصری حکومت کا اقتدار برقرار رہے گا، اور پوری مملکت کی نگرانی مصری پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہو گی۔

اگر برطانیہ نے یہ بنیادیں تسلیم کر لیں، جس کا قوی امکان ہو، تو موجودہ نزاع کا خاتمہ ہو جائے گا۔

مصر کی ذہنی و اجتماعی ترقی

جنگ عظیم کے بعد مصر نے صرف سیاسی ترقی ہی نہیں کی بلکہ اُس کی ذہنی و اجتماعی حالت میں بھی عظیم تغیرات ہوئے۔ یہ تغیرات کس درجہ تک پہنچ چکے ہیں؟ اس کا جواب مشکل ہو۔ بیرونی دنیا اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ البتہ سیاسی ترقی، ہمیشہ ذہنی و اجتماعی ترقی کا نتیجہ ہوتی ہو۔ مصر کی موجودہ سیاسی بیداری سے اُس کی ذہنی و اجتماعی بیداری کا اندازہ کیا جا سکتا ہو۔ پچھلے دنوں یہاں مؤتمر عربی منعقد ہوئی تھی، جس کا تذکرہ اپنے پچھلے خط میں کر چکا ہوں اس مؤتمر میں دوسرے عربی ممالک کے جو فضلا آکر شریک ہوئے تھے، انھیں مصر کی حالت دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ ذیل میں صرف ایک مشہور شامی فاضل علامہ محمد کرد علی کے تاثرات درج کئے جاتے ہیں جن کا اظہار انھوں نے شام میں جا کر کیا ہو۔ موصوف کہتے ہیں:

"سب سے پہلے میں نے ۱۹۰۱ء میں مصر کی زیارت کی تھی آخری سفر کا ۲۶ سال کے بعد اب اتفاق ہوا۔ مجھے وہ انقلاب عظیم دیکھ کر سخت حیرت ہوئی جو اس چوتھائی صدی کے اندر مصر پر طاری ہو گیا ہو۔ میں نے اپنے اس آخری سفر میں مصر کا پوری طرح مطالعہ کیا۔ ہر طبقہ کو غور سے دیکھا۔ تقریریں سنیں، قصیدے سنے، انجمنیں دیکھیں۔ تھیٹر دیکھے۔ اخبارات کا معائنہ کیا۔ کتبخانوں کی سیر کی۔ غرضکہ ہر پہلو پر نظر ڈالی۔ مجموعی طور پر میں نے یہ اثر قبول کیا کہ مصر نے حیرت انگیز ترقی کر لی ہو۔ سب سے زیادہ نمایاں حقیقت میں نے یہ دیکھی کہ فرانسیسی تہذیب، جس کی تخم ریزی فرانسیسی علماء نے انیسویں صدی کے اوائل میں کی تھی وہ مصر کے انگریزی اقتدار سے مغلوب نہ ہو سکی، بلکہ اُسنے انگریزی تہذیب کی خصوصیات کو شکست دیدی۔ مصر نے اس تمدن میں تراش خراش کر کے ایسی تبدیلی پیدا کر لی ہو کہ وہ فرانسیسی کی جگہ مصری یا عربی تمدن بن گیا ہو۔ اسوقت کا قاہرہ، پرانے زمانہ کا بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، غرناطہ ہے اسے صحیح معنوں میں تمام عربی دنیا کا علمی و ذہنی مرکز تسلیم کرنا چاہئے۔ اسوقت ملک میں دس ہزار مکتب جاری ہیں۔ لیکن مصری حکومت اسے کافی نہیں سمجھتی۔ دس ہزار مزید جاری کرنا چاہتی ہے"

آثار عتیقہ

ٹکسلا

ہندوستان قدیم کا ایک مکمل منظر زمین کے نیچے!

دُنیا کے ایک عظیم تمدن کی سرگزشت اطلال و آثار کی زبانی!

پیروان بُدھ کے شہر، دار العلوم، خانقاہیں!

(از جناب میر ولی اللہ صاحب وکیل ایبٹ آباد)

راولپنڈی کے قریب ایک قدیم شہر کے جو آثار برآمد ہوئے ہیں، اور جن کا ذکر "ٹکسلا یونیورسٹی" کے نام سے تمام دنیا کے اخبارات میں ہو چکا ہے، موجودہ عہد میں علم الآثار کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس اثر کی یہ ہے کہ یہ ایک پُرانی آبادی کا مکمل نقشہ دنیا کے سامنے نمایاں کر دیتا ہے۔ پُورا شہر، شہر کی تقسیم، اُس کے محلّے، اُس کی سڑکیں، اُس کی عمارتیں، اُس کے دینی و ملی حلقے، سب اس طرح سامنے آجاتے ہیں، گویا حوادث و ایام کے قلم نے پُرانے کھنڈروں اور اُفتادہ دیواروں کی سیاہی سے صفحۂ ارض پر ایک پورا نقشہ کھینچ دیا ہے:

تلک آثارنا تدل علینا فاسئلوا احالنا عن الآثار!

کسی پُرانے تمدن کا اتنا مرتب، مکمل، اور یکجا اثر بہت کم میسر آیا ہے۔

اس اکتشاف کے جستہ جستہ حالات اگرچہ شائع ہو چکے ہیں لیکن اب وقت تک پُوری شرح و تفصیل کے ساتھ کوئی نظر نہیں ڈالی گئی تھی۔ امید ہے میر ولی اللہ صاحب کی مندرجۂ ذیل تحریر دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ہم کسی آئندہ اشاعت میں ٹکسلا کے ضروری نقوش و تصاویر بھی شائع کریں گے۔

جغرافیائی محل

راولپنڈی کے شمال مغرب میں بیس میل کے فاصلہ پر، ٹکسلا ریلوے سٹیشن کے شمال مشرق، ایک قطعۂ زمین ہے۔ یہاں آج سے چند سال پہلے صرف بے رونق زمینیں، اونچے اونچے ٹیلے، اور چھوٹی چھوٹی خشک پہاڑیاں تھیں، اور اب کچھ عرصہ سے زمین سے نکلے ہوئے مکانوں، خانقاہوں، مندروں کے کھنڈر .. دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن آج سے ڈیڑھ دو ہزار برس پہلے اسی قطعہ میں عظیم الشان شہر آباد تھے۔ ایسے شہر جن کی دولت و شوکت اور علمی کارناموں کو یونان اور ایران کی شاندار سلطنتیں بھی حیرت و رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھیں!

یہ علاقہ ایک شاداب وادی میں واقع ہے جو دریائے ہرو اور اس کے دو معاونوں لنڈی اور ترمّہ سے سیراب ہوتی ہے۔ اس علاقہ کی حفاظت کے لئے قدرت نے ایک طرف مارگلہ اور دوسری طرف مری اور ہزارہ کے پہاڑوں سے ایک قطعہ بنا دیا ہے۔ یہی دریا اور پہاڑ زمانۂ قدیم میں ٹکسلا کی آبادی اور رونق کا باعث تھے۔ چونکہ یہ علاقہ ہندوستان اور وسط ایشیا کی شاہراہ پر واقع ہے، اس لئے ہندوستان کی پُرانی تاریخ میں اس علاقہ کو ایک خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ انگریزوں سے پہلے ہندوستان پر جتنی بیرونی قومیں حملہ آور ہوئیں، سب کی سب اسی راستہ سے داخل ہوئی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اس علاقہ پر یکے بعد دیگرے کئی قومیں تھوڑے تھوڑے عرصہ تک حکمراں بھی رہی ہیں۔

اکتشاف

چین کا مشہور سیاح ہوان چوانگ ساتویں صدی عیسوی میں یاترا کی غرض سے ہندوستان آیا تھا۔ اس کے سفرنامہ کی اُن یادداشتوں نے جو ٹکسلا کے متعلق تھیں، غالباً سب سے پہلے آثار قدیمہ کے ماہرین کی توجہ اس طرف مبذول کی۔ ایک مدت سے گرد و نواح کے زمینداروں کو اس علاقہ میں پُرانے سکے اور دیگر آثار ملتے رہتے تھے اور علم الآثار کے بعض انگریز شائقین بھی یہاں سے کچھ نہ کچھ ڈھونڈھ نکالتے تھے۔ لیکن آثار کے ان بیش بہا دفینوں کی باقاعدہ اور منظم کھدائی چند سال ہوئے سر جان مارشل سی، آئی، ای، ڈائرکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمۂ ہند نے شروع کی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے سامنے تین شہروں کے قریب قریب مکمل کھنڈر اور مختلف قوموں کے بے شمار سکّے، زیور، برتن، اور بتوں کا ایک عدیم المثال عجائب خانہ موجود ہے!

ریلوے سٹیشن ٹکسلا کا نام پہلے "سرائے کالا" تھا۔ اب چند چند سال سے اسے ٹکسلا کہتے ہیں۔ سٹیشن کے قریب جو گاؤں آباد ہے۔ اس کا نام سرائے کالا یا "ڈھیری شاہاں" ہے۔ ممکن ہے یہ نام شاہان قدیم کے بسائے ہوئے شہروں کے اُن کھنڈروں کی وجہ سے پڑ گیا ہو جو اس علاقہ میں بکثرت موجود ہیں۔

تین شہر

اب تک تین چار میل کے فاصلہ کے اندر تین پُرانے شہروں کے کھنڈر .. مل چکے ہیں۔ ان میں سب سے پُرانے شہر کا نام "بھڑ" ہے۔ اس شہر کے کھنڈر سرائے کالا حویلیان ریلوے لائن اور ترمّالہ کے درمیان واقع ہیں۔ اس شہر کی لمبائی شمالاً جنوباً ۱۲۱۰ گز اور چوڑائی شرقاً غرباً ۱۳۰۰ گز ہے۔ یہ شہر یونانیوں کے آنے سے کئی سو سال پہلے آباد ہوا تھا۔

دوسرا شہر "سرکپ" ہے اس کی فصیل اب تک موجود ہے فصیل کا محیط ۶ ہزار گز اور موٹائی ۱۵ فٹ ہے۔ فصیل کے بیرونی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر حفاظت کے لئے بُرج بھی بنے ہوئے ہیں۔ یہ شہر غالباً دوسری صدی عیسوی میں آباد ہوا تھا۔

ٹکسلا کا تیسرا شہر "سرسکھ" ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ شہر شاہان کشان (غالباً راجہ کنشک) کا آباد کیا ہوا ہے۔ فصیل کا دور قریباً تین میل ہے اور دیوار ۱۸ فٹ موٹی ہے۔ فصیل کے باہر ۹۰-۹۰ فٹ کے فاصلہ پر بُرج بھی بنے ہوئے ہیں۔ "سرسکھ" کی فصیل کے اندر آجکل تین چھوٹے چھوٹے گاؤں میر توپہ، توفکیاں اور پنڈ گاکرا آباد ہیں۔

ان شہروں کے علاوہ بُدھ مذہب والوں کے بنائے ہوئے ستوپوں، خانقاہوں، اور دیگر قدیم عمارات کے آثار بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جن کا ذکر آگے آئیگا۔

تاریخی حالات

اس شہر کا اصلی نام "ٹکسلا" یا "تکھ شلا" تھا۔ یونانی مؤرخین نے اسے "ٹکسلا" لکھا ہے۔ شہر کی قدامت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مہابھارت میں اس کا ذکر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے پانچویں صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ سلطنت ایران کا ایک حصہ تھا۔ اس کی تصدیق ان کتبوں سے ہوتی ہے جو نقش رستم میں دارا کی قبر پر اور خود ٹکسلا میں بھی ملے ہیں۔ بُدھ مذہب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹکسلا میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی تھی جو علوم و فنون کی تعلیم و تحقیق کے لئے دُنیا بھر میں مشہور تھی۔

سکندر اعظم کا حملہ

چوتھی صدی قبل مسیح کے اواخر میں سکندر اعظم نے پنجاب پر حملہ کیا۔ ٹکسلا کی سلطنت اس وقت دریائے اٹک سے دریائے جہلم تک پھیلی ہوئی تھی یہ بغیر کسی لڑائی کے سکندر اعظم کے حوالے کر دی گئی۔ جب سکندر نے راجہ پورس پر حملہ کیا۔ تو راجہ آمبھی والیٔ ٹکسلا نے فوج سے سکندر کی امداد کی۔ اس کے صلہ میں سکندر نے راجہ کو نہ صرف سلطنت ٹکسلا ہی پر بحال رہنے دیا۔ بلکہ اپنے مفتوحہ علاقے کا ایک حصہ بھی دے دیا۔ ۳۲۳ ق م قبل مسیح میں سکندر اعظم کی وفات کے بعد راجہ چندر گپت نے یونانی فوجوں کو دریائے اٹک کے پار ہٹا دیا اور پنجاب اور ٹکسلا کی تمام ریاستیں اس کے تصرف میں آگئیں۔ چندر گپت کی حکومت کی سخت گیری سے تنگ آکر ٹکسلا نے خود مختاری کے لئے جد و جہد کی اور بالآخر موریا حکومت کی ماتحتی سے آزاد ہو گیا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد راجہ کا ولی عہد شہزادہ آشوک آ پہنچا۔ اور اس علاقہ کو دوبارہ فتح کر کے ٹکسلا میں بہ حیثیت نائب السلطنت کے متمکن ہو گیا۔ تیسری صدی قبل مسیح کے آخری سالوں میں راجہ آشوک کی وفات پر سلطنت موریا کا شیرازہ پھر پریشان ہونا شروع ہو گیا۔ چنانچہ ٹکسلا بھی سلطنت کے دوسرے صوبوں کی طرح خود مختار ہو گیا، اور اس کی آزادانہ حکمرانیوں کا تیسرا دور شروع ہوا۔

دوسرا یونانی دور

یونانی حملہ آوروں کی ایک جماعت جو سکندر اعظم کے ساتھ آئی تھی، باختر میں آباد ہو گئی تھی۔ یہ نو آباد جماعت اور اس کی

اولاد میدان عمل میں ہمیشہ سرگرمی دکھاتی رہی۔ پنجاب میں آباد ہونے والے عام یونانیوں کے برعکس اس کی جد وجہد برابر جاری رہتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہی باختری یونانیوں نے سنہ ۱۸ قبل مسیح میں دوبارہ ٹکسلا اور دیگر قریبی علاقوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔

تورانیوں کا دور

یونانیوں نے ٹکسلا پر کچھ اوپر ایک سو سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد سیستان کے رہنے والے تورانیوں نے جو ہندوستان میں آکر شاکا کہلائے تھے، دریائے اٹک کو عبور کرلیا اور پنجاب پر حملہ کردیا۔ قریب ایک صدی قبل مسیح میں ٹکسلا پر ان کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اُن کے بعد اہل پارتھیا پہنچے اور اُن کا دور دورہ رہا۔

اہل کشان کا حملہ

سنہ ۴۰ء یا سنہ ۴۱ء میں اہل کشان نے جو اول اول چین کے شمال مغرب سے آئے تھے، اہل پارتھیا کو مغلوب کرکے وادیٔ کابل اور ٹکسلا پر قبضہ کرلیا۔ دوسری صدی عیسوی میں اہل کشان کا ایک عظیم الشان بادشاہ کنشک تخت نشین ہوا۔ اس کی سلطنت وسط ایشیا سے حدود بنگال تک پھیلی ہوئی تھی۔ پشاور (پرش پور) اس کا سرائی دارالخلافہ تھا۔ پانچویں صدی عیسوی تک اہل کشان کا عروج رہا۔ پھر ان کا زوال شروع ہوگیا۔ ٹکسلا کی کھدائی میں بہت سے ساسانی سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ان سے قیاس کیا جاتا ہے کہ اہل کشان کے زوال کا ابتدائی باعث کوئی ساسانی حملہ ہوا تھا۔

ٹکسلا کی تباہی

لیکن اس خاندان کی آخری اور مکمل تباہی اس وحشی قوم کے ہاتھوں ہوئی جس کو ہُنا کہتے ہیں۔ یہ لوگ ۴۵۵ء میں ایک بہت بڑی فوج لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ کشان کی سلطنت زیر ہوگئی کرلی۔ اور خاندان گپتا کی عظیم الشان سلطنت کو بھی تباہ اور برباد کردیا۔ ایک چینی سیاح فاہیان نامی نے سنہ ۴۰۰ء میں ٹکسلا آکر بدھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی تھی۔ اس کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت شمال مغربی ہندوستان میں بدھ مذہب کی زیارت گاہیں بہت آباد اور مشہور تھیں۔ لیکن ان افغانی وحشیوں نے یہ تمام علاقہ بڑی بے دردی سے ویران کردیا۔ ٹکسلا اور دوسرے مقامات کی خانقاہیں اور مندر انہی لوگوں کے ہاتھوں برباد ہوئے۔ اس افغانی فتنہ کے بعد ٹکسلا کو پھر کبھی عروج نصیب نہیں ہوا۔ ساتویں صدی عیسوی میں ٹکسلا سلطنت کشمیر کا ایک صوبہ بن چکا تھا۔ اور مقامی حکام کی خانہ جنگیاں اس کے باقی ماندہ مندروں اور خانقاہوں کی تباہی کا باعث ہو رہی تھیں

موجودہ آثار

اب ہم ان خانقاہوں مندروں اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں جو ٹکسلا کی کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں۔

دھرماراجیکا ستوپہ

اس سلسلہ میں سب سے پہلے قابل ذکر "دھرماراجیکا ستوپہ" ہے (ابتدا میں لفظ "ستوپہ" صرف ان ٹیلوں کے لئے استعمال ہوتا تھا جو مُردوں کو دفن کرنے کی غرض سے بنائے جاتے تھے۔ لیکن بعد کو اس کا اطلاق ان ٹیلوں کے لئے مخصوص ہوگیا جو بدھ یا بدھ کے حواریوں کے برکات محفوظ کرنے یا کسی متبرک مقام کی یادگار قائم کرنے کے لئے بنائے جانے لگے) یہ ستوپہ، چیرٹوپ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ بڑا ستوپہ تمرانالہ کی سطح سے بہت اوپر ایک اونچے میدان میں واقع ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر اور پجاریوں کے رہنے کے مکان بھی ہیں۔ بڑا ستوپہ گول ہے۔ اس کے گرد ایک بلند چبوترہ ہے جس میں چاروں طرف زینے لگے ہیں۔ یہ چبوترہ ستوپے کے گرد طواف کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ چھوٹے ستوپوں میں سے ایک ستوپے کا تبرک خانہ پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اس خانے کے اندر سے ایک ڈبیا ملی ہے جو چار انچ اونچی ہے۔ اس ڈبیا کے اندر ایک اور چھوٹی سی ڈبیا ہے اور اس میں کچھ جلی ہوئی ہڈی، کچھ راکھ، اور سونے، موتی، اور ہڈی کے چند دانے پائے گئے ہیں۔ اسی خانہ میں پتھر کا ایک چھوٹا سا ستوپہ بھی دستیاب ہوا ہے جس کے نیچے کی طرف لعل، بلور، سنگ سلیمانی، یاقوت، نیلم، عقیق، فیروزہ صدف، پکھراج، اور ہڈی کے سُفتہ دانے اور نگینے بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کے تبرک خانہ سے کئی پرانے سکے سیپی کی طرح سونے کا ایک زیور، تیلم، بلور، اور یاقوت کے دانے، اور مونگے کے ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں سرکار رہنے لنکا کے پیروان بدھ کو تحفہ کے طور پر دیدی ہیں اور اب لنکا کے ایک مندر میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مندروں میں چونے اور مٹی کی کئی مورتیاں بھی ملی ہیں ایک اور چھوٹے ستوپے کے اندر سے چاندی کی ڈبیا ملی ہے جس کے اندر ایک اور چھوٹی سنہری ڈبیا تھی اس میں ہڈیوں کے چند باریک ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں۔ ان ہڈیوں اور جسم انسانی کی سوختہ راکھ کی نسبت علماء آثار نے مختلف قیاسات لگائے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ خود بدھ اعظم کے نعش کی راکھ ہے، لیکن اس وقت تک بدھ کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں ان سے اس قیاس کی پوری طرح تصدیق نہیں ہوتی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بدھ اعظم کی نہیں لیکن دوسرے اکابر مذہب کی نعش کا بقیہ ہے۔ غالباً یہ دوسرا قیاس ہی قرین صواب ہے۔

ایک مندر میں بدھ کے ایک مجسمہ کا ٹکڑا ملا ہے اس میں صرف پاؤں اور لباس کا نچلا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ یہ پاؤں ایڑی سے انگوٹھے تک ۵ فٹ ۳ انچ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجسمہ قریباً ۲۵ فٹ بلند ہوگا! ایک اور چھوٹے ستوپے سے سلطنت کشان کے ۵ طلائی سکے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

ان ستوپوں اور مندروں کے ساتھ بعض دوسری عمارات بھی ہیں۔ ایک گلی میں بدھ کی دو بڑی بڑی مورتیں پائی گئی ہیں جن کے سر ضائع ہوچکے ہیں لیکن مورت کی وضع سے حالت استغراق ظاہر ہوتی ہے۔ ان ستوپوں سے ذرا آگے ایک کھلے میدان میں ایک تالاب برآمد ہوا ہے جس کے پہلوؤں میں چار چھوٹے چھوٹے ستوپے اور ہیں۔ یہ تالاب تورانی یا پارتھیائی عہد کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک ستوپہ کے اندر سے برتن میں رکھی ہوئی کچھ راکھ اور عہد کنشک کے چند سکے بھی ملے ہیں۔

ان کے علاوہ اور کئی طرح کے تبرکات اور بدھ کی مختلف حالتوں کی مورتیاں اور قدم سکے بھی ملے ہیں جن سے ٹکسلا کی تاریخ پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔

کنال ستوپہ

دوسرا ستوپہ جو کھدائی سے برآمد ہوا ہے وہ ستوپہ کنال کے نام سے موسوم ہے۔ ہواں چوانگ (چین کا مشہور سیاح) جب ٹکسلا آیا تھا تو وہ اسی شہر میں مقیم ہوا تھا۔ اسے آجکل سرسکھ کہتے ہیں۔ شہر کے مضافات میں جن چار بدھ یادگاروں کا اس سیاح نے ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک راجہ ایلاپترا کا تالاب تھا۔ یہ متبرک تالاب جس آبادال میں واقع تھا جسے سکھ آجکل پنجہ صاحب کہتے ہیں اور جس کے متعلق اُن کی کئی عجیب غریب روایات مشہور ہیں۔ دوسرا ایک ستوپہ ہے جس سے بدھ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق خزانہ برآمد ہونا چاہئے تھا۔ تیسرا ہدیۂ سر والا ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے تعمیر کرایا تھا۔ چوتھا وہ ستوپہ ہے جسے راجہ اشوک نے اس مقام پر بنوایا تھا جہاں ایک روایت کے مطابق اس کے بیٹے کنال کی آنکھیں اُس کی سوتیلی ماں نے نکلوادی تھیں۔

ستوپہ کنال شہر سرکپ کے مشرقی جانب واقع ہے۔ اس کی کرسی شمالاً جنوباً ۱۰۵ فٹ لمبی، اور شرقاً غرباً ۶۴ فٹ چوڑی ہے یہ ستوپہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ایک چھوٹا سا ستوپہ اس ستوپے کے اندر سے بھی برآمد ہوا ہے۔

ستوپہ کنال کے نزدیک ایک خانقاہ بھی ہے۔ اس کی دیواریں جو ۱۳-۱۴ فٹ بلند تھیں اب بھی کہیں کہیں باقی ہیں۔ یہ خانقاہ قریباً دو سو فٹ لمبی اور ڈیڑھ سو فٹ چوڑی ہے۔ چاروں طرف برآمدے اور حجرے بنے ہوئے ہیں۔

شہر سرکپ

شہر سرکپ کے کھنڈروں سے تمام شہر کا پورا پورا نقشہ ظاہر ہوتا ہے۔ مکانات، بازار، دکانیں، گلیاں، چوک، شاہی محل، چھوٹے چھوٹے ستوپے، مندر، یونیورسٹی کی عمارات، تمام کی تمام نمودار ہو چکی ہیں

برآمد شدہ اشیاء

اس شہر کی کھدائی سے ایک کثیر تعداد مختلف اشیاء کی برآمد ہوئی ہے۔ جن کا صرف اجمالی ذکر کیا جاسکتا ہے:

مٹی کے مختلف برتن۔ پانی پینے کے پیالے۔ بڑے بڑے گھڑے۔ پختہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ کھلونے۔ سادہ اور نقش دار طشتریاں۔ آہنی برتن، پھاوڑے۔ کرپیاں۔ تپائیاں۔ گھوڑوں کی لگامیں۔ کنجیاں۔ تلواریں۔ تیر۔ کانسی اور تانبے کے برتن عطر دان۔ کئی ہزار سکے۔ سونے چاندی کے زیور... مثلاً طلائی کنگنوں کی جوڑیاں۔ طلائی بالیوں کا ایک جوڑا۔ طلائی جھمکے طلائی جھومر۔ سونے کی انگشتریاں۔ طلائی زنجیریں۔ طلائی ہار۔ طلائی تعویذ طلائی آویزے جن میں یاقوت کے نگینے لگے ہوئے ہیں۔ طلائی سکے۔ طلائی تمغے۔ عقیق۔ یاقوت اور شیشے کے نگینے مختلف سکے اور سکے ڈھالنے کے سانچے وغیرہ وغیرہ۔

بہت سی چیزیں جو اُس وقت کی تہذیب، تعلیم، تاریخ، اور تمدن پر روشنی ڈالتی ہیں۔ دستیاب ہو چکی ہیں۔

جنڈیال کے ٹیلے

شہر سرکپ کے شمال کی جانب کچا کوٹ سے گزر کر جنڈیال کے دو اونچے اونچے ٹیلے ہیں ان میں سے ایک ٹیلے کی کھدائی سے ایک مندر کے کھنڈر... برآمد ہوئے ہیں۔ یہ مندر ایک مصنوعی ٹیلے پر جو سطح زمین سے ۲۵ فٹ بلند ہے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس مندر کا طول ۱۵۸ فٹ ہے۔ اب تک یقین سے معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ مندر کس مذہب کا ہے؟ البتہ یہ ظاہر ہے کہ تورانی یا پارتھیائی عہد میں جب ٹکسلا میں زرتشتیوں کا زور تھا، تعمیر ہوا تھا۔

دوسرا ٹیلہ پہلے ٹیلے سے ذرا پچھم کی طرف ہے۔ اس ٹیلے پر بھی ایک بہت بڑی عمارت کے کھنڈر... موجود ہیں انہی ٹیلوں کے قریب دو اور چھوٹے ٹیلے بھی ہیں۔ ان میں سے ایک کے اندر سے ایک ستوپہ برآمد ہوا ہے اور دوسرے سے ایک ستوپہ کے آثار۔

شہر سرسکھ

سرکپ والے مندر سے قریب ڈیڑھ میل خانپور کی طرف شہر سرسکھ کے کھنڈرات ہیں۔ یہ شہر ٹکسلا کا سب سے آخری اور جدید شہر ہے۔ غالباً راجہ کنشک نے آباد کیا تھا۔ شہر کی فصیل ساڑھے اٹھارہ فٹ موٹی ہے۔ اور فصیل کے باہر برج ہیں۔ سرسکھ کا عام نقشہ قریب قریب مستطیل ہے۔ یہاں سے چند تانبے کے سکے

ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک آئینے کا دستہ، اور شاہنشاہ اکبر کے زمانے کے کچھ پیسے برآمد ہوئے ہیں۔

لال چک کے آثار

ہرسکھ کے شمال مشرق میں ڈیرہ سوگز کے فاصلہ پر چار چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے جنھیں آجکل لال چک کہتے ہیں۔ ان ٹیلوں کے نیچے سے بدھ مذہب والوں کی ایک آبادی کے آثار نکلے ہیں۔ ان میں ستوپے، مندر، اور خانقاہیں ہیں۔ یہ غالباً چوتھی صدی عیسوی کی تعمیرات ہیں۔ ان کھنڈروں سے عہد انقالی کے کئی نقرئی سکے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں چھٹی یا ساتویں صدی عیسوی سے پہلے جلکر پیوند زمین ہوگئیں۔ ایک ستوپے کی اندرونی بھرتی سے مختلف زمانوں اور مختلف بادشاہوں کے ایک سو چالیس سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک اور چھوٹے ستوپے کی بنیادی چنائی میں سے سونے، یاقوت، لعل، یشب، اور سیپ کے تیس منکے ملے ہیں۔ لیکن یادگاری ہڈی کا کوئی نشان باقی نہیں رہا ہے۔

بادل پور کا ستوپہ

بادل پور کا ستوپہ جو موضع بھیڑ کے قریب واقع ہے، دستبرد زمانہ کا زیادہ شکار ہوا۔ کرسی کے سوا اس کے آثار بہت کم باقی ہیں۔ اس ستوپے کے مشرق کی طرف ایک وسیع خانقاہ کے بھی کھنڈروں ہیں جو سکے یہاں سے برآمد ہوئے ہیں، وہ تمام کنشک ہوشک، اور واسودیو (یعنی شاہان کشان) کے عہد کے ہیں۔ یہ غالباً تیسری صدی عیسوی کی تعمیر ہے۔

مصوّر دیواریں

بدھ عمارات کے وہ سلسلے جو موہڑہ مراد اور جولیان کے نزدیک واقع ہیں، نہایت محفوظ حالت میں برآمد ہوئے ہیں۔ یہاں بعض ستوپے ایسے ہیں جن کی تمام سطح پر تصویریں ہی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ ان ستوپوں کے ساتھ خانقاہیں بھی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے بعض پرانے کنوؤں کے کھنڈر... بھی نظر آتے تھے جو اب بھر چکے ہیں اور ان پر کاشت ہوتی ہے۔ خانقاہوں میں چاروں طرف حجرے تھے۔ ایک گوشہ میں غسل خانہ، مجلس خانہ، باورچی خانہ، نعمت خانہ، اور انبار خانہ تھا۔ ان مقامات پر بدھ کی حالت استغراق کی کئی مورتیاں ہیں۔

ٹکسلا کی آتشزدگی

جس آگ سے یہ عمارات تباہ ہوئیں وہ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے کی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ان حجروں میں سے ایک یاقوت کی جلی ہوئی مُہر برآمد ہوئی ہے جس پر عہد گپتا کے براہمی خط میں یہ الفاظ کندہ ہیں "سری کلیشورا داسی"۔ اسی عہد کی ایک اور تحریر بھوج پتر پر لکھی ہوئی بھی ملی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آتش زدگی کا حادثہ عہد گپتا سے پیشتر کا نہیں ہوسکتا، اور اس کا زمانہ پانچویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے۔ یہاں سے سائانی کشانی نمونے کے چند کھوٹے سکے، آہنی میخیں، قبضے، تانبے کے زیور، اور مٹی کی مورتیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔

ایک زیر تعقیب حصہ

بھلڑ ستوپہ کے قریب بدھ مذہب کی یادگاروں کا ایک اور سلسلہ بھی زیر تعقیب (کھدائی) ہے۔ یہ سلسلہ سرائے کالا حیلیان ریلوے لائن کے قریب، سرائے کالا سے ۵ میل اور دریائے ہرو سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ہوان چوانگ کا بیان ہے کہ بھلڑ ستوپہ شاہنشاہ اشوک نے اُس مقام پر بنایا تھا، جہاں مہاتما بدھ نے اپنے سابق جنم میں اپنا سر قربان کیا تھا۔ اسوقت اُس ستوپے کا کوئی نشان باقی نہیں کیونکہ جو ستوپہ موجود ہے وہ تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہوسکتا۔ ستوپے کے سامنے ایک وسیع صحن ہے اور چاروں طرف کمروں اور ایک خانقاہ کے آثار ہیں۔

شہر "بھڑ"

شہر بھڑ جو ٹکسلا کا سب سے قدیمی شہر ہے، موضع بھڑ درگاہی کے پاس ہے۔ یہاں سے مٹی کے برتن، مٹی کی مورتیں، چاندی کے کھوٹے سکے، طلائی زیورات (چوڑی اور آویزہ وغیرہ) موتی نیلم، یاقوت، مونگے، اور دیگر قیمتی پتھروں کے منکے، ایک تنگ تاریک کنواں، اور اس کنویں سے خالی سکے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے، برآمد ہوئے ہیں۔ بعض اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیور... تیسری صدی قبل مسیح میں یہاں رکھے گئے تھے۔

اگر آپ کو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی

شکایت ہے، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے

سے قریب دوا فروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے!

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دنیا میں بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے۔

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو

آپ کو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہیئے!

بَرید فرنگ

مکتوب فرانس

(الہلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے)

شیخ سنوسی۔ اور امریکہ کی کامیاب ہوائی مہم

شیخ سنوسی

اس ہفتہ اخبار "طان" نے اپنے ایک نامہ نگار کا نہایت دلچسپ مضمون شایع کیا ہے۔ یہ نامہ نگار ملک عسیر (یمن) گیا تھا اور مشہور مجاہد طرابلس السید احمد الشریف یعنی شیخ سنوسی سے ملاقات حاصل کی تھی۔ یہ مضمون دراصل اسی ملاقات کے متعلق ہے ذیل میں اُس کے اہم حصے ملاحظہ ہوں:

شیخ سنوسی کی شخصیت

شیخ سنوسی بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جو کچھ مدت پہلے صاحب اختیار وقوت تھے۔ اُن کا نام دول یورپ کے دلوں پر رعب طاری کر دیتا تھا۔ اُن کی شخصیت تمام دنیا میں خاص اہمیت رکھتی تھی لیکن جس طرح جنگ عظیم نے بڑے بڑے بادشاہوں کے تاج اُن کے سروں سے اُتار پھینکے، اُسی طرح صحارا کے اس درویش بادشاہ کو بھی اُس کی حکومت سے محروم کر دیا۔ آج یہ اولوالعزم انسان جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ لیکن اسپر بھی اُس کی شخصیت اب بھی اُتنی ہی دلنشیں ہے جتنی کبھی تھی، بلکہ وہ معزول فرمانرواؤں میں اسوقت سب سے زیادہ بااثر، معزز، اور طاقتور ہے۔ یہ اس لئے کہ اُس کی بادشاہی صرف گوشت و پوست کے پتلوں پر قائم نہ تھی کہ اُن کے ٹوٹتے ہی وہ بے قدو قیمت ہو جاتا۔ اُسکی حکومت جسموں کے ساتھ ساتھ دلوں اور روحوں پر بھی قائم تھی۔ وہ اب بھی قائم ہے اور کوئی انسانی قوت اُسے زائل نہیں کر سکتی۔

شیخ سنوسی آجکل عسیر میں موجود ہیں۔ عسیر سے اُنکے دیرینہ خاندانی تعلقات ہیں۔ شیخ سنوسی کے دادا سید محمد سنوسی، سید احمد ادریسی کے شاگرد اور مُرید تھے اور انہی کے حکم سے طرابلس گئے تھے اس رشتہ کی وجہ سے شیخ سنوسی کا عسیر میں بہت اثر ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اسوقت عسیر کی حکومت شیخ سنوسی ہی کے ہاتھ میں ہے عسیر میں آکر اُنھوں نے دو کام بہت اہم کئے۔ ایک یہ کہ امیر علی ادریسی کو معزول کر دیا جو ایک ناسمجھ نوجوان تھا اور اُس کی جگہ اُس کے چچا امیر حسن ادریسی کو حاکم بنا دیا جو مدبّر اور دانشمند آدمی ہے۔ دوسرا کام یہ کیا کہ نجد و عسیر میں معاہدہ کرا کے عسیر کو یورپین اقتدار سے بچا لیا۔

عسیر کے قلعہ میں

شیخ سنوسی سے مجھے قلعہ میں شرف ملاقات حاصل ہوا۔ رات کا وقت تھا۔ دو غلام ہمارے سامنے روشن مومی بتیاں لئے چل رہے تھے اور پیچھے دس بارہ سپاہی ننگی تلواریں لئے ساتھ تھے۔ پھاٹک پر ہم ایک لحہ رُکنے پر مجبور ہوئے کیونکہ ایک سنتری کو بچھو نے کاٹ لیا تھا۔

ہم صحن میں پہنچے۔ جا بجا ذکر چار لیٹے تھے۔ ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر ایک تنگ دروازے میں گھسے اور ایک دوسرے صحن میں پہنچے۔ یہ بالکل خالی تھا۔ ہم برابر ایک صحن سے دوسرے صحن میں پہنچتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک مکعب شکل کی مختصر عمارت کے سامنے پہنچے۔ یہی شیخ سنوسی سے ملاقات کی جگہ ہے۔

شیخ سنوسی کا حلیہ

میں اندر داخل ہوا تو جلیل القدر شیخ کو اپنے انتظار میں پایا۔ موصوف کا قد درمیانہ، جسم لاغر، صورت مراکشی، رنگ گورا ناک بڑی اور خمیدہ، داڑھی ہلکی اور چھوٹی، مونچھیں لمبی اور پتلی۔ لباس مراکشی۔ اس حال میں وہ مجھ سے ملے۔ ملاقات کے وقت اُن کے اعصاب میں سخت ہیجان تھا اور نہایت غضبناک معلوم ہوتے تھے۔ میں قالین پر بیٹھ گیا۔ شیخ میرے سامنے تھے۔ وزیر نے میرا تعارف ان لفظوں میں کرایا "یہ بڑے شریف آدمی ہیں ان کی بات پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے"

شیخ سنوسی کا جوش

شیخ نے بڑے ہی جوش سے تقریر شروع کر دی۔ اٹلی کا نام جب جب زبان پر آتا تھا تو دانت پیستے تھے "ہم سنوسی آزادی کیساتھ زندہ رہیں گے اور آزادی ہی میں مریں گے" شیخ نے قہر آلود آواز میں کہا "ہم موت کے آخری لحہ تک یورپین ملک گیری سے لڑینگے بہت ممکن ہے آج ہم فتح حاصل نہ کر سکیں۔ لیکن میدان سیاست میں ہمیشہ اچھے موقعے آتے رہتے ہیں۔ عنقریب ہمارا موقعہ بھی آجائے گا"

آزادی کی قیمت

"بعض ایسی سلطنتیں بھی موجود ہیں جو ہم سے کہتی ہیں" اپنی تلوار نیام میں رکھ لو، ہم تمھیں اتنی اتنی دولت دیتے ہیں!" یہ وہ سلطنتیں ہیں جو علم و حکمت کی دعویدار ہیں۔ مگر وہ عربی علم النفس سے قطعاً جاہل ہیں۔ اگر وہ پہاڑ اُحد کے برابر بھی ہمیں سونا تول دیں، اور افریقہ کی پوری ریگ کو الماس و زمرد بنا دیں، جب بھی ہمارا یہی جواب ہوگا "نہیں!" آزادی، چاندی سونے اور ہیرے اور موتی سے بھی زیادہ قیمتی چیز ہے۔ وہ کسی قیمت پر بھی فروخت نہیں کی جا سکتی"

سنوسی طریقہ

یورپ میں شاید یہی سمجھا جاتا ہے کہ سنوسیت محض ایک بدوی درویشوں کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنے والوں کی غلطی ہے۔ ہماری ہر خانقاہ بیک وقت، مسجد، مسافرخانہ، مدرسہ اور فوجی بارک ہے۔ ہر خانقاہ کا شیخ بیک وقت نماز کا امام، مدرسہ کا معلم، مجلس کا واعظ اور فوج کا سپہ سالار ہے۔ تمام صحارا افریقہ ہماری خانقاہوں سے لبریز ہے۔ تمام خانقاہیں صرف ایک مرکز کے تابع ہیں اور اس مرکز کا امام خود میں ہوں!

"ہماری تحریک صرف طرابلس ہی میں عام نہیں ہے بلکہ سوڈان مصر، حجاز اور یمن تک میں پھیلی ہوئی ہے۔ بلاشبہ ان ملکوں میں اُسنے سیاسی قوت اپنے ہاتھ میں نہیں لی ہے۔ لیکن جب ہم چاہیں ہزاروں مجاہدان علاقوں سے حاصل کر سکتے ہیں"

اٹلی نے کیا حاصل کیا؟

"میری عدم موجودگی میں بھی طرابلس اور بنی غازی میں سنوسی اٹلی سے نبرد آزمائی کر رہے ہیں اور ہمیشہ یوں ہی کرتے رہیں گے۔ وہاں میرے چچا کا لڑکا میرا قائم مقام ہے اور ہرگز ذلت قبول نہیں کر سکتا۔ اتنی طویل اور خونریز جنگوں کے بعد بھی اٹلی سمندر سے کچھ زیادہ دُور تک نہ جا سکا۔ اندرون ملک پر اٹلی کا قبضہ محال ہے"

صحرائی جنت

"مصریوں کے ہاتھ سے "جغبوب" چھین کر اٹلی والے خوش ہو رہے ہیں کہ "اب ہم سنوسیوں کو ماریں گے!" لیکن یہ بھی ان کی سخت غلطی ہے۔ جغبوب ہمارا ایک مقدس شہر ہے، صرف اسوجہ سے نہیں کہ وہاں محمد سنوسی (رح) کی قبر ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ وہ ہمارا عقلی مرکز ہے۔ وہیں ہماری سب سے بڑی علمی جامعہ (یونیورسٹی) ہے ہم نے اس صحرائی خطہ کو جنت بنا دیا ہے۔ اس میں نہریں جاری کی ہیں اور پورا شہر آباد کر دیا ہے۔ جغبوب پر قبضہ، اٹلی کی ایک بہت بڑی سیاسی غلطی ہے۔ عنقریب اُسے اپنی اس حماقت کی سزا مل جائے گی۔ ہم اپنے اس متبرک شہر کو ہرگز اٹلی کے علم کے نیچے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم اپنے خون سے اسے دوبارہ خرید لیں گے!"

طلیانی جنسیت

"ہم سے اٹلی کہتا ہے" ہماری جنسیت قبول کر لو" ہرگز نہیں! یہ ہمارا جواب ہے اور قیامت تک یہی جواب رہے گا۔ میں اپنی اور اپنے چچیرے بھائی اور تمام سنوسیوں کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اپنی گردنیں کٹوا دینا ہمارے لئے اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ طلیانی (اٹالین) جنسیت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کریں میں صحارا کا باشندہ تھا۔ اب حکومت حجاز کی رعیت ہوں۔ اگر حالات مجھے اس جنسیت کی محافظت نہ کرنے دیں تو میں مصری ہونا پسند کروں گا۔ میں مصریوں سے محبت کرتا ہوں۔ میں مصریوں کا شکر گزار ہوں۔ میں زندگی بھر اُن کا احسان مند رہوں گا۔ کیونکہ اُنھوں نے اپنے طرابلسی بھائیوں کی بڑی مدد کی تھی اور جغبوب کی بڑی شجاعت سے مدافعت کی تھی۔ وہ جغبوب جو سلطان عبدالمجید نے ہمیں مصری وقف سے بخش دیا تھا"

اسلامی روح

شیخ سنوسی بڑے غصہ، جوش، اور تلخی سے تقریر کر رہے تھے۔ اچانک وہ چپ ہو گئے۔ شاید سستانے لگے۔ پھر اُنھوں نے مجھ سے کہا:

"جب تم یورپ پہنچنا تو اٹلی والوں سے کہدینا کہ اُنھوں نے اب تک اسلامی روح نہیں سمجھی ہے۔ اگر سمجھی ہوتی تو ہرگز خیال نہ کرتے کہ جغبوب پر قبضہ کر کے وہ ہمیں زیر کر لیں گے۔ بہت سی سلطنتیں جو آج بڑی ہیں کل چھوٹی ہو جائیں گی۔ جرمنی اور روس کو دیکھو

اٹلی نے کیسی سخت شکست اُٹھائی؟ دوسری کس طرح پارہ پارہ ہوگئی؟ لیکن پھر چند دنوں کے بعد صورت حال میں انقلاب ہوا۔ آج وہ پھر دنیا کی عظیم سلطنتیں بن گئی ہیں۔ اسی طرح آج اٹلی قوی ہے اور ہم ضعیف ہیں، لیکن کون جانتا ہے کل کیا ہوگا؟ کیا اٹلی کے پاس کوئی ضمانت موجود ہے کہ اُس کی قوت ہمیشہ یوں ہی برقرار رہے گی اور ہم کبھی کروٹ نہیں لینگے؟ میں اسے تسلیم نہیں کرسکتا۔"

غلامی یا سیاہ موت!

"میں ہرگز ہرگز اٹلی کی ملک گیر پالیسی کے آگے جھک نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے! بالکل ناممکن ہے! قیامت تک ناممکن ہے! میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے خوں ریزی مرغوب ہے۔ میں ہرگز جنگ کا خواہشمند نہیں ہوں۔ میں صلح چاہتا ہوں، اٹلی سے بھی صلح چاہتا ہوں۔ مگر صلح کی بنیاد کیا ہو؟ کیا غلامی؟ ہرگز نہیں۔ غلامی سے پہلے موت سیاہ موت! پھر کیا ہو؟ اقتصادی امتیازات؟ میں شروع سے کہہ رہا ہوں کہ اقتصادی امتیازات دینے کو آمادہ ہوں۔ لیکن یہ اُسوقت جب طرابلس کی سرزمین پر اٹلی کا ایک سپاہی بھی باقی نہ رہے اگر ایسا نہ ہوسکے تو پھر اس کے سوا چارہ نہیں کہ جنگ! موت تک جنگ! قیامت تک جنگ!"

شیخ سنوسی کا غصہ

اب شیخ سنوسی کا غصہ حد بیان سے تجاوز کرچکا تھا۔ وہ تمام بدن سے کانپ رہے تھے۔ آنکھیں سُرخ ہوگئی تھیں۔ میں نے آجتک کبھی کسی آدمی کو اتنے غیظ و غضب میں نہیں دیکھا۔ میں ہرگز اپنی اس حالت کی پردہ پوشی نہیں کرنی چاہتا کہ اُن کا غصہ دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا تھا!

دیر تک چپ رہنے کے بعد اُنھوں نے جرمنی کی تعریف شروع کی اور ہنڈنبرگ کو بہت سراہا۔ میں سمجھا اب غصہ ٹھنڈا ہوگیا مگر اچانک وہ پھر زور سے چلائے "جنبوب! اٹلی والوں سے کہدینا کہ آزادی یا موت!...."

وہ جوش سے بالکل بیخود ہوگئے۔ کچھ اور کہنا چاہتے تھے۔ مگر ان کا جوش و غضب دیکھ کر میں نے یہی بات موزوں سمجھی کہ مجلس ختم ہوجائے۔ خلاف دستور میں نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ شیخ بالکل خاموش ہوگئے۔ مگر تمام بدن سے کانپ رہے تھے اُنھوں نے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید کہہ ہی نہ سکے صرف ہاتھ کے اشارہ سے مجھے خدا حافظ کہا۔

نیویارک سے پیرس تک

میں اپنے پچھلے مکتوب میں کپتان نجیسر کا مفصل ذکر کرچکا ہوں کہ کس طرح وہ پیرس سے ہوائی جہاز پر نیویارک کے لئے روانہ ہوا اور لاپتہ ہوگیا۔ کپتان نجیسر کی داستان، فرانس کی عظمت کی داستان تھی، اب آمریکہ کی عظمت کی داستان بھی سُن لیجئے۔ آج پورا پیرس، دل شکستہ پیرس، چارلس لنڈبرگ کے سامنے سر جھکائے کھڑا ہے۔ یہ ۲۲ سالہ نوجوان، آمریکہ کی پوری عظمت کا نشان ہے،

کپتان نجیسر ایک پرواز میں بحر اعظم اٹلانٹک عبور نہ کرسکا۔ اس کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ آمریکہ کا ہوائی فاتح چارلس اس مہم میں کامیاب ہوگیا۔ آج تمام دنیا کی نظریں اس نوجوان کے چہرے پر گڑی ہوئی ہیں جس کے رخسار ہنوز بچپن کے بھولے پن سے لبریز ہیں مگر جس کے دلیس نیوٹین اور واشنگٹن کا خون بھرا ہوا ہے!

اسنے اپنا ہوائی جہاز خود اپنی نگرانی میں بنوایا تھا اُس کا نام "گہوارۂ موت" رکھا تھا۔ اسکی جھت اکہری تھی۔ لوگوں کو حیرت تھی کہ ایسے معمولی جہاز سے یہ مہم کیسے سر کی جاسکتی ہے؟ روانگی کی رات کو ہوا باز نے اپنا بہت سا وقت نیویارک کے ایک سینما میں گزارا۔ واپسی پر اُسنے خادم کو ہدایت کی کہ ٹھیک ۲ بجے رات کو جگادے۔ چنانچہ اُسوقت سے اپنے جہاز کے پُرزوں کا معائنہ کرتا رہا۔ پھر امریکن گھڑی کے حساب سے ٹھیک، یکم ۲ منٹ صبح، اور یورپین گھڑی کے حساب سے ۱۰ بجکر ۵۲ منٹ دوپہر کو نیویارک کے ہوائی اسٹیشن سے اُڑا۔ یہ ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء کا دن تھا۔

اس کی گود میں اُس کی عزیز سیاہ بلی بھی تھی اور وہ اُسے اپنے ساتھ لیجانا چاہتا تھا۔ مگر بعد میں یہ خیال کرکے کہ اتنی بلندی پر پہونچکر وہ شاید زندہ نہ رہے گی، اپنے ایک دوست کو یہ کہتے ہوئے دیدی "یہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ اسکی خوب خاطر کرنا!"

جب جہاز کے انجن نے حرکت کی تو اُس کا ایک دوست رونے لگا۔ ہوا باز نے کہا "کیوں روتے ہو؟ رونے کی کوئی وجہ نہیں، خدا حافظ!" اب "گہوارۂ موت" ہوا میں تھا!

روانگی کے بعد نوجوان کی ماں نے کہا "چارلی، ضرور پیرس پہنچ جائے گا۔ مجھے یقین ہے۔ اگر جہاز میں جگہ ہوتی تو میں بھی اس کے ساتھ سفر کرتی!" زندہ قوم کی عورتوں کا یہ حال ہے!

۲۱ مئی کی شام کو "گہوارۂ موت" پیرس میں تھا! جہاز اُترتے ہی امریکن سفارتخانہ کا ڈاکٹر دوڑا اور ہوا باز کا طبی معائنہ کرنا چاہا۔ یہاں لڑکے نے ڈاکٹر کو روک دیا "کوئی ضرورت نہیں میں ذرا بھی تھکا نہیں ہوں"

پھر حاضرین کے اصرار پر اُسنے اپنے اس حیرت انگیز سفر کے متعلق صرف اس قدر کہا:

"نیویارک کے رصدخانے نے اُڑنے سے پہلے مجھے خبر دی کہ فضا کی حالت بہت ہی خراب ہے۔ راستہ میں مجھ اس کی پوری تصدیق ہوگئی۔ ۱۶۰۰ کیلو میٹر مسافت میں نے سخت برفانی آندھیوں میں طے کی۔ میں اس طوفان سے بچنے کے لئے کبھی ۳۰۰۰ میٹر بلندی پر اُڑ جاتا تھا اور کبھی اتنا نیچا ہوتا تھا کہ سمندر کو چھو سکتا تھا میں اس حال میں سطح سمندر سے صرف ۳ میٹر بلند ہوتا تھا۔ راستہ بھر مجھے ذرا بھی نیند محسوس نہیں ہوئی۔ میں ایک ایسی حالت میں تھا جو نیند کی حالت قبول نہیں کرسکتی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ پیرس سے بھی آگے تک میں جاسکتا تھا۔ کیونکہ میرے جہاز میں کافی پٹرول بچ رہا ہے"

اس گفتگو کے بعد ہوا باز آرام کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے دن امریکن سفارتخانے میں اُسے مدعو کیا۔ یہاں سفیر نے بے تار کی تاربرقی کے ذریعہ نوجوان کی ماں سے گفتگو کا انتظام کر رکھا تھا۔

"ہیلو" ہوا باز نے اپنی ماں کو مخاطب کیا "معاملہ کچھ بھی نہ تھا! تم خیریت سے ہوگی۔ میں بالکل تندرست ہوں۔ مہم سر ہوگئی!"

"سب سے زیادہ کٹھن گھڑی کون سی تھی؟" اخبار نویسوں نے سوال کیا۔

"سب سے زیادہ کٹھن گھڑی، پیرس پہنچنے اور لاکھوں آدمیوں کے ہجوم میں کھڑے ہونے کی گھڑی تھی" ہوا باز نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا "نیویارک سے پرواز بہت ہی تکلیف دہ تھی میں سمجھتا تھا اس سے زیادہ تکلیف پیش نہیں آئے گی۔ لیکن سمندر پر پہنچنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ تکلیف کچھ بھی نہ تھی۔ میں اب نہایت ہی کثیف کہر میں گھر گیا تھا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا برف کی ہولناک بارش ہو رہی تھی اور میں بار بار ہمت ہارا جاتا تھا میں نے بڑی کوشش کی کہ برفانی طوفان کے اوپر نکل جاؤں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اسوقت میں نے ناامیدی محسوس کی اور واپسی کا خیال کیا۔ مگر ناکامی کی ذلت، موت سے زیادہ سخت تھی۔ میں نے اپنے دل سے کہا "ایک دن مرنا ہے۔ کچھ پرواہ نہیں اگر اسی سمندر میں قبر بنجائے" میں برابر جد و جہد کرتا رہا یہاں تک کہ طوفان نکل گیا اور موسم خوشگوار ہوگیا۔ دوسرے دن دوپہر کے قریب مجھے سمندر میں ماہی گیروں کی چند بادبانی کشتیاں نظر آئیں۔ اب میری مسرت ناقابل بیان تھی۔ میں بالکل نیچے اُتر آیا۔ قریب تھا میرا جہاز کشتیوں کے مستول سے ٹکرا جائے۔ میں نے چلاکر کہا "کیا یہی آئرلینڈ کا راستہ ہے؟" وہ حیرت سے میرے مُنہ کو تک رہے تھے۔ شاید مجھے مجنوں سمجھے۔ اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا یا دیا اور میں نے سنا نہیں۔ بہرحال تقریباً ۴ بجے شام کو مجھے دُور زمین دکھائی دی۔ میں پھر نیچے اُتر آیا اور غور سے وہ سنگلاخ چٹانیں دیکھیں جو سمندر میں بھوتوں کی طرح سر نکالے کھڑی تھیں۔ میں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ آئرلینڈ ہے۔ اب مجھے اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ میں آئرلینڈ اور انگلینڈ کی فضا میں بالکل نیچے اُڑ رہا تھا مگر کسی نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں راستہ بھولا نہیں۔ سیدھا پیرس آگیا۔ لیکن عین وقت پر یہاں کے ہوائی اسٹیشن کا راستہ بھول گیا۔ مگر زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ اسٹیشن کی روشنی نے میری رہنمائی کی"

اس گفتگو کے بعد ہوا باز کپتان نجیسر کی ماں سے ملنے گیا۔ پیرس کی نازنینوں نے جو خوبصورت نجیسر کو چکی ہیں، اُسے دیکھا تو چلائیں "واقعی یہ خوبصورت ہے!"

غرضکہ وہ ہوائی مہم سر ہوگئی جو اب تک ناممکن معلوم ہوتی تھی، نیویارک سے پیرس تک ۶ ہزار کیلو میٹر کی مسافت ایک پرواز میں طے ہوگئی اور صرف ساڑھے ۲۳ گھنٹوں کی مدت میں!

۲۵ ہزار ڈالر مہم سر کرنے والے کے لئے انعام تھا۔ ۲۲ سالا نوجوان چارلس نے اسے حاصل کرلیا!

دُنیا کی بہترین پنسل

امریکن کارخانہ "شیفر"

کی

"لائف ٹائم" پنسل ہے

اسلئے کہ

(۱) "لائف ٹائم" یعنے عمر بھر کے لئے کافی ہے۔

(۲) اُسکا خول اس قدر خوشنما اور دیدہ زیب ہے کہ دنیا کی کوئی پنسل خوبصورتی میں اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتی،

(۳) ارزانی میں بھی تمام قسموں کی پنسلوں کا مقابلہ کرتی ہے

یاد رکھئے

آپکو "لائف ٹائم" پنسل خریدنی ہے!

مقالات

اسلام اور نیشنلزم

۳

عصبیت نسل و وطن

گذشتہ مجلس میں ہم اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ اسلام کی دعوت "انسانیت" اور "انسانی برادری" کی دعوت تھی۔ اس لئے اُس کا رجحان ان تمام تعصبات کے خلاف تھا جو نسل و وطن کے امتیازات سے پیدا ہو گئے تھے۔ اب ضروری ہے کہ مختصراً عصبیت نسل و وطن کی بھی تشریح کر دی جائے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ اسلام کی روح جس چیز کی مخالف ہے، وہ صاف اور معین صورت میں کیا ہے؟

دو چیزیں ہیں: ایک نسل و وطن کا تحفظ ہے۔ ایک نسل و وطن کا تعصب ہے۔ اسلام کی روح تعصب کی مخالف ہے۔ تحفظ کی مخالف نہیں ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جب کبھی کوئی اس طرح کا دائرہ بنتا ہے، تو گو اس کی ابتدا تحفظ کے جذبات سے ہوتی ہے، لیکن آگے چلکر تحفظ تعصب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پہلے انسانوں کی ایک جماعت وطنیت اور قومیت کا دائرہ اس لئے کھینچتی ہے تاکہ اُس کے اندر رہکر دوسروں کے حملوں سے اپنی حفاظت کرے، یہ قومیت "دفاعی قومیت" ہوتی ہے لیکن جب کچھ عرصہ تک یہ دائرہ قائم رہتا ہے تو پھر قومی حفاظت کی جگہ قومی برتری اور وطنی گھمنڈ کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اور "دفاعی قومیت" اچانک "ہجومی قومیت" کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اب قومیت اپنا بچاؤ ہی نہیں چاہتی۔ دوسروں پر حملہ بھی کرنا چاہتی ہے ساتھ ہی نسلی اور قومی برتری کا نشہ دوسرے انسانوں سے علحدگی اور ان کی تحقیر و تذلیل کے جذبات بھی برانگیختہ کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مختلف قومی حلقوں میں باہمدگر تصادم شروع ہو جاتا ہے، اور انسانیت کے تمام اعلیٰ جذبات افسردہ ہو کر رہجاتے ہیں۔

اس صورت حال کا علاج صرف یہی تھا کہ حتی الامکان تنگ دائروں کا قیام ہی روک دیا جائے۔ جب کبھی کوئی تنگ دائرہ بنے گا، تو چونکہ یہ حقیقی انسانی دائرہ کی وسعت میں قطع و برید ہوگی، اس لئے ضروری ہے کہ وسعت نظر و احساس کی جگہ تنگی نظر و ضیق صدر کی بنیادیں پڑ جائیں۔ اسلام نے اسی لئے ان تمام تنگ دائروں کی ہمت افزائی کرنے سے انکار کر دیا، لیکن افسوس ہے کہ دنیا ابھی اتنی بلند نہیں ہوئی تھی کہ اس وسعت نظر کی متحمل ہو سکتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا ایک ایسا دائرہ تو بن گیا جو تمام پچھلے دائروں سے زیادہ وسیع ہے لیکن نوع انسانی کی حد بندیاں نہ ٹوٹ سکیں!

وطنی و نسلی عصبیت کی اگر تحلیل کی جائے تو تین چیزیں ایسی نکلیں گی جنھیں خاص خاص لفظوں میں تعبیر کر کے بتلا دیا جا سکتا ہے کہ اس عصبیت کے عناصر کیا کیا ہیں:

(۱) جماعتی تنگ نظری۔

"جماعتی تنگ نظری" سے مقصود یہ ہے کہ جب انسانوں کا کوئی گروہ دوسروں سے الگ ہو کر ایک چھوٹے سے دائرہ کے اندر محصور ہو جاتا ہے، تو اس کا دل تنگ، نظر محدود، اور ظرف کوتاہ ہو جاتا ہے اُس کی ذہنیت ایک محدود گوشے کے اندر سکڑ کے رہجاتی ہے۔ اُس کا جماعتی دماغ نظر کی وسعت، حوصلہ کی فراخی، اور ارادوں کی بلندی پیدا نہیں کر سکتا۔ زندگی اور زندگی کے ہر گوشہ میں پیمانۂ فکر وسعت سے ناآشنا ہو جاتا ہے۔ انسانی ہمدردی کے جذبات بھی نہایت تنگ اور محدود ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف اپنے کو اور اپنے تنگ گوشے ہی کو دیکھتا رہتا ہے۔ اُس سے باہر کا کوئی اثر قبول نہیں کر سکتا۔ وہ انسان ہونے پر بھی نوع انسانی سے الگ رہنا چاہتا ہے۔ اُس میں اور انسانیت میں ایک ناقابل عبور دیوار کھنچ جاتی ہے!

جماعتی مزاج کی اس حالت کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ واضح مثال ہندوستان کی ۴ ذاتوں کا نظام (کاسٹ سسٹم) ہے۔ یہ دنیا کے اُس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور دیرپا یادگار ہے جب اُس کے قدم "قبیلہ" کی منزل میں جم چکے تھے۔ "قبیلہ" کی حد بندی کو منو نے ذات کی تقسیم میں منقسم کر دیا، اور جماعتی حد بندی کی حفاظت کے لئے اُنکے الگ الگ کام اور پیشے قرار دے دیئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ "انسانیت" کے تمام اعلیٰ جذبات فنا ہو گئے، اور حلقہ بندی کی ساری تنگ نظریاں اپنی انتہائی حالت میں پیدا ہو گئیں۔ اب دنیا منو کے عہد سے ہزاروں برس آگے بڑھ چکی ہے لیکن ہندوستان اب بھی طیار نہیں ہے کہ ان حد بندیوں کی سرحد عبور کر کے انسانیت کی وسعت کی طرف قدم اُٹھائے!

(۲) نسلی اور وطنی غرور و کبر۔

دوسری چیز نسلی اور وطنی بڑائی کا گھمنڈ ہے اور اس سے بڑھکر انسانیت اور انسانی حقوق کے لئے کوئی جذبہ مہلک نہیں یہ اعتقاد اور عمل کے تمام گوشے پامال کر دیتا ہے۔ انسانیت، عمل، استعداد، اور حق کی جگہ ایک غیر طبعی معیار فضیلت یعنے نسل اور وطن کا معیار قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے قدیم نمونے عرب جاہلیت کے غرور نسب اور ہندوستان کے برہمنوں کے نسلی گھمنڈ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ نئے نمونے یورپ کی قومیتوں اور جنسیتوں کی شکل میں دنیا کے سامنے ہیں۔ علم، استعداد اور مساوات کی اس سب سے بڑی صدی میں بھی ایک انگریز سب سے پہلے انگریز ہونے کو اور ایک امریکن سب سے پہلے امریکن ہونے پر نظر رکھتا ہے!

البتہ یاد رہے کہ "غرور" اور "خودداری" میں فرق ہے۔ جماعت اور فرد دونوں کے لئے مذموم غرور و کبر ہے۔ خودداری نہیں ہے۔

(۳) جماعتی برتری کا غلو۔

تیسری چیز وہ ہے جسے "جماعتی برتری کے غلو" سے تعبیر کرنا چاہئے۔ جب ایک دائرہ وطنیت اور قومیت کا بن جاتا ہے، تو آہستہ آہستہ اسمیں قومی برتری کے جذبات نشوونما پانے لگتے ہیں ایک خاص حد تک تو اُن میں غلو نہیں ہوتا، لیکن جب اُس حد سے متجاوز ہو جاتے ہیں، تو پھر قومی گھمنڈ اور کبریائی کا ایک جنون ہوتا ہے جس کے نشہ سے قوم کا ہر فرد متوالا ہو جاتا ہے۔ وہ چاہتا ہے نوع انسانی کا ہر فرد اسکی قومی برتری کے سامنے سربسجود ہو جائے اور زمین کا ہر ٹکڑہ اس کے قدموں سے پامال ہو۔ اُسکی حرص غیر محدود اور اس کے قومی مطامع لامتناہی ہوتے ہیں۔ رومیوں نے ساری دنیا کو دو قسموں میں بانٹ دیا تھا: حاکم اور محکوم۔ وہ صرف اپنے کو حاکم قوم سمجھتے۔ باقی ساری دنیا محکومیت کے لئے تھی۔ نپولین کی پے در پے لڑائیوں نے فرانس کی آبادیاں جوان مردوں سے خالی کر دیں۔ اُس کی عالمگیر اولوالعزمیوں کی وجہ سے تمام یورپ فرانس کا دشمن ہو گیا۔ تاہم نپولین جو جماعتی دماغ کے بھیدوں کا سب سے بڑا نباض تھا، جب کبھی عوام کے سامنے آتا اور نعرہ لگاتا "فرانس کی عظمت، فرانس کا جھنڈا، فرانس کے جھنڈے کے تین رنگ" تو فرانس اپنی ساری بربادیاں اور خونریزیاں بھول جاتا اور وطنیت کے جنون سے بیخود ہو کر پکارنے لگتا "زندہ باد فرانس" اتنا ہی نہیں بلکہ قومی اور وطنی گھمنڈ کے اس نشہ میں وہ یہ بھی بھول جاتا کہ جس شاہی استبداد سے نجات پانے کے لئے اُسنے ہزاروں فرانسیسیوں کے سر گلوٹین کی چھری سے جدا کر دیئے تھے، وہی استبداد آج نپولین کی شخصیت میں ایک درجہ اور شدید ہو کر موجود ہو گیا ہے، اور شاہی کی جگہ "شہنشاہی" اسپر مسلط ہے۔ وہ دیوانہ وار پکارتا "زندہ باد شہنشاہ"!

نیٹشے اور برن ہارڈی نے جرمنی کو "حاکم قومیت" اور "محکوم دنیا" کا جو جام پلایا تھا، اُس کی سیہ مستیاں بھی دنیا دیکھ چکی ہے۔ "دنیا میں سب سے بڑی قوم جرمن کو ہونا چاہئے یا برطانیہ کو؟" اس سوال نے ۵ برس تک تمام کرۂ ارضی کو خون اور آگ کے حوالے کر دیا۔ آج "برطانی شہنشاہیت" کا بے پناہ جذبہ دنیا کی کسی قوم کو سر اُٹھانے نہیں دیتا۔ سب کو پامال اور سربسجود دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ بھی وہی قومی برتری کا غلو اور جنون ہے۔ "قومیت" کا وہی حلقہ جو کبھی اس لئے بنا تھا تاکہ اپنی حفاظت کرے۔ اب اس لئے باقی ہے تاکہ دنیا کی کسی قوم اور ملک کے لئے حفاظت باقی نہ رہے!

اسلام کی دعوت جس عصبیت کی مخالف تھی اور جسے اسنے "عصبیۃ جاہلیۃ" سے تعبیر کیا، وہ یہ عصبیت ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ اُسنے "وطنیت" اور "قومیت" کی جس حالت سے اختلاف کیا، وہ وہی حالت ہے جب دفاع اور تحفظ کی جگہ ہجوم اور تعصب کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں البتہ چونکہ اصل بنیاد اس حالت کی یہی ہے کہ انسانیت کے وسیع رشتے کی جگہ تنگ اور محدود دائروں کا پیدا ہو جانا، اس لئے اس کی ذہنیت کا عام رجحان اسی طرف رہا کہ سرے سے تنگ دائرے وجود ہی میں نہ آئیں۔

۴

یورپ کی جدید قومیت

"قومیت" اپنے سادہ معنوں میں اگرچہ پہلے سے موجود تھی لیکن موجودہ زمانے میں "قومیت" کے لفظ سے جن اجتماعی عقائد و جذبات کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے، یہ دراصل یورپ کے نئے عہد تمدن کی پیداوار ہے۔ اس کی پیدائش انسانی آزادی و حقوق کی حفاظت کے لئے ہوئی تھی، لیکن اب انسان کی آزادی و حقوق کے لئے یہی چیز سب سے بڑی مصیبت بن گئی ہے!

دفاعی قومیت کی پیدائش

ازمنۂ وسطیٰ (مڈل ایجز) کے بعد جب یورپ نے کروٹ بدلی اور نئے تمدن کی نشوونما شروع ہوئی، تو اُس کے ساتھ ساتھ ایک نئے قسم کی اجتماعی زندگی بھی نشوونما پانے لگی۔ یہ وہ وقت تھا جب ایک طرف علم اور آزادی کی رُوح تمام یورپ میں پھیل رہی تھی، دوسری طرف شخصی حکومتوں کا استبداد اور اجنبی تسلط کا ظلم اپنی تمام پرانی روایتوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک نئی کشمکش شروع ہوگئی۔ ایک طرف شاہی تاج و تخت اور اس کے غیر محدود دعوے تھے۔ دوسری طرف علم و آزادی کے پیدا کئے ہوئے نئے نئے اصول اور نئے نئے ولولے تھے۔ تاج و تخت کے مقابلے میں جب عوام کے جذباتِ آزادی جوش میں آئے تو خود بخود ایک نہایت موثر اور طاقتور لفظ وجود میں آگیا یہ لفظ پہلے سے موجود تھا لیکن اس کے ساحرانہ معانی لوگوں کو معلوم نہ تھے۔ اب ہر شخص کے سامنے آگئے۔ یہ لفظ "قوم" تھا، اور یہ انکشاف "قوم ہونے" یعنی "قومیت" کا انکشاف تھا۔ شاہی تاج و تخت کا دعوا تھا جیسا کہ بدنصیب لوئس شانزدہم نے بعد کو کہا: "حق اور طاقت میں ہوں" عوام اب اسے تسلیم کرنے کے لئے طیار نہ تھے۔ خود بخود سوال پیدا ہوگیا کہ اگر شاہی نسل اور تاج و تخت کی وراثت، حق اور طاقت کا جائز سرچشمہ نہیں ہو تو پھر کون ہو؟ وہ کونسی قوت ہو جس کے سامنے شاہی تاج و تخت کو بھی سر جھکا دینا چاہیے؟ خود بخود جواب پیدا ہوگیا کہ "قوم" ہے۔ صرف "قوم" ہی ہر طرح کے حق و طاقت کا سرچشمہ ہے۔ صرف "قوم" ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنے اوپر حکومت کرے!

"رعیت" اور "قوم"

اُس وقت تک عوام کا اعتقاد یہ تھا کہ طاقت کا مرکز شاہی تاج و تخت ہے۔ اب طاقت کا ایک نیا مرکز نمودار ہوگیا جو خود اُس کے اندر پوشیدہ تھا مگر اُسے خبر نہ تھی۔ یہ "قوم" اور "قوم ہونے" کی طاقت تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یکایک صورت حال میں ایک عظیم انقلاب ہوگیا۔ یعنی "رعیت" کی جگہ "قومیت" نے لے لی۔ اب عوام "رعیت" نہ رہے تھے۔ "قوم" تھے۔ جب تک وہ "رعیت" تھے، ساری قوت شاہی اور شاہیت میں مرتکز تھی۔ اب وہ "قوم" ہوگئے تو ساری قوت خود اُنہی میں سمٹ آئی۔ صرف اتنی تبدیلی نے دنیا کی اجتماعی زندگی کا پورا نقشہ بدل دیا۔ کارلائل CARLYLE کے بلاغت طراز لفظوں میں "رعیت کا قوم ہوجانا دنیا کا ایک ہی مرتبہ اُلٹ پلٹ ہوجانا تھا۔ زبانوں کا کوئی لفظ بھی اُس انقلاب حال کی تعبیر نہیں کرسکتا جو صرف ان دو سادہ لفظوں کے اول بدل ہوجانے سے نوع انسانی کی تاریخ میں پیدا ہوگیا!"

دنیا میں صرف انسان ہی پیدا نہیں ہوتے۔ الفاظ بھی پیدا ہوتے ہیں، اور جس طرح ایک عظیم انسان کی پیدائش دنیا کے انقلاب کی پیدائش ہوتی ہے، اُسی طرح بعض عظیم لفظوں کی پیدائش میں بھی عظیم انقلابات مضمر ہوتے ہیں۔ بلاشبہ لفظ "قوم" کی پیدائش تاریخ کا انقلاب عظیم تھا، لیکن اگر کارلائل چند قدم آگے بڑھ سکتا تو دیکھتا کہ دنیا کا سب سے بڑا انقلاب لفظ "قوم" کی پیدائش میں نہیں بلکہ "انساں" کی پیدائش میں مضمر ہے۔ کون ہے جو اُس انقلاب کی عظمت کا نقشہ کھینچ سکتا ہے؟

جن ہاتھوں نے انقلاب فرانس کی ابتدائی تخم ریزی کی تھی، اُن میں والٹیر Voltaire اور روسو Rousseau سب سے آگے ہیں۔ روسو کی کتاب عقد اجتماعی Social Contract دنیا کے جدید جمہوری عہد کا اولین صحیفہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب جب لکھی گئی تھی، تو لوگ اس کی خیالی نقشہ آرائیوں پر ہنستے تھے لیکن کارلائل کے تاریخی اور ضرب المثل لفظوں میں "جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو اُس کی جلد باندھنے کے لئے اُن لوگوں کا چمڑا استعمال میں لایا گیا جنھوں نے اس کی ہنسی اُڑائی تھی!"

روسو نے انسانی آزادی و حقوق کا نقشہ کھینچتے ہوئے قوم اور قومیت کے بھی خال و خط آراستہ کئے ہیں۔ وہ انسان کی انفرادی آزادی کے اعتقاد کے ساتھ "قوم" کا حلقۂ ارتباط بھی قائم کرتا ہے اور اسے ایک "معاشرتی معاہدہ" سے تعبیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے سوسائٹی کا ہر فرد آزاد ہے اور تمام افراد کے حقوق مساوی ہیں، لیکن سوسائٹی کا انتظام قائم رکھنے کے لئے ایک منظم حلقہ کی ضرورت ہے۔ یہ حلقہ قومی نظام کا حلقہ ہے۔ "قوم" اور "قوم ہونا" ہی وہ تنہا نظام ہے جسے حکم اور نظم کی ساری قوتیں حاصل ہونی چاہئیں۔ اسمیں شک نہیں کہ روسو نے جس آزاد نظام معاشرت اور دنیا کے "آزاد اور روشن عہد" کا خواب دیکھا تھا، اُس کی تعبیر دنیا کو نہیں ملی، لیکن اُس کے "قومیت" اور "جمہوریت" کے اصول دنیا نے بغیر کسی تامل کے قبول کرلئے، اور پھر انقلاب فرانس کا وہ خونیں سیلاب نمودار ہوا جو عہد قدیم کے تمام شخصی اور شاہی اصول و عقائد بہالے گیا!

گذشتہ دو صدیوں سے دنیا "قومیت" کے انہی بنیادی اصول پر گامزن ہے۔

جدید "قومیت" کے مبادیات

یہ جدید "قومیت" جن مبادیات اور عقائد پر قائم ہوئی اسکے اہم اصول حسب ذیل ہیں:

(۱) باشندوں کا جو گروہ کسی خاص جغرافیائی حدود کے اندر نسل، یا وطن، یا زبان، یا معاشرت کی یکانگت کی بنا پر آباد ہو، جب اُس کے افراد اپنے آپ کو ایک "قوم" محسوس کریں، تو وہ ایک "قوم" ہیں، اور کسی کو حق حاصل نہیں کہ انکے "قوم" ہونے سے انکار کرے۔

(۲) ہر قوم کا پیدائشی اور فطری حق ہے کہ وہ آزاد ہو، اور اپنی پسند کے مطابق اپنے تمام معاملات کا فیصلہ کرے۔ کسی دوسری قوم کو حق نہیں کہ اسمیں مداخلت کرے۔

(۳) "قومی آزادی" کے حق کی بنا قدرتی حق ہے، نہ کہ طاقت اور تحفظ۔ اگر ایک قوم کمزور ہے، یا اپنے معاملات کا بہترین انتظام نہیں کرسکتی، تو اس کی وجہ سے کسی دوسری طاقتور یا زیادہ شائستہ قوم کو یہ حق حاصل نہیں ہوجاتا کہ اُسے اسیر حکومت کرے۔ طاقت کے ذریعہ کسی قوم کے حق قومیت کو سلب کرنا، دنیا کے عالگیر اور قدرتی قانون کی خلاف ورزی ہے۔

(۴) ہر طرح اور ہر نوعیت کی بالادستی اور اقتدار کا مرکز "قوم" ہے۔ کوئی جماعت یا کوئی فرد کوئی ایسا اختیار کام میں نہیں لاسکتا جسے براہِ راست قوم سے بطریق جائز حاصل نہ کیا گیا ہو۔

(۵) قوم کے تمام افراد اپنے تمام شہری، معاشرتی اور قانونی حقوق میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ نسل، خاندان، اور پیشہ کی وجہ سے کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوسکتا۔ معاشرتی ترقی و تنزل کا معیار ہر فرد کی قدرتی اور اکتسابی قابلیت ہے۔ نہ کہ نسل و خاندان۔

قوم، قومیت، اور قومی حقوق کے یہ مبادیات دراصل انسانی آزادی و حقوق کے اُسی مواد سے پیدا ہوئے تھے جنھیں یورپ میں نئے تمدنی عہد نے پیدا کیا تھا۔ اور جن کے واعظ والٹیر، روسو، اور فرانس کے انسائیکلوپیڈین اصحاب تھے۔ "قوم" اور "قومیت" کے حقوق اس نقطہ سے شروع ہوئے کہ انسان کے انسان کے حقوق کیا ہیں؟ اس اصل نے کہ "ہر انسان فطرۃً آزاد ہو اور اس کی آزادی کے لئے کوئی روک نہیں ہونی چاہیے جب تک وہ کسی دوسرے کی آزادی کے لئے روک نہ ہو" یہ قاعدہ بھی پیدا کردیا کہ "ہر قوم کو آزاد ہونا چاہیے۔ اور کسی فرد یا جماعت کو یہ حق نہیں کہ اُس کی آزادی میں خلل انداز ہو"

ان مبادیات کا جس سرزمین نے بحیثیت ایک قوم کے دنیا میں اعلان کیا وہ امریکہ اور فرانس ہے۔ امریکہ کے اعلانات ۱۷۷۶ء اور ۱۷۸۹ء کے تاریخ میں ثبت ہوچکے ہیں۔ اُسنے انہی مبادیات کی بنا پر انگلستان کا مقابلہ کیا اور فتحمند ہوئی۔ فرانس کا اعلان اُسکے انقلاب کا اعلان ہے جو تاریخ میں "اعلان حقوق انسانی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جسے فرانسیسی اسمبلی نے ۲۷ اگست ۱۷۸۹ء میں منظور کیا تھا۔

"ہجومی قومیت"

گذشتہ تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یورپ کی جدید "قومیت" کے عناصر انسانی آزادی و حقوق کے مواد سے حاصل کئے گئے تھے، اُس کا ظہور ہجوم کے لئے نہیں بلکہ دفاع کے لئے ہوا تھا۔ یہ دراصل پورے معنوں میں "دفاعی قومیت" تھی جو شاہی استبداد اور اجنبی تسلط کا مقابلہ کرنے کے لئے وجود میں آئی تھی۔ ایک طرف مظلوم اور پامال رعایا اُٹھی تاکہ بادشاہوں اور امیروں کے ظلم و ستم کے مقابلے میں "قومی حق" کا علم بلند کریں۔ دوسری طرف کمزور قوموں نے سنبھالا لیا تاکہ اجنبی حکمرانی کا مقابلہ کرنے کے لئے مرکز "قومیت" میں اپنی منتشر قوتیں جمع کرلیں۔ انگلستان اور فرانس نے شاہی تاج و تخت کے استبداد کا مقابلہ کیا۔ امریکہ نے انگلستان کی محکومیت سے انکار کردیا۔ یونان اور بلقانی قوموں نے عثمانی شہنشاہی سے آزادی حاصل کرلی۔ پولینڈ روسی تسلط کے خلاف بار بار اُٹھا اور مقابل ہوا۔ اٹلی نے اسٹریا کی فوجیں ہمیشہ کے لئے اپنے وطن سے باہر کردیں۔ اسی طرح یورپ کے ہر گروہ نے اپنے اپنے وطن کے جغرافیائی حدود بنائے اور اُن کے حصار میں اپنی "قومیت" کا قلعہ تعمیر کرلیا۔ نپولین کے زوال کے بعد جب یورپ کا نقشہ از سر نو بنایا گیا، تو یہ وطنی اور قومی حد بندیاں نقشہ کے خطوط میں داخل ہوگئیں۔

لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ کیا انسانی آزادی و حقوق کے وہ تمام اصول جو ان قومیتوں کا مایۂ خمیر تھے، دنیا میں قائم ہوگئے؟ کیا امریکہ کے "اعلان آزادی" اور انقلاب فرانس کے "اعلان حقوق انسانی" کے مبادیات نے دنیا کی تمام قوموں کے لئے حق آزادی کی نعمت مہیا کردی؟ کیا واقعی طاقت کی جگہ حق کا اور استبداد کی جگہ آزادی کا دعوی تسلیم کرلیا گیا؟

دنیا نے حیرت و دہشت کے ساتھ دیکھا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ وہی "قومیتیں" جو انسان کے انفرادی و قومی حقوق کی حفاظت اور دفاع کے لئے وجود میں آئی تھیں کچھ دنوں کے بعد انسانی آزادی و حقوق کی پامالی و تلف کا ذریعہ ہوگئیں۔ اُن کی ابتداء "دفاعی قومیت" سے ہوئی تھی لیکن اُن کا ظہور "ہجومی قومیت" کی شکل میں ہوا۔ جامعی تنگ نظری، وطنی خود پرستی، اور قومی برتری و اقتدار کے تمام جذبات اُبھر آئے، اور انسانی آزادی و حقوق کے مبادیات و اصول اس لئے رہ گئے کہ ہر قوم صرف اپنے لئے اُن کا نفاذ چاہے اور اپنے سوا سب کو اُن سے محروم دیکھے!

یہ وہی "وطنی و قومی عصبیت" کی حالت ہے، جس کی تشریح اوپر

گزر چکی ہے۔ یہ قومیت کا تحفظ نہیں ہے۔ قومیت کا تعصب ہے؛ یہ "انسانیت" اور "انسانی برادری" کے عین ضد ہے۔ یہ "انسانی آزادی و حقوق" کے اعتقاد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ آزادی کے نام سے آزادی کی پامالی، اور قومیت کے نام سے صرف طاقت کی معبودیت ہے!

نئی قومیت کے محاسن و مفاسد

اگر یورپ کی قومیتوں اور ان کے اعمال پر نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل حقیقتیں سامنے آئیں گی:

(۱) "انسانی آزادی" اور "قومی حقوق" کے مبادیات نسبتہً قائم ہو گئے اور ان کی وجہ سے یورپ کے ذہن و اجتماع کا انقلاب عظیم وجود میں آگیا۔ جدید "قومیت" کے اصول و عقائد نے جماعتوں کے اندر ایک ایسی نئی اجتماعی طاقت پیدا کر دی جو تمام پچھلی اجتماعی طاقتوں سے زیادہ منظم اور قوی تھی۔

(۲) قومیت کے نشو و نما سے پہلے یورپ مذہبی تعصبات میں مبتلا تھا۔ مسیحیت کی مذہبی جکڑ بندیاں اتنی سخت تھیں کہ ذہن و دماغ کو ہلنے نہیں دیتی تھیں۔ اب "قومیت" کے فروغ نے مذہب کے تعصبات دھیمے کر دیئے۔ مذہب کی جگہ قومیت، اجتماع و ارتباط کا رشتہ بن گئی۔ قومیت نے جب سر اٹھایا تھا، تو اسے شاہی استبداد سے کہیں زیادہ پوپ اور کلیسا کے استبداد کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ والٹیر نے بیت المقدس کی جگہ انسانی آزادی کے لئے جنگ مقدس (کروسیڈ) کا اعلان کیا تھا۔ جب اس معرکہ میں قومیت فتحمند ہوئی تو یہ فتح شاہی اور کلیسائی، دونوں طرح کے استبدادوں پر فتح تھی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ قومیت جڑ پکڑتی جاتی تھی، اور مسیحی جمود اکھڑتا جاتا تھا۔

(۳) "قومیت" کے فروغ سے پہلے یورپ ذہن و اعتقاد کے جن دائروں میں بند تھا، وہ حد درجہ تنگ تھے۔ اس لئے قومیت نے پچھلے دائروں سے ایک زیادہ وسیع دائرہ مہیا کر دیا اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ ہر گوشۂ فکر و عمل میں ایک ایسی وسعت پیدا ہو گئی جس کا اس سے پہلے وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

(۴) مذہبی اور نسلی تعصبات کی جگہ "قومیت" کے قائم ہو جانے کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے اندر تمام جماعتیں اور تمام طبقات باہم گر متحد اور منسلک ہو گئے۔ یہ احساس کہ "فلاں انسان ہمارا ہم قوم اور ہم وطن ہے" اتنا قوی اور موثر ہو گیا کہ اس پر کوئی تعصب غالب نہ آسکا۔ مسیحیت اور یہودیت کی تاریخی اور روایتی دشمنی مسلم ہے۔ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی بدنصیب یہودیوں نے وہ ظلم و ستم برداشت نہ کئے ہونگے جو یورپ کی مسیحی حکومتوں میں انھیں صدیوں تک جھیلنے پڑے۔ اٹھارویں صدی کے اواخر تک کسی انسان کے لئے یہودی ہونا ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ لیکن اب "قومیت" کے جذبہ نے یہ تمام جذبات مغلوب کر دیئے۔ سب سے پہلے انگلستان اور فرانس نے، پھر بہ تدریج یورپ کی دوسری قومیتوں نے ان کا حق قومیت بھی اسی طرح تسلیم کر لیا، جس طرح ان ملکوں کے مسیحی باشندوں کا تسلیم کیا تھا۔ ایک یہودی، انگریز، فرانسیسی یا جرمن ہو کر اسی طرح ان ملکوں کے شہری اور قومی حقوق سے متمتع ہونے لگا، جس طرح مسیحی باشندے ہوتے تھے۔ انیسویں صدی میں انگریز یہودیوں کے لئے تمام برطانی عہدوں اور منصبوں کے دروازے کھول دیئے گئے حتیٰ کہ وزارت کے بڑے سے بڑے مقام کے لئے بھی یہودیت مانع نہ رہی۔

یہ تو اس "قومیت" کے محاسن تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی:

(۱) یہ جو کچھ بھی ہوا، صرف یورپ میں اور یورپ کے باشندوں میں ہوا۔ یورپ کے حدود سے باہر کے لئے نہ تو انسانی آزادی کا اعلان موثر ہو سکا، نہ قومی حقوق کا اعتقاد۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم رومن اصول کے مطابق یورپ نے فیصلہ کر لیا کہ دنیا برتر اور کمتر اقوام میں منقسم ہے۔ آزادی اور حقوق کے تمام اصول برتر اقوام کے لئے ہیں نہ کہ کمتر اقوام کے لئے۔ یورپ اور امریکہ دنیا کا نصف برتر حصہ ہے، بقیہ دنیا کمتر حصہ ہے۔ اس لئے اسے کوئی حق نہیں کہ انسانی آزادی اور قومی حقوق کا مطالبہ کرے جو برتر انسانوں کے لئے مخصوص ہیں!

(۲) فرانس جس وقت اپنے ملک کے اندر تیسرے انقلاب آزادی کی طیاریاں کر رہا تھا، تو اس وقت کسی فرانسیسی کے ذہن میں اس بات کا خطرہ بھی نہیں گزرا کہ اسی آزادی کی امیر عبد القادر جزائری اور اس کی بدبخت قوم کو بھی ضرورت ہے یا نہیں جسے فرانس نے اپنی فوجی طاقت سے غلام بننے پر مجبور کر دیا ہے؟ آج فرانس کی معلم حریت "قومیت" شام میں جو کچھ کر رہی ہے، دنیا کے سامنے ہے۔ انگلستان کہتا ہے وہ چھوٹی قوموں کا محافظ ہے۔ آزادی کا پشت پناہ ہے۔ محب الوطنوں کے لئے گوشۂ امن ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کن حالات میں اور کن کے لئے ہے؟ بلاشبہ اس نے روس کے فراریوں کو پناہ دی، فرانس کے جلاوطنوں کے لئے دروازے کھول دیئے، یونان کی آزادی کے لئے اپنا قومی شاعر بائرن پیدا کر دیا، اٹلی کے میزینی کو اپنی آبادیوں میں جگہ دے دی، اور یورپ کے بیشمار انقلابی نقشے لندن کی گلیوں اور مکانوں ہی میں کھینچے گئے، مگر مشرق اور ایشیا کے لئے اس کی یہ "حریت پرور" قومیت کیا فیصلہ کرتی رہی؟ وہ روس اور اسٹریا کے مظلوموں کو پناہ دیتا رہا، لیکن خود اس کے ظلم و تسلط کے مظلوموں کے لئے اس کے پاس پناہ دینے کا کیا سامان تھا؟ جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ آج مشرق اور ایشیا کا ہر گوشہ زبان حال سے جواب دے رہا ہے!

(۳) چونکہ "دفاعی قومیت" کی جگہ "ہجومی قومیت" کا جماعتی مزاج پیدا ہو گیا تھا، اس لئے خود یورپ کو بھی اپنی "قومی عصبیت" کے نتائج سے نجات نہ مل سکی۔ بلاشبہ غیر یورپین اقوام و بلاد کے مقابلہ میں اس نے اپنے لئے آزادی و حقوق کا ایک بلند معیار قرار دے لیا، لیکن یہ معیار گروہ بندی کی تنگ نظری اور قومی برتری و تسلط کے جذبات پر غالب نہ آسکا جو "ہجومی قومیت" کے لازمی خواص ہیں۔ "قومی برتری" کی حرص نے تصادم و کشاکش کی حالت پیدا کر دی، اور جماعتی ذہنیتوں پر "حق" کی جگہ اسی "طاقت" کے ..... اصول کی فرمانروائی قائم ہو گئی جس کے خلاف اس زور شور سے اعلان جنگ کیا گیا تھا۔ "قومی برتری" کی اس کشاکش نے یورپین طاقتوں کے لئے ایک کبھی ختم نہ ہونے والی باہمی جنگ کی حالت پیدا کر دی ہے۔ ہر قومیت دوسری قومیت کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ مقابلہ کا ایک بڑا میدان مشرق کی کمزوریوں نے بہم پہونچا دیا۔ ہر قوم چاہتی ہے اس میدان میں سب سے بڑھ کر غاصب اور سب سے زیادہ طامع ثابت ہو۔ استعمار، تجارت، اسلحہ سازی، مادی تقدم، اور معنوی نفوذ؛ ہر گوشہ میں دوڑ جاری ہے۔ پچھلی عالمگیر جنگ قومی مزاج کی اسی مجنونانہ حالت کا نتیجہ تھی، اور ابھی اس کے عالمگیر مذبح کا خون خشک نہیں ہوا تھا کہ ایک دوسرے تصادم کا میدان طیار ہونے لگا!

(۴) اسی طرح قومی "عصبیت" کی ساری مزاجی کیفیتیں اپنی پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو گئیں۔ تمدن کی ترقی، جذبات و امیال کی صورت بدل دیتی ہے۔ روح نہیں بدل سکتی۔ عرب جاہلیت کا غرور اور ہندوستان کے برہمنوں کی مغرورانہ تنگ دلی ایک دوسری صورت میں ابھر آئی جو پہلی صورت سے کہیں زیادہ طاقتور اور بے پناہ ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ "انسانیت" کا دائرہ اب بھی ویسا ہی تنگ ہے جیسا پہلے تھا۔

ردِ فعل

ضروری تھا کہ اس حالت کا ردِ فعل پیدا ہو۔ "ہجومی قومیت" کا مجنونانہ غلو اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب دنیا کا تغیر پسند مزاج زیادہ عرصہ تک متحمل نہیں ہو سکتا۔

انیسویں صدی ابھی زیادہ آگے نہیں بڑھی تھی کہ اس کے آثار شروع ہو گئے۔ سوسائٹی کے نچلے طبقوں نے دیکھا کہ آزادی اور مساوات کی اتنی ہنگامہ آرائیوں کے بعد بھی حقیقی آزادی اور مساوات بدستور مفقود ہیں۔ موجودہ نظام قومیت جو آزادی و مساوات کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا، اب خود آزادی و مساوات کی راہ میں روک بن گیا ہے۔ نئے دور سے پہلے دنیا کا استبداد اور غیر مساویانہ امتیاز چند افراد اور خاندانوں میں محدود تھا۔ اب وہ بڑے گروہوں میں پھیل گیا ہے۔ اس لئے حق و مساوات کے مقابلہ میں طاقت اتنی سمٹی ہوئی اور مرکزیت کی حالت میں نہیں ہے جس قدر پہلے تھی۔ تاہم جہاں تک انسانی آزادی و مساوات کا تعلق ہے، نوع انسانی اب بھی اس سے اسی طرح محروم ہے جس طرح پہلے تھی!

اس سے بھی زیادہ یہ کہ سرمایہ داری کی طاقت نے اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ اقتدار حاصل کر لیا ہے۔ پہلے انسانوں پر جو اختیار و تسلط صدیوں کی شاہی نسل اور امیرانہ روایت حاصل کر سکتی تھی اب وہ اختیار چند مہینوں اور برسوں کے اندر ایک سرمایہ دار محض روپیہ کے ذریعہ حاصل کر لیتا ہے اور دنیا کی صلح و جنگ اور ملکوں اور قوموں کی حکومت و محکومی کی باگ فوراً اس کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے!

انیسویں صدی کے "سوشلزم" کی تخم ریزی اسی ردِ فعل کا نتیجہ تھی۔ اب یہ بڑھتے بڑھتے "کمیونزم" تک پہونچ گیا ہے، اور نہ صرف یورپ کا نظام قومیت بلکہ ہیئت اجتماعیہ (سوسائٹی) کا پورا نظام الٹ دینا چاہتا ہے۔

عالمگیر جنگ یورپ اس نظام قومیت کی نامرادیوں کا سب سے بڑا اعلان تھا۔ ۵ سال تک خون اور آگ میں رہ کر جب دنیا نے دوبارہ سنبھالا لیا تو زندگی اور امن کی جستجو از سر نو شروع ہو گئی۔ ان تمام لوگوں نے جن کی ذہنیت کسی قومی نظام حکومت کی غرض پرستیوں سے آلودہ نہ تھی، محسوس کر لیا کہ پچھلا نظام اب دنیا کو زیادہ عرصہ تک مطمئن نہیں رکھ سکتا۔ یورپ کے حکما اور مفکرین میں ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو قومیت کی اس عصبیت سے اکتا گیا ہے اور "قومیت" کی جگہ "انسانیت" کی وسیع فضا ڈھونڈھ رہا ہے۔ طرح طرح کے نئے نظریے اور نئی تجویزیں دماغوں میں نشو و نما پا رہی ہیں۔ "دنیا کے نظام اجتماع کی نئی تقسیم" اور "انسانی برادری کا غیر مشروط حلقہ" وقت کا سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ موضوع فکر ہے۔

اگر بحیثیت مجموعی دنیا کی موجودہ ذہنی فضا پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک موسم ختم ہو رہا ہے اور دوسرے کی آمد آمد ہے۔ جس زمانہ سے ہم گذر رہے ہیں، عجب نہیں مستقبل کا مورخ اسمیں عہد تداخل کے آثار کی جستجو کرے۔ نہیں کہا جا سکتا نئے موسم کا پیغام کیا ہوگا؟ لیکن یہ ضرور ہے کہ دنیا اس وقت تک جن اجتماعی دائروں میں محصور رہی ہے اس سے ایک زیادہ وسیع دائرے کی طرف قدم بڑھائے۔ کیا وہ "انسانیت" اور "انسانی برادری" کی منزل ہوگی؟ کیا دنیا اس نقطہ تک پہنچ گئی ہے جس نقطہ تک اب سے تیرہ سو برس پہلے اسلام نے اسے پہنچانا چاہا تھا مگر نہ پہنچ سکی؟ اس کا جواب صرف مستقبل ہی دے سکتا ہے۔ مگر سر دست ہمیں اس جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں یہ سوال حل کرنا ہے کہ ۲۲ بحالت موجودہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ یعنی جہاں تک "قوم" اور "قومیت" کا تعلق ہے، ہمارا طریق کار کیا ہونا چاہئے؟ ناگزیر ہے کہ اس موضوع کے لئے ایک اور مجلس بحث و فکر آراستہ کی جائے۔

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے:

J. & E. Bumpus Limited
350: Oxford Street
LONDON, W. I

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ۔

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں۔

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں۔

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے۔

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی، اور سستے سے سستے ایڈیشن۔

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمارے یہاں ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔

آبِ حیات

جملہ اقسام کی انسانی وحیوانی بیماریوں کا فوری علاج۔ جس کے متعلو
بیس (۲۰) سال میں تیس (۳۰) ہزار سرٹیفکیٹ موصول ہو چکے ہیں
قیمت فی شیشی صرف دو روپیہ (محصول) نمونہ کی شیشی ۵

اکسیر عنبری مقوی اعضائے رئیسہ اور مردانہ طاقت بڑھا
والی گولیاں۔ قیمت فی شیشی چار روپیہ

نمک سلیمانی معدہ کی خرابیوں کو دور کرنے اور
خون صالح پیدا کرنے کی بہترین دوائی
قیمت فی شیشی بارہ آنے (۱۲)

مفصل فہرست ادویہ مفت

مینجر کارخانہ آبِ حیات پنڈی بہاؤالدین
(پنجاب)

Ab-i-Hayat Pharmacy,
PINDI BAHA-UD-DIN, PUNJAB.

اسلامی مذاق کی کتابیں

قرآن۔ حدیث۔ تصوف۔ فقہ۔ عقائد۔ تاریخ اور علوم جدید پر بہترین اور تازہ کتابیں دیکھنا چاہیں تو ہماری فہرست منگائیں۔ سرمایہ دار اگر مذہبی کتابوں کی تجارت پر روپیہ لگا کر فائدہ اٹھانا چاہیں تو قواعد منگا کر ملاحظہ فرمادیں۔ پتہ یہ ہے

مینجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

The SUFI PRINTING and PUBLISHING Co. LTD
— PINDI BAHA-UD-DIN. (PUNJAB)

قرآن مجید

(مترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن

یہ ترجمہ جسکے لئے مسلمان مدتوں سے سراپا انتظار تھے بفضلہ تعالیٰ نہایت آب و تاب کے ساتھہ چھپ کر مکمل ہو گیا ہے اور بکثرت طلب کیا جا رہا ہے - آج تک جسقدر ترجمے قرآن پاک کے ہوچکے ہیں یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے - تحت لفظی ہونے کے باوجود با محاورہ اور سلیس ہے - زبان ایسی شستہ اور صاف ہے جس کو معمولی لکھا پڑھا بھی بخوبی سمجھہ سکے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ زمین حنائی چھپی ہوئی پختہ ہے - ہدیہ مجلد چرمی منقش نقرئی پندرہ روپئے - جلد اعلیٰ منقش طلائی ۱۸ روپیہ محصولداک و خرچ پیکنگ ۲ روپیہ فرمایش

کے ساتھہ ۵ روپیہ پیشگی آنا ضروری ہے نمونہ مفت

اخبار مدینہ (بجنور)

(ہفتہ میں دو بار)

سنہ ۱۹۱۲ع سے قابل اہل قلم اڈیٹروں کی زیر ادارت جاری ہے خدمت قوم و ملک پاسداری مذہب و ملت اس کا شعار ہے - آزادی وطن اور قومی مطالبات کا علمبردار - اردو جرائد میں کثیر الاشاعت - سیاست حاضرہ کا مفسر حق و صداقت کا مشتہر - عربی و انگریزی اخبارات کا خلاصہ - دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچنے والا - ملاحظہ و مطالعہ خود ہمارے بیان کی تصدیق کردیگا - نمونہ مفت - قیمت سالانہ ۶ روپیہ - ششماہی تین روپیہ آٹھہ آنہ - سہ ماہی ۲ روپیہ فی پرچہ ایک آنہ ممالک غیر سے ۸ روپیہ سالانہ -

غنچہ رسالہ ہفتہ وار

بچوں کا معلم بچیوں کا اتالیق - طالب علموں کا استاد - علم و فن کا خزینہ - معلومات کی کان اخلاقیات و ادبیات کا گنجینہ - ہفتہ وار خاص ملک و ملت کے نونہالوں کیلئے شائع ہوتا ہے - زبان سلیس اور عام فہم ہے اپنے بچوں کیلئے ضرور طلب فرمائیے - قیمت سالانہ ۴ روپیہ -

(محمد مجید حسن مالک اخبار
مدینہ و غنچہ - بجنور

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز آف لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي ہوتے ہیں جنکي اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز آف لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں ' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرني چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاہئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں باقاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہي آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو موار اینڈ کو - برلن

پوسٹ باکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري ہیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور ہر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي ہیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta.
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

جلد ۱ — نمبر ۵

۱۵ جولائی ۱۹۱۲ء

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	-	سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "مینیجر الہلال" کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو رسید قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بعد قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایئے ' مقامی داکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۵ | کلکتہ : جمعہ ۱۵ ۔ محرم ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 15, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری ھی کہ ھم اسکا اب فیصلہ کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔

طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

ھندی اور ھندوستان کی تمام زبانون نی ، نیز عربی ، فارسی ، ترکی ، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی ھی اور انکی طباعۃ یورپ کی طباعۃ کا مقابلہ کر رھی ھی ۔ کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کرے جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی ھی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

ھماری رای مین بہترین حروف یہی ھین ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیے یہ نا موزون نہین تو اردو کیلیے کیون نا موزون ھون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجییے ۔ یاد رکھییے ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیے سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔

الھلال

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ھین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W.

ھے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پراني قلمي اور مطبوعه کتابیں، پراني تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزیئن کا هر قسم کا سامان، اور هر طرح کے پرانے صنعتي عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب هیں، تو هم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم هماري نمایش گاهوں اور ذخائر کي فهرستیں هي منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت، دونوں کیلیے همارا ذخیرہ قیمتي ھے -

نوادر عالم کا یه ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولي مصارف و مساعي کے بعد حاصل کیا گیا ھے -

دنیا کے تمام قدیم تمدني مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطاین، هندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں همارے ایجنٹ همیشه گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز عهد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ، امریکه، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهرہ کے نئے ایوان شاهي کے نوادر ابهي حال میں هم هي نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بهي پہلے هم هي سے خط و کتابت کیجیے - بہت ممکن ھے که همارا سفري یا مقامي ایجنٹ آپسے مل سکے -



ایک صدی قبل ایک مغربی خاتون کی مشرقیۃ

ایک مرد نما انگریز خاتون جو شام مین متوطن ہوگئی تھی ۔

لیڈی اسٹن ہوپ

حال میں ایک فرانسیسی اهل قلم موسیو بلوشر نے ایک نئے قسم کے تاریخی موضوع پر کتاب لکھی ہے : " اٹھارھویں صدی میں مغرب و مشرق کا اتصال " اسمیں اُن تمام یورپین اشخاص کے حالات جمع کیے ھیں جنھوں نے اٹھارھویں صدی میں " مشرقیۃ " اختیار کرلی تھی ۔ " مشرقیۃ " سے مصنف کا مقصود یہ ہے کہ مشرقی ممالک کی رسوم ' معاشرت ' وضع و قطع ' اور ذوق و فکر کا اس طرح اختیار کرلینا ' گویا مغربیۃ ترک کر کے سرتا سر مشرقیۃ اپنے اوپر طاری کرلی ہے !

مصنف کو اس موضوع میں اُس سے کہیں زیادہ کامیابی ہوی ہے ' جتنی کامیابی کی بظاھر توقع کی جاسکتی ہے ۔ ایک بہت بڑی تعداد یورپ کی تمام اقوام کی نظر آتی ہے جسنے ترکی ' مصر ' شام ' عراق ' هندوستان ' اور چین میں توطن اختیار کرلیا تھا ' یا بہت زیادہ مدت تک کیلیے مقیم ہوگئی تھی ' اور اپنا مغربی جامہ اُتار کر سرتاسر مشرقی جامہ پہن لیا تھا ۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے هندوستان کے هندوستانی انگریزوں ' هندوستانی فرانسیسیوں ' اور هندوستانی ڈچوں کے حالات سے تو هم بے خبر نہیں هیں ' لیکن دوسرے مشرقی ممالک کے ان مشرقی مغربیوں کے حالات یقیناً همارے لیے نئی دلچسپی کا باعث ہونگے ۔

اب زمانے کی رفتار اُلٹ چکی ہے ۔ اب مغربیوں کی مشرقیۃ کا نہیں بلکہ مشرق کی " مغربیۃ " کا دور دورہ ہے ۔ یقیناً ایک ایسے عہد میں یہ حالات همارے لیے عبرت انگیز دلچسپی سے خالی نہونگے ۔

آج هم اس کتاب سے ایک انگریز خاتون کے حالات مع تصاویر کے نقل کرتے هیں ۔ یہ خاتون مشہور انگریز مدبر سر ولیم پٹ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی ۔ اِسے شام و لبنان کی مشرقیۃ نے کچھہ اس طرح لبھا لیا تھا کہ اپنا وطن ' اپنی قوم ' اور مغربی دنیا کے تمام علائق ترک کرکے همیشہ کیلیے لبنان میں مقیم ہوگئی اور بالآخر وهیں پیوند خاک ہوئی :

(لیڈی اسٹن ہوپ)

سنہ ۱۷۷۶ - میں ایک انگریز لڑکی پیدا ہوئی - باپ کی طرف سے اُسکا رشتہ لارڈ اسٹن ہوپ سے ' اور ماں کی طرف سے لارڈ چٹھم سے ملتا تھا ۔

لارڈ اسٹن ہوپ " باغی لارڈ " کے لقب سے مشہور تھا ۔ کیونکہ وہ انقلاب فرانس کا بہت بڑا مداح اور جمہوریت کا حد غلو تک حامی تھا ۔

لارڈ چٹھم ' مشہور برطانوی وزیر اعظم ولیم پٹ کا باپ تھا ۔ نپولین اعظم کے نام کے ساتھہ پٹ کا نام بھی همیشہ زندہ رہے گا ۔ دونوں کی دشمنی ' دشمنی کی حد سے بھی تجاوز کرگئی تھی ۔ ولیم پٹ نے جب جان دی ' تو اسکے آخری الفاظ یہ تھے : " جنگ ' جنگ " یعنے فرانس سے جنگ !

یہ لڑکی بچپن ھی سے عجیب الاطوار تھی ۔ انتہا پسندی اُسے اپنے دادھیال سے ورثہ میں ملی تھی ۔ مستقل مزاجی اور خیال کی آزادی ننھیال سے پائی تھی ۔

جب وہ چار برس کی تھی ' اُسکی ماں مرگئی ۔ باپ نے نئی شادی کرلی ۔ لڑکی اپنے باپ کی بیوی سے نباہ نہ کرسکی اور اپنی نانی کے گھر چلی گئی ۔ نانی کی موت کے بعد اپنے ماموں ولیم پٹ کے هاں اُٹھہ آئی ۔ یہاں اُسے انگلستان کے مشہور ترین آدمیوں اور یورپ کے بڑے بڑے مدبروں کے دیکھنے کا موقعہ ملا ' اور یورپین سیاست کے بہت سے راز اُس پر کھل گئے ۔

سنہ ۱۸۰۶ - میں ولیم پٹ کا بھی انتقال ہوگیا ۔ مگر مرنے سے پہلے بھانجی کے نام پندرہ سو پونڈ سالانہ وظیفہ مقرر کرگیا ۔ اب اُسنے متوفی ماموں کا گھر بھی چھوڑ دیا اور دیہات میں اُٹھہ گئی ۔ کئی سال دیہاتی زندگی میں بسر کردیے ۔

اپنے ماموں کے گھر اور دیہات میں انگلستان کے بہت سے معزز نوجوانوں سے اُسکی دوستی ہوگئی تھی ۔ بعض کی محبت نے اُسکے دل کا التفات حاصل بھی کیا ' مگر نا معلوم اسباب کی بنا پر وہ شادی نہ کر سکی ' یا شادی کرنی نہ چاھی ۔

یہ بات نہ تھی کہ وہ بد صورت ہو اور مرد اُس سے نفرت کرتے ہوں ۔ اُسکا شمار حسینوں میں تھا ۔ سرو قامت اور چھریرا بدن رکھتی تھی ۔ لیکن اُسکے خط و خال زنانہ ہونے کی جگہہ زیادہ تر مردانہ تھے ۔ اس لیے نسوانی کشش اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے تھے ۔

(مشرق کی سیاحت)

سنہ ۱۸۱۰ - میں اُسکا بھائی بھی مر گیا ۔ اِس سے وہ بڑی محبت کرتی تھی اور اپنی زندگی اُسکی خدمت کیلیے وقف کردی تھی ۔ یہ حادثہ اسکے لیے ناقابل برداشت تھا ۔ چنانچہ غم غلط کرنے کیلیے سمندر کے سفر کا قصد کیا ۔ پہلے صرف جبل طارق تک جانے کا

ارادہ تھا - لیکن جب وھانتک پہنچ گئي [illegible] دامنگیر ھوا - یہانتک کہ مشرق کے تمام مشہور مقامات یونان، ترکي، مالٹا، مصر، وغیرہ کي اُس نے سیر و سیاحت کرلي - اُس وقت یہ تمام ممالک عثمانی سلطنت کے زیر نگیں تھے -

(مشرقیۃ کي ابتدا)

ایک مرتبہ اس سیاحت کے اثنا میں ایسا اتفاق ھوا کہ اُسکي کشتي سمندر میں ٹوٹ گئي - قریب تھا کہ سب ڈوب جائے - لیکن عین وقت پر بچا لیے گئے - چونکہ اس حادثہ میں اس خاتون کے کپڑے ضائع ھو گئے تھے، اسلیے ایک ترک افسر نے اپني جنگي وردی اُتار کر دیدي اور اُسنے شکریہ کے ساتھہ قبول کرلي - یہ پہلا موقعہ تھا کہ اپنا مغربي اور جنسي لباس ترک کرکے اسنے مشرقي اور مردانہ کپڑے پہنے، لیکن یہ وضع کچھہ ایسي دل کو بھا گئي کہ مدۃ العمر کے لیے مردانہ مشرقي وضع اختیار کرلي !

لڑکي ایک ترک افسر کي وردي پہنے اسکندریہ میں داخل ھوئي اپني سہیلي کو بھي مردانہ لباس اختیار کرنے پر مجبور کیا - چند روز آرام کرکے فلسطین روانہ ھوئي - یہاں ترکي وردي اُتار کر مصري ممالیک کا پر شوکت لباس اختیار کرلیا - سر پر عمامہ، جسم پر قفطان اور جبہ، سنہري تلوار کمر میں، اس انگریز خاتون کي جو سر ولیم پٹ وزیر اعظم برطانیہ کي بھانجي تھي، دلپسند وضع تھي !

ملکہ زینوبیا (زباء) کي اِس ویران راجدھاني کے کھنڈروں میں (کیونکہ وہ فلسطین ھي میں تھي) اُسے غیر معمولی کیفیت محسوس ھوئي - یہاں اس مرد نما خاتون کو صحرا نشینوں نے ملکۂ صحراء کا تاج پہنایا !

(مشرقیۃ کا فیصلہ)

معلوم ھوتا ھے، اسي زمانہ میں اسکے اندر مشرقي توطن اور مشرقي زندگي کا خیال پیدا ھوگیا تھا، اور اُسنے اپني بقیہ زندگي کیلیے ایک آخري فیصلہ کر لیا تھا - وہ حماۃ اور انطاکیہ ھوتي ھوئي دیر الیاس نامي مقام پر پہنچي، اور یہاں آبادي سے باھر پہاڑ پر اپنے لیے ایک قلعہ طیار کرایا - یہي قلعہ اُسکا گھر اور یہي پہاڑ اُسکا وطن ھوگیا - یورپ اور یورپ والوں کو بالکل بھول گئي - عربي حقہ منھہ سے لگا کر دھواں اڑاتي - گھوڑے پالتي - غلام خریدتي - اور ایک مشرق نژاد امیر کي سي زندگي بسر کرتي - اس کے پاس چالیس غلام تھے - خود اسي نے انہیں جنگي قواعد بھي سکھائي تھي -

آھستہ آھستہ اس نے بڑي قوت اور اھمیت حاصل کرلي - اب اُسکي حیثیت ایک طاقتور شیخ قبیلہ کي ھوگئي تھي - بستي کے تمام قبائل اس کے مطیع ھوگئے تھے - یہ پوري فیاضي کے ساتھہ اُنہیں روپیہ دیتي، اور اُنھي کي زبان میں اُن سے باتیں کرتي - اُنکے تمام جھگڑے قضیے اِسي کے سامنے آتے - یہ تمام مقدمات کا ایک حکمران کي طرح فیصلہ کرتي اور مجرموں کو سزائیں دیتي - قرب و جوار کے سرکش لوگوں سے مقابلہ بھي جاري رھتا - اسکي دھاک تمام علاقہ میں بیٹھہ گئي تھي - لوگ اسکے رعب سے کانپتے تھے - اُسکے پاس ایک جلا[illegible] تھا جو عادي مجرموں کو قتل کرتا تھا - قید خانہ بھي بنایا تھا - مجرموں کو اسمیں قید کرتي تھي -

۲۵ - برس یہاں رھي، اور اسطرح رھي، کہ اس علاقہ کي ایک طاق[illegible] تھي - بسا اوقات دول یورپ بھي مجبور ھوئیں کہ اُسکي خوشامدیں کریں - انگریز ھونے پر بھي وہ انگریزوں اور انگریزي حکومت سے سخت نفرت کرتي تھي - اِس جوار میں جب کبھي انگریز ریشہ دواني کرتے، یہ فوراً اسکا توڑ کردیتي - اُسوقت انگلستان کي خارجي نظارت یقین کرتي تھي کہ یہ عجیب و غریب انگریز عورت مشرق میں اُسکي ایک خطرناک دشمن ھے !

[illegible] شجاعت، قوت ؛ کا اندازہ اس سے ھوسکتا ھے کہ لبنان [illegible] مشہور دروزي سردار " امیر شہاب " جیسے جبار سے بھي اسنے مقابلہ کیا تھا !

اِس سے بھي بڑھکر یہ کہ محمد علي خدیو ازل کے بیٹے ابراھیم پاشا نے جب شام پر حملہ کیا، تو اس سے درخواست کي کہ یہ غیر جانب دار رھے - یہ ابراھیم پاشا وھي تھا جس نے ایک طرف حجاز میں نجدیوں کا تخت الٹ دیا تھا، دوسري طرف سلطنت عثمانیہ کو اپنے جبروت کے آگے جھکنے پر مجبور کردیا تھا !

اِسے گھوڑوں کا بڑا شوق تھا - اصیل سے اصیل عربي گھوڑے اُسکے اصطبل میں بندھے رھتے تھے - بلیوں سے بھي بہت محبت تھي - اُسکا قلعہ بلیوں سے بھرا رھتا تھا - وہ جادو، نجوم، اور تناسخ کي بھي قائل تھي -

(لامارٹین سے ملاقات)

سنہ ۱۸۳۲ - میں مشہور فرانسیسي شاعر و مصنف لامارٹین (۱) اس سے ملا تھا جب اُس نے مشرق قریب کا سفر کیا تھا - اُسوقت وہ بوڑھي ھوچکي تھي شاعر نے اسکي بابت اپنا تأثر جن لفظوں میں ظاھر کیا ھے وہ حسب ذیل ھیں :



لیڈي اسٹن ھوپ
مشرق کے سفر اور مشرقیۃ سے پہلے

(۱) لامارٹین انیسویں صدي کا مشہور فرانسیسي شاعر اور مصنف ھے جس کي نسبت تسلیم کیا گیا ھے کہ شعر موسیقي (لیریک) کے جدید مذھب (اسکول) کا باني وھي ھے - مشرق اور مشرقي شاعري سے بھي اسے غیر معمولي دلچسپي تھي - خیال کیا جاتا ھے، اسکے کلام کا وہ حصہ جس میں خدا کي حمد و ثنا ایک نئے اسلوب میں کي گئي ھے اور اسکي صفات و تجلیات کے مظاھر کا استغراق نمایاں ھوتا ھے، دراصل اسلامي الاھییات و تصوف کے مطالعہ کا پرتو ھے - سنہ ۱۸۳۰ - میں اُس نے اسلامي ممالک کا سفر کیا - اُسوقت سلطان عبد المجید خاں مرحوم تخت عثماني پر متمکن تھے - اُنھوں نے جب اس سیاح کے حالات سنے تو ملاقات کیلیے بلایا، اور اسمرنا اور لبنان میں ایک بہت بڑا قطعۂ زمین بطور جاگیر کے بخشدیا - اُس کے بعد سے لامارٹین کچھہ عرصہ اسمرنا میں رھتا - کچھہ عرصہ لبنان میں - اسي زمانہ میں اس نے اپنا مشہور سفر نامۂ مشرق مرتب کیا اور دولۃ عثمانیہ کي تاریخ آٹھہ جلدوں میں لکھي - مندرجۂ متن راے اُسکے سفر نامہ سے ماخوذ ھوئي، اگرچہ مصنف نے حوالہ نہیں دیا ھے - (الھلال)

" اُس کي شخصيت ' ذاتي عظمت اور انوکھے اطوار سے مرکب ھے - اِس مرکب کي تحليل کرنے کي ناکام کوشش کي جگہ ھميں اُسکا نام جنون رکھديا چاھيے "

يہ شاعر کي راے ھے - ليکن خود خاتون نے شاعر کو کس نظر سے ديکھا ؟ وہ اپني ياد داشت ميں لکھتي ھے :

" يہ شخص تصنع کا عادي ھے - زنانہ اطوار رکھتا ھے - ھميشہ اپنے پيروں کي سبکي اور نزاکت دکھانے کي کوشش کرتا ھے - مذھب کے بارے ميں جب اس سے سوال کيا جاتا ھے تو صاف جواب دينے سے ڈرتا ھے "

وہ اپنے ملاقاتيوں کے ساتھہ ايوان ميں مردوں کي طرح بيٹھا کرتي تھي - گفتگو کا انداز يہ تھا گويا مقرر تقرير کر رھا ھے - رات رات بھر باتيں کرتي رھتي - يہانتک کہ ملاقاتي بے اختيار ھوکر سو جاتے تھے !

(بڑھاپا اور خاتمہ)

اسکي زندگي کے آخري دن بڑي ھي تکليف ميں کٹے - بڑھاپے کے زمانہ ميں سود خوار يہوديوں کا افسون اُس پر چل گيا تھا - قرض کي عادت پڑ گئي تھي - اسراف کي کوئي حد نہ رھي تھي - نتيجہ يہ نکلا کہ ديواليہ ھوگئي - صرف چار غلام باقي رہ گئے - باقي تمام خدم و حشم رخصت کرنا پڑے اور تمام جائداد ھاتھہ سے نکل گئي - حتي کہ وليم پٹ کا وظيفہ بھي قرضہ کي نذر ھوگيا - سنہ ۱۸۳۸ ميں اِس خود دار خاتون نے ملکہ وکٹوريا اور وزير اعظم انگلستان کو اپني حالت زار سے آگاہ کيا اور اعانت کيليے بڑي بڑي منتيں کيں مگر کوئي شنوائي نہ ھوئي -

نتيجہ يہ نکلا کہ صحراء کي ملکہ فاقے کرنے لگي - عمر کي زيادتي ' بڑھاپے کي کمزوري ' پراني عظمت کي ياد ' موجودہ بے سروسامانياں : غرضکہ سيکڑوں مصيبتيں بيک وقت ٹوٹ پڑي تھيں - بالآخر بيمار ھوئي اور سنہ ۱۸۳۹ ميں اپنے پيچھے ايک عجيب تاريخ چھوڑ کر فوت ھوگئي - بيرون کے انگريز قونصل نے سنا تو فوراً پہنچا ' اور تجہيز و تکفين کے رسوم انجام ديکر محل کے باغ ميں نعش دفن کردي -

مدت کي غفلت کے بعد سنہ ۱۹۱۱ ميں انگلستان کو يہ خاتون ياد آئي اور اُس کي قبر پختہ بنوادي گئي - مصنف کا بيان ھے کہ سنہ ۱۹۱۳ ميں اُس نے قلعہ کے کھنڈر اور اسکي نئي بني ھوي قبر ديرالياس ميں ديکھي تھي -



ليڈي اسٹن ھوپ لا مارٹين کے ھمراہ اپنے قلعہ ميں
ليڈي کے سر پر پگڑي ھے اور لا مارٹين برھنہ سر ھے -

افسانہ

محبت اور قربانی
يا
سزا اور انتقام ؟

ويکٹر ھيوگو کا " بشپ " اور تاريخ اسلام کا " بغدادي "

درس وفا اگر بود زمزمۂ محبتی
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گريز پای را

(۱)

انگريزي تعليم يافتہ اشخاص ميں بہت کم لوگ ھونگے جنھوں نے فرانس کے مشہور انشا پرداز ويکٹر ھيگو Victor Hugo کي مصنفات کے انگريزي ترجمے نہ پڑھے ھوں - نثر ميں اُس کي بہترين کتاب " ميزيريبل Les Miserables تسليم کي گئي ھے - اس قصہ ميں اُس نے دکھلايا ھے کہ انساني زندگي کي تمام شقاوتيں اور مصيبتيں صرف اس ليے موجود ھيں کہ سوسائٹي کا نظام اور اخلاق غلط ھے - اس کے پاس رحم ' محبت ' عفو ' اور اصلاح کے ليے تو کوئي جذبہ نہيں ' ليکن وہ قانون اور سزا پر پورا اعتقاد رکھتي ھے - نتيجہ يہ ھے کہ انسان کو جرم اور مصيبت سے بچانے کے ليے وہ کچھہ نہيں کرسکتي - ليکن جرم پر سزا دينے اور مصيبت پر نفرت کرنے کے ليے ھر وقت طيار رھتي ھے !

ايک شخص جو اپني يا اپنے عزيزوں کي بھوک سے عاجز آکر چوري کرتا ھے ' يا نيکي اور خدا پرستي کي تعليم نہ ملنے کي وجہ سے گمراہ ھو جاتا ھے ' آپ کتني ھي سزائيں دي جائيں ' وہ جرم کرتا ھي رھيگا - کيونکہ سزا نے نہ تو اس کي بھوک کا علاج کيا ' نہ اس کي روح کي تاريکي کے ليے نيکي کي روشني بہم پہنچائي - اس کا علاج رحم اور محبت ھے - مگر يہي چيز سوسائٹي کے پاس نہيں ھے !

وہ کہتا ھے ' جرم اور گناہ روح کا زخم ھے - يہ محبت کے مرھم ھي سے اچھا ھوسکتا ھے - ليکن دنيا کے پاس مرھم نہيں ھے - صرف سزا کا تازيانہ ھے !

اس قصه میں ایک نہایت هي موثر سیرۃ (کیریکٹر) ایک قصبه کے بشپ (بڑے پادري) کي هے ' اور اسي سے قصه شروع هوتا هے - یه بشپ رحم اور محبت کا پیکر تها - انسان کي شقاوت اور مصیبت کے لیے اُس کے دل میں نفرت کي جگه رحمت تهي - وہ اس حقیقت سے بے خبر نه تها که انساني روح نفرت و بغض سے نہیں بلکه محبت اور فیاضي سے شکار کي جاسکتي هے - وہ اپني تمام بیش قرار تنخواہ بے نواؤں کي اعانت اور بیماروں کي تیمارداري میں خرچ کرڈالتا اور کہتا " یه میرے گهر کا خرچ هے " - وہ اپنا تمام وقت اپنا جنس کي خبر گیري و خدمت میں صرف کردیتا اور کہتا " یه میرے اوقات کي تقسیم هے " - جب کبهي کوئي بیمار پڑتا ' یه اس کے سرهانے پہنچ جاتا - جب کبهي کوئي مصیبت میں مبتلا هوتا ' یه اُس کے دروازه پر دستک دیتا - جب کبهي کوئي مجرم گرفتار هوتا ' یه اُسے توبه و انابت کي تسکین دینے میں مشغول نظر آتا !

اُس کا دروازه همیشه کهلا رهتا - هر آنے والے کے لیے وہ ایک هي آواز رکهتا تها " اندر چلے آؤ " اُس کي راتیں خدا کے تصور میں بسر هوتي تهیں اور دن اس کے بندوں کي محبت میں !

***

اُسي زمانه میں ایسا اتفاق هوا که فرانس کا ایک مشهور مجرم اٹهاره برس کي سزا جهیل کر تولون کے قید خانه سے رها هوا اور اُسي قصبه سے گزرا - جاڑے کا موسم تها - ایک پهر رات گزر چکي تهي - بهوک اور تهکن سے چور چور هو رها تها - سارے قصبه کا بار بار چکر لگایا که رات بهر کے لیے کہیں پناه مل جائے مگر میسر نه آئي - وہ ایک رها شده قیدي تها - کون تها جو ایسي قابل نفرت مخلوق کو اپني چهت کے نیچے دیکهنا گوارا کرتا ؟ مجبوراً اس نے ایک احاطه کي شکسته کوٹهري میں پناه لي ' لیکن وہ کتے کا گهر تها - کتے نے بهي گوارا نه کیا که اُس کے ساتهه شب باش هو ! پهر اس نے سونچا ' میرے لیے صرف قید خانه هي میں جگه نکل سکتي هے - وہ قصبه کے قید خانه کے دروازه پر پہنچا اور بڑي عاجزي سے درخواست کي که رات بهر کے لیے اسے جگه دیدي جائے - لیکن دروازه کے محافظ نے کہا " یه سرائے نہیں هے - قید خانه هے - اگر یہاں آنا چاهتے هو تو پہلے اپنے کو گرفتار کراؤ "

افسوس بد قسمت انسان ! قید خانه بهي اُسے پناه نہیں دے سکتا جب تک وہ جرم نه کرے !

***

آخر اتفاقات اُسے بشپ کے دروازه پر پہنچاتے هیں - حسب معمول آواز آتي هے " اندر چلے آؤ " یه مکان میں جاتا هے اور اپني داستان مصیبت سناتا هے - بشپ ایک دوست اور بهائي کي طرح اُس کا خیر مقدم کرتا هے اور اپنے اور اپنے خاندان کے ساتهه میز پر بٹها کر کهانا کهلاتا هے - گرم کمره ' گرم غذا ' آرام و عافیت سے رات بسر کرنے کا سامان ؛ صورت حال کي یه تبدیلي جین والجین کي طبیعت میں (کیونکه رها شده قیدي کا یهي نام تها) شگفتگي پیدا کردیتي هے - وہ بشپ سے بے تکلف هوکر باتیں کرنے لگتا هے - لیکن وہ سخت متعجب هوتا هے جب دیکهتا هے که بشپ اُسے گفتگو میں " جناب " کرکے مخاطب کرتا هے - اُس نے اپني زبان سے لاکهوں مرتبه دوسروں کو " جناب " کہا تها ' لیکن خود اپنے لیے یه لفظ کبهي نہیں سنا تها - اُس کي ساري عمر قید خانے کے سپاهیوں کي گالیاں سننے میں بسر هوئي تهي - وہ حیران هوکر کہتا هے " میں ایک رها شده قیدي هوں - اگر تم میرے حال سے واقف هوتے تو ایسا نه کہتے " لیکن بشپ کہتا هے " میں تم سے واقف هوں - کیونکه تم میرے بهائي هو ! "

کهانے کے بعد وہ جین کے لیے اپنے کمرے کے ساتهه کا کمرہ طیار کرادیتا هے - چاندي کا شمع دان روشني کے لیے رکهدیتا هے ' اور شب بخیر کہکر رخصت هوجاتا هے -

جین شکر گزار هوکر سو جاتا هے - عمر بهر میں یه پہلا موقعه تها که قید خانه کے سخت اور ٹهنڈے فرش کي جگه ایک نرم اور گرم بستر سے اس کا جسم مس هوا تها !

***

اب ایسا هوتا هے که پچهلے پهر اُس کي آنکهه کهلتي هے - اس کا دماغ جو شام کي مصیبتوں سے تهک کر معطل هوگیا تها ' کئي گهنٹے آرام پاکر اپني اصلي حالت میں واپس آجاتا هے اور اپنا گرد و پیش سونچنے لگتا هے - اچانک اس کے خیالات میں جنبش هوتي هے - طمع و حرص کے مجرمانه جذبات بهڑک اُٹهتے هیں - جرم کا ذوق خفته بیدار هوجاتا هے - اسے یاد آتا هے که کهانے کي میز پر چاندي کے قیمتي برتن موجود تهے جو اسي کمرے میں ایک جگه رکهے هوئے هیں - وہ اُٹهتا هے - پہلے بشپ کے کمرے میں جاتا هے - نہیں معلوم جرم و گناہ کے کیسے خوفناک ارادے اُس کے اندر کهول رهے تهے ؟ لیکن جب بشپ کے ساکن اور نوراني چهرے پر نظر پڑتي هے تو جهجهک کے رہ جاتا هے - گهبراهٹ میں جلد جلد چاندي کے برتن اُٹهاتا هے ' اور باغ کي دیوار پهاند کر روانه هوجاتا هے -

***

بشپ صبح اُٹهتا هے - وہ خیال کرتا هے که اپنے مهمان کے لیے گهر کي گائے کا تازه دودهه مهیا کرے - لیکن اتنے میں خادمه آتي هے اور خبر دیتي هے که یه " مهمان عزیز " چاندي کے تمام برتن لیکر بهاگ گیا - بشپ سنتا هے ' لیکن اُس کي زبان سے شکایت کا ایک حرف نہیں نکلتا - وہ کہتا هے ' لکڑي یا لوهے کے برتن بهي اُسي طرح کام دے سکتے هیں جس طرح چاندي کے برتن ' وہ به آساني مهیا کرلیے جائینگے !

اتنے میں دروازه کهلتا هے اور پولیس کے سپاهي جین والجین کو گردن سے پکڑے نمودار هوتے هیں - اُن سے معلوم هوتا هے که صبح یه قصبه سے نکل کر تیزي سے بهاگا جا رها تها - پولیس کے ایک سپاهي کو شبه هوا اور گرفتار کر لیا - شبه کي تصدیق اُس بقچه سے هوئي جو اِس کي بغل میں تها - اُس سے چاندي کے قیمتي برتن نکلے -

یهي موقعه بشپ کي سیرۃ (کیریکٹر) کي سب سے زیاده موثر تصویر پیش کرتا هے - جونهي بشپ کي نظر جین پر پڑي ' بے تامل آگے بڑها :

" میرے دوست کیا تم هو ؟ " بشپ نے کہا " میں تمهیں دیکهه کر بہت خوش هوا - لیکن یه کیا بات هے که تم جاتے هوئے اپنے شمعدان یہیں چهوڑ گئے ؟ حالانکه وہ بهي تو چاندي کے هیں " اُس نے چاندي کے لفظ پر زور دیا " اور کم سے کم دو سو روپیه میں فروخت هوجا سکتے هیں ؟ "

پولیس افسر ایک دوسرے هي طرح کے معامله کا متوقع تها - یه صورت حال دیکهي تو گهبرا گیا :

" تو کیا وہ بات نہیں تھی " پولیس افسر نے متعجب ہوکر کہا " جو اس شخص نے ہم سے بیان کی تھی ؟ جب ہم نے اس سے دریافت کیا کہ یہ قیمتی سامان تمہیں کہاں سے ملا ؟ تو اس نے کہا کہ....."

بشپ نے اس کی بات ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا - خود ہی یہ کمی پوری کردی :

" اس نے کہا کہ یہ چیز مجھے ایک بوڑھے پادری نے دی تھی جس نے یہاں میرے ساتھ رات بسر کی تھی ' مگر تم نے اسکی بات باور نہ کی اور گرفتار کرکے میرے پاس لے آئے - کیوں ؟ کیا یہی بات ہے ؟ اگر یہی بات ہے تو تم نے غلطی کی "

پولیس افسر نے جین کو چھوڑ دیا - جین کی ہمت اور اعلیٰ طبیعت کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اس لطیف مگر حیرت انگیز طرز عمل کی نزاکت محسوس نہ کرسکتا - صورت حال کی عجیب ' غیر متوقع ' اور انقلابی نوعیت نے اسے مبہوت کردیا - اس کی آنکھیں کھلی تھیں مگر اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا - بشپ اٹھا اور چاندی کے دونوں شمعدان جو اس کی چوری سے بچ رہے تھے ' اٹھا سامنے کر دیے :

" میرے دوست ! یہ اپنی چیز لیلو اور خدا کے امن اور سلامتی کے ساتھ جاؤ - مگر دیکھو ' جب کبھی تم واپس آؤ ' تو یاد رکھنا - تمہارے لیے بالکل غیر ضروری ہے کہ باغ میں سے گزرنے کی زحمت برداشت کرو - تم اس گھر میں ہمیشہ اس کے صدر دروازے سے داخل ہوسکتے ہو - رات ہو یا دن - وہ کبھی اندر سے بند نہیں کیا جاتا - صرف بھڑا دیا جاتا ہے "

جین نے بغیر اس کے کہ صورت حال سمجھ سکا ہو ' ایک ایسے آدمی کی طرح جو اپنے ہوش و حواس میں نہ ہو ' ہاتھ بڑھا دیا اور شمعدان لے لیے - اب بشپ ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور جین کے کان میں کہتا ہے :

" دیکھو یہ نہ بھولنا کہ تم نے مجھ سے آج کیا وعدہ کیا ہے ؟ تم نے وعدہ کیا ہے کہ اس سامان کی قیمت سے ایک راست باز آدمی کی زندگی بسر کروگے "

جین نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا - وہ تو مبہوت اور دم بخود کھڑا تھا - بشپ نے اس کے کہنے کا انتظار نہیں کیا - اسے جو کہنا چاہیے تھا ' وہ خود ہی اس کی طرف سے فرض کرلیا - قبل اس کہ منظر ختم ہو ' بشپ کی زبان پھر کھلتی ہے - وہ جین کے کاندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھتا ہے اور کہتا ہے :

" جین والجین ! میرے دوست ! میرے عزیز بھائی ! اب تم زیادہ عرصہ تک برائی کی زندگی میں نہیں رہسکتے - میں نے آج تمہاری روح تم سے خرید لی ہے - میں اسے تاریکی سے نکال کر خدا کے حوالہ کرتا ہوں ! "

***

میں نے جب بھی قصہ کا یہ حصہ پڑھا ہے ' تو محسوس کیا ہے کہ کوئی چیز ضرورت سے زیادہ یہاں آگئی ہے - میں خیال کرتا ہوں ' اگر بشپ ہوگو یہ منظر وہیں پر ختم کردیتا جہاں شمعدان حوالہ کرتا ہے " سلامتی کے ساتھ جاؤ " تو یہ تصویر کہیں زیادہ موثر اور مکمل ہوتی - اس سے زیادہ بشپ تو خود اپنی زبان سے کہنے کی ضرورت نہ تھی - اس سیرۃ (کیریکٹر) کی ساری تاثیر اس کی حالت کی رفعت اور کیفیت میں ہے - صراحت اور وضاحت میں نہیں ہے — بسا اوقات عمل کی تاثیر مقدس ہوتی ہے جسے چھونا نہیں چاہیے - زبان کی کوئی اس میں مخل ہوسکتی ہے مگر اضافہ نہیں کرسکتی !

***

بہر حال جین یہاں سے نکلتا ہے ' اور اب وہ وقت آتا ہے کہ زندگی بھر کی خواب گراں کے بعد اچانک اس کی آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ افکار و احساسات کی ایک بالکل نئی دنیا اس کے اندر پیدا ہوگئی ہے - یہ اس کی زندگی میں پہلا موقعہ تھا کہ نفرت ' حقارت ' اور سزا کی جگہ رحم ' محبت ' اور عفو و بخشش کی دل نواز صدا اس کے کانوں میں بجی تھی - یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسے معلوم ہوا ' اس دنیا میں صرف " قانون " اور " سزا " ہی نہیں ہے بلکہ ان سے بھی ایک بالا تر حقیقت ہے جو " محبت " اور " قربانی " ہے اور جس کی وسعت کے دائروں کی کوئی انتہا نہیں - وہ خود بھی اس حقیقت کی تاثیر سے بچنا چاہتا لیکن یہ اس کا روح و دل زخمی لیے بغیر نہیں رہسکتی تھی - وہ قید خانۂ تولون کا مشہور مجرم سہی ' مگر پھر بھی انسان تھا - سانپ اور بھیڑیا نہ تھا - سانپ کا پھن اور بھیڑیے کا پنجہ بھی تو محبت اور قربانی کے سامنے نہیں اٹھ سکتا ؟ نا ممکن تھا کہ وہ بشپ کی رحمت و قربانی سے اپنی شقاوت و بغاوت کا مقابلہ نہ کرتا - اس کا دل جسے سوسائٹی کی بے مہری ' قانون کی سنگ دلی ' اور زندگی کی محرومیوں نے پتھر کی طرح سخت کردیا تھا ' اب محبت کی دل نوازیوں سے بے اختیار پگھلنے لگا - سچ مچ تو اس کی روح اس کی نہیں رہی تھی - اسے بشپ کی نگاہ محبت نے خرید لیا تھا - اس خرید و فروخت میں بشپ نے چند برتن کھوئے ' لیکن جین نے اپنی پوری زندگی جو گم ہوچکی تھی واپس پالی - اور بشپ جین کو قانون اور سزا کے حوالے کردیتا تو کیا پاتا ؟ چاندی کے چند برتن جو اس کے گھر سے چورائے گئے تھے - لیکن چاندی کے برتن زیادہ قیمتی ہیں یا خدا کے ایک بھٹکے ہوئے بندے کی خدا کے طرف واپسی ؟ بشپ کا فیصلہ یہ تھا کہ چاندی نہیں بلکہ انسان قیمتی ہے ! اس نے برتنوں کے ساتھ شمعدان بھی ملادیے - کیونکہ پھر بھی یہ سودا بہت ارزاں تھا !

***

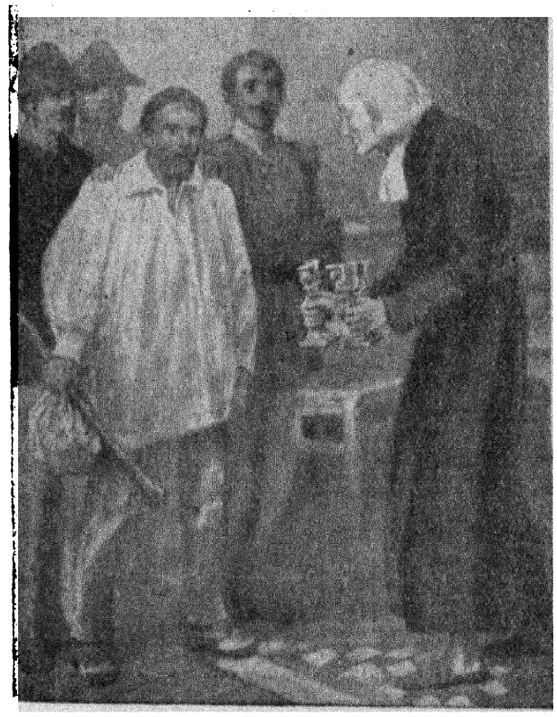

" میرے دوست ! تم یہ اپنے شمعدان یوں چھوڑ گئے ؟ یہ بھی چاندی کے ہیں اور دو سو میں فروخت ہوسکتے ہیں "

نیکي اور بدي میں کشمکش شروع ہوگئي - مقابلہ سخت تھا مگر جیت نیکي ہي کیلیے تھي - جین نے تاریکي اور گناہ کا دشت بے کنار پیچھے چھوڑا ' اور ایک ہي جست میں نیکي اور خدا پرستي کي بلندیوں پر پہنچ گیا :

بال بکشا و صفیر از شجر طوبیٰ زن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی !

نیکي کي دنیا بدي کي دنیا سے کس قدر دور معلوم ہوتي ہے اور پھر دیکھو تو کتني نزدیک ہے ؟ جب تک تم نے اُسکي طرف قدم نہیں اُٹھایا ' وہ اِتني دور ہے کہ اُس کا نشان راہ بھي تمھیں دکھائي نہیں دیتا - لیکن جونہي تم اُسکي طرف چلے ' وہ اِتني نزدیک ہوجاتي ہے کہ ساري مسافت ایک قدم سے زیادہ نہیں ! یونانی علم الاصنام کي ضرب المثل تھي : " مریخ کے مندر اور عطارد کے مندر میں صرف ایک دیوار حائل ہے " کیونکہ دونوں ایک ہي احاطہ میں تھے اور جہل و خونریزي کے مندر سے نکل کر علم و امن کے مندر میں جانے کیلیے صرف اِتنا کرنا پڑتا تھا کہ بیچ کے ایک دروازے سے نکلکر دوسرے دروازے میں قدم رکھدیا - یہ اس طرف اشارہ تھا کہ علم و جہل ' محبت و جنگ ' اور نیکي و بدي کي دنیائیں کتني ہي وسیع اور دور دراز نظر آتي ہوں ' مگر اُسکے لیے جو ایک سے نکل کر دوسري میں قدم رکھنا چاہے ؛ اس سے زیادہ مسافت نہیں ہے کہ ایک گھر کي چوکھٹ سے نکلے اور دوسري چوکھٹ میں قدم رکھدیا !

طے می شود ایں رہ بہ درخشیدن برقے
ما بے خبراں منتظر شمع و چراغیم !

***

بالآخر فرانس کا وہ مشہور مجرم جسکے لیے جوري پیشہ اور قتل تفریح تھي ' جسے دنیا کا قانون اور سوسائٹي کا انصاف اٹھارہ برس عذاب میں رکھ کر بھي جرم سے روک نہیں سکا تھا ' جسکي شقاوت اور سیہ کاري اس حد تک پہنچ چکي تھي کہ قید خانہ سے نکلتے ہي پہلا وار اپنے محسن پر کر گزرا ' اور ذرا بھي ضمیر کي ملامت محسوس نہ کي ؛ اب ایک شریف ' راست باز ' خدا پرست ' اور فیاض آدمي تھا جسکي دولت بندگان خدا کي بے لوث خدمت میں اور جسکي زندگي مصیبت زدوں اور بے سر و سامانوں کي غمخواري میں صرف ہوتي تھي ! اِتنا ہي نہیں بلکہ گذشتہ کے احساس اور مستقبل کي طلب نے اب اسکے اندر نیکي اور ایثار کي ایک ایسي اعلیٰ روح پیدا کردي تھي جسکي طاقت کي کوئي انتہا اور جسکي وسعت کا کوئي کنارہ نہ تھا - بشپ کا نمونہ اُسے اپني روحاني بلندي کي سطح سے بھي ایک زیادہ بلندي کي طرف دعوت دے رہا تھا !

***

انسان کتنا ہي نیک بننا چاہے لیکن سوسائٹي اسے نیک بننے نہیں دیتي - وہ اُسکا زندگي کے ہر گوشے اور ہر موڑ پر تعاقب کرتي ہے - جین کچھہ سے کچھہ ہوگیا ' اُسکي روح بدل گئي ' اُسکا دل پلٹ گیا ' اُس کا سینہ جو کبھي شیطان کا نشیمن تھا ' مقدسوں کي نیکیوں کا آشیانہ اور فرشتوں کي پاکیوں کا خزینہ بن گیا ؛ تاہم سوسائٹي نہ تو اُسے معاف کرسکي ' نہ اُسکي راہ روکنے سے باز آئي - ایک کے بعد ایک آزمایشیں آتي گئیں ' اور اُسکي وہ نیکي جو بشپ نے شمعدان پکڑاتے ہوے اسکے دل کے ریشے ریشے میں اتار دي تھي ' متزلزل نہ ہوئي - وہ قربانیوں پر قربانیاں کرتا گیا - اس نے انسان کي خدمت اور محبت کیلیے اپنا سب کچھہ دیدیا - لیکن انسان اُسے انصاف کا ایک کلمہ ' اعتراف کا ایک اشارہ ' عزت کي ایک غلط انداز نظر بھي نہ دے سکا !

***

افسانہ بہت طول کھینچتا ہے - سالہا سال گزر جاتے ہیں - یورپ کے بعض اہم واقعات شروع ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں - " واٹرلو " کا معرکہ اور " فرانس کا تیسرا انقلاب " بھي ہو چکتا ہے ' لیکن جین کي عجیب و غریب زندگي کي مسلسل اور غیر منقطع قربانیاں ختم ہونے پر نہیں آتیں - وہ اپني زندگي کا تمام آخري حصہ صرف کر کے جس یتیم اور مظلوم لڑکي کي پرورش کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اُسکي زندگي کي ساري نامرادیوں اور شقاوتوں کا صلہ اس بچہ کي محبت میں مل جائیگا ' وہ بھي اُس سے بے پروا ہو جاتي ہے - جس شخص کي زندگي کو وہ ایک ایسے زہرہ گداز اور دہشت انگیز خطرہ میں پڑکر بچاتا ہے جس کا تصور بھي انسان کو سہمادے ' وہ بھي اُسکے ساتھہ انصاف نہیں کرسکتا اور اُس سے منھہ موڑ لیتا ہے - آخر وہ وقت آتا ہے جب اسي برس کي عمر میں تن تنہا بستر موت پر کروٹیں بدلتا ہے - اُسوقت انسان طیار ہوتا ہے کہ اُسکے ساتھہ انصاف کرے -

ساري عمر کي نیکي اور قرباني کے بعد اعتراف کي یہي چند گھڑیاں تھیں جو سوسائٹي اُسے دے سکي !

***

ویکٹر ہیوگو کي یہ طیار کي ہوي سیرۃ (کیریکٹر) نہایت مقبول ہوي ہے - یورپ کے بڑے بڑے مصوروں نے اسکا مرقع کھینچنے میں اپنے کمالات کے جوہر دکھلاے ہیں - سب سے بہتر مرقع مورس کا تسلیم کیا جاتا ہے جو گذشتہ صدي کا نامور فرانسیسي مصور تھا - اس مرقع میں اُس نے وہ منظر دکھلایا ہے جب پولیس کے سپاہي جین کو گرفتار کر کے لاتے ہیں اور بشپ کے سامنے پیش کرتے ہیں - جین دم بخود کھڑا ہے - اسکے ہاتھہ میں چوري کے مال کا بقچہ ہے - بشپ مسکراتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور چاندي کے شمعدان اُسے پکڑا رہا ہے - نیچے یہ عبارت درج ہے " میرے دوست ! تم رات جاتے ہوے یہ شمعدان کیوں چھوڑ گئے ؟ یہ بھي تو چاندي کے ہیں اور دو سو روپیہ میں فروخت ہو سکتے ہیں " ؟

***

کچھہ عرصہ ہوا میں سفر میں تھا اور گزران وقت کے لیے یہ قصہ پڑھہ رہا تھا - میں نے خیال کیا ' ویکٹر ہیوگو نے اپنے زور تخیل سے انساني سیرۃ کا ایک بڑا ہي بلند اور دلاویز نقشہ کھینچا ہے ' لیکن اگر اُس نے مشرق کي شاعري کي طرح (کیونکہ اُس نے سعدي اور حافظ کا مطالعہ کیا تھا) مشرق کے اخلاق و تصوف کا بھي مطالعہ کیا ہوتا تو اسے معلوم ہوجاتا کہ اس طرح کي اخلاقي سیرۃ یہاں کي عملي زندگي کے واقعات رہ چکے ہیں - پھر مجھے خیال آیا کہ سید الطائفہ جنید بغدادي (رح) اور ابن ساباط کا واقعہ کس درجہ اس سے مشابہ ' اور اپني تفصیلات میں کیسا شاندار اور موثر ہے ؟

***

" ابن ساباط " کي سرگزشت کیلیے آئیندہ مجلس افسانہ سرائي کا انتظار کیجیے -

" وصاف "

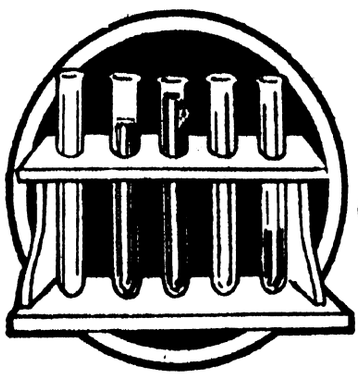

مذاکرہ علمیہ



انسانی عمر کی درازی اور اعادۂ شباب

یورپ کے طبي حلقے سالہا سال سے اعادۂ شباب اور درازي عمر کے جن تجربوں میں مشغول تھے ' اُن میں سب سے زیادہ کامیابي ڈاکٹر وورو نوف کو ہوي ہے جو بندر کي گلٹیوں کي قلم انسان کے جسم میں لگا کر بوڑھاپے کو جواني سے بدل دیتا ہے - اُس کي حیرت انگیز عملي کامیابیوں کا غلغلہ چار سال سے بلند ہے ' اور اب اس درجہ مشہور ہو چکا ہے کہ ہر چوتھے پانچویں ہفتے اِس بارے میں کوئي نہ کوئي خبر ریوٹر ایجنسي کے ذریعہ دنیا میں مشتہر ہوجاتي ہے -

سب سے پہلے سنہ ۱۹۲۲ - میں ریوٹر نے یہہ خبر مشتہر کي تھي کہ سابق قیصر جرمني نے ڈاکٹر وورو نوف کو بلایا ہے تا کہ اس عملیہ کا تجربہ کریں - اُسکے بعد سنہ ۱۹۲۴ - میں فرانس کي ہاواس ایجنسي نے خبر دي کہ حکومت فرانس نے ڈاکٹر موصوف کو الجزائر بھیجا ہے تا کہ وہاں کي بھیڑوں پر اس عملیہ کا تجربہ کریں - اُسي زمانے میں پیرس کے مشہور مصور رسالہ لا الستراسیون نے اس عملیہ کي تاریخ اور عملي نتائج پر متعدد مضامین لکھے ' اور تھوڑے عرصہ کے بعد انگلستان کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر وورو نوف نے لندن کا سفر کیا ہے اور شاہي طبي مجلس کے زیر اہتمام ایک وقیع جلسہ میں تقریر کي ہے - اس جلسہ میں انہوں نے ایک ۷۵ - برس کا سالخوردہ آدمي بھي پیش کیا تھا جو حد درجہ کمزور ہو چکا تھا ' مگر اب اس عملیہ کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ چالیس برس کا طاقتور جوان معلوم ہوتا تھا !

اس کے بعد فرانس اور انگلستان کے طبي رسالوں میں یہ مبحث از سر نو چھڑ گیا - مختلف پہلوؤں سے اس پر بحثیں ہوتي رہیں -

شاید ہندوستان ہي وہ جگہ ہے ' جہاں اس عملیہ کي کامیابي اور مقبولیت کا سب سے پہلے اور سب سے بہتر اندازہ لگایا جا سکتا تھا - بندروں کي سب سے بڑي آبادي افریقہ کے بعد ہندوستان میں ہے - اور اگر عمدہ نسل کے بندروں کي جستجو ہو تو وہ غالباً صرف ہندوستان اور اسکے جزیروں ہي میں مل سکتے ہیں - اس لیے ہر ایسے عملیہ کے لیے جس میں اِس " انسان سے ایک درجہ فرو تر " جانور کي ضرورت ہو ' ضروري ہے کہ ہندوستان سے اپني ضرورت پوري کرنے کا انتظام کرے - سنہ ۱۹۲۵ع میں اچانک معلوم ہوا کہ شمالي ہند میں ایک نئي قسم کي تجارت شروع ہوگئي ہے اور خوب فروغ پا رہي ہے - یہ تجارت بندروں کے فرانس بھیجنے کي تجارت تھي - معلوم ہوا کہ فرانس کي ایک حیوانات فروش دکان سیکڑوں ہزاروں کي تعداد میں عمدہ نسل اور قسم کے بندر طلب کر رہي ہے ' اور بمبئے ' کلکتہ ' کولمبو سے ایک ایک جہاز میں سو سو بندر بھیجے جا رہے ہیں - یہ صورت حال اس بات کا قطعي ثبوت تھي کہ ڈاکٹر وورو نوف کا عملیہ کم از کم مقبول خوب ہو رہا ہے !

حال میں ریوٹر ایجنسي نے پیرس سے ایک نئي خبر شائع کي تھي - اس سے معلوم ہوا تھا کہ حکومت فرانس نے ڈاکٹر موصوف کو فرانس اور اٹلي کے سرحدي مقامات میں سے ایک نہایت پر فضا اور معتدل مقام دیدیا ہے ' اور انہوں نے وہاں ایک قدیم قلعہ میں بہت بڑي تعداد بندروں کي جمع کرلي ہے - مقصود اس سے یہ ہے کہ خود یورپ میں بندر پال کر بڑي تعداد پیدا کرلي جائے ' تاکہ اس عملیہ کے انجام دینے میں سہولت ہو -

اس خبر کے دو ہفتہ بعد پیرس کے مشہور اخبار طان میں ایک ملاقات کا دلچسپ حال شائع ہوا جو اسي سرحدي مقام کے قدیم قلعہ میں (جو اب بندروں کي قیام گاہ ہے) مسٹر چرچل اور ڈاکٹر موصوف میں ہوئي تھي - ملاقات کي سرگزشت ڈاکٹر ایم - لوئي فارست کے قلم سے نکلي تھي جو ڈاکٹر وورو نوف کے پرانے دوست ہیں -

چونکہ یہ معاملہ موجودہ دنیا کا سب سے زیادہ اہم طبي انکشاف ہے ' اس لیے ہم چاہتے ہیں ایک جامع تحریر اس موضوع پر شائع کردیں - ہم نے مختلف مصادر سے اس مبحث کے تین اہم حصے لے لیے ہیں اور انہیں ضروري تصاویر کے ساتھہ شائع کر دیتے ہیں - پہلا ٹکڑہ نیویارک کے مڈیکل جرنل کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے جو دنیا کے معتمد طبي رسائل میں سے ہے - دوسرا پیرس کے مشہور مصور رسالہ " لا الستراسیون " کے مضامین سے مرتب کیا گیا ہے جو اس موضوع پر شائع ہوئے تھے - تیسرا " طان " پیرس سے لیا گیا ہے جس میں مسٹر چرچل اور ڈاکٹر وورو نوف کي ملاقات کي سرگزشت بیان کي گئي ہے - اس کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے بعض انگریزي اخبارات میں بھي شائع ہوگیا تھا ' لیکن اب ڈاک کے اخبارات میں " طان " آگیا ہے اور اس میں پوري سرگذشت درج ہے -

(۱)

(انساني عمر کي درازي)

زندگي کي بیمہ کرنے والي کمپنیوں کي سالانہ رپورٹیں ظاہر کرتي ہیں کہ گزشتہ صدي کے آخري پچیس برسوں میں انسان کي عمر پہلے سے بارہ برس زیادہ ہوگئي ہے - امریکن پروفیسر ڈاکٹر میو نے واشنگٹن یونیورسٹي میں پچھلے مہینہ تقریر کرتے ہوئے کہا :

ڈاکٹر گورسکي

جس نے تجدید خون کے ذریعہ اعادۂ شباب کے عملیہ میں کامیابي حاصل کي

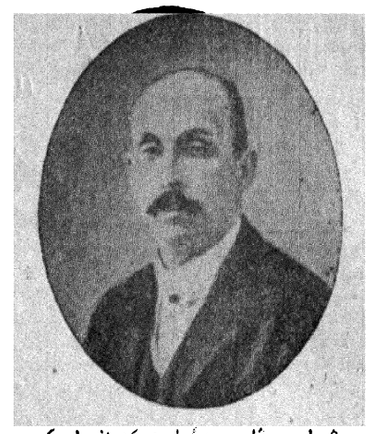

" اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کي عمر بڑھ رہي ہے - سولہویں صدي سے انیسویں صدي کے وسط یعني سنہ ۱۸۵۰ع تک ' انسان کي عمر میں بیس برس کا اضافہ ہوچکا ہے - اس کے بعد بھي ترقي برابر جاري رہي - اس وقت انسان کي متوسط عمر ۵۸ - سال تک پہنچ چکي ہے "

پروفیسر مذکور کے خیال میں اس زیادتي کا اصلي سبب عام حفظان صحت کي ترقي اور عقل انساني کي وسعت ہے - اب انسان بہت سے ایسے امراض پر غالب آگیا ہے جو پہلے ناقابل علاج تھے - اسنے بتایا کہ مرد کي زندگي کیلیے سب سے زیادہ خطرہ پچاس اور اٹھاون سال کي درمیاني عمر میں ہوتا ہے - لہذا اس موقعہ پر غیر معمولي احتیاط کي ضرورت ہے - عورت کي زندگي ۱۶ - اور ۱۸ - سال کي عمر میں سب سے زیادہ خطرے میں ہوتي ہے - تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ اکثر عورتیں اسي عمر میں مرتي ہیں -

عمر کي درازي میں وراثت کو بھي بہت دخل ہے - جن خاندانوں میں عمر زیادہ ہوتي ہے ' انکي نسل زیادہ مدت تک زندہ رہتي ہے - یہ اس لیے کہ عمر کا تعلق جسم کي اُن خلایا یا تھیلیوں سے ہے جو زندگي کي محافظ اور پرورش کرنے والي ہیں - علماء علم الحیاۃ نے اب یہ بات تسلیم کرلي ہے کہ زندگي کي اِن تھیلیوں کي قوت و صلاحیت عام طور پر موروثي ہوتي ہے - لہذا طویل العمر خاندانوں کے افراد کو زیادہ عمر پانے کي امید رکھني چاہیے - بشرطیکہ بے اعتدالیوں سے زندگي کي قوتیں قبل از وقت ضایع نہ کردیں -

حال میں مشہور روسي عالم ڈاکٹر وورنوف نے اعلان کیا ہے :

" عنقریب انسان ۱۲۵ - سال کي عمر حاصل کرلیگا ' اور علم کي ترقي بہت جلد اس مدت کو ۱۴۰ - سال تک بڑھا دیگي "

اور بہت سے علماء نے بھي اِسي قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے - دنیا بھر میں زندگي کي درازي کیلیے ایک زبردست تحریک پیدا ہوگئي ہے -

(اعادۂ شباب)

لیکن سوال یہ ہے کہ انسان اِتني عمر لیکر کریگا کیا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر ساٹھ برس کے بعد ہي بڑھاپے کي کمزوریاں اُسے مغلوب کرلیتي ہیں ' اور اس کے بعد تو اُسکي زندگي موت سے بھي بدتر ہوجاتي ہے ؟

بلا شبہ یہ سوال بہت اہم ہے -

لیکن علماء علم حیات اِس سے غافل نہیں ہیں - اُن کا جواب یہ ہے کہ بڑھاپے کي یہ حالت طبیعي اور اٹل نہیں ہے بلکہ عوارض کا نتیجہ ہے - اگر یہ عوارض دور کردیے جائیں تو سو برس کي عمر میں بھي انسان ویسا ہي خوش حال رہسکتا ہے - جیسا تیس برس کي عمر میں ہوتا ہے - وہ کہتے ہیں - یہ عوارض دور کردیے جاسکتے ہیں -

بڑھاپے کي لاچاریاں دور کرنے کا مسئلہ نیا نہیں ہے - قدیم سے انسان نے اِس پر غور کیا ہے اور دواؤں کي شکل میں اُسکے بہت سے حل تجویز کیے ہیں - مگر تجربے اور عمل سے کوئي بھي کارگر ثابت نہ ہوا - اب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ علماء شاید یہ مہم سر کرلیں -

(سائنس کانگرس کا اعلان عظیم)

گزشتہ سال سوئٹزرلینڈ میں سائنس کانگرس نے اعلان کیا تھا :

" یہ خیال محض بے بنیاد ہے کہ بڑھاپا ایک طبعي حالت ہے جو لازمي طور پر ہر انسان پر طاري ہوتي ہے - بڑھاپا بھي دراصل بیماري کي طرح ایک عارضہ ہے - جس طرح ہر بیماري کے جراثیم ہوتے ہیں ' اُسي طرح اِس بیماري کے بھي جراثیم ہیں ' اور علم نے معلوم کر لیے ہیں - اگر ان کے معدوم کردینے میں کامیابي ہوگئي ' تو بڑھاپا بھي معدوم ہوجائیگا " !

(۲)

(اعادۂ شباب کے کامیاب طریقے)

بڑھاپا دور کرنے یا بہ الفاظ علمي اس کے جراثیم معدوم کردینے کے جو طریقے اِس وقت تک کامیاب ہوچکے ہیں ' وہ کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے - ہم مختصراً اُن تمام طریقوں کا یہاں ذکر کردیتے ہیں -

(۱) تجدید مادۂ دمویہ

اِس طریقہ کا موجد پیرس کا ایک ڈاکٹر گورسکي ہے - اِس طریقہ کي طرف اِسے ڈاکٹر کارل کي کیمیاري تحقیقات سے رہنمائي ہوئي - ڈاکٹر کارل حیوان کا کوئي عضو یا عضو کا کوئي حصہ ایک عرق کے اندر جس میں در ثلث خون اور ایک ثلث اسي حیوان کي جنین کا جوہر شامل ہوتا تھا ' رکھدیتا ' اور وہ عضو حیرت انگیز طور پر زندہ رہتا - ڈاکٹر گورسکي نے یہ دیکھکر خیال کیا کہ اگر بوڑھے حیوان کے جسم میں اُسي نسل کے جوان حیوان کا خون منتقل کردیا جائے تو اُسے جوان ہوجانا چاہیے - چنانچہ اُس نے تجربہ کیا اور کامیاب رہا - چودہ برس کا ایک بوڑھا کتا اور ۲۴ - برس کا بوڑھا گھوڑا ' دونوں جوان ہوگئے !



مشہور عالم ڈاکٹر وورونوف

جو اعادۂ شباب کے عملیہ تقلیم کا موجد ہے

ایک ۷۵ برس کا بوڑھا آدمی
عملیۂ تقلیم سے پہلے

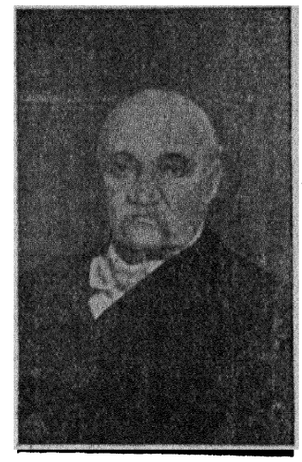

ان تجربوں کے بعد اُس نے انسان کو لیا اور خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی - چالیس سے ساٹھ برس تک کے آدمیوں پر تجربہ کیا گیا جنکی شرائین سخت ہو گئی تھیں' اور پیری کے جملہ لوازم اُن پر ٹوٹ پڑے تھے - جوان آدمیوں کا خون اُن کے جسم میں پہنچایا گیا اور یہ تمام عوارض دور ہو گئے - یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اس طریقہ میں جوان آدمی کا بہت سا خون لیا جاتا ہے - نہیں' بہت ہی کم خون - اِتنا کم' جتنا معمولی زخم سے بہہ جایا کرتا ہے - اور وہ اِس عمل کے لیے کافی ہوتا ہے - ایک سنٹی میٹر مکعب سے دو سنٹی میٹر تک خون کافی ہوتا ہے - اِس میں اصلی شرط یہ ہے کہ دونوں کے خون کی فعالی خاصیت یکساں ہو - یہی سبب ہے کہ خون لینے سے پہلے اُس کی طبی جانچ کرلی جاتی ہے - سب سے بہتر خون باپ کے لیے بیٹے کا ہوتا ہے - لیکن بہر حال طبی معائنہ ضروری ہے -

(۲) گلٹیوں کا نظریہ

دوسرا طریقہ گلٹیوں کی عملیات کا ہے - یہ طریقہ اُس نظریہ پر مبنی ہے جو آجکل بہت عام اور مقبول ہو رہا ہے - نظریہ یہ ہے کہ جسم کے پورے نظام کا دار و مدار اُن گلٹیوں پر ہے جو خون میں بلا واسطہ اپنا مادہ پہنچاتی رہتی ہیں - اِن گلٹیوں کی مثال بالکل اُس نلکے سے پرزہ کی ہے جو موٹر میں حرکت کے وقت پہلا شرارہ پیدا کرتا ہے -

گلٹیوں کی جسم میں تاثیر مسلم ہے - مثلاً جب گردن کی "غدۂ درقیہ" (Thyroid Gland) خراب ہو جاتی ہے تو انسان میں غفلت و حماقت کی سی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - اِس غدد یا گلٹی کے اوپر دو گلٹیاں اور بھی موجود ہیں - یہ اِتنی چھوٹی ہیں کہ پن کے سر سے زیادہ نہیں ہیں - اگر یہ جسم سے نکال دی جائیں تو فوراً تشنج شروع ہو جائے اور زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے کے اندر انسان مر جائے - اسی طرح گردوں کے اوپر کی گلٹیاں بھی اگر نکال دی جائیں تو چشم زدن میں اس طرح دم نکل جائے' گویا بجلی گر پڑی - وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں گلٹیاں ایک خاص طرح کا مادہ خارج کرتی رہتی ہیں جس کا نام "ادرینالین" ہے - یہی مادہ قلب کی حرکت کا اصلی موجب ہے -

غرضکہ اِس قسم کی بہت سی گلٹیاں انسان کے جسم میں موجود ہیں - لیکن تجربہ کرنے والوں نے اپنے علاج میں صرف تناسلی گلٹیوں سے کام لیا ہے - یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تناسلی گلٹیوں ہی سے وہ مادہ خارج ہوتا ہے جس سے مرد کی آواز بھاری ہوتی ہے' چہرے پر بال نکلتے ہیں' اور وہ تمام حالات پیدا ہو جاتے ہیں جنسے مرد' مرد ہوتا اور اُس میں رونق شباب ظاہر ہوتی ہے -

(گلٹیوں کے عملیات)

اِن گلٹیوں کو قوی اور چست کیوں کر کیا جائے ؟ علماء نے اِس کے چند طریقے نکالے ہیں

ایک طریقہ یہ ہے کہ ان گلٹیوں پر عمل جراحی کرتے ہیں اور اُن کی شرائین مختلف دواؤں کے ذریعہ تروتازہ کر دی جاتی ہیں' جن سے مادۂ منویہ آتا ہے اور جو بڑھاپے میں خشک ہو جاتی ہیں - یہ طریقہ اب تک پوری طرح کامیاب نہیں ہوا ہے' اگر ہو بھی جائے تو صرف اُنہی بوڑھوں کے لیے مفید ہوسکتا ہے جن کے قوی ابھی مضبوط ہیں اور جسم میں مادۂ منویہ کافی مقدار میں پیدا ہوتا رہتا ہے - لیکن جن کے قوی بالکل کمزور ہو گئے ہیں' اُن کے لیے یہ طریقہ مفید نہ ہوگا - یہی وجہ ہے کہ یہ طریقہ مقبول نہیں ہوا -

دوسرا طریقہ پچکاری کے ذریعہ مواد داخل کرنے کا ہے - تندرست حیوان کی تناسلی گلٹیوں کے مواد کا خلاصہ حاصل کیا جاتا ہے' اور بوڑھے جسموں کی گلٹیوں میں پہنچا دیا جاتا ہے - لیکن یہ طریقہ بھی زیادہ کار آمد ثابت نہیں ہوا - کیونکہ اول تو ایسے مواد کا حاصل کرنا مشکل ہے - پھر اِس کا اثر بھی زیادہ دیر پا نہیں ہوتا - کچھہ مدت کے بعد جاتا رہتا ہے -

یہ طریقہ سب سے پہلے ایک امریکن ڈاکٹر براؤن سیکر نے معلوم کیا تھا اور خود اپنے جسم پر اسکا تجربہ کیا تھا - یہ ڈاکٹر بہت بوڑھا ہو گیا تھا - عمر ستر سے بھی زیادہ ہوگئی تھی - علمی اشغال کی قوت باقی نہیں رہی تھی - بڑے غور و فکر کے بعد اُسے خیال ہوا کہ اِس طریقہ کا تجربہ کیوں نہ کیا جائے ؟ چنانچہ تناسلی گلٹیوں کے مواد کا خلاصہ حاصل کیا اور اپنے جسم میں پچکاری کے نشتر کے ذریعہ داخل کردیا - نتیجہ حیرت انگیز تھا - اچانک شباب کی قوتیں عود کر آئیں !

تیسرا طریقہ وہ ہے جسے پیوند یا قلم لگانے سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جس طرح درختوں کی دو مختلف شاخوں کا باہمدگر پیوند لگایا جاتا ہے' اسی طرح ایک جسم کا کچھہ حصہ دوسرے جسم میں لگا دیا جاے - اسی لیے ہم نے اسے " تقلیم " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جو عربی میں قلم لگانے کے معنی میں بولا جاتا ہے - ایک دوسرا لفظ " تطعیم " بھی ہے - لیکن اسمیں قلم لگانے سے زیادہ ٹیکہ لگانے کا مفہوم پایا جاتا ہے - مصر کے بعض رسائل نے غلطی سے اسے " تطعیم " کہنا شروع کر دیا ہے - حالانکہ تطعیم اِسکے لیے موزوں نہیں



وہی ۷۵ برس کا بوڑھا
عملیہ کے بعد

ہے - اس میں ٹیکہ لگانے کے عملیہ کی طرح کوئی خارجی مادہ داخل نہیں کیا جاتا ' بلکہ ایک عضو کی قلم دوسرے عضو سے پیوند کردی جاتی ہے -

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تندرست جسم کی تناسلی گلٹیوں کا پیوند بوڑھے آدمی میں لگادیا جاتا ہے اور وہ بالکل جوان ہو جاتا ہے - سب سے پہلے سنہ ۱۷۷۰ - میں ایک انگریز ڈاکٹر جان ہنٹر نے اس کا تجربہ کیا تھا - بوڑھے کتے میں جوان کتے کی ٹلیاں لگادیں اور اُسکا بڑھاپا دور ہوگیا - پھر سنہ ۱۸۴۹ - میں ڈاکٹر برتھولڈ نے مرغ پر یہی تجربہ کیا اور کامیاب ہوا - انیسویں صدی کے آخر میں کئی اور پرندوں پر بھی اس عملیہ کے تجربے کامیاب ہو چکے ہیں -

لیکن یہ محض تجربے ہی تجربے تھے - ابھی اس حد تک معاملہ نہیں پہنچا تھا کہ عملی حقیقت کی طرح تسلیم کرلیا جاتا - مگر سنہ ۱۸۹۴ - میں ڈاکٹر شٹناخ نے وائنا میں از سر نو تجربے شروع کیے - اِنکا سلسلہ ابتک جاری ہے - اِس ڈاکٹر کے تجربے زیادہ تر چوہوں پر تھے - تمام تجربے کامیاب ہوے اور ثابت ہوگیا کہ زیادہ سے زیادہ بوڑھے چوہے بھی جوان ہوسکتے اور چالیس مہینے تک زندہ رہسکتے ہیں - حالانکہ چوہوں کی عمر کا اوسط تیس مہینے سے زیادہ نہیں - اِس کے معنی یہ ہوئے کہ اُنکی عمر میں تقریباً ۴۵ - فی صدی کا اضافہ ہوگیا - اگر اِسی پر آدمی کی عمر کا بھی قیاس کیا جائے تو اِسی سے سو برس تک پہنچ جانا ممکن معلوم ہوتا ہے -

(ڈاکٹر وورو نوف)

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ عملیہ کی آخری کامیابی کی عزت ایک روسی ڈاکٹر کے نام لکھی جا چکی تھی جو عرصہ سے پیرس میں مقیم ہے - یعنی ڈاکٹر وورو نوف -

ڈاکٹر موصوف نے اپنے تجربے حیوان سے شروع کیے - سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۸ - میں ۱۲ - برس کے بوڑھے دنبے میں ایک جوان دنبے کی تناسلی گلٹی کا پیوند لگایا - نتیجہ یہ ہوا کہ دو مہینے کے اندر بوڑھے دنبے کی حالت بدل گئی - پہلے اُسکا سر جھکا رہتا تھا - ہاتھہ پاؤں کانپتے تھے - پیشاب بند ہو ہو جاتا تھا ' اور توالد و تناسل کی قوت بالکل مفقود ہو چکی تھی - لیکن اِس علاج کے بعد اُسکی جوانی واپس آگئی ' جوش شباب پیدا ہوگیا ' سینگ مارنے لگا ' اور مادا اُس سے حاملہ بھی ہوگئی - ڈاکٹر نے صرف اتنے تجربے ہی پر اکتفا نہیں کی - بلکہ کچھہ روز بعد یہ پیوند الگ کرکے دیکھا کہ اب دنبے کی حالت کیا ہوتی ہے ؟ ہوا یہ کہ پیوند کے الگ ہوتے ہی بڑھاپا لوٹ آیا - ڈاکٹر نے دوبارہ پھر پیوند لگا دیا ' وہ پھر از سر نو جوان ہوگیا !

(۸۵ برس سے چالیس برس !)

اِسکے بعد ۷۵ - برس کے ایک بوڑھے انگریز پر تجربہ کیا - یہ نہایت ہی ردی حالت میں تھا - کمزوری حد کو پہنچ چکی تھی - پیٹ کی کھال لٹک آئی تھی - بینائی تقریباً جاچکی تھی - کان بھی بہرے ہونے کے قریب تھے - اس نے اپنی جوانی کا تمام زمانہ ہندوستان کے گرم و سخت موسم میں بسر کیا تھا - وہ اس قدر کمزور تھا کہ ڈاکٹر کے مطب تک بھی خود نہیں چڑھ سکا جو پہلی منزل پر واقع تھا - نوکر اُسے اپنی پیٹھہ پر لاد کے لے گیا -

لیکن اِس علاج کے بعد وہ جوان ہوگیا - قوت واپس آگئی ' حتیٰ کہ سر پر بال بھی نکل آئے - حالانکہ سالہا سال سے اُسکا سر گنجا ہو رہا تھا ! (صفحہ ۱۱ - کی دونوں تصویریں اِسی شخص کی تصویریں ہیں)

ڈاکٹر وورو نوف کا بیان ہے کہ سب سے بہتر پیوند اُس قلم کا ہوتا ہے جو جوان آدمی کی تناسلی گلٹی سے لیا جاتا ہے - علاج کیلیے بہت ہی قلیل حصے کی ضرورت ہوتی ہے - اتنے قلیل کی کہ آدمی کی صحت کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا مگر چونکہ دنیا بھر کی قرموں کے قوانین نے اِسے ممنوع قرار دیدیا ہے ' اس لیے مجبوراً ترقی یافتہ بندر کی گلٹیوں سے کام لیا جاتا ہے - کیونکہ حیوانات میں بندر سے زیادہ کوئی جانور انسان سے قریب نہیں ہے - تحلیل کرنے سے ثابت ہوا ہے کہ بندر کا خون بالکل انسان کے خون کی طرح ہے -

ابتک بکثرت آدمیوں کا علاج ہو چکا ہے ' اور سب پر کامیاب رہا ہے ' سب از سر نو جوان ہوگئے ہیں - ڈاکٹر وورو نوف کا آخری اعلان یہ تھا کہ " دسمبر سنہ ۱۹۲۶ - تک وہ ایک ہزار بوڑھوں پر یہ عملیہ کر چکے ہیں ! "

(جنس اُناث اور عملیۂ تعلیم)

جس طرح بوڑھے مردوں کے لیے یہ عملیہ کامیاب ہوا ہے ' کیا بوڑھی عورتوں کے لیے بھی کامیاب ہوسکتا ہے ؟ کیا آیندہ زمانے میں دونوں جنس یکساں شباب کی طرف لوٹ سکیں گے ' یا زندگی اور انتفاع کے ہر میدان کی طرح ' اس میدان میں بھی عورتیں محروم رہجائیں گی ؟

حال میں ڈاکٹر وورو نوف نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے ؟

" اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے اُس کمیونسٹ عورت کی ملاقات کرادوں جو ۶۵ برس کی عمر اور اس کی ساری محرومیاں لیکر میرے پاس آئی تھی اور اب از سر نو جوان بنکر واپس جا چکی ہے " !

(باقی آیندہ)

الهلال

کا

یہ ۵ - وان نمبر ھی

لیکن

اِس وقت تک توسیع اشاعت کے لیے دفتر نے آپکو کوئی زحمت نہیں دی ہے - کیا آپ کو خود اِس طرف توجہ نہ ہوگی ؟

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حسین بن علی علیہما السلام

دنیا میں انسانی غلطی و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم قائم رہ سکا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیتیں غلط و تقدس اور قبول و شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں، دنیا عموماً تاریخ و حقیقت سے زیادہ افسانہ و تخیل کے اندر انہیں ڈھونڈھنا چاہتی ہے۔ اسی لئے فلسفۂ تاریخ کے بانی اول ابن خلدون کو یہ قاعدہ بنا دینا پڑا کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر زیادہ مقبول و مشہور ہوگا، اتنی ہی زیادہ افسانہ سرائی اُسے اپنے حصار تخیل میں لے لے گی۔ ایک مغربی شاعر گوئٹے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے: "انسانی غلطی کی حقیقت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بنجائے!"

تاریخ اسلام میں حضرت امام حسین (علیہ و علی آبائہ و اجدادہ الصلوٰۃ والسلام) کی شخصیت جو اہمیت رکھتی ہے، محتاج بیان نہیں۔ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد جس واقعہ نے اسلام کی دینی، سیاسی، اور اجتماعی تاریخ پر سب سے زیادہ گہرا اثر ڈالا ہے، وہ اُن کی شہادت کا عظیم واقعہ ہے۔ بغیر کسی مبالغہ کے کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے کسی المناک حادثہ پر نسل انسانی کے اس قدر آنسو نہ بہے ہونگے جس قدر اس حادثہ پر بہ چکے ہیں۔ تیرہ سو برس کے اندر تیرہ سو موسم گزر چکے، اور ہر موسم اس حادثہ کی یاد تازہ کرتا رہا۔ امام حسین کے جسم خونچکاں سے دشت کربلا میں جس قدر خون بہا تھا، اُس کے ایک ایک قطرہ کے بدلے دنیا کی آنکھ نے ماتم و الم کا ایک ایک سیلاب بہا چکی ہے!

بایں ہمہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تاریخ کا اتنا مشہور اور عظیم تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صفت اختیار کر چکا ہے؟ اگر آج ایک جویائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ اور تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے، تو اکثر صورتوں میں اُسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑیگا۔ اسوقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے، وہ زیادہ تر روضہ خوانی سے تعلق رکھتا ہے جس کا مقصد، زیادہ سے زیادہ گریہ و بکا کی حالت پیدا کر دینی ہے، نہ کہ تاریخی حیثیت سے بیان واقعات۔ بعض چیزیں جو تاریخ کی شکل میں مرتب ہوئی ہیں، وہ بھی دراصل تاریخ نہیں ہیں۔ روضہ خوانی اور مجلس طرازی کے مواد ہی نے ایک دوسری صورت اختیار کر لی ہے۔

اگر آج جستجو کی جائے کہ دنیا کی کسی زبان میں بھی کوئی ایک کتاب ایسی موجود ہے جو حادثۂ کربلا کی "تاریخ" ہو، تو واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی نہیں!

ذیل میں ہم وفیات مشاہیر عالم میں سے (جس کا ذکر دوسرے نمبر میں ہو چکا ہے) حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واردات و حوادث نقل کرتے ہیں۔ یہ حادثۂ کربلا کی "تاریخ" نہیں ہے، مگر تمام تاریخی واقعات کا مرتب مجموعہ ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک "تاریخ" کا تعلق ہے، اس حادثہ کے واقعات یہیں یاد رہے کہ اس سلسلہ سے مقصود تاریخی بحث و نظر نہیں ہے، بلکہ مجرد واقعات وفات کا اس طرح یکجا کر دینا ہے کہ اُس سے ایک مرتب سلسلۂ بیان پیدا ہو جائے البتہ واقعات کے تفحص و تحقیق میں پوری کاوش کی گئی ہے۔ شاید اس قدر کاوش و جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ ملے۔

تمہید

اہل بیت، شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تخت خلافت خالی ہوا، یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اُسنے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور حسین بن علی علیہما السلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تھا، اس لئے وہاں اہل بیت کرام کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔ اُنھوں نے حضرت حسین کو لکھا کہ آپ تشریف لائیے، ہم آپکا ساتھ دیں گے۔ آپنے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیجدیا اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔

دوستوں کا مشورہ

آپکے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے۔ وہ اہل کوفہ کی بے وفائی اور زمانہ سازی سے واقف تھے۔ بنی امیہ کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے کہا "لوگ یہ سنکر بہت پریشان ہیں کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ مجھے اصلی حقیقت سے آگاہ کیجئے" حضرت حسین نے جواب دیا "میں نے عزم کر لیا ہے۔ آج ہی کل میں روانہ ہوتا ہوں"، ابن عباس بے اختیار پکار اُٹھے: "خدا آپکی حفاظت کرے۔ کیا آپ ایسے لوگوں میں جارہے ہیں جنھوں نے اپنے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے، دشمن کو نکال دیا ہے، اور ملک پر تبضہ حاصل کر لیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو شوق سے تشریف لیجائیے لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے۔ حاکم بدستور اُن کی گردن دبائے بیٹھا ہے۔ اُسکے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں تو اُن کا آپ کو بلانا در حقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں کہتا ہوں، وہ آپ کو دھوکا نہ دیں، اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں تو خود آپ سے لڑنے کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں" مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

ابن عباس کا جوش

جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آگئی تو ابن عباس پھر دوڑے گئے۔ "اے ابن عم" اُنھوں نے بنت کہا "میں خاموش رہنا چاہتا تھا، مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں اس راہ میں آپکی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراق والے، دغا باز ہیں۔ اُنکے قریب بھی نہ جائیے یہیں قیام کیجئے، کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ اگر عراقی آپکو بلاتے ہیں تو اُن سے کہئے پہلے مخالفین کو اپنے علاقہ سے نکال دو، پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیے۔ وہاں قلعے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے۔ آبادی عموماً آپکے والد کی خیر خواہ ہے۔ وہاں آپ ان لوگوں کے دست رس سے باہر ہونگے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ اپنی دعوت پھیلائیے گا۔ مجھے یقین ہے، اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے"

لیکن حضرت حسین نے جواب دیا:

"اے ابن عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو۔ لیکن میں اب عزم کر چکا"

ابن عباس نے کہا:

"آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچوں کو تو ساتھ نہ لیجائیے۔ مجھ اندیشہ ہے آپ ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر ڈالے جائیں جس طرح عثمان بن عفان (رض) اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباس نے جوش میں آکر کہا:

"اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپکے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رُک جائیں گے تو واللہ میں بھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں!" (ابن جریر)

مگر آپ پھر بھی اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

عبداللہ بن جعفر کا خط

اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپکو سمجھایا۔ آپکے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر نے مدینہ سے خط بھیجا:

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے باز آجائیے۔ کیونکہ اس راہ میں آپکے لئے ہلاکت اور آپکے اہل بیت کے لئے بربادی ہے۔ اگر آپ قتل ہو جائیں گے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ اسوقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے میں آتا ہوں"

(ابن جریر۔ کامل۔ مقتل ابن احنف و غیرہ ذالک)

والی کا خط

یہی نہیں بلکہ انھوں نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی عمرو بن سعید بن العاص سے جاکر کہا "حسین بن علی کو خط لکھ کر ہر طرح مطمئن کر دو" عمرو نے کہا: آپ خود خط لکھ لائیے۔ میں مہر کر دوں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا:

"میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اُس راستہ سے دور کر دے جسمیں ہلاکت ہو اور اُس راستہ کی طرف رہنمائی کرے جسمیں سلامتی ہو۔ مجھے معلوم ہوا ہے آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں آپکے لئے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپکی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپکے پاس بھیج رہا ہوں۔ انکے ساتھ واپس چلے آئیے۔ میرے پاس آپکے لئے امن، سلامتی نیکی، احسان، اور حسن جوار ہے۔ خدا اسپر شاہد ہے۔ وہی اس کا کفیل نگہبان اور وکیل ہے۔ والسلام"

مگر آپ بدستور اپنے ارادے پر جمے رہے۔ (ابن جریر وغیرہ)

فرزدق سے ملاقات

مکہ سے آپ عراق کو روانہ ہوگئے۔ "صفاح" نام مقام پر مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپنے پوچھا "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے؟" فرزدق نے جواب دیا "اُنکے دل آپکے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں" فرمایا "سچ کہتا ہے۔ اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر لمحہ کسی نہ کسی حکم فرمائی میں ہے۔ اگر اُس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو تو اُس کی ستائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہو تو بھی نیک نیتی اور تقوی کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے"

یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔ (ایضاً)

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد

زرود نام مقام میں پہونچکر معلوم ہوا کہ آپکے نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے علانیہ قتل کردیا اور کسی کی کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپنے سُنا تو بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون! پڑھنا شروع کیا۔ بعض ساتھیوں نے کہا:

"اب بھی وقت ہے۔ ہم آپکے اور آپکے اہل بیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ لہذا یہیں سے لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرفدار اور مددگار نہیں ہے۔ سب آپکے خلاف کھڑے ہوجائیں گے"

آپ خاموش ہوگئے، اور واپسی پر غور کرنے لگے لیکن مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہوگئے "واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے" اُنھوں نے کہا "ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مرجائیں گے" اسپر آپ نے ساتھیوں کو نظر اُٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لیکر کہا "ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں" (ایضاً)

راستہ میں بھیڑ چھٹ گئی

بدوؤں کی ایک بھیڑ آپکے ساتھ ہوگئی تھی۔ یہ سمجھتے تھے کہ وہ میں خوب آرام کرینگے۔ آپ اُنکی حقیقت سے واقف تھے۔ سب کو جمع کرکے خطبہ دیا۔

"اے لوگو! ہمیں نہایت دہشتناک خبریں پہونچی ہیں۔ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ، اور عبد اللہ بن بقطر قتل کرڈالے گئے، ہمارے طرفداروں نے بیوفائی کی۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں جو ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑدے۔ ہم ہرگز خفا نہ ہونگے"

بھیڑ نے سُنا تو دائیں بائیں کٹنا شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد آپکے گرد وہی آدمی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے! (ایضاً)

حُر بن یزید کی آمد

قادسیہ سے جوں ہی آگے بڑھے، عبید اللہ بن زیاد والی عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حُر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ ہولیا۔ اسے حکم تھا کہ حضرت حسین کے ساتھ برابر لگا رہے، اور اُسوقت تک پیچھا نہ چھوڑے، جب تک اُنھیں عبید اللہ بن زیاد کے روبرو نہ پہنچادے۔ اسی اثنا میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ آپ تہ بند باندھے، چادر اوڑھے، نعل پہنے تشریف لائے اور حمد و نعت کے بعد اپنے ساتھیوں اور حُر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا:

راہ میں ایک خطبہ

"اے لوگو! خدا کے سامنے اور تمھارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمھارے خطوط پہنچے، قاصد آئے، مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ آئیے تاکہ خدا ہمیں آپکے ہاتھ پر جمع کردے۔ اگر اب بھی تمھاری یہی حالت ہے تو میں آگیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کرنے کے لئے طیار ہو جن پر میں مطمئن ہوجاؤں، تو میں تمھارے شہر میں چلنے کو آمادہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میری آمد ناخوش ہو، تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں"

دشمنوں نے آپکے پیچھے نماز پڑھی

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک خاموشی رہنے کے بعد لوگ مؤذن سے کہنے لگے "اقامت پکارو" حضرت حسین نے حُر بن یزید سے کہا "کیا تم علیحدہ نماز پڑھوگے؟" اُسنے کہا "نہیں، آپ امامت کریں، ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے"

وہیں عصر کی بھی نماز پڑھی۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ سلام کے بعد آپنے پھر خطبہ دیا:

دوسرا خطبہ

"اے لوگو! اگر تم تقوی پر رہو اور حقدار کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہل بیت ان مدعیوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ یہ تم پر ظلم و جور سے حکومت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا حق نہ پہچانو، اور تمھاری رائے اب اُس کے خلاف ہوگئی ہو، جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی؛ تو میں واپس چلے جانے کے لئے بخوشی طیار ہوں"

اہل کوفہ کے خطوط

اسپر حُر نے کہا "آپ کن خطوں کا ذکر کرتے ہیں؟ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں"

آپنے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگادیا۔ اسپر حُر نے کہا "لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنھوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپکو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں" حضرت امام نے فرمایا "لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے"

پھر آپنے روانگی کا حکم دیا۔ لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپنے خفا ہوکر حُر سے کہا "تیری ماں تجھے روئے! تو کیا چاہتا ہے؟" حُر نے جواب دیا "واللہ اگر آپکے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اُسے بتا دیتا! لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری زبان پر بُرائی کے ساتھ نہیں آسکتا" آپنے فرمایا "پھر تم کیا چاہتے ہو؟" اُسنے کہا "میں آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لیجانا چاہتا ہوں" آپنے جواب دیا "تو واللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا" اُسنے کہا "واللہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا، جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حُر نے کہا "مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں یہاں تک کہ آپکو کوفہ پہنچادوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو نہ مدینہ۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ آپ اگر پسند کریں تو خود بھی یزید یا عبید اللہ کو لکھئے۔ شاید خدا میرے لئے کوئی مخلصی کی صورت پیدا کردے، اور آپکے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں" یہ بات آپنے منظور کرلی اور روانہ ہوئے۔ (ابن جریر اور کامل وغیرہ)

ایک اور خطبہ

راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپنے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ میں خطبہ دیا:

"اے لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے: جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے، خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے، عہد الٰہی شکست کرتا ہے، سنت نبوی کی مخالفت کرتا ہے، خدا کے بندوں پر

تاریخ راجگانِ ہند

موسوم بہ

وقائع راجستان

یہ کتاب نہیں بلکہ کشورِ ہندوستان کے لئے ایک آئینہ جہاں نما ہے۔ اسمیں ہندو اقوام و ملل خصوصاً سرزمین ہند کی سرمایۂ ناز بہادر قوم "راجپوت" اور اسکی مختلف شاخوں کا مفصل و مستند بیان از ابتدا تا انتہا موجود ہے۔ یہ ایک نگارخانہ ہے جسمیں اُن غیر قوموں کی جیتی جاگتی اور سچی تصویریں نظر آتی ہیں جو اقلیم ہند میں بیرونجات سے آئیں، اصلی باشندگان ہند کو مغلوب کرکے اقطاع ملک پر قابض ہوئیں اور ہندوستان میں رہکر "ہندو" کہلانے لگیں یہ ایک سچ ہے جسمیں مسلمانوں کی آمد، اُنکے اقبال و زوال کی کیفیت اور ان کی سلطنت کے سقوط کا مفصل حال درج ہے یہ ایک آئینہ ہے جسمیں رسم و رزم جدال و قتال روایات و رسوم، تاریخی و جغرافیائی حالات وغیرہ وغیرہ تازمانۂ حال بیان کئے گئے ہیں۔ الغرض یہ کہ یہ ضخیم کتاب ایک نادر الوجود اور بیش بہا البم ہے۔

کرنیل ٹاڈ اور دیگر مورخین کی غلط بیانیوں کی فاضل محقق مؤلف نے نہایت شرح و بسط اور دلائل قاطعہ سے اصلاح و تردید فرمائی۔ اس بے نظیر کتاب کا ماخذ ریاست عالیہ رامپور کا بیش بہا کتبخانہ ہے اور دیگر ریاستوں کے کتبخانوں اور ان سستی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے جو خزانوں میں محفوظ ہیں علماء و وکلاء۔ مدرسین و مبلغین کے لئے یہ نادر کتاب معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جو حالات تاریخی و جغرافیائی روایات و رسوم و عقائد و توہمات اسمیں درج ہیں وہ کسی ایک کتاب میں ہرگز نہیں مل سکتے۔

والیان ریاست تعلقہ داران، امراء و رؤساء کے کتبخانے بغیر اس بے نظیر کتاب کے ہرگز مکمل نہیں کہلا سکتے۔ فی زمانہ پرانی باتوں پر جو نیا رنگ چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے اسکی قلعی کھولنے کے لئے یہ کتاب ایک زبردست گائڈ اور الزامی جواب دینے کے لئے ایک مہلک حربہ ہے۔ تقطیع بڑی صفحات ۶۳۰

قیمت صرف مبلغ نے، رعایتی صہ

آج ہی کارڈ لکھ کر منیجر تہذیب بک ایجنسی لکھنؤ سے منگائیے

دُنیا کی بہترین پنسل

امریکن کارخانہ "شیفر" کی

"لائف ٹائم" پنسل ہے

اسلئے کہ

(۱) "لائف ٹائم" یعنے عمر بھر کے لئے کافی ہے۔

(۲) اُسکا خول اسقدر خوشنما اور دیدہ زیب ہے کہ دُنیا کی کوئی پنسل خوبصورتی میں اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

(۳) ارزانی میں بھی تمام قسموں کی پنسلوں کا مقابلہ کرتی ہے

یاد رکھئے

آپکو "لائف ٹائم" پنسل خریدنی ہے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما

(گائڈ بک)

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں،
ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،
قابلدید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے
آپ کو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی
جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر
ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

THE DUNLOP
GUIDE
TO GREAT BRITAIN

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے
بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

الہلال کی مکمل جلدیں

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

الہلال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین
علم و ادب مشتاق تھے۔ چند جلدیں جو فراہم کرسکا ہوں قیمت پر بھیجی
جاسکتی ہیں:

الہلال جلد سوم
" جلد چہارم قیمت فی جلد ۸۔ روپیہ
" جلد پنجم

البلاغ (یعنی الہلال کا دوسرا سلسلۂ اشاعت) ۵ روپیہ۔ (مینجر الہلال)

اگر آپ کو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی
شکایت ہے، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے
سے قریب دوا فروش کی دکان
سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر
استعمال کیجئے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دنیا میں بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت
یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں
ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی
زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری
بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم
دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو
آپ کو "شیفر" کا
"لائف ٹائم"
لینا چاہئے!

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus limited,
350: Oxford Street,
LONDON, W. I.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ۔

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں۔

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے۔

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے۔

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ۔

قیمتی سے قیمتی، اور سستے سے سستے ایڈیشن۔

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے۔

گناہ اور سرکشی سے حکومت کرتا ہے، اور دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اُس کی مخالفت کرتا ہے، نہ اپنے قول سے، سو خدا ایسے آدمی کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا۔ دیکھو، یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں، رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے، حدود الٰہی معطل ہیں، مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے، خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ تمھارے بے شمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لیکر پہنچے۔ تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بے وفائی کرو گے۔ نہ مجھے دشمنوں کے حوالہ کرو گے۔ اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمھارے لئے راہ ہدایت ہے۔ کیونکہ میں حسین ابن علی، ابن فاطمہ، رسول اللہ کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمھاری جان کے ساتھ ہے۔ میرے بال بچے تمھارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ۔ اور مجھ سے گردن نہ موڑو لیکن اگر تم یہ نہ کرو، بلکہ اپنا عہد توڑ دو، اور اپنی گردن سے میری بیعت کا حلقہ نکال پھینکو، تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ، بھائی، اور عم زاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے۔ لیکن یاد رکھو، تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ اور اب بھی اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تم نے اپنا حصہ کھو دیا، اپنی قسمت بگاڑ دی۔ جو بدعہدی کرے گا، خود اپنے خلاف بدعہدی کرے گا۔ عجب نہیں خدا عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" (ابن جریر اور کامل وغیرہ)

ایک اور تقریر

ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی:

"معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا، منہ پھیر لیا، نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا سی تلچھٹ باقی ہے حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے۔ افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے؟ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے؟ کوئی نہیں جو اُس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقاء الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود جرم ہے"

زہیر کا جواب

یہ خطبہ سنکر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا "تم بولو گے یا میں بولوں؟" سب نے کہا "تم بولو" زہیر نے تقریر کی:

"اے فرزند رسول اللہ! خدا آپکے ساتھ ہو! ہم نے آپکی تقریر سنی۔ واللہ، اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو، اور ہم سدا اُس میں رہنے والے ہوں، جب بھی آپ کی حمایت و نصرت کے لئے اُس کی جدائی گوارا کر لیں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپکے ساتھ مرجانے کو ترجیح دیں گے!" (ایضاً)

حُر کی دھمکی کا جواب

حُر بن یزید آپکے ساتھ برابر چلا آ رہا تھا۔ بار بار کہتا تھا "اے حسین! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے" ایک مرتبہ آپنے غضبناک ہو کر فرمایا "تو مجھے موت سے ڈراتا ہے؟ کیا تمھاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کرو گے؟ سمجھ میں نہیں آتا تجھے کیا جواب دوں؟ لیکن میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سنکر کہا تھا:

سأمضی وما بالموت عار علی الفتی اذا ما نوی حقاً وجاہد مسلما!

(میں روانہ ہوتا ہوں، مرد کے لئے موت، ذلت نہیں ہے جبکہ اُس کی نیت نیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنیوالا ہو)

آسی الرجال الصالحین بنفسہ وفارق مثبوراً یغش ویرغما

(اور جبکہ اپنی جان دیکر صالحین کا مددگار ہو اور دغاباز، ظالم، ہلاک ہونے والے سے جدا ہو رہا ہو) (ایضاً)

چار کوفیوں کی آمد

عذیب الہجانات نام مقام پر کوفہ سے ۴ سوار آتے دکھائی دیئے۔ اُن کے آگے آگے طرماح بن عدی یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

یا ناقتی لا تذعری من زجری وشمری قبل طلوع الفجر

(اے میری اونٹنی! میری ڈانٹ سے ڈر نہیں۔ طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل!)

بخیر رکبان وخیر سفر حتی تحلی بکریم النجر

(سب سے اچھے مسافروں کو لے چل، سب سے اچھے سفر پر چل، یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہنچ جا)

الماجد الحر، رحیب الصدر، اتی بہ اللہ لخیر امر!

(وہ عزت والا ہے، آزاد ہے، فراخ سینہ ہے، اللہ اُسے سب سے اچھے کام کے لئے لایا ہے!)

ثمت ابقاہ بقاء الدہر!

(خدا اُسے ہمیشہ سلامت رکھے!)

حضرت حسین نے یہ شعر سنے تو فرمایا "واللہ مجھے یہی امید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے، چاہے قتل ہوں یا فتحیاب ہوں"

حر بن یزید نے ان لوگوں کو دیکھا تو حضرت سے کہا "یہ لوگ کوفہ کے ہیں۔ آپکے ساتھی نہیں ہیں۔ میں انہیں روکوں گا یا واپس کر دوں گا" آپنے فرمایا "تم وعدہ کر چکے ہو کہ ابن زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے کوئی تعرض نہیں کرو گے۔ یہ اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے، لیکن میرے ہی ساتھی ہیں۔ اگر ان سے چھیڑ چھاڑ کرو گے تو میں تم سے لڑوں گا" یہ سنکر حُر خاموش ہو گیا۔

کوفہ والوں کی حالت

آنے والوں سے آپنے پوچھا "لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا "شہر کے سرداروں کو رشوتیں دیکر ملا لیا گیا ہے۔ عوام کے دل آپکے ساتھ ہیں مگر اُن کی تلواریں کل آپکے خلاف نیام سے باہر نکلیں گی" (ایضاً)

آپکے قاصد کا قتل

اس سے پہلے آپ قیس بن مسہر کو بطور قاصد کے کوفہ بھیج چکے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے اُنھیں قتل کر ڈالا تھا۔ مگر آپ کو اطلاع نہ تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ اُنھوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپکی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور فرمایا: منہم من قضی نحبہ ومنہم من ینتظر، وما بدلوا تبدیلا! (بعض ان میں سے مر چکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں مگر حق پر ثابت قدم ہیں، اُسمیں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے) خدایا! ہمارے لئے اور اُن کے لئے جنت کی راہ کھول دے! اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرار میں ہمیں اور انھیں جمع کر!"

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے کہا:

"واللہ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں مگر آپکے ساتھ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپکے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو خاتمہ ہو جائے۔ میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے، جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اس لئے جمع کئے گئے ہیں کہ ایک حسین سے لڑیں! میں آپکو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھئے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلے چلئے۔ میں اپنے پہاڑ "اجا" میں آپ کو اُتاروں گا۔ واللہ وہاں دس دن بھی نہ گزریں گے کہ قبیلۂ طئے کے ۲۰ ہزار بہادر تلواریں لئے آپکے سامنے کھڑے ہو جائینگے۔ واللہ جب تک اُن کے دم میں دم رہے گا، آپ کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکے گا"

آپنے جواب دیا:

"خدا تمھیں جزاء خیر دے، لیکن ہمارے اور ان کے مابین ایک عہد ہو چکا ہے۔ ہم اُس کی موجودگی میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا، ہمارا ان کا معاملہ کس حد پر پہنچکے ختم ہوگا؟" (ایضاً)

خواب

اب آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جا رہے ہیں۔ "قصر بنی مقاتل" نامی مقام سے کوسج کے وقت آپ اونگھ گئے تھے۔ پھر چونک کر بآواز بلند کہنے لگے "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الحمد للہ رب العالمین" تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپکے صاحبزادے علی نے عرض کیا "یہ انا للہ اور الحمد للہ کیوں؟" فرمایا "جان پدر! ابھی اونگھ گیا تھا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا چلا جا رہا ہے "لوگ چلتے ہیں اور موت اُنکے ساتھ چلتی ہے!" میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری ہی موت کی خبر ہے جو ہمیں سنائی جا رہی ہے" علی نے کہا "خدا آپ کو روز بد نہ دکھائے! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟" فرمایا بیشک ہم حق پر ہیں" اسپر وہ بے اختیار کہہ اُٹھے: "اگر ہم حق پر ہیں تو پھر موت کی کوئی پرواہ نہیں!"

یہ وہی آپکے صاحبزادے ہیں جو میدان کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر کے لقب سے مشہور ہیں (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ۔ امالی سید مرتضیٰ وغیر ذلک)

ابن زیاد کا خط

صبح آپ پھر سوار ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا۔ مگر حُر بن یزید اُنھیں پھیلنے سے روکتا تھا۔ باہم دیر تک کش مکش جاری رہی۔ آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ یہ ہتیار بند تھا۔ حضرت حسین کی طرف سے اُسنے منہ پھیر لیا، مگر حُر کو سلام کیا، اور ابن زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

"حسین کو کہیں ٹکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اُترنے نہ پائے۔ قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے۔ میرا یہ قاصد تمھارے ساتھ رہے گا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو"

حُر نے خط کے مضمون سے حضرت امام کو آگاہ کیا اور کہا "اب میں مجبور ہوں۔ آپکو بے آب و گیاہ کھلے میدان ہی میں اُترنے کی اجازت دے سکتا ہوں" زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا "ان لوگوں سے لڑنا اُس فوج گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے جو بعد میں آئے گی" مگر آپنے لڑنے سے انکار کر دیا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" زہیر نے کہا "تو پھر اُس سامنے کے گاؤں میں چل کر اُتریئے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جائے" آپ نے پوچھا "اُس کا نام کیا ہے؟" زہیر نے کہا "عقر" (عقر کے معنی ہیں کاٹنا یا بے ثمر و نتیجہ ہونا) یہ سنکر آپ منغص ہو گئے اور کہا "عقر سے خدا کی پناہ!" (ایضاً)

کربلا میں ورود

آخر آپ ایک اُجاڑ سرزمین پر پہنچکے اُتر پڑے۔ پوچھا، اس سرزمین کا نام کیا ہے؟ معلوم ہوا "کربلا" آپنے فرمایا "یہ کرب اور بلا ہے!" یہ مقام پانی سے دور تھا۔ دریا میں اور اُسمیں ایک پہاڑی حائل تھی۔ (الامامۃ والسیاسۃ)

یہ واقعہ ۲ محرم ۶۱ھ ہجری کا ہے۔

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی ۴ ہزار فوج لیکر آپہنچا۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی کسی طرح اس امتحان سے بچ نکلے اور معاملہ رفع دفع ہوجائے۔ اسنے آتے ہی حضرت حسین کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا، آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپنے وہی جواب دیا جو حُر بن یزید کو دے چکے تھے: "بھائے، اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں لوٹ جانے کے لئے طیار ہوں"

ابن زیاد کی سختی

عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ چنانچہ فوراً عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا:

اُلآن اذ علقت مخالبنا بہ یرجو النجاۃ، ولات حین مناص

(اب کہ ہمارے پنجے میں آپھنسا ہے، چاہتا ہے نجات پائے گا۔ اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں رہا!)

پھر جواب لکھوایا:

"حسین سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ حسین اور اُنکے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں جس طرح عثمان بن عفان پانی سے محروم رہے تھے"

پانی پر تصادم

عمر بن سعد نے مجبوراً پانسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لئے بھیجے اور آپ اور آپکے ساتھیوں پر پانی بند ہوگیا۔ اسپر آپنے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور بیس پیدل لے کر جائیں اور پانی بھر لائیں۔ یہ پہنچے تو محافظ دستے کے افسر عمرو بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا، لیکن آپ بیس مشکیں پانی کی بھر لائے۔

عمر بن سعد سے ملاقات

شام کو حضرت حسین نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا آج رات مجھ سے ملاقات کرو۔ چنانچہ دونوں بیس بیس سوار لیکر اپنے اپنے پڑاؤ سے نکلے اور ایک درمیانی مقام میں ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ راوی کہتا ہے گفتگو بالکل خفیہ تھی لیکن لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ حضرت امام نے عمر سے کہا تھا "ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس روانہ ہوجائیں"، عمر نے کہا "اگر میں ایسا کردوں گا تو میرا گھر کھود ڈالا جائیگا"، آپنے فرمایا "میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دیدوں گا" مگر عمر نے منظور نہیں کیا۔ (ابن جریر وغیرہ)

تین شرطیں

اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں آپنے تین صورتیں پیش کی تھیں:

(۱) مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔

(۲) مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کرلینے دو۔

(۳) مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیجدو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گزرتی ہو وہی مجھ پر بھی گزرے گی"

عمر کا خط

بار بار کی گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو پھر لکھا:

"خدا نے فتنہ ٹھنڈا کردیا۔ پھوٹ دور کردی۔ اتفاق پیدا کردیا۔ اُمت کا معاملہ درست کردیا۔ حسین مجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ان تین صورتوں میں سے کسی ایک کے لئے طیار ہیں ..... اس میں تمھارے لئے بھی بھلائی ہے اور اُمت کے لئے بھی بھلائی ہے"

شمر کی مخالفت

ابن زیاد نے خط پڑھا تو متاثر ہوگیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا "میں نے منظور کیا" مگر شمر بن ذی الجوشن نے مخالفت کی اور کہا "اب کہ حسین قبضہ میں آچکے ہیں اگر بغیر اُنکی اطاعت کے نکل گئے، تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کرلیں اور آپ کمزور و عاجز قرار پائیں۔ بہتر یہی ہے کہ اب اُنھیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کرلیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسین اور عمر باہم رات رات بھر سرگوشیاں کیا کرتے ہیں"

ابن زیاد کا جواب

ابن زیاد نے یہ رائے پسند کرلی اور شمر کو خط دیکر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اگر حسین مع اپنے ساتھیوں کے اپنے آپکو ہمارے حوالے کردیں تو لڑائی نہ لڑی جائے اور اُنھیں صحیح وسالم میرے پاس بھیجدیا جائے۔ لیکن اگر وہ یہ بات منظور نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہدیا کہ اگر عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا، جب تو تم اس کی اطاعت کرنا، ورنہ چاہئے کہ اُسے ہٹا کر خود فوج کی ریاست اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسین کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدینا۔

ابن زیاد کے اس خط میں عمر کو سخت تہدید بھی کی گئی تھی:

"میں نے تمھیں اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ حسین کو بچاؤ، اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو، میرا حکم صاف ہے اگر وہ اپنے آپکو حوالے کردیں تو صحیح وسالم میرے پاس بھیجدو۔ لیکن اگر انکار کریں تو پھر بے تامل حملہ کرو، خون بہاؤ، لاش بگاڑو۔ کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ قتل کے بعد اُن کی لاش گھوڑوں سے روند ڈالنا کیونکہ وہ باغی ہیں اور جماعت سے نکل گئے ہیں۔ میں نے عہد کرلیا ہے کہ اگر قتل کردوں گا تو یہ ضرور کروں گا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام و اکرام کے مستحق ہوگے۔ نافرمانی کی تو معزول کئے جاؤ گے" (ابن جریر وغیرہ)

شمر بن ذی الجوشن اور حضرت حسین

شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اسکی پھوپھی ام البنین بنت حزام امیر المومنین علی علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں اور اُنہی کے بطن سے اُن کے چار صاحبزادے: عباس، عبداللہ، جعفر، اور عثمان پیدا ہوئے تھے جو اس معرکہ میں امام حسین کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر ان چاروں کا اور انکے واسطے سے حضرت امام کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اسنے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اُس کے ان عزیزوں کو اماں دیدی جائے اور آسنے منظور کرلیا تھا۔ چنانچہ اُسنے میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلا کر کہا "تم میرے دادیہالی ہو، تمھارے لئے میں نے امن وسلامتی کا سامان کرلیا ہے" لیکن انھوں نے جواب دیا "افسوس تیرپر، تم ہمیں تو اماں دیتے ہو لیکن فرزند رسول اللہ کے لئے اماں نہیں ہے!"

شمر نے ابن سعد کو حاکم کوفہ کا خط پہونچادیا اور وہ طوعاً و کرہاً بخوف عزل آمادۂ تعمیل ہوگیا۔ (ایضاً)

فوج کی ابتدائی حرکت

نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب قریب پہونچا تو حضرت عباس بیس سواروں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا کہ ابن زیاد کا جواب آگیا ہے اور اُس کا مضمون یہ ہے۔ عباس واپس لوٹے کہ حضرت حسین کو اس کی اطلاع دیں۔ اس اثنا میں فریقین کے بعض پُرجوش آدمیوں میں جو رد و کد ہوئی اسے راویوں نے محفوظ رکھا ہے۔

دونوں فوجوں میں زبانی رد و کد

حضرت امام کے طرفداروں میں سے حبیب بن مظاہر نے کہا "خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اُس کے حضور اس حالت میں پہنچیں گے کہ اُس کے نبی کی اولاد اور اس شہر کو نواسہ کی تہجد گزار عابدوں کے خون سے اُن کا ہاتھ رنگین ہوگا"، ابن سعد کی فوج میں سے عزرہ بن قیس نے جواب دیا "شاباش! اپنی خوب بڑائی کرو۔ پیٹ بھر کے اپنی پاکی کا اعلان کرو" زُہیر بن القین نے کہا "اے عزرہ! خدا ہی نے ان نفسوں کو پاک کردیا ہے اور ہدایت کی راہ دکھائی ہے۔ خدا سے ڈر، اور ان پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بن" عزرہ نے جواب دیا "اے زُہیر! تم تو اس خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمان کے حامی) نہ تھے؟" زُہیر نے کہا "ہاں یہ صحیح ہے۔ میں نے حسین کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا۔ لیکن سفر نے ہم دونوں کو جمع کردیا ہے۔ میں نے اُنھیں دیکھا تو رسول اللہ یاد آگئے اور رسول اللہ کی ان سے محبت یاد آگئی۔ میں نے دیکھا یہ کتنے قوی دشمن کے سامنے جارہے ہیں۔ خدا نے مرے دل میں انکی محبت ڈال دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا میرا اور اللہ اور اُس کے رسول کے اُس حق کی حفا تم نے ضایع کردیا ہے"

امام حسین کو جب ابن زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا "اگر ممکن ہو تو آج انھیں ٹالا اور اپنے رب کی نماز پڑھ لیں، اُس سے دعا کریں کیونکہ وہ جانتا ہے میں اُس کی عبادت کا دلدادہ ہوں پڑھنے والا، اُس سے بہت دعا و استغفار کرنے والا" یہی جواب دیا گیا اور فوج واپس گئی (ابن جریر وغیرہ)

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں وہ رائچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے اور اسلام کی رَواداری نے کس طرح اپنی عبادت بلا امتیاز مذہب وملت تمام نوع انسانی پر کھول دی ۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے اب مصر کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ قیمت بارہ آنے (

مینجر الہلال کلکتہ

امام ابن تیمیہ کے تازہ ترین رسا

شیخ الاسلام کے حسب ذیل رسالوں کا ترجمہ مولوی عبد کے قلم سے حال ہی میں شایع ہوا ہے۔ قابل دید رسالے

(۱) مجذوب: شریعت میں مجذوب کا کیا حکم ہے؟ وہ د نہیں؟ قیمت ۴ر (۲) حسین و یزید: تاریخ اسلام کی یہ سلجھا کر رکھ دی ہے قیمت ۵ر (۳) صداقت رسول: طرح سمیٹ کر جمع کردی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی عظمت جاتا ہے قیمت ۴ر (۴) مناظرۂ ابن تیمیہ: صوفیوں سامنے عظیم الشان مباحثہ ہوا تھا خود شیخ نے اپنے قلم

مینجر "نہضۃ بک ایجنسی" پوسٹ بکس نمبر ۵۲۵

بریدِ شرق

مکتوبِ چین

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم منگھائی کے قلم سے)

چین کے بڑے سپہ سالار

قدیم چینی مثل ہے "فوج جمع کر لینا آسان ہے مگر اُس کے لئے سپہ سالار مہیا کرنا مشکل ہے" یہ مثل چین پر مدت سے صادق آ رہی ہے۔ چین میں تحط الرجال ہے۔ بڑے آدمی کم پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن اسوقت خلاف عادت چند ایسے آدمی پیدا ہو گئے ہیں جو دُنیا کے بڑے بڑے آدمیوں میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

"چنگ سولین"

جنگی حیثیت سے چین کا سب سے بڑا آدمی جنرل چنگ سولین سمجھا جاتا ہے۔ یہ شمالی افواج کا سپہ سالار اعظم اور پائے تخت پیکن کی حکومت کا مالک ہے۔ اب سے پہلے یہ منچوریا میں قزاقوں کا سردار تھا۔ جنگ بکسر کے دوران میں اُسنے شہرت حاصل کی۔ یہ اُسوقت بھی قزاقوں کی ایک بڑی ٹولی کا سردار تھا۔ یہ لوگ "سرخ داڑھی والے" کہلاتے تھے اور اُن کے نام سے باشندے تھراتے تھے۔ جنگ روس اور جاپان کے زمانہ میں بھی اسنے بہت نام پیدا کیا اور اپنے ڈاکوؤں کے ذریعہ روس کو بہت پریشان کیا۔ اُسوقت سے اسنے جاپان کی سرپرستی حاصل کر لی اور برابر ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۰ء میں منچوریا کا جنگی حاکم بنا دیا گیا۔

۱۹۲۲ء میں جنرل "دو، پی، فو" سے اُس کا اختلاف ہوا اور سخت جنگ ہوئی۔ چنگ سولین نے شکست کھائی۔ مگر اُس کی ہمت میں فرق نہیں آیا۔ جاپان کی مدد سے اُسنے پھر قوت حاصل کر لی اور منچوریا میں اپنی کابل خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

۱۹۲۶ء میں اُسنے "دو، پی، فو" سے صلح کر لی اور دونوں نے ملکر پیکن فتح کیا، نئی حکومت قائم کی، اور صدر جمہوریہ چین کو نکال باہر کیا۔ پھر "دو، پی، فو" کو بھی پیکن سے بے دخل کر دیا۔ اب وہ پائے تخت کا تنہا مالک ہے۔

"دو، پی، فو"

یہ جنرل صوبہ ہونان کا حاکم ہے۔ یہ صوبہ اپنے رقبہ میں فرانس کے برابر ہے۔ گزشتہ سال اسے دریائے ینگ زی کے کنارے کنٹونیوں نے بہت سخت شکست دی۔ اس کے پاس ڈھائی لاکھ نہایت مسلح و منظم فوج موجود تھی۔ مگر قوم پرستوں سے مل گئی۔ یہ تن تنہا میدان سے بھاگنے پر مجبور ہوا۔ لیکن آدمی اولوالعزم تھا۔ فوراً نئی فوج مرتب کر لی۔ اس کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ یہ کنفوشس مذہب کا عالم اور چینی زبان کا شاعر ہے۔

"سن، شن، فنگ" اور "ٹنگ، ٹنگ، شنگ"

شمالی چین میں ان دو بڑے سپہ سالاروں کے علاوہ دو اور سپہ سالار بھی بہت مشہور ہیں: ایک مارشل "سن، شن، فنگ" دوسرا مارشل "ٹنگ، ٹنگ، شنگ" اول الذکر کو کنٹونیوں نے منگھائی کی یورش کے نیچے برباد کر ڈالا۔ دوسرا اُس کی مدد کو چلا۔ لیکن ناکام ہو کر شمال کی طرف بھاگنے پر مجبور ہوا۔ یہ شخص اپنی جسمانی قوت کے اعتبار سے پورے چین میں ایک آدمی سمجھا جاتا ہے۔

جنوبی چین (یعنی قوم پرست چین) کی مشہور شخصیتیں حسب ذیل ہیں:

جنرل کے شیک

ڈاکٹر سن یٹ سن کا دست راست تھا۔ کنٹونی فوج کا سپہ سالار تھا۔ لیکن حال ہی میں بعض اختلافات کی بنا پر باغی ہو گیا اور نانکنگ میں اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی۔ اپنی جنگی قابلیت، شجاعت، ایثار اور حب الوطنی میں مشہور ہے۔ اس کی فوج میں ایک آسٹرین جنرل "جالٹنر" بھی موجود ہے اور بہت نام پیدا کر رہا ہے۔

اوجین چن

کنٹون کا وزیر خارجیہ ہے۔ لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کی اور مدت تک وکالت کرتا رہا۔ پھر کنٹون آیا اور قومی حکومت کے سب سے بڑے سیاسی عہدے پر فائز ہو گیا۔

ایم بروڈین

مشہور روسی کمیونسٹ اور مدبر ہے۔ اس کی پوری زندگی انقلابی افکار پھیلانے میں گزری۔ ۱۹۲۳ء میں انگلستان گیا اور انگریز مزدوروں میں بغاوت پھیلانا چاہی۔ لیکن حکومت نے گرفتار کر کے قید کر دیا۔ قید کی مدت ختم ہونے کے بعد ملک بدر کر دیا گیا۔ یہ پہلا موقع نہ تھا کہ اُسنے قید خانہ کی سیر کی۔ بارہا گرفتار اور قید ہو چکا ہے اس وقت کنٹون میں اس سے زیادہ کسی کا اثر نہیں۔ چینی انقلاب میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے اور اب تک اُس کی روح رواں بنا ہوا ہے۔

"ہسوان ٹنگ"

چین کے مشاہیر کے ذکر کے ساتھ ہمیں بے اختیار چین کا معزول نوجوان شہنشاہ "ہسوان ٹنگ" یاد آ جاتا ہے۔ اب سے پندرہ برس پہلے جبکہ اُس کی عمر صرف ۴ برس تھی، اپنے آبائی تخت سے معزول کیا گیا۔ اسوقت اس کی عمر ۱۹ برس ہے۔ ٹیانشین میں جاپان کے زیر سایہ مقیم ہے۔ تین سال ہوئے اسنے ایک منچورین شاہزادی سے شادی کر لی ہے اور اب خاموش بیٹھا مستقبل کا انتظار کر رہا ہے۔

چونکہ انقلاب چین کے حالات میں وہاں کے مشاہیر کا ذکر آیا کرتا ہے اور ناواقفیت کی وجہ سے لوگ ان کی حیثیت کا اندازہ نہیں کر سکتے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ آج مختصراً اُن شخصیتوں سے آپ کو روشناس کر دوں جو موجودہ انقلاب میں زیادہ نمایاں حصہ رکھتے ہیں۔ ادھر چند دنوں کے اندر صورت حال میں جو نئے تغیرات ہوئے ہیں، انکی نسبت آئندہ ڈاک کے خط میں بہ تفصیل لکھوں گا۔

مکتوبِ قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

عید الاضحیٰ۔ انگورہ کی عید۔ خلق فرقہ سی۔ بیرونی ممالک میں ترکی کی حقوق۔ ترکی کی تعمیر۔ ترکستان اور بالشویک۔ ٹرکی آور روس۔ ترکی عورت اور حق انتخاب۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر آزمیر۔ شورش کا استیصال۔ ایسٹرن ٹیلیگراف کمپنی اور حکومت۔ یہودیوں، یونانیوں اور ارمنیوں میں شادیاں

عید الاضحیٰ

کئی دن سے عید الاضحیٰ کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شہر میں غیر معمولی چہل پہل ہے اور اجنبی سے اجنبی آدمی بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کوئی بڑا اسلامی تہوار قریب آ گیا ہے۔ میدان، قربانی کے جانوروں اور اُن کے خریداروں سے لبریز نظر آتے ہیں۔ یورپ والوں کے لئے اس سے زیادہ عجیب منظر اور کیا ہو گا کہ جدید ترین فیشن میں ملبوس، ہیٹ لگائے، ترکی عورتیں اور مرد عید کے لئے قربانی کے بھیڑ خرید رہے ہیں اور انھیں اپنی موٹروں پر ساتھ بٹھا کر چلے جا رہے ہیں۔ عرفہ کے دن (۹ ذی الحج) تو بازاروں کی یہ حالت تھی کہ خریداروں کے ہجوم سے راہ نہیں ملتی تھی۔ دکانیں آدمیوں سے لبریز تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سال بھر کے لئے پوری خرید فروخت آج ہی ہو جائیگی!

عرفہ کے دن تیسرے پہر ہی سے تمام شہر تزئین و سنور کر دلہن بن گیا۔ جدھر دیکھو جمہوریت ترکی کے ہلالی جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ دکانوں پر بھی، مکانوں پر بھی، جہازوں اور بادبانی کشتیوں پر بھی۔ شہر کے تمام جنگی مرکزوں اور قلعوں سے توپیں دغنا شروع ہوئیں، اور تین مسلسل سلامیوں نے باشندوں میں مسرت کا جوش اور بھی زیادہ کر دیا۔

عید کے دن صبح تڑکے ہی سے مسجدیں نمازیوں سے لبریز ہو گئیں اور بڑی ہی شان و شوکت سے نماز ادا کی گئی۔ اخبارات کے کالم عید کے مضامین سے پُر تھے۔ نیم سرکاری اخبار "ملیت" نے عید قربان اور حج کے متعلق ایک طویل مضمون کعبہ اور عرفات وغیرہ کی تصویروں کے ساتھ شائع کیا۔ حج کے روحانی و اجتماعی فوائد بیان کئے۔ اُسے مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع قرار دیا۔ ترکوں کو حج کی ترغیب دی۔ دوسرے اخباروں نے بھی اسی قسم کے مضامین شائع کئے ہیں۔

نماز کے بعد لوگ مسجدوں سے نکلے تو دروازوں پر "اسلامی دار شفقت" کے لڑکوں نے اُن کے سینہ پر پھول لگانا شروع کئے۔ "اسلامی دار شفقت" ایک یتیم خانہ ہے جو اپنی عمارت کی بلندی شوکت اور حسن انتظام کی وجہ سے تمام یورپ میں مشہور ہے۔ اس کے یتیم عید کے دن مسجدوں کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ہر نمازی کے کوٹ میں پھول لگا دیتے تھے اور وہ کچھ نہ کچھ اُن کے چندہ کے صندوق میں ضرور ڈال دیتا تھا۔

انگورہ کی عید

استنبول کی طرح انگورہ کی عید بھی حسب معمول بہت شاندار تھی غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے قومی پارلیمنٹ کی عمارت میں لوگوں سے ملاقات کی اور عید کی مبارکباد قبول کی۔ اس کے بعد گھوڑ دوڑ

دیکھنے گئے۔ پہلی دوڑ میں عربی اور ترکی گھوڑے شریک تھے۔ دوسری میں انگریزی نسل کے گھوڑے بھی شامل ہو گئے تھے۔

"خلق فرقہ سی"

"خلق فرقہ سی" قومی جماعت کا نام ہے اور اسوقت ٹرکی میں صرف یہی ایک سیاسی جماعت موجود ہے۔ اس کی سالانہ مؤتمر بھی ہوا کرتی ہے۔ یہ وقت اس کے جلسوں کا تھا۔ مگر انتخابات کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا۔ موجودہ پارلیمنٹ کی مدت جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ نئے انتخابات کے لئے طیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس سال کی قومی مؤتمر کو بہت اہمیت دی جا رہی ہے کیونکہ اسمیں غازی مصطفےٰ کمال پاشا اپنا وہ طویل و عریض خطبہ سنائیں گے جس کا ٹرکی کے اندر اور باہر مدت سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ اس خطبہ میں موجودہ قومی حکومت کی پوری تاریخ بیان کی جائے گی۔ اس کے سنانے میں کئی دن صرف ہوں گے۔ خیال کیا جاتا ہے یہ خطبہ اپنے موضوع، اسلوب، اور طوالت کے لحاظ سے سیاسی خطبوں کی تاریخ میں نمایاں جگہ حاصل کریگا۔ اسے خطبہ نہیں، تاریخ کی ضخیم کتاب کہنا چاہئے!

بیرونی ممالک میں ترکی حقوق

ترکی پارلیمنٹ نے حکومت کو اختیار دے دیا ہے کہ جن ملکوں میں ترکوں کی جائدادیں ضبط کی جا رہی ہیں، اُن ملکوں کے باشندوں کی جو جائدادیں ترکی سرزمین میں موجود ہیں، حکومت اُنھیں ضبط کر لے۔

پارلیمنٹ کے اس فیصلہ نے بحث کا دروازہ کھول دیا ہے۔ عام طور پر سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا ایسے ممالک موجود ہیں جہاں ترکوں کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جا رہا ہے؟ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یونان اور یوگوسلاویا میں یہ صورت حال موجود ہے۔

ٹرکی کی نئی تعمیر

امریکن کمپنی "اولن" نے مرسین اور سمسون کی بندرگاہوں کی توسیع کا ٹھیکہ ترکی حکومت سے حاصل کر لیا ہے اور عنقریب کام شروع ہونے والا ہے۔ کمپنی نے کئی ریلوے خطوط جاری کرنے اور کئی نئے شہر آباد کرنے کی بھی درخواست کی تھی۔ مگر چونکہ کافی ضمانت پیش نہ کر سکی اس لئے حکومت نے منظوری دینے سے انکار کر دیا۔

ترکستان اور بالشویک

"ڈنکین" اور "کولچک" کی خونریز بغاوتوں کے بعد اب یورپ کی سرمایہ دار سلطنتیں روسی ترکستان میں ریشہ دوانیاں کر رہی ہیں تاکہ اس ملک کو بالشویکوں کے برخلاف بغاوت پر آمادہ کریں اور سوویٹ جمہوری نظام حکومت درہم برہم کر ڈالیں۔

ہندوستان میں کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ ترکی جمہوریت نے دنیا بھر کے لوگوں کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھول دئے ہیں۔ ہر خیال کے لوگ یہاں جمع ہو سکتے ہیں اور اپنی تحریکیں چلا سکتے ہیں، بشرطیکہ اس ملک کی اندرونی سیاست میں دخل نہ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ بالشویک روس سے ترکوں کے تعلقات دوستانہ ہیں، تاہم اُنھوں نے ترکستانی بغاوت پسندوں کو اپنے ملک میں رہنے اور روس کے خلاف پروپیگنڈا پھیلانے کی اجازت دیدی ہے۔

ان لوگوں نے "جدید ترکستان" نام ایک اخبار جاری کیا ہے اور مغربی ترکستان میں بغاوت پھیلانی چاہتے ہیں۔ مغربی ترکستان کا رقبہ ۳۷،۰۰،۰۰۰ کیلومیٹر اور آبادی ۱،۳۰،۰۰،۰۰۰ ہے۔

لیکن باخبر لوگ جانتے ہیں کہ سرمایہ دار سلطنتوں کی یہ کوششیں کامیاب نہیں ہوں گی۔ بلاشبہ اُنھیں چند کرائے کے ترکستانی مل گئے ہیں۔ لیکن ملک کی عام آبادی بالشویکوں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ جس قدر آرام، خوشحالی، اور آزادی اُسے اس عہد میں نصیب ہوئی ہے، اتنی کسی پچھلے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی۔ زار کی حکومت اس ملک پر حد درجہ ظلم کیا کرتی تھی۔ ترکی زبان کی تعلیم موقوف تھی۔ تمام مدرسے بند کر دئے گئے تھے۔ دینی کتابوں کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ ہزاروں آدمی بے دریغ قتل کئے جاتے تھے مگر بالشویک عہد میں ملک کو پوری اندرونی آزادی حاصل ہو گئی، اور صحیح معنی میں جمہوری حکومت قائم ہو گئی۔ پھر خود روسیوں کی بھی وہاں ایک بڑی آبادی موجود ہے۔ آخری اعداد و شمار کی رو سے مغربی ترکستان میں ۴ لاکھ روسی آباد ہیں۔ یہ سب جنگجو ہیں، اور اپنی دولت، تعلیم، ترقی کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔

ترکستانیوں کو پناہ دینے کی وجہ سے روس، ٹرکی پر ناراض نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ترکی قوانین سے واقف ہے۔ صرف یہی لوگ یہاں نہیں ہیں بلکہ آذربیجان اور "سفید روس" کے بغاوت پسند بھی پہلے سے موجود ہیں اور پوری آزادی سے اپنے خیالات کی اشاعت کر رہے ہیں۔

ٹرکی اور روس

ہم اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اُس ترکی روسی معاہدے کا ذکر کر چکے ہیں جو ۴ سال کی مسلسل گفت و شنید کے بعد طے پایا ہے۔ اس معاہدے کے متعلق سرکاری طور پر یہی اعلان کیا گیا تھا کہ محض تجارتی معاہدہ ہے۔ لیکن اب، جبکہ روس اور برطانیہ کے تعلقات کی کشیدگی نے جنگ کا احتمال پیدا کر دیا ہے اور ساری دنیا کی نظریں جغرافیائی موقعہ کی وجہ سے ٹرکی پر لگی ہوئی ہیں، اس معاہدے پر سے بھی پردہ اُٹھنے لگا ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ معاہدے کی اصلی شرطیں کیا کیا ہیں؟ لیکن برطانی حلقے اسے سیاسی معاہدہ قرار دیتے اور سخت اندیشوں کا اظہار کر رہے ہیں۔

ترکی اخبار بھی معاہدے پر اظہار رائے کر رہے ہیں۔ قدرتی طور پر ان کی ہمدردیوں کا میلان روس کی طرف ہے۔ اخبار "جمہوریت" نے ایک طویل افتتاحیہ شایع کیا ہے جسمیں لکھتا ہے:

"گزشتہ چند صدیوں سے خرس روس ہمارا سب سے بڑا اور خونخوار دشمن تھا۔ لیکن اس آخری معاہدے نے دشمنی کی تمام باتیں یک لخت بھلا دی ہیں۔ زار کی حکومت، جنگ عظیم کا سب سے بڑا سبب تھی۔ وہ ٹرکی کی لاش پر اپنی عمارت کھڑی کرنی چاہتی تھی۔ لیکن حرص و طمع نے اُسے ہمیشہ کے لئے کالعدم کر دیا اور انقلاب پرست نوجوان روس نمودار ہو گیا۔ اُسوقت ہم نے دیکھا کہ ہماری دوستی اور حمایت کا جھنڈا اُس کے کاندھوں پر لہرا رہا ہے!

"ترکوں کی تمنا تھی کہ بالشویک روس کامیاب ہو جائے۔ روسیوں کی آرزو تھی کہ ترکی قوم فتحمند ہو جائے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھایا۔ دشمن مشترک تھا۔ میدان جنگ میں دونوں بھائیوں نے معانقہ کیا اور تلوار کے زور سے اپنی آزادی قائم کر دی۔ یہ حقیقت ہے کہ روس نے عین وقت پر ٹرکی کو برباد ہونے سے بچا لیا۔

"اس صورت حال میں کون خیال کر سکتا ہے کہ ہم ان سرمایہ دار حکومتوں کی دھمکی میں آکر اپنے دوست سے بیوفائی کرینگے؟ ترکی قوم کی نظر میں مادیت سے زیادہ اخلاق کا وزن ہے۔ ہم ہرگز بیوفائی کا دھبہ اپنی پیشانی پر نہیں لگا سکتے"

صرف برطانیہ ہی نہیں بلکہ بلقان میں بھی اس معاہدہ کی وجہ سے کھلبلی پڑ گئی ہے۔ سب سے زیادہ پریشانی یونان کو ہے۔ ایتھنس کا نیم سرکاری اخبار "برویا" لکھتا ہے:

"اس معاہدہ کو معمولی سمجھنا یا اُس سے غفلت برتنا سخت غلطی ہوگی۔ ٹرکی اور روس، دونوں کے ارباب حل و عقد زیادہ سے زیادہ قریب اور باہم وابستہ رہنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مستقبل قریب میں اُن کا اتحاد عمل دنیا کی قسمت پر زبردست اثر ڈالنے والا ہے۔ خصوصاً عالم اسلامی کی پوری قسمت اسی اتحاد سے وابستہ ہے۔ مسلمانوں میں بالشویزم مقبول ہوتا چلا جاتا ہے۔ مسلمان سمجھتے ہیں یورپ کی غلامی سے اُنھیں یہی بھوت نجات دے سکتا ہے۔ ٹرکی کی دوستی، بالشویزم کے لئے بمنزلہ روح کے ہے"

ترکی عورت اور حق انتخاب

موجودہ ترکی انقلاب کی تاثیر و قوت کا سب سے بڑا مظہر، ترکی عورت ہے۔ چند سال پہلے تک ترکی عورت کو ملک کی سیاسی، اجتماعی اور ادبی زندگی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اب سے ۵۰ برس پہلے تو وہ محض ایک بے حقیقت وجود تھی۔ اُسے تعلیم سے جبراً روکا جاتا تھا۔ سخت اور غیر شرعی پردے میں زبردستی رکھا جاتا تھا، اور اُس کے حقوق کے لئے کوئی شنوائی نہ تھی۔

لیکن اب کیا حالت ہے؟ اب حالت یہ ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی ترکی عورت گذشتہ زندگی اختیار کرنے پر راضی ہو سکتی ہے۔ بکثرت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ شاعر ہیں۔ انشا پرداز ہیں۔ مقرر ہیں۔ ڈاکٹر ہیں..... لیکن ترکی عورت اسی درجہ پر قانع نہیں ہے۔ اب وہ ملکی پارلیمنٹ میں انتخاب کا حق بھی مانگتی ہے۔ اس تحریک کی لیڈر انجمن نسواں کی رئیس "نزیہہ محی الدین" خانم ہیں انھوں نے پرسوں اپنا اعلان شایع کیا ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ عورتوں کو بھی حق انتخاب دیا جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُنھوں نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ آئندہ انتخابات کے موقعہ پر ترکی عورتیں صرف اُنھیں مرد امیدواروں کے لئے کوشش کریں گی، جو عورتوں کے اس حق کے حامی ہونگے!

ترکی قانون اساسی میں بتصریح مذکور ہے کہ حق انتخاب صرف مردوں کے لئے ہے۔ ظاہر ہے قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے پارلیمنٹ کی اکثریت کو رائے دینا چاہئے۔ عورتیں چاہتی ہیں کہ اس مرتبہ پارلیمنٹ میں اُن کے حامیوں کی اکثریت ہو جائے تاکہ اُن کا مطالبہ پورا ہو سکے۔

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر آستانہ

بیزنطینہ، قسطنطنیہ، شہنشاہوں کا یہ عظیم شہر، نہیں معلوم عظمت و جلال کے کتنے جلوے دیکھ چکا ہے! روم کی عظمت اُسنے دیکھی، قسطنطین کا جاہ و جلال اُسنے دیکھا، محمد فاتح کا دبدبہ اُسنے دیکھا... مگر وہ ہنوز نئے نئے جلووں کے لئے مضطرب ہے۔ موجودہ عہد کی ایک عظیم شخصیت کے انتظار میں ہے۔ یعنی غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے لئے چشم براہ ہے!

مدت سے قسطنطنیہ کی آرزو تھی کہ غازی ممدوح اُسے اپنی آمد سے مشرف کریں۔ غازی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس شہر میں اُن کا استقبال اتنا شاندار ہوگا، جتنا کبھی کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا ہوا ہوگا۔ مگر اسپر بھی وہ اب تک نہیں آئے۔ حالانکہ اناطولیہ کے ایک ایک گاؤں کا بار بار دورہ کر چکے ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوا کہ موصوف ٹھوس عمل پسند کرتے ہیں۔ دھوم دھام، شان و شوکت ناپسند کرتے ہیں۔ اناطولیہ اگرچہ ترکی سلطنت کی ریڑھ کی ہڈی ہے، مگر سابق سلاطین نے اُسے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا اور ترقی دینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ موجودہ ترکی انقلاب کی تمام اُمیدیں اناطولیہ ہی سے وابستہ ہیں۔ اسی لئے غازی کمال پاشا اور اُن کے رفقاء وہیں دورے کرتے رہے اور قومیت اور زندگی کی روح پھونکتے رہے۔ قسطنطنیہ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ٹرکی کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر ہے۔ یہاں ترکی

انقلاب کے لئے پیشتر سے میدان کھلا ہوا اور اپنا کام کر رہا ہو۔ نئی صدائیں بلند ہوں یا نہ ہوں، قسطنطنیہ یورپ کا ترقی یافتہ شہر ہے۔ یہی وجہ ہو کہ غازی کمال پاشا نے یہاں آنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور یہ شہر اب تک اُن کی زیارت سے محروم رہا۔ لیکن اب اُس کی اُمید بر آنے والی ہو۔ غازی تشریف لا رہے ہیں۔ مشہور شاہی محل "بیکلر بک" اور "طوطہ باغچہ" کی صفائی ہو رہی ہو۔ موصوف اسی میں اُتریں گے۔ شہر بھر میں استقبال کی عام تیاریاں ہیں۔ وہ چاہتا ہو اس موقعہ پر اپنی عقیدت و اخلاص کا ایک تاریخی مظاہرہ کرے۔ امید ہو کہ دو ہفتے بعد غازی کی روانگی کی خبر ہمیں معلوم ہو جائے گی۔ (تازہ تار برقیوں سے معلوم ہوا ہو کہ غازی موصوف قسطنطنیہ پہنچ گئے اور شہر نے عظیم الشان استقبال کیا۔ الہلال)

شورش کا استیصال

ٹرکی کے مشرقی صوبے تمدن سے ہنوز دُور ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ ان میں سرکشی اور شورش پسندی زیادہ پائی جاتی ہو۔ وہ موجودہ اصلاحات کے مخالف اور جمہوری عہد کو نامبارک خیال کرتے ہیں۔ پچھلے برسوں انھوں نے بغاوت بھی کر دی تھی، اور حکومت کے لئے شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن حکومت نے بروقت سرکوبی کر دی اور امن امان قائم ہو گیا۔

امن امان تو قائم ہو گیا، مگر فساد کی جڑیں بدستور موجود رہیں۔ یہ بہت جلد نشو و نما حاصل کر لے سکتی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر حکومت نے فیصلہ کیا کہ شورش پسند عناصر پوری طرح منتشر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جدید احکام کے مطابق آئندہ ماہ اگست میں ۸۰ خاندان مشرقی صوبوں سے مغربی صوبوں میں منتقل کر دیئے جائیں گے۔ اس سے صرف یہی فائدہ نہیں ہو گا کہ مشرقی صوبوں کا امن مضبوط ہو جائے گا بلکہ خود ان سرکش خاندانوں کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔ متمدن علاقوں میں آ کر اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو ضروریات زمانہ کے مطابق بنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

مشرقی خبر رسانی کی کمپنی اور حکومت

۱۹۲۴ء میں ترکی حکومت نے یہ کمپنی بند کر دی تھی۔ کیونکہ اُس کے جدید قوانین کے ماتحت اپنے آپکو رجسٹری کرانے سے انکار کر دیا تھا نیز وہ رقم بھی ادا نہیں کی تھی جو تونائی قبضہ کے دوران میں اُسکے ذمہ واجب الادا تھی۔ لیکن اب کمپنی نے از سر نو درخواست پیش کی ہو اور حکومت کے تمام مطالبے منظور کر لئے ہیں۔ لہذا اُس کا دفتر دوبارہ کھل گیا ہو اور کام شروع ہونے والا ہو۔

اس کمپنی نے ۳۰ سال تک خبریں پہنچانے کا ٹھیکہ لیا ہو۔ سمندر کے نیچے اس کے تار بچھے ہوئے ہیں، اور بڑے بڑے اسٹیشن اوڈیسا، قسطنطنیہ، چناق قلعہ، کلیشیا، قایاتیہ، ساقص میں ہیں۔

ٹھیکہ کی اہم شرط یہ ہو کہ کمپنی کے جملہ ملازم ترک ہوں گے۔ البتہ ماہرین فن دوسری قوموں سے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اُن کی تعداد کا اوسط دس میں ایک سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ شرط بھی ہو کہ ضرورت کے وقت حکومت کمپنی کے تاروں پر قابض ہو کے خود استعمال کر سکتی ہو۔

یہودیوں، یونانیوں، ارمنیوں میں ازدواج

ترکی حکومت کے جدید قوانین کی رُو سے ہر شخص کو حق ہو کہ جس قوم کے فرد سے چاہے شادی کرے۔ اسے پہلے نکاح کا معاملہ ہر قوم کے دینی پیشواؤں کے ہاتھ میں تھا۔ اُنکی منظوری اور تصدیق کے بغیر کوئی نکاح جائز نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ پابندی اُٹھ گئی۔ اب نکاح کی مذہبی رسوم ادا کرنے اور رجسٹرار کے ہاں نام اور رضامندی ثبت کر دینے سے نکاح قانوناً مکمل ہو جاتا ہو۔ ۴

مقالات

محرم الحرام سنہ ۱۳۴۶ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکار ہجرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

وحدثتنی یا سعد عنہا، فزدتنی
جنونا، فزدنی من حدیثک یا سعد!

آج جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں، محرم کی تیرہویں تاریخ ہو۔ آپ دیکھ رہے ہیں تیرہ دن اس واقعہ پر گزر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا اور نیا سال شروع ہو چکا ہو۔ لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جسنے غور کیا ہوگا کہ اس سال آغاز و اختتام میں تاریخ عالم کے کیسے عظیم و انقلاب انگیز واقعہ کی یاد پوشیدہ ہے؟ وہ عظیم واقعہ جس کی یاد آوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کے کسی واقعہ میں بھی ہمارے لئے عبرت کی عظمت اور موعظت کی سرچشمگی نہیں تھی، مگر جس واقعہ سے بڑھ کر تاریخ اسلام کا کوئی واقعہ بھی ہماری یادداشت سے دُور اور ہمارے دل کی اثر پذیریوں سے مجبور نہیں ہو گیا ہو!

جماعتی حافظہ اور اس کا مزاج

انفرادی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے اخلاق اور سیرۃ (کیرکٹر) کا اندازہ اُس کے حافظہ کی اُفتاد سے کر لیا جا سکتا ہو۔ ایک نیک سیرۃ آدمی کے حافظہ میں غیر ضروری اور بُری باتوں کی یادداشت کے لئے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی لیکن ضروری اور اچھی باتیں وہ کبھی نہیں بھول سکتا۔ برخلاف اس کے ایک بد اخلاق آدمی کو کتنی ہی کارآمد اور اچھی باتیں سنائی جائیں لیکن اُس کے حافظہ میں اُن کے لئے کوئی جگہ نہیں نکلے گی۔ وہ صرف بیکار اور بُری باتیں ہی یاد رکھ سکتا ہو۔

یہی حال جماعتوں اور قوموں کے دماغ کا بھی ہو۔ اُنکے ادبار و تنزل کی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہوتی ہو کہ جماعتی حافظہ کا مزاج بالکل اُلٹ جاتا ہو۔ جو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، وہ اس طرح بھلا دی جاتی ہیں کہ بار بار یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتیں، اور جو باتیں بھلا دینی چاہئیں، وہ نہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں، بلکہ اُن کی یاد آوریوں کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہو کہ بھلانے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں، کبھی بھلائی نہیں جا سکتیں! صدر اول کے مسلمانوں کی مذہبی اور اجتماعی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کرو تو اس حقیقت کی سب سے زیادہ واضح مثال سامنے آ جائے گی۔ اُسوقت مسلمان اُٹھتے بیٹھتے جو باتیں یاد رکھا کرتے تھے، آج کسی کو اُن کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو باتیں محل کی بے شمار تقریبوں، تہواروں، یادگاروں، اور اجتماعوں کے ذریعہ یاد رکھی جاتی ہیں: یہ اُس وقت کے کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزری ہوں گی۔ اُسوقت اُن کا حافظہ صرف وہی چیزیں یاد رکھنی چاہتا تھا جن کی یادداشت میں ان کی قومی زندگی کے لئے عبرت و موعظت تھی۔ آج ہمارا حافظہ صرف وہی باتیں یاد رکھنی چاہتا ہو جن کی یادداشت میں قومی زندگی کے لئے غفلت و اعراض ہو۔ وہ اُن چیزوں کو بھول نہیں سکتے تھے جنہیں یاد رکھنا چاہئے۔ ہم اُن چیزوں کو بھلا نہیں سکتے جنہیں ہمیشہ کے لئے بھلا دینا چاہئے!

سادت مشرقۃ وسرت مغربۃ
شتان بین مشرق ومغرب!

واقعہ ہجرۃ

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے اس اختتام و آغاز میں پوشیدہ ہو، ہجرۃ نبوی کا واقعہ ہو، کیونکہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہو، اور اُس کی بنیاد واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہو۔ ہر سال جب ۳۰۔ ذوالحج کا دن ختم ہوتا اور یہی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہو، تو وہ اس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دیتا ہے۔ یہ فی الحقیقت اس واقعہ کی ایک جاری و قائم یادگار ہو۔ یہ دنیا کی تمام قومی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہو۔ بلکہ کمزوری کی فتحمندیوں کی یادگار ہو۔ یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں ہو۔ بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہو۔ یہ طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال کی یادگار نہیں ہو۔ محکومی و بے چارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہو۔ یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں ہو جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا۔ یہ فتح مدینہ کی یادگار ہو جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سروسامان انسان کی روح "ہجرۃ" نے فتح کیا تھا! تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ کے مسلح داخلہ کی شان و شوکت ہمیشہ یاد رکھی ہو۔ لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتھیار کی فتح فراموش کر دی، حالانکہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح مندیاں اسی اولین فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ

تھیں۔ یہی وجہ ہو کہ جب ظاہری فتحمندیوں کے اعلان کا وقت آیا تھا، تو اُسوقت اسی معنوی فتحمندی کی یاد لوگوں کو دلائی گئی تھی: ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ: لا تحزن ان اللہ معنا۔ فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ، وکلمۃ اللہ ہی العلیا، واللہ عزیز حکیم! (۹: ۴۰)

تذکار محرم

اسی ہجری سنہ کے ساٹھویں برس کربلا کا حادثہ ظہور میں آیا۔ یہ حادثہ اسد بہ المناک اور درد انگیز تھا، اور اُس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے، کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا، اُس کی یاد ایک ماتمی یادگار کی حیثیت اختیار کرتی گئی۔ یہاں تک کہ محرم کے ورود کی تمام یادآوریاں صرف اسی حادثہ کے تذکرہ و تالم میں محدود ہوگئیں اور دوسرے تمام پہلو یک قلم فراموش کر دیئے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ حادثۂ کربلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں ناقابل فراموش ہیں۔ لیکن ہمارے جماعتی ذہن فکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہوگی اگر اس حادثہ کے استحضار میں تذکرہ واعتبار کے دوسرے پہلو فراموش کر دیئے جائیں۔ یہ سنہ ہجری کے ساٹھویں برس کے ایک واقعہ کی تذکار ہے، لیکن خود سنہ ہجری کے پہلے برس کے تذکار سے کیوں چشم بصیرت بند کر لی جائے؟

سنہ ہجری کی ابتدا

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے۔ زیادہ مشہور سنہ یہودی، رومی اور ایرانی سنین تھے۔ عرب جاہلیت کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب کتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی۔ اوقات و مواسم کی حفاظت اور یاد داشت کے لئے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اُسی سے وقت کا حساب لگا لیتے۔ منجملہ سنین جاہلیت کے عام الفیل تھا۔ یعنی شاہ حبش کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال۔ عرصہ تک یہی واقعہ عرب کے حساب و کتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی۔ صحابۂ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلامی کے واقعات میں سے کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب نکالتے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ہی سورۂ حج کی وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قتال کی اجازت دی گئی تھی: اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا، وان اللہ علی نصرہم لقدیر (۲۲: ۴۰) اس لئے کچھ دنوں تک اسی واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا۔ لوگ اسے "سنہ اذن" سے تعبیر کرتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یاد داشت کا کام دیتی۔ اسی طرح سورۂ برأۃ کے نزول کے بعد "سنہ برأۃ" کا بھی بول چال میں رواج رہا۔ عہد نبوی کا آخری سنہ "سنۃ الوداع" تھا۔ یعنے آنحضرت (صلعم) کے آخری حج کا واقعہ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہوگیا تھا اور ہجرۃ کے دسویں سال پیش آیا تھا۔ بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً سنۃ التحویل۔ سنۃ الزلزلۃ۔ سنۃ النزال۔ سنۃ الاستئناس۔ بیرونی نے آثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا ہے۔

آنحضرۃ (صلعم) کے وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت جاری رہی۔ لیکن حضرت عمر (رض) کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مقبوضہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب کتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے، اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دیدیا جائے۔ چنانچہ اس معاملہ پر غور کیا گیا۔ اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اُسوقت تک واقعۂ ہجرت پر سترہ برس گزر چکے تھے۔

ضرورت کا احساس اور صحابہ کا مشورہ

سنہ ہجری کا تقرر کیونکر عمل میں آیا؟ کیوں حضرۃ عمر (رض) اور تمام صحابہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا واقعۂ ہجرۃ سے کی جائے؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز مبحث تھا، لیکن افسوس ہو کہ اسوقت تک نظر و فکر سے محروم رہا۔

اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہو جسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ

(فمہ الی عمر بن الخطاب صک محلہ شعبان نقال ای شعبان ھو؟ أشعبان الذی نحن فیہ ام الذی ثم جمع وجوہ الصحابہ فقال ان الاموال قد کثرت وما قاسمنا منہا غیر موقت، فکیف التوصل الی ما یضبط بہ ذلک؟ فقالوا یجب ان نعرف ذلک من الفرس فعندھا استحضر عمر الھرمزان وسألہ عن ذلک، فقال ان لنا حسابا نسمیہ "ماہ روز" فعربوہ الکلمۃ وقالوا "مورخ" ثم طلبوا وقتا یجعلونہ ادلا لتاریخ دولۃ الاسلام، فاتفقوا علی أن یکون المبدء من سنۃ الھجرۃ (تاریخ کبیر ذہبی۔ تاریخ معرفۃ زہری)

اسکا یہ ہو کہ "ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گیا جس شعبان کا مہینہ درج تھا۔ حضرۃ عمر نے کہا شعبان سے مقصود کونسا شعبان ہو؟ اس برس کا، یا آئندہ برس کا؟ پھر آپنے سربرآوردہ صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا: اب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہوگئے ہیں، اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہوجاتا۔ اس لئے ضروری ہو کہ حساب و کتاب کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہوسکیں۔ اسپر لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہئے۔ اُنکے یہاں اس کے لئے کیا طریقے تھے؟ چنانچہ حضرۃ عمر نے ہرمزان کو بلایا۔ اُسنے کہا ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہو جسے "ماہ روز" کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں "مورخ" بنالیا گیا۔ پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لئے جو سنہ اختیار کیا جائے، اُس کی ابتدا کب سے ہو؟ سب نے اتفاق کیا کہ ہجرۃ کے برس سے کیجائے۔ چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا"

ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے۔ اسمیں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ

کان عند عمر عامل جاء من الیمن فقال لعمر أما تؤخون تکتبون فی سنۃ کذا وکذا من شھر کذا کذا؟ فامر عمر الناس ان یکتبوا من مبعث رسول اللہ صلعم ثم قالوا من عند وفاتہ، ثم ارادوا ان یکون ذلک من الھجرۃ (تاریخ کبیر ذہبی و معرفۃ زہری جلد ۲)

"حضرت عمر کے پاس یمن سے ایک عامل آیا تھا۔ اسنے کہا لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ نہیں لکھتے۔ اس طرح کہ فلاں بات فلاں سنہ میں اور سنہ کے فلاں مہینے میں ہوئی؟ اسپر حضرۃ عمر اور آور لوگوں کو اس معاملہ کا خیال ہوا۔ پہلے انھوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرۃ کے مبعوث ہونے کے وقت سے سنہ کا حساب شروع کریں۔ پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے شروع کیا جائے۔ لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرۃ سے سنہ کا تقرر ہو"

ان روایات کی مزید تشریح امام شعبی کی روایت سے ہوتی ہے جو محب طبری نے نقل کی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ

ان ابا موسی الاشعری کتب الی عمر أنہ تاتینا منک کتب لیس لنا تاریخ وقد کان عمر دون الدواوین وضع التاریخ وجمع الناس الی تاریخ ولم یجب التاریخ فسأل (فجمع من رای یوم یکتب التاریخ؟ فقال علی بن ابی طالب من یوم ھاجر رسول اللہ صلعم وترک مکہ فنفعلہ عمر (کتاب الاوائل قلمی۔ مقریزی طبع ثانی جلد ۲ صفحہ ۵۶)

"ابو موسیٰ اشعری نے حضرۃ عمر کو لکھا کہ آپکی جانب سے ہمارے نام خطوط آتے ہیں مگر ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت عمر نے حکومت کے مختلف دفاتر قائم کر دیئے تھے اور خراج کے اصول و قواعد طے پا گئے تھے، اور اس لئے محسوس کر رہے تھے کہ ضبط اوقات کے لئے ایک خاص تاریخ قرار پا جائے۔ پرانی تاریخیں موجود تھیں لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ انھیں اختیار کریں۔ اب موسیٰ اشعری نے لکھا تو انہیں زیادہ توجہ ہوگئی۔ صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرۃ کا واقعہ بنیاد ٹھہرا کر سنہ ہجری اختیار کیا جائے"

ابو ہلال عسکری نے الاوائل میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرۃ سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ واقعۂ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ

جمع عمر الناس فسألھم متی یکتب التاریخ؟ فقال علی بن ابی طالب من یوم ھاجر رسول اللہ صلعم وترک مکہ فنفعلہ عمر (کتاب الاوائل قلمی۔ مقریزی طبع ثانی جلد ۲ صفحہ ۵۶)

"جب حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے؟ تو حضرت علی نے فرمایا۔ اس دن سے جس دن آں حضرت نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ آئے"

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ اُن امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علی کی رائے سے انجام پائے۔ سنہ کے واقعات میں لکھتا ہے:

وفیھا (ای عام الکتب وارادوا کتب التاریخ منذ مولد رسول اللہ ثم قال من المبعث، فاشار علیہ علی بن ابی طالب بکتبہ من الھجرۃ، فکتبہ من الھجرۃ (جلد ۲: ۱۶۶)

"اُسی زمانہ میں حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے۔ پہلے انھیں خیال ہوا آنحضرت کی ولادت سے شروع کریں پھر خیال کیا آپ کی بعثت کے واقعہ سے ابتدا کی جائے۔ لیکن حضرۃ علی نے رائے دی کہ ہجرۃ سے شروع کرنا چاہئے"

قومی سنہ کی ضرورت و اہمیت

ان روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہو کہ بعض امور پر غور کیا جائے:

سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہو، یہ ہو کہ حضرت عمر اور صحابہ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی کہ ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟ امام شعبی کی روایت میں ہو کہ حضرت عمر تاریخ کے تعین و تقرر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔ پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہو، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہوکر مدینہ میں مقیم ہوگیا تھا۔ حضرۃ عمر کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہو۔ (بلاذری وطبری وغیرہما) بیرونی لکھتا ہو کہ جب حضرت عمر نے اس سے مشورہ کیا تو اُسنے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقہ کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں کا آخری سنہ یزدگرد کا سنہ تھا، اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدایش سے شروع ہوتا تھا۔ بعض صحابہ کو خیال ہوا۔ انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کر لیا جائے، لیکن حضرت عمر اور آور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے (۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں

(۱) بیرونی نے یہ تفصیل میمون بن مہران کی روایت کے سلسلہ ہی میں کی ہو، اور اُسکے الفاظ روایت مندرجۂ متن سے مختلف ہیں۔ چونکہ اُسنے کوئی تخریج نہیں کی تھی اس لئے حسب اصول فن روایت اُس سے اساسی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہم نے اپنی سابق تحقیق کے مطابق بیان کیا (الہلال جلد ۳۰)

اور رومیوں کے سنین مجمع صحابہ میں زیر بحث رہے، اور بعضوں نے اُسے اختیار کرنے کی رائے بھی دی، لیکن عام رجحان اسی طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہیئے۔

اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال کی بڑی جگہ حساب کتاب کے دفاتر تھے، اور حضرت عمرؓ نے بہ اتفاق صحابہ، دفاتر کے لئے وہی زبانیں اختیار کرلی تھیں جو پیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لئے فارسی، شام کے لئے سریانی، اور مصر کے لئے قبطی تھی (مسعودی دبلاذری) ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لئے ایران و شام کی زبانیں اختیار کرلی گئی تھیں، تو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کرلینا تھا جو ان ہاتھوں کے حساب کتاب میں رائج تھا، اور اُس کے قواعد بندھے چلے آتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔ ایران اور روم و مصر کی زبانیں اختیار کرلیں، مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ غور کرنا چاہیئے، اس اجتناب کی علت کیا تھی؟

یہ علت تو قطعاً نہیں ہوسکتی کہ صحابۂ کرام محض قومی تعصب اور تنگ دلی کی بنا پر دوسری قوموں کی اچھی اور کارآمد باتوں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ آدلاً تو اس بارے میں خود اسلامی احکام کا یہ حال ہے کہ رُکاوٹ کی جگہ صریح ترغیب دی گئی ہے۔ ثانیاً اُس عہد کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصبات کو اُس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ دنیا کے تمام علمی و تمدنی ذخیرہ کو خواہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنا قومی ورثہ سمجھتے تھے۔ خود اسی عہد میں حضرت عمرؓ نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم کئے ہیں، اور اُن میں جو باتیں کارآمد اور ضروری نظر آئی ہیں بلا تامل اختیار کرلی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا، وہ ایرانیوں، رومیوں، اور مصریوں کو بہ اصرار طلب کراتے اور اُن سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تقسیم، خراج و محصول کا تعین، اراضی کی پیمائش اور تشخیص، خزانہ کا قیام، حساب و کتاب کے اصول و قواعد؛ اور اسی طرح کے بہت سے معاملات ہیں جن میں ایرانی اور رومی قواعد کا تتبع کیا گیا۔ فقہ کا ایک اہم باب فرائض ہے۔ یعنے ورثہ کی تقسیم کے اصول و قواعد۔ چونکہ اس کا تعلق فن حساب سے ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے چاہا، اُس کے قواعد کی ترتیب و درستگی کے لئے ایک ماہر حساب سے مدد لی جائے۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس غرض سے ایک رومی مسیحی مدینہ میں طلب کیا گیا تھا۔ طلبی کے فرمان میں والی شام کو جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ ہیں: "ابعث لنا برومی یقیم لنا حساب فرائضنا" ایک رومی کو بھیج دو تاکہ وہ ہمارے فرائض کا حساب استوار کردے۔ (خلاصہ مستقیم حافظ ابن تیمیہ) جب حضرت عمرؓ کو فرائض جیسے شرعی مسئلہ کے حساب میں ایک رومی عیسائی سے مدد لینا ناگوار نہ ہوا، تو ظاہر ہے کہ ایرانی یا رومی سنہ کے اختیار کرلینے میں قومی تعصب کیوں مانع ہوتا جس کا تعلق صرف حساب و تاریخ سے ہے؟ پس یقیناً کوئی دوسری ہی علت ہونی چاہیئے جس کی وجہ سے انھوں نے ایرانی اور رومی سنین جیسے مدون و رائج سنہ چھوڑ دیئے، اور ایک نیا سنہ از سر نو قائم کیا۔

اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور تربیت نے صحابۂ کرام کا دماغ جس سانچے میں ڈھال دیا تھا، وہ ایسا سانچا تھا جس میں کوئی دوسرے درجہ کا خیال سما ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اول درجہ کے خیالات کے لئے تھا۔ بہت ممکن ہے کہ دنیا کے تمدنی علوم و فنون کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی بات علمی طریقوں اور مصطلح لفظوں میں نہ ادا کرسکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علت اُس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں آج دنیا دیکھ رہی ہے، لیکن اُن کی طبیعت کی اُفتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ پر سوچ بچار کرتے تھے تو خواہ علت و موجب سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں، لیکن دماغ جاتا اُسی طرف تھا جو علم و حکمت کے بہتر سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہوسکتے ہیں۔ یہی معنی ہیں ابنیاء کرام کے مقام "تزکیہ" کے کہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (۲:۶۲) یعنی دل و دماغ کی اس طرح تربیت کردی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سانچا ڈھل جاتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں رکھی جائے گی، وہ قبول ہی نہیں کرے گا۔ صرف سیدھی اور موزوں چیزیں ہی اس میں سما سکتی ہیں!

اسلام کی تربیت نے صحابہ کے دل و دماغ میں قومی شرف و خودداری کی روح پھونک دی تھی۔ قومی زندگی کی بنیادیں جن اینٹوں پر استوار ہوتی ہیں، اُن میں سے ایک ایک اینٹ کے لئے اُن کے اندر رجحان اور لگاؤ تھا۔ اگرچہ وہ لفظوں اور تعبیروں میں انہیں بیان نہ کرسکیں۔ جب حضرت عمرؓ نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس کی، تو اگرچہ متمدن اقوام کے سنین رائج و مستعمل تھے، لیکن اُن کی طبیعت اُن کی طرف مائل نہ ہوسکی۔ اس لئے کہ ایسا کرنا نہ صرف قومی شرف و خودداری کے خلاف تھا، بلکہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کھو دینی تھی۔

قومی زندگی کی بنیادی مقومات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے۔ جو قوم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی، وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی۔ قوم کا سنہ اُس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اُس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحۂ عالم پر اُس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کردیتا ہے۔ یہ قومی زندگی کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ جاسکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے، اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ آج آگسٹس کیراجیت، جلال الدین ملک شاہ، اور اکبر اعظم کے نام اُن کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں، اور ہمارا حافظہ اُن سے گردن نہیں موڑ سکتا!

ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا اہم معاملہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کے سامنے آتا اور اُن کا دماغ غلط فیصلہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہوجاتی۔ کچھ ضروری نہیں کہ انھوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہ و تعلیل بھی کی ہو۔ نتائج تعبیر اور تعلیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کرسکے۔ وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی و تمدنی چیزیں قبول کرلینے کے اُن کا سنہ قبول نہ کرسکے۔ خود بخود انکی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب سے الگ، اور ایسا ہونا چاہیئے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعہ پر ہو۔ انھوں نے اپنے دفتروں کے لئے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی، انکے حساب کتاب کے قواعد قبول کرلئے، اُنکے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی انکار نہیں کیا؛ لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہوسکے۔ یہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ تھی، اس لئے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہو، اور اپنے ہی ہاتھ سے رکھی جائے۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا، اور اسلام نے جو ذہنیت اُن کی پیدا کردی تھی، اُسے یہی کرنا تھا!

متاخرین کی تعلیل و توجیہ

افسوس ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کی تاریخ کا چہرہ، متاخرین کی نقاشیوں سے اپنے اصلی خال و خط کھو چکا ہے۔ ہر عہد کا مورخ دراصل اُسی عہد کی دماغی آب و ہوا کا مخلوق ہوتا ہے، اس لئے سلف کے واقعات کی تصویر کھینچتے ہوئے اُسی رنگ و روغن سے کام لیتا ہے جو اُس کے عہد کی آب و ہوا مہیا کرسکتی ہے۔ اسلام کی حقیقی اجتماعی زندگی کا اصلی دور صحابۂ کرام کے عہد پر ختم ہوگیا، اور اُس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، اُس دور کی معنوی حقیقتیں مفقود ہوتی گئیں۔ متاخرین اہل نظر و قلم کا زمانہ آیا تو یہ وہ وقت تھا، جب صدر اول کی دماغی آب و ہوا کی جگہ بالکل ایک مختلف قسم کی فضا نشوونما پاچکی تھی۔ اس لئے ان مصنفوں نے جب اُس عہد کے حالات پر قلم اُٹھایا، تو بجائے اس کے کہ اُس عہد کا ذوق و مزاج پیدا کرکے اُس کا مطالعہ کرتے، اپنے عہد کے پیدا شدہ ذوق کے رنگ میں اُس کی ہر بات رنگ ڈالی۔ تاریخ ہی پر موقوف نہیں ہے۔ ہر گوشہ تک اس معاملہ کے اثرات پہنچے حتیٰ کہ فقہ و احکام تک کا گوشہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اگر عہد صحابہ سے لیکر آخری عہد تدوین کتب تک کی کتابیں مسلسل موجود ہوتیں اور صدیوں کی ترتیب کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جاسکتی، تو صاف نظر آجاتا کہ صدر اول کے واقعات و معاملات بعد کے ہر عہد میں نئے نئے لباس بدلتے آئے ہیں، اور اُن کی تعبیر و الفاظ کی ہیئت میں ہر عہد کی ذہنی خصوصیات کا پرتو موجود ہے۔ مثلاً اگر تیرہ صدیوں کی تیرہ مسلسل تاریخیں موجود ہوتیں، تو ہم انگلی رکھ کر بتلا سکتے کہ صدر اول کے ایک ہی واقعہ نے اپنی جزئیات و صورت میں کس طرح تیرہ مختلف لباس پہن لئے ہیں؟

بطور مثال کے اسی واقعہ پر نظر ڈالی جائے۔ امام شعبی کی روایت میں صاف موجود ہے "ولم یجب التاریخات القدیمۃ" یعنے حضرت عمرؓ ایک تاریخ کے تعین کی ضرورت محسوس کررہے تھے، مگر پسند نہیں کرتے تھے کہ قدیم تاریخیں اختیار کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی تاریخ کا اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور یہ معاملہ اُن کی نظر میں ایسا تھا جس کے لئے ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی ایک قومی تاریخ قرار دی جائے لیکن بعد کے مورخین نے اپنے ذوق و میلان طبع کے مطابق اس کی توجیہیں شروع کردیں۔ واقعہ کی اصلی علت پر تو نظر نہیں گئی، نئے نئے معنی پہنانے لگے۔ میں یہاں صرف دو عہدوں کی دو مختلف نظروں کا ذکر کروں گا۔

علامہ مقریزی نے نویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی بے نظیر تاریخ "خطط" لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں حضرت عمرؓ اور صحابہ نے ایرانی اور رومی تاریخ پسند نہیں کی، کیونکہ دونوں کے حساب میں کبیسہ تھا۔ (یعنی دورۂ ارضی کی کسر پوری کرنے کے لئے چند سالوں کے بعد مہینوں کے دنوں میں کمی بیشی۔ جس طرح کہ تقویم گریگوری میں ہر چوتھے سال ایک دن کی کمی کردی گئی ہے) چونکہ اسلام نے "نسیئ" سے روکا تھا، اور کبیسہ پر "نسیئ" کا شبہ ہوسکتا تھا، اس لئے مناسب نہ تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ مورخ موصوف کو یہ دور از کار دقیقہ سنجی اس لئے کرنی پڑی کہ قومی تقویم کی ضرورت و اہمیت کے لئے اُن کے ذہن میں کوئی جگہ نہ تھی، اور چونکہ آور کوئی معقول تعلیل سمجھ میں نہیں آئی اس لئے ناچار "نسیئ" کی شرعی ممانعت کی وادی میں پہنچ گئے۔ حالانکہ کسی اعتبار سے بھی یہ تعلیل لائق اعتنا نہیں

اوّل تو یہ اُن روایات کے خلاف ہے جو اوپر گزر چکیں، کیونکہ اُن میں تمام قدیم تقویموں کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے۔ نہ کہ کسی خاص تقویم کا۔ ثانیاً "نسیٔ" مصطلح جاہلیت اور "کبیسہ" مصطلح حساب قطعاً دو مختلف چیزیں ہیں جن "نسیٔ" کو اسلام نے رد کیا اور قرآن نے کفر کی زیادتی سے تعبیر کیا، وہ یقیناً قمری مہینوں کی طبعی ترتیب کو اس طرح درہم برہم کر دینا تھا کہ کبھی شعبان، محرم بن جاتا تھا، اور کبھی رمضان ذوالحج قرار پاجاتا تھا۔ اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اعمال وطاعات کے معین اوقات الٹ پلٹ ہو جاتے تھے اور اُن کے تقرر وتعین کی اہمیت ومصلحت باقی نہیں رہتی تھی۔ لیکن "کبیسہ" بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ اُس کا مقصد دوسرا ہے، اور اُس کے اجرا کے نتائج دوسرے ہیں۔ اُس کا کوئی اثر اس طرح کا مرتب نہیں ہوتا۔ وہ محض اس لئے ہے کہ سال بھر کے تین سو ساٹھ دن قرار دے دینے کے بعد جو کسر رہ جاتی ہے اُسے کچھ عرصہ کے بعد پورا کر دیا جائے تاکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد مہینوں اور برسوں کا فرق نہ بنجائے۔ پس کسی طرح بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ "نسیٔ" کی حقیقت سے اس درجہ بے خبر تھے کہ تقویم کے کبیسہ کو بھی "نسیٔ" سمجھ لیتے، یا اُنھیں کبیسہ پر "نسیٔ" کا شبہ ہو سکتا۔

یہ نویں صدی کی ابتدا تھی۔ لیکن سو برس کے بعد یعنی ہزارویں صدی کے اوائل میں یہی واقعہ ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی سے تقویم وسنین کے متعلق ایک سوال کیا گیا تھا۔ اُس کے جواب میں انھوں نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور صحابۂ کرام نے رومی اور ایرانی سنہ اختیار کرنے سے اس لئے اجتناب کیا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں کا سنہ تھا اور اسلام نے اُنھیں روک دیا تھا کہ کفار کا طور طریقہ اختیار کر کے اس کے رواج وقبولیت کا باعث نہ ہوں۔ اب غور کرو۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی؟ کجا کفار کے طور طریقہ سے اجتناب کا معاملہ، اور کجا یہ معاملہ جو حساب وکتاب کے ایک علمی اصول وقواعد کا معاملہ ہے! حافظ موصوف نے یہ تعلیل کرتے ہوئے عہد فاروقی کی آدھی تاریخ فراموش کر دی۔ اگر اس قسم کے معاملات میں غیر قوموں سے اخذ واستفادہ جائز نہ ہوتا، تو حضرت عمر بے شمار معاملات میں ایران وروم کے قدیم انتظامات اور تمدنی طریقوں سے فائدہ اٹھانا کیوں جائز رکھتے؟ یہ صحیح ہے کہ صحابۂ کرام کو غیر قوموں کی بہت سی باتوں سے اجتناب تھا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتوں کو رد کیا اور عدم اتباع وتشبہ پر زور دیا، مگر وہ باتیں دوسری ہیں، اُن کا محل دوسرا ہے، مقصد دوسرا ہے، اور اثرات دوسرے ہیں۔ اس معاملہ سے اسے کیا تعلق؟

واقعۂ ہجرت کا اختصاص

اس جملہ معترضہ نے بہت طول کھینچا۔ بہرحال اس معاملہ میں پہلی بات جو قابل غور تھی، وہ قومی سنہ کا تقرر اور اُس کی اہمیت کا احساس تھا۔ بغیر کسی دُور دراز توجیہ کے اختیار کئے، یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ کی اس پہلو پر نظر تھی۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لئے قومی سنہ ضروری ہے، اور اس لئے چاہیے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے۔ اندر ہی طیار کیا جائے۔

اس کے بعد دوسرا اہم نقطۂ نظر، واقعۂ ہجرۃ کا اختصاص ہے۔ اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ سنہ کی ابتداء قرار دینے کے لئے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہو سکتی تھیں، اُن میں سے کسی چیز کی طرف اُن کی نگاہ نہ گئی۔ ہجرۃ نبوی کا واقعہ جو آغاز اسلام کی بے سروسامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا، اختیار کیا گیا، آخر اس کی علت کیا تھی؟

بہتر ہے کہ یہ بحث آئندہ مجلس پر ملتوی رکھا جائے۔ آجکی مجلس تقصد سے زیادہ طولانی ہو چکی ہے۔ لیکن ہر کہ ایک ہی نشست کی اتنی طوالت بعض طبائع پر شاق گزر رہی ہو۔

ہوائے الاسکا کی پیمایش

سائنٹفک امریکن میں الاسکا (قطعۂ ارض مابین امریکہ وجاپان) کی پیمایش بذریعۂ طیارات پر ایک نہایت دلچسپ مضمون نکلا ہے۔ مقالہ نگار لکھتا ہے "تین طیاروں کے ذریعہ سے ایک سرکاری مہم نے الاسکا کے جنگلوں پہاڑوں اور جھیلوں کی صرف پندرہ دنوں میں اتنی پیمایش کر لی جو معمولی پیمایش کے ذریعہ پندرہ برس میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس مہم نے ایسے ایسے مقامات کی تصویریں لیں جہاں اب تک انسان کا گذر نہیں ہوا تھا اور جو بیش قیمت جنگلوں اور جھیلوں سے بھرے ہیں۔ اس ۴۰ ہزار میل کی پیمایش کی مہم میں دس ہزار میل صرف پندرہ دنوں میں ناپ لئے گئے اور طیاروں نے دس ہزار فٹ کی بلندی سے ایسے صحیح اور صاف نقشے کھینچ لئے کہ جنگلوں کے درخت بھی گن لئے جا سکتے ہیں"۔

فرانس کا جنگی نظام

مانچسٹر گارجین میں مسٹر ڈیوڈ لواک کا ایک مضمون مندرجہ صدر عنوان پر شائع ہوا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"فرانس نے گذشتہ جنگ کے بعد پہلا مسئلہ جو پیش نظر رکھا وہ اپنی فوج کی ترتیب وتنظیم ہے۔ اب یہ نظم قریب تکمیل کے ہے ۱۹۱۷ء میں پارلیمنٹ اسپر فیصلہ صادر کرے گی۔ فرانس کا مقصد یہ ہے کہ ساری فرانسیسی قوم جنگ کے لئے ہر دم تیار رہے۔ جس وقت جنگ کا موقع آجائے تو تیاری میں وقت ضایع نہ ہو۔ یہ پوری مشین جو امن کے زمانہ میں تیار کھڑی تھی فوراً چلنے لگے"

کیا بحالت موجودہ دنیا امن وسکون کا وہم وگمان بھی کر سکتی ہے؟ یہ فرانس ہے۔ یعنی مجلس اقوام کا، برطانیہ کے بعد دوسرا پیامبر امن!!

جدہ میں عربی بنک

سلطان ابن سعود نے امیر حبیب فلاح کو اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ جدہ میں ایک عربی بنک قائم کیا جائے جس کی شاخیں پورٹ سعید، سویز، اور قاہرہ میں ہوں گی۔ اس بنک کا خاص مقصد یہ ہے کہ حجاج کے لئے سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔

ترکی خواتین کا لباس

ترکی انجمن نسواں نے ترکی خواتین کے لئے ایک نیا لباس تجویز کیا ہے۔ چونکہ موجودہ لباس جو ترکی خواتین استعمال کر رہی تھیں بالکل یورپین عورتوں کا سا لباس تھا۔ جس پر بے اندازہ روپیہ صرف ہوتا تھا۔ اس لئے نئے لباس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ لباس اقتصادی اور خوبصورتی، دونوں پہلوؤں سے بہتر ہوگا۔

فہرس

آئندہ سے فہرست پہلے صفحہ کی جگہ یہاں آخری صفحہ پر درج ہوا کرے گی

مطبوعات جدیدہ
ایک مغربی خاتون کی مشرقیہ ۳

افسانہ
محبت اور قربانی، یا سزا اور انتقام ۵

مذاکرۂ علمیہ
انسانی عمر کی درازی اور اعادۂ شباب ۹

بصائر وحکم
انسانیت موت کے دروازہ پر! حضرت حسین علیہ السلام ۱۵

بریدِ شرق
مکتوب چین ۱۹
مکتوب قسطنطنیہ ″

مقالات
۱۔ محرم الحرام اور سنہ ہجری کا اختتام وآغاز ۲۱
علمی خبریں ۲۴

تصاویر

(۱) لیڈی اسٹن ہوپ ۴
(۲) لیڈی اسٹن ہوپ اور لامارٹین ۵
(۳) "لبشپ اور اُس کا مجرم" ۷
(۴) ڈاکٹر گورسکی (اعادۂ شباب کے ایک علمیہ کا موجد) ۱۰
(۵) ڈاکٹر دہ رونوف (علمیۂ تعلیم کا موجد) ″
(۶) ایک ۷۵ برس کا بوڑھا علمیۂ اعادۂ شباب سے پہلے ۱۱
(۷) علمیہ کے بعد ″

السحر الحلال
في
مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغهائے سینه را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وہ رسالہ هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي- اُس نے ملک کے سياسي' علمي' ادبي' اور ديني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے' مورخ هے وہ مستقبل هند کا مورخ ان پر بحث کريگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و ميلانيات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان کي سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي ذهنيت تاثر پذير هوئي .

الهلال اگرچہ ايک هفتہ وار مصور رسالہ تها' ليکن چونکہ وہ اردو صحافت کي مجلداتي شانوں ميں تجارتي اخبار و رسائل کي طرح پيدا کرني چاهتا تها' اس لئے اُس کا هر نمبر صحافت تمام اور صحافت اوراق کا مجموعہ تها- اُس نے هر نمبر ميں صحافت ابواب' مذهب' سياست' ادبيات' علوم و فنون' اور معلومات عامہ کے ڈهونگے لئے اور اسکا هر باب اپني مجتهدانہ خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں علمي طباعت و ترتيب کا پهلا نمونہ تهيں- اردو کا وہ پهلا هفتہ وار رسالہ تها' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجہ سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں- اس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي' مذهبي' سياسي' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعہ هيں- ان کي مقبوليت و قدر کا اندازہ اس سے هوسکتا هے کہ سنہ ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اس کي تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپيہ ميں خريد کيا- اور حال ميں ايک صاحب نے اس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چار سو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدي هے- جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وہ اب بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علاحدہ کرنے کيلئے تيار نهيں- پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا' هم نے کوشش کي کہ شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدين مرتب کي جاسکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوبارہ چهپوا ليا جائے-

خدا کا شکر هے کہ کوشش ايک حد تک کامياب هوئي اور اب علاوہ مختلف پرچوں کے بيس سے زائد جلديں پوري مکمل هوئي هيں- هم اس اعلان کے ذريعہ شايقين علم و ادب کو آخري موقعہ دينے ميں کہ اس ميسري فرصت سے فائدہ حاصل کرکے ميرے ذخيرہ کي جلدوں کي تکميل کرليں' جلدوں کي تعداد بہت هي محدود معلوم هوتي هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پهلے آئينگي هر جلد مجلد هے اور اس ميں تمام مضامين کي فهرست کے ترتيب حروف تهجي لگائي گئي هے

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيہ الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيہ
" " چهارم ۱۰ روپيہ " " پنجم ۱۰ روپيہ

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الهلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچہ اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعہ علم و ادب هے- قيمت في پرچہ ۸ - آنہ محصول ڈاک و پيکنگ اس کے علاوہ هے-

مينيجر " البلاغ پريس "

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کرنسیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں با قاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں، تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کرتے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو موار اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو کوئلہ کے میوؤں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں تیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میووں، ترکاریوں اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

۲۲ر جولائی ۲۷ء

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

مدت سالانہ مع محصول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے	-	سولہ روپیہ
مدت شش ماہی	- -	سات روپیہ
مدت کی پرچہ	-	پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "مینیجر الہلال" کے نام سے کی جائے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں انکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مدت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو بصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو دفتر اشاعت کو ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بعید مدت کا روانہ نہیں کیا جائیگا

(۶) اگر آپ کو اپنا مکان یا اپنے ایک جگہ سے دوسری جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظار کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجائے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دفتر پتہ تبدیل کرائیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فوائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ٦ | کلکتہ : جمعہ ٢٢ - محرم ١٣٤٦ ہجری | جلد ١

Calcutta : Friday, 22, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری ھی کہ ھم اسکا اب فیصلہ کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترق یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔

طباعۃ کی ترق اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

ھندی اور ھندوستان کی تمام زبانون نی ، نیز عربی ، فارسی ، ترکی ، تینون سامی زبانون کی حروف کی چھپائی اختیار کر لی ھی اور انکی طباعۃ یورپ کی طباعۃ کا مقابلہ کر رھی ھی ۔ کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی ھی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

ھماری رای مین بہترین حروف یہی ھین ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیے یہ نا موزون نہین تو اردو کیلیے کیون نا موزون ھون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیے سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔

الھلال

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ھین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ھے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پراني قلمي اور مطبوعه کتابیں، پراني تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزیئن کا هر قسم کا سامان، اور هر طرح کے پرانے صنعتي عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب هیں، تو هم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم هماري نمایش گاهوں اور ذخائر کي فهرستیں هي منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت، دونوں کیلیے همارا ذخیره قیمتي ھے -

نوادر عالم کا یه ذخیره

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولي مصارف و مساعي کے بعد حاصل کیا گیا ھے -

دنیا کے تمام قدیم تمدني مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، هندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیره ممالک میں همارے ایجنٹ همیشه گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز عهد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ، امریکه، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهره کے نئے ایوان شاهي کے نوادر ابهي حال میں هم هي نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بهي پہلے هم هي سے خط و کتابت کیجیے - بہت ممکن ھے که همارا سفري یا مقامي ایجنٹ آپسے مل سکے -

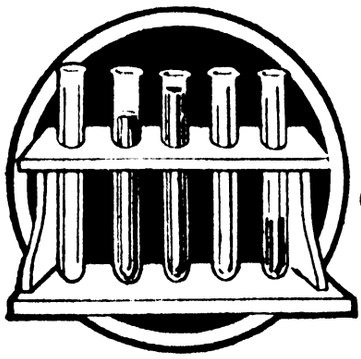

مذاکرہ علمیہ



انسانی عمر کی درازی اور اعادۂ شباب

مسٹر چرچل اور ڈاکٹر وورونوف کا مکالمہ



ڈاکٹر وورونوف

ذیل کے مضمون میں مشہور فرانسیسی اہل قلم ایم - لوئي فارست نے ڈاکٹر وورونوف سے اپني ایک ملاقات کا حال بیان کیا ہے - ڈاکٹر وورونوف اور اُنکے عملیہ تقلیم کا حال ہم گذشتہ اشاعت کے اسي باب میں بیان کر چکے ہیں - یہ اس سلسلہ کا تیسرا تکرہ ہے :

" مسٹر ونسٹن چرچل ' ڈاکٹر وورونوف ' اور میں ' ریویرا کے قریب ایک خوبصورت گاؤں ایز میں ' موسیو ایم بالسن کے مہمان تھے - سہ پہر کے ناشتہ کے وقت ڈاکٹر وورونوف کے نئے انکشافات پر بہت ہي دلچسپ گفتگو ہونے لگي - اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان کے عملیہ کے ذریعہ صرف حیات انساني ہي نہیں بڑہ جاسکتي ' بلکہ دنیا کي اقتصادي ترقي میں بھي غیر معمولي انقلابات رونما ہونے والے ہیں -

(دنیا کا آیندہ اقتصادي انقلاب)

ڈاکٹر وورونوف ہمیں یہ بتلا رہے تھے کہ اُنھوں نے اطالیہ کے سرحد پر گریمالڈي کے قلعہ میں کیوں بود باش اختیار کي ہے ؟ اور ایسے نظر فریب مناظر کے درمیان جیسے کہ اس مقام میں ہیں ' اپنے بندروں کي قیام گاہ اور اپنے عمل و تجارب کا کارخانہ کیوں بنایا ہے ؟

ڈاکٹر موصوف نے بیان کیا کہ حیواني غدود کے افعال و خواص کي تحقیقات نے مجھے نئے نئے نتائج پر پہنچا دیا ہے - میں نہ صرف ہر انسان کو از سر نو جوان بنا دے سکتا ہوں ' بلکہ قریب ہے کہ جانوروں کي ایک نئي نسل بھي پیدا کردوں - خصوصاً غیر معمولي قوت رکھنے والي بھیڑ جس کے گوشت اور اُون کا وزن اتنا زیادہ ہوجائیگا ' جتنا آج تک کسي کے وہم و گمان میں بھي نہیں آیا !

مسٹر ونسٹن چرچل یہ گفتگو انتہائي دلچسپي سے سن رہے تھے - دونوں میں نہایت دلچسپ گفتگو ہوئي - میں لفظ بہ لفظ تو اُسے لکھہ نہیں سکتا مگر حسب ذیل روئداد لکھتے ہوئے اُس کي معنوي صحت کا ذمہ دار ہوں :

مسٹر ونسٹن چرچل نے پوچھا " کیا یہ سچ ہے کہ آپ اپنے grafting (پیوند) کے عمل سے ہر اُس جانور کا گوشت اور چمڑے کا وزن بڑھا دے سکتے ہیں جو انسان کي غذا اور دیگر ضروریات کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں ؟ "

" قطعاً - میں نے یہ بھي کیا ہے اور اس سے بھي بڑھکر " - ڈاکٹر وورونوف نے بغیر کسي تامل کے جواب دیا -

" کیا آپ ہر انگریزي بھیڑ کے اُون کے وزن میں ایک پاؤ کا اضافہ کر دے سکتے ہیں ؟ " مسٹر چرچل نے مزید تشریح کي -

" بہت آساني سے - میں نے اس سے بھي زیادہ کامیابي حاصل کي ہے " ڈاکٹر کا قطعي جواب تھا !

" آپ نے کتنے معمراوں (subject) پر اس کا تجربہ کیا ہے ؟ "

" سیکڑوں جانوروں پر - بھیڑ کے تر گلہ کے گلہ پر "

" کیا میں برطانوي وفد بھیج سکتا ہوں تاکہ وہ اِن عملي نتایج کي جانچ پڑتال کرے ؟ "

" بہ خوشي - جس وقت آپ کا جي چاہے "

وہ جانور جن پر ڈاکٹر وورونوف نے اپنے تجربے کئے ہیں ' الجزائر میں ہیں ' اور آئندہ اکتوبر میں برطانوي ماہرین حیوانات اُن کا معائنہ کرنے کے لیے جانے والے ہیں - اب یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ اقتصادي نقطۂ نظر سے یہ انکشاف کیسي عظیم الشان اہمیت رکھتا ہے ؟



مسٹر چرچل

(بندروں کي پرورش گاہ)

جسطرح ایک مالي درختوں میں قلم لگاتا ہے ' اسي طرح علم نے جراح کے نشتر کے ذریعہ علم الحیات میں عظیم الشان معجزے پیدا کر دیے ہیں - انکے سمجھنے کیلئے ڈاکٹر وورونوف کي تحقیقات کا مطالعہ انکے آغاز عمل سے کرنا چاہئے - یعني اس روز سے مطالعہ کرنا چاہیے ' جس روز سے انہوں نے بندر کے غدود کي قلم آدمي میں لگا کے ' بوڑھوں کو جوان بنانا شروع کر دیا ہے -

ایسے لوگ بہت ہي کم ہیں جنہوں نے گریمالڈي کے قلعہ میں ڈاکٹر وورونوف کے بندروں کي قیام گاہ اچھي طرح دیکھي بھالي ہو - یہ مقام آلپ فرانسیسي اور آلپ اطالوي سرحد کے اندر واقع ہے - البتہ اسکا دروازہ فرانس ہي میں ہے -

یہ قلعہ نسبتاً جدید طرز کي ایک عمارت ہے' مگر اسکے پہلو میں اسلامي حکومت کي ایک قدیم یادگار بھي موجود ہے - یہ ایک برج ہے جو دس صدیوں سے زیادہ پرانا ہے ' اور شاید اُس اعادۂ شباب کا نشان ہے جو اُسکے سایہ میں پرورش پا رہا ہے - یہ قیام گاہ بجائے خود دنیا میں ایک نمونۂ بہشت ہے - ہرے بھرے نباتات ' لہلہاتے سبزہ زار ' صاف اور خوشگوار ہوا ' اسپر نیلگوں بحر متوسط کا دلفریب منظر ؛ یہ مقام ملکہ وکٹوریا کو اسقدر پسند تھا کہ وہ یہاں ایک پتھر کے بنچ پر بیٹھکر دیر تک سمندر کو دیکھا کرتي تھیں - آج ہملوگ اُسي بنچ پر بیٹھکر ڈاکٹر وورونوف سے اُنکے انکشافات پر گفتگو کرتے رہے !

" ڈاکٹر وورونوف - تمہارے والدہ کیا حال ہے ؟ " میں نے ایک دن پوچھا -

ڈاکٹر وورونوف نے جواب دیا - " میں انکے بارے میں متردد ہوں - اُنہیں بہت سخت زکام ہوگیا ہے - تم جانتے ہو انکي عمر سو برس کے قریب ہے "

(نورا)

اسکے بعد میں نے " نورا " کے بارے میں دریافت کیا - جواب ملا کہ وہ مر گئي -

دنیا اس " نورا " سے ناواقف ہے - " نورا " ایک بندریا تھي مگر انسانوں سے زیادہ انسانیت رکھتي تھي وہ بلا کي ذہین تھي - ڈاکٹر وورونوف اُسے اسلیے عزیز رکھتے تھے کہ وہ بہت دلیري اور خوشي سے ہر طرح کے عمل جراحي کیلیے مستعد ہوجاتي تھي - وہ شاید نسل انساني کے مفاد کیلیے اپني قرباني کي ضرورت محسوس کرتي تھي !

" نورا " نے ایک حسین خاتون کي زندگي میں بڑا اضافہ کردیا ہے - اب وہ اپني عمر سے کہیں زیادہ کمسن ہوگئي ہے - اس کے بعد نورا میں بھي دوسري کمسن بندریا کے غدود کا پیوند لگا دیا گیا تھا ' اور وہ پھر سے جوان ہوگئي تھي - لیکن افسوس ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وضع حمل کرتے ہوے مر گئي ' اور موجودہ دنیا کے ایک سب سے بڑے طاقتور عالم کو داغ مفارقت دے گئي !

(اسوقت تک کي عملي کامیابي)

ہر شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ ڈاکٹر وورونوف نے ابتک کتنے کامیاب تجربے کیے ہیں ؟ اور بندر کے غدود کا قلم لگا کر کتنے بوڑھوں کو جوان بنا دیا ہے ؟ اس کا جواب اُنہي کي زباني حسب ذیل ہے -

" میں ایک ہزار سے زیادہ قلم لگانے کا عمل کر چکا ہوں - اس تعداد میں باسٹھ طبیب بھي شامل ہیں - آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لوگ بغیر اس عمل کو سمجھے ہرگز ہرگز عمل جراحي کے لیے راضي نہ ہوتے "

" غدود کے قلم لگانے کے نتیجے سے صرف وہي لوگ انکار کرسکتے ہیں جو بغیر سمجھے بوجھے ہر بات سے انکار کردینے کے عادي ہیں - ان کا یہ طرز عمل علم کے اصول کے قطعاً خلاف ہے "

" آپ پر یہ بات بھي واضح ہوني چاہیے کہ اگر مجھے میرے ہزاروں تجربوں سے کامیاب اور صحیح نتیجہ حاصل نہ ہوتا ' تو میں ساري دنیا میں قوي اور تندرست بندروں کي اسی درجہ تلاش نہ کراتا اور اس صرف کثیر کے ساتھ بندروں کي یہ قیام گاہ نہ بناتا جس کا وسیع کارخانہ آپ دیکھ رہے ہیں "

" میں امید کرتا ہوں کہ عنقریب بحر متوسط کے ساحلوں پر بندروں کي بے شمار قیام گاہیں تعمیر ہوجائیں گي - یہ مقام ان کي نشو و نما کے لیے خاص طور پر مناسب ہے - یہ جانور بھي نسل انساني کے لیے اسي طرح کارآمد ہے جس طرح بیل یا بھیڑ "

" میں نے قلعہ گریمالڈي میں بندروں کي قیام گاہ اس لیے بنائي کہ غیر ملکي بندر اس آب و ہوا کے عادي ہوجائیں - یہ گویا ان کي مرکزي قیام گاہ ہوگي جہاں سے دوسرے مرکزوں میں بھیجے جائیں گے - اس وقت ہمارے پاس ایک علحدہ اور منتخب جانور خانہ بھي ہے جس میں بندروں کي خاص طور پر پرورش اور دیکھ بھال کي جاتي ہے - سرد راتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اُنہیں مصنوعي گرمي پہنچائي جاتي ہے اور اس وقت تک قایم رکھي جاتي ہے جب تک اس میں تدریجي کمي کرکے بندروں کو یہاں کي آب و ہوا کا عادي نہیں کر دیا جاتا "

" مختصر یہ کہ میرا مقصد اس جانور کو بھي اسي طرح پالتو اور مانوس بنا لینا ہے - جس طرح انسان نے رفتہ رفتہ گھوڑے ' بھیڑ ' اور بکریوں کو بنا لیا ہے "

(عارضہ سرطان کي تحقیقات)

" في الحال دنیا میں بندروں کي تعداد بہت زیادہ نہیں ہے - بندروں کو نا موافق آب و ہوا سے اور مناسب غذا کي کمي سے سخت جنگ کرني پڑتي ہے - میں نے افریقہ کے جنگلوں میں دیکھا ہے کہ جس طرح انسان قحط سالي میں موت کا شکار ہو جاتے ہیں ' اسي طرح ایک ایک دن میں ہزاروں بندر بھي غذا نہ ملنے سے مر جاتے ہیں -

" دنیا میں سب سے زیادہ تعداد اُن جانوروں کي ہے ' جنھیں انسان کے ذریعہ غذا ملتي ہے - بندروں کي جان بچانے کیلیے بھي یہي طریقہ اختیار کرنا چاہیے - انہیں بھي موقع دینا چاہیے کہ انسان کے تہذیب و تمدن سے مستفید ہوں اور بھوکے نہ مریں - اگر ایسا ہوا تو وہ عجائب خانوں کي محض زینت ہونے کي جگہ نوع انساني کو عظیم الشان فوائد پہنچائینگے "

" بندروں کي ساخت اور طبیعت انسان سے بہت کچھ ملتي جلتي ہے - علم تشریح کے نقطۂ نظر سے تو بندر انسان کا بہت ہي قریبي رشتہ دار ہے - علم طب نے جانوروں پر تجربے کر کے بہت ترقي کي ' مگر افسوس ہے کہ یہ تمام تجربے اُن جانوروں پر کیے گئے جو انساني ساخت و طبیعت سے بہت دور ہیں "

" سرطان کي تحقیقات سفید چوہوں اور سوروں پر کي جا رہي ہے - میرے خیال میں یہ تحقیقات کبھي مکمل اور مفید نہیں ہو سکتي جب تک کہ اعلی قسم کے بندروں پر تجربے نہ کیے جائیں "

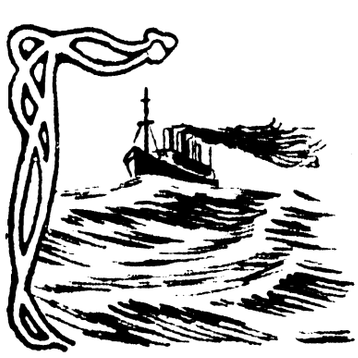

بريد فرنگ

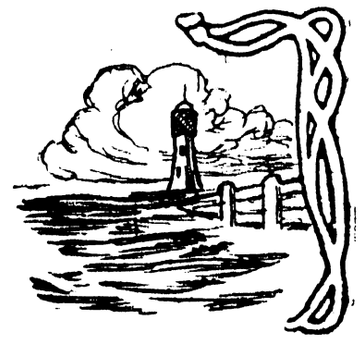

مکتوب لندن

(الهـــلال کے مقالہ نگار لندن کے قلم سے)

اِس هفته یہاں کا سب سے زیادہ اهم واقعه شاه فواد سلطان مصر کا پہلي مرتبه برطانیه کے دارالحکومت میں ورود هے - لندن کے لیے مشرقي فرمان رواؤں کي آمد میں اب کوئي ندرت نہیں رهي هے - ایک زمانه وہ تھا جب سلطان عبدالعزیز اور شاه ناصرالدین نے یورپ اور انگلستان کا سفر کیا تھا ' اور دنیا کے اس سب سے بڑے صدر مقام کي ساري توجه اُن کي مہمان نوازي اور پذیرائي میں مرکوز هوگئي تھي - ایک زمانه آج کل کا هے جبکه لندن کے ریپبلکن اسٹریٹ کے لیے "مشرقي بادشاهوں" کا وجود روز مره کا نظاره هوگیا هے - اب لندن اُن کے استقبال کا نہیں بلکه ان کي درز دهوپ کا تماشا دیکھا کرتا هے !

با ایں همه مختلف قسم کے حالات ایسے جمع هوگئے هیں که سلطان فواد کے ورود نے غیر معمولي اهمیت اور دلچسپي پیدا کردي هے - سب سے پہلي بات تو وہ حالات هیں جن میں اس میہماني و میزباني کا اجتماع هوا هے -

سیاسي تاریخ میں یه پہلي مثال هے که دو ملکوں کے تعلقات اِس درجه کشیده هوں جیسے که اس وقت مصر و انگلستان کے هیں ' اور پھر ایک کا پادشاه دوسرے کا میہمان بنا هو - یک طرف انگریزي مصري جھگڑا جاري تھا - انگریزي بیڑا مصري سمندروں میں تخویف و تہدید کے مظاهرے کررها تھا - دوسري طرف شاه انگلستان اور شاه مصر کے مابین پیام و سلام بھي هورهے تھے !

کچھه مدت هوئي شاه انگلستان نے شاه مصر کو اپنے ملک میں مدعو کیا تھا - لیکن اِس تازه جھگڑے کي وجه سے عام طور پر خیال کیا جاتا تھا که اِس دعوت کے قبول کرنے کا یه موزوں وقت نہیں هے - مگر خلاف توقع دعوت منظور کرلي گئي ' اور آج سلطان موصوف کا لندن کے اسٹیشن پر استقبال بھي هوگیا !

جن غیر معمولي حالات میں یه دعوت قبول کي گئي تھي ' ویسا هي ایک غیر معمولي حادثه بھي پیش آتے آتے رہ گیا - لندن کے لیبر اخبارات کي اطلاعات اگر صحیح تسلیم کرلي جائیں ' تو معلوم هوتا هے عین سفر کے وقت ایک سخت جھگڑا پیدا هونے والا تھا - عام طور پر قاعده هے که جب کسي ملک کا پادشاه سفر کرتا هے ' تو کم از کم وزیر اعظم ضرور ساتھه هوتا هے - حکومت برطانیه مصر کي موجوده وزارت کو پسند نہیں کرتي کیونکه اُس نے قوم پرورں کا ساتھه دیا هے - اِس لیے کوشش کي گئي که وزیراعظم سلطان کے ساتھه سفر نه کریں - لیکن جب یه خبر باهر نکلي ' تو راے عامه میں سخت اضطراب پیدا هوگیا - بالاخر یہي طے هوا که وزیر اعظم ضرور ساتھه جائیں - چنانچه وہ بھي سلطان کے ساتھه آئے هیں - معلوم هوا هے که مصري پارلیمنٹ نے مصارف سفر کے لیے بیس هزار پاونڈ کي منظوري دیدي هے -

مصر اور انگلستان ' دونوں ملکوں میں سوال کیا جارها هے که شاه مصر کي سیاحت کا مقصد کیا هے ؟ شاه جارج نے کیوں اُنھیں دعوت دي ؟ کیوں اُنہوں نے منظور کرلي ؟ سرکاري جواب تو دونوں جگه یه دیا جاتا هے که سیاحت محض " سیاحت " هے - سیاست سے اُسے کوئي تعلق نہیں - لیکن یہاں کے جو حلقے اندروني حالت پر نظر رکھتے هیں ' وہ اچھي طرح جانتے هیں که اس طرح کي سیاحتیں بغیر اهم سیاسي مقاصد کے نہیں هوا کرتیں -



فواد اول سلطان مصر

اِدهر کئي سال سے برطانیه دیکھه رها هے که مصر سے اُس کے موجوده تعلقات برقرار نہیں رہ سکتے - مصري قوم میں سیاسي بیداري پیدا هوگئي هے - وہ غیر مساویانه علائق برداشت نہیں کر سکتي - اب اُسے خوشنما الفاظ سے نہیں بہلایا جا سکتا - مصنوعي آزادي اُسے مطمئن نہیں کرسکتي - لہذا طوعا و کرها اُسے یه حقیقت تسلیم کر لیني پڑي هے که " تبدیلي کے بغیر چاره نہیں " جیسا که سنه ۲۰ میں لارڈ ملنر نے اعتراف کیا تھا -

مصر بھي دیکھتا هے که اُس میں انگلستان سے جنگ کرنے کي قوت نہیں - برطاني عداوت اُسے کوئي فائده نہیں پہنچا سکتي - انگریز نہر سویز کسي حال میں بھي چھوڑ نہیں سکتے - لہذا اسي میں بہتري هے که انگریزوں سے ایسے تعلقات پیدا هوجائیں جو هر طرح دوستانه هوں ' مگر ساتھه هي جن سے مصر کي خودمختاري کو کوئي نمایاں گزند بھي نه پہنچے -

ایسے تعلقات کي بنیاد کیا هوسکتي هے ؟ مصر اور انگلستان دونوں ملکوں کے ذمه دار حلقوں کا خیال هے که یه بنیاد ایک نئے حلف نامه سے رکھي جا سکتي هے - دونوں ملک باهم ایک حلف نامه ترتیب دیکر ایک دوسرے کو مطمئن کردیں - برطانیا مصر کي کامل آزادي تسلیم کرلے اور اندروني مداخلت سے باز آجاے - مصر برطانیا کو نہر سویز کي طرف سے پورا یقین دلادے که همیشه برطانیا کے لیے محفوظ رهیگي اور اس کے خلاف کبھي اُس کا قدم نہیں اُٹھیگا -

خیال کیا جاتا ہے کہ اِس شاہي سیاحت کے اثناء میں بے ضابطہ طور پر اسي " حلف نامہ " پر تبادلۂ خیال ہوگا - یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسي محالفۃ جس میں ایک طرف مسلح گھمنڈ اور دوسري طرف بے سروسامان قومیت ہے' حقیقت و صداقت کے ساتھہ وجود میں آ بھي سکتي ہے یا نہیں ؟

انگلستان کا پریس جس زور و شور سے سلطان فواد کي پذیرائي کر رہا ہے ' اور آج کے سرکاري اہتمامات بھي جس درجہ کے کیے گئے تھے ' وہ یقیناً غیر معمولي ہیں - یہاں کے تمام مشرقي اور مشرق دوست حلقے محسوس کررہے ہیں کہ اس کي تہہ میں کوئي خاص چیز کام کر رہي ہے -

انگلستان کے رہي سرکاري اور نیم سرکاري اخبارات جو کل تک مصر کے خلاف بڑے زور و شور سے خامہ فرسائي کر رہے تھے' اب سلطان مصر کي تعریفوں کے پل باندہ رہے ہیں - سلطان کے اعزاز و اکرام کا جذبہ یہاں تک بڑھگیا ہے کہ اب اُن کي " مشرقیت " بھي مغرب کے اس صدر مقام پر شاق گزر رہي ہے - کوشش کي جارہي ہے کہ اُنہیں " مغربي " بنا دیا جائے - ڈیلي نیوز کے مقالہ نگار خارجیہ کو پہلي مرتبہ اس حقیقت کا انکشاف ہوا ہے کہ سلطان فواد محمد علي خدیو اول کے خاندان سے ہیں' اور محمد علي یورپین ترکي کا باشندہ تھا - ایشیائي ترکي کا نہ تھا - وہ لکھتا ہے :

" اس موقعہ پر ہم یہ حقیقت فراموش نہیں کرسکتے کہ ہمارا مہمان عزیز اگرچہ اس اعتبار سے ہمارا مہمان ہے کہ وہ باہر سے انگلستان میں آیا ہے ' لیکن اس اعتبار سے اُسے مہمان نہیں کہہ سکتے کہ وہ مغرب میں مشرق کا مہمان ہے - وہ مشرق کا نہیں بلکہ خود مغرب کا ایک فرمانروا ہے جیسے اتفاقات نے مشرق کے ایک تاج و تخت کا مالک بنادیا ہے ہمارے قارئین میں سے ہر شخص تاریخ مصر کي اس ابتدائي حقیقت سے با خبر ہوگا کہ رہاں کے حکمراں خاندان کا مورث اعلیٰ محمد علي اعظم تھا جو البانیا کے ایک قصبہ قواله کا باشندہ تھا ' اور البانیا یورپ ہي کا ایک ٹکڑا ہے - مشرق اور ایشیا میں نہیں ہے - في الحقیقت سلطان فواد کي شخصیت میں آج ہم ایک یورپین نژاد فرمانروا کي پذیرائي کر رہے ہیں ! "

محمد علي کے خاندان کي مغربیت سو برس تک انگلستان کو یاد نہ آئي ' لیکن اب اچانک اس کا انکشاف ہوگیا ہے !

آپ کے دوست انریل مسٹر پٹیل یہاں سے واپس روانہ ہوگئے جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں ' کہہ سکتا ہوں کہ ایک خاص معیار عمل کے اندر رہکر ' انہوں نے یہاں کے سرکاري حلقوں پر اچھا اثر ڈالا ہے - ایمپس لیٹو اسمبلي کي ریاست کے ساتھہ کانگرسي ہونے کي روایات ملحوظ رکھنا ' اور کھدر کي دھوتي اور توپي بھي سنبھالے رکھنا ' آسان نہ تھا ' لیکن اُنہوں نے کسي نہ کسي طرح بات بنائے رکھي - یہاں کے ہندوستاني حلقوں میں خیال کیا جاتا ہے کہ غالباً آیندہ کمیشن میں ہندوستاني ممبر کي جگہ اُنہي کو دي جائیگي -

اس ہفتہ میں آپ کے اس ارشاد کي تعمیل نہ کر سکا کہ جو کچھہ لکھوں ہندوستان کے متعلق لکھوں - آیندہ ڈاک سے اس کا سلسلہ شروع کروں گا - مجھے امید ہے ' سلطان فواد اور مصر کا معاملہ بھي آپ کے صفحات کے لیے غیر ضروري اور غیر دلچسپ نہ ہوگا -

مکتوب فرانس

(الهلال کے مقالہ نگار پیرس کے قلم سے)

فیلپ پینیل کي صد سالہ برسي



اس موسم کا ایک شاندار واقعہ یہ تھا کہ فرانس میں بڑے دھوم دھام سے فیلپ پینیل کي صد سالہ برسي منائي گئي -

فیلپ پینیل سنہ ۱۷۴۵ میں پیدا ہوا ' اور سنہ ۱۸۲۶ - میں فوت ہوا - یہ عقلي امراض کا سب سے بڑا طبیب تسلیم کیا گیا ہے - اِس سے پہلے پاگلوں کو بہت تکلیف دیجاتي تھي - زنجیروں میں باندہ دیا جاتا تھا - غلیظ مکانوں میں رکھا جاتا تھا - بدترین غذا کھلائي جاتي تھي - چرواہوں سے بھي بدتر سلوک کیا جاتا تھا - اِس طبیب نے اِس برتاؤ کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کي ' اور پاگلوں پر رحم اور شفقت کرنے کا عام جذبہ پیدا کردیا - پہلے جنون لا علاج مرض سمجھا جاتا تھا اسي نے سب سے پہلے بتایا کہ لا علاج نہیں ہے -

فرانس کے مشہور پاگل خانہ " بیسیٹر " کے اعلیٰ افسر ڈاکٹر روبینو فچ نے فیلپ کي برسي پر ایک مضمون لکھا ہے اور اخبار " ماتان " کے افتتاحي کالموں میں شایع ہوا ہے - مضمون نگار لکھتا ہے :

" فیلپ اِسي پاگل خانہ میں معالج تھا جس میں اِس وقت میں خدمت کر رہا ہوں - فیلپ کا درجہ خواص کي نظر میں " مسیح جدید " کا درجہ ہے - اِسنے عقلي بیماریوں کے علاج میں رحم اور شفقت کو عام کیا اِسنے ظلم اور سختي کے خلاف اُس وقت صدا بلند کي جب پورے فرانس میں ہولناکي پھیلي ہوئي تھي ' اور ہر طرف خون بہہ رہا تھا !

" بیسیٹر پاگل خانہ سے فیلپ کا تعلق ستمبر سنہ ۹۳ ۱۷ - میں ہوا - اُسوقت یہاں پچاس پاگل موجود تھے - یہ زنجیروں میں بند ہے رہتے تھے - ان میں سب سے زیادہ مشہور اور تاریخي پاگل شاہي باڈي گارڈ کا ایک پرانا سپاہي تھا - یہ نہایت ہي قوي ہیکل تھا اور غیر معمولي جسماني قوت رکھتا تھا - شراب کي عادت پڑگئي اور ہمیشہ مدہوش رہنے لگا - نتیجہ یہ نکلا کہ دماغ خراب ہوگیا - فوج سے نکال دیا گیا - جوش جنون میں اُسے یہ سوجھا کہ میں فرانس کا سپہ سالار اعظم ہوں - جو کوئي یہ بات تسلیم نہ کرتا ' اُسے بري طرح مارنے لگتا - آخر پاگل خانہ بھیج دیا گیا - یہاں وہ دس برس سے

زنجیروں میں جکڑا پڑا تھا اور سخت تکلیفیں اٹھا رہا تھا - فیلپ نے اسے اس حالت میں دیکھا تو رو دیا - ایک دن اُسے خیال ہوا - اب اس مجنوں کے مصائب کا خاتمہ ہو جانا چاہئے - چنانچہ وہ اسکے پاس گیا اور روتے ہوئے کہا :

" میرے عزیز بھائي ! مجھے تمہاري ذات پر پورا بھروسہ ہے - تم ایک عقلمند ' دیانت دار ' اور ہوشیار آدمي ہو - میري مدد کرو - آؤ ' ہم دونوں ملکر ان پاگلوں کي خدمت کریں اور اُنہیں اِس مولدي مرض سے عمر بھر کے لئے نجات دلادیں - تمام ملک میں تمہاري فیلي اور دانشمندي کے چرچے ہو رہے ہیں - کہو تم طیار ہو ؟ "

سچي محبت کي یہ دلنواز صدا سنتے ہي الیانک مجنوں کا دماغ صحیح ہوگیا - ڈاکٹر کے الفاظ نے اُس پر جادو کا اثر کر دکھایا - فیلپ نے اسکي بیڑیاں فوراً کٹوادیں ' اور وہ زندگي بھر اسکے ساتھہ وفاداري اور سلامت روي کے ساتھہ کام کرتا رہا "

اِس قسم کے اور بھي بہت سے علاج اُس نے کئے تھے - عقلي امراض کے دور کرنے کے لیے بہت سے نئے طریقے ایجاد کیے - فیلپ در حقیقت اِس فن کا امام ہے - ابتک اِس راہ میں اُسي کي پیروي کي جا رہي ہے -

اگر غور کیجیے تو اس مختصر سے واقعہ میں اقوام مشرق کیلیے کیسي عظیم عبرت و موعظت پوشیدہ ہے ؟ ایک قومیں وہ ہیں جو اپنے اُن مشاہیر کي یاد بھي نہیں بھلا سکتیں ' جنھوں نے اُنکے پاٹلوں کیلیے زندگي اور تندرستي کي راہ نکالي تھي - ایک ہم ہیں کہ اپنے اُن مصلحوں اور پیشواؤں کي بھي عزت کرنے کیلیے آمادہ نہیں جو صرف پاگلوں کي زندگي ہي کیلیے نہیں بلکہ تمام مدني ہوش افراد قوم کي زندگي و سعادت کے لیے قربانیاں کر رہے ہیں ! کسي آبادي میں مریضان جنون کي تعداد زیادہ سے زیادہ اِتني ہوسکتي ہے کہ ہر دس ہزار میں ایک انسان مجنون تصور کرلیا جایے - اس اعتبار سے کہنا چاہئے کہ ڈاکٹر فلپ پینیل نے ایک لاکھہ انسانوں میں سے دس انسانوں کي خدمت کي ' مگر فرانس اسے فراموش نہ کر سکا - لیکن مشرق میں تو ایسے جاں نثاران قوم موجود ہیں جو لاکھہ میں سے دس کے لیے نہیں بلکہ پورے لاکھہ کے لیے زندگي اور سعادت کے دروازے کھولنا چاہتے ہیں ' مگر لوگوں کا کیا حال ہے ؟ یہ حال ہے کہ گردن موڑ کر اُنہیں دیکھنے کے لیے بھي طیار نہیں !

فرانس نے صرف یہي ایک صد سالہ یادگار نہیں منائي ہے - یورپ میں اب عام دستور ہوگیا ہے کہ تمام مشاہیر قوم کي یادگاریں ہر پچیس ' پچاس ' اور سو سال کے بعد منائي جاتي ہیں - غالباً اس قسم کي صد سالہ یادگار سب سے پہلے سنہ ۱۸۸۷ ع میں منائي گئي تھي جب کہ " والٹیر " کي وفات پر سو سال گزرے تھے - اُسي موقعہ پر وکٹر ہیوگو نے وہ تاریخي تقریر کي تھي جو دنیا کے موجودہ عام ادب کي اول درجہ کي چیزوں میں سے تسلیم کي جاتي ہے -

(اسموئیل کرومپٹن کي صد سالہ برسي)

لیکن جب فرانس عقلي امراض کے سب سے بڑے ڈاکٹر کي صد سالہ برسي منا رہا تھا ' تو انگلستان بھي تذکار مشاہیر کي مشغولیت سے فارغ نہ تھا - فرانس ذہن و جذبات کا گھر ہے اور انگلستان عملیات و صنائع کا - یہ فرق اس معاملہ میں بھي نمایاں تھا - فرانس عقلي امراض کے سب سے بڑے طبیب کي برسي منا رہا تھا ' تو انگلستان انساني ضروریات کے سب سے بڑے صناع کي یاد میں مشغول تھا !



یہ صناع اسموئیل کرومپٹن ہے جس نے سب سے پہلے سوت کاتنے کي ایسي مشین ایجاد کي تھي جس کي وجہ سے کپڑا بننے کي صنعت دست انساني کي احتیاج سے بے نیاز ہوگئي - اور کپڑے کي ساخت کا سب سے بڑا اقتصادي انقلاب ظہور میں آگیا -

میں جس وقت پیرس کے نیم سرکاري اخبار طان میں اس برسي کي روئداد پڑھ رہا تھا ' تو میرا ذہن بے اختیار ہندوستان کي اُس عظیم شخصیت کي طرف منتقل ہوگیا جو دنیا کو " کرومپٹن " کي جگہ اُس غیر معلوم مگر بلا نزاع " عظیم الشان انسان " کي طرف متوجہ کرنا چاہتي ہے ' جس نے اب سے ہزاروں برس پہلے ہاتھہ سے چلانے کا سہل اور سادہ چرخا ایجاد کیا تھا - میں نے اپنے دل میں کہا " افکار و اصول کے یہ کیسے در مختلف نقطے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے میں نبرد آزما ہو گئے ہیں ؟ انیسویں صدي کے مغرب کا کرومپٹن ' اور بیسویں صدي کے مشرق کا گاندھي ! " معاملہ اتنا عظیم ہے کہ مجھے رائے زني کي جرأت سے احتراز کرنا چاہیے - اس قسم کے اختلافات کا ہمیشہ حال نے نہیں بلکہ مستقبل نے فیصلہ کیا ہے - کرومپٹن پر ایک صدي گزر چکي ہے - گاندھي پر کم از کم ایک چوتھائي صدي گزر جانے دو !

صد سالہ برسي کا یہ عظیم اجتماع بولٹن میں ہوا تھا - اس موقعہ پر سوت کاتنے کے چرخوں اور مشینوں کي نمائش بھي کي گئي تھي - تمام قدیم قرین آلات حتی کہ چار ہزار برس پہلے کے مصري چرخے بھي جمع کیے گئے تھے - اس سے مقصود یہ تھا کہ یہ بات واضح کر کے دکھلا دي جاے کہ اسموئیل کرومپٹن سے پہلے سوت کاتنے کے آلات نے کہاں تک ترقي کي تھي ' اور اُن کے مقابلہ میں موجد کي ایجاد نے کیسي حیرت انگیز مشین ایجاد کردي ؟ سر ٹامس فلکر نے جو بولٹن کے میر ہیں ' نمائش کا افتتاح کیا - اُنہوں نے موجد کي تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا :

" ہمیں اِس پاک دل اور بے ریا دیہاتي کي اولوالعزمي کے سامنے جھک جانا چاہیے جس نے دنیا کو ایسي عجیب ایجاد بغیر کسي ذاتي طمع یا نفع کے بلا معاوضہ دیدي ' اور خود اپنے بال بچوں کے ساتھہ نہایت غربت کي زندگي بسر کرتا رہا "

بولٹن کے سب سے بڑے میدان میں موجد کا اسٹیچو کھڑا ہے - اور اپنے خط و خال سے اُس کي اولوالعزمي ' ثابت قدمي ' اور فراخ

دلي ثابت کر رہا ہے - انگلستان کے تمام سوت کے کارخانوں میں اس کي تصویریں آویزاں ہیں اور بڑي عزت و احترام کي نظروں سے دیکھي جاتي ہیں -

یہ صناع سنہ ۱۷۵۳ ع میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۲۷ ع میں انتقال کر گیا -

(عثماني شہزادہ کي وفات)

اس ہفتہ کا ایک افسوس ناک واقعہ پرنس برہان الدین کي وفات ہے جو سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے -

آپ کو معلوم ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ ع میں جب دوسرے انقلاب دستور کے بعد سلطان موصوف معزول کردیے گئے ' تو حسب معمول ان کے خاندان سے کوئي تعرض نہیں کیا گیا تھا - سلطاني خاندان کے دوسرے شہزادوں کي طرح اُن کي بھي تنخواہیں مقرر کردي گئي تھیں - سنہ ۱۹۱۶ ع میں جب سلطان عبدالحمید کا انتقال ہوگیا ' تو اُن کے لڑکوں نے سلطان کي ذاتي جائداد اور اموال و متاع کے ورثہ کا دعوی کیا - سلطان عبدالحمید کي ذاتي جائداد کا فیصلہ اس قدر مشکل تھا ' جتنا شاید ہي دنیا کے کسي فرمانروا کي جائداد کا ہوا ہو - ترکي میں جو کچھہ تھا سب اُنہي کا تھا ' اور اُن کا جو کچھہ تھا ' اس میں سے کچھہ بھي اُن کا نہ تھا - بہر حال ایک کمیشن کا تقرر ہوا ' اور اُس نے دعوے کي سماعت کے بعد فیصلہ کر دیا - اس فیصلہ میں دعوے کا بہت قلیل حصہ تسلیم کیا گیا تھا - اکثر مطالبات رد ہوگئے تھے - سلطان کي اولاد اس فیصلہ پر راضي نہ ہوئي ' لیکن چونکہ اس کے بعد ہي جنگ نے انقلاب انگیز صورت اختیار کرلي تھي ' اس لیے مزید کار روائي کا موقعہ نہ تھا -

جنگ کے بعد جب دوبارہ امن و امان کا وقت آیا ' تو قومي مجلس نے جمہوري حکومت کا اعلان کر دیا ' اور پھر کچھہ عرصے بعد خاندان سلطاني کے تمام افراد جلا وطن کر دیے گئے - ان میں سلطان عبدالحمید کا خاندان بھي تھا - اس خاندان کے بعض افراد بیرونت چلے گئے - بعض نے یورپ کي راہ لي - انہي میں پرنس برہان الدین بھي تھے - انہوں نے جلا وطني کے بعد ترکي حکومت پر سلطان عبدالحمید کے ورثہ کا از سر نو دعوی کیا تھا - انہیں پوري اُمید تھي کہ اس میں کامیاب ہونگے - یہ زیادہ تر سوئٹزرلینڈ میں بعض ترک امراء کے ساتھہ رہا کرتے تھے - خود ان کي مالي حالت عثماني خاندان کے دوسرے ارکان سے بہتر نہ تھي - پچھلے مہینے پیرس آئے تاکہ ترکي سفیر سے ملاقات کریں - شہر کے ایک سب سے ادنی درجہ کے ہوٹل میں ٹھہرے جو انکي مفلسانہ حالت کا لازمي نتیجہ تھا - وہیں اچانک بیمار پڑے اور انتقال کر گئے -

دنیا کے انقلابات صرف تاریخ ہي میں نہیں ڈھونڈھنے چاہئیں - خود ہمارا عہد بھي اپني تاریخ مرتب کر رہا ہے - زار ' قیصر ' اور عبدالحمید ' موجودہ صدي کے سب سے بڑے شخصي اور مستبد فرمانروا تھے - اُن کے جاہ و جلال اور سطوت و جبروت کے ہیبت انگیز واقعات دیکھنے والے ہزاروں لاکھوں کي تعداد میں ابھي زندہ موجود ہیں - لیکن انقلاب کي ایک ہي گردش نے انہیں کتني بلندي سے کتني پستي تک پہنچا دیا ؟ آج ان میں سے ایک کا لڑکا پیرس کے سب سے زیادہ ادنی ہوٹل میں دم توڑ چکا ہے ' اور اُس کے سرھانے ایک آنکھہ بھي ایسي موجود نہیں جو اُس پر آنسو بہا رہي ہو - و تلک الایام نداولہا بین الناس !

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

(انگریزي مصري نزاع)

پچھلے ہفتے انگریزي مصري نزاع پر گفتگو کرتے ہوے وہ بنیادیں بتا چکا ہوں جو مصري حکومت نے تصفیہ کے لیے پیش کي تھیں - آج ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھي دنیا کي معلومات اس جھگڑے کے متعلق آگے نہ بڑھسکیں ' کیونکہ تمام گفتگو پردۂ راز میں ہے - طرفین کي پارلیمنٹوں میں مطالبہ کیا گیا کہ گفت و شنید شایع کردي جائے ' مگر دونوں حکومتوں نے ایک ہي جواب دیا - یعني ابھي تک فریق ثاني نے اسکي اشاعت کي اجازت نہیں دي ہے - اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں اُسے شائع کرنا سردست مناسب نہیں سمجھتیں -

اس صورت حال نے دونوں ملکوں میں سخت انتشار پیدا کردیا ہے - برطاني اخبارات دعوی کر رہے ہیں کہ مصر دب گیا اور انگریزي مطالبات منظور کرلیے - مصري اخبارات مدعي ہیں کہ برطانیا سختي سے باز آگیا ' اسلیے مصر نے بھي مصالحت کے لیے آمادگي ظاہر کردي - مگر کیونکر ؟ کہانتک ؟ اسکا کوئي جواب نہیں ملتا !

لیکن یہہ یقیني ہے کہ تصفیہ ہوگیا ہے - باقي رہا یہ سوال کہ کس کي ضد پوري ہوي ؟ تو اس بارے میں کوئي قطعي بات نہیں کہي جا سکتي - البتہ عبد الخالق ثروت پاشا مصري وزیر اعظم کي ایک تصریح ضرور موجود ہے - یہ تصریح انہوں نے مصري پارلیمنٹ میں کي ہے - اگرچہ یہ بھي مبہم ہے ' تاہم معاملہ پر کچھہ نہ کچھہ روشني ضرور ڈالتي ہے - اُنہوں نے کہا :

" یہہ بات سخت افسوسناک ہے کہ پچھلے دنوں مصري اور برطانوي حکومتوں میں غلط فہمي پیدا ہوگئي تھي - اس غلط فہمي نے برطانیا کو آمادہ کیا کہ اپنے ہائي کمشنر کے ذریعہ مصري حکومت کے پاس ایک نوٹ بھیجے - اس نوٹ میں مصري فوج اور محکمۂ سرحد کے متعلق چند مطالبے درج تھے - ساتھہ ہي یہ بھي درج تھا کہ برطانیا متمني ہے کہ نزاع دوستانہ طور پر ختم کردي جاے - مصري حکومت نے برطانوي نوٹ پر اچھي طرح غور و خوض کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اسکے مطالبے اپني مجموعي ہیئت میں مصري حکمراني ' مصري پارلیمنٹ کے حقوق ' اور ملک کے قانون اساسي کو نقصان پہنچانے والے ہیں "

" چونکہ ایسے معاملات میں حکومت کو اپني مرضي سے فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں - قانون کي رو سے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہے - لہذا اُسنے بغیر کسي تامل کے کہدیا کہ یہ مطالبات انکي مجموعي ہیئت میں منظور نہیں کئے جا سکتے "

" مگر چونکہ مصري حکومت ہر غلط فہمي کے دور کرنے کے لیے مستعد رہتي ہے ' اس لیے اُسنے معاملہ کو ایک اور طریقہ پر سلجھا دینا چاہا جس کا اُسے قانوناً اختیار تھا اور جو مصر کے بنیادي حقوق کے منافي نہیں ہے - چنانچہ اُسنے فوج کے مسئلہ میں غور و بحث کے بعد طے کیا کہ برطانیا کے کون کون مطالبے قابل قبول ہیں اور کون نا قابل قبول - جو امور فوج کیلیے مفید تھے ' یا جنسے کوئي مضرت پیدا نہیں ہوتي تھي ' انہیں اُسنے بطور خود منظور کرلیا "

" بنابریں مصری حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ فوج اور سرحدوں کا موجودہ نظام برقرار رہے ' لیکن ساتھ ہی مصری وزیر جنگ کے اختیارات کو کوئی ٹھیس بھی نہ لگے - وہ بدستور مصری پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ رہیگا "

" اِس طریقہ پر ' جو مصلحت اور نظام کے ہر طرح مطابق ہے ' مصری حکومت نے اِس مشکل کا معقول حل ڈھونڈہ نکالا ہے - حکومت کو پورا یقین ہے کہ ابتک جو دوستانہ رویہ برطانیا نے گفت و شنید میں اختیار کر رکھا ہے ' وہ برابر قایم رہے گا اور اُن تمام اسباب کو دفع کر سکے گا جو موجودہ مشکل اور دوسری مشکلات کا موجب ہیں "

اِس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ برطانیا کے ابتدائی مطالبات مصری سیادت و حکمرانی کے منافی تھے ' اس لیے مصری حکومت نے اُنہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا - پھر اُنمیں کچھہ ترمیم و تبدیلی ہوئی ' اور ایسی شکل میں پیش کیے گئے جو مصری حکومت کی نظر میں ایک حد تک لائق قبول تھے ' لہذا اُسنے تسلیم کر لیا اور جھگڑا ختم ہو گیا -

(حج براہ مصر)

اِس سال موسم حج کی کامیابی کا اندازہ اُس سرکاری رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے جو صرف آٹھہ روز کی ہے - اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۲ - مئی سے ۳۰ - مئی تک سوئز کی بندرگاہ سے سفر کرنے والے حاجیوں کی تعداد حسب ذیل تھی :

۱۵۰۷ مصری ۲۰۲ ترک ۸۸ جزائری ۹۸ ٹیونسی ۷۷ مراکش ۱۲۶ طرابلسی ۱ روسی ۲ رومانی ۱۴۷ ایرانی ۱۴ عربی ۲۷ سروین ۵۲ افغانی ۲۳ افریقی ۱۷ اسپینی ۵۹۸ فلسطینی ۲۶ سنگالی ۴۳۲ شامی ۱۵۷ ہندوستانی ۲۴ جاوی ۱۷۱ عراقی - یعنی کل ۳۷۸۵ حاجی تھے -

جون کے پہلے ہفتہ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ :

۳۱۵ منگولی ۲۶۲ ترک ۲۷۶ جزائری ۱۲۰۵ ٹیونسی ۲۰۲ مراکشی ۳۰۷ طرابلسی ۲ روسی ۵۸۲ ایرانی ۱۸۱۹ شامی ۵ سروین ۲ بلغاری ۵۸۱ عراقی ۱۹ نیجریائی ۴۳ حجازی - یعنی کل ۶۶۷۰ حاجیوں نے سوئز کی راہ سے سفر کیا -

مجموعی تعداد تقریباً ساڑھے دس ہزار ہوئی - صرف دو ہفتہ کے اندر اِتنے حاجیوں کا نہر سویز سے گزرنا اِس سال کے موسم حج کی شاندار کامیابی کا ایک بین ثبوت ہے -

---

کر دینا چاہتی ہیں - جنانچہ حال میں طرفین کے دستخط سے عربی ' انگریزی ' اور فرانسیسی زبانوں میں ایک اعلان ہوائی جہاز کے ذریعہ ' سرحدی قبائل میں تقسیم کیا گیا ہے - اسکا ترجمہ حسب ذیل ہے :

شام و عراق کی سرحدوں پر بسنے والے قبائل کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ شام اور عراق ' دونوں ملکوں کی حکومتوں نے متفق ہوکر طے کرلیا ہے کہ تمہاری آپس کی خانہ جنگی ' کشت و خون ' اور چوری و قزاقی قطعاً نا جائز اور ممنوع ہے - نیز ہتیار بند ہوکر سرحد کے اُس پار جانا بھی ممنوع ہے - آئندہ جو کوئی اِس طرح کی کوئی بات کریگا ' اُسے نہایت سخت سزا دیجائیگی "

مکتوب شام

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

اپنے پچھلے مکتوب میں شام کی مضطرب سیاسی حالت پر روشنی ڈال چکا ہوں - آج بھی وہی حالت ہے جو اُس وقت تھی - نہ تو کوئی تبدیلی ہوئی ہے - نہ کسی قریبی تبدیلی کے آثار نظر آتے ہیں - البتہ ایک اہم واقعہ ضرور پیش آیا ہے اور تمام ملک کی دلچسپی کا مرکز بن گیا ہے -

ایک مدت سے شام کا فرانسیسی ہائی کمشنر موسیو بونسو شام سے غائب تھا اور پیرس میں مقیم تھا - بیان کیا گیا تھا کہ وہ شام کے آئندہ نظام حکومت پر مرکزی حکومت سے گفت و شنید کر رہا ہے - اُس کی طویل غیر حاضری نے ظاہر بینوں کو طرح طرح کی امیدوں میں مبتلا کردیا تھا - لوگ کہتے تھے - ہائی کمشنر کی پیرس میں موجودگی ضرور نتیجہ خیز ثابت ہوگی - یہی وجہ ہے کہ اِن سب کو واپسی کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا -

لیکن اب انتظار کی مدت ختم ہوگئی - ہائی کمشنر واپس آگیا ہے - لیکن امیدوں کے یہ تمام خوش آئند خواب اس وقت تک تعبیر سے محروم ہیں - اس وقت تک ہائی کمشنر نے نہ تو کوئی اعلان کیا ہے ' نہ بظاہر آثار نظر آتے ہیں - مگر طرح طرح کی افواہیں ضرور پھیل رہی ہیں -

مجھے با خبر حلقوں سے جو کچھہ معلوم ہوا ہے ' یہ ہے کہ پیرس میں ہائی کمشنر اور شاہی وفد کے مابین بہت سی ملاقاتیں ہوئیں اور عرصہ تک بحث و مذاکرہ جاری رہا - شامی وفد نے نرم سے نرم شرطیں پیش کی تھیں - لیکن ہائی کمشنر نے صرف چند منظور کرلیں - باقی تمام رد کر دیں - مثلاً وفد کا مطالبہ تھا کہ تمام سیاسی مجرموں کو عام معافی دیدی جاے - مگر حکومت نے سیاسی قائدین کو معافی دینے سے انکار کر دیا - وفد نے پورے ملک کو ایک ہی نظام حکومت کے ماتحت رکھنے کا مطالبہ کیا تھا - لیکن حکومت نے اِسے صرف اِس صورت میں منظور کرنا گوارا کیا کہ نظام حکومت ریاست ہاے متحدہ کا نظام ہو - یعنے چھوٹے چھوٹے صوبے الگ الگ قائم رہیں اور اپنی جگہ خود مختار ہوں - مگر انہیں کسی مرکزی نظم میں متحد کر دیا جاے - اِس سے مقصود یہ ہے کہ ملک میں وحدت جنس و قوم پیدا نہ ہو سکے - ایک قوم بہت سے ٹکڑوں میں منقسم ہوکر اپنی وطنی قوت ضائع کر دے -

اصل یہ ہے کہ ہمیشہ اجنبی اقتدار ملک کی قومی وحدت کا مخالف ہوتا ہے - وہ ہر طرح کی صورت حال گوارا کرلے سکتا ہے لیکن یہ بات گوارہ نہیں کرسکتا کہ ملک میں قومی وحدت کی روح پیدا ہوجاے - شام میں یہ روح پہلے سے موجود ہے - زبان ' وطن ' رسم و رواج ' اور اجتماعی خصوصیات نے تمام شامیوں کو ایک رشتہ میں منسلک کردیا ہے - لیکن فرانس چاہتا ہے ' انکے ٹکڑے ٹکڑے کردے - وہ ایک رشتۂ قومیت قائم نہ رکھہ سکیں - بہر حال دیکھئے - فرانس کا آیندہ طرز عمل اس بارے میں کیا ہوتا ہے ؟

شام و عراق کی سرحدوں پر قبائل عرب کی خانہ جنگی صدیوں سے جاری ہے - اب دونوں ملکوں کی حکومتیں اسکا قطعی سدباب



علم الآثار مصر

(روح کے متعلق قدیم مصریوں کا عقیدہ)

مصر کی قدیم تہذیب دنیائے قدیم کی تاریخ کا ایک نہایت اہم باب ہے - اگر یہ باب الگ کر دیا جائے تو نوع انسانی کی عقلی ترقیات کی ایک نہایت اہم کڑی مفقود ہو جائیگی -

اب سے سو برس پہلے مصر کے اہرام اور حیرت انگیز آثار دنیا کیلیے معما تھے - آج وہ معما نہیں ہیں' مدرسہ کا کام دے رہے ہیں- قدیم مصری خط " ہیرو گلیفی " پڑھ لیا گیا ہے - قدیم مصری زبان کے ضخیم لغت طیار ہوگئے ہیں - قدیم مصری تحریریں دستیاب ہوگئی ہیں - اور ان سب کے مجموعے سے علوم اثریہ کا ایک مرتب ذخیرہ مدون ہو گیا ہے جسے مصریات (اجپشیا لوجیا) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور روز بروز اسکی وسعت بڑھتی جاتی ہے - حال میں ڈاکٹر احمد بک کمال مرحوم کی بے نظیر کتاب آثار مصر پر شائع ہوی ہے - یہ قاہرہ کے دار الآثار کے ناظر تھے - انہوں نے تمام عمر اثریات مصر کی تحقیقات میں بسر کر دی - یہ کتاب اس موضوع پر علمی دنیا کی آخرین تحقیقات پیش کرتی ہے - ہم چاہتے ہیں وقتاً فوقتاً اسکے بعض اہم مباحث الہلال میں شائع کرتے رہیں -

(بقاء روح کا مصری اعتقاد)

" قدیم مصری تمدن کے سب سے زیادہ عجیب آثار جو ہم تک پہنچے ہیں' انکے مقبرے اور انکی ممی کی ہوی نعشیں ہیں - اہرام بھی دراصل اسی غرض سے بنائے گئے تھے کہ مقبرہ کا کام دیں - اس سے انکے مذہبی عقائد پر جو موت' بعد الموت' اور روح کے خلود و ابدیت سے تعلق رکھتے تھے' غیر معمولی روشنی پڑتی ہے

(مقبروں کی تاسیس)

قدیم مصر میں مقبروں کا آغاز اس طرح ہوا کہ پہلے مردے کو زمین کھود کر تنگ گڑھے میں گاڑ دیتے تھے - نعش لٹانے کا بھی رواج نہ تھا - سر سیدھ پر جھکا دیا جاتا تھا اور اکثر ہتھا کر زمین برابر کر دیتے تھے - اسکے بعد قبر یاد رکھنے کیلیے زمین اونچی کرنے لگے - قبر پر مٹی کا ڈھیر لگا دیا جاتا تھا - پھر مردے کو اور کی مٹی سے بچانے کے لیے قبر کے اندر جھت بنانے لگے - پھر چھت کے گرد مٹی کی دیواریں بنادینے کا رواج پڑا - اس کے بعد تابوت کا خیال پیدا ہوا' اور پتھر کے تابوتوں میں مردے رکھے جانے لگے - پھر قبر کو بیرونی صدموں سے بچانے کیلیے اس پر عمارتیں بنانے لگے - انہی عمارتوں نے ترقی کرتے کرتے اہرام کا عظیم و مہیب درجہ حاصل کر لیا - اس وقت بھی دریاے نیل کے مصب اور فیوم کے مابین تقریباً سو ہرم موجود ہیں' اگرچہ انمیں سے اکثر منہدم ہو جانے کے قریب ہیں -

اب یہ بات محقق ہوگئی ہے کہ مصر کے اہرام در حقیقت مقبرے ہی تھے - قدیم مورخین کا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ یہ قلعے ہیں' یا طوفان سے بچنے کے لیے بنائے گئے تھے' یا ان میں خزانے مدفون ہیں - قدیم مصری زبان میں اہرام کے نام ہی سے اُن کا مقصد اور موضوع معلوم ہو جاتا ہے - مثلاً " مسکن ابدی " " مقام کمال " " مکان خلود " " مقر روح " وغیرہ -

مقبروں کے باب میں یہ تدریجی ترقی کیوں ہوئی ؟ اس لیے کہ روح کی ابدیت کا اعتقاد بھی مصریوں میں بہ تدریج ترقی پذیر ہوا تھا - جس زمانہ میں وہ روح کی بقاء کے قائل نہ تھے' قبروں کے معاملہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے - پھر جوں جوں یہ عقیدہ بڑھتا گیا' مقبروں کی اہمیت بھی بڑھتی گئی - مقبروں کو اس عقیدہ سے کیا تعلق ہے ؟ بہت قریبی تعلق ہے - مصریوں کا یہ عقیدہ اس شکل میں تھا کہ جب تک جسم محفوظ رہتا ہے' روح بھی قائم رہتی ہے - کیونکہ جسم سے علحدہ روح کا وجود نہیں ہو سکتا - اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ مردے کا جسم زیادہ سے زیادہ مدت تک محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے- اتنے مستحکم مقبرے بناتا' اور لاشوں کو ممی کرنا' اسی غرض سے تھا -

(زندگی کا مصری تخیل)

یہ عقیدہ کیونکر موجود ہوا ؟ مصریوں کا خیال تھا کہ زندگی ایک آدمی سے دوسرے آدمی میں ناک اور منہ کی راہ منتقل ہوتی ہے - اور یہ کہ انسانی جسم کے بعض اعضاء زندگی کی حفاظت کرتے ہیں' مگر صرف اسی حالت میں جب کہ خود اُن کی بھی حفاظت کی جائے - چنانچہ ہاتھ کی نبض زندگی کی محافظ ہے' اس لیے ہاتھ میں چوڑی پہنکر نبض کی حفاظت کی جاتی تھی - گردن کو بھی ایسا ہی عضو سمجھتے تھے اور اس کی حفاظت کے لیے ہار پہنتے تھے - کان کے لیے بالیاں' سینہ کے لیے چاندی سونے کی لوحیں' بازو کے لیے بازو بند' اسی لیے اُن میں رائج ہوگئے بہت ممکن ہے کہ دنیا میں زیور کا استعمال اسی عقیدہ سے شروع ہوا ہو -

(موت)

اُن کا اعتقاد تھا کہ زندگی ہمیشہ رہتی ہے - لیکن نیند کی حالت میں اور کبھی کبھی غشی کی حالت میں آدمی سے جدا ہو جاتی ہے - وہ کہتے تھے جب جسم بگڑ جاتا ہے تو زندگی کا علاقہ بھی اُس سے ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا ہے - اسی خیال سے نعش کی حفاظت کا خیال پیدا ہوا - اور بالآخر ممی کرنے کا طریقہ رائج ہو گیا - یہ طریقہ اتنا عجیب' اتنا صحیح' اور اتنا بے خطا تھا کہ چار چار ہزار برس گزر جانے پر بھی آج اصلی حالت میں ان کی نعشیں موجود ہیں !"

سیر فی الارض

أولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم؟
(۳۰-۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح کے تاثرات

ٹیونس اور البانیہ

ٹیونس

اگر الجزائر فرانس کا محکوم ہو تو ٹیونس بھی فرانس کے جولانِ حکومت سے پامال ہو چکا ہے۔ جو فرانسیسی یہاں ہیں وہی فرانسیسی وہاں بھی ہیں۔ محکومی اور ماتحتی، موت کی طرح سخت اور سست رفتار ہے۔ ایک خفیہ زہر ہے۔ دوسرا علانیہ ہے۔ لہٰذا کچھ عجب نہیں اگر دونوں ملکوں کی زندگی باہم مشابہ ہو۔ بلکہ پہلی نظر میں تو دونوں کی زندگی ایک ہی طرح کی معلوم بھی ہوتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں باوجود اس گہری مشابہت کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک بیماری سو برس کی پرانی ہے، دوسرے کی ۴۰ برس سے بھی کم کی ہے۔ ٹیونس میں جدید زندگی کے مبادیات موجود ہیں، اور امیدوں کے لئے بھی ویسی مایوسیاں نہیں ہیں جیسی الجزائر اور مراکش میں محسوس ہوتی ہیں۔

ٹیونس کی بیداری ٹیونسی قوم کی سعی و ہمت کا نتیجہ ہے۔ شمالی افریقہ میں ظلم کی یکسانیت سے مظلومیت کی حالت یکساں نہیں ہو جاسکتی تھی۔ مراکش، الجزائر، ٹیونس، رِیف، ان تمام مقامات میں یورپین استعمار یکساں قوت و خصائل کے ساتھ نمودار ہوا لیکن ان تمام مختلف مقامات کی جماعتی حالت و استعداد یکساں نہ تھی۔

ٹیونس کی بیداری کے اور بھی متعدد اسباب ہیں۔ بعض قوی ہیں۔ بعض ضعیف ہیں۔ بعض اچھے ہیں، بعض بُرے ہیں۔ بعض نفع نافع کے حکم میں داخل ہیں۔ بعض سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ کبھی بُرائی سے بھی بھلائی پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی زہر سے بھی شفا حاصل ہوتی ہے۔ جب خدا کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو ہر چیز اُس کی خدمتگزار ہو جاتی ہے۔ ہر راہ اُسے منزلِ مقصود کی طرف پہونچاتی ہے۔ لیکن جب کسی قوم کی تباہی کے دن آجاتے ہیں تو ہر چیز اُسے نقصان پہنچاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ٹیونس پر خدا کی مہر و عنایت ہے۔ اسی لئے اُس کے سامنے بھلائی اور ترقی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

ٹیونس میں مدرسے ہیں اور قوم میں علم و نور پھیلا رہے ہیں۔ ٹیونس میں عربی اخبارات ہیں، اور اگرچہ بہت پست اور بے بضاعت ہیں، لیکن بہرحال ملک کی بیداری کا سرچشمہ ہیں۔ ٹیونس میں ایک کرسی بھی ہے، جسے "تختِ شاہی" کہتے ہیں۔ اُس پر ایک ٹیونسی مورت بھی رکھی رہتی ہے، جسے بادشاہ یا وہاں کی اصطلاح میں "بائی" کہتے ہیں۔ اُس کے سر پر ایک غلاف بھی چڑھا ہے۔ اُسے "تاج" کہکر پکارتے ہیں۔ "بائی" کی عیش و عشرت بالکل ویسی ہی ہے جیسی مشرقی بادشاہوں کی ہوا کرتی تھی۔ بہت سے ابن الوقت اس کے محل کا اُسی طرح طواف کرتے ہیں جس طرح مومن کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اُس کے دروازوں اور چوکھٹوں کو چومتے ہیں اور اجر و ثواب کی اُمیدیں رکھتے ہیں!

ٹیونس میں نوجوان بھی ہیں۔ قریب ہے کہ اُن کی آنکھیں کھل جائیں اور "زندگی" کا جلوہ دیکھ لیں۔ ٹیونس میں ترقی کا جذبہ بھی موجود ہے اگر محکومی کی بندشیں ذرا بھی ڈھیلی ہو جائیں تو قریب ہے کہ خوب پھلے اور پھولے۔ مگر موجودہ قید و بند بھی اُسے روک نہیں سکتی۔ یہ جذبہ، سنگ چقماق کی طبیعت رکھتا ہے۔ جتنا رگڑا جاتا ہے، اُتنا ہی چمکتا اور مشتعل ہوتا ہے!

ٹیونس کی بیداری کا ایک سبب، اجنبی تسلط و جبر بھی ہے۔ ٹیونس خواب خرگوش میں پڑا سو رہا تھا۔ اجنبی توپوں نے گرجکر اُسے بیدار کر دیا اور اس طرح بیدار کیا کہ پھر اُس کی آنکھیں بند نہ ہوئیں۔ اجنبی تسلط ذی استعداد قوموں کے لئے تازیانۂ عبرت ہوتا ہے، اور نالائق قوموں کے لئے پیامِ ہلاکت!

ٹیونس کی بیداری میں تقلید و جمود اور قدامت پرستی کے عناصر کو بھی بڑا دخل ہے۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح یہ عناصر مصر کی موجودہ بیداری کا ایک سبب بن گئے ہیں۔

اس دنیا میں شر محض کا وجود نہیں۔ تقلید و جمود اور قدامت پرستی میں کتنا ہی بڑا شر کیوں نہ ہو، لیکن اسمیں نفع بھی موجود ہے۔ کسی قوم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا ماضی بالکل بھلا دے۔ ماضی اور قدیم کا صالح جوہر ہمیشہ قوم میں موجود رہنا چاہئے، ورنہ قوم اپنی قومیت کی اساسی روح سے محروم ہو جائے گی۔ یہ قدامت پرست طبقہ اپنے اندر ماضی اور قدیم کی نقش محفوظ رکھتا اور قوم کو اُس کے اصلی خط و خال دکھلاتا رہتا ہے۔ یہ طبقہ کتنا ہی مضر ہو مگر اس سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ ماضی اور قدیم کی یاد فراموش ہونے نہیں پاتی، اور تغیر طلب قوتوں کی بے اعتدالیاں اعتدال کی حالت پیدا کر لیتی ہیں۔

اے مصلحین! اس مخلوق پر رحم کھاؤ، جس کا نام "قدامت پرست" ہے۔ یہ تمھاری نظروں میں ایک پرانی نقش ہی کیوں نہ ہو مگر ہے تمھارے ہی ماضی کی نقش! اس کی حفاظت کرو۔ اسے نابود کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اگر یہ نابود ہو گئی، تو قدامت کی نقش کے ساتھ قدامت کی روح بھی نابود ہو جائے گی!

احمد زوغو کی مملکت "البانیہ"

البانیہ میں سفر بہت تکلیف دہ ہے۔ سمندر سے سفر کی صورت یہ ہے کہ یوگوسلاوی جہاز ہر ہفتہ یونان جاتے ہوئے البانی ساحل پر بھی رُکتے ہیں۔ یہی راستہ میں نے اختیار کیا۔ یوگوسلاوی بندرگاہ راگیز سے سوار ہوا اور البانی ساحل دیرازو میں اُتر پڑا۔

میرے ساتھی مسافر ایک ہاتھ کی اُنگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ جہاز کا کپتان کرواتی نسل کا مقدونین تھا۔ رات کو وہ ہمارے ساتھ دیر تک باتیں کیا کرتا۔ ایک دن مجھے ایک گوشے میں بلا کر کہنے لگا:

"دیکھو، البانیہ قریب آگیا۔ ہر چیز دیکھنا مگر زبان کسی وقت بھی نہ کھولنا۔ جاسوسوں سے ہوشیار رہنا۔ البانی پولیس تمھیں زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔ لیکن بالکل ممکن ہے کہ اندھیری رات میں دو گولیاں ہوا میں اُڑتی آئیں اور تمھارا سینہ توڑ کر پار نکل جائیں۔ تمھارا کام تمام ہو جائے گا مگر قیامت تک پتہ نہیں چلے گا کہ یہ گولیاں کہاں سے آئی تھیں؟"

ہمارا جہاز پہلے قطار دو میں رُکا۔ پھر خوبصورت خلیج انٹیفاری میں ٹھہرا۔ صبح ۶ بجے ہم بندرگاہ دورازو کے سامنے تھے۔ یہاں سے سخت تکلیف دہ سفر کے بعد بالآخر تیرانا پہنچ گئے، جو البانیہ کا پایۂ تخت ہے۔

یہ شہر، ترکی قصبات کا منظر پیش کرتا ہے۔ تنگ گھومی ہوئی سڑکیں، اُن پر چھوٹی چھوٹی دکانیں، دکانوں میں دکاندار اپنے کاموں میں ٹھیک اُسی طریقہ پر مشغول جس پر صدیوں پہلے اُنکے آبا و اجداد تھے۔ کہیں ترکی ٹوپیاں بن رہی ہیں۔ کہیں لکڑی کا سامان طیار ہو رہا ہے۔ کہیں تانبے کے ظروف بنائے جارہے ہیں۔ کہیں کمہار بیٹھا اپنا آنواں گھما رہا ہے۔ ساتھ ہی ترکاری والے بھی دکان لگائے بیٹھے ہیں۔ حجام استرے رگڑ رہے ہیں موچی جوتے گانٹھ رہے ہیں۔ پھر ان سب کا وہ شور و ہنگامہ کہ کان پڑے آواز سنائی نہیں دیتی۔ تاہم پورے اطمینان سے کہا جاسکتا ہے کہ شہر کے قدرتی مناظر نہایت دلفریب ہیں۔ مساجد کے مینارے فضا میں بلند ہو کر منظر اور بھی زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے!

شہر کے سامنے ایک وسیع میدان ہے۔ اسمیں ایک چھوٹی سی عمارت کھڑی ہے اور سینما کی عمارت معلوم ہوتی ہے، حالانکہ وہ دراصل ملک کی پارلیمنٹ ہے۔

پارلیمنٹ کے پچھواڑے فوجی بارکیں ہیں۔ حال ہی میں تعمیر ہوئی ہیں اور شہر کی شب و روز نگرانی کرتی ہیں۔

میں نے اپنا اسباب شہر کے سب سے بڑے ہوٹل میں رکھا اس ہوٹل کا نام "بین الاقوامی" ہوٹل ہے۔ لیکن وہ ترکی ہوا اُس کی ہر چیز بھی ترکی ہے۔ ہوٹل، میدان کے سامنے ہے۔ میدان میں موٹر کاروں کا ہجوم رہتا ہے۔ یہ تمام موٹریں بہت پرانی اور جنگ عظیم کی میراث ہیں۔

عورتیں صاف پانی بھرنے کے لئے چشموں پر جوق جوق جاتی ہیں۔ مگر کیا مجال کہ اُن کے جسم کا کوئی حصہ نظر آجائے۔ سر سے پاؤں تک کپڑوں میں لپٹی ہوئی، حتیٰ کہ منہ بھی چھپائے ہوئیں۔ صرف ایک طرف کی آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ آہو کی آنکھ، غضب کی

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حسین بن علی علیہما السلام

۲

آنکھ! ایک دن میں نے چند عورتوں کی تصویر اُتارنا چاہی۔ اُن کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اُنھوں نے مجھے گھونسے دکھا کر ہنسانا اور مغلظ گالیاں دینا شروع کر دیا!

رات کو شہر میں بڑی چہل پہل ہوتی ہے۔ پوری آبادی، معلوم ہوتا ہے، باہر نکل آئی۔ امراء، سکوں و وقار سے چلتے ہیں۔ ہر ایک کے آگے پیچھے حبشی خواجہ سرا تلواریں لئے ہوتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر البانیہ کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ اسوقت عورتیں بھی چہل قدمی کرتی نظر آتی ہیں۔ بڑی بڑی سیاہ چادریں اوڑھے ہوتی ہیں۔ اُنکی سب سے زیادہ مرغوب خارجی آرائش یہ ہے کہ رات کو بھی چھتریاں لگائے رہیں!

پورا ملک مسلح ہے۔ ایک آدمی بھی نہتا دکھائی نہیں دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر طرف امن امان قائم ہے۔ ہر کوئی اپنی جان کو ڈرتا ہے، اور کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ میں تیرا میں دو ہفتے رہا مگر میں نے ایک دن بھی بازاروں میں جھگڑا فساد نہیں دیکھا۔

البانیہ کے باشندے عموماً بڑے دیانت دار ہوتے ہیں۔ چوری کی کبھی کوئی واردات نہیں سنی جاتی۔ مکانوں کے دروازے عموماً شب و روز کھلے رہتے ہیں۔ قفل لگانے کا رواج تقریباً مفقود ہے۔ ایک اجنبی کے لئے یہاں کے بازاروں میں خرید و فروخت بہت مشکل ہے۔ تمام یورپ اور آمریکہ کے طلائی، نقرئی، اور نکل کے سکے چلتے ہیں۔ آدمی جب تک ان تمام سکوں سے واقف نہ ہو جو بے شمار قسم کے ہیں، لین دین نہیں کر سکتا۔ مگر تم بے کھٹکے بازار میں جا سکتے ہو۔ جو چاہو خرید و۔ دکاندار جو سکے بھی دے، لے گئے لو۔ ناممکن ہے تمھیں کبھی دھوکہ دیا جائے۔ ایک دن میں نے بوٹ خریدے دکاندار نے میرے نوٹ کی ریزگاری دے دی۔ اسمیں ترکی، روسی امریکن، اور صربی (سروین) سکے ملے جلے تھے۔ میں نے رقم گنے بغیر جیب میں رکھ لی اور روانہ ہو گیا۔ ابھی ۵۰ ساٹھ قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی مڑ کے دیکھا تو تین چار آدمی بے تحاشا دوڑے چلے آ رہے ہیں۔ چلاتے ہیں۔ ہاتھ ہلاتے ہیں۔ میں رک گیا۔ کیا دیکھتا ہوں جوتے والا کھڑا ہانپ رہا ہے:

"جناب!" اُسنے ندامت سے آنکھیں نیچی کر کے کہا "مجھ سے سخت قصور ہوا۔ میں بڑا ہی بیوقوف ہوں۔ بازار میں بیٹھنے کے لائق نہیں۔ آپ کو کم رقم دی ہے۔ یہ لیجئے آپکے دام ہیں۔ معاف کیجئے!"

لیکن پُرامن البانیہ کے سر پر اب جنگ کا بھوت چڑھ رہا ہے۔ ٹیرانا اسوقت فوج سے لبریز ہے۔ شب و روز جنگی تواعد اور جنگی مظاہرے ہو رہے ہیں۔ تمام فوجی بارکیں سپاہیوں سے پُر ہیں حتیٰ کہ اکثر مسجدیں بھی سپاہیوں کے لئے خالی کر دیگئی ہیں۔

"مگر یہ جنگی طیاریاں کیوں ہیں؟" "یوگو سلاویا کی طرف سے اندیشہ ہے" یہ جواب دیا جاتا ہے۔ مگر یہ پوری حقیقت نہیں ہے۔ پوری حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ احمد زوغو کو اپنی شخصیت بڑھانے کی فکر ہے۔ ترکی کے مصطفیٰ کمال، اٹلی کے موسولینی، اسپین کے پرائمو ڈیریوا کی طرح احمد زوغو بھی البانیہ کا مطلق العنان ڈیکٹیٹر ہے۔ مگر وہ اس منصب پر قانع نہیں۔ وہ البانیہ کا نپولین بنا چاہتا ہے۔ تاج شاہی کے لئے اُس کا سر مضطرب ہے۔ وہ چاہتا ہے، تلوار کی نوک سے ایک طلائی تاج اُٹھائے اور اپنے سر پر رکھ لے!

احمد زوغو کا خاص باڈی گارڈ بہت ہی خوفناک ہے۔ تین ہزار زبردست سپاہی اُس کی شب و روز حفاظت کرتے ہیں اُسکے محل کے سامنے ایک مکان میں اُس کی ماں رہتی ہے۔ روزانہ اُسکی

* ملاقات کو جا رہا ہے۔ مگر اس طرح جاتا ہے کہ دونوں طرف کے سینکڑوں سپاہی مضمحل اور مرعوب ہو جاتے ہیں اور وہ برہنہ شمشیر نکلی چھاتی میں بندوقیں تانے ہوئے (باقی صفحہ ۲۰ کالم ۲ پر ملاحظہ ہو)

آہ کی حسرت اور اصحاب کی وفاداری!

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپنے اپنے ساتھی جمع کئے اور اور خطبہ دیا:

"خدا کی حمد و ستایش کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حال میں اُسکا شکر گزار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر کہ تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف کیا، قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی، اور سمع بصر بخشے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ الا بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر بھی لوگ موجود ہیں، یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہل بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ لے لوگو، تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے! میں سمجھتا ہوں کل میرا ان کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی سے نکل جاؤ۔ رات کا وقت ہے۔ میرے اہل بیت کا ہاتھ پکڑو اور تاریکی میں ادھر اُدھر چلے جاؤ۔ میں خوشی سے تمھیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں میری جان لے کر تم سے غافل ہو جائیں گے"

یہ سنکر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور بیچین ہوئے حضرت عباس نے کہا "یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپکے بعد زندہ رہیں خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے!"

حضرت نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا "اے اولاد عقیل! مسلم کا قتل کافی ہے۔ تم چلے جاؤ۔ میں نے تمھیں اجازت دی" وہ کہنے لگے "لوگ کیا کہیں گے؟ یہی کہینگے کہ ہم اپنے شیخ، سردار، اور عم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے اُن کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا، نہ نیزہ چلایا، نہ تلوار گھمائی۔ نہیں واللہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ہمتو آپ پر اپنی جان، مال، آل و اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپکے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔ جو آپ پر گزرے گی وہی ہم پر بھی گزرے گی۔ آپکے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے!"

آپکے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا:

"کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپکا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ واللہ نہیں، ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ ان دشمنوں کے سینے میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہیگا تلوار چلاتا رہوں گا۔ نہتا ہو جاؤں گا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے!"

سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا "واللہ ہم آپ کو اُسوقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا، جلایا جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا، پھر میری خاک ہوا میں اُڑا دی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں، ۷۰ مرتبہ تجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپکی حمایت میں فنا ہو جاؤں"

زہیر بن القین نے کہا "بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ خوشا نصیب! اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپکے اہل بیت کے ان نوجوانوں کی جانیں بچ جائیں!" (ابن جریر، کامل، شرح نہج البلاغہ وغیرہا)

حضرت زینب کی بیچینی اور آپکا توصیہ صبر

حضرت زین العابدین سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں، میں بیٹھا تھا اور میری پھوپھی زینب میری تیمارداری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اُس وقت خیمے میں ابوذر غفاری کے غلام جونؔ تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے:

یا دہر اف لک من خلیل ؛ کم لک بالاشراق والاصیل!
اے زمانہ! تیرا بُرا ہو، تو کیسا بیوفا دوست ہے! صبح اور شام تیرے ہاتھوں
من صاحب او طالب قتیل ؛ والدہر لا یقنع بالبدیل!
کتنے اے جاتے ہیں؟ زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا۔
وانما الامر الی الجلیل ؛ وکل حی سالک السبیل!
اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے!

تین چار مرتبہ آپنے یہی شعر دُہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ مگر میں نے آنسو روک لئے۔ میں سمجھ گیا مصیبت ٹلنے والی نہیں۔ میری پھوپھی نے یہ شعر سُنے، وہ بے قابو ہو گئیں، بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور شیون و فریاد کرنے لگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ "اے بہن یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آ جائیں" انھوں نے روتے ہوئے کہا:

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

(گائڈ بک)

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹوں،

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی

جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

THE DUNLOP GUIDE TO GREAT BRITAIN

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک سٹال سے مل سکتی ہے

الہلال کی قدیم مکمل جلدیں

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

الہلال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے کچھ شائقین علم و ادب مشتاق تھے۔ چند جلدیں جو دفتر مہیا کرسکا ہے حسب ذیل قیمت پر بھیجی جاسکتی ہیں:

الہلال جلد سوم
" جلد چہارم — قیمت فی جلد ۱۰ روپیہ
" جلد پنجم

البلاغ (یعنی الہلال کا دوسرا سلسلۂ اشاعت) ۸ روپیہ (منیجر الہلال)

اگر آپکو

دمہ

آہ (ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی

شکایت ہے، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے

سے قریب دوافروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دنیا میں بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت

یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں

ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی

زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری

بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم

دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو

آپ کو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

۱۲۵۰۹

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دُنیا میں کُتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے مُلک معظم برطانیہ اور اُن کے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نو آبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے۔

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی، اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے۔

"کیونکر اس حالت پر صبر کیا جا سکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟" آپ نے کہا "مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے" اسپر ان کی بیقراریاں اور زیادہ بڑھ گئیں اور شدت غم سے بے حال ہو گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے ایک طولانی تقریر صبر و استقامت پر فرمائی۔ آپ نے کہا "بہن! خدا سے ڈر، خدا کی تعزیت سے تسلی حاصل کر۔ موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بے قراری کیوں ہو؟ دیکھ، ہمارے لئے، اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے، یہ نمونہ ہمیں کیا سکھلاتا ہے؟ یہ ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں" (یعقوبی و ابن جریر)

پوری رات عبادت و تلاوت میں گزاری

پوری رات آپ نے اور آپکے ساتھیوں نے نماز، استغفار اور دعا و تضرع میں گزاری۔ راوی کہتا ہے دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے۔ حضرت حسین بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے "الا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین۔ ما کان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب[1]" دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا "قسم رب کعبہ کی، ہم ہی طیب ہیں، اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں!"

عشرہ کی صبح

جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔ حضرت حسین نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں اُن کے ساتھ صرف ۳۲ سوار، ۴۰ پیدل، کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر بن القین کو مقرر کیا۔ میسرہ، حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا۔ علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اُس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا تھا اور آگ جلا دی تھی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا نکلا۔ آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا "اے حسین! قیامت سے پہلے ہی تو نے آگ قبول کر لی؟" حضرت نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے!" مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا "مجھے اجازت دیجئے اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں۔ کیونکہ بالکل زد پر ہے" حضرت نے منع کیا "نہیں۔ میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا" (ایضاً)

دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے!

دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے "الٰہی! ہر مصیبت میں تو ہی میرا بھروسہ ہے! ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے! کتنی مصیبتیں پڑیں، دل کمزور ہو گیا، تدبیر نے جواب دے دیا، دوست نے بیوفائی کی، دشمن نے خوشیاں مچائیں، مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی اور تو نے ہی میری دستگیری کی! تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے۔ تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے!" (شرح نہج البلاغہ)

دشمن کے سامنے خطبہ

جب دشمن قریب آگیا تو آپ نے اونٹنی طلب کی۔ سوار ہوئے۔ قرآن سامنے رکھا، اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا:

"لوگو! میری بات سنو۔ جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔ اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو، اور تم اسے قبول کر سکو، اور میرے ساتھ انصاف کرو، تو یہ تمھارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو؛ تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے۔ تم اور تمھارے سارے ساتھی ایکا کر لو، مجھ پر ٹوٹ پڑو، مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے اور وہ نیکوکاروں کا حامی ہے"

آپ کی اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدت تاثر سے بے اختیار ہو گئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تاکہ اُنھیں خاموش کر آئیں۔ اور کہا "ابھی اُنھیں بہت رونا باقی ہے" پھر بے اختیار پکار اُٹھے "خدا عباس کی عمر دراز کرے" یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کی۔ راوی کہتا ہے یہ جملہ اس لئے آپکی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ ابن عباس نے عورتوں کو ساتھ لیجانے سے منع کیا تھا۔ مگر آپ نے اسپر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع و فزع دیکھا تو عبداللہ بن عباس کی بات یاد آگئی۔ پھر آپ نے از سر نو تقریر شروع کی:

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سونچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو۔ خوب غور کرو کیا تمھارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمھارے نبی کی لڑکی کا بیٹا، اُس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے تھے "سیدا شباب اہل الجنۃ"؟ (جنت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے، اور ضرور سچا ہے کیونکہ واللہ میں ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ، کیا تمھیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہئے؟ اگر تم میری بات یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر لے سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھو۔ ابو سعید خدری سے پوچھو۔ سہل بن سعد ساعدی سے پوچھو۔ زید بن ارقم سے پوچھو، انس بن مالک سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائیں گے کہ اُنھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمھیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں۔ میں تمھارے نبی کا بلا واسطہ نواسہ ہوں! کیا تم مجھے اس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو کہ میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے"

کوفہ والوں کا جواب

آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپ نے بڑے بڑے کوفیوں کو نام لے لے کر پکارنا شروع کیا "اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن الاشعث! اے یزید بن الحارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ "پھل پک گئے؛ زمین سرسبز ہو گئی، نہریں ابل پڑیں، آپ اگر آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے۔ جلد آئیے" اسپر اُن لوگوں کی زبانیں کھلیں، اور انھوں نے کہا "ہرگز نہیں، ہم نے تو نہیں لکھا تھا" آپ چلا اُٹھے "سبحان اللہ! یہ کیا جھوٹ ہے واللہ، تم ہی نے لکھا تھا!" اس کے بعد آپ نے پھر پکار کر کہا: "اے لوگو! چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو اس لئے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں"

ذلت منظور نہیں

یہ سنکر قیس بن الاشعث نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کر دیں؟ وہ وہی برتاؤ کرینگے جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو اُن سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا"

آپ نے جواب دیا "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص کیا تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا بھی مطالبہ کریں؟ نہیں واللہ، میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی اُن کے حوالے نہیں کروں گا" (ابن جریر)

یہ کہہ کر آپ نے اونٹنی بٹھا دی۔ عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اُسکی کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے آپکی طرف حرکت شروع کر دی ہے۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے "اے اہل کوفہ! عذاب الٰہی سے ڈرو! ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو، اُس وقت تک ہم سب بھائی بھائی ہیں، ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں جب تک تلواریں نیام سے نہیں نکلتیں۔ تم ہماری نصیحت اور خیر خواہی کے ہر طرح حقدار ہو۔ لیکن تلوار کے درمیان آتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائے گی اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے۔ دیکھو خدا نے ہمارا اور تمھارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمھیں اہل بیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبیداللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، ان حاکموں سے کبھی تمھیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمھاری آنکھیں پھوڑیں گے، تمھارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے، تمھارے چہرے بگاڑینگے، تمھیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے، اور نیکوکاروں کو چن چن کر قتل کرینگے۔ بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدی، ہانئی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے ہیں کہ تمھیں یاد نہ رہے ہوں"

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے۔ "بخدا ہم اُس وقت تک نہیں ٹلیں گے جب تک حسین اور اُن کے ساتھیوں کو قتل نہ کر لیں یا اُنھیں امیر کے روبرو حاضر نہ کر دیں" یہ اُن کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا "خیر، اگر فاطمہ کا بیٹا سمیہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمھاری حمایت و نصرت کا مستحق ہے تو کم از کم اولاد رسول کا اتنا پاس تو کرو کہ اُسے قتل نہ کرو۔ اُسے اور اُس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کر لیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تم حسین کا خون بہاؤ" (ابن جریر و شرح نہج البلاغہ)

حُر بن یزید کی موافقت

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حر بن یزید نے کہا "خدا آپ کو سنوارے: کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑائی کرینگے؟" ابن سعد نے جواب دیا "ہاں واللہ لڑائی! ایسی لڑائی جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ، شانوں سے اُڑ جائیں گے" حر نے کہا "کیا اُن تین شرطوں

---

[1] دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل اُن کے لئے بھلائی ہے۔ ہم صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ اُن کا جرم اور زیادہ ہو جائے۔ خدا مومنین کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دے گا۔

میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو اُسنے پیش کی ہیں؟" ابن سعد نے کہا " بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کرلیتا۔ مگر کیا کروں؟ تمھارا حاکم منظور نہیں کرتا"

حُر بن یزید یہ سُنکر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اُس کے قبیلہ کا بھی ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرۃ بن قیس تھا۔ حُر نے اُس سے کہا " تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟" بعد میں قرہ کہا کرتا تھا حُر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اُس کی شکایت حاکم سے نہ کردوں" میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے میں ابھی جاتا ہوں" یہ کہکر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حُر نے امام حسین کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس کے قبیلہ کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا " کیا تم حسین پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟" حُر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا۔ کہنے لگا:

" تمھاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمھاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ تو تمھارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟"

حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا:

" بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت منتخب کرلی اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا جائے"

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسین میں پہنچ گیا!

حضرت حسین کی خدمت میں پہنچکر کہا " ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں جسنے آپ کو لوٹنے سے روکا، راستہ بھر آپکا پیچھا کیا، اور اس جگہ اُترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم، میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے اور آپکے معاملہ میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کرینگے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہوکر توبہ کے لئے آپکے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے قدموں پر قتل ہوجانا چاہتا ہوں۔ کیا آپکے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟"

حضرت نے شفقت سے فرمایا " ہاں، خدا تیری توبہ قبول کرے تجھے بخش دے۔ تیرا نام کیا ہے؟" اُسنے کہا " حُر بن یزید" فرمایا " تو حُر (یعنی آزاد) ہی ہے جیسا کہ تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دُنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

پھر حُر، دشمن کی صفوں کے سامنے پہونچا اور کہا " اے لوگو! حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں سے کوئی شرط منظور کیوں نہیں کرلیتے تاکہ خدا تمھیں اس امتحان سے بچالے؟" لوگوں نے جواب دیا " یہ ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں، جواب دیں گے" عمر نے کہا " میری دلی خواہش تھی کہ اُن کی شرطیں منظور کرسکتا"

اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کی بدعہدی و غدر پر شرم دغیرت دلائی۔ لیکن اُس کے جواب میں اُنھوں نے تیر برسانا شروع کردیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اُٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا " گواہ رہو، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے" پھر تیر باری شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد یزید بن ابیہ اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام یسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارز طلب کی۔ قدیم طریق جنگ میں مبارزت کا طریقہ یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہمدگر پیکار کرتے لیکن حسین سے حبیب بن مظاہر اور بُریر بن حضیر نکلنے لگے، مگر حضرت حسین نے اُنھیں منع کیا۔ عبید اللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہوکر عرض کیا: " مجھے اجازت دیجئے" یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چلکر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا، آپنے اُس کی صورت دیکھکر فرمایا " بیشک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دی۔ عبید اللہ نے چند پھیروں میں دونوں حریف زیر کرکے قتل کرڈالے اُس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھی اور جنگ کی ترغیب دیتی جاتی تھی۔ پھر یکایک اُسے اس قدر جوش آیا کہ میدان جنگ کی طرف بڑھنے لگی۔ حضرت حسین یہ دیکھکر بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا " اہل بیت کی طرف سے خدا تجھیں جزائے خیر دے لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں ہے"

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کردیئے

اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقاء زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے اور نیزے سیدھے کردیئے۔ نیزوں کے منہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے حضرت کی فوج نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کرڈالے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہوگئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے حضرت حسین کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمر بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اُٹھا " بیوقوفو! پہلے جان لو کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کرکے قتل ہوتے جاؤ گے ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے انھیں مار سکتے ہو" عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت وخون شروع ہوگیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رُکی تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک وخون میں پڑے ہیں۔ حضرت حسین دوڑکر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھرکر فرمایا " مسلم! تجھ پر خدا کی رحمت! منھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا!!" مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپکی جانب سے پہلے شہید تھے (ابن جریر کامل)

گھوڑے بیکار ہوگئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی۔ شمر بن ذی الجوشن اس کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف ۳۲ سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے، صفیں اُلٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کرلیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً نئی کمک طلب کی بہت سے پیادہ اور پالنو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انھوں نے آتے ہی تیر برسانا شروع کردیئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بیکار ہوگئے اور سواروں کو پیدل ہوجانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

ایوب بن مشرح روایت کرتا ہے کہ حُر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اُسے تیروں سے چھلنی کرڈالا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل شیر ببر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی اور یہ شعر زبان پر تھا:

ان تعقروا بی فانا ابن الحر اشجع من ذی لبد هزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بیکار کردیا تو کیا ہوا؟ میں شریف کا بیٹا ہوں، خونخوار شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں!

خیمے جلا دیئے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب دوپہر ہوگئی مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کرسکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ کردیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رُخ سے حملہ کرسکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے حسینی فوج کے صرف ۴۔۵ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے لگے۔ جب یہ صورت بھی ناکام رہی تو عمر بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسین نے فرمایا " کچھ پرواہ نہیں۔ جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے۔ اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کرسکیں گے" اور ہوا بھی یہی۔

ام وہب کا قتل

اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا اور اُس کی فوج کے قدم اُکھاڑ دیئے۔ مگر کب تک؟ زرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہوگیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہوچکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جاچکے تھے حتی کہ عبد اللہ بن عمیر کلبی بھی، جس کا ذکر اوپر گزر چکا، قتل ہوچکا تھا۔ اُس کی بیوی ام وہب بھی شہید ہوچکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بیٹھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کر رہی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی " تجھے جنت مبارک ہو!" شمر نے اسے دیکھا اور قتل کروا ڈالا۔ (ابن جریر۔ شرح نہج البلاغہ)

نماز پڑھنے نہیں دی

ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی اور حضرت حسین سے عرض کیا " دشمن اب آپ سے بالکل قریب آگیا ہے۔ واللہ آپ اُسوقت تک قتل ہونے نہیں پائیں گے جب تک میں قتل نہ ہوجاؤں لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کر ملوں جس کا وقت آگیا ہے" یہ سُنکر حضرت نے سر اُٹھایا اور فرمایا " دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں" مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے اپنی پوری قوت لگادی تھی۔ غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہوگئے۔ گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد ہی حُر بن یزید کی باری تھی۔ وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس پڑے:

آلیت لا اقتل حتی اقتلا ولن اُصاب الیوم الا مقبلا

میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہیں ہونگا جب تک قتل نہ کروں، اور مرونگا تو ہی حالیکہ دشمن کو آگے بڑھ رہا ہونگا!

اضربهم بالسیف ضربا مقصلا لا انا کلا عنهم ولا مهللا

انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا، نہ بھاگوں گا نہ ڈروں گا!

زہیر کی شہادت

چند لمحے کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چور ہوکر گرے اور جان بحق تسلیم ہوگئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہورہا تھا۔ حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوۃ الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہوگیا۔ اس موقعہ پر آپکے میمنہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن

پر ٹوٹ پڑے:

انا زہیر وانا ابن القین اذودہم بالسیف عن حسین

میں زہیر ہوں، ابن القین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے اُنھیں حسین سے دُور کردونگا

صفیں درہم برہم کرڈالیں۔ پھر لوٹے اور حضرت حسین کے شانے پر ہاتھ مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے:

اقدم ہدیت ہادیا مہدیا فالیوم تلقی جدک النبیا

بڑھ، خدا نے تجھے ہدایت دی، آج تو اپنے نانا نبی سے ملاقات کریگا

وحسنا والمرتضیٰ علیا وذا الجناحین الفتی الکمیا

اور حسن سے اور علی مرتضیٰ سے، اور بہادر جوان جعفر طیار سے

واسد اللہ الشہید الحیا

اور زندہ شہید اسد اللہ حمزہ سے!

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے یہاں تک کہ قتل ہوگئے!

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ دشمن کو روکنا ناممکن ہے چنانچہ انھوں طے کیا کہ آپکے سامنے ایک ایک کرکے قتل ہوجائیں۔ چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر اُن کی زبان پر جاری تھے:

قد علمت حقا بنو غفار وخندف بعد بنی نزار

بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے

لنضربن معشر الفجار بکل عضب صارم بتار

کہ ہم بے پناہ شمشیر آبدار سے فاجروں کے ٹکڑے اُڑادیں گے

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار بالمشرفی والقنا الخطار

اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابری لڑکوں کی فداکاری

انکے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے۔ دونوں بھائی تھے۔ زار قطار رو رہے تھے۔ حضرت نے اُنھیں دیکھا تو فرمانے لگے "اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو؟ واللہ مجھے یقین ہے ابھی چند لمحے بعد تمھاری آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں گی" اُنھوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا "ہم اپنی جان پر نہیں روتے۔ ہم آپ پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے" پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے "السلام علیک یا ابن رسول اللہ!" آپ جواب دیتے تھے "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!" اور وہ دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آخر دونوں شہید ہوگئے۔

حنظلہ بن اسعد کی شہادت

انکے بعد حنظلہ بن اسعد، حضرت کے سامنے آکر کھڑے ہوئے اور بآواز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے "اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد وثمود کی طرح تمھیں بھی روز بد نہ دیکھنا پڑے! میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہوجاؤ! اے قوم! حسین کو قتل نہ کرو، ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کردے!" بالآخر یہ بھی شہید ہوگئے۔

علی اکبر کی شہادت

غرضکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہوگئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپکے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا اُن کا رجز یہ تھا:

انا علی بن حسین بن علی نحن ورب البیت اولی بالنبی

میں علی بن حسین بن علی ہوں۔ قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قرب کے زیادہ حقدار ہیں

تاللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کرسکیگا!

بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مرہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہوگئے۔ ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اُٹھتا ہوا سورج! وہ چلا رہی تھی "آہ! بھائی! آہ! بھتیجے!" میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا "زینب بنت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم!" لیکن حضرت حسین نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہونچا آئے۔ پھر علی کی نعش اُٹھائی اور خیمے کے سامنے لاکر رکھ دی۔ (ایضاً)

ایک جوان رعنا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا وہ کرتہ پہنے، تہ بند باندھے، اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر حسین تھا کہ اُس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرتا آیا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اُس کے سر پر تلوار ماری۔ نوجوان چلایا "ہائے چچا!" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسین بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ تلوار کا وار کیا۔ قاتل نے ہاتھ اُٹھا دیا مگر ہاتھ کہنی سے کٹ کر اُڑ چکا تھا۔ زخم کھا کر قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اُسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی۔ مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اُسے روند ڈالا۔ راوی کہتا ہے: جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہوں حضرت حسین لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور آپ فرما رہے ہیں "اُن کے لئے ہلاکت جنھوں نے تجھے قتل کیا ہے! قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے؟ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اُسے پکارے اور وہ جواب نہ دے، یا جواب دے مگر تجھے اُس کی آواز نفع نہ پہونچا سکے! افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہوگئے اور دوست باقی نہ رہے!" پھر لاش اپنی گود میں اُٹھالی۔ لڑکے کا سینہ آپکے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اُسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا "قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب!"

مولود تازہ کی شہادت

حضرت حسین پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے۔ عین اُسوقت آپکے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپکے پاس لایا گیا۔ آپنے اُسے گود میں رکھا اور اُس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ بچہ کی روح اُسی وقت پرواز کرگئی۔ آپنے تیر اُس کے حلق سے کھینچکر نکالا، خون سے چلو بھرا اور اُس کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے "واللہ تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمد خدا کی نظر میں صالح سے زیادہ افضل ہیں! الٰہی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے!" (یعقوبی وابن جریر وغیرہما)

بنی ہاشم کے مقتول

اسی طرح ایک ایک کرکے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہوگئے۔ ان میں سے ذیل کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں:

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ بن عقیل (۴) عبدالرحمن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد بن عبداللہ بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبداللہ بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳) ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی بن الحسین (۱۷) عبداللہ بن الحسین۔

ایک بچے کی شجاعت

ان سب کے بعد اب خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کرکے آتے تھے مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے لیکن شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمے میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہوگیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرایا ہوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا۔ حضرت زینب کی نظر پڑ گئی دوڑ کر پکڑ لیا۔ حضرت حسین نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا "روکے رہو۔ آنے نہ پائے" مگر لڑکے نے زور کرکے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اسی وقت بحر بن کعب نے آپ پر تلوار اُٹھائی لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث! میرے چچا کو قتل کریگا" سنگدل حملہ آور نے اپنی بلند تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اُسنے ہاتھ پر روکی۔ ہاتھ کٹ گیا۔ ذرا سی کھال لگی رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ حضرت نے اُسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا "صبر کر۔ اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہونچا دے گا۔ رسول اللہ صلعم، علی بن ابی طالب، حمزہ، جعفر اور حسن بن علی تک!"

حضرت حسین کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا۔ آپنے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اُس کے قدم اُکھاڑ دیے عبداللہ بن عمار، جو خود اس جنگ میں شریک تھا، روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسین پر حملہ کیا اور اُن کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کرسکتا تھا مگر یہ خیال کرکے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں۔ میں نے دیکھا دائیں بائیں ہر طرف سے اُن پر حملے ہو رہے تھے، لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اُسوقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھر کا گھر خود اُس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہوگیا ہو، ایسا شجاع، ثابت قدم، مطمئن، اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو دیکھ کر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ اسی اثناء میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں اُنکے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں۔ وہ چلاتی تھیں "کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے!" یہ وہ موقعہ تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسین سے بالکل قریب ہوگیا تھا۔ زینب نے پکار کر کہا "اے عمر کیا ابوعبداللہ تمھاری آنکھوں کے سامنے قتل ہوجائیں گے؟" عمر نے منہ پھیر لیا مگر اُس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپکے حلق میں تیر پیوست ہوگیا

لڑائی کے دوران میں آپکو بہت سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا؟ اچانک ایک تیر آیا اور آپکے حلق میں پیوست ہوگیا۔ آپنے تیر کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اُٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے آپنے خون آسمان کی طرف اچھالا اور خدا کا شکر ادا کیا "الٰہی! میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے!"

تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست!

شمر کو سرزنش

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے تو شمر اور اُس کے ساتھیوں

نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روز آخرت سے ڈرتے نہیں، تو کم سے کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمے کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو" شمر نے جواب دیا "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا"

آخری تنبیہ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں چاہتا تھا۔ آخر شمر بن ذی الجوشن چلایا "تمھارا برا ہو! کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے؟" اب ہر طرف سے پھر نرغہ ہوا آپ نے پکار کر کہا "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو اُبھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا"

شہادت!

مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپکے بائیں ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اُسنے ایک شخص سے کہا "سر کاٹ لے" وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے!" پھر جوش سے اُترا۔ آپکو ذبح کیا اور سر، تن سے جدا کر لیا!

جعفر بن محمد بن علی سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپکے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے!

قاتل

سنان بن انس قاتل کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا قتل کے وقت اُس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا، وہ اُسپر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا اُن کا سر کاٹ نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالہ کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا:

اوقر رکابی فضۃ وذہبا — انا قتلت الملک المحجبا

مجھے چاندی سونے سے لاد دو۔ میں نے بڑا پادشاہ مارا ہے!

قتلت خیر الناس اما وابا — وخیرہم اذ ینسبون نسبا

میں نے اسے قتل کیا ہے جسکے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے نسب میں سب سے اچھا ہے!

عمر بن سعد نے اُسے اندر بلا لیا۔ بہت خفا ہوا۔ کہنے لگا "واللہ تو مجنون ہے!" پھر اپنی لکڑی سے اُسے مار کر کہا "پاگل! ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبید اللہ بن زیاد سنتا تو تجھے ابھی مروا ڈالتا!"

(ابن جریر)

لوٹ کھسوٹ

قتل کے بعد کوفیوں نے آپکے بدن کے کپڑے تک اُتار لئے پھر آپکے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہونچا اور کہنے لگا "اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں؟" لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی، کہا "کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے؟" اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آگیا اور حکم دیا "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو واپس کر دے" زین العابدین نے یہ سنکر اپنی بیمار آواز سے کہا "عمر بن سعد! خدا تجھے جزاء خیر دے! تیری زبان نے ہمیں بچا لیا"

افسانہ

محبت اور قربانی
یا
انتقام اور سزا؟

ویکٹر ہیوگو کا "بشپ" اور تاریخ اسلام کا "بغدادی"

درس وفا اگر بود زمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را!

(دوسرا حصہ)

ہجرۃ کی تیسری صدی قریب الاختتام ہے۔ بغداد کے تخت خلافت پر المعتضد باللہ عباسی متمکن ہے۔ معتصم کے زمانے سے دار الخلافہ کا شاہی اور فوجی مستقر سامرہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ پھر کئی سرزمین بابل کے اس نئے بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں۔ ایران کے اصطخر، مصر کے ریمس، اور یورپ کے روم کی جگہ اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد ہے۔

***

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے "انسان" کہتے ہیں کچھ عجیب حال ہے۔ یہ جتنا کم ہوتا ہے، اُتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہے۔ اور جتنا زیادہ بڑھتا ہے، اُتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دور ہونے لگتی ہے۔ اُس کا کم ہونا خود اُس کے لئے اور خدا کی زمین کے لئے برکت ہے۔ یہ جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں گھانس پھونس کے چھپر ڈالکر رہتا ہے، تو کیسا نیک، کیسا خوش، اور کس درجہ حلیم ہوتا ہے؟ محبت اور رحمت اُس میں اپنا آشیانہ بناتی ہے اور روح کی پاکیزگی کا نور اُس کے جھونپڑوں کو روشن کرتا ہے۔ لیکن جونہی یہ جھونپڑیوں سے باہر نکلتا ہے، اُس کی بڑی بڑی بھیڑیں ایک خاص رقبہ میں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تو اُس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو جاتا ہے؟ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہے، صنعت و حرفت کا رخانے کھولتی ہے، دولت سر بفلک عمارتیں بناتی ہے، حکومت و امارت شان و شکوہ کے سامان آراستہ کرتی ہے۔ لیکن دوسری طرف نیکی رخصت ہو جاتی ہے، محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، اور امن و راحت کی جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہو جاتا ہے۔ وہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی و محبت کی دنیا اور راحت و برکت کی بہشت تھی، اب افلاس و مصیبت کا مقتل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بنجاتی ہے۔ وہی انسان جو جھونپڑیوں کے اندر محبت و فیاضی کی گرمجوشی تھا، اب شہر کے سر بفلک محلوں کے اندر بے مہری و خود غرضی کا پتھر ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے عالیشان مکانوں میں عیش و نعمت کے دسترخوان پر بیٹھتا ہے، تو اس کے کتنے ہی ہم جنس سڑکوں پر بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہیں! جب وہ عیش و راحت کے ایوانوں میں حسن و جمال کی محفلیں آراستہ کرتا ہے، تو اُس کے ہمسایہ میں یتیموں کے آنسو نہیں تھمتے اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں جن کے بدنصیب سروں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہوتا! زندگی کی قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی مگر بے رحم تفاوتیں ہر گوشے میں نمایاں ہو جاتی ہیں!۔

پھر جب انسانی بے مہری اور خود غرضی کے لازمی نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں، کمزوری، افلاس، اور بے نوائی سے مجبور ہو کر بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اُٹھاتا ہے، تو اچانک دنیا کی زبانوں کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آجاتا ہے۔ یہ "قانون" اور "انصاف" ہے۔ اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں اور اُن کے دروازہ پر لکھا جاتا ہے "انصاف کا گھر" انصاف کے اس "مقدس گھر" میں کیا ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے کہ وہی انسان جسنے اپنی بے رحمی و تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں کو بد اطوار بنجانے پر مجبور کر دیا تھا، قانون کا پُر ہیبت جبہ پہنکر آتا ہے، اور فرشتوں کا سا معصوم اور راہبوں کا سا سنجیدہ چہرہ بنا کر

نعش روند ڈالی

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اُسنے پکار کر کہا "اس کام کے لئے کون طیار ہے؟" دس آدمی طیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا!

چوں بگزرد نظیری خونیں کفن بحشر ؛ خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست؟

اس جنگ میں حضرت حسین کے ۷۲ آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے ۸۸ مقتول ہوئے (ابن جریر۔ کامل۔ یعقوبی) (باقی)

حکم دیتا ہو کہ مجرم کو سزا دی جائے۔

کیوں؟

اس لئے کہ اُسنے چوری کی ہو۔

اُس بدبخت نے چوری کیوں کی؟

اس لئے کہ وہ انسان ہو، اور انسان بھوک کا عذاب برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ وہ شوہر ہے، اور شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ باپ ہو، اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے اُن آنسوؤں کا نظارہ کرسکے جو بھوک کی اذیت سے اُن کے معصوم چہروں پر بہ رہے ہوں!

پھر اگر بدبخت انسان قیدخانہ اور تازیانے کی سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہوجاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو "مقدس انصاف"، اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اُٹھاتا ہے، اور کہتا ہو اسے سولی کے تختے پر لٹکا دو! یہ گویا انسان کے پاس اُس کے ابنا جنس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے!

یہ ہو انسان کی شہری اور متمدن زندگی کا اخلاق! وہ خود ہی انسان کو برائی پر مجبور کرتا ہو اور خود ہی سزا بھی دیتا ہو۔ پھر ظلم اور بے رحمی کے اس تسلسل کو "انصاف" کے نام سے تعبیر کرتا ہو۔ اُس "انصاف" کے نام سے، جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہو!

***

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے یہ تمام لازمی نتائج موجود ہوتے۔ گندگی میں کھیاں اور دلدل میں مچھر اس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جس تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہو۔ بغداد کے قیدخانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی اسکی آبادیوں میں مجرموں کی کوئی کمی نہ تھی!

***

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ جُنید بغدادیؒ کی بزرگی و درویشی کی شہرت ہو، اُسی طرح ابن ساباط کی چوری اور عیاری بھی مشہور ہو۔ پہلی شہرت نیکی کی ہو۔ دوسری بدی کی۔ دُنیا میں بدی، نیکی کی ہر چیز کی طرح، اُس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتی ہے اگرچہ نہیں کرسکتی۔

دس برس سے ابن ساباط مدائن کے محبس میں قید ہو۔ اُس کے خوفناک حملوں سے لوگ محفوظ ہوگئے ہیں۔ تاہم اسکی عیاریوں اور بے باکیوں کے افسانے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب کبھی کسی لرزہ چوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں "یہ دوسرا ابن ساباط ہو"۔ اس دس برس کے اندر کتنے ہی نئے ابن ساباط پیدا ہوگئے مگر پرانے ابن ساباط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کرسکا۔ بغداد والوں کی بول چال میں وہ "جرائم کا شیطان اور برائیوں کا عفریت" تھا!

ابن ساباط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ سوقُ الخارجین میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی۔ معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہو۔ اس کے ماں باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ آرہے تھے۔ راہ میں بیمار پڑے اور مرگئے۔ قافلہ والوں کو رحم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہونچا دیا۔ یہ اب سے دو برس پیشتر کی بات ہو۔ یہ دو برس اسنے کہاں اور کیونکر بسر کئے؟ اسکا حال کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ گرفتاری کے وقت اُس کی عمر بیدرہ سولہ برس کی تھی۔ کوتوالی کے چبوترے پر لٹا کر تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزا نے اُس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا۔ وہ اب تک ایک ڈرا سہما کم سن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دلیر اور بے باک مجرم کی روح اُس کے اندر پیدا ہوگئی۔ گویا اُس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لئے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور بدیوں گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرے تھے، اب اس طرح اُس پر کھل گئے گویا ایک تجربہ کار اور مشاق مجرم کا دماغ اُس کے سر میں اُتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکا عیار اور ایک چھٹا ہوا حرافہ پیشہ انسان تھا!

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب اُسنے چوری کی تھی، تو دو دن کی بھوک اُسے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی۔ لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہوکر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے وارفتہ ہوکر چوری کرتا تھا۔ اس لئے اُس کی نگاہیں نان بائی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ صرافوں کی تھیلیوں اور سوداگروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو یا رات، بازار کی منڈی ہو یا امیر کا دیوانخانہ، ہر وقت اور ہر جگہ اُس کی کارستانیاں جاری رہتیں۔ اُس کے اندر ایک فاتح کا جوش تھا، سپہ سالار کا سا عزم تھا، ایک ہی مردانگی تھی، مدبر کی سی دانشمندی تھی؛ لیکن دنیا نے اُس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو۔ اس لئے اُس کی فطرۃ کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔ افسوس، فطرۃ کس فیاضی سے بخشتی ہو، مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہو!

***

کچھ دنوں بعد جب ابن ساباط کی درازدستیاں حد سے بڑھ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کرلیا گیا۔ اب یہ ایک کم سن لڑکا نہ تھا۔ شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ فوراً تعمیل ہوئی، اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اس کا پنجا الگ کردیا۔

ابن ساباط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا نہ تھا، بلکہ سینکڑوں نئے ہاتھوں کو اُس کے شانے سے جوڑ دینا تھا۔ معلوم ہوتا ہو، دُنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے۔ جونہی اُس کا ہاتھ کٹا، اُنھوں نے اپنے سیکڑوں ہاتھ اُس کے حوالے کردیئے۔ اب اُسنے عراق کے تمام چور اور عیار جمع کرکے اپنا اچھا خاصہ جتھا بنالیا اور فوجی سازوسامان کے ساتھ لوٹ مار شروع کردی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اُس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں تہلکہ مچا دیا۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں نقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا؛ اور پھر یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اُسپر یا اُسکے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی۔ ہر موقعہ پر صاف بچکر نکلجاتا۔ لوگ جب اُس کے مجرمانہ کارنامے سنتے تو دہشت و حیرت سے مبہوت رہجاتے۔ "یہ ڈاکو نہیں ہو جرم کی ایک خبیث روح ہو۔ وہ انسان کو لوٹ لیتی ہو مگر انسان اُسے چھو نہیں سکتا!" یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا!

***

مگر ظاہر ہو، یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی؟ آخر وہ وقت آگیا کہ ابن ساباط تیسری مرتبہ قانون کے پنجے میں گرفتار ہوجائے۔ ایک موقعہ پر جب اُسنے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا تھا اور خود نکل بھاگنے کی تیاری کررہا تھا، حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کرلیا۔

اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا اس کی سزا قتل تھی۔ ابن ساباط نے جب دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی ہو تو اس کے مجرمانہ خصائل نے اچانک ایک دوسرا رنگ اختیار کرلیا۔ وہ طیار ہوگیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کردے۔ اُسنے عدالت سے کہا: اگر اُسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتھے کے تمام چور گرفتار کرادے گا۔ عدالت نے منظور کرلیا۔ اس طرح ابن ساباط خود تو قتل سے بچ گیا لیکن اُس کے سو سے زیادہ ساتھی اُس کی نشان دہی پر قتل کے گھاٹ اُتارے گئے! ان سو چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو قتل ہونے سے پہلے ابن ساباط کے نام پر لعنت نہ بھیجا ہو۔ دغا اور بے وفائی ایسی بُرائی ہو جسے بُرے بھی سب سے بڑی برائی سمجھتے ہیں۔ ابن ساباط نے اپنے اس طرز عمل سے ثابت کردیا کہ وہ جرائم میں بھی بڑھ کر بُرائی کا کوئی ایک درجہ رکھتا تھا!

***

بہرحال اب ابن ساباط مدائن کے قیدخانہ میں زندگی کے دن پورے کررہا ہو۔ اس کی آخری گرفتاری پر دس برس گزر چکے ہیں دس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہو کہ ایک مجرم کی یہ کارناں بھلادی جائیں، لیکن ابن ساباط جیسے مجرم کے کارنامے مدتوں تک نہیں بھلائے جاسکتے۔ دس برس گزرنے پر بھی اس دلیرانہ جرائم کا ذکر بچہ بچہ کی زبان پر ہو۔ لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن ساباط ہے کہاں اور کس حالت میں؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی اُنھیں ضرورت بھی نہیں ہو۔ البتہ وہ اُس کے دلیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس تذکرہ میں اُن کے لئے لطف اور دلچسپی ہو۔ اُنہیں ابن ساباط کی نہیں اپنی دلچسپیوں کی فکر ہو!

***

انسان کی بے مہریوں کی طرح اُس کی دلچسپیوں کا بھی کیسا عجیب حال ہو؟ وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہو، لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تماشا کیسی کیسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آسکا ہو؟ اگر ایک چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہو تو یہ اُس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہو۔ وہ اُس کی صورت دیکھنے کے لئے بیقرار ہوجاتا ہو۔ وہ گھنٹوں اسپر لئے زنی کرتا ہو اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہو جن میں اُس کی تصویر چھپی ہو یا اُس کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں چور کے لئے کیسی شقاوت ہو؟ اور جس مسکین کا مال چوری گیا ہو اُس کے لئے کیسی مصیبت ہو؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا!

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے یہ بڑا ہی دلچسپ نظارہ ہوتا ہو۔ سارا شہر اُمڈ آتا ہو۔ جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہو لوگ اس نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں اگر چند زندہ انسانوں کے جھلسے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر نمودار ہوجائیں اور اُن کی چیخیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر اس نظارہ کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہو، تماشائی جوش نظارہ میں مجنوں ہوکر ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں۔ لیکن انسانی دلچسپی کے اس ہمنی منظر میں اُس مکان اور اُسکے مکینوں کے لئے کیسی ہلاکت اور تباہی ہو؟ اور جان مال کی کیسی ہلاکت

بربادیوں کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناک دلچسپی جو دیکھی جا سکتی ہے تو اس بات کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی ہے۔ نہ وہ سوچنا چاہتے ہیں!

اگر انسان کے ابنا جنس میں سے ایک بدبخت مخلوق سولی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے، تو یہ اُن تمام نظاروں میں سے جن کے دیکھنے کا انسان شائق ہو سکتا ہے، سب سے زیادہ دلکش نظارہ ہوتا ہے۔ اتنا دلکش نظارہ کہ گھنٹوں کھڑے رہ کر تڑپتی ہوئی نعش دیکھا کرتا ہے مگر اُس کی سیری نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں، صفیں چیر چیر کر نکل جانا چاہتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اپنے ایک ہم جنس کو جانکنی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں معلق جھولتے دیکھ لینے کی لذت حاصل کر لیں! لیکن جب انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش تماشا وجود میں آیا، خود اُسیر کیا گزری؟ اور کیوں وہ اس نحوس اور شرمناک موت کا مستحق ٹھہرا؟ سیکڑوں ہزاروں تماشائیوں میں سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دلچسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا!

تیسرا حصہ

گرمیوں کا موسم ہے۔ آدھی رات گزر چکی ہے۔ مہینہ کی آخری راتیں ہیں۔ بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہے مگر چاند کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہے۔ دجلہ کے پار کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہے۔

اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی۔ سیاہ لبادے میں ایک لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جا رہا ہے۔ وہ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں پہنچا، اور ایک مکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اب اُسنے سانس لی۔ گویا یہ مدت کی بند سانس تھی جسے اب آزادی سے اُبھرنے کی مہلت ملی ہے۔ پھر اُسنے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی "یقیناً تین پہر رات گزر چکی ہے" وہ اپنے دل میں کہنے لگا "مگر کیا بدنصیبی ہے کہ جس طرف رُخ کیا ناکامی ہی ہوئی۔ کیا پوری رات اسی طرح ختم ہو جائے گی؟"

یہ خوفناک ابن ساباط ہے جو دس برس کی طول طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے اب کسی طرح نکل بھاگا ہے، اور نکلنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ از سر نو شروع کر رہا ہے۔ یہ اس کی نئی مجرمانہ زندگی کی پہلی رات ہے؛ اس لئے وقت کے بے نتیجہ ضائع جانے پر اُس کا بے صبر دل پیچ و تاب کھا رہا ہے۔

اُسنے ہر طرف کی آہٹ لی۔ زمین سے کان لگا کر دُور دُور کی صداؤں کا جائزہ لیا، اور مطمئن ہو کر آگے بڑھا۔ کچھ دُور چلکر اُسنے دیکھا ایک احاطہ کی دیوار دُور تک چلی گئی ہے اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہے۔ کرخ کے اس علاقہ میں زیادہ تر اُمراء کے باغ تھے، یا سوداگروں کے گودام تھے۔ اسنے خیال کیا یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا باغ ہے، یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہونچکر رُک گیا اور سوچنے لگا، اندر کیونکر جائے؟ اُسنے آہستگی سے دروازہ پر ہاتھ رکھا، لیکن اُسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا صرف بھڑا ہوا تھا۔ ایک سکنڈ کے اندر ابن ساباط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اُسنے دہلیز سے قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے تھے اور وسط میں ایک نسبتہً بڑی عمارت تھی۔ یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھا۔ عجیب بات ہے کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہ تھا چھوتے ہی کھل گیا۔ گویا وہ کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی کے ساتھ جو صرف شاق مجرموں ہی کے قدموں میں ہو سکتی ہے، اندر چلا گیا۔ اندر جا کر دیکھا تو ایک وسیع ایوان (ہال) تھا۔ لیکن سامان راحت و زینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ قیمتی اشیا کا نام و نشان نہ تھا۔ صرف ایک کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی تھی، اور ایک طرف چمڑے کا ایک تکیہ پڑا تھا۔ البتہ ایک گوشہ میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے۔ گویا کسی نے جلدی میں پھینک دیئے ہیں اور اُن کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں بھی پڑی تھیں۔ اُسنے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ تو اپنی اندیشری میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر۔ لیکن اُس کا ہاتھ ایک ہی تھا۔ یہ بغداد والوں کی بول چال میں "ایک ہاتھ کا شیطان" تھا جو اب پھر قید و بند کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہو گیا ہے!

دس برس کی قید کے بعد آج ابن ساباط کو پہلی مرتبہ موقعہ ملا تھا کہ اپنے دلپسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے۔ جب اسنے دیکھا، اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے، اور یہ پہلا قدم بیکار ثابت ہوگا، تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہو گئے۔ وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا۔ جو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے قیمتی اشیاء فراہم نہ کر سکے۔ ایک مفلس کا افلاس خود اُس کے لئے اس قدر دردانگیز نہیں ہوتا جس قدر اُس چور کے لئے جو رات کے پچھلے پہر مال و دولت تلاش کرتا ہوا پہنچتا ہے۔ اسمیں شک نہیں، پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی سستے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیمت رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن ساباط تنہا تھا۔ اور صرف تنہا ہی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہمت کرتا، مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہیں سکتا تھا۔ وہ تھانوں کی موجودگی پر معترض نہ تھا۔ اُن کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔ (اتنی وزنی چیز چور اکر لیجا۔ آسان نہ تھا!

"ایک ہزار لعنت کرخ اور اُس کے تمام باشندوں پر" وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا "نہیں معلوم یہ کون جاہل ہے جسنے یہ ملعون تھان جمع کر رکھے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہے۔ لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہے جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اتنا بڑا مکان بنا کر اُس میں گدھوں اور خچروں کی جھول بنانے کا سامان جمع کر دیا" اُسنے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر پیمائش کی "بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اُٹھایا جا سکتا ہے؟ ایک تھان کے اُٹھانے کے لئے گن کر دس گدھے ساتھ لانے چاہئیں"

لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ رات جا رہی تھی، اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاکی جاتی۔ اُسنے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اُسے فرش پر بچھا دیا۔ پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو اُٹھائے جا سکتے ہیں اُٹھا لے۔ مشکل یہ تھی کہ مال کم قیمت مگر بہت زیادہ وزنی تھا۔ کم لیتا ہے تو بیکار ہے۔ زیادہ لیتا ہے تو لیجا نہیں سکتا۔ عجب طرح کی کشمکش میں گرفتار تھا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا، لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی۔ صوف کا پکڑا بیحد موٹا تھا۔ اُسے مروڑ دیکر گرہ لگانا آسان نہ تھا۔ دونوں ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا۔ دو تھے۔ لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوف کی گٹھری باندھنے کے لئے موزوں نہ تھے۔ اُسنے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کئے دانتوں سے کام لیا۔ کٹی ہوئی کنی سے سہارا دیا۔ لیکن کسی طرح بھی گٹھری میں گرہ نہ لگ سکی، وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت نے اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔

اندرونی جذبات کے ہیجان اور بیرونی فعل کی بے سود محنت نے ابن ساباط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدرتی خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت، اور فائدہ کی قلت، اُس کے دماغ کے لئے تمام مخالف تاثرات جمع ہو گئے تھے۔

* * *

اچانک وہ چونک اُٹھا۔ اُس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی۔ ایک لمحہ تک خاموشی رہی۔ پھر ایسا محسوس ہوا، جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہے۔ ابن ساباط گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کر سکے، دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں ہوئی خوف اور دہشت سے اُس کا خون منجمد ہو گیا۔ جہاں کھڑا تھا، وہیں قدم گڑ گئے۔ نظر اُٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہے۔ اُس کے ایک ہاتھ میں شمعدان ہے اور اُسے اس طرح اونچا کر رکھا ہے کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہو گئے ہیں۔

* * *

اس شخص کی وضع و قطع سے اُس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ لگبے رنگ کی ایک لمبی عبا اُس کے جسم پر تھی جسے کمر کے پاس ایک موٹی رسّی لپیٹ کر جسم پر چست کر لیا تھا۔ سر پر سیاہ قلنسوہ (اونچی دیوار کی ٹوپی) تھی، اور اس قدر کشادہ تھی کہ اُس کے کنارے ابروؤں کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت نحیف تھا۔ اتنا نحیف کہ صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی اُبھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں، اور قد کی درازی نے جسیں کمر کے پاس خفیف سی خمیدگی پیدا ہو گئی تھی، یہ نحافت اور زیادہ نمایاں کرتی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی نحافت کا کوئی اثر اُس کے چہرہ پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اُس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گیرائی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شاندار اور دلاویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہے۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھے، جسمانی تنومندی کا نام و نشان نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی شاندار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا، ایک نہایت طاقتور چہرہ اُس کے سامنے ہے خصوصاً اُس کی نگاہیں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی ساکن تھیں، کہ معلوم ہوتا تھا، دنیا کی ساری راحت اور سکون انہی دو حلقوں کے اندر سما گئی ہے!

چند لمحوں تک یہ شخص شمع اونچی کئے ابن ساباط کو دیکھتا رہا پھر اس طرح آگے بڑھا، گویا اُسے جو کچھ سمجھنا تھا، سمجھ چکا ہے۔ اُس کے چہرہ پر ہلکا سا زیر لب تبسم تھا۔ ایسا دلاویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خوف دُور کر دے سکتی ہے۔ اُسنے شمعدان ایک طرف رکھ دیا، اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن ساباط سے کہا:

"میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو۔ جو کام تم کرنا چاہتے ہو، یہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پا سکتا۔ دیکھو یہ شمع روشن ہے اور میں تمہاری رفاقت کے لئے موجود ہوں۔ روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے"

وہ ایک لمحہ کے لئے رُکا۔ جیسے کچھ سوچنا چاہتا ہو پھر اُسنے کہا: "مگر میں دیکھتا ہوں تم بہت تھک گئے ہو۔ تمہاری پیشانی پسینہ سے تر ہو رہی ہے۔ یہ گرم موسم، بند کمرہ، تاریکی اور تاریکی میں ایسی

سخت محنت؛ افسوس، انسان کو اپنے رزق کے لئے کیسی کیسی تحقیر برداشت کرنی پڑتی ہیں! دیکھو، یہ چٹائی بچھی ہو۔ یہ چمڑے کا تکیہ ہے میں اسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں" اُسنے تکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا "بس ٹھیک ہو۔ اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سستا لو۔ اتنی دیر میں مَیں تمھارا ادھورا کام پُورا کئے دیتا ہوں"

اُسنے یہ کہا، اور ابن ساباط کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اُسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر جب اُس کی نظر دوبارہ اُس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی، تو اُسنے اپنی کمر سے رُومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی!

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن ساباط کا دماغ مختل ہو کر رہ گیا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اُسنے اجنبی کے اشارہ کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔

اب اُسنے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہے۔ اُسنے پہلے وہ گٹھڑی کھولی جو ابن ساباط نے باندھنی چاہی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی۔ پھر دو تھان کھولکر بچھائے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے، اُن سب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک حصہ میں زیادہ تھے۔ ایک میں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گٹھڑیاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اُسنے اس اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا، گویا اسیں اُسکے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔

پھر اچانک اُسے کچھ خیال آیا۔ اُسنے اپنی عبا اُتار ڈالی، اور اسے بھی گٹھڑی کے اندر رکھ دیا۔

اب وہ اُٹھا اور ابن ساباط کے قریب گیا:

"میرے دوست، تمھارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ بھوکے بھی ہو۔ بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو۔ اگر تم چند لمحے انتظار کر سکو تو میں دودھ لے آؤں" اُسنے کہا، جبکہ اُس کے پرشکوہ چہرہ پر بدستور مسکراہٹ کی دلاویزی موجود تھی۔ ممکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو نہ ہو جائیں!

قبل اس کے کہ ابن ساباط جواب دے، وہ تیزی کے ساتھ لوٹا، اور باہر نکل گیا۔

***

اب ابن ساباط تنہا تھا۔ لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدموں میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا۔ وہ صرف تحیر اور مبہوت تھا!

اجنبی کی ہستی اور اُس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا، ابن ساباط کو تحیر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کی دماغی شخصیت مغلوب ہو گئی تھی۔ لیکن اب وہ تنہا ہوا، تو آہستہ آہستہ اُس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر واپس آنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام دماغی خصائل پُوری طرح اُبھر آئے، اور وہ اُسی روشنی میں معاملات کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا۔

وہ جب اجنبی کا متبسم چہرہ اور دلنواز صدائیں یاد کرتا، تو شک اور خوف کی جگہ اُس کے اندر ایک ایسا ناقابل فہم جذبہ پیدا ہو جاتا جو آج تک اُسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا کہ اس تمام معاملہ کا مطلب کیا ہے؟ اور یہ شخص ہے کون؟ تو اس کی عقل حیران رہجاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ تو قطعی ہے کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہے۔ مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کیا کرتے۔ ..... مگر پھر یہ شخص ہے کون؟ .....

اچانک ایک نیا خیال اُس کے اندر پیدا ہوا۔ وہ ہنسا "استغفر اللہ میں بھی کیا احمق ہوں۔ یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی؟ معاملہ بالکل صاف ہے۔ تعجب ہے مجھے پہلے کیوں خیال نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہی ہم پیشہ آدمی ہے، اور اسی نواح میں رہتا ہے۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا۔ چونکہ یہ اسی نواح کا آدمی ہے، اس لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا۔ اُسے معلوم ہوگا کہ آج مکان لُٹنے والوں سے خالی ہے اور بہ اطمینان کام کرنے کا موقعہ ہے۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر آیا۔ لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ دے کر ایک حصہ کا حقدار بنجائے ....."

***

وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا، اور اجنبی ایک لکڑی کا بڑا پیالہ ہاتھ میں لئے نمودار ہو گیا

"یہ لو، میں تمھارے لئے دودھ لے آیا ہوں۔ اسے پی لو۔ یہ بھوک اور پیاس، دونوں کے لئے مفید ہوگا" اُسنے کہا، اور پیالہ ابن ساباط کو پکڑا دیا۔ ابن ساباط واقعی بھوکا پیاسا تھا۔ بلا تامل منہ کو لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔

اب اُسے معاملہ کی فکر ہوئی۔ اتنے دیر کے وقفہ نے اُس کی طبیعت بحال کر دی تھی

"دیکھو، اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور ہاتھ لگا چکا تھا، اور اس لئے ہم لوگوں کے قاعدہ کے بموجب تمھارا کوئی حق نہیں، لیکن تمھاری ہشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تامل نہیں کہ تمھیں بھی اس مال میں شریک کئے لوں۔ اگر تم پسند کرو گے تو میں ہمیشہ کے لئے تم سے معاملہ کر لوں گا۔ لیکن دیکھو میں یہ کہے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اُس میں تم برابر کا حصہ نہیں پا سکتے، کیونکہ دراصل آج کا کام میرا ہی کام تھا" اُسنے صاف آواز میں کہا۔ اُس کی آواز میں اب تأثر نہیں تھا۔ تحکم تھا۔

اجنبی مسکرایا۔ اُسنے ابن ساباط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہر سے خالی نہ تھی، لیکن اس کے علاوہ بھی اُس میں کوئی چیز تھی۔ لیکن ابن ساباط سمجھ نہ سکا۔ اُسنے خیال کیا۔ شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر قانع نہیں ہے۔ اچانک اُس کی آنکھوں میں اُس کی خوفناک مجرمانہ زندگی چمک اُٹھی۔ وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا:

"بے وقوف، چپ کیوں ہے؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک پیالہ پلا کر اور چکنی چپڑی باتیں کر کے تم مجھے احمق بنا لو گے۔ تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا۔ میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں۔ بولو۔ اس پر راضی ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہو تو ....."

لیکن ابھی اُس کی بات پُوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے۔ اب بھی اُس کے لبوں سے اُس کی مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی:

"میرے عزیز دوست! کیوں بلا وجہ اپنی طبیعت آزردہ کرتے ہو؟ آؤ یہ کام جلد نپٹا لیں جو ہمارے سامنے ہے۔ دیکھو میں نے دو گٹھڑیاں باندھ لی ہیں۔ ایک چھوٹی ہے۔ ایک بڑی ہے۔ تمھارا ایک ہاتھ ہے اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔ لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا۔ چھوٹی گٹھڑی تم اُٹھا لو۔ بڑی میں اُٹھا لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال سے تمھیں اتنی آزردگی ہوئی ہے، تو میں بھی نہیں چاہتا۔ اسوقت اُس کا فیصلہ کراؤں۔ تم نے کہا ہے کہ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو۔ مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہے۔ میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر لو"

"ہاں، اگر یہ بات ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے۔ تمھیں ابھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ پُورے ملک میں تمھیں مجھ سے بہتر کوئی ساتھی نہیں مل سکتا" اُسنے بڑی گٹھڑی کے اُٹھانے میں اجنبی کو مدد دیتے ہوئے کہا۔

یہ گٹھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن ساباط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے رفیق کی زیادہ جرأت افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر بھی اُس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا

"دوست، تم دیکھنے میں تو بڑے دُبلے پتلے ہو لیکن بوجھ اُٹھانے میں بڑے مضبوط نکلے" ساتھ ہی اُسنے اپنے دل میں کہا "یہ جتنا مضبوط ہے، اتنا عقلمند نہیں ہے ورنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جاتا۔ اگر آج یہ احمق نہ ملجاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر صرف ایک دو تھانوں پر قناعت کر لینی پڑتی"

اب ابن ساباط نے اپنی گٹھری اُٹھائی جو بہت ہی ہلکی تھی اور دونوں باہر نکلے۔ اجنبی کی پیٹھ جس پہلے سے خم موجود تھا، اب گٹھری کے بوجھ سے بالکل ہی جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اُٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا۔ لیکن ابن ساباط کو قدرتی طور پر برابری تھی۔ وہ بار بار حاکمانہ انداز سے اصرار کرتا کہ تیز چلو۔ اور چونکہ خود اُس کا بوجھ بہت ہلکا تھا، اس لئے خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی تعمیل حکم کی پُوری کوشش کرتا، لیکن اتنا بھاری بوجھ اُٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لئے پُوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ کئی مرتبہ ٹھوکریں لگیں، بارہا بوجھ گرتے گرتے رہ گیا، ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی کہ قریب تھا گر جائے۔ پھر بھی اُسنے رُکنے یا سستانے کا نام نہیں لیا۔ گرتا پڑتا اپنے ساتھی کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

لیکن ابن ساباط اسپر بھی خوش نہ تھا۔ اُسنے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا۔ پھر بے تامل گالیوں پر اُتر آیا۔ ہر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو۔ اتنے میں جسر (پل) آیا۔ یہاں چڑھائی تھی۔ جسم کمزور اور تھکا ہوا، بوجھ بھی بھاری؛ اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا۔ ابھی وہ اُٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی۔ یہ ابن ساباط کی لات تھی۔ اُسنے غضبناک ہو کر کہا: "کتے کے بیٹے! اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاد کر لایا کیوں؟" اجنبی ہانپتا ہوا اُٹھا۔ اُس کے چہرہ پر درد و شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُسنے فوراً گٹھری اُٹھا کر پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہو گیا۔

***

اب یہ دونوں شہر کے کنارے، ایک ایسے حصہ میں پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھا۔ یہاں ایک ناتمام عمارت کا پُرانا اور شکستہ احاطہ تھا۔ ابن ساباط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچکر رُک گیا

اور اجنبی سے کہا یہیں بوجھ اُتار دو۔ پھر خود کو دکرا اندر گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گٹھریاں اندر پھینک دیں۔ اس کے بعد اجنبی بھی کود کر اندر ہو گیا، اور دونوں عمارت کے اندرونی حصہ میں پہنچ گئے۔ اس عمارت کے نیچے ایک پرانا سرداب (تہ خانہ) تھا جس میں ابن ساباط نے قید خانے سے نکلکر پناہ لی تھی۔ لیکن اسوقت وہ سرداب میں نہیں اُترا۔ وہ نہیں چاہتا تھا۔ اجنبی پر ابھی اس درجہ اعتماد کرے کہ اپنا اصلی محفوظ مقام دکھلا دے۔

* * *

جس جگہ یہ دونوں کھڑے تھے دراصل ایک نامتمام ایوان تھا یا تو اسپر پوری چھت پڑی ہی نہ تھی، یا پڑی تھی تو امتہ اور وقت سے شکستہ ہو کر گر پڑی تھی۔ ایک طرف بہت سے پتھروں کا ڈھیر تھا ابن ساباط انہی پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ دونوں گٹھریاں سامنے دھری تھیں۔ ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا ہانپ رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

یکایک اجنبی بڑھا اور ابن ساباط کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اب رات ختم ہونے پر تھی۔ پچھلی پہر کا چاند ڈوب چکا تھا۔ کھلی چھت سے اُس کی دھیمی اور ظلمت آلود روشنی میں ایوان کے اندر پہنچ رہی تھیں۔ ابن ساباط دیوار کے سائے میں تھا۔ لیکن اجنبی جو اُس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا، ٹھیک چاند کے مقابل تھا اس لئے اُس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابن ساباط نے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی تبسم، ایک پُراسرار اندازِ نگاہ کی دلاویزی سامنے ہے!

"میرے عزیز دوست اور رفیق!" اجنبی نے اپنی اسی دلنواز و دلربا آواز میں جو دو گھنٹہ پہلے ابن ساباط کو نیچا دکھا چکی تھی کہنا شروع کیا "میں نے اپنی خدمت پوری کر لی ہے۔ اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ اس کام کے کرنے میں مجھ سے جو گمراہی اور سستی ظاہر ہوئی اور اُس کی وجہ سے بارہا تمھیں پریشان خاطر ہونا پڑا، اُس کے لئے میں بہت شرمندہ ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں مجھے اُمید ہے تم معاف کر دو گے۔ اس دنیا میں ہماری کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر ملتی جلتی نہیں ہیں جس قدر یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور بخشدیں۔ لیکن قبل اس کے کہ میں تم سے الگ ہوں، تمھیں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں، جو تم نے خیال کیا ہے۔ میں اسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی تھی، اور تم نے میری رفاقت قبول کر لی تھی میری عادت ہے کہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے اُس کمرے میں جایا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے۔ آج آیا تو دیکھا، تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اُٹھا رہے ہو۔ تم میرے گھر میں میرے عزیز مہمان تھے۔ افسوس میں آج اس سے زیادہ تمھاری تواضع اور خدمت نہ کر سکا۔ تم نے میرا مکان دیکھ لیا ہے۔ آئندہ جب کبھی تمھیں ضرورت ہو، تم بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس چلے آسکتے ہو۔ خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے"

یہ کہا اور آہستگی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مصافحہ کیا، اور تیزی کے ساتھ نکلکر روانہ ہو گیا۔

اجنبی خود تو روانہ ہو گیا لیکن ابن ساباط کو ایک دوسری عالم میں پہنچا دیا۔ اب وہ مبہوت اور مدہوش تھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ وہ اُسی طرف تک رہی تھیں جس طرف سے اجنبی روانہ ہوا تھا، لیکن معلوم نہیں اُسے کچھ سوجھائی بھی دیتا تھا یا نہیں؟

* * *

دوپہر ڈھل چکی ہے۔ بغداد کی مسجدوں سے جوق جوق نمازی نکل رہے ہیں۔ دوپہر کی گرمی نے امیروں کو تہ خانوں میں اور غریبوں کو دیواروں کے سائے میں بٹھا دیا تھا۔ اب دونوں نکل رہے ہیں۔ ایک تفریح کے لئے، دوسرا مزدوری کے لئے۔ لیکن ابن ساباط اب تک وہیں بیٹھا ہے جہاں صبح بیٹھا تھا۔ رات والی دونوں گٹھریاں سامنے پڑی ہیں، اور اُس کی نظریں اس طرح اُن میں گڑی ہوئی ہیں گویا اُن کی شکنوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈھ رہا ہے!

بارہ گھنٹے گزر گئے، لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی اُسے محسوس نہیں ہوئی۔ وہ بھوک جس کی خاطر اُسنے اپنا ایک ہاتھ کٹوایا تھا، اب اُسے نہیں ستاتی۔ وہ خوف جس کی وجہ سے سورج کی روشنی اُس کے لئے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی، اب اُسے محسوس نہیں ہوتا! اُس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں سمٹ آئی ہے۔ اور رات والے عجیب غریب "اجنبی" کی صورت ہے۔ وہ خود تو اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا، مگر اُسے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھا دی، جو اب تک اُس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا!

اُس کی ساری زندگی گناہ اور معصیہ کاری میں بسر ہوئی تھی اُسنے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا سُنا تھا، وہ یہی تھا کہ خود غرضی کا پتلہ اور نفس پرستی کی مخلوق ہے۔ وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے، بے رحمی سے ٹھکرا دیتا ہے، سخت سے سخت سزائیں دیتا ہے؛ لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے، اور اسمیں فیاضی، بخشش اور قربانی کی بھی روح ہو سکتی ہے۔ بچپن میں اُسنے بھی خدا کا نام سُنا تھا اور لوگوں کو خدا پرستی کرتے دیکھا تھا۔ لیکن جب زندگی کی کشمکش کا میدان سامنے کھلا تو اُس کا عالم ہی دوسرا تھا۔ اُسنے قدم اُٹھا دیا اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی، بڑھ گیا۔ نہ تو خود اُسے کبھی مہلت ملی کہ خدا پرستی کی طرف توجہ ہوتا، اور نہ انسانوں نے کبھی اُس کی ضرورت محسوس کی کہ اُسے خدا سے آشنا کرتے۔ جوں جوں اُس کی شقاوت بڑھتی گئی، سوسائٹی اپنی سزا و عقوبت کی قدر بھی بڑھاتی گئی۔ سوسائٹی کے پاس اُسکی شقاوت کے لئے بے رحمی تھی، اس لئے یہ بھی دنیا کی ساری چیزوں میں سے صرف بے رحمی ہی کا خوگر ہو گیا۔

لیکن اب اچانک اُس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا۔ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہے۔ یہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں۔ اب یکایک اس سورج کی پہلی کرن ابن ساباط کے دل کے تاریک گوشوں پر پڑی، اور وہ بہ یک دفعہ تاریکی سے نکلکر روشنی میں آگیا۔

اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظر میں اُس کے دل تک پہنچ چکی تھی، لیکن وہ جہالت و گمراہی جو اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ درحقیقت کے فہم کے لئے طیار نہیں ہوا۔ لیکن جونہی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اُسنے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا، حقیقت اپنے پوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو گئی، اور اب اس کی طاقت سے باہر تھا کہ اس تیر کے زخم سے سینہ بچا لے جاتا!

اُسنے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا۔ اجنبی بھی میری طرح کا ایک چور ہے، اور اپنا حصہ لینے کے لئے میری رفاقت و اعانت کر رہا ہے۔ اُس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر غرض اور انتفاع کے ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کر سکتا ہے۔ لیکن جب اجنبی نے چلتے وقت بتلایا کہ وہ چور نہیں، بلکہ اُسی مکان کا مالک ہے جس مکان کا مال و متاع غارت کرنے کے لئے وہ گیا تھا، تو اُسے ایسا محسوس ہوا، جیسے یکایک ایک بجلی آسمان سے گر پڑی:

"یہ چور نہیں تھا۔ مکان کا مالک تھا لیکن اُس نے چور کو پکڑنے اور سزا دلانے کی جگہ اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" اس "کیا سلوک کیا؟" کا جواب اُس کی روح کے لئے ناسور اور اُس کے دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارا تھا۔ وہ جس قدر سوچتا، روح کا زخم گہرا ہوتا جاتا، اور دل کی تپش بڑھتی جاتی۔ اس تمام عرصہ میں اجنبی کے ساتھ جو کچھ گزرا تھا، اُس کا ایک ایک واقعہ، ایک ایک حرف یاد کرتا، اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چبھن محسوس کرتا۔ جب ایک مرتبہ حافظہ میں یہ سرگزشت ختم ہو جاتی، تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کر دیتا، اور آخر تک پہونچا کر پھر ابتدا کی طرف لوٹتا۔ "میں اُس کے یہاں چوری کرنے کے لئے گیا تھا۔ میں چور تھا۔ میں اس کا مال و متاع غارت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُسے بھی چور سمجھا۔ اُسے گالیاں دیں۔ بے رحمی سے ٹھوکر لگائی..... مگر اُسنے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟" ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور پھر یہی سوال دُہرانے لگتا۔

* * *

سورج ڈوب رہا تھا۔ بغداد کی مسجدوں کے میناروں پر مغرب کی اذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ابن ساباط بھی اپنے غیر آباد گوشہ میں اُٹھا۔ چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجک کے باہر نکل گیا۔ اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا۔ کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبہ نے لے لی تھی!

وہ کرخ کے اُسی حصہ میں پہونچا جہاں رات گیا تھا۔ رات والے مکان کے پہچاننے میں اُسے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ مکان کے پاس ہی ایک لکڑہارے کا جھونپڑا تھا یہ اُس کے پاس گیا اور پوچھا:

"یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہے، اسمیں کون تاجر رہتا ہے؟"

"تاجر" بوڑھے لکڑہارے نے تعجب کے ساتھ کہا "معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو۔ یہاں تاجر کہاں سے آیا؟ یہاں تو شیخ جنید بغدادی رہتے ہیں"

ابن ساباط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا لیکن صورت آشنا نہ تھا۔

ابن ساباط مکان کی طرف چلا۔ رات کی طرح اسوقت بھی دروازہ کھلا تھا۔ یہ بے تامل اندر چلا گیا۔ سامنے وہی رات والا ایوان تھا۔ یہ آہستہ آہستہ بڑھا اور دروازہ کے اندر نگاہ ڈالی۔ وہی رات والی چٹائی بچھی تھی۔ رات والا تکیہ ایک جانب دھرا تھا۔ تکیہ سے سہارا لگائے "عجیب اجنبی" بیٹھا تھا۔ تیس ۴۰ آدمی سامنے تھے۔ واقعی "اجنبی" تاجر نہیں تھا۔ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تھے!

اتنے میں عشا کی اذاں ہوئی لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جب سب لوگ جا چکے تو شیخ بھی اُٹھے جونہی انھوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا، ایک شخص بے تابانہ بڑھا اور قدموں پر گر گیا۔ یہ ابن ساباط تھا۔ اُس کے دل میں سمندر کا تلاطم بندھا تھا۔ آنکھوں میں جو کبھی تر نہیں ہوئی تھیں جلہ کی موتیں بھر گئی تھیں۔ دیر تک رُکی رہیں مگر ٹپک نہیں سکتی تھیں۔ آنسوؤں کا سیلاب آجائے تو پھر دل کی کونسی کثافت ہو جو باقی رہ سکتی ہے؟

شیخ نے شفقت سے اُس کا سر اُٹھایا۔ یہ کھڑا ہو گیا مگر زبان نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ جب نگاہوں کی زبان کھل جاتی ہو تو منہ کی زبان کی ضرورت باقی نہیں رہتی!

* * *

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گذر چکا ہے۔ شیخ احمد ابن ساباط کا شمار سید الطائفہ کے حلقۂ ارادت کے اُن فقراء میں ہے جو سب میں پیش

ابن ساباط کے کارنامے ہیں۔ ابن ساباط نے دراصل دو راہ اختیار کی تھی۔ ایک راہ تو وہ تھی جو اس کے ہم پیشہ اور ہم مشرب دوسرے چور اختیار کرتے ہیں۔ دوسری راہ وہ تھی جو اس نے اختیار کی۔ اس کے بعد کے کارنامے بتلا رہے ہیں کہ اس نے کس راہ میں کمال حاصل کیا۔ (الہلال)

السحر الحلال
فی
مجلدات الہلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال ہی وہ رسالہ ہے جو اپنی تمام ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی۔ اُس نے ملک کے سیاسی، علمی، ادبی، اور دینی افکار و عقائد پر جو انقلاب انگیز اثرات ڈالے، قریب ہے کہ مستقبل ہند کا مورخ ان پر بحث کریگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مبادیات ڈھونڈھیگا جن سے ہندوستان کی سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کی اجتماعی ذہنیت ضرور پذیر ہوئی۔

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا، لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا، اس لئے اُس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا۔ اُس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب، مناصب، سیاست، ادبیات، علوم و فنون، اور معلومات عامہ کے ہونے کی اور اُسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا۔ پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں۔ اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا، جس میں ہاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا، اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں۔ اس کی جلدیں جدید اردو علم ادب کے علمی، مذہبی، سیاسی، اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں۔ ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیہ میں خرید لیا۔ اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علحدہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسباب نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا۔ ہم نے کوشش کی کہ شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرلی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے۔

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں۔ ہم اس اعلان کے ذریعہ شایقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں، چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی۔ ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے۔

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ — الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ
" " " چہارم ۱۰ روپیہ — " " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے قیمت فی پرچہ ۸ آنہ۔ محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے۔

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز آف لنڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات روز کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لنڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں ' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C 4.

سے طلب کر سکتے ہیں

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' ہندوستان سے خام پیداوار خریدیں ' نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تجارتی سی صحافت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک نفع کار و بار شروع کرنا چاہیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں - اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہو سکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں باقاعدہ طریق پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاہئے کہ ہم سے خط و کتابت کریں ہم یہ کام بالخصوص ایک مدت سے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات تمام کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو موار اینڈ کو - برلن

پوسٹ باکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post Box 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں ' اس کارخانے میں تیار کی جاتی ہیں تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

[illegible] سنہ ۴۷ء

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۷ | کلکتہ : جمعہ ۲۹ ۔ محرم ۱۳٤٦ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 29, July 1927.

کیا حروف کی طباعت اوردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری ھی کہ ھم اسکا اب فیصلہ کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔

طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

ھندی اور ھندوستان کی تمام زبانون نی ، نیز عربی ، فارسی ، ترکی ، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی ھی اور انکی طباعۃ یورپ کی طباعۃ کا مقابلہ کر رھی ھی ۔ کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی ھی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کرلین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

ھماری رای مین بہترین حروف یہی ھین ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیے یہ نا موزون نہین تو اردو کیلیے کیون نا موزون ھون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیے سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الھلال

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ھین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ھے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پراني قلمي اور مطبوعه کتابیں، پراني تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزیئن کا هر قسم کا سامان، اور هر طرح کے پرانے صنعتي عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب هیں، تو هم سے خط و کتابت کیجیے - هم از هم هماري نمایش گاهوں اور ذخائر کي فهرستیں هي منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت، دونوں کیلیے همارا ذخیره قیمتي ھے -

نوادر عالم کا یه ذخیره

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولي مصارف و مساعي کے بعد حاصل کیا گیا ھے -

دنیا کے تمام قدیم تمدني مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، هندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیره ممالک میں همارے ایجنٹ همیشه گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز عهد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ، امریکه، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهره کے نئے ایوان شاهي کے نوادر ابهي حال میں هم هي نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بهي پهلے هم هي سے خط و کتابت کیجیے - بهت ممکن ھے که همارا سفري یا مقامي ایجنٹ آپسے مل سکے -


اثار عتيقه

علم الاثار مصر

(قديم مصرى عقائد ـ معاد اور حشر و نشر)

مقتبس از تحقيقات ڈاکٹر احمد کمال بک مرحوم

(۲)

(ممي کرنا)

لاش کے ممي کرنے کا طريقه يه تها که پہلے ناک کے راستے سے دماغ نکال ليتے تهے - پهر معده اور آنتيں نکال کر پيٹ صاف کرتے تهے - قسم قسم کے خوشبوئيں اندر بهرتے تهے - پهر جسم کو نمک ديکر ستر دن تک کول تار ميں رکهتے تهے - اس کے بعد دهوے تهے اور کپڑے کي پٹيوں ميں ملفوف کر ديتے تهے - جسم کي حفاظت کيليے ٹونے اور ٹوٹکے بهي کرتے ' اور قسم قسم کے تعويذ لٹکاتے - يه دستور عام تها که چهرے اور انگليوں پر سونے کا ملمع کر ديتے تهے - خيال تها که جس طرح سونا بگڑتا نهيں ' اسي طرح اس عمل سے جسم بهي نهيں بگڑے گا - قبر کے اندر مردے کے کئي بت بهي رکهديتے تهے - تاکه اگر جسم ميں کچهه بگاڑ پيدا هو تو ان بتوں کي وجه سے روح برابر آتي جاتي رهے - ممي کرنے کا جو طريقه مصريوں نے ايجاد کيا تها ' وه علم کي اتني ترقي پر بهي جو بيسويں صدي تک هو چکي هے ' موجوده دنيا ايجاد نه کر سکي - حتي که اس کا مصالحه بهي همیں معلوم نهيں -

(سحر)

ليکن روح کي واپسي کے ليے صرف اسي قدر کافي نهيں تها - سحر کي بهي ضرورت سمجهي جاتي تهي - اس موقعه پر جو سحر کيا جاتا تها ' وه " اوزيس " کے افسانه سے اخذ کيا گيا تها - افسانه يه هے که " اوزي ريس " کو اس کے بهائي " ست " نے قتل کر کے اس کي بوٹياں کاٹيں اور هر بوٹي دوسري بوٹي سے بهت دور پهينک دي - اُن کا خيال تها که اوزي ريس پهلا آدمي تها جسے موت آئي - اس سے پہلے آدمي مرتے نهيں تهے - اس کے قتل کے بعد اس کي بيوي " ايزيس " بهن " نفتيس " ' بيٹے " هوريس " ' دوست " انوبس " اور " توت " نے سحر کے زور سے اس کي منتشر بوٹياں جمع کرليں - انهيں باهم جوڑا ' اور جب پورا جسم جمع هوگيا تو اسے برهنه ' ريگ پر کهڑا کرديا - پهر " هوريس " اور " توت " نے جادو کا اوزار اس کے منهه ' آنکهه ' کان ' بازو ' اور پيروں پر رکها - اوزار رکهنا تها که فوراً پورا جسم اسطرح جڑ گيا ' گويا کبهي کٹا هي نه تها - ليکن روح اب بهي واپس نه آئي - وه تو قاتل " ست " کے قبضه ميں تهي - يه ديکهکر " هوريس " ' " توت " اور اُن کے ساتهيوں نے روح کي جستجو شروع کي - آخر معلوم هوا که روح تين جانوروں : بيل ' هرن ' اور بط ميں سما گئي هے - انهوں نے کوشش جاري رکهي ' اور ان جانوروں کے جسم سے روح نکالنے ميں کامياب هو گئے اس وقت " هوريس " خوشي خوشي روح لايا ' اور اپنے باپ " اوزي ريس " کے منهه پر بوسه ديکر اس کے جسم ميں اتار دي " اوزي ريس " زنده هو گيا - شايد اسي وقت سے بوسه ' محبت کي علامت قرار پا گيا هے !

اس واقعه کے بعد سے " اوزي ريس " دائمي زندگي کا ديوتا تسليم کرليا گيا - کيونکه موت اسے مغلوب نه کرسکي - اس ديوتا سے دوسرے ديوتاؤں ' فرعونوں ' اور تمام مصريوں کو زندگي حاصل هوئي - سقاره ميں چهٹے خاندان کے ايک هرم پر " کتاب ابديت " کا يه باب کنده هے اور پڑهه ليا گيا هے -

(آخرت کي زندگي)

مصريوں کا ابتدا ميں عقيده يه تها که آخرت ميں بهي انسان بالکل ويسي هي زندگي بسر کرتا هے ' جيسي دنيا ميں اسکي زندگي هوتي هے - فرق صرف اسقدر هے که يهاں کے مصائب و آلام وهاں نهيں هيں - يهي سبب هے که وه مردے کي قبر ميں وه تمام چيزيں رکهديا کرتے تهے جو دنياوي زندگي ميں اسے مرغوب تهيں - چنانچه قسم قسم کے کهانے ' کپڑے ' زيور ' ساتهه دفن کر ديتے تهے اور سمجهتے تهے ' وه مرنے کے بعد بهي انسے متمتع هوگا - يهي نهيں بلکه قبر کي ديواروں پر ان چيزوں کي تصويريں بهي بنا ديتے تهے - نيز اسکي دلچسپي کي چيزوں مثلاً شکار ' دريا ' ميدان جنگ وغيره کے مناظر بهي کنده کر ديتے - انهيں يقين تها که سحر کے ذريعه يه تمام تصويريں اور نقوش اصلي هوجائينگے ' اور اُن سے مردے کو وهي لطف حاصل هوگا جو زندگي ميں حاصل هوتا تها !

ليکن بتدريج ان خيالات ميں وسعت هوئي - انهوں نے محسوس کيا که دنياوي زندگي آخري زندگي کا کوئي اعلي نمونه نهيں هے - چنانچه اسي کا نتيجه هے که " جنت " کا خيال پيدا هوا -

(جنت)

ليکن جنت کے تخيل نے بهي بتدريج ترقي کي - شروع ميں انکي جنت ' سر زمين مصر هي جيسا ايک خيالي خطه تها جسميں نهريں جاري تهيں ' سبزه لهلهاتا تها ' زندگي کي جمله دلفريبياں جمع تهيں - ليکن اس جنت ميں باوجود هر قسم کے آرام و راحت کے ' آدمي کو محنت کرنے پر بهي مجبور هونا پڑتا تها - اسے اپنا باغ خود درست کرنا پڑتا اور کهانے کے ليے خود هي کهيتي کرني پڑتي تهي - بعد ميں محنت کا خيال جاتا رها ' اور بلا کسي تکليف کے کهانا پاني حاصل هونے لگا - اس کے بعد جنت سر زمين مصر سے اٹهکر ملاء اعلي ميں پهنچ گئي جهاں کي رونق اور دلفريبي حد تصور سے باهر هے !

يه معاد کے مصري عقيدے کي انتهائي ترقي تهي -

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

والتیر

FRANCOIS DE VOLTAIRE.

اردو علم ادب کي بے مایگي هر گوشۂ عام و فن میں نمایاں هے - لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک کمي یہ هے کہ اس وقت تک علوم و ادبیات کي وہ اُمہات و اصول بھي اردو میں منتقل نہ هوسکیں جن کے بغیر موجودہ عہد کي کوئي زبان ' ترقي پذیر زبان تسلیم نہیں کي جا سکتي - " اُمہات و اصول " کا لفظ جب کبھي علوم و کتب کے لیے بولا جاتا هے تو اُس سے مقصود یہ هوتا هے کہ هر علم و فن کي وہ بنیادي چیزیں ' جو بمنزلۂ اصل و اساس هیں ' اور جنھوں نے اپنے اپنے دائرۂ بحث و نظر میں مبادیات و قواعد کا درجہ حاصل کر لیا هے - مثلاً منطق میں ارسطو کا مقالہ ' ریاضي میں اقلیدس کے مقالات ' قانون میں سولن کے مباحث ' طب میں جالینوس کے رسائل خمسہ ' نظام حکومت میں افلاطون کي جمہوریۃ ' تاریخ میں میں هیرو دوتس کي کتاب ' فن بلاغۃ میں جاحظ کے مقدمات ' قصص میں الف لیلہ ' منطق استقرائي میں بیکن کا مقالہ ' وغیرہ ذلک - علوم و ادب کا کتنا هي وسیع و رفیع ذخیرہ فراهم هوجائے ' مگر وہ سب برگ و بار هیں - سب سے پہلے اُن کي جڑیں زبان میں اُستوار هوني چاهیئں - لطف یہ هے کہ یہ کام کچھہ ایسا دشوار بھي نہیں - اهل علم کي اگر ایک مختصر جماعت مستعد هوجائے ' تو دو تین سال کے اندر اُمہات علوم و ادب کا بڑا حصہ اردو میں منتقل هو جا سکتا هے - لیکن مشکل یہ هے کہ نہ تو اس وقت تک هم میں ایسے اهل عام پیدا هوئے هیں جنھیں خدمت علم کا اس درجہ شوق هو ' نہ ملک میں علمي طلب هے جو اهل عام کو اِس طرف متوجہ کرے - بنیاد ان تمام کار و بار عام کي قومي تعلیم هے ' اور وهي اس وقت تک مفقود هے -

اِس سلسلہ کا ایک اهم گوشہ یورپ کي جدید تاریخ اجتماع و تمدن کي اُمہات و اصول اور اُنکے رجال علم و نظر هیں - موجودہ دور کي تاریخ ' انقلاب فرانس سے شروع کي جاتي هے - انقلاب فرانس کي تخم ریزي جس عہد میں هوئي ' وہ اٹھارهویں صدي کا ابتدائي حصہ هے - اِس عہد میں چند شخصیتیں ایسي پیدا هوئي تھیں ' جنکي دماغي سیرت میں وقت کي تمام انقلابي قوتیں سمٹ آئي تھیں - وہ سرتا پا پیکر انقلاب تھیں - اُنھي کے دماغ و قلم سے انقلاب فرانس کي تخم ریزي کي ' اور اُنھي کے مبادیات و اصول هیں جن سے یورپ نے نئے دور کي تاریخ کا آغاز هوا - مورخین نے انہیں " انقلاب کے ارکان ثلاثہ " سے تعبیر کیا هے - اگرچہ تعداد میں تین سے زیادہ هیں ' لیکن قلم و کتابت کي تقسیم میں اُنکے حاقے تین هي هیں :

(۱) والتیر Valtaire -

(۲) روسو Rausseou -

(۳) اور انسائیکلو پیڈیا کے اهل قلم The Eucyclopedie -

آخري جماعت اس لقب سے اسلیے موسوم هوئي کہ اس نے سب سے پہلے فرانسیسي زبان میں انسائیکلو پیڈیا مرتب کي ' اور علم اور حریت فکر کے مباحث کي اشاعت اُس کے اوراق و مجلدات کے ذریعہ هوئي - اس میں سب سے زیادہ نامور اهل قلم دو تھے : دیدرو diderot اور دلامبرٹ D' Alembert -

ایک مدت سے مجھے خیال تھا کہ ان ارکان ثلاثہ کي وہ تحریریں جن کا شمار اُمہات و مبادیات میں سے کیا جاتا هے ' اردو میں منتقل کردي جائیں ' تاکہ علاوہ اردو علم ادب کي تکمیل کے ' غیر انگریزي داں طبقہ کے مطالعہ کیلیے تاریخ جدید کے ذهني مبادیات مہیا هوجائیں ' اور وہ اسکے محاسن و نقائص ' دونوں سے با خبر هوسکیں - کئي سال هوے ' میں نے روسو کا "لا کنٹرکت سوشیل" Le Contrat Social اور ایمیل Emilius ترجمہ کیلیے بعض دوستوں کو دیا تھا - کچھہ حصہ کا ترجمہ هوا بھي ' لیکن افسوس هے کہ انکي بے ذوقي تکمیل سے مانع هوي اور اُسکے بعد مجھے بھي توجہ کرنے کي مہلت نہ ملي - میرے کرنے کے کام دوسرے هیں جن کي تکمیل و اشاعت سے ابتک عہدہ برا نہ هوسکا - ان کاموں کے لیے وقت کہاں سے لاؤں ؟

لیکن اب الهلال شائع هوا هے تو اسکے صفحات کے تنوع میں هر طرح کے بحث و نظر کي گنجائش هے - خیال هوا ' کم از کم ایک سلسلہ مضامین اس موضوع پر ایسا مرتب کردیا جاے ' جس سے ایک حد تک کتابوں کے فقدان کي تلافی هوسکے - چنانچہ آج " والتیر " سے یہ سلسلہ شروع کیا جاتا هے - اس کے تین حصے هیں - پہلا حصہ جو آج شائع کیا جاتا هے اُسکي دماغي سیرۃ پر اجمالي نظر هے اور اُسکے مختصر حالات زندگي پر مشتمل هے - دوسرے میں اُسکے اصول و تعلیمات کا خلاصہ هے - تیسرے میں اسپر نقد و تبصرہ هے - اور وهي اس سلسلہ کي سب سے زیادہ اهم چیز هوگي -

(والتیر)

ایک دن والتیر ' مشہور رقاصہ رومانیل کے ساتھہ اُسکي گاڑي میں بیٹھا تھا - رقاصہ تھیٹر جا رهي تھي جہاں اُسے والتیر کے شہرۂ آفاق ڈراما " میروب " کي مشق کرنا تھي - وہ بہت پریشان تھي - کہنے لگي " کامیابي کے ساتھہ یہ ڈراما اور اُسکے دقیق جذبات دکھانے کیلیے ضروري هے کہ میرے جسم میں شیطان حلول کر جائے " .

" سچ هے بیگم ! هر فن میں کامیابي اسي پر موقوف هے کہ شیطان جسم میں حلول کر جائے " والتیر کا جواب تھا !

والتیر کے تمام دشمنوں نے خصوصاً کلیسای حریفوں نے بیک زبان کہا هے کہ شیطان اسکے اندر حلول کیے تھا - چنانچہ سینٹ بوف کا قول هے " ابلیس اُسکے جسم میں تھا " رومیسٹر کہتا هے " یہہ شخص ' جہنم کي تمام قوتوں اور هولناکیوں کا مالک تھا " !

دراصل والتیر اپنے وقت کا پورا آدمي تھا - یورپ کي اٹھارویں صدي کي ادبیات کي سچي تصویر اِس فلسفي شاعر میں هم دیکھہ سکتے هیں - اُسکي تصانیف میں اُس عصر کي جملہ بھلائیاں اور برائیاں ' دونوں جمع هوگئي هیں - کبھي وہ نہایت مذموم ' کج خلق ' بد اطوار ' فحاش ' بے اصول ' مفرط ' اور کمینہ نظر آتا هے - کبھي از حد لطیف '

والٹیر

جسنے کلیسائي اور شاهي استبداد کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تھا !

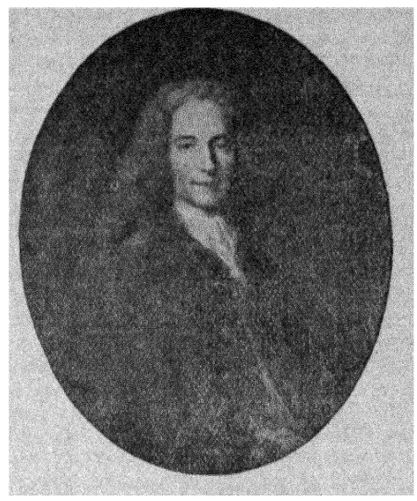

مہذب ' سنجیدہ ' با اصول ' فیاض ' اور دوستوں کا وفادار دکھائي دیتا ہے - کبھي اپنے دوستوں پر جان و مال قربان کرنے پر تلا ہے - کبھي دشمنوں کو پاؤں سے روند ڈالنے پر اڑا ہے - والٹیر ایسي ھي متناقص صفات و اخلاق کا مجموعہ ہے !

لیکن یہ صفتیں اُسکي شخصیت کي اصلي بنیادیں نہیں ھیں - اُسکي شخصیت کے ستون جس چٹان پر قائم تھے ' وہ اُسکي اعلی دماغي قابلیت اور حیرت انگیز ذھانت تھي - ثبوت کے لیے کسي تاریخي شہادت کي ضرورت نہیں - اُسکي کتابیں خود سب سے بڑي شہادت ھیں - ہمارے ضخیم جلدیں اُسکي یادگار ھیں - اُنکا ھر صفحہ روشني کے حرفوں میں لکھا ہے - ھر سطر اپني جگہ پر ایک کامل سحر ہے - اِتني بڑي ' اِتني کثیر ' اِتني متنوع کتابیں ' کم لوگوں نے چھوڑي ھیں - وہ معلومات و مباحث کي وسعت و تنوع کے لحاظ سے انسائیکلو پیڈیا کا حکم رکھتي ھیں - تاھم حشو و زواید بہت کم ھیں -

خود والٹیر کا قول ہے " میرا پیشہ یہ ہے کہ جو کچھہ میرے ذھن میں آئے اُسے کہڈالوں " زندگي بھر اسنے اسي پر عمل کیا - لیکن اسکے ذھن میں ھمیشہ وھي آتا تھا جو کہنے کے لائق ھوتا تھا - لغو افکار سے اسکا دماغ بالا تر تھا ' اُسکي سب سے بڑي مہارت یہ تھي کہ ھر خیال کو ایسے پیرایہ میں ادا کردیتا تھا کہ سامعین وجد کرنے لگتے تھے !

والٹیر کي سب سے زیادہ موثر ' دلچسپ ' اور عجیب تحریریں وہ ھیں ' جو اس نے مسیحي کلیسا کے خلاف لکھي ھیں - معلوم ہے کہ اُس نے کلیسا کے جمود اور تعصب کے خلاف (خود اُسي کے لفظوں میں) جنگ مقدس (کروسیڈ) کا اعلان کیا تھا - اِن تحریروں میں اُس نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے ھیں - لفظ اور سطریں نہیں ھیں ' ھزار فوجیں ھیں جو حملہ آور ھو رھي ھیں - در حقیقت مسیحي کلیسا کے ھزار سالہ تخت حکومت کے پائے اسي کے نوک قلم سے ٹوٹے ' اور اس طرح ٹوٹے کہ پھر کسي طرح بھي استوار نہ ھوسکے !

والٹیر کي شہرت صرف اسکي کتابوں اور قصیدوں ھي سے نہیں ھوئي بلکہ وہ بہت بڑا مقرر اور لسان بھي تھا - اِنھیں مختلف قابلیتوں کے مجموعہ نے اُسے اپنے زمانہ کا سب سے بڑا آدمي بنا دیا !

والٹیر ' غضب کا محنتي تھا - کام سے کبھي نہیں تھکتا - یہي سبب ہے کہ وہ اتنا بڑا علمي ذخیرہ چھوڑ گیا ' جتنا اسکے کسي ھم عصر کے اِمکان میں نہ تھا - اُسکي غیر معمولي چستي کے ثبوت میں خود اُسي کے بہت سے اقوال پیش کیے جا سکتے ھیں - وہ کہتا ہے :

" سستي اور عدم ایک چیز ہے "

ایک اور جگہہ لکھتا ہے :

" تمام آدمي اچھے ھیں ' بجز اُنکے ' جنکے پاس کرنے کے لیے کوئي کام نہیں ! "

اُسکے سکریٹري کا بیان ہے :

" والٹیر [illegible] تھا - صرف اپنے وقت میں بخل کرتا تھا "

اُسکا مشہور مقولہ ہے :

" زندگي کے مصائب کم کرنے کے لئے نفس کو ھمیشہ زیادہ سے زیادہ کام میں مشغول رکھنا چاھئے ... میري عمر جتني زیادہ ھوتي جاتي ہے ' محنت کي ضرورت کا اتنا ھي زیادہ یقین ھوتا جاتا ہے - جو شخص محنت کا عادي ھو جاتا ہے ' اُسے محنت میں اتني مسرت حاصل ھوتي ہے کہ زندگي کي تمام کلفتیں بھول جاتا ہے "

اُسکا یہ قول ضرب المثل ھو گیا ہے :

" اگر خود کشي منظور نہیں ہے تو اپنے لیے کوئي کام پیدا کرو "

اِسي جملہ سے لوگوں نے خیال کیا ہے کہ اسکے دل میں خود کشي کا خیال پیدا ھوا کرتا تھا - اسي لیے وہ ھمیشہ کام میں منہمک رھتا تھا -

(اٹھارھویں صدي کي روح)

ویکٹر ھیوگو کا قول ہے :

" والٹیر اور اُس کي روح کا سمجھہ لینا پوري اٹھارھوي صدي کي روح کا سمجھہ لینا ہے "

" اٹلي ایک بڑي تہذیب کا منبع تھا - جرمني سے اصلاح دیني کا سر چشمہ پھوٹا - لیکن فرانس ؟ تو فرانس میں والٹیر تھا - والٹیر ایک پوري قوم تھا - انقلاب عظیم کي دعوت تھا - نہیں ' سرتاپا انقلاب تھا - فرانس کا مشہور انقلاب ' جس نے خون کي موجوں سے ایک نئي دنیا پیدا کر دي ' والٹیر ھي کا ایک افسون حیات تھا - یہ شخص اپنے اندر سب کچھہ رکھتا تھا - اُس میں " مونٹین " کا شک تھا - " رابیلیہ " کا تمسخر تھا - " لوتھر " کي حملہ آورانہ قوت تھي - اُسي نے میراثو ' مورات ' ڈانٹن ' روبسپیرو ' پیدا کیے تھے ' اور وہ بارود بنائي تھي جس سے اُنھوں نے دنیا کے تمام نظام ھا [illegible] کي عمارتیں یہ یک دفعہ ھوا میں اُڑادیں ! "

لامارٹین کہتا ہے :

" اگر انسان کا عمل اُس کي عظمت کا میزان ہے تو بلا شک والٹیر موجودہ یورپ کا سب سے بڑا کاتب تھا - قدرت نے اُس کي عمر میں برکت دي - ۸۳ سال زندہ رھا - قدیم نظام کے معائب معلوم کیے ' اس کے خلاف جہاد کیا ' اور جب مرا تو وھي فتحمند تھا - "

کسي مصنف کو بھي اپنے عہد میں اِتنا اقتدار حاصل نہیں ھوا ' جتنا والٹیر نے حاصل کیا تھا - تمام جہان اُس کا مخالف تھا - کلیسا جو اُس وقت تک سب سے بڑي قوت تھي ' دشمن تھا - حکومت خون کي پیاسي تھي - اُسے قید کیا گیا - جلا وطن کیا گیا - ذلیل کیا گیا - اُس کي کتابیں روکي گئیں ' جلائي گئیں '

حتیٰ کہ چھاپنے ' بیچنے ' اور پڑھنے والوں تک کو سزا دی گئی - مگر والٹیر کے عزم و ہمت میں فرق نہ آیا - وہ تمام دشمنوں پر غالب آیا - تمام مشکلات پر فتحمند ہوا - اُس نے ہمیشہ حق و حقیقت کا اظہار کیا اور بالاخر دنیا کی گردنیں اُس کے علمی و عقلی جبروت کے آگے جھک گئیں - یا تو اُسے ذلیل سمجھا جاتا تھا - یا پھر یہ ہوا کہ پادشاہ ' شہنشاہ ' اور روم کے پوپ تک ' اُس کی خوشامدیں کرنے لگے - سب اُس کی ہیبت سے لرز اٹھے - پاپاؤں کی روحانی گدی اور بادشاہوں کے زریں تخت ہلنے لگے آدھی دنیا نے اِس ساحر کے لیے اپنے کان کھول دئے' اور اُس کی زبان و قلم کا ہر لفظ باشندگان یورپ کے دلوں میں اُتر گیا !

والٹیر ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا تھا جس کی سب سے بڑی ضرورت تخریب اور شکست و ریخت تھی - جرمنی کا نیٹشے کہتا ہے " ہنسنے والے شیروں کے نمودار ہونے کی ضرورت ہے " والٹیر نے یہ نہیں کہا' مگر وہ سچ مچ کو شیر کی طرح گرجتا اور ہنستا ہوا اٹھا ' اور قدیم نظام کی کہنہ عمارت ڈھا دی - در حقیقت یورپ کی موجودہ بیداری اور تہذیب کا سہرا دو ہی آدمیوں کے سر ہے : والٹیر اور روسو - اِنہی دونوں نے انقلاب فرانس کی تخم ریزی کی' اور وہ سب کچھہ مہیا کر دیا جس کی اِس انقلاب کو ضرورت تھی - بدنصیب لوئی شانزدھم نے قتل ہونے سے چند دن پہلے قید خانہ میں والٹیر اور روسو کی کتابیں دیکھی تھیں - وہ بے اختیار چلا اٹھا " اِنہی دو آدمیوں نے فرانس کو برباد کیا ہے ! " ظاہر ہے کہ فرانس کی بربادی سے بدنصیب بادشاہ کا مقصود اپنے خاندان کی بربادی تھی - نپولین اعظم کہا کرتا تھا " بور بون (فرانس کا خاندان شاہی) اپنا تخت و تاج محفوظ رکھہ سکتا تھا اگر والٹیر اور روسو کا منھہ بند کر دیتا " خود والٹیر کہتا ہے " کتابیں ہی قوموں پر حکومت کرتی ہیں " اسی کا مقولہ ہے " دماغی تربیت سے بڑھکر کوئی ذریعہ آزادی کا نہیں " ایک اور موقعہ پر اُس نے کہا " جب قوم سوچنے لگ جائے تو پھر منزل مقصود سے اُسے روکنا نا ممکن ہو جاتا ہے " والٹیر کے ظہور کے ساتھہ فرانس نے سوچنا شروع کیا ' اور دنیا کی کوئی قوت بھی اُسے آگے بڑھنے سے روک نہ سکی -

(مختصر سوانح حیات)

والٹیر کا اصلی نام " فرانسو ماری اوریہ " ہے - سنہ ۱۶۹۴ ع میں پیرس میں پیدا ہوا - اُس کا باپ رجسٹرار تھا اور ماں ایک شریف گھرانے کی خاتون تھی - خیال کیا جاتا ہے کہ والٹیر نے اپنی غصہ ور طبیعت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی ' اور ذہانت ماں سے - والٹیر کے پیدا ہونے میں اُس کی ماں کو اِتنی تکلیف ہوئی کہ جانبر نہ ہو سکی - وہ خود بھی از حد کمزور تھا - حتیٰ کہ اُس کی دائی نے گود میں لیتے ہی کہہ دیا تھا " بچہ ایک دن سے زیادہ نہیں جیئگا " لیکن اُس کا اندازہ غلط تھا - وہ ۸۴ سال تک زندہ رہا - البتہ بیماریوں اور جسمانی تکلیفوں میں ہمیشہ مبتلا رہا -

والٹیر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا - اسکا نام " ارمان " تھا - لیکن وہ ازاد خیالی کے جرم میں کلیسا کے حکم سے قتل کر ڈالا گیا - اُسکا ایک واقعہ بہت مشہور ہے - وہ جب قید تھا اور پھانسی کا حکم صادر ہوگیا تھا ' تو بعض دوستوں نے راے دی - توبہ کر کے جان بچالے - لیکن یہ سنکر وہ بہت غضب ناک ہوگیا - اُس نے کہا " دوستو ! شکریہ - اگر تم خود پھانسی پر لٹکنا پسند نہیں کرتے تو اُن لوگوں کی راہ کیوں روکتے ہو جو پھانسی پانا پسند کرتے ہیں ؟ "

والٹیر کا باپ اپنے دونوں لڑکوں کی شکایت کیا کرتا تھا " خدا نے مجھے دو پاگل بیٹے دیے ہیں : ایک کو نثر کا جنون ہے ' دوسرے کو نظم کا " والٹیر نے شعر کہنا اُس وقت سے شروع کیا جبکہ وہ اپنا نام بھی صحیح طور پر نہیں لکھہ سکتا تھا - اُسکا باپ عملی زندگی کا عادی تھا - اُسنے اپنے لڑکے کی یہ حالت دیکھکر افسوس کے ساتھہ یقین کر لیا کہ یہ بالکل ناکارہ نکلے گا - اُسے کیا معلوم تھا' ایک دن اُسکا یہی " ناکارہ " تمام یورپ کا سب سے بڑا اہل قلم تسلیم کیا جائگا !

والٹیر کی ماں کے انتقال کے بعد اُسکا خاندان پیرس چھوڑ کر دیہات میں جا بسا - یہاں ایک دولتمند فاحشہ نے والٹیر کو دیکھا اور اُسمیں آثار ذہانت و نجابت پائے - چنانچہ مرنے سے پہلے وہ یہ نیک کام کر گئی کہ دو ہزار فرنک والٹیر کو ہبہ کر دیے - تا کہ " اس روپیہ سے اُسے کتابیں خرید دی جائیں "

والٹیر کو اِن کتابوں سے بڑا نفع ہوا - وہ عمر بھر اِس آبرو باختہ عورت کا احسان مند رہا - اِسکے بعد ایک راہب کو اُس سے محبت ہوگئی - لیکن یہ راہب دراصل ملحد تھا - اِس نے اُسے شک و الحاد کی تلقین کی ' اور کلیسا کے طرف سے نفرت و انکار دلنشین کر دیا -

اِسکے بعد وہ پادریوں کے مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کیلیے داخل کیا گیا - یہاں اُسنے فن مناظرہ اور علم کلام سیکھا - اُس وقت بڑا علمی کمال یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک ہی مسئلہ کو بہ زور جدل دو متناقض پہلوؤں سے ثابت کردیا جائے - والٹیر نے اِس فن میں کمال حاصل کر لیا - نتیجہ یہ نکلا کہ کسی مسئلہ پر بھی اُسے یقین باقی نہ رہا - مدرسہ میں وہ بڑا محنتی طالب علم مشہور تھا - حتیٰ کہ فرصت کے اوقات میں بھی جبکہ اور لڑکے کھیل کود میں مصروف ہوتے ' وہ اساتذہ سے لاہوتی مسائل پر بحث کیا کرتا - اپنی طالب علمانہ زندگی کے متعلق وہ کہا کرتا تھا " پادریوں نے مجھے لاطینی زبان اور بہت سی بیہودہ بکواس سکھادی ہے ! "

تعلیم ختم کرنے کے بعد اُسے عملی دنیا کی طرف توجہ ہوئی ' اور اپنے لیے کوئی پیشہ منتخب کرنا چاہا - اُسنے اپنے باپ سے بلا پس و پیش کہدیا " میں شعر و ادب کو اپنا پیشہ بناؤنگا " باپ بہت خفا ہوا اور بہت سمجھایا - مگر اُسنے ایک نہ سنی اور اپنی ہٹ پر قائم رہا - لطف یہ ہے کہ اِس پیشہ کے متعلق خود اُسکی رائے یہ تھی : " شعر و ادب اُن لوگوں کا مشغلہ ہے جو اجتماعی زندگی میں بے فائدہ بننا اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کے سر پر بوجھہ ہونا چاہتے ہیں - یہ اُن لوگوں کا پیشہ ہے جو بھوکوں مر جانا پسند کرتے ہیں "

۲۱ - برس کی عمر تک والٹیر نے اپنے تئیں رندی و عیاشی کیلیے وقف کر رکھا تھا - راتیں باہر گزارتا تھا اور دن گھر پر :

همه شب شراب خوردن همه روز خواب کردن !

اُسکے والد کو اِس تہتک سے بڑی تکلیف تھی - اُسنے لاکھہ کوشش کی مگر اصلاح کی کوئی صورت نہ نکلی - آخر اپنے ایک سخت گیر رشتہ دار کے ہاں بھیجدیا - شروع میں تو اِس نئے مربی نے بڑی سختی کی - لیکن پھر اُسکی غیر معمولی قابلیت و ذہانت دیکھکر آزاد چھوڑ دیا - والد کو معلوم ہوا تو اُسنے واپس بلا لیا اور ہالینڈ میں فرانسیسی سفیر کے حوالہ کر دیا کہ اپنی نگرانی میں رکھے - یہیں ہالینڈ کے پائے تخت لاہائی میں والٹیر نے ایک دوشیزہ سے عشق کیا' مگر راز جلد کھل گیا' اور حضرت کو ہزاروں حسرتوں کے ساتھہ وطن بھاگنا

پڑا - یہ اُس کا پہلا عشق تھا - اسلیے عمر بھر اسکي چبھن دل میں باقي رهي !

سنه ۱۷۱۵ - میں والٹیر اپنے والد سے علحدہ هوکر پیرس پہونچا - اِسي زمانه میں لوئي چہاردهم نے انتقال کیا اور لوئي پانزدهم تخت نشین هوا - بادشاہ کمسن تھا ' اسلئے سلطنت کي باگیں اُسکے مربي فلیپ ڈورلین کے هاتھوں میں آگئیں - یہ شخص کم همت اور ضعیف الارادہ تھا - ملک میں بد امني پھیل گئي - پیرس اِسکا مرکز تھا - والٹیر شورش پسندوں میں داخل هوگیا ' اور اپني بے باکي اور جرأت کي وجہہ سے بہت جلد ممتاز جگہ حاصل کرلي -

اُسکي جرأت کا اندازہ صرف اِس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا هے کہ نائب سلطنت نے کفایت شعاري کے خیال سے شاهي اصطبل کے آدھے گھوڑے بیچ ڈالنے کا حکم دیا تھا - اِس پر والٹیر نے ایک مضمون میں لکھا " کاش نائب سلطنت آدھے گدھوں کي فروخت کا بھي حکم صادر کردیتے جو حکومت کي اونچي کرسیوں پر بیٹھتے هیں ! "

حکام کي نظر سے یہ مضمون گذرا تو سخت برهم هوے - پھر نائب سلطنت کي هجو میں دو قصیدے شایع هوئے اور خیال کیا گیا کہ والٹیر نے هي لکھے هیں - اب پوري حکومت اسکي دشمن هوگئي - ایک دن کسي تفریح گاہ میں نائب سلطنت نے والٹیر کو دیکھا اور بلاکر کہا " میں تم سے شرط باندھتا هوں کہ عنقریب تمھیں ایک ایسي جگہہ بھیجدونگا جسے تمہاري ان آنکھوں نے کبھي نہیں دیکھا هے ! " والٹیر نے تمسخر سے سوال کیا " وہ کون جگہہ هوسکتي هے ؟ " نائب نے کہا " باسٹل کي تاریک کوٹھریاں ! "

اِس گفتگو پر پورے چوبیس گھنٹے بھي نہیں گذرے تھے کہ والٹیر باسٹل کے خوفناک قید خانہ میں بند تھا - یہ واقعہ سنه ۱۷۱۷ - کا هے - کاش اُس وقت حکومت کو معلوم هوتا کہ ایک دن یہي باسٹل والٹیر کے پیدا کردہ انقلاب کے هاتھوں منہدم هوکر رهیگا !

اِس وقت تک والٹیر اپنے اصلي نام " فرانسوا ماري اروبه " سے مشہور تھا - لیکن قید هونے کے بعد آیندہ حکومت کے شکنجہ سے بچنے کے لیے ' ایک فرضي نام اختیار کرلیا جو والٹیر تھا - یہ فرضي نام اس درجہ مشہور هوا کہ آج تاریخ کے سوا کہیں بھي اس کا اصلي نام نہیں ملسکتا -

قید خانہ میں اُسنے بڑي همت و جرات سے کام لیا ' اور اپني شہرۂ آفاق کتاب " هنریاڈ " تصنیف کي - یہ در اصل هنري چہارم کا قصہ هے جو پہلے پروٹسٹنٹ هوا تھا - پھر دوبارہ کیتھولک هوگیا ' اور آخرکار قتل کیا گیا -

قید خانہ میں وہ گیارہ مہینے رها - اِس اثنا میں اُسے سخت جسماني تکلیفیں دي گئیں - لیکن بعد میں خود نائب سلطنت کو رحم آگیا - عزت کے ساتھہ رها کر دیا گیا اور سالانہ وظیفہ بھي مقرر هوگیا - والیٹر کي شوخ طبعي کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے کہ اُس نے نائب سلطنت کو شکریہ کا خط اِن الفاظ میں لکھا تھا :

" اعلیٰ حضرت نے میرے رزق کا جو اهتمام کیا هے ' اس کے لیے شکرگزار هوں - مگر میري دست بستہ درخواست هے کہ میري سکونت کے انتظام کرنے کي حضور کبھي زحمت گوارا نہ کریں !

اُسکا اشارہ قید خانہ کي طرف تھا -

باسٹل سے نجات پانے کے بعد والٹیر نے اپنا مشہور ڈراما " اوڈیپ " لکھا - یہ ایک نہایت هي درد انگیز قصہ هے - بہت مقبول هوا اور مسلسل ۴۵ دن تک پیرس کے تھیٹروں میں دکھایا گیا - والٹیر کے والد کو اِسکا حال معلوم هوا تو خاص اُسکے دیکھنے کے لیے پیرس آیا - تماشہ دیکھتے وقت اپني مسرت بار بار یہ کہکر ظاهر کرتا " آہ شیطان آہ شیطان ! "

اسي ڈراما میں اُسنے اپنے یہ انقلاب انگیز خیالات ظاهر کیے تھے :

" همارے کاهن ویسے نہیں هیں جیسا سادہ لوح عوام اُنھیں سمجھتے هیں "

" اِن کاهنوں کے علوم و معارف کیا هیں ؟ در اصل هماري سادہ لوحي اور زود اعتقادي هي اُن کے علوم و معارف هیں ! "

" همیں اپني قوت پر یقین کرنا اور ایمان لانا چاهیے - هر چیز خود اپني آنکھوں سے دیکھني چاهیے - در حقیقت هماري عقل هي همارا معبود ' همارا عبادت خانہ ' اور همارا کاهن هے "

اِس ڈراما سے والٹیر نے چار هزار فرنک حاصل کیے - اُس نے یہ رقم ضایع نہیں کي - بلکہ اُسے اپنا رأس المال قرار دیا اور بڑي هوشیاري سے اُسے بڑھاتا رها - اُسکا اصول تھا کہ آدمي کو اپني روزي اپني محبت سے کماني چاهیے اور اپني کمائي سے کچھہ نہ کچھہ پس انداز ضرور کرنا چاهیے - وہ کہا کرتا تھا " فلسفہ چھانٹنے سے پہلے آدمي کو زندہ رهنے کي حکمت سیکھني چاهیے " !

الهلال

کا

یہ ۷ - وان نمبر هی

لیکن

اِس وقت تک توسیع اشاعت کے لیے دفتر نے آپکو کوي زحمت نہیں دي هے - کیا آپ کو خود اِس طرف توجہ نہ هوگي ؟

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الهلال کا استقبال کیا ' شاید هي اُسکي کوئي دوسري نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ هے کہ پرچہ کي ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند هے ' اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھاني چاهیے - یا اتني وسیع اشاعت هوني چاهیے کہ اُس سے قیمت کي کمي کي تلافي هوجاے -

تاريخ و عبر

فرانس کا فاتح اعظم اور اسلام

کیا نپولین مسلمان هوگیا تها ؟

اٹهارهویں صدي کے اوائل کا ایک تاریخي مبحث

نپولین کا حملۂ مصر اس کي فاتحانه اولوالعزمیوں کا ایک غیر معمولي واقعه هے - اُس کي زندگي کے تمام مورخوں نے یه واقعه بڑي شرح و تفصیل سے لکها هے - یکم جولائي سنه ۱۷۹۸ ع کو فرانسیسي فوج نے سر زمین مصر پر قدم رکها تها ' اور سنه ۱۸۰۱ ع میں واپسي پر مجبور هوئي تهي -

لیکن اس حمله کي داستان کا ایک واقعه ایسا هے جس میں نه تو تمام مورخ متفق هوسکے - نه کوئي ایک رائے مضبوطي کے ساتهه ظاهر کي جاسکي - بعضوں نے اُسے اِس درجه غیر وقیع تصور کیا که یکقلم نظر انداز کر دیا - بعضوں نے اس قدر اهمیت دي که خاص خاص عنوان اور ابواب اُس کے لیے ترتیب دیے - نپولین کے عهد میں اور اُس کے کچهه عرصه بعد تک اُس کي مخالفت اور موافقت کے جذبات نهایت شدید تهے - اس لیے یه واقعه مخالفوں کے لیے بهت زیاده اهم ' مگر موافقوں کے لیے نظر انداز کر دینے کے قابل تها -

یه نپولین کے مسلمان هونے یا اپنے تئیں مسلمان ظاهر کرنے کا واقعه هے -

تمام تاریخیں متفق هیں که نپولین نے مصر پهنچنے سے پہلے هي ایسے اعلانات طیار کر لیے تهے جن میں باشندگان مصر کو مخاطب کیا گیا تها اور مملوکوں کے خلاف (جو وهاں عملاً حکمراني کر رهے تهے اگرچه حکماً سیادت دولۃ عثمانیه کو حاصل تهي) اُبهارا تها - ان اعلانات میں نپولین نے یه بهي لکها تها " میں اسلام و قرآن کا مخالف نهیں هوں - بلکه سچا حامي هوں - میں چاهتا هوں ' اصلي اسلام تازه هوجائے ' اُس کي عظمت و شوکت برقرار رهے ' اور اُس کے دشمن ناکام و نامراد هوں " اس میں بهي سب کا اتفاق هے که اس نے مصر جانے هوئے راسته میں اسلام اور قرآن کي نسبت غیر معمولي واقفیت حاصل کرلي تهي - وه مصر کے علما و مشائخ کو اپني واقفیت سے متعجب کردینے کي کوشش کرتا ' اور انهیں بار بار یقین دلاتا که اسلام کي بهت بڑي عزت اُس کے دل میں هے - اس سے بهي کسي نے انکار نهیں کیا هے اور خود اُس نے بهي اپنے سینٹ هلینا کے خود نوشته تذکره میں اعتراف کیا هے ' که اسلام قبول کرنے کے مسئله پر اُس نے مصر کے مشائخ سے طول طویل گفتگو کي تهي ' اور وه کم سے کم شرطیں معلوم کرلي تهیں جو مسلمان هونے کے لیے ضروري هیں - یه واقعه بهي مسلم هے که اُس کے بعض فوجي افسر مسلمان هوگئے تهے اور مسلمان خانداوں میں رشته داریاں کرلي تهیں - چنانچه ژاک مینیو جو کلیپر کے قتل کے بعد مصر کا فوجي حاکم منتخب هوا تها ' علانیه مسلمان هوگیا تها ' اور " عبدالله جاک " کے نام سے مشهور تها - اُس نے ایک مسلمان عورت سے نکاح بهي کر لیا تها -

لیکن ان تمام متفقه امور کے ساتهه جس بات میں اختلاف هے ' وه یه هے که نپولین نے اپنے آپ کو اسلام کا پیرو بهي ظاهر کیا تها یا نهیں ؟

اُس کے مخالفین کهتے هیں - وه مسلمان هوگیا تها - یا کم از کم اپنے آپ کو مسلمان ظاهر کیا تها - اُنهوں نے نپولین کے جرائم کي فهرست میں یه واقعه بهي شامل کیا هے ' اور اس سے اُسکي طبعي منافقت ' بے دیني ' اور ابن الوقتي پر استدلال کیا هے -

نپولین نے جب شام پر حمله کیا ' تو سر سڈني اسمتهه نے جو انگریزي بیڑه کا امیر البحر تها شام کے عیسائیوں کے نام ایک اعلان بهیجا تها - اسمیں لکها تها : " وه انگریز امیر البحر پر جو ایک سچا مسیحي بهادر هے پوري طرح بهروسه کریں ' اور نپولین کي کچهه پروا نه کریں جو پہلے ایک بے اصول مرتد تها ' اور اب مصر کے شیخوں کے هاتهه پر مسلمان هو چکا هے ! "

نپولین کے مشهور بحري حریف لارڈ نیلسن نے اپني مشهور اور تاریخي آشنا ' لیڈي هملٹن کو لکها تها :

" یه کوئي تعجب کي بات نهیں که وه (نپولین) مصر میں دین محمدي کا غازي بن گیا هے اور اِسکي خبریں هندوستان کے تباه شده مسلمان نوابوں (نوابوں) تک پهنچ گئي هیں - مجهے یقین هے - اگر اُسے آسٹریلیا کے باشندوں کو خوش کرنے کي ضرورت هوتي تو وه بلا تامل اپنے تمام فوجي افسروں کے ساتهه اُس درخت کے تنه کي پوجا شروع کر دیتا جسپر وه مردوں کي کهوپڑیاں رکها کرتے هیں ! "

انقلاب فرانس کا مشهور ابن الوقت تیلیرانڈ ' Talleyrand نپولین کے تذکره میں لکهتا هے " اُس نے کبهي اس بات پر ندامت ظاهر نهیں کي که وه مصر کے اماموں اور شیخوں کے سامنے مسلمانوں کي پگڑي اور جبه پهنکر گیا تها ' اور کها تها ' میں دین محمدي زنده کرنے اور اسکے لیے جنگ مقدس کرنے آیا هوں ! "

نپولین کا مشهور انگریز سوانح نویس ایلیسن کهتا هے " یه اُس کي زمانه ساز اور ابن الوقت طبیعت کا سب سے زیاده مکمل مظهر تها - اگر نیلسن نے ابو قیر کا بیڑا تباه نه کر دیا هوتا اور قسمت اس سے موافق هوتي ' تو یقیناً وه هندوستان کے ساحل پر قرآن حمایل کیے هوے اُترتا ' اور حیدر علي سے کهتا : میں دین محمدي کے دشمنوں کو هندوستان سے نکالنے کیلیے آگیا هوں - اُسکے بعد اگر وه دیکهتا که هندوستان کے کروروں بت پرستوں کو رام کرنے اور انگریزوں کے بر خلاف اُبهارنے کیلیے اِسکي ضرورت هے که اپنے آپ کو مقدس دیوتاؤں کا پرستار ظاهر کرے ' تو اس میں بهي اُسے اُتنا هي تامل هوتا ' جتنا تامل مسلمان هونے میں هوا تها ! " -

سر والٹر اسکاٹ کا قلم اُن تمام انگریز اهل قلم میں جنهوں نے اُس عهد میں نپولین پر قلم اُٹهایا هے ' زیاده مستند تسلیم کیا گیا هے - وه بهي اس واقعه میں نپولین کي " منافقانه طبیعت " کا پورا ظهور دیکهتا هے اور لکهتا هے " مصر کے متعصب شیخ صرف ایک

پر جوش نو مسلم ہی کا استقبال کر سکتے تھے - بونا پارٹی (بونا پارٹ کو اسکی فوج محبت سے اور انگریز حقارت سے "بونا پارٹی" کہتے تھے) اسکے لیے بھی بے دریغ طیار ہو گیا "

نپولین کے مورخوں میں تین سب سے زیادہ جوش مخالفت رکھتا ہے - اس نے اپنی تاریخ صرف اسلیے لکھی ہے تا کہ وہ تمام مواد جمع کردے جو نپولین کی مخالف جماعتوں نے اسکے خلاف راے عامہ پیدا کرنے کیلیے طیار کیا تھا - وہ اس معاملہ میں اسکی " انتہا درجہ کی شیطنت " محسوس کرتا ہے ' اور واقعہ کے ناگوار پہلوؤں کی تکمیل کیلیے اتنا حصہ اور بڑھا دیتا ہے کہ " اس نے بار بار مسلمان مشایخ کو خوش کرنے کیلیے مسیحی مذہب کی ہنسی اوڑائی اور عیسائیوں کو گالیاں دیں "

بوریون خاندان اور انکے حامیوں نے نپولین کے خلاف تبلیغ و اشاعت کا ایک خاص صیغہ قائم کر رکھا تھا - ہر مہینہ کوئی نہ کوئی رسالہ انگلستان سے چھپکر نکلتا اور تمام یورپ میں تقسیم کیا جاتا - اس کام کیلیے تنخواہ دار اہل قلم مہیا کیے گئے تھے - انہی میں ایک شخص ٹیبر نامی تھا - اسنے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا کہ " کیا بونا پارٹ ترک (مسلمان) ہو گیا ہے ؟ " تھیرس اس رسالہ کا ذکر کرتے ہوے لکھتا ہے " اس میں نپولین کی کئی تصویریں اس طرح کی بنائی گئی تھیں ' جیسی از منۂ وسطی (مڈل ایجز) میں پیغمبر اسلام کی بنائی گئی تھیں - نہایت خونخوار قیافہ - چشم و ابرو سے قتل و خونریزی کے جذبات ٹپک رہے ہیں - ایک ہاتھہ میں برہنہ تلوار ہے - دوسرے میں قرآن "

چند سالوں کے بعد جب نپولین نے پوپ کو پیرس بلایا تاکہ اُس کی تاج پوشی کی رسم ادا کرے ' تو لندن کے ایک اخبار کا کارٹون بہت مشہور ہوا تھا - اس میں نپولین کے ایک ہی دھڑ پر دو رو پشت چہرے بنائے تھے - ایک پر پگڑی تھی - ایک برہنہ تھا - پگڑی والے سر کے منہہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے " میں مشرق میں اس لیے آیا ہوں تا کہ دین محمدی زندہ کردوں " مگر برہنہ سر کہہ رہا تھا " میں مشرق سے واپس آگیا تاکہ نوٹر دم کے گھنٹوں کا مقدس بلاوا سنوں ! " پہلا جملہ نپولین کے اعلان مصر سے ماخوذ تھا - دوسرا اُس کی ایک پر جوش تقریر سے ' جس میں اُس نے مذہب کی ضرورت اور تاثیر پر زور دیتے ہوئے کہا تھا " میرے حافظہ میں کسی چیز کی یاد اس قدر عمیق تاثیر پیدا نہیں کرتی ' جس قدر گرجے کے گھنٹے کی مسلسل صدائیں "

لیکن جب کہ مخالفین نے اس معاملہ کو اس درجہ اہمیت دی ' تو موافقین نے بھی اُس کی اہمیت گھٹانے میں کوئی کمی نہیں کی - نپولین کے اکثر تذکرہ خواں اس بارے میں ساکت رہے ہیں - بعضوں نے ذکر کیا بھی ہے تو اس سے زیادہ نہیں کہ اُس نے اپنے اعلانات میں اپنے آپ کو اسلام کا دوست ظاہر کیا تھا - بعض نے انکار و تغلیط میں صراحت سے بھی کام لیا ہے اور لکھہ دیا ہے کہ " یہ واقعہ ہی سرے سے غلط ہے " فوشے اور کلیبر مورخانہ سنجیدگی کے ساتھہ لکھتے ہیں " منجملہ اُن تہمتوں کے جو شہنشاہ کے دشمنوں نے تراشی تھیں ایک تہمت یہ بھی تھی " گین تھیوم اور لیس کیس نے (اور آخر الذکر اُن لوگوں میں سے ہے جو سینٹ ہلینا میں نپولین کے رفیق رہے تھے) اس معاملہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے - بیورین نپولین کا سکریٹری اور مصر و شام میں اُس کے ساتھہ تھا - وہ نپولین کے واقعات مصر بہت تفصیل سے بیان کرتا ہے ' لیکن اس معاملہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا - خود نپولین نے سینٹ ہلینا میں اپنے سوانح حیات پر اپنے خیالات قلمبند کرائے تھے جو دو جلدوں میں مرتب ہوکر شائع ہوئے - اس میں وہ مصر کے واقعات کا بہ تفصیل ذکر کرتا ہے - اسلام کا بھی ذکر کرتا ہے - یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ضرورت ہوتی تو اسلام قبول کر کے تمام اسلامی ممالک زیر نگیں کر لینے اور ایک عظیم مشرقی مملکت کی بنیاد رکھدینے میں مجھے تامل نہ ہوتا - لیکن اس کا اعتراف نہیں کرتا کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا -

(مصر کے مسلمان مورخ)

نپولین کے حملۂ مصر کا زمانہ اگرچہ مشرق کے دماغی و علمی تنزل کے بلوغ کا زمانہ تھا ' اور مصر و شام کے عہد وسطی کی رہی سہی علمی قوتیں نویں صدی ہجری میں تقریباً ختم ہو چکی تھیں ' تا ہم جامع ازہر کے وسیع حلقۂ درس و تدریس کی بدولت علم کی کمیت بدستور قائم تھی - اگرچہ کیفیت مفقود ہوچکی تھی - شہاب الدین خفاجی صاحب درۃ الغواص - سید مرتضی زبیدی صاحب تاج العروس - شمس الدین الشامی صاحب سیرۃ الشامیہ و عقود الجمان - ابو بکر مرعی صاحب کواکب الدریہ - نور الدین الحلبی صاحب سیرۃ حلبیہ - ابن فضل اللہ المحبی صاحب خلاصۃ الاثر - ابو الفتح اسحاقی صاحب لطائف الاخبار - ابو العباس مقری صاحب نفح الطیب - شمس الدین بکری صاحب تحفۃ البہیہ - ابن یوسف الحلاق صاحب تحفۃ الاحباب - شمس الدین تمرتاشی صاحب تنویر الابصار - شرنبلاوی شارح متون حنفیہ - شیخ اسماعیل زرقانی شارح موطا و مواہب - وغیرہ علماء مصر کا زمانہ تقریباً گیارھویں اور بارھویں صدی ہجری کا زمانہ ہے ' اور اُس عہد سے متصل ہے جب نپولین مصر میں داخل ہوا ہے - ہجری سنہ کے حساب سے حملۂ مصر سنہ ۱۲۱۳ - میں ہوا ہے - یعنے تیرھویں صدی کے بالکل اوائل میں -

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی علماء مصر و شام ' خصوصاً علماء ازہر کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی جو درس و تدریس کے ساتھہ تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رکھتی تھی - ان میں سب سے زیادہ نمایاں اشخاص جنکا نپولین اور فرانسیسی حکام سے زیادہ سابقہ رہا ' یا انہوں نے اُس عہد کے حالات قلمبند کیے ' حسب ذیل ہیں :

(۱) شیخ عبد اللہ الشرقاوی : جامع ازہر کے مشاہیر اساتذہ میں سے تھے - نپولین نے مصر کے شہری انتظام کے لیے چودہ ارکان کی ایک مجلس شوری بنائی تھی جو " دیوان " کے نام سے پکاری جاتی تھی - شیخ شرقاوی کو اسکا رئیس منتخب کیا تھا - اِنہوں نے ۲۰ - سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں - ان میں ایک قیمتی کتاب تحفۃ الناظرین ہے جس میں فرانسیسیوں کے حملہ سے لیکر انکی واپسی تک کے چشم دید حالات بالاختصار بیان کیے ہیں - سنہ ۱۱۵۰ میں پیدا ہوے ' اور ۱۲۲۷ مطابق سنہ ۱۸۱۲ میں انتقال کیا - تحفۃ الناظرین مصر میں چھپ گئی ہے -

(۲) شیخ سلیمان فیومی : یہ بھی اساتذۂ ازہر میں سے تھے اور مشیخت کے درجہ تک پہونچ چکے تھے - نپولین نے انہیں بھی " دیوان " کا رکن منتخب کیا تھا - نپولین کے جانے کے بعد جب سردار عسکر کلیبر کو سلیمان حلبی نے قتل کرڈالا اور فرانسیسیوں نے فوجی عدالت میں تحقیقات کی ' تو یہ بڑے مخمصہ میں پھنس گئے - لیکن بالاخر نجات پائی - انہوں نے بھی ایک مختصر رسالہ

حوادث مصر پر لکھا ھے : " الوقائع و النوازل " سنہ ۱۲۳۲ ھ مطابق سنہ ۱۸۱۶ میں انتقال کیا -

(۳) شیخ خلیل البکري - مصر میں عرصہ سے خاندان وفائیہ کا سجادۂ طریقت قائم ھے - چونکہ نسلاً حضرۃ " ابوبکر " کي اولاد میں ھیں - اسلیے " بکري " کہلاتے ھیں - جو شخص سجادہ نشین ھوتا ھے ' اسے " نقیب السادات " کے لقب سے موسوم کیا جاتا ھے جو سرکاري لقب ھے - نپولین کے زمانہ میں سجادہ نشین شیخ خلیل تھے - نپولین نے انھیں بھي دیوان کا رکن چنا تھا - ان میں اور نپولین اور دوسرے فرانسیسي افسروں میں بہت زیادہ رسم و راہ پیدا ھوگئي تھي - نپولین اکثر انکے مکان پر آتا - یہ اسکي دعوتوں میں شریک ھوتے - انھي نے نپولین کو ایک چرکسي غلام بطور ھدیہ کے دیا تھا جسے نپولین اپنے ھمراہ فرانس لے گیا تھا - یہ شاعر اور ادیب تھے - اُسوقت کے حوادث مصر پر متعدد قصائد لکھے



نپولین مصري اسلامي لباس میں

جب اس نے جامع ازھر اور جامع حسیني میں نماز جمعہ ادا کي تھي

ھیں - بعض فرانسیسي مستشرقین اپنے ساتھہ لیگئے اور پیرس میں ترجمہ کے ساتھہ شائع کیا - سنہ ۱۲۳۵ ھ مطابق سنہ ۱۸۲۰ میں انتقال کیا -

(۴) شیخ محمد مہدي - یہ اُسوقت جامع ازھر کے شیخ تھے - اصلاً قبطي تھي - بچپنے میں مسلمان ھوگئے اور ازھر میں تحصیل علوم کرکے علم و فضل کا درجہ حاصل کرلیا - یہانتک کہ مشیخت کے درجہ تک پہونچ گئے - یہ بھي نپولین کے دیوان کے رکن تھے - انھوں نے ایک کتاب الف لیلہ کي روش پر تحفۃ المستیقظ لکھي تھي جسے فرانسیسي اپنے ساتھہ لیگئے اور فرنچ ترجمہ کے ساتھہ پیرس میں چھاپ کر شائع کیا - انھوں نے سنہ ۱۲۳۰ - مطابق ۱۸۱۵ م میں انتقال کیا -

(۵) عبدالرحمن جبرتي - یہ اُس عہد کا سب سے بڑا مورخ ھے - " جبرت " حبش کے قرب ایک موضع کا نام ھے - اس کے مورث

مرادبک مملوک

جو مصر کے دفاع میں نپولین سے لڑا مگر ناکام رھا



اعلی رھبیں سے مصر آئے تھے - جب نپولین مصر آیا اور دیوان شوری مقرر کیا ' تو اس کے لیے ایک کاتب کي ضرورت ھوئي - اس کام پر اِسي کا تقرر ھوا - اسطرح اِسے موقعہ مل گیا کہ بہت زیادہ قریب سے اس قوم کے حالات و اعمال کا مطالعہ کرے -

اس نے اپنے زمانہ کے حوادث مصر پر ایک ضخیم کتاب عجائب الآثار لکھي ھے جو تاریخ جبرتي مشہور ھے - اسمیں پہلے ابن ایاس کي تاریخ مصر کي آخري تاریخ سے لیکر اپنے وقت تک کے مختصر حالات دیے ھیں تا کہ ابن ایاس کي تاریخ کے لیے یہ تاریخ ذیل اور تکملہ کا کام دے - پھر سنہ ۱۱۴۲ - ھجري سے لیکر سنہ ۱۲۳۶ - تک کے تمام اھم حوادث مصر تاریخ وار روز نامچہ کي طرح لکھے ھیں اور کوئي ضروري بات نظر انداز نہیں کي ھے - غالباً سنہ ۱۲۴۰ - مطابق سنہ ۱۸۲۵ ع میں انتقال کیا -

افسوس ھے ' اس تاریخ کي قدر و قیمت سے مشرقي دنیا برابر غافل رھي - حالانکہ یہ اٹھارھویں صدي کے اواخر اور انیسویں صدي کے اوائل کے حوادث مصر کي سب سے زیادہ مستند تاریخ ھے - نپولین کا حملۂ مصر اور محمد علي خدیو اول کا ظہور ' تاریخ مشرق کے نہایت اھم واقعات ھیں - جبرتي نے انکي چشم دید سرگزشت ایک روزنامچہ کي طرح مرتب کر کے پیش کر دي ھے -

(۶) سید اسماعیل خشاب - نپولین اپنے ساتھہ عربي حروف اور مطبع بھي لے گیا تھا ' اور اس سے ایک سرکاري اخبار بھي جاري کیا تھا - اِس میں عدالت اور فوج کے حالات اور سرکاري اعلانات

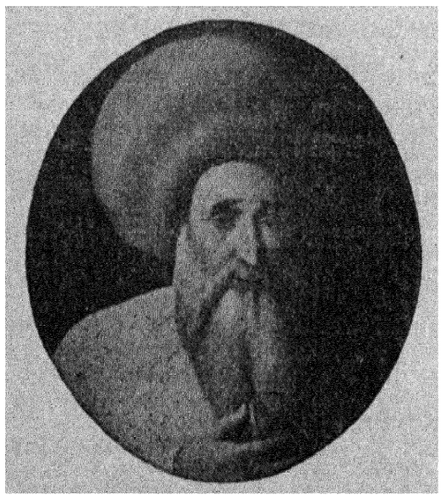

شیخ عبدالله شرقاوي

صاحب تحفۃ الناظرین و رئیس دیوان مصر

شیخ خلیل بکري

جو نپولین کے زمانہ میں نقیب السادات مصر تھے -



درج کیے جاتے تھے - یہ دنیا میں عربی زبان کا سب سے پہلا اخبار تھا - اس کي تحریر سید مذکور کے ذمہ تھي اس طرح واقعات و حوادث کي کتابت و تدوین کا انہیں ایسا مستند موقعہ مل گیا جو دوسروں کو حاصل نہ تھا - سنہ وفات ۱۲۳۰ ھ ہے -

(دو شامي مورخ)

لیکن مصر سے باہر دو مشرقي قلم آور بھي تھے جو اس عہد کے حوادث و سوانح ضبط کتابت میں لائے : [illegible] ترک ' اور امیر حیدر شہاب -

پہلا مصنف لبنان کے ایک مسیحي خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو قسطنطنیہ سے آکر وہاں مقیم ہوگیا تھا - اس نے نپولین کي زندگي ھي میں نپولین کي تاریخ عربي زبان میں لکھي تھي جس کا پہلا حصہ مع فرانسیسي ترجمہ کے سنہ ۱۸۳۹ ع میں پیرس سے شائع ہوا - اس حصہ میں فرانسیسیوں کے مصر سے اخراج تک کے واقعات درج ھیں - اس کتاب کي قدر و قیمت بہت بڑھ جاتي ہے جب خیال کیا جائے ' کہ یہ مشرق کي سب سے پہلي کتاب ہے جو نپولین کے حالات میں لکھي گئي ' اور اُس وقت لکھي گئي جب خود یورپ میں بھي اس کي کوئي بڑي تاریخ نہیں لکھي گئي تھي - نپولین کے حملۂ شام کے واقعات کا بڑا حصہ مصنف کے چشم دید واقعات میں سے ہے - اس نے سنہ ۱۲۴۴ - مطابق سنہ ۱۸۲۸ - میں انتقال کیا -

امیر حیدر لبنان کے خاندان " شہاب " کا ایک صاحب علم و قلم امیر تھا - اُس نے کئي کتابیں شام و لبنان کي تاریخ میں لکھي ھیں جن میں نپولین کے حملۂ مصر و شام کے حوادث بھي آگئے ھیں - ان میں سے غرر الحسان اور نزھۃ الزمان خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ھیں - امیر موصوف کا سال وفات سنہ ۱۲۵۱ - مطابق ۱۸۳۵ ع ہے -

(علماء مصر کي تصویریں)

فرانسیسیوں نے مصري دیوان کے تمام ارکان کي تصویریں کھینچ لي تھیں - اور بطور عجائب شرق کے اپنے ساتھہ فرانس لے گئے تھے - جبرتي نے یہ تصویریں دیکھي ھیں ' اور ان کي صناعیوں پر تعجب ظاھر کیا ہے - مستشرق مارسل نے جسے نپولین عربي طباعت کے اھتمام کے لیے اپنے ساتھہ لایا تھا ' اپني کتاب " معلومات مصر " میں یہ تمام تصویریں درج کردي ھیں - ھم ان میں سے شیخ شرقاوي ' شیخ بکري ' اور شیخ سلیمان فیومي کي تصویریں اس تحریر کے ساتھہ شائع کررہے ھیں - ان سے اُس عہد کے علماء و مشائخ مصر کي وضع و قطع اور شکل و شمائل نظروں کے سامنے آجائیگي - مصر و شام میں تاریخ اسلام نے ازمنۂ وسطی سے لیکر بارھویں صدي تک ' معاشرتي زندگي تقریباً یکساں رھي ہے - اس لیے یہ تصویریں اگرچہ صرف ڈیڑھ سو برس پیشتر کي ھیں ' لیکن اُن کي وضع و قطع سے تقریباً چار سو برس پیشتر تک کي وضع و قطع کا اندازہ کر لیا جاسکتا ہے - ساتویں ' آٹھویں ' اور نویں صدي ھجري کے علماء مصر شام ' [illegible] ذھبي ' امام مزي ابن دقیق العید ' تقي الدین سبکي ' [illegible] برزالي ' حافظ ابن حجر عسقلاني ' حافظ سخاوي ' جلال الدین سیوطي ' وغیرھم کا لباس اور وضع و قطع تقریباً ایسي ھي ھوگي ' جیسي شرقاوي اور فیومي کي ہے - شیخ بکري کي زندگي چونکہ امراء کي سي زندگي تھي ' اس لیے وہ سمور کا چغہ پہنے ھیں اور ھاتھہ میں مصري شبقہ یعني تمباکو کا پائپ ہے -

(عربي مورخین کي شہادت)

اب دیکھنا چاھیے [illegible] کے اظہار و عدم اظہار اسلام کے بارے میں ان مورخین کي شہادت کیا ہے ؟ اس بارے میں سب سے زیادہ معتبر شہادت [illegible] ہوسکتي ہے - ان میں سے چند مورخ تو خود اُن لوگوں میں سے ھیں ' جن کے سامنے نپولین کے اظہارات ہوئے ھونگے - مثلاً شیخ مہدي شیخ الازھر ' اور شیخ شرقاوي رئیس الدیوان - اور بعض ایسے ھیں جو اپنے چشم دید حالات قلمبند کر رھے ھیں اور اس بارے میں کوئي خاص مورخانہ تعصب نہیں رکھتے - مثلاً شیخ جبرتي اور سید اسماعیل خشاب -

ان کي شہادت یہ ہے کہ نپولین نے نہ صرف اپنے تئیں اسلام کا دوست ظاھر کیا تھا ' بلکہ مسلمان ھونے کا بھي دعوی کیا تھا - وہ اسلامي لباس پہنکر علماء و مشائخ سے ملتا ' مسجد میں جاتا ' اور نماز جمعہ میں شریک ھوتا - چنانچہ اُس نے اپني تصویر بھي اس لباس میں اُتروائي تھي جو آجتک موجود ہے ' اور جسے پروفیسر مارسل نے اپني کتاب میں درج کیا ہے - مزید تفصیل آئندہ نمبر میں ملیگي -



شیخ سلیمان فیومي

جو اُس عہد کے مشاھیر علماء مصر میں سے تھے

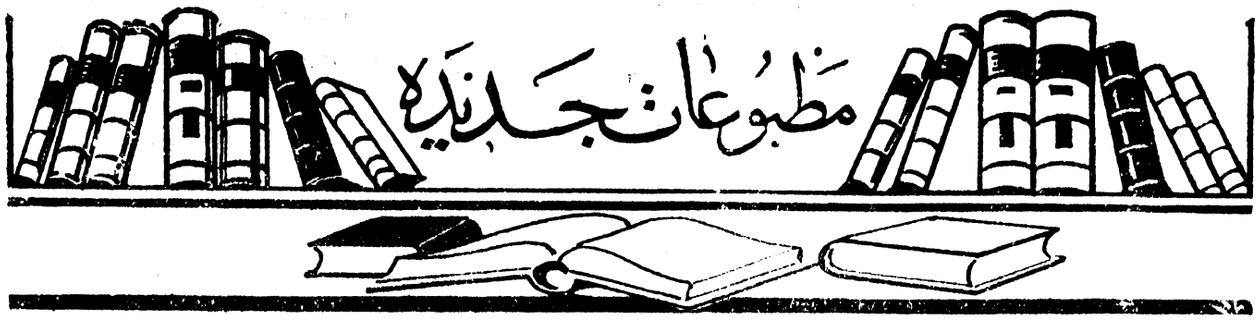
مطبوعات جدیدہ

پان یورپین تحریک اور امن عالم

ایک جرمن مدبر کي تجویزیں

اسوقت جبکہ جنیوا میں اسلحہ کي تخفیف و تحدید کے مسئلہ پر بحثیں ہو رہي ہیں' ایک نئي کتاب کے مضامین یقیناً دلچسپي کے ساتھہ پڑھے جائینگے جو حال میں شائع ہوي ہے' اور " پان یورپین تحریک " یعني وحدۃ اقوام یورپ کي تحریک کے ایک جرمن داعي کاونٹ رچرڈ کوڈنہو کیلرگي Richard Caudenhove Kalergi کے قلم سے نکلي ہے -

اس کتاب میں مصنف نے پہلے امن عالم کي ضرورت پر بہت موثر پیرایہ میں نظر ڈالي ہے - پھر ثابت کیا ہے کہ اسکا تنہا ذریعہ یہي ہے کہ " یورپین طاقتوں کي روز افزوں ہتیار بندي موقوف کردي جاے " لیکن " ہتیار بندي " سے مقصود کیا ہے ؟ صرف لوہے اور آگ کے ہتیار ؟ مصنف اس سے انکار کرتا ہے - وہ کہتا ہے " صرف لوہے کے ہتیاروں سے نہتا کردینا کچھہ مفید نہ ہوگا - یورپ کو اُس کے سیاسي' اخلاقي' اور اقتصادي حربوں سے بھي نہتا کردینا چاہئے - اسکے بغیر ہتیار بندي کي مخالف تحریک بے فائدہ ہے - جبتک بغض و حسد کے چھالے قوموں کے دلوں میں موجود رہینگے' اُس وقت تک دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا "

اسکے بعد مصنف لکھتا ہے : " یورپ کي سلامتي کي دو ہي صورتیں ممکن ہیں : مختلف قوموں کے ما بین عدل قائم ہو جاے' اور جنگ اور جنگ کے اسباب روکنے کے لیے سلطنتیں اپني قوت استعمال کرنے پر متفق ہو جائیں "

آگے چلکر مصنف نے مختلف مغربي طاقتوں کي موجودہ جنگ جویانہ حالت پر نظر ڈالي ہے :

" وارسلیز کے معاہدہ نے جرمني کو نہتا کر دینے کا فیصلہ کردیا ہے - لیکن یہ کہاں کي عقلمندي ہے کہ جرمني کو اُسکے مسلح پڑوسیوں کے درمیان نہتا کر کے چھوڑ دیا جاے ؟ یورپ کے امن و امان کے کي بنیادي شرط یہ ہے کہ تمام سلطنتیں ایک ساتھہ اور ایک ہي قسم کا قدم اٹھائیں - یا تو سب مسلح ہو جائیں' یا سب ہتیار رکھدیں - بعض کا ہتیار بند رہنا اور بعض کا ہتیار رکھدینا' امن کا نہیں جنگ کا موجب ہے "

" یورپین سواحل کي سلامتي کي سب سے زیادہ آسان اور عملي صورت یہ ہے کہ برطانیا اپنے جنگي بیڑے کے ذریعہ حفاظت کي ذمہ داري لے لے - نہ یہ کہ ہر سلطنت اپني بحري قوت بڑھا کر جنگ کا ایک اور خطرہ پیدا کردے - اگر برطانیا اس پر راضي ہو جائے کہ اپنا جنگي بیڑا یورپ کي ضرورتوں کیلیے وقف کردیگي تو بلا شک دنیا کا امن و امان یقیني ہو جایگا - لیکن برطانیا یہ اُسي وقت منظور کر سکتي ہے جب تمام دول یورپ طے کرلیں کہ اپني مجموعي بحري قوت' برطانیا کي بحري قوت سے کم کر دینگي "

" ٹرکي کو مستثنی کر دینے کے بعد روس ہي ایک ایسي سلطنت ہے جسکي سرحدیں خشکي میں یورپ سے ملتي ہیں - روسي سرحدیں بہت وسیع ہیں اور بے شمار مشکلات کا سبب بني ہوئي ہیں - روس کا اپنے تمام پڑوسیوں سے جھگڑا ہے - سب سے زیادہ اہم اُسکے سیاسي اور اجتماعي جھگڑے ہیں - پھر روس کي آبادي بھي بہت بڑي ہے - جنگي طیاریاں بھي عظیم ہیں - اس سے بھي زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اُس کي اصلي غرض تمام دنیا میں انقلاب پیدا کرنا ہے - روسي مدبر حیرت انگیز مستعدي سے انقلاب کي تخم ریزي کر رہے ہیں - جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ روس اپنے مقاصد کي اشاعت امن و آشتي سے کرني چاہتا ہے' وہ سخت فریب خوردہ ہے - روس جنگ کو اپنے مقاصد کي کامیابي کا ایک ہي ذریعہ سمجھتا ہے "

" روس سے مفاہمت کي صرف یہي ایک صورت ہے کہ یورپ اُس کي سرحدوں کا احترام کرے اور وہ یورپ کي سرحدوں کا "

" یورپ کو کسي حال میں بھي روس پر حملہ کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے - نہ اُس کے اندروني معاملات میں کسي قسم کي مداخلت کرني چاہیے "

" یورپ کي داخلي سلامتي اُس وقت تک نا ممکن ہے جب تک اُس کے موجودہ سیاسي نظام میں کامل تبدیلي نہ ہوجائے - یورپ کي حفاظت کے لیے کوئي نہ کوئي نظام ضرور مرتب ہونا چاہیے "

" یورپ سے اچانک ہتیار رکھا لینا نا ممکن ہے - اِس معاملہ میں پیش قدمي اُن سلطنتوں کو کرني چاہیے جو اِس کي زیادہ ضرورت محسوس کرتي ہیں - جب یہ سلطنتیں باہم ایک رائے پر متفق ہو جائیں گي' تو دوسري سلطنتیں بھي اُن کي پیروي پر مجبور ہو جائیں گي - جنگي قوت کے اعتبار سے یورپ کي نو سلطنتیں زیادہ اہم ہیں - اگر یہ آپس میں متحد الخیال ہو جائیں تو تمام دول یورپ کو سر جھکا دینا پڑیگا جن کي تعداد اِس وقت ۲۵ - ہے - مجلس اقوام یا دول عظمي میں سے کسي ایک کو اِس مقصد کے لیے کانفرنس بلاني چاہیے - کانفرنس میں حسب ذیل امور طے کرنے چاہئیں :

(۱) تمام دول یورپ پختہ عہد کرلیں کہ اُن میں سے کوئي کسي پر اعلان جنگ نہ کرے گي -

(۲) ہر باہمي نزاع مابین الاقوامي پنچائت کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیا جایگا -

(۳) غیر یورپین حملوں کے مقابلہ میں تمام یورپ متحد ہو جائیگا -

(۴) اگر اس معاہدہ پر دستخط کرنے والي ایک سلطنت' دوسري پر حملہ کرے گي' تو تمام دول مل کر اُسے سزا دیں گي -

(۵) غیر یورپین سلطنتوں سے دول یورپ نے جتنے معاہدے کر رکھے ہیں' سب منسوخ کر دیے جائیں "

ادبیات

تین ہزار سال پہلے کی شاعری

قدیم مصری شاعری

مصر، دنیا کے قدیم ترین تمدن کا مرکز ہے۔ یونان اور روم جبکہ جہل کی ظلمتوں میں لپٹے پڑے تھے، تو مصر میں علم و حکمت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔

دنیا "توت آنج آمون" کے نام سے واقف ہو چکی ہے حال ہی میں اس کا مقبرہ اور صحیح و سالم جثہ برآمد ہوا ہے۔ ہم اسی بادشاہ کے ایک عزیز بادشاہ کے زمانہ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نام "آمی نوتب" چہارم تھا۔ یہ "توت آنج آمون" کا بہنوئی تھا، اور ۱۴۰۰ قبل مسیح میں مصر کے تخت پر حکمراں تھا۔

قدیم شاہان مصر میں اس بادشاہ کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس کے عہد میں مصر کا تمدن اپنے پورے عروج تک پہنچا۔ مصر نے صرف مادی ترقی ہی نہیں کی تھی معنوی ترقی کے بھی کئی مرحلے طے کئے تھے۔ اس سے پہلے مصریوں میں طرح طرح کے توہمات عام تھے۔ عام اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی صرف اسی طرح مل سکتی ہے کہ اس کی قبر پر شیطانوں کی تصویریں بنائی جائیں۔ میزوں پر کھانا پینا رکھا جائے۔ ننھی ننھی مورتیں اس کے کفن میں بطور تعویزوں کے لٹکا دی جائیں۔ خیال تھا یہ سب چیزیں "کا" کو زندہ کر دیتی ہیں، اور "کا" زندہ ہو کر مردے میں از سر نو روح پھونک دیتا ہے۔ قدیم مصری زبان میں "کا" وہی وہمی چیز ہے جسے آجکل ہمزاد کہا جاتا ہے۔ اُن کا بھی عقیدہ تھا کہ ہمزاد ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ صرف موت اُسے جدا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر مذکورۂ بالا چیزیں قبر میں مہیا کر دی جائیں تو ہمزاد کا تعلق مردے سے باقی رہتا ہے اور کبھی نہ کبھی اُس کی دوبارہ زندگی کا باعث ہوتا ہے۔

"آمی نوتب چہارم" نے یہ تمام متوہمانہ عقائد باطل کر دیئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر کے تمام دینی عقائد بھی بدل ڈالے۔ ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اور اُس کی بنیاد آفتاب پرستی پر رکھی۔ پہلے مصریوں کا معبود اعظم "آمون" تھا۔ اس بادشاہ نے اُسے منسوخ کر کے "اخناتن" کی عبادت جاری کی۔ "اخناتن" دو مصری لفظوں سے مرکب ہے "اخنا" اور "آتن"۔ "اخنا" کے معنی ہیں روشنی اور نور۔ "آتن" کا اطلاق سورج پر ہوتا تھا پس "اخناتن" کے معنی ہوئے "سورج کی روشنی"۔

اس بادشاہ کے عہد کے بہت سے آثار اور مقبرے برآمد ہوئے ہیں۔ ان مقبروں میں مذکورۂ بالا خرافات کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ان میں نہ تو شیطانوں کی تصویریں ہیں، نہ چھوٹی چھوٹی مورتیں۔ نہ کھانے کے میز ہیں۔ ان میں جو کچھ ہے وہ بادشاہ اور ملکہ کے جلسوں اور جشنوں کی تصویریں ہیں، یا مصر کی روز مرہ کی زندگی کے مرقع ہیں۔ علماء مصریات کا خیال ہے کہ یہ آثار سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ کیونکہ یہ اُس عہد کی زندگی ہمارے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

قدیم مصری نظم

اُسی عہد کے ایک قبرستان میں بہت سے اشعار کندہ ملے ہیں۔ یہ پڑھ لئے گئے ہیں۔ ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ یہ درحقیقت معبود اعظم "آتن" (آفتاب) کی تعریف و ستائش کے قصیدے ہیں لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر کچھ ہیں۔ یہ تین ہزار سال پہلے کی ترقی یافتہ انسانی ذہنیت دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شعر، انسانی جذبات و قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس مصری شعر کے اندر موجودہ انسانیت، اپنی قدیم شکل دیکھ سکتی ہے۔ ذیل میں اُس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

"آتن" کا جلال!

کیا دلفریب ہے تیرا ظہور افق آسمان میں!
اے روپہلے طباق! اے سرچشمۂ حیات!
ہر صبح ہم تجھے آسمان کے پورب میں دیکھتے ہیں
تو پوری زمین اپنے حسن سے معمور کر دیتا ہے!
تو ہی خوبصورت ہے، عظیم ہے، روشن ہے، زمین پر بلند ہے!
تیری شعاعیں تمام زمینوں کو اپنے دامنوں میں لئے ہوئے ہیں!
ہاں، تمام زمینوں کو لئے ہوئے، جنھیں تو ہی نے بنایا ہے!
اور تو ہی نے اُن پر انسانوں کو آباد کیا ہے!
ہاں، انسانوں کو، جنھیں تو ہی نے پیدا کیا ہے!
وہ انسان، جنھیں تو نے محبت کے بندھن سے جوڑ دیا!
کہتے ہیں، تو دور ہے، بہت دور ہے!
مگر تو دور کہاں ہے؟ تیری شعاعیں تو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں!
اے بلند تر! کیا دن کی تابناکی تیرا ہی ایک جلوۂ نورانی نہیں ہے؟

رات

اے بادشاہ! جب تو آسمان کے پچھم میں لیٹ جاتا ہے
تو سارے جہان پر موت کی تاریکی چھا جاتی ہے!
آدمی اپنے گھروں میں سو جاتے ہیں
منہ لپیٹے، بے حرکت، صرف سانس چلتی ہے!
کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔ آنکھیں بند ہوتی ہیں
اُنکے سرہانے چور کھڑا ہوتا ہے، مگر اُنھیں خبر نہیں!
شیر، کچھار سے نکلتے ہیں، سانپ رینگنا شروع کرتے ہیں!
کیا ملکۂ ظلمت کی فرمانروائی نہیں؟
کیا دنیا رعب سے سناٹے میں نہیں ہے؟
ہاں سب کا بنانے والا افق کی محل سرا میں محو خواب ہے!

دن اور انسان

یہ کیسی ہما ہمی ہے؟
زمین مسرت سے کیوں اچھل رہی ہے؟
دیکھو بادشاہ کی سواری افق میں نمودار ہو گئی!
تو نے کائنات روشن کر دی!
تاریکی کا پتہ نہیں!
تو آسمان پر مگر تیری شعاعیں زمین پر!
یہ ہمارے بادشاہ کا جلال ہے!
آدمی خوشی سے اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے
تو نمودار ہوا اور زندگی کا آغاز ہوا!
سب نہا دھو کر گئے۔
سب کے ہاتھ مشرق کی طرف اُٹھ گئے۔
ہاں مشرق کی طرف، تیری تاجدھانی کی طرف!
تیری بندگی کے بعد دنیا کے کام شروع ہوئے!

دن اور حیوان و نبات

چوپائے چراگاہوں میں پہنچ گئے۔
درخت اور پودے کھلکھلانے لگے
چڑیاں بھی گھونسلوں سے اُڑ گئیں
پر اُٹھائے، تیری تسبیح کرتی ہوئیں!
ہر پرند اُڑ رہا ہے!
ہر کوئی تیری روشنی میں زندگی پا رہا ہے!

دن اور پانی

کشتیاں آنے جانے لگیں
اپنے مستول ہوا میں اُڑاتی ہوئیں!
سب راہیں تیرے نور سے روشن ہو گئیں!
مچھلیاں سطح پر دوڑ آئیں!
اے نور! وہ تیرے سجدے میں گر پڑیں!
تیری شعاعوں نے موجیں توڑ دیں!
سمندر کی تہ پر بچھ گئیں!

انسان کی پیدائش

تو ہی نے عورت سے انسان کو پیدا کیا!
تو ہی نے مرد میں زندگی کا تخم رکھا!
ماں کے پیٹ میں بچے کو زندگی تجھی سے ملی!
وہ نہ روتا ہے نہ گھبراتا ہے
رحم مادر میں پڑا سوتا ہے!
تیرا دست شفقت اُس پر دھرا ہے!
ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے اور نور دیکھتا ہے!
تو اُس کا معصوم منہ کھول دیتا ہے!
تب وہ بولتا ہے!
پھر تو ہی اُس کی ضرورتیں پوری کرتا ہے
اے بادشاہوں کے بادشاہ! تیرا نام بڑا ہے!

حیوان کی پیدائش

مرغی کا انڈا!
اُس کے اندر بچہ!
یہ تیری ہی قدرت ہے!
زندگی، یہ تیری ہی صنعت ہے۔
تو ہی نے انڈے میں سانس ڈالی!
دیکھو، بچہ باہر نکل آیا!

پوری قوت سے چلاتا ہو،
خالق کی ستائش کرتا ہو!
اپنے پنجوں پر دوڑتا پھرتا ہو!

دُنیا کی پیدائش

تیری صنعتیں کیسی عجیب ہیں؟
ہماری عقل سے بھی بالا ہیں!
اے ایک اکیلے معبود!
تیری جیسی قوت کس میں ہو؟
تو نے زمین پیدا کی جس طرح پیدا کرنا چاہا!
تیرے اکیلے ہاتھوں نے زمین بنائی!
تو نے آدمی اور چھوٹے بڑے حیوان پیدا کئے!
تمام زمین کی مخلوق، پیروں سے چلنے والی!
تمام آسمان کی مخلوق، پروں سے اُڑنے والی!
تو نے سرزمین شام پیدا کی، تو یا پیدا کیا!
تو ہی نے مصر کی سرزمین بھی پیدا کی!
ہر انسان کو اُس کی جگہ پر بسایا!
اُس کی زندگی کا سامان مہیا کر دیا!

اُسے دولت دی،
اُسپر موت لکھی،
سب کی شکلیں الگ الگ،
سب کی زبانیں جُدا جُدا،
کوئی کالا، کوئی گورا،
اے سب کے مالک! یہ سب تیرا ہی جلوہ ہو!

دریائے نیل

تو نے دوسرے عالم میں نیل پیدا کیا،
اپنی پسند کے مطابق اُسے جاری کیا،
سب نے اُس سے اپنی زندگی پائی،
اے پروردگار! کمزوروں کے مددگار!
اے زمین کے ہر گھر کے مالک!
اے روز روشن کے آفتاب!
تو ہی نے سب کو پیدا کیا،
تو ہی پہاڑوں پر موسلا دھار مینہ برساتا ہو،
پانی موجیں مارتا زمین پر بہتا ہو!
سب ملکوں میں آدمی اپنے کھیت سینچتے ہیں،
اے ابدیت کے مالک! تیرے کارنامے کیسے شاندار ہیں!
سب جانور بھی تیرے ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں
لیکن مصر کا نیل دوسری دنیا سے آتا ہو!
تیری شعاعیں اُسپر پڑتی ہیں!
سبزہ لہلہا اُٹھتا ہو!
باغ جھومنے لگتے ہیں!
تیرا نور زندگی ہو!
تجھی سے کائنات باقی ہو!



بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حسین بن علی علیہما السلام

۳

حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ اہل بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہو گیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہو) روایت کرتا ہو کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسین اور اُن کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر اُنکے قریب پہونچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا "اے محمد! تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود و سلام! یہ دیکھ حسین ریگستان میں پڑا ہے! خاک و خون سے آلودہ ہے! تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو! تیری بیٹیاں قیدی ہیں! تیری اولاد مقتول ہے! ہوا اُن پر خاک ڈال رہی ہے!" راوی کہتا ہے دوست دشمن کوئی نہ تھا جو اُنکے بین سے رونے نہ لگا ہو۔ (ابن جریر)

۷۲ سر!

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل ۷۲ سر تھے۔ شمر بن ذی الجوشن قیس بن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عزرہ بن قیس، یہ تمام سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسین کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتا ہو کہ حسین کا سر ابن زیاد کے روبرو رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ چھڑی آپکے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اُسنے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم صحابی چلا اُٹھے: "ان لبوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے۔ قسم خدا کی، میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہو کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے" یہ کہکر وہ زار و قطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا "خدا تیری آنکھوں کو رُلائے! والد اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا!" زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے "اے عرب آج کے بعد سے تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمھارے نیک انسان قتل کرتا اور تمھارے شریروں کو غلام بناتا ہو تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا اُنھیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں!" (بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہو مگر صحیح یہی ہو کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی)

ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہو جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینب نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ اُن کی کنیزیں اُنھیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبید اللہ نے پوچھا "یہ کون بیٹھی ہو؟" اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر اُن کی ایک کنیز نے کہا "یہ زینب بنت فاطمہ ہیں!" عبید اللہ شماتت کی راہ سے چلایا "اُس خدا کی ستائش چہنے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا، اور تمھارے نام کو بٹہ لگایا!" اسپر حضرت زینب نے جواب دیا "ہزار ستائش اُس خدا کے لئے جسنے ہمیں محمد صلعم سے عزت بخشی، اور ہمیں پاک کیا، نہ کہ جیسا تو کہتا ہو۔ فاسق رسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہو!" ابن زیاد نے کہا "تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟" حضرت زینب بولیں "اُن کی موت میں قتل کی موت لکھی تھی اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور انھیں ایک جگہ جمع کریگا اور تم باہم اُس کے حضور سوال و جواب کرو گے!" ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اُس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا "خدا امیر کو سنوارے! یہ تو محض ایک عورت ہو۔ عورتوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے"

پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا!" اسپر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انھوں نے کہا: "والد تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا! میرا خاندان مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں! میری جڑ اکھاڑ دی! اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہو تو ٹھنڈا ہو جائے!" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا "یہ شجاعت ہو! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!" زینب نے کہا "عورت کو شجاعت سے کیا سروکار؟ میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہو۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، یہ تو دل کی آگ ہو!"

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی نظر زین العابدین علی بن الحسین پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے اُن کا نام پوچھا۔ اُنھوں

لہ بعض روایتوں میں ہو کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (منہاج السنہ)

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں و ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یُورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یُورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابلدید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کرسکیں

جنکی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

تاریخ راجگان ہند

موسوم بہ

وقائع راجستان

یہ کتاب نہیں بلکہ کشور ہندوستان کے لئے ایک آئینہ جہان نما ہے۔ اسمیں جملہ ہندو اقوام وملل خصوصاً سرزمین ہند کی سرمایۂ ناز بہادر قوم "راجپوت" اور اسکی مختلف شاخوں کا مفصل و مستند بیان ازابتدا انتہا موجود ہے۔ یہ ایک نگارخانہ ہے جسمیں اُن غیور قوم کی جیتی جاگتی اور سچی تصویریں نظر آتی ہیں جو قلیم ہند میں بیرونجات سے آئیں، اصلی باشندگان ہند کو مغلوب کرکے اقطاع ملک پر قابض ہوئیں اور ہندوستان میں مگر "ہندو" کہلانے لگیں یہ ایک مرقع ہے جسمیں مسلمانوں کی آمد، اُنکے اقبال وزوال کی کیفیت اور انکی سلطنت کے سقوط کا مفصل حال درج ہے۔ یہ ایک آئینہ ہے جسمیں رزم بزم جدال وقتال روایات ورسوم۔ تاریخی وجغرافیائی حالات وغیرہ وغیرہ تا زمانۂ حال بیان کئے گئے ہیں۔ الغرض یہ کہ یہ ضخیم کتاب ایک نادر الوجود اور بیش بہا البم ہے۔ کرنیل ٹاڈ اور دیگر مورخین کی غلط بیانیوں کی فاضل ومحقق مؤلف نے نہایت شرح وبسط اور دلائل قاطعہ سے اصلاح وتردید فرمائی ہے۔ اس بے نظیر کتاب کا اخذ ریاست عالیہ رامپور کا بیش بہا کتبخانہ ہے اور دیگر ریاستوں کے کتبخانوں اور ان دستی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے جو خزانوں میں محفوظ ہیں علماء وکلاء۔ مدرسین ومبلغین کے لئے یہ نادر کتاب معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جو حالات تاریخی وجغرافیائی روایات ورسوم وعقائد وتوہمات اس میں درج ہیں وہ کسی ایک کتاب میں ہرگز نہیں مل سکتے۔ والیان ریاست تعلقداران، امراء ورؤساء کے کتبخانے بغیر اس بے نظیر کتاب کے ہرگز مکمل نہیں کہلا سکتے۔ نئی زمانہ پرانی باتوں پر جو نیا رنگ چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے اسکی قلعی کھولنے کے لئے یہ کتاب ایک زبردست آلہ اور الزامی جواب دینے کے لئے ایک مہلک حربہ ہے۔ تقطیع بڑی صفحات ۶۳۰

قیمت صرف مبلغ ۷ روپیہ

آج ہی کارڈ لکھ کر مینجر ہمدم بک ایجنسی لکھنؤ سے منگائیے

دنیا کی بہترین پنسل

امریکن کارخانہ "شیفر"

کی

"لائف ٹائم" پنسل ہے

اسلئے کہ

(۱) "لائف ٹائم" یعنے عمر بھر کے لئے کافی ہے۔

(۲) اُسکا خول اسقدر خوشنما اور دیدہ زیب ہے کہ دنیا کی کوئی پنسل خوبصورتی میں اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

(۳) ارزانی میں بھی تمام قسموں کی پنسلوں کا مقابلہ کرتی ہے

یاد رکھئے

آپکو "لائف ٹائم" پنسل خریدنی ہے!

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دنیا میں بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

نے کہا "علی بن الحسین" ابن زیاد نے تعجب سے کہا "کیا اللہ نے علی بن الحسین کو قتل نہیں کر ڈالا؟" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے کہا "بولتا کیوں نہیں؟" اُنھوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اُسے مار ڈالا" ابن زیاد نے کہا "لوگوں نے نہیں، خدا نے مارا ہے!" اسپر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی "اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ[1]!" اسپر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے مارے! تو بھی اُنہی میں سے ہے" پھر اُسکے بعد ابن زیاد نے چاہا، انہیں بھی قتل کر ڈالے لیکن زینب بیقرار ہو کر چیخ اُٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہے اور اس لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے اسی کے ساتھ مار ڈال!" امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا "اے ابن زیاد! اگر تو ان عورتوں سے اپنا ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد اُن کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجنا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے" ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے؟ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا، لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے" (ابن جریر کامل۔ وغیرہ)

ابن عفیف کا قتل

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اُس خدا کی تعریف کی "جسنے حق کو ظاہر کیا، حق والوں کو فتحیاب کیا، امیر المومنین یزید بن معاویہ اور اُن کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابن کذاب حسین بن علی اور اُس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا ...!" یہ سنکر عبد اللہ بن عفیف ازدی (جو حضرت علی کے مشہور صحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہو گئے اور چلائے "خدا کی قسم اے ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تو ہے نہ کہ حسین بن علی" ابن زیاد نے یہ سنکر اُنھیں قتل کروا ڈالا۔

یزید کے سامنے

اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیجدیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے جس وقت زحر بن قیس پہونچا، میں یزید کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اُس سے سوال کیا "کیا خبر ہے؟" قاصد نے جواب دیا "فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں! حسین بن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے اُنھیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپکو ہمارے حوالہ کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ اُنھوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی چنانچہ ہمنے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی اُن پر حملہ بول دیا۔ جب تلواریں اُنکے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح ہر طرف بھاگے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر، باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہمنے اُن سب کا قلع قمع کر دیا۔ اسوقت اُنکے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ اُنکے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ اُن کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں، اُن کے جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں۔ گدوں کی خوراک بن گئے ہیں!"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہے یزید نے یہ سنا تو اُس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ کہنے لگا "بغیر قتل حسین کے بھی میں تمھاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (یعنی ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے ضرور درگذر کر جاتا۔ خدا حسین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے!" قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں دیا (ابن جریر۔ کامل تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تأثر

یزید کے غلام قاسم بن عبد الرحمن سے روایت ہے کہ جب حضرت حسین اور اُن کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُسنے یہ شعر پڑھا:

یفلقن ہاما من رجال اعزۃ علینا وہم کانوا اعق واظلما

تلواریں ایسوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں، حالانکہ در اصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔

پھر کہا "واللہ اے حسین! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا!"

اہل بیت دمشق میں

حضرت حسین کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ اس قافلے کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچکر محضر بن ثعلبہ چلایا "میں امیر المومنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں!" یزید یہ سنکر خفا ہوا۔ کہنے لگا "محضر کی ماں سے زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے پیدا نہیں کیا!"

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا "اے علی! تمھارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا، میرا حق بھلایا، میری حکومت چھیننا چاہی اسپر خدا نے اُس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو"

امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی: "ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور[1]" یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اُسنے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے۔ مگر خالد کے سمجھ میں کچھ نہ آیا تب یزید نے خالد سے کہا "کہتا کیوں نہیں" "ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر[2]"

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اُنھیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا۔ اُن کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر متاسف ہوا اور کہنے لگا "خدا ابن مرجانہ کا برا کرے! اگر تم سے اُس کا کوئی رشتہ ہوتا تو تمھارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا، نہ اس حال سے تمھیں میرے پاس بھیجتا"

حضرت زینب کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی سے مروی ہے کہ "جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اُسنے ہمپر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا اور کہنے لگا "امیر المومنین! یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے" اور میری طرف اشارہ کیا۔ اُسوقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں زیادہ سمجھدار تھیں، جانتی تھیں یہ بات ہو نہیں سکتی۔ اُنھوں نے پکار کر کہا "تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اسکا حق ہے!" اس جرأت پر یزید کو غصہ آگیا۔ کہنے لگا "تو جھوٹ بکتی ہے واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے۔ اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں" زینب

---

[1] خدا ہی موت کے وقت جانیں لیتا ہے۔ کوئی بھی بغیر اس کی اذن کے مر نہیں سکتا۔

[1] تمھاری کوئی مصیبت بھی نہیں جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس کرو اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ [2] جو مصیبت بھی آتی ہے خود تمھارے اپنے ہاتھوں آتی ہے۔ اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔

الہلال کی قدیم مکمل جلدیں

گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

الہلال کی پہلی اور دوسری اشاعت کی جلدوں کے لئے شائقین علم و ادب مشتاق تھے۔ چند جلدیں جو دفتر مہیا کر سکا ہے حسب ذیل قیمت پر بھیجی جا سکتی ہیں

الہلال جلد سوم
الہلال جلد چہارم — قیمت فی جلد ۱۰ روپیہ
" جلد پنجم

البلاغ (یعنی الہلال کا دوسرا سلسلۂ اشاعت) قیمت ۸ روپیہ (منیجر الہلال)

اگر آپکو دمہ (ضیق النفس) یا کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے، تو تامل نہ کیجئے اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین HIMROD کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

نے کہا" ہرگز نہیں! خدا نے تمھیں یہ حق ہرگز نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہو کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو"۔ یزید اور بھی زیادہ خفا ہوا۔ کہنے لگا" دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے!" زینب نے بلا تامل جواب دیا" اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے، تیرے باپ نے، تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے!" یزید چلایا" اے دشمن خدا! تو جھوٹی ہے!" زینب بولیں" تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہے۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے!"

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں یہ گفتگو سنکر شاید یزید شرمندہ ہو گیا۔ کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اُسے ڈانٹ بتائی" دور ہو، کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ بخشے!"

یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی درباری اُمراء کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا" ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟" بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر نے کہا" انکے ساتھ وہی کیجئے جو رسول اللہ صلعم انھیں اس حال میں دیکھ کر کرتے"۔ حضرت فاطمہ بنت حسین نے یہ سنکر کہا" اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہو گئی۔ وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ انکے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم

اس اثنا میں واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہو گئی۔ ہند بنت عبد اللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا" امیر المومنین! کیا حسین بن فاطمہ بنت رسول اللہ کا سر آیا ہے؟" یزید نے کہا" ہاں! تم خوب رو، بین کرو، رسول اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا، خدا اُسے بھی قتل کرے!"

"حسین کی اجتہادی غلطی!"

اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا" تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسین کے اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرے نانا یزید کے نانا سے افضل ہیں، اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں، اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ اُن کا یہ سمجھنا کہ اُن کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا اُن کا یہ کہنا کہ اُن کی ماں میری ماں سے افضل تھی، تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہے۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح اُن کا یہ کہنا کہ اُن کے نانا، میرے نانا سے افضل تھے تو تم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول اللہ کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا۔ حسین کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے" اللھم مالک الملک، تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء، بیدک الخیر انک علی کل شیئ قدیر" (ایضاً)

پھر اہل بیت کی خاتونیں، یزید کے محل میں پہونچائی گئیں۔ خاندان معاویہ کی عورتوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو بے اختیار رونے پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا تو فاطمہ بنت حسین نے اُس سے کہا" اے یزید! کیا رسول اللہ کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں؟" یزید نے جواب دیا" اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا؟" فاطمہ نے کہا" بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی"۔ یزید نے کہا" تم لوگوں کا جتنا گیا ہے، اُس سے کہیں زیادہ میں تمھیں دوں گا"، چنانچہ جتنے اپنا جتنا نقصان بتایا، اُس سے دوگنا بھگتا دیدیا گیا۔

یزید کا دستور تھا روز صبح شام کے کھانے میں علی بن حسین کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا۔ ایک دن حضرت حسن کے کم سن بچے عمرو کو بھی بلایا اور ہنسی سے کہنے لگا" تو اس سے لڑیگا؟" اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسن نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا" یوں نہیں۔ ایک چھری مجھے دو، اور ایک چھری اسے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو!" یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا اور عمرو بن حسن کو گود میں اُٹھا کر سینے سے چمٹا لیا اور کہا" سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوتا ہے!"

یزید کی "زود پشیمانی"

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں اُن کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا" کیا حرج تھا اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا، حسین کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا۔ اُن کے مطالبہ پر غور کرتا، اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ صلعم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جسنے حسین کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسین نے کہا تھا میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جاکر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے اُن کی کوئی بات بھی نہیں مانی۔ اور قتل کر ڈالا۔ اُن کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر! خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!"

اہل بیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا" ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین کیساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اُسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں اُن کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو، مجھ سے برابر خط کتابت کرتے رہنا، جو ضرورت بھی پیش آئے، مجھے خبر دینا"۔ بعد میں حضرت سکینہ برابر کہا کرتی تھیں" میں نے کبھی کوئی ناشکر انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا!"

اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب یہ منزل مقصود پر پہنچ گئے تو حضرت زینب بنت علی اور حضرت فاطمہ بنت حسین نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اُسے بھیجے اور کہا" یہ ہماری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمھیں دیں"۔ اُس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا" واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلعم کے خیال سے تھا!"

مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں۔ حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں:

ماذا تقولون ان قال النبی لکم ماذا فعلتم وانتم آخر الامم؟
کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخری امت ہو،
بعترتی وباہلی بعد مفتقدی منہم اساری ومنہم ضرجوا بدم
تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ اُن میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں!

مرثیہ

حضرت حسین کی شہادت پر بہت سے لوگوں نے مرثیے کہے۔ سلیمان بن قتہ کا مرثیہ بہت زیادہ مشہور ہوا۔

مرت علی ابیات آل محمد فلم ارہا کعہدہا یوم حلت
میں خاندان محمد کے گھروں کی طرف سے گزرا مگر وہ کبھی ویسے نہ تھے جیسے اُس دن جب ان کی حرمت توڑی گئی!
فلا یبعد اللہ الدیار واہلہا وان اصبحت من اہلہا قد تخلت
خدا ان مکانوں اور مکینوں کو دور نہ کرے! اگرچہ وہ اب اپنے مکینوں سے خالی پڑے ہیں!
وان قتیلا الطف من آل ہاشم اذل رقاب المسلمین فذلت!
کربلا میں ہاشمی مقتول کے قتل نے مسلمانوں کی گردنیں ذلیل کر ڈالیں!
وکانوا رجاء ثم صاروا رزیۃ فقد عظمت تلک الرزایا وجلت!
ان مقتولوں سے دنیا کی اُمیدیں وابستہ تھیں مگر وہ مصیبت بن گئے۔ آہ! مصیبت کتنی بڑی اور کتنی سخت ہے!
الم تر ان الارض اضحت مریضۃ لفقد حسین والبلاد تقشعرت
کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین حسین کے فراق میں بیمار ہے اور دنیا کانپ رہی ہے؟
وقد اعولت تبکی السماء لفقدہ وانجمہا ناحت علیہ وصلت
آسمان بھی اُس کی جدائی پر روتا ہے۔ ستارے بھی ماتم کرتے اور سلام بھیجتے ہیں!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ قیمت ۱۲ ار

منیجر الہلال کلکتہ

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

آمریکہ میں تمدنی اور صناعی ترقی کے افراط کا ردِّ فعل۔ آمریکہ کی عورتیں زندگی سے بیزار ہو رہی ہیں اس لئے کہ زندگی کی لہنوانی مسرتیں ناپید ہو گئی ہیں!

آمریکہ عجائب وغرائب کی دنیا ہے، تجارت، صنعت وحرفت، دولت، علم کی ایسی فراوانی ہے کہ اُس کا تصور بھی بیرونی دنیا کے لئے مشکل ہوگا۔ دنیا کا عام خیال یہ ہے کہ دولت اور مادی طاقت حاصل ہو جائے تو دنیوی زندگی کی تمام راحتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ پھر کیا آمریکہ میں ..... زندگی کی راحتیں حاصل ہیں؟ کیا آمریکن مسرتِ حیات کی جستجو سے فارغ ہو گئی ہیں؟

مجھے بغیر کسی تأمل کے جواب دینا ہے کہ نہیں!

قوموں کی اجتماعی زندگی کا مرکزی نقطہ عورت ہے۔ اسی کی زندگی سے ہم سوسائٹی کی اجتماعی حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ عورت، انسانی سوسائٹی کی نبض ہے۔ قومی مزاج کا پورا حال، اس نبض پر انگلی رکھنے سے آشکارا ہو جاتا ہے۔ عورت، قوموں کی سعادت وشقاوت کا آئینہ ہے وہ پوری قوم کو اپنے وجود میں پیش کرتی ہے!

آمریکہ کی موجودہ اجتماعی زندگی کے سکون یا اضطراب کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے "آمریکن عورت کی دماغی سیرۃ پر نظر ڈالنی چاہئے۔

چند دن ہوئے مڈل وسٹ میں ایک کمیٹی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اُن اسباب کی تحقیق کرے جنھوں نے تیس سال سے ۴۵ سال کی عمر والی شادی شدہ عورتوں کو اپنی موجودہ زندگی سے بیزار کر رکھا ہے اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۳۹ صفحوں میں شائع کی ہے۔ تمام اسباب وحالات پر بحث کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ "آمریکن عورت، علم کے ہاتھوں پریشان ہے!"

اس اجمال کی مختصر تشریح حسب ذیل ہے:

امریکن دلہن

شہروں کو چھوڑ کر قصبوں کا بھی یہ حال ہے کہ آمریکن دلہن اپنے نئے گھر میں پہنچتی ہے تو علم وفضل سے آراستہ ہوتی ہے اچھی طرح اُن علمی وصناعی آلات کے استعمال سے واقف ہوتی ہے جن سے اُسے اپنا گھر چلانا ہے آمریکہ کی گھریلو زندگی میں بھی کلیں داخل ہو گئی ہیں۔ بہت کم کام عورت کو اپنے ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے۔ تمام کام آلات سے لئے جاتے ہیں جن میں ایک طرف تو محنت کم ہوتی ہے دوسری طرف وقت بھی بہت بچتا ہے۔ گھر میں روزہ کے مشکل کام، گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی کھانا پکانا، کپڑے دھونا ہیں۔ لیکن ان کاموں میں عورت کو بہت کم محنت کرنا پڑتی ہے۔ مشینیں اور آلات اُس کی خدمت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ عورت جلد ان سے فارغ ہو جاتی ہے۔ اگر گھر میں بچے نہیں ہیں تو ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے۔

وہ سوچتی ہے "اب میں کیا کروں؟" اُسے اخبار کا خیال آتا ہے اخبار پڑھنے لگتی ہے، پھر رسالے دیکھتی ہے۔ پھر کتابیں مطالعہ کرتی ہے۔ مگر کب تک؟ تھک جاتی ہے۔ اب سوچتی ہے "کیا کروں؟" اس سوال کا اُسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ جماہیاں لینے لگتی ہے۔ اونگھنے لگتی ہے۔ سو جاتی ہے۔ مگر جاگتے ہی پھر وہی بھیانک سوال اُس کے سامنے آموجود ہوتا ہے اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی!

"آہ! میری مسرت!" وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے "میری شادی تو ہو گئی، مگر میری مسرت کہاں ہے؟" وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے۔ شوہر اُس کی نظر کے سامنے کہاں ہے؟ وہ تو اپنے دفتر میں بیٹھا ہے اور اپنی بیوی کی طرف سے بالکل غافل تجارتی حساب میں مستغرق ہے! عورت سوچتی ہے "میرے شوہر کو کبھی مجھ سے محبت تھی؟ ممکن ہے کبھی ہو، مگر اب تو اُسے محبت پر غور کرنے کی مہلت ہی کہاں ہے؟ اب اُس کی تجارتی زندگی نے کامیابی کا منہ دیکھ لیا ہے۔ اب تو اُسے بیوی کی جگہ "ڈالر" (امریکن سکہ) سے محبت ہے۔ ہفتہ کے ۶ دن تجارت میں منہمک رہتا ہے۔ گھر میں آتا ضرور ہے۔ مگر اس قدر متفکر، اس قدر پراگندہ خاطر، اس قدر خستہ، کہ اُسے اپنی "قدیم محبوبہ" سے ملاطفت کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ اُس کا جسم گھر میں ہوتا ہے، دماغ دفتر میں۔ باتیں بیوی سے کرتا ہے، خیال حساب میں ہوتا ہے۔ بیوی ضبط کرتی ہے اور ضبط کرتی ہے۔ بے صبری سے اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ لو اتوار بھی آگیا! مگر شوہر اس کے پہلو میں نظر نہیں آتا۔ آج اتوار ہے، وہ میدان میں "گلف" یا "فٹ بال" کھیل رہا ہے۔ ہفتہ کے ۶ دن سخت دماغی کام کیا ہے۔ آج اپنی "تندرستی" کا حق ادا کر رہا ہے! مگر اس کی بدنصیب بیوی کا حق؟ بیوی کا حق تو "ڈالر" "تجارت" اور "صحت" کی چکی میں پڑ کر پس گیا!

بیوی کا دل گھر سے اُچاٹ ہو جاتا ہے۔ میدانوں، تماشہ گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے۔ مگر بالکل عبث۔ گھر میں تسلی نہیں ملی۔ دوسری جگہ کب مل سکتی ہے؟

علم حقائق اشیاء

آمریکہ کی سب سے زیادہ قابل فخر درسگاہیں، مشترک زنانہ مردانہ یونیورسٹیاں ہیں۔ لیکن امریکن عورت کی خانگی شقاوت کی بنیادیں بھی یہیں ملتی ہیں۔ یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گذارتی ہے۔ وہ کیا سیکھتی ہے؟ اعلیٰ دقیق علوم: فلسفہ، علم النفس، علم الحیاۃ وغیرہ وغیرہ جو اُسکی صنفی زندگی میں ہرگز کوئی کام نہیں دیتے۔ ایک دن میں نے ایک خوبصورت دوشیزہ سے سوال کیا "تم یہ علوم کیوں پڑھتی ہو؟" اُسنے فوراً جواب دیا "حقائق اشیاء معلوم کرنے کے لئے!" لیکن اب "حقائق اشیاء" کا یہ قیمتی علم بلائے جان ہو گیا ہے!

آمریکہ کے تمام جواں مرد اور عورتیں اسی حقائق اشیاء کے جنون میں مبتلا ہیں۔ پھر یہ حقائق "علمی اصول" پر معلوم ہونے چاہئیں! وہ زندگی کی ہر بات "علمی مسئلہ" کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ہر علمی مسئلہ محل بحث ونظر ہے! محبت، شادی، اولاد، محبت خانہ داری، کھیل، یہ سب اپنی جگہ پر "حقائق" ہیں، "علمی مسائل" ہیں۔ علم الحیاۃ اور علم الاقتصاد کے اصول پر انھیں حل ہونا چاہئے! پھر وہ حل بھی ایسا ہو جو ہر اعتبار سے علمی ومنطقی ہو! یہی سبب ہے کہ آمریکہ میں جرأت کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ آمریکن نوجوان اُسی کام میں جرأت دکھاتا ہے جسمیں جرأت کرنا اقتصادی حیثیت سے مفید ہو۔ آمریکہ کی یہ مشترک یونیورسٹیاں اس لئے وجود میں آئی ہیں کہ "مرد اور عورت کی تفریق باطل ہو جائے" یہ قول ایک یونیورسٹی کی خاتون پرنسپل کا ہے۔ ایک مشہور فرنچ پروفیسر کے سامنے میں نے یہ قول نقل کیا، تو وہ چلا اُٹھا "اُف، ناقابل تصور منگ پن ہے!"

زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سراپا صناعی اور آلاتی زندگی ہے جسمیں آمریکہ کا ہر فرد مبتلا ہو گیا ہے!

نادل اور افسانے

میں نے بہت سی یونی ورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی۔ مجھے یہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی کہ اُن کی فہرستیں نادلوں اور افسانوں سے تقریباً خالی ہیں۔ اقتصادیات، طبیعیات، فلسفہ، نفسیات غرضکہ دقیق علوم کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ آمریکن نوجوان زیادہ زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رقیق جذبات اُن میں بہت کم ہو گئے ہیں۔ مادی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں۔ روح اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں۔

مہارت فنی کا غلو

پھر آمریکہ کی خانگی زندگی کو تلخ بنانے والی ایک چیز اور بھی ہے مرد وں کی تعلیم عام طور پر کسی ایک خاص علم وفن ہی کی ہوتی ہے تاکہ کسی ایک پیشہ میں درجۂ اختصاص حاصل ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر اُسکی بیوی بھی اُس خاص فن میں ماہر نہیں ہوتی جسمیں اُس کے شوہر نے مہارت حاصل کی ہے، تو دونوں کی زندگی میں بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رجحان اور بیوی کا دماغی رجحان: ہم مختلف ہو جاتا ہے۔ دونوں اپنی صحبتوں کے لئے کوئی دلچسپ موضوع بحث نہیں پاتے۔ رسمی گفتگو کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتے ہیں۔ اُسوقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اُسنے جو تعلیم یونی ورسٹی میں حاصل کی تھی، بے فائدہ نکلی۔ وہ افسوس سے ہاتھ ملتی ہے۔ مگر افسوس کرنے سے خانگی مسرت حاصل نہیں ہو سکتی!

قبل از وقت شادی

ان مشترک تعلیم گاہوں نے ایک اور سخت مصرت بھی پیدا کر دی ہے۔ نوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور اُن میں تدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوستی محبت کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور محبت کا نتیجہ شادی ہوتا ہے۔ یہ کچھ پرانا تھا، اگر ایسی عمر میں ہوتا جو پختہ کاری کی عمر ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر شادیاں ۱۹ اور ۲۱ برس کی عمر میں ہو جاتی ہیں، اور اس لئے سخت مشکلات کا پیش خیمہ بنجاتی ہیں۔ مرد اور عورت دونوں علمی زندگی کی ازدواجی ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ بلکہ دونوں ہنوز طالب العلم ہوتے ہیں۔ گھر میں چار چار بچے کھیلتے ہوتے ہیں مگر اُن کے ماں اور باپ دونوں یونیورسٹی کے کمروں میں اساتذہ کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں! اس صورت حال سے جو پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں، محتاج بیان نہیں۔ لیکن تعجب ہے آمریکہ کے عقلاء اس کا سدباب نہیں کرتے بلکہ

اسے پسند کرتے ہیں اور اس کی ہمت افزائی کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کرتے۔ امریکہ کے بوڑھوں میں یہ مقولہ عام ہے "نوجوانوں کو چھوڑ دو کہ ساتھ بڑھیں پلیں، ساتھ پڑھیں لکھیں، بچپن ہی سے باہم محبت کریں اور اپنی نسل بڑھتے دیکھیں!"

امریکن عورت کی روزمرہ کی زندگی

مردوں کی طرح عورتوں کی زندگی بھی روپیہ کمانے اور خرچ کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ بازاروں میں کپڑے کی اکثر بڑی دوکانوں پر تمھیں جلی حروف میں یہ عبارت لکھی نظر آئے گی "یہاں عورتوں کو کپڑے سینے کی مفت تعلیم دیجاتی ہے" جا بجا سائن بورڈوں پر یہ الفاظ پڑھو گے "یہاں علم تدبیر منزل (خانہ داری) پر لکچر مفت سنائے جاتے ہیں"۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ امریکن عورت بالکل بے کار نہیں رہتی وہ اپنی خانگی زندگی میں تو ضرور بدنصیب ہوتی ہے، مگر برابر علمی و صنعتی ترقی کر رہی ہے۔ لیکن دراصل اسی ترقی نے اُسے مسرت سے محروم بھی کر رکھا ہے۔

امریکن عورت بہت مسرف ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت ہر روز بازار میں دیکھا جا سکتا ہے۔ دوکانیں عورتوں سے لبریز رہتی ہیں۔ دوکانداروں کا اپنے اعلانوں میں خطاب عموماً عورتوں ہی سے ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں مردوں کو خرید فروخت کی مہلت نہیں۔ مرد روپیہ کمانا جانتے ہیں، خرچ کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں اُن کی ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں آکر بے دریغ خرچ کر ڈالتی ہیں۔ عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اتنی بات سے کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ دس سال کے اندر منہ پر ملنے والے روغنوں کی فروخت میں فی صدی دو ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے!

زنانہ کلب

امریکہ کے زنانہ کلب، دنیا میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ بڑے ہی شاندار، خوبصورت، اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں۔ عورت چونکہ گھر میں شوہر کو نہیں پاتی، اور دلچسپی سے محروم ہوتی ہے، اس لئے اپنا زیادہ وقت کلب ہی میں گزارتی ہے۔ عام دستور یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کو موٹر میں بٹھا کر اس کے دفتر میں چھوڑ آتی ہے اور باقی پورا دن کلب میں صرف کرتی ہے۔ شام کو پھر موٹر میں بیٹھتی ہے اور شوہر کو دفتر سے لے آتی ہے۔ دونوں رات کا کھانا عموماً ہوٹل میں کھاتے ہیں اور پھر گھر آکر سو رہتے ہیں!

سب سے زیادہ زنانہ کلب مڈل ویسٹ میں ہیں۔ یہ کلب بہت ہی دلچسپ اور مفید ہیں۔ لیکن اُن کا یہ عیب بھی بہت بڑا ہے کہ عورت سے غور و فکر کی قوت سلب کر لیتے ہیں اور اُس کے دماغ میں اس قدر معلومات ٹھونس دیتے ہیں کہ وہ انھیں ہضم نہیں کر سکتی اور دماغی بدہضمی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دن بھر کلب گھروں میں علمی تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دن میں نے شیکاگو کے ایک زنانہ کلب میں چار مختلف مضمونوں پر لکچر سنے۔ مضمون یہ تھے:

(۱) مرد کا کام اپنے گھر میں
(۲) غذا کی تاثیر جسم انسانی پر
(۳) موجودہ ادبیات اور خواق عادات
(۴) سحر و ساحری کی حقیقت۔

میں نے بڑے غور سے لکچر سنے تھے۔ آخر میں سوچنے لگا۔ میں نے کیا سنا تھا؟ باوجود سخت کوشش کے میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ دماغ مختل ہو چکا تھا۔ صرف دو باتیں حافظہ میں محفوظ رہ گئی تھیں۔ ایک یہ کہ دوپہر کو کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی موجودہ اقتصادی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ انسان، دولت جمع کرنے کا آلہ بن گیا ہے۔ صرف ایک دن میں میرا یہ حال ہوا لیکن اُن

بریدِ شرق

مکتوب انگورہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم انگورہ کے قلم سے)

شورائے دولت۔ ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات۔ وزیر خارجیہ کی تصریحات۔ ترکی پارلیمنٹ۔ ترکی عورت اور حق انتخاب۔ برطانیہ کی سازشیں۔ ٹرکی اور افغانستان۔

شورائے دولت

"مجلس شورائے دولت" کے نام سے ترکی پارلیمنٹ نے ایک مجلس کا قیام منظور کر لیا ہے۔ اُس کی صدارت کے لئے مشہور ترکی قانوندان حضرت بک منتخب ہوئے ہیں۔ اس مجلس کا کام یہ ہوگا کہ حکومت کی تمام وزارتوں اور محکموں کو ضرورت کے وقت مشورہ دے، نیز اُن جھگڑوں کا تصفیہ کرے جو مختلف محکموں میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔

م عورتوں کا کیا حال ہوگا جن کی ساری زندگی انہی کلب گھروں اور اُن کے لکچروں میں گزرتی ہے؟

بچوں کی ماں

امریکہ میں بیشمار انجمنیں اس غرض سے موجود ہیں کہ ماؤں کے لئے مفت مشورے مہیا کریں۔ ان میں ہمیشہ لکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ماؤں کو بتایا جاتا ہے کہ وہ کون کون کتابیں پڑھیں؟ کس قسم کا کھانا کھائیں؟ کیا سونچیں؟ کیا دیکھیں؟ غرضکہ ہر معاملہ میں باقاعدہ علمی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ امریکہ میں جس طرح سب معاملات اصول و قواعد کے ماتحت رکھے گئے ہیں، اُسی طرح نسوانیت بھی علمی اصول پر "منطبق" کی جا رہی ہے۔ یہی حد سے زیادہ "علمی انطباق" انسانیت اور مرد و عورت کی جنسیت کی فطرۃ کا خاتمہ ہے!

دنیا میں امریکہ کی نوجوان عورتوں سے منظم تر کوئی چیز موجود نہیں۔ وہ اطاعت نہیں ہوتی۔ اپنے شوہر کی طرح کسی نہ کسی علم یا ہنر میں ماہر ہوتی ہے۔ اپنے گھر کو مرتب و منظم رکھ سکتی ہے۔ امریکن عورت انگلستان کی عورت سے کہیں زیادہ منظم اور سلیقہ مند ہوتی ہے۔

امریکن ماں اپنے بچوں سے بیحد محبت کرتی ہے۔ ہندوستان کی طرح امریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ گھروں میں بچوں کے لئے علیحدہ کمرے نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہوتا ہے اور وہ دن بھر اودھم مچائے رہتے ہیں۔ اسی طرح دائیاں اور کھلائیاں رکھنے کا بھی رواج کم ہے۔ خود ماں ہی دائی ہوتی ہے۔ ماں اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتی۔ وہ اُن کا مستقبل اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہے۔ اُن پر وہ تمام تعلیم و تربیت کے اصول منطبق کرتی ہے جو کلب گھروں میں سنتی اور کتابوں میں پڑھتی ہے!

لیکن اس کے باوجود بھی اُس کی زندگی بڑی حد تک مسرت سے خالی ہوتی ہے، کیونکہ، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، علم کی فراوانی اور تجارت کی افزونی نے اُس پر ازدواجی مسرتوں کا دائرہ تنگ کر رکھا ہے۔ امریکہ کی عورت، علم اور مادی ترقی سے اب نالاں ہے! چونکہ*

ترکی ڈاکٹر کی تحقیقات

مشہور ترکی ڈاکٹر حسن رشاد بک کے متعلق اخبارات نے یہ خبر شایع کی ہے کہ اُنھوں نے آتشک کا حکمی علاج دریافت کر لیا ہے۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ اُن کی دوا کا صرف ایک انجکشن ہمیشہ کے لئے اس خبیث بیماری کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ ترکی حکومت ڈاکٹر موصوف کو اپنے خرچ سے یورپ بھیج رہی ہے تاکہ وہاں ماہرین فن کے سامنے اپنے تجربے دکھائیں۔

وزیر خارجیہ کی تصریحات

ڈاکٹر توفیق رشدی بک ترکی وزیر خارجیہ نے اس ہفتہ اخباری نمایندوں کے سامنے حسب ذیل تصریحیں کی ہیں:

"اس وقت ٹرکی کے تعلقات متمدن دنیا کے جملہ ملکوں سے دوستانہ ہیں۔ اس وقت دنیا کی کسی سلطنت سے بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ پچھلے دنوں جو افسوسناک حادثے بعض سلطنتوں کے مابین واقع ہوئے ہیں، اُنھوں نے ہمارے مسلک پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔ ہمارے مسلک کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ دنیا کا امن و امان ہمارے ملک کے لئے مفید ہے۔ یہی باعث ہے کہ ہم حکومتوں کے درمیان ہڈی ڈالکر خود نفع نہیں اُٹھاتے۔ کیونکہ یہ ہمارے مقصد امن کے خلاف ہے۔

"بلقانی ریاستوں سے بھی ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ ہم اُنھیں اور بھی مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں۔ روس سے ہمارے علائق خاص طور پر بہت ہی اچھے ہیں۔ روس نے کبھی ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ وہ ہمیشہ ہمارا دوست رہا اور اس وقت بھی دوست ہے۔

"چین کی موجودہ تحریک آزادی سے ہمیں پوری دلچسپی ہے۔ ہم اس عظیم الشان مشرقی قوم کی آزادی کے دل سے متمنی ہیں۔ مصر سے ہمیں جو دلی تعلق ہے وہ کسی شرح و تفصیل کا محتاج نہیں۔"

ترکی مجلس کا نیا انتخاب

موجودہ ترکی مجلس (پارلیمنٹ) کی مدت ختم ہو گئی۔ اب نئے انتخابات کا وقت ہے۔ قانون کی رو سے اس مجلس کی عمر ماہ اپریل تک تھی۔ مگر اُسنے دو مہینے اور بڑھا لئے۔ اب وہ دو مہینے بھی گزر چکے ہیں۔ نئے انتخابات ماہ جولائی میں شروع ہونگے۔ باخبر لوگ جانتے ہیں کہ انتخابات کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تمام ملک کو غازی مصطفےٰ کمال پاشا اور اُن کی جماعت پر پورا اعتماد ہے۔ لہذا آیندہ مجلس میں ہمیں تقریباً انہی ممبروں کا انتظار کرنا چاہئے جو موجودہ مجلس کے ارکان تھے۔

ترکی عورت اور حق انتخاب

نئے انتخابات کے پیش آجانے کی وجہ سے اس کا غوغا بہت بڑھ گیا ہے۔ حقوق طلب خواتین بڑی سختی سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہی

* ترکی کی عورت خوش نہیں ہے، اس لئے باوجود بیشمار دولت رکھنے کے امریکہ بھی خوش نہیں ہے۔ وہ تمدن کی شدت سے اُکتا گیا ہے۔ وہ پچھلی طرف دیکھ رہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ صورت حال کا آیندہ ردعمل (ری ایکشن) کیا ہوگا؟

ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے ابھی یہ منزل دُور ہے۔ کم سے کم آئندہ انتخابات میں اُس کی کوئی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس ہفتہ حکومت انگورہ نے اعلان کردیا ہے کہ عورتوں کو حق انتخاب بالفعل نہیں دیا جاسکتا جب یہ ثابت ہو کہ اُنھوں نے ابھی کافی ترقی نہیں کی ہے۔

برطانیہ کی سازشیں

یونانی اخبارات کی اس خبر نے ترکی اخبارات کو سخت مشتعل کردیا ہے کہ "برطانیہ نے حکومت یونان سے خواہش کی ہے کہ روس کے خلاف تمام دول بلقان کی ایک خفیہ کانفرنس منعقد کرے مگر اُس میں ٹرکی کو شریک نہ ہونے دے" ترکی اخبارات کی رائے میں یہ تجویز ٹرکی کے لئے ایک مبارزت ہے۔ انگورہ کا سربرآوردہ اخبار "جمہوریت" اپنی پچھلی اشاعت میں یُوں اظہار خیال کرتا ہے:

"اگر یہ خبر صحیح ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ برطانیہ روس کے ساتھ ٹرکی کی مخالفت پر بھی تُلا ہوا ہے۔ اگر اس تجویز سے برطانیہ کا مقصود یہ ہے کہ ٹرکی کو دھمکا کر روس سے الگ کرلے، تو ہم صاف لفظوں میں اسکی تعمیل سے انکار کرتے ہیں۔ اب وہ زمانے گئے جب ٹرکی ایسی دھمکیوں سے مرعوب ہوجایا کرتا تھا۔ گزشتہ تین صدی کے تجربوں نے ہمیں خوب سکھا دیا ہے کہ ہمیں صرف اپنی قوت پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اور ہم صرف اپنی قوت ہی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنی قوت موجود ہے جو ہمیں ہر مشکل سے بچا سکتی ہے۔ روس سے ہماری دوستی، زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ روس کو ہماری دوستی کی ضرورت ہے۔ ہمیں روس کی دوستی کی ضرورت ہے۔ ہم روس سے ہرگز علحدہ نہیں ہوسکتے"

ٹرکی اور افغانستان

باخبر حلقوں میں خیال کیا جاتا ہے کہ برطانیہ عنقریب افغانستان سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے گا۔ روسی خطرے نے برطانیہ کو بدحواس کردیا ہے۔ وہ دیکھتا ہے روس کے تعلقات افغانستان سے بہت گہرے ہیں۔ افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ہے، لہذا روسی افغانی دوستی ہندوستان کے لئے خطرناک ہے۔ اور چونکہ اس دوستی میں ہندوستان کے لئے خطرہ ہے اس لئے یا تو افغانستان کو روس سے توڑ لینا چاہئے، یا برطانیہ سے دست بگریباں ہونے کے لئے طیار ہو جانا چاہئے۔

یہ ہے برطانیہ کا نقطۂ نظر، اور اسی بنا پر وہ بہت جلد افغانستان سے نئی معاملت شروع کرنی چاہتا ہے۔ ہمیں جہاں تک حالات کا علم ہے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ برطانیہ کو افغانستان کے روس سے الگ کرنے میں ویسی ہی ناکامی ہوگی، جیسی ٹرکی کے معاملہ میں ہوچکی ہے۔ افغانستان، روس سے علحدہ نہیں ہوسکتا۔ اُسے خوب معلوم ہے کہ برطانیہ اُسے ہرگز کوئی نفع نہیں پہونچائے گا۔ لیکن روس اُسے بے شمار نفع پہونچا رہا ہے۔

یہی باعث ہے کہ پچھلے چند ماہ سے افغانستان کے مدبر اسکواڈ انگورہ کا دورہ کررہے ہیں۔ فی الحال انگورہ میں مشہور افغانی مدبر محمود خان طرزی موجود ہیں۔ سرکاری طور پر اُن کی آمد صرف سیر و سیاحت کی غرض سے بتائی گئی ہے۔ خود اُنھوں نے بھی اخبار "حاکمیت ملیہ" کے نامہ نگار سے یہی بیان کیا ہے۔ لیکن اُن کے یہ الفاظ خاص معنی رکھتے ہیں "افغانستان کی دلی آرزو ہے کہ ٹرکی سے اُسکے تعلقات اور بھی زیادہ مضبوط ہوجائیں"



مقالات

محرم الحرام سنہ ۱۳۴۶ ہجری

نئے ہجری سنہ کا آغاز!

تذکار ہجرۃ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

۲

واقعۂ ہجرۃ کا اختصاص

پچھلی تحریر میں حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ حضرت عمر اور مجمع صحابہ نے ایک نئے سنہ کی ضرورت اس لئے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام و تکمیل کے لئے قومی سنہ کی ضرورت تھی، اور اسلام کی تعلیم و تربیت نے اُن کی قومی ذہنیت کا جو مزاج پیدا کردیا تھا، اُس کا مقتضی یہی تھا کہ اس ضرورت کی ٹھیک طبیعتوں میں پیدا ہوتی۔ لیکن اب اس کے بعد معاملہ کا سب سے زیادہ ضروری سوال سامنے آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قومی سنہ کا مبدء قرار دینے کے لئے سامنے کی جتنی چیزیں بھی ہوسکتی تھیں، اُن میں سے کوئی چیز بھی اختیار نہیں کی گئی، اور ایک دُور کی چیز جو بظاہر اس غرض کے لئے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اُن کے سامنے آگئی، اور اُسپر سب کا اتفاق ہوگیا۔ آخر اس کی علت کیا ہے؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں، وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی نزول وحی کی ابتدا تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکہ کا فاتحانہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرۃ مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ کسی پیدائش کا جشن ہے، نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہے، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ۔ بلکہ اُس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغاز اسلام کی بے سروسامانیاں اور نارسائیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی ناممکن ہوگیا تھا۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن، اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب، اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر، صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ، رات کی تاریکی میں، رہسپار دشت غربت ہوا تھا!

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں۔ حضرت عمر اور صحابہ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے۔ لیکن وہ اُن کی تقلید پر آمادہ نہ ہوسکے اور اُنھوں بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی۔

دُنیا کے قومی سنین

قومی سنہ دراصل قوم کی پیدائش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں۔ اُس کا دور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سرِ نو شروع ہوتا ہے، اور اس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اُس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی بنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہے جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہے۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہے، یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سرزمین کے قبضہ و تسلط سے۔ اس لئے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا مشاہیر و اکابر کی پیدائش اور تخت نشینی ہی سے ہوتی ہے۔ بیرونی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنین و تواریخ کے موضوع پر لکھی ہے، اور اس درجہ کی لکھی ہے کہ آج بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جاسکتی۔ وہ دُنیا کے تمام سنین کا استقصا کرکے لکھتا ہے "قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیان حکومت و مذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال، اور حوادث عظیمۂ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں"

قدیم سنوں میں بابلی، یہودی، رومی، مسیحی، ہندوستانی، اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں، ان سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوتی ہے۔ بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اول کی پیدائش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اُس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا۔ یہودیوں نے پہلے مصر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بنیاد رکھی تھی۔ کیونکہ اسی واقعہ سے اُن کی قومی آزادی کا دور شروع ہوتا تھا۔ پھر جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہوگئی تو حضرت داؤد کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے۔ پھر ہیکل کی بربادی کے بعد جب دوبارہ تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا، تو چونکہ اس سے یہودیوں کے اجتماع و توطن کا نیا دور شروع ہوتا تھا اس لئے اس کی یاد آوری کے جذبے تاریخ دسنہ کی صورت اختیار کرلی۔ رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہے جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ پھر آگسٹس کی پیدائش سے نیا سنہ شروع ہوا جسکی فتحمندیوں نے رومی عظمت کا نیا دور شروع کردیا تھا۔ مسیحی

سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے۔ یعنے اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے واقعہ پر رکھی ہے۔

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لئے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا، وہاں مختلف حلقوں کے لئے مختلف سنہ بھی قرار پا گئے تھے۔ جوتشیوں نے اپنے حساب کے لئے خاص جوتشی سنہ قرار دیا تھا۔ عوام اپنی یادداشت کے لئے الگ سنہ رکھتے تھے۔ حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ اُن کے لئے مخصوص تھے، مگر ان سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی۔ آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آجتک مستعمل ہے، سنہ ہجری ہے اور یہ راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے، سب کی ابتدا پیدائش، تخت نشینی، اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے۔ اس رسم کی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اُسے سنہ جلوس کہا جائے، ایرانیوں ہی نے بنیاد ڈالی۔ مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے، تو ایران کا کارپرداز سنہ یزدگرد آخری فرمانروائے ایران کا سنہ جلوس تھا۔

حضرت عمرؓ کا تردد

اُن روایات سے جو پچھلی تحریر میں درج ہو چکی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی ابتدا میں یہی خیال ہوا تھا کہ آں حضرت (صلعم) کی پیدائش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتدا کی جائے۔ سعید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ آپ نے جب حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو اُن کی رائے یہ ہوئی کہ واقعۂ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ بات آپ کے دل میں اُتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہو گئے۔ ابن مہران کی روایت میں ہے کہ مبدء تاریخ کے بارے میں جب معمول صحابہ نے مشورہ کیا تھا۔ مختلف رائیں لوگوں نے دیں۔ بالآخر سب متفق ہو گئے کہ واقعۂ ہجرۃ سے ابتدا کی جائے: فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الھجرۃ۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور و فکر کیا گیا تھا، اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں چونکہ سلمانے کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے حضرت عمرؓ کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کوئی بات اسمیں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اسپر انشراح نہیں ہوتا تھا۔ متردد تھے۔ بات قرینہ کی تھی لیکن دلیں بیٹھتی نہ تھی۔ بالآخر مزید مشورہ کیا، اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعۂ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تلی تھی، کہ فوراً حضرت عمرؓ کے دل میں اُتر گئی، اور تمام اکابر صحابہ بھی اسپر متفق ہو گئے۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہو گئی۔ اب معلوم کرنا چاہئے کہ واقعۂ ہجرۃ کی وہ کونسی مناسبت تھی جسنے حضرت علیؓ کو کہ مدینۂ علم نبوت کے باب اور حکمت و سنت رسالت کے محرم اسرار تھے، اس طرف توجہ دلائی؟ اور پھر وہ کونسی ایسی مشہور و معلوم خصوصیت تھی، جس کی وجہ سے اتنی دور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً اُتر آئی، اور اس طرح تسلیم کر لی گئی، جیسے ایک مسلم اور طے شدہ بات ہو؟

واقعۂ ہجرۃ صحابہ کے نظر میں

ہاں، آج ہمارے لئے کہ اسلام کے صدر اول کا داغ اور رُخ دونوں کھو چکے ہیں، یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو، مگر صحابہ کرام کے لئے جو اسلام کے چمکتے ہوئے دل اور اُس کے بنائے ہوئے دماغ دونوں کے مالک تھے، یہ بات اتنی صاف، اتنی کھلی ہوئی، اور اس طرح کی طرح جانی بوجھی ہوئی تھی کہ اُس کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا۔ داعی اسلام کے تزکیۂ تربیت اور درس کتاب و حکمت نے اُن کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کر دیا تھا، کہ کوئی بات خواہ کتنی ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو، لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی، تو فوراً اُن کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی، اور پھر جمتی تھی تو اُسی وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آجاتی تھی۔ تم اُن لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو، لیکن تم نے اُن کے علم اور دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں، حالانکہ صرف اُن کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ اُن کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی جیسا کہ خود اُنہی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا: اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کانوا افضل ھذہ الامۃ: ابرھا قلوباً، واعمقھا علماً، واقلھا تکلفا، اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ واقامۃ دینہ (عن عبداللہ ابن مسعود۔ رواہ الدارمی)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا، اور خود اُنھیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں، لیکن چونکہ یہ بات اُس معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا، اس لئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے پر بھی اُن کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جونہی یہ بات سامنے آئی، سب کے دلوں نے قبول کر لی۔ تاریخ کا یہ مبدء دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا۔ بلکہ صحیح اُلٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انھوں نے بیچارگی و درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دُنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں۔ اُنھوں نے چاہا اپنی تاریخ ظہور کی سب سے بڑی بے سروسامانی یاد رکھیں۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن کی قومی تاریخ اُسوقت سے شروع ہوئی، جب اُن کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا، اور اُسنے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی۔ لیکن ان کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اُس دن سے ہوئی، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی؛ اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دُنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ اُن کی طاقت و شوکت کی بنیاد اُسوقت پڑی، جب اُنھوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کا یقین یہ تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اُسدن کھلا، جب ملکوں پر اُنھوں نے قبضہ نہیں کیا، بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔ بلاشبہ اُن کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے اُلٹی سمجھ تھی، لیکن اُس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے اُنکے اندر پیدا کر دی تھی، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرنی چاہتے تھے۔

مصیبت یہ ہے کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے۔ وہ پھل ڈھونڈتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارۂ محراب کی بلندیاں اور خوشنمائیاں دیکھتی ہے، لیکن زیر زمین بنیادوں کے لئے نگاہ نہیں رکھتی۔ صحابۂ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظیمہ ترک کر کے ہجرۃ کا واقعہ انتخاب کیا، تو اُن کی نظر بھی پیدائش و ظہور، فتح و اقبال اور حشن و کامرانی ہی پر تھی۔ وہ کچھ ناکامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے۔ البتہ وہ فتح و اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے۔ حقیقت اور تخم و اساس پر نظر رکھتے تھے۔ اُن پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش و ظہور اور فتح و اقبال کی اصلی بنیاد اُن واقعات میں نہیں ہے جو بظاہر نظر آتے ہیں۔ ہجرت مدینہ اور اُس کے اعمال و حقائق میں ہیں۔ اس لئے جو اہمیت دُنیا کی نگاہ میں پیدائش، بعثت، بدر، اور فتح مکہ کو دی جاتی تھیں، وہ اُن کی نظروں میں ہجرۃ مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرۃ نبوی کی حقیقت

لیکن واقعۂ ہجرۃ کیا تھا؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا۔ بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ در اصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے۔ ایک عہد، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے۔ دوسرا، مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔ پہلا آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرۃ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا غار حرا کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غار ثور کے انزوا پر۔ دوسرا ہجرۃ سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی، اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور، دوسرا دور تھا۔ کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت و حشت کا سر و سامان شروع ہوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتیاروں کی پہلی فتح تھی۔ مکہ کی فتح، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اُس کی زندگی کا اصلی دور، دوسرا نہیں، پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں اُستوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو ہاتھ ان ہتیاروں کے قبضوں پر جمے تھے، اُن کی طاقتیں کس میدان میں طیار ہوئی تھیں؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی، لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی، تو مکہ کی فتح کی راہ کیونکر کھلتی؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت اور اُس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہو گیا ہو، لیکن اُس کی روح پہلے ہی دور میں ڈھونڈ لینی چاہئے!

پہلا دور ختم تھا۔ دوسرا اُس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد تھی دوسرا ستون و محراب تھا۔ پہلا نشو و نما کا عہد تھا۔ دوسرا ظہور و انفجار کا۔ پہلا معنی و حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا روح تھا۔ دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، درست کیا، اور مستعد کر دیا۔ دوسرے نے قدم اُٹھایا، آگے بڑھا، اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو، لیکن اولین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے!

استعداد داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے۔ تم اُس کے کتنے ہی مختلف نام رکھ دو گروہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ اب ایک لمحہ کے لئے ٹھہرو، اور غور کرو کہ تخلیق و تکمیل وجود کے لئے خدا کا قانون حیات کیا ہے؟

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے۔ عالم صورت کی طرح عالم معنی بھی اپنی ہستی رکھتا ہے، لیکن کوئی چیز ہو، تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دوروں سے گزرے۔ پہلا دور "استعداد داخلی" کا ہے۔ دوسرا "استعداد خارجی" کا۔ ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے، اور ضروری ہے کہ

اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اسکے اندر پیدا ہو جائے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے مثال کی ضرورت ہے۔ خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے۔ زندگی اور وجود کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، اُن میں سے ہر چیز موجود ہے، اور اُس کی موجودگی صرف اس لئے ہے تاکہ استعداد کو ڈھونڈ نکالے، صلاحیت کو پالے، اور انفعال کو فعل سے اور انجذاب کو جذب سے ہمکنار کرے۔ سورج روز آسمان پر چمکتا ہے۔ ستارے ہمیشہ زمین کی طرف جھانکتے ہیں۔ ہوائیں کیسا ں گرم و خوشی سے چلتی ہیں، بادلوں کی رفتار میں کبھی رکاوٹ نہیں پڑتی۔ سورج کی کرنیں سمندروں کو کھنچنے اور پانی کے ذخیرے جمع کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ زمین کی سطح اپنے سارے خزانے لئے ہوئے موجود ہے۔ خاک کے ذرّوں میں سے ہر ذرہ اپنا خاصہ اور اپنی تاثیر رکھتا ہے۔ موسموں کی تبدیلی اور لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں۔ یہ، اور اسی طرح کی تمام اَن گنت اور بیحد و حساب چیزیں:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا اور اگر تم خدا کی نعمتیں اور بخشائشیں شمار کرنی چاہو (۱۴ : ۳۴) تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمہارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا!

قوتوں کا خزانہ اور بخشائشوں اور ربوبیتوں کا فیضان عام ہیں اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ "خارجی استعداد" ہے جو وجود کے لئے خلق و تسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اُس کے انتظار میں چشم براہ رہتی ہے۔ لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف وہی اشیاء فائدہ اُٹھا سکتی اور اپنے حصہ کی بخشش پا سکتی ہیں جن کے اندر خود اُن کے "اندر کی استعداد" وجود میں آگئی ہے۔ یہ اندرونی استعداد باہر کے کارخانۂ استعداد کی تاثیر کے لئے بمنزلۂ انفعال ہے۔ جب تک انفعال کا لب سوال وا نہ ہوگا، فعل و تاثیر کا جواب فیضان، حرکت میں نہیں آسکتا!

دہقان ایک بیج اُٹھاتا ہے اور زمین کے حوالے کر دیتا ہے۔ اب دیکھو، اس ایک بیج کے بارآور ہونے کے لئے قدرت الٰہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانۂ ہستی مہیا کر دیا ہے؟ سورج منتظر ہے کہ اپنی گرمی اس کے لئے وقف کر دے، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذخیروں کا منہ کھول دے۔ زمین مستعد ہے کہ اپنی آغوش اُس کے لئے وا کر دے؛ لیکن ان تمام کارخانۂ بخشش سے وہ جبھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جبکہ خود اُسکے اندر کی استعداد صحیح و صالح ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یہ تمام کارخانۂ بخشش و نوال اُس کے لئے بیکار ہوگا۔ سورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھ دے پھر بھی اسے گرم نہ کر سکے گا، بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے، جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملیگا!

پھر ایک صالح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے، تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے اور اندر ہی اندر پکنے اور بڑھنے لگتی ہے۔ اُس وقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر ایک ذرّوں اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لیکن انہیں ذرّوں اور ریشوں کے اندر اُس کی آنے والی ہستی کی ساری بڑائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے ایک عظیم اور تناور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے، اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذرّوں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ وہ بتدریج نشوونما پاتا ہے، اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے۔ پھر جب یہ سب کچھ ہو چکتا ہے، تو وہ وقت آجاتا ہے جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہے اور اُس کی پہلی شاخ باہر نکلتی ہے۔ چنانچہ وہ اُبھرتا ہے، اور کائنات فطرۃ کے جس کارخانۂ فیضان سے زمین کے اندر اکتساب فیض کر رہا تھا، اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش و نوال حاصل کرنے لگتا ہے۔ اُس وقت تم دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوخاستہ سرو قد کھڑا ہے، اور کارخانۂ فطرۃ کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو، لیکن تم بھولجاتے ہو کہ باہر کی استعداد اُس کے لئے جو کچھ بہم پہنچا رہی ہے یہ دراصل اُسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہے جو زمین کے اندر اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی!

عالم حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ حیوان اور انسان کا جو وجود عالم ہستی میں قدم رکھتا ہے، اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی منزلیں طے کرتا ہے، دراصل یہ وہی وجود ہے جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر تخلیق و تکمیل کی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا دور صحت اور قوت کے ساتھ ختم نہ ہوتا، تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دور وجود ہی میں نہ آتا۔ وہ پہلے شکم مادر میں جنین کا ابتدائی مادہ تھا۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا، بہ تدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں وجود میں آئیں پہلے چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جنھوں نے ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لی۔ پھر یہ جونک بڑھتے بڑھتے گوشت کا ایک لوتھڑا بنگئی، لوتھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بننا شروع ہوا، اور ڈھانچے پر گوشت پوست کا غلاف چڑھ گیا، پھر گوشت اور ہڈیوں کا یہی مجموعہ منظم و تناسب کے ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا، کہ شکل و ہیئت کی تمام باریکیاں اور خال و خط کی ساری دلاویزیاں مکمل ہوگئیں۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہوگئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم مادر سے باہر قدم نکالے۔ اور تم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمھارے سامنے ہے: ثم انشاناہ خلقاً آخر، فتبارک اللہ احسن الخالقین! (۲۳ : ۱۴)

بہرحال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانۂ فیضان فطرۃ سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اس استعداد کے ظہور کا پہلا محل اندرونی ہے دوسرا بیرونی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کرے گی، دوسرے دور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی۔ خارج کے نشوونما کے لئے داخل کا نشوونما، بمنزلۂ سبب علت ہے۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔

جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے۔ یہ افراد و اشیاء کی مثالیں تھیں۔ انہی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کرو۔ اشیاء افراد کی طرح "جماعت" بھی پیدا ہوا کرتی ہے۔ اس کی تخلیق، نشوونما، اور ترقی و تکمیل کے لئے بعینہٖ وہی قوانین ہیں، جو اشیاء و افراد کے لئے ہیں۔ جس طرح فطرۃ الٰہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشوونما کے لئے اپنی بخشائشوں کے بادل زمین پر پھیلا دئے ہیں ہر شئے زندگی دینے والی، ہر شے پرورش کرنے والی، اور ہر شئے وجود و کمال تک لیجانے والی ہے، ٹھیک اُسی طرح "جماعت" اور "اُمت" کے ظہور و نشوونما کے لئے بھی ہر طرح کی بخشائشوں اور ہر طرح کی فیض رسانیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ ربوبیت اُس کے ظہور کا انتظار کرتی اور بخشائش فطرۃ اُس کے قدم اُٹھانے کی راہ تکتی ہے۔ لیکن جس طرح افراد و اشیاء کے لئے فطرۃ کا تمام سامان فیض صرف اُسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جبکہ خود ان کے اندر صحیح و صالح استعداد موجود ہو۔ اسی طرح "جماعت" کا مولود بھی وقت کے فیضان اور قومی و مزبوی ماحول کی بخشائشوں سے اُسی حالت میں فائدہ اُٹھا سکتا ہے، جبکہ خود اُس کے اندر اکتساب انفعال کی صحیح استعداد موجود ہو۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے، دوسرا خارجی، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لئے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے۔ دوسرا خارجی۔ کوئی جماعت، کوئی قوم، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ، کشمکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی، اگر پہلے ایک تخم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی۔ اسکی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک معین وقت اور وقت کی معین مقدار ہے، اگر ایک جماعت وجود و کمال کا پورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے، تو ناگزیر ہے کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کرے۔ اُس کے بعد خارج کے اعمال و فتوح کا دروازہ خود بخود اُس پر کھل جائے گا۔ کیونکہ خارج کی تمام کامرانیاں اُس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہیں۔

جس طرح اشیاء و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دارومدار اُن کے اندر ہی اندر نشوونما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے، اسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دارومدار اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تزکیہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ "تزکیۂ اخلاق و نفس" سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہے، وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے، اور اس رسوخ و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے گویا ایک آہنی کالبد لیکر ان میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اُس میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشوونما طاقت و برتری کا موجب ہوتی ہے، اُسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے اُن کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشوونما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے۔ یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں، اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیۂ نفوس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اسی کی تولید و تکمیل، جماعتوں اور قوموں کی "داخلی استعداد" ہے۔

"جماعت" کی داخلی استعداد کے لئے جن ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت سے تعلق رکھتی ہے، لیکن اُس کا سارا زور "جماعتی ذہن و اخلاق" کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعت کے لئے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے۔ چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کر لے، اس لئے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال یعنی ہے اور پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اُسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہو جاتی ہیں، اور اپنے بیشمار انفرادی اختلافات کے باوجود بھی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک قسم تماثل اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اُن کی خواہشیں یکساں نہیں ہو سکتیں اور یکساں نہیں ہوتیں۔ اُن کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح کی نہیں ہو سکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی سمجھ میں اپنی رائے میں، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جا سکتے، اور ایک نہیں ہو جاتے؛ لیکن وہ ذہن و عمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیاد ہیں اور اخلاق و سیرۃ کی فضیلت کا معیار ہیں، اس طرح یکساں اور ایک نگاہ و عمل ہو جاتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب کے

اندر ایک ہی رُوح بول رہی ہو!

یہ موقعہ نہیں ہو کہ اطناب سے کام لیا جائے، ورنہ ضرورت تھی کہ اُن اخلاق وخصائص میں سے ایک ایک چیز کی شرح وتفصیل کی جاتی، اور واضح کیا جاتا کہ قرآن وسنت نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا بنیادی اوصاف بتلائے ہیں، اور اُس کی داخلی استعداد کے ارکان وسبانی کیا کیا ہیں؟

بہرحال اشیاء افراد کی طرح جماعات واقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمگی اُن کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہو۔ نہ کہ خارجی اعمال میں۔ کیونکہ خارج کے اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج وثمرات ہیں۔

پہلا دَور داخلی استعداد کا دَور تھا

ظہورِ اسلام کا پہلا دَور جو بعثت سے شروع ہو کر ہجرۃ پر ختم ہوا اور جس کا نقطۂ تکمیل ہجرۃ کا سالہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دَور تھا۔ اور اس لئے ظہورِ اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدء یہی دَور تھا۔ نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دَور بلاشبہ دُنیا کی ظاہر بین نگاہوں میں یہ دَور مصیبتوں کا دَور اور بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا، لیکن بباطن امت مسلمہ کی ہر آنے والی تمدنی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشوونما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن واخلاق کے لئے تعلیم وتربیت کا مدرسہ اور تزکیۂ نفوس وارواح کا امتحان گاہ تھیں۔ بدر کی فتح مند اسی کے اندر سبق لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک اور قادسیہ کی پیدائش بھی اسی کے آزمایشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔ یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے اُس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحۂ جنگ سے کرنا پڑا تھا۔ لیکن نفس واخلاق کے تزکیہ وتربیت کا جو جہاد اس پہلے دور میں ہو رہا تھا، اسے "جہاد کبیر" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا: فلا تطع الکافرین وجاہدھم بہ جہادًا کبیرا (۲۵:۵۳)

بالاتفاق سورۂ فرقان مکی ہو۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا۔ صبر استقامت اور عزم وثبات کا جہاد تھا اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں

ہجرۃ تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرۃ کا واقعہ اس دَور کی مصیبتوں کی انتہا تھا، اس لئے اُس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابۂ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے۔ اور کیونکر بے خبر ہو سکتے تھے جبکہ اُن کی دماغی تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ میں مضمر تھی؟ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے کی جائے؟ تو انھیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام واقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرت کی پیدائش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اُس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی۔ شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔ بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا، لیکن وہ معاملہ کی ابتدا تھی، انتہا وتکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح واقبال کی بنیاد نہ تھے۔ کسی دوسری بنیاد کے نتائج وثمرات تھے۔ یہ تمام ... واقعات تو سامنے آئے، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں۔ بالآخر جب ہجرۃ کا واقعہ سامنے آگیا، تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا، کیونکہ انھیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور وعروج کا مبدء حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہو، اور اس لئے یہی واقعہ ہو جسے اسلامی تاریخ کا مبدء بننا چاہئے۔

ہجرۃ مدینہ کی فتح تھی

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہو جاتی ہو جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہورِ اسلام کی تمام فتحمندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اُس کی تکمیل ہجرۃ ہی کے واقعہ سے ہوئی یعنی مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سنکر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اُسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہو۔ لیکن تمھیں معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہو، اور اسی فتح سے میدان جنگ جنگ کی فتحمندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اُسوقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہو گیا تھا۔ باشندگان یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہو، اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہو۔ اُسوقت دنیوی جاہ وجلال کا نام ونشان نہیں ہوتا سیف وسنان کی ہیبت وجبروت کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سترا سر غربت اولیٰ کی بے سروسامانیاں اور عہد مصائب محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اُس کے سامنے جھک جاتی ہو، اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق واطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اُس کے استقبال کے لئے طیار ہو جاتی ہو جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔ قیس بن صرمہ انصاری نے کیسے سچے اور دلنشیں لفظوں میں اہل مدینہ کے جوش وخروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہو؟ وکان عبد اللہ ابن عباس یختلف الیہ و یحفظ منہ ہذہ الابیات:

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ ... یذکر لو یلقی حبیبًا مواتیا
ویعرض فی اہل المواسم نفسہ ... فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا
فلما اتانا واستقرت بہ النوی ... واصبح لایخشی ظلامۃ ظالم
بذلنا لہ الاموال من جل مالنا ... وانفسنا عند الوغی والتآسیا
نعادی الذی عادی من الناس کلہم ... جمیعًا، وان کان الحبیب مصافیا
ونعلم ان اللہ لارب غیرہ ... وان کتاب اللہ اصبح ہادیا!

دلوں اور روحوں کی اس فتح وتسخیر سے بڑھکر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی؟ لیکن یہ فتح کیونکر ہوئی؟ دورِ ہجرۃ کے آلام ومحن میں اس کا آغاز ہوا، اور ہجرۃ نے اس فتح کی تکمیل کر دی!

یہی وجہ ہو کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرۃ کا ذکر اس طریقہ پر کیا ہو، جس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ بے سروسامانی ونصرت کے اس عمل ہی میں فتح ونصرت الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ تھی:

ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ: لا تحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلی وکلمۃ اللہ ہی العلیا واللہ عزیز حکیم (۹:۴۰)

غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا۔ غم وریج نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہو، اور اُسکی مشیت وحکمت ہمارے لئے فتح ونصرت کی راہ باز کرنے والی ہو پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین وطمانیت اُس پر نازل فرمائی اور فتح ونصرت کے ایسے لشکروں سے اسکی مدد کی جنھیں دنیا کی ظاہر بین اور حقیقت ناآشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُن سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے، ہمیشہ کے لئے پست ہو گئی، اور کلمۂ حق ہی کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ۴

۴ یہ آیت سورۂ برأۃ کی ہو۔ سورۂ برأۃ بالاتفاق اُسوقت نازل ہوئی ہو جب اسلام کی ظاہری فتحمندیاں تکمیل کے پہنچ چکی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے لئے ہجرت کی مرکزی فتح کا دائمی تصور قائم رکھنا کیسا ضروری تھا۔

فہرست

آثار عتیقہ

علم الآثار مصر ۳
مغرب کی تاریخ جدید کے رجال تاریخ ۴
والٹیر

تاریخ وعبر

فرانس کا فاتح اعظم اور اسلام ۸

مطبوعات جدیدہ

پان یورپین تحریک اور امن عالم ۱۲

ادبیات

تین ہزار برس پیشتر کی شاعری ۱۳

بصائر وحکم

انسانیت موت کے دروازہ پر! ۱۶
حسین بن علی علیہما السلام

برید فرنگ

مکتوب آمریکہ ۱۹

برید شرق

مکتوب انگورہ ۲۰

مقالات

تذکار ہجرت نبوی ۲۱

تصاویر

والٹیر ۵
نپولین بونا پارٹ مصری لباس میں ۸
مراد بک مملوک 〃
شیخ عبداللہ شرقاوی 〃
شیخ سلیمان فیومی ۹
شیخ خلیل بکری نقیب السادات 〃

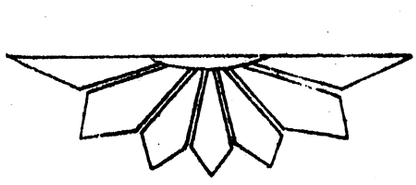

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان ایں دفتر پارینہ را
تازہ خوابی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الہلال هي وہ رسالہ هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي- اُس نے ملک کے سياسي ' علمي ' ادبي ' اور ديني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے ' قريب هے کہ مستقبل هند کا مورخ اُن پر بحث کريگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مباديات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان کي سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي ذهنيت ظهور پذير هوئي .

الہلال اگرچہ ايک هفتہ وار مصور رسالہ تها ' ليکن چونکہ وہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتہاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تها- اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ کے هوتے تهے- اور اُسکا هر باب اپني مجتہدانہ خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلی طباعت و ترتيب کا پہلا نمونہ تهيں- اردو کا وہ پہلا هفتہ وار رسالہ تها ' جس ميں هاف ٹون تصاويرکے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجہ سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نہيں- اِس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترين مجموعہ هيں- اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے کہ سنہ ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيہ ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نہيں) ساڑهے چارسو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدي هے- جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي عليحدہ کرنے کيليے تيار نہيں- پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاف نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيرہ الہلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي کہ شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جا سکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوبارہ چهپوا ليا جاے-

چنانچہ الحمدللہ يہ کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعہ شايقين علم و ادب کو آخري موقعہ ديتے هيں کہ اِس قيمتي ذخيرہ کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکہ جلدوں کي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچيں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس بہ ترتيب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيہ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيہ
" " " چہارم ۱۰ روپيہ " " " پنجم ۱۰ روپيہ

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الہلال اِس نام سے شائع هوا)
قيمت ۸ روپيہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچہ اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعہ علم و ادب هے- قيمت في پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوہ هے -

منيجر " البلاغ پريس "

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لندن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي ہوتے ہیں جنکي اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لندن کا ہفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher:
Printing House Square
London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لندن کا تعلیمي ضمیمہ [illegible]

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرني چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں' نفع بخش ایجنسیاں لیں' ہندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں' تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاہئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں' تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہي آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. ß. H.

Berlin-W. 35

Post No. 24.

ہر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري ہیں' اس کارخانے میں طیار کي جاتي ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں' ترکاریوں' اور ہر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي ہیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA.
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

جلد ۱ نمبر ۸

۵ اگست ۱۹۱۲ء

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - - بارہ روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - - سات روپیه
قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں اُنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکهیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکهیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایئے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی ارڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکهدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع ' اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين القرآن الكريم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۸ | کلکتہ : جمعہ ٦ ۔ صفر ١٣٤٦ ہجری | جلد ١

Calcutta : Friday, 5, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

ضروری ھی کہ ھم اسکا اب فیصلہ کرلین

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔

طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

ھندی اور ھندوستان کی تمام زبانون نی، نیز عربی، فارسی ، ترکی ، تینون سامی زبانون نی حروف کی چھپائی اختیار کرلی ھی اور انکی طباعۃ یورپ کی طباعۃ کا مقابلہ کر رھی ھی ۔ کیون اردو زبان بھی ایسا نہ کری جو اسی رسم الخط مین لکھی جاتی ھی ؟

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کرلین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

[redacted] رای مین بہترین حروف یہی ھین ۔ اگر فارسی اور ترکی کیلیي یہ نا موزون نہین تو اردو کیلیي کیون نا موزون ھون ؟

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجییي ۔ یاد رکھییي ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیي سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔

الھلال

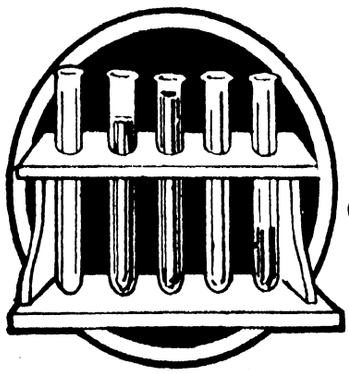

مذاکرہ علمیّہ

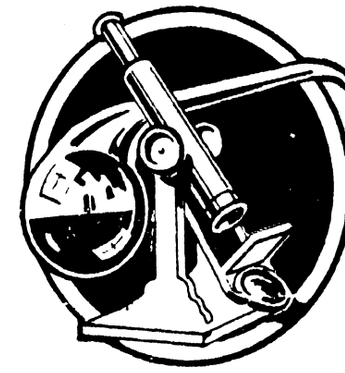

نظریۂ ارتقا کا گم شدہ حلقہ

کیا حلقۂ مفقودہ مل گیا ہے ؟



انسان کا دماغ گوریلا کا دماغ

نظریۂ ارتقا کے "حلقۂ مفقودہ" سے مقصود وہ ذہني حیوان ہے ' جسکي نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ انسان کي موجودہ شکل اور ہیئت کے ارتقا سے پہلے زمین پر موجود تھا - وہ انسان میں' جو سلسلۂ ارتقا کي آخري کڑي ہے ' اور ترقي یافتہ جانوروں میں ' جو ہئیت انساني سے بہت زیادہ قرب رکھتے ہیں' درمیاني برزخ تھا -

اس نظریہ کے قائلین کا خیال ہے کہ بندر کي ترقي یافتہ قسمیں مثلاً گوریلا ' اس قسم کي مخلوق ہیں جنکي ظاہري ہیئت ' جسماني بناوٹ ' تشریحي نظام ' اور اعضاء معنوي کے وظائف و خواص ' انسان سے بہت زیادہ قریب اور ملتے جلتے ہیں - لیکن اسدرجہ قرب اور مماثل نہیں ہے کہ اُسکے بعد ہي انسان کا وجود آ جاے - ضروري ہے کہ درمیان میں کوئي ایک یا ایک سے زیادہ کڑیاں رہي ہوں اور وہاں "جانور" کي سرحد ختم ہوئي ہو اور "انسان" کي حدود کا آغاز ہوا ہو - چونکہ علم الحیوانات کي موجودہ اور مدون معلومات میں کوئي ایسا مخلوق موجود نہیں ہے ' اِسلیے اُنھیں اِسکي جستجو ہوئي ' اور اِسکا نام "حلقۂ مفقودہ" یعني گم شدہ حلقہ قرار پا گیا - علماء علم الحیوانات نصف صدي سے اس گم شدہ حلقہ کي جستجو میں ہیں - آثار قدیمہ اور علم طبقات الارض کي تحقیقات کے سلسلہ میں بارہا اس طرح کي چیزیں دستیاب ہوئیں کہ خیال ہوا ' گم شدہ حلقہ کا سراغ ملگیا ہے ' لیکن پھر مطالعۂ و تفحص سے اس خیال کي تصدیق نہو سکي -

لیکن سنہ ۱۹۲۰ - سے بعض نئے انکشافات پے درپے ہو رہے ہیں ' اور انھوں نے ایک نیا مواد بحث پیدا کر دیا ہے - اگرچہ اِن میں بھي کوئي چیز ایسي نہیں ہے جسے علمي وثوق کے ساتھہ "حلقۂ مفقودہ" قرار دیا جا سکے - تاہم علماء حیوانات و تشریح کا خیال ہے کہ قرائن و آثار بہت حد تک تشفي بخش ہیں ' اور بہت ممکن ہے کہ انکي بحث و تفحص سے گم شدہ حلقہ کا مسئلہ حل ہو جاے -

حال میں امریکہ کے بعض علماء حیوانات نے اس قسم کا مواد یک جا کرکے اُن کي نوعیت پر نہایت دلچسپ نظر ڈالي ہے - ہم اُس کا مختصر خلاصہ قارئین الہلال کي معلومات کے لیے درج کردیتے ہیں -

یہ امریکن پروفیسر (جس کا نام ڈاکٹر وھائٹ ہے) لکھتا ہے :

" گزشتہ دس سال کے اندر جو انکشافات ہوئے ہیں ' وہ سلسلۂ بحث کا نہایت قیمتي سرمایہ ہیں - علم کي احتیاط کا مقتضی یہي ہے کہ اظہار وثوق میں جلدي نہ کي جائے - لیکن اگر ایسا نہ ہوتا ' تو یہ انکشافات اپني موجودہ حالت میں بھي اتنے واضح ہیں ' کہ کہا جا سکتا تھا ' گم شدہ حلقوں کا سراغ مل گیا ہے -

اس وقت سب سے زیادہ قوي قرائن رکھنے والے آثار پانچ ہیں :

(۱) انسان هدل برگ : یہ ایک کھوپڑي ہے جو جرمني کے مندرجۂ بالا مقام میں ملي تھي - تشریحي تحقیقات کے بعد ثابت ہوگیا ہے کہ یہ نہ تو موجودہ انسان کي کھوپڑي ہوسکتي ہے ' نہ کسي جانور کي - یہ ضرور ایک تیسري اور درمیاني قسم ہے -

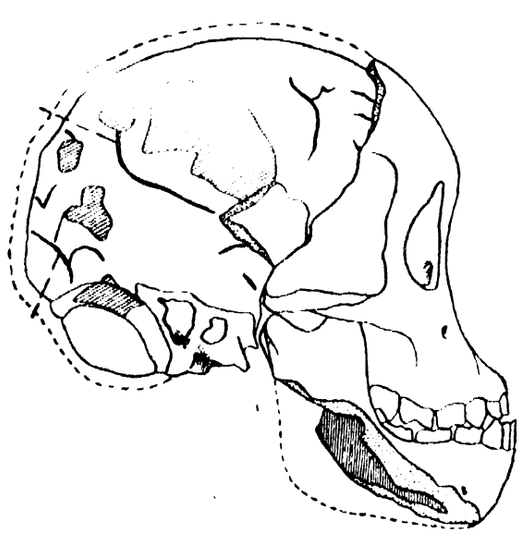

وہ کھوپڑي جو ٹرنٹس میں ملي ہے ' اور جسکي نسبت خیال کیا گیا ہے کہ گم شدہ حلقہ کي کھوپڑي ہے

(۲) ردیسیا کا انکشاف : سنہ ۱۹۲۱ ع میں ایک سیاح کو جنوبی افریقہ میں ایک کھوپڑی ملی - یہ بھی پہلی کھوپڑی کی طرح ایک تیسری تشریحی حالت رکھتی ہے - علماء تشریح و وظائف اعضاء کی تحقیق میں یہ غالباً ابتدائی قسم کے وحشی انسان کی کھوپڑی ہے -

(۳) جاوا کا انکشاف : جاوا کی ایک غار سے بھی ایک قیمتی کھوپڑی ملی ہے جسکی نسبت دو مختلف رائیں قائم کی گئی ہیں - ایک جماعت کا خیال ہے ' یہ گم شدہ حلقہ کی خبر دیتی ہے - دوسری جماعت کا خیال ہے ' یہ بندر ہی کی کوئی زیادہ اونچی قسم ہے - وہ کہتے ہیں ' اس کھوپڑی میں پیشانی کا بیحد اُبھار اور رخسار کی ہڈیوں کی نوعیت ' گم شدہ حلقہ کی نوعیت سے مختلف ہے -

(۴) سب سے زیادہ قیمتی انکشاف " وحشی انسان " کا انکشاف ہے جسکے جسم کی ہڈیاں اور سر کی کھوپڑیاں بکثرت جمع ہوگئی ہیں - اسکا جسم اور چہرہ بالکل موجودہ انسانوں کا سا تھا - لیکن اسکے جسم پر بکثرت بال تھے - ایسے بال جیسے بندر کے جسم پر ہوتے ہیں - بعض قدیم سیاحوں نے اسٹریلیا ' امریکہ ' اور جزائر جنوب میں ایسے زندہ انسان دیکھے بھی ہیں -

(۵) آخری انکشاف پروفیسر ڈارٹ کا مشہور انکشاف ہے جو سنہ ۱۹۲۵ - میں ہوا - پروفیسر موصوف کو ٹانگس میں ایک بالکل نئی قسم کی کھوپڑی ملی ہے جو پچاس قدم سے زیادہ زمین کے اندر مدفون تھی - یہ کھوپڑی تمام پچھلے آثار سے کہیں زیادہ گم شدہ حلقہ کا اذعان پیدا کرتی ہے - اسکے تمام حصے موجودہ انسان کی کھوپڑی جیسے ہیں - البتہ منھ کا نچلا حصہ بہت زیادہ باھر نکلا ہوا ہے ' اور یہ بات علم وظائف اعضاء میں طے پاچکی ہے کہ انسانی چہرے کا نچلا حصہ ابتدا میں ایسا ہی اُبھرا ہوا تھا - پھر یہ تدریج گھٹتے گھٹتے موجودہ تناسب تک پہنچ گیا -

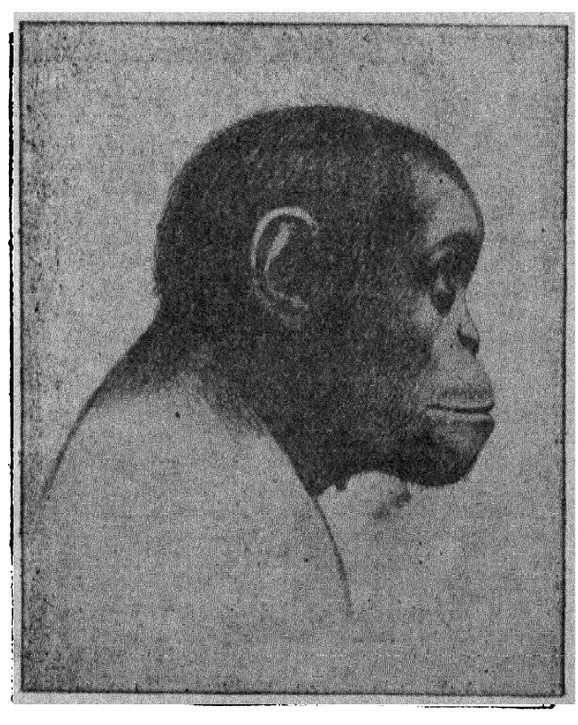

ٹرنگس سے جو کھوپڑی ملی ہے ' زندگی میں وہ ایسا چہرہ رکھتی ہوگی ' جیسا اس تصویر میں دکھلایا گیا ہے -

ریڈیم

خزانۂ فطرۃ کا سب سے زیادہ کمیاب جوھر !

حال میں اخبارات نے یہ خبر شایع کی تھی کہ " ریڈیم کا بازار گرگیا ہے اور ایک اونس ریڈیم کی قیمت ۳۳٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر کی جگہ اچانک ۲۵٬۰۰۰٬۰۰۰ ڈالر ہوگئی ہے - اس کمی کی وجہ یہ ہے کہ بلجیم کانگو (افریقہ) کے علاقہ " کاٹنگا " میں ریڈیم کی ایک بہت بڑی مقدار نظر آئی ہے - زیگوسلاویا کی تانبے کی بعض قدیم کانوں میں بھی ریڈیم پایا گیا ہے - اگر یہ تمام ریڈیم حاصل کر لیا گیا تو قیمت میں اور بھی کمی ہوجائے گی "

لیکن اِس خبر سے لوگوں کو غلط فہمی ہوسکتی ہے - ممکن ہے کوئی خیال کر بیٹھے کہ جب ریڈیم کے بھاؤ میں اس طرح اُتار چڑھاؤ ہو رہا ہے تو ہر دولت مند آدمی کیلیے اسکی زیادہ سے زیادہ مقدار خرید لینا ممکن ہے - مثلاً امریکہ کا ھنری فورڈ جیسا کروڑ پتی اگر چاہے ' تو بآسانی آدہ سیر ریڈیم خرید لے - اپنے بینک نوٹوں کا بیگ بغل میں دبائے ' اور بازار جاکر جب چاہے ریڈیم لے آئے -

لیکن یہ صحیح نہیں ہے - ھنری فورڈ کی تمام دولت بھی آدہ سیر ریڈیم خرید نہیں سکتی - امریکا کے دوسرے فارن راکفلر اور ملٹو بھی اگر اپنے خزانے جمع کر دیں ' اور امریکا ' فرانس ' انگلستان ' بلکہ سارے عالم کی سلطنتیں بھی اپنے جملہ خزانے پیش کردیں ' جب بھی آدہ سیر ریڈیم حاصل نہیں کیا جاسکتا !

یہ عجیب بات ہے - مگر واقعہ ہے - کیوں ؟ اس لیے کہ گزشتہ اٹھائیس برس میں ' یعنی جب سے ریڈیم دریافت ہوا ہے ' دنیا اُس کی اِتنی مقدار حاصل ہی نہیں کر سکی ہے ' جسے ترازو میں آدہ سیر کے باٹ سے تول سکیں - اِس وقت تک وہ صرف آدہ پاؤ کی مقدار میں حاصل ہو سکا ہے !

جن خوش نصیبوں کے قبضہ میں ریڈیم ہے ' [illegible] اُس کی ضرورت پڑتی ہے - مثلاً سائنس داں اور ڈاکٹر وہ اس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کرتے اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر خریدنا چاہتے ہیں - ریڈیم کی خرید و فروخت اونس کے حساب سے نہیں ہوتی ' ٹن کے حساب کا تو وہم بھی نہیں کیا جا سکتا - کیونکہ ریڈیم سونے سے بھی کہیں زیادہ قیمتی ہے - اُس کی قیمت سونے سے ایک لاکھ گنا زیادہ ہے - ریڈیم کی خرید و فروخت رتیوں کے حساب سے ہوتی ہے - اِس وقت تک ریڈیم کی سب سے بڑی مقدار جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئی ہے ' صرف دو گرام ہے - اور معلوم ہے کہ ایک گرام ' اونس کا تیسواں حصہ ہوتا ہے - یہ مقدار بھی فروخت نہیں ہوئی ہے بلکہ حکومت زیگوسلاویا نے انگلستان کو علمی تحقیقات کے لیے عاریتاً دیدی ہے -

اِس کی کوئی امید نہیں کہ کانگو میں ریڈیم کی کان اُس کی موجودہ مقدار میں غیر معمولی اضافہ کردے گی - خیال کیا جاتا ہے کہ اِس وقت اُس کی جتنی مقدار دنیا کے ہاتھ میں موجود ہے ' اُس سے صرف ۲۵ گنا زیادہ ریڈیم کانگو کی کان سے حاصل کیا جاسکتا ہے - لیکن اُس کا نکالنا بجائے خود ایک نہایت مشکل اور بڑے خرچ کا کام ہے - اِس کان کی ہر ۵۰۰ ٹن وزنی چٹان میں سے زیادہ سے زیادہ ایک گرام ریڈیم نکلے گا - وہ بھی خالص نہیں بلکہ "کلورل" اور دوسرے مواد سے ملا ہوا - ان مواد سے علحدہ کرنے

کے لیے کم از کم ۵۰۰ ٹن دوسرے کیمیاوي اجزاء درکار ہونگے - ۱،۰۰۰ ٹن پتھر کا کوئلہ خرچ ہوگا - ۱۰،۰۰۰ ٹن مقطر پاني لگے گا - ایک مہینہ تک ۲۵۰ - مزدور کام کریں گے - پانچ ہفتے ماہرین کیمیا کي ایک بڑي جماعت کو صرف کرنا ہونگے - پھر اِس کے بعد مزید چار مہینے اُسے کار آمد بنانے میں لگیں گے - اِن تمام کوششوں ' محنتوں ' اور کثیر مصارف کے بعد ' شاید ایک گرام ریڈیم دستیاب ہو سکے - اگر کانگو کي پوري کان سے فایدہ اٹھایا جائے ' تو بھي زیادہ سے زیادہ نصف اونس ریڈیم ملنے کي امید ہے - اِس کے معني یہ ہوے کہ اِس تمام درد سري کے بعد ریڈیم کي موجودہ مقدار میں یعني تقریباً دو چھٹانک میں صرف تیس گرام کا اور اضافہ ہو جائیگا !

(ریڈیم کي نوعیت)

آخر ریڈیم ہے کیا چیز جس کي جستجو میں سارا عالم سرگرداں ہورہا ہے ' اور جس کي مدح و ثنا میں دنیا کے تمام علماء رطب اللسان ہیں ؟

ماہر کیمیا سے پوچھو - وہ بڑے جوش سے جواب دے گا " ریڈیم اگرچہ لوہے ' تانبے ' توتیے کي طرح ایک دھات ہے ' مگر سب دھاتوں سے زیادہ وزني ہے ' حتی کہ سیسے سے بھي زیادہ - سب دھاتوں سے زیادہ قیمتي ہے ' حتی کہ سوے چاندي بلکہ لعل اور الماس سے بھي زیادہ - ریڈیم ' نیچر کے خزانے کا سب سے زیادہ بیش قیمت جواہر ہے - یہي وہ پارس ہے جس کے عشق میں قدیم فلاسفہ اور حکماء دیوانے ہو رہے تھے ' اور سمجھتے تھے ' اس کے ذریعہ ہر دھات سونا بن جا سکتي ہے ! "

ڈاکٹر کے پاس جاؤ - اُسے بھي قصیدہ خواں پاؤگے - وہ کہے گا " یہي وہ اکسیر حیات ہے جس کي مدتوں سے تلاش تھي - یہ عنقریب دنیا کي جملہ بیماریوں کا تریاق بننے والا ہے "

سائنس داں سے سوال کرو - فوراً بول اٹھے گا " یہ سب سے زیادہ عجیب چیز ہے جو دنیا نے دیکھي ہے - یہ اسي کے خواص کي برکت ہے کہ ذراتي ترکیب (ایٹم) کا نظریہ قائم ہوسکا ہے جو عنقریب تمام علوم میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب پیدا کردیگا "

عالم طبقات الارض (جیالوجي) سے مخاطب ہو - وہ فوراً کہے گا " ریڈیم ' آتش فشاں پہاڑوں اور زمین کي اندروني حرارت کا بہترین مفسر ہے "

عالم فلکیات سے دریافت کرو - وہ کہے گا " ریڈیم ' آفتاب اور ستاروں کے نور حرارت کا سر چشمہ اور اُن کي قوت کا راز ہے "

علم الحیاۃ (بیالوجي) کا ماہر تو یہانتک کہدیگا " شاید ریڈیم ہي زندگي کا اصلي منبع ہے "

علم ہندسہ کا عالم کہیگا " اگر ریڈیم کي کافي مقدار حاصل ہوجائے تو اِتني عظیم الشان قوت انسان کے قبضہ میں آجائے جس کا اسوقت تصور بھي مشکل ہے - ایسے حیرت انگیز آلات ایجاد ہو جائیں جنکے مقابلہ میں موجودہ آلات بالکل ہیچ ہیں - وہ آلات ایسے محیر العقول کام کر سکینگے جن کا عشر عشیر بھي حال کے آلات سے ممکن نہیں - پھر صنعت و حرفت میں بھي بالکل کایا پلٹ ہو جایگي - ابھي ریڈیم کي جتني قلیل مقدار موجود ہے ' وہي بے شمار فوائد پہنچا رہي ہے - اُسکا ایک ادنی کرشمہ یہ ہے کہ اُس سے ایک ایسا روغن ایجاد ہوگیا ہے جو گھڑي کي سوئیاں ' بحري اور ہوائي جہازوں کے آلات ' اور برقي کنجیاں ' اندھیري راتوں میں روشن رکھتا ہے - قیمتي جواہرات اُس سے طیار ہو جاتے ہیں ؛ اگر کچھ مدت کے لیے سفید (بے رنگ) یاقوت ' ریڈیم کے زیر اثر رکھدیا جائے ' تو ہمیشہ کے لیے زمرد بن جاتا ہے - نقلي اور مصنوعي نہیں - حقیقي ' بیش قیمت زمرد ! "

اس عجیب و غریب اور نادر چیز " ریڈیم " کا خاصہ کیا ہے ؟ مختصر جواب یہ ہے کہ " شعاعي قوت " - شعاعي قوت کے کیا معني ہیں ؟ ٹھیک وہي جو اِن دو لفظوں سے سمجھے جاتے ہیں - یعني شعاعوں کي شکل میں قوت - مزید تفصیل آگے آتي ہے -

(ریڈیم کا انکشاف)

حیرت انگیز ریڈیم کا انکشاف اِس طرح ہوا کہ سنہ ۱۸۹۵ ع میں مشہور فرنچ سائنس داں ہنري بکریل اپني علمي تحقیقات میں مصروف تھا - فوسفورسي روشني کے تجربے کر رہا تھا - اچانک اُسنے دیکھا ' ایک خاص عنصر " اورانیم " کے اجزاء فوٹوگرافي کي تختي پر تاریکي میں اثر ڈال رہے ہیں - حتی کہ اگر سیاہ کاغذ سے چھپا دیا جاے ' جب بھي اُنکا اثر پہنچ جاتا ہے - اِس پر اُسے بڑي حیرت ہوئي مگر ریڈیم کي طرف رہنمائي نہ ہوسکي - البتہ علمي دنیا نے یہ تسلیم کر لیا کہ اورانیم میں شعاعي قوت موجود ہے ' اور اُس سے کام لیا جانے لگا - چنانچہ اُسوقت سے شیشہ اور چیني کے ظروف رنگنے میں اکسائڈ اورانیم برابر استعمال ہونے لگا ہے -

اِسکے بعد ایک نوجوان پولش خاتون میڈم کوري نے اورانیم کے مخفي خواص کي پیرس میں تحقیقات شروع کي - اُسنے بہت جلد معلوم کر لیا کہ یہ شعاعي قوت والا مادہ ' خود اورانیم نہیں ہے ' بلکہ کوئي اور عنصر ہے اور اکسائڈ اورانیم سے ملا ہوا ہے - یہ دیکھکر اُسنے یہ مادہ تحلیل کرنا اور مختلف قسم کے تیزابوں سے بار بار دھونا اور صاف کرنا شروع کیا - اب اُسکي حیرت و مسرت بے حساب تھي - کیونکہ تحلیل کے بعد جو مادہ باقي رہگیا تھا ' اُسکي شعاعي قوت برابر بڑھتي چلي جا رہي تھي - اِسکے بعد وہ الکٹرسکوپ کي مدد سے تین اونس ایک نیا عنصر حاصل کر لینے میں کامیاب ہوگئي - یہ عنصر اورانیم سے بھي ساٹھ گنا زیادہ سخت تھا - فوراً اِس مادہ کے چند کیمیاوي خواص بھي دریافت ہوگئے - اُسنے بڑے فخر و مباہات سے اپنے عظیم انکشاف کا اعلان کر دیا ' اور اپنے وطن کے نام پر اُسکا نام " پولونیم " رکھا - یہ " پولونیم " ریڈیم کے انکشاف کي طرف عملي قدم تھا - تین سال کي مزید تحقیقات کے بعد اِسي خاتون نے اعلان کیا کہ اکسایڈ اورانیم میں شعاعي قوت کا اصلي سر چشمہ اُسنے دریافت کر لیا ہے - اِسي سر چشمہ کا نام بالاخر " ریڈیم " پڑا - اور آہستہ آہستہ اُسکے مزید خواص معلوم کیے گیے -

اِسکے بعد سر ارنسٹ آرتھر فورڈ نے دریافت کیا کہ ریڈیم کي شعاعیں تین قسم کي ہیں - چنانچہ یوناني ابجد کے تین ابتدائي حرفوں پر اُنکے نام رکھے گئے - پہلي شعاع کا نام " الفا " دوسري کا " بیٹا " تیسري کا " گاما "

(ریڈیم کے خواص)

پھر تحقیقات سے ثابت ہوا کہ پہلي شعاع " الفا " مثبت کہربائي لہروں کا مجموعہ ہے - وہ اِس قدر تیز رفتار ہے کہ ہر سکنڈ میں ۲۰،۰۰۰ میل حرکت کرتي ہے - یعني توپ کے گولے سے بھي ۴۰،۰۰۰ مرتبہ زیادہ تیز رفتار ہے - لیکن یہ شعاع ' نفوذ و سریان کي زیادہ قوت نہیں رکھتي - شیشے کي نہایت رقیق تختي حائل کر کے اُسے روک دیا جا سکتا ہے -

برخلاف اسکے شعاع " بیٹا " اس سے دس گنی زیادہ تیز ہے ' یعنی ہر سکنڈ میں ۲٬۰۰٬۰۰۰ میل کی سرعت رکھتی ہے - گویا آفتاب کے نور کی طرح تیز رفتار ہے - تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ یہ شعاع جلد میں نصف انچ تک گہری اتر جاتی ہے ' اور شیشہ ' ایلومینم ' اور سیسے کی پتلی چادروں کو بھی توڑ کر ۱/۱۲- انچ گہرائی تک چلی جاتی ہے !

تیسری شعاع " گاما " شعاع ایکس (ایکس ریز) سے بہت مشابہ ہے - فرق صرف یہ ہے کہ اسکی مثبت لہر X (ایکس) سے طول میں کم ہے - لیکن یہ شعاع نفوذ و سریان کی بہت بڑی قوت رکھتی ہے - سیسے کی بارہ انچ موٹی تختی کو بھی توڑ کر نکل جاتی ہے !

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تحقیق یہ ہے کہ " شعاع الفا " پھوٹنے کے بعد نامعلوم طریقہ پر اپنے اندر دو منفی کہربائی لہریں جمع کر لیتی ہے ' اور یہ لہریں بالاخر ہیلیم (Helium) کے ذرے بن جاتی ہیں - اسکے معنی یہ ہوے کہ ریڈیم سے ہمیشہ ایک اور مادے کا فوارہ بھی چھوٹتا رہتا ہے - یہ مادہ ریڈیم سے مختلف ہے - اتنا مختلف ' جتنا کوئی مادہ کسی دوسرے مادہ سے مختلف ہو سکتا ہے -

(سورج اور ریڈیم)

درحقیقت یہ عجیب بات ہے کہ خود ریڈیم کے اندر ہیلیم بالکل موجودہ نہیں ہے - تاہم کسی مخفی سبب سے اسکے ذرے ریڈیم سے برابر بہتے رہتے ہیں !

یہی بات دیکھکر علماء کا خیال اس سب سے زیادہ حیرت انگیز حقیقت کی طرف منتقل ہوا کہ کائنات کا قیام دراصل صرف کہرباء یا بجلی کی قوت پر ہے - اسی سے کائنات کے اس سب سے زیادہ مخفی اور عجیب راز کی تحقیقات کا دروازہ کھلا جسکا تصور بھی کبھی انسان نہیں کر سکتا تھا - یعنی آفتاب کی روشنی ' حرارت ' اور قوت کے سرچشمے کا انکشاف ہوا -

آفتاب میں ہیلیم کا وجود ' زمین میں اسکے وجود کی تحقیق سے پہلے ہی معلوم کر لیا گیا تھا - اسپکٹرسکوپ کے ذریعہ پتہ چل گیا تھا کہ آفتاب کے ہالے میں ہیلیم کی بہت بڑی مقدار موجود ہے - وہ عظیم الشان ہالہ جو سورج کے گرد حلقہ بنائے قائم ہے اور خلا میں لاکھوں میل تک اپنی آتشیں زبانیں پھیلائے ہوے ہے !

ریڈیم کا طلسم یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ آفتاب کے آتشی ہالے میں ہیلیم کا وجود کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ خود آفتاب کے اندر بھی ریڈیم سے لبریز خزانے موجود ہیں ؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آفتاب کا تمام نور ' حرارت ' اور قوت ' اسی ریڈیم کا کرشمہ ہو ؟

اگر ایک گرام ریڈیم سے اتنی حرارت پیدا ہوتی ہے کہ ۴/۳ گھنٹہ میں ایک گرام یخ کو پگھلا کر کھولا دیتی ہے ' تو آفتاب میں ریڈیم کا خزانہ کتنی سخت حرارت پیدا کرتا ہوگا ؟

اس کا اندازہ کرنے کیلیے اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ آفتاب کا وزن :

۱٫۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰٬۰۰۰ - ٹن ہے -

یعنی زمین سے ۳٬۳۲٬۰۰۰ - گنا وزنی ہے - ظاہر ہے ' اتنے بڑے کرہ میں کتنا بڑا خزانہ ریڈیم کا موجود ہوگا جو آفتاب کی اس محیر العقول روشنی ' گرمی ' اور قوت کا منبع ہے !

سائنس نے یہ بات دریافت کرلی ہے کہ آفتاب کی حرارت ' اسکے احتراق (جلنے) کا نتیجہ نہیں ہے - یہی حال ریڈیم کا بھی ہے - اسکی حرارت ' احتراق کی وجہ سے نہیں ہے - بلا شبہ کچھہ احتراق بھی ہوتا ہے مگر اس قدر کم ' کہ نہ ہونے کے برابر ہے - پھر یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ ریڈیم کی قوی النفوذ شعاع " گاما " سورج کی شعاعوں سے بہت مشابہ ہے - پس کیا یہ ممکن نہیں کہ آفتاب کی یہ شعاعیں جو ہم تک ۹٬۳۰٬۰۰٬۰۰۰ میل مسافت طے کر کے منظم شکل میں پہنچتی ہیں ' دراصل ریڈیم کی " گاما " شعاعیں ہی ہوں ؟ بہت ممکن ہے ' کہ ایسا ہی ہو - دنیا بھر کے سائنس داں اس وقت اس اہم مسئلہ پر غور و بحث کر رہے ہیں

ٹھیک اسی معقول اور علمی طریقہ پر زمین کے اندرونی گرم مادوں ' مثلاً آتش فشاں لاوا اور کھولتے اور گرم معدنی چشموں وغیرہ کا اصلی سبب بھی ریڈیم ہی قرار دیا جا رہا ہے - تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے - ممکن ہے چند سال بعد اس باب میں علم کوئی قطعی رائے قائم کر سکے ' اور وہ حقائق اچانک دنیا کے سامنے آجائیں ' جو ابتک قدرت کے سر بستہ راز سمجھے جاتے تھے -

پھر یہ بھی ایک عجیب بات ہے ' جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا کہ ریڈیم اگرچہ مسلسل حرارت و قوت پیدا کرتا رہتا ہے ' مگر خود اسکے جوہر میں کوئی نمایاں کمی واقع نہیں ہوتی - اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک گرام ریڈیم سال بھر میں ۱۱٬۶۰٬۰۰۰ - وزن حرارت پیدا کرتا ہے - یہ حرارت تقریباً تیرہ سیر منجمد برف کو پگھلا کر کھولا دے سکتی ہے - مگر اس سے خود ریڈیم میں صرف ۲٬۵۰۰/۱ - کی کمی لاحق ہوتی ہے جو بہ منزلۂ عدم ہے - تاہم کمی ضرور ہے ' اور ایک بہت بڑی مدت کے بعد وہ اس بیش قیمت جوہر کو حقیر دھات کی شکل میں تبدیل کردے سکتی ہے - علماء کا خیال ہے ' ریڈیم اپنی خصوصیات سے محروم ہونے کے بعد سیسہ ہو جاتا ہے - لیکن اس تبدیلی کے لیے کم سے کم ۳٬۴۶۰ - برس کا زمانہ گذرنا چاہیے - اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ مثلاً جو ریڈیم زمین میں ۱۵۰۰ - برس قبل از مسیح سے موجود ہے ' وہ ابتک ریڈیم ہی ہے - سیسہ نہیں ہوا ہے !

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ریڈیم ایک بالکل مختلف مادے سے کیمیاوی طریق پر تبدیل ہوکر اپنی شکل میں آتا ہے - اس تبدیلی کا تصور قدیم حکماء کو بھی ہوگیا تھا - وہ اپنی عقل کے زور سے خیال کرتے تھے کہ تمام دھاتیں سونے کی شکل میں تبدیل کی جا سکتی ہیں اور ان دھاتوں سے اکسیر حیات طیار ہو سکتی ہے -

ریڈیم کی تکوین ' علماء کی نظر میں نہایت ہی حیرت انگیز معما ہے - تحقیقات سے ثابت ہوگیا ہے کہ ریڈیم کا مورث اعلیٰ یا اصل اورانیم ہے - اس اورانیم میں تین بڑی تبدیلیاں ہوتی ہیں - علماء نے ان تبدیلیوں کے تین نام رکھے ہیں : اورانیم س ۱ - اورانیم س ۲ - اورانیم س ۳ - آخر الذکر تبدیلی کے بعد اورانیم ' یونیم ہو جاتا ہے ' پھر یونیم ترقی کرکے ریڈیم ہو جاتا ہے - ریڈیم میں تنزل ہوتا ہے تو وہ پہلے پولونیم ہوتا ہے ' پھر سیسہ بن جاتا ہے - اورانیم اور سیسہ کے مابین اصلی ذرے ۱۶ - ہیں - پوری تبدیلی کے لیے کم از کم ۶٬۰۰٬۰۰٬۰۰٬۰۰۰ سال درکار ہوتے ہیں -

اگر ریڈیم بگڑکر سیسہ ہو جاتا ہے تو یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شروع ہی سے زمین میں ریڈیم کی بہت بڑی کمیت موجود تھی ؟ اور کیا تمام موجودہ سیسا اصل میں ریڈیم ہی تھا ؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو' اگر ایسا ہی ہے تو پھر زمین شروع میں اپنی موجودہ حالت سے بالکل مختلف ہوگی- شروع میں زمین ایک ننھا سا آتشیں کرہ تھی یا خود آفتاب کا ایک چھوٹا سا جزء -

عام طور پر علماء کا یہی خیال ہے کہ زمین اصل میں ایک آتشی کرہ تھی اور آفتاب یا کسی دوسرے عظیم کرہ سے کٹ کر جدا ہوئی ہے - پہلے زندگی سے بالکل خالی تھی- پھر بتدریج سرد ہونے کے بعد زندگی کے تخم سے آباد ہوئی' اور ذی روح کا مسکن بن گئی - زندگی کے یہ تخم ' ایتھر میں پڑے بہہ رہے تھے - اگر واقعہ یہی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے ' کیا یہ ممکن نہیں کہ زندگی کے یہ تخم اصل میں ریڈیم ہی کے گیس ہوں ؟ بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو - کیونکہ سائنس نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ شعاعی قوت کا زندگی کے حقیقی عناصر سے گہرا تعلق ہے - دلیل اسکی یہ ہے کہ بعض بیج ریڈیم کی شعاعوں کے زیر اثر آتے ہی فوراً کونپلیں پیدا کر دیتے ہیں ' اور پھر غیر معمولی سرعت و قوت سے بڑھنے لگتے ہیں !

لیکن علماء کا پختہ خیال ہے کہ ریڈیم کی' اُس کی اصلی اور بے میل شکل میں زیادہ کمیت ' زمین کی سطح پر کبھی موجود نہ تھی - یہ اسلیے کہ اُسکے کیمیاوی خواص اسے تقریباً نا ممکن ثابت کر رہے ہیں - وہ ہمیشہ دوسرے مواد سے مرکب ملتا ہے - خالص ریڈیم کا حصول بہت ہی مشکل ہے - اگر حاصل ہو بھی جاے تو اُسکا اصلی حالت میں محفوظ رکھنا اور بھی مشکل ہے' کیونکہ وہ ہوا سے جلد متأثر ہو جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ ریڈیم کی عام تجارت اُسکے مختلف نمکوں : برومائڈ ' کلورائڈ ' کاربونایٹ ' سلفیٹ ' کی شکل میں ہوتی ہے -

(طبی فوائد)

روشنی کے روغنوں کے علاوہ ریڈیم سے طب میں بھی بڑے بڑے کام لیے جا رہے ہیں - طب میں اُسکے استعمال کی طرف سب سے پہلے سنہ ۱۹۰۱ - میں بیبر کوری نامی طبیب کو رہنمائی ہوئی - یہ شخص ریڈیم کی دریافت کرنے والی میڈم کوری کا شوہر ہے - لیکن ریڈیم کے علاج کا اصلی موجد ہنری ڈرمینیسی ہے - سنہ ۱۹۰۶ - میں اِسنے دریافت کیا کہ اگر سیسہ کی تختی میں ریڈیم کی شعاعیں دو مرتبہ چھان لی جائیں' تو وہ جسم کے اُن ریشوں کو زائل کر دیتی ہیں جو سرطانی مادوں سے آلودہ ہوتے ہیں - مگر تندرست ریشوں پر اُن کا کوئی برا اثر نہیں پڑتا -

اُس وقت سے ریڈیم مختلف امراض کے علاج میں استعمال ہونے لگا - مثلاً سرطان ' طرح طرح کے ورم ' نقرس ' عصبی درد ' عرق النساء ' ریڑھ کا درد ' ذیابیطس ' خون کی کمی ' ہیضہ ' ٹیفوڈ وغیرہ - خیال کیا جاتا ہے کہ ریڈیم ' ایکس رنز کے جلے ہوے زخم اچھے کر دیتا ہے - ٹیفوڈ ' ہیضہ' اور بسہری کے جراثیم قتل کر ڈالتا ہے - معدے کو درست کرتا ہے - اشتہا پیدا کرتا ہے ' اور اُن تمام کیمیاوی تبدیلیوں میں مساعد ہوتا ہے جو انسانی جسم میں برابر جاری رہتی ہیں -

(ریڈیم کے مضر اثرات)

لیکن جہاں ریڈیم کے بے شمار فوائد ہیں ' اُسکی مضرتیں بھی ہیں - مدت تک ریڈیم کے زیر اثر رہنا سخت نقصان کا موجب ہوتا ہے - جو لوگ ریڈیم کے علاج میں مشغول رہتے ہیں ' وہ اپنی حفاظت سیسے کی صدریاں پہنکر کرتے ہیں - تاہم اُنکی صحت کو آخر کار سخت نقصان پہنچتا ہے - ریڈیم کی شعاعیں براہ راست کوئی تکلیف نہیں پہنچاتیں - لیکن آہستہ آہستہ خون کے سفید اور سرخ ذرے بگاڑ دیتی ہیں - خون کا دباؤ ہلکا کر دیتی ہیں - اکثر خون میں کمی بھی پیدا ہو جاتی ہے - ناخن بد صورت اور اُنکے گرد کی کھال کھردری اور موٹی ہو جاتی ہے - چہرہ اور ہاتھوں کی جلد میں بھی التہاب پیدا ہو جاتا ہے -

ریڈیم کی ابھی جتنی مقدار حاصل ہوئی ہے ' وہ تمام مریضوں کے علاج کیلیے بالکل نا کافی ہے - تاہم اُسے نہایت ہوشیاری سے استعمال کیا گیا ہے ' اور ایسے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں کہ اُسکا نفع زیادہ سے زیادہ عام ہو سکے - ریڈیم کی شعاعی قوت کا گیس چھوٹی چھوٹی نلیوں میں اس طرح بند کیا گیا ہے ' کہ اُس سے علاج میں کام لیا جا سکے- ہر نلی ۱۸ - ۲۰ - روپیہ میں فروخت ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چار دن تک کام دیتی ہے - یہ نلی بیمار کے جسم میں اُسی طرح داخل کر دی جاتی ہے ' جس طرح انجکشن کی سوئی داخل کی جاتی ہے -

اِس وقت کوئی شخص بھی پیشین گوئی نہیں کر سکتا کہ ریڈیم کے آئندہ فوائد اور کیا کیا دریافت ہونگے ؟ اور کن کن طریقوں پر اُسے استعمال کیا جا سکے گا ؟ امید کی جاتی ہے کہ سائنس کوئی ایسا طریقہ ایجاد کر سکے ' جس سے ریڈیم کے حصول میں آسانی ہو جاے ' اور علماء طبقات الارض کا یہ نظریہ ایک دن صحیح ثابت ہو جاے کہ ہماری زمین کے شکم میں سراسر ریڈیم ہی بھرا پڑا ہے - اگر کبھی یہ نظریہ صحیح ثابت ہوگیا تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ انسان کو کتنی قوت ' کتنی حرارت ' اور کسقدر روشنی حاصل ہو جائیگی ؟

الہلال

کا

یہ ۸ - وان نمبر ہی

لیکن

اسوقت تک ضرورت باقی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو توجہ دلائی جاے -

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا ' شاید ہی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے ' اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے - یا اتنی وسیع اشاعت ہونی چاہیے کہ اُس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہو جاے -

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

"[illegible] ایک کام هوتا هے - میرا کام یہی هے که میں تلخ مگر مفید سچائی عوام پر ظاهر کردوں - جہانتک میری استطاعت میں تھا ' میں نے انسانیت ' شرافت ' اور روا داری کی دعوت دی هے - اگر دنیا نے نہیں سنا ' تو یہ میرا قصور نہیں هے - میں نے اپنے لیے ایک قاعدہ بنا لیا هے - میں عالمگیر سچائیوں کا مطالعہ کرتا هوں - میں کسی پر الزام نہیں لگاتا ' کسی کی تضحیک نہیں کرتا ' کسی معین شخص پر حملہ نہیں کرتا - میرا حملہ انسانوں پر هے - میں کسی خاص فعل کو برا نہیں کہتا - میں شر کو برا کہتا هوں " (رسو)

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک رسو

JEAN JACQUES ROUSSEU

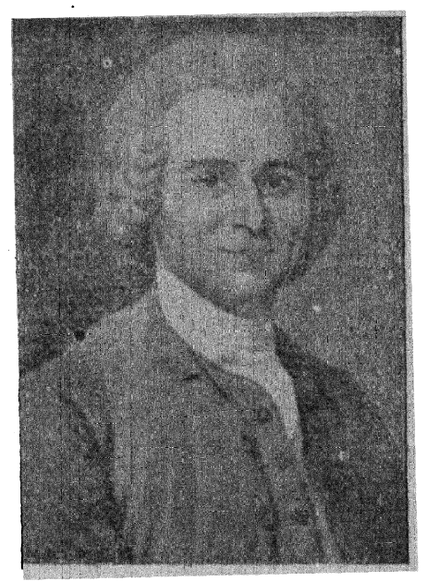

یہ سلسلہ شروع کرتے هوے گذشتہ نمبر میں هم نے والٹیر کے مختصر حالات درج کیے تے ' اور لکھا تھا که آیندہ نمبروں میں اُسکے اجتماعی اصول و مبادیات پر ایک مقالہ شائع کیا جائیگا - پھر اس پر نقد و تبصرہ کیا جائیگا - لیکن پھر همیں خیال هوا که اس ترتیب کی جگہہ یہ ترتیب بہتر هوگی که پہلے ان تینوں ارکان انقلاب کے مختصر حالات و افکار شائع کر دیے جائیں - پھر اُنکے اصول و مبادیات کا خلاصہ دیدیا جاے - اُس کے بعد به یک دفعہ اُن پر نقد و تبصرہ کیا جاے - چنانچہ آج رسو پر ایک مختصر تحریر شائع کی جاتی هے - یہ غالباً دو نمبروں میں ختم هو جائیگی - اسکے بعد فرانسیسی انسایکلو پیڈیا اور اسکے مصنفین کے حالات و افکار پر نظر ڈالی جائیگی ' اور اسکی اشاعت کے بعد نقد و تبصرہ کا سلسلہ شروع هوگا - حال میں ایک نہایت قیمتی مجموعہ رسو کے تمام مکاتبات کا بھی پیرس سے شائع هو رها هے - تین جلدیں گذشتہ سال شائع هو چکی تھیں - چوتھی جلد پچھلی ڈاک سے هندوستان پہنچی هے - یہ مجموعہ اسقدر دلچسپ اور گوناگوں معلومات سے لبریز هے که ضرورت هے ' کم از کم ایک درجن تحریریں رسو کے مکاتیب پر بھی لکھی جائیں - اگر یہ لکھی جا سکیں تو یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی هوگی -

انقلاب فرانس کے دماغی ارکان در اصل از منۂ وسطی (میڈل ایجز) کے کلیسائی اور شاهی استبداد کا رد فعل تھے - اسلیے ناگریز تھا که پچھلے افراط کے مقابلہ میں ایک نئی تفریط پیدا هو جاے - والٹیر ' رسو ' اور دیدرو ' ذهن و عقل کی اسی تفریط کی مخالق هیں - انکی ذهنی روح تعمیر سے نہیں بلکه تخریب کے هیجان سے پیدا هوئی - وہ اثبات کے نہیں ' نفی کے داعظ تھے - مسیحی کلیسا کے جمود اور شاهی نظام کے استبداد نے " اثبات " اور " اعتقاد " کا جو غلو پیدا کردیا تھا ' اس کے اس رد فعل میں " نفی " اور " شک " کا افراق پیدا کردیا - یہ بلا شبہ اُس زمانے کی طبیعت کا قدرتی مقتضی تھا - پچھلی " تعمیر " کی درستگی کیلیے ایک نئی " تخریب " کی ضرورت تھی - انہوں نے کلیسائی اور شاهی جمود کا بت توڑ دیا - لیکن جو [illegible] ' اس بت شکنی میں وہ خود بھی ایک نیا بت کدہ بنا گئے - اور اسکے لیے پھر دنیا کو ایک نئے بت شکن کا انتظار هے !

بہر حال انقلاب فرانس کے مبادیات پر یہ جدید نقد و نظر ' اس سلسلہ کی اصلی چیز هوگی - جو مولانا ابو الکلام کے قلم سے نکلی هے ' اور اُن کے قید خانہ کے مسودات میں سے هے -

ایک مرتبہ ایک مجلس میں انگریزی عالم ادب کا غیر معمولی انسان اور انقلاب فرانس کا سب سے بہتر وقائع نگار ' کارلائل موجود تھا - لوگ حکما کی خیالی نقشہ آرائیوں پر بحث کر رهے تے - ایک شخص نے کہا " اجتماع و معاشرت کے انقلابات کے نقشے ایک دل خوش کن تخیل سے زیادہ نہیں هیں " جونہی اس رائے زنی کی بھنک کارلائل کے کانوں میں پڑی ' اُس نے مجمع کو مخاطب کرکے کہا :

" حضرات کچھہ عرصہ گزرا ' اس دنیا میں ایک شخص تھا - رسو - اس نے ایک کتاب لکھی تھی - جب یہ کتاب شایع هوئی تو بہت سے آدمیوں نے اُس کی هنسی اڑائی - لیکن جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع هوا ' تو اُس کی جلد باندھنے کے لیے اُنہی لوگوں کے جسم کا چمڑا استعمال کیا گیا تھا ' جنہوں نے اس کی هنسی اڑائی تھی ! "

یہ ہے یورپ کے اٹھارھویں صدی کی عجیب و غریب شخصیت جان جاک روسو - اور یہ ہے اُس کی انقلاب انگیز اور عالم افگن تعلیمات کا ساحرانہ نفوذ ' جس کی طرف کارلائل نے ان ضرب المثل بن جانے والے لفظوں میں اشارہ کیا تھا !

نپولین کہا کرتا تھا " انقلاب فرانس کچھ نہ تھا مگر روسو " ایک اور موقعہ پر اُس نے کہا " روسو ہی انقلاب کا باپ تھا " بلاشبہ روسو انقلاب فرانس کا باپ تھا ' لیکن وہ اس سے بھی بڑھکر تھا - اُس نے صرف فرانس ہی میں نہیں بلکہ اپنے پورے عہد کی عقلی و اجتماعی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا - اس کے مبادیات و اصول کو لوگ صحیح سمجھیں یا غلط ' لیکن عملی دنیا کا فیصلہ یہی ہوا کہ وہ آنکھہ بند کرکے اُس کی رہنمائی پر چل پڑی ' اور اُس کے سوا دوسروں کی رہنمائی قبول کرنے سے انکار کر دیا - اٹھارھویں صدی سے لیکر اس وقت تک دنیا کے قوموں کی حکومتوں میں ' ان کی سوسایٹی اور معاشرت میں ' اُن کے عقلی اعمال و عقائد میں ' ان کے علم و فن کے کار و بار میں ' ایک بہت بڑی زندہ حقیقت روسو اور روسو کے اصول و مبادی ہیں !

(مختصر حالات زندگی)

سنہ ۱۷۱۲ ع میں روسو جنیوا میں پیدا ہوا تھا - اُس کا باپ آیزک روسو ایک غریب آدمی تھا ' مگر سست ' ناکارہ ' اور بد اخلاق - گھڑیوں کی مرمت کرتا اور عورتوں کو ناچنا سکھا کر پیٹ پالتا - لیکن اُس کی ماں بہت ہی شریف عورت تھی - اُس کی شرم و حیا اور شریفانہ نسوانی جذبات کا تمام سوانح نگاروں نے اعتراف کیا ہے - روسو میں اپنے ماں اور باپ ' دونوں کے اخلاق جمع ہوگئے تھے - البتہ بعد میں اُس نے بہت کچھہ اصلاح کرلی تھی -

روسو کی ابتدائی تعلیم نہایت ناقص تھی - اُسے بچپن ہی سے افسانے اور خیالی قصے پڑھنے کا شوق ہوگیا تھا - لیکن اُس کے تمام سوانح نگار تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مطالعہ اُس کے عجیب ذہن کے لیے مضر نہیں بلکہ مفید ثابت ہوا -

روسو ابھی پوری طرح جوان بھی نہیں ہوا تھا کہ اپنی روزی کمانے پر مجبور ہوگیا - اُس کے والد نے اُسے دستکاری کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کیا مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی - کئی مقامات میں اُس نے نوکری کی مگر اپنی تنک مزاجی اور خاص قسم کی طبیعت کی وجہ سے کہیں جم نہ سکا - نہ وہ اپنے کسی آقا کو خوش کر سکتا تھا - نہ اُس کا کوئی آقا اُسے مطمئن کردینے کی قابلیت رکھتا تھا !

اپنی زندگی کا یہ زمانہ اُس نے سخت مصائب میں گزارا - تنگ دستی ہمیشہ اُس کی رفیق رہی - بے اطمینانی نے کبھی ساتھہ نہ چھوڑا - صحبت نہایت خراب تھی - سوسائٹی کا سب سے زیادہ بدترین طبقہ اُس کے حصے میں آیا تھا -

(ترقی و شہرت کا پہلا موقعہ)

۳۰ - سال اِس طرح گزر گئے - اب تک وہ بالکل گم نام تھا - لیکن قدرت کی نظر عنایت اُس پر شروع ہی سے تھی - وہ اُسے اپنے مدرسۂ مصائب میں طیار کر رہی تھی -

سنہ ۱۷۴۹ ع میں اچانک اُس کے اقبال کا ستارا طلوع ہوا - فرانس کے ایک علمی مجمع (اکیڈیمی) نے ایک موضوع مقرر کیا ' اور اہل علم کو اُس پر بحث کی دعوت دی - مقابلہ سخت تھا - منتخب علماء میدان میں اتر پڑے تھے - تاہم روسو نے ہمت کی اور مضمون لکھا - اُس کا مضمون سب سے بہتر ثابت ہوا - مجمع علمی نے اِس گمنام " عالم " کی قابلیت کا اعتراف کیا - اور اُسے مقابلہ کا انعام دیکر ہمت افزائی کی - اِس طرح دنیا نے پہلی مرتبہ سنا کہ روسو ' فرانس میں ایک بڑا عالم ہے !

(حکومت اور کلیسا کا متحدہ حملہ)

اب روسو پر شہرت کا دروازہ کھل گیا - بڑی تیز گامی سے وہ آگے بڑھا ' اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اپنے عہد کا سب سے بڑا عالم تسلیم کر لیا گیا -

مگر کیا اِس شہرت و عزت سے اُس کی زندگی کی مصائب دور ہوگئیں ؟ نہیں ' اور زیادہ ہوگئیں - پہلے وہ صرف تنگ دستی کا شکار تھا ' اب وہ حکومت اور کلیسا کی دشمنی کا بھی شکار ہوگیا - جوں ہی اُس کی تصانیف سوشل کنٹریکٹ ' ہلواز ' اور امیل نامی شائع ہوئیں ' حکومت اور کلیسا کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا - دونوں نے بیک وقت اُس پر یورش کردی ' اور انتقام لینے کیلیے اپنے تمام ہتیار سنبھال لیے !

(مصائب و محن اور خاتمہ)

" امیل " کے شائع ہوتے ہی ' ۹ جون سنہ ۱۷۶۲ع میں حکومت فرانس نے روسو کی گرفتاری کا فرمان جاری کردیا - مجبوراً اُسے فرار ہی میں سلامتی نظر آئی - فرانس سے بھاگ کر جنیوا پہنچا مگر یہاں کی حکومت بھی اُس کے لیے فرانس سے بہتر ثابت نہ ہوئی - اُس نے بھی اس کی گرفتاری ضروری سمجھی - یہ حال دیکھکر اس نے ہالینڈ کا رخ کیا - مگر ہالینڈ بھی ایک ایسے شخص کے استقبال کے لیے طیار نہ تھا - اُس نے بھی دار و رسن سے استقبال کرنا چاہا - اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اٹلی میں پناہ لے - وہ اٹلی پہنچا - مگر اٹلی پوپ کا پایۂ تخت تھا - وہ اِس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کے کفر و انکار پر گرفتاری و قتل کا فتوی صادر کرچکا تھا - بے بس ہوکر وہاں سے بھی نکلا - اور انگلستان کی راہ لی - اسے امید تھی کہ انگلستان کے ایک گوشہ میں پناہ حاصل کر سکیگا - لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی بے رحم نکلا - اب اُس کی مصیبت کا جام چھلک گیا تھا -

اب یورپ میں اُسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی تھی - جہاں چھپتا تھا - وہیں دشمن کا ہاتھہ دراز ہوجاتا تھا : ضاقت علیہم الارض بما رحبت و ضاقت علیہم انفسہم کے عالم میں مبتلا تھا - ابھی یہ مصیبت بڑھتی ہی جاتی تھی کہ ایک دوسری مصیبت بھی شروع ہوگئی - یعنی طرح طرح کے جسمانی امراض و آلام نے آگھیرا - آخر اِسی حالت میں ' کہ دنیا اپنی ساری وسعت کے ساتھہ اُس پر تنگ ہوچکی تھی ' سنہ ۱۷۷۸ ع میں انتقال کیا ' اور گوشۂ قبر میں پناہ لی !

اِن مصائب نے روسو کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا ؟ کیا وہ اِن سے مرعوب ہوگیا تھا ؟ کیا اپنے عقائد و افکار سے دست بردار ہوگیا تھا ؟ کیا اُسنے اپنے بے پناہ دشمن کے سامنے ہتیار ڈالدیے تھے ؟

اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً عیش کی زندگی بسر کرتا - مگر صرف زندگی ہی بسر کرتا - زندگی کی عظمت حاصل نہ کر سکتا - اپنی موت کے ساتھہ ہی مر جاتا - اُسکی ساری عظمت ' اُسکی دماغی قابلیتوں سے زیادہ ' اُسکے دل کی مضبوطی میں ہے - بلاشبہ وہ اپنا جسم کوئے کرنے میں چھپاتا پھرا ' مگر اُسکا قلم بے پناہ شمشیر بکف ہمیشہ دشمن کا قلع قمع کرتا رہا - اُسکی بلیغ ترین کتابوں ' اِس

آخری عہد مصائب کی یادگار ہیں - اُنمیں سب سے بلند درجہ اُسکے "مکالمات" اور "اعترافات" کو حاصل ہے - اِن سے بھی بڑھکر اُسکی وہ تحریریں ہیں، جو اُسنے پیرس کے اُسقف (لاٹ پادری) اور جنیوا کی حکومت کے جواب میں لکھی تھیں -

(روسو اور کلیسا کا معرکہ)

اِس جنگ میں کون فتحمند رہا: روسو یا اُسکے دشمن ؟

اِسکا جواب مدت ہوئی خود زمانہ دے چکا ہے! زندگی میں اُسکے لیے دنیا چار بالشت زمین کا گوشہ بھی مہیا نہ کر سکی، لیکن اسکے مرنے کے بعد یورپ کا تمام براعظم اپنے ذہن و فکر کا صرف ایک ہی حکمراں رکھتا تھا، اور وہ یہی معتوب عالم "روسو" تھا!

لیکن آج ہمیں روسو کی زندگی پر تبصرہ کرنا نہیں ہے - روسو کی زندگی پر تبصرہ رسائل کے مقالات میں نہیں، ضخیم کتابوں میں ہو سکتا ہے - آج ہم صرف اُسکی فکری اور قلمی معرکہ آرائیوں میں سے ایک خاص معرکہ دکھانا چاہتے ہیں - یہی اسکے قلم کے معرکے ہیں جو تھوڑے عرصے کے اندر انقلاب فرانس کے خونیں معرکوں کی شکل میں مبدل ہوگئے - یہ معرکہ اُس میں اور پیرس کے اُسقف کے درمیان واقع ہوا تھا - بلکہ یوں کہنا چاہیے، علم و عقل کے نئے ظہور اور مسیحی کلیسا کے قدیم جہل و جمود میں ہوا تھا - ہم اختصار پر مجبور ہیں -

(اُسقف کا بیان)

اُسقف نے اپنا بیان اِس افسوس کے ساتھ شروع کیا ہے کہ فرانس میں کفر اور الحاد پھیلتا جاتا ہے - پھر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ صورت حال، قرب قیامت کی علامت ہے جیسا کہ پولس رسول نے پیشیں گوئی کی ہے - پھر اِس مقدس مگر ہولناک تمہید کے بعد وہ روسو پر پے در پے حملے شروع کر دیتا ہے:

"یہی وہ الحاد ہے جسے ایک شخص (یعنی روسو) نے اپنی کتاب "امیل" Emilius میں پیش کیا ہے - اِس شخص نے گناہ میں نشو و نما پائی ہے - یہ ایک ایسی زبان بولتا ہے جو فلسفہ کی زبان ہے - مگر وہ خود فلسفہ سے تہی دست ہے - یہ ایک ایسا ذہن ہے جس میں معلومات بے ترتیبی سے ٹھونس دیے گئے ہیں - مگر وہ ہنوز تاریک ہے، اور صرف اپنی تاریکی ہی پر قانع نہیں ہے بلکہ دوسرے دلوں میں بھی تاریکی اتار رہا ہے - یہ ایک ایسی طبیعت ہے جو عجیب و غریب افکار کی دلدادہ اور مجہول راستوں کی شیفتہ ہے - اِس میں اخلاق کا افلاس اور فکر کی ثروت، دونوں بیک وقت جمع ہوگئی ہیں - ایک طرف اُسے متقدمین کے اصول سے شغف ہے، دوسری طرف عقلی بدعتوں کی ایجاد کا جنون ہے - وہ خلوت پسند بھی ہے اور شہرت پسند بھی - علم کی محبت کا بھی دعوی رکھتا ہے اور علم کی عداوت کا بھی علم اٹھائے ہے - انجیل کے کمال کا بھی اعتراف کرتا ہے اور اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بھی کوشش کرتا ہے - فضیلت کی ایسی خوبصورت تصویریں اتارتا ہے کہ بے اختیار تحسین و آفرین کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے - مگر پھر فوراً ہی فسق و فجور کے پہاڑوں سے اپنی بنائی ہوئی شاندار عمارت گرا بھی دیتا ہے - یہ نوع انسانی کا معلم بنکر سامنے آیا ہے، مگر الحاد اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں رکھتا - یہ ضلالت کا امام ہے - فساد کا مرشد ہے - شیطان کا پیام بر ہے - تاریکی کا رہبر ہے - اور اس سے بھی کچھ زیادہ ہے - وہ اپنی کتاب میں انسان کو حیوان کے درجہ میں رکھتا ہے - ایک اور رسالہ میں نفس پرستی کی تبلیغ کرتا ہے - پھر تربیت کی کتاب لکھتا ہے - مگر سراسر الحاد کی دعوت دیتا ہے!"

آگے چلکر اُسقف نے روسو کی کتاب "تربیت" پر اعتراض کیے ہیں اور اس پر زور دیا ہے کہ یہ "دعوت الحاد" ہے - یہ کتاب آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے - اسمیں جس "الحاد" کی دعوت دی گئی ہے وہ صرف یہ ہے، کہ وہ کہتا ہے: "بچہ کی دماغی تربیت و تعلیم ایسی ہونی چاہیے کہ وہ خود اِس قابل ہوجائے کہ دین حق کی معرفت پیدا کرسکے، اور اسے تقلید و رسوم کی بنا پر نہیں بلکہ فہم و بصیرت کے ساتھ منتخب کرے - ہمیں اس بات سے احتراز کرنا چاہیے کہ اُسے کوئی ایسی دماغی جکڑ بندی کی تعلیم دیں جس سے اُس میں دماغی بصیرت اور مجتہدانہ فکر کی قوت پیدا نہ ہوسکے اور دل و دماغ کسی جابرانہ تاثیر سے منفعل ہو جائیں - ہمیں اس سے بھی احتراز کرنا چاہیے کہ اسکے دماغ میں کوئی ایسی بات اُتار دیں، جسے وہ خود اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا"

اِس پر اسقف نے اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے: "ہمیں اِس نظریہ پر کوئی اعتراض نہیں ہے - لیکن سوال یہ ہے کہ کیا بچہ کو گمراہ ہو جانے کیلیے چھوڑ دینا چاہیے؟ اگر ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اُسے ہمیشہ فطرۃ کی سچی راہ پر رکھنا چاہیے، تو وہ سچا طریقہ کیا ہے؟ کتاب تربیت کا مولف بند بند لفظوں میں الحاد کی طرف دعوت دیتا ہے - لیکن ہم فطرت کے سچے طریقے یعنی مسیحیت کو پیش کرتے ہیں - درحقیقت دین مسیحی فطرتی دین ہے - فطرت ہمیشہ اِسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے - عقل انسانی بجز انجیل کے راستہ کے کوئی دوسری راہ قبول ہی نہیں کر سکتی - یہ اس لیے کہ انجیل کا دین، فطرت اور عقل کا دین ہے!"

روسو اُسقف کی تمام تشریحات برداشت کر لے سکتا تھا، لیکن یقیناً اس بات کی برداشت اُسکی طاقت سے باہر ہوگی کہ "مسیحیت فطرۃ کی سچائی ہے" اور وہ "فطرۃ اور عقل کے دین کی طرف رہنمائی کرتی ہے" یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پرجوش اُسقف اور اسکے تمام ہم مشرب جس "مسیحیت" اور "انجیل" پر عامل تھے اور اُسکی دعوت دے رہے تھے، وہ "کلیسا" اور "پوپ" کی "مسیحیت" تھی - نہ کہ مسیحیت کی پہلے عہد کی سادہ اور بے میل مسیحیت - امریکن مصنف ڈریپر کے لفظوں میں "اٹھارویں صدی کے تمام اجتماعی انقلابات غیر ضروری ہوجاتے، اگر کلیسا اور پوپ کی نمایندگی کی جگہ مسیحیت اور مذہب کی کوئی دوسری نمایندگی وجود میں آ سکتی"

دراصل ازمنۂ وسطی سے مسیحیت کا جو جہل پرور اور مستبد مزاج پیدا ہوگیا تھا، اسکا قدرتی ردفعل والٹیر اور روسو کا انکار اور کفر تھا!

اسکے بعد اسقف کہتا ہے "اگر دین مسیحی ہی وہ سچا طریقہ ہے جسکے سوا فطرت انسانی کوئی دوسری راہ تصور ہی نہیں کرسکتی - تو پھر روسو کا دینی تعلیم و تربیت پر نکتہ چینی کرنا بجز اسکے کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ مخلوق کو ہدایت سے ہٹا کر ضلالت کی طرف بلا رہا ہے!"

روسو نے کہا تھا "ہر بچہ جو اپنے بچپنے میں خدا پر ایمان رکھتا ہے، ایک طرح کا بت پرست ہے، اور خدا کو انسان کی

صورت میں یقین کرتا ہے - عقل انسانی اِس عمر میں' خدا کا منزہ اور مطلق تصور کر ہی نہیں سکتی !"

اُسقف کا اِس پر اعتراض یہ ہے "اگر بچہ بت‌پرست ہوتا تو کئی خداؤں کا قائل ہوتا - اگر اسکے تفکر میں تجسم ہوتا (یعنی خدا کو انسان کی صورت دیتا) تو پروردگار کا جسم بتاتا - حالانکہ مسیحی بچوں کا کبھی ایسا اعتقاد نہیں ہوتا - وہ صحیح معنوں میں موحد ہوتے ہیں - مولف (روسو) نے یہ کہکر در اصل مسیحیت کو بت پرستی قرار دیا ہے !"

روسو نے لکھا تھا "میں جانتا ہوں کہ نظام عالم کو ایک قادر وحکیم ارادہ چلا رہا ہے - میں یہ دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں' اور اسکی معرفت میری زندگی کیلیے ضروری ہے - لیکن یہ عالم اب سے اور کس طرح ہے ؟ اشیاء کی اصل ایک ہے یا متعدد ہیں ؟ اُنکی طبیعت کیا ہے ؟ یہ میں نہیں جانتا' اور نہ مجھے جاننے کی ضرورت ہے ... یہی باعث ہے کہ میں یہ حقیر مسائل نظر انداز کر جاتا ہوں - ممکن ہے یہ میری عقل کو مشغول کر لیں' مگر مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے - پھر یہ مسائل میری عقل سے بالا تر بھی ہیں ..."

اِس پر اسقف اعتراض کرتا ہے "بے شک مصنف کا اِس قول سے کیا مقصود ہے ؟ وہ جانتا ہے کہ کائنات کا نظام ایک قادر و حکیم ارادہ کے ماتحت ہے - وہ اعتراف کرتا ہے کہ اِس حقیقت کا علم اسکے لیے ضروری ہے - لیکن باوجود اِسکے کہتا ہے' نہیں معلوم اشیاء کی اصل ایک ہے یا ایک سے زیادہ ہے ؟ پھر دعوی کرتا ہے کہ مجھے اِس نقطہ کے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں - مصنف' دراصل خدا کی وحدانیت پر شک رہا ہے - اِس علم کے بعد کہ کائنات ایک قادر وحکیم ارادہ کے تصرف و اختیار میں ہے' کیا یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اسکے کی اصل ایک ہے یا کئی ہیں ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ پہلی حقیقت کا علم ضروری ہو اور دوسری کی معرفت غیر ضروری قرار پائے ؟ کیا یہ صریح تناقض اور التحاد نہیں ہے ؟ وہ کہتا ہے میں خدا کی طبیعت و حقیقت سے باخبر ہوں' لیکن ساتھ ہی یہ دعوی بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی' عالم' قدرت' ارادہ' اور حکمت رکھتا ہے ! اس سے تو معلوم ہوا کہ وحدانیت اُسکے خیال میں ایک "حقیر سا مسئلہ" ہے' اور جسمی طرح بھی اُسکی عقل میں نہیں آ سکتا - لیکن معلوم ہوتا ہے' متعدد خداؤں کا تصور اُسکی عقل کے نزدیک معقول ہے - بھلا اِس حماقت سے بڑھ کر بھی کوئی حماقت ہو سکتی ہے ؟"

روسو معجزات کو اس معنی میں تسلیم نہیں کرتا کہ وہ خارق عادت ہیں - معجزات پر گفتگو کرتے ہوئے اُسنے لکھا ہے "یاللعجب ! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں ! آدمی' اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور درمیان آدمیوں کو سناتے ہیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے لئے اُن کثت واسطے قائم ہوگئے ہیں !"

اِس پر اسقف لکھتا ہے "اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں ہے تو پھر ہم پوچھتے ہیں مولف نے اسپارٹا' ایتھنز' اور روم کو کیونکر جانا جنکی عظمت کا وہ ہمیشہ راگ گایا کرتا ہے ؟ اِن قدیم جمہوریتوں اور مولف کے مابین آدمیوں کے کتنے بہت سے واسطے موجود ہیں ؟ وہ ان واسطوں پر شک نہیں کرتا - لیکن مسیحی معجزات کی روایت میں وہ کوئی واسطہ منظور کرنا نہیں چاہتا - در اصل اُسکے اعتراض کی اصلی علت' الحاد ہے - وہ خدا ہی کو نہیں مانتا !"

عالم شرق و اسلام

مکتوب شام

(الهلال کے مقالہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

دروزی جہاد آزادی کا خاتمہ

میں یہ مکتوب اِس حال میں لکھ رہا ہوں کہ ہاتھ میں رعشہ ہے' آنکھوں میں آنسو ہیں' دل میں حسرت و الم ہے - میں ہی نہیں' اِس وقت شام میں کون ہے جو خون کے آنسو نہیں رو رہا ہے ؟ دمشق کے آسمان پر اندھیرا چھا گیا ہے - اور شام کے مرغزار مایوسی کی خزاں سے مرجھا گئے ہیں - اسلیے کہ آزادی کی امیدیں ملتوی ہوگئیں - تین سال ہوئے شام کے ابطال وطن نے آزادی کا علم بلند کیا تھا - آج وہ علم گر گیا ہے - اِس لیے پورا ملک اور اُسکی قومی غیرت' سر نگوں ہے !

ملک شام خصوصاً دمشق نے اپنی سرزمین پر تاریخ کے عظیم ترین واقعات مشاہدہ کیے ہیں - دروز کا جہاد آزادی بھی ایک ایسا ہی عظیم واقعہ ہے - مشرق کی تاریخ میں ہمیشہ یہ زریں حروف میں ثبت رہے گا - جبل دروز' جو اِس جہاد کا مرکز تھا' صرف پچاس ساٹھ ہزار کی آبادی رکھتا ہے - یہی آبادی' دروزیوں کی مرکزی آبادی ہے - اور یہی دروز ہیں جنھوں نے فرانس جیسی عظیم الشان سلطنت کے قدم' شام سے اکھاڑ دیے تھے ! ابتدائی

اسقف کا بیان بہت طویل ہے - اس مضمون میں اُسکا پورا خلاصہ بھی ممکن نہیں - لیکن اُسکا آخری اعتراض ضرور نقل کر دینا چاہیے - روسو نے بادشاہوں کے وجود پر سختی سے حملہ کیا ہے - اُسقف اسکے جواب میں لکھتا ہے :

"یہ بھی مولف کا الحاد ہی ہے جس سے متأثر ہوکر وہ بادشاہوں کے وجود پر نکتہ چینی کرتا ہے - بادشاہوں کو برباد کرکے وہ ایسے قواعد جاری کرنا چاہتا ہے' جنکا نتیجہ بجز بد امنی اور طوائف الملکی کے اور کچھ نہیں ہوگا - مصنف نے مذہب اور دین حق میں کتنا تضاد ہے ؟ مصنف بد اخلاقی اور بد امنی کی تعلیم دیتا ہے - لیکن دین حق خشیت الہی اور بادشاہ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے - دین کا حکم یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے آقا کی فرمانبرداری کرے - دین کہتا ہے پادشاہی' خدا کی قوت ہے - اُسکا پاک سایہ ہے - اور اُسی نے زمین پر نازل کی ہے - جو اِس کا مخالف ہے' وہ خود خدا کا باغی ہے - اُس پر خدا کی ابدی لعنت ہو !"

اس طرح اُسقف نے اپنا رسالہ قرب قیامت کی ہولناکی سے شروع کرکے "ابدی لعنت" کی پیشکش پر ختم کر دیا ہے !

یہ روسو کے سب سے بڑے کلیسائی مناظر کا حملہ تھا - اب دیکھنا چاہیے' روسو نے اسکا دفاع کیونکر کیا ہے ؟ روسو کے سخت سے سخت لکھنے والے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اُسکا جواب اُسکی مناظرانہ قوت بیانیہ کا بے نظیر ثبوت تھا -

ہم آیندہ اشاعت میں اسکا خلاصہ درج کرینگے -

معرکوں کے بعد ... فرانسیسی فوجوں پر اس قدر بیدھ ... تھی کہ اُنکا نام سنتے ہی میدان سے بھاگ جاتی تھیں - پچھلے دو سال برابر دروزیوں کا پلہ بھاری رہا ' واقعات ثابت کر رہے تھے کہ فرانس کو بہت جلد سر جھکانا پڑیگا - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دو مرتبہ فرانس نے اندر ہی اندر سر جھکا دینے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا -

مگر افسوس ' نتیجہ بالکل برخلاف نکلا - فرانس نے وہی طریقہ اختیار کیا جو ایسے موقعہ پر ہمیشہ طاقتور حریف اختیار کیا کرتا ہے - اُس نے جنگ کو طول دینا شروع کر دیا - یہ طوالت ... سر و سامان دروزیوں ... قابل تحمل تھی - وہ ... اول درجہ کی سلطنت کے مقابلہ میں تنہا ... خود انکے وطن کی دوسری جماعتیں ... ساتھ شریک نہ تھیں - جنگ نے زراعت ' معیشت سے انہیں ... دیا تھا -

بہت دنوں تک جمے رہے - لیکن آخر کب تک قد... ہے بس ہو ... پر آمادہ ہوگئے - اب پورا ملک پھر فرانس کے رحم پر ہے ' آسوقت تک کیلیے ' کہ مجاہدین ... ہوکر کوئی دوسرا قدم اُٹھا سکیں -

... کیلیے ایک نیا آزمائش ضرورت ہے - اسلئے ایک

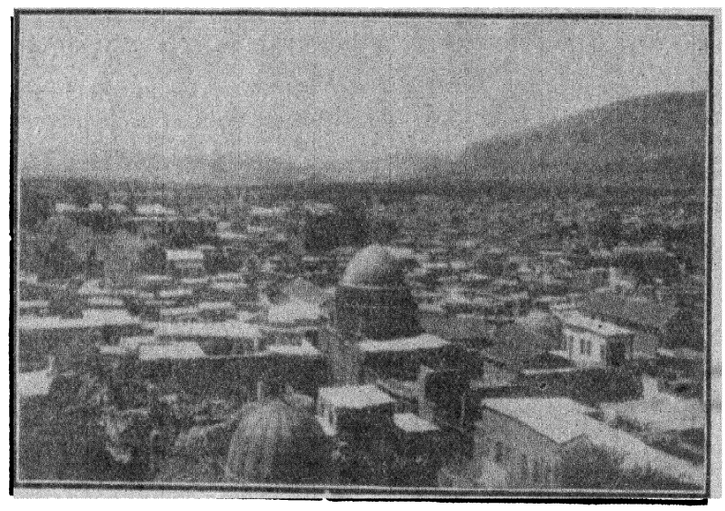

... حقیقت ظاہر ... عام دول یورپ کس ... طرح مشرق کے نظام بنائے ... تلی ہوگئی ... میں ... انہیں بتلائیں کتنی ... ہی ... ثابت ... کیوں ... سرحدی ... میں وہ ... ہی ... حالانکہ ... ہی ... دوسری کی ... امداد ... پر بھی آمادہ ... شامی ...

جہاد آزادی ' اس ... مثال ہے - جا... طرح جانتے ہیں کہ وہ فرانس نہیں ہے ... وطن پرستاران شام کو نیچا دکھایا ہے - بلکہ وہ برطانیا ... مالی و مادی امداد و اعانت نے فرانس ... دیا ... تو اپنا پورا زور لگا کر تھک چکا ... دشمن ... سکتا تھا - ... اور پوری آزادی ... ہی سرزمین پر حملے کا ... فرانس کا جدی حریف عالم تھا - لیکن یہ اُس وقت کی بات ہے ' جب فرانس اس جہاد کے مقابلہ میں اکیلا تھا - برطانیا کی اعانت اُسے حاصل نہ تھی - یہ واقعہ ہے کہ اُس نے گیدا کو دو مرتبہ ارادہ کرلیا تھا کہ شامیوں کے مطالبات منظور دلے ... ظالمانہ مطامع سے باز آجائے -

... اس معاملہ میں کیونکر شریک ہوا ؟ ... اس کی ... ہوئے لیکن تو فلسطین ' شرق اردن ' اور عراق میں ... صدائے بازگشت بلند ہونے لگی - شرق اردن کے تیور سب سے زیادہ خراب تھے - بلکہ جابجا شورش ... ہوگئی ... دیکھا کہ اگر اس علاقہ میں ... تک

کے شرارے پہنچ جائینگے ' اور پوری عربی قوم میں حرت طلبی کی نئی سرگرمی پیدا ہوجائیگی - برطانیا نے خدا ... کہ تمام بے چینی صرف اس وجہ سے ہے کہ دروزیوں کی کامیابیوں نے عربوں کے دل بڑھا دیے ہیں اور فرانس کی پیہم شکستوں سے خود برطانیا کا رعب و داب بھی بے اثر ہوتا جاتا ہے - وہ فرانس کی پیٹ ٹھوکنے ... ہوگئی - فلسطین نے برطانوی حکام نے علانیہ فرانس کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھایا ' اور اپنی جدی قوت سے دروزیوں پر دباؤ ڈالنے لگے -

بد قسمتی سے جغرافیائی ... دروزیوں کو شرق اردن کا سخت محتاج بنا دیا تھا - اُن پر تمام دروازے بند تھے - صرف مشرق اردن کا دروازہ کھلا تھا - یہیں وہ پناہ لیتے تھے - یہیں تازہ دم ... سے انہیں باہر کی مدد بھی مل جاتی ... کے مخالف ہوتے ہی یہ دروازہ بھی اُنپر بند ہوگیا -

اتنا ہی نہیں بلکہ انہیں ... پڑا ... اب دروزیوں کو دو سلطنتوں سے بہ یک وقت مقابلہ کرنا پڑا : فرانس ... نوں نے کیا - اور پو... تک میدان ... میں جمے رہے - مگر ... ہوگیا - ... اب ... کوئی ... جانچہ اس ... پس ... فوجوں ... فلسطین ' شرق اردن ' ... برطانیا ... خاندان کی خیانت اور طمعاکی ... ے دیے - اس شامی جہاد آزادی ... حسین نے ... ہے اور برطانی ملک ... ے مخاطب کر رہا ہے - اس نے ... دروز سے لڑی ہے ... ...

(سلطان پاشا اطرش)

لیکن جہاد آزادی کے علم بردار سلطان پاشا اطرش نے ہتیار ڈالنے سے انکار کر دیا - دمشق میں اُنکے بعض دوستوں کے پاس میں نے اُنکا ایک ٹار پڑھا ہے - اُسمیں وہ لکھتے ہیں :

" میں نے ہتیار رکھنے سے انکار کر دیا ہے - کیونکہ مرد ہتیار نہیں رکھا کرتے - میں صحراء کی طرف اپنے خاندان کے ساتھہ جا رہا ہوں کیونکہ برطانی حکام اور امیر عبداللہ نے مجھے علاقۂ ازرق میں رہنے نہیں دیا ! "

مجھے معتبر ذرایع سے معلوم ہوا ہے کہ انگریزوں نے سلطان پاشا اطرش سے کہا تھا کہ " فلسطین چلے آئیں ' ہم امن دینگے " اس سے اُنکی غرض یہ تھی کہ فرانس پر دباؤ رکھنے اور اپنی مطلب براریوں کے لیے اُنہیں نظر بند کرکے رکھہ چھوڑیں - مگر سلطان پاشا نے انکار کر دیا :

" میں نے قسم کھائی ہے کہ کسی ایسے ملک میں ہرگز نہیں رہونگا جس پر اجنبی علم لہراتا ہو ! "

یہہ اُنکا قطعی جواب تھا !

پھر آخر سلطان پاشا کہاں پناہ لینگے ؟ یہ سوال تھا جو برطانی ' فرانسیسی ' اور عربی حلقوں میں گشت لگا رہا تھا - مگر اسکا جواب بہت جلد مل گیا اور ایسا ملا کہ سب کو حیرت ہوگئی - لوگوں کو اچانک معلوم ہوا کہ سلطان پاشا اطرش اور اُنکے ۴۵ رفیق' سلطان ابن سعود کے مہمان ہوکر حجاز جا رہے ہیں' اور پانچ سو سے زیادہ دروزی جو ابتک مسلح ہیں اور ہتیار نہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے ہیں ' وہ بھی عنقریب اسی طرف روانہ ہونے والے ہیں -

لوگوں کو حیرت اِس وجہ سے ہوئی کہ نجدی از حد متعصب مشہور ہیں - اس صورت میں وہ دروزیوں کے سردار کا کیونکر استقبال کرسکتے ہیں جو اسلام کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ عام اسلامی رسوم و عوائد سے دور ہیں ؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سلطان ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر اپنی اور اپنی قوم کی بے تعصبی اور عربی حمیت کا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کردیا - اُنہوں نے جونہی سنا کہ دروزی مجاہدین پر عرصۂ زمین تنگ ہے ' فوراً دعوت دی اور اپنے جوار حمایت میں پناہ دینے کا اعلان کردیا - اُن کے طرز عمل نے صرف یہی ثابت نہیں کردیا کہ وہ اپنے عقائد میں حد درجہ بے تعصب ہیں ' حتی کہ دروز جیسے عقائد رکھنے والوں کو بھی اپنا مہمان بنا لیتے ہیں' بلکہ یہ بھی ثابت کردیا کہ وہ فرانس اور برطانیا ' دونوں سے بے خوف ہیں اور اداء فرض اسلامی و عربی کی راہ میں ان کی کوئی پروا نہیں کرتے - میں یہ بات بھی آپ کے علم میں لانی چاہتا ہوں کہ مجاہدین شام اور سلطان ابن سعود کے درمیان راہ و رسم پیدا کرنے کے لیے بعض ہندوستانی زعماء نے جو سعی مشکور کی تھی ' اس کا یہاں ہر شخص کو اعتراف ہے - یقیناً آپ کے لیے اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ مزید تشریح کی جائے -

سب سے زیادہ تعجب لوگوں کو اِس پر ہوا کہ سلطان پاشا اطرش ' دومۃ الجندل میں قیام کریں گے - " دومۃ الجندل " کے لفظ میں عربی تاریخ و روایت کے جو جذبات پوشیدہ ہیں ' ان سے آپ بے خبر نہ ہونگے - جغرافیائی حیثیت سے اس مقام کی جو اہمیت ہے ' وہ بھی آپسے پوشیدہ نہ ہوگی - یہ وہی مقام ہے جسے آج کل " جوف " کہتے ہیں - یہ نجد ' حجاز ' اور شرق اردن کی سرحدوں پر واقع ہے ' اور جنگی نقطۂ نظر سے تینوں ملکوں کے لیے اہم ترین مقام ہے - سلطان پاشا کا یہاں قیام یہ معلی رکھتا ہے کہ وہ شام کی سیاست سے بالکل الگ نہیں ہوگئے ہیں' اور اُن کے دلوں کی امیدیں اب تک زندگی کی آرزوئیں رکھتی ہیں !

(امن کے مظاہرے)

دروزیوں کے ہتیار رکھدینے کے بعد ہی ہر طرف حکومت نے امن کے مظاہرے کرنا شروع کردیے ہیں - دمشق کے اندر جتنے مورچے اور جنگی چوکیاں تھیں ' سب اٹھا لی گئی ہیں - فوجی قانون کی عدالت بھی اٹھہ گئی ہے - جنگی قوانین بھی امروز فردا میں اٹھا دیے جائینگے - حکومت کی طرف سے کئی نئی سڑکیں جاری کرنے کا اعلان ہوا ہے - کئی نئی عمارتوں کی تعمیر بھی شروع ہوگئی ہے - ان تمام باتوں سے حکومت کا مقصد یہ دکھلانا ہے کہ اب ملک حالت امن میں ہے' اور اُس کی قوت تمام مخالفوں پر غالب آگئی ہے -

ہاں' ان کے جسموں پر تو غالب آگئی ہے' لیکن دلوں پر جو زخم لگ چکے ہیں ' وہ ایسے نہیں ہیں جو صدیوں سے پہلے مندمل ہو سکیں !

(ہائی کمشنر کی مہر سکوت)

اب تک ہائی کمشنر موسیو بونسو' بالکل خاموش تھے ' اور اپنا انداز کچھہ اس طرح کا بنا رکھا تھا ' گویا وہ ملک کو کچھہ دینے اور اُس کے مطالبات منظور کرنے والے ہیں - مگر دروزیوں کے ہتیار رکھتے ہی اُن کی مہر سکوت بھی ٹوٹ گئی - اُنہوں نے ایک اخبار کے نامہ نگار سے شام کے مستقبل کے متعلق یہ عجیب تصریح کی ہے :

" اخبارات مجھے ملامت کر رہے ہیں کہ میں خاموش ہوں - مجھسے بولنے کا اصرار کیوں ہے ؟ کیا یہ چاہا جاتا ہے کہ میں کوئی ایسا وعدہ کرلوں جسے بعد میں پورا نہ کروں ؟ میں عمل پسند کرتا ہوں - قول پسند نہیں کرتا "

اخبار کے نمائندے نے بہت اصرار سے پوچھا " آخر شام کے مطالبات کب منظور کیے جائینگے ؟ کچھہ تو کہیے ؟ " ہائی کمشنر نے جواب دیا " آپ مجھسے یہ خواہش کیوں کرتے ہیں کہ دو دن کے اندر آسمان طیار کردوں ؟ "

ہمیں اس جواب کی معقولیت سے انکار نہیں - دو دن کے اندر موسیو بونسو کا آسمان جبھی بن سکتا ہے ' جب بنانے والے نوک شمشیر سے بنا ڈالنے کا عزم کرلیں - اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً دو صدیاں بھی اس کے لیے کافی نہیں - شام نے مجبور ہوکر تلوار اٹھائی اور اپنا آسمان سیاست تعمیر کرنا شروع کردیا ' مگر افسوس ہے کہ یہ مرحلہ پہلے قدم میں طے ہونے والا نہ تھا - ان کی شمشیریں جن سے وہ آلۂ تعمیر کا کام لے رہے تھے ' ٹوٹ گئیں - اب دنیا کو انتظار کرنا چاہیے کہ یہ ٹوٹی ہوئی شمشیریں پھر ڈھالی جائیں ' اور از سر نو شام کی قسمت کا آسمان تعمیر کیا جا سکے !

نہیں کہا جاسکتا یہ وقت کب آئیگا ؟ مگر یقین رکھیے اِس وقت کی آمد میں ہمیں کوئی شک نہیں ہے - اگر شام کی تمام آبادی سے قطع نظر بھی کرلی جائے ' جب بھی صرف دروزی قبائل ہی کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو اس طرح کی ہزار ناکامیابیوں اور بربادیوں کے بعد بھی جنگ آزادی سے باز نہیں آسکتا - آج وہ تھک کر بیٹھہ گئے ہیں ' تو کسی دوسرے دن اُٹھہ بھی سکتے ہیں - اس سفر میں وقفۂ و سکون کے بغیر چارہ نہیں - یہ ضروری ہے کہ جونہی انہیں دوسرا موقعہ ملا ان میں سے ہر متنفس کا سر اُس کی ہتھیلیوں پر آجائیگا - اور وہ پھر دنیا کو اپنے جہاد آزادی سے متعجب کردینگے !

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

عمرو بن العاص

حضرت عمرو بن العاص (رض) کی شجاعت، تدبر، فتوحات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں۔ مصر کی فتح سراسر انہی کے تدبر و قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی: عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، زیاد بن ابیہ۔ اتفاق سے یہ تینوں سر ملکر ایک ہو گئے۔ انھوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اُس طرف پھیر دیا جدہر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہ کی سیاست نے شکست نہیں دی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاص کا تھا۔

ایک ایسے سیاسی مدبر نے موت کا کس طرح خیر مقدم کیا تھا؟ ذیل کی سطروں میں اس کی تفصیل ملے گی:

ایک عجیب سوال

جب بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور عرب کے اس دانشمند کو زندگی کی کوئی اُمید باقی نہ رہی، تو اُسنے اپنی فوج خاصہ کے افسر اور سپاہی طلب کئے۔

لیٹے لیٹے اُن سے سوال کیا "میں تمھارا کیسا ساتھی تھا؟"

"سبحان اللہ! آپ نہایت ہی مہربان آقا تھے۔ دل کھول کر دیتے تھے۔ ہمیں خوش رکھتے تھے۔ یہ کرتے تھے۔ وہ کرتے تھے..."

وہ بڑی سرگرمی اور جوش سے جواب دینے لگے۔

ابن عاص نے یہ سنکر سنجیدگی سے کہا "میں یہ سب کچھ صرف اس لئے کرتا تھا کہ تم مجھے موت سے بچاؤ گے کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے سردار کے لئے سپر تھے۔ لیکن یہ دیکھو، موت سامنے کھڑی ہے اور میرا کام تمام کر دینا چاہتی ہے۔ آگے بڑھو اور اُسے مجھ سے دور کر دو!"

سب ایک دوسرے کا حیرت سے منہ تکنے لگے۔ پریشان تھے، کیا جواب دیں؟

"اے ابو عبداللہ!" دیر کے بعد اُنھوں نے کہا "واللہ ہم آپکی زبان سے ایسی فضول بات سننے کے ہرگز متوقع نہ تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپکے کچھ بھی کام نہیں آسکتے"

انھوں نے آہ سرد بھری "واللہ میں یہ حقیقت خوب جانتا ہوں" اُنھوں نے حسرت سے کہا "واقعی تم مجھے موت سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ لیکن اے کاش! یہ بات پہلے سے سونچ لیتا! اے کاش میں نے تم میں سے کوئی ایک آدمی بھی اپنی حفاظت کے لئے نہ رکھا ہوتا۔ ابن ابی طالب (حضرت علی) کا بھلا ہو۔ کیا ہی خوب کہہ گیا ہے: آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اُس کی اپنی موت ہے!" (طبقات ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کر کے رونے لگے

راوی کہتا ہے ہم عمرو بن العاص کی عیادت کو حاضر ہوئے۔ وہ موت کی سختیوں میں مبتلا تھے۔ اچانک دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اُنکے بیٹے عبداللہ نے کہا "آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا رسول اللہ آپ کو یہ یہ بشارتیں نہیں دے چکے ہیں؟" اُنھوں نے بشارتیں سنائیں۔ لیکن ابن عاص نے روتے ہوئے سر سے اشارہ کیا۔ پھر ہماری طرف منہ پھیرا اور کہنے لگے:

زندگی کے تین دور

"میرے پاس سب سے افضل دولت "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت ہے۔

"مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں:

"ایک وقت وہ تھا کہ رسول اللہ سے زیادہ میں کسی کی اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھتا تھا۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی طرح قابو پا کر آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً جہنمی مرتا"

"پھر ایک وقت آیا جب خدا نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہاتھ بڑھائیے، میں بیعت کرتا ہوں۔ آپنے دست مبارک دراز کیا۔ مگر پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "عمرو! تجھے کیا ہوا؟" میں نے کہا "ایک شرط چاہتا ہوں" فرمایا "کونسی شرط؟" میں نے عرض کیا "یہ شرط کہ میری بخشش ہو جائے" اسپر ارشاد ہوا "اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے؟ ہجرت بھی مٹا دیتی ہے؟ حج بھی مٹا دیتا ہے؟" (یہ ابن العاص کی مشہور روایت ہے جسے شیخین نے بھی روایت کیا ہے)

"اُسوقت میں نے اپنا یہ حال دیکھا کہ نہ تو رسول اللہ سے زیادہ مجھے کوئی دوسرا انسان محبوب تھا، اور نہ رسول اللہ سے زیادہ کسی کی عزت میری نگاہ میں تھی۔ میں سچ کہتا ہوں، اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے، تو میں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ انتہائی عظمت و ہیبت کی وجہ سے میں آپ کو نظر بھر کے دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر اس حالت میں مر جاتا تو میرے جنتی ہونے کی پوری اُمید تھی!"

"پھر ایک زمانہ آیا جس میں ہمنے بہت سے اونچ نیچ کام کئے۔ میں نہیں جانتا اب میرا کیا حال ہوگا؟"

مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا

"جب میں مروں تو میرے ساتھ رونے والیاں نہ جائیں، نہ آگ جائے۔ دفن کے وقت مجھ پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ میری قبر سے فارغ ہو کر اُسوقت تک مجھ سے قریب رہنا، جب تک جانور ذبح کر کے اُن کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔ کیونکہ تمھاری موجودگی سے مجھے انس حاصل ہوگا پھر میں جان لوں گا کہ اپنے پروردگار کے قاصدوں کو کیا جواب دوں؟" (طبقات ابن سعد)

بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں!

ہوش حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے۔ تو دیکھا۔ نزع کی حالت ہے۔ پوچھا کیا حال ہے؟ آپنے جواب دیا "پگھل رہا ہوں۔ بگڑتا زیادہ ہوں، بنتا کم ہوں۔ اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیونکر ممکن ہے؟" (عقد الفرید و ابن سعد)

حضرت ابن عباس سے سوال جواب

حضرت عبداللہ بن عباس عیادت کو آئے۔ سلام کیا۔ طبیعت پوچھی۔ کہنے لگے "میں نے اپنی دنیا کم بنائی مگر اپنا دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اُسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے، اور اُسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا، تو یقیناً بازی لیجاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو ضرور اسی کی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں تو ضرور بھاگ جاؤں۔ اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہو رہا ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ اپنے پیروں کی قوت سے نیچے اُتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! مجھے کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اُٹھاؤں"

ابن عباس نے جواب دیا "آہ! اے ابو عبداللہ! اب نصیحت کا وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو حاضر ہوں جو مقیم ہے وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟"

عمرو بن العاص یہ جواب سنکر بہت افسردہ ہوئے اور کہنے لگے "اُف! کیسی سخت گھڑی ہے! کچھ اوپر اسی برس کا سن! اے ابن عباس تو مجھے پروردگار کی رحمت سے مایوس کرتا ہے؟ الٰہی! یہ ابن عباس ہے جو مجھے تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے! الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے، یہاں تک کہ تیرا غصہ دور ہو جائے اور تیری رضامندی لوٹ آئے"!

ابن عباس نے کہا "ہیہات! ابو عبداللہ! آپنے جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور اب دے رہے ہیں وہ چیز جو پرانی ہے! یہ کیسے ممکن ہے؟"

اسپر وہ آزردہ خاطر ہو گئے: "ابن عباس! مجھے کیوں پریشان کرتا ہے؟ جو بات کہتا ہوں، اُسے کاٹ دیتا ہے!" (استیعاب)

موت کی کیفیت

عمرو بن العاص زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے "مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے" لوگوں کو یہ بات یاد تھی جب وہ خود اس منزل میں پہونچے تو حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ مقولہ یاد دلایا (ایک روایت میں ہے کہ خود اُنکے بیٹے نے سوال کیا تھا) عمرو بن العاص نے ٹھنڈی سانس لی: "جان من!" اُنھوں نے جواب دیا "موت کی صفت بیان نہیں ہو سکتی۔ موت ناقابل بیان ہے۔ لیکن میں اسوقت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان، زمین پر ٹوٹ پڑا اور میں

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں و ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مکمل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے اڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اہم باسمی ہوکر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شہرت مقبولیت حاصل کرکے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کرچکا ہے اور جسکو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندستان کے واسطے گورنمنٹ سے رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کرچکے ہیں اُن سے تو اسکے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اسکی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسے وسیع و عظیم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بیشمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں فرحت بخش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کرسکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے نواکہات مثل انگور۔ انار، سیب۔ رنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ قسم کی ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے اختلاج قلب و درد سر و دوران سر و متلی وغیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہے۔ سودا وی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراً طور پر رنگ و لفرب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق ملک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ تو تل دیکھ کر اور استعمال کرکے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز ویسی ہی خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

نوٹ۔ اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں۔ مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خریدتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اسپر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی — تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابلدید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کردے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

اگر آپکو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجئے اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

بریدِ فرنگ

اٹلی کے نئے اصول حکمرانی

مسولینی کی عجیب و غریب تقریر

موجودہ دنیا میں جمہوریت کے ردِ فعل نے شخصیت اور شخصی استبداد کے جو مظاہر پیدا کر دئے ہیں، شاید ان میں سب سے زیادہ عجیب مظہر اٹلی کا مسولینی ہے۔ ضرورت ہے کہ دقتِ نظر کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

پچھلے دنوں اٹلی کی مجلس (پارلیمنٹ) کا افتتاح کرتے ہوئے مسولینی نے جو تقریر کی تھی، وہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریر ہے جو کسی موجودہ زمانے کی مجلس حکومت کے سامنے کی گئی ہے۔ اسمیں مسولینی نے وہ تمام پارلیمنٹری روایات پس پشت ڈالدیں جن پر آجتک عمل درآمد چلا آتا تھا۔ یورپ نے یہ تقریر دہشت اور استغراب کے ساتھ سنی، لیکن اپنے سیاسی حلقوں کے پیچ در پیچ معاملات کی وجہ سے نکتہ چینی کی جرأت نہ کر سکا۔ البتہ امریکہ کے اخبارات نے اسپر سختی سے نکتہ چینی کی ہے۔ ان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "مسولینی مجنون ہو گیا ہے"!

مسولینی مجنون ہو یا نہ ہو، لیکن اسمیں شک نہیں کہ یورپ کی موجودہ سیاست کا دماغ کوئی مجنونانہ قدم ضرور اٹھانے والا ہے!

اس تقریر کا بہت مختصر خلاصہ ریوٹر ایجنسی نے ہندوستان کے اخبارات میں بھیجا تھا۔ اب یورپ کی تازہ ڈاک میں پوری تقریر آگئی ہے۔ ہم اس کے بعض حصوں کا ترجمہ شائع کر دیتے ہیں تاکہ قارئین الہلال یورپ کے موجودہ سیاسی مزاج کی ایک اہم حالت کا صحیح اندازہ لگا سکیں۔

مسولینی نے مجلس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:

"مجھے نہایت افسوس سے اعلان کرنا پڑتا ہے کہ آج میری تقریر مختصر نہیں ہوگی جیسی میری پچھلی تقریریں ہوا کی ہیں۔ آج مجھے بہت سے معاملات پر بحث کرنی ہے۔ آج میں اٹالین قوم کے سامنے اسکی اصلی تصویر پیش کرنی چاہتا ہوں۔ آج میری تقریر میں بہت سے اعداد و شمار بھی ہوں گے، اس لئے نہیں کہ اعداد و شمار، قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں، جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اعداد و شمار قوموں پر صحیح حکومت کرنے کے لئے ضروری ہیں، خصوصاً موجودہ زمانہ میں، جبکہ حکومتوں کے فرائض از حد پیچیدہ ہو رہے ہیں۔

"بنابریں میری یہ تقریر بہت ضروری بھی ہوگی، اور شاید بہت تکلیف دہ بھی ثابت ہو۔ ضروری اس لئے کہ میں کوئی غیر ضروری بات نہیں کہوں گا۔ تکلیف دہ اس لئے کہ میں ایسی تصریحیں کروں گا جو شاید تلخ ہوں اور دنیا کے بعض مسلّم مبادیات کا خاتمہ کر دیں البتہ وہ دلچسپ بھی ضرور ہوگی۔ کیونکہ میں اسمیں وہ خاص منطق استعمال کروں گا جو خود میں نے ایجاد کی ہے، جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے (قہقہہ)

"میں اپنی تقریر کے اس حصہ میں ہنسوں گا، ہنساؤں گا، اور فے سیشزم کے داخلی اور خارجی دشمنوں پر طعنہ زنی کروں گا۔ میں یہ دستور تسلیم نہیں کرتا کہ حکومت کے وزیر اعظم کو ہمیشہ غیر دلچسپ تقریر کرنی چاہئے اور اس میں صرف پیچیدہ اور مغلق الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

"میری تقریر تین حصوں پر منقسم ہوگی:

(۱) نسل اور صحت کے لحاظ سے اٹالین قوم کی حالت

(۲) ملک کی انتظامی حالت

(۳) حکومت کی حکمت عملی کے نتائج حال و مستقبل میں۔

تندرستی

"ہر متمدن ملک میں تندرستی کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہونا چاہئے اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ہماری تندرستی فی الحال کیسی ہے؟ قوم کی جسمانی قوت بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ یہ سوال صرف ڈاکٹروں ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ اسپر حکومت کو، بلکہ پورے ملک کو، نہیں، ملک کے ایک ایک فرد کو غور کرنا چاہئے"

اس کے بعد مقرر نے بتایا کہ گذشتہ ۴۰ برس کے اندر جلد موٹی ہو جانے کی بیماری اٹلی میں سب سے زیادہ عام رہی، مگر اب حکومت کی کوششوں نے ملک کو اس سے نجات دیدی ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں پورے ملک میں اس بیماری کے صرف ۱۸۰ مریض باقی رہ گئے تھے۔

تپ دق کے متعلق وزیر اعظم نے بتایا کہ اسوقت بھی یہ مرض بہت عام ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں اس سے ۲۹۳، ۵۲ موتیں ہوئیں

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۳)

دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں (الکامل جلد ۱) گویا میری گردن پر رضوی پہاڑ رکھا ہے۔ گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھر گئے ہیں۔ گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے!" (ابن سعد)

دولت سے بیزاری

اسی حال میں انھوں نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کر کے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا "اسے لے لے" آپکے بیٹے عبداللہ کا زہد مشہور ہے۔ انھوں نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں" عمرو نے کہا "اسمیں دولت ہے" عبداللہ نے پھر انکار کیا۔ اسپر ہاتھ ملکر کہنے لگے "کاش اسمیں سونے کے بجائے بکری کی مینگنیاں ہوتیں!" (الکامل ج ۱)

دعا

جب بالکل آخری وقت آگیا تو انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے مٹھیاں کس لیں۔ اور دعا کے یہ کلمات زبان پر تھے:

"الٰہی! تو نے حکم دیا اور ہم نے عدول حکمی کی۔ الٰہی! تو نے منع کیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ الٰہی! میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں۔ اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو ہلاک ہو جاؤں گا!" (ابن سعد و الکامل) اس کے بعد ۳ مرتبہ "لا الٰہ الا اللہ" کہا اور جان بحق تسلیم ہو گئے! (ابن سعد)

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دنیا میں بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپ کی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

لیکن ۱۹۲۵ء میں تعداد اموات ۵۹،۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح آتشک اور لیریا بھی بہت عام ہوا اور بُری طرح مخلوق کو برباد کر رہا ہے۔

شراب

"میں شراب نوشی کے بارے میں آپ سے کچھ کہوں گا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم اٹالین شراب نوشی میں افراط کرنے لگے ہیں۔ پروفیسر موتزا نے اپنی کتاب "اصول اقتصاد" میں لکھا ہے کہ اٹلی میں ۳۰ لاکھ ایکڑ زمین میں انگور کے باغ نصب ہیں۔ یعنی اٹلی کے انگوری باغوں کا رقبہ فرانس اور اسپین کے انگوری باغوں کے رقبہ سے ۱۰ لاکھ ایکڑ زیادہ ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ شراب انہی دو ملکوں میں بنتی ہے"

"لیکن یہ امر قابل اطمینان ہے کہ شراب خواری سے موتیں برابر کم ہوتی جاتی ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں ۱۸۶۴ موتیں ہوئی تھیں لیکن ۱۹۲۵ء میں گھٹ کر ۱۳۱۵ ہوگئیں۔ پہلے ملک میں ۱۸۷،۰۰۰ شراب خانے تھے۔ پہنچے ۲۵ ہزار بند کر دیئے۔ آئندہ ہم اور بھی بہت سے شراب خانے بند کرنے والے ہیں۔ ہم بڑی آسانی سے یہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم فیسیشزم والے شرابیوں کے ووٹوں کے محتاج نہیں ہیں، جیسا کہ جمہوری عہد میں لوگ محتاج ہوا کرتے تھے۔ اب وہ عہد، ایک افسانہ بن چکا ہے"

آبادی

"ہمیں اُمید ہے کہ ناگہانی کے محصول سے حکومت کو سالانہ ۵ کروڑ پونڈ تک آمدنی ہوگی۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں یہ محصول میرے خزانہ بھرنے کے لئے لگایا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اسکی کیا وجہ ہے؟ میں ابھی جواب دیتا ہوں۔

"بعض "عقلمند" کہتے ہیں ہم بہت ہیں، ہماری آبادی بہت زیادہ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم بہت ہی کم ہیں۔ سیاسی، اقتصادی، اور معنوی قوت کے حصول کے لئے قوم کی آبادی زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ میں صاف لفظوں میں سوال کرتا ہوں کہ ۴۰ ملین (ایک ملین ۱۰ لاکھ کا ہوتا ہے) اٹالین، نوے ملین جرمن، اور دو سو ملین سلاویوں کا کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں؟ یہ مٹھی بھر اٹالین، ۴۰ ملین فرانسیسیوں اور ۹۰ ملین اُن کے مقبوضہ ممالک کی آبادی کے سامنے کتنی دیر ٹھہر سکتے ہیں؟ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ۴۶ ملین انگریزوں اور ساڑھے چار سو ملین اُن کی مقبوضہ آبادیوں کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ اگر اٹلی چاہتا ہے کہ آفتاب کے نیچے اپنی ہستی برقرار رکھے، تو بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آئندہ ۵۰ سال میں اُسے اپنی آبادی کم سے کم ۶ کروڑ تک پہونچا دینی چاہیئے!"

"نسل کی کمی، قوموں کی تباہی کا سب سے پہلا سبب ہوتی ہے۔ روم کی تاریخ ہماری عبرت کے لئے کافی ہے۔ شہنشاہ اگسٹس کے عہد میں روم کی کیا حالت تھی؟ ظاہر میں تو بڑی شان و شوکت تھی، مگر باطن میں سلطنت، نمک کے پہاڑ کی طرح گھل رہی تھی۔ رومن جمہوریت کی آخری صدی، یعنی جولیس سیزر کے وقت سے اگسٹس تک وہ زمانہ تھا جس میں رومن ارباب حل وعقد روم کی نسل کی کمی سے لرزہ براندام تھے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ اگسٹس نے جبری نکاح کا قانون جاری کر دیا۔ دونوں میں اختلاف ہو کہ یہ قانون مفید ہوا یا مضر؟ میرے خیال میں قانون کی مثال دوا کی سی ہے۔ دوا وقت ہی پر مفید ہو سکتی ہے۔ بلا وقت استعمال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح قانون بھی جب ضرورت کے وقت نافذ ہوتا ہے تو نفع پہونچاتا ہے، ورنہ بیکار یا نقصان رساں ثابت ہوتا ہے۔ مجھے اس سے بحث نہیں کہ یہ قانون مفید ہوا یا مضر لیکن میرے خیال میں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قوموں کی قسمت، نسل کی کمی بیشی سے وابستہ ہے"

"تاریخ پر ایک نظر ڈالئے۔ یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ فرانس کس زمانہ میں دنیا کا حاکم تھا؟ صرف اُس زمانہ میں، جبکہ اُس کے پاس خاص اپنے فرزندوں کی ایک جرار فوج موجود تھی۔ اُس زمانہ میں جبکہ ۴۰ ملین فرانسیسیوں کے مقابلہ میں صرف چند ملین جرمن اور چند ملین اسپینی تھے۔ مگر بعد میں فرانس کمزور ہو گیا، کیونکہ اُس کی نسل گھٹنے لگی۔ ۱۸۱۰ء سے اب تک فرانس کی آبادی میں صرف ۲۰ لاکھ کا اضافہ ہوا ہے، حالانکہ اس کے مقابلہ میں جرمنی کی آبادی میں ۴۰ ملین اور اٹلی کی آبادی میں ۱۶ ملین کا اضافہ ہو چکا ہے"

"اسوقت یورپ کے بعض ملکوں میں شرح پیدائش یہ ہے:

سویڈن میں فی ہزار ۱۷
فرانس میں فی ہزار ۱۸
ناروے میں ۱۹
جرمنی میں ۲۰
ڈنمارک میں ۲۱
اٹلی میں ۳۹
بلغاریہ میں فی ہزار ۴۰

بلغاریہ سے زیادہ آبادی یورپ کے کسی ملک میں بھی نہیں بڑھ رہی ہے"

یہ تمام اعداد و شمار پیش کرنے کے بعد مقرر نے کہا:

"پس اگر ہماری آبادی ترقی نہیں کرے گی، تو ہم ہرگز اپنی عظیم الشان سلطنت قائم نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ ہم عنقریب مفتوح و محکوم ہو جائیں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ حقائق کا اعلان کر دیا جائے۔ ورنہ ہم ہمیشہ یوں ہی اوہام اور دل خوش کن مگر بے نتیجہ خیالات میں زندگی بسر کرتے رہیں گے"

انتظامی حالت

اس کے بعد مسولینی نے ملک کی انتظامی حالت پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ اسوقت حکومت کے ہاتھ میں ایک لاکھ کی تعداد میں پولیس موجود ہے اور وہ جدید ترین اسلحہ سے مسلح اور بہترین ذرائع نقل و حرکت کی مالک ہے۔ چنانچہ فی الحال اٹالین پولیس کے پاس ۴۰،۰۰۰ نئی قسم کی موٹریں ۲۹۰ لاریاں، ۱۹۸ موٹر سائیکلیں، ۱۹۸ اسٹیمر اور ۱۲ ہزار بائیسکلیں ہیں۔

پھر اتنی کثیر مقدار میں پولیس رکھنے کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے مسولینی نے اعداد و شمار پیش کئے اور بتلایا کہ ملک میں جرائم کی کس قدر کثرت ہے؟ چنانچہ صرف ایک علاقہ "بولونیہ" میں ایک سال کے اندر حسب ذیل بڑے بڑے جرم واقع ہوئے:

پولیس سے لڑائیاں ۱۷۱ مرتبہ۔
عمداً آگ لگانے کے واقعات ۲۷۸
قتل ۱۶۹
چوریاں ۲۰۸۲
لوٹ ۴۰۴

فیشسٹ حکومت کے مقاصد

اٹالین ڈیکٹیٹر کی تقریر کا یہ حصہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس لئے ہم اُس کا بڑا حصہ ترجمہ کرنے پر مجبور ہیں:

"آپ سب اُن حالات سے باخبر ہیں جن میں میں نے وزارت داخلیہ کا قلمدان لیا تھا۔ نیز آپ کو ۳۱ اکتوبر کا وہ تاریخی دن بھی یاد ہوگا جبکی نظیر اس ملک میں مدتوں سے نہیں دیکھی گئی۔ ساتھ ہی وہ معمولی واقعہ بھی آپکے ذہن میں ہوگا جو میرے قتل کے اقدام سے تعلق رکھتا ہے۔ ٹھیک اُسی تاریخی دن، میں نے میز پر سے ایک کاغذ اٹھایا تھا اور پنسل سے اُسپر وہ نظام عمل لکھ دیا تھا جسپر ملک کی حکومت کو چلنا چاہیئے۔ اس نظام عمل کا خلاصہ یہ تھا کہ فیشسٹزم کے مخالف مٹا دیئے جائیں۔ یہ نظام عمل پوری طرح کامیاب ہوا، اور آج اس سرزمین پر ہمارا کوئی مخالف باقی نہیں رہا ہے!

"بیرونی دنیا میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ میں نے ۲ لاکھ سیاسیوں کو نظر بند کر رکھا ہے۔ یہ سفید جھوٹ ہے۔ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہم نے ۱۴۵ سیاسیوں کو تنبیہ کی، ۱۹۵۹ کو ملامت کی، اور صرف ۶۹۸ کو جلاوطن کر دیا"!

قارئین الہلال شاید ان لفظوں "تنبیہ" اور "ملامت" کے موجودہ اٹالین معانی نہ سمجھے ہونگے۔ مسولینی کی لغت میں "تنبیہ" کے معنی یہ ہیں کہ مخالف کو زبردستی کسٹر آئل (رینڈی کے تیل) کی ایک پوری بوتل پلا دینا۔ اور "ملامت" کے معنی یہ ہیں کہ اُس کے پیٹ میں پٹرول کا ایک پورا ٹن اُتار دینا! یہ کسٹر آئل اور پٹرول مسولینی کے بہت ہی خونخوار ہتھیار ہیں۔ ان کے نام سے مخالف تھراتے ہیں۔ اونی سی مخالفت پر یہ عجیب و غریب مگر خوفناک سزائیں بے تامل دیدی جاتی ہیں!

اس کے بعد مقرر نے کہا:

"بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس جرموں کو جلد معافی ملنے والی ہے میں اس کی تغلیط کرتا ہوں ۱۹۳۲ء سے پہلے معافی کا سوال پیش ہی نہیں ہو سکتا۔ کہا جاتا ہے یہ بہت سختی ہے۔ کیا یہ سختی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک قسم کا علاج ہے اور اس سے مقصود بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ عناصر دور کر دیئے جائیں جو ہماری ہیئت اجتماعیہ میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ کیا طبیب کا مریض کو مسہل دینا سختی ہے؟ میں نہیں سمجھتا دنیا کا کوئی دانش مند انسان اس کا جواب اثبات میں دے سکتا ہے"

اٹالین انقلاب

"ہمارے انقلاب کو کون خونخوار قرار دے سکتا ہے؟ ہمارا انقلاب درحقیقت دنیا کا سب سے زیادہ قدرتی انقلاب ہے۔ جو ہمیں سفاک کہتا ہے، وہ ہمارے سامنے آئے، اور ہم سے رُو در رُو باتیں کرلے۔ کیا ہم اس قدر جلد انقلاب فرانس کو بھول گئے؟ انقلاب فرانس، صحیح معنوں میں خونریز تھا۔ تقریباً ۲۰ آدمی روزانہ گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلۂ قتل) کی نذر ہوتے تھے۔ یہ اُن ہزاروں مقتولوں کے علاوہ ہیں جنھیں قید خانوں میں مارا گیا، آگ میں جلایا گیا، پانی میں غرق کیا گیا۔ صرف مرد ہی قتل نہیں کئے جاتے تھے بچے اور عورتیں بھی قتل ہوتی تھیں۔ مجھے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ آپ یقیناً وہ کتاب پڑھی ہوگی جس کا نام "عہد ہولناک میں مقتول عورتیں" ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ دو ہزار عورتیں بے دردی سے مار ڈالی گئی تھیں۔ بہت سی عورتیں صرف اس جرم میں ماری گئیں کہ انھوں نے صلیب کو بوسہ دیا تھا۔ اور انقلاب فرانس کے حکمراں سمجھتے تھے، یہ مذہبی عقیدت، رجعت پسندی کی علامت ہے۔ فرانس کے انقلابیوں کا عقیدہ تھا کہ "انقلاب کی کامیابی کے لئے خونریزی ضروری ہے" پھر ہم پر کیوں ملامت کی بوچھاڑ ہے؟ ہم تو صرف اپنی "مدافعت" کر رہے ہیں۔ نہ کہ انقلاب فرانس کی طرح حملہ!"

"بعض لوگ کہتے ہیں، ہر مجلس (پارلیمنٹ) میں مخالف جماعتوں کا وجود ضروری ہے۔ میں حقارت کے ساتھ یہ اصول ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ میں کوئی مخالف جماعت دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔ اٹلی میں فیشسٹوں کے علاوہ کسی جماعت کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ ہاں، میں نہ تو کوئی مخالف اخبار جاری ہونے دوں گا، نہ کسی مخالف جماعت کا قائم ہونا گوارا کروں گا۔ آج پورا اٹلی صرف ایک جماعت رکھتا ہے، اور وہ میری جماعت ہے!"

"بعض لوگ خیال کرتے ہیں، مجھے حکومت کرنے کا شوق ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ میرا سخت سے سخت دشمن بھی مجھے خود غرض اور حکومت کا بھوکا پیاسا نہیں بتا سکتا۔ میں حکومت کے پیچھے صرف اس لئے ہوں

کہ حکومت کو میری ضرورت ہو۔ اٹلی کا فیصلہ یہی ہو کہ موسولینی حکومت کرے۔ لہٰذا موسولینی برابر حکومت کرتا رہے گا!"

دُنیا کا اَمن

"حضرات! دُنیا کا امن ہنوز خطرے میں ہو۔ ابھی کل کی بات ہو کہ برکن میں الاکھ ۲۰ ہزار آدمیوں کا مظاہرہ ہوا تھا۔ اُن کے جھنڈوں پر یہ عبارت کندہ تھی "ٹرلیٹے سے ریگا تک!" لہٰذا ابھی امن امان کی گفتگو قبل از وقت ہو۔ ہمیں پوری مستعدی سے اپنی بَری، بحری اور ہوائی قوتوں کو ترقی دینی چاہیے۔ ہمارے پاس کم سے کم ۵۰ لاکھ بَری فوج ہر وقت طیار رہنی چاہیے۔ میری نظر میں سب سے زیادہ اہمیت ہوائی قوت کی ہو۔ ہمارا ہوائی بیڑا زیادہ سے زیادہ طاقتور ہونا چاہیے۔ ہمارے ہوائی جہازوں کو اتنا بڑا ہونا چاہیے کہ اُن کی آواز، دُنیا کی تمام آوازوں کو دبا دے، اور اُن کے پَر سُورج کی کرنیں زمین تک پہنچنے سے روک دیں۔ سنہ ۱۹۳۵ء سے سنہ ۱۹۴۰ء تک کا درمیانی زمانہ یورپ کی قسمت کا آخری فیصلہ کرے گا۔ اُس وقت ہمارے پاس اتنی قوت ہونی چاہیے کہ ہم دُنیا کو اپنی آواز سُننے اور اپنے حقوق منوانے پر مجبور کر سکیں"....!

اس تقریر کا ایک قابل لحاظ پہلو یہ بھی ہو کہ اس میں بادشاہ کا کہیں ذکر نہیں ہو۔ آمریکن اخبار اس سے استدلال کرتے ہیں کہ عنقریب شاہ معزول ہو جائے گا اور اٹلی کے تخت شاہی پر بھی موسولینی ہی کے قدم چڑھتے نظر آئیں گے۔

تصحیح

الہلال نمبر ۔۔۔ہم کے مذاکرہ علمیہ میں ایک مضمون بہ عنوان "عمالیق" درج ہوا تھا۔ اس میں دارنی قد کے طبی اسباب پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص قسم کی سُرکی گلٹی کا ذکر کیا گیا ہو۔ اس میں ایک غلطی ہو گئی ہو۔ براہ عنایت قارئین الہلال اس کی تصحیح کر لیں۔ انگریزی میں اس گلٹی کا نام Paraliad gland ہو چھپ گیا ہو۔ حالانکہ صحیح نام Pituitary gland ہو۔ میں عبدالرحیم صاحب ٹیکل اسکول امرتسر کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس پر توجہ دلائی۔ انگریزی کی غلطی کی وجہ سے اس کے ترجمہ میں بھی غلطی ہو گئی۔ چونکہ مضمون کے مسودہ ہی میں یہ غلطی ہو گئی تھی، اس لئے جب اُس کے لئے عربی اصطلاح دیکھی گئی تو قدرتی طور پر وہ لفظ اختیار کیا گیا جو Paraliad gland کے لئے ہو اور وہ "الغدۃ النکفیۃ" ہی ہو۔ لیکن چونکہ یہ وہ گلٹی ہی نہیں ہو۔ اس لئے یہ "غدۃ النکفیۃ" بھی نہیں ہو جو Pituitary gland کے لئے عربی تشریح میں دماغی اور نخامی غدہ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہو۔

ان دونوں گلٹیوں کے محل اور خواص میں فرق یہ ہو کہ "غدۃ نکفیۃ" کان اور گردن کے درمیان ہوتی ہو، اور اس کا فعل یہ ہو کہ ایک خاص طرح کی رطوبت خارج کرتی ہو۔ لیکن غدۂ دماغی کا محل وہ سر ہو۔ وہ سر کے نیچے اور ناک کے عقب میں واقع ہو، اور اس کے خواص وہی ہیں جو مضمون نگار نے بیان کئے ہیں۔ صاحب "توضیح فی اصول التشریح" نے (جو بدیں وقت تشریح میں لکھی گئی ہو) اس کے لئے صرف دماغی گلٹی کا لفظ استعمال کیا ہو۔ (ابوالکلام)

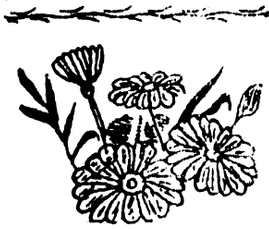

بریدِ شرق

مکتوبِ قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی آمد۔ تاریخ کی یاد۔ غازی کی تقریر

غازی کی آمد

بالآخر غازی مصطفیٰ کمال پاشا، قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ کئی ہفتے سے پورا شہر استقبال کی طیاریاں کر رہا تھا۔ آج صبح سُورج نکلا تو شہر عروس نو کی طرح آراستہ تھا۔ پہلے سے معلوم تھا کہ بندرگاہ "ازمیت" سے غازی، یخت (جہاز) "ارطغرل" پر بیٹھیں گے اور اُسی پر آستانہ پہنچیں گے۔ چنانچہ مقامی حکام اور شہر کے نمائندے پہلے ہی سے ازمیت کی طرف استقبال کو روانہ ہو گئے تھے۔ یہاں کے سمندر میں جتنے بھی جہاز، اسٹیمر اور کشتیاں موجود تھیں، باشندوں سے لبریز ہو گئی تھیں، اور سب "جزائر امراء" کی طرف استقبال کے لئے روانہ تھیں۔ باقی جنبی مخلوق تھی، ساحلوں پر سمٹ آئی تھی۔ سویرے میں نے مکان کی بالائی منزل سے مُنہ نکال کر دیکھا، تو سمندر کے کنارے کنارے انسانی سروں کا ایک صحرا بے کنار نظر آتا تھا!

غازی کا یخت، جوں ہی "جزیرۃ الامراء" کے سامنے پہنچا، بیک وقت الاکھ مُنہ کھل گئے، اور اتنا بڑا نعرہ بلند ہوا، کہ سواحل ایشیا اور سواحل یورپ کے پہاڑ تک گونج اٹھے!

یہ منظر دیکھ کر بے اختیار میرے آنسو نکل پڑے۔ مجھے اب سے ۸ سال پہلے کا زمانہ یاد آ گیا۔ یہ زمانہ ترکی تاریخ کا سب سے زیادہ تاریک زمانہ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب جنگ عظیم نے ترکی سلطنت کی چولیں ہلا ڈالی تھیں، تمام شیرازہ بکھر گیا تھا۔ خود پائے تخت پر اتحادیوں کا قبضہ تھا۔ اور سلطان اُنکے ہاتھ میں قیدی تھا۔ مجھے یاد آیا، اُس وقت اس شہر پر کیسا سناٹا چھایا ہوا تھا؟ موت کا سا سناٹا! تمام بابی گنگ تھیں۔ اتحادی بیڑے اپنی بے پناہ توپوں کے دہانے محل سلطانی کی طرف کئے صف آرا تھے، اور سلطان کا دل خوف سے تھرا رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ یہی مصطفےٰ کمال جن کے سامنے آج لاکھوں نظریں فرش راہ ہو رہی ہیں، اب سے ۸ برس پہلے اسی قسطنطنیہ میں سر نیچا کئے، غمگین صورت بنائے، بازاروں میں جا رہے تھے، اور خود میں نے اپنی انھیں آنکھوں سے اُن کا پژمردہ چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اُس وقت بھی گم نام نہ تھے۔ درۂ دانیال کے ہیرو تھے۔ مگر جنگ، شکست پر ختم ہوئی تھی، اس لئے جنگ کے تمام ہیرو سرنگوں ہو رہے تھے۔ کوئی اُن کی بات تک نہ پوچھتا تھا، بلکہ اُن سے نفرت کی جاتی تھی، کیونکہ عام اعتقاد یہی تھا کہ ملک پر تمام مصیبتیں انہی کے ہاتھوں نازل ہوئی ہیں!

مصطفےٰ کمال پاشا کی آمد نے تمام پچھلے ہولناک واقعات کی یاد دلوں میں تازہ کر دی۔ جنھیں معلوم ہو انھیں معلوم ہو، جنھیں معلوم نہیں، وہ دوسروں سے پوچھتے ہیں، ۸ سال پہلے غازی مصطفےٰ کمال قسطنطنیہ سے کیونکر گئے تھے؟ یقیناً یہ سوال اب تاریخ کا عنوان بن گیا ہو۔ ضروری ہو، ہم اُسپر چند کلمے کہیں۔ لیکن ہماری تشریح سے کہیں بہتر یہ ہوگا کہ خود غازی موصوف کی زبان سے یہ کہانی سُنا دی جائے۔ حال ہی میں اُنھوں نے ایک اخبار کے نمائندے سے کہا تھا:

اب سے ۸ برس پہلے!

"جب آستانہ میں اتحادیوں کے مظالم حد سے تجاوز کر گئے، اور علانیہ زیادتیاں ہونے لگیں، تو میرے لئے یہاں قیام ناممکن ہو گیا۔ میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ اناطولیہ چلا جاؤں۔ وہاں ترکی قوم کو تمام حالات سے مطلع کروں، اور اگر ممکن ہو، تو اس راہ میں اپنی جان بھی قربان کر دوں۔ میں نے اپنے اس ارادہ سے بعض دوستوں کو آگاہ کیا۔ اُن کی سعی و اعانت سے مجھے کامیابی ہوئی تقریب یہ ہوئی کہ علاقۂ صامسون اور اناطولیہ کے بعض حصوں میں اتحادیوں کے خلاف شورش پیدا ہونے لگی۔ داماد فرید پاشا وزیر اعظم ڈرے، کہیں یہ شورش خطرناک صورت اختیار نہ کرے۔ اُنھوں نے ایک ایسا شخص اناطولیہ بھیجنا چاہا جو ہر طرح کی بےچینی کا قلع قمع کر دے سکتا ہو۔ اُن کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی اور مجھے مشرقی صوبوں کا جنگی انسپکٹر مقرر کر دیا گیا۔ مگر اُن کے دل میں کچھ کھٹک ضرور تھی۔ وہ بار بار اپنا فیصلہ منسوخ کر دیتے تھے۔ خود وہی نہیں، وزیر جنگ کو بھی میرے انتخاب پر اعتراض تھا۔ حتیٰ کہ وزیر جنگ نے حکم پر دستخط ثبت کرنے سے انکار بھی کر دیا تھا۔ اُسنے کہا تھا میں ٹھہرئیے دیتا ہوں۔ اگر اس انتخاب سے کوئی خرابی پیدا ہوئی تو میں انگریزوں سے یہ کہکر پیچھا چھڑا لوں گا کہ مجھے اس شخص کے انتخاب کا کوئی علم نہیں تھا۔ میری ٹھہرئیے سے لگا دی گئی ہو!"

لیکن بالآخر میری باضابطہ تقرری ہو گئی۔ ۱۶ مئی ۱۹۱۹ء کو مجھے جہاز "باندرمہ" سے روانہ ہونا تھا۔ روانگی کے وقت میں وزیروں سے رخصت ہونے کے لئے باب عالی گیا۔ وزراء نہایت بدحواس ہو رہے تھے۔ وزیر داخلیہ نے دوڑ کر مجھ سے کہا:

"تم نے کچھ سُنا؟ شرارت کی حد ہو گئی! یونانیوں نے سمرنا پر فوجیں اُتار دیں!"

وزیر بحریہ نے بھی یہی کہا۔ میں نے کہا:

"پھر اب کیا کرو گے؟"

"ہم احتجاج کرینگے" اُنھوں نے دیر تک سوچنے کے بعد افسردگی سے کہا۔

"یہ ٹھیک ہو۔ مگر کیا تمھارے احتجاج سے یونانی سمرنا خالی کر دیں

گے؟" میں نے سوال کیا۔

سب لاجواب ہوکر میرا منہ تکنے لگے۔ ایک نے کہا "پھر تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے کہا:

"ایک سخت اور خونچکاں حرکت کی ضرورت ہے!"

"مگر ہمارا کیا حشر ہوگا؟ یہ برطانوی توپیں دیکھ رہے ہو!" وزیر اطلیہ نے آہستہ سے کہا۔

"تم وہاں چلے آؤ جہاں میں جارہا ہوں!" یہ میرا آخری جواب تھا۔

اب میں سلطان حمید الدین سے رخصت ہونے کے لئے قصر یلدز میں پہونچا۔ سلطان نے اپنے کمرے میں مجھ سے باتیں شروع کیں۔ کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ باسفورس کی نیلگوں سطح سامنے تھی۔ بھائی بھڑے لنگر انداز تھے۔ اُن کی توپوں کے دہانے خاص سلطان کے محل کی طرف تھے۔ ہم دونوں کی نظریں ایک ساتھ اُٹھیں اور انگریزی آہن پوشوں۔ (ڈریڈناٹوں) پر پڑیں۔ سلطان اپنی خیانت سے واقف تھا۔ ہماری نظریں سمندر سے اُٹھ کر کمرے میں واپس آئیں، اور ایک دوسرے سے مل گئیں۔ مگر سلطان نے اپنی نظریں فوراً نیچی کرلیں۔ دیا کاری سے کہا "مصطفیٰ! یہ دیکھتے ہو! میرا دل خون ہوتا ہے! افسوس عظیم ترکی قوم اب اس حالت کو پہنچ گئی کہ اُس کا سلطان، دشمنوں کے ہاتھ میں قید ہے! اُس کی زندگی اُنکی توپوں کے رحم پر ہے! تم اناطولیہ جاؤ۔ میری دعا ہو خدا تمہارا رفیق و مساعد ہو۔ ترکی قوم سے کہنا کہ اُس کا سلطان اس حال میں ہے!"

ایک لمحہ خاموش رہ کر سلطان نے پھر کہا "تمہارے کارنامے اب اس کتاب میں چلے گئے ہیں!" یہ کہکر اُنھوں نے اپنے سامنے رکھی ہوئی ایک کتاب پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر کہنے لگے "ہاں، اب تمہارے کارنامے تاریخ کے حوالے ہوگئے ہیں۔ اب تم اُنھیں بھولجاؤ اور نئے کارنامے کر دکھاؤ کہ سلطنت تباہی سے نکلے!"

اس جملہ سے سلطان کا مطلب یہ تھا کہ میں اناطولیہ جاکر اتحادیوں کے مخالف خیالات کا خاتمہ کردوں۔ میں اُن کی غرض سمجھ گیا:

"اعلیٰ حضرت! یقین کریں میں کسی ایسے کام کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا جس سے ملک کو نجات حاصل ہو!"

میں نے یہ کہا اور سلطان کو تسکین ہوگئی۔ دونوں کی زبانوں پر بات ایک ہی تھی، لیکن دونوں کے مقصد میں کتنا عظیم بُعد تھا؟

قصر سے میں نہایت متأثر نکلا اور "عشیلی" میں اپنے مکان پہونچا۔ یہاں مجھے ایک دوست نے خبر پہنچائی کہ "اتحادی طاقتوں نے سازش کی ہے کہ تمہارے جہاز کی روانگی میں دیر ہوجائے تاکہ اُنکے جہاز بھی سفر کے لئے طیار ہوجائیں اور بیچ سمندر میں تمہارا جہاز غرق کردیں!"

یہ سنتے ہی میں فوراً موٹر پر تیزی سے ساحل کی طرف روانہ ہوگیا کیونکہ اب ایک منٹ کی دیر بھی خطرناک تھی۔ میں نے جہاز پر پہنچتے ہی کپتان کو روانگی کا حکم دیا۔ لیکن جہاز روانہ نہ ہوا۔ بار بار میرے سوال کرنے پر کپتان نے کہا: "محکمہ جہاز رانی کے ماہر امور جہاز کے کل پُرزے معائنہ کررہے ہیں۔ اُن کا حکم ہے، جبتک وہ اجازت نہ دیں جہاز نہ چلے"۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ واقعی سازش کی گئی ہے۔ میں نے بڑی سختی سے کپتان کو حکم دیا "ان ماہروں سے کہدو۔ فوراً جہاز سے نکل جائیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو تم اُن کی پرواہ نہ کرو، جہاز کا لنگر اُٹھادو"

کپتان کو مجبوراً یہی کرنا پڑا۔ کچھ دُور آگے چلکر میں نے کپتان کو حقیقت حال سے واقف کیا۔ وہ بہت گھبرایا اور کہنے لگا "میرا جہاز بہت پُرانا اور سُست رفتار ہے۔ جنگی جہازوں سے بھاگ نہ سکے گا"

میں نے کہا "کوئی پروا نہیں۔ ساحل کے قریب قریب چلو، اگر جہاز غرق ہوگا تو میں خشکی تک جان بچالے جاسکوں گا"

چنانچہ میری حسب ہدایت جہاز کنارے کنارے چلا۔ یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچ گیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزوں کے جنگی جہاز میرے پیچھے چلے تھے۔ مگر خوش قسمتی سے میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ اور سمندر میں طوفان شروع ہوگیا تھا جسنے انگریزی جہازوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس حکیم کارساز کا فیصلہ ہوچکا تھا کہ میرے ناچیز ارادے کامیاب ہوں۔ اس لئے دشمنوں کی کوئی تدبیر میری راہ روک نہ سکی!"

غازی کا ورود

بہرحال تالیوں اور نعروں کے شور میں غازی ممدوح کا جہاز قدیم شاہی محل "طولما باغچہ" پہونچا۔ ایک طرف پُرجوش باشندوں کا شور تھا، دوسری طرف تمام قلعوں اور جنگی نقطوں سے توپوں کی سلامی داغی جارہی تھی!

"طولما باغچہ" میں غازی نے آرام نہیں کیا۔ فوراً فوجی اور ملکی افسروں کو ملاقات کے لئے طلب کرلیا۔ اُس کے بعد ملاقات کے ایوان میں پہنچے۔ یہاں شہر کے ۸۰ نمائندے سلام کے لئے جمع تھے۔

میں نے ایک مرتبہ یہ شاہی ایوان اب سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ یہ وقت سلطانوں کا تھا۔ اسمیں پُرشکوہ تخت شاہی رکھا تھا۔ اُسکے گرد مرزکش لباسوں، چمکیلے تمغوں، مطلا تلواروں سے آراستہ، وزراء دامرا کھڑے تھے۔ اور شاہی ہیبت وجلال کا ایک عجیب منظر پیدا ہوگیا تھا!

آج پھر مجھے اس کی زیارت کا موقعہ ملا۔ لیکن آج وہ ہر قسم کی چمک دمک سے خالی تھا۔ بالکل سادہ تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف نظر نہیں آتا تھا۔ صرف شہر کے نمائندے جمع تھے۔ آزادی سے چلتے پھرتے تھے۔ اور سادہ روح میں اپنے رئیس حکومت سے مصافحہ کررہے تھے۔ بلاشبہ پچھلی شوکت وحیرت اب مفقود ہوگئی ہو لیکن سادگی اور حقیقت نے اس سے کہیں زیادہ حقیقی تاثیر عظمت پیدا کردی ہو!

یہیں آستانہ کی مجلس بلدیہ (میونسپلٹی) کا پاس نامہ پیش ہوا۔ غازی نے جواب میں ایک برجستہ تقریر کی۔ اُن کی آواز حسب عادت بہت صاف، بلند، اور مضبوط تھی۔ پورا ایوان گونج رہا تھا۔ تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہو:

غازی کی تقریر

"میں خوش نصیب ہوں کہ آج آپکے واسطے سے آستانہ، اُسکے باشندوں، اُس کی انجمنوں، اور اُس کی تمام جماعتوں کو سلام کررہا ہوں۔ سچ یہ ہو کہ میں اُن شاندار مظاہرات سے ازحد متأثر ہوا ہوں جن کے ذریعہ میرے ہموطنوں نے مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہو۔ آپ میری جانب سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔

"آج پورے ۸ سال کے بعد میں نے آستانہ کی صورت دیکھی ہو۔ اگر یہ صحیح ہو کہ حسرت اور فراق کی گھڑیاں بہت سخت، دراز، اور تلخ ہوتی ہیں، تو آپ آسانی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ میں نے آستانہ کی جدائی میں یہ آٹھ برس کیونکر گذارے ہونگے؟"

"آستانہ، جو دو عظیم دنیاؤں کے مابین واقع ہو، ترکی وطن کی زینت، ترکی تاریخ کی دولت، ترکی قوم کی آنکھ کا تارا رہا ہو۔ تمام ابنائے وطن کے دلوں میں اُس کی محبت جڑ پکڑے ہوئے ہو۔ ایک مرتبہ جب منحوس حوادث نے یہ شہر گھیر لیا تھا، تو نہ صرف تمام ترکوں کے بلکہ تمام مشرق کے دل زخمی ہوگئے تھے۔ اُن میں ایک میں بھی تھا اور اپنے پہلو میں خونچکاں دل لئے پھرتا تھا"

"لیکن آج ہم دیکھتے ہیں، تاریک راتوں نے نورانی آفتاب کی شعاعیں پیدا کردیں۔ رات کب کی ختم ہوچکی ہو، اور ہماری تاریخ کا نیا دن طلوع ہوچکا ہو!"

"مضطرب اور روتے ہوئے آستانہ کو میں نے ۸ سال پہلے اس حال میں چھوڑا تھا کہ میرا دل زخموں سے چور تھا، اور ایک قبض بھی مجھے خدا حافظ کہنے کے لئے نہیں آیا تھا۔ لیکن آج میں آستانہ آیا ہوں، تو اُس کا خندۂ مسرت اور قہقہۂ انبساط میرے سامنے ہے۔ اگا حسن اب دوبالا ہوگیا ہو۔ میرا دل بھی مطمئن ہو، میں اسوقت اپنے آپ کو آستانہ لیوں کی محبت بھری گود میں پاتا ہوں۔

"گزشتہ ۸ سال، یعنی ہماری ہیئت اجتماعیہ کا عہد جدید، بغاوتوں، انقلابوں، اور اُن کے نتائج سے لبریز رہو۔ ہماری قوم نے سیاسی، اجتماعی، تمدنی ترقی کے لئے اس عہد میں جو قابلیت ظاہر کی ہو، وہ بلاشبہ عظیم قابلیت ہو۔ ہمیں فرض ہو کہ پوری ہوشیاری اور پورے عزم سے اس قابلیت کو برابر ترقی دیتے رہیں۔ وطن کی تعمیر اور قوم کی ترقی، بہت ہی عظیم غیرت اور بہت ہی عظیم جہاد کا مطالبہ کرتی ہو۔ اسوقت ہمارا ایک عظیم ترین کام یہ ہو کہ مفید اور ضروری علم و فن کے ذریعہ قوم کے جذبات اور ضمیر کی تربیت کریں تاکہ وہ جلد سے جلد حقیقی تمدن اور حقیقی سعادت تک پہنچ جائے"

"میں آپ سے اے عزیزان آستانہ! یہ کہکے اس محل میں کہہ رہا ہوں۔ اب سے ۸ برس پہلے خیال کیا جاتا تھا کہ اسمیں ایک ایسی شخصیت رہتی ہو جسے، دلیوں کی قوت حاصل ہو! آج یہ محل اُس شخص سے خالی ہوچکا ہے "ظل اللہ فی الارض" (زمین پر خدا کا سایہ) کہتے تھے۔ آج یہ محل، قوم کی ملکیت ہو، جو سایہ نہیں بلکہ محسوس حقیقت ہو۔ اسوقت میرا وجود اس محل میں صرف اس لئے ہو کہ میں بھی قوم کا ایک فرد اور اپنی قوم کا مہمان ہوں..."

اس تقریر کے بعد غازی نے ایک ایک کرکے تمام حاضرین سے مصافحہ کیا۔ پھر محل کے باغ میں فوجی قواعد دیکھی۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔

خیال کیا جاتا ہو کہ موصوف اسی اثنا میں تھرنس کا بھی دورہ کریں گے۔ یہ افواہ بھی گشت کررہی ہو کہ صوفیا اور بلگراڈ بھی جائیں گے تاکہ بلغاریہ اور یوگوسلاویا سے عہدنامے سرانجام دیں۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی، جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہو؟ اور اسلام کی رواداری نے کسطرح اپنی عبادتگاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھولدیا ہے۔

۱۹۱۷ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہو۔ قیمت ۱۲ر۔ (منیجر الہلال کلکتہ)

خواطر و سوانح

"میری صحیفہ نگاری کی زندگی کا ایک لمحہ"

(مشہور فرانسیسی اخبار نویس، فرانسس ڈلیزی کے قلم سے)

قارئین الہلال ابھی بھولے نہ ہونگے کہ ہم نے الہلال کے پہلے اور دوسرے نمبر میں ایک فرانسیسی کتاب کا ذکر کیا تھا جسمیں فرانس کے تیس بڑے بڑے اخبار نویسوں نے اپنی صحافتی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں۔ اسی کتاب میں فرانسس ڈلیزی نے الجزائر اور ٹیونس کے متعلق ایک نہایت دلچسپ اور عبرت انگیز سانحہ قلمبند کیا ہے۔ یہ اسوقت کی بات ہے جب فرانس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ٹیونس کا باقاعدہ الحاق دفتر مستعمرات سے کر دیا جائے یا اسے قائم و جاری حالت میں رہنے دیا جائے؟ غالباً تسلط دونوں حالتوں میں تھا لیکن پہلی حالت صاف اور کھلی تھی، دوسری میں منافقانہ پردہ پوشی تھی۔ اسی اثناء میں پیرس کی ایک مقتدر سیاسی جماعت نے ایک سیاسی ضیافت کا انتظام کیا اور اسمیں ملک کے بڑے بڑے اخبارات کے ایڈیٹر بھی مدعو کئے گئے۔ مقالہ نگار بھی انہی لوگوں میں سے ہے اور اُس کی سرگزشت حوالۂ قلم کرتا ہے۔ اس مختصر سی سرگزشت میں یورپ کے سیاسی اور سرمایہ دارانہ اخلاق کا جیسا مکمل نقشہ دکھلایا گیا ہے، شاید ایک بہت بڑی کتاب سے بھی اُتنی وضاحت نہ ہو سکے۔ طرز بیان کی تعریضی ظرافت نے سرگزشت کی دلچسپی اور زیادہ بڑھا دی ہے:

فرانس کی مشرقی حکمت عملی کے راز

میں نے ابھی اخبار نویسی کے پیشہ میں قدم رکھا ہی تھا کہ ۱۹۰۴ء میں مجھے اُس ضیافت (ڈنر) میں شرکت کا اتفاق ہوا جو "انجمن فتوحات" ہر ماہ ملک کے مدبروں کو جمع کرنے کے لئے دیا کرتی تھی۔

گرانڈ ہوٹل کے بڑے ہال میں تقریباً ۵۰ آدمی جمع تھے۔ ہال کی دیواروں کی آرائش نظر فریب تھی۔ وسط میں خوبصورت گول میز تھا۔ گرد قیمتی کرسیاں بچھی تھیں۔ حاضرین میں لیون اور بورڈو کے سرمایہ دار، لیل اور نانسی کے کارخانہ دار، مارسیلز کی جہازراں کمپنیوں کے مالک، مجلس (سینٹ) کے سربرآوردہ ممبر، ماوراء البحر نوآبادیوں کے نمائندے، اور چند مشاہیر اخبار نویس شامل تھے۔

قسم قسم کے لذیذ کھانے اور نفیس شرابیں ہماری منتظر تھیں۔ دلفریب جاموں میں جب معطر شیمپین اونڈیلی گئی، اور بلبلے سطح پر جوش مار کر اُبھرے، تو ہم اخبار نویسوں کا جوش، حد جنوں تک پہنچ گیا۔ ہم بیچین تھے کہ فرانسیسی پرچم سمندر پار کے تمام ملکوں پر لہراتا دیکھیں!

کھانے کے بعد رئیس مجلس مسیو اٹین نے اعلان کیا "ہم ایک اہم مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت کر دیا جائے یا ابھی اسمیں توقف کیا جائے؟"

شروع میں ہم اخبار نویسوں نے خیال کیا۔ اس مسئلہ پر کوئی سخت بحث نہیں ہوگی۔ چنانچہ بددلی کے ساتھ ہمنے اپنی جیبوں سے یادداشت کی کاپیاں نکال لیں۔

ایک سابق وزیر اُٹھا اور تقریر شروع:

"ٹیونس، اب تک فرانس کے زیر حمایہ (پروٹیکشن) ہے اس لئے قانون کی نظر میں وہ محکوم نہیں ہے۔ ایک اجنبی ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُس کا تعلق براہ راست وزارت خارجیہ سے ہے۔ اُس کا دستور حکومت الگ ہے۔ اُس کا چنگی خانہ مستقل ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ الجزائر میں رہنے والے فرانسیسیوں کے ساتھ ہم ایک خاص قسم کا برتاؤ کرتے ہیں، اور ٹیونس کے فرانسیسیوں کے ساتھ دوسری قسم کا۔ یہ صورت اُسوقت جائز ہو سکتی تھی جب فرانسیسی فوجوں نے ٹیونس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ لیکن اب جبکہ ہم نے پورا تسلط حاصل کر لیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس ملک کا وہ امتیاز باقی رکھا جائے جس کا وہ مستحق نہیں ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ فرانس سے ٹیونس کا کامل الحاق ہو جائے"

وزیر کی تقریر پر حاضرین کی ایک جماعت نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔ ہم سمجھے بحث ختم ہو گئی۔ مگر اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اور سابق وزیر کھڑا ہو گیا:

"مجھے اس گمراہ کن تجویز سے قطعی اختلاف ہے" اُسنے شانے ہلا کر کہا۔ "فرانس نے بورڈو کے معاہدہ میں وعدہ کیا ہے کہ ٹیونس کے بائی (بادشاہ) کی حکومت باقی رکھے گا۔ فرانس نے یہی عہد تمام دول سے بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی خلاف ورزی سخت سیاسی مشکلات کا موجب ہوگی۔ ملک کی دیسی آبادی میں شورش پیدا ہو جائیگی، اور فرانس کی پیشانی پر بدعہدی کا سیاہ دھبا لگ جائے گا"

اس تقریر پر بھی تالیاں بجیں، دونوں تقریروں کا لب و لہجہ ویسا ہی شاندار تھا جیسا مجلس (پارلیمنٹ) کی تقریروں کا ہوتا ہے۔ دونوں تقریروں میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد "فرانس کی عظمت" "ٹیونس کی مصلحت" "تہذیب کی خدمت" "خدمت اقوام کا فرض" اور اس قسم کے تمام پامال جملے آتے تھے اور حاضرین تحسین و آفرین کی صدائیں بلند کرتے تھے۔ ہم غریب اخبار نویس کسی شمار قطار میں نہ تھے۔ لوگوں کو تالیاں بجاتے دیکھتے تو خود بھی بے تکان تالیاں بجانے لگتے!

اب گرم مباحثہ شروع ہو گیا۔ سرمایہ داروں، کارخانہ داروں، تاجروں، کمپنیوں کے مالکوں نے بھی تقریریں شروع کر دیں۔

ایک مقرر نے کہا "یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ٹیونس کی کانیں تباہ کرنی چاہتے ہو؟"

"اور تم الجزائر کی کانوں کے دشمن ہو" دوسرے مقرر نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا!

"اور تم بدمعاش ہو!" ایک تاجر جوش میں بیخود ہو کر چلایا۔

"لیکن تم ڈاکو ہو! بے حیا بدزبان!" ایک طرف سے آواز بلند ہوئی۔

"شریرو!" ایک تاجر نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا "فرانس کے کپوپو! تمھاری چوری، کھلا ہوا راز ہے۔ تم مارسیلیز میں روسی گیہوں منگاتے ہو مگر چنگی سے بچنے کے لئے اُسے پہلے ٹیونس بھیجدیتے ہو پھر وہاں سے فرانس میں داخل کرتے ہو تاکہ ٹیونس کی کم چنگی سے فائدہ اُٹھا سکو!"

"یہ کون گدھا بول رہا ہے؟" ایک شخص نے پوری بے پروائی سے پکار کر کہا۔

"تم گدھوں کے جد امجد ہو" برجستہ جواب تھا!

اب مجھ پر یہ راز کھلا کہ ٹیونس کا معاملہ، نہ تو فرانس کی عظمت سے تعلق رکھتا ہے نہ تہذیب و تمدن کی خدمت سے۔ محض سرمایہ داری کا سوال ہے۔ الجزائر کے فرانسیسی اور اُنکے حمایتی ٹیونس کو نوآبادیوں کی وزارت کے ماتحت اس لئے کر دینا چاہتے ہیں تاکہ وہاں کے فرانسیسی اُن سے زیادہ فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔

"تم ٹیونس کی دولت کھا کے پھول گئے ہو!" ایک مقرر نے کہا۔

"حاسدو! شیطان کے بھائیو! ہم تمھیں پیروں سے روند ڈالیں گے" ٹیونس کے ایک فرانسیسی کا جواب تھا جبکہ وہ جوش سے کھڑا ہو گیا تھا!

غرضکہ کوئی گالی نہ تھی جو استعمال نہ کی گئی ہو۔ کوئی الزام نہ تھا جو ایک نے دوسرے پر نہ لگایا ہو۔ اب شراب، سروں پر خوب چڑھ چکی تھی۔ آنکھیں لال تھیں۔ گھونسے تن رہے تھے۔ خطرناک ارادوں نے ہر چہرہ پر ہولناکی کا غازہ مل دیا تھا۔ آخر ایک آواز بلند ہوئی "مسیو اٹین! مسیو اٹین!"

مسیو اٹین اپنی کرسی سے اُٹھے۔ اب ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اسوقت بھی میری آنکھوں میں اس چوڑے سینہ والے سیاسی مدبر کی تصویر پھر رہی ہے۔ اُسکی آنکھیں نہایت متحرک اور تیز تھیں چہرہ سے از حد مکار معلوم ہوتا تھا۔

"میرے ٹیونسی دوستو!" مقرر نے داہنی طرف منہ کر کے کہا "تم یقیناً میرے اخلاص سے انکار نہیں کر سکتے۔ آج سے بیس برس پہلے میں ہی وہ پہلا شخص تھا جسنے فرانس کو ٹیونس کی فتح پر آمادہ کیا تھا۔ میں نے ہی تحریک کی تھی کہ اُس "نیم وحشی" ملک میں تمدن و تہذیب کی روشنی پھیلائی جائے..."

جملہ حاضرین نے پُرجوش تالیاں بجائیں۔

"اور اے میرے الجزائری دوستو!" مقرر نے بائیں طرف رُخ کر کے کہا "تم بھی میری خیر خواہی اور دوستی سے بخوبی واقف ہو الجزائر سے میری محبت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ الجزائر بھی میرا وطن ہے۔ کیونکہ میں اسی خوبصورت ملک میں پیدا ہوا تھا۔ الجزائر کی محبت مرتے دم تک میرے دل میں باقی رہیگی"

بائیں رُخ سے پُرجوش تالیوں کا شور بلند ہوا!

غرضکہ اس چالاک مقرر نے کچھ ایسی شیریں زبانی سے گفتگو شروع کی کہ دونوں فریق خوش ہو گئے اور اس فرانس کے سب سے بڑے مکار انسان کے اخلاص پر ایمان لے آئے!

"عزیزو!" مقرر نے اپنی آواز کو حد درجہ موثر بنا کر کہا "جب میں تمھیں باہم اس طرح لڑتے جھگڑتے دیکھتا ہوں، تو میرا دل سینے میں بیٹھنے لگتا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ الجزائر اور ٹیونس بغیر ایک دوسرے پر حسد کئے ترقی کریں؟ میں آپسے اُمید کرتا ہوں کہ یہ پست خیالات دور کر دیں۔ ذرا اپنی آنکھیں اُٹھا کر اوپر کی طرف دیکھئے!

"یہ دیکھئے، مراکش کی زرخیز سرزمینیں آپکے سامنے موجود ہیں

یہ وہ علاقہ ہو جس میں قدرت اپنی تمام رعنائیوں اور نعمتوں کے ساتھ خود اُتر آئی ہو۔ میں آپ کو ایک بہت بڑے راز سے واقف کرتا ہوں۔ میرے دوست موسیو ڈلکاسا برطانیہ سے گفت و شنید کر رہے ہیں کہ فرانس انگریزوں کے لئے مصر چھوڑ دے، اور انگیز مراکش میں ہماری کوئی مخالفت نہ کریں"

"میرے دوستو! ایک لمحہ کے لئے دولت و ثروت کے اُن خزانوں کا تصور کرو جو مراکش میں تمھیں حاصل ہونگے۔ پوری سرزمین زرخیز ہو بیش قیمت کانوں سے لبریز ہو۔ تم وہاں کی کانیں کھولوگے۔ بیحساب غلہ پیدا کروگے۔ روئی اتنی حاصل ہوگی، جس کا اسوقت تصور بھی نہیں کیا جا سکتا"

"کیا اس کے بعد بھی تم باہمی منافست میں مبتلا رہوگے؟ حالانکہ تم ہی دونوں گروہ اس نئی سرزمین کے مالک ہو۔ تم دونوں کو تمام فرانسیسیوں پر خاص امتیاز حاصل ہو۔ سب سے پہلے تم ہی نے اس سرزمین میں اسلام کا جھنڈا اونچا کیا۔ اسلام کے ملک پر سیحیائی سکہ بٹھا دیا، اور اسلام اور مسلمانوں سے واقفیت بہم پہونچائی۔ لہٰذا تم ہی فرانسیسی کے تمام اسلامی ملکوں کے مالک بنوگے۔ راس قابس سے بحر اٹلانٹک تک، اور بحر متوسط سے صحرا عظیم تک، تمام علاقے تمھارے ہی ہیں پس باہم متحد ہو جاؤ، اور پھوٹ ڈالکر فرانس کی مجتمعہ قوت پارہ پارہ نہ کرو"

اس تقریر پر ہر طرف سے مرحبا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دونوں طرف سے حریف اُٹھے اور باہم مصافحہ کرنے لگے۔ شراب کے نئے جام بھرے گئے، اور مسرت کے نعروں میں خالی ہو گئے!

یہ واقعہ اور اس واقعہ کا پورا منظر ابتک میری آنکھوں میں ہے اُس دن میں سمجھا کہ فرانس کی مشرقی حکمت عملی کیا ہو اور اُسکی بنیاد کس چیز پر ہو؟ اُس دن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا ملکی اتحاد صرف اس بنیاد پر قائم ہو کہ اہل ملک کے لئے ہمیشہ مشرق میں نئے شکار مہیا کرتے رہیں ہماری سوسائٹی کے مختلف طبقوں کا باہمی اتحاد اس لئے نہیں ہو کہ انصاف میں وہ متفق ہیں۔ صرف اس لئے ہو کہ ظلم میں کوئی اختلاف نہیں!

اٹلی اور یمن

یمن پر اٹلی کا دانت مدت سے ہو۔ لیکن برطانیہ کی رقابت ہمیشہ اُسکا راستہ روکے دیتی تھی۔ اب باہم سمجھوتہ ہو گیا ہو۔ اور اٹلی یمن کی طرف بے کھٹکے بڑھ رہا ہو۔ یہ واقعہ ہو کہ پچھلے چند ماہ کے اندر اٹلی نے متعدد میں بہت اثر پیدا کر لیا۔ ایک زمانہ میں امام یحییٰ اٹلی کا نام بھی سننا نہیں چاہتے تھے، مگر اب وہ اُس سے معاہدہ کر رہے ہیں، سامان جنگ لے رہے ہیں اور اپنی فوجکی تربیت کے لئے اٹالین افسروں کے طلبگار رہیں!

گزشتہ ہفتہ ان "دوستانہ علائق" نے ایک نیا قدم اُٹھایا ہو۔ یمن کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اُسکا سیاسی وفد یورپ گیا ہو۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہو کہ "یمنی وفد، یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کریگا تاکہ یورپین تمدن کا مطالعہ کرے، پھر قسطنطنیہ اور انگورہ جائے گا" اس اعلان میں اٹلی کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس کی اصلی غرض اٹلی ہی ہو۔ یہ وفد روم پہنچ گیا ہو۔ امام یحییٰ کے منجھلے بیٹے "امیر محمد" اُس کے رئیس ہیں، اور سید عبد اللہ ابراہیم، سید عباس علی، قاضی علی عزی، قاضی راغب رکن ہیں۔ قاضی راغب، حکومت صنعاء کے وزیر خارجیہ ہیں اور یمن میں تنہا شخص ہیں جو ایک یورپین زبان (فرانسیسی) جانتے ہیں۔ اس وفد نے آتے ہی موسولینی اور شاہ اٹلی سے طویل ملاقاتیں کیں۔ ہم نہیں چاہتے اپنے سوء ظن کا اسے نشانہ بنائیں لیکن اٹلی کے نیم سرکاری اخبار "کوریرا ڈلی لاسیرا" کا ایک جملہ نقل کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ جملہ اٹلی اور یمن کی دوستی کی بہترین شرح ہو: م

"اٹلی کی یمن اور امام یمن سے دوستی کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حجاز یا ابن سعود پر دست درازی کرنا چاہتا ہو۔ موسولینی نے یمن سے جو "حلف نامہ" کیا ہو اُسکا مقصد صرف یہ ہو کہ جزیرہ نمائے عرب میں امن و امان برقرار رہو۔ اٹلی بحر احمر میں وسعت حاصل کرنے پر مجبور ہو، اس توسع کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اٹالین لوگ بادی آتیرا کے تعلقات، عرب کی قوموں اور مشرقی افریقہ کے قبیلوں سے قائم ہو جائینگے!" (السیاسہ)

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ

صفات الٰہی کے انسانی تصور کی تکمیل

اور

اُس کا سلسلہ ارتقا

الحمد للہ رب العالمین

قرآن حکیم نے انسان کو خدا کے اعتقاد اور تصور کی دعوت دیتے ہوئے، سب سے پہلے جن صفات کا حسن جمال بے نقاب کیا ہو، وہ تین صفتیں ہیں: ربوبیت، رحمت، عدالت!

الحمد للہ رب العلمین:	ساری تعریفیں، ہر قسم اور ہر
الرحمن الرحیم،	طرح کی ثنائیں، حسن و جمال
مالک یوم الدین!	کی شیفتگی اور خوبیوں کمالوں
(فاتحہ)	کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی

کہا جا سکتا ہو، وہ سب کچھ! اللہ کے لئے ہو! وہ اللہ، جو تمام جہانوں کا پروردش کرنے والا ہو۔ جس کی ربوبیت کائنات ہستی کی ہر مخلوق کو اس کی زندگی اور بقا کا تمام سامان بخشتی، اور اُس کی پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی ہو! جو رحمت والا ہو، اور جس کی رحمت کی بخشائش تمام عالم خلقت کو اپنے نوال محبت سے مالا مال کر رہی ہو! جس کے قبضۂ قدرت میں جزائے سزا اور مکافات کا دن ہو، اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لئے بدلہ اور ہر بات کے لئے نتیجہ کا قانون جاری و نافذ کر دیا ہو!

سورۂ فاتحہ قرآن کی ابتدا ہو، اور فاتحہ کی ابتدا تصور الٰہی کی اسی بنیادی جلوہ نمائی سے ہوتی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن نے خدا کے تصور و اعتقاد کا جو نقشہ کھینچا ہو، وہ ربوبیت، رحمت، اور عدالت کا نقشہ ہو۔ انہی تین صفتوں کے تفکر سے ہم قرآن کے تصور الٰہی کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

تصور الٰہی کا تدریجی ارتقا

دنیا کی ہر چیز کی طرح انسان کا فکر و عمل، اور انسانی فکر و عمل کی ہر بات کی طرح اُس کے روحانی تصورات نے بھی بہ تدریج پستی سے بلندی کی طرف اور نقص سے کمال کی طرف ترقی کی ہو۔ روحانی تصورات کی پہلی بنیاد ایک خالق کائنات ہستی کا تصور ہو۔ جو وقت سے انسان کی تاریخ روشنی میں آئی ہو، اُس کے اس تصور کی تاریخ بھی شروع ہو جاتی ہو۔ اگر پرانے سے پرانے عہد کے تصور سے لیکر، موجودہ ادیان عالم کے عہد تک کے تمام تصورات سامنے رکھے جائیں، اور یکے بعد دیگرے اُن کی نوعیت پر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آجائے گا کہ ایک تدریجی ارتقا کا سلسلہ ہو جو اشیاء و اجسام کے ارتقا کی طرح انسان کے تصور و اعتقاد میں بھی جاری ہو، اور جوں جوں انسان کی فکری اور معنوی استعداد ترقی کرتی جاتی ہو، اُس کا یہ تصور بھی زیادہ بلند اور شائستہ ہوتا جاتا ہو۔ یہاں تک کہ ارتقا کے ہر سلسلے کی طرح اس سلسلہ کی بھی تکمیل کی آخری کڑی نمایاں ہو جاتی ہو!

فطرۃ کا ولولہ اور ذہن کا تصور!

لیکن یاد رہے کہ یہاں خدا کے تصور سے مقصود اُس کی صفات کا تصور ہو۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد نہیں ہو۔ اُس کی ہستی کا اعتقاد ذہن و فکر کی پیداوار نہ تھی جو اُس کی استعدادی تبدیلیوں سے متاثر ہوتی۔ یہ اُس کی فطرۃ کی آواز تھی، جو خود اُس کے اندر سے اُٹھتی تھی، اور ایک بالاتر ہستی کے یقین کے جوش سے اُسے معمور کر دیتی تھی۔ چونکہ یہ ایک فطری جذبہ تھا، اور فطری جذبات اپنی نوعیت ہر وقت اور ہر حالت میں یکساں رہتی ہو، اس لئے انسان کا اعتقاد الٰہی بھی ہمیشہ یکساں رہا۔ اُس میں ذہن و فکر کے تغیرات مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن خدائی ہستی کا تصور، اُس کی صفات کے تصور سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ انسانی عقل ذات مجرد کے تصور سے عاجز ہو۔ وہ جب کبھی کسی چیز کا تصور کرتی ہو تو گو اُس کی ذات کا تصور کرنا چاہے، لیکن تصور میں اُس کی صفتیں ہی آتی ہیں، اور صفتوں ہی کے جمع و تفرقہ سے ذات کے تصور کا نقشہ وجود میں آتا ہو۔ یہیں سے اس فطری جذبہ میں انسانی عقل کی مداخلت شروع ہوئی، اور یہی اُس کی درماندگیوں اور غلط اندیشیوں کی سب سے پہلی ابتدا ہو۔ فطرۃ کے جذبۂ یقین نے ایک بالاتر ہستی کے اقرار

کا دلولہ پیدا کیا، تو ذہن و فکر نے چاہا، اُس کا تصوّر کرے۔ لیکن جب تصور کیا، تو یہ اُس کی ذات کا تصور نہ تھا۔ اُس کی صفات کا تصوّر تھا۔ وہ یکے بعد دیگرے صفات الٰہی کے نقشے کھینچتا گیا، اور اپنی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اپنے خالق و معبود کی شکل و شباہت بھی بدلتا گیا۔ وہ ہر تبدیلی کے بعد ایک نئی صورت کا خدا اپنے سامنے دیکھتا، مگر نہیں سمجھتا کہ یہ صورت اُسکے خدا کی صورت نہیں ہے۔ خود اُسی کے ذہن و ادراک کی صورت ہے۔ خدا کی صورت ایک ہی تھی، لیکن اس کی نظر ہمیشہ یکساں نہ تھی۔ نظر و مشاہدہ میں جیسی جیسی تبدیلیاں ہوتی گئیں، منظور و مشہود بھی بدلتا گیا۔ اس راہ میں عقل انسانی کی پہلی اور بنیادی درماندگی یہی ہے:

لے بروں از دہم و قال و قیل من!
خاک بر فرق من و تمثیل من!

عقل انسانی کا ادراک محدود تھا۔ اُس کے تصوّر کے سامنے محسوسات کی دیوار کھینچ گئی تھی۔ وہ حواس کے دائرہ میں محصور اور حدود امکان کی جبلی بندشوں میں اسیر تھا۔ وہ صرف محسوسات ہی کا تعقل کر سکتا تھا، اور اُنہی کی شکل و شباہت میں ہر چیز کو دیکھ سکتا تھا۔ پھر اُس کے عقل و ادراک کی یہ جتنی بھی رسائی تھی، بہ یک دفعہ کام نہیں دے سکتی تھی۔ نشوونما اور ارتقار کی محتاج تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو فطرۃ کے مجرد اور بے میل جذبہ سے ذہن و فکر کی صورت آرائیاں اور شباہت آفرینیاں ملیں، خدا کے تصور کی جگہ ایک ایسی ہستی کا تصور پیدا ہوگیا، جو خالق کا تصوّر نہ تھا۔ خود انسان کے ذہنی تصوّرات کی مخلوق تھا۔ وہ اپنے ادراک کے آئینہ میں خود اپنے چہرہ کا عکس دیکھتا، اور اُسی کو اپنا معبود سمجھ کر سربسجود ہوجاتا۔ اُس کا دل ہمیشہ خدا کی صورت دیکھنی چاہتا۔ مگر اُس کا دماغ ہمیشہ اپنی ہی صورت کی پرستش کرتا۔ مولنا نے ایک چرواہے کی حکایت میں جس کے لئے حضرت موسیٰ کا زمانہ فرض کیا گیا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

اے کہ اندر چشمۂ شورست جات — تو چہ دانی شطّ و جیحوں و فرات؟
چوں قدم آمد، حدث گردد عبث — پس کجا داند قدیمِ راحدث؟
چوں توہم میکنی تو نورِ ذات — ذات نبود، وصف ہا و صفات
دہم مخلوق ست و مولود آمدست — حق نزائیدست و لم یولدست!

بہرحال خدا کی ہستی کے اعتراف و یقین کے فطری جذبہ نے جب تصوّر کی شکل اختیار کی، تو یہ ذہن و فکر کا عمل تھا، اور ضروری تھا کہ اُس کی حالت اور استعداد کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسمیں بھی ترقی ہوتی رہتی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر آج انسان کے تمام الٰہی تصورات یکے بعد دیگرے سامنے لائے جائیں، تو وہ انسانی ذہن کے سلسلۂ ارتقا کی سب سے زیادہ واضح تاریخ ہوگی۔ وہ اگرچہ بظاہر خدا کے تصوّر کا ارتقا ہوگا، لیکن بہ باطن خود ذہن انسانی کے ارتقا کے تمام خلقی ایک ایک کرکے سامنے آجائیں گے۔ کانٹ کے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ "ذہن انسانی کی استعداد فکر کا سب سے بڑا معیار، اُس کا تصور الٰہی ہے۔ جب کبھی اُسنے ایک نچلا درجہ چھوڑ کر بلند تر درجے پر قدم رکھا ہے، تو سب سے پہلے خدا ہی کی طرف نظر اُٹھائی ہے" اسی مطلب کی طرف اخوان الصفا کے مصنفوں نے زیادہ صاف لفظوں میں اشارہ کیا تھا: "انسان کی کسی جماعت اور اُس کے کسی عہد کی عقلی استعداد کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اُسکے تصور الٰہی پر نظر ڈالی جائے۔ جس درجہ یہ تصوّر شائستہ اور بلند ہوگا، اُتنی ہی اُس جماعت اور اُس عہد کی عقلی استعداد ترقی یافتہ ثابت ہوگی"! ہیگل نے بھی اسی طرف توجہ دلائی ہے: "تاریخ میں کسی قوم کی عقلی اور تمدنی استعداد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اُسنے اپنی پرستش کے لئے کیسا خدا منتخب کیا تھا؟"

انسانی ذہن و فکر کی اس درماندگی میں وحی و نبوت کی دستگیری ہمیشہ نمایاں ہوتی رہی۔ لیکن وہ اس راہ میں عقل انسانی کی اُسی حد تک رہنمائی کرسکتی تھی، جس حد تک اُس کی استعداد ساتھ دینے کے لئے طیار تھی۔ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی تعلیمات کا پیرایہ و اسلوب بھی دراصل اُن کے زمان و مکان کی عقلی استعداد کا نتیجہ ہوتا ہے وہ مجمع انسانی کے معلّم و مربّی تھے۔ اس لئے اُسی درجہ کا سبق دے سکتے تھے، جس درجہ کی فہم و تعقل کی استعداد مخاطبین میں پیدا ہوگئی تھی۔ وہ اس سلسلۂ ارتقا سے باہر نہیں ہیں۔ اسی کے نشوونما کی مختلف کڑیاں ہیں۔

تصور الٰہی کے دو بنیادی اصول

نوع انسانی کے تصوّر الٰہی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو اگرچہ اُس کی نوعیت کی بے شمار صورتیں اور شکلیں سامنے آئیں گی، لیکن بڑی اور اصولی تقسیم دو بنیادی نوعیتوں کی بنا پر کی جاسکتی ہے:

(۱) تجسّم اور تنزّہ
(۲) صفات جلالیہ اور جمالیہ

ذہن انسانی نے جب فطرۃ کی آواز سنی اور خدا کا تصور کرنا چاہا، تو وہ بغیر شکل و شباہت کے اُس کا تصور نہ کرسکا۔ یہی تجسیم اور تمثیل کی بنیاد ہے۔ یعنے خدا کے لئے ایسی صفات تجویز کرنا، جیسی صفات مخلوقات و موجودات کے ہم محسوس کررہے ہیں۔

پھر چونکہ اُس کا ذہن و فکر عہد طفولیت میں تھا اور نشوونما کے لئے ایک طولانی عمر کا محتاج تھا، اس لئے اس شکل و شباہت کا نقشہ بھی زیادہ شائستہ اور بلند نہ کھینچ سکا۔ وہ دراصل اپنے ہی صفات کا عکس طیار کررہا تھا، اُس کی صفات ابتدائی عہد کے ناقص اور ادنیٰ درجہ میں تھیں اس لئے ویسے ہی صفات سے اُسنے اپنے خدا کا خال و خد بھی آراستہ کیا!

یہ صفات ابتدا میں سراسر قہر و جلال کی صفات تھیں۔ پھر ان میں رحم و جلال کی بھی آمیزش ہوئی، لیکن غلبہ قہر و جلال ہی کو رہا۔ اُس کے تصور میں پہلے دہشت آئی۔ پھر اُمید نے ظہور کیا۔ وہ پہلے خدا سے صرف ڈرتا تھا۔ پھر اُمید کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ محبت بھی کرنے لگا!

چنانچہ اس سلسلہ کے ارتقائی تغیرات میں یہی دو باتیں سب سے زیادہ نمایاں اور بمنزلہ اصل و معیار ہیں۔ اس سلسلہ کی ابتدا تجسّم اور قہر و جلال سے ہوتی ہے، اور تکمیل تنزّہ اور رحمت و جمال پر۔ درمیان کی تمام کڑیاں، ارتقائی کڑیاں ہیں۔ جوں جوں انسان کی معنوی استعداد ترقی کرتی گئی، وہ تجسّم سے تنزّہ کی طرف اور صفات قہر و جلال سے رحمت و جمال کی طرف ترقی کرتا گیا۔ یہاں تک کہ تکمیل کی آخری منزل نمودار ہوگئی۔

تجسّم اور تنزّہ پر دوسری جگہ مستقلاً بحث کی گئی ہے۔ یہاں اس کا ذکر تبعاً آگیا ہے۔ یہاں کا اصلی موضوع صرف صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے ارتقائی تغیرات ہیں۔

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں "ابتدا" اور "ابتدائی عہد" کے الفاظ سے نوع انسان کی حقیقی ابتدا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم کی تصریحات کے مطابق نوع انسانی کی ابتدائی زندگی، اُس کی فطری اور بے آمیز زندگی تھی، اور چونکہ وہ فطرۃ حالت ہدایت میں پیدا کیا گیا ہے نہ کہ ضلالت میں، اس لئے اُس کے تمام عقائد و تصورات بھی اپنی فطری ہدایت پر قائم تھے۔ منحرف اور کج اندیش نہ تھے۔ لیکن اُس کے بعد مختلف اسباب سے وہ حالت باقی نہ رہی فطرۃ کی سادہ ہدایت کی جگہ اکتساب کی گمراہیاں پیدا ہوگئیں، اور برابر بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہنچ گئیں، کہ پہلی حالت بالکل منقلب ہوگئی۔ اسی عہد سے انسان کی معنوی زندگی کی ایک دوسری نشئہ شروع ہوتا ہے، اور اُس کی "ابتدائی" زندگی اور "عہد طفولیت" سے اسی دوسرے عہد کی ابتدا مقصود ہے۔ شرح اس حقیقت کی اشارات میں ممکن نہیں اور یہ محل تفصیل نہیں)

دورِ قہر و جلال

یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ میں انسان کا قدیم سے قدیم تصوّر الٰہی جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ سراسر خوف اور دہشت کا تصوّر ہے۔ رحم، محبت، اور جمال کا اسمیں کوئی عنصر نظر نہیں آتا۔ خدا کا تصوّر اُسکے لئے صرف ڈرنے کی چیز تھی۔ امید اور اُنس، اور محبت کی چیز نہ تھی۔ وہ اُس کے قہر و غضب کی ہولناکیوں سے ڈرتا تھا، اس لئے اُس سے بچنے کے لئے اُس کی پرستش کرتا تھا۔

انسان کی پرستش خدا سے بچنے کے لئے تھی۔ خدا کی طرف بڑھنے اور اُس سے محبت کرنے کے لئے نہ تھی۔ وہ ایک ڈراؤنی اور ہولناک طاقت سے محبت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا!

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت عجیب نہیں ہے۔ انسان خدا کی صفات کو کائنات عالم کے فطری مظاہر میں دیکھتا تھا۔ یہی مظاہر اُس کے تصوّر میں خدا کے اعمال کا تصوّر پیدا کرتے تھے۔ فطرۃ کائنات میں کون و فساد ہے۔ یعنے وہ کائنات کی زندگی اور بقا کے لئے بہ یک وقت بناؤ اور بگاڑ، دونوں کا عمل جاری رکھتی ہے۔ انسان نے جب اپنی ابتدائی عقل و ادراک سے مظاہر فطرۃ پر نظر ڈالی، تو اُس کی نظر فطرۃ کے بناؤ کا حسن نہ دیکھ سکی۔ اُسکے بگاڑ کی ہولناکیوں سے سہم گئی۔ فطرۃ کا جمال ایجاب و تعمیر، سلب تخریب کے نقاب میں پوشیدہ ہے۔ اُس تک پہنچنے کے لئے عقل و ادراک کی زیادہ تیز اور دور رس نگاہ کی ضرورت تھی۔ یہ ابھی اُسے میسّر نہیں آئی تھی۔ پس صورت کائنات کا پہلا اثر جو اُس کے ذہن و ادراک کی نارسائی نے قبول کیا، جمال رحمت کی دلاویزی نہ تھی۔ جلال و قہر کی ہولناکی تھی۔ اسی ہولناکی سے اُسنے خدا کی شکل و شباہت کا نقشہ بھی کھینچ لیا۔ قدرتی طور پر یہ نقشہ ڈراؤنا تھا۔ محبوب و دلاویز نہ تھا۔

اس عالم اثر و تاثّر میں ہر چیز کی طرح ہر فعل بھی ایک قدرتی طبیعت اور مزاج رکھتا ہے۔ تخریب کے مزاج میں شورش اور ہولناکی ہے، اور تعمیر سراسر سکون اور خاموشی ہے۔ تعمیر جمع، نظم، ترتیب، اور ایجاب ہے۔ تخریب تفرقہ، برہمی، اضطراب، اور سلب و نفی ہے۔ جمع و نظم کی حالت ہی سکون ہے۔ اور تفرقہ و برہمی کی حالت ہی شورش و اضطراب کی حالت ہے۔ دیوار جب بنتی ہے تو کوئی ہولناکی محسوس نہیں ہوتی لیکن اُس کے گرنے میں دہماکا ہوتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر تخریب کا عمل تعمیر سے زیادہ نمایاں اور پُرشور ہے۔ تخریب کی ہیبت فوراً ڈرا دیتی ہے، لیکن تعمیر کی دلاویزی آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی ہے۔ تخریب کا دھماکا دور سے بھی سن لیا جاسکتا ہے، لیکن تعمیر کا خاموش عمل دیکھنے کے لئے نزدیک آنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانی طبیعت تعمیری اور ایجابی افعال سے اُنس پکڑنے میں دیر لگاتی ہے لیکن تخریبی اور سلبی افعال سے فوراً ڈر جاتی ہے۔ جانور ڈرتے زیادہ ہیں۔ اُنس کم پکڑتے ہیں۔ انسان کا بچہ بھی ابتدا میں ہر چیز سے سہمتا اور ڈرتا ہے۔ پھر جوں جوں اُس کی ذہنی استعداد بڑھتی جاتی ہے، ڈر کم ہوتا جاتا ہے اور موانست بڑھتی جاتی ہے۔

نوع انسانی کا اُسکے عہد طفولیت میں یہی حال تھا۔ کائنات فطرۃ فی الحقیقت سراسر وجود، تعمیر، اور ایجاب ہے، اور اس لئے

اُس میں حسن و جمال کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لیکن تعمیر و ایجاب کا عمل بغیر تخریب و سلب کے انجام نہیں پا سکتا۔ ہر بناؤ کے لئے ایک بگاڑ اور ہر نظم کے لئے ایک برہمی ناگزیر ہے۔ اس لئے اُس کے جمال تعمیری دلاویزیوں پر تخریب کی ہولناکیوں کا پردہ پڑ گیا۔ بارش کا عمل زمین کے لئے پیام روح ہے۔ اُس کے ایک ایک قطرہ کے اندر، نہیں معلوم زندگی کی کتنی تعمیریں اور وجود کی کتنی بخششیں پنہاں ہوتی ہیں؟ لیکن تعمیر حیات کا یہ پُرسکون عمل جبھی ظہور میں آ سکتا ہے جب پہلے سلب تخریب کی ایک ہیبت انگیز ہولناکی پھیل جاتی ہے۔ بادل گرجنے لگتے ہیں۔ بجلی کڑکنے لگتی ہے۔ اضطراب و تصادم سے فضا کائنات لرز اُٹھتی ہے۔ اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے، جیسے کوئی بڑی ہی سخت برہمی و خونفاکی ظہور میں آنے والی ہے۔ لیکن پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ حالت منقلب ہو جاتی ہے، اور اچانک دکھائی دیتا ہے کہ فطرۃ نے قہر و جلال کا جامہ اُتار کر رحمت و جمال کا لباس پہن لیا۔ کیونکہ رعد و برق کی خونفاکیوں کی جگہ بارانِ رحمت کی رویتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ قرآن حکیم نے جا بجا قدرت الٰہی کی اس بظاہر قہرمانی اور بباطن رحمت فزائی کی طرف اشارات کئے ہیں:

ومن آیاتہ یریکم البرق خوفاً وطمعاً، وینزل من السماء ماءً فیحیی بہ الارض بعد موتہا، ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون! (۳۰ : ۲۳)

اور اُس کی حکمت و قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ بجلی کڑکتی ہو اور تمہارے اندر خوف اور امید، دونوں طرح کے اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین کو اُس کی موت کے بعد از سرِ نو زندگی بخشدیتا ہے۔ بلاشبہ اسمیں قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں۔ مگر اُن کے لئے جو عقل رکھتے ہیں!

سورۂ بقرہ کی تمثیل میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے: او کصیب من السماء فیہ رعدٌ وبرق۔ تخریب کے عمل میں شورش اور ظہور ہے۔ اس لئے رعد و برق کی ہولناکی بارش کی حیات پرور دلاویزی سے زیادہ نمایاں اور بے پردہ ہوتی ہے۔ انسان کا ذہن طفولیت طبیعت حیوانی کے مقتضیٰ کے مطابق بارش کی دلاویزی تو جلد نہیں پا سکتا تھا۔ لیکن رعد و برق کی ہولناکی سے فوراً ڈر گیا تھا۔ بجلی کی کڑک میں اس کے لئے پہلے خوف تھا۔ سمع پیچھے تھی!

بہرحال زندگی اور فطرۃ کائنات کے مظاہر کی پہلی تاثیر خود دہشت ہی کی تاثیر تھی۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی کڑک، آتش فشاں پہاڑوں کا انفجار، زمین کا بھونچال، آسمان کی ژالہ باری، دریاؤں کا سیلاب، سمندروں کا تلاطم؛ ان سب میں اُس کی عقل کے لئے رعب اور ہیبت تھی، اور اسی ہیبت کے اندر وہ ایک غضبناک خدا کی ڈرائونی صورت دیکھ رہا تھا۔ وہ بجلی کی کڑک اور ہلاکت سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بادلوں کی گرج پر شیفتہ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ پہاڑوں کی آتش افشانی اور آسمان کی سنگ باری سے پیار نہیں کر سکتا تھا۔ اور اُس کا ذہن و ادراک خدا کے صرف انہی کاموں سے آشنا ہوا تھا!

ایک اور قریبی سبب بھی اس تصوّر کا باعث ہوا خود اُس کی زندگی بھی امن و راحت سے زیادہ اضطراب و ہلاکت سے دوچار تھی۔ وہ اپنی حقیقی اور فطری حیات بہشتی سے محروم ہو چکا تھا، اور اب زندگی اور آبادی کی ایک نئی تعمیر درپیش تھی۔ وہ کمزور اور نہتا تھا، اور زمین کی ہر چیز اُس کی دشمن تھی۔ زلزلوں کے جھٹکوں سے اُس کے چاروں طرف مُنڈلاتے تھے۔ زہریلے جانور ہر طرف رینگتے تھے۔ طرح طرح کے بے پناہ درندوں کا پے در پے حملہ تھا۔ اُس کی زندگی سراسر جنگ اور کشمکش تھی۔ جس طرف دیکھتا تھا، ہلاکت ہی کا سامان نظر آتا تھا۔ اس ماحول کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ خالق کائنات کا تصوّر کرتے ہوئے اُس کا ذہن اُس کی ہلاکت آفرینیوں کی طرف جاتا۔ وجود اور زندگی بخشنے والی صفتوں کی طرف نہ جاتا۔ وہ صرف صفاتِ سلبیہ کا تماشائی ہو سکتا تھا۔ ایجاب تعمیر کی حقیقت شناسی ابھی اُس پر نہیں کھلی تھی!

تصور الٰہی کا یہ دَور سراسر قہر و غضب کے تصور کا دَور تھا۔ اس کی ابتدا ایک مبہم اور غیر معین خوف سے ہوئی اور پھر بہ تدریج ایک معین شکل و شباہت کی صورت اختیار کر لی۔ پھر اس صورت کی وضع و قطع میں ترقی شروع ہوئی اور ایک ناتراشیدہ حالت سے ایک کمال خیال و حد تک پہنچ گئی۔ امریکہ، آسٹریلیا، اور افریقہ میں عہد قدیم کے جو آثار ایسے ملے ہیں جن سے نوع انسانی کی ابتدائی پرستشوں کا پتہ چلتا ہے، اُن سے اس ابتدائی تصوّر کی کڑی طیار کی جا سکتی ہے۔ پرستش کی ناتراشیدہ، بے ڈھنگی، اور ناقص، مگر خوفناک صورتیں انسان کے عہد طفولیت کی یادگار ہیں۔ انسان کے دورِ حجری (یعنی وہ زمانہ جب آلات و ظروف کے لئے صرف پتھر استعمال کیا جاتا تھا) کے آثار میں بھی اس تصوّر کا سراغ لگتا ہے۔ اس طرح کے بکثرت پتھر ملے ہیں جن پر انسان کے ابتدائی ذہن کی مصوری نے اپنے معبود کی صورت کا نقشہ کھینچنا چاہا تھا، اور کوشش کی تھی کہ زیادہ سے زیادہ ہولناک صورت بنا دے۔ اُس میں عجیب طرح کا دھڑ ہے۔ غیر متعلق و مربوط چہرہ ہے، مختلف قسم کے خوفناک جانوروں کی صورت کے غیر متناسب اجزاء جمع کر دئے ہیں، اور مصوری کے نقص اور تصوّر کی ناتمامی نے ہیئت کی بدصورتی اور ہولناکی کا اثر اور زیادہ کر دیا ہے۔ خوفناک جانوروں کی پرستش بھی اسی عہد میں شروع ہوئی۔ سانپ اژدہا، مگرمچھ، اور اسی طرح کے جانور جن پر انسان بہ آسانی قبضہ نہیں کر سکتا تھا، اُس کے تصوّر میں ایک طرح کی الوہیت پیدا کر لیتے تھے۔

اس دَور کے ابتدائی عہد سے جب انسان آگے بڑھا۔ تو خدا کے تصوّر میں زیادہ منظم اُسلوب پیدا ہوا۔ اب ایسی ایسی طاقتوں کا تصوّر کیا گیا جن کی الگ الگ صورتیں، الگ الگ دائرے، اور الگ الگ اعمال تھے۔ لیکن جہاں تک صفات کا تعلق ہے، سب قہر و غضب ہی کی صفات رکھتے تھے۔ ہندوستان، مصر، بابل، یونان، وغیرہ ممالک جہاں نوع انسان کو مختلف مرز بومی اسباب سے ترقی و تربیت کا زیادہ موقعہ ملا تھا، اس دَور میں نمایاں ہوتے ہیں، اور آثار قدیمہ ہمیں سراغ رسانی میں مدد دیتی ہیں۔ ان تمام ممالک میں علم الاصنام کی سب سے ابتدائی کڑیاں وہی ہیں، جو خالص قہر و غضب کی تصویریں تھیں۔ ہیروڈوٹس نے مصریوں کے جو حالات بیان کئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا سب سے زیادہ قدیمی معبود ہورس تھا جو ہلاکت اور بربادی کی طاقت تھی۔ یونان کا علم الاصنام اپنی لطافت، تکمیل اور بلندی نوعیت کے لحاظ سے تمام دنیا کے اصنامی تخیلات پر فوقیت رکھتا ہے، لیکن اُن کے یہاں بھی غضب و قہر کے دیوتاؤں کے تصورات باقی دیوتاؤں سے زیادہ قدیم تھے۔ آریس جو آگے چلکر جنگ کا خدا ہو گیا، دراصل غضب انتقام کا خدا تھا۔ آذیس جسے آگے چلکر جہنم کی داروغگی ملی، شروع شروع میں ہلاکت اور انتقام کا دیوتا تھا۔ بابل اور آشور کے آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بابل تعدد الٰہی کے اُس عہد کا سب سے بڑا مرکز ہے، جو مظاہر فطرۃ کی پرستش کے سلسلے میں کواکب پرستی کا عہد تھا۔ لیکن یہاں بھی پرستش کی تمام ابتدائی صورتیں غضب قہر ہی کی مظاہر تھیں۔ بابل کے آثار اصنام میں سب سے زیادہ قدیم اثر ایک عجیب الخلقت

---

۴ جا رہا ہے کہ یہ ہلاکت اور انتقام کا مصور تھا۔ عند تتالوا، اصلہ ۔۔۔ ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰

عالم مطبوعات و صحائف

پروفیسر ہیوار کی یادداشت کتب

یورپ کے مستشرقین (اورینٹلسٹ) نے قدیم آثار و علوم کی تحقیقات کے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، اُن میں ایک نہایت قیمتی طریقہ نوادر کتب کی مکمل یادداشتیں مرتب کرنے کا ہے۔

"یادداشتوں" سے مقصود یہ ہے کہ پرانی اور نادر کتابوں کے مختلف نسخے دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں کہیں اُن کا کوئی حصہ ہے، کہیں کوئی حصہ۔ کہیں ایک حصہ مسلم ہے اور باقی ناقص ہے۔ کہیں دوسرا حصہ محفوظ اور پہلا حصہ ناقص ہو گیا ہے۔ کسی نسخہ کی کتابت غلط ہے لیکن ضخامت پوری ہے۔ کسی کی ضخامت ناقص مگر کتابت اچھی ہے۔ اب اس منتشر اور مختلف الاوصاف ذخیرہ سے ایک مکمل نسخہ کیونکر فراہم کیا جائے؟ اس کا صرف یہی طریقہ ہے کہ ان تمام نسخوں پر نظر ڈالی جائے، اور ایک جگہ کا نقص دوسری جگہ کی تکمیل سے پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ مثلاً اگر ایک کتاب کی ۵ جلدیں ہیں اور ۵ جگہ ۵ نسخے موجود ہیں، تو بہت ممکن ہے کہ ایک جگہ جو جلد گم ہو، وہ دوسری جگہ موجود ہو، یا ایک جگہ کے نسخے میں جو ورق ناقص ہو گیا ہو، وہی دوسری جگہ کے نسخے میں صحیح و سالم مل جائے۔ مستشرقین یورپ نے متعدد اہم اور نادر کتابوں کے متعلق اس طرح کی معلومات فراہم کی ہیں اور انھیں یادداشت کی صورت میں قلمبند کر لیا ہے۔

یہ یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں ان سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں کتاب کا مکمل نسخہ دنیا کے فلاں فلاں کتب خانوں کے فلاں فلاں نسخوں، جلدوں، صفحوں، صفحوں کی سطروں، سطروں کے صحیح و سالم لفظوں کے باہمد گر جمع ہو جانے سے وجود میں آ جا سکتا ہے!

یہ یادداشتیں مستشرقین یورپ کے ذوق علم اور محنت جستجو کی سب سے بڑی نمائش گاہ ہیں۔ بعض عالموں میں صرف ایک چھوٹی سی کتاب کے مکمل اور صحیح نسخہ کی معلومات جمع کرنے کے لئے تمام دنیا کا سفر کیا گیا ہے، اور ۵۰-۵۰-۶۰-۶۰ جگہوں کے نسخوں سے اُس کا ایک ایک ورق، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ، جمع کیا گیا ہے! انہائی کا جغرافیہ عرب سنہ ۱۸۹۱ء میں پروفیسر ڈیوڈ مولیر David Müller نے تصحیح و ترتیب کے بعد شائع کر دیا۔ شائع کرنے سے پہلے جو یادداشت انھوں نے اور لیڈن یونیورسٹی کے دیگر مستشرقین نے مرتب کی تھی، وہ ہمارے پاس موجود ہے، اور اسے دیکھ کر ان پرستاران علم کی محنتوں کی بے اختیار داد دینی پڑتی ہے۔ ہمدانی کے جغرافیہ کے سترہ نسخوں کا انھوں نے پتہ لگایا تھا جو کرۂ ارضی کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان میں کوئی بھی نقص سے خالی نہ تھا۔ انھوں نے ان سب کے ایک ایک صفحہ، ایک ایک سطر، ایک ایک لفظ پر نظر ڈالی، اور نسخوں اور انکے اوراق و سطور کے حوالوں کے ساتھ ایسی یادداشت مرتب کر لی جس سے بہ یک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سترہ جگہوں سے ایک ایک ٹکڑہ چن کر کس طرح ایک صحیح و مکمل نسخہ مرتب کر لیا جا سکتا ہے۔

مثلاً یادداشت بتلاتی ہے کہ کتاب کے صفحہ ۴ کی سطر کا پہلا لفظ برلین کے نسخہ میں کرم خوردہ ہے لیکن روم کے نسخہ میں صحیح و سالم

ہے۔ وہاں سے لے لیا جا سکتا ہے۔ روم کے نسخہ میں پانچویں سطر پڑھی نہیں جاتی لیکن سلوسٹر دے ساسی کے نسخہ میں موجود ہے۔ وہاں سے لے لی جائے۔ اسی طرح پوری کتاب کا ایک ایک لفظ بذریعہ یادداشت مرتب کر لیا ہے۔ ساتھ ہی تمام نسخوں کے چھوٹے چھوٹے لفظی اختلافات کے بھی حوالے دیدیئے ہیں۔ بعد کو یہ اختلافات کتاب کے ساتھ شائع کر دیئے گئے۔ ان کی ضخامت اصل کتاب سے بھی دوگنی ہے۔ ایک پوری جلد صرف فہرست اور اختلافات پر مشتمل ہے!

اسی طرح طبقات ابن سعد کی یادداشت دو جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ اس کے ایک ایک ورق اور ایک ایک سطر کے لئے بار بار دنیا کا سفر کیا گیا تھا۔ اس کی ایک ایک سطر، دس دس، بیس بیس جگہوں کے نسخوں کو باہم گر ملانے کے بعد حاصل ہو سکی۔ بعد کو یہ کتاب چھپ گئی، لیکن اس کی یادداشت اب بھی علم و جستجو کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔

یہ یادداشتیں زیادہ تر علمی جماعتوں نے مرتب کی ہیں مگر بعض ایسی بھی ہیں جو کسی ایک شخص کی تنہا جستجوئے علم کا نتیجہ ہیں۔ انیسویں صدی کے مستشرقین میں پروفیسر رینوڈ Reinaud، اتین کاٹرمیر Etienne Quatremere، ڈیرنبرگ Derenbourg، گسٹاؤ فلوگل Flügel، فلائشر Fleischer، اور دی گویہ De Goeje، کی یادداشتیں نہایت قیمتی ہیں۔ زمانۂ حال کے مستشرقین میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر تھیوڈر نولڈیک Theodor Nöeldeke، اور پروفیسر گولڈزیر Goldziher کی یادداشتیں شائع ہو چکی ہیں اور نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں۔

حال میں ایک نہایت قیمتی یادداشت پروفیسر ہیوار Huart نے شائع کی ہے جو ہمیں گزشتہ مہینے پیرس سے وصول ہوئی ہے۔ اس یادداشت میں پروفیسر موصوف نے نہ صرف اپنی جستجوؤں کے نتائج درج کئے ہیں بلکہ گزشتہ دور کے دو بہت بڑے فرانسیسی مستشرقوں پروفیسر دی سلان De Slane اور پروفیسر ویرن برگ Derenbourg کی بعض غیر مطبوعہ یادداشتوں سے بھی ضروری فوائد اخذ کئے ہیں۔

پروفیسر دی۔ سلان کا انتقال ۱۸۷۹ء میں ہوا۔ وہ انیسویں صدی کے مشاہیر مستشرقین میں تھے۔ مقدمۂ ابن خلدون، تاریخ بربر ابن خلدون، اور ابن خلکان کا فرانسیسی ترجمہ انہی کے قلم کا رہین منت ہے۔ مقدمہ ابن خلدون کے ترجمہ و اشاعت کا کام دراصل ایٹن کو اترمٹر نے شروع کیا تھا۔ مگر تکمیل انہی کے قلم و سعی سے ہوئی۔ قومی کتب خانۂ پیرس کے مشرقی مخطوطات کی فہرست بھی انہی نے مرتب کی تھی۔

پروفیسر ویرن برگ کا انتقال ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ یہ اسی نام کے مستشرق باپ کا مستشرق بیٹا ہے۔ سیبویہ کی الکتاب (جو کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی چھاپ چکی ہے) یورپ میں اسی کے اہتمام سے چھپی تھی۔ کتاب الفخری، دیوان نابغہ، کتاب الاعتبار ابن منقذ وغیرہ بھی اسی کی سعی و محنت سے مرتب و شائع ہوئی۔ بعد کو الفخری کی نقل مصر میں شرکت احیاء کتب عربیہ نے بھی چھاپ دی۔

پروفیسر ہیوار موجودہ عہد کے مستند فرانسیسی مستشرق ہیں۔ یہ پہلے مصر کے فرانسیسی قنصل خانہ میں کاتب تھے۔ پھر ترقی کرتے کرتے قنصل جنرل ہو گئے۔ اب ایک عرصہ سے پیرس کے مدرسہ لغات حیۂ عالم کے معلم ہیں۔ اسلامی و عربی علوم و ادب پر ان کی مصنفات بکثرت شائع ہو چکی ہیں۔ تاریخ عرب، تاریخ ادبیات عرب، تاریخ بغداد جدید، وغیرہ کتابیں مشہور و مقبول ہیں۔ ابو زید بلخی کی کتاب الخلیقہ انہی کے سعی و اہتمام سے شائع ہوئی۔ کای فونگو (چین) کی ایک قدیم مسجد کے عربی و فارسی نقوش پر بھی ان کا ایک رسالہ شائع ہو چکا ہے۔ اس یادداشت میں عربی اور فارسی، دونوں زبانوں کے بعض نوادر پر معلومات موجود ہیں۔ ایک ترکی (عثمانی) کتاب کا بھی ذکر ہے۔ ہم آئندہ اس کے بعض اہم فوائد ہدیۂ قارئین کریں گے۔

امام ابن قیم کی کتاب العلم والعلماء

امام ابن قیم کی مصنفات کا بڑا ذخیرہ شائع ہو چکا ہے، لیکن روز بروز نئی کتابیں نکلتی ہی آتی ہیں۔ حافظ ابن رجب نے طبقات میں ان کی ایک کتاب کا نام "کتاب العلم والعلماء" لکھا ہے اب تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ اس کا ایک نہایت عمدہ نسخہ جس پر ان کے شاگرد فیروز آبادی (صاحب قاموس) کا دستخط ثبت ہے، دمشق میں نکل آیا ہے اور اسکی اشاعت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

العبر فی اخبار البشر

الہلال نمبر ۲ میں ہم نے امام شمس الدین ذہبی، کی تاریخ کبیر کی نسبت اطلاع دی تھی۔ اب معلوم ہوا ہے کہ ان کی ایک دوسری تاریخ "العبر فی اخبار البشر" بھی زیر تصحیح و طباعت ہے۔

امام موصوف نے اپنے تذکرہ میں خود تصریح کی ہے کہ انھوں نے پہلے مطول و مبسوط تاریخ الاسلام (تاریخ کبیر) لکھی۔ پھر اس سے مختصر اور منتخب کر کے چار چھوٹی چھوٹی کتابیں الگ کر لیں:

(۱) الدول الاسلامیہ: یہ تاریخ کبیر کا اختصار ہے، اور بعض کتابتوں میں چار جلدیں ہیں بعض میں دو۔ اس کا سب سے زیادہ بہتر اور مکمل نسخہ قسطنطنیہ کے کتب خانہ کوپرلی میں ہے۔

(۲) طبقات الحفاظ: اسمیں صرف ان حفاظ حدیث کے حالات لے لئے ہیں جن کے تراجم بہ سلسلۂ تاریخ، تاریخ کبیر میں آئے تھے۔ حافظ جلال الدین سیوطی کی طبقات اسی کا اختصار و تکملہ ہے۔ ۱۸۳۳ء میں پروفیسر وسٹنفیلڈ نے اسے تین جلدوں میں چھاپکر شائع کیا۔

(۳) طبقات القراء: اسمیں قراء کے تراجم تاریخ کبیر سے اخذ کر کے بہ ترتیب طبقات جمع کئے ہیں۔ اسکے نسخے پیرس کے قومی کتبخانہ اور قسطنطنیہ کے کتبخانہ کوپرلی اور ینی جامع میں موجود ہیں۔ متعدد علماء نے اس کے ذیل بھی لکھے تھے۔ حافظ سیوطی کا ذیل چھپ گیا ہے۔

(۴) العبر فی اخبار البشر یہ ایک مختصر تاریخ عام دو جلدوں میں ہے۔ اسمیں اور دول الاسلامیہ میں یہ فرق ہے کہ اسکی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب ہے۔ اس کی ترتیب سنین کی ترتیب ہے۔ سنہ ہجری کی ابتدا سے لے کر ۷۴۰ھ کے تمام حوادث و وفیات اسمیں مل جاتے ہیں۔ ابن شماع (متوفی ۹۳۶ھ) نے اس کا ذیل لکھا تھا۔ اسکے نسخے برٹش میوزیم اور ایا صوفیا قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود تھے۔

اسی آخری کتاب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ بعض اہل علم کی سعی سے قاہرہ میں چھپنا شروع ہو گئی ہے۔ عنقریب پہلی جلد مکمل ہو کر شائع ہو جائے گی۔

فہرست

مذاکرۂ علمیہ ۲
نظریۂ ارتقا کا گم شدہ حلقہ
ریڈیم ۳
تاریخ مغرب جدید کی تاریخی شخصیتیں ۶
روسو
عالم شرق و اسلام ۱۰
شام کے جہاد حریت کا خاتمہ
بصائر و حکم
انسانیت موت کے دروازہ پر ۱۳
حضرت عمرو ابن العاص
برید فرنگ ۱۴
مسولینی کی ایک اہم تقریر
برید شرق
مکتوب قسطنطنیہ ۱۶
خواطر و سوانح
"اخباری زندگی کا ایک لمحہ" ۱۹
باب التفسیر
تفسیر سورۂ فاتحہ کا ایک صفحہ ۲۱
عالم مطبوعات و صحائف ۲۳
ایک نئی یادداشت کتب
کتاب العلم والعلماء
العبر

میرٹھ
کی
اصلی مشہور و معروف
قینچی
زنانہ اسٹور متصل تحصیل میرٹھ سے منگائیے



السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان ایں دفتر پارینہ را
تازہ خوابی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وہ رسالہ هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفرين دعوت تهي- اُس نے ملک کے سياسي ' علمي ' ادبي ' اور ديني افکار و عقائد پر جو انقلاب انگيز اثرات ڈالے ' قريب هے کہ مستقبل هند کا مورخ اُن پر بحث کريگا اور اُن کے اندر وہ عناصر و مبادیات ڈهونڈهيگا جن سے هندوستان کي سنہ ۱۹۱۹ کے بعد کي اجتماعي ذهنيت ظهور پذير هوئي .

الهلال اگرچہ ايک هفتہ وار مصور رسالہ تها ' ليکن چونکہ اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و قدر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تها- اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ کے هوتے تهے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانہ خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها- پهر اس کي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلی طباعت و ترتيب کا پہلا نمونہ نهيں- اردو کا وہ پہلا هفتہ وار رسالہ تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجہ سے بہت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں- اِس کي جلدیں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بہترين مجموعہ هيں- اِن کي مقبوليت و قدر کا اندازہ اِس سے هوسکتا هے کہ سنہ ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيہ ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پہلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدي هے- جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وہ بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحدہ کرنے کو ايسے تيار نهيں- پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاف نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيرہ الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي کہ شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جاسکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تعميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوبارہ چهپوا ليا جاے-

چنانچہ الحمدللہ يہ کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعہ شايقين علم و ادب کو آخري موقعہ ديتے هيں کہ اِس قيمتي ذخيرہ کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکہ جلدوں کي ايک بہت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پہلے پہونچيں گي- هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس بہ ترتيب حروف تہجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيہ الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيہ
" " " چهارم ۱۰ روپيہ " " " پنجم ۱۰ روپيہ

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبہ الهلال اِس نام سے شائع هوا)
قيمت ۸ روپيہ

علاوہ جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچہ اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعہ علم و ادب هے- قيمت في پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوہ هے -

مينيجر " البلاغ پريس "

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي ہوتے ہیں جنکي اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرني چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' ہندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاہئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہي آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو موار اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پیاروں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري ہیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور ہر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي ہیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

جلد ۱ — ۱۲ اگست ۲۴ء — نمبر ۹

Muncerabbi Nasser
Student of Q. Jan

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين (القرآن الحكيم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

جلد ۱ | کلکتہ : جمعہ ۱۳ ۔ صفر ۱۳٤٦ ہجری | ۹ ر

Calcutta : Friday, 12, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔ طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قارییں الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ٥٦١ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	٥٦	اردو حروف کی حق مین	۱۸۲
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۱۰٥	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۷۸	نستعلیق ھون	٤۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر

افسانـــہ

حقیقت کہاں ہی ؟

یونانی علم الاصنام کا ایک افسانۂ حکمت



قدیم یونان کے مرکز ایتھنس ' فلسفہ کے گہوارے اور حکمت کے سر چشمے پر ' رات کی خاموشی چھا گئی تھی -

رات نے اپنی سیاہ قناتیں تان دیں - سحر خواب شہر کی لمبی سانسوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی - اتنے میں چاند نکل آیا - روپہلی چاندنی کوہ و دشت پر پھیل گئی - مندروں کی سنہری برجیاں چمک اٹھیں - زیتون اور خرمے کے درخت بے ساختہ کھلکھلا اٹھے !

شہروں کی ملکہ ایتھنس سو رہی ہے - دروازوں پر چوکیدار اونگھ رہے ہیں - لیکن ' صرف ایک نوجوان ہے جو اب تک جاگ رہا ہے !

دیوکلس حسن ' ذہانت ' ذات کے خزانوں کا مالک ہے - اکاڈیمی میں حکمت کا طالب علم ہے - اپنا پورا دن ' اور رات کے بھی بہت سے گھنٹے ' علم و حکمت کے پہلو میں گزارتا ہے - صحبت و معاشرت سے بیزار ہے - ایک پورے حکیم کی طرح پورا خلوت پسند ہے - تفکرات کے سمندر میں شب و روز غواصی : بس یہی اس کا مشغلہ ہے -

ایتھنس ' یعنی حکمت کی دیوی کا مرمری خوبصورت بت اکاڈیمی کے صحن میں نصب تھا - دیوکلس سب طالب علموں سے زیادہ ' حکمت کے اس خاموش مجسمہ کے پاس جاتا اور ہمیشہ اس کے تصور میں غرق رہتا - اس کی دل کی مناجاتوں کا قبلہ یہی تھا - اس کے دماغ کے استغراق کا مرکز اسی میں تھا - وہ اس کی دلفریب صورت پر غور کرتا - وہ اس کے جمال معنی و حقیقت کی جستجو میں محو ہوجاتا - وہ اس سے حکمت کی رمز اور علم کا پیام ربانی طلب کرتا - وہ حکمت کی جستجو میں حکمت کے مجسمہ کا عاشق تھا !

***

آج رات دیوکلس پھر دیوی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے -

رات ڈھل گئی ' مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا ہے - اچانک اس نے سر اٹھایا اور بت کے قدموں پر گر پڑا - بوسوں پر بوسے لیے - آنسوؤں سے اس کے پاؤں دھونے لگا :

" اے علم و حکمت کے مظہر محبوب ! رحم ' رحم ' مجھ ایک نظر دیکھ لے ! ایک مرتبہ کے لیے میری التجائیں سن لے ! "

وہ دیر تک آنکھوں کے آنسوؤں اور زبان کی دعاؤں سے مناجات کرتا رہا - پھر اس نے نظر اٹھائی - چاند نے اپنی شعاعیں جمع کرکے دیوی کے چہرے کی رعنائی بے حساب کردی تھی !

ہوا چلتے چلتے رک گئی - پتوں کا شور تھم گیا - پہلے سے زیادہ سکون طاری ہوگیا - نوجوان کا دل تنگ ہوا - اس نے لمبی آہ بھری ' اور آہ کے ساتھ ہی آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر پھیل گئیں :

" مقدس دیوی ! " دیوکلس نے جوش سے چلا کر کہا " تیرے ہی قدموں پر میرا سر دھرا ہے - تیری ہی عبادت پر میری روح جھکی ہے - تو نے میرے دل کو حکمت کے عشق سے معمور کر دیا - تو نے جمال کا لازوال شوق پیدا کردیا - تو نے حقیقت کی جستجو کی آگ سلگا دی : یہ آگ اب جلائے ڈالتی ہے یا تو ہمیشہ کے لیے اسے ٹھنڈا کردے ' یا حقیقت کا جمال پنہاں ایک مرتبہ دکھا دے - ہاں ' حقیقت ' مقدس ' عظیم حقیقت ' اس مہیب کائنات کی حقیقت ' اس ہولناک ازلیت و ابدیت کی حقیقت ' ہر وجود کی روح ' مجرد حقیقت ' عریاں حقیقت - وہ حقیقت ' جس کی جستجو میں تمام فلاسفہ سرگرداں رہے ' اور حکیموں کو بستر خواب پر کبھی نیند نہ آئی - حکمت کی پاک دیوی ! حقیقت کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے بے نقاب کردے - میں اسے جاننا اور دیکھنا چاہتا ہوں - میں اسے سارے پردوں اور نقابوں کے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں - میں اس کی پرستش پر دل بد چکا ہوں - میں اس کی راہ میں اپنی زندگی اور زندگی کی تمام مسرتیں ' اپنی دولت ' عزت ' حسن ' شباب ' محبت ' سب کچھ قربان کردونگا "

دیوکلس نے یہ کہا اور گردن اٹھا کر دیوی کا منھ دیکھا - وہ بدستور خاموش اور بے حس و حرکت تھی - نوجوان نے اپنی پیشانی پھر اس کے مرمری قدموں پر رکھدی اور گڑگڑانے لگا - اس کی روح ' اس کی آنکھیں ' اس کی زبان ' تینوں دیوی کے قدموں پر تھے - روح آتش شوق سے جل رہی تھی - آنکھیں جوش عشق میں بہہ رہی تھیں - زبان زلولۂ مناجات سے وارفتہ تھی !

***

اچانک درختوں کے پتے ہلے ' ڈالیوں میں جنبش ہوئی ' نسیم کے جھونکے چلے - ہوا میں ایک آواز گونجی : " دیوکلس ! " " دیوکلس ! "

نوجوان چونک اٹھا - اِدھر اُدھر گھبراہٹ سے دیکھنے لگا - سمجھا ' آسپاس ہی مدرسہ پکار رہے ہیں - مگر وہاں کوئی انسان بھی نظر نہ آیا -

" دیوکلس !" — " دیوکلس !" نوجوان تمنائی نے نگاہ اٹھا کر بت کو دیکھا - کیا دیکھتا ہے کہ سچ مچ کو اُسکے ہونٹ ہل رہے ہیں ! ... اچانک سنگ مرمر کے ہاتھہ میں جنبش ہوئی .... دیوی نے اپنا ہاتھہ دیوکلس کے کندھے پر رکھہ دیا ..... بجلی کی ایک طاقتور لہر اُسکے بدن میں دوڑ گئی - بید کی طرح تھر تھرانے لگا - خوف کی شدت سے اُسکے حواس معطل ہوگئے .....

لیکن آواز ابتک آ رہی تھی " دیوکلس ! " " دیوکلس !"

" دیوکلس ! بُرے مجھے پکارا - لے ' میں آگئی - تیری مناجات میں نے سن لی - بول ' کیا مانگتا ہے ؟"

دھشت سے نوجوان کی سانس رک گئی - بے اختیار زمین پر گر پڑا - قریب تھا ' بیہوش ہو جائے - جب کچھہ عرصہ کے بعد اُسکے ہوش حواس واپس آنے لگے - تو اُس نے خوفزدہ نظروں سے دیوی کو دیکھا :

" ہاں مقدس دیوی !" اُسنے کانپتی ہوئی آواز سے کہا " میں ہی تیرے حضور زار نالی کر رہا تھا - مجھے " حقیقت " کی جستجو ہے - میں " حقیقت " کو دیکھنا چاہتا ہوں - میں اُسے بے نقاب دیکھنا چاہتا ہوں ... "

" تو حقیقت کی کھوج میں ہے !" دیوی نے اپنی پر رعب آواز میں کہا " حقیقت خود یہی " وجود " ہے - حقیقت کہاں نہیں ہے ؟ لیکن ہاں ' بے پردہ ' بے نقاب حقیقت ' کبھی کوئی کائناتی نگاہ نہ دیکھہ سکی - کسی نے اسکے دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی - بے نقاب حقیقت انسان کی حد نگاہ سے باہر ہے - تاہم اگر تیری یہی ضد ہے تو سمجھہ لے ' تجھے بڑی قیمت ادا کرنی پڑیگی ' ایسی بڑی ' جسکی شاید تجھے قدرت نہیں - تجھے دولت ' عظمت ' حسن — سب سے دست بردار ہوجانا پڑیگا - تجھے زندگی کا بھی آرزومند نہ ہونا چاہیے - دیوتاؤں نے " حقیقت " سے بڑھکر کوئی دولت کائنات کی اولاد کو نہیں دی ہے "

" میں اِن سب سے ہمیشہ کیلیے بخوشی دست بردار ہوتا ہوں " دیوکلس نے خوش ہوکر کہا " میں سورج بھی چھوڑنے پر طیار ہوں "

دیوی نے اپنا سر جھکا لیا - ہر طرف خاموشی پھیل گئی - درخت " زفس " کی اِس باعظمت لڑکی کی تعظیم میں جھک گئے !

دیوی نے پھر سر اٹھایا :

" بہتر " اُسنے آدمیوں کی طرح لفظوں میں کہا " تجھے حقیقت دکھادی جائیگی - لیکن ایک ہی مرتبہ میں تو اُسے نہیں دیکھہ سکتا - میں ہر سال ایک دفعہ تجھے وہاں لیجایا کرونگی - تو اُسکے چھپانے والے پردوں میں سے ' ہر مرتبہ ' ایک پردہ چاک کرسکے گا ... تو زندگی کے لباس میں رہے گا ' یہانتک کہ حقیقت عریاں اپنی آنکھوں سے دیکھہ لے "

***

نوجوان کا چہرہ مسرت امید سے دمکنے لگا - وہ خاموش رہا کہ دیکھے اب دیوی کیا کرتی ہے - اچانک وہ حیرت سے دم بخود ہوگیا - دیوی نے اپنی سنگ مرمر کی چادر اتار دی - دیوکلس کی آنکھیں دختر زفس کے حسن وجلال سے چکا چوند ہوگئیں - چشم زدن میں بت نور کا پتلہ بن گیا - ... اب اُس میں حرکت ہوئی - ... اُسنے نوجوان کو گود میں اُٹھا لیا - لامتناہی فضا میں پرواز شروع کردی - ایک نامعلوم خطہ میں جا پہنچی - دیوکلس نے دیکھا ' ایک سر بفلک پہاڑ پر وہ کھڑا ہے ...

یہاں ' پہاڑ پر ' نوجوان نے کالی بدلیوں کے اندر ایک پرچھائیں سی دیکھی - جوش شناخت میں اسکی روح اُسکے حلقہ ہائے چشم میں سمٹ آئی مگر وہ اسکے خال وخط نہ دیکھہ سکا !

" یہی حقیقت ہے " دیوی نے اپنی انگلی سے اشارہ کرکے کہا " یہی اپنی دھندلی شعاعیں زمین پر ڈالتی ہے اور فلسفی اور حکیم اُن میں نور حق کا سایہ ڈھونڈھتے ہیں - اگر یہ شعاعیں نہ ہوتیں تو دنیا تاریک رات کی طرح اندھیری ہوجاتی - انسان کی نگاہ حقیقت کو اِنہی شعاعوں میں دیکھہ سکتی ہے - تم دیکھہ رہے ہو ' وہ کس قدر ہلکی ' کیسی دھندلی شعاعیں ہیں ؟ حقیقت بے حد روشن ہے - اتنی روشن کہ سورج کی روشنی سے بھی تم اسکا قیاس نہیں کرسکتے - مگر وہ اِن پردوں کے اندر چھپی ہوئی ہے - صرف اُسکا سایہ ہی نظر آسکتا ہے - آگے بڑھ ' اور اُسکا ایک پردہ چاک کردال "

دیوکلس نے دیوی کے حکم کی تعمیل کی -

ہاتھہ لگتے ہی پردہ سفید پرند بن گیا - تھوڑی دیر نوجوان کے سر پر منڈلایا - پھر سیدھا آسمان کے طرف اُڑ گیا !

دیوکلس نے اب دیکھا - حقیقت کی شعاعیں پہلے سے زیادہ صاف اور روشن ہیں !

دیوی اُسے پھر زمین پر اُڑا لائی - وہ اپنی اکاڈیمی میں گیا ' اور دیوی اپنا مرمری جامہ پہنکر پھر بت بن گئی !

***

دیوکلس نے دیوی سے اپنا وعدہ پورا کیا - آرام و راحت سے منھہ موڑ لیا ' خلوت میں بیٹھا ' اور غور و فکر میں یکقلم مستغرق ہوگیا -

اب وہ انسانوں کے کسی مجمع میں نظر نہیں آتا تھا - ایتھنس کے تمام میلے اس سے خالی ہوگئے تھے -

دوسرے سال اپنے مقررہ وقت پر ' وہ پھر سنگ مرمر کے بت کے سامنے سر بسجود تھا - دیوی نے حرکت کی ' اور پہلی مرتبہ کی طرح اُسے غیر معلوم پہاڑ پر اُڑا لے گئی - اب اُسنے حقیقت کا دوسرا پردہ چاک کردیا - اس مرتبہ روشنی اور بھی زیادہ تیز ہوگئی - پھر وہ زمین پر واپس آ گیا - اُسکی زہد و خلوت پسندی اب اور زیادہ گہری ہوگئی تھی -

***

اُسکے رفیق اِس تبدیلی پر متعجب تھے - اُنھوں نے اُسے بہت بہت پھسلایا ' مگر وہ اپنے گوشۂ انزوا سے باہر نہ نکلا -

ایتھنس کی بعض حسین و شیزہ لڑکیوں سے اُسکی ملاقات تھی - ایک فتنہ گر حسن اُس سے محبت بھی کرتی تھی - اُسکی یہ حالت دیکھکر ایک دن اُسکے پاس گئی :

" دیوکلس ! کیا بات ہے ؟" دوشیزہ نے مسکرا کر کہا " تم مجھہ سے بیزار کیوں ہوگئے ؟ یہ دیکھو ' میری آنکھیں ستاروں کی طرح چمکتی ہیں - میرے بال شعاعوں سے بھی زیادہ چمکیلے ہیں - میرا جسم کیسا دلفریب ہے ؟ میں نے تمہارے سوال محبت کا جواب دیا تھا ' مگر اب میں خود تم سے جواب محبت کی سائل ہوں - مجھے دیکھو ' میری محبت کی تحقیر نہ کرو - خود دیوتا بھی محبت سے انکار نہیں کرتے "

دیوکلس نے دو شیزہ پر ایک سرد نظر ڈالی اور کہا :

" محبت میرے دل سے اُسی طرح اڑ گئی ہے جس طرح دوسرا پردہ اڑ گیا تھا " اُسنے یہ کہا اور ایک طرف کو چلدیا !

دو شیزہ حیرت سے اُسے دیکھتی رہی - بھلا یہ رمز وہ کیونکر سمجھہ سکتی تھی ؟ اُسنے خیال کیا ' دیوکلس دیوانہ ہو گیا ہے -

***

ایک سال بعد دیوکلس نے تیسرا پردہ چاک کیا - اُسکی نظر اور بھی زیادہ تیز ہو گئی - اسکا نفس ناطقہ زیادہ شائستہ اور بلند مرتبت ہوگیا !

اب فلسفہ کے حلقوں سے بھی وہ الگ ہوگیا - اگر کبھی اتفاق سے وہ عوام کے سامنے بولتا تو لوگوں کے کان اُسکے لیے وقف ہو جاتے - انسانی دلوں کے لیے اُسکی آواز میں ایک ایسی تاثیر تھی کہ یونان کے صحنہاے حکمت میں کسی بڑے سے بڑے حکیم کی آواز کو بھی نہ ملی ہوگی - پورے ایتھنس نے جمع ہوکر فیصلہ کردیا کہ دیوکلس ' استاد عظیم افلاطون اور دوسرے تمام حکیموں سے بازی لیگیا - اُس سے منتیں کی گئیں کہ فلسفہ کی امامت قبول کرلے مگر اسنے بے پروائی سے انکار کر دیا -

اسی زمانہ میں ایسا ہوا کہ ایتھنس پر دشمنوں نے حملہ کر دیا - دیوکلس وطن کی مدافعت میں پیش پیش تھا - بے نظیر شجاعت سے لڑا - آخر زخموں سے چور چور لوٹا - ایتھنس کو فتح ہوئی - بہادروں کو فورم میں پھولوں کے تاج تقسیم کیے گیے - سب سے بڑا تاج دیوکلس کے واسطے طیار ہوا تھا - مگر عین وقت پر جب اُسے پکارا گیا ' تو وہ موجود نہ تھا !

***

برسوں پر برس گذرتے چلے گیے - ہر برس دیوکلس حقیقت کا ایک پردہ چاک کر آتا تھا - ابھی وہ جوان تھا مگر اسکا سر سفید ہو گیا - کمر جھک گئی - آنکھیں دھنس گئیں - قوی کمزور پڑ گیے - اِسپر بھی وہ خوش تھا ' کیونکہ وہ عنقریب " حقیقت " کا مشاہدہ کرنے والا تھا ' اُس حقیقت کا بے پردہ بے ' نقاب مشاہدہ ' جسے کبھی کسی بشر نے نہیں دیکھا !

***

آخر فیصلہ کی رات آگئی - آج " حقیقت " پر سے آخری پردہ بھی اُٹھہ جایگا - آج بے نقاب حقیقت اسکے سامنے ہوگی !

دیوی ' دیوکلس کو حسب عادت اڑا لے گئی - اور حسب معمول حقیقت ' کے سایہ کے سامنے کھڑا کر دیا :

" دیکھہ ' حقیقت کس قدر تابان ہے ! پچھلے برسوں میں جتنے پردے تونے چاک کیے ' وہ اسکے چہرے کے پردے نہ تھے - تیری ہی غفلت کے پردے تھے جو تونے اپنی آنکھوں پر ڈال لیے تھے - تونے ایک ایک کر کے تمام غفلتیں دور کردیں - آج آخری پردے کی باری ہے - اِسکے بعد تو رو در رو حقیقت کا جلوہ دیکھہ لیگا - اگر تو اپنے کیے پر پشیمان ہے ' یا تیرے دل میں ذرا بھی خوف موجود ہے ' تو اب بھی وقت ہے - لوٹ جا ' اور باقی زندگی چین سے گزار "

دیوکلس ' جوش طلب سے دیوانہ ہوکر چلایا :

" اِسی منزل کی طلب میں تو میں نے ساری عمر گزار دی - اب میں " حقیقت " سے کس طرح منھہ موڑ سکتا ہوں ؟ میں آخری پردہ بھی چاک کرونگا - میں حقیقت کو ضرور بے نقاب دیکھونگا "

اُسنے یہ کہا اور آگے بڑھا - اُسکا دل دھڑکنے لگا - ہاتھہ کانپنے لگا - وہ اپنی بزدلی پر شرمندہ ہو رہا تھا مگر عمل کی ہیبت و دہشت سے بے بس تھا - اس نے دانت بھینچے ' آنکھیں بند کیں ' دل کڑا کے آگے بڑھا ' ہاتھہ بڑھایا ' اور آخری پردہ بھی کھینچ لیا .....

اُف ' ہولناکی !

پردہ ہٹتے ہی روشنی غائب ہوگئی — — گھٹا ٹوپ اندھیری چھا گئی ... کچھہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا !

دیوکلس نے اتنے زور سے چیخ ماری کہ قریب تھا ' اسکا سینہ شق ہو جاے :

" حقیقت کہاں ہے ؟ حقیقت کہاں ہے ؟ اے دیوی ! حقیقت کہاں ہے ؟ مجھے تو کچھہ سوجھائی نہیں دیتا - وہ ' جو آخری پردے کے پیچھے تھی ' کہاں چلی گئی ؟ ساری دنیا تاریک ہو رہی ہے ... "

" تیری آنکھیں پھوٹ گئیں ! " حکمت کی دیوی نے وقار سے کہا " اے کائنات کے سٹے ' تیری آخری غفلت بھی اڑ گئی ! بے نقاب حقیقت کوئی بھی نہیں دیکھہ سکتا - اگر دیکھہ سکتا ہے تو اُسے پردوں ہی میں لپٹا دیکھہ سکتا ہے - کوئی دس پردوں کے اندر سے دیکھتا ہے - کوئی اِس سے کم میں دیکھتا ہے - کوئی اِس سے بھی زیادہ میں - مگر حقیقت عریاں کا مشاہدہ ناممکن ہے ... تونے دیکھنا چاہا ' تو تونے دیکھہ لیا کہ تو کیا دیکھہ سکتا ہے ! ... "

دیوکلس نے یہ سنا اور منھہ کے بھل زمین پر گر پڑا - اب اُسکے جسم میں روح موجود نہ تھی ... شاید " حقیقت " کی جستجو میں اُسنے دوسری دنیا کی راہ لی تھی ... "

الہلال

کا

یہ ۹ - وان نمبر ہی

لیکن

اسوقت تک ضرورت باقی ہے کہ توسیع اشاعت کی طرف آپ کو توجہ دلائی جاے -

اس میں شک نہیں کہ اصحاب ذوق نے جس طرح الہلال کا استقبال کیا ' شاید ہی اُسکی کوئی دوسری نظیر اردو اخبارات میں مل سکے - لیکن مشکل یہ ہے کہ پرچہ کی ترتیب و طباعت کا معیار بہت بلند ہے ' اور قیمت اُسکے مقابلہ میں بہت کم - اب یا تو قیمت بڑھانی چاہیے - یا اتنی وسیع اشاعت ہونی چاہیے کہ اُس سے قیمت کی کمی کی تلافی ہوجاے -

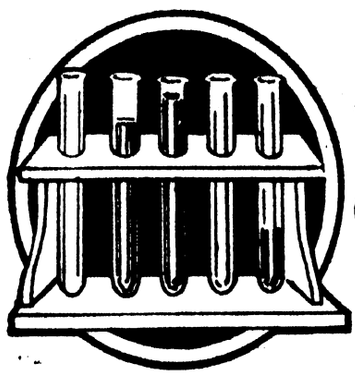

مذاکرہ علمیہ

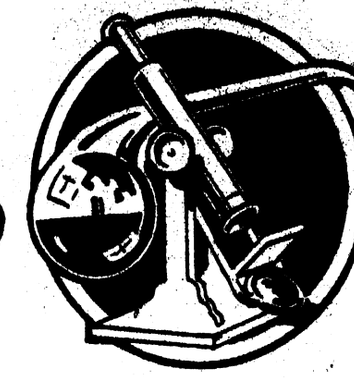

زمین پر کائنات حیات کا آغاز

علم و نظر کي درماندگیاں

روئے زمین پر ذي روح مخلوقات بہت مدت سے موجود ھیں - ماھرین طبقات الارض کا تخمینہ دس کروڑ سال کا ھے - بلا شبہ یہ تخمینہ ظني ھے - لیکن یہ یقیني ھے کہ بہت ھي قدیم زمانوں سے زمین پر زندگي موجود ھے - زمین کي زیادہ سے زیادہ گہري اور پراني پرتوں اور تہوں میں بھي زندہ کائنات کے نشان ملے ھیں -

(نظام شمسي)

زمین پر زندگي کا آغاز کب ھوا اور کس طرح ھوا ؟ اِس سوال سے پہلے یہ بحث سامنے آتي ھے کہ موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے خود زمین کي حالت کیا تھي اور اُس پر کتنے دور انقلاب کے گزر چکے ھیں ؟

زمین ' نظام شمسي میں داخل ھے - اِس نظام میں آفتاب مرکزي حیثیت رکھتا ھے - اور سیارے (گردش کرنے والے ستارے) اُسکے گرد گھوم رھے ھیں - یہ ستارے سورج سے بہت دور ھیں - مرکز سے جتني دوري بڑھتي ھے ' اُتنا ھي فاصلہ بھي زیادہ ھو جاتا ھے - ذیل میں تخمیني فاصلہ ملاحظہ ھو :—

عطارد	— ۰۰۰'۰۰'۴۰'۱	میل
زھرہ	— ۰۰۰'۰۰'۶۰'۲	"
زمین	— ۰۰۰'۰۰'۷۰'۳	"
مریخ	— ۰۰۰'۰۰'۶۰'۵	"
مشتري	— ۰۰۰'۰۰'۲۰'۱۹	"
زحل	— ۰۰۰'۰۰'۵۰'۵۵	"
اورانوس	— ۰۰۰'۰۰'۰۰'۷۳	"
نپٹون	— ۰۰۰'۰۰'۱۵'۱	"

مریخ اور مشتري کے مابین ایک عظیم دائرہ موجود ھے - اِس میں سر سے زیادہ چھوٹے چھوٹے سیارات ' آفتاب کے گرد گردش کرتے ھیں - اور اُس سے تقریباً دس کروڑ میل دور ھیں -

ھر بڑے ستارے کے ساتھہ ایک یا کئي چاند ھیں - اور اسکے گرد چکر لگاتے رھتے ھیں - چنانچہ زمین کے ساتھہ ایک ' مشتري کے ساتھہ چار ' زحل کے ساتھہ دس ' اورانوس کے ساتھہ چار ' اور نپٹون کے ساتھہ ایک ھے -

آفتاب اپنے مرکز میں رہ کر تمام کواکب کو اپني طرف جذب کرتا اور کھینچتا ھے - یہ تمام کواکب اور آفتاب مختلف قسم کي دھاتوں چٹانوں ' اور مشتعل گیسوں سے مرکب ھیں - یہ دھاتیں اُسي قسم کي ھیں ' جیسي زمین میں ھم دیکھتے ھیں - آفتاب اِن تمام کواکب سے بہت بڑا ھے - زمین کا قطر اسکے مقابلہ میں صرف ۱۰۸/۱ ھے - زمین کا حجم آفتاب کے حجم کے سامنے صرف ۱۲۸۰۰۰۰/۱ ھے - مشتري سب سے بڑے ستاروں میں ھے - مگر اسکا قطر بھي آفتاب سے ۱۵/۱ کي نسبت رکھتا ھے - فلکیوں نے تمام کواکب اور آفتاب کے وزن کا بھي تخمینہ لگایا ھے - انکے اندازہ میں آفتاب اپنے تمام کواکب کے مجموعي وزن سے بھي سات سو گنا زیادہ وزني ھے - زمین تو اسکے مقابلہ میں بالکل ھي بے حقیقت ھے - وہ زمین سے ۳۲۴۰۰۰ گنا زیادہ وزني ھے !

آسمان پر آفتاب کے علاوہ اور نظام شمسي سے باھر ' بعض اور کرے بھي موجود ھیں - ان میں سے بعض نظام شمسي سے بھي زیادہ بڑے ھیں - یہ اثیر (ایتھر) اور گیسي مواد سے مرکب ھیں - اور خود اپنے گرد گردش کرتے رھتے ھیں -

اِس مشاھدہ کے بعد اگر ھم نظام شمسي کو دیکھیں ' اس کے انداز پر غور کریں ' اور اپنے مرکزي آفتاب ' اور اسکے حلقہ کے کواکب کي گردش پر نظر ڈالیں ' پھر اسکے بعد اثیر کے کرون پر غور کریں ' تو باھمي مشابہت کي وجہ سے فوراً ذھن میں یہ خیال پیدا ھو جائیگا کہ شاید آفتاب کي تاریخ اثیر ھي سے وابستہ ھے -

اِس خیال کي تائید اِس امر واقع سے بھي ھوتي ھے کہ اگر ھم کسي سیال مادہ میں گردشي حرکت پیدا کردیں ' تو فوراً دیکھینگے کہ وہ کئي حلقوں میں منقسم ھوگیا ھے - سب حلقے مرکز کے گرد گھوم رھے ھیں اور خود ھر حلقہ اپنے اندر ایک گردشي حرکت رکھتا ھے - یہ حرکت بہت بڑي علمي اھمیت رکھتي ھے - جیسا کہ ابھي معلوم ھوگا -

(زمین میں حرارت)

اگر ھم زمین کے اندر اُتریں (جیسا کہ کانوں میں یا کنویں کھودتے وقت دیکھا گیا ھے) تو ھر ۳۳ میٹر گہرائي میں حرارت ' سنٹي گریڈ کا ایک درجہ بڑھتي جائیگي - اِس حساب سے ایک لاکھہ کیلو میٹر نیچے ' حرارت کا درجہ تقریباً تین ھزار ھوگا - معلوم ھے کہ اتني حرارت جملہ معدنیات کے پگھلا ڈالنے اور اکثر معلومہ مرکبات کو گیس بنادینے کیلیے بالکل کافي ھے - پھر ھمیں یہ بھي معلوم ھے کہ زمین کا نصف قطر تقریباً چھہ ھزار کیلومیٹر (۰۰۰'۰۰'۶۰ مٹر) ھے - بنابریں زمین کے مرکزي حصہ کا حجم ' جو مشتعل معدني مواد سے مرکب ھے ' اُسکي اِس سطح یا چھلکے کے حجم سے بہت زیادہ ھے جسپر ھم آباد ھیں -

زمین کا مرکزي حصہ سیال ھے یا ٹھوس ؟ اِس بارے میں علماء میں اختلاف ھے - بڑا گروہ اُسے ٹھوس بتاتا ھے ' کیونکہ زمین کي

منجمد سطح اور اُسکے اوپر کي فضا اپنا بوجھ اُس پر ڈالے ہوئے ہے - زمین پر اِس وقت جس طرح کے آتش فشاں پہاڑ نظر آتے ہیں ایسے ہي پہاڑ اُن قدیم زمانوں میں بھي موجود تھے جو زمین کي عمر کا ابتدائي زمانہ تھا - اصطلاح طبقات الارض میں یہ دور " عہد ارضي " کہلاتا ہے -

گرم چشموں کا وجود اِس بات کي قطعي دلیل ہے کہ زمین کا باطن ایک عظیم مشتعل کرہ ہے - چونکہ جزء ہمیشہ کل کے ماتحت ہوتا ہے اس لیے عملاً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین کي یہ پتلي پپڑي یا چھلکا بھي ایک زمانہ میں اپنے کل کي طرح مشتعل ہوگا - زمین اپني تاریخ کے کسي قدیم دور میں آتشي کرہ تھي -

چاند کو بھي اگر دوربین سے ہم دیکھیں تو اُس میں آتش فشانوں کے نمایاں نشان پائینگے - اِس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ چاند پر بھي تقریباً ویسے ہي تاریخي انقلاب طاري ہو چکے ہیں جیسے زمین پر گزر چکے ہیں -

(کانٹ اور لاپلاس کا نظریہ)

اِس طرح کے مشاہدات پر غور کرنے کے بعد جرمن فلاسفر کانٹ اور اس کے بعد فرنچ ریاضي داں لاپلاس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ شروع میں پورا نظام شمسي نہایت ہي گرم گیس کا کتلہ تھا - یہ کتلہ کسي نا معلوم محرک کے ذریعہ خود اپنے گرد گھومنے لگا - اِس حرکت نے حلقے پیدا کیے - پھر ان کے مرکز میں کثافت و انجماد پیدا ہوگیا ' اور اِس کیفیت کے بعد یہي مرکز آفتاب بن گیا - پھر گردشي حرکت کي وجہ سے اُن حلقوں کے اندر بھي حلقے پیدا ہوتے گئے - اِن ثانوي حلقوں میں سے ہر حلقے کے مرکز میں کثافت و انجماد کي کیفیت پیدا ہوئي اور ایک نیا کوکب ناري بن گیا - پھر اس مرکز سے محیط حلقوں میں بھي کثافت و انجماد کا عمل شروع ہوا اور بتدریج ایک یا کئي چاند پیدا ہوگئے - مگر یہ بھي اُس وقت آتشیں تھے - بتدریج ٹھنڈے ہوکر موجودہ شکل میں آئے ہیں - بعض کواکب کے گرد اب تک اُس تاریخي عہد کے حلقے موجود ہیں - چنانچہ دوربین میں زحل کے گرد علاوہ اُس کے دس چاندوں کے ' تین تہیں رکھنے والا گیسي حلقہ بھي دکھائي دیتا ہے -

خاص زمین کے متعلق مذکورہ بالا علماء کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بتدریج ٹھنڈي ہونا شروع ہوئي ' یہانتک کہ اُس کي سطح جم گئي - جب زمین کي حرارت ۳۵۰ درجہ پر پہنچي تو اُس پر پارے کي موسلا دھار بارش ہوئي - جب حرارت اور کم ہوئي اور ۱۰۰ درجہ پو آئي ' تو کھولتے ہوئے پاني کي بارش شروع ہوگئي - مگر چونکہ زمین اور اُس کي فضا کي حرارت ہنوز بہت زیادہ تھي ' اِس لیے پاني جمع نہ ہوسکا اور بھاپ بنکر اڑ گیا - پھر جب حرارت ۱۰۰ درجہ سے بھي کم ہوگئي ' تو اُس وقت بارش کا پاني جمع ہوا اور سمندروں کي تدوین ہوئي - اُس زمانہ کے سمندروں کا رقبہ موجودہ سمندروں سے بہت زیادہ تھا - کیونکہ اُس وقت زمین کا داخلي حصہ بہ سبب شدت حرارت کے پاني سے خالي تھا - اور اُسکي موجودہ سلوٹیں وجود میں نہیں آئي تھیں جنھوں نے بعد میں پہاڑ اور سمندر کي گہرائیاں بنائیں - سمندر کے متعلق یہ خیال محض نظریہ نہیں ہے بلکہ علماء طبقات الارض کا مشاہدہ ہے -

(کائنات حیات)

اب زندہ کائنات کي بحث سامنے آتي ہے - ظاہر ہے بہت شدید حرارت میں زندگي موجود نہیں ہوسکتي - اس لیے لازمي طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمین اپنے اوّلین زمانوں میں زندگي سے خالي تھي - یہ تسلیم کرنے کے معني یہ ہوئے کہ ہم یہ بھي تسلیم کرتے ہیں کہ زمین پر زندگي ہمیشہ سے موجود نہیں تھي - بعد میں اُسکا آغاز ہوا -

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگي یا اوّلین ذي روح کائنات کا آغاز کن مواد سے ہوا ؟ کیا اُن جیسے ہوئے معدني مواد سے جو شدید حرارت کي وجہ سے اوّلین سمندروں میں پاني کي طرح بہہ رہے تھے ' اور گرمي کے کم ہونے پر جم گئے ؟ اگر یہ مان لیا جائے تو بحث ختم ہوجاتي ہے -

(دو مذہب)

لیکن بعض موانع ایسے موجود ہیں کہ اِس بات کا فوراً تسلیم کرلینا ممکن نہیں - اس کا فیصلہ اِس مسئلہ کے فیصلہ پر موقوف ہے کہ غیر ذي روح اشیا سے ذي روح اشیا پیدا ہوسکتي ہیں یا نہیں ؟ اس بارے میں جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ نہیں ہوسکتیں یا کم از کم نہیں ہوتي ہیں ' لیکن تولد ذاتي کے قائل اسکے خلاف ہیں -

مذہب جمہور کي بنیاد واضح ہے - وہ کہتے ہیں اس طرح کي کوئي تخلیق علمي طریقہ پر ثابت نہیں ہوئي ہے - ایک زمانہ میں عوام کا یہ خیال خواص میں بھي پھیلا ہوا تھا کہ بہت سے جانور مٹي ' پاني ' اور مختلف غیر ذي روح مواد سے پیدا ہو جاتے ہیں - مثلاً وہ سمجھتے تھے ' حشرات الارض مٹي اور پاني سے پیدا ہو جاتے ہیں - مکھیاں اور مچھر گندگي اور کیچڑ سے پیدا ہوکر اڑنے لگتے ہیں - مینڈک کے بچے بارش کے ساتھ ہي زمین سے اُٹھنے لگتے ہیں - یا پنیر اور اسي طرح کي چیزوں میں خود بخود کیڑے رینگنے لگتے ہیں - لیکن اب تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ یہ تمام جاندار غیر جاندار مادے سے پیدا نہیں ہوتے - بلکہ جاندار مخلوق ہي سے جان حاصل کرتے ہیں - ان سب کي پیدایش مختلف قسم کے کیڑوں اور مکھیوں کے انڈے سے ہوتي ہے جن میں سے بعض چشم غیر مسلح سے اور بعض خورد بینوں سے دیکھے جاسکتے ہیں - پنیر کے کیڑوں پر ایک زمانہ میں بہت زور دیا جاتا تھا - مگر ثابت ہوگیا کہ وہ خاص قسم کي مکھي کے انڈوں سے پیدا ہوتے ہیں ' اور اگر انکي حفاظت کي جاے تو وہ بڑے ہوکر مکھي کي شکل اختیار کرلینگے - یہ بات سترھویں صدي کے وسط ہي میں پایۂ تحقیق تک پہنچ گئي تھي کہ مٹي وغیرہ سے جانداروں کي پیدایش کا خیال غلط ہے -

لیکن دوسرا مذہب اُن لوگوں کا ہے جو " تولد ذاتي " کے قائل ہیں - خوردبیں کي ایجاد نے انہیں تقویت دي - اُنھوں نے اعلان کیا کہ ایک خاص طرح کے جاندار ' مردہ پتیوں کے رس جیسے سیال مادوں میں پیدا ہو جاتے ہیں - لیکن میلن اڈورز اور شوان وغیرہ علماء علم الحیات نے اس سے انکار کیا - وہ کہتے ہیں اگر ہم ان سیال مادوں کو آگ پر رکھکر کھولائیں اور اُن جراثیم سے آلودہ نہ ہونے دیں جو ہوا میں موجود ہیں ' تو ان میں کبھي یہ جاندار پیدا نہ ہونگے - یہ بھي در اصل ہوا کے جراثیم کي پیداوار ہیں -

مذہب " تولد ذاتي " کے ماننے والوں نے جراثیم (خوردبیني کیڑوں) کي نسبت بھي دعوا کیا تھا کہ یہ اُن قابل حیات اور معدني مواد سے پیدا ہوتے ہیں جو سیال مادوں اور بیمار جسموں میں موجود ہیں - لیکن پاسٹیور نے اسکي تغلیط کي - اس نے ثابت کیا کہ اس میں بھي وہي غلطي ہے جو بڑے جانوروں کي پیدایش کے سطحي معائنہ میں ہوئي تھي - یہ جراثیم بھي ہوا کے ہوائیم سے

پیدا ہوئے ہیں' اور ایک جان سے دوسرے وجود کی جان متولد ہوتی ہے - چنانچہ اس نے تصویر کرکے دکھا دیا کہ انجیکشن کا فارم' گوشت کا سب' اور آلو جیسی ترکاریاں جو ارگنی مزعومہ پیدایش کا سب سے بہتر اور اصلح محل ہیں' جب ہوا سے بالکل محفوظ کردی جاتی ہیں یا بہت اچھی طرح اُبالدی جاتی ہیں' تو ان میں جراثیم کی پیدایش بالکل نہیں ہوتی - موجودہ علماء مادیئین کا خیال ہے کہ پاسٹیور نے اپنے تجارب سے مذہب تولد ذاتی کی دلیلیں کمزور کردی ہیں -

عہد آخر کے حکما میں ارنسٹ ہیگل' مذہب تولد ذاتی کا سب سے بڑا عالم ہے - وہ کہتا ہے " اگر فی الحال تولد ذاتی کا وقوع ناممکن نظر آتا ہے تو اِس سے بطلان لازم نہیں آجاتا - کیونکہ جس زمانہ میں یہ واقع ہوا تھا ' اُس وقت سمندروں کا پانی ایک خاص طبعی حالت اور کیمیاری خاصیت رکھتا تھا - حرارت کا درجہ ' نمک کی نوعیت' اور پگھلے ہوئے گیسوں کی کیفیت کچھ اور ہی طرحکی تھی - ایک محدود زمانہ تک یہی حالت رہی - پھر اُس کے بعد کبھی پیش نہیں آئی - لہذا تولد ذاتی کے اِس وقت محال نظر آنے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ اُس عہد میں بھی محال تھا - اب زمین کی وہ حالت باقی نہیں رہی ہے جو اُس وقت تھی جب تولد ذاتی شروع ہوا تھا -

لیکن اس مذہب کے مخالف کہتے ہیں ' مشاہدہ اس خیال کی تصدیق نہیں کرتا - علماء علم الحیات نے سخت کوششیں کیں - طرح طرح کے تجربے کیے ' قسم قسم کے ما حول طیار کیے ' مختلف مواد میں کمی بیشی کی ' حرارت اور تمام معلوم شعاعوں کی روشنی مہیا کی ' لیکن پھر بھی زندگی بے جان مواد سے پیدا نہ ہوسکی - وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زندگی کے آغاز کے وقت سمندروں کی حالت کیسی ہی خاص اور زندگی پیدا کرنے کے لیے صالح کیوں نہ ہو' لیکن اس حالت سے بہتر نہیں ہوسکتی جو مختلف سوائل جمع کرکے علماء حیات نے اب مہیا کردی ہے - تاہم کوئی کامیابی نہیں ہوئی -

(مختلف نظریے)

پھر آخر زمین پر زندگی کا آغاز کیوں کر ہوا ؟ اوپر کی بحث سے یہ گتھی ذرا بھی نہ سلجھی -

ایک بہت بڑا ماہر علم الحیات کہتا ہے " زمین پر زندگی ننھے ننھے کیڑوں اور سوکھے جراثیم کی شکل میں آئی ' مگر یہ اُن چھوٹے بڑے معدنی ٹکڑوں کے ذریعہ پہنچی تھی جو دوسرے ستاروں سے ٹوٹ کر ہماری زمین پر گرے تھے - اس وقت وہ اُس زندگی کے لیے مناسب ماحول رکھتی تھی " اِس عالم کا خیال ہے کہ کواکب میں زندگی ازل سے موجود ہے - اِنہی کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر دوسرے کواکب میں زندگی کے جراثیم پہنچاتے رہے ہیں -

مشہور عالم علم الحیات ہل مہنز اور ٹامسن کی بھی یہی رائے ہے - پروفیسر ارمنیس نے یہ نظریہ اور زیادہ وضاحت و اضافہ کے ساتھ بیان کیا ہے - وہ کہتا ہے " زندگی بھی اُسی طرح ازلی ہے جس طرح خود مادہ ازلی ہے - زندگی کے تخم یا جراثیم کواکب سے ہمیشہ جدا ہوتے رہتے ہیں - آفتاب کے نور میں یہ خاصیت موجود ہے کہ وہ اِن حقیر جراثیم کو پھیلاتا اور فضا میں بہاتا ہے - آفتاب کے نور کی یہ خاصیت مکسویل کے تجربوں سے یقینی طور پر ثابت ہوچکی ہے - بنابریں فضا اِن جراثیم سے لبریز ہے - یہ جراثیم پانی اور ہوا سے محروم ہونے پر بھی زندہ رہتے ہیں - نیز بالائی فضا کی سخت سردی بھی برداشت کرلیتے ہیں - علماء کا خیال ہے کہ وہاں برودت صفر سے ۲۲۰ - درجہ نیچے ہے - یہ جراثیم ہر لمحہ بہت بڑی مقدار میں آسمانی اجزاء کے ساتھ ایک ستارہ سے دوسرے ستارے میں گرتے رہتے ہیں - آفتاب کی قوت دافعہ اس نقل و حرکت میں اُنہیں مدد دیتی ہے "

لیکن تولد ذاتی کا مذہب بھی اس وقت تک سپر انداز نہیں ہوا ہے - ارنسٹ ہیگل کے بعد بفلوگر نے اس کی از سر نو صدائیں بلند کیں - اُس کا نظریہ بھی ہیگل کے نظریہ سے مشابہ ہے - وہ کہتا ہے " قابل حیات مادہ زلالیہ (Albumen) بلا کسی واسطے کے اُس وقت خود بخود موجود ہوگیا تھا جب زمین کے پانی میں زندگی قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی - اِس مادہ کی تکوین ' سیانوجن (نتروجن اور کاربن کا مرکب) آکسیجن ' اور دوسرے پگھلے ہوئے معدنی مواد کے اتحاد کا نتیجہ تھی - جوں ہی اِن اشیاء کا باہم اجتماع ہوا ' قابل حیات مادہ زلالیہ وجود میں آگیا - پھر تدریجی ترقی کے بعد ادنی جانداروں کی شکل میں تبدیل ہوگیا - یہی ابتدائی جاندار ' جملہ حیوانات و نباتات کی اصل ہیں " اِس عالم کا خیال ہے کہ شروع میں صرف ایک جاندار نے ظہور کیا تھا - پھر اُس سے دو جاندار پیدا ہوگئے - یہی دونوں جملہ ذی روح کائنات کے مورث اعلی ہیں - ایک سے نبات کا سلسلہ شروع ہوا - دوسرے سے حیوان کا -

سنہ ۱۸۸۰ - میں ایک عالم پریپر نے تمام علماء سے مختلف مذہب اختیار کیا - وہ کہتا ہے "عالم کون میں زندگی ازلی و قدیم ہے - زمین پر زندگی اسوقت بھی موجود تھی جب وہ ایک آتشی کرہ تھی" وہ یہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ جمادات سے زندگی کا آغاز ہوا - اُسکا دعوی ہے کہ خود جمادات کسی ازلی زندگی سے پیدا ہوئے ہیں - ظاہر ہے کہ یہ قول شاذ اور کمزور ہے - مشاہدے کے بھی خلاف ہے - ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ زندہ کائنات ایک خاص درجہ تک ہی حرارت برداشت کرسکتی ہیں - زیادہ سے زیادہ حرارت برداشت کرنے والے جراثیم کے تخم بھی سنٹی گریڈ کے ۱۲۰ - درجہ میں ۲۰ - منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے - ایسی حالت میں زندگی کا اسوقت موجود ہونا جب یہ کرہ ایک آتشی کرہ تھا ' کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے ؟

(وما اوتیتم من العلم الا قلیلا)

غرضکہ زندگی کی گتھی باوجود علم کی اس تمام جد و جہد کے ' ابتک سلجھ نہیں سکی ہے - یہ ایک معما ہے جس کا حل عقل انسانی کی دسترس سے باہر تھا اور اب تک باہر ہے - جس قدر بھی نظریے قائم کیے گئے ہیں ' ازل تو وہ نظریہ سے زیادہ نہیں ' پھر ان میں بھی اس قدر فکر کا اضطراب اور رائے کا اختلاف ہے کہ ظلمات بعضہا فوق بعض کے مصداق ہیں - اب سے تیرہ سو برس پہلے اس بارے میں ادعائے علم نے نہیں بلکہ ازلی وحی نے ایک اعلان کیا تھا یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی دنیا آج بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی - اور اس لیے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا حکم بدستور عقل انسانی پر حکمران ہے !



آثار عتیقه

علم الآثار

(Archaeology)

جدید علم الآثار کي بنا غالباً سب سے پہلے شمپولین نے ڈالي - اِسنے علاقہ "رشید" (مصر) میں ایک سنگي لاٹ دیکھي - اِس لاٹ پر ایک هي تحریر تین قسم کے رسم الخط میں لکھي تھي : هیرو گلیفي (قدیم مصري کاهنوں کا خط)' دیموتیکي (قدیم مصري عوام کا خط)' خط قبطي (یہ خط در اصل یوناني هے - مصر کے فرمانروا خاندان بطلیموس نے اِسے جاري کیا تھا) درحقیقت یهي تحریر بعد میں علم الآثار کي بنیاد بن گئي - اُس سے هیروگلیفي اور دیموتیکي ' دونوں رسم الخط معلوم هو گئے - اِتنا هي نہیں بلکہ قدیم مصري زبان بهي اسکے ذریعہ مدون کر لي گئي -



مصر کي ایک سب سے زیادہ محفوظ ممي

آثار قدیمہ کے انکشاف میں اتفاقات زمانہ کو بہت دخل هوتا هے ' اگرچہ صحیح قیاس و اندازہ سے بهي بڑي مدد ملتي هے -

چنانچہ یورپ کا ایک قدیم ترین اثر اِس طرح دریافت هوا کہ اسپین میں بعض آدمیوں نے محض اتفاق سے ایک غار میں جھانکا تو اُسکي دیواروں پر اُنھیں تصویریں نظر آئیں - یہ تصویریں اُن حیوانات کي تھیں جو اب روئے زمین پر موجود نہیں هیں - لیکن قدیم ترین زمانوں میں موجود تھے - دور حجري کے انسانوں نے یہ تصویریں بنائي تھیں - ان سے ایک طرف یہ معلوم هوگیا کہ اِس قسم کے حیوان ایک وقت میں موجود تھے' دوسري طرف یہ پتہ چل گیا کہ انسان کي فني ترقي کے ابتدائي نمونے کیسے تھے ؟

اِسي طرح یونان کے ایک علاقہ میں ایک مرتبہ ریل گاڑي ٹوٹ گئي - بعض مسافر ٹہلتے هوئے اتفاق سے ایک ٹیلے پر چڑھ گئے - وهاں اُنھیں ایک قدیم آبادي کے نشان ملے - تحقیقات سے ثابت هوا کہ یہ آبادي' سن عیسوي سے ایک هزار برس پہلے یہاں قائم تھي -

اِسي طرح یونان میں ایک شخص کو اتفاق سے ٹوٹے هوئے ظرف کا ایک ٹکڑہ ملا - اِس پر یہ پہیلي کندہ تھي "دیو جانس فلسفي سے پوچھا گیا : وہ کون حبشي هے جو سفید روٹي کھاتا هے ؟ حکیم نے جواب دیا : وہ رات هے جو دن کو نگل لیتي هے"

آثار قدیمہ کے انکشاف میں افواهوں اور افسانوں سے بهي بڑي مدد ملتي هے - چنانچہ شہر تدمر کا پتہ اِسي طرح چلا کہ اُن اطراف کے بدوؤں میں ایک ٹیلہ کے متعلق مشہور تھا کہ اسکے نیچے شہر تدمر مدفون هے -



ایک دوسري نعش مکملہ حالت میں

اسي طرح شہر ٹراوڈہ کا پتہ اس طرح چلا کہ ایک جرمن لڑکا هومر کي الیڈ پڑہ رها تھا - پڑھتے پڑھتے اُسے شوق هوا کہ اس عجیب مقام کي سیر کرے جسکي توصیف میں هومر نے فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے هیں - لڑکے پر بڑي بڑي مصیبتیں پڑیں مگر یہ شوق اُسکے دل سے نہ گیا - علماء تاریخ کہتے تھے کہ ٹرواڈہ کا کوئي وجود نہیں هے ' محض هومر کا تخیل هے - لیکن نوجوان نے اُنکي بات نہ سني اور ۳۵ سال کي عمر میں اُس مقام پر جا پہنچا جہاں ٹرواڈہ کي موجودگي بتائي گئي تھي - چند سال زمین کھودتا رها - یہانتک کہ ٹرواڈہ کے نشان مل گئے !

سب سے بڑا قدیم اثر جو اس وقت تک دریافت هوا هے ' وہ مشہور اٹالین شہر "پامپي" هے - پہلي صدي عیسوي میں آتش فشاں پہاڑ نے اسے اپني راکھہ سے توپ دیا تھا - اب یہ کھود کر نکال لیا گیا هے - اسکي سڑکوں پر ابتک گاڑي کے پہیوں کے نشان موجود هیں - دیواروں پر سرکاري اعلان چسپاں هیں - دکانیں بدستور موجود هیں - ایک شراب خانہ میں مرمري میز اپني اصلي حالت پر رکھا هوا هے - اسکے کنارے کثرت استعمال سے گھسے هوئے هیں - گھروں میں پاني کے نل لگے هوئے هیں - کمروں میں تصویریں آویزاں هیں - صحنوں میں بدستور باغیچے اور چمن هیں - اگرچہ سب تقریباً پتھرا گئے هیں -

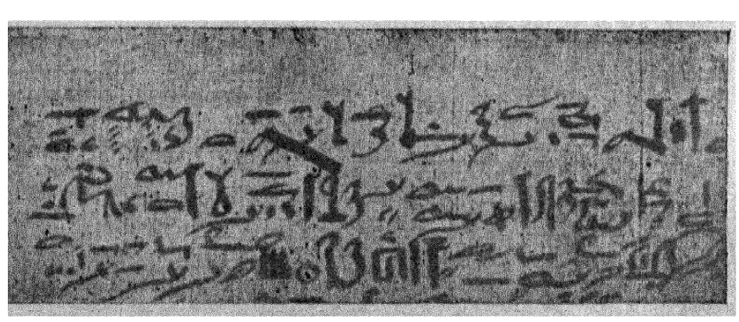

دنیا کي سب سے پراني کتاب طب : مسٹر اڈوین اسمتھ نے اس منقش پتھر پر طبي مسائل پڑھے جو مصر سے برامد هوا تھا - اِس پر هیرٹیک حروف کندہ هیں جو هیرو گلیفي خط کي ایک شاخ هے -

اسي طرح ٹیونس کے سمندر میں ایک کشتي ملي هے - یہ دو هزار برس پہلے غرق هوئي تھي - اِس میں سنگ مر مر کے ۶۵ ستون رکھے گئے تھے -

مغربي چین میں ایک مدفون کتب خانہ دستیاب

دارا شاہ ایران کے نقوش خط میخي میں جن سے اولن‌سن نے خط میخي کے پڑھنے کي کنجي معلوم کي -



هوا هے - [illegible] جاتا هے ' دسویں صدي میں یہہ دفن هوگیا تها - اِسمیں بابلي ' چیني ' اور ترکي زبانوں کي ۵۰۰ فٹ مکعب تحریریں موجود هیں -

شمالي ایشیا اور جنوب روس میں ایک اسکیتهي بادشاہ کي قبر ملي هے - یہ قبر دریائے ڈینیپر کے کنارے علاقہ ملیٹوپول کے قریب واقع هے - اِس کي تاریخ چوتهي صدي قبل مسیح تک پہنچتي هے - بادشاہ کے ساتهہ اُس کي تلواریں ' کمانیں ' ذرع ' خود ' قسم قسم کے زیور ' طلائي کنگها ' اور دوسري بہت سي چیزیں دفن تهیں - اِتنا هي نہیں بلکہ اِس سامان کے پہلو میں بادشاہ کا سائیس ' خادم خاص ' شمشیر بردار ' اور پانچ گهوڑے بهي مدفون ملے هیں -

آثار قدیمہ کے اکتشاف کا میدان ابهي بہت وسیع هے - کیونکہ ابهي مصر میں بکثرت ایسے قبرستان موجود هیں جنهیں هاتهہ بهي نہیں لگایا گیا هے - عرب ' چین ' اور وسط ایشیا میں تو اب تک کچهہ کام هوا هي نہیں هے - یمن میں بے شمار آثار ' بتوں کي شکل میں نمایاں هیں ' اِس وقت تک اِن کي تحقیق نہیں هوئي هے - زمین کے اندر جو کچهہ دفن هے ' وہ اِس کے علاوہ هے -

امید کي جاتي هے کہ جس وقت آثار قدیمہ کا علم ترقي کرجائیگا تو انسان کي تدریجي ترقي کي پوري تاریخ معلوم هوجائیگي -

ذیل کي فہرست سے معلوم هوگا کہ اِس وقت کن کن ملکوں میں آثار قدیمہ کي تحقیقات هو رهي هے اور کون کون جماعتیں یہ کام کر رهي هیں :

رشید (مصر) کا مشہور پتهر جس سے شمپولین نے هیرو گلیفي خطوط کا راز حل کیا -

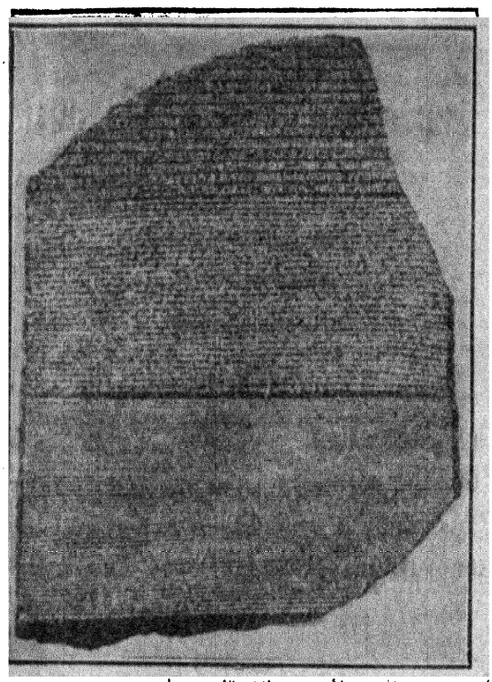

(۱) امریکہ کا عجائب خانۂ تاریخ طبیعي - اِسکي جماعتیں مکسیکو اور منگولیا میں کام کر رهي هیں - اِنکا موضوع بحث علم الحیوان ' طبقات الارض ' اور تنقیب هے -

(۲) امریکن میٹروپولیٹ عجائب خانۂ فنون - اِسکي جانب سے قدیم مصري تمدن کي تحقیقات هو رهي هے -

(۳) پنسلفانیا کي یونیورسٹي ' بابل ' فلسطین ' اور مصر میں تحقیقات کر رهي هے -

(۴) هارورڈ یونیورسٹي اور عجائب خانۂ فنون جمیلہ کي جماعتیں مصر میں ایتهوپیا کي شہنشاهي کے عہد کي تحقیقات میں مصروف هیں -

(۵) هارورڈ یونیورسٹي ' هوندوراس میں تحقیقات کر رهي هے -

(۶) کارنیگي انسٹیٹیوٹ ' یوکاتن (امریکا) میں تحقیقات کر رها هے -

(۷) امریکن سوسائٹي ایشیا ئے کوچک میں -

(۸) امریکن انڈین میوزیم ' میکسیکو اور کوہ اوزارک میں - اِس کا موضوع بحث امریکا کے سرخ فام انسانوں کي اصلیت معلوم کرنا هے -

(۹) برٹش فرنچ امریکن کمیٹي - بیت المقدس میں -

(۱۰) کارنافون (کانٹ کمیٹي) مصر میں -

(۱۱) ولي ز (برطانیا) کي کمیٹي - بابل اور اُر میں -

(۱۲) محکمۂ آثار قدیمہ اور کونٹ پرورک - ٹیونس میں قرطاجنہ کي تحقیقات کر رهے هیں -

(۱۳) سر جوزف ڈولین - قسطنطنیہ میں عہد بیزنطیني کي تحقیقات کر رهے هیں -

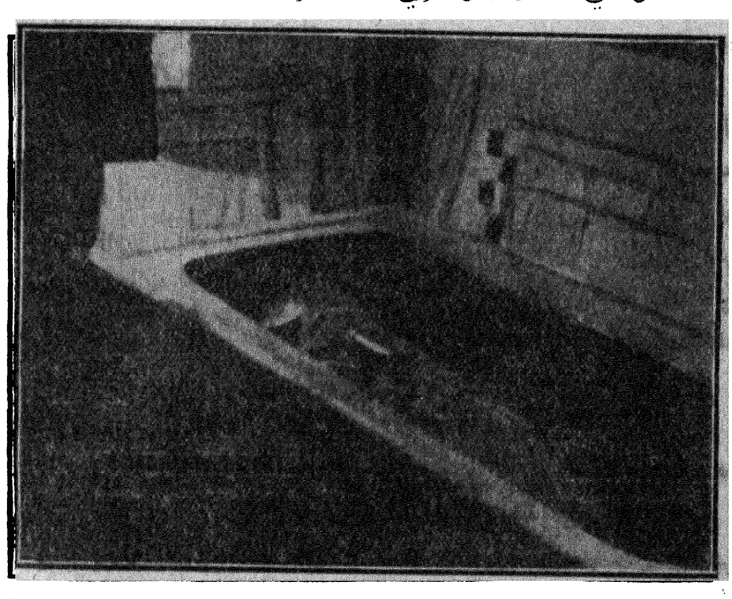

توت آنخ آمون کا تابوت اور اُس کي نعش کا نظارہ

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جـــان جـــاک روسو

اُسقف کا جواب

(۲)

پچھلے نمبر میں قارئین الهلال پیرس کے اُسقف اِعظم کے اعتراضات روسو پر سن چکے هیں - آج روسو کا جواب پیش کیا جاتا هے - یہ جواب پورے دو سو صفحے کي باریک حروف کي کتاب میں پھیلا هوا هے - اِس لیے اختصار کے سوا چارہ نہ تھا - تاهم اهم اور مفید پہلو ایک حد تک واضح کردیے گئے هیں -

(معذرت)

روسو نے اپنا جواب معذرت سے شروع کیا هے :

" اگر آپ صرف میري کتاب هي پر اعتراض کرتے تو میں هرگز آپ سے کوئي تعرض نہ کرتا - آپکو چھوڑ دیتا کہ جتني چاهیں نکتہ چیني کرتے رهیں - لیکن آپنے صرف کتاب هي پر نہیں بلکہ میري ذات پر بھي بحث کي هے - آپ کو دنیا میں جتني عزت اور قوت حاصل هے ' اُسی مناسبت سے آپ میں یہ بات بھي هوني تھي کہ اُن تہمتون سے بلند تر هوتے جن سے آپ نے مجھے آلودہ کرنا چاها هے "

(داستان مظلومي)

اِسکے بعد روسو نہایت بلاغت و مہارت سے اپنے قارئین کي همدردي حاصل کرني چاهتا هے - وہ اپني مسکیني و مظلومي ظاهر کرتا هے ' تمام یورپ کا اُسے خلاف متحد هو جانا اور عرصۂ زمین تنگ کر دینا یاد دلاتا هے ' پھر لکھتا هے :

" جنیوا کے غلام ' روسو کے هاتھہ میں کوئي قوت نہیں کہ اُن ظالم اور سرکش ججوں سے جواب طلب کرسکے ' جنکے سامنے اُس پر تہمت لگائي گئي ' اور جنھوں نے اُسے طلب کیے بغیر اُسکے خلاف فیصلہ صادر کردیا هے - اِتنا هي نہیں بلکہ اُسے قید کرنے کے بھي درپے هو گئے هیں - یہ " غلام " اگر عدالت میں طلب کیا جاتا ' تو اپني برأت ظاهر کرنے ضرور حاضر هوتا ' مگر چونکہ اُسے بلایا نہیں گیا ' اس لیے اُسے از خود حاضر هونے کي ضرورت بھي نہ تھي - چنانچہ وہ حاضر نہیں هوا - اس پر اُسکے خلاف جنگي قوت جمع کي گئي - اُسنے قوت کے مقابلہ سے گریز کیا ' اور اس سر زمین سے بھاگ نکلا جہاں کمزوروں پر ظلم کیا جاتا هے ' بغیر جرم کے سزا دیدي جاتي هے ' اور بغیر جواب سنے بیڑیاں پہنا دي جاتي هیں "

" اُسنے مجبوراً اپنا محبوب خلوت خانہ چھوڑا - اُن دوستوں کي جدائي سہي جنسے بڑھ کر اُسکے لیے کوئي عیش نہ تھا - اپنا ناتواں جسم لیکر هزاروں اندیشوں کے ساتھہ سر زمین حریت میں پہنچا - آہ میرا وطن جنیوا ! میں نے تیري آزادي کے کیسے کیسے گیت گائے ؟ تیرے حسن و جمال کي کیسي کیسي تصویریں بنائیں ؟ دنیا میں تیرا نام کس درجہ روشن کیا ؟ آہ ' میں کیا کہوں ؟ میرا دل سینے میں بیٹھا جاتا هے ' میرا هاتھہ کانپ رها هے ' میرا قلم گرا پڑتا هے ...

لیکن مجھے خاموش هي رهنا چاهئے - مجھے جرم کا ذکر بھي نہیں کرنا چاهئے ... کاش میں خفیہ طور پر هي اپني ناقابل برداشت مصائب کہہ سکتا ! کاش میں اپني دل کي گہرائي هي میں اپنے وطن کي شکایت کا خیال کر سکتا ! ... "

" یہ سب کچھہ کیوں هے ؟ میں اسکا حقیقي سبب نہیں پوچھتا - میں صرف اِسکا قریبي موجب معلوم کرنا چاهتا هوں - مجھہ پر الحاد کي تہمت لگانے کي جرأت کي گئي هے - مگر تہمت لگانے والے بالکل بھول گیے کہ جس کتاب پر انھیں اعتراض هے ' وہ سب کے هاتھوں میں موجود اور سب کي آنکھوں کے سامنے کھلي هوئي هے - مجھہ پر تہمت لگانے والے افسوس سے هاتھہ ملتے هیں : " کاش یہ کتاب کسي طرح مفقود هو جائے تا کہ هم پیٹ بھرکے تہمتیں تراش کرسکیں ! " لیکن اُنکي یہ امید کبھي پوري نہیں هوگي - کتاب اُنکي حسرت کے لیے همیشہ باقي رهے گي ' اور آئندہ آنے والي نسلیں فیصلہ کرینگي - وہ اعلان کرینگي کہ یہ تمام گناہ ' اُسکے مؤلف کي بد عملیاں نہیں هیں ' لیکن فضیلت کے ایک دوست کي ٹھوکریں هیں ! "

(ایک ملحد کا ذکر)

" میں معاصرین پر اظہار رائے نہیں کرونگا - میں کسي کو بھي نقصان پہنچانا نہیں چاهتا - لیکن کیا تم نے سبنوزا کا نام نہیں سنا ؟ اُسکے الحاد میں کسے شک هو سکتا هے ؟ وہ خود الحاد کا مدعي تھا - علانیہ الحاد کي تعلیم دیتا تھا - مگر نہ کوئي اُسکے اطمینان میں خلل ڈالتا تھا - نہ اُسکي کتابیں چھپنے سے روکي جاتي تھیں - اور نہ هي تاجروں کو اُنکي اشاعت کي ممانعت کي گئي - وہ فرانس آیا تو اسکے لیے ایک پر جلال استقبال طیار تھا - تمام ملکوں کے دروازے اُس پر کھلے تھے - وہ هر جگہہ امن کي بلکہ حکومتوں کي حمایت پاتا تھا - پادشاہ اُنکا خیر مقدم کرتے تھے ' اور وعظ و درس کے ممبر اُسکے لیے نصب کراتے تھے - یہ ملحد زندگي بھر مسرت و آرام بلکہ عزت و احترام پاتا رها "

(عہد حکمت و انسانیت !)

" لیکن آج ' جبکہ بیانگ دهل دعوي کیا جاتا هے کہ یہ فلسفۂ و حکمت اور انسانیت کا زمانہ هے ' دنیا کا حال کیا هے ؟ یہ هے کہ ایک شخص انساني محبت کے جذبہ سے مجبور هوکر آتا هے ' اور پوري احتیاط و احترام سے اپنے بعض خیالات پیش کرتا هے - کیسے خیالات ؟ وہ خیالات جو اُس موجود اعظم کي عظمت نے اُسکے دماغ پر نازل کیے هیں - لیکن دین الهي و حقیقت کے اِس حامي و ناصر کي زندگي تلخ کردي جاتي هے - یورپ بھر میں اُسے کہیں پناہ نہیں ملتي - اُسے خدا کا پیدا کیا هوا پاني پینے سے اور اُسکے اُگائے هوے درختوں کي لکڑي جلانے سے بھي روک دیا جاتا هے - وہ ذلیل و خوار پھرتا هے - جس گوشہ میں جاکر پناہ ڈھونڈھتا هے ' وهیں سے نکالدیا جاتا هے - نہ اُسکي غربت پر کسي کو ترس آتا هے - نہ اُسکي بیماریوں پر کسي کا دل کڑھتا هے - شریر سے شریر مجرموں اور خوني سے خوني ڈاکوؤں کا بھي اِس بے دردي سے کبھي تعاقب نہیں کیا گیا هوگا ' جیسا اِس بیکس و بے بس کا کیا گیا هے - اگر وہ ایک لمحہ کیلیے بھي کسي حکومت کے رحم پر بھروسہ کرلیتا ' تو آج یقیناً تاریک قید خانے میں پڑا سڑتا هوتا ' یا پھانسي کے تختے پر اُسکي لاش سوکھہ رهي هوتي ! "

(پادریوں کا چنگل)

" مر مر کے اپنے جلادوں کے پنجہ سے رہائی حاصل کی تھی - مگر وائے بدنصیبی ' فوراً قسیسوں کے چنگل نے اُسے آ دبوچا ! میں یہ اس لیے نہیں کہتا کہ مجھے اِس پر کوئی تعجب ہے - لیکن بلا شبہہ یہ عجیب ہے کہ ایسا شریف و نجیب انسان اور پیرس کا اُسقف اعظم ' جو صرف شریف النسب ہی نہیں بلکہ شریف النفس بھی ہے ' کیونکر اپنی جماعت کی بزدلی میں شریک ہوگیا ؟ حالانکہ اُسے ایسی دنائت سے بلند ہونا چاہیے تھا - ایک مذہبی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اُسکا فرض تھا کہ مظلوم پر ترس کھائے ' نہ یہ کہ اُلٹا مظلوم کے کچلنے پر کمربستہ ہو جائے - وہ مظلوم ' جو پہلے ہی سے زمانہ کے ہاتھوں کچلا جاچکا ہے "

" اِس اسقف اعظم کے تمام حاشیہ بردار اِس ناکردہ گناہ کے مٹاڈالنے پر تل گئے ہیں - وہ یقین کرتے ہیں کہ ہم اُسے ضرور بالضرور مٹادینگے - حقیر سے حقیر واعظ اور ادنیٰ سے ادنیٰ مجاور بھی کوشش کر رہا ہے کہ اِس خود ساختہ دشمن کے گلا گھونٹنے کا فخر صرف اُسی کو حاصل ہو ' اور اِسکے سر پر فیصلہ کن ضرب اُسی کے پاؤں کی ٹھوکر سے لگے !

(اُسقف نے کیوں فتویٰ شائع کیا ؟)

" اے میرے سردار ! کون شک کرسکتا ہے کہ اگر پیرس کی مجلس حکومت نے میرے خلاف حکم صادر نہ کیا ہوتا ' تو آپکو میری کتاب سے بغض کم ہوتا ؟ بلاشبہ بعض لوگ یہی خیال ظاہر کرتے ہیں - مگر آپ کا حق پسند دل اِسے ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا ' کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے - اے میرے آقا ! مجھے بتایئے آپنے ایسے پہلے میرا رد کرنے کی زحمت کیوں گوارا نہیں کی ؟ میں نے آپکے منصب کے خلاف رسالہ شائع کیا ' میں نے دی لامبرٹ کے نام خطوط چھاپے ' کئی کتابیں لکھیں ' مگر آپکے قلم کو کبھی جنبش نہ ہوئی ! حالانکہ میری اِن کتابوں میں بالکل ویسے ہی خیالات موجود تھے ' جیسے کتاب التربیت میں ظاہر کیے گئے ہیں - کیا آپنے میری یہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں ؟ حالانکہ اگر نہ پڑھی ہوتیں تو اپنے اِس رد میں اُن پر بحث نہ کرسکتے - کیا آپ کی یہ خاموشی آپکے دینی فرائض کے خلاف نہ تھی ؟ حالانکہ بقول آپکے اِن کتابوں میں بھی الحاد کی دعوت دی گئی ہے - کیا یہ حقیر مؤلف اُس وقت کم خطاکار تھا ' اور اب زیادہ ہوگیا ہے ؟ حالانکہ آپ اُسے پیدائشی خطا کار قرار دیتے ہیں - آخر کیا بات تھی جو اِتنی مدت تک زبان مبارک نہ ہلی ؟ یہ وجہ تو نہ تھی کہ اُس وقت آپکے دشمن کم تھے ' اور میں بھی خائنوں سے گھرا ہوا نہ تھا ؟ اُس وقت عوام میں میری کتابیں مقبول ہوچکی تھیں اور آپ عوام کے غصے سے ڈرتے تھے ؟ لیکن اب ' جبکہ حالات میں تبدیلی پیدا ہوئی - میرے دشمنوں نے ایکا کرکے مجھہ پر یورش کردی ' مجھے ملحد اور باغی مشہور کیا ' حکومت نے بھی ہتیار سنبھال لیے ' اور آپکے دشمنوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ پیشوائے اعظم ہوکر آپ اِس ملحد کے خلاف کچھہ نہیں کہتے ' گویا اپنی خاموشی سے اُسکی حمایت کر رہے ہیں ' تو آپ اپنے منصب کی حفاظت کے خیال سے اُٹھے ' اور اپنے دشمنوں کا منہہ بند کرنے کیلیے میرے خلاف فتویٰ شائع کردیا - اے میرے آقا ! کیا اسی سبب نے آپکو میرے خلاف برانگیختہ کیا ؟ اگر ایسا ہی ہے تو بلاشبہ میرے دماغ کو شدت تحیر سے سکتہ ہو جانا چاہیے ! "

اِس تمہید کے بعد روسو ' اُسقف کے بیان کا رد شروع کرتا ہے -

(صفات الٰہی)

اُسقف نے لکھا تھا :

" روسو کہتا ہے - میں خدا کی حقیقت سے بے خبر ہوں ' لیکن ساتھہ ہی یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ یہ موجود حقیقی علم ' قدرت ' ارادہ ' اور حکمت رکھتا ہے ! "

روسو جواب دیتا ہے : " خدا کی صفت ' علم ہے - لیکن اسکا علم کیا ہے ؟ انسان کا علم تو اُسکی قوت تفکر میں ہے ' لیکن علم اقدس کسی تفکر و تأمل کا محتاج نہیں - اُسکی تفکیر کے لیے نہ تو مقدمات ہیں ' نہ نتائج ہیں ' نہ فرض و قیاسات ہیں - اُسکا علم ازلی ہے - جو تھا ' جو ہے ' جو ہوگا ' سب اُس پر آشکارا ہے - تمام حقائق اُسکے سامنے ذرۂ ریگ سے بھی چھوٹے ہیں - تمام دنیا اُسکی نظر میں قطرۂ آب سے بھی محدود ہے ' تمام اگلے پچھلے زمانے اُسکے نزدیک لمح بصر سے بھی مختصر ہیں "

" باقی رہی قدرت الٰہی ' تو قدرت الٰہی کا یہ حال ہے کہ انسان کو اپنی قوت عمل کے لیے وسائل عمل کی ضرورت ہوتی ہے - لیکن خدا کو کسی وسیلے کی ضرورت نہیں - قوت الٰہی خود اپنی قوت سے عمل کرتی ہے - خدا قادر ہے ' کیونکہ وہ ارادہ رکھتا ہے - اور اُسکا ارادہ ہی اُسکی قدرت ہے ! "

" خدا ' لاریب خیر ہے - انسان کا خیر یہ ہے کہ کہ اپنے بنی نوع سے محبت کرے - لیکن خدا کا خیر اُسکا وہ نظام ہے جس سے وہ کائنات کو سنبھالے اور تمام اجزاء کو باہم جوڑے ہوئے ہے -

" خدا لاریب عادل ہے - عدل الٰہی بھی اُسکے خیر ہی کا ایک نتیجہ ہے - انسان کا ظلم ' خود انسان کا اپنا عمل ہے ' خدا کا عمل نہیں ہے - روح کا اضطراب ' جس کی وجہ سے فلاسفہ قدرت الٰہی کے منکر ہو جاتے ہیں ' میری نظر میں اِس لا متناہی قدرت کو اور زیادہ واضح کرنے والا ہے - انسان کا عدل یہ ہے کہ ہر حقدار کو اُسکا حق دیدے - خدا کا عدل یہ ہے کہ ہر ایک سے اپنی نعمتوں اور بخششوں کا حساب لے ! "

(حقیقت الٰہی)

" یہہ صفات میں نے عقل کی منطق کی راہ سے معلوم کی ہیں - لیکن میرے دماغ میں اُنکا مفہوم مرتب و مفصل نہیں ہے - میں اُنہیں تسلیم کرتا اور انپر اصرار کرتا ہوں ' مگر اُنکی پوری حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا - عقل اِسکا احاطہ کر ہی نہیں سکتی - اِسکے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوے کہ میں حقیقت سے لا علم ہوں - اور اسلیے میری حیثیت یہ نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں اور اصرار کرتا ہوں - میں اپنے دل سے بے فائدہ کہتا ہوں " یہی خدا ہے " میں بے فائدہ اُسکا شعور کرنا چاہتا ہوں - میں بے فائدہ اپنے ذہن میں اُسکا تصور کرتا ہوں - " بے فائدہ " اس لیے کہ اِس سے خدا کی حقیقت پر ذرا بھی روشنی نہین پڑتی - میں ہرگز معلوم نہیں کر سکتا ' خدا ایسا کیوں ہے ؟ اُس میں یہ صفات کیونکر قائم و موجود ہیں ؟

" میں اُسکی حقیقت جاننے کی جتنی زیادہ کوشش کرتا ہوں اُتنی ہی اُسکی حقیقت پوشیدہ ہوتی جاتی ہے - میری یہ عقل کی بے بسی مجھہ میں اُسکا اعتقاد و ایمان اور بھی زیادہ مستحکم کر دیتی ہے - میں جس قدر اُس کا تصور کم کر سکتا ہوں ' اُسی قدر اُس سے زیادہ وابستہ ہوتا اور اُتنا ہی اُسکی عبادت پر جھکتا جاتا ہوں - بالاخر اُس کے رو برو گر پڑتا ہوں اور کہتا ہوں " میرا وجود تجھی سے ہے اے خالق کائنات ! میں جس قدر زیادہ تجھہ میں غور کرتا ہوں ' تو اتنا ہی زیادہ میرا نفس بلند کرتا جاتا ہے ' مگر تیری حقیقت برابر مجھہ سے مستور ہی رہتی ہے ! تجھہ میں میرا فنا ہو جانا ' میری عقل کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ! تیری عظمت نے میری عقل مبہوت کردی ہے ' مگر میری نا توانی کو بھی قوت سے بدل دیا ہے ! "



حکمت اور شعر کے مختارات

حکما و شعراء مغرب کے بعض افکار و خواطر

(حسن)

حسن خدا کی مخلوق پر اُس کا مہر ہے — بیٹشر

حسن بغیر نزاکت کے ایسا ہے، جیسے بے نمک کھانا — امرسن

ارسطو سے پوچھا گیا " حسن کیا ہے ؟ " اُس نے جواب دیا " یہ سوال اندھوں سے کرنا چاہیے " — بیکن

حسن، جہان بھی ہوتا ہے، سراہا جاتا ہے — گوئٹے

حسن، ایک جال ہے، جس سے قدرت عقلوں کا شکار کرتی ہے — لیگس

عورت کا اپنے حسن پر غرور اُس کی طرف سے اقرار ہے کہ اُس کے پاس حسن کے سوا کوئی چیز قابل فخر نہیں — میڈ موزیل ڈی لسپیناس

خوبصورت عورت آنکھ کے لیے جنت ہے، قلب کے لیے دوزخ ہے، جیب کے لیے ویرانی ہے

خوبصورت، بد صورت سے اُسی طرح بچے، جس طرح ذہین، غبی سے بچتا ہے — پوپ

تمہاری یہی کیا کم فتح مندی ہے کہ تم خوبصورت ہو ؟ — ہوگز

جب ہم میں اس قدر صلاحیت پیدا ہو جائیگی کہ ہم خدا کے ہر عمل میں حسن و جمال محسوس کرنے لگیں گے، تو اُس وقت ہم دعویٰ کرسکیں گے کہ ہم اُس کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں — رسکن

حسن، تمام نوع انسانی کے لیے سعادت ہے - ہر مخلوق اُس کے زیر اثر آکر بھول جاتی ہے کہ وہ محدود ہے — شیلر

حسن سے محروم عورت، زندگی کی نصف لذت سے محروم ہوتی ہے — مڈیم ڈی مونٹارین

حسن بہت ہی کم عمر چیز ہے — ڈی لنکلر

اس یقین سے زیادہ عورت کے لیے کسی بات کا یقین مشکل نہیں کہ وہ اپنے حسن سے محروم ہوگئی ہے — روشیراون

کبھی عورت خوبصورت ہوتی ہے، مگر اُس کا حسن اُس وقت تک نہیں کھلتا، جب تک اس کا دل محبت کے لیے نہیں کھل جاتا — لا پروبیر

حسن، قدرت کا عورت کو سب سے پہلا عطیہ ہے، اور یہی سب سے پہلے اُس سے چھن بھی جاتا ہے — میرہ

عورت اپنے محبوب کی جدائی گوارا کرسکتی ہے مگر اپنے حسن کی جدائی گوارا نہیں کرسکتی — روشیراون

مرد کو شادی کے معاملہ میں اعلیٰ حسن سے پرہیز کرنا چاہیے - کیونکہ حسن قبضہ میں آتے ہی گھٹ جاتا ہے، مگر اُس کی مصیبتیں زندگی بھر باقی رہتی ہیں — روسو

جس عورت میں بجز حسن کے اور کوئی جوہر نہیں ہوتا، اُس کی مثال روغنی روٹی کی سی ہے - یہ گرم اچھی معلوم ہوتی ہے اور سرد ہوتے ہی اپنا سارا ذائقہ کھودیتی ہے — سیجور

(عورت)

تمدن اچھی عورتوں کے اقتدار کا نام ہے — امرسن

عورت کی شیرینی گلاب کی طرح جلد ختم ہو جاتی ہے — گوئٹے

زندگی کی سب سے لذیذ شیرینی، بیوی کا اپنے شوہر کو مخلصانہ سلام ہے — ولز

عورت کی انانیت اپنے اندر دو انانیتیں رکھتی ہے — مڈیم ڈی اسٹائل

خدا کی انسان پر سب سے قیمتی بخشش، عورت ہے - گویار

کاش، عورت تنہا میرا ہی حصہ ہوتی ! — اربیڈس

عورت انسان اور فرشتہ کے بین بین ایک مخلوق ہے — بلژاک

عورت اُس شخص کو حقیر سمجھتی ہے جو اُس سے محبت نہیں کرتا ہے، مگر وہ خود اُس سے محبت نہیں کرتی — ایلزبیتھ، اسٹوڈرٹ

***

انسان اپنے نفس کو اُسی وقت سمجھ سکتا ہے جب وہ مصیبت میں پڑتا ہے — الفرڈ ڈی موسیہ

شک، ہمیشہ امید کے پیچھے لگا رہتا ہے — بلژاک

ترقی لنگڑی چال چلتی ہے — سانت بو

نا مکمل تعزیت سے رنج زیادہ ہوجاتا ہے — روسو

عظمت، طمع، فوج، جنگی جہاز، تاج، تخت ! یہ انسان کے کھلونے ہیں جب وہ بڑا ہوجاتا ہے — وکٹر ہیوگو

میری تمام مصائب کی علت یہ ہے کہ میں لوگوں سے حسن ظن رکھتا تھا — روسو

(ذہانت)

ذہانت کیا ہے ؟ یہ محض سمجھنے کی صلاحیت ہی کا نام نہیں ہے - کیونکہ حیوان بھی سمجھ رکھتا ہے مگر ہم اُسے ذہین نہیں کہہ سکتے - سپاہی اپنی ڈیوٹی سمجھتا اور پوری کرتا ہے مگر ذہین نہیں کہلاتا - بندر کی ذہانت، محض ایک بے نتیجہ عقلی اضطراب ہے - جو بچہ اپنی حرکتوں سے تمہیں ہنساتا ہے، ذہین نہیں ہے - کیونکہ اُس میں بندر کی جبلت آگئی ہے - جو عورت بہت سی اشیاء کا علم رکھتی ہے، ذہین نہیں ہے - کیونکہ معمولی باتیں اس کے دماغ کو پراگندہ کر ڈالتی ہیں - کیا حساب داں ذہین ہوتا ہے ؟ شاعر کی نظر میں حساب داں مالیخولیا کا مریض ہے ! کیا شاعر، ذہین ہوتا ہے ؟ ریاضی داں شاعر کو سراسر بیوقوف سمجھتا ہے ! ماہر مالیات کی نظر میں ناول نویس، دو پاؤں کا احمق حیوان ہے ! جو آدمی، دور از کار نظریے بناتا ہے، کیا ذہین ہے ؟ کیا ہمیشہ خاموش رہنے والا ذہین ہے ؟ کیا اپنی عینک کے شیشوں سے، سرد اور بے اثر نظروں سے تمہیں دیکھنے والا ذہین ہے ؟ نہیں !

ذہانت کی تعریف ناممکن ہے — لا مارٹین

اگر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں، تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی، دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

یاد رکھئے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ سے ملیگا

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم بامسمّٰی ہوکر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شہرت مقبولیت حاصل کرکے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کرچکا ہو اور جسکو چشم بد (حاسد) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے گورنمنٹ سے رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہو۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کرچکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اسکی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع و برّاعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بیشمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہو کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہو کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کرسکتا ہو۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہو؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب۔ زنگرہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہو جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہو۔ مفرح قلب ہو۔ خوش ذائقہ ہو۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہو۔ اختلاج قلب دوران سر درد سر دستی وغیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہو۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہو۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراً طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہو اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہو کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کرکے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دیسی ہو خوش ہوں گے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہو کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اسپر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں واضح رہو کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہو اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہو۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہو جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپ کو مطلع کردے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہو

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Brutain

کا دوسرا ایڈیشن ہو۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بکسٹالوں سے مل سکتی ہو



دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوافروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

برید فرنگ

روس کا نفس پرست شاہی راہب

راسبوٹین

خاندان زار کی تاریخ کا آخری صفحہ

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم!

انیسویں صدی کا سب سے زیادہ ہولناک مگر عبرت انگیز واقعہ روس کے خاندان شاہی کی بربادی ہے۔ خود زار، زارینہ، ولی عہد، تمام شاہزادے، تقریباً پورا خاندان گولی مار کر قتل کر ڈالا گیا! یہ واقعہ فرانس کے لوئی شانزدہم اور اُس کے خاندان کے قتل سے بھی دہشتناک ہے! روس کے خاندان شاہی کی بربادی اور انقلاب سلطنت پر بکثرت کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور اُن تمام اسباب پر شرح و بسط سے بحث کی جا چکی ہے جو ان عظیم تغیرات و حوادث کا موجب ہوئے۔ ان اسباب میں سب سے بڑا اور سب سے عجیب سبب وہ ہے، جو بیسویں صدی کی متمدن دنیا کے لئے سخت حیرت انگیز ہو رہا ہے۔ یعنی روس کے حکمران اور اُس کی ملکہ کی مذہبی توہم پرستی، زود اعتقادی، اور علم و عقل سے محرومی ہے! یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان تمام تباہیوں کی اصلی علت ایک راہب تھا، جسکے دام تزویر میں زارینا اور زار پھنس گئے تھے۔

مشہور روسی شاہزادہ پرنس یوسوبوف کا روزنامچہ پچھلے دنوں شائع ہوا ہے۔ اس سے اس معاملہ پر اور بھی زیادہ گہری روشنی پڑتی ہے۔ اس بارے میں پرنس کے بیانات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ تمام واقعات کا شاہد عینی تھا۔ صرف شاہد عینی ہی نہیں بلکہ راہب راسبوٹین کا قاتل بھی وہی ہے۔

اس روزنامچہ پر ابھی دنیا نے پوری طرح رائے زنی نہیں کی تھی، کہ اس سلسلہ کے ایک دوسرے راز کا انکشاف ہو گیا۔ یعنے یکایک دنیا کے ہاتھوں میں ایک نئی کتاب پہنچ گئی جو خود اسی راہب کی لڑکی صوفیا کے قلم سے نکلی ہے اور اُس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ اس نئے بیان نے معاملہ کا ایک دوسرا رُخ واضح کر دیا، اور دنیا اس نئے انکشاف سے انگشت بدنداں ہو کر رہ گئی!

پچھلے دنوں ان دونوں کتابوں کا مختصر خلاصہ ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع ہوا تھا، لیکن ہمیں جستجو تھی کہ زیادہ تفصیل کے ساتھ حالات روشنی میں آئیں۔ خصوصاً پرنس کی بیان کردہ تفصیلات معلوم ہوں جسنے ملکہ کے اصلی خطوط بھی شائع کر دئے ہیں۔ اب یہ تمام ذخیرہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم پہلے پرنس کے روزنامچہ کی ایک پوری فصل درج کرتے ہیں، جس سے اس عجیب و غریب راہب کے حالات و اعمال پر پوری روشنی پڑے گی:

راسبوٹین کون تھا؟

راسبوٹین، جس سے زارینا کی عقیدت، پرستش کی حد تک پہنچ گئی تھی، سائبریا کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ اپنے عہد کا مشہور قزاق تھا، راسبوٹین نے ہوش سنبھالتے ہی باپ کا پیشہ اختیار کر لیا اور قرب و جوار کے علاقے تاخت و تاراج کرنے لگا۔ یہ بڑا ماہر ڈاکو تھا۔ گھوڑے چرانے میں اُسے خاص کمال تھا۔ بار بار گرفتار ہوا مگر حیرت انگیز طور پر ہمیشہ بچ نکلتا رہا۔ ایک مرتبہ اُسے پولیس نے بُری طرح زد و کوب بھی کیا تھا۔ چنانچہ اُس کے زخم کا نشان عمر بھر اُس کے سر میں نمایاں رہا۔

راہب کیسے بنا؟

ایک مرتبہ اتفاق سے اُس کا گزر ایک پرانی خانقاہ میں ہوا۔ یہ خانقاہ دراصل خطاکار راہبوں کے قید کرنے کا محبس تھا۔ راسبوٹین کی ملاقات وہاں چند راہبوں سے ہوئی۔ وہ بلا کا ذہین تھا اُسنے دیکھا راہبوں کی زندگی، دنیا کمانے کے لئے بہترین زندگی ہے۔ قزاقانہ طرز معیشت نے اُسے جسمانی تکالیف برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا۔ اُسنے خیال کیا "میں بڑی آسانی سے راہب بن سکتا ہوں" چنانچہ وہ برابر ان راہبوں سے ملتا جلتا رہا۔ اُن سے انجیل پڑھی۔ عبادت و ریاضت کے طریقے معلوم کئے۔ وہ بہت جلد مسیحی مذہب اور رہبانیت کا عالم بن گیا۔

اب اُسنے سخت مجاہدے اور ریاضتیں شروع کر دیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُس کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی۔ لوگ اس قزاق کو "ولی اللہ" سمجھنے لگے۔ اسی زمانہ میں سینٹ پیٹرزبرگ (لینن گراڈ) کے ایک بشپ نے اُسے دیکھا، اس کے زہد و تقشف اور مجاہدہ و ریاضت سے نہایت متاثر ہوا۔ اپنے ساتھ پائے تخت لے گیا اور محل شاہی میں داخل کر دیا۔

زارینا کی عقیدت

زارینا (ملکۂ روس) اُسے دیکھتے ہی معتقد ہو گئی۔ راسبوٹین نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔ اپنا اثر اور زیادہ پختہ اور وسیع کرنے لگا۔ حتیٰ کہ زار پر بھی اُس کا جادو چل گیا۔ شہنشاہ اور ملکہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اُس کے آگے اپنے گھٹنوں پر جھکتے تھے،

کیا آپ کو معلوم نہیں
کہ
اسوقت دنیا کا بہترین فاونٹین قلم
امریکن کارخانہ "شیفر"
کا
"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا
(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے۔
(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے
یاد رکھئے
جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہئے!

اور اُسے "مسیح ثانی" تصور کرتے تھے۔ وہ جب چاہتا بلا اجازت محل میں داخل ہوجاتا۔ زار اور زارینا کو طلب کرلیا کرتا۔ محل میں اُسے بالکل ویسی ہی آزادی حاصل تھی جیسی خود زار کو۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ راسبوٹین کی شان میں ایک لفظ بھی منہ سے نکال سکتا۔ ملکہ کو از حد غلو تھا اُسنے اپنے آپ کو بالکل اس دجال کے حوالہ کردیا تھا"

ملکہ کی مجنونانہ عقیدت کا ثبوت اُس کے اُن خطوں سے بھی ملتا ہے جو دسمبر ۱۹۱۶ء یعنی انقلاب حکومت سے صرف تین مہینے پہلے اُسنے زار کو لکھے تھے۔ پرنس یوسوبوف نے یہ خطوط اپنے روزنامچہ میں نقل کردئیے ہیں۔ ان سے روس کے خاندان شاہی کی ذہنیت پر عجیب روشنی پڑتی ہے۔ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ زار کس درجہ کمزور دل و دماغ کا آدمی تھا، اور زارینہ کس درجہ پست خیال مگر ساتھ ہی اپنے شوہر پر کس قدر حاوی تھی؟ ذیل میں صرف چند خط بطور نمونے کے ملاحظہ ہوں:

زارینہ کے خطوط

ایک خط میں زارینہ "بروٹوف" کو وزیر داخلیہ بنانے کی سفارش کرتی ہے۔ یہ شخص راسبوٹین کا پروردہ تھا۔ راسبوٹین چاہتا تھا اسے وزیر داخلیہ بنا کر پس پردہ تمام ملک پر حکومت کرے۔ زارینہ اپنے شوہر کو لکھتی ہے:

"بروٹوف کو وزیر بنادو۔ مخالفوں کی مخالفت کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو، ورنہ وہ جری ہوجائیں گے اور برابر یوں ہی دباتے رہیں گے وہ سمجھیں گے تم اُن سے ڈر گئے ہو۔ وزیر اعظم اور ڈوما (پارلیمنٹ) کے صدر کی کیا حقیقت ہے؟ یہ ذلیل آدمی ہیں۔ کیونکہ "مقدس باپ" (یعنی راسبوٹین) نے اُن کی بابت یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ بروٹوف کو میری خاطر وزیر بنادو۔ کیونکہ وہ تم پر، تمھارے بچوں پر، اور روس پر جان دیتا ہے۔ ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا ہے "وہ سلطنت کبھی برباد نہیں ہوسکتی، جس کی حفاظت پر ولی ہوتے ہیں!" یہ قول بالکل صحیح ہے۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ اپنے ولی (راسبوٹین) پر بھروسہ کریں، اس کی اطاعت کریں، اُس کی نصیحتوں پر عمل کریں۔ ہمارے ولی کی یہی نصیحت ہے کہ بروٹوف وزیر بنادیا جائے۔ لہذا اسکے قبول کرنے میں تامل نہ کرو۔ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے ولی سے کوئی بات بھی مخفی رہتی ہے۔ مسیح نے اُسے سب کچھ دکھادیا ہے۔ وہ جب کوئی دعا کرتا ہے، پوری ہوجاتی ہے۔ جس بات کو اچھا کہدیتا ہے، اچھی ہوجاتی ہے۔ جسے بُرا کہدیتا ہے، وہ بُرا ہی ثابت ہوتا ہے۔ ہم سے تم سے بہت غلطیاں ہوجاتی ہیں، مگر ہمارے اس مقدس مرشد سے کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ اُس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی...!"

ایک دوسرے خط میں لکھتی ہے:

"ڈوما (پارلیمنٹ) فوراً توڑ دو۔ مخالفوں کی کوشش ہے کہ اس وقت ڈوما کے جلسے برابر جاری رہیں، تاکہ فساد کی راہیں بند نہ ہوجائیں وزیر اعظم نے یہ کہکر تمھیں دھوکا دیا ہے کہ اگر ڈوما توڑ دی جائے گی تو اُسکے ممبر ملک میں پھیل کر رعایا کو بھڑکائیں گے۔ یہ وزیر اعظم کا کھلا دھوکا ہے۔ کیونکہ ہمارے مرشد کا قول ہے: اگر یہ لوگ رعایا سے جاکر بدگوئی کریں گے تو کوئی بھی ان کا یقین نہ کرے گا۔ ان کی ساری قوت، ان کے ایک جگہ جمع رہنے میں ہے۔ لہذا ڈوما توڑ کر ان شریروں کو منتشر کردو"

ایک دوسرے خط کا مضمون یہ ہے:

"معاملہ خوب سونچ لو۔ یقین کرو ہمارے مرشد کی نصیحت میں تمھارے لئے سراسر بھلائی ہے... پیارے! میری دلی آرزو ہے کہ تم ڈوما توڑ دو۔ یہ لوگ اندر اندر سازش کررہے ہیں اور تم سے آکر چکنی چپڑی باتیں بناتے ہیں۔ تم اپنی نیکی کی وجہ سے ان کی باتوں میں آجاتے ہو۔ یقین کرو، ہمارے مرشد نے جو کچھ کہدیا ہے، وہی ٹھیک ہے۔ اُسکی نصیحت پر چلکر ہم کامیاب ہوسکتے ہیں..."

ایک اور خط میں حسب ذیل پرجوش الفاظ ملتے ہیں:

"یہ لوگ تمھیں بیوقوف بنا رہے ہیں۔ تمھارا مذاق اُڑاتے ہیں تم اتنے کمزور کیوں ہوگئے ہو؟ اٹھو، پیٹر اعظم بنجاؤ۔ ان بدمعاشوں کو لات مار کر گرادو۔ مجھے تمھاری کمزوری دیکھ کر سخت صدمہ ہوتا ہے ہمت باندھو اور ڈوما کو توڑ دو۔ ان تمام بغاوت پسندوں کو ایک ایک کرکے سائبیریا جلاوطن کردو۔ ہم اس وقت جنگ میں ہیں۔ اندرونی بغاوت، میدان جنگ کی شکست سے بھی زیادہ مہلک ہوگی۔ تمھارا خیال وہ کیوں نہیں ہے جو میرا ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتی ایسا کیوں ہے؟

بلاشبہ میں ایک عورت ہوں۔ لیکن عقل و ضمیر رکھتی ہوں۔ میں جانتی ہوں، روس کی نجات اُسی میں ہے جو ہمارے مرشد کا حکم ہے۔ تمھیں یاد نہیں فرانسیسی مدبر مسیو فلپ نے کیا کہا تھا؟ اُسنے کہا تھا: روس کو حکومت خود اختیاری دینا، روس کو برباد کرڈالے گا اور خود زار کو بھی! یہی ہر سچے روسی کا بھی خیال ہے۔ میں جانتی ہوں، تمھیں میری اس سخت کلامی سے تکلیف ہوگی۔ مگر میں اسپر مجبور ہوگئی ہوں۔ روس کی ملکہ، زار کی بیوی، اور ولی عہد کی ماں ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ اپنے خیالات تم تک پہونچا دیا کروں نیز اپنے مرشد کی نصیحتوں سے بھی تمھیں خبردار کرتی رہوں...!"

پانچویں خط میں بھی "مرشد" کے احکام کی تعمیل پر پورا زور دیا گیا ہے:

"میری زندگی کا سب سے بڑا ارمان یہ ہے کہ تمھیں دشمن کے سامنے اس طرح سربلند دیکھوں، جس طرح شیر، لومڑیوں کے سامنے ہوتا ہے تم ان جمہوریت پسند کمینوں کے ساتھ کیوں بیٹھتے ہو؟ طاقتور حاکم کیوں نہیں بنجاتے؟ اگر تم اکڑ جاؤ گے تو یہ سب بزدل سر جھکا دینگے۔ یاد رکھو، تمھاری اور روس کی نجات صرف اسمیں ہے کہ اس مرشد کامل کے حکموں کی تعمیل کرتے رہو...!"

مقدس نفس پرستی!

یہ حال ملکہ کی عقیدت کا تھا، حالانکہ اس راہب کی نج کی زندگی ناقابل بیان حد تک فاسقانہ تھی۔ اُسوقت روس میں "کلیسٹیزم" کا بہت زور تھا۔ "کلیسٹیزم" باقاعدہ نفس پرستی کا دوسرا نام ہے۔ اس "مذہب" کے متبعین کا عقیدہ تھا کہ قوا رشہوانی، خدا کا ایک عظیم عطیہ ہیں۔ اس بخشش کا شکریہ اسی طرح ادا کیا جاسکتا ہے کہ اُن سے انسان دل کھولکر متمتع ہو، اور ہرگز اُنکے استعمال میں بخل نہ کرے۔ چنانچہ یہ لوگ فسق و فجور میں اس درجہ بے روک تھے کہ کسی طرح بھی قلم اُس کی طرف اشارہ نہیں کرسکتا۔ تفصیلات ناگفتہ بہ ہیں۔ راسبوٹین بھی اسی گروہ میں شامل تھا۔ قصر شاہی میں زہد و تقشف ظاہر کرتا، اور باہر آکر شراب خواری اور ہر طرح کے فسق و فجور میں منہمک ہوجاتا!

زمن حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم
نہفتہ کافرم و بت در آستیں دارم!

راہب سے پرنس کا تعارف

آگے چلکر پرنس یوسوبوف لکھتا ہے:

"راہب راسبوٹین سے میری پہلی ملاقات ۱۹۱۹ء میں یعنی جنگ عمومی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی۔ میرے دوست ج... کی لڑکی مس م... روس کی حسین ترین دوشیزہ تھی۔ پہلی ہی نظر میں انسان اُسکے معصوم حسن و جمال اور قلب کی طہارت کا قائل ہوجاتا تھا۔ میرے بھائی کو اُس سے عشق تھا۔ وہ بھی اُس کی محبت میں سرشار تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بھی راسبوٹین کے جال میں پھنس گئی۔ اپنے دل کی نیکی اور حد سے زیادہ تقوی کی وجہ سے یقین کرتی تھی کہ وہ، ولی اللہ اور قدیس ہے

فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم کیوں ہے؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور انکے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیۃ ملاحظہ فرمائیے۔

"الجمعیۃ" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہے جو علما کی زبان کہلانے کا مستحق ہے اور جسکا اہم ترین مقصد ملت بیضا کی محافظت ہے۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دنداں شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید اس کا مخصوص طریقہ ہے

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہوگیا ہے اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اس کی حاجت ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہے اور اصلاح قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں۔ حق کی آواز جسقدر کثرت سے لوگونکے کان میں جائے اسیقدر کامیابی ہے۔

اخبار الجمعیۃ کی پانچ (۵) خصوصیات

(۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہے (۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کرکے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہے۔ (۳) عربی، فارسی اُردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہے (۴) حضرت مولنا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے فتاوے کی اشاعت کرتا ہے (۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہے جس سے اسکی دلچسپی میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ چندہ سالانہ چھ روپے (سے) ششماہی تین روپے کے آنے سے، منیجر الجمعیۃ دہلی۔

راہب نے بھی یہ بات محسوس کرلی تھی، اور اُس کی فاسقانہ طبیعت ہرگز گوارا نہیں کرسکتی تھی کہ ایسی حسین لڑکی اُس کے دائرۂ عقیدت سے نکل جائے۔ چنانچہ ہرممکن تدبیر سے اپنا اثر بڑھاتا اور دوشیزہ کو اپنے سے زیادہ سے زیادہ قریب کرتا جاتا تھا"

"مس موصوفہ نے مجھے اپنے والد کے محل میں راسبوٹین سے ملاقات کے لئے دعوت دی۔ وہ اُس کے بارے میں اس طرح گفتگو کرتی تھی جس طرح پیغمبروں کے بارے میں کی جاتی ہے۔ لیکن مجھے اُس سے طبعاً نفرت تھی۔ اُسے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، تاہم میرا دل اُس کی کراہت سے لبریز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ایوان میں داخل ہوا، تو مجھے اپنا اچھا چھپانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑی۔ اُسنے سب سے مصافحہ کیا اور سب کا بوسہ لیا، حتیٰ کہ مس م... کا بھی۔ میں نے بھی مصافحہ کیا مگر اپنا بوسہ لینے نہیں دیا (روس میں قاعدہ ہے کہ بزرگ چھوٹوں کا بوسہ لیا کرتے ہیں) میں نے دیکھا کہ مس م کا بوسہ لیتے وقت اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکنے لگی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ اُس کے اندر بہیمیت پوری طرح کام کررہی ہے۔

میں نے اُس کے خط وخال پر نظر غائر ڈالی۔ درمیانہ قد تھا۔ مضبوط کاٹھی تھی۔ سر بڑا، بال لمبے اور داڑھی گھنی تھی۔ سر کا ایک حصہ بالوں سے بالکل خالی تھا۔ یہ اُسی زخم کا نشان تھا جو قزاقی کے زمانہ میں لگا تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ۴۰ سال کی ہوگی۔ لمبا اُدرگوٹ اور بہت ڈھیلے پائنچوں کا پائجامہ پہنے تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل روسی کسانوں کا سا تھا۔ بیضوی شکل کا، مگر ہر طرح کے تناسب سے مُبرّا۔ وہ یقیناً نہایت بدصورت آدمی تھا۔ جیسے کہ تمام بدنفس انسان ہوا کرتے ہیں"

"اُس کی حرکات وسکنات متکبرانہ تھیں۔ حاکمانہ شان لکھتی تھیں یہ صرف اس لئے کہ اُسے حاضرین پر اپنے اثر کا یقین تھا۔ سب لوگ اُسے انتہائی عقیدت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ خود بھی اُنھیں متجسّانہ نظروں سے دیکھتا۔ وہ اُنکے خیالات معلوم کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن مس م... پر اُس کی نظریں بالکل دوسرا انداز رکھتی تھیں وہ اُسے پُرہوس نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ ہر لمحہ میری نفرت بڑھتی جاتی تھی اور صاف نظر آتا تھا کہ دلیوں کے اس لباس میں ایک خبیث نفس ملفوف ہے"

"چائے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے قریب آگیا اور نرا دارانہ انداز سے کہنے لگا "تمھاری دوست مس م... کس قدر حسین ہے! کوشش کرو کہ تمھاری رفیق زندگی بنجائے، صرف جسم ہی سے نہیں بلکہ رُوح سے بھی۔ تمھارے بارے میں اُسنے مجھ سے بارہا گفتگو کی ہے۔ وہ تمھاری طرف بہت مائل ہے۔ مجھے یقین ہے، شادی کے بعد تم دونوں حقیقی مسرت وسعادت پاؤگے!"

اس ملاقات سے چند دن بعد مس م... نے مجھ سے کہا "راسبوٹین تم سے از حد حسن ظن رکھتا ہے اور دوبارہ ملاقات کرنی چاہتا ہے"

راہب اور زار کی والدہ

"اُسوقت کوئی بھی اُس خطرے سے واقف نہ تھا جو روس کے شاہی خاندان کو اس پُراسرار راہب کی وجہ سے لاحق ہوگیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ قصر شاہی میں اُس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ زار کے تمام مقرب اُس کا اثر واقتدار دیکھ کر اُس کی خوشامد میں لگے رہتے لیکن مجھے اور میری ماں کو اُس سے سخت نفرت تھی۔ ہم محسوس کرنے لگے تھے کہ ایک نہ ایک دن زار کو اس راہب کے ہاتھوں روز بد دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ میری ماں نے زارینہ کو کئی مرتبہ متنبہ کیا اور اس وبال کے دُور کردینے پر زور دیا۔ خاندان شاہی کے چند اور لوگوں کا بھی یہی خیال تھا۔ اُنھوں نے بھی میری ماں سے اتفاق کیا۔ حتیٰ کہ خود زار کی والدہ نے بھی راہب کی بہت مخالفت کی۔ مگر زارینہ کچھ اس طرح اس "مقدس مرشد" کے دام میں پھنس گئی تھی کہ اُس کی مخالفت میں ایک لفظ بھی سُن لینا گوارا نہیں کرتی تھی"!

جنگ عظیم

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ ہم سب خوش سے کانپ اٹھے کیونکہ جانتے تھے، اب اس راہب سے کیسے کیسے خطرے پیدا ہوسکتے ہیں۔ مصیبت یہ تھی کہ زار اور زارینہ نے اپنے دوستوں سے بے اعتنائی برتی اور سراسر راہب کے ہورہے۔ جب کبھی ہم لوگوں نے اُس کے خلاف منیٰ التجائیں کرنی چاہیں، تو ملکہ نے صاف صاف کہدیا:

"میں اپنے رو برو راسبوٹین کی شان میں ایک حرف بھی کہنے کی اجازت نہ دوں گی!"

راہب کی تصویر

"جنرل ڈاہنکو نائب وزیر داخلیہ، راسبوٹین کی حقیقت سے واقف تھا۔ اُسنے بڑی کوشش سے "کلیسٹینم" والوں کے ایک جلسہ کا موقع حاصل کیا۔ اس موقع میں اسبوٹین ناگفتہ بہ مست ومخمور کی حالت میں نظر آتا تھا۔ جنرل نے تصویر، زارینہ کے سامنے رکھدی۔ مگر زارینہ کی عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ اُلٹی جنرل پر خفا ہوئی۔ تصویر جعلی قرار دی گئی، اور جن جن لوگوں پر راسبوٹین نے جعل بنا کا شبہ کیا، اُنھیں سخت سزائیں ملیں"!

راہب جرمن جاسوس تھا

جنگ میں روسی فوجیں جس طرح برباد ہوئیں، اُس کی داستان بہت ہی دردناک ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان تمام مصائب کی اصلی علت راسبوٹین ہی کی ذات اور اُس کی خیانت تھی۔ وہ دراصل، جرمن جاسوس بن گیا تھا۔ روسی فوجوں کی نقل وحرکت کی خبریں جرمنی اور آسٹریا کے جنگی دفاتر کو روز بھیجا کرتا تھا۔ یہ بات زیادہ مدت تک چھپ نہیں سکتی تھی۔ بہت جلد تمام ملک اس عظیم سکاندل کی حقیقت سے واقف ہوگیا، اور محل شاہی سے اُس کی علحدگی پر زور دینے لگا مگر جوں جوں اُس کی مخالفت بڑھتی گئی، زارینہ کی عقیدت بھی بڑھتی گئی۔ آخر اُس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا کہ سپہ سالاروں کا عزل ونصب اور میدان جنگ کے نقشوں کی تجویز بھی اُسی کی رائے سے ہونے لگی۔ وہ خود اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتا تھا۔ جرمن افسر اُسے وقتاً فوقتاً لکھتے رہتے تھے کہ فلاں روسی افسر کو معزول کرادینا چاہئے فلاں مقام ہمارے لئے مُضر ہے۔ وہاں سے فوج ہٹا دینی چاہئے۔ یہ اُنکے احکام کے مطابق یہاں رائے ظاہر کردیتا، اور زار اسکی فوراً تعمیل کرتا۔ نہ کرتا تو زور ڈالنے کے لئے ملکہ موجود تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روس کی تمام فوجیں گاجر مولی کی طرح کٹنے لگیں۔ وہ جس طرف رُخ کرتیں، دیکھتیں جرمن فوج پہلے سے اُن کی ہلاکت کا سامان طیار کئے موجود ہے۔

با ایں ہمہ زار اور ملکہ کا تمام اعتماد اسی "مرشد" پر تھا۔ وہ کہتے تھے اس جنگ میں ہم فوج سے نہیں بلکہ اپنے مرشد کی توجہ اور برکت سے فتح پائیں گے"!

راہب کی لڑکی کا بیان

یہ تو پرنس یوسوپوف کا بیان تھا۔ اب خود راسبوٹین کی لڑکی کا بیان سُنئے۔ وصاحب البیت ادری بما فیہ۔ اس لڑکی کا نام صوفیہ راسبوٹین، ہے۔ ابتک دنیا اس کے وجود سے بے خبر تھی۔ لیکن حال ہی میں یہ ظاہر ہوئی، اور ایک مختصر کتاب میں اپنی یادداشتیں جمع کرکے چھاپ دیں۔ یہ اپنے باپ اور زارینہ کے تعلقات پر ایک بالکل مختلف قسم کی روشنی ڈالتی ہے۔ اُس کے بیان نے یورپ کے اخبارات میں تہلکہ مچادیا ہے۔ وہ لکھتی ہے:

عقیدت نہیں عشق تھا!

"زارینہ کا تعلق میرے باپ سے دینی عقیدت کے رنگ میں شروع ہوا۔ مگر بہت جلد عقیدت نے محبت کی شکل اختیار کرلی اور بتدریج محبت، عشق کے درجہ تک پہنچ گئی۔ اُسنے کئی بار میرے والد سے کہا "میں، زار سے بیزار ہوگئی ہوں، وہ ایک دوسری عورت سے وابستہ ہے۔ میں اُس سے طلاق لے لوں گی، بشرطیکہ تم مجھ سے شادی کرلو!" میرا باپ نادان نہ تھا۔ وہ جانتا تھا، یہ واقعہ کیسے ہولناک نتائج پیدا کرے گا؟ چنانچہ وہ زارینہ کو ایسا کرنے سے ہمیشہ روکتا تھا"

اس کے بعد صوفیہ لکھتی ہے

"یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے۔ اس کا ثبوت خود زارینہ کے روزنامچے میں موجود ہے، جو اسوقت بالشویک حکومت کے تصرف میں ہے۔ زارینہ، خود مجھ سے بھی بہت محبت کرتی تھی اور اکثر کہا کرتی تھی "میں بہت جلد تمھارے گھر میں آجاؤں گی۔ اُس وقت میں تمھاری ماں اور تم میری لڑکی ہوجاؤ گی"!

صوفیہ نے اپنے روس سے بچ نکلنے کی داستان بھی لکھی ہے وہ کہتی ہے

"جب میرا باپ قتل ہوگیا تو میرے پاس دو ہزار نقرئی روبل (روسی سکہ) موجود تھے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ رقم رشوت میں دی اور جان لے کر بھاگ نکلی"

راسبوٹین کی اخلاقی سیرۃ، ملکہ کی اُس سے بیحد وغایت وابستگی اور وہ تمام حالات جو اس سلسلے میں سامنے آتے ہیں، اگر بغور دیکھے جائیں، تو صوفیہ کا بیان قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس صورت میں بدنصیب ملکہ کو "مرشد" کی مذہبی عقیدت سے خالی تصور کرلیا جائے۔ اس دنیا میں مذہبی عقیدت جب جہل وتوہم پرستی سے ملجاتی ہے تو اُس کے عجائب وخوارق کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ بارہا یہ بات دیکھی گئی ہے کہ لوگ مذہبی عقیدت کے ساتھ ہر طرح کے اخلاقی اور مذہبی معاصی کے بھی مرتکب ہوتے ہیں، اور نہ صرف اس سے مذہبی عقیدت متاثر نہیں ہوتی، بلکہ معاصی وفسوق پر بھی مذہب کے پُراسرار تقدس کا پردہ پڑجاتا ہے۔ ہمیں اس میں کوئی تعجب نہ ہوگا اگر ثابت ہوجائے کہ یہ بدبخت ملکہ اپنے اس "مرشد" کی ناجائز خواہشوں کا شکار تھی اور اسپر بھی اُسے اپنا مرشد اور "مقدس ولی" یقین کرتی تھی۔ جب جواز وعدم جواز کا معیار حقیقت کی جگہ عقیدت ہوجاتی ہے، تو پھر کوئی چیز بھی ناجائز نہیں ہوسکتی۔ مذہب وتقدس کی ریاکاری کی تاریخ اس طرح کے واقعات کی ایک مسلسل داستان ہے اور اب تک دُنیا اُس میں برابر اضافہ کئے جاتی ہے۔

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظربند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دیدئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ قیمت ۱۲ر (بارہ آنے) منیجر الہلال کلکتہ

بریدِ شرق

نوجوان ٹرکی پر ایک نظر

کچھ عرصہ سے بعض رفقاء جرائد مصر نے ایک خاص نمائندہ ٹرکی بھیجا ہے تاکہ وہاں کی موجودہ اجتماعی زندگی کا مطالعہ کرے۔ اس کی بلند تحریریں مصر کے اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں، اور اہم فوائد پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم بعض تحریروں کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

انگورہ

ترکی جمہوریت کی جنم بھومی "انگورہ" ہنوز ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُسے شہر کہنا ایک حد تک غلط ہوگا۔ مکان عموماً پست، یک منزلہ اور قدیم طرز کے ہیں۔ سڑکیں بھی تنگ ہیں۔ ہوٹل نہایت معمولی درجے کے ہیں۔ شہری زندگی کے لوازم کم دستیاب ہوتے ہیں معیشت بہت گراں ہے۔ متوسط زندگی بسر کرنے کے لئے دو پونڈ سے بھی زیادہ صرف ہو جاتے ہیں۔ ہوٹلوں کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔ دس بارہ روپیہ روز دینا پڑتے ہیں، مگر پھر بھی آرام نہیں ملتا۔ وجہ یہ ہے کہ انگورہ بڑے شہروں سے دور ہے اور ضروریات زندگی بہ آسانی نہیں مہیا کیجا سکتیں

سوال ہو سکتا ہے کہ پھر ترکی مدبروں نے آستانہ اور دوسرے آباد شہر چھوڑ کر یہی گاؤں اپنا پایۂ تخت کیوں قرار دیا؟ اس کا جواب خود ترک مدبر بار بار دے چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "اناطولیہ، اس ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ سلاطین آل عثمان نے اناطولیہ کی طرف سے ہمیشہ غفلت و اعراض کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی قومیت برباد ہو گئی۔ ترکی قومیت کی بربادی خود سلطنت کی بربادی تھی۔ اب ہم اپنے اصلی ملک کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ اب ہماری تمام اُمیدیں صرف اسی میں مرکوز ہیں، لہذا ہم نے قلب کو مرکز بنایا ہے تاکہ یہیں سے نئی قومیت کی روح ملک کی رگ رگ میں دوڑا دیں" علاوہ بریں وہ اس پہلو پر بھی توجہ دلاتے ہیں کہ "اب ہم یورپ کے اثر سے دور رہنا چاہتے ہیں یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اگر ہم اس دور اُفتادہ مقام میں اپنی حکومت قائم نہ کرتے"

سوال ہو سکتا ہے کہ اگر یہی بات ہو تو پایۂ تخت کو شہر کی صورت کیوں نہیں دیتے؟ اس کا جواب ترک مدبروں نے یہ دیا ہے کہ "ہمارا ملک جنگوں نے برباد کر ڈالا ہے۔ ہماری قوم کا دل و دماغ صدیوں کے ظلم و جور سے تباہ ہو چکا ہے۔ ہم پہلے اپنے ملک کی اقتصادی، تجارتی، زرعی، حالت درست کریں گے۔ قوم کو قوم بنائیں گے۔ اسکے بعد ہمیں شہروں کی آراستگی کا خیال کرنا چاہئے"!

انگورہ کو پایۂ تخت قرار دینے میں ترک مدبروں کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ شہروں کے عیش و نشاط اور لہو و لعب سے دور رہنا اور شب و روز محنت اور کام کرنا چاہتے ہیں سلطنت عثمانیہ میں جتنی حکومت کا مرکز رہا، کبھی اس مستعدی سے کام نہیں ہوا جیسا اب انگورہ میں ہو رہا ہے۔

لیکن یہ بات نہیں ہے کہ ترکوں نے انگورہ کو بالکل اُسکی سابق حالت ہی میں چھوڑ دیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اُسے ترقی دے رہے ہیں۔ انگورہ کے اطراف میں ایک نئے شہر کی بنیادیں پڑ گئی ہیں۔ اپنے وقت پر وہ مکمل ہو جائے گا۔ فی الحال انگورہ کی آبادی ۲۰ ہزار سے زیادہ ۵۰ ہزار ہے۔

انگورہ کے مناظر میں سب سے زیادہ اثر کیا، وہ ترک افسروں اور سپاہیوں کا وقار اور خاموشی سے سڑکوں پر سے گزرنا تھا۔ میں جب اُنھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار قلب اُن کی عظمت کے سامنے جھک جاتا تھا میں سوچتا تھا "یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے خونریز جنگیں سر کیں اور تمام یورپ کو مغلوب کر کے اپنی قوم کا گرا ہوا جھنڈا از سر نو بلند کر دیا!" ترکی افسر اور سپاہی ہمیشہ سے اپنی سنجیدگی اور وقار میں مشہور ہیں۔ مگر اب اتنی طویل جنگوں کے بعد اُن کی کچھ عجیب حالت ہو گئی ہے۔ وہ رعب و جلال ہے کہ اُس کی نظیر دنیا کی کسی فوج میں نہیں ملتی۔

مجلس وطنی کی عمارت

انگورہ کی سب سے زیادہ شاندار عمارت، مجلس وطنی یا ترکی پارلیمنٹ کی عمارت ہے۔ یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ اوپر کے طبقہ میں صدر مجلس کا دفتر ہے۔ نیچے کے کمروں میں مجلس کے مختلف شعبوں کے دفتر ہیں۔ بائیں پہلو میں ایک وسیع ایوان ہے۔ ۲۵ میٹر لمبا اور ۱۲ میٹر چوڑا۔ یہی پارلیمنٹ کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ اسمیں ترکی قالینوں کا فرش ہے۔ صدر میں ۲ میٹر بلند چبوترہ ہے۔ چبوترے کے وسط میں صدر مجلس کی جگہ ہے۔ اسکے دونوں پہلوؤں پر نصف میٹر نیچے کاتبوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے اس سے ذرا اور نیچے ایک آور چبوترہ ہے۔ اور اسی پر کھڑے ہو کر مقرر تقریریں کرتے ہیں۔ اس کے سامنے ایک کٹہرا ہے جس میں سرکاری رپورٹر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد ممبروں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔ ہر نشست میں دو اور کبھی تین آدمی بیٹھتے ہیں۔ یہ تمام نشستیں باہم قریب قریب ہیں، کیونکہ ایوان باوجود اپنی وسعت کے ناکافی ہے۔ ایوان کی سطح سے تین میٹر بلندی پر پیچھے تماشائیوں کی جگہ ہے۔ اسی کے داہنے پہلو پر ایک مذہب و مطلا نشست ہے جس کے لئے ایک خاص در و دیوار بنا دیا گیا ہے۔ یہ نشست غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی ہے۔ وہ جب آتے ہیں، اسی بیٹھ کر جلسے کی کارروائی دیکھا کرتے ہیں۔ ایوان کے صدر میں مجلس کے دائیں بائیں سفراء دول کی نشستیں ہیں۔ مجلس کے جلسے عموماً عصر کے بعد شروع ہوتے ہیں۔

مجلس وطنی

ترکی انقلاب کا سب سے عجیب کارنامہ یہی مجلس ہے۔ اس میں بیک وقت دو متضاد چیزیں جمع ہو گئی ہیں: شخصی تفویض اور جمہوری روح۔ یہ مجلس اپنے اندر ایسے عجیب اصول و قواعد اور غیر معمولی روایات رکھتی ہے جن کی نظیر دنیا کی کسی پارلیمنٹ کی تاریخ میں موجود نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

موجودہ مجلس وطنی کا نام ترکی زبان میں "بویوک ملت مجلسی" ہے۔ یہ اُس مجلس قومی کی یادگار ہے جو جنوری ۱۹۲۱ء میں قائم ہوئی تھی۔ اسی نے اپنے حوصلہ مندانہ اقدامات سے ٹرکی کی تاریخ بدل دی۔ اسی نے قدیم نظام سلطنت توڑا، اور جمہوریت قائم کی (۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں) اسی نے خلافت سے دست برداری کا اعلان کیا (۱۹۲۴ء) اسی نے دستور اساسی بنایا (۲۰ اپریل ۱۹۲۴ء) یہی وہ دستور اساسی ہے جس پر موجودہ مجلس وطنی قائم ہوئی ہے۔

ٹرکی میں جملہ قوتیں اور اختیارات صرف مجلس وطنی ہی کو حاصل ہیں۔ اس کے ہم پلہ کوئی دوسری قوت موجود نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ترکی دستور حکومت صرف ایک ہی مجلس پر قائم ہے۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں عموماً دو مجلسیں ہوتی ہیں: مجلس عوام اور مجلس خواص۔

ترکی مجلس وطنی کو دنیا کی دوسری پارلیمنٹوں سے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ تقسیم اختیارات کا نظریہ تسلیم نہیں کرتی۔ یہی باعث ہے کہ تینوں قسم کے اختیارات اور قوتیں، یعنی تشریعی (قانون سازی) تنفیذی، اور عدالتی، تنہا اُسی میں جمع ہیں۔ اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ٹرکی میں وزارتی مسئولیت کا وجود نہیں ہے، بلکہ سرے سے اُس معنی میں کوئی وزارت اور تنفیذی قوت موجود ہی نہیں ہے، جس معنی میں دنیا کے دوسرے دستوری ملکوں میں ان کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ تنفیذی قوت، خود مجلس وطنی ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنے ارکان کی ایک جماعت کے ذریعہ یہ قوت استعمال میں لاتی ہے۔ ارکان کی اس جماعت کو صدر جمہوریت یا صدر مجلس منتخب کرتا ہے اور معلوم ہے، صدر جمہوریت اور صدر مجلس دونوں کا انتخاب خود مجلس کرتی ہے۔ پھر ان ارکان کے انتخاب کی لازمی شرط یہ بھی ہے کہ مجلس انھیں منظور کرلے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریت یا صدر مجلس کے انتخاب کردہ ارکان بھی درحقیقت مجلس ہی کے منتخب کردہ ہوتے ہیں۔ یہی ارکان، وزراء ہیں جنھیں ترکی اصطلاح میں "وکیل" کہتے ہیں۔ یعنی وہ تنفیذی قوت کے اجزاء میں مجلس کے وکیل یا نائب ہیں۔ انہی وکلاء کی مجلس، حکومت کی مجلس (کیبنیٹ) ہے۔

اس صورت حال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ قانون اساسی کی رُو سے مجلس وطنی کسی حال میں بھی توڑی یا برخواست نہیں کی جا سکتی اگر کبھی مجلس وکلاء اور مجلس وطنی میں اختلاف پیدا ہو جائے تو آخر الذکر نہیں، ہمیشہ اول الذکر ہی کو مستعفی ہونا پڑے گا!

اسی طرح عدالتی قوت بھی مجلس وطنی ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسے استعمال کا حق عدالتوں کو بخشتی ہے۔ گویا عدالتیں بذات خود کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ وہ بھی مجلس وطنی کے محض "وکیل" ہیں۔

مجلس وطنی اور صدر جمہوریت

صدر جمہوریت ہی مجلس وطنی کا صدر ہوتا ہے۔ وہ جب چاہے مجلس کے جلسوں کی صدارت کرے۔ اس کی عدم موجودگی میں اُس کا نائب صدارت کرتا ہے۔ صدر جمہوریت کے اختیارات یہ ہیں کہ مجلس وکلاء کا انتخاب وہی کرتا ہے (جس کی تصدیق کے لئے مجلس وطنی کی منظوری ضروری ہے) سفراء کے کاغذات وہی قبول کرتا ہے۔ مجلس وطنی کے جملہ قوانین اُسی کے نام سے شائع ہوتے ہیں۔ مجلس کے سالانہ افتتاح کے موقعہ پر یکم جنوری کو وہی افتتاحی تقریر کرتا ہے۔ مجرموں کو معافی دینے کا بھی اُسے حق ہے، مگر بہت محدود۔ لیکن جنگ و صلح کا اعلان اور معاہدوں کا انعقاد اُس کے اختیارات سے بالکل باہر ہے۔ یہ کام صرف مجلس وطنی کے ہیں۔ صدر جمہوریت، مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ مجلس اُس سے صرف اُسی وقت باز پرس کر سکتی ہے جب وہ ملکی خیانت کا مرتکب ہو۔ اُس کی صدارت کی مدت ۴ سال ہے۔ یہی مدت، مجلس وطنی کی طبیعی عمر ہے۔ اس کے

اختتام پر مجلس کے انتخاب کے ساتھ صدر جمہوریت کا بھی انتخاب ہوتا ہے۔ پرانا صدر دوبارہ صدر ہو سکتا ہے بشرطیکہ مجلس وطنی کے انتخاب میں کامیاب ہو جائے۔

خاص روایات

مجلس وطنی کی بعض روایات بالکل انوکھی ہیں مثلاً یہ کہ وہ کسی حال میں بھی برخواست نہیں کی جا سکتی، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ پھر وہ سال کے بارہ مہینوں میں کبھی چھٹی نہیں لیتی۔ ہمیشہ اُس کے جلسے منعقد رہتے ہیں۔ حالانکہ دُنیا کی دوسری پارلیمنٹیں عام طور پر کسی ایک موسم میں بند رہتی ہیں۔ لیکن خود مجلس کو اختیار ہے کہ جب چاہے اپنے آپکو منتشر کر دے۔ اس صورت میں انتخابات از سر نو جاری ہونگے۔ اسی طرح اگر مجلس کبھی چھٹی لے لے تو اُس کے دوبارہ اجتماع کے لئے صدر جمہوریت یا مجلس کلاء (وزراء) کی دعوت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی بلا کسی کی دعوت یا حکم کے جمع بھی ہو جاتی ہے۔ جب کبھی مجلس چھٹی پر ہو یا آؤٹ جائے تو اُس کے دوبارہ اجتماع یا انتخاب سے پہلے حکومت نہ کوئی قانون جاری کر سکتی ہے نہ کوئی اور نئی کارروائی کر سکتی ہے۔ حالانکہ دیگر ملکوں میں طریقہ یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں حکومت ضروری قانون جاری کر دیا کرتی ہے اور بعد میں پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیتی ہے۔

دینی امور

لیکن ملک میں صرف ایک شعبہ ایسا موجود ہے جس پر مجلس وطنی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ شعبہ دینیات کا ہے۔ یہ اس لئے کہ ٹرکی میں سیاست اور دین کو بالکل الگ کر دیا گیا ہے۔ دینی امور کی انجام دہی کے لئے ایک مستقل شعبہ بنا دیا گیا ہے۔ اس شعبہ کے صدر کا رتبہ، وکیل یا وزیر کا رتبہ ہے۔ یہ صدر مجلس کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ رئیس الوکلاء یا وزیر اعظم اُس سے جواب طلب کر سکتا ہے۔ اور وہی مجلس وطنی کو اس شعبہ کے حالات سے مطلع کرتا ہے۔

مجلس وطنی تمام معاملات پر اپنے ارادہ و اختیار سے بحث کرتی ہے اُس میں دوسری پارلیمنٹوں کی طرح پارلیمنٹری کمیٹیاں موجود نہیں ہیں۔ مجلس کلاء ضروری مسائل مجلس وطنی کے سامنے پیش کرتی ہے اور وہ براہ راست اُس پر بحث کرتی ہے۔

"محاکم استقلال"

ٹرکی کے "محاکم استقلال" کا نام تمام عالم میں مشہور ہو چکا ہے۔ یہ بھی مجلس وطنی کی ایک غیر معمولی عدالتی قوت کا نام ہے۔ محاکم استقلال سے مقصود وہ خاص عدالتیں ہیں جو جمہوریت پر خطرے کے وقت وسیع اختیارات کے ساتھ قائم کر دی جاتی ہیں۔ یہ ایک طرح کی جنگی عدالت کہی جا سکتی ہے۔ یہ فوراً فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اُس کے فیصلہ کی تنفیذ بغیر مجلس وطنی کی منظوری کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ عدالتیں قائم ہو جاتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ملک حالت امن و سلامتی میں نہیں ہے۔

مخالف پارٹیاں

مجلس وطنی میں مخالف پارٹیاں موجود نہیں ہیں۔ اُس میں صرف ایک ہی پارٹی ہے اور وہ جمہوریت یا مصطفےٰ کمال پاشا کی پارٹی ہے مجلس وطنی کے کل ممبروں کی تعداد ۲۸۸ ہے۔ اسمیں کمالی پارٹی کے آدمی ۲۷۰ ہیں۔ یعنی کل ۱۸ ممبر اس پارٹی سے باہر ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی قلیل جماعت کو مخالف پارٹی نہیں کہہ سکتے۔

مجلس کا الاؤنس

مجلس وطنی کے ممبروں کو ماہوار الاؤنس نہیں ملتا۔ بلکہ انتخاب میں کامیابی کے دن پورے پارلیمنٹری سال کے لئے یکمشت بھتا ہوتا ہے۔ ہر ممبر کو ۵۰ سو ترکی پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے ۵ سو انگریزی پونڈ الاؤنس ملتا ہے۔

صدر جمہوریت کا سالانہ الاؤنس تیرہ ہزار ترکی پونڈ ہے۔ اُس کے قیام اور سرکاری جلسوں کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ اُسے تین موٹریں بھی دی جاتی ہیں۔ ایک اُس کی ذات خاص کے لئے ہوتی ہے اور دو، اُس کے وزراء کے لئے۔ ہر وکیل یا وزیر کو سالانہ ۷ سو ترکی پونڈ ملتے ہیں۔ مجلس وطنی کے مصارف کا آخری بجٹ ۹۶،۱۴۴ پونڈ ترکی تھا۔

"تورک اوجاغی"

"تورک اوجاغی" کا نام مدت سے اخبارات کے صفحوں پر گشت کر رہا ہے مگر کم آدمی اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ "تورک اوجاغی" کے معنی ہیں ترکی وطن۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان انجمن ہے۔ ۱۹۱۲ء میں قائم ہوئی تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ترکی قوم میں قومیت و وطنیت کے جذبات برانگیختہ کئے جائیں۔ اُسے ذہنی و دماغی ترقی کے لئے طیار کیا جائے، اور ملک کو اجنبی مداخلت و تسلط سے بچایا جائے۔ جنگ سے پہلے اسے بہت اہمیت و قوت حاصل تھی۔ عام طور پر نوجوان ترک اُس کے حامی تھے۔ حکومت کے اکثر عہدے دار اُسی کے ارکان اور ممبر تھے۔ جنگ عمومی نے اسے عارضی طور پر مرکز کر دیا تھا۔ مگر جنگ کے شکست پر ختم ہوتے ہی پھر اُسنے قوت حاصل کر لی اور پچھلے جہاد آزادی میں ..... بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ یہ جہاد کامیابی پر ختم ہوا اور انجمن کا ایک اساسی مقصد بھی پورا ہو گیا۔ اس لئے اُس کے پروگرام میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں اُس کی عام کانفرنس انکورہ میں منعقد ہوئی اور پروگرام میں تغیر و تبدل کیا گیا..... اُس کے موجودہ پروگرام میں یہ تین دفعات بہت اہم ہیں۔

(۱) جمہوری افکار کی اشاعت۔

(۲) جدید تمدن کو مقبول بنانا۔

(۳) مساوات کی تعلیم و تبلیغ۔

جنگ آزادی کے بعد سے اس انجمن کا صدر دفتر قسطنطنیہ کے بجائے انکورہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ ۱۹۲۶ء میں اُس کی سالانہ کانفرنس کا افتتاح خود غازی مصطفےٰ کمال پاشا نے کیا تھا۔ اسوقت سے اُسے بہت زیادہ اہمیت و مقبولیت حاصل ہو گئی ہے۔

اس انجمن کی ۲۷۳ شاخیں ہیں اور تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں مرکزی انجمن کی انتظامی مجلس ۱۲ ارکان سے مرکب ہوتی ہے۔ شاخوں کی انتظامی مجلسوں میں سے ۷ رکن ہوتے ہیں۔ ہر شاخ کو پوری آزادی ہے کہ مقامی حالات و مصالح کی رعایت سے اپنا الگ پروگرام نکالے چنانچہ بعض علاقوں میں یہ انجمن صرف وبائی امراض کے خلاف جدوجہد کرتی ہے۔ بعض میں بچوں کی تربیت اُسنے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ بعض میں عورتوں کی ترقی اُس کا مقصد ہے۔

اس انجمن میں مرد اور عورتیں یکساں طور پر شریک ہیں۔ چنانچہ قسطنطنیہ کی انجمن کی صدر ایک عورت ہی ہے۔ یہ خاتون نہایت تعلیم یافتہ اور معزز ہے۔ اس کا نام فتیہ خانم ہے۔ انجمن کی صدارت کے ساتھ ساتھ وہ ایک ثانوی مدرسہ (سکنڈری اسکول) کی مہتمم بھی ہے۔

ٹرکی میں "خلق فرقہ سی" کے بعد سب سے زیادہ طاقتور انجمن یہی ہے اور بہت مفید کام کر رہی ہے۔



مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے سفر آستانہ کی تفصیل گزشتہ ہفتہ لکھ چکا ہوں۔ لیکن جس جوش و خروش کا اظہار باشندگان شہر نے اُنکے استقبال کے موقعہ پر کیا اور جس کا سلسلہ آجتک جاری ہے، اُس کی تصویر قلم سے کھینچنا آسان نہیں ہے۔ میں نے گزشتہ ۱۵ سال میں یہاں بڑے بڑے تاریخی مظاہرے دیکھے۔ ان میں سے ہر مظاہرے کے متعلق یہی خیال ہوتا تھا کہ اس سے بڑے مظاہرے کا ہونا مشکل ہے۔ لیکن مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جو کچھ میں نے اس موقعہ پر دیکھا، اسکے مقابلے میں پچھلے تمام مظاہرے بے حقیقت ہیں!

غازی بروسہ میں

پرسوں غازی ممدوح شہر بروسہ تشریف لے گئے جہاں صحت پانا تبدیل آب و ہوا کے لئے مقیم ہیں۔ اُن کی ملاقات کے بعد غازی اسی دن رات کو واپس چلے گئے۔ اس سفر میں اُن کے ساتھ وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور وزیر عدالت محمود اسعد بک وغیرہ بھی تھے۔

افغانستان اور ٹرکی

۴ دن پہلے یہاں ہز اکسلنسی محمود طرزی خاں وزیر خارجہ افغانستان ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک کے ساتھ وارد ہوئے۔ آمد کی غرض غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے ملاقات کرنا تھی۔ چنانچہ ملاقات ہو گئی اور ممدوح یورپ روانہ ہو گئے۔

سیاسی حلقوں میں اس ملاقات کو اہمیت دی جاتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اپنے پچھلے مکتوب میں عرض کر چکا ہوں، اسوقت روسی انگریزی نزاع نے افغانستان کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے اور وہ برطانیہ کی تعدی سے بچنے کے لئے ابھی سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

بیزنطینی آثار

تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ روم کی عظمت کے زوال کے بعد ایک زمانہ میں قسطنطنیہ نے کتنا عروج حاصل کر لیا تھا؛ یونان اور روم کا تمام علم و فن سمٹ کر اسی عروس البلاد میں جمع ہو گیا تھا۔

پھر یہ بھی معلوم ہے کہ یونان اور روم کے عہد عظمت میں گھوڑ دوڑ کے میدانوں کو کتنی اہمیت تھی۔ اُنکی آرائش کا کیسا اہتمام کیا جاتا تھا؟ ان میں کامیابی حاصل کرنے والوں کی کتنی تعظیم و تکریم ہوتی تھی؟ اُس عہد میں یہ چیز اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ ہومر کو بھی اس کا ذکر کرنا پڑا۔ عام طور پر یہ میدان کسی بلند ٹیکرے پر بنائے جاتے تھے۔ تقریباً ۴۰۰ میٹر لمبے اور ۲۰۰ میٹر چوڑے ہوتے تھے۔ ان کا نام "ہپڈروم" تھا۔ قسطنطنیہ میں بھی ایک "ہپڈروم" تھا اور از حد وسیع اور شاندار تھا۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے اس کی آراستگی پر صدیوں محنت کی یہاں تک کہ وہ دُنیا بھر میں مشہور ہو گیا تھا اور دُور دُور سے سیاح اُسے دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ "ہپڈروم" ٹھیک استنبول کے قلب میں اُس میدان کے اندر واقع تھا، جس کے ایک طرف اب جامع سلطان احمد ہے، اور دوسری طرف جامع ایا صوفیہ ہے۔ حکومت عثمانیہ نے اس میدان میں تنقیب (کھدائی) کی اجازت دینے سے ہمیشہ انکار کر دیا تھا لیکن جمہوری حکومت نے اجازت دے دی۔ چنانچہ پروفیسر اسٹیلی کاسن کی ماتحتی میں ماہرین آثار کی ایک جماعت کھدائی میں مشغول ہے۔ اسوقت تک جتنے آثار برآمد ہو چکے ہیں اور آئندہ جتنے نکلیں گے، وہ سب ترکی حکومت کی ملک ہونگے۔

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

حجاج بن یوسف الثقفی

خلافت اموی کے حکام میں حجاج ابن یوسف سے زیادہ کسی شخص کو شہرت حاصل نہیں ہوئی، مگر یہ شہرت عدل و فیض رسانی کی نہیں تھی۔ سیاست و قہر کی تھی۔ تاریخ اسلام میں حجاج کا قہر ضرب المثل ہو گیا ہے!

یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد اموی سلطنت کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔ وہ حجاج ہی تھا جسنے اپنی بے پناہ تلوار اور بے روک سفاکی سے از سر نو اس کی گرتی ہوئی عمارت مستحکم کر دی۔

بنی امیہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر سے تھا۔ ان کی حکومت کا مرکز مکہ میں تھا اور اُس کا دائرہ شام کی سرحدوں تک پہنچ گیا تھا۔ حجاج ابن یوسف نے یہ خطرہ ہمیشہ کے لئے دُور کر دیا۔ مکہ کا محاصرہ کیا، کعبہ پر منجنیقیں لگا دیں، اور حضرت عبد اللہ بن الزبیر کو نہایت سفاکی کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

عراق شروع سے شورش پسند قبائل کا مرکز تھا۔ یہاں کی سیاسی بیچینی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ والیوں پر والی آتے تھے، اور بے بس ہو کر ٹوٹ جاتے تھے۔ لیکن حجاج ابن یوسف کی تلوار نے اپنی ایک ہی ضرب میں عراق کی ساری شورہ پشتی ختم کر ڈالی۔ خود اُس عہد کے لوگوں کو اسپر تعجب تھا۔ قاسم بن سلام کہا کرتے تھے "کوفہ کی خودداری اور نخوت اب کیا ہو گئی؟ اُنھوں نے امیر المومنین علی کو قتل کیا، حسین بن رسول کا سر کاٹا۔ مختار جیسا صاحب جبروت ہلاک کر دیا، مگر اس بدصورت ملعون (حجاج) کے سامنے بالکل ذلیل ہو کر رہ گئے! کوفہ میں الاکھ عرب موجود ہیں، مگر یہ خبیث ۱۲ سوار لے کر آیا اور سب کو غلام بنا ڈالا!"

حجاج کا عراق میں اولین خطبہ، ادب عربی کی اتنی مشہور چیز ہے کہ صرف اشارہ کر دینا کافی ہوگا: أما والله، انی لاحمل الشر بحمله، وأحذوه بنعله، وأجزيه بمثله، وانی لاری ابصاراً طامحه، وأعناقاً متطاوله، ورؤساً قد اينعت وحان قطافها، وكأنی انظر الی الدماء بين العمائم واللحی تترقرق! حجاج کی تلوار جس درجہ سفاک تھی، اُتنی ہی اُس کی زبان بھی بلیغ تھی۔ اُس کا یہ خطبہ خطیبانہ بلاغت کا بے نظیر نمونہ ہے "میں دیکھتا ہوں کہ نظریں اُٹھی ہوئی ہیں، گردنیں اونچی ہو رہی ہیں، سروں کی فصل پک چکی ہے، اور کٹائی کا وقت آ گیا ہے! میری نظریں وہ خون دیکھ رہی ہیں جو پگڑیوں اور داڑھیوں کے درمیان بہ رہا ہے!"

حجاج نے جیسا کہا تھا، ویسا ہی کر دکھایا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جنگوں کے علاوہ حالت امن میں اُسنے ایک لاکھ ۲۰ ہزار آدمی قتل کئے تھے (عقد الفرید۔ البیان والتبیین وغیرہ) بڑے بڑے اخیار و ابرار مثلاً سعید بن جبیر وغیرہ کی گردنیں اُڑا دیں۔ مدینہ میں بے شمار صحابہ کے ہاتھوں پر سیسے کی مُہریں لگا دیں، حضرت عبد اللہ بن الزبیر اور حضرت عبد اللہ بن عمر جیسے جلیل القدر صحابیوں کو قتل کیا، موجودہ زمانے کی استعماری سیاست کی طرح اس کا بھی اصول یہ تھا "حکومت کے قیام کے لئے ہر بات جائز ہے" اور "حکومتیں رحم و عدل سے نہیں بلکہ قہر و تعزیر سے قائم ہوتی ہیں"!

اس عہد کے عرفاء و صلحاء، حجاج کو خدا کا قہر و عذاب خیال کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے "حجاج، اللہ کا عذاب ہے۔ اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دُور کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ خدا سے تضرع و زاری کرو۔ کیونکہ اُسنے فرمایا ہے "ولقد اخذناهم بالعذاب فما استكانوا لربهم وما يتضرعون"

یہی سبب ہے کہ جوں ہی اُس کی موت کی خبر سُنی گئی حضرت حسن اور عمر بن عبد العزیز سجدے میں گر پڑے۔ "اس امت کا فرعون مر گیا!" بے اختیار ان کی زبانوں سے نکل گیا!

اب دیکھنا چاہئے اس جابر و قہرمان انسان نے موت کا مقابلہ کیونکر کیا؟ جس گھاٹ ہزاروں مخلوق کو اپنے ہاتھوں اُتار چکا تھا، خود اسمیں کیسے اُترا؟

بیماری

عراق پر ۲۰ برس حکومت کرنے کے بعد ۵۴ سال کی عمر میں حجاج بیمار ہوا۔ اُس کے معدے میں بے شمار کیڑے پیدا ہو گئے تھے۔ اور جسم کو ایسی سخت سردی لگ گئی تھی کہ آگ کی بہت سی انگیٹھیاں بدن سے لگا کر رکھدی جاتی تھیں پھر بھی سردی میں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی!

موت پر خطبہ!

جب زندگی سے نا اُمیدی ہو گئی تو حجاج نے گھر والوں سے کہا "مجھے بٹھا دو اور لوگوں کو جمع کرو" لوگ آئے تو اُسنے حسب عادت ایک بلیغ تقریر کی۔ موت اور اُسکی سختیوں کا ذکر کیا، قبر اور اُس کی تنہائی کا بیان کیا، دنیا اور اُس کی بے ثباتی یاد کی، آخرت اور اُسکی ہولناکیوں کی تشریح کی، اپنے گناہوں اور ظلموں کا اعتراف کیا پھر یہ شعر اُس کی زبان پر جاری ہو گئے:

ان ذنبی وزن السموات والار ض وظنی بخالقی ان یحابی

میرے گناہ آسمان اور زمین کے برابر بھاری ہیں، مگر مجھے اپنے خالق سے اُمید ہے کہ رعایت کرے گا۔

فلئن منّ بالرضاء فهو ظنی ولئن مرّ بالكتاب عذابی

اگر وہ اپنی رضامندی کا احسان مجھے دے تو یہی میری امید ہے۔ لیکن اگر وہ عدل کر کے میرے عذاب کا حکم دے۔

لم یکن ذاک منه ظلما وهل یظلم رب یرجی لحسن مآب؟

تو یہ اُس کی طرف سے ہرگز ظلم نہیں ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رب ظلم کرے جس سے صرف بھلائی ہی کی توقع کی جاتی ہے؟

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ موقعہ اس قدر عبرت انگیز تھا کہ مجلس میں کوئی بھی اپنے آنسو روک نہ سکا!

خلیفہ کے نام خط

اس کے بعد اُسنے اپنا کاتب طلب کیا اور خلیفہ ولید بن عبد الملک کو حسب ذیل خط لکھوایا:

"اما بعد، میں تمھاری بکریاں چراتا تھا۔ ایک خیر خواہ گلہ بان کی طرح اپنے آقا کے گلے کی حفاظت کرتا تھا۔ اچانک شیر آیا، گلہ بان کو طمانچہ مارا، اور چراگاہ خراب کر ڈالی۔ آج تیرے غلام پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو ایوب صابر پر نازل ہوئی تھی۔ مجھے اُمید ہے کہ جبار و قہار اس طرح اپنے بندے کی خطائیں بخشنا اور گناہ دھونا چاہتا ہے!"

پھر خط کے آخر میں یہ شعر لکھنے کا حکم دیا:

اذا ما لقیت الله عنی راضیاً فان شفاء النفس فیما هنالک

اگر میں نے خدا کو اپنے سے راضی پایا تو بس میری مراد پوری ہو گئی

فحسبی بقاء الله من کل میت وحسبی حیاة الله من کل هالک

سب مر جائیں مگر خدا کا باقی رہنا میرے لئے کافی ہے! سب ہلاک ہو جائیں مگر خدا کی زندگی میرے لئے کافی ہے!

لقد ذاق هذا الموت من کان قبلنا ونحن نذوق الموت من بعد ذلک

ہم سے پہلے یہ موت چکھ چکے ہیں، ہم بھی اُنکے بعد موت چکھیں گے!

فان متُّ فاذکرنی بذکر محبب فقد کان جمانی رضاک مسالکی

اگر میں مر جاؤں تو مجھے محبت سے یاد رکھنا، کیونکہ تمھاری خوشنودی کے لئے میری راہیں بے شمار تھیں۔

والا، ففی وبر الصلوة بدعوة یلقی بها المسجون فی نار مالک

یہ نہیں تو کم سے کم ہر نماز کے بعد دعا میں یاد رکھنا کہ جس سے جہنم کے قیدی کو کچھ نفع پہونچے۔

علیک سلام الله حیاً ومیتاً ومن بعد ما تحیا عتیقا لمالک

تجھ پر ہر حال میں اللہ کی سلامتی ہو، جیتے جی، میرے پیچھے، اور جب دوبارہ زندہ کئے جاؤ!

سکرات موت کے شدائد

حضرت حسن بصری عیادت کو آئے تو حجاج نے اُن سے اپنی تکلیفوں کا شکوہ کیا۔ حسن نے کہا "میں تجھے منع نہیں کرتا تھا کہ نیکوکاروں کو نہ ستا، مگر افسوس تو نے نہیں سُنا" حجاج نے خفا ہو کر جواب دیا "میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اس مصیبت کے دُور ہونے کی دعا کر۔ میں تجھ سے یہ دعا چاہتا ہوں کہ خدا جلد میری روح قبض کرے اور اب زیادہ عذاب نہ دے!"

اسی اثناء میں ابو منذر یعلی بن مخلد مزاج پرسی کو پہنچے۔

"حجاج! موت کے سکرات اور سختیوں میں تیرا کیا حال ہے؟" اُنھوں نے سوال کیا۔

"اے یعلی!" حجاج نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "کیا پوچھتے ہو؟ شدید مصیبت! سخت تکلیف! ناقابل بیان الم! ناقابل برداشت درد! سفر دراز! توشہ قلیل! آہ! میری ہلاکت! آہ! میری ہلاکت! اگر اُس جبار و قہار نے مجھ پر رحم نہ کھایا!"

ابو منذر کی بے لاگ تقریر

ابو منذر نے کہا "اے حجاج! خدا اپنے اُنھیں بندوں پر رحم کھاتا ہے جو رحم دل اور نیک نفس ہوتے ہیں۔ اُس کی مخلوق سے بھلائی کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو فرعون ہامان کا ساتھی تھا۔ کیونکہ تیری سیرت بگڑی ہوئی تھی۔ تو نے اپنی

ملت ترک کردي تهي - راه حق سے کٹ گیا تها - صالحین کے طور طریقه سے دور هوگیا تها - تونے نیک انسان قتل کرکے اُن کي جماعت فنا کرڈالي - تابعین کي جڑیں کاٹ کر اُن کا پاک درخت اکهاڑ پهینکا - افسوس تو نے خالق کي نافرماني میں مخلوق کي اطاعت کي - تو نے خون کي ندیاں بهادیں - جانیں لیں - آبروئیں برباد کیں - کبر و جبر کي روش اختیار کي - تونے نه اپنا دین هي بچایا ' نه دنیا هي پائي - تو نے خاندان مروان کو عزت دي ' مگر اپنا نفس ذلیل کیا - اُن کا گهر آباد کیا ' مگر اپنا گهر ویران کرلیا - آج تیرے لیے نه نجات هے نه داد فریاد - کیونکه تو آج کے دن اور اِس کے بعد سے غافل تها - تو اِس امت کے لیے مصیبت اور قهر تها - الله کا هزار هزار شکر که اُسنے تیري موت سے امت کو راحت بخشي ' اور تجهے مغلوب کرکے اُسکي آرزو پوري کردي ! "

(حجاج کي عجیب رحمت طلبي !)

راوي کهتا هے - حجاج یه سن کر مبهوت هوگیا - دیر تک سناٹے میں رها - پهر اُس نے ٹهنڈي سانس لي ' آنکهوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ' اور آسمان کي طرف نظر اُٹها کر کها :

" الهي ! مجهے بخش دے ' کیونکه لوگ کهتے هیں که تو مجهے نهیں بخشے گا ! " پهر یه شعر پڑها :

رب ان العباد قد أیأسوني و رجائي لک الفداة عظیم !

الهي ! بندوں نے مجهے نا امید کرڈالا ' حالانکه میں تجهه سے بڑي هي امید رکهتا هوں !

یه کهکر اُسنے آنکهیں بند کرلیں -

اسمیں شک نهیں ' رحمت الهي کي بے کنار وسعت دیکهتے هوئے اُسکا یه انداز طلب ایک عجیب تاثیر رکهتا هے اور اِس باب میں بے نظیر مقوله هے - یهي وجه هے که جب حضرت حسن بصري سے حجاج کا یه قول بیان کیا گیا تو وه پهلے تو متعجب هوے " کیا واقعي اُسنے یه کها ؟" کها گیا " هاں اُسنے ایسا هي کها هے " فرمایا " تو شاید !" (یعني شاید اب بخشش هو جائے)

اطلاع

اس نمبر کے تمام فارم طیار هوچکے تهے - صرف آخري چو صفحه باقي تها که ایک حادثه کي وجه سے خوشنویس اپنے وطن چلے گئے ' اور اُن کي جگه جس خوشنویس سے کتابت کا انتظام کیا گیا ' وه بهي بروقت کام نه کرسکے - نتیجه یه نکلا که اُن تمام مضامین کي کتابت رهگئي جو آخري چو صفحه میں دیے جاتے هیں - ممکن تها که یه تمام حصه کمپوز کراکے شامل کردیا جاتا ' لیکن اسکي وجه سے ایک دن کي تاخیر هوجاتي - چونکه اب هم سب سے زیاده ضروري بات رساله کي بروقت اشاعت سمجهتے هیں - اسلیے یهي مناسب نظر آیا که یه نمبر ۲۲ صفحه هي کا شائع کردیا جاے ' مگر اشاعت میں تاخیر نهو - انشاء الله اسکي تلافي آینده اشاعت میں هوجائیگي - اب خوشنویسوں کا بهي ایسا انتظام کرلیا گیا هے که آینده رکاوٹ پیش نه آے - منیجر

مراسله

لکهنو سے ایک انگریزي روزانه کا اجراء

لیمیٹڈ کمپني

هندوستان میں صوبه جات متحده آگره و اوده کا جو اهم مرتبه هے وه محتاج تشریح نهیں - مگر صوبه هذا کے مسلمانوں کي انتهائي بد نصیبي هے - اس زمانه میں جب که اُن کو قدم قدم پر ایک حقیقي رهنما و همدرد وکیل کي ضرورت هے ' اُن کے پاس ایک بهي روزانه انگریزي اخبار نهیں هے -

الله آباد اور علي گڑه سے دو انگریزي اخباروں کے نکالنے کي کوشش هوئي مگر اول الذکر محض تجارتي اغراض لیکر دنیا میں آیا تها اور مؤخر الذکر اگرچه اسلام کے تعلیمي مرکز سے جاري هوا ' مگر اس میں بد قسمتي سے شخصي عنصر اس درجه غالب تها که وه ترقي نه کرسکا - دونوں جس بے سروساماني کي حالت میں آئے تهے اُسي طرح رخصت هوگئے - اُن کي موت نے افسوس ناک نتائج پیدا کردیے - یعني مسلمانوں کو اپنے روزانه انگریزي اخبارات سے بد ظني پیدا هوگئي - جس کے باعث معقول انگریزي روزانه اخبار اب تک نهیں نکل سکا - چنانچه اس وجه سے اور کچهه اس سبب سے که جناب آنریبل سید رضا علي صاحب پبلک سروس کمیشن کے ممبر هوگئے تهے - انگریزي روزانه اخبار کي وه اسکیم جو وسط سنه ۱۹۲۶ع میں لکهنو میں طیار هوئي تهي عملي جامه نه پهن سکي - لیکن اس ایک برس کي مدت سیاسي نقطه نظر سے نهایت اهم ثابت هوئي اور موجوده اور آنے والي پیچیدگیوں نے قوم کے رهنماؤں کو مجبور کیا که وه آنریبل سر مهاراجه صاحب بهادر محمودآباد کي سرکردگي میں معقول سرمایه اور بهترین اسٹاف کے ساتهه مسلمانوں کا انگریزي روزانه اخبار لکهنؤ سے جاري کریں - یه اسکیم نهایت شاندار هے جو نه صرف مسلمانوں کے ایک زبردست روزانه انگریزي اخبار اور بهترین پریس کي حامل هوگي بلکه مسلمانوں کي ذاتي منفعت کا بهي معقول ذریعه ثابت هوگي

ایک کمپني قائم کي گئي هے جس کے ڈائرکٹر حسب ذیل هیں :

سر مها راجه صاحب بهادر والي محمود آباد - سر سید علي امام صاحب بیرسٹر ایٹ لا - پٹنه - راجه صاحب تانپاره ضلع بهرائچ - آنریبل راجه نواب علي خاں صاحب تعلقه دار - ممبر کونسل آف اسٹیٹ - مولوي محمد نسیم صاحب بي - اے - ایڈوکیٹ لکهنؤ -

کمپني مذکور کي اسکیم نهایت تجربه کار اور واقف کار اصحاب نے تیار کي هے ' اور ایک اعلی درجه کے پریس اور انگریزي اخبار کے اجراء کا مشوره دیا هے - پریس انگریزي اور اُردو هر قسم کا بهترین کام کریگا - پریس اور اخبار کے انتظامات صرف معتبر اور آزموده کار هاتهوں میں رهینگے - چنانچه ایڈیٹوریل اور انتظامي خدمات کے لیے بهترین اشخاص منتخب کیے گئے هیں - اور اسکیم میں اکثر منافع کا پهلو رکها گیا هے تاکه جو لوگ کمپني کے حصص خریدیں اُن کو منافع کي شکل میں معقول مالي فائده پهونچتا رهے -

کمپني کے متعلق پراسپکٹس انگریزي اور اُردو میں چهپ رهے هیں - حصوں کے خریداري کے فارم بهي تیار هیں - مسٹر حسن عابد جعفري رین بیرسٹر ایٹ لا سے محمود آباد هاؤس قیصر باغ لکهنؤ کے پته پر مل سکتے هیں اور انهي سے تمام مزید حالات بهي معلوم هو سکتے هیں -

خاکساران

آل نبي محمد یعقوب تصدق احمد خاں وغیره

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ھین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ھے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار ' پرانی ' قلمی اور مطبوعہ کتابیں ' پرانی تصویرین ' پرانے سکے اور نقرش ' پرانے زیور ' آرائش و زیبائش کا ھر قسم کا سامان ' اور ھر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر ' اگر آپ کو مطلوب ھیں ' تو ھم سے خط و کتابت کیجیے ۔ ھم از کم ھماری نمایش گاھوں اور ذخائر کی فہرستیں ھی منگوا لیجیے ۔ اھل علم اور اھل دولت ' دونوں کیلیے ھمارا ذخیرہ قیمتی ھے

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے نہایت معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ھے ۔

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر ' شام ' فلسطین ' ھندوستان ' ایران ' ترکستان ' چین ' وغیرہ ممالک میں ھمارے ایجنٹ ھمیشہ گردش کرتے رھتے ھیں ۔

با این ھمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ھیں !

براعظم یورپ ، امریکہ ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محلل ' نایاب خانے ' اور عجائب خانے ' ھم سے نوادر حاصل کرتے رھتے ھیں ۔ ناظرہ کے لئے ایران ساھی کے نوادر ابھی حال میں ھم ھی نے فراھم کیے ھیں ۔

اگر آپکے پاس نوادر موجود ھوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بھی پہلے ھم ھی سے خط و کتابت کیجیے ۔ بہت ممکن ھے کہ ھمارا سفیر یا مقامی ایجنٹ آپسے مل سکے ۔

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دينى علوم كى بيش بها جواهر ريزى

اس سلسله ميں هم نے امامين كى ان نادر و اعلى درجه كى بلند پايه عربى تصانيف كے اردو تراجم كا سلسله شروع كيا هے ' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت كے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد هے يه "سلسلهٔ تراجم" دين نصيب هندوستان كى دماغى اصلاح كا كام دے :

اسوهٔ حسنه — امام ابن قيم كى دن سيرت ميں سيره آفاق كتاب "زاد المعاد" كے خلاصه كا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے عيلاوه ازهائى روپيه -

كتاب الروح — لفظ "روح" كى بحث كے علاوه امام ابن قيم نے اسلام كے اصل الاصول "توحيد" كى مبسوط بحث كى هے - بلا جلد ازهائى روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب كهف — اصحاب كهف ' يعنى مدت دراز تك طويل عدالت تك مقفل حالت ميں رهنے والے سات نوجوان -

تفسير سورة النور — امام ابن تيميه كے مخصوص انداز تفسير كا اردو ترجمه -

العروة الوثقى — حاكم و محكوم كے درميان واسطه اور فرق مراتب كى بحث -

سيرت امام ابن تيميه — سيرت امام كے ضروري واقعات و حالات كا مختصر بيان -

زيارت قبور — علامه سيد محمد رشيد رضا مصرى كى زيارت قبور كا اردو ترجمه - سوا آنه -

الحمد لله — ترجمه رفع علامه عن ائمه الاعلام (اردو طبع)

خلاف الامه — في العقائد (اردو طبع)

صوم عاشورا — يه ايك علمى و تحقيقى رساله هے جس كے خريدار كو هم نے اعمال و وظائف و نوافل كے اردو و عربى و فارسى اور انگريزى زبانوں كى اهم اهم اور عمده مطبوعات كے متعلق ضروري اور معلومات افزا اطلاعات فراهم كيا هے - اسكے علاوه ائمه و اعلام و بزرگان دين كے حالات ' طائف افسانه ' نظموں اور ممالك اسلاميه كے معتبر ذرائع سے حاصل كيے هوئے حالات درج كيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگى -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فى مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان ايں دفتر پارينه را
تازه خوابى داشتن گر داغهاے سينه را

اردو صحافت كى تاريخ ميں الهلال هى وه رساله هے جو اپنى تمام تر ظاهرى اور باطنى خصوصيات ميں ايك انقلاب آفرين دعوت تهى

الهلال اگرچه ايك هفته وار مصور رساله تها ' ليكن چونكه وه اردو صحافت كى مختلف ساخوں ميں اجتهاد نظر و فكر كى نئى طرح پيدا كرنى چاهتا تها ' اس لئے اس كا هر نمبر صحافت اسلام كے مختلف اوراق كا مجموعه تها - اس كے هر نمبر ميں [illegible] مباحث ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات [illegible] اسكا ظاهر و باطن اپنى [illegible] خصوصيات كے ساتھ اپنى [illegible] تها - پهر اس كى نگارش - زبان اردو صحافت [illegible] طباعت و ترتيب كا پهلا نمونه تها - اردو كا وه پرانا [illegible] جس ميں [illegible] صاف تهى اور [illegible] كى [illegible] هے - [illegible] مضمون [illegible] مطالب [illegible] مولوى [illegible] معلوميت [illegible] طالبعلمى [illegible] رسيده [illegible] الهلال [illegible] جلد [illegible] جلدوں [illegible] مضمون [illegible] هے [illegible] مضامين [illegible] جلدوں [illegible] مجلد [illegible] جلد

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتا

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں میں ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو موار اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجہ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میووں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں

Printed and Published by

MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA

EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

جلد ۱ ۱۹ اگست ۱۹۱۲ء نمبر ۱۰۴

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول	-	بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے		سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی	-	سات روپیہ
قیمت فی پرچہ	-	[illegible]انہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں اُنکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) تبدیل عنوانات خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس دوسرا پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں ورنہ بصورت تاخیر بعد مدت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاوے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۰ | کلکتہ : جمعہ ۲۰ ۔ صفر ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 19, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔

طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تك بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیي ۔ یاد رکھیي ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیي سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایك بار دور کر دی جائین ۔ الہلال

قاریین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تك ۵۸۳ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین	۶۰	اردو حروف کی حق مین	۱۹۰
موجودہ مشترك طباعۃ کی حق مین	۱۱۱	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۷۹	نستعلیق ہون	۴۳

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بہی متفق ظاہر کیا ہی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بہی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بہیج دین ۔ الہلال

مغرب کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

انقلاب فرانس کے ارکان ثلاثہ

جان جاک روسو

اسقف کا جواب

(۳)

(وحدانیت یا تعدد ؟)

اسقف نے لکھا تھا " ... وحدانیت اسکے (روسو) خیال میں ایک حقیر مسئلہ ہے اور کسی طرح بھی اسکی عقل میں نہیں آسکتا - لیکن متعدد خداؤں کا تصور اسکی عقل کے نزدیک معقول ہے ... "

روسو جواب دیتا ہے :

" متعدد خداؤں کا کس نے ذکر کیا ؟ اے میرے آقا اسقف ! تجھ پر میرا صبر پڑے ! میں نے یہ کب کہا ؟ بے شک تمہاری دلی آرزو یہی ہوگی کہ میں اس درجہ احمق ہوتا ' اور اس طرح کی احمقانہ گفتگو کرتا - لیکن اگر میں ایسا احمق ہوتا تو تمہیں میرے " عالمانہ رد " لکھنے کا یہ فخر بھی حاصل نہ ہوتا ! "

" بلا شبہ میں نہیں جانتا کائنات کیوں بنی ہے ' اور کیونکر بنی ہے ؟ میرے سوا جو لوگ معرفت کے مدعی ہیں ' وہ بھی اس باب میں مجھ سے زیادہ علم نہیں رکھتے - لیکن میں صاف دیکھتا ہوں کہ اس تمام حرکت کا متحرک ایک ہی وجود ہے - تمام کائنات ایک ہی رخ رکھتی ' اور ایک ہی قسم کے مقاصد پورے کر رہی ہے - یہ اس حقیقت کی روشن دلیل ہے کہ کوئی ایک بلند تر ارادہ کارفرما ہے ' اور کوئی ایک ہی بالاتر قوت عمل پیرا ہے - اس ارادے اور اس قوت کو میں ایک ہی ذات سے منسوب کرتا ہوں ' کیونکہ وہ دونوں باہم متفق ہیں ' اور ان دونوں کو ایک ہی ذات کا خاصہ سمجھنا ' دو ذاتوں کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ معقول ہے - تعدد ' صرف اسی وقت تسلیم کیا جاسکتا ہے جب اسکا کوئی ثبوت موجود ہو - لیکن کائنات میں کوئی اس قسم کا ثبوت موجود نہیں - یہ خیال سراسر وہم ہے کہ خیر کا خالق اور شر کا خالق ایک نہیں ہوسکتا - جس چیز کو ہم شر سمجھتے ہیں ' وہ علی الاطلاق شر ہے ہی نہیں - شر مطلق سے مجھے انکار ہے - یہ اعتباری شر بھی خیر سے برسر پیکار نہیں ہے ' بلکہ نظام عالم کی تکمیل میں خیر کا ممد و معاون ہے "

(روسو کا عقیدہ)

اسکے بعد روسو اپنی کتاب اور اپنے شخصی عقیدے کی طرف متوجہ ہوتا ہے :

" اب میں وہ سبب بیان کرتا ہوں جس نے مجھے یہ کتاب شائع کرنے پر مجبور کیا - اس تمام شور و غوغا کے باوجود بھی میں اس کتاب کو اپنے عہد کی بہترین کتاب یقین کرتا ہوں - آگ کے شعلے ' حکومتوں کے فیصلے ' مذہبی پیشواؤں کے فتوے ' مجھے ہرگز مرعوب نہیں کرسکتے - وہ میرے لب و لہجہ میں ہرگز کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرسکتے - نہ تو لاہوتی ' ایمان کی ریاکارانہ تلقین کرکے مجھے جھوٹا بناسکتے ہیں ' نہ فلاسفہ مجھے منافقت کا طعنہ دیکر الحاد پر آمادہ کرسکتے ہیں - میں برابر اپنے دین کا اعلان کرونگا ' کیونکہ میں دین رکھتا ہوں - میں بیانگ دہل اسے شہرت دونگا ' کیونکہ مجھمیں ایمان و اشتہار کی شجاعت موجود ہے - آہ ! میں نے کتنی تمنائیں کیں کہ سب لوگوں میں اتنی ہی شجاعت ہوتی ! اگر سب میں اتنی شجاعت ہوتی ' تو انسانیت کو کتنا نفع پہنچتا ؟

(" حضرت مسیح کا شاگرد ")

" اے میرے آقا ! میں مسیحی ہوں - میں اخلاص کے ساتھ انجیلی مذہب کا متبع ہوں - ہاں میں مسیحی ہوں ' لیکن پادریوں کا شاگرد نہیں ہوں ' بلکہ خود مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد ہوں - میرا استاد ' کتابوں کی عبارتوں پر بحث نہیں کرتا تھا ' لیکن عمل پر نظر رکھتا اور عمل ہی پر زور دیتا تھا - اس نے ہمیں جس ایمان کی تلقین کی ہے ' اس کے قواعد و اصول بہت زیادہ اور پیچ در پیچ نہیں ہیں - صرف گنتی کی چند موٹی موٹی باتیں ہیں - لیکن اس نے جس نیکی کی تعلیم دی ہے ' اس کی شاخیں بے شمار اور اسکی راہیں بے حساب ہیں - اسنے ہمارے ایمان میں موشگافیاں نہیں کی ہیں ' لیکن عمل صالح کی پورے شرح و بسط سے تفسیر کی ہے - اس نے ایمان کیلیے صرف دو تین موٹی موٹی باتیں ضروری ٹھہرائی ہیں ' لیکن عمل کی نیکی کیلیے اوئی گنتی نہیں بتائی ہے ' کیونکہ عملی نیکیاں ان گنت ہیں - اس نے جہاں کہیں انبیاء کے نمونوں پر زور دیا ہے ' وہاں ایمان سے زیادہ ان کے اعمال بتائے ہیں - اس نے اپنی اور تمام نبیوں کی تعالیم کا لب لباب اس ایک جملہ میں بیان کر دیا " اپنے بھائی سے محبت کرنا ' پورا دین ہے ! "

(دوستوں اور دشمنوں کو دعوت)

اسکے بعد لکھتا ہے :

"مجھے ہمیشہ خلوت کی پر مسرت زندگی حاصل نہیں رہی - لوگوں سے ملنے جلنے پر بھی مجبور ہوتا رہا ہوں - میری ہر طبقہ کے لوگوں سے ملاقات ہے - میں نے مختلف سیاسی اور دینی جماعتوں کے لوگ دیکھے ہیں - میں نے مومنوں سے بھی ملا ہوں اور ملحدوں سے بھی - میں نے حکماء بھی دیکھے ہیں ' جہلاء بھی - متعصب بھی دیکھے ہیں ' غیر متعصب بھی - سنجیدہ بھی میری صحبت میں بیٹھے ہیں ' اور مسخرے بھی - میرے دوست بھی بہت ہیں اور دشمن بھی - میں دنیا میں تمام آدمیوں کو ' جنھوں نے مجھے کبھی دیکھا یا جانا ہے ' گلا پھاڑ پھاڑ کر پکارتا اور دعوت دیتا ہوں - وہ سامنے آئیں ' اور میرے عقیدے کی بابت جو کچھ جانتے ہوں ' برملا کہہ ڈالیں ! وہ جرأت سے بڑھیں ' اور بتائیں ' کبھی ' کسی حال میں بھی انھوں نے میرے عقیدے میں کوئی تبدیلی دیکھی یا محسوس کی ؟ قہوہ خانے کی صحبتوں ' کھانے کی میز کی نشستوں ' بے تکلفی کی ملاقاتوں ' سنجیدہ یا مذاح کی گفتگوؤں ' غرضکہ کبھی

کسی موقعہ پر بھی اُنھوں نے میری زبان سے کوئی ایسا لفظ سنا جو اُس کے مخالف تھا، جسکا میں اپنی کتابوں میں اعلان و اشتہار کرتا رہا ہوں ؟ وہ صاف صاف کہیں، اُنکی دلیلیں، اُنکی نکتہ چینیاں، اُنکا تمسخر، کبھی میرے عقیدے میں کوئی تزلزل پیدا کر سکا ہے ؟ وہ بتائیں، کبھی، ایک لمحہ کیلیے، اُنھوں نے محسوس کیا کہ میں کوئی ایسا عقیدہ یا خیال رکھتا ہوں جو علی الاعلان دنیا کے سامنے ظاہر نہیں کرتا ؟ ہاں، میں اپنے تمام دوستوں اور تمام دشمنوں کو ایک ساتھ دعوت دیتا ہوں - دوستوں کو دوستی کا واسطہ دیتا ہوں - دشمنوں کو دشمنی کی قسم دیتا ہوں - بے رو رعایت، بے خوف و خطر، مردانہ وار میدان میں آئیں، اور جو کچھ بھی میری نسبت کہہ سکتے ہوں، بے کھٹکے کہہ ڈالیں ! میں اپنے دوستوں اور دشمنوں، دونوں کی شرافت و دیانت پر بغیر کسی پس و پیش کے بھروسہ کرتا ہوں - میں اپنی پوری شرافت اُنکے سامنے رکھ دیتا ہوں - میں ہرگز کسی سے بحث اور حجت نہیں کرونگا - جو کچھ بھی وہ کہہ دینگے، بے چون وچرا تسلیم کر لونگا !"

(انبیاء کرام کی عظمت)

" میں اُن تمام انسانوں کی عزت کرتا ہوں، جنھوں نے مذاہب وادیاں قائم کیے ہیں - وہ سب عظیم کمال اور اعلیٰ فضائل کے مالک تھے - اُنکی عظمت و فضیلت ہمیشہ محترم و مسلم رہے گی - سب کا دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے پیغام بر ہیں - ممکن ہے وہ حقیقت میں پیغمبر ہوں یا نہ ہوں - سب لوگ کوئی ایک دعویٰ تسلیم نہیں کرلے سکتے - دلائل یکساں طور پر سب کی دسترس میں نہیں ہیں - لیکن اگر وہ فی الواقع پیغمبر نہ بھی ہوں، جب بھی اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کذاب اور دجال ہوں - کون کہہ سکتا ہے کہ الاہییات میں مسلسل تفکر اور فضائل کا غیر مقید عشق انسانی روح کو کس حد تک پہنچا دے سکتا ہے ؟ منطق کو کیا حق ہے کہ مداخلت کرکے یہ معاملہ عامیانہ سطح پر گرے آئے ؟ غیر متناہی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمارا سر چکرا جاتا ہے، اور ہماری نظریں اشیاء کو اُنکی حقیقی شکل میں دیکھنے سے قاصر ہو جاتی ہیں "

(معجزات)

معجزات پر رسو نے لکھا تھا " یا للعجب ! ہمیشہ آدمیوں ہی کی گواہیاں ! آدمی، اپنے ہی جیسے آدمیوں سے سنتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو سناتے ہیں ! میرے اور خدا کے درمیان آدمیوں کے کتنے اَن گنت واسطے قائم ہوگئے ہیں ؟ "

اِس پر اُسقف نے اعتراض کیا تھا " اگر آدمیوں کی گواہی معتبر نہیں تو ہم پوچھتے ہیں - مؤلف نے اسپارٹا، ایتھنز، اور روم کو کیونکر جانا ... ؟ "

رسو جواب دیتا ہے :

" اگر معاملہ اِس درجہ اہم نہ ہوتا، یا میں اے آقا، آپکا اِس درجہ احترام نہ کرتا ہوتا، تو آپ دیکھتے، آپ کے اِس طریق استدلال نے میرے لیے اپنے ناظرین کو ہنسانے کی کیسی عمدہ فرصت مہیا کردی تھی - لیکن حاشا و کلا ! میں ہرگز اُس لہجہ سے دست بردار نہیں ہونگا جو اِس موضوع بحث کے لیے ضروری ہے، اور اُس شخص کے مرتبہ کے لایق ہے جس سے تخاطب کی عزت حاصل کرنے پر مجبور ہوگیا ہوں - میرے لیے اِس قدر کافی ہے کہ آپ کی غلطی ظاہر کردوں "

" میں نہایت عاجزی سے جناب والا کو یاد دلاتا ہوں - بے شک یہ بالکل معقول ہے کہ انسانی معاملات انسانی شہادتوں سے طے کیے جائیں، کیونکہ اُن کے ثابت ہونے کا اِس کے سوا کوئی ذریعہ موجود نہیں - بلا شبہ میں نے اسپارٹا اور ایتھنز کو آدمیوں ہی کی شہادتوں سے جانا - لیکن میں یہ ادب دریافت کرتا ہوں کہ میرے اور خدا کے درمیان اِن واسطوں کی کیا ضرورت ہے ؟ کیا ضرور ہے کہ یہ واسطے مجھ سے اتنے دور ہوں کہ خود اُن کے جاننے کے لیے، مجھے اور بہت سے انسانی واسطے تلاش کرنے پڑیں ؟ کیا یہ معقول ہے کہ خدا، جان جاک رسو سے گفتگو کرنے کے لیے ہمیشہ ایک موسیٰ (علیہ السلام) کو ڈھونڈھتا پھرے ؟ "

" پھر یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اسپارٹا پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے - اگر کوئی اُس پر ایمان نہ لائے تو لعنت کا مستحق نہیں ہو جائیگا - اسپارٹا کے وجود پر شک کرنے کی وجہ سے ہرگز کوئی دوزخ کا کندا نہیں بن جا سکتا - لیکن اگر ایک شخص دینی تعلیمات کی تصدیق نہیں کریگا تو اسکے لیے ابدی عذاب ہے - جس بات کے نہ ماننے کی اتنی بڑی سزا ہو، ضروری ہے کہ اسکے ماننے کے دراغ و دلائل بھی اسی مناسبت سے قطعی اور واضح ہوں "

" کوئی بات بھی جو ہماری چشم دید نہیں ہے، بغیر معقول دلیل کے ثابت نہیں ہو سکتی - اور ہر بڑی سے بڑی روایت بھی صدق و کذب کی محتمل ہے ..... "

" اگر معجزات خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ ہوتے، جب بھی میں اِس غیر معقول طریق ایمان سے انکار کر دیتا - سحر کی تصدیق میرے لیے اِس سے کہیں آسان ہے کہ خدا کے کلمہ کی غیر معقول طریقہ پر تصدیق کروں "

(موجودہ مسیحیت)

اِسکے بعد رسو موجودہ مسیحی دین پر اظہار خیال کرتا ہے :

" اُسقفوں اور پادریوں نے مسیحیت کو اُسکی اصلی روح سے محروم کردیا ہے - اب یہ سوال نہیں کیا جاتا کہ ایک مومن فرائض و واجبات کہاں تک انجام دیتا ہے ؟ اور نیکی میں اُسکی درجہ کہاں تک ہے ؟ سوال صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کس فرقہ کے خرافات (جنھیں غلط طور پر " عقائد " کا نام دیدیا گیا ہے) مانتا ہے ؟ وہ کیتھولک ہے یا پروٹسٹنٹ ؟ تم سے یہ کوئی نہیں پوچھیگا کہ خدا سے ڈرتے بھی ہو یا نہیں ؟ لیکن ہر کوئی اِس بات پر تمہاری جان لینے کیلیے تیار ہوجائیگا کہ تم فلاں ولی کی کرامت کے قائل بھی ہو یا نہیں ؟ دین اپنی اصلی شکل میں صاف، سادہ، ستھرا تھا - اُسے اِن جبہ پوشوں نے خرافات و خزعبلات اور غیر مفہوم قیل وقال کا غیر مرتب مجموعہ بنا دیا ہے - اگر تم اِس تمام کثافت سے جو آج کل دین کے نام سے موسوم ہے، از سر تا پا آلودہ ہو، تو بس، تم مومن کامل ہو - اب تمھیں کسی نیکی کی ضرورت باقی نہیں رہی - سیدھے آسمان کی بادشاہت (جنت) میں داخل ہوجاؤ گے !"

" انسانی جماعت کو دین سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ دین اپنی پست سطح پر آجاے ؟ اِس صورت میں دین کا مقصد کیا رہ جاتا ہے ؟ صرف یہ کہ انسانوں میں بغض و عداوت کی تخم ریزی کرے، اور خونریز میدانوں کا سامان بہم پہنچا دے ! بلا شبہ جب دین اِس حالت میں آجاے تو اُسکے وجود سے اُسکا عدم کہیں زیادہ بہتر ہے - ہمیں کوشش کرنی چاہیے

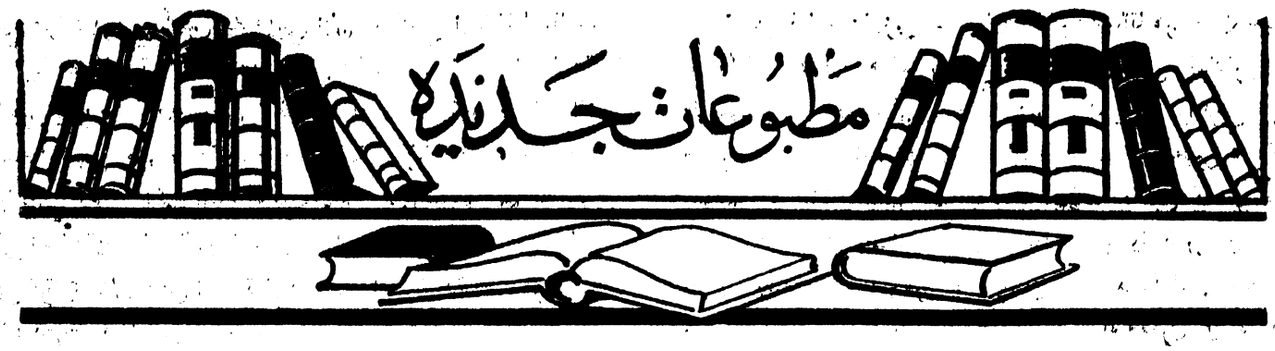

یہ دین کو اس پستی سے نکالیں - انسانیت کے ہم پر حقوق ہیں - یہی حقوق ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ دین کو خرافات سے پاک کرکے اصلی صورت میں پیش کردیں - تمہاری یہ سزائیں، دھمکیاں ' پھانسیاں ' اور آگ کے شعلے ہمیں ہرگز مرعوب نہیں کرسکتے "

(عہد جدید کی پیشین گوئی)

" جب لوگوں کی آنکھوں پر سے پردہ اٹھیگا اور حقیقت نظر آئیگی تو بلاشک و شبہ وہ موجودہ دین کو حقارت کے ساتھہ ٹھکرا دینگے - کیونکہ یہ حقیقی دین نہیں ہے - وہ سب سے پہلا کام یہ کرینگے کہ ان خود غرض اور زیاکار پیشواؤں کے احترام سے انکار کردیں - وہ ان سے کہینگے : تم ہی نے ہمارا دین بگاڑا ' اور تم ہی ہماری شقاوت کا سبب ہو - جب وہ مبارک زمانہ آئیگا تو اس کا سب سے زیادہ مبارک عمل یہی ہوگا "

(خاتمہ)

اپنا جواب روسو اس عبارت پر ختم کرتا ہے :

" اے اسقف اعظم ! تم اور تمہارے گروہ کے لیے باتیں بنانا بہت آسان ہے - تم لوگ اپنے حقوق کے سوا دوسروں کے حقوق نہیں جانتے - تمہیں صرف وہی قانون معلوم ہیں جن سے غیروں کو جکڑتے ہو - خود اپنے نفس کے مقید کرنے والے قانون تمہاری کتاب میں نہیں لکھے گئے - تم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہو کہ عدالت و انصاف سے بالاتر رہو ' بلکہ انسانی عواطف و جذبات کا بھی اپنے تئیں پابند نہیں سمجھتے - تم کمزور پر تکبر سے ظلم کرتے ہو ' اور تم سے کوئی باز پرس نہیں کرتا - لوگوں کی توہین تمہارے لیے ویسی ہی آسان ہے ' جیسی انکے لئے تمہاری سنگ دلی سہل ہے - تم ہمیں اس طرح روندتے ہو جس طرح خاک روندی جاتی ہے - تم کبھی ہمیں آگ میں جلاتے ہو ' کبھی سولی پر چڑھاتے ہو ' کبھی صرف توہین و تذلیل پر اکتفا کرلیتے ہو - تمہارے قہر و غضب کیلیے ضروری نہیں کہ ہم سے کوئی خطا بھی سرزد ہوئی ہو - اگر تمہاری مصلحت کا اقتضا یہی ہے تو پھر اثبات جرم کے لیے کسی بات کی ضرورت نہیں - اور ہمیں شکایت کرنے کی بھی اجازت نہیں - اگر ہم اسکی جرأت کریں کہ اپنی براءت اور تمہاری غلطی ظاہر کریں ' تو ہم گستاخی کے مجرم قرار دیے جاتے ہیں ! "

(اسقف سے آخری خطاب)

" اے میرے آقا ! آپ نے مجھہ پر علانیہ طعن و تشنیع کی - بلکہ مجھے گالیاں بھی دے ڈالیں - اگر میری طرح آپ بھی کوئی معمولی آدمی ہوتے اور میں اپنی کتاب لے ساتھہ آپ کو عدالت کے سامنے لے جا سکتا ؛ تو آپ دیکھہ لیتے کہ عدالت کا فیصلہ آپ کے حق میں اتنا ہی سخت ہوتا ؛ جتنا سخت یہ گناہ ہوا ہے - لیکن آپ ایک ایسی جماعت میں سے ہیں ' جو منصف و عادل ہونے سے ہمیشہ کے لیے مستثنی کردی گئی ہے - رہا میں ' تو میں ایک محض بے حقیقت آدمی ہوں - مجھے اتنا اور کہنے کی اجازت دیجیے کہ آپ دینی پیشوا ہیں - انجیل کے عالم ہیں - آپ کا فرض ہے کہ مخلوق کو اس کے فرائض کی تعلیم دیں - لیکن یہ تعلیم خود اپنے نفس سے شروع ہونی چاہیے - آپ کو ایک لمحہ کے لیے سوچنا تھا کہ میرے معاملہ میں آپ کا فرض کیا تھا ؟ اور کہانتک تھا ؟ میں نے اپنا فرض ادا کردیا - اب کچھہ کہنے کو باقی نہیں رہا ' اس لیے چپ ہوجاتا ہوں ! "

استحضار و مخاطبات ارواح

(عالم ارواح اور سر کوئنن ڈائل کے نئے مباحث)

قارئین الہلال اس سے بے خبر نہ ہونگے کہ انیسویں صدی کے وسط میں استحضار و مخاطبات ارواح (روحوں کے آنے اور مختلف محسوس ذرائع سے سوال و جواب کرنے) کا جو مذہب امریکہ میں ظاہر ہوا تھا ' وہ برابر نشوؤ نما پاتا رہا ' اور اس وقت یورپ اور امریکہ میں اس کے معتقدوں کی ایک بہت بڑی جماعت موجود ہے - اس جماعت میں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے آدمی پائے جاتے ہیں - فلسفۂ و حکمت کے ماہر ' علوم و فنوں کے اساتذہ ' علمی و صناعی انکشافات و اختراعات کے مشاہیر ' ادب و کتابت کے مسلم ارکان ' عام اہل قلم و نظر ؛ کوئی حلقہ ایسا نہیں ہے جہانتک اس اعتقاد کے اثرات نہ پہونچ چکے ہوں - اسکے اصول و قواعد مدون ہو چکے ہیں ' بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں ' تحقیقات و تجارب کے با قاعدہ مجامع قائم کر رہے ہیں ' پچاس سے زیادہ اخبارات و رسائل صرف اسی موضوع پر شائع ہو رہے ہیں ' ایک مکمل مذہب علمی کی شکل میں قواعد و مبادیات مرتب ہوگئے ہیں ' اور معاملہ نے اس حد تک اہمیت حاصل کرلی ہے کہ وقت کے بعض اکابر اہل علم نے اپنے درس و نظر کے لیے صرف یہی موضوع منتخب کر لیا ہے !

انیسویں صدی کے اواخر کے علماء میں سے پروفیسر رسل ویلز نے جو ناموس نشوؤ ارتقا کے اکتشاف میں ڈارون کا معاصر و شریک تھا ' صاف صاف لفظوں میں اسکا اعتراف کیا تھا ' اور اسے عصر حاضر کے خوارق سے تعبیر کیا تھا - پروفیسر ولیم کروکس نے جو انگلستان کا سب سے بڑا عالم کیمیا تسلیم کیا گیا ہے ' اور جس نے سب سے پہلے مادہ کے اشعاع کی حقیقت معلوم کی اور برق کے لیے وہ نیا آلہ ایجاد کیا جو اسی کے نام سے مشہور ہے ' کئی ماہ کی تحقیقات و امتحان کے بعد یہ راے قائم کی تھی کہ " مخاطبات ارواح کے مشاہدات نا قابل انکار ہیں " ڈاکٹر میرس (Muers) اور رچرڈ ہاڈسن کیمبرج یونیورسٹی میں علم النفس کے مسلم اساتذہ تھے - ان دونوں نے بھی بغیر کسی جھجھک کے اپنے اعتراف کا اعلان کردیا تھا - پروفیسر



سر کونن ڈائل

لومبروزو (Lombroso) جو اٹلي کا مشہور ماہر طبیعییات ہے اور جس نے باسٹیور کے بعد جراثیم کے علم کي تدوین کي ' نہ صرف اس کا معترف ہوا بلکہ اس موضوع پر ایک رسالہ بھي لکھکر شائع کیا - کیمیل فلا ماریاں (Camille Flammarian) اُنیسویں صدي کے علماء فلکییات میں نہایت سر برآوردہ عالم تھا - غالباً چار پانچ سال پہلے اُس کا انتقال ہوا ہے - یہ نہ صرف اِسکا معترف تھا بلکہ نہایت پر جوش معتقد تھا - اُسکي آخري دو کتابیں اسي موضوع پر ہیں اور یورپ کي تمام زبانوں میں شائع ہو چکي ہیں - پروفیسر ہکسلي ' ڈاکٹر لوئس ' سر جان لاکس ' پروفیسر پارکس ' پروفسر زولنر ' ڈاکٹر ویبر ' ولیم لیو پولڈ وغیرہم ؛ جو انیسویں صدي کے دائرۂ علم و نظر کے مسلم ارکان تھے ' کم و بیش اس کا اعتراف کرچکے ہیں -

امریکہ کے مشاہیر علم و نظر میں چارلس نارٹن اور ولیم ڈاسن جو شکاگو یونیورسٹي (امریکہ) میں علم النفس (سائکولوجي) کے استاد تھے ' اسکي تصدیق و حمایت میں برابر مقالات و رسائل شائع کرتے رہے - انگلستان کے عام مشاہیر سیاست و ادب میں مسٹر بالفور اور مسٹر اسٹید (سابق محرر ریویو آف ریویوز) کا نام بھي اسکے معتقدین کي فہرست میں مشہور ہو چکا ہے - مسٹر اسٹید نے تو روحاني سوال و جواب کا ایک باقاعدہ دفتر کھول دیا تھا - اُنکے عالم ارواح کے درستوں میں سب سے زیادہ مشہور درست اسکاٹ لینڈ کي " مارگریٹ " تھي - اُنکا بیان تھا کہ وہ مارگریٹ کے ذریعہ عالم ارواح کي تمام ضروري شخصیتوں سے نامہ و پیام کر لیا کرتے ہیں !

موجودہ عہد کے مشاہیر اہل علم میں چارلس الیٹ ' ولیم جیمس ' جیمس ہیزلوپ ' اور سر آلیور لاج Oliver Lodge خصوصیت کے ساتھہ قابل ذکر ہیں - چارلس الیٹ اور ولیم جیمس ہارورڈ یونیورسٹي (امریکہ) میں علم النفس کے استاد ہیں ' جیمس ہیزلوپ کولمبیا یونیورسٹي (امریکہ) میں علوم عقلیہ کے مستند ماہر تسلیم کیے جاتے ہیں ' اور سر آلیور لاج کي علمي شہرت محتاج بیان نہیں - یہ تمام علماء اس مذہب پر علمي تیقن کے ساتھہ اعتقاد رکھتے ہیں اور اُسکي اشاعت و تبلیغ انکي تحریر و تقریر کا موضوع بحث ہے - سر آلیور لاج کا لڑکا پچھلي عالمگیر جنگ میں قتل ہوگیا تھا - اُن کا بیان ہے کہ مرنے کے بعد ھي اُس کي روح نے اِنہیں مخاطب کیا ' اور اب بھي وہ جب چاہیں ' اُسے بلا سکتے ہیں اور اس سے سوال و جواب کر سکتے ہیں !

(سر کونن ڈائل)

لیکن موجودہ زمانے کے مغربي روحانیین میں شاید ھي کسي اہل قلم نے اس تبلیغي جوش و سرگرمي کے ساتھہ اس مذہب کا اعتقاد ظاہر کیا ہوگا ' جیسا کہ کچھہ عرصہ سے انگلستان کے مشہور فسانہ نویس سر کونن ڈائل Conan Doyle کي شخصیت میں ظاہر ہوا ہے - عالمگیر جنگ یورپ کے بعد سے لیکر اِس وقت تک ' بمشکل کوئي مہینہ ایسا گزرا ہے ' جس میں سر ڈائل کي کوئي نہ کوئي تحریر و تقریر اس موضوع پر شائع نہ ہوئي ہو - حال میں انگلستان کي انجمن روحانیئین نے ایک نہایت دلچسپ مجموعہ بارہ مقالات کا شائع کیا ہے - اِن میں سے آٹھہ مقالات سر ڈائل کے لکھے ہوے ہیں - یہ کتاب پچھلي ڈاک سے ہمیں وصول ہوئي ہے اور اس موضوع پر افکار و تاثرات کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے -

موجودہ انگریزي علم ادب میں سرکونن ڈائل کا نام اُن کے مخصوص مذہب افسانہ نویسي کي وجہ سے اس قدر مشہور ہوچکا ہے کہ شاید ھي کوئي افسانہ نویس اس قدر مشہور ہوا ہو - انہوں نے فن سراغ رسانی کي افسانہ نویسي میں ایک نئے مذہب (اسکول) کي بنیاد ڈالي اور " شرلاک ہومز " کے نام سے اُس کے حیرت انگیز کارنامے قلمبند کیے - اُن کے قلم سے اگرچہ مختلف معاشرتي اور نفسیاتي مواضیع پر بہت سے افسانے نکل چکے ہیں ' لیکن انکي شہرت کي اصلي تاریخ شرلاک ہومز کے کارناموں ھي سے شروع ہوي - ان افسانوں کي مقبولیت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ شرلاک ہومز کا جو فرضي مکان نمبر ۱۰ - بیکر اسٹریٹ لنڈن میں دکھایا گیا تھا' وہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ میں ایک حقیقي شے کي طرح موثر ہو چکا ہے ' اور جب کبھي سیاحان عالم پہلي مرتبہ لنڈن جاتے ہیں تو یہ جاننے پر بھي کہ " شرلاک ہومز " محض ایک فرضي سراغ رساں سیرۃ (کیرکٹر) ہے ' اپني طبیعت کو اس جذبہ سے نہیں روک سکتے کہ ایک مرتبہ بیکر اسٹریٹ جاکر کسي ایسے مکان کي زیارت کرلیں جسکا نمبر دس ہو !

احمد رياض بے " عبد الحمید ثاني و دور سلطنتي " (یعني سلطان عبد الحمید ثاني اور اسکے عہد حکومت کي تاریخ) میں لکھتا ہے کہ سلطان موصوف شرلاک ہومز کے کارناموں کے اسقدر شائق تھے کہ حکم تھا ' جونہي کوئي نیا افسانہ شائع ہو ' فوراً ترکي میں ترجمہ کرکے پیش کردیا جاے - ایک خاص شخص ادیب بے اس کام پر مامور تھا - آخري زار روس کي نسبت بھي بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا " مجھے کتابوں کي قسم میں سے کوئي چیز بھي دل پسند نہیں ہے - الا شرلاک ہومز "

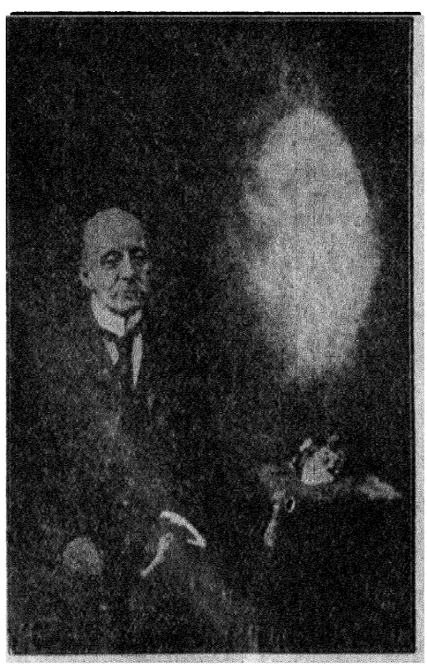

روح کا تمثل ایک سفید دھوئیں کي شکل میں جیسا کہ اس مذہب کے معتقدین کا خیال ہے

یہي شرلاک ہومز کا مصنف اب دنیا میں عالم ارواح کا سب سے زیادہ پرجوش و سرگرم نقیب اور داعي ہے !

(سرکونن ڈائل کے مقالات)

جس نئي کتاب کا ہم نے ابھي ذکر کیا ہے ' اسکے آٹھہ مقالات دراصل سر کونن ڈائل کے روحاني اعتقاد کي پیدایش و تکمیل کي مسلسل داستان ہیں - پہلے مقالہ میں اُس نے بتلایا ہے کہ کس

طرح پہلے پہل اُسے مذہب مخاطبات ارواح کي طرف توجہ ہوئي ' اور کس طرح ایک جاحد منکر کي جگہ وہ مصدق معتقد بن گیا - دوسرے میں اپنے متعدد تجربے اور مشاہدے بیان کیے ہیں - تیسرے اور چوتھے میں منکرین کے رجوہ انکار پر بحث کي ہے - پانچویں سے لیکر آٹھویں مقالہ تک کا موضوع عالم مادي و روحي کے علائق ہیں اور اس ضمن میں اُن امکانات کي نہایت دلنشیں تصویر کھینچي ہے جو بیان کردہ علائق کي ترقي سے دنیا کي معنوي زندگي میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دینگے !

(سرکونن ڈائل کا بیان)

پہلے مقالہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

" سنہ ١٨٨٦ - سے پہلے میں جنوبي افریقہ میں طبابت کرتا تھا - اُس وقت میرے عقائد کا یہ حال تھا کہ اُن لوگوں پر ہنستا تھا جو روح کے مصطلحہ وجود پر یقین رکھتے ہیں - میں خیال کرتا تھا کہ اِس سے زیادہ بے عقلي اور وہم پرستي کي اور کوئي بات نہیں ہوسکتي -

میں بھي آج کل کے تمام جدید تربیت یافتوں کي طرح سائنس پر ایمان رکھتا تھا - میرا مذہب ' مذہب مادي تھا - میرا اعتقاد تھا کہ روح ' بجز اسکے کچھہ نہیں کہ جسم کے وظائف و ترکیب ہي کا ایک نتیجہ ہے ' اور عقل کا مرکز دماغ میں ہے - میرا یقین تھا کہ دوائیں انساني طبیعت میں تبدیلي پیدا کر سکتي ہیں - اور اُسے نیک اور بد بنادے سکتي ہیں - اُس وقت کبھي میرے ذہن میں یہ موٹي سي بات نہیں آئي کہ ایک ماہر موسیقي ہمیشہ ماہر موسیقي ہي رہیگا اگرچہ اُسکي بانسري ٹوٹ جائے - زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ اپنا ہنر ظاہر نہ کر سکے گا ' لیکن اُسکا کمال اُس میں بدستور موجود رہیگا -

سب سے پہلے جس کتاب نے میرے خیالات میں تبدیلي پیدا کي اور مجھے الحاد و مادیت سے نکالا ' وہ "میرز" کي کتاب " شخصیت انساني " ہے - یہ کتاب اس لائق ہے کہ اُن کتابوں میں سے شمار کي جائے جنھوں نے انساني افکار کا بہاؤ ایک طرف سے دوسري طرف پھیر دیا ہے - مثلاً ڈارون کي کتاب اصلیت انواع اور بیکن کي کتاب منطق جدید -

اِس کتاب کے مطالعہ کے بعد میں نے انتقال فکري کے تجربے شروع کیے - میرے ایک دوست مسٹر پال کو بھي اِس موضوع سے بڑي دلچسپي تھي - میں اُنکے پیچھے بیٹھہ جاتا اور کاغذ پر بعض نقشے بناتا - مجھے ہر مرتبہ یہ دیکھکر حیرت ہو جاتي تھي کہ وہ میرے بنائے ہوئے نقشے بعینہ اپنے کاغذ پر اتار لیتے تھے ' حالانکہ وہ میرا کاغذ نہیں دیکھتے تھے - پھر میں نے یہ تجربہ بھي کیا کہ وہ دوسرے مکان میں بیٹھا کریں - لیکن پھر بھي میں نے دیکھا وہ نقشوں کي بالکل صحیح نقل اتار لیتے تھے !

اُس وقت مجھے یقین ہوا کہ عقل کو دماغ کا ویسا فعل سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا جس طرح ہم صفرہ کو جگر کا فعل سمجھتے ہیں -

اِسکے بعد میں نے تھیاسوفي کا مطالعہ شروع کیا - میں نے دیکھا کہ اِس تحریک کي علم بردار اور رہنما مدام بلیوٹسکي ذہین مگر مکار عورت ہے - لیکن اِس دروغ گو عورت کي موجودگي سے اِس تحریک پر حرف نہیں آسکتا - یہ ایک صحیح تحریک ہے - یہ ضرور ترقي کریگي - مگر اُسي وقت ' جب اسکے ارکان وہ چولا اتار دینگے جو اِس عورت نے اسے پہنا رکھا ہے ' اور اِس تحریک کے حقیقي سر چشموں تک پہنچینگے جو مشرق کي سر زمین پر موجود ہیں -

پھر میں نے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو علماء عقلیات نے مذہب کے خلاف لکھي ہیں - لیکن مجھے کوئي تشفي نہیں ہوئي - کیونکہ وہ کبھي ایجابي بات کہتے ہي نہیں - اُنکے پاس جو کچھہ ہے ' سلبي اور انکاري ہے -

مدت تک دنیا کي دوسري مشغولیتوں اور مسلسل سفر میں رہنے کے بعد پھر مجھے اِس اہم موضوع کے لیے مہلت ملي - بتدریج مجھہ میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ ہماري اس زندگي کے علاوہ کوئي اور مخفي زندگي بھي ضرور موجود ہے ' اور وہ شاید ہماري زندگي سے زیادہ لطیف اور خوشگوار ہے -

سنہ ١٨٩٢ یا سنہ ٩٣ میں انجمن علوم نفسیہ نے مجھے اور ڈاکٹر اسکاٹ اور مسٹر بوڈمر کو ایک مکان کي تحقیقات کیلیے بھیجا - اِس مکان کے متعلق مشہور تھا کہ اُس میں روحیں رہتي ہیں اور شور و ہنگامہ برپا کیا کرتي ہیں -

ہم دو رات اِس مکان میں رہے - پہلي رات کوئي واقعہ نہیں ہوا - دوسري رات ڈاکٹر اسکاٹ مایوس ہوکر چلے گئے - صرف میں اور مسٹر بوڈمر رہ گئے - ہم نے ہر طرح کے دھوکے سے بچنے کا پورا انتظام کرلیا تھا - زینہ پر تار بچھا دیے تھے تاکہ ادنی سي حرکت کا بھي ہمیں علم ہو جائے -

ٹھیک آدھي رات کو ہم نے اچانک سخت شور سنا - ایسا معلوم ہوا ' گویا کوئي میز کو موٹي لاٹھي سے پیٹ رہا ہے - ہم نے فوراً دروازہ کھولا اور باورچي خانہ کے طرف دوڑ پڑے جہاں سے آواز آرہي تھي - مگر ہمیں سخت حیرت ہوئي - باورچي خانے کا دروازہ اور کھڑکیاں بالکل بند تھیں - زینہ پر بچھے ہوے تار بھي اپني جگہہ سے نہیں ہٹے تھے !

اِسکے بعد رات بھر ہم نے کوئي آواز نہیں سني -

اِس واقعہ کے چند سال بعد یہ مکان جل گیا - اُسکا باغ کھودا گیا تو زمین سے دس برس کے ایک لڑکے کي ہڈیاں نکلیں - یہ رات کا شور در حقیقت اِسي لڑکے کي روح کا شور تھا - وہ اِسي گھر میں قتل ہوا تھا اور اُسکي روح اس میں رہنے والوں کو پریشان کیا کرتي تھي -

اِس سلسلہ میں یہ نظریہ بہت سے لوگوں کے سامنے ہے کہ اگر کسي جوان آدمي کي زندگي کسي غیر طبیعي اچانک حادثہ سے تلف ہو جائے ' تو اُسکي روح کي حیرت موت کے بعد بھي باقي رہتي ہے اور عجیب عجیب صورتوں میں ظاہر ہوتي ہے "

کانن ڈائل نے آخر میں لکھا ہے " اِس قسم کے بے شمار واقعات مشاہدہ کرنے کے بعد میں نے اِس علم کا وسیع مطالعہ کیا - یہانتک کہ اب مجھے اِس پر پورا یقین ہوگیا ہے - میرا اعتقاد ہے کہ روحوں سے گفتگو کي جاسکتي ہے "

اس کے بعد کے مقالات میں وہ تجربے اور مشاہدے بہ تفصیل بیان کیے ہیں جو سالہا سال تک وہ " اپنے اذعان و تشفي کیلیے " جمع کرتا رہا - پھر اُن اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیے ہیں جو اُن کے خیال میں منکرین مذہب استحضار کے " بنیادي " اعتراضات ہیں -

اردو طباعت کا مسئله اور افکار و آراء

(تصویر کا دوسرا رخ)

یه اس تصویر کا ایک خاص رخ تها جو سرکونن ڈائل اور اُن کے هم مشرب دیکهه رهے هیں ' لیکن اِس کا دوسرا رخ بهي هے ' اور اگر اُس پر نظر ڈالي جاے تو یه معامله اسقدر سهل و آسان نهیں رهتا که سرکونن ڈائل کي طرح کسي غیر آباد مکان میں بهوتوں اور روحوں کے " موتي لاتهي سے میز ٹهونکنے " کا شور سنکر فیصله کر دیا جاے !

جهانتک اس مذهب کے مخالفین و منکرین کا تعلق هے ' دور حاضر کی تین جماعتیں همارے سامنے آتي هیں :

(۱) عام علماء مادیئین جنهوں نے اس معامله کو اس درجه اهمیت هي نهیں دي که اس پر توجه کي جاے -

(۲) ایک بڑي تعداد اُن علماء مادیئین کي جنهوں نے اسپر بحث کي هے ' اور اس نتیجه پر پهنچے هیں که علمي اصول پر " اثبات " کے حد تک یه معامله نهیں پهنچا هے -

(۳) بعض اهل علم جنهوں نے خصوصیت کے ساتهه اس مذهب کا مطالعه کیا اور عرصه تک تحقیقات میں مشغول رهے ' اور بالاخر اس نتیجه پر پهنچے که استحضار ارواح کا معامله اس سے زیاده اهمیت نهیں رکهتا که یا تو کمزور طبائع کا انفعالي تاثر هے ' یا خوش اعتقادي کا ذهني فریب ' یا چند ایسے شعبده گروں کي شعبده گري جو جدید علم کیمیا اور فنون عجیبه کي مدد سے زیاده بهتر اور محفوظ قسم کا شعبده دکهلا سکتے هیں -

صحیح راے قائم کرنے کیلیے ضروري هے که معتقدین ' متوقفین ' اور منکرین ' تینوں کے مباحث و دلائل پر نظر ڈالي جاے - هم آیندہ کسي موقع پر شرح و بسط کے ساتهه اس موضوع پر اپنے مطالعهٔ و نظر کے نتائج شائع کرینگے -

ضروری اطلاع

جو حضرات الهلال وي - پي - پارسل کے ذریعه طلب فرماتے هیں' اُنهیں معلوم هونا چاهیے که وي - پي کا روپیه منی اڈر کي طرح وقت پر وصول نهیں هوجاتا - اکثر دیر هوجاتي هے' اور چونکه روپیه کي وصولي کے بعد هي خریدار کا نام رجسٹر میں درج کیا جا سکتا هے' اسلیے اسوقت تک پرچه جاري نهیں هوتا جب تک روپیه وصول نه هو جاے - اگر اس وجه سے اجراء میں دیر هوجاتي هے تو اس میں دفتر کي مجبوري ظاهر هے - اس کا علاج یهي هے که قیمت بذریعه منی اڈر بهیج دي جاے -

منیجر

اردو ٹائپ

ایک مراسلة

آپ نے ۲۹ جولائي کے " الهلال " میں پهلے صفحه پر اردو ٹائپ کے متعلق ایک اعلان شایع کیا هے اور اس بارے میں رائیں طلب فرمائي هیں - اپني رائے آپ نے یه دي هے که جس ٹائپ میں الهلال چهپتا هے یعني جو ٹائپ صفحه ۳ سے استعمال کیا گیا هے وه اعلان* مذکور کے ٹائپ سے بهتر هے - مجهے بهي اس سے اتفاق هے - لیکن اس ٹائپ میں بهي اصلاح اور ترمیم کي گنجایش اور ضرورت هے - یه مان کر که اردو کي لیے ٹائپ کي اشد ضرورت هے اس بارے میں اپني رائے عرض کرتا هوں -

سب سے اول ایک اصول کي بات بتانا ضروري هے - چونکه اب یه سوال اٹهایا گیا هے اسلیے نهایت ضروري هے که پنجاب اور یو - پي - کے تعلیمي محکموں سے سب سے پهلے استصواب کیا جائے - پنجاب کي نسبت مجهے زیاده واقفیت هے - یهاں تعلیمي اور سرکاري مطبوعات کي کتابت کے خاص قاعدے وضع کئے جاچکے هیں جن پر برسوں سے عمل هو رها هے -

بهتر تو یه هوتا که آپ اپنے اعلان کے ساتهه تمام حروف تهجي اور علامات وغیره کي ساري شکلیں جو آپ کے مجوزه ٹائپ میں هیں دیدیتے تاکه رائے دینے والوں کو آسانی هوتي - خیر ' سردست جو کچهه میري سمجهه میں آیا عرض کیا جاتا هے -

" مد " کي علامت آپ کے ٹائپ میں صرف خفیف سي فتحه کي علامت کي شکل میں پائي جاتي هے - جیسي صفحه ۳ عالم اول کي اخیر سطر میں " آخر " پر موجود هے - یه علامت زیاده واضح اور نستعلیق کے الف ممدوده کي سي هوني چاهیے - اعلان مذکور یعني صفحه اول میں جو علامت " آج " پر لگائي گئي هے کیوں نه اسي کو اختیار کیا جائے ؟ وه بهت صاف اور واضح هے -

تشدید کي علامت اس ٹائپ میں نهیں پائي جاتي - یه اضافه هوني چاهیے -

جزم کي علامت بهي اس ٹائپ میں نهیں پائي جاتي - یه بهي اضافه هوني چاهیے -

شین معجمه اس ٹائپ سے غایب معلوم هوتا هے - سین مهمله پر نقطے لگا کر کام چلایا گیا هے - اسے کیوں خارج کیا جائے ؟

آجکل کتابت اور املا کا مسلمه قاعده یه هے که صرف هائے مخلوط التلفظ دو چشمي لکهي جاتي هے - مگر آپ کے ٹائپ میں اس کا لحاظ نهیں - اِس کے بنانے والے ذوق کے " کتابت والے " کے هم مشرب معلوم هوتے هیں جن سے شیخ مرحوم کو یه شکایت تهي :

هائے رے حسرت دیدار میري هائے کو بهي
لکهتے هیں هائے دو چشمي سے کتابت والے

یه کو کیوں هے لکها جائے ؟ یه ضرور هے که اس کلمه کو هائے هوز سے لکهیں تو نیچے ایک شوشه بڑهانا پڑیگا کیونکه یه حرف جب

لفظ کے شروع میں آئے تو شوشہ لابد ہے- درمیان اور آخر میں نہیں - معلوم یہ ہوتا ہے کہ عربی کے املا میں چونکہ ھائے ہوز کا دوچشمی شکل میں استعمال بہت تھا بلکہ وہ ہمیشہ دوچشمی ہی لکھی جاتی ہے جبکہ وہ آخر کلمہ نہو' اسی کا اتباع اردو ٹائپ میں کیا گیا۔ اردو کے مروجہ قاعدۂ املا کے مطابق تو آپ کے جریدہ کا نام ہی غلط لکھا ہوا ہے - لوح کو تو جانے دیجیے کیونکہ وہاں "الہلال" خط نسخ میں ہے اور اس لیے ھائے دوچشمی ہے - لیکن ہر صفحہ پر جو جریدہ کا نام درج ہے وہ تو نسخ نہیں بلکہ اردو خط میں ہے - مگر یہاں بھی ھائے دوچشمی ہی استعمال کی گئی ہے- یہ قاعدہ مذکور کے مطابق غلط ہے - آپ کے ٹائپ میں ھائے ہوز جہاں دو چشمی نہیں وہاں عجیب مروڑ والی شکل اختیار کرتی ہے- جیسے صفحہ ۳ کالم ۲ میں "چہرے" اور "نہیں" کا چہرہ بگاڑا گیا ہے - حالانکہ یہی ھائے ہوز اسی کالم میں مضمون "علم الآثار مصر" کی اول سطر میں "پہلے" کی شکل میں بہت خوب اور صحیح لکھی گئی ہے - متشابہ موقعوں پر ھائے ہوز کو اس "پہلے" کی شکل میں ہی کیوں نہ لکھا جائے ؟

نون غنہ جب لفظ کے آخر میں آیا ہے اس میں نقطہ نہیں دیا گیا - یہ بالکل درست ہے- لیکن یہی نون غنہ جب کلمہ کے بیچ میں واقع ہو تو کسطرح لکھا جائیگا ؟ اس وقت کے املا میں اس پر الٹا جزم لگاتے ہیں - مگر جزم آپ کے یہاں ہے ہی نہیں -

میں نہیں کہہ سکتا کہ کسرۂ اضافت کا وجود آپ کے ٹائپ میں ہے کہ نہیں -

کشش اکثر قاعدۂ نستعلیق قدیم و املاے جدید کے خلاف پائی جاتی ہے - جیسے مضمون مذکور کی چوتھی اور پانچویں سطروں میں "رکھتے" اور "کردیتے" میں "ی" سے پہلے واقع ہوئی ہے -

املاے قدیم اور جدید دونوں کا مسلمہ اصول ہے کہ حروف کے امتزاج میں کوئی شوشہ فالتو نہیں ہوتا - مثلاً "جنتا" میں تین شوشے یا دندانے ہونگے - اگر آپ ایک اور دندانہ بڑھا دیں تو املا کی غلطی کے علاوہ قاری کو زحمت ہوگی- اسی مضمون کی گیارھویں سطر میں "ایجاد" کا لفظ آیا ہے - اس میں "ی" اور جیم کے درمیان ایک دندانہ یا شوشہ ٹائپ میں پیدا کردیا ہے جو نہونا چاہیے - اگر یہ کمپوزیٹر کا تصرف نہیں تو اسکی اصلاح ہونی چاہیے -

کوئی وجہ نہیں کہ ھاے ہوز آخر کلمہ ' نسخ میں لکھی جائے ' جیسی کہ "آثار عتیقہ" میں لکھی ہے- "نہ" کی شکل آپ کے ٹائپ میں "نہ" ہے جو نستعلیق نہیں - یہ کیوں ؟

"یا" آخر کلمہ کی تین صورتیں ہوتی ہیں : یاے معروف - یاے مجہول - یاے مفتوح - آپ کے ٹائپ میں صرف دو موجود ہیں - یاے معروف گول لکھی گئی ہے - یہ ٹھیک - لیکن یاے مجہول و مفتوح دونوں لمبی ہیں - یہ ٹھیک نہیں - جب یا کی ایک اور شکل ہمارے پاس موجود ہے - یعنی نصف دایرہ یا کٹی ہوئی ' تو کیوں نہ اسے بھی استعمال کیا جائے ' تا کہ یاے مفتوح و یاے مجہول باہم متمیز ہو جائیں ؟

اردو ٹائپ چونکہ کہیں کہیں موجود ہے ' اس لیے ہمکو یہ موقع میسر ہے کہ اس کی اصلاح و ترمیم کرکے اپنا ایک مکمل ہندوستانی قومی ٹائپ بنائیں جو لیتھو کی جگہ لے - اور کیا پبلک اور کیا سرشتۂ تعلیم' دونوں اسے قبول کرلیں - آپ کے ٹائپ میں "یا" آخر کلمہ کے نیچے بھی دو نقطے دیے جاتے ہیں - مگر آپ کے اخبار کے اسی نمبر کے اس حصہ میں جو کاتب کا لکھا ہوا ہے ' ایسی "ی" کے نیچے نقطے نہیں دیے گئے - یہ دو عملی کیا معنی ؟ ان دو نقطوں کی ضرورت کیا ہے ؟ کاتب کا وقت اور پریس کی سیاہی فضول کیوں خرچ ہو ؟ جرمنی کا اردو ٹائپ بھی اسی اسراف کا مرتکب ہے - دیوان غالب جو وہاں سے ٹائپ میں چھپ کر آیا ہے' اس میں چند ایسی بد عنوانیاں نظر آئیں جو شاید آپ کے ٹائپ میں نہیں ہیں - اس کتاب کا صفحہ ۱۲۱ ملاحظہ فرمائیں - اس کے آخر میں ایک نا مکمل غزل ہے :

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہو :
زباں کوئی نہو

"کوئی" کا لفظ چار جگہ تو ردیف کا جز بنکر آیا ہے اور دو جگہ مصرعوں کے متن میں - پانچ جگہ تو اس حرف کی شکل اور شان یکساں ہے ' لیکن ایک جگہ اُن سے نرالی شان میں لکھا گیا ہے :

" پڑیئے " گر بیمار تو کوئی نہو بیمار دار

سمجھہ میں نہیں آتا کہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی تحریر اور ایک ہی معنی میں دو شکلیں کیونکر اختیار کر سکتا ہے ؟ یہ بد عنوانی نہ ہونی چاہیے - اسی غزل کے مطلع کے دوسرے مصرع میں "ہم سخن" کا لفظ آیا ہے - لفظ "سخن" میں "س" اس انداز سے "خ" کے ساتھہ ملایا گیا ہے جس طرح حرف شناس بچے لکھا کرتے ہیں - حروف کی ملاوٹ کا یہ طریق پسندیدہ نہیں -

اردو ٹائپ کی وکالت کرتے ہوئے مطمح نظر صرف یہی نہ ہونا چاہیے کہ ارباب صحافت کو کاتبوں کی ناز برداری سے نجات ملے' اور اخبار و جراید جلد اور ایک ہی خط میں چھپ جائیں - بلکہ آپ کا فرض ہے کہ اسے ایک قسم کا قومی ادارہ تصور فرمائیں - اور آج کل کے مروجہ طرز املا پر کچھہ ترقی کریں - نہ یہ کہ اس کی ضروریات بھی پوری نہوں - مبتدیوں کے لیے اردو کا قاعدہ بھی چھپیگا اور علما کی تصانیف عالیہ بھی - اس لیے یہ ایسا ہونا چاہیے کہ انشا کی تمام ضروریات اس سے پوری ہو جائیں ' اور یہ فن املا کا کماحقہ نمایندہ بنکر کتابت کا نعم البدل ثابت ہو -

اور مولانا ! اس کا بھی خیال رکھیے کہ آج کل انسانی مصروفیت کے ہر شق میں جمالیت کا بڑا زور اور رسوخ ہے - جو ٹائپ تجویز ہو' وہ خط نستعلیق کے برابر تو دیدہ زیب ہونا چاہیے - یہ کیا ہوا کہ بچوں کے کتکھنے یا کیترے مکوڑے کاغذ پر چھاپ کر پیش کردیے - میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ ٹائپ وضع کرتے وقت خوبصورتی کا خون کیا جائے - کیا وجہ ہے کہ نستعلیق کی نقل نہ کی جائے ؟ کیوں اسے اول جلول بنایا جائے ؟ آپ کے ٹائپ میں تمام دائرے بد نما اور چپٹے ہیں - کیوں نہ گول ہوں ؟ اخر اس میں کون سی دقت حایل ہے ؟

میں دیکھتا ہوں کہ آپکے ٹائپ میں بڑی سرخیاں نسخ میں ہیں- یعنی اردو ٹائپ کے ساتھہ ایک مطبع کو نسخ کا ٹائپ بھی رکھنا پڑیگا - یہ دو عملی بد عملی کا حکم رکھتی ہے- خفی و جلی کے کئی درجے قائم کرکے تمام و کمال ٹائپ نستعلیق میں ہونا چاہیے -

میں پھر عرض کرونگا کہ سب سے پہلے آپ یہ کیجیے کہ ٹائپ رایٹر کے "کی بورڈ" کی طرح آپ کے ٹائپ میں جو جو چیزیں ہیں' اُن سب کا نمونہ ایک صفحہ پر چھپوا کر شایع فرمائیے تاکہ پتہ چلے اس میں کیا کچھہ ہے اور کیا نہیں ہے -

ٹائپ سے متعلق ایک اقتصادی پہلو بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کر سکتے - یعنی یہ بھی دیکھنا ہے کہ کاغذ اور اس کے ساتھہ



چھپائي اور سیاهي وغیره مساله کا صرف لابدي طور پر کس میں زیاده هوتا هے ؟ ٹائپ میں یا لیتھو میں ؟ یه یاد رهے که اگر ٹائپ میں طباعت کا صرف لیتھو سے بہت زیاده هوا تو کاتب جو ٹائپ کي وجه سے بیکار هوگئے هونگے ' کتابت کي اجرت کا نرخ گھٹا دینگے ' اور اس طرح ٹائپ کي ترویج عام میں مزاحم هونگے ' کیونکه سب کاتب تو کمپوزیٹر بن جانے سے رهے -

آخر میں یه عرض کرنا هے که میں نہیں سمجھا اعلان مذکور میں آپ نے عربي کے ساتھه فارسي اور ترکي زبانوں کو بھي " سامي " کیسے قرار دیا ؟ یه تو کوئي بات نہیں که اگر ان دونوں زبانوں کا املا دھنے سے بائیں کو چلتا هے اور عربي کا بھي یھي حال هے جو حقیقت میں سامي زبان هے ' تو یه دونوں زبانیں بھي سامي بتائي جائیں - غالباً آپ عجلت میں فارسي اور ترکي زبانوں کو سامي کهه گئے -

آپ کا مخلص

برج موهن دتا تریه - کیفي دهلوي

الهلال :

یه اور بعض دیگر مراسلات جو اس باب میں آئي هیں ' شائع کردي جاتي هیں - جناب کیفي نے اس معامله میں جو دلچسپي لي هے اور اپنے خیالات تفصیل سے ظاهر کیے هیں ' اسکے لیے هم اُن کے شکر گذار هیں - لیکن اس تحریر سے معلوم هوتا هے که اردو ٹائپ کے اقسام ' اُس کي تاریخ ' اور اُس کي فني اور صناعي مشکلات اُن کے سامنے نہیں هیں - ضرورت هے که ایک مرتبه به تفصیل یه امور واضح کردیے جائیں - هم اِن مراسلات کي اشاعت کے بعد اس موضوع پر به تفصیل اپنے خیالات ظاهر کرینگے -

البته دو باتیں ایسي هیں جنھیں اسي وقت واضح کردینا ضروري هے - صاحب مراسلة لکھتے هیں " خود آپ نے اپني پسند اُس ٹائپ کي نسبت ظاهر کي هے جس میں رساله کمپوز هوتا هے " حالانکه واقعه یه هے که اُس ٹائپ کي نسبت ظاهر کي هے جس میں پہلے صفحه کا اعلان کمپوز هوا هے -

فارسي اور ترکي کے سامي نه هونے کي نسبت اِنھوں نے جو کچھه لکھا هے صحیح هے ' اور اُن کے متنبه کرنے کے بعد عبارت پر نظر ڈالي گئي تو واقعي یه غلطي موجود هے - دراصل مقصود یه تھا که فارسي اور ترکي بھي سامي رسم الخط میں لکھي جاتي هیں - یه مطلب نه تھا که یه زبانیں بھي سامي هیں -

سات عجائب عالم

جدید علم آثار و تنقیب کی روشني مین

ایک زمانے میں دنیا کي سب سے زیاده عجیب اور مشهور چیزیں سات " عجائب عالم " سمجھي جاتي تھیں - قدیم دنیا کي کتب تواریخ میں ' سیاحت ناموں میں ' نظر و فکر کے عام مباحث میں ' بول چال کي ضرب المثلوں میں ؛ هر جگه ان سات عجیب چیزوں کا ذکر برابر آتا هے :

(۱) اهرام مصر
(۲) بابل کے معلق باغ
(۳) اسکندریه کا ساحلي منارہ
(۴) ڈائنا کا مندر
(۵) مسولوس کا مقبره
(۶) زیوس کا مجسمه
(۷) مشتري کا مجسمه

قدیم یوناني اور رومانی مورخوں کي زباني ان عجائب کي تفصیل دنیاے جدید کے تاریخي اوراق تک پہنچي هے - بعض قدیم آثار کے نقشوں میں بھي انکي طرف اشارات پائے گئے هیں - آخري عهد کے بعض حکماء یونان و اسکندریه نے مشتري کے مجسمه اور معبد کا ذکر ایسے موقعوں پر کیا هے ' جب اُنھیں عجائب و غرائب کیلیے کسي قریبي اور معروف تمثیل کي ضرورت هوي هے - مثلاً ایک حکیم ' افلاطون کي تعریف کرتے هوئے لکھتا هے :

" وه انسان هونے پر بھي صرف ایک هي مرتبه پیدا هوسکا ' جس طرح مشتري کا مجسمه پتھر سے بنائے جانے پر بھي صرف ایک هي مرتبه بن سکا هے ! "

(عرب مورخین کي تصریحات)

عربي مورخین کے عام نظر کي وسعت اُن کے پیش روؤں کے اِس مشهور خیال سے بے خبر نہیں رهسکتي تھي - اُنھوں نے بھي " سات عجائب عالم " کا جابجا ذکر کیا هے ' اور یونانی علم ادب کي طرح عربي ادب و محاضرات کي بھي یه ایک ضرب المثل هوگئي هے - مشهور عرب جغرافیه نویس ابو عبد الله ادریسي منارۂ اسکندریه کا ذکر کرتے هوئے لکھتا هے " یه اُن سات عجیب عمارتوں میں سے ایک تھي جن کي تمام دنیا میں شهرت رهچکي هے "

عربی ادبیات میں غالباً کسي ایک کتاب میں اِن کے حالات نہیں لکھے گئے - ابن الندیم کئي کتابوں کا ذکر کرتا هے جو " عجائب دنیا " پر لکھي گئي تھیں - لیکن نہیں کہا جاسکتا اُن

میں اِن عجائب کا بھي ذکر تھا یا نہیں ؟ البتہ تاریخوں ' سفر ناموں' اور تقویم بلدان کي کتابوں میں فرداً فرداً اِن کا ذکر موجود ھے - خصوصاً بابل کے معلق باغوں ' اسکندریہ کے منارہ ' اور مصر کے اھرام (مخروطي مناروں) کا تو نہایت مفصل تذکرہ موجود ھے - ابن جریر طبري ' ابن حوقل ' ادریسي ' مسعودي ' ابوعبد اللہ البکري (صاحب المسالک و الممالک) ابوعبداللہ غرناطي (صاحب نخبۃ الاعجاب) ابن جبیر ' ابوالفداء ' ابن اثیر ' بیروني ' عبداللطیف بغدادي ' یاقوت حموي ' قزویني ' مقریزي ؛ سب نے اِن کا ذکر کیا ھے - حموي ' بغدادي ' اور مقریزي کے مباحث اھرام مصر اور منارۂ اسکندریہ کے متعلق اس درجہ محققانہ ھیں ' کہ جن جن پہلوؤں پر انہوں نے روشني ڈال دي ھے ' اُن پر موجودہ زمانے کي اثري تحقیقات بھي کوئي اضافہ نہیں کرسکتي - حالانکہ مصري آثار کي جدید تحقیقات نے نئے نئے انکشافات کے انبار لگا دیے ھیں -

دنیا کي تمام عجیب اور مشہور چیزوں کي طرح ان عمارتوں کي نسبت بھي عوام میں طرح طرح کے دور از عقل خرافات مشہور ھوگئے تھے ' اور عہد قبل از اسلام کے بعض مورخوں اور سیاحوں نے بھي انہیں قبول کر لیا تھا - لیکن محققین عرب نے پوري دقت نظر کے ساتھ اُن روایات پر نظر ڈالي ' اور بعض کي مشاھدات کي بنا پر اور بعض کي علمي قواعد کي بنا پر تغلیط کي - یاقوت حموي ' بیروني ' عبد اللطیف بغدادي ' اور مقریزي ؛ اگرچہ تمام روایات نقل کردیتے ھیں ' لیکن جابجا اُن کي تغلیط بھي کرتے جاتے ھیں - حموي اور بغدادي نے منارۂ اسکندریہ کا مشاھدہ اور تخطیط کرکے جو کچھ لکھا ھے ' اور جس طرح بے اصل روایتوں کي تکذیب کي ھے ' اس سے زیادہ تحقیق آج تک نہیں کي جا سکي -

یاقوت حموی اسکندریہ کے منارہ اور مصر کے عجائب کا ذکر کرتے ھوئے لکھتا ھے " وھذہ أخبار نقلناھا کما وجدناھا في کتب العلماء وھي بعیدۃ المسافۃ من العقل' لایؤ من بھا إلا من غلب علیہ الجھل" یعنی یہ تمام روایتیں ھم نے جس طرح علماء کي کتابوں میں پائیں' بجنسہ نقل کردیں' لیکن یہ عقل سے نہایت ھي بعید ھیں' اور انہیں کوئي نہیں مان سکتا' الا وہ شخص کہ اُس کي عقل پر جہل غالب آگیا ھو" آگے چل کر ایک دوسرے موقعہ پر لکھتا ھے " اما خبرالمنارۃ فقد رووا لھا اخباراً ھائلۃ و ادعوا لھا دعاوي عن الصدق عادلۃ " یعني منارہ کے متعلق عجیب عجیب باتیں روایت کي گئي ھیں اور طرح طرح کے دعوے کیے گئے ھیں جو سچائي سے ھٹے ھوئے ھیں - پھر جہاں اپنے معائنہ کا ذکر کیا ھے ' وھاں لکھتا ھے " شاھدتہ في جماعۃ من العلماء وکل عاد منا متعجباً من تخرص الرواۃ" یعنی میں نے علماء کي ایک جماعت کے ساتھ منارہ کي سیر کي ' اور ھم میں سے ھر شخص جب مشاھدہ کے بعد لوٹتا ' تو وہ راویوں کے اوھام و ظنون پر متعجب تھا (معجم البلدان - ۱ : ۲۴۲) عبد اللطیف بغدادي اور مقریزي کي تصریحات بھي ایسي ھي ھیں - حموي نے منارہ کي تعمیري حالت دیکھکر جو اُس کے عہد تک باقي تھي ' اُس کي شکل و مساحت پر بھي غور کیا تھا اور اس کا نقشہ بنایا تھا - حموي کے بعد کے مصنفین مثلاً قزویني وغیرہ نے اُسي سے منارہ کا نقشہ نقل کیا ھے -

(جدید علم الآثار کي تحقیقات)

اب سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے قدیم آثار کي تحقیقات و تنقیب کا نیا دور شروع ھوا ' اور اس سلسلہ میں ان سات عجائب عالم کي تحقیقات پر بھي انفرادي اور جمعیتي کوششیں مبذول ھوئیں - روڈس ' اسکندریہ ' اور اھرام کي تحقیقات اِسقدر دشوار نہ تھي - کیونکہ مقامات معلوم تھے اور محل معین ؛ لیکن بقیہ عمارتوں کي تحقیقات کا کام بہت دشوار تھا - تاھم جستجو جاري رھي ' اور بالآخر تمام ضروري معلومات روشني میں آگئیں -

جہانتک ھمیں معلوم ھے ' اُردو میں ان قدیم عجائب کي جدید اثري تحقیقات پر اِس وقت تک کچھ نہیں لکھا گیا ھے - ھم چاھتے ھیں ' مختصراً انکي تاریخ اور موجودہ اثري تحقیقات ایک دو مقالوں میں بیان کر دیں - یورپ کے اھل قلم ان عجائب کي تاریخ لکھتے وقت عموماً عربي عہد کي تاریخي و علمي تحقیقات نظر انداز کر جاتے ھیں - یا معلوم کرتے ھیں تو اکثر حالتوں میں ناقص اور غیر محققانہ ھوتي ھیں - اس سلسلۂ مقالات سے ایک مقصود یہ بھي ھے کہ جن جن عمارتوں کے متعلق عربي مورخین کي تصریحات موجود ھیں ' وہ اپنے اپنے موقعوں پر نمایاں ھو جائیں -

(۱)

ڈائنا کا مندر

The Temple of Diana

ایک قدیم مورخ کا قول ھے :

" میں نے بابل کے معلق باغ دیکھے - مشتري اور روڈس کے مجسمے دیکھے ' اھرام مصر اور موسولس کا عالیشان مقبرہ دیکھا ' لیکن جب میں نے ڈائنا کا سر بفلک مندر دیکھا تو تمام عجائب عالم میري نظر سے گر گئے "

قدیم مورخوں نے دنیا کي سات عجیب چیزوں میں سے کسي کے متعلق بھي اس قدر نہیں لکھا ھے ' جس قدر اِس مندر کے متعلق لکھا ھے - لیکن باوجود اِس کے یہ کیسي عجیب بات ھے کہ دنیا نے سب سے زیادہ یہي چیز فراموش کردي ؟ حتی کہ یہ بھي کسي کو یاد نہ رھا کہ یہ عمارت واقع کس جگہ تھي ؟

سب سے پہلے سنہ ۱۸۶۵ع میں ایک انگریز ڈاکٹر وڈ نامي نے شہر افسس میں اس کا پتہ لگایا - اِس کے بعد سنہ ۱۹۰۴ع میں برٹش میوزیم نے ایک اور شخص مسٹر ھوگارتھ کو مزید تحقیقات کے لیے بھیجا - اس شخص نے عرصہ تک تحقیقات جاري رکھي ' اور اس کے بعد اپني تحقیقات کے نتائج شایع کیے - اس کا بیان ھے کہ یہ مندر تین پرانے مندروں کے کھنڈروں پر تعمیر ھوا تھا - مندر کي دیواروں کے نیچے تقریباً تین ھزار آثار پائے گئے - یہ مشرقي طرز کے ھیں ' اور اِس بات کي زندہ شہادت ھیں کہ یونان کي صنعتي ترقي دراصل مشرق ھي کي تقلید سے شروع ھوئي تھي -

قدیم یوناني شہر افسس جہاں یہ مندر واقع تھا ' اب بالکل برباد ھوگیا ھے - اُس کي جگہ اِس وقت ایک ترکي شہر ایاسولوگ نامي آباد ھے اور ایشیاے کوچک میں واقع ھے -

مندر کي تاریخ سنہ ۷۰۰ قبل مسیح سے شروع ھوتي ھے - کیوں کہ اُس کي دیواروں میں بعض ایسي علامتیں موجود ھیں کہ خیال کیا جاتا ھے ' اُن کا تعلق اُسي زمانہ سے ھے -

سنہ ۶۶۰ ق م میں یورپ کي ایک وحشي قوم نے اِس علاقہ پر حملہ کیا اور یہ عمارت برباد کر ڈالي - اِس کے بعد پھر از سر نو تعمیر کیا گیا - مگر زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا - کیونکہ مسالہ خراب لگایا گیا تھا - یہ اب تک تحقیق نہیں ھوسکا کہ دوسري مرتبہ

کي تعمير کس زمانه ميں هوئي تهي ؟ چهٹي صدي قبل مسيح ميں يه مندر پهر گر پڑا اور يونانيوں نے عوام سے روپيه جمع کرکے تيسري مرتبه تعمير کيا -

پانچويں صدي قبل مسيح ميں يوناني مورخ هيرودوٹس نے يه عمارت ديکهي تهي - وه لکهتا هے :

" پورا مندر سنگ مرمر کا هے ' اور اُن قديم مندروں سے ' جن کي بنيادوں پر قائم هوا هے ' چارگنا زياده وسيع هے - چاروں طرف سنگ مرمر کے ستونوں کي قطاريں هيں ' اور هر زاويه ميں آٹهه آٹهه مزيد ستون هيں - هر ستون کي بيٹهک يوناني تصويروں سے آراسته کي گئي هے "

سنه ۳۵۶ ق م ميں مشهور ظالم بادشاه هيروسٹراٹس کو خيال هوا که کوئي ايسا کام کر جائے جس سے اُس کا نام تاريخ ميں يادگار رهے- اُس نے اس مندر کي عمارت يک قلم برباد کردي - کيونکه دنيا کي اِتني عجيب اور قيمتي عمارت کا برباد کرنے والا يقيناً تاريخ کے حافظه ميں فراموش نهيں هوسکتا - اُسي وقت سے يوناني زبان ميں يه ضرب المثل مشهور هوگئي هے " اگر شهرت کے ليے ڈائنا کا مندر بنا نهيں سکتے تو اسے برباد کرڈالو "

ليکن يونانيوں کو يه معبد اس درجه عزيز تها که وه اس کي عدم موجودگي برداشت نهيں کر سکتے تهے - انهوں نے پهر از سر نو تعمير شروع کي اور قومي سرمايه سے مصارف کا انتظام کيا - بيان کيا گيا هے که تمام ملک ميں اس کي تعمير کا جوش اس قدر پهيل گيا تها که عورتوں نے اپنے زيور تک چندے ميں ديديے تهے - اُسي زمانه ميں سکندر اعظم کا اس شهر ميں گزر هوا - اُس نے خواهش کي که اپنے جيب خاص سے پورا عبادت خانه بنوا کر ديوي کي نذر کردے - مگر شهر کے باشندوں نے يه ذلت گوارا نه کي ' اور سکندر کي ناراضي سے بچنے کے ليے يه حيله کرديا که " آپ خود بهي ديوتا هيں ' اور ايک ديوتا کے ليے دوسرے ديوتا کو نذر دينا جائز نهيں "

خيال کيا جاتا هے که سنه ۳۲۳ ق م ميں يه عمارت مکمل هوگئي تهي- يه ۴۲۵ فٹ لمبي تهي- سنگ مرمر کے ۱۲۷ - کهمبے تهے - اور هر کهمبا ۶۰ فٹ بلند تها - پورا عبادت خانه بڑي سليقه مندي سے آراسته کيا گيا تها - بڑے بڑے مصوروں نے تصويريں بنائي تهيں اور اس کے در و ديوار کي آرايش کے ليے بطور چڑهاوے کے پيش کي تهيں- ايک تصوير سکندر اعظم کي بهي تهي - وه اپنے گهوڑے پر سوار دکهايا گيا تها - کها جاتا هے که سکندر نے جب يه تصوير ديکهي تو ناپسند کي- ليکن جب قريب پهنچا تو اُس کا گهوڑا هنهنا اُٹها - اِس پر مصور نے طعنه زني کي راه سے کها : " حضور کا گهوڑا اپنے سوار سے کهيں بهتر فن کي شناخت رکهتا هے " يه قول يوناني زبان ميں ضرب المثل هوگيا تها - يوناني سے يورپ کي زبانوں ميں منتقل هوگيا -

اِسکے بعد سنه ۲۶۰ ع ميں يه مندر پهر برباد هوگيا - اس مرتبه اِسے عيسائيوں نے ڈهايا تها اور اُس پر گرجا بنا ديا تها - مگر يه گرجا بهي زياده عرصه تک قائم نه رہ سکا - تهوڑے هي عرصه کے بعد بے نام و نشان هوگيا -

ڈائنا ايفيسي ديوي ارٹميس کي مورت هے - اشوريوں نے اسے امرتي يعني مامتا کے جذبات کا مظهر قرار ديا تها - يهي وجه هے که اسکے سينه پر بهت سے پستان دکهائے گئے تهے ' ليکن جب يونانيوں نے اسکي عبادت شروع کي تو اُسکي شکل بدل دي- اُنهوں نے اِسے ايک ذهين ' قوي ' اور جوان عورت کي صورت ميں طيار کيا تها -

(۲)

مقبرۂ موسولس

(The Tomb of Mausolus)

ايشيائے کوچک ميں پدرم نام ايک ساحلي شهر هے - يه عهد مسيحي سے پہلے ايران کے ماتحت تها - سمندر اور پهاڑ کے درميان واقع هونے کي وجه سے اُسکا جغرافيائي موقعه اِس قدر محکم هے که باوجود ماتحت هونے کے بهي وه عرصه تک اپني اندروني خود مختاري برقرار رکهه سکا - چوتهي صدي قبل مسيح ميں يهاں ايک بادشاه حکمراں تها - اُسکا نام " موسولوس " تها - اُسنے اپنا پايۂ تخت يهي شهر بدرم قرار ديا تها - اِس شهر کا نام اُس وقت هيلي کارنيسس (Halicarnasous) تها -

سنه ۳۵۳ ق - م - ميں اِسنے وفات پائي - اسکي ملکه ارٹي ميزيا (Artemisia) بهت غمگين هوئي اور کسي طرح بهي تسلي حاصل نه کر سکي- آخر اُس نے اِس طرح اپنا دل بهلانا چاها که اپنے شوهر (بادشاه) کي قبر پر ايک ايسا مقبره طيار کرے جيسا دنيا ميں کهيں موجود نه هو - يه ايک بيوي کے طرف سے اپنے شوهر کيليے وه يادگار محبت تهي' جو آگے چل کر ايک شوهر (شاهجهان اعظم) کے طرف سے اپني بيوي (تاج محل) کيليے قائم هونے والي تهي - دراصل يه مقبره " بيوي " کا " شوهر " پر ايک قرض محبت تها ' جسے سرزمين هند کے ايک وفا پرست " شوهر " شاهجهاں نے ادا کرديا !

چنانچه اُسنے ماهر يوناني معمار جمع کيے - اُنهيں بهت کچهه انعام و اکرام ديا ' اور مقبره بنوانا شروع کيا - ليکن ابهي دو برس بهي پورے نهيں گزرے تهے که فرط غم سے ملکه کا بهي انتقال هو گيا -

مقبره ابهي طيار نهيں هوا تها - معماروں نے باهم مشوره کيا که اب همیں کيا کرنا چاهيے ؟ بالاخر سب کي راے يهي قرار پائي که اس ملکه نے هم پر بڑے بڑے احسان کيے هيں - همیں چاهيے اُن کے شکريه ميں اُس کا نا تمام کام پورا کرديں - چنانچه اُنهوں نے کام جاري رکها ' يهانتک که تعمير ختم هوگئي ' اور ايک ايسا مقبره طيار هوگيا جيسا چشم فلک نے پہلے کبهي نهيں ديکها تها -

اب " موسولوس " يورپ کي تمام زبانوں ميں مقبره کيليے بولا جاتا هے- انگريزي لفظ " Mausoleum " اِسي " موسولوس " سے بنا هے-

مقبره ايک منزل کا تها - اِسي منزل ميں بادشاه کي قبر تهي - چهت پر سفيد سنگ مرمر کے ۳۶ ستڈل ستون نصب کيے گئے تهے - اِن ستونوں پر مخروطي شکل کا باره منزلوں کا مناره تها - اِس پر بادشاه کي رتهه بنائي گئي تهي جسے چار اصيل گهوڑے کهينچ رهے تهے - عمارت کي پوري بلندي ۱۴۰ - فٹ تهي -

خود عمارت زياده بلند اور شاندار نه تهي - ليکن سبک اور نازک اِس قدر تهي که حيرت هوتي تهي - مخروطي مناره کي بنياديں جن ستونوں پر قائم تهيں ' وه اِس قدر پتلے تهے که دور سے بالکل نظر نهيں آتے تهے - شبه هوتا تها که عمارت هوا ميں معلق کهڑي هے !

مورخين کا خيال هے که يه مقبره بارهويں صدي عيسوي تک صحيح و سالم موجود تها - اِسي زمانے ميں صليبي فوجوں نے شهر بدرم پر قبضه کيا اور مقبره کے پتهر اکهاڑ کر اپنا قلعه بنانے لگے - پهر سنه ۱۵۲۲ ع ميں جب سلطان سليم نے اِس شهر پر حمله کيا ' تو صليبيوں نے مقبره کے باقي مانده ستون بهي اکهاڑ ليے -

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ہین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پراني قلمي اور مطبوعہ کتابیں، پراني تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزیئن کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتي عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم ہماري نمایش گاہوں اور ذخائر کي فہرستیں ہي منگوا لیجیے - اہل علم اور اہل دولت، دونوں کیلیے ہمارا ذخیرہ قیمتي ہے -

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولي مصارف و مساعي کے بعد حاصل کیا گیا ہے -

دنیا کے تمام قدیم تمدني مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں -

با این ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں !

براعظم یورپ، امریکہ، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں - قاہرہ کے نئے ایوان شاہي کے نوادر ابھي حال میں ہم ہي نے فراہم کیے ہیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود ہوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بھي پہلے ہم ہي سے خط و کتابت کیجیے - بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفري یا مقامي ایجنٹ آپسے مل سکے -

عالم شرق و اسلام

شامی جہاد وطنی کا التوا

موجودہ عہد کی ایک قومی جد و جہد پر نظر توديع !

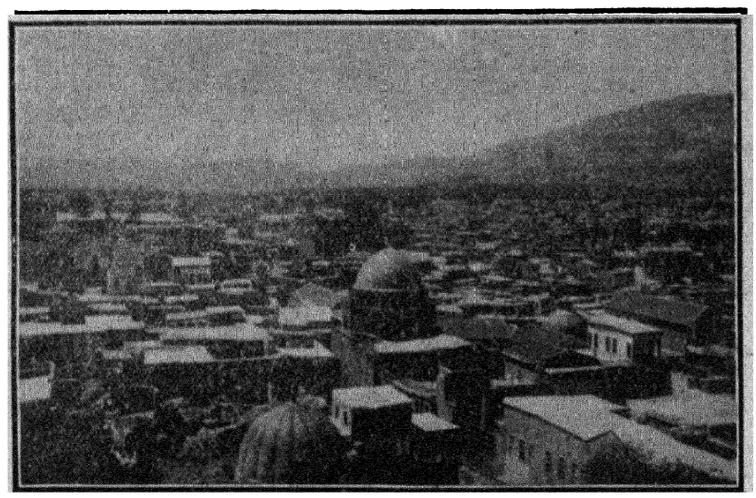

شہر دمشق کا ایک عمومی منظر

جس کی دو تہائی تاریخی رونق و عظمت فرانسیسی توپوں کی گولہ باری اور فوجی حکام کے قتل و غارت گری سے ہمیشہ کیلیے برباد ہوگئی !

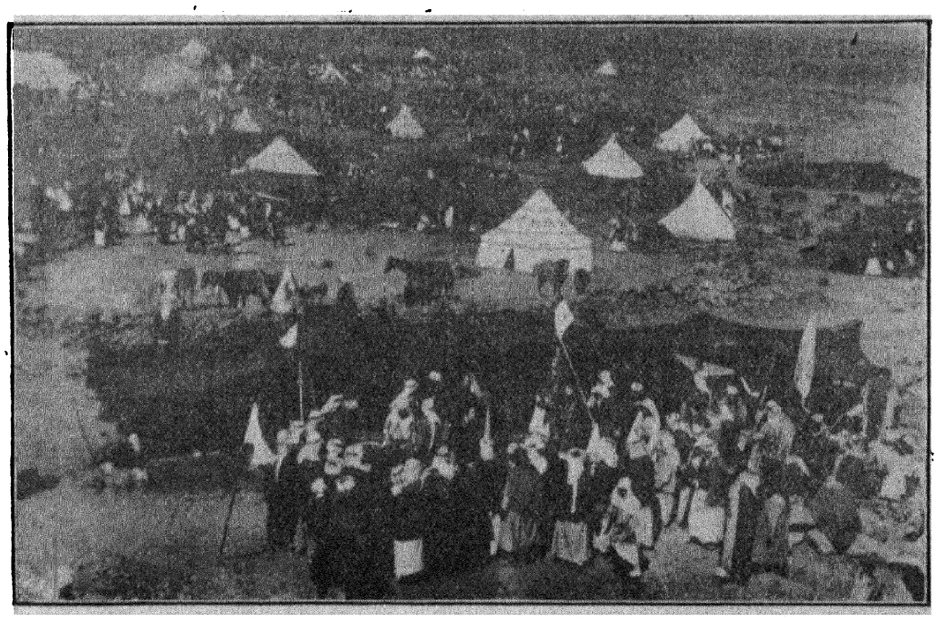

سلطان پاشا اطرش اور دروزی مجاهدین کا معسکر سویداء میں

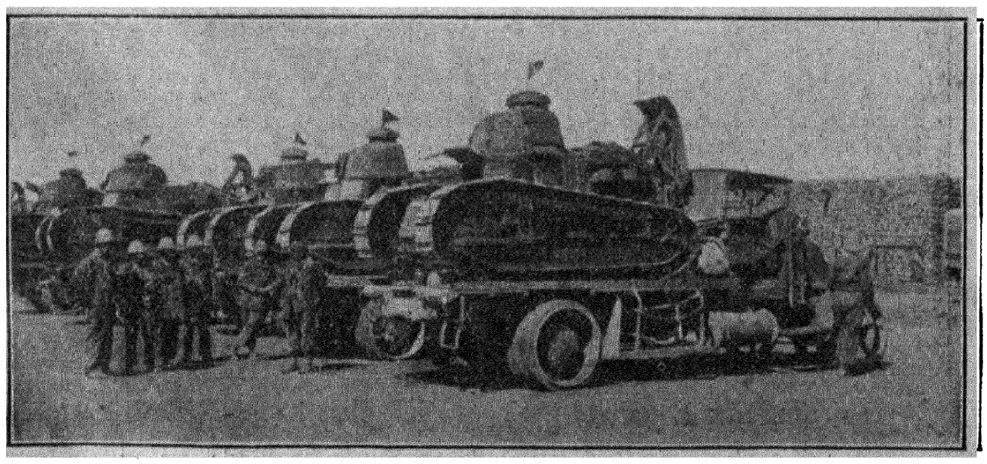

فرانس اعلان کرتا ہے کہ " اب ملک میں امن قائم ہوگیا ہے " مگر یہ " امن " کیونکر قائم ہوا ؟ اس طرح قائم ہوا کہ دمشق کے چاروں طرف اور خود شہر کے اندر ' بری تباہ کن مراکب کی صفوں سے تاکہ بندیاں کی گئیں ' اور اس طرح " امن " کے لیے قتل عام کا اعلان کیا گیا !



اطراف دمشق کا ایک تاریخي قصبہ جو گولہ باري سے بالکل تباہ کردیا گیا - تباهي کے بعد فرانسیسي پہنچے هیں اور دیکھہ رهے هیں کہ مکانوں کے کھنڈروں اور مقتول لاشوں کے سوا کوي زندہ چیز باقي نہیں ہے !

حتی المحاریب تبکی وهی جامدة

حتی المنابر ترثی وهی عیدان !

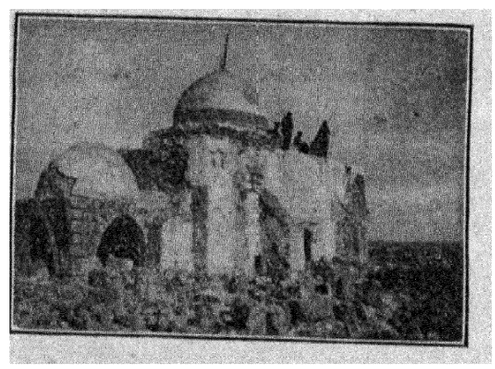

دمشق کي ایک قدیم مسجد جسے فرانسیسي حکام نے منہدم کردیا اور انہدام کے بعد اب اس سے کمین گاہ کا کام لے رهے هیں !

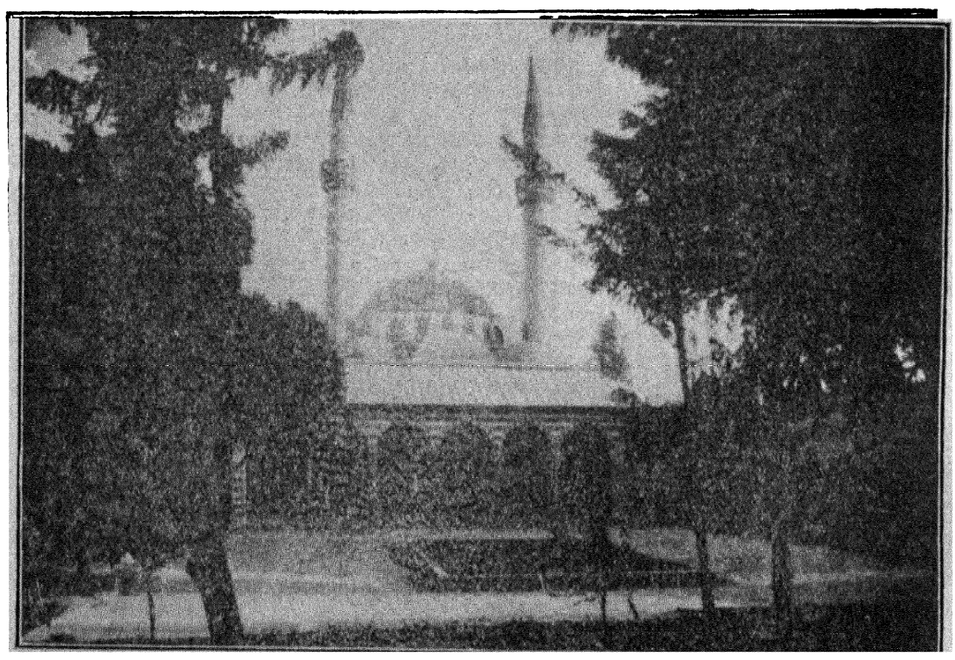

دمشق کي مشہور اور تاریخي مسجد " جامع التکیہ " کا داخلي منظر - جسے سلطان سلیم خاں نے تعمیر کیا تھا - فرانسیسیوں نے اس پر قبضہ کرکے اُسے فوجي اصطبل بنا دیا - عین محراب و ممبر کے پاس گھوڑے باندھے گئے !



ادب عربی اور جدید مصری مباحث

لیلی مجنون

ایک مصری اہل قلم کی نظری تحقیقات

بلاد اسلامیہ کے ادبی و علمی مباحث و افکار کی صدائیں بہت کم ہندوستان تک پہنچتی ہیں - اول تو یہاں ایسے علمی مجامع کا وجود ہی نہیں جو مشرقی و اسلامی ممالک کے علمی مجامع و محافل سے تعارف رکھتے ہوں - ثانیاً ' عربی کے ادبی و علمی مباحث کے ذوق سے نہ صرف نئی تعلیم یافتہ جماعتیں بلکہ قدیم جماعتیں بھی تقریباً محروم ہیں - اس لیے نہ تو ان وادیوں کی انہیں خبر ہے - نہ وہاں کی صداؤں کیلیے کوئی ذوق اور دلچسپی رکھتی ہیں -

ہم چاہتے ' ہیں گاہ گاہ الہلال کے صفحات پر وہاں کے بعض اہم عصری مباحث کے نمونے شایع کرتے رہیں -

کچھہ عرصہ سے مصر میں ادب و شعر عربی کی دو متقابل جماعتیں پیدا ہوگئی ہیں ' اور انہی میں بحث و مناظرہ کا معرکہ گرم ہے - ایک جماعت متجددین مغربین کی ہے جنھیں اردو اخبارات کی اصطلاح میں ادبی " انتہا پسند " (اکسٹریمسٹ یا ریڈیکل) کہنا چاہیے - دوسری جماعت ادبی محافظین کی ہے ' جنھیں سیاسی جماعتوں کی تقسیم میں قدامت پسند (کنسرویٹو) وغیرہ الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے - ادب و شعر کی ان دو انتہائی جانبوں نے افراط و تفریط کے عجیب عجیب زاویے پیدا کردیے ہیں - ان دونوں انتہائی جماعتوں کے درمیان بعض اصحاب اقتصاد و اعتدال بھی ہیں ' لیکن بہت کم - کیونکہ جماعت کا ذہنی مزاج فکر و عمل کے ہر گوشے میں ' اعتدال سے مالوف نہیں ہوتا - افراط و تفریط ہی کی طرف مائل رہتا ہے -

سیاست کی طرح ادب و شعر میں بھی ان دو مذہبوں کا ظہور ' ہر ملک کے علمی اور فکری عہد کے ذہنی خواص میں سے ہے - انیسویں صدی کے اوائل میں جب یورپ کی ادبیات کا آخری انقلاب ظہور میں آیا ' تو اُس وقت بھی طریق مدرسیہ (Classic) اور طریق رومانیہ (Romantic) کے متبعین میں کشمکش پیدا ہوئی اور انتہائی اطراف نمایاں ہوگئے - البتہ یورپ کی زبانوں اور عربی زبان کی نوعیت میں یہ اصولی فرق ہے کہ اٹھارویں صدی میں جب رومانیہ طریقہ کے متجددین پیدا ہوئے تھے ' تو اُس وقت یورپ کا مدرسی علم ادب کوئی ایسی ترقی یافتہ حالت نہیں رکھتا تھا کہ ہر گوشہ میں ترقی و توسع کا محتاج نہو - وہ زیادہ سے زیادہ دو صدیوں کی ابتدائی ادبی ترقی کا نتیجہ تھا جو حروب صلیبیہ کے بعد سے یورپ میں شروع ہوئی تھی - اور پھر جو کچھہ بھی تھا ' صرف ادب کی ایک خاص شاخ میں محدود تھا - یعنی شعر قصصی اور قصص تمثیلیہ میں - لیکن عربی علم ادب کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے - اُس پر نشر و ترقی کی تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں - وہ تمدن و علوم کی تمام حالتیں ' اور اسالیب بیان و تعبیر افکار کے تمام دور طے کر چکی ہے - اس لیے اُسکی عصری احتیاج بہت حد تک محدود ہے ' اور نئے نئے اسالیب و مذاہب کے اخذ و اختیار میں بہت زیادہ احتیاط و توسط کی ضرورت ہے - مغربی اسالیب بیان کی کورانہ تقلید اور ابداع و تجدد کے افراط و غلو کی جگہ چاہیے کہ مجتہدانہ نظر و اعتبار سے کام لیا جاے ' اور عربی ادب و شعر کی خصوصیات کمال و جمال کے تحفظ کے ساتھہ قدیم راہوں میں نئی نئی راہوں کی داغ بیل ڈالی جاے -

بہر حال سیاست و معاشرت کی طرح ادب و شعر میں بھی دو متقابل جماعتیں پیدا ہوگئی ہیں - ادبی تجدد و انقلاب کی اِس حرکت کا سب سے بڑا قائد ڈاکٹر طہ حسین استاذ جامعۂ مصریہ ہے - ڈاکٹر موصوف کی شخصیت میں مصر کے موجودہ عہد کی ایک غیر معمولی ذہانت نمایاں ہوئی ہے - وہ پیدایشی نابینا ہے - اُس کا دماغ حواس خمسہ میں سے ایک سب سے بڑے حاسۂ علم سے محروم تھا - لیکن باوجود اسکے اُس نے جامع ازہر میں علوم عربیہ کی تحصیل کی اور یورپ کی متعدد زبانوں میں بھی درجۂ رسوخ و نظر حاصل کولیا - وہ ابھی جامع ازہر میں مشغول تعلیم تھا کہ جامعۂ مصریہ اُسکی حیرت انگیز ابوالعلائی ذہانت کی شہرت سے متاثر ہوئی اور اپنے صرف سے پیرس اور روم بھجوادیا تاکہ مغربی لغات و علوم کی تحصیل سے بھی فارغ ہوجاے - کئی سال وہاں بسر کرنے کے بعد جب قاہرہ واپس آیا تو اِسی جامعہ میں استاذ (پروفیسر) مقرر ہوگیا -

پچھلے دنوں ڈاکٹر موصوف نے عہد مولدین کے شعراء پر ایک سلسلۂ مقالات شروع کیا تھا ' جس نے مصر کے ادبی حلقوں میں موافق و مخالف آراء کے پرجوش مباحثے پیدا کردیے - ان مقالات میں وہ اوائل عہد بنو امیہ کے بعض شعراء غزلیئین کے وجود سے انکار کرتا ہے ' اور اُنکے وجود کو محض قصصی اور شعری وجود قرار دیتا ہے جیسا کہ بعض مستشرقین یورپ کا بھی خیال ہے - ہم آج اُن مقالات کا ایک حصہ ' حذف و اختصار کے بعد شائع کرتے ہیں - اِس کا تعلق " لیلی مجنوں " کے مشہور قصہ سے ہے - یہ سوال کہ کیا فی الحقیقت قیس عامری اور لیلی کے معاشقہ کا قصہ حقیقی ہے ؟ پہلے بھی اُٹھہ چکا ہے - چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں اُن لوگوں کی رائیں نقل کی ہیں جنھیں ان شخصیتوں کی حقیقت میں شبہ تھا ' لیکن ہم خیال کرتے ہیں اس ادعا اور وثوق کے ساتھہ غالباً کبھی انکار نہیں کیا گیا جیسا انکار ڈاکٹر موصوف کر رہے -

ہم بالفعل اس باب میں اپنی راے ظاہر نہیں کرینگے کیونکہ اسکے لیے شرح و تفصیل کی ضرورت ہے - صرف ڈاکٹر موصوف اور اُن کے ناقدین کے مباحث کا خلاصہ ہدیۂ قارئین کر دینگے - ڈاکٹر موصوف کی تحریر کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

دنیا مین

کتب فروشی کا عظیم مرکز

اگر آپ

علم و کتب کي وسعت اور دست طلب کي کوتاهي سے گهبرا گئے هیں، تو کیوں کسي ایسے مقام کي جستجو نهیں کرتے جهاں دنیا کي تمام بهترین اور منتخب کتابیں جمع کرلي گئي هوں ؟

ایسا مقام موجود هے :

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جسے ملک معظم برطانیه اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بهم پهنچانے کا شرف حاصل هے !

انگریزي کا تمام ذخیره جو برطانیه اور برطاني نو آبادیوں اور ملحقه ممالک میں شایع هوتا هے

یورپ کي تمام زبانوں کا ذخیره

مشرقي علوم و ادبیات پر انگریزي اور یورپین زبانونکي تمام کتابیں

نئي اور پراني ، دونوں طرحکي کتابیں

تمام دنیا کے هر قسم اور هر درجه کے نقشے

هر قسم کي تعلیمي کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے هر قسم اور درجه کا ذخیره

قیمتي سے قیمتي اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ همارے عظیم ذخیره سے حاصل کر سکتے هیں

همارے یهاں سے

هر چهه ماه کے بعد نئے ذخیره کي مفصل فهرست شائع هوا کرتي هے

لیلی مجنون

از ڈاکٹر طٰہٰ حسین

سے پہلے میں بہت سے ادیبوں کو ناراض کرچکا ہوں - بشار بن برد پر اُنکی خلاف توقع میں نے نکتہ چینی کی تھی - افسوس ' آج پھر میں اُنہیں ناخوش کرنے پر مجبور ہوں میں سچ کہتا ہوں ' مجھے اُنکی ناخوشی میں کوئی لطف حاصل نہیں ہوتا - لیکن کیا کروں - بحث ونقد کی دیانت مجھے اِس پر مجبور کرتی ہے - جب سے میں نے عربی شاعری پر بحث شروع کی ہے ' اہل ادب کی ملامت کا نشانہ بن گیا ہوں - وہ ناخوش ہیں - کیونکہ میں نے ابو نواس اور حسین بن الضحاک کو بشار بن برد پر ترجیح دی تھی - آج اُنکی ناراضی اور زیادہ یادہ ہوجائیگی ' کیونکہ میں متعدد شعراء کے وجود سے انکار کرونگا ' یا اُنکی شخصیت کی اہمیت گھٹادونگا - میں آج کہونگا کہ یہ شاعر یا تو سرے سے موجود ہی نہ تھے - یا تھے ' مگر اپنے زمانہ میں کوئی نمایاں شخصیت نہیں رکھتے تھے - بعد میں لوگوں نے اُنہیں بڑھا دیا - اُنکی طرف بہت سے ایسے اشعار منسوب کردیے جو اُنہوں نے کبھی نہیں کہے تھے -

میں جانتا ہوں ' بہت سے اہل ادب میرا طریق بحث پسند نہیں کرتے - وہ صرف اثبات اور ایجاب ہی کا ذوق رکھتے ہیں ' اور ہر وہ طریق بحث ناپسند کرتے ہیں جو انکار یا شک پر ختم ہو - اُنکے خیال میں وہ شخص محقق نہیں ہے جو "مجنوں" کے وجود سے انکار کرے ' یا اسمیں شک وشبہ کا اظہار کرے - جو کوئی ایسی جرأت کرے ' وہ اُنکے نزدیک مجرم ہے - کیونکہ اُنکے خیال میں وہ عربی علم ادب کی عظمت گھٹانے والا ہے - اُنکے نزدیک بڑا محقق وہ ہے جو ادبی قصص و محاضرات کے ہر وجود پر علمی ایمان رکھتا ہو ' اور ہر افسانۂ شعری ' حقیقت کے لباس میں دیکھتا ہو - کیونکہ اُنکے خیال میں ایسا کرنے سے عربی عظمت بڑھتی اور عربی ادب کی خدمت ہوتی ہے ' اور اسلیے ایسا کرنے میں حقیقت کی پروا کرنا ضروری نہیں - آنکھیں بند کر لینی چاھئیں ' اور جہل و اعتراف کی وادیوں میں بڑھے چلنا چاھیے !

وہ علم و ادب میں بھی وہی راہ اختیار کرنی چاھتے ہیں جو سیاست میں اختیار کی جاتی ہے - صرف جذبات برانگیختہ کرو اور مرحبا کے نعرے سنو ! بلا شبہ اِس طرح تم اِن لوگوں کو خوش کردے سکتے ہو - لیکن افسوس ہے کہ اس طریقہ میں اُن لوگوں کیلیے کوئی دعوت نہیں ہوسکتی جو قوم ' ملک ' اور جماعت کی رضامندی دیکھنے سے پہلے علم ' حقیقت ' اور دیانت کے چشم و ابرو پر نظر رکھتے ہیں !

(شعراء غزلیئین)

بد قسمتی یا خوش قسمتی سے میں نے علم اور ضمیر کی رضا مندی کو لوگوں کی تعریف و تحسین پر ترجیح دے رکھی ہے - یہی سبب ہے کہ آج میں بغیر کسی احتیاط اور پیش بندی کے اعلان کرتا ہوں کہ شعراء کی وہ جماعت ' جسے میں " اہل غزل " کے نام سے پکارتا ہوں ' عربی ادب کی تاریخ میں وہ درجہ نہیں رکھتی تھی جو آج لوگوں نے اُسے دے رکھا ہے -

یہ شعراء در اصل دو نمایاں قسموں میں بٹے ہوئے ہیں - دونوں کے متعلق میرے خاص خیالات ہیں - ایک قسم " خیالی شعراء " (" شعری سیرتوں ") کی ہے - اسمیں مجنوں ' قیس بن ذریح ' عروہ بن حزام ' جمیل بن معمر ' وغیرہ داخل ہیں - دوسری قسم " حقیقی شعراء " کی ہے - یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو خیالی محبت کے قائل تھے - نہ فکری مراتب عفت وتنزہ کے دلدادہ تھے - وہ ہر ارضی انسان کی طرح زندگی اور اُسکی آلودگیوں سے آلودہ ہوئے اور اپنے اشعار میں اُنکے راگ گاتے رہے - اِس جماعت کا سرگروہ " عمرو بن ابی ربیعہ " ہے -

ہاں ' مجھے عمرو بن ابی ربیعہ کے تاریخی وجود سے انکار نہیں - میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ جتنے اشعار اُسکی طرف منسوب ہیں ' اکثر اُسی کے ہیں ' اور یہ کہ اُسکی شخصیت اُس زمانہ میں بھی تقریباً ویسی ہی تھی ' جیسی اس زمانہ میں ہم تصور کرتے ہیں - یہی حال کثیر اور عبیداللہ بن قیس الرقیات کا ہے -

(قیس مجنوں)

لیکن مجھے قیس بن ملوح (مجنوں) کے بارے میں پورا شک ہے - میں اُسے تاریخی شخص یقین نہیں کرتا - میں تسلیم نہیں کرتا کہ اس نام کا کوئی شاعر موجود تھا اور لوگ اُسے جانتے اور اُسکے منہ سے اشعار سنتے تھے - مجھے یہ بھی یقین نہیں کہ جو اشعار اُسکی طرف منسوب ہیں ' اُسی کے ہیں - میں خیال کرتا ہوں کہ قیس بن ملوح (مجنوں) من جملہ اُن خیالی آدمیوں کے تھا جنہیں جماعتیں اپنا کوئی خاص تخیل یا زندگی کا کوئی خاص اسلوب ظاہر کرنے کے لیے فرض کر لیا کرتی ہیں (یعنی افسانۂ و شعر کی ایک خیالی سیرۃ) میرے خیال میں قیس بن ملوح ایک خیالی شخص ہے - شعر کے راویوں اور داستان سراؤں نے اُسے شعری و عشقی ضرورتوں سے ایجاد کیا تھا - تا کہ مجالس و محافل کی دلچسپیوں کا سامان کریں - یا وقت کی ایک ادبی و شعری ضرورت پوری کردیں -

یہاں پر میں اُن اصحاب کو مخاطب کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنھوں نے مجنوں کے سچے عشق اور رقیق جذبات کی ثنا خوانی میں بے فائدہ کوشش کی ہے - اگر وہ اس کی جگہ یہ بات دکھاتے کہ مجنوں ' عہد اموی کے بعض خیالات و جذبات اور شعر و نثر کے خاص خاص اُسلوبوں کا رمز و مظہر ہے ' تو اُنکی کوشش زیادہ مفید ہوتی ' اور اُموی دور کی ایک ایسی خصوصیت ظاہر ہو جاتی جسے عہد عباسی نے شروع ہوکر اپنے لہو و لعب اور جسمانی عیش و عشرت کے سیلاب میں ہمیشہ کے لیے غرق کردیا -

مجنوں پر ایمان رکھنے والوں کو سمجھ لینا چاھیے کہ یہ قصہ محض افسانہ ہے - صحیح تنقید ہرگز اِس کا وجود تسلیم نہیں کر سکتی - اُس شخص کے بارے میں تم کیا فیصلہ کروگے - جسکے نام نسب ' قبیلہ ' اور واقعات میں اتفاق کی جگہ سخت اختلاف ہو ؟ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ راوی خود اُس کے وجود پر متفق نہ ہوں اور اُسکے حالات سخت مشتبہ لہجہ میں روایت کرتے ہوں ؟

ایسے شخص کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہو سکتی ہے جس کے واقعات ابو الفرج اصفہانی صرف اس وجہ سے روایت کرنا چاھتا ہے کہ اس کا موضوع اُسے مجبور کرتا ہے ؟ پھر لطف یہ کہ روایات کی صحت کی ذمہ داری لینے سے اسے پوری طرح انکار ہے - وہ پورا بوجھ اصلی راویوں کی گردن پر ڈال دیتا ہے اور خود الگ ہو جاتا ہے - راویوں کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ' بجز رواۃ حدیث کے ' زیادہ محتاط نہ تھے - اکثر مشتبہ واقعات بھی بیان کر جاتے تھے - لیکن باوجود اپنی اس بے احتیاطی کے وہ مجنوں کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں اور اُسکے وجود سے انکار کرتے یا شک ظاہر کرتے ہیں - نیز اُسکا نام ' نسب ' حلیہ ' اور سوانح حیات بالاتفاق بیان نہیں کرسکتے - پس جب خود اصل راویوں کا یہ حال ہے ' تو کیا ہمارے لیے یہ سمجھنا نا مناسب ہوگا کہ مجنوں محض ایک افسانہ ہے ؟



تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

انسانی تصور الہی کی تکمیل

اور

اس کا سلسلۂ ارتقا

(۲)

(دور قہر و جلال)

گذشتہ نمبر میں اس دور کی شرح و تفصیل کا صرف ابتدائی حصہ درج ہوسکا - جس مقام پر پچھلا مقالہ ختم ہوا ہے ' اُسکے بعد مسودہ میں مزید شرح و تفصیل ہے - خلاصہ اُس کا یہ ہے کہ علم الآثار اور قدیم اصنامی و مذہبی روایات و قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس ابتدائی دور میں تصور انسانی درجہ بدرجہ حسب ذیل منزلوں سے گزرا - یہ گویا اس سلسلۂ ارتقا کی پہلی اصولی کڑی کی فرعی کڑیاں تھیں :

(۱) ایک مجہول خوف و دہشت کا تصور -
(۲) ابتدائی تشخص و تعین -
(۳) مظاہر فطرت کی مہلک اور سلبی قوتوں کا تصور -
(۴) خوفناک اور مہلک جانوروں میں ما فوق الطبیعۃ طاقتوں کا تخیل -
(۵) غیر مرئی دیوتاؤں کا تصور -
(۶) دیوتاؤں کے تصور میں ترتیب و نظم کا ظہور -
(۷) کائنات فطرت کے اعمال و مظاہر میں تقسیم عمل کا تصور - یعنی اس تصور کی ابتدا کہ ہر چیز کی تخلیق و نگرانی کیلیے الگ الگ خدائی طاقتیں ہیں - آگے چلکر یہ تقسیم عام ہوگئی - لیکن اس دور میں صرف فطرۃ کے سلبی اور تخریبی افعال میں ہوئی تھی -

(صفات رحمت و جمال کی آمیزش)

ایک مدت تک ذہن انسانی صرف صفات قہر و جلال ہی کا تماشائی رہا - خود اُسکا ذہنی مزاج بھی ابھی رقیق و لطیف صفات کے نشو و بلوغ سے محروم تھا ' اسلیے وہ خدائے تصور میں بھی اُن کا جلوہ نہیں دیکھ سکتا تھا - لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد انسان کی مدنی زندگی نے چند قدم آگے بڑھاے اور اجتماعی معیشت میں ترقی ہوی ' تو معیشت کے نظم ' روابط کے قیام ' علائق کی وسعت ' زندگی کے امن ' اور عقل و ادراک کے منجھ جانے سے فکر و احساس کا دائرہ اُتنا تنگ نہیں رہا ' جس قدر پہلے تھا - اس لیے قدرتی طور پر اُسکے جذبات و امیال کی کیفیت میں بھی ترقی ہوی ' اور ابتدائی زندگی کی سختی اور نا تراشیدگی کی جگہ رقت و لطافت کے احساسات اُبھرنے لگے - اس حالت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تصور الہی کے دائرہ میں بھی ایک نئی وسعت پیدا ہوگئی ' اور نئے نئے جذبات سے وہ آشنا ہونے لگا -

یہ تصور الہی کی دوسری اصولی کڑی ہے - اس منزل میں پہنچ کر انسان نے دیکھا کہ خدا کا چہرہ اگرچہ غضب و ہیبت کے خال و خد سے ہولناک ہے ' لیکن کبھی کبھی اس پر رحمت و جمال کا تبسم بھی طاری ہوجاتا ہے - یہ تبسم ابتدا میں بہت ہلکا تھا - جوں جوں انسان کے لطیف جذبات منجھتے گئے ' یہ تبسم جمال بھی زیادہ نمایاں اور دلاویز ہوتا گیا - یہانتک کہ انسان کے تصور الہی میں قہر و جلال کے ساتھہ ' رحمت و جمال کے تصور کا عنصر بھی شامل ہوگیا -

یہ رحمت و جمال کے دور کی ابتدا تھی - اس دور میں خدا کی ایجابی صفات کا تصور بالکل ابتدائی اور ناقص حالت میں شروع ہوتا ہے ' اور ایک خاص حد تک نشو و نما پاتا ہے - ابتدائی درجہ میں اسکا عنصر بہت خفیف ہوتا ہے - آگے چل کر زیادہ نمایاں ہوجاتا ہے - تاہم مجموعی حیثیت سے غلبہ قہر و جلال کی صفات ہی کا رہتا ہے -

(تجسم و تمثل کا دوسرا قدم)

اِس دوسرے دور میں تجسم و تمثل (یعنی خدا کی صفات کو مخلوق کی صفات کی طرح تصور کرنے) کے بھی ایک بہت ہی سست قدم آگے کی طرف بڑھایا - تنزیہہ کی منزل ذہن انسانی کیلیے بڑی مشکل اور بڑی ہی دور کی منزل تھی - اسلیے اس راہ میں اُسکے قدم تیز نہیں اُٹھہ سکتے تھے - تاہم اُٹھتے تھے ' اور آہستہ آہستہ تمثل کی سطح بلند ہوتی جاتی تھی -

پہلے تمثل سرتا سر ادنی قسم کے حیوانی صفات کا تھا - کیونکہ خود انسانی صفات بھی اسی درجہ میں تھیں - پھر انسان کی معنوی ترقی کے ساتھہ ساتھہ تمثل کی نوعیت میں بھی ترقی ہوتی گئی ' اور اونچے درجہ کی حیوانی صفات سے تصور آشنا ہوگیا - پھر اس میں بھی ترقی ہوئی - انسانی اور کائناتی صفات و اعمال میں سے جو صفات و اعمال اونچے درجے کے انسان کی نظروں میں آسکتے تھے ' اُن سے خدا کا تصور آراستہ کیا جانے لگا -

(الوہیت اور شاہیت)

مثلاً جب اجتماعی معیشت کی ترقی و وسعت سے حکومتوں اور حکمرانوں کا ظہور ہوا ' اور طاقتور انسانوں نے کمزور افراد کو مسخر کرکے اپنی شاہی و مالکی کی عظمت و سطوت پیدا کرلی ' تو ذہن انسانی کے سامنے طاقت اور اقتدار کا ایک نیا پر شکوہ نمونہ آگیا - اسلیے قدرتی طور پر وہ خدا کے تصور میں بھی ایک طرح کی شاہی و حکمرانی کا جاہ و جلال دیکھنے لگا ' اور ساز و سامان حکومت کے وہ تمام اجزاء اُس میں بھی پیدا ہوگئے ' جو دنیا کے بادشاہوں اور انکے درباروں میں پیدا ہوگئے تھے - یہ جو آگے چلکر خدا کے عالمگیر تصور میں ایک شہنشاہ اور اُسکے دربار حکومت کے تمام لوازم کا تخیل سرایت کرگیا - حتی کہ آج خدا کا نام سنتے ہی ہمارے تصور میں ایک بڑے بادشاہ کے تخت عظمت و جلال کا نقشہ پیدا ہوجاتا

ہے ' تو اِس کی بنیاد غالباً اسی طرح اور اسی عہد میں پڑی تھی -

اگر ایک طرف شاہی و تاجداری کی پیدایش اور اُس کی درجہ بہ درجہ ترقی سامنے رکھی جائے' اور دوسری طرف تصور الہی کی اس کڑی پر اور اُسکی تمام ارتقائی کڑیوں پر نظر ڈالی جائے ؛ تو بہ یک نظر واضح ہوجائیگا کہ دوسرا تصور ' ٹھیک ٹھیک پہلے کا عکس ہے ' اور دونوں نقشے ایک ہی ذہنی مبدء سے نکلے ہیں - انسان نے ایک ہی زمانہ میں اور ایک ہی طرح کے ذہن و خیال سے حکومت و کبریائی کے دو تخت بنائے - ایک زمین پر آراستہ کیا - دوسرا آسمانوں کی ملکوتی فضا میں بچھا دیا - ایک پر وہ اپنے ابناء جنس کو بٹھا کر اُن کے سامنے اطاعت و غلامی کا سر جھکاتا - دوسرے پر اپنے خدا کا جاہ و جلال دیکھکر سر بسجود ہو جاتا -

یہ جو مختلف قوموں کے قدیم الہی تصورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے اور بڑے خداؤں کی تقسیم کی گئی ' ہر جگہ کیلیے محلی (مقامی) خداؤں اور آسمانی سرپرستوں کا تخیل پیدا ہوا - نذر' بھینٹ' اور قربانی' کی پیش کش ضروری سمجھی گئی' تقرب الہی کے لیے وسائط و وسائل کے عقیدہ نے رواج پایا ' بڑے خدا تک پہنچنے کیلیے چھوٹے خداؤں کی شفاعت ضروری تصور کی گئی ' معبودوں کے غضب و انتقام سے بچنے کیلیے طرح طرح کے مادی اعمال استعمال میں لائے جانے لگے ' خدا کی تمثیلی صورت کی نشست کیلیے تخت یا تخت کے قسم کی کوئی چیز ضروری سمجھی گئی ' اُس کے سر کی آراستگی کیلیے " تاج " بھی وضع کیا گیا ' اور اُس کی حکمرانی کے انصرام اور مشورہ کیلیے دربار اور دربار کے ارکان بھی پیدا ہوگئے ؛ تو یہ تمام باتیں فی الحقیقت دنیا کی شاہی و حکمرانی ہی کا پرتو ہیں -

دنیا میں جس وقت سے شاہی و حکمرانی کی بنیاد پڑی ہے ' یہ تمام باتیں اُس کے لوازم و خصائص میں سے سمجھی جاتی ہیں اور مفہوم حکومت کے بنیادی اجزاء ہیں - طاقت اور اختیار کی سب سے بڑی بڑائی پادشاہ کیلیے ہوتی ہے - لیکن پادشاہ بذات خود تمام کار و بار حکومت انجام نہیں دے سکتا اور نہ دینا پسند کرتا ہے - اُس کے ماتحت وزیر و امیر ہوتے ہیں ' اور وہ احکام شاہی کے مطابق تمام کام انجام دیتے ہیں - اسی چیز نے تصور الہی میں بڑے معبود اور چھوٹے معبودوں کا تخیل پیدا کیا - خیال کیا گیا کہ چھوٹے معبود بڑے معبود کے نیچے رہکر کائنات قدرت کے تمام کار و بار انجام دیتے ہیں -

یہیں سے تصور الہی میں " تقسیم عمل " کا تخیل بھی ترقی پذیر ہوا - حکومت اور انتظام کے ہر صیغہ کے لیے کوئی ایک امیر اور وزیر مقرر ہوتا اور ہر بستی اور شہر کے اوپر کوئی ایک حاکم با اختیار ہوتا - پادشاہ سب کے اوپر تھا ' لیکن رعایا کا علاقہ اپنے اپنے حاکموں سے تھا - براہ راست پادشاہ سے نہ تھا - حاکموں اور وزیروں کو اختیار پادشاہ ہی سے ملتا ہے ' لیکن جب مل جاتا ہے ' تو وہ اپنے اپنے دائرۂ حکومت میں خود مختار ہوتے ہیں - رعایا کا فرض ہوتا ہے کہ اُنہی کے کہے پر چلے اور اپنی ساری داد فریاد اُنہی کی چوکھٹوں پر لے جائے - اسی تقسیم عمل اور حکومت بالوسائط کا نقشہ تصور الہی میں بھی قائم ہوا - اور پہلے کارخانۂ کائنات کے ہر صیغہ کے لیے الگ الگ خداؤں کی ' پھر زمین کے ہر حصے اور آبادی کے لیے محلی خداؤں اور کارسازوں کی تقسیم عمل میں آئی - یہ بات کہ خدا تک براہ راست کوئی نہیں پہونچ سکتا - ہر انسان کی پہونچ صرف درمیان کے وسیلہ ہی تک ہو سکتی ہے ' اور اُسی کے وسیلہ سے وہ معبود حقیقی تک پہونچ سکتا ہے ' ٹھیک یہی بات تھی کہ کوئی آدمی براہ راست پادشاہ تک نہیں پہونچ سکتا - ہر شخص کی پہونچ صرف اپنے اپنے حاکموں اور وزیروں امیروں ہی تک ہوسکتی ہے - وہ چاہیں تو دربار شاہی تک بھی پہنچادیں -

پادشاہوں تک عوام کا براہ راست نہ پہنچ سکنا ' شاہی عظمت و کبریائی کے تخیل کا نتیجہ تھا - بنیاد اس خیال کی یہ تھی کہ جو شخصیت جس قدر بھی عوام کی رسائی سے بالند ہوگی ' اُتنی ہی عظیم اور مقدس ہوگی - جوں جوں یہ تخیل پادشاہوں کی شخصیت کے ساتھہ ترقی کرتا گیا ' اور اُن تک پہنچنے کے لیے نئے نئے واسطے اور وسیلے بنتے گئے ' خدا کے تصور میں بھی ایک منظم سلسلۂ وسائل کا تخیل پیدا ہوتا گیا - اس تخیل کی انتہا یہ تھی کہ کوئی انسان معبود حقیقی سے راسطہ پیدا ہی نہیں کرسکتا - اُسکا علاقہ جو کچھہ بھی اور جیسا کچھہ بھی ہے ' صرف وسائط سے ہے - یعنی اُن کارفرما طاقتوں سے ہے جن کے سپرد تدبیر عالم کا تمام کارخانہ کر دیا گیا ہے - اسی طرح نذرانہ' پیش کش ' قربانی ' بھی ٹھیک ٹھیک وہی بات ہے ' جو ایک طرف انسانی پادشاہی و سروری کے لیے وجود میں آئی ' دوسری طرف تصور الہی میں بھی سرایت کر گئی -

علم مصریات Egyptiology سے مصر کے قدیم الہی تصورات پر نہایت قیمتی روشنی پڑی ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کے سب سے زیادہ قدیم معبود وہی تھے جنھیں محلی یا جماعتی معبود کہنا چاہیے - حضرت مسیح (علیہ السلام) سے تقریبا نو ہزار برس پہلے تمام سرزمین مصر محلی معبودوں میں منقسم تھی - اِس عہد کے ایک ہزار برس بعد (یعنی ۸۰۰۰ - قبل مسیح) میں ایسے معبودوں کا تصور پیدا ہوا جو محلی نہ تھے - مثلاً " اوزی ریس " اور اُس کے تالوث کی پرستش شروع ہوئی جو انسانیت کا دیوتا تسلیم کیا جاتا تھا - بعض کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے بعد مشرق سے کواکب پرستی کا تخیل مصر پہنچا اور " رارب " (سورج کے دیوتا) کا عالمگیر اقتدار تسلیم کر لیا گیا - ہیرودوتس اگرچہ اس عہد کے ہزاروں برس بعد مصر پہنچا ہے ' لیکن اُس نے بھی یہ پرانی روایتیں معلوم کی ہیں - وہ لکھتا ہے کہ مصر کے قدیم زمانے میں ہر ہر بستی کیلیے الگ الگ خدا تھا - جب ایک آدمی اپنے گانوں سے نکل کر کسی دوسرے گانوں میں جاتا تھا ' تو جب تک وہاں رہتا ' اپنے گانوں کے خدا کی پرستش ترک کردیتا اور اُسی دوسرے گانوں کے خدا کی پوجا کرتا " کیونکہ وہ لوگ یقین کرتے تھے کہ ایک مقام کا خدا صرف اپنی ہی حکومت میں کارسازی کی قدرت رکھتا ہے - دوسرے مقام کے انتظامات میں دست اندازی نہیں کر سکتا " !

مصر کی طرح ہندوستان بھی تاریخ تمدن کی سب سے بڑی قدامت رکھتا ہے - یہاں بھی محلی اور قبائلی معبودوں کا تصور' اقتدار الوہیت کی درجہ بدرجہ تقسیم ' کارخانۂ کائنات کے نظم کیلیے تقسیم عمل ' اور اسی طرح کے تمام تخیلات ' اسی عہد کے نشوونما کا پتہ دیتے ہیں -

یونانیوں کے تصور نے تو کوہ المپس کے معبودوں کا ایک پورا دربار حکومت ترتیب دیدیا تھا جس کا مرقع آج تک در و دیوار کی آرایش کا کام دے رہا ہے اور جسکے مناظر ہومر کی زندۂ جاوید الیڈ میں بار بار

ہمارے سامنے آتے ہیں - اس دربار میں زفس یا زیوس Zeus (مشتری) عصاء شاہی ہاتھ میں لیکر تخت ریاست پر متمکن ہوتا - ہیرا اُسکی بیوی ملکہ کی طرح اُسکے بائیں جانب بیٹھتی - دونوں طرف تخت کے نیچے بقیہ معبود اور دیوتا بیٹھتے ' اور ہیبیا Hebe (زفس کی بیٹی اور شباب کی دیوی) ساقی گری کا فرض انجام دیتی - ہومر الیڈ کی چوتھی نظم شروع کرتے ہوے کہتا ہے : " دیوتاؤں نے زفس کے گرد مجلس شوریٰ آراستہ کی - سنہری ایوان میں سب جمع ہوئے - ہیبیا نے عیش و نشاط کے جاموں کو گردش دی " الخ

ہندوستان اور یونان ' دونوں نے اپنے معبودوں کیلیے سر بفلک پہاڑ کی پراسرار چوٹیاں منتخب کی تھیں- ہندوستان میں ہمالہ کی برف آلود چوٹیاں دیوتاؤں کا مسکن اور دربار بنیں - یونانیوں کے پاس ہمالہ جیسا پہاڑ نہ تھا ' لیکن اِلمپس کی ابر آلود چوٹیاں کافی بلند تھیں - اُنھوں نے خیال کیا ' ابر کے پر اسرار اور ہیبت انگیز پردہ کے پیچھے اُن کے معبودوں کا دربار جاہ و جلال آراستہ ہے !

دیوتاؤں کیلیے طرح طرح کی سواریوں کا تخیل ' ہندوستان ' یونان ' اور مصر کے مقدس رتھ ' آشور اور بابل کے تخت رواں ' ایران کا عجیب الخلقت مرکب ؛ سب اسی تخیل کے برگ و بار ہیں - ہندوستان ' مصر ' یونان ؛ تینوں نے معبودوں کی سواری کے جلوس اور تزک و احتشام کے سامان ویسے ہی آراستہ کیے تھے ' جیسے بادشاہوں کی سواریاں اُن وقتوں میں نکلا کرتی تھیں - علم و تاریخ کی خوش قسمتی سے اُن عہدوں کی شاہیت اور الوہیت ؛ دونوں کے نقشے ہمارے سامنے آگیے ہیں !

پادشاہت اور اُلوہیت کے اسی تماثل کا نتیجہ تھا کہ دونوں میں ایک عجیب طرح کا مخفی لزوم و علاقہ پیدا ہوگیا - یعنی دونوں باہمدگر ایک دوسرے کے تخیل سے اِسطرح متاثر و منفعل ہونے لگے کہ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ' اور دوسرے کے اثر سے پہلا متاثر ہوتا - کیونکہ دو قریب قریب اور متماثل تخیل بہ یک وقت نشوؤ نما پانے لگے تھے - اگر ایک طرف شاہی و سروری کے اعتقاد نے خدا کے تخیل میں اپنا ساز و سامان حکومت پیدا کر دیا ' تو دوسری طرف خدا کے تصور کی شان الوہیت و تقدیس ' شاہی و سروری میں بھی پیدا ہوگئی ' اور اس طرح ذہن انسانی کے لیے دو ہم شکل چیزوں میں حد امتیاز قائم کرنا دشوار ہوگیا -

یہیں سے انسانی پادشاہت میں شان اُلوہیت و کبریائی کے اعتقاد کی بنیاد پڑی- ہندوستان ' مصر ' دو آبۂ دجلہ و فرات ' اور ایران ' قدیم تمدن کے چار بنیادی مقامات ہیں ' لیکن ان چاروں جگھوں کی تاریخ میں شاہی و سروری کے تاج کے گرد ' اُلوہیت و سماویت کا مقدس ہالہ نظر آرہا ہے - ہندوستان اور مصر میں پادشاہ کا منصب ایک آسمانی منصب تسلیم کیا گیا - اُن کے خاندان ' نسب ' پیدایش ' نشو و نما ' موت ' اور ہر طرح کے معاملات میں غیر انسانی قسم کے اسرار و رموز کی تقدیس پیدا ہوگئی - وہ خود بھی ایک دیوتا ہوگئے ' خدا کا مظہر ' اوتار ' اور پھر زیادہ ہلکے لفظوں میں خدا کا سایہ تسلیم کیے گئے ' اور " مشبہ " اور " مشبہ بہ " کا امتیاز اس طرح اُٹھ گیا کہ اب اس کا فیصلہ دشوار ہوگیا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں " مشبہ " کون تھا اور " مشبہ بہ " کسے قرار دینا چاہیے ؟

یہ جو تمام قدیم قوموں میں اُنکی پادشاہتوں کی ابتدا دیوتاؤں سے تسلیم کی گئی ہے ' یا پادشاہوں کا سلسلۂ نسب اجرام سماویہ سے ملا دیا گیا ہے ' یا پادشاہت کی ابتدا آغاز خلقت کے کسی ایسے عہد سے ہوتی ہے جب دیوتائی اور آسمانی حالتیں کے ما وراء طبیعت کارنامے انجام پا رہے تھے ؛ تو یہ بھی اِسی صورت حال کا قدرتی نتیجہ ہے - قدیم مصریوں کا عام اعتقاد تھا کہ تخت مصر پر پہلا دور دیوتاؤں کی براہ راست حکومت کا گزرا ہے - دوسرا دور ایسے انسانوں کی حکومت کا تھا جن میں پوری نہیں آدھی دیوتائی تھی - بیس ہزار برس جب ان دونوں دوروں پر گزر چکے ' تب انسانوں کا دور حکومت شروع ہوا - ہندوستان میں بھی چندر بنسی اور سورج بنسی خاندانوں کا تخیل قائم ہوا ' جنکا سلسلۂ نسب چاند اور سورج پر جا کر ختم ہوتا ہے - آشوریوں اور بابلیوں کا بھی یہی خیال تھا - وہ کہتے تھے ' پادشاہت کا سب سے پہلا سلسلہ سورج دیوتا سے شروع ہوا ہے -

انسانی پرستش کے تخیل نے بھی اسی دور میں نشوؤنما پائی - تمام ایسے انسان جو عام سطح سے کوئی بلند طاقت حاصل کر لیتے تھے ' بہ آسانی دیوتاؤں کا درجہ حاصل کر لیتے - عجب نہیں اِس کی ابتدا اِسی الوہیت اور پادشاہت کے تشابہ سے ہوئی ہو -

مظاہر فطرۃ کی پرستش کے سلسلہ میں اجرام سماوی کی پرستش بھی اسی دور میں شروع ہوئی ' اور انسانی تخیل نے بہ تدریج اپنے ماحول سے متاثر ہوکر اُن کی جسمانی شکل و شباہت وضع کر لی - غالباً کواکب کی مختلف جسمانی صورتیں سب سے پہلے دو آبۂ دجلہ و فرات میں پیدا ہوئی ہیں - اُس کے بعد مصر اور یونان میں کواکبی اصنام کی پرستش کا ظہور ہوا ' اور اُن کی الٰہی روایات نشوؤ نما پانے لگیں - پھر ایک مدت کے بعد جب علم ہئیۃ کی ابتدائی معلومات سے انسان آشنا ہوا ' تو کواکب پرستی کے تخیل میں زیادہ نظم و اسلوب پیدا ہوگیا ' اور ذہن و فکر کی رقت و لطافت ترقی کرنے لگی -

---

مختارات

شرم اور خاموشی ' عورت کا بہترین زیور ہے — اریپڈس

تھوڑی فرقت محبت کو بڑھاتی ' اور زیادہ فرقت محبت کو قتل کر ڈالتی ہے — میرابو

عورت کے محبت بھرے دل سے زیادہ بڑی چیز دنیا میں کوئی نہیں — لوتھر

عورت اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ مرد کو مانوس کرے — والٹیر

مرد کو خدا سے ہمیشہ دعا کرنی چاہیے کہ عورت اُس کی حقیقت نہ جاننے پائے — تھیکرے

آدم سب سے زیادہ خوش نصیب انسان تھا - کیونکہ اُس کی ساس نہ تھی — پارفیہ

(اتفاق سے ایک شعری خطاب)

" اتفاق ' آہ تم کیا جانو اتفاق کیا ہے ؟ اتفاق ایک سفید کبوتر ہے جو اپنی چونچ میں زیتون کی شاخ لیے ہوئے ' نااتفاقی کے طوفان سے نجات دینے کی خوش خبری سنا رہا ہے !

اتفاق چہچہاتی ہوئی ایک بلبل ہے اور اپنے شیریں راگوں سے غمزدہ دلوں میں طرب پیدا کر رہی ہے !

اتفاق ' خوبصورت عندلیب ہے - آسمان میں اڑتی چلی جاتی ہے ' اور وہاں سے نسیم جنت بن کر واپس آتی ہے !

اتفاق ' آسمانی فرشتہ ہے جو اپنے نورانی پر بہادر روحوں پر پھیلا دیتا ہے ! "

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لنڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں تو آپکو یہ ضمیمہ باقاعدہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم بحثوں اور مباحث جمع کرتا ہے۔ مقررین میں کبار مشاہیر تعلیم کے نام ہیں اسکے مضامین مرتب ہوتے ہیں

نمونہ کیلئے خط لکھیے۔

پتہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں۔

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز آف لنڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ کہ ادبی تمام لندن پر ہفتہ وار پیشوا اور رفیع تصور ہے

عدل اعلیٰ علمی مضامین میں

ہے ضمیمہ

کے لیے

The Publisher

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں

آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

ہیں

ہے

ہے

ہے

جلد ۱ ۱۹ اگست ۱۹۲۷ء نمبر ۱۱

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت فی پرچہ پانچ آنہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - - بارہ روپیه

هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه

قیمت شش ماهي - - - سات روپیه

قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں اُنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکهیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکهیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی ارڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکهدیں -

(۸) ایسے جملہ مطالب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۱ | کلکتہ : جمعہ ۲۷ ۔ صفر ۱۳٤٦ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 26, August 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیے ۔ یاد رکھیے ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیے سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قارئین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ٦٥٧ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۸٤	اردو حروف کی حق مین	۲۱۰
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	۱۲۱	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۱۸٦	نستعلیق ھون	٥٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی یکجہتی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

ان تمام اصحاب کیلیے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیا کا شوق رکھتی ھین

دنیا مین عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ھے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پراني قلمي اور مطبوعه کتابیں، پراني تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزیئن کا هر قسم کا سامان، اور هر طرح کے پرانے صنعتي عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب هیں، تو هم سے خط و کتابت کیجیے - کم از کم هماري نمایش گاهوں اور ذخائر کي فهرستیں هي منگوا لیجیے - اهل علم اور اهل دولت، دونوں کیلیے همارا ذخیرہ قیمتي ھے -

نوادر عالم کا یه ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولي مصارف و مساعي کے بعد حاصل کیا گیا ھے -

دنیا کے تمام قدیم تمدني مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، هندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں همارے ایجنٹ همیشه گردش کرتے رهتے هیں -

با این همه

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں هیں !

براعظم یورپ، امریکه، اور مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، هم سے نوادر حاصل کرتے رهتے هیں - قاهرہ کے نئے ایران شاهي کے نوادر ابهي حال میں هم هي نے فراهم کیے هیں -

اگر آپکے پاس نوادر موجود هوں

تو آپ فروخت کرنے کیلیے بهي پہلے هم هي سے خط و کتابت کیجیے - بہت ممکن ھے که همارا سفري یا مقامي ایجنٹ آپسے مل سکے -



مقالات

لیلی مجنون

از ڈاکٹر طاهه حسین

(۲)

قیس کے بارے میں عام راوي تو صرف اختلاف بیان هي پر قانع هیں لیکن ثقه راویوں کو انکار یا شک میں تامل نہیں هے - میں تمام اقوال پیش کرکے تحریر کو طول دینا نہیں چاهتا - آغاني کي پہلي اور دوسري جلد میں کافي ذخیرہ موجود هے ' اور بآساني دیکھا جا سکتا هے -

بعض راویوں کا انکار تو اِس درجه تک بڑه گیا تھا که وہ کہتے تھے :

" بني عامر (مجنوں کے قبیلہ) کے دل اِس قدر ٹھوس هیں که ان میں اِتني زیادہ محبت هو هي نہیں سکتي - هاں بے عقل باشندگان یمن سے یہ بعید نہیں - لیکن بني نزار اِس سے کوسوں دور هیں "

ایک اور راوي تصریح کرتا هے :

" میں قبیلۂ عامر کے ایک ایک خاندان میں پھرا اور سب سے مجنوں کے متعلق سوال کیا - مگر کسي نے بھي اُس کي واقفیت کا اظہار نہیں کیا - بلکه سخت انکار کیا "

ایک دوسرے راوي کا بیان هے :

" میں نے بني عامر کے ایک بدوي سے مجنوں کا حال پوچھا - اُس نے بہت سے عامري مجنونوں کے نام بتائے اور اُن کے اشعار سنائے مگر قیس بن ملوح کے وجود سے برابر انکار کرتا رها "

پھر اُن راویوں پر نظر ڈالو جو اس مجنوں کے واقعات کے راوي هیں - وہ خود آپس میں سخت اختلاف رکھتے هیں ' حتی که اُس کے نام تک پر متفق نہیں - کوئي قیس بتاتا هے - کوئي مہدي کہتا هے - کوئي اقرع قرار دیتا هے - کوئي بعتري پر زور دیتا هے - پھر اُس کے حسب و نسب کے بارے میں اختلاف شروع هوجاتا هے - پھر خود اُس کا جنون بھي سب تسلیم نہیں کرتے - کوئي کہتا هے ' وہ بالکل دیوانه تھا - کوئي اُسے عاقل گردانتا هے - اصمعي کا قول هے " وہ مجنون نہیں تھا - صرف ابو حیه نمیري کي طرح تھوڑي سي سنک تھي " اِس کے بعد یه بحث شروع هوتي هے ' آخر وہ مجنوں کیسے مشہور هوا ؟ بعض کہتے هیں " وہ پہلے هي سے دیوانه تھا " بعض اِس کے خلاف هیں اور یه وجه بیان کرتے هیں که " اُس نے ایک شعر میں اپنے آپ کو مجنوں کہا تھا - اِس لیے اُس کا یه لقب پڑگیا جیسا که بہت سے شعراء کا حال هے - مثلاً نابغه " اختلاف ابھي ختم نہیں هوتا ' بلکه جنون کے سبب تک پہنچتا هے - کچھه لوگ کہتے هیں " محبت نے اُسے دیوانه بنا دیا تھا " بعض کہتے هیں " در اصل اُس نے اپنے ایک شعر میں خدا کي مشیئت پر اعتراض کیا تھا ' اس لیے خدا نے اُس پر اپنا قہر نازل کیا ' اور دیوانه هوگیا وہ شعر یه هے : (اور کیا بے نظیر شعر هے !)

قضاها لغیري و ابتلاني بحبها
فهلا بشیئ غیر لیلی ابتلانیا ؟

(خدا نے میري محبوبه کو تو دوسرے کے لیے کردیا - لیکن مجھے اُس کي محبت میں مبتلا کردیا - کیا یه نہیں هو سکتا تھا که لیلی کے سوا مجھے کسي دوسري مصیبت میں مبتلا کر دیا جاتا ؟)

بعض راوي اِس کا رد کرتے هیں - اُن کا بیان هے که خدا کا قہر جنون کي شکل میں نہیں بلکه برص کي شکل میں اُترا تھا - غرضکه جتنے منہ اُتني هي باتیں هیں - ایسي صورت میں کون یقین کرسکتا هے که مجنوں جیسا کوئي مشہور شخص دنیا میں کبھي موجود تھا ؟

بلا شبه یه اعتراض پیدا هوتا هے که اگر مجنوں موجود نه تھا تو یه پورا قصه کہاں سے آگیا ؟ اس کا جواب خود ادب اور شعر کے راویوں نے دیدیا هے - ابن کلبي لکھتا هے :

" بني امیه کا ایک نوجوان اپني چچیري بہن پر عاشق هوگیا تھا - جوش عشق میں اُس نے اشعار کہے - پھر ڈرا ' مبادا راز کھل جائے اور طرفین کي رسوائي هو - لہذا اُس نے اس راز داري کے لیے مجنوں کا نام اختراع کرلیا اور اپنے اشعار اُس کي طرف منسوب کردیے "

پھر هم یه بھي جانتے هیں که اُس زمانه میں شعر و ادب کے ایسے راوي موجود تھے جنکا کام محض لوگوں کا دل بہلانا اور گرمي صحبت کے لیے داستانسرائي کرنا تھا - وہ اشعار و حکایات بناتے تھے اور بصرہ ' کوفه ' بغداد وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں پھیلا دیتے تھے - جس طرح آج کل کے بعض اخبار نویس لندن اور پیرس میں طرح طرح کے افسانے مشہور کردیا کرتے هیں - یه معمولي لوگ نه تھے - اِن میں ایسے لوگ بھي داخل تھے جنھیں آج کل ثقه راوي یقین کیا جاتا هے - اِنھوں نے اشعار و حوادث گڑھنے میں غیر معمولي مہارت حاصل کي تھي - وہ صاحب علم و فکر تھے - اس لیے اُس زمانه میں بھي عوام اُنھیں صادق و معتبر سمجھتے تھے اور ان کي روایت بغیر شک و شبه کے قبول کر لیتے تھے - اس طرح کے راویوں میں سے دو راویوں کے نام میں یہاں پیش کرونگا - " حماد راویه " اور " خلف احمر " اِن دونوں شخصوں نے بے شمار مصنوعي واقعات و اشعار بنائے هیں - یه دونوں عربي زبان کے ماهر اور بدوی قبائل سے بھي بہتر عربیت کے اسرار و دقائق جاننے والے تھے - دونوں اپنے دین میں متہم اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے - بعض هم عصر شعراء انکے شریک حال هوگئے تھے - اسلیے ان کے راز جانتے تھے اور انکي صداقت میں شبه کرتے تھے -

یه حال صرف رواۃ ادب و شعر هي کا نہیں هے - اهل علم جانتے هیں که انساب ' سیر ' اور فتوح و غزوات کے بہت سے راوي بھي ایسے هي تھے - سیرت ابن هشام اٹھاکر دیکھو - اس میں ایک بڑا ذخیرہ اشعار کا پاؤگے - لیکن خود ابن هشام روایت کے بعد تصریح کرتا جاتا هے " فن شعر کے اکثر عالم اس قصیدہ سے انکار کرتے هیں "

اصل یہ ہے کہ عرب ' روم ' ایران ' اور یونان ؛ باہم بہت حد تک مشابہ ہیں - رومیوں نے یونان پر جنگی فتح حاصل کی تھی مگر یونان نے رومیوں پر ادبی فتح پا لی - یہی حال عربوں کا ہوا - اُنھوں نے ایران کو اپنے قومی جوش سے مسخر کیا ' مگر خود ایرانی اسلوب و ذہنیت سے مغلوب ہوگیے - اس ادبی فتح کے جلوے روم اور بغداد میں یکساں طور پر نظر آتے ہیں - یونان اور ایران ' دونوں نے یہ کیا کہ روم اور عرب کے تمدن پر دست درازی کی اور قطع و برید کرکے اسے مسخ کر ڈالا - یہی صورت حال انساب اور تاریخ و سیر میں بھی پیش آئی ہے -

ان وجوہ کی بنا پر ہمیں پورا حق ہے کہ اپنے ثقہ راویوں کی روایت پر بھی شبہ کریں - اور جب وہ مجنوں جیسے قصہ میں اس قدر باہم مختلف ہوں تو اور بھی زیادہ شک و احتیاط کریں -

ہمارے پاس بحث و تحقیق کا ایک طریقہ اور بھی ہے - لیکن وہ محض ایک فنی طریقہ ہے - تاریخ سے تعلق نہیں رکھتا - مجنوں کے اشعار میں ہم اِس طریقہ سے کام لے سکتے ہیں - شعر ہمیں خود بتادے گا کہ یا تو وہ بتکلف بنایا گیا ہے ' اس لیے محبت کا سچا جذبہ پیش نہیں کرتا - یا مختلف شاعروں کا کلام ہے اور راویوں نے سہواً یا عمداً اُسے مجنوں کی طرف منسوب کر دیا ہے -

جاحظ نے بالکل ٹھیک کہا ہے :

" کوئی شعر نہیں جس میں لیلیٰ کا ذکر ہو اور لوگوں نے قیس بن ملوح (مجنوں) کی طرف منسوب نہ کر دیا ہو - اور کوئی شعر نہیں جس میں لبنیٰ کا ذکر ہو اور قیس بن ذریح کے سر تھوپ نہ دیا گیا ہو - یہ واقعہ ہے کہ مجنوں کی طرف بہت سے شعر منسوب کر دیے گئے ہیں ' حالانکہ خود مجنوں کو اُنسے کوئی تعلق نہیں - یہ شعر اُن شاعروں کے ہیں جو نہ تو مجنوں تھے ' اور نہ محبت نے اُنکا وہ حال کر دیا تھا جو مجنوں کا تھا "

شاعر کی تحقیق کس طریقہ پر کرنی چاہیے ؟ خود شاعر کی شخصیت سب سے پہلی چیز ہے - یہ اس لیے کہ شاعر اپنے شعر میں اپنی شخصیت ضرور رکھتا ہے - اگر شاعر ' کامل ہے تو اُسکا دیوان اُسکی نفسیت اور جذبات کا آئینہ اور اُسکی پوری شخصیت کا مظہر ہوتا ہے - اُس کی مختلف نظموں میں ایک ہی روح ' ایک ہی نفسیت ' ایک ہی قوت کار فرما نظر آئیگی - بلا شبہ تمام اشعار یکساں نہ ہونگے لطافت و رونق اور رقت و جودت میں کمی بیشی ہوگی - لیکن شاعر کی شخصیت سب میں نمایاں ہوگی ' اور وحدت شعری اِس درجہ واضح ہوگی کہ ذوق سلیم فوراً فیصلہ کر دیگا کہ یہ شعر فلاں کا ہے یا یہ شعر فلاں شاعر کے اسلوب پر ہے - ہمارے خیال میں یہ طریق تحقیق نا قابل شک اور فنون ادب میں یکساں طور پر قابل عمل ہے - خصوصاً شعر غنائی (گانے کے اشعار) میں اُسکی اہمیت غیر معمولی ہے - کیونکہ شعر کی یہ صنف ' نفس کا شفاف آئینہ اور جذبات کا سچا مظہر ہوتا ہے -

اِس اصول کی بنا پر کیا ہم مجنوں کے اشعار میں اُس کی کوئی نمایاں شخصیت دیکھ سکتے ہیں ؟ میرا دعویٰ ہے کہ نہیں - اِس دعوے کے ثبوت میں بحث دراز کرنی نہیں چاہتا - میری تحقیقات کا خلاصہ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ مجنوں کی طرف جتنے اشعار منسوب کیے گئے ہیں ' وہ :

(۱) یا تو مشہور شعراء کے ہیں اور راویوں نے غلطی سے مجنوں کی طرف منسوب کر دیے ہیں -

(۲) یا مجہول شعراء کے ہیں اور لیلیٰ کا ذکر دیکھکر لوگوں نے مجنوں کے سمجھ لیے ہیں -

(۳) یا خود راویوں نے جان بوجھ کر بنائے ہیں -

(۴) یا مغنیوں نے اپنی گرم بازاری کے لیے گڑھے ہیں اور مجنوں کے سر تھوپ دیے ہیں -

میں نے بڑی کوشش کی ' مگر ان اشعار میں کسی مشترک شخصیت کی روح نہ دیکھ سکا -

مجنوں کے بارے میں اپنی رائے ایک اور طریقہ سے بھی ہم ثابت کر سکتے ہیں - وہ یہ کہ راوی اُس تعلق کی نوعیت بیان کرنے میں بھی بہت مختلف ہیں جو قیس بن ملوح (مجنوں) اور لیلیٰ کے درمیان تھا -

بعض کہتے ہیں لیلیٰ مجنوں میں بچپنے ہی سے تعارف ہوگیا تھا - دونوں بکریاں چرایا کرتے تھے - آہستہ آہستہ دل کو تعلق ہوا - یہاں تک کہ بچپنے کے اُنس نے جوانی میں عشق کی صورت اختیار کرلی - جوان ہونے پر لیلیٰ قیس سے چھپا دی گئی تھی - اِس صدمہ نے اُسے مجنوں بنا دیا -

بعض یہ قصہ تسلیم نہیں کرتے - اُن کا دعویٰ ہے کہ دونوں میں بچپن سے تعارف نہیں ہوا - بلکہ اتفاق سے ایک سفر میں ملاقات ہوگئی - ایک سفر میں قیس نے چند نازنینیں دیکھیں - سلام کیا - اُنھوں نے جواب دیا اور بات چیت کے لیے بٹھا لیا - قیس سواری سے اُترا - امرء القیس کی طرح اپنی اونٹنی ذبح کرڈالی اور گوشت بھون بھون کر اُنھیں کھلانے لگا - یہاں تک کہ شام ہوگئی - شام کو ایک اور نوجوان وارد ہوا - سب لڑکیاں قیس کو چھوڑ کر اُس کی ہو رہیں - اِس پر قیس خفا ہوکر چلا گیا اور جوش میں اشعار کہے - دوسرے دن صبح پھر اُدھر گیا تو لڑکیاں موجود نہ تھیں - صرف لیلیٰ موجود تھی - اُس نے قیس کو بلایا - قیس نے کل کی طرح پھر اپنی اونٹنی ذبح کی اور محبت کا اظہار کیا - ابتدا میں لیلیٰ نے بے رخی دکھائی - قیس بہت غمگین ہوا - لیکن پھر لیلیٰ کو ترس آگیا - اپنی محبت کا بھی اعتراف کرلیا -

بعض اِسے بھی تسلیم نہیں کرتے - وہ کہتے ہیں - قیس عورتوں کے صحبت کا دلدادہ تھا - لیلیٰ ایک سرو قامت ' خوش اندام ' خوش رفتار ' نازک بدن دوشیزہ تھی - قبیلہ کے نوجوان اُس کے ہاں بیٹھتے اُٹھتے تھے - قیس نے سنا تو وہ بھی آنے جانے لگا - آخر کار دام محبت میں گرفتار ہوگیا !

اِسی قسم کی اور روایتیں بھی ہیں - اِنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لیلیٰ کی شخصیت بھی قیس سے کچھہ کم ما بہ النزاع نہیں ہے - ایک روایت میں اُسے بکریاں چرانے والی لڑکی بتایا ہے - دوسری میں بدوی دوشیزہ ' جو نوجوانوں کو روکتی اور اُن سے گفتگو کرنا پسند کرتی ہے - تیسری میں اُس وضع کی ایک مہذب اور نستعلیق خاتون ' جیسی بڑے بڑے اسلامی شہروں میں ہوا کرتی تھیں - کیا صرف یہی ایک اختلاف ' لیلیٰ کی شخصیت مشتبہ کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے ' جیسا کہ پہلا اختلاف مجنوں کی شخصیت پوری طرح مشکوک کر دیتا ہے ؟

مجنوں کے قصہ میں اور بھی اندرونی شہادتیں ایسی موجود ہیں جو میری رائے کی تائید کرتی ہیں - مثلاً یہ روایت کہ لیلیٰ

کے باپ نے قیس کو اپنی لڑکی دینے سے انکار کردیا - سبب یہ بتایا کہ قیس اُس کی لڑکی پر عاشق ہے اور عشق طشت از بام ہوچکا ہے - بیشک یہی واقعہ ہم دوسرے عشقیہ قصوں میں بھی پاتے ہیں - یہ گویا اُس عہد کے عشقیہ قصوں کا ایک مقبول عام انداز بیان تھا - راویوں کا بیان یہ ہے کہ عربوں میں یہ رسم تھی کہ وہ عاشق سے لڑکی کا بیاہ نہیں کرتے تھے - میں نہیں جانتا یہ بیان صحیح ہے یا غلط ؟ عرب جاہلیۃ کا دستور تو اِس کے برعکس تھا - گمان غالب یہ ہے کہ راویوں نے یہ دستور محض اپنے دل سے ایجاد کیا ہے تا کہ عشقیہ قصوں میں عشاق کی معرومیوں کی ایک معقول وجہ ہاتھہ آجاے -

یہ واقعہ بھی کچھہ کم مضحکہ انگیز نہیں کہ خلیفۂ وقت نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر قیس ' پردہ میں بیٹھنے کے بعد بھی لیلیٰ سے تعرض کرے تو قتل کر ڈالا جائے - پہلے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھی اکثر عشقیہ قصوں میں دھرایا گیا ہے - ہم بجا طور پر سوال کر سکتے ہیں کہ کیا خلفاء کیلیے بجز اِسکے کوئی کام باقی نہیں رہا تھا کہ بدوی عاشقوں کے معاملات محبت میں حاکمانہ مداخلت کرتے رہیں ؟ کبھی اُنکے قتل کا حکم دیں - کبھی اُنہیں معاف کردیں ؟ آخر وہ کون سی شرعی بنیاد تھی جس کی بنا پر وہ اِس قسم کے احکام صادر کرتے تھے ؟ کیا شریعت میں بے اختیارانہ عشق اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کی تعزیر قتل ہے ؟

اِسی طرح یہ واقعہ بھی ایک پر لطف ایجاد ہے کہ قیس جنون عشق میں وحشی ہوگیا تھا - ایسا وحشی کہ اُس کا جنگل کے سوا کہیں جی نہیں لگتا تھا - ہرنوں سے موانست ہوگئی تھی - اور شب و روز کا ساتھہ تھا - داستان گو کی مبالغہ پسندی کے لیے اِتنا کافی نہ تھا - وہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے ' اور ہمیں بتلاتا ہے کہ ایک دن وہ (راوی) قیس کی جستجو میں اُس درخت تک پہنچ گیا جسکے نیچے قیس ہرنوں کے ساتھہ بسیرا لیتا تھا - اور اِس طرح پہنچا کہ نہ تو قیس کو اُسکی خبر ہوئی ' نہ اُسکے رفیق و مونس ہرنوں کو - پہلے یہ سراغ رساں راوی چپکے سے درخت پر چڑھ جاتا ہے ' پھر اُترتا ہے اور قیس سے سوال و جواب شروع کر دیتا ہے - ہرن آواز سنتے ہی بھاگ گئے - قریب تھا کہ قیس بھی چل دے - مگر راوی نے فوراً لیلیٰ کا نام لے لیا - علی بابا کے " سم سم " کی طرح " لیلی " کے لفظ نے فوراً اپنا طلسمی اثر دکھایا اور قیس کی وحشت دور ہوگئی - اب وہ آدمیت سے باتیں کرنے لگا - لیکن پھر اچانک ایک نازک بدن ہرنی نظر آگئی اور اُس کا جوش جنوں از سرنو تازہ ہوگیا !

یہ سب راویوں کا تخیل و تصنع ہے - ہم اِسے ہرگز واقعہ نہیں سمجھہ سکتے - یہ مبالغہ کی ایک خاص قسم ہے - داستان گو جب معقول گفتگو کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو بے سر و پا باتیں شروع کر دیتے ہیں - اکثر قدیم عشقیہ قصوں میں یہی چیز نظر آتی ہے - دنیا کی سب سے پرانی قصصی نظم الیڈ کا بھی یہی حال ہے - یونانی شعر و ادب کے مغربی نقادوں نے اِسی اسلوب پر الیڈ کی بھی تنقید کی ہے - اُسکے غیر معقول رکیک ' اور مبالغہ آمیز اشعار کو نوع شعراء کا الحاقی کلام قرار دیا ہے - اور معقول و دلچسپ اشعار کو مصنف شاعروں کا تخیل بتایا ہے - (یعنے اُن مغربی نقادوں نے جنہوں نے ہومر کے حقیقی وجود سے انکار کیا ہے)

میرے خیال میں اِس تفصیل کے بعد اگر مجنوں کے ساتھہ یہ رعایت کی جاے اور اُسے محض خیالی شخص نہ قرار دیا جائے ' جب بھی اُسکے مشکوک و مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں ہو سکتا - بلا شبہ بحث کا خاتمہ شک و انکار پر ناپسندیدہ ہے - لیکن ہمیں علم و حقیقت کی خاطر کبھی کبھی اس پر مجبور ہوجانا پڑتا ہے -

ہمارے سامنے متعدد عشقیہ عربی قصے موجود ہیں - یہ قصے کئی باتوں میں باہم مشترک ہیں اور کئی باتوں میں مختلف ہیں - مثلاً یہ چیز سب میں یکساں طور پر موجود ہے کہ ان تمام قصوں کے ابطال عشق (ہیروز) بدوی ہیں - سب کی محبت یکساں طور پر انتہائی قسم کی ہے - محبت نے سب کو یکساں طور پر بڑی بڑی تکلیفیں دیں - سب کی محبت پاک تھی - سب نے تقریباً ایک ہی طرح اپنے جذبات کا اپنے اشعار میں اظہار کیا ہے - سب کے اشعار رقیق اور تقریباً ایک ہی درجہ کے ہیں - سب کے واقعات ' مصائب ' طرز عمل ' اور خلفاء و حکام کی مداخلت کی نوعیت بھی یکساں ہے - اختلاف صرف اُن کے ناموں میں ہے ' اُن کے قبائل میں ہے ' یا اُس ماحول میں جس میں انہوں نے پرورش پائی تھی -

قیس بن ملوح (مجنوں) کے انکار اور قیس بن ذریح (عاشق لبنیٰ) میں شک کرنے کے بعد ہمیں اُن کی جگہ دوسرے اشخاص یا دوسری چیزیں قائم کرنی چاہئیں ' ورنہ بحث بے نتیجہ ہوگی - نفی و سلب کے بعد اثبات و ایجاب ناگزیر ہے - میری راے میں قیس بن ملوح ' قیس بن ذریح ' جمیل بن معمر ' اور عروہ بن حزام کی جگہ صحیح لفظوں میں صرف ایک چیز ثابت و موجود ہے - یعنی عہد مولدین کے قصص عشقیہ کا فن اور مذہب (اسکول) میرا یقین ہے کہ یہ فن ' عہد اموی میں ظاہر ہوچکا تھا ' یا کم سے کم اُس کی نمایاں بنیادیں پڑچکی تھیں - آہستہ آہستہ اِس میں ترتیب و ترقی ہوئی ' یہاں تک کہ ایک مستقل فن بن کر موجودہ زمانہ کی عشقیہ قصہ نویسی کے قریب قریب پہنچ گیا -

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ قیس بن ملوح کی شخصیت تاریخی ہے یا غیر تاریخی ؟ میرے سامنے چند عشقیہ قصے موجود ہیں : قصۂ قیس بن ملوح ' قصۂ قیس بن ذریح ' قصۂ جمیل بن معمر ... وغیرہ - اب میری بحث کا موضوع یہ قصے ہیں جنہیں متمدن تخیل نے پیدا کیا ہے ' نہ کہ خود عشاق - مجھے وہ اشخاص تلاش کرنے چاہئیں جنہوں نے یہ قصے بنائے - نہ کہ وہ عشاق جن کے حالات یہ قصے بیان کرتے ہیں - مجھے قصہ نویسوں کی اختراعی قابلیت اور نظم و نثر میں اُن کی مہارت فنی سے بحث کرنی ہے - مجھے اُس ادبی فن پر غور کرنا چاہیے جو ادب و علوم کی دوسری شاخوں کی طرح ' اسلام سے پہلے عرب میں نا پید تھا ' اور اسلامی تمدن کے گہوارہ میں پیدا ہوگیا -

بلا شبہ میں جانتا ہوں ' اِس بحث کی راہ میں سخت موانع در پیش ہیں - یہی ایک مانع کیا کم ہے کہ ان قصوں کے مصنفوں کے نام معلوم نہیں - تاہم ہمیں چاہیے کہ ادب عربی کی خصوصیات و کمالات کی تحقیق و کشف کے لیے اس دشوار گزار وادی میں قدم اٹھائیں ' اور اِن قصوں کا ادبی تجزیۂ و تحلیل کرکے اُن کا عیب و ہنر الگ الگ دکھادیں - ہمیں چاہیے کہ عہد اموی کے اُن ادبی ' اخلاقی ' سیاسی ' اجتماعی ' اسباب کا سراغ لگائیں جنھوں نے ان قصوں کے لیے پہلے پہل زمین طیار کی ' اور پھر ان اسباب کی بھی جستجو کریں جنسے عہد عباسی میں یہ تمام عمارتیں منہدم ہوگئیں -

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

قائدین فکر :
سید جمال الدین اسد آبادی

قسطنطنیہ میں : سنہ ١٨٧٠



پیرس میں : سنہ ١٨٨٣

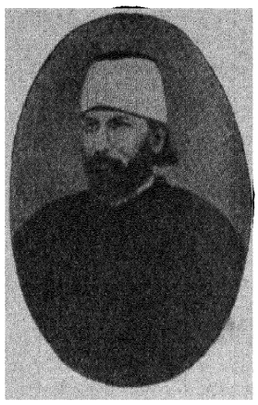

" تقریباً دو ماہ گزرے ہیں کہ ایک شخص سید جمال الدین نامی سے میری ملاقات ہوئی - اس شخص کی شخصیت کا میرے دماغ پر جو اثر پڑا ' وہ ایسا ہے جو بہت کم شخصیتیں مجھ پر ڈال سکی ہیں - یہ اثر بہت قوی اور گہرا تھا ' اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے خیال ہوا ' سوربون یونیورسٹی کے خطبات کا موضوع یہ قرار دوں کہ " اسلام اور اُس کا علم سے علاقہ " سید جمال الدین کی ذہنیت ایک ایسی ذہنیت ہے جو رسمی اسلام کے موثرات کی پوری طرح مقاومت کرسکتی ہے - میں جب اِس شخص سے باتیں کر رہا تھا ' تو اُس کے افکار کی آزادی ' طبیعت کی فضیلت ' اور اظہار حقیقت کی جرأت دیکھکر مجھے خیال ہوا ' میں اس وقت اُن مشاہیر عالم میں سے کسی ایک کو مخاطب کر رہا ہوں جو دنیا کے گزشتہ علمی زمانوں میں گزر چکے ہیں اور جن سے تاریخ کے ذریعہ ہم نے واقفیت حاصل کی ہے - میں گویا ابن سینا ' ابن رشد ' یا اُن حکماء عظام میں سے کسی حکیم کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا جنھوں نے فکر انسانی کو جہل و اوہام کے قیود سے نجات دلانے کیلیے تاریخ عالم کی پانچ صدیوں تک اپنی شجاعانہ جد وجہد جاری رکھی تھی " ! (نیلسوف رینان)

(سید جمال الدین)



کلکتہ میں : سنہ ١٨٧٩

انیسویں صدی کی تاریخ مشرق نے اصلاح و تجدد کی جس قدر شخصیتیں پیدا کی ہیں ' اُن میں کوئی شخصیت بھی وقت کی عام پیداوار سے اس قدر مختلف اور اپنی طبعی ذہانت اور غیر اکتسابی قوتوں میں غیر معمولی نہیں ہے ' جس قدر سید جمال الدین کی شخصیت ہے - بغیر کسی تامل کے کہا جا سکتا ہے کہ مشرق جدید کے رجال تاریخ اور قائدین فکر کی صف میں اُس کی شخصیت کئی اعتبار سے اپنا سہیم و شریک نہیں رکھتی !



٣٠ - برس کی عمر میں مصر کا پہلا سفر : سنہ ١٨٦٩

وہ ایک گمنام اور مجہول ماحول میں پیدا ہوا - ایسے مجہول ماحول میں کہ آج تک یہ بات بھی قطعی طور پر معلوم نہ ہوسکی کہ وہ فی الحقیقت باشندہ کہاں کا تھا ؟ اسعدآباد کا جو ہرات کے قریب اور افغانستان میں واقع ہے ' یا اسدآباد کا جو ہمدان کے قریب اور ایران میں واقع ہے ؟

اُس کے وطن کی طرح اُس کی ابتدائی زندگی کے حالات پر بھی ظن و تخمین کے پردے پڑے ہوئے ہیں - تاہم یہ قطعی ہے کہ تعلیم و تربیت کا اسے کوئی موقع ایسا نہیں ملا تھا جو کسی اعتبار سے بھی ممتاز اور قابل ذکر ہو - انیسویں صدی کے کامل تنزل یافتہ افغانستان اور پنجاب کے علماء اپنے گھروں اور مسجدوں میں علوم رسمیہ کی جیسی کچھ تعلیم دیا کرتے تھے ' زیادہ سے زیادہ تعلیم جو اُس نے حاصل کی تھی ' وہ وہی تھی - جن اُستادوں سے اُس نے تعلیم حاصل کی ' وہ بھی یقیناً معمولی درجہ کے تھے - اُن میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی علمی شخصیت قابل ذکر ہو -



بصرہ میں بہ لباس عربی سنہ ١٨٨٩

دنیا کے نئے تمدنی انقلاب اور نئے علوم سے آشنا ہونے کا بھی اُسے کوئی خاص موقع حاصل نہیں ہوا تھا - اُس کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر افغانستان میں بسر ہوا ' یا ایک روایت کے مطابق ایران میں ' اور یہ دونوں مقامات اُس وقت مغربی تمدن و علوم کی تعلیم و تعلم کا کوئی سامان نہیں رکھتے تھے -

صحبت اور معاشرت بھي اکتسابي تعليم و تربيت کا سب سے بڑا ذريعه هے' بلکه بسا اوقات درس و تدريس کي باقاعده تعليم سے بھي کہيں زياده موثر هوتي هے - ليکن جہاں تک اُسکي زندگي کے حالات روشني ميں آئے هيں' کوئي قرينه اِس کا موجود نہيں که اُسے مشرق و ايشيا کي عام مقلدانه و رسمي سطح سے کوئي بلند درجه کي صحبت ملي هو -

سير و سياحت بھي ذهن کي نشو و ترقي کا بہت بڑا ذريعه هے' ليکن اُس نے اپني ابتدائي زندگي ميں هندوستان اور حجاز کے سوا اور کسي مقام کا سفر نہيں کيا تھا - ظاهر هے که اِن دونوں مقامات ميں کوئي سر چشمه ايسا موجود نه تھا جس سے ايک مجتهدانه فکر و نظر کي پيدايش هو سکے - انيسويں صدي کے اوائل ميں اِن مقامات کا تعليمي تنزل منتهاء کمال تک پہنچ چکا تھا -

سب سے زياده يه که اُس نے جتني بھي اور جيسي کچھه بھي تعليم حاصل کي تھي' وه وهي تعليم تھي جو بجاے خود مسلمانوں کے ذهني تنزل کي پيداوار هے اور کئي صديوں سے اسلامي دنيا کے دماغي تنزل کا سب سے بڑا سبب بن گئي هے - اس تعليم سے ذهن و فکر کي تمام قوتيں پژمرده هو جا سکتي هيں' ليکن آزادانه نشوؤ نما نہيں پا سکتيں -

بايں همه وه سنه ۱۸۷۰ - ميں جب که اُس کي عمر به مشکل تيس برس کي هوگي' يکايک قاهره ميں نمايان هوتا هے' اور صرف چاليس دن کے قيام سے اس عظيم مشرقي دار الحکومت کے تمام علمي حلقوں کو اپني طرف متوجه کر ليتا هے - حتي که اُس کي "عجيب اور نئي قسم کي علمي قابليتوں" کي شهرت دار الخلافة قسطنطنيه تک پہنچتي هے' اور اس کي تمام اصلاحي اور انقلابي قوتيں نمايان هوجاتي هيں!

وه ادب عربي کا ايک عجمي متعلم تھا جس نے بعيد ترين عجمي ممالک ميں عجمي اساتذه سے ناقص اور گمراه قسم کي ادبي تعليم حاصل کي تھي - ليکن وه عربي زبان کے سب سے بڑے مرکز' قاهره ميں سب سے پہلے صحيح و صالح فن عربية کا درس ديتا هے اور عربي کتابت و تحرير کا ايک نيا دور پيدا کر ديتا هے - آج مصر و شام کے تمام مشاهير اهل قلم اعتراف کرتے هيں که "کتابت عربيه ميں هم سب اسي عجمي کے عيال هيں" موجوده عهد ميں عربي

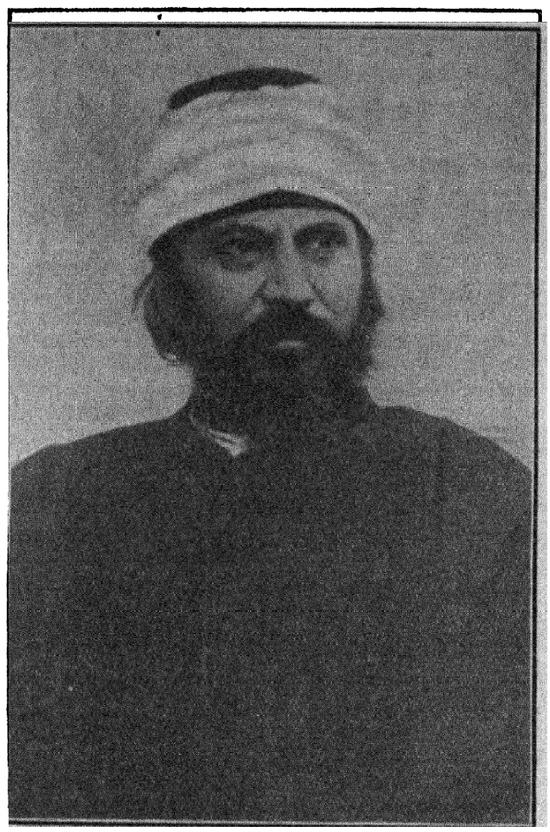

قسطنطنيه ميں بار دوم : سنه ۱۸۹۲

کا سب سے بہتر کاتب' شيخ محمد عبده تھا' اور وه اسي کا شاگرد تھا!

اُس نے علوم حکميه کي جسقدر بھي تعليم حاصل کي تھي' وه وهي موجوده مدارس عربيه کے متون و شروح کي عقيم و کج انديش تعليم تھي' ليکن وه ذهين و مستعد طلبا کي ايک جماعت منتخب کرکے علوم حکميه کا درس و املاء شروع کرديتا هے' اور قديم معقولات کي وه تمام گمرهياں ايک کرکے واضح کرتا هے جنکے اعتقاد و جمود نے صديوں سے مشرقي دنيا کا ذهني ارتقا معطل کرديا هے!

مذهب اور علم' دونوں ميں اُسکي مصلحانه ذهنيت نمايان هوتي هے' اور کسي گوشه ميں بھي اُسکے قدم وقت کي مقلدانه سطح سے مس نہيں هوتے - سياست ميں وه سر تاپا انقلاب کي دعوت هوتا هے' اور جہاں کہيں جاتا هے' چند دنوں کے اندر مستعد اور صالح طبيعتيں چن کر انقلاب و تجدد کي روح پھونک ديتا هے - اُس نے به يک وقت مصر' ايران' اور عراق؛ تينوں مقامات ميں اصلاح و انقلاب کي تخم ريزي کر دي!

وه اپنے اولين قيام مصر سے تقريباً باره برس بعد پہلي مرتبه يورپ کا سفر کرتا هے' اور پيرس ميں وقت کے سب سے بڑے فلسفي اور علم و دين کي نام نہاد نزاع ميں سب سے بڑے حريف دين و مذهب' پروفيسر رينان سے ملتا هے - وه پہلي هي ملاقات ميں اس "عجيب الاطوار مشرقي فيلسوف" سے اس درجه متاثر هوتا هے که اخبار طان ميں سيد موصوف کے ايک مقاله کا رد کرتے هوے لکھتا هے: "ميں نے اسکے شخصيت ميں ابن سينا اور ابن رشد کي روح ديکھي" جيسا که اوپر گزر چکا هے - ياد رهے که انسان کي قابليت کيسي هي کيوں نه هو' ليکن مخاطب کے تاثر کے ليے وه بہت کچھه قوت بيانيه اور فصاحت تکلم کا محتاج هوتا هے - جس وقت سيد جمال الدين رينان سے پيرس ميں اور لارڈ سالسبري سے لندن ميں ملا هے' اُس وقت اسکي فرانسيسي زبان کي تعليم کي تاريخ صرف اتني تھي که اثناء قيام مصر ميں ايک شخص سے لاطيني الف بے قلمي لکھوا لي تھي' اور پھر کچھه عرصه کے بعد ايک کتاب خريد لي تھي جو عربي ميں فرانسيسي کي ابتدائي تعليم کيليے لکھي گئي تھي - کوئي ثبوت موجود نہيں که اُس نے کسي انسان سے با قاعده فرانسيسي زبان کي

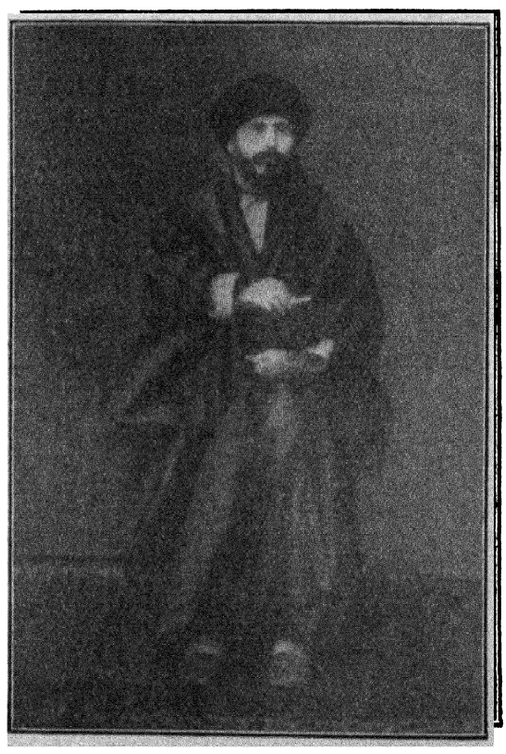

ايران ميں بار دوم : سنه ۱۸۹۰

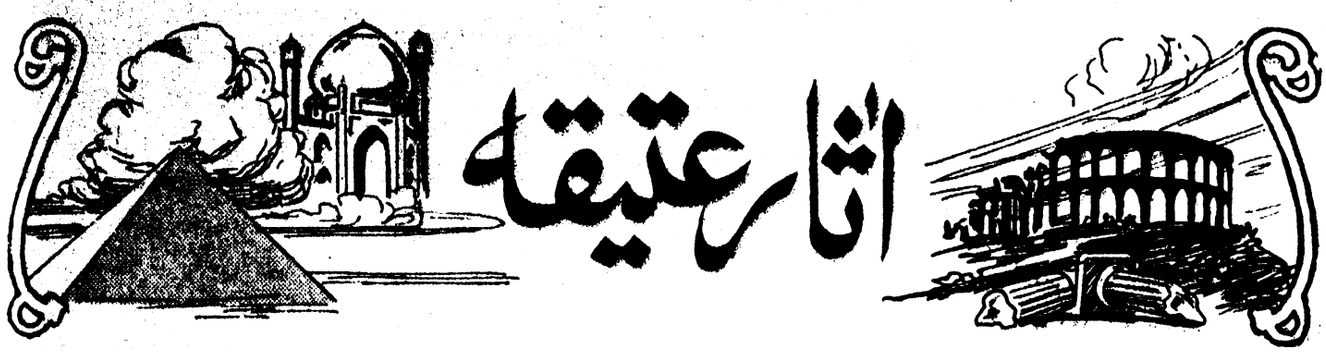

تعلیم حاصل کي هو ' لیکن یه واقعه هے که وه فرانسیسي زبان میں بهتر سے بهتر تحریر و تقریر کر سکتا تها - ترکي ' روسي ' اور انگریزي بهي اسي طرح اُس نے سیکهه لي تهي -

مشهور هے که جب پیٹرس میں روسي سفیر نے اُس سے ملنا چاها ' تو اُس نے ملاقات کي تاریخ ایسي مقرر کرائي جو دو هفته بعد آنے والي تهي - اُس کے بعد وه ایک کتب فروش کے یهاں گیا اور اُس سے کها " مجهے فرانسیسي میں روسي زبان سکهانے والي کتاب چاهیے - میں خرید لونگا - بشرطیکه تم اس کا بهي انتظام کردو که آج سے ایک هفته بعد کوئي روسي زبان بولنے والا آدمي مجهه سے ملاقات کرسکے " کتب فروش نے کتاب بهي دي ' اور ایک ایسے شخص کا انتظام بهي کردیا جو اُسي کے یهاں ملازم تها - جمال الدین نے ایک هفته تک بطور خود کتاب دیکهي ' پهر آٹهویں دن سے چودهویں دن تک روز ایک گهنٹه روسي سے باتیں کرتا رها - اور پندرهویں دن وه طیار هوگیا تها که روسي سفیر سے بغیر کسي مترجم کي وساطت کے ملاقات کرے !

(سید کے سوانح حیات)

اگر سید جمال الدین کي زندگي میں لوگ اُس کے حالات سے واقف نه هوسکے تو یه چنداں عجیب بات نهیں هے - دنیا نے همیشه اپنے اکابر و اعاظم سے اُن کي زندگي میں غفلت برتي هے ' اور جب تک وه دنیا سے رخصت نهیں هوگئے هیں ' اُن کے حقوق کا اعتراف نهیں کیا هے - خصوصاً مصلحین و مجددین اُمم کے لیے تو زندگي میں تغافل اور موت کے بعد تعظیم و احترام ' اس دنیا کا ایک عام اور غیر متغیر قانون هے - لیکن یه صورت حال کس درجه عجیب اور تاسف انگیز هے که اُس کي وفات پر پورے تیس برس گزر چکے هیں ' اور وه تمام مشرقي ممالک بیدار هو چکے هیں جهاں اُس نے اصلاح و انقلاب کي ابتدائي تخم ریزي کي تهي ' تاهم اُس کي زندگي بدستور تاریخ کي روشني سے محروم هے ' اور اُس سے زیاده مشرق کچهه نهیں جانتا ' جتنا یورپ کے بعض معجب شرق اهل قلم نے بتلا دیا هے !

افسوس اس جهل و غفلت پر! هم صرف اپنے قدماء کي شناخت هي کے لیے یورپ کے محتاج نهیں هیں - بلکه اپنے عهد کے اهل فضل و کمال کیلیے بهي اس کے محتاج هیں - جب تک وه انگلي سے اشاره کر کے نه بتلادے ' هم خود اپني قوم اور عهد کے بڑے بڑے انسانوں کو بهي نهیں پهچان سکتے !

هندوستان میں تو الهـلال کي اشاعت سے پهلے ' غالباً لوگ سید جمال الدین کے نام سے بهي آشنا نه تے - سنه ۱۸۷۹ع میں جب وه حیدرآباد اور کلکته میں مقیم تها ' تو هندوستاني مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص یعني مرحوم عبدالغفور شهباز تها ' جسے اسکے فضل و کمال کي تهوڑي سي شناخت نصیب هوي تهي ' اور اُس کے چند فارسي مقالات کا اُردو ترجمه شائع کیا تها !

حال میں برلن سے ایک رساله سید جمال الدین کے اعمال حیات پر شائع هوا هے - اُسکے مطالعه سے خیالات میں بے اختیار جنبش پیدا هوگئي - خیال هوا که پورے شرح و تفصیل کے ساتهه مشرق جدید کے اس قائد فکر کے سوانح حیات پر نظر ڈالني چاهیے - مشرق لفظوں اور متعدد تصویروں کا یه مرقع جو آج شائع هو رها هے ' اسي سلسلۂ مضامین کي تمهیدي قسط هے -

سات عجائب عالم

(۳)

اسکندریه کا منارہ

(THE PHAROS OF ALEXANDRIA)

سکندر اعظم نے مصر فتح کرنے کے بعد هي شهر اسکندریه آباد کیا تها - پچاس سال کے اندر اِس شهر نے پوري ترقي حاصل کرلي ' اور بحر متوسط کي سب سے بڑي بندرگاه بن گیا - سکندر کے بعد اُسکے جانشین مصر میں علم درست تے - اُنهوں نے اسکندریه کو آراسته و رونق دي اور علم و حکمت کا مرکز بنا دیا - سنه ۲۸۵ ق م میں بطلیموس اول حاکم هوا - اُسنے شهر کي روز افزوں تجارتي ترقي دیکهکر خیال کیا که رات کے وقت جهاز راني کي سهولت کیلیے ایک منارہ تعمیر کردینا چاهیے - چنانچه اسکندریه کے قریب جزیرۂ فیروس میں یه منارہ طیار کیا گیا اور فیروس کے نام سے مشهور هوگیا -

مورخین میں اختلاف هے که اصل میں یه نام جزیرہ کا تها یا منارہ کا ؟ بهر حال یه واقعه هے که اِسکے بعد جهاز راني کیلیے روشني کے جتنے بهي منارہ تعمیر هوئے ' اُنمیں سے اکثر " فیروس " هي کے نام سے پکارے گئے - بلکه لاتیني ' اِطالي ' اسپیني ' اور قدیم انگریزي زبان میں تو اِس لفظ کے معني هي منارہ روشني کے هوگئے - فرانسیسي میں ابتک اس معني میں " فار " کا لفظ مستعمل هے -

خیال کیا جاتا هے که مصري ' روشني کے منارون سے واقف تے ' اور بهت سے منارہ بنا چکے تے - مگر بطلیموس کا یه منارہ اپني بلندي اور ساخت کي وجه سے بهت ممتاز اور مشهور هوگیا -

مشهور رومانی مورخ پلیني نے (جو سنه ۷۹ ع میں اتش فشاں پهاڑ ویزوف کے پهٹنے سے هلاک هوا) اسکندریه کا شهر اور یه منارہ دیکها تها - وه لکهتا هے :

" اسکندریه کي ایک شهرۂ آفاق عمارت ' وه برج هے جسے شاه مصر نے جزیرۂ فیر میں تعمیر کیا هے - یه جزیره ' اسکندریه کے راسته میں واقع هے - برج کي تعمیر میں ۸۰۰ وزن خرچ هوئے تے - بطلیموس کي عظمت اور فراخ دلي کي یه شهادت کافي هے که اُسنے برج کے معمار سوسٹراٹس کو اجازت دیدي تهي که اِس حیرت انگیز عمارت میں اپنا نام کنده کرکے بقاء دوام حاصل کرلے !

اس منارہ کي تعمیر سے غرض یہ تھي کہ جہازوں کو کھاڑیوں اور چٹانوں سے ہوشیار کیا جائے اور بندرگاہ کا سیدھا راستہ دکھا دیا جائے - اس وقت مختلف مقامات میں کئي اور منارہ بھي موجود ھیں - مثلاً " منارہ اوستیا " لیکن ان منارروں سے بعض خطرے بھي پیدا ھوگیے ھیں - کیونکہ اُنکي روشني دور سے ستارہ کي طرح معلوم ھوتي ھے اور جہازوں کو راستہ بھلا دیتي ھے "

مورخ نے منارہ کا خرچ ۸۰۰ وزن بتایا ھے - اسکے معني یہ ھوئے کہ تقریباً ۱۵ - لاکھ روپے صرف ھوئے تھے - منارہ کي عظمت کے مقابلہ میں یہ رقم بہت کم معلوم ھوتي ھے -

منارہ کا بنانے والا سوسٹراٹس سکندر اعظم کے مشہور معمار ڈیمکراٹیس کا بیٹا تھا - اسنے اپنا نام منارہ پر ان لفظوں میں کندہ کیا تھا :

" کنیڈرس کے باشندے سوسٹراٹس ولد ڈیمکراٹیس کي طرف سے نجات دینے والے دیوتاؤں کو ھدیہ ' تاکہ وہ سمندر میں سفر کرنے والوں کو نجات بخشیں "

جن سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے تیرھویں صدي عیسوي میں یہ منارہ دیکھا تھا ' اُنکا بیان ھے کہ یہ ۶۰۰ فٹ یعني سو قد آدم بلند تھا - عمارت کي وضع بابلي تھي - کئي منزلیں اوپر نیچے تھیں - ھر منزل اپنے نیچے کي منزل سے چھوٹي اور اوپر کي منزل سے بڑي تھي - زیریں دو منزلیں مربع تھیں اور اوپر کي دو مستدیر تھیں - ھر منزل میں ایک بڑا روشن دان تھا - بنیادیں سنگلاخ تھیں اور چونے کي جگہ سیسہ کي جڑائي کي گئي تھي تا کہ سمندر کي موجیں نقصان نہ پہنچا سکیں - پوري عمارت سنگ مرمر کي تھي - چوٹي پر ایک بہت بڑا تنور تھا - اس میں شب وروز آگ جلا کرتي تھي - رات کو اُس سے روشني حاصل ھوتي اور دن کو دھواں نکلتا رھتا -

کہا جاتا ھے کہ منارہ کے اندر تین سو کمرے تھے اور انمیں فوجي پہرا رھتا تھا -

بعض قدیم راویوں نے بیان کیا ھے کہ مینار کي زمین پر شیشہ جڑا تھا اور چوٹي پر ایک عظیم الشان آئینہ لگا تھا جسے حرکت دے سکتے تھے اور اُسکے ذریعہ آفتاب کي شعاعیں جمع کرکے سو میل کي مسافت پر جہاز جلا دیے جاتے تھے - لیکن یہ محض بے بنیاد باتیں ھیں - البتہ یہ ممکن ھے کہ معمار نے کوئي معدني آئینہ اِس غرض سے لگا دیا ھو کہ روشني میں اضافہ ھو جائے -

فتح مصر کے بعد عربوں نے ایک مدت تک اِس منارہ کي حفاظت کي اور اُس سے کام لیتے رھے - لیکن ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلیے ایک مکار آدمي دمشق بھیجا اور اُس نے یہ کہکر خلیفہ کو دھوکا دیا کہ اِس منارہ کے نیچے بہت بڑا خزانہ مدفون ھے - خلیفہ نے لالچ میں آکر کھودنے کا حکم دیدیا - لیکن ابھي صرف آدھي عمارت منہدم ھوي تھي کہ ولید متنبہ ھوگیا اور اُس نے خیال کیا ایسي قیمتي اور مفید عمارت کا ڈھانا سخت غلطي ھے - اس نے انہدام کے روکنے کا حکم دیا اور از سر نو تعمیر کي کوشش کي - لیکن اب اگلي سي تعمیر دشوار تھي - کئي باکمال معماروں نے کوشش کي لیکن کامیاب نہ ھوئے - یہانتک کہ اُسکي چوٹي کا آئینہ زمین پر گر گیا اور پاش پاش ھوگیا - اِسکے بعد نصف عمارت باقي رھگئي تھي - باشندوں نے اسے مسجد بنا لیا تھا - لیکن سنہ ۱۳۷۵ ع میں زلزلہ آیا اور پورا منارہ سمندر میں جا گرا - کہا جاتا ھے کہ قلعہ قائد بک کے قریب ابتک سمندر کي تہہ میں منارہ کے پتھر چمکتے دکھائي دیتے ھیں -

(٤)

مشتری کا مجسمہ

The Statue of Jupiter

" جوپیٹر " رومانیوں کا مشہور دیوتا ھے - بعینہ یہي دیوتا ' یونان میں " زفس " (Zeus) کے نام سے پوجا جاتا تھا - بلا استثنا تمام قدیم مورخوں نے اِس بت کا ذکر کیا ھے جسے ایتھنز میں " فیدیاس " نے بنایا تھا - سب اسے بالاتفاق دنیا کے سات عجائب میں شمار کرتے ھیں - موجودہ دنیا اُس کے نام و نشان سے بالکل خالي ھے - صرف چند سکے دستیاب ھوئے ھیں جن پر اُسکي شکل کا ٹھپا ھے ' اور شہر ایتھنز میں اُسکي بنیادیں اور بیٹھک کا نچلا حصہ بر آمد ھوا ھے -

جرمن ماھرین آثار عتیقہ کي تحقیقات کا نتیجہ یہ ھے کہ " زفس " کا بت خانہ مستطیل تھا - اُسکے دونوں کناروں پر چھ چھ ستون اور دونوں پہلوؤں پر ۱۳ - ستون تھے - اندر کا ایوان ۹۵ فٹ لانبا اور ۴۳ فٹ چوڑا تھا ' اور ستونوں کي دو قطاریں کھڑي کرکے تین حصوں میں بانٹ دیا گیا تھا - " زفس " کا بت درمیاني حصہ میں ایک کنارے پر نصب تھا - بت اصل میں چوبي تھا مگر اُس پر ھاتھي دانت اور سونا جڑا ھوا تھا - ھاتھي دانت جسم کو ظاھر کرتا تھا اور سونا لباس کو -

قدیم مورخ پوسینیا کي تصریح کے مطابق ' بت ایک تخت پر بیٹھا تھا - اُسکے سر پر زیتون کي پتے والي شاخ کا تاج تھا - دھنے ھاتھہ میں فتح کا نشان تھا جو ھاتھي دانت اور سونے سے بني ھوي عورت کي شکل میں تھا - بائیں ھاتھہ میں عصا تھا ' جس پر مختلف قیمتي معدنیات کي پچے کاري تھي - عصا پر جھکا ھوا ایک گدھ تھا - بت کا جوتا اور تمام لباس ' سونے کا تھا - تخت سونے ' آبنوس ' ھاتھي دانت ' اور جواھرات سے بنایا گیا تھا اور اُس پر بکثرت دلفریب تصویریں منقش تھیں !

ایک رومانی شہنشاہ ھارڈین کے ایک سکے میں اِس بت کي تصویر پائي گئي ھے اور اُس سے مورخ موصوف کے قول کي پوري تصدیق ھوتي ھے - فرق صرف اس قدر ھے کہ عصا پر بیان کردہ گدھ موجود نہیں ھے -

بت کي تعمیر کے سلسلہ میں یہ بات مشہور ھے کہ جب اُسکا سر بنانے کا وقت آیا تو لوگوں نے فیدیاس سے پوچھا " سر کي وضع کیسي رکھوگے ؟ " اُس نے فوراً جواب دیا " میں ھومر کے اِس قول کي پیروي کرونگا : ابن قرونس گویا ھوا - اپني سیاہ ابروؤں والا سر عجب سے ھلایا - بالوں کے گچھے اُسکے لازوال سر پر ھل رھے تھے !"

بت کي تصویر ایک اور سکہ پر بھي ملي ھے - اِسمیں سر کے بال لانبے ھیں ' اور گردن پر پڑے ھیں - داڑھي بھي گھني اور لمبي ھے اور اُس پر دونوں طرف سے مونچھیں پھیلي ھوئي ھیں -

خیال کیا جاتا ھے کہ ایتھینز میں اِس بت کي تعمیر سنہ ۴۵۰ ق م میں ھوئي تھي -

(عرب مورخین)

ھم آئیندہ نمبر میں بقیہ عجائب کا ذکر کرکے بتلائینگے کہ عرب مورخین کي تصریحات کیا ھیں ؟

تاریخ و عبر

ہندوستان اور حکیم ابو ریحان بیرونی

نو سو برس پہلے ہندوستان کی ذہنی اور معاشرتی حالت

ایک عرب محقق و سیاح کے مشاہدات و تاثرات

مستشرقین یورپ کی کوششوں سے ابو الریحان محمد بن احمد البیرونی کی شہرہ آفاق کتاب "کتاب الہند" یا "تحقیق ما للہند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل او مرذولۃ" سنہ ۱۸۸۷ میں شائع ہو چکی ہے - بیرونی پانچویں صدی ہجری کا مشہور حکیم اور محقق ہے - گیارھویں صدی مسیحی کے اوائل یعنی اب سے نو سو برس پہلے اس نے ہندوستان کی سیاحت کی تھی - یہ زمانہ سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کا تھا - محمد بن القاسم کی فتح سندہ کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمان بہ حیثیت جماعت اندرون ہند میں بڑھے - مسلمان ' یہاں کے باشندوں سے نا واقف تھے ' اور ہندو ' مسلمانوں سے نا آشنا - بیرونی ' ہندوستان میں بطور سیاح کے داخل ہوا - سنسکرت زبان حاصل کی - ہندو علماء کی صحبت میں بیٹھا - ہندو علوم کی تحصیل کی - اُنکے حالات سے واقف ہوا - اور پھر غزنی میں بیٹھکر اپنی یہ جلیل القدر کتاب مرتب کی - اس کتاب کے متعلق بالاتفاق تمام محققین حال کا فیصلہ ہے کہ اُس عہد کے ہندوستان پر اس سے بہتر اور محققانہ بیان کسی مصنف کا موجود نہیں - یہ کتاب ہمارے سامنے نو صدی پہلے کا ہندوستان پیش کرتی ہے - اِس میں زیادہ تر بحث ہندو فلسفہ ' الہیات ' نجوم ' ریاضی وغیرہ علوم سے کی ہے - لیکن ضمناً اُس وقت کی معاشرتی حالت پر بھی بہت کچھہ روشنی پڑتی ہے - ذیل میں ہم اُسکے جستہ جستہ اقتباسات پیش کرتے ہیں - اِن سے قارئین الہلال اندازہ کر سکینگے کہ قدیم ہندوستان کی معاشرتی ذہنیت کا کیا حال تھا ' اور اس طویل مدت میں کتنا کم تغیر اُس میں واقع ہوا ہے ؟ غالباً کسی ملک کے ذہنی اور معاشرتی جمود و تصلب کی اس سے بہتر مثال دنیا میں موجود نہیں -

(ہندوستان کے سمجھنے میں دشواریاں)

بیرونی نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں وہ دشواریاں بیان کی ہیں جو غیر قوموں کو ہندوستان کے سمجھنے میں پیش آتی تھیں - وہ لکھتا ہے :

" ہندوستانی ہم سے اُن تمام باتوں میں مختلف ہیں جو قوموں میں اشتراک یا تعارف کا ذریعہ ہوا کرتی ہیں - مثلاً :

(۱) زبان — اگرچہ سب قوموں کی زبانیں الگ الگ اور مختلف ہیں لیکن ہندوستان کی زبان (سنسکرت) عربی کی طرح بہت ہی وسیع و دقیق ہے - اجنبی کے لیے اُسکی تحصیل ' عربی سے بدرجہا زیادہ دشوار ہے - اِس زبان میں ایک ہی چیز کے بہت سے نام اور ایک ہی لفظ کے بہت سے معنی پیدا ہوتے ہیں - اُنکا احاطۂ و ادراک اِس قدر مشکل ہے کہ اسماء و مسمیات کی تمیز بجز خاص ذہانت و قابلیت رکھنے والوں کے ' عام لوگوں کے لیے تقریباً نا ممکن ہے - ہندو اپنی زبان کی اِس پیچیدگی پر اُسی طرح ناز کرتے ہیں جس طرح بعض دوسری قومیں کرتی ہیں ' حالانکہ یہ در حقیقت زبان کا عیب ہے - نہ کہ خوبی -

ہندوستان کی زبان کی دو قسمیں ہیں : عامی اور فصیح — عامی ' عوام اور بازاریوں کے استعمال کے لیے ہے - فصیح ' علم و ادب اور مجالس سلاطین و حکماء کے لیے - یہ اپنے اشتقاق ' تصریف ' نحو کے دقائق ' اور بلاغت کی باریکیوں کی وجہ سے اِس قدر مغلق ہے ' کہ ماہر علماء کے سوا اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا -

پھر یہ زبان ایسے حروف سے مرکب ہے جنمیں سے بعض حروف عربی اور فارسی حروف سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے - بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہماری زبانیں اور حلق اُنکے صحیح تلفظ کی قدرت ہی نہیں رکھتے - یہی باعث ہے کہ عربی خط میں انکی تحریر نا ممکن ہے ' اگرچہ نقطوں ' علامتوں ' اور اعراب سے انہیں کتنا ہی مقید کردیا جائے -

پھر بعض حروف مستعمل ہیں ' بعض متروک - ساتھہ ہی نقل و صحت کا بھی اُن کے ہاں زیادہ اہتمام نہیں ہے - نتیجہ یہ ہے کہ کتاب ایک دو نقلوں کے بعد برباد ہو جاتی ہے ' اور اُس کی زبان ایک نئی زبان بن جاتی ہے - عوام کیا خواص بھی اُسے سمجھہ نہیں سکتے - خود میرا تجربہ ہے کہ میں نے اُنہی کے منہہ سے کوئی لفظ سنا ' پھر مزید تاکید و تصحیح کے خیال سے اُن کے سامنے دھرایا ' تو میں نے دیکھا ' خود اُن کے لیے اُس کا دوبارہ سمجھنا دشوار ہو گیا تھا !

ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ بعض دوسری عجمی زبانوں کی طرح ان کی زبان میں بھی دو تین ساکن حرف ایک ساتھہ جمع ہو جاتے ہیں ' اور اکثر الفاظ میں ابتدا بہ سکون ہے - ہماری زبانیں اِس قسم کے الفاظ بولنے کی عادی نہیں - یہی سبب ہے کہ ان کے اکثر الفاظ ہم آسانی سے بول نہیں سکتے -

(۲) دینی اختلاف — باشندگان ہند ہم سے دین میں بھی کلی اختلاف رکھتے ہیں - نہ اُن کا کوئی عقیدہ ہمارے لیے قابل تسلیم ہے ' نہ ہمارا کوئی عقیدہ اُن کے لیے قابل قبول - وہ آپس میں بھی مذہبی اختلافات رکھتے ہیں - مگر یہ اختلافات فرعی ہیں - دوسری قوموں سے اُن کا اختلاف اصولی ہے - وہ سب قوموں کو " ملیچ " (ملچھہ) یعنی ناپاک کے لقب سے پکارتے ہیں اور اُن سے ملنا جلنا ناجائز سمجھتے ہیں - حتیٰ کہ اُس پانی اور آگ کو بھی نا پاک سمجھتے ہیں جو کسی غیر باشندۂ ہند کے استعمال میں آگئی ہو !

پھر اُن کے خیال میں یہ نجاست اِس درجہ شدید ہے کہ پاکی کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں - یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں کہ غیر ہندو ' اگرچہ ہندو مذہب کا کتنا ہی قائل ہوجائے ' اُن میں داخل ہوسکے ' یا جو آدمی اُن کے دین سے ایک مرتبہ نکل گیا ہے ' وہ پھر اُس میں لوٹ سکے - اِس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ وہ تمام دنیا سے بالکل الگ ہوگئے ہیں - کوئی بندھن بھی ہمیں اور اُنہیں جوڑنے والا موجود نہیں -

(۳) رسوم و عادات — یہ مغایرت اِس درجہ شدید ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ہم سے ' ہمارے لباس سے ' ہماری وضع قطع سے ڈرایا کرتے ہیں - حتیٰ کہ ہمیں شیطنت کی طرف منسوب کرتے ہیں - ہم سے نفرت اُن کے دلوں میں اِس قدر راسخ ہے کہ خود میں نے اپنے کانوں سے اُنہیں کہتے سنا " تمہاری سر زمین کے ایک بادشاہ نے آکر ہمارا ایک بادشاہ مار ڈالا تھا - مقتول اپنے پیچھے ایک شیر

خوار بھی چھوڑ گیا - جب بچہ جوان ہوا اور اپنی ماں سے اپنے باپ کا حال سنا تو سخت غضب ناک ہوا اور تمہارے ملک پر ٹوٹ پڑا - اس نے بے حساب مخلوق قتل کی - جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے مغلوبوں کو اس وضع کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جو آج کل تمہاری وضع ہے ! " راوی کا اس قصہ سے مقصود یہ تھا کہ ہماری وضع ذلت کی وضع ہے اور انہی کے ایک بادشاہ نے ہمیں اس کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے ! میں نے یہ افسانہ سن کر ان کے بادشاہ کا شکریہ ادا کیا کہ معاملہ اتنے ہی پر ختم ہوگیا اور اس " فاتح " نے ہمیں ہندو بننے اور ہندو رسم و رواج اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا !

(۴) مسلمانوں کا حملہ — منافرت کی بڑی وجہ ' ہندوستان پر مسلمانوں کا حملہ ہے - یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی کی جنگوں نے انہیں بہت ہی سخت نقصان پہنچایا - ان کی آبادیاں برباد ہوگئیں - انہیں منتشر و پراگندہ کردیا گیا - ان کی صرف سلطنت ہی نہیں گئی ' بلکہ مفتوحہ علاقوں سے ان کے علوم و فنون بھی مٹ گئے ' اور ایسے دور دراز خطوں میں جلا وطن ہوگئے ' جہاں تک رسائی مشکل ہے - مثلاً کشمیر اور بنارسی (بنارس) وغیرہ - (بنارس کو دور اس لیے کہا ہے کہ یہ پنجاب اور وسط ہند سے دور ' مشرق کی طرف ہٹا ہوا ہے)

یہی دینی اور سیاسی اسباب ہیں جن کی بنا پر ہندؤں میں مسلمانوں اور تمام اجنبیوں سے سخت نفرت و عداوت پیدا ہوگئی ہے -

(۵) پھر انکے اخلاق میں ایک اور بات بھی راسخ ہوگئی ہے اور کسی طرح نکل نہیں سکتی - یہ ان کے انتہائی علمی و ذہنی تنزل کا نتیجہ ہے - وہ یقین کرتے ہیں کہ دنیا صرف انہی کی دنیا ہے - انسان صرف انہی کی سرزمین پر موجود ہیں - بادشاہ صرف انہی کے بادشاہ ہیں - دین صرف انہی کا دین ہے - اور علم صرف انہی کا علم ہے - یہی وجہ ہے کہ نہایت مغرور اور برخود غلط ہوگئے ہیں - اگر انسے علماء عرب و عجم کا ذکر کیا جاتا ہے تو مخاطب کو جاہل خیال کرتے اور اسکی تصدیق پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے ہیں - حالانکہ اگر وہ سیر و سیاحت کے عادی ہوتے اور اپنے پہاڑی حدود طے کرکے غیر قوموں سے ملتے ' تو یہ جاہلانہ و طفلانہ خیال انمیں پیدا نہ ہوتا -

لیکن یاد رہے کہ ان کے پیش رؤں کا یہ حال نہ تھا - انکا مشہور فاضل " براہمہر " برہمنوں کی تعظیم کے بیان میں کہتا ہے " جب یونانیوں نے باوجود ناپاک ہونے کے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا اور سب پر بازی لے گئے ' تو انکی بھی تعظیم واجب ہوگئی - ان کا درجہ بھی برہمن کا درجہ ہوگیا " !

خود میری حالت یہ ہوئی کہ مدت تک انکے منجموں کے سامنے زانوے شاگردی تہہ کرتا رہا - کیونکہ میں انکی زبان اور انکے طریقوں سے بے خبر تھا - لیکن جب کچھ ان کی زبان میں دخل پیدا ہوگیا تو میں انہیں اپنے یہاں کے علوم کی بنا پر اشیاء کی ہلتوں اور حساب و ریاضی کے براہین سمجھانے لگا - اسپر وہ سخت متعجب ہوئے اور استفادہ میں باہم پیش قدمی کرنے لگے - بڑی حیرت سے پوچھتے تھے : " ہندوستان کے کن کن علماء کو تم نے دیکھا ہے ؟ کن کن سے فائدہ اٹھایا ہے ؟ " کیونکہ انکے خیال میں علم ' ہندوستان کے سوا کہیں ہے ہی نہیں - جب میں نے ان سے کہا کہ میں پہلی مرتبہ ان سے ملا ہوں اور جو کچھ کہہ رہا ہوں ' یہ دنیا کے دوسرے حصوں کے علوم ہیں ' تو وہ اور زیادہ متعجب ہوے ' اور بعضوں نے تو مجھے جادوگر سمجھنا شروع کردیا "



قدیم یونانی ادب کا ایک نمونہ

(بلیٹس کا گیت)

(فرانسیسی ترجمے سے اردو میں منتقل کیا گیا)

(میری سہیلی کی شادی)

راستے میں اینک گلاب کے پھول بکھرے پڑے ہیں - شمعیں بھی ٹمٹما رہی ہیں ... ...

یہ میری سہیلی " ملیسا " کی شادی کی رات کا واقعہ ہے - میں اپنی ماں کے ساتھ گھر لوٹی - اس وقت میرے سر میں خیالات کا ہجوم تھا :

" آج میری سہیلی کو جو بات نصیب ہوئی ہے ' کل مجھے بھی نصیب ہوگی " میں خیال کرنے لگی " میں بھی ایسے ہی شاندار جلوس میں نکلوں گی - میری رتھ بھی پھولوں سے لدی ہوگی ' زیتون کی شاخیں اسپر سایہ کیے ہونگی ' بانسریاں بجتی ہونگی ' اور میری سہیلیوں کی میٹھی آوازیں سریلی بانسریوں میں مل جائینگی - میں بھی ایک دن اپنے بر کے پہلو میں " ملیسا " کی طرح نگاہیں نیچی کیے بیٹھونگی - مجھپر وہ عجیب راز کھل جائینگے جو یہ مرقعہ اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے ... اسکے بعد ؟ ..... یہ کہ میں اپنے بچوں کو اپنی دردہ بھری چھاتیوں سے لگالوں گی -

(راز)

... دوسرے دن میں اپنی سہیلی سے ملنے گئی - انکھیں ملتے ہی دونوں کے رخسار سرخ ہوگئے - وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی اب ہم بالکل اکیلے تھے - مجھے اس سے بہت سی باتیں کہنی تھیں - مگر اسکی صورت دیکھتے ہی کچھ یاد نہ رہا !

میری سہیلی جیسی ہمیشہ سے تھی ' ویسی ہی اب بھی ہے - کوئی فرق اس میں نظر نہیں آیا - لیکن یہ عجیب بات ہے کہ میں اس سے کچھ مرعوب سی تھی - میں اس سے آنکھ نہیں ملا سکتی تھی -

اچانک میرا ڈر دور ہوگیا - میں اسکے زانو پر بیٹھ گئی - اسکے کان میں سب باتیں کہدیں - اس نے بھی اپنا سر میرے سر پر رکھدیا اور میرا راز کہہ ڈالا !

(بانسری)

" لیکاسی " نے خوبصورت بانسری مجھے ہدیہ دی - وہ مجھے بانسری بجانا سکھانے لگا .....

میرے دل میں اُس وقت کوئي عجیب اور نا معلوم اثر پیدا ہو رہا تھا - لیکاسي نے بانسري میرے ہاتھ سے نرمي کے ساتھ لے لي اور بہت ہي دھیمي آواز میں ایک راگ سنایا - میرا دل زور سے دھڑکنے لگا - .....

ہمارے پاس کہنے کو کوئي بات نہ تھي - ہم باري باري بانسري بجا کر دل بہلاتے رہے -

ہم بالکل بے خودي کے عالم میں تھے - اچانک مینڈک چلانے لگے - اب ہم چونکے - رات قریب آ پہنچي -

مجھے بہت دیر ہو گئي ہے - لیکن میں اپني ماں کو یقین دلانے کي کوشش کرونگي کہ میں اِس وقت تک اپني کھوئي ہوي پیٹي ڈھونڈھ رہي تھي !

(جھونپڑا)

میرا چھوٹا سا جھونپڑا ' جہاں ہمارا نرم بستر رکھا ہے ؛ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے - وہ مجھے اس لیے پسند ہے کہ ہم نے اسي میں اپني سب سے اچھي راتیں بسر کي ہیں !

ہمارا بستر ' درختوں کے پتوں اور پھولوں سے بنا ہے - وہ بھي مجھے بہت محبوب ہے ' کیونکہ وہ ہم دونوں کو جمع کرتا ہے !

میں کبھي کبھي بہت غمگین ہو جاتي ہوں - لیکن جب محبت کے پہلو میں ہوتي ہوں ؛ تو اپنے آپ کو بھي بھول جاتي ہوں - مجھپر ایک طرح کي غشي سي طاري ہو جاتي ہے -

(قسم)

" اُس " نے کہا :

" جب دریا کا پاني اُبل کر برف آلود پہاڑوں کي چوٹیاں چھپادے "

" جب انسان ' سمندر کي موجوں پر گیتوں اور جو بوکر کاٹنے لگے "

" جب سورج کي روشني ' تاریکي ہوجائے "

" جب چاند گر کر چور چور ہو جائے "

" تو اُس وقت میرے لیے بھي روا ہوگا کہ تجھسے منہ موڑلوں ' اور تجھے بھي حق ہوگا کہ مجھے بالکل بھلا دے ! اے بلیٹس ! اے میري محبت ! "

(رات)

جب رات آجاتي ہے اور اندھیرا پھیل جاتا ہے ' تو میں خاموشي کے ساتھ گھر سے نکل جاتي ہوں - ہرے بھرے میدانوں میں پہنچتي ہوں - میرا شوہر وہاں بے خبر پڑا سوتا ہے -

کبھي میں گھنٹوں کھڑي اُسے دیکھتي رہتي ہوں - بالکل چپ ' سناٹے میں ..... میں اُسے اپنے قریب تنہا دیکھکر خوش ہوتي ہوں - پھر میں اپنا منہ اُسکے منہ سے قریب کرتي ہوں - کیوں ؟ اسلیے کہ اُسکي سانس کے بوسے لوں !

اُس وقت ستاروں کي چمکیلي آنکھوں کے سوا ہمیں کوئي نہیں دیکھتا !

صبح ہو جاتي ہے -

" اِتني جلدي روشني لوٹ آئي ! " میں اپنے دل سے کہتي ہوں کس جگہ روشني نہیں پہنچ سکتي ؟ کس غار میں سورج کي شعاع کبھي دکھائي نہیں دیتي ؟ مجھے اُسکي تلاش ہے - تاکہ ہمارا استغراق محبت کبھي ختم نہ ہو ... ہمیشہ کیلیے ! سورج کي کرنیں ہمیں پریشان کرنے نہ پائیں -

اقتباسات

تراژکي اور بد مستي

کون ہے جس نے مشہور روسي رہنما اور لینن کے بعد سب سے زیادہ حیرت انگیز روسي انسان " تراژکي " کا نام نہیں سنا ؟ یہ شخص جس نے اپني انتظامي اور جنگي قابلیتوں کا لوہا دشمن تک سے منوا لیا ہے ' انقلاب روس سے پہلے امریکہ میں ایک معمولي درجہ کا بے وقعت اخبار نویس تھا اور شہر بوسٹن میں غریبانہ زندگي بسر کرتا تھا - اُسي زمانہ کا یہ واقعہ اب اخباروں میں شایع ہوا ہے کہ ایک دن تراژکي کو شہر کے کوتوال نے اِس جرم میں گرفتار کرلیا کہ وہ سڑکوں پر بدمست پھر رہا تھا - چنانچہ ۲۴ گھنٹہ قید میں رکھا گیا -

اُس وقت کوتوال کو کیا معلوم تھا کہ اُسکا یہي قیدي عنقریب دنیا کے مشہور انسانوں میں شمار کیا جایگا ؟ (السیاسہ)

(ہنسي)

مشہور فرانسیسي مصنف زیبلے کہتا ہے :

" ہنسي ' انسان کا ایک امتیازي وصف ہے "

یہ قول بالکل صحیح ہے - بہت سے قدیم فلاسفہ بھي یہي کہہ چکے ہیں - ہنسي اور مسکراہٹ ' دو الگ الگ چیزیں ہیں - ہنسي کي بھي کئي قسمیں ہیں : گونجنے والي ہنسي ' خشک ہنسي ' کھوکھلي ہنسي ...

ہنسي کا خاصہ انسان میں بے فائدہ نہیں ہے - ہنسي میں بہت سے جسماني فوائد ہیں - دل کھولکر ہنسنے کے بعد انسان کو سانس لینے میں بہت آرام محسوس ہوتا ہے - کیونکہ جس طرح دوڑنے کے بعد پھیپھڑونکي ہوا صاف ہوجاتي ہے ' اُسي طرح ہنسنے کے بعد اسکي حالت ہوتي ہے - پھر ہنسي کا اعضاء ہضم یعني معدہ و جگر وغیرہ پر بھي بہت اچھا اثر پڑتا ہے - پیٹ بھرے کھانے کے بعد ہنسي غیر معمولي سرعت سے کھانا ہضم ہونے میں مدد دیتي ہے - اسي لئے دستر خوان پر ہنسنے ہنسانے والي باتیں کرنا مستحسن ہے ' اور اسي لیے تنہا بیٹھکر کھانا ناپسند کیا جاتا ہے ' کیونکہ اس کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ انسان ضعف معدہ یا دائمي قبض میں مبتلا ہو جاتا ہے - لقمہ منہ میں لیکر ہنسنا نہیں چاہیے ' ورنہ آلات تنفس میں لقمہ کے اجزاء اٹک جانے کا اندیشہ ہے - اگر کبھي ایسي صورت پیش آ جائے تو پیٹھ پر زور سے گھونسا نہیں مارنا چاہیے ' کیونکہ یہ سخت خطرناک ہے -

ہنسي پورے نظام عصبي کے لیے مفید ہے - جب انسان ہر خوشي کے موقعہ پر ہنسنے کا عادي ہو جاتا ہے تو اُسے ہر مرتبہ ہنسنے میں خوشي حاصل ہونے لگتي ہے - البتہ بلا وجہ ہنسنا حماقت ہے -

لیکن آخر ہم ہنستے کیوں ہیں ؟ جو باتیں ایک شخص کو ہنساتي ہیں ' بسا اوقات دوسرے کو نہیں ہنسا تیں - اس کا جواب مشکل ہے !

(سنڈے ریویو)

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

یاد رکھئے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ سے ملیگا

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم بامسمّٰی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہو اور جس کو چشم بد (حوادث) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرا لیا گیا ہو۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپکی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اسکی سب سے بڑی خوبی یہ ہو کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہو کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہو؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب۔ زنگرہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہو جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہو۔ مفرح قلب ہو۔ خوش ذائقہ ہو۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دُور کرتا ہو۔ اختلاج قلب و درد سر و دیدان سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہو۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہو۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراً طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہو اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہو کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دیسی ہو خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہو کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک وزن یا اس سے زیادہ خریدیں، دو آنے (۲ر) فی روپیہ کمیشن دیا جائے گا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں سکھاتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہو۔ لہٰذا آپ شربت خریدتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اسپر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہو اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی سے ہی مل سکتا ہو۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپ کو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہو جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کرے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہو

ایسی مکمل گائڈ بک صرف ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹن

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہو۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے

بک اسٹال سے مل سکتی ہو

اگر آپکو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو

تامل نہ کیجئے۔ اپنے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سی قلم لیں تو آپ کو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کیجا سکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہی۔ ۱۲ (مینیجر الہلال کلکتہ)

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصول ڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے



دیکھنے میں خوبصورت چال کا اچھا ہر ایک کا مضبوط ٹائم کا سچا۔

بیس یا پچیس روپے کی آنے والی قیمت صرف بیحد سستا قیمت دو روپے

محصول ڈاک و پیکنگ سمیت آرڈر دیں ۳ محصول ڈاک و پیکنگ سمیت آرڈر دیں ۴

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ بکیٹ طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہی اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں رہینگی اسکے بعد ہم نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو ملیں گی یا نہیں بہتر یہ ہی کہ آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہوجائے اور آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ ہوسکے

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدار کیلئے کوئی رعایت نہیں ہی۔ ان سے پوری قیمت مندرجہ چارج کیجائے گی۔ اور محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی ان کو ادا کرنا ہوگا +

منیجر کامرس ٹریڈنگ ہاؤس۔ اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی ۸۳ مقام دہلی

فدائیان اسلام پر مضامین کا ہجوم کیوں ہی؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور انکے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیتہ ملاحظہ فرمائیے

"الجمعیتہ" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہی جو علما کی زبان کہلانے کا مستحق ہی اور جسکا اہم ترین مقصد ملت بیضا کی محافظت ہی۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دنداں شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید اس کا مخصوص طریقہ ہی

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہوگیا ہی اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اسکی حاجت ہی۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہی کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہی اور اصلاح قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں حق کی آواز جسقدر کثرت سے لوگوں کے کان میں جائے اسیقدر کامیابی ہی

اخبار الجمعیتہ کی پانچ خصوصیات

(۱) تمام سیاسی، مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہی۔

(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کرکے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہی۔

(۳) عربی، فارسی، اردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہی۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ علماء ہند کے فتاوے کی اشاعت کرتا ہی۔

(۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہی جس سے اسکی دلچسپی میں اور اضافہ ہوتا ہی۔

ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہی۔ چندہ سالانہ چھ روپیہ۔ (۶/)

ششماہی تین روپئے چار آنے (۳/۴)

منیجر "الجمعیتہ" دہلی

بریدِ فرنگ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

بین الاقوامی سیاست سے علیحدگی

۲ر دسمبر ۱۸۲۳ء میں یعنی آج سے ایک سو چار برس پہلے ولایات متحدہ امریکہ کے پانچویں صدر جیمس مونرو نے امریکہ کی مجلس حکومت (سینٹ) کے سامنے ایک تقریر کی تھی۔ یہ تقریر بعد میں تاریخی تقریر بن گئی اور اس نے عظیم الشان سیاسی نتائج پیدا کئے۔ اس تقریر میں پریسیڈنٹ نے امریکہ کی خارجی حکمت عملی کے لئے ایک اصول پیش کیا تھا جو بعد میں "مذہب مونرو" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس اصول کا منشا یہ تھا کہ "امریکہ کو اپنے معاملات خود ہی طے کرنے چاہئیں اور کسی بیرونی سلطنت کو ان میں مداخلت کا موقعہ نہیں دینا چاہئے"۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ براعظم امریکہ تمام دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لئے ایک مخصوص اور مستقل سیاسی دنیا پیدا کرلے۔

چونکہ ولایات متحدۂ امریکہ اپنے براعظم میں سب سے زیادہ آباد، بااقتدار اور طاقتور جمہوریت ہے، اس لئے دوسرے براعظموں سے الگ تھلگ ہوجانے کی وجہ سے اُسے امریکہ کے تمام دوسری جمہوریتوں پر ایک طرح کی فوقیت یا وصایت (مینڈیٹ) حاصل ہوگئی ہے اور اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے متعدد موقعوں پر وہ دوسری جمہوریتوں کے معاملات میں مداخلت بھی کرچکی ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں جب فرانس اور میکسیکو میں نزاع ہوئی، اور پھر جب ۱۸۹۸ء میں اسپین اور کیوبا کا معاملہ پیش آیا، تو ولایات متحدہ نے اسی اصل کی بنا پر عملاً مداخلت کی۔ مونرو سے پہلے صدر واشنگٹن نے بھی اپنے ہموطنوں کو یہی نصیحت کی تھی کہ یورپی سلطنتوں سے اس طرح کے معاہدات نہ کریں جن سے امریکہ کی بین الاقوامی سیاست سے علیحدگی کی حالت میں خلل پیدا ہونے کا امکان ہو۔

یہی وہ قاعدہ تھا جس کی بنا پر عالمگیر جنگ کے بعد مجلس صلح کے موقعہ پر امریکہ میں سخت اختلاف آراء پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر ولسن اور اُنکے ہم خیالوں کی رائے تھی کہ اب امریکہ کو گوشۂ تنہائی سے نکلکر دنیا کی بین الاقوامی سیاست میں حصہ لینا چاہئے۔ لیکن مذکورۂ بالا قاعدہ کے معتقد اس کے مخالف تھے۔ وہ کہتے تھے امریکہ کو بدستور بین الاقوامی سیاست سے علحدہ رہنا چاہئے۔ بالآخر دوسری جماعت ہی کو فتح حاصل ہوئی کیونکہ امریکہ کی عام رائے اُنہی کے حق میں تھی ڈاکٹر ولسن کو اپنی شکست کا اعتراف کرلینا پڑا۔

بلاشبہ اس اختلاف میں ڈاکٹر ولسن کو شکست ہوئی اور پرانا قاعدہ بدستور برقرار رہا۔ لیکن یہ سوال بہرحال ہمیشہ معرض بحث میں رہے گا کہ آخر امریکہ کب تک دنیا کے سیاست سے علحدہ رہ سکے گا؟ بلکہ یوں کہنا چاہئے حوادث کا سیلاب اُسے کبتک اُسکی جگہ پر چھوڑے رکھے گا؟ ظاہر ہے، جنگ کے بعد دنیا کے سیاسی اور اقتصادی حالات میں انقلاب عظیم ہوگیا ہے، آمریکہ کی تجارت بھی بیحد وسیع ہوگئی ہے، ایسی حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ مذہب مونرو کے حامی زیادہ عرصتک اپنی استقامت رائے قائم رکھ سکیں،

امریکی صدر جمہوریت

ولایات متحدۂ آمریکہ کا نظام حکومت، انگلستان اور فرانس وغیرہ ممالک کے نظام سے بہت مختلف ہے۔ دنیا میں کسی صدر جمہوریت کو اتنے اختیارات حاصل نہیں ہیں جتنے آمریکی صدر جمہوریت کو ہیں۔ شاہ انگلستان اور صدر جمہوریۂ فرانس قریب قریب جملہ اختیارات سے محروم ہیں۔ لیکن آمریکہ کے صدر کے ہاتھ میں وسیع اختیارات ہوتے ہیں خصوصاً جنگ یا دوسرے نازک موقعوں پر اُسے تقریباً مطلق العنان حاکم کی حیثیت از روئے قانون حاصل ہوجاتی ہے۔

دنیا کی دوسری حکومتوں کی طرح آمریکہ میں وزیر اعظم کا عہدہ نہیں ہے۔ صدر جمہوریت ہی اپنے مددگاروں کی مجلس کا رئیس ہوتا ہے لیکن ان مددگاروں کو مجلس حکومت (سینٹ) اور مجلس خواص میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ صدر آمریکہ اور صدر فرانس میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ آخرالذکر کا انتخاب، عوام اور خواص کی دونوں مجلسیں یکجا ہوکر کرتی ہیں۔ لیکن امریکی صدر کا انتخاب اس طرح ہوتا ہے کہ ہر ریاست خاص اس غرض کے لئے اپنے نمائندے مقرر کردیتی ہے۔ یہ نمائندے اپنی اپنی ریاستوں کے صدر مقام میں جمع ہوتے ہیں اور صدر جمہوریت کے لئے کسی شخص کا انتخاب کرتے ہیں۔ تمام ولایتوں کے سربمہر اصوات (ووٹس) پایۂ تخت واشنگٹن بھیجدئے جاتے ہیں۔ پھر واشنگٹن کی دونوں مجلسیں جمع ہوکر ان اصوات کا شمار کرتی ہیں اور ۴ سال کے لئے صدر جمہوریت کا اعلان کردیتی ہیں۔

صدر جمہوریت آمریکہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اُس کی عمر کم سے کم ۳۵ سال کی ہو، اُسنے کم سے کم ۱۴ برس آمریکہ میں گذارے ہوں، اور اس ملک کا مستقل باشندہ ہو۔ صدر جمہوریۂ فرانس کے برخلاف آمریکہ کے صدر کا ایک نائب بھی ہوتا ہے۔ اور اپنی مدت کے دوران میں صدر کے فوت ہوجانے، یا مستعفی ہوجانے یا اپنے فرائض نہ ادا کرسکنے کی حالت میں نائب صدر اُس کی جگہ کام کرتا ہے اور صدر کا نیا انتخاب نہیں ہوتا۔ صدر کی موجودگی میں نائب صدر کا کام صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ مجلس خواص کی صدارت کرتا ہے۔

ولایات متحدہ

جمہوریہ آمریکہ ۴۸ ریاستوں سے مرکب ہے ہر ریاست میں دو مجلسیں ہیں ان کا کام اندرون ریاست میں قانون بنانا اور حکومت کرنا ہے۔ لیکن تمام ریاستوں کے مشترک اور عام معاملات نیز خارجی سیاست، جمہوریت کے مرکزی مقام واشنگٹن کی دونوں مجلسوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں مجلس عوام کے ممبروں کی تعداد ۴۳۵ ہوتی ہے جو ہر دو برس میں ایک مرتبہ منتخب ہوتے ہیں۔ مجلس خواص میں ۹۶ ممبر ہوتے ہیں۔ یعنی ہر ریاست کی طرف سے عام اس سے کہ اُس کی آبادی کم ہو یا زیادہ، دو دو نمائندے ہوتے ہیں۔ ان کی مدت ۶ سال ہوتی ہے مگر ہر دو سال بعد ان میں سے ایک تہائی کا انتخاب از سر نو ہوا کرتا ہے اور اس طرح ۶ سال کے اندر نئی مجلس پیدا ہوجاتی ہے۔ مجلس خواص صدر جمہوریت کے ساتھ معاہدے منظور کرنے میں شریک ہوتی ہے۔ بغیر اُس کی منظوری کے کوئی معاہدہ جائز نہیں ہوسکتا۔

آمریکہ کے بیرونی مقبوضات

ایک طرف جمہوریۂ آمریکہ، دول یورپ کو آمریکہ کے معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ دوسری طرف خود بھی ملک گیری کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے اور براعظم امریکہ کے باہر بھی نوآبادیاں رکھتی ہے!

(۱) جزیرۂ کیوبا کا شمار اگرچہ ماتحت ممالک میں نہیں ہے لیکن عملاً آمریکہ ہی کی اُسپر حکومت ہے۔ اس جزیرہ کی آبادی ۱۰،۰۰،۰۰۰ ہے

(۲) الائسکا ایک وسیع علاقہ ہے مگر آبادی ۵۵،۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ اسمیں شکار کے جانور اور قیمتی کانیں بہت ہیں۔

(۳) پورٹریکو۔ اس کی آبادی ۱۲،۳۰،۰۰۰ ہے، یہاں قہوہ، تمباکو اور شکر کی پیداوار بہت ہے۔

(۴) جزائر ہاوائی۔ آبادی ۲۵۵،۰۰۰۔ اکثر باشندے زرد رنگ کے ہیں، قہوہ، چاول، اور کیلا بہت پیدا ہوتا ہے۔

(۵) جزائر فلپائن وسیع علاقہ ہے۔ آبادی ایک کروڑ ہے۔

امریکہ اور باقی دنیا کا مقابلہ

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ کرۂ ارض میں مختلف حیثیتوں سے آمریکہ کا درجہ کیا ہے:

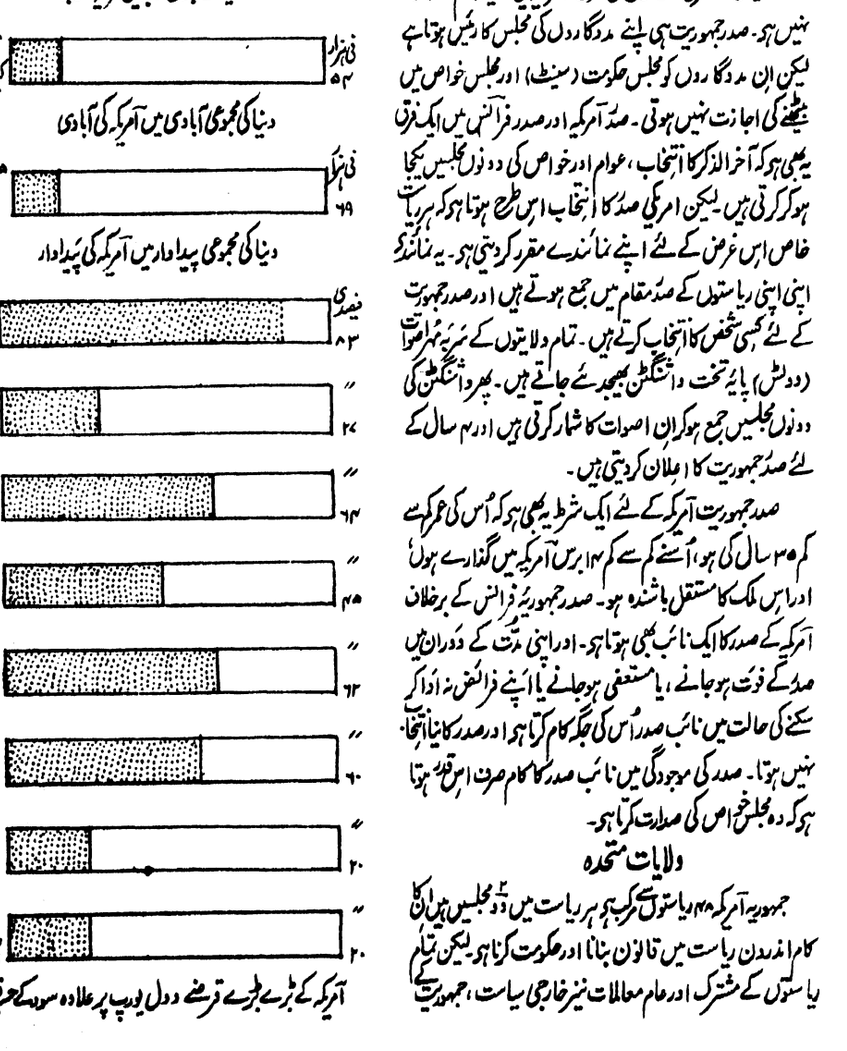

آمریکہ کے بڑے بڑے قرضے دول یورپ پر علاوہ سود کے جنکی ادائی

انگلستان پر	۴۴۶	ملین (ایک ملین ۱۰ لاکھ)	تقریباً ۲ روپیہ
فرانس	۳۸۴۴		
اٹلی	۱۹۳۲		
بلجیم	۴۴۷		
روس	۲۳۲		
پولینڈ	۱۵۳		
جوگوسلاویا	۱۰۶		

امریکہ میں الحاد کی مقبولیت

الحادی انجمنوں کی دعوت و تبلیغ

اس وقت امریکہ میں سب سے زیادہ طاقتور اور مقبول دعوت، الحاد اور ترک ادیان کی دعوت ہے۔ ملحدانہ خیالات دنیا میں قدیم زمانوں سے موجود ہیں اور دنیا کے نئے علمی دور نے مذہبی عقائد کا قدیم رسوخ متزلزل کر دیا ہے تاہم اس وقت تک کسی ملک میں بھی الحاد عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکا، اور عامۃ الناس کا میلان مذہب ہی کی طرف رہا مگر اب امریکہ میں الحاد ایک عام پسند دعوت کی حیثیت اختیار کر رہا ہے اور روز بروز اس کی جماعتیں زیادہ قوت و رواج حاصل کر رہی ہیں۔

امریکہ کے کالج اور یونیورسٹیاں اس دعوت کی اشاعت و تبلیغ کا سب سے بڑا میدان ہیں۔ انہی میدانوں میں قوم کے دل و دماغ طیار ہوتے ہیں، اور اگر یہ الحاد کی اشاعت و تبلیغ کا مرکز بن گئے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آمریکی دل و دماغ کا سانچا اب مذہب کا نہیں بلکہ الحاد کا سانچا ہے!

مشہور امریکی اخبار "ورلڈ" نے اس ملحدانہ تحریک کی تحقیقات کے لئے اپنا ایک خاص نمائندہ مقرر کیا تھا۔ اسنے ۸ مہینے دورہ کر کے اپنا مفصل بیان شائع کر دیا ہے۔ ہم اس بیان کے بعض اہم نقاط پر نظر ڈالیں گے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہریت عام کرنے کے لئے ایک نہایت طاقتور انجمن موجود ہے۔ یہ انجمن اس وقت تک ۲۰ کالجوں اور تین یونیورسٹیوں میں اپنی باقاعدہ شاخیں قائم کر چکی ہے۔ نیز آمریکی خبگی بیڑہ کے افسروں اور سپاہیوں میں بھی اس نے بہت اثر پیدا کر لیا ہے۔ آمریکہ کے بیشمار اساتذہ انجمن کے ممبر ہیں اور اس کے مقاصد پھیلا رہے ہیں۔

سب سے پہلے جس یونیورسٹی نے علانیہ الحاد کو اپنا مذہب قرار دیا، وہ صوبہ نیویارک کی روچسٹر یونیورسٹی ہے۔ اسنے باضابطہ طور پر انجمن الحاد کی رکنیت قبول کر لی ہے اور اپنے دائرے میں اس کی شاخ قائم کر دی ہے۔ اس شاخ کا نام عجیب ہے "ملعون ارواح والوں کی انجمن" اس نام نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ اب تمام الحادی مدارس کے طالب علموں نے یہی نام اختیار کر لیا ہے۔ اسی قسم کے کئی اور نام بھی مختلف شاخوں نے تجویز کئے ہیں۔ مثلاً نیویارک کی ایک الحادی کمیٹی کا نام ہے "ان لوگوں کی انجمن جن کا کوئی خدا نہیں ہے" فیلاڈلفیا کی ایک انجمن کا نام "سیاہ بھیڑوں کی انجمن" ہے۔ ایک اور شاخ "شیطان کے فرشتوں" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک انجمن "دائرۂ کفار" کہلاتی ہے۔ ایک دوسری جماعت اپنے آپ کو "ملعون روحوں کی جماعت" کہتی ہے، اور اس کے صدر کا لقب "اعلیٰ حضرت شیطنت پناہ" ہے!

انجمن الحاد حسب ذیل اصول کی تبلیغ کرتی ہے:

۱۔ عقل کے سوا کوئی خدا نہیں۔

۲۔ آسمانی کتابوں میں جتنے قصے مذکور ہیں، محض بے بنیاد افسانے ہیں۔

۳۔ جنت، دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔

۴۔ دین، طبیعت سے ماوراء امور کی پرستش کا نام ہے، اور ایسے امور کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے اسے مٹا دینا چاہئے۔

۵۔ کلیسا کا نظام، دنیا کے لئے خطرہ ہے۔

حکومت سے اس کے مطالبے حسب ذیل ہیں:

۱۔ تمام گرجوں پر بلا کسی امتیاز کے محصول مقرر کرنا چاہئے۔

۲۔ سرکاری عہدوں پر اور مجلس خواص اور مجلس عوام میں جتنے بھی پادری ہیں، سب نکال دئے جائیں۔

۳۔ مذہبی انجمنوں کو کوئی مالی مدد نہ دی جائے۔

۴۔ تمام مدارس میں دینی تعلیم ممنوع قرار دی جائے۔

۵۔ ہر قسم کے دینی رسوم اور تہوار موقوف کر دئے جائیں۔

۶۔ تورات و انجیل کی قسم ناجائز قرار دی جائے۔

۷۔ اتوار کو مذہبی دن تسلیم نہ کیا جائے۔

۸۔ وہ تمام دینی فرائض و شعائر منسوخ کر دئے جائیں جنھیں دینی فضائل و حسنات خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی جگہ صحیح آداب اور آزادی و مساوات کے اصول عام کئے جائیں۔

۹۔ امریکی سکے پر سے یہ عبارت محو کر دی جائے "خدا پر ہمارا توکل ہے"

اخبار ورلڈ کے خاص نمائندے نے اپنی تحقیقات کے دوران میں ان لوگوں سے ملاقاتیں کیں جو اس دعوت کے رہنما ہیں۔ انجمن الحاد کے ناظم مسٹر ہوبوڈے نے اپنی گفتگو میں کہا:

"ہم جانتے ہیں کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں میں ایک بہت بڑی جماعت ہے جو الحاد قبول کر چکی ہے مگر خوف سے اعلان نہیں کرتی۔ خاموشی اور سکون سے اپنے دائرے میں اس کی تبلیغ و اشاعت کر رہی ہے"

ایک اور بڑے ملحد نے کہا

"خدا پر ایمان، اب ایک فرسودہ عقیدہ ہے اور موجودہ متمدن روح کا ساتھ نہیں دے سکتا جن کتابوں کو آسمانی کتابیں خیال کیا جاتا ہے خرافات و قصص سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اگر ہم ان کتابوں پر عمل کرینگے تو اپنے ہاتھوں اپنی قدر کھو دیں گے اور اپنی خوشی سے پاگلوں کے زمرے میں داخل ہو جائینگے۔ مزید برآں، ان نام نہاد آسمانی کتابوں میں ایسے مخش قصے درج ہیں جنھیں کوئی با اخلاق آدمی پڑھنا گوارا نہیں کر سکتا (موجودہ تورات کے بعض مضامین کی طرف اشارہ ہے) موجودہ علم، دین کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ علماء وقت، جدید ترین علمی انکار کی اشاعت کر کے تحریک الحاد کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انجمن الحاد نے حال میں چند سوالات شائع کئے تھے۔ انکے جوابوں سے معلوم ہوا کہ ۵۰ فیصدی علماء عصر ملحد ہیں، یا کم از کم لاادری ہیں۔ ان کی تعلیم کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدا، روح، اور ابدیت کے اعتقاد سے انکار کیا جائے"

انڈیانا یونیورسٹی سے ایک رسالہ "واگا بونڈ" نام شائع ہوتا ہے یہ اس درسگاہ کے ملحد طالب علموں کا ترجمان افکار ہے۔ اسکے محرر نے پچھلی اشاعت میں اپنے دستخط سے ایک مضمون "میں ملحد کیوں ہوں؟" کی سرخی سے شائع کیا ہے۔ اسمیں وہ لکھتا ہے:

"خدا کا عقیدہ بھی فیشن کا حکم رکھتا ہے۔ آج ایک عقیدہ مقبول ہوتا ہے، کل دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایک زمانہ میں "زنس" کا نام یونان میں آدمیوں کے دل ہلا ڈالتا تھا۔ یہ یونان کا سب سے بڑا معبود تھا۔ اسی طرح "جوپیٹر" (مشتری) کے سامنے رومانیوں کے سر ہیبت و اجلال سے خم ہو جاتے تھے۔ لیکن آج دنیا ان ناموں پر ہنستی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ تاریخ اپنا اعادہ کرتی رہتی ہے تو ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ وہ زمانہ دور نہیں جب "یہواہ" (عبرانی میں خدا کا نام) بھی اپنی تمام عظمت کھو کر مضحکہ بن جائے گا!"

یہ تحریک صرف مردوں ہی میں نہیں بلکہ عورتوں میں بھی عام ہو رہی ہے۔ متعدد الحادی انجمنوں کی صدر، عورتیں ہیں چنانچہ سیٹونیا کی انجمن کی صدر مس کرسٹین واکر ہے۔ اس کی عمر ۱۸ برس کی ہے۔ تین سال پہلے بہت سخت مذہبی تھی، لیکن اب سرگرم ملحد ہے۔ اسی طرح مغربی صوبوں میں ایک سترہ برس کی دوشیزہ اس تحریک کی قائد ہے۔ اس کا نام کوئن رسلور ہے۔ اسی نام سے وہ ایک رسالہ بھی نکالتی ہے۔ یہ رسالہ الحاد کی تبلیغ میں بہت پیش پیش ہے۔ اس کا قول ہے "جو شخص بھی خدا پر یقین رکھتا ہے، مریض ہے کہ اس کے عقلی قویٰ میں خلل ہے!"

آمریکہ کے سیاسی مدبر اس الحادی طوفان سے سخت خائف ہیں اور اس کی مقاومت کی تدبیروں پر غور کر رہے ہیں۔

ترکی قالین

ترکی کے قالین دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ پچھلے چند سال سے یونانی تاجروں نے یہ پروپیگنڈا جاری کر رکھا ہے کہ قالین بافی کی صنعت ترکی کے یونانیوں کے ہاتھ میں تھی وہ جب سے جلا وطن کر دئے گئے ہیں یہ صنعت بھی ترکی سے یونان میں چلی گئی ہے۔ اس پروپیگنڈا نے بالآخر ترکی حکومت کی توجہ اپنی طرف منعطف کی۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں ایک بیان شایع کیا ہے۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علاقۂ سمرنا میں (جو اس صنعت کا مرکز ہے) جنگ سے پہلے ۲۹۰، ۸ کارخانے قالین سازی کے تھے۔ ان میں ۵۲۰، ۲۰ ترک، اور ۵۰، ۳۷ یونانی اور ارمنی کاریگر کام کرتے تھے۔ یعنی اس وقت بھی ترک کاریگروں کی تعداد یونانیوں اور ارمنوں کی تعداد سے تقریباً چگنی تھی۔

ان دونوں قوموں کے اخراج کے بعد اس صنعت کا کیا حال ہوا؟ کیا وہ باقی نہیں ہی جیسا کہ یونانی کہتے ہیں؟

نہیں۔ کیونکہ اس سرکاری بیان میں مذکور ہے کہ باوجود جنگ کی بربادیوں کے یہ صنعت برابر ترقی کرتی رہی یہاں تک ۱۹۲۶ء میں ۳۰۵، ۱۱ کارخانے تھے جن میں اس وقت ۳۰، ۹۴۰ ترک کاریگر کام کر رہے ہیں جنگ سے پہلے ۶۸۰، ۹، ۹ ہاتھ مربع قالین ہر سال بنتے تھے لیکن ۱۹۲۶ء میں ان کی مقدار ۹۲۴، ۸۴، ۱۱ ہاتھ مربع تک پہنچ گئی۔ اس سے ترکی کی صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

خدیو عباس کے مقدمہ کا فیصلہ

قسطنطنیہ میں کسی شخص کو بھی شبہ نہ تھا کہ خدیو عباس اپنے مقدمہ میں کامیاب ہونگے۔ لیکن افسوس ہے کہ عدالت کا فیصلہ انکے خلاف صادر ہوا: "موجودہ عدالت کو اس دعوے پر غور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"، ججوں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے۔ یعنی عدالت نے انگریزی وکیل کی منطق تسلیم کر لی، اور اپنے آپ کو ایسے مقدمات کے فیصلہ کا مختار نہیں سمجھا۔ عدالت نے مدعی سے مدعا علیہ کو ۵۰۰ ترکی پونڈ مصارف مقدمہ بھی دلائے ہیں!

اس فیصلہ پر ٹرکی کے اخبارات سخت برہم ہیں اور اسے صریح ناانصافی پر محمول کر رہے ہیں۔ اس فیصلہ نے ایک نئی تحریک پیدا کر دی ہے، اخبارات زور دے رہے ہیں کہ اس قسم کی مخلوط عدالتیں آئندہ قطعی

مرتبہ کتاب ہذا کو اختیار ہے کہ جس مضمون کو چاہے قبول کرے اور جس کو چاہے رد کر دے۔ ادارہ الاسلام

بصائر و حکم

انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

امیر معاویہ بن ابی سفیان

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی شخصیت تعارف سے بے نیاز ہے عرب کا عزم، حزم، عقل، تدبر، پورے تناسب سے اس دماغ میں جمع ہوگیا تھا۔ عربی کتب ادب و تاریخ اُن کی تدبر و سیاست کے واقعات سے لبریز ہیں۔ تقریباً پوری زندگی امارت و حکومت میں بسر ہوئی۔ اور ہمیشہ اُن کی سیاست کامیاب رہی وہ اُس عہد کے ایک پورے سیاسی آدمی تھے۔

ایک عجیب عزم

جب مرض نے خطرناک صورت اختیار کرلی اور لوگوں میں اُنکی موت کے چرچے ہونے لگے، تو امیر معاویہؓ کو فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہوا۔ ولی عہد، یزید، (جسے جبراً بزور شمشیر ولی عہد منوایا گیا تھا) دار الخلافہ سے دور تھا اور ابتری پیدا ہوجانے کا قوی احتمال تھا۔ اُنھوں نے فوراً اپنے تیمارداروں سے کہا:

"میری آنکھوں میں خوب سرمہ لگاؤ۔ سر میں تیل ڈالو"

حکم کی تعمیل کی گئی، سرمہ اور روغن نے بیمار چہرے میں تازگی پیدا کردی۔

پھر اُنھوں نے حکم دیا:

"میرا بچھونا اونچا کرو۔ مجھے بٹھادو۔ میرے پیچھے تکیے لگادو"

اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

پھر کہا:

"لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب آئیں اور کھڑے کھڑے سلام کرکے رخصت ہوجائیں۔ کوئی بیٹھنے نہ پائے"

لوگ اندر آنا شروع ہوئے۔ جب وہ سلام کرکے باہر جاتے تو آپس میں کہتے "کون کہتا ہے خلیفہ مر رہے ہیں؟ وہ تو نہایت تر و تازہ اور تندرست ہیں!"

جب سب لوگ چلے گئے تو امیر معاویہ نے یہ شعر پڑھا:

وتجلدی للشامتین اریہم انی لریب الدہر لا اتضعضع

شماتت کرنے والوں کے سامنے اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتا میں اُنھیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں کہ زمانہ کی مصائب مجھے مغلوب نہیں کرسکتیں۔ (طبری ج ۶)

دنیا کی بے ثباتی

دوران علالت میں قریش کی ایک جماعت، عیادت کو آئی۔ امیر معاویہ نے اس کے سامنے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا: "دنیا آہ دنیا، اس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم اچھی طرح دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کرچکے ہیں۔ خدا کی قسم، ہم اپنی جوانی کے عالم میں دنیا کی بہار کی طرف دوڑے، اور اُس کے سب مزے لوٹے مگر ہمنے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ کردی۔ ایک ایک کرکے تمام گرہیں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا؟ دنیا نے ہم سے بیوفائی کی۔ ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنادیا۔ آہ، یہ دنیا کتنی خراب جگہ ہے؟ یہ دنیا کیسا برا مقام ہے؟"

(احیاء علوم الدین جلد ۴)

آخری خطبہ

امیر معاویہ نے اپنی بیماری میں آخری خطبہ یہ دیا:

"اے لوگو! میں اُس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی۔ میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے، مجھ سے برے ہونگے۔ ٹھیک اُسی طرح، جیسے اگلے حکام مجھ سے اچھے تھے۔

(احیاء ج ۴)

حسرت

جب وقت آخر ہوا تو کہا، مجھے بٹھادو۔ چنانچہ بٹھادیئے گئے۔ دیر تک ذکر الٰہی میں مصروف رہے۔ پھر رونے لگے اور کہا:

"معاویہ! اپنے رب کو اب یاد کرتا ہے جبکہ بڑھاپے نے کسی کام کا نہیں رکھا اور جسم کی چولیں ڈھیلی ہوگئیں۔ اُسوقت کیوں نہ یہ خیال آیا جب شباب کی ڈالی تر و تازہ اور ہری بھری تھی؟

پھر چلا کر روئے اور دعا کی:

"اے رب! سخت دل، گنہگار، بوڑھے پر رحم کر! الٰہی! اُس کی ٹھوکریں معاف کردے! اُس کے گناہ بخش دے! اپنے وسیع حلم کو اُس شخص کے شامل حال کر جسنے تیرے سوا کسی سے اُمید نہیں کی، تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا!"

(احیاء ج ۴)

بیٹیوں سے خطاب

تیمارداری اُن کی دونوں لڑکیاں کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ اُنہیں کروٹ بدلانے لگیں تو اُنھیں بغور دیکھ کر کہا: تم ایک ڈانواں ڈول وجود کو کروٹیں بدلوا رہی ہو۔ اُسنے دنیا بھر کے خزانے جمع کرلئے لیکن کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ پھر یہ شعر پڑھا:

لقد سعیت لکم من سعی ذی نصب وقد کفیتکم التطواف والرحلا

میں نے تمھارے لئے بہت سخت محنت سے کوشش کی اور تمھیں دربدر ٹھوکریں کھانے سے پرواہ کردیا۔ (طبری)

اپنی فیاضی کی یاد

وفات سے کچھ پہلے اشہب بن رمیلہ کے یہ شعر پڑھے جو اُسنے قباع کی مدح میں کہے تھے:

اذا مت، مات الجود وانقطع الندی من الناس الا من قلیل مصرد

تیری موت کے ساتھ سخاوت اور فیاضی بھی مرجائیگی۔

وردت اکف السائلین وامسکوا من الدین والدنیا بخلف مجدد

سائلوں کے ہاتھ لوٹا دیئے جائینگے اور دین اور دنیا کی محرومیاں اُن کے انتظار میں ہوں گی۔

یہ سن کر اُن کی لڑکیاں چلا اُٹھیں "ہرگز نہیں، امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے!"

اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف یہ شعر پڑھ دیا:

واذا المنیۃ انشبت اظفارہا ألفیت کل تمیمۃ لا تنفع

جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ بھی نفع نہیں پہنچاتا

نصیحت

پھر بیہوش ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد آنکھ کھولی اور اپنے عزیزوں کو پاس دیکھ کر کہا:

"اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ جو ڈرتا ہے، خدا اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اُس شخص کے لئے کوئی پناہ نہیں جو خدا سے بے خوف ہے"

(طبری)

یزید کی آمد

امیر معاویہؓ کی نازک حالت سے، قاصد کے ذریعہ، ولی عہد (یزید) کو مطلع کیا گیا۔ وہ فوراً روانہ ہوا۔ پہنچتے پہنچتے حالت اور بھی ابتر ہوچکی تھی۔ یزید جب پہونچا تو سکرات موت کی حالت شروع ہوچکی تھی اسنے باپ کو پکارا مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا اور یہ شعر پڑھے:

لو عاش حی علی الدنیا لعاش اما م الناس لا عاجز ولا وکل

اگر کوئی آدمی بھی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہتا تو بلاشک آدمیوں کا امام زندہ رہتا، وہ نہ عاجز ہے، نہ کمزور ہے۔

الحول القلب والاریب ولن یدفع وقت المنیۃ الحیل

وہ بڑا ہی عاقل و مدبر و فہیم ہے۔ لیکن موت کے وقت کوئی تدبیر بھی کام نہیں آتی۔

یزید سے خطاب

معاویہ نے یہ سنکر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"اے فرزند! مجھے جس بات پر خدا سے سب سے زیادہ خوف ہے، وہ تجھ سے میرا برتاؤ ہے۔ جان پدر! ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب آپ ضروریات سے فارغ ہوتے یا وضو کرتے تو میں دست مبارک پر پانی ڈالتا۔ آپنے میرا کرتا دیکھا، وہ مونڈھے پر سے پھٹ گیا تھا۔ فرمایا "معاویہ! تجھے کرتا پہنا دوں؟" میں نے عرض کیا "میں آپ پر قربان! ضرور" چنانچہ آپنے کرتا عنایت کردیا مگر میں نے ایک مرتبہ سے زیادہ نہیں پہنا۔ وہ اب تک میرے پاس موجود ہے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال ترشوائے۔ میں نے تھوڑے سے بال اور کترے ہوئے ناخن اُٹھالئے تھے۔ وہ بھی آجتک میرے پاس شیشی میں رکھے ہیں۔ دیکھ، جب مرجاؤں تو غسل کے بعد یہ بال اور ناخن میری آنکھوں کے حلقوں اور نتھنوں میں رکھ دینا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا بچھا کر مجھے اُس پر لٹانا اور کفن پہنانا۔ اگر مجھے کسی چیز سے نفع پہنچ سکتا ہے تو وہ یہی ہے"

(استیعاب۔ عقد الفرید)

سکرات موت

سکرات کے عالم میں یہ شعر زبان پر جاری تھا:

فہل من خالد اما ہلکنا وہل بالموت یا للناس عار

اگر ہم مرجائینگے تو کیا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہیگا۔ کیا موت کسی کے لئے کوئی عیب ہے؟

(استیعاب)

وفات

عین وفات کے وقت یہ شعر پڑھے:

الا لیتنی لم أعن فی الملک ساعۃ ولم أک فی اللذات أعشی النواظر

کاش میں نے کبھی سلطنت نہ کی ہوتی! کاش لذتیں حاصل کرنے میں میں اندھا نہ ہوتا!

وکنت کذی طمرین عاش ببلغۃ لیالی حتی زار ضنک المقابر

کاش میں اُس فقیر کی طرح ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہے!

(عقد الفرید)

یزید کا مرثیہ

یزید نے مرثیہ کے یہ شعر کہے تھے:

جاء البرید بقرطاس یخب بہ فاوجس القلب من قرطاسہ فزعا

قاصد خط لئے دوڑا ہوا آیا، تو قلب خوف زدہ ہوگیا۔

قلنا لک الویل ما ذا فی کتابکم قالوا الخلیفۃ امسی مثبتا وجعا

ہم نے کہا تیری ہلاکت! خط میں کیا ہے؟ کہنے لگا خلیفہ سخت بیماری اور تکلیف میں ہے۔

فمادت الارض او کادت تمید بنا کأن أغبر من ارکانہا انقلعا

قریب تھا زمین ہمیں لیکر جھک جائے۔ گویا اُس کا کوئی ستون اکھڑ گیا ہے

اودی ابن ہند واودی المجد یتبعہ کانا جمیعا فظلا یسران معا

ہند کا لڑکا (معاویہ) مرگیا اور عزت بھی مرگئی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اب بھی دونوں ساتھ چلے جارہے ہیں۔

لا یرفع الناس ما اوہی وان جہدوا ان یرفعوہ ولا یوہون ما رفعا

جو گر رہا ہے اُسے آدمی لاکھ کوشش کریں اُٹھا نہیں سکتے اور جو اُٹھ رہا ہے اُسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے۔

اغر الحج یستسقی الغمام بہ لو قارع الناس عن احلامہم قرعا

مبارک و خوبصورت جس کے واسطے سے باران رحمت طلب کیا جاتا ہے۔ اگر لوگوں کی عقلوں کا امتحان ہو تو وہ سب پر بازی لے جائیگا۔

(استیعاب - طبری)

یزید کا خطبہ

تین دن یزید گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حسب ذیل خطبہ دیا:

"تمام ستائش اُس خدا کے لئے ہے جو اپنی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے، دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے محروم کردیتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے، کسی کو ذلت دیتا ہے۔ لوگو! معاویہ، خدا کی رسیوں میں سے ایک رسی تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اُسے دراز کیا پھر اُسے اپنی مشیت سے کاٹ ڈالا۔ معاویہ اپنے پیش روں سے کم تر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اُسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہے اگر اُس سے درگزر کرے تو یہ اُس کی رحمت ہے اگر اُسے عذاب دے تو یہ اُس کے گناہ کا عذاب ہوگا۔ میں اُس کے بعد برسر حکومت آیا ہوں۔ نہ سرکش ہوں نہ کمزور ہوں۔ جلد بازی نہ کرو۔ اگر خدا کوئی بات ناپسند کرتا ہے، بدل ڈالتا ہے۔ اگر پسند کرتا ہے تو آسان کردیتا ہے"



برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

ایشیائے کوچک اور یورپ کا اتصال۔ ٹرکی میں اشاعت اسلام۔ ۲۳ جولائی کی عید۔ ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟۔ غازی مصطفےٰ کمال کا سفر آدرنہ۔ درہ دانیال کی قلعہ بندی

ایشیا اور یورپ کا اتصال

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا سفر آستانہ، محض تفریح کے لئے نہ تھا بلکہ وہ برابر اہم مسائل کے حل میں مصروف رہے۔ ایک ضروری مسئلہ یہ بھی تھا کہ یورپین ٹرکی کو ایشیائے کوچک سے متصل کردیا جائے۔ چنانچہ اس بارے میں دو تجویزیں زیر غور ہیں۔ ایک یہ کہ باسفورس پر ایک عظیم معلق پل تعمیر کیا جائے۔ یہ پل اُسی طرح کا ہوگا جیسا پروکلین کا پل ہے، جو اس جزیرے کو نیویارک سے متصل کرتا ہے۔ دوسری تجویز یہ ہے کہ باسفورس کے نیچے سرنگ کھودی جائے اور اُس میں برقی ریلوے جاری ہو۔ مبصرین کا رجحان اسی آخری تجویز کی طرف ہے۔ ترکی میزانیہ میں اس غرض کے لئے ایک رقم موجود ہے۔ مگر وہ ناکافی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کسی جرمن کمپنی کو اس کا ٹھیکہ دیا جائے گا۔ جب یہ پل یا زمین دوز ریل جاری ہوجائے گی تو ایشیائے کوچک سے یورپین ٹرکی بالکل متصل ہوجائے گا اور نقل و حرکت میں بڑی سہولت ہوجائے گی۔

ٹرکی میں اشاعت اسلام

ادہر کچھ مدت سے اُن لوگوں کے لئے دقتیں پیش آرہی تھیں، جو دین اسلام قبول کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جدید قانون مدنی کے اعلان کے بعد وہ قواعد منسوخ ہوگئے ہیں جو اس بارے میں پہلے جاری تھے۔ پہلے دستور یہ تھا کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرنا چاہتا تھا تو حاکم کے سامنے درخواست پیش کرتا تھا۔ حاکم اُس کے اصلی دین کے پیشوا کو طلب کرتا، اور پیشوائے دین اپنے اس ہم مذہب کو جس قدر سمجھا بجھا سکتا تھا، سمجھاتا بجھاتا۔ اگر وہ اُس کی نصیحت قبول کرلیتا، تو اپنے سابق دین پر برقرار رہتا۔ ورنہ مسلمان قاضی کو بلایا جاتا اور وہ اُسے کلمۂ اسلام کی تلقین کرکے مسلمان بنالیتا۔

لیکن اب جدید قانون نے یہ سب رسمیں موقوف کردی ہیں۔ اب اسلام لانے کے لئے صرف اس قدر کرنا پڑتا ہے کہ مفتی کے سامنے اپنی درخواست پیش کردیتا ہے اور وہ اسلام کے اصول و تعلیمات واضح کرکے اُسے مسلمان بنالیتا ہے۔

یہاں کے اخبارات کا بیان ہے کہ نومسلموں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔

۲۳ جولائی کی عید

تمام ترکی قوم نے ۲۳ جولائی کو بڑے جوش و خروش سے عید منائی۔ یہ عید دراصل اُس تاریخی دن کی یادگار ہے جس میں قوم نے صدیوں کی مطلق العنان حکومت کو "دستور" یا "مشروطیت" (کانسٹیٹیوشن) پر مجبور کیا تھا۔ یہ واقعہ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء میں پیش آیا تھا۔ اگرچہ اب اعلان جمہوریت کے بعد یہ دستور بھی منسوخ ہوگیا ہے، لیکن چونکہ یہ دن، دور جدید کا سنگ بنیاد ہے، اس لئے ترکی قوم اب تک اُسے ایک قومی و وطنی عید کی طرح مناتی ہے۔

ترکی موسیقی یا مغربی موسیقی؟

یہاں ایک مدت سے یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ترکی موسیقی باقی رہے یا اُس کی جگہ مغربی موسیقی قبول کرلی جائے؟ یورپین موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ ترکی موسیقی، ناقص ہے۔ اتنی ناقص کہ ۵ آدمی بھی ایک ساتھ ہوکر کوئی راگ پوری طرح ادا نہیں کرسکتے۔ ترکی موسیقی کے حامی کہتے تھے کہ بلاشبہ ترکی موسیقی میں ترقی کی بہت گنجائش ہے مگر وہ ناقص نہیں ہے۔ اس بحث نے بالآخر مقابلہ کی صورت اختیار کرلی اور کل ترکی موسیقی کے ۱۲۰ ماہر اپنا فن دکھانے کے لئے جمع ہوئے۔

آپکے قارئین غالباً اس واقعہ سے واقف ہونگے کہ ایک زمانہ میں ترکی موسیقی ترقی یافتہ موسیقی تھی۔ ترک اس فن کے اُستاد تسلیم کئے جاتے تھے۔ اُنھوں نے اس میں بہت سی ایجادیں کی تھیں اب تک اُن کی بعض ایجادیں مغربی موسیقی میں موجود ہیں۔ یہی باعث ہے کہ وہ اب تک اپنی موسیقی پر ناز کرتے اور اس سے دست بردار ہونے پر طیار نہیں ہیں (یورپ کے مورخین نے اعتراف کیا ہے کہ موجودہ قسم کا فوجی باجہ اور فوجی راگ سب سے پہلے ترکوں ہی نے ایجاد کیا۔ الہلال)

چنانچہ کل کے یادگار جلسے میں بے شمار مخلوق جمع تھی۔ جلسہ کا افتتاح، موسیقی کے مشہور پروفیسر رؤوف بکتابک نے اپنی تقریر سے کیا۔ اُنھوں نے کہا:

"ترکی موسیقی کو یورپین موسیقی پر نمایاں امتیاز حاصل ہے لیکن چونکہ ہمارے مخالف اس فن شریف سے بے بہرہ ہیں اس لئے میں فنی دلائل کی جگہ شہرۂ آفاق فرانسیسی ماہر فن، سن سانس کا قول پیش کرتا ہوں۔ اس اُستاد نے لکھا ہے "جس موسیقی کو ہم حقارت کے ساتھ مشرقی موسیقی کہتے ہیں، وہ مغربی موسیقی سے بہت بلند اور ممتاز ہے!"

اس کے بعد ۱۲۰ ترکی اُستادوں نے اپنے اسلاف مثلاً بکر ایوبی سید نوح، شیخ ذکائی وغیرہ کے راگ ایک ساتھ گائے، اور اس

خوبی سے ادا کئے کہ سب کو تسلیم کرلینا پڑا کہ ترکی موسیقی، عظیم صلاحیت رکھتی ہے۔

غازی مصطفےٰ کمال کا سفر ادرنہ

مشہور ترکی تاریخی شہر ادرنہ کے ایک وفد نے آکر غازی مصطفےٰ کمال پاشا کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نے دعوت منظور کرلی۔ خیال کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں وہ تھریس کے اہم شہروں کا بھی معائنہ کریں گے۔

درۂ دانیال کی قلعہ بندی

اخبارات کا بیان ہے کہ مصطفےٰ کمال پاشا نے آستانہ میں پہنچ کر جنگی اور ملکی افسروں اور ماہروں کے ساتھ اُن تدابیر پر بھی غور کیا ہے جن سے مستقبل میں قسطنطنیہ کی حفاظت بھی ہوجائے اور وہ آزاد تجارتی بندرگاہ بھی باقی رہے۔ چنانچہ طے پایا ہے کہ آمریکہ سے ایک قرض حاصل کیا جائے اور اس روپیہ سے درۂ دانیال، اور باسفورس کی پورے طور پر قلعہ بندی کردی جائے۔ ناظرین کو معلوم ہے کہ معاہدۂ لوزان میں اس بارے میں بعض پابندیاں موجود ہیں۔ مگر اب بظاہر ترک اُن پابندیوں کی پرواہ کرنا نہیں چاہتے۔

اطلاع ضروری

الہلال میں لاہور کی "الہلال بک ایجنسی" کا اشتہار شائع ہو رہا ہے۔ اور اُس کا پتہ صاف درج ہے لیکن بعض حضرات صرف الہلال کا نام دیکھ کر درخواست الہلال کے دفتر میں بھیج دیتے ہیں اور بلا ضرورت خط و کتابت کرنی پڑتی ہے۔

اس "الہلال بک ایجنسی" سے رسالہ الہلال کلکتہ کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ لاہور کی ایک بک ایجنسی ہے۔ اور اسی کا پورا پتہ اُس کے اشتہار کے نیچے درج ہے۔



مکتوب حجاز

اصلاح و ترقی کا اعلان اور عالم امید و بیم!

ذیل میں ہم اپنے مقالہ نگار مقیم جدہ کا مکتوب ترجمہ و اختصار کے بعد درج کرتے ہیں۔ انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ مسلسل مقالات بھیجتے رہیں گے۔ مقالہ نگار نے جس احتیاط اور اعتدال نظر کے ساتھ حالات حجاز پر نظر ڈالی ہے، ہم اُس کا اعتراف کرتے ہیں، اگر ہمیں خوف ہے کہ بحالت موجودہ اُنھوں نے حکومت کی بیان کردہ "اصلاحات" سے جو امیدیں قائم کی ہیں وہ قبل از وقت ثابت ہوں گی اس راہ میں سب سے پہلی چیز اہل، کارداں، اور مخلص کارکنوں کا وجود ہے، اور جہاں تک ہماری معلومات ہے، ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت حجاز اُن سے یکقلم تہی دست ہے۔ خود مقالہ نگار بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

امید و بیم

حجاز کی موجودہ حالت، ہر اعتبار سے، امید و بیم کے متضاد اثرات کی ایک مرکب تصویر ہے!

ایک طرف امید کی شعاعیں چمکنا شروع ہوگئی ہیں تاکہ صدیوں کی تاریکی کا مقابلہ کریں۔ دوسری طرف مایوسی کی ظلمت اتنی شدید و وسیع ہے کہ نہیں کہا جاسکتا مستقبل قریب میں ہمیں روشنی کی تابناکی کا انتظار کرنا چاہئے، یا ظلمت کے احاطۂ رفع مندی کا؟

ایک طرف سلطان ابن سعود کی شخصیت اور اُس کی سطوت و طاقت کا ظہور ہے جسنے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر ملک میں امن قائم کردیا، تمام سرکش جماعتیں قابو میں آگئیں، نظم و اصلاح کے لئے زمین طیار ہوگئی، اور اگر حکومت کے مزاج میں صلاحیت اور اعضاء حکومت میں کاردانی ہو، تو بہت جلد سرزمین حجاز کا ایک نیا دور شروع ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف نظر اُٹھائے تو حکومت کا مزاج غیر صالح، کاردان اشخاص تقریباً ناپید، اصحاب اغراض کا ہر طرف سے ہجوم، مخلص و مفرض میں امتیاز مسدود، اور اہل و غیر اہل کے لئے کوئی معیار نہیں ہے۔ سلطان صحرا سے نکلکر حجاز آگئے ہیں اور آتے ہی ایک منظم و متمدن حکومت کی از سر نو تخلیق کی مہم پیش آگئی ہے۔ ارادے پیدا ہوتے ہیں، مگر وجود میں نہیں آسکتے۔ ہمت اُٹھتی ہے، مگر قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ کام اہم اور مشکلات سے لبریز ہے۔ ضرورت صلاحیت، صبر، استقامت، اور انتظار کی ہے، لیکن اوپر سے لے کر نیچے تک ہر وجود نفع عاجل کا شیفتہ ہے، اور اس لئے کوئی صحیح اور وسیع قدم اُٹھ نہیں سکتا۔

اصلاحات کا اعلان

لیکن حال میں مجلس شوریٰ کے قیام اور بعض ارکان حکومت کے تغیر و تبدل سے طلبگاران اصلاح کو جو نئی اُمیدیں دلائی گئی ہیں، وہ ضرور قابل توجہ ہیں، اور ضروری ہے کہ اُن کا اعتراف کیا جائے۔ ممکن ہے کہ اُن کی موجودہ صورت و حالت آپکی نظروں میں زیادہ وقعت حاصل نہ کرسکے، لیکن اہل حجاز کے لئے جو صدیوں سے "اصلاح" اور "قانون و اداره" کے معانی سے ناآشنا ہوچکے ہیں، یہ یقیناً ایک اُمید افزا اقدام ہے۔

سلطان کی تقریریں

مجلس شوریٰ کے افتتاح کے لئے "نجاد" میں ایک شاندار جلسہ ہوا تھا۔ سلطان نے اس موقع پر دو تقریریں کیں: ایک عام حاضرین کو مخاطب کرکے۔ دوسری مجلس شوریٰ کے ممبروں کے سامنے پہلی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"میں مکہ کے باشندوں کو اس اجتماع کا مقصد بتانا چاہتا ہوں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں کے باشندے ہم سے (یعنی اہل نجد سے) زیادہ سے زیادہ اختلاط رکھیں اور زیادہ سے زیادہ میل جول بڑھائیں اس اختلاط کے فوائد بے شمار ہیں۔ یہی فائدہ کیا کم ہے کہ ہم میں باہم محبت و اخوت مستحکم ہوگی اور اُن سازشوں کی تمام کوششیں ناکام جائیں گی جو ہمارے تعلقات خراب کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتی ہیں۔

"راعی اور رعیت کی دوری اور بے تعلقی، خود غرضوں کے لئے میدان کشادہ کردیتی ہے۔ وہ بڑی آسانی سے حق کو باطل اور باطل کو حق کی صورت میں پیش کرنے کا موقعہ پاجاتے ہیں۔ اگر راعی اور رعیت میں نزدیکی نہیں ہے تو ظاہر ہے، ہر خود غرض جب چاہے، حکام کو گمراہ کرسکتا ہے۔ حاکم ہرگز حقیقت حال سے واقف نہیں ہوسکتا اور بلا قصد رعایا کے لئے مصیبت پیدا کرسکتا ہے۔ لیکن اگر حاکم و محکوم میں تعارف و تقارب کے رشتے موجود ہوں، تو خود غرض لوگ حکام کو دھوکا دینے سے ڈرینگے۔ مبادا اُن کی بدنیتی اور دروغگوئی طشت از بام ہوجائے"

"آج کے اجتماع سے یہی غرض ہے کہ ہمارے اور باشندوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ قربت و اختلاط قائم ہوجائے۔ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے اور عام مخلوق کے درمیان ہرگز کوئی پردہ نہیں ہے۔ ہمارے محل کا دروازہ ہمیشہ ہر انسان کے لئے کھلا ہوا ہے۔ نیز ہم بحمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے تمام عہدہ داروں کو رعایا سے حسن سلوک کی وصیت کرتے رہتے ہیں"

"بلاشبہ، عام مخلوق سے دوری، نفس و جسم کے لئے آرام و راحت کا موجب ہے۔ لیکن دین اور شرافت کا تقاضہ اس سے منع کرتا ہے۔ دین، مخلوق سے دوری کی اجازت نہیں دیتا۔ شرافت، مخلوق سے بے پرواہی روا نہیں رکھتی۔ کیونکہ اختلاط اور تعارف میں ہزاروں مصلحتیں اور نیکیاں ہیں۔ یقین کرو ہم اپنی پوری قوت سے اصلاح حال کی کوشش کررہے ہیں۔ سال رواں میں انشاء اللہ ہم بہت سی نئی اصلاحات بھی جاری کرینگے۔ ہماری نظر کے سامنے ہر لمحہ یہ فرمان ربانی موجود ہے "قل اعملوا فسیری اللہ عملکم" (عمل کرو، خدا تمھارا عمل دیکھے گا) ابن آدم اگر نیکی کرتا ہے، تو اپنے فرض سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ نتائج و ثمرات کی بخشش صرف اللہ ہی کے ہاتھ ہے!"

"یہ بالکل یقینی ہے کہ حکام کی درستگی، رعایا کی درستگی ہے۔ بایں ہمہ ہمارا فرض ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہمیشہ اُس خیر و صلاح کی جستجو میں لگے رہیں جس سے ایک طرف مسلمانوں کی درستگی ہو، دوسری طرف ہمیں خدا کی رضامندی حاصل ہو"

"ہم نے بعض عہدے دار معزول کردئے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ اُنھوں نے کوئی خطا کی تھی، بلکہ اس لئے کہ اُن سے بہتر آدمی مل گئے تھے۔ میں معزول عہدے داروں کا شکر گزار ہوں کہ اُنھوں نے اپنے فرائض ایمانداری سے انجام دئے تھے"

"ہم نے آپ ہی کے آدمیوں کی ایک مجلس بنادی ہے کہ حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کی دیکھ بھال کریں، اُنکے نظام پر نظر ڈالیں ہم نے تمام تر ذمہ داری اس مجلس کے کاندھوں پر ڈال دی ہے کیونکہ اہل مکہ اپنے مصالح ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مجلس اپنے فرائض، بحسن خوبی انجام دے گی۔

"ہم نے مجلس شوریٰ کے معاملہ پر خوب غور کیا۔ چونکہ یہ مجلس از حد اہم اور باشندوں کے لئے غایت درجہ ضروری و مفید ہے اس لئے

ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اُس کے ارکان کا انتخاب، تمام باشندوں کی طرف سے ہو۔ لیکن وقت کی تنگی اور باشندوں کے اشغال کی کثرت مانع آئی۔ مجبوراً ہمنے یہ کیا کہ ہر ہر محلے سے مغز آدمیوں کی ایک ایک جماعت طلب کی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف یہی لوگ مغز اور نیک ہیں۔ کیونکہ تمام مسلمان جسم واحد کی مانند ہیں۔ ہمنے تمھیں اسی غرض سے طلب کیا ہے کہ جدید مجلس مشاورت کے لئے ارکان کا انتخاب کرو۔ انسان پر فرض ہے کہ ایسے معاملات میں اپنے قلب کا فرمانبردار نہ بنے، کیونکہ قلب ہمیشہ ہوائے ہوس کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔ تمھیں عقل و تدبر سے کام لینا چاہئے اور تجربہ کار اور قابل لوگوں کو منتخب کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر مجلس صحیح بنیادوں پر قائم ہوجائے گی تو ملک اُس سے بڑے بڑے فوائد حاصل کرسکے گا۔ تم وہی لوگ منتخب کرو جنھیں مخلص اور باشندوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا یقین کرتے ہو۔ یہ اس لئے کہ حکومت تو اپنے حقوق کسی نہ کسی طرح حاصل ہی کرلیتی ہے۔ لیکن باشندوں کے حقوق تلف ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا انتخاب ہونا چاہئے جو تمھارے حقوق کے تحفظ کی قابلیت و جرأت رکھتے ہوں۔ یہ لوگ تمھارے نمائندے اور وکیل ہونگے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

سُلطان کی دوسری تقریر

سُلطان نے دوسری تقریر مجلس شوریٰ کے ارکان کے سامنے کی۔ اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"حضرات ارکان مجلس! میں آپ کو سلام کرتا اور اُس اعتماد پر آپکو مبارکباد دیتا ہوں جس کا آپکے ہمنائے ملک نے آپ کو اہل سمجھا اور آپ کو اس مجلس کے لئے منتخب کیا۔ مجلس شوریٰ درحقیقت اُن بنیادوں میں سے ایک بُنیاد ہے جن پر قانونی حکومتیں قائم ہوا کرتی ہیں۔ یہی وہ شوریٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وارد ہے "وامرہم شوریٰ بینہم" میں یہ دیکھ کر نہایت مسرور ہوں کہ آپ اس مجلس میں شریک ہوکر ملک کی خدمت اور حدود شرعیہ کے قیام و حفاظت کی کوششوں میں حکومت کا ہاتھ بٹانے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری گردن پر ایک بڑی امانت رکھ دی ہے۔ ہم اس بوجھ کے اُٹھانے میں اپنے تئیں اہل فضل وحمیت کی امداد و اعانت کا محتاج پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے شہر کے روساء و اکابر کو اس مجلس کے لئے دعوت دی اور اُنھوں نے آپ کو اپنے اعتماد کا اہل سمجھکر منتخب کرلیا۔ اب ہم نے اپنی ذمہ داری اُٹھاکر آپکے کاندھوں پر رکھ دی ہے۔ میں بصد عجز و زاری اللہ رزق برتر سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ملک اور اہل ملک کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ اپنے فرائض کی انجام دہی کے اثنا میں دیکھ لیں گے کہ حکومت اصلاحات کے جاری کرنے میں پوری طرح سنجیدہ اور مستعد ہے۔ یقیناً آپنے اس کا آغاز اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہوگا۔ ہمنے تفتیش و اصلاح کی ایک علحدہ مجلس بنادی ہے جس کا کام یہ ہے کہ حکومت کے تمام محکموں کی جانچ کرے، اور اُن صورتوں پر غور کرے جن سے اُن کی اصلاح و درستگی ہوسکتی ہے۔ یہ کمیٹی اپنے عمل کا ایک مرحلہ طے کرچکی ہے، لیکن ابھی اُسے بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

عنقریب آپکی مجلس میں بڑی بڑی تجویزیں پیش ہوں گی۔ حکومت کے محکموں کے میزانیہ بھی پیش ہونگے۔ آپ اُن پر غور کرینگے اور اپنے فیصلے صادر کریں گے۔ ملک کو سب سے زیادہ ضرورت پانی کی ہے۔ آپکے سامنے جدید قسم کے کنوئیں کھودنے کی تجویز آئے گی۔ اسی طرح ادویہ سے مفید کام آپ کو کرنا ہونگے۔ مثلاً جدہ اور مکہ کے مابین عمدہ سڑکوں کا اجراء، مکہ کی بعض سڑکوں کی توسیع، ڈاک اور تار کے صیغہ کی اصلاح اس محکمہ نے وہ تمام طیاریاں مکمل کرلی ہیں جو بین الاقوامی ڈاکخانوں کے ضمن میں شامل ہونے کے بعد آپ اُسے عمل میں لائی ہیں۔

نیز تعلیم کی اشاعت کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ آپکو اس پر غور کرنا اور تمام ملک کے لئے ایک ہی تعلیمی لائحہ (پروگرام) بنانا ہے۔ حکومت چاہتی ہے تعلیم تمام ملک میں عام ہوجائے۔ کوئی قریہ بلکہ کوئی قبیلہ بھی اس سے محروم نہ رہنے پائے۔ نیز حفظان صحت، حجاج کے آرام و راحت مطوفوں کی تنظیم، اور اسی طرح کے تمام اہم کام آپکے سامنے ہیں اور آپکی توجہ کے منتظر ہیں۔ آخر میں میں اس مجلس کے انتستاح کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں کو کفایت کرے۔ والسلام علیکم"

مجلس شوریٰ کا نظام

مجلس شوریٰ کا نظام بالاختصار حسب ذیل ہے:

دفعہ (۱) یہ مجلس ۸ ارکان سے مرکب ہوگی۔

دفعہ (۲) مجلس شوریٰ کا صدر نائب السلطنت ہوگا۔

دفعہ (۳) ارکان مجلس کا انتخاب حسب ذیل اصول پر ہوگا:

(۱) ۴ رکن، اہل فضل و تجربہ کے مشورے سے منتخب ہونگے۔

(۲) باقی ۴ رکن حکومت اپنی رائے سے نامزد کرے گی۔ ان میں دو رکن نجدی ہونگے۔

دفعہ (۴) مجلس شوریٰ کی رکنیت کی مدت دو سال ہوگی۔ لیکن نصف ارکان ہر سال بدلجایا کرینگے (عام اس سے کہ منتخب ہوں یا نامزد کئے ہوئے) پرانے ارکان کا دوبارہ انتخاب بھی ہوسکتا ہے۔

دفعہ (۵) مجلس شوریٰ کے رکن بننے کے لئے حسب ذیل شرطیں ہیں:

(الف) اسکی عمر ۲۵ سال سے کم نہ ہو۔

(ب) تجربہ کار اور معاملات کا سمجھنے والا ہو۔

(ج) سزایافتہ اور دیوالیہ نہ ہو۔

(د) نیک چلن ہو۔

دفعہ (۶) حسب ذیل امور مجلس شوریٰ کے سامنے محاکمت کی جانب سے پیش ہونگے:

(۱) حکومت کے مختلف محکموں اور بلدیہ (میونسپلٹی) اور نذر مبیدہ کے میزانیہ (بجٹ)

(۲) اقتصادی و عمرانی لوائح پر عمل کرنے کی اجازت۔

(۳) تجارتی امتیازات اور اقتصادی والی تجاویز۔

(۴) نظارت نافعہ (پبلک ورکس) کے لئے کسی جائداد کی ضبطی۔

(۵) نئے قوانین اور انتظامات۔

(۶) میزانیہ میں اگر مال کے اندر فرد اضافہ کی ضرورت ہو۔

(۷) اگر کسی محکمہ کو ۱۰ پونڈ سے زیادہ کسی خرچ کی ضرورت پیش آجائے۔

(۸) اجنبی ملازموں کی تقرری۔

(۹) حکومت کے محکمے اگر کمپنیوں یا تاجروں سے دو سو پونڈ سے زیادہ کی خرید و فروخت کریں۔

دفعہ (۷) مجلس دو قسموں پر تقسیم ہوگی۔ ہر قسم اُن معاملات پر غور و بحث کرے گی جو اُس کا ناظم پیش کریگا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرینگی اور اپنے کاغذات کا مبادلہ کریں گی تاکہ دونوں کو غور و بحث کا موقعہ ملے۔ اس کے بعد مجلس کے کسی عام جلسے میں دونوں کا فیصلہ منظوری کے لئے پیش کیا جائے گا۔

دفعہ (۸) مجلس کا نصاب (کورم) چار ارکان اور صدر کی موجودگی سے پورا ہوجائے گا اور تجویزیں مجلس کی ۲ ثلث اصوات (ووٹس) سے پاس ہوں گی۔

دفعہ (۹) مجلس ہر ہفتہ دو مرتبہ منعقد ہوگی۔ لیکن صدر کی دعوت پر اس سے زیادہ مرتبہ بھی جمع ہوسکتی ہے۔

دفعہ (۱۰) مجلس کو حق ہے کہ قوانین کی تطبیق میں اگر حکومت سے کوئی غلطی واقع ہوجائے، تو اُسے متنبہ کردے۔

دفعہ (۱۱) اگر حکومت کوئی لائحہ پیش کرے اور مجلس اُسے رد کردے یا اُسمیں ترمیم ضروری سمجھے، اور حکومت مجلس کا فیصلہ منظور نہ کرے، تو ایسی صورت میں نائب السلطنت کو حق ہوگا کہ لائحہ کو نئی توضیح و تشریح کے ساتھ دوبارہ مجلس کے سامنے پیش کرے۔ اگر مجلس اب بھی اسے منظور نہ کرے، تو پھر آخری فیصلہ خود سلطان المعظم کرینگے۔

مجلس کو حق ہے کہ اپنے صدر کے ذریعہ ہر اُس تجویز کے بارے میں سُلطان سے رجوع کرے جسپر ایک ماہ گزر چکا ہو اور کوئی شاہی حکم جاری نہ ہوا ہو۔

مجلس کے ارکان

مجلس شوریٰ کے لئے حسب ذیل ارکان منتخب ہوئے ہیں:

(۱) شیخ یوسف قطان۔

(۲) شیخ احمد سبحی۔

(۳) شیخ صالح شطا۔

(۴) شیخ عبدالصمد زوادی۔

(۵) شیخ محمد بن یحیی بن عقیل۔

(۶) شیخ عبداللہ ابراہیم جفالی۔

(۷) شیخ عبدالعزیز بن زید۔

(۸) شیخ عبدالوہاب عطار۔

ایک اُمید افزا واقعہ

کچھ مدت ہوئی، بعض اہل مکہ نے سلطان ابن سعود کے پاس بھیجنے کے لئے ایک محضر لیا رکیا تھا اور اُس میں محکمۂ حفظان صحت کی شکایتیں لکھی تھیں۔ یہ محضر ایک شخص حسن یمانی کو دیا گیا۔ اُس نے نام پہنچادئے۔ اُس زمانہ میں نائب السلطنت امیر فیصل مکہ میں موجود نہ تھے۔ اُن کی غیر موجودگی میں اُن کے مشیر خاص شریف حسین عثمان اور شیخ عبدالعزیز عتیقی، حکومت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس محضر کا حال ان دونوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے شخص مذکور کو طلب کیا اور حکم دیا کہ محضر انکے حوالہ کردے۔ اُسنے انکار کیا۔ اس پر شریف حسن یمانی نے غصہ میں آکر اُسے دو گھنٹہ کے لئے قید کردیا۔

شخص مذکور نے رہا ہوتے ہی حکومت کے ان دونوں بڑے عہدے داروں پر (جو گورنر کے قائم مقام تھے) مقدمہ دائر کردیا۔ نالش میں حسب ذیل الزام لگائے تھے:

(۱) اُنھوں نے سلطان المعظم کی توہین کی کیونکہ وہ محضر لے لینا چاہا جو سلطان کی خدمت میں پیش ہونے والا تھا۔

(۲) اُنھوں نے مدعی کو سلطان تک پہنچنے سے روکنا چاہا۔

(۳) اُنھوں نے بغیر کسی قانونی موجب کے مدعی کو قید کیا۔

(۴) اُنھوں نے سرکاری محکمہ کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات نہیں کی۔

سلطان نے دعویٰ سُنکر کاغذات مجلس تفتیش کے حوالے کردئے اور حسب ذیل دو سوالوں کے جواب طلب کئے:

(۱) کیا مدعا علیہا کو اس کارروائی کا حق تھا جو اُنھوں نے کی؟

(۲) کیا اُنھیں ایسی کارروائیاں کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے؟

مجلس تفتیش نے پوری طرح تحقیقات کی، مدعی، مدعا علیہما اور گواہوں کے بیانات سُنے، اور بالآخر سلطان کے سوالوں کے یہ جواب بھیجے:

(۱) اُنھیں اس کارروائی کا ہرگز حق نہ تھا۔

(۲) اُنہیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

نیز مجلس نے یہ قانون بھی بنایا کہ جو عہدہ دار بھی خلاف انصاف و قانون کام کرے گا، یا کسی کے حق پر دست درازی کرے گا، اُسے سرکاری خدمت سے بلا توقف الگ کردیا جائے گا۔

مجلس کا فیصلہ معلوم کرکے سلطان نے دونوں عہدے داروں کو

نوٹ: ظاہر ہے کہ اس کے بعد انھیں سرکاری خدمت سے محروم کردیا۔

سیر فی الارض

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ

(۸:۳۰)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

حال میں ایک مصری سیاح نے نجد کی سیاحت کی ہے۔ اُس کے مشاہدات کا ملخص حسب ذیل ہے:

صحرائی سفر کا آغاز

صحرا میں سفر کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ میں وہاں کے راستوں، سوار یوں اور باشندوں کے طرزِ معیشت سے بالکل ناواقف تھا۔ میرے اس سفر کا آغاز، شرقی اردن کے پایۂ تخت، عمان سے ہوا۔ میں نے ایک موٹر کرایہ پر لی اور صحرا میں داخل ہوگیا۔ راستے میں کہیں درخت، گھاس، پانی، اور جاندار مخلوق نظر نہیں آئی۔ ہاں کبھی کبھی اونٹوں کے قافلے چلتے دکھائی دیتے تھے۔ اب سے پہلے یہ راستہ نہایت خطرناک تھا۔ بغیر کافی جنگی قوت کے کسی کا بھی جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر اب بالکل امن و امان ہے۔ کامل ایک دن کے سفر کے بعد میں "قریات الملح" میں پہنچ گیا۔

قریات الملح

اسی مقام سے سلطان ابن سعود کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔ میں نے پہنچتے ہی وہاں کے بعض شیوخ قبائل سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ پایۂ تخت نجد، ریاض، جانے کا عزم ہے۔ اُنھوں نے نہایت خوش اخلاقی سے میرا خیر مقدم کیا اور میرے لئے فوراً ۵۰ اونٹ مہیا کردئے۔ ایک میری سواری کے واسطے تھا اور ۴ میرے خدمتگاروں کے لئے۔ یہ خدمتگار بھی انہی شیوخ نے محض اپنی مہربانی سے میری خدمت کے لئے ساتھ کردئے تھے۔ اتفاق سے ۵۰ اونٹوں کا ایک اور قافلہ بھی ریاض جارہا تھا۔ میں بھی اسی میں شامل ہوگیا۔

یہاں سے سنکر میرے ہوش اُڑ گئے کہ مجھے بہت طول طویل سفر کرنا پڑے گا۔ یعنی قریات الملح سے جوف تک ۹ دن۔ جوف سے حائل تک ۱۰ دن۔ حائل سے بریدہ تک ۸ دن۔ بریدہ سے ریاض تک ۸ دن یعنی پایۂ تخت تک پہنچنے کے لئے مسلسل ۳۵ دن صحرا میں چلنا پڑے گا۔ پھر راستہ میں ۲۰ دن آرام کے لئے فرد چاہئیں۔ گویا پورے دو مہینے اس بیابانی دنیا میں بسر کرنے ہونگے!

"قریات الملح" جہاں سے ہمارا سفر اونٹ پر شروع ہوا، ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور نجد کو شرقی اردن سے جُدا کرتا ہے۔ یہ جبل آلدروز سے ڈیڑھ دن کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا حاکم اعلیٰ، ایک نجدی افسر ہے اور احکام شریعت کے بموجب حکومت کرتا ہے۔ اس کی آبادی ۱۰۰ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ یہاں کی معیشت، گیہوں کی زراعت، نخلستان، اور اونٹوں اور مویشیوں کی پرورش ہے۔ یہاں نمک بھی بنتا ہے، اور صحرائی مسافروں کے ہاتھ اچھی قیمت پر بکتا ہے۔ محصول، زکوٰۃ کے نام سے وصول کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ سالانہ ہر ۶ اونٹ پر، مجیدی، ہر ۱۰ اونٹنیوں پر ۱۱۱ قرش مصری (ایک قرش ۲ر کا ہوتا ہے) ہر سو بکریوں پر دو بکریاں وصول کی جاتی ہیں۔ یہاں جرائم اور فواحش کا نام تک سننے میں نہیں آتا۔ حاکم کو "امیر" کہتے ہیں۔

امیر قریات الملح نے اپنے چبوترے پر (جو اس کی بیٹھک یا دربار عام کی جگہ ہے) میرا استقبال کیا۔ میرے لئے قہوہ حاضر کیا گیا۔ امیر نے بہت اصرار کیا کہ چند دن اُس کا مہمان رہوں۔ مگر مجھے سفر کی جلدی تھی دوسرے دن وہ مجھے اپنے ہمراہ قبیلۂ بنی صخر میں لے گیا۔ یہ قبیلہ اس گاؤں سے ۱۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر پشمی خیموں کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اپنی شجاعت، جرأت، اور غارت گری میں اس قدر مشہور ہے کہ تمام عرب اُس کے نام سے تھراتا ہے۔

صحارا کی زندگی

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے صحرا کی زندگی کے متعلق چند تمہیدی کلمے کہدینے چاہئیں۔ سفر شروع کرنے سے پہلے ہی مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ نجد میں سیاحت کے لئے ضروری ہے کہ چہرے پر داڑھی موجود ہو چنانچہ میں نے اپنی داڑھی کی پرورش شروع کردی تھی۔ نجد کی سرحد میں داخل ہوتے ہوئے میری داڑھی کافی حد تک دراز ہوچکی تھی۔ میں نے بڑی لباس بھی خرید لیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ سر بھی منڈانا پڑے گا۔ قریات الملح میں مجھے اس کی خبر ہوئی۔ میں نے اپنا سر نجدی اُستروں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ چند لمحوں کے اندر کھوپڑی صاف تھی۔ میں نے آئینہ دیکھا تو اپنی صورت پہچان نہ سکا۔ لمبی داڑھی، مونچھیں صاف، سر گھٹا ہوا۔ ایک عجیب شکل نکل آئی!

مجھے پہلی ہی منزل میں معلوم ہوگیا کہ یہ سفر کس قدر تکلیف دہ ہوگا۔ شہری زندگی بسر کرنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر عذاب کیا ہوگا کہ وہ صابون تک نہ پائیں۔ صحرا میں صابون، نایاب ہے بہت قیمت پر بکتا ہے۔ خود صحرائی عربوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اپنے کپڑے کبھی نہیں دھوتے۔ کھانے کے بعد ہاتھ بھی نہیں دھوتے۔ اُن کا عام مقولہ ہے "عربوں کا صابون، اُن کی داڑھی ہے!" یہاں کی زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے داڑھی کا فائدہ معلوم ہوا۔ یقیناً داڑھی، صحرا میں بہت مفید چیز ہے۔ رومال کی پوری قائم مقامی کرتی ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ منہ اسی مقدس رومال سے پونچھ لئے جاتے ہیں!

قریات الملح سے جوف تک ہمیں ۹ دن چلنا تھا۔ اس تمام راستے میں ہمیں صرف ۳ کنوئیں ملے۔ آگے کے لئے ہم نے پانی بھر لیا۔ میں نے عجیب بات یہ دیکھی کہ اونٹوں نے ۹ دن کی مدت میں صرف ایک مرتبہ پانی پیا۔ میرے ساتھی مسافروں نے بتایا کہ جاڑے میں اونٹ پندرہ پندرہ دن بغیر پانی پئے چلتے رہتے ہیں۔ میرے یہ ساتھی، صحرائی بدو تھے۔ میں نے انھیں نہایت خوش اخلاق پایا۔ اُن کے اخلاق کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ انھیں مصر اور اُس کے بادشاہ سے کوئی طمع یا خوف نہیں، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ میں مصری ہوں، اس لئے راستے بھر بلند آواز سے مصر اور اُس کے بادشاہ کے لئے دعائیں مانگ رہے۔ اُنکے اس طرزِ عمل نے مجھ پر بہت اثر کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اسلام نے کتنی مختلف قوموں کو ایک رشتہ میں منسلک کرکے بھائی بھائی بنا دیا ہے!

یہ بدو اگرچہ اپنی فطری سادگی پر قائم ہیں، تاہم اُنکے اقوال اور حرکات و سکنات، اُن کی غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ فضول گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ سیاسی اختلافات سے بھی گریز کرتے ہیں۔ راستہ بھر میں نے کبھی نہیں سُنا کہ اُنھوں نے نجد یا حجاز کی سیاست پر ایک لفظ بھی کہا ہو۔ جب کبھی میں نے کوئی ذکر چھیڑا تو وہ یہ کہکر پہلو بچا لیجاتے تھے "حکومت، خدا کی ہے اور پھر عبدالعزیز بن سعود کی"۔ اُن کی گفتگو کا اصلی موضوع، عرب کی شجاعت، سخاوت اور دینی فضائل و مکارم تھا۔ عربی شعر اگرچہ صحرا ہی میں پیدا ہوا، مگر چونکہ نجدی ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے مشرد شاعری کو زیادہ پسند نہیں کرتے۔ اُن کی دینی روح سمجھنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ راستے میں ہمیں ایک مقام ملا۔ اس کا نام "حظیظ" ہے۔ یہ دراصل وسط صحرا میں ریگ کی جگہ مٹی کا ٹیلہ ہے۔ اسکی مٹی اتنی چکنی ہے کہ اونٹ کا پاؤں اُس پر جم نہیں سکتا اور انسان کے لئے بھی اُس پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔ بدوؤں میں عام طور پر مشہور ہے کہ اس ٹیلے کے نیچے سونے کا خزانہ مدفون ہے۔ لیکن چونکہ ساتھ ہی یہ بھی مشہور ہے کہ قوم لوط اسی مقام پر آباد تھی اور یہیں برباد ہوئی، اس لئے اُن کی دینی روح کسی طرح گوارا نہیں کرتی کہ یہ مقام جاکر دیکھیں جہاں عذاب الٰہی نازل ہوچکا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ صدیوں سے اس ٹیلے کو کسی انسانی قدم نے نہیں چھوا!

آٹھویں دن ہم ایک مقام پر پہونچے جسے "فرجیہ" کہتے ہیں۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ اسکے گرد کے پہاڑ برف سے ڈھکے تھے اور نیچے ہر طرف سبزہ زار تھا۔ صحرا میں ایسا منظر میرے لئے بالکل خلاف توقع تھا۔ یہ جگہ سوئٹزرلینڈ کے مناظر پیش کرتی تھی۔ بلکہ اس کے منظر میں صحرا کی مہیب خاموشی نے ایک عجیب جلال و جمال کا مرکب منظر پیدا کردیا تھا!

"جوف"

نویں دن ہم جوف پہنچ گئے۔ حاکم جوف عبداللہ محمد بن عقیل نے جوں ہی سُنا، اپنے آدمی استقبال کے لئے بھیجدئے اور بذات خود بھی قصبہ کے پھاٹک پر آکر خیر مقدم کیا۔

"جوف" ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ چاروں طرف پہاڑیں۔ یہاں کی کھجور، عرب بھر میں مشہور ہے۔ گیہوں، جو، اور بعض ترکاریوں کی بھی کاشت ہوتی ہے۔ انگور، شفتالو، اخروٹ، نارنگی، لیموں، اور خربوزہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ باشندے تجارت پیشہ بھی ہیں اور دستکار بھی۔ کھال کی دباغت یہاں اچھی ہوتی ہے۔ اونی کپڑوں کی وجہ سے بھی اسے بہت شہرت حاصل ہے۔ نجد کی مشہور عبا "عبی الجوف" یہیں تیار ہوتی ہے۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی تجارت کی بھی یہ ایک بڑی منڈی ہے۔ اس کے صحرا میں شتر مرغ، ہرن، اور گورخر بکثرت موجود ہیں۔ شتر مرغ کا گوشت عرب بہت پسند کرتے ہیں۔ میری دعوتوں میں بھی یہ طعام

برابر موجود ہوتا تھا۔

ایک واقعہ

حاکم جوف امیر عبداللہ بن عقیل کی بابت مجھے ایک بات ضرور کہدینی چاہیے۔ یہ حاکم، دوسرے عرب حکام کے برخلاف ذی علم اور وسیع المعلومات ہے۔ شریعتہ حقہ کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ اس کے علاقے میں جرائم بالکل ناپید ہیں۔ مثال کے طور پر ایک چشم دید واقعہ لکھتا ہوں:

ایک دن میں امیر موصوف کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص نے آکر کہا "میں حائل سے آرہا ہوں۔ جوف سے ۴ دن کے فاصلے پر ایک بھری ہوئی بوری میں نے پڑی دیکھی ہے" حاکم نے سوال کیا "اس بوری میں کیا ہے؟" شخص مذکور نے جواب دیا کہ "مجھے نہیں معلوم" اس واقعہ کے دوسرے دن ایک اور شخص نے یہی خبر پہنچائی۔ حاکم نے اس سے بھی یہی سوال کیا۔ اسنے کہا "اسمیں قہوہ ہے" حاکم نے پوچھا "تو نے کیوں کر جانا؟" اسنے کہا "اپنی لاٹھی سے دبا کر" اس پر حاکم نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے ۵۰ بید لگادو۔ مجھے اس سزا پر بہت تعجب ہوا اور امیر سے استفسار کیا۔ اسنے جواب دیا "بوری دیکھنا جرم نہیں ہے، لیکن اسنے یہ جستجو کیوں کی کہ اس میں کیا ہے؟ سے اس کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ بوری اس کی نہ تھی" اس کے بعد امیر نے مجھے بتایا کہ اہل نجد، عموماً نہایت دیانت دار اور پرہیزگار ہیں اگر راستے میں سونا بھی پڑا ہو تو کبھی اُن کی نیت نہیں بدلتی گی!

جوف کا دارالحکومت، ایک قلعہ نما عظیم محل میں واقع ہے۔ اس کا نام "قصر ارد" ہے۔ یہودیوں نے اپنے عروج کے زمانے میں تعمیر کیا تھا باشندوں کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۰۰ سال پہلے یہ بنا تھا۔

جوف کے باشندے باوجود غریب ہونے کے بڑے مہمان نواز ہیں۔ مہمان کی خدمت و خاطر فرض عین سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ خوب تندرست ہیں۔ میں نے کوئی شخص بھی کمزور، اور دبلا نہیں دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا، پوری آبادی میں ایک انسان بھی بیمار نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ یہاں کی آب و ہوا نہایت عمدہ ہے، پیداوار کافی ہے اور باشندے طبیعی اور سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

امیر عبدالعزیز نے مجھ سے یہ بھی بیان کیا کہ انگریز اور امریکن سیاحوں نے بار بار کوشش کی کہ علمی اور جغرافیائی تحقیقات کے بہانہ سے آگے بڑھیں۔ مگر سلطان ابن سعود نے اجازت نہیں دی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسی قسم کے حیلوں سے انھوں نے مشرقی ملکوں میں اپنے قدم جمائے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز مسٹر آشپر بہت سی موٹریں اور روپیہ لے کر آیا اور یہ ظاہر کیا کہ جوف کی مٹی بہت عمدہ ہے اس لئے وہ مٹی کے برتن بنانے کا کارخانہ قائم کرے گا۔ مگر سلطان نے قیام کی اجازت نہیں دی۔ ایک اور یورپین نے کہا کہ خود پائے تخت ریاض میں پٹرول کے زمین دوز چشمے موجود ہیں۔ میں انھیں نکال دے سکتا ہوں۔ مگر سلطان نے اسے بھی منظور نہیں کیا۔ حالانکہ نجد کے باشندے کو پٹرول کی بہت ضرورت ہے۔ سلطان کی دلی آرزو ہے کہ خالص اسلامی علمی جماعتیں نجد میں آئیں اور یہاں کی قیمتی کانیں نکالیں مگر وہ یورپین کمپنیوں، تاجروں اور علمی محققوں کی آمد رفت سے ڈرتے ہیں۔



خواطر و سوانح

زندگی پر آخری نظر

ایک کروڑپتی نے خودکشی کرتے وقت کیا محسوس کیا؟

سر جیمس وھائٹ، لندن کا مشہور کروڑپتی تھا لیکن ایک ناگہانی حادثہ نے اُسے دیوالیہ کردیا۔ گزشتہ ماہ اُسنے زندگی سے بیزار ہوکر خودکشی کرلی۔ لیکن مرنے سے پہلے ذیل کی تحریر لکھکر اپنی میز پر رکھدی تھی

"میں اسوقت ابدیت و خلود کے دروازہ پر کھڑا ہوں اور دنیا کے نام اپنا آخری پیام لکھ رہا ہوں۔ میں نے زندگی پر اُس نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی ہے، جو ایک مرنے والے انسان ہی کا نقطۂ نگاہ ہوسکتا ہے!

***

میرے فنا پذیر عقیدے میں دنیا کا قدیم عالمگیر تمدن ۴ راگست ۱۹۱۴ء (یعنی جنگ عمومی کے آغاز کی طرف اشارہ کرتا ہے) میں مرگیا۔ اس کے بعد سے ابتک جدید عالمگیر تمدن کی پیدائش نہیں ہوئی ہے۔

***

میں نے بادشاہوں کی میزبانی کی امیروں کو بے تکلفانہ اُنکے سادہ ناموں سے پکارا۔ میری ملکیت میں شاندار جہاز تھا جسپر میں نے پورے کرۂ ارضی کی سیر کی۔ میرے اصطبل میں اصیل گھوڑوں کی صفیں بندھی تھیں۔ میں تھیٹروں کا بھی مالک تھا۔ بڑی بڑی اجنا جاری کرنے والی کمپنیوں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے عظیم الشان تجارتی کاروبار کئے۔ میرا راس المال پندرہ کروڑ پونڈ (۴۵ کروڑ روپیہ) تک پہنچگیا تھا۔ میں نے صرف ایک دن کے اندر ۵۰،۰۰۰ پونڈ نفع کمایا تھا۔ ان حالات میں، میں امید کرتا ہوں کہ سب لوگ مجھ سے اتفاق کرینگے کہ مجھے زندگی کے بارے میں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔

***

مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد، ہر طرح کے موسم گزر چکے ہیں۔ میں نے فاقہ کشی کی مصیبت کا مزہ بھی چکھا ہے، اور میں نے دولت کی سرگردانی بھی محسوس کی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تین دن کے بھوکے کا احساس کیا ہوتا ہے؟ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دولت کی فراوانی دل و دماغ پر کیا اثر ڈالتی ہے؟ مجھ پر وہ وقت گزر چکا ہے جب بری کوئی آرزو بھی ایسی نہ تھی جو میری قدرت سے باہر ہو۔ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں جب ہزاروں انسان اپنے پیٹ کی روٹی کے لئے میرا ہاتھ تکتے تھے!

***

"گھوڑدوڑ کے ایک دور میں میں نے ۷۰،۰۰۰ پونڈ جیتے تھے لیکن ایک وقت وہ بھی تھا جب تاش کی ایک بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی! دولتمندی کے الاکھ اور غربت کے ۵ شلنگ، دونوں کی جیت کے الگ الگ اثر میرے دل نے محسوس کئے۔ ایک مرتبہ ۱۹۱۰ء میں لندن سے ڈیل تک کی ۱۸۰ میل کی مسافت، میں نے اپنے پرائیویٹ سے طے کی تھی، کیونکہ میرے پاس ریل کا کرایہ نہ تھا۔ پھر ایک وقت وہ بھی دیکھا جب پوری ٹرین صرف میرے لئے روانہ ہوتی تھی تاکہ مجھے منچسٹر پہنچا دیا کرے!

***

"میری زندگی کے ان آخری لمحوں میں میرا حافظہ، زندگی کے تمام انقلابات ایک ایک کرکے میری آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ اسوقت میں اس قابل ہوں کہ زندگی پر ایک منصفانہ فیصلہ کی نظر ڈال سکوں!

***

"زندگی کے متعلق میرا زم فیصلہ یہ ہے کہ وہ ایک عظیم انسانی کڑھائی ہے جو طمع، شہوت، اور طاقت کے مہیب آتشین مادوں پر پک رہی ہے۔ تمام بلند، رقیق، شریف جذبات ناپید ہوچکے ہیں۔ اُن کی جگہ خبیث، فاجرانہ، پرشور عناصر نے لی ہے۔ قوت اور مال کی خواہش اس قدر زبردست ہوگئی ہے کہ بالشویزم کے سوا کوئی دوسری قوت اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

***

"زندگی کے تمام دن باہم مشابہ ہیں، اکتا ڈالنے والے ہیں، تھکا ڈالنے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کے چہرے، ایک ہی قسم کے مزاج، ایک ہی قسم کے دل، ایک ہی قسم کی چیزیں! ہر نیا دن ویسا ہی پرانا جیسا! پچھلا دن تھا! ہر نفس طمع و ہوس سے اُسی طرح لبریز جس طرح دنیا کا ہر باشندہ! زیادہ مال کی مجنونانہ طلب! زیادہ عیش کی غرض پرستانہ خواہش! مگر کام بہت کم، نیکی اور بھی کم! انسانوں کی بھیڑ مال جمع کرنے پر ٹوٹ پڑی ہے۔ کسی کو خودداری کا خیال نہیں۔ کسی کو شرافت کی پروا نہیں۔ ایک حساس آدمی کے لئے یہ منظر موت سے کم نہیں

***

"اسٹیج پر دولت کا کوئی دیوتا نمودار ہوتا ہے۔ خوشامدیوں، چاپلوسوں، ابن الوقتوں کی بھیڑیں اُسپر ٹوٹ پڑتی ہیں، وہ کھلاتا پلاتا ہے۔ جلسے کرتا ہے، لہو و لعب کے تمام سامان مہیا کرتا ہے۔ اُسکی بڑی تعریفیں ہونے لگتی ہیں۔ اُس کی دوستی کا لاکھوں دم بھرنے لگتے ہیں۔ اُسے ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس زمین پر مجھ سے بڑا، مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی انسان نہیں۔ میں خدا کا پسندیدہ اور اوس کی مخلوق کی آنکھ کا تارہ ہوں!

"لیکن ادھر اُس کا سونا چاندی ختم ہوا، اُدھر دنیا کی نظریں بھی پھر گئیں۔ اب نہ دوست دوست ہیں نہ عزیز عزیز۔ حسرت اور ندامت، صرف یہ دو کمزور رفیق زندگی بھر کی رفاقت کے لئے اُسکے پہلو میں

رہ جاتے ہیں!

***

"میرے خیال میں جو کوئی بھی زندگی کو اس نظر سے دیکھے گا اور اس معیار نظر سے وزن کرے گا، وہ ہرگز ہمیشہ کی نیند سو جانے پر افسردہ نہیں ہو سکتا!

***

"لیکن، ٹھہرو! مجھے اپنی زندگی کے اس آخری لمحے میں ایک نظر اوپر اُٹھانے دو۔ آہ! یہ دیواروں پر میری بیوی اور میرے تینوں بچوں کی تصویریں آویزاں ہیں۔ یہ دیکھو، میری بیوی کی محبت و اخلاص سے لبریز آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں!

"اُف! یہ میرے لڑکے کے متبسم ہونٹ ہل رہے ہیں۔ مجھے یہ آواز سنائی دے رہی ہے: "بابا! یہ تم ہو!"

"الٰہی! یہ میری دونوں لڑکیاں کھڑی ہیں۔ اپنی طویل پلکوں کے اندر سے مجھے دیکھتی اور پدرانہ شفقت کے بوسہ کے لئے بڑھ رہی ہیں!

"ہاں، اب میں زندگی کی مسرت محسوس کرتا ہوں!..... لیکن ہم اس مسرت سے بھی کیوں نہ دست بردار ہو جائیں؟

***

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ انسان زندگی کی تمام مصائب و آلام اپنے محبوبوں کے روبرو پہنچکر بھول جاتا ہے؟

"لیکن یہ دیکھو، میرے محبوبوں کی تصویروں پر پردہ پڑ گیا۔ ..... اب میرا سر چکرا رہا ہے۔ میرے سینے کے اندر شعلے سے بھڑک رہے ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک دہکتے ہوئے تنور پر کھڑا ہوں ..... میں نے قمار میں اپنی پوری دنیا کھو دی۔ مجھے اس معصیت کا کفارہ ادا کرنا چاہئے! ....."

***

"میری بیوی، میرے عزیز بچو، میرے وہ تمام دوستو جو اس وقت بھی میرے دل میں موجود ہو! خدا تمھیں برکت دے! اور تمھارے ساتھ ہو! خدا کرے، تم دنیا اور دنیا کی زندگی کو اس سے زیادہ نہ سمجھو جسقدر وہ فی الحقیقت ہے! .....

....."

ص قوت تھی کہ مجرم تاب نہ لا سکا۔ منہ کے بھل گر کر چلایا "عفو! عفو!"

نپولین نے نرمی سے پوچھا "وہ اسباب کیا تھے جنھوں نے تجھے اس جرم پر آمادہ کیا؟"

مجرم نے تمام واقعات صحیح صحیح بتا دئے۔ اسپر نپولین نے کہا:

"لیکن اسمیں میرا قصور کیا ہے؟ اگر دول یورپ مجھے مٹانا چاہتی ہیں اور میں اپنی مدافعت کرتا ہوں تو میرا گناہ کیا ہے؟ تمھاری شادی روکنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ نہ میں اس کے التواء کا اصلی سبب ہوں لیکن اگر تم مجھی کو باعث سمجھتے ہو تو میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ آج ہی تمھاری منگیتر سے تمھاری شادی ہو جائے۔ میں اپنی جیب خاص سے سو اشرفیاں اس تقریب میں پیش کرتا ہوں۔ بریٹیہ! کل تم فوج کے ایک دستہ کے ساتھ اس شادی میں شریک ہونا، اور میری طرف سے دولھا دلہن کیساتھ جلوس میں چلنا!"

پھر نپولین مترجم کی طرف متوجہ ہوا:

"اس شخص سے کہدو کہ میں نے معاف کر دیا۔ میں تمھارے لئے خوشی و خرمی کا متمنی ہوں!"

وولف خلاف توقع یہ برتاؤ دیکھ کر بھوت ہو گیا۔ ولی عہد بویریا نے *

* نپولین سے کہا "آپ کا اخلاق واقعی نہایت قابل عزت ہے!" نپولین نے سادگی سے جواب دیا: "عزیز شاہزادے! میں نے تو بادشاہی کا ایک محض معمولی فرض ادا کیا ہے۔ کبھی کبھی عفو و کرم بادشاہوں کا مقدس فرض ہو جاتا ہے!"

افسانہ

نپولین پر قاتلانہ حملے

نپولین بوناپارٹ کے اخلاق پر مورخین نے جس تفصیل سے نظر ڈالی ہے شاید جدید دنیا کے کسی انسان کی شخصیت اس قدر زیر بحث نہ رہی ہو۔ نپولین نے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں اُلٹ ڈالی تھیں۔ اخلاق کے قانون میں اس کی فاتحانہ اولوالعزمی، اخلاق کا سب سے بڑا جرم تھی۔ اور اسی وجہ سے مفتوح ملکوں میں اُس کی جان کے ہزاروں دشمن پیدا ہو گئے تھے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اُس کی پوری زندگی میں، اُس پر قاتلانہ حملے صرف دو ہی ہوئے۔ حملہ آوروں کے جذبات ہمیں سمجھنے چاہئیں۔ اُن پر ظلم ہوا تھا۔ اُن کی آزادی چھینی گئی تھی۔ وہ جوش اور ہیجان قوم پرستی میں سب کچھ کر سکتے تھے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نپولین نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا ایک مجرم کی وجہ سے سیکڑوں بے گناہ قتل کئے گئے؟ کیا خود مجرموں کو اُس ہولناک طریقہ پر سزا دی گئی جو عام طور پر آج بھی "متمدن" دنیا میں رائج ہے؟ تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے کہ اس فراخدل، بلند ہمت انسان نے پوری شرافت سے دونوں قاتلوں کو معاف کر دینا چاہا، اگرچہ اُن میں سے ایک نے معافی قبول نہیں کی اور موت کو ترجیح دی۔ یہ دونوں واقعے بہت دلچسپ اور عبرت انگیز ہیں۔

بویریا میں حملہ

شاہ بویریا (جرمنی) نے آسٹریا کے مقابلہ میں نپولین سے مدد طلب کی تھی۔ نپولین ۲۲ر جولائی کو وہاں داخل ہوا۔ شاہ بویریا اُس کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا۔

اُسوقت بویریا کے باشندوں میں اپنے ملک کی سیاسی حالت کے متعلق سخت اختلاف رائے تھا۔ ایک گروہ فرانسیسی اثر پسند کرتا تھا دوسرا آسٹریا کو ترجیح دیتا تھا۔ نپولین کے آنے سے ایک دن پہلے اُس شہر کے دو آدمیوں میں تکرار ہو گئی۔ اُن میں سے ایک فرانس کا طرفدار تھا دوسرا آسٹریا کا۔ آخر الذکر کا نام "لوی وولف" تھا۔ اُس کی عمر ۲۸ برس کی تھی۔ فرانس اور نپولین سے سخت نفرت کرتا تھا۔ نفرت کی وجہ بالکل معقول تھی۔ اُس کا باپ اور بھائی فرانسیسیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے اور ماں کو جاسوسی کے الزام میں اس قدر تکلیف دی گئی تھی کہ وہ جانبر نہ ہو سکی۔ اس سے بھی زیادہ اُس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ جس جنگ میں مدد کے لئے نپولین کو بلایا گیا تھا، اُس کی وجہ سے اس شخص کی شادی ملتوی ہو گئی تھی۔ اُسے اپنی منگیتر سے غایت درجہ محبت تھی وہ کسی طرح بھی شادی میں تاخیر گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

غرضکہ ان اسباب کی وجہ سے شخص مذکور غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُسنے اپنے ساتھی کو فرانس کی طرفداری کی وجہ سے زدوکوب کیا اور قسم کھائی کہ کل نپولین کو ضرور قتل کر ڈالے گا۔ اُسنے کہا "اگر مادر وطن کے اس ظالم دشمن کے قتل کی کسی کو جرأت نہیں۔ تو میں یہ مہم انجام دوں گا اور ملک کو اُس کے شریر دشمن سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دوں گا!"

چنانچہ وہ اس ارادہ سے فوراً روانہ ہو گیا، اُسے نپولین کی آمد کی تاریخ معلوم نہ تھی۔ بازار میں ایک بویرین سپاہی کے گرد بھیڑ لگی تھی۔ یہ ابھی ابھی میدان جنگ سے آیا تھا۔ لوگ لڑائی کی خبریں پوچھ رہے تھے وہ بتا رہا تھا کہ فرانسیسی فوجوں نے کس طرح آسٹرین فوجوں کو پسپا کر دیا ہے۔ لوی وولف نے آگے بڑھ کر سوال کیا:

"نپولین ہمیں کب مشرف کرے گا؟"

سپاہی نے تعجب سے سر اُٹھا کر کہا:

"سپہ سالار کی زبانی میں نے سنا ہے کہ نپولین آج رات یا کل صبح شہر میں داخل ہوگا۔ وہ ابھی میدان جنگ کا نقشہ مرتب کرنے میں مصروف ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم اُس کے سلام کے لئے بہت بیچین ہو"

"ہاں میں اُسے ایک بالکل انوکھے طریقہ سے سلام کرونگا!"

وولف نے جواب دیا!

پھر یہ شخص اپنے مکان گیا، بندوق لی، اور شارع عام پر ایک خالی مکان میں چھپکر بیٹھ گیا۔ صبح وہ بڑی بیچینی سے کھڑکی میں بیٹھا نپولین کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ سورج کی کرنوں کی روشنی میں اُسے دور سواروں کی صفیں نظر آئیں۔ سب سے آگے ایک درمیانی قد کا سوار سر پر ممتاز ٹوپی پہنے آ رہا تھا۔ وولف نے سمجھ لیا کہ نپولین یہی ہے۔ بندوق درست کر کے چھتیالی لیکن اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ قریب تھا کہ بندوق گر جائے۔ مگر اُسنے اپنے تئیں سنبھالا۔ جب نپولین چند گز کے فاصلہ پر آ گیا تو فیر کرنا چاہا۔ لیکن عین اُسوقت اچانک، پیچھے سے ایک ہاتھ بڑھا اور اس زور سے اُسے کھینچا کہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔

نپولین کو اس واقعہ کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ اپنی قیام گاہ میں پہونچا اور محکمۂ جاسوسی کے افسر اعلیٰ کو بلا کر گفتگو کرنے لگا:

"فرانسیسی فوج کے خلاف کسی سازش کا تو پتہ نہیں چلا؟"

"ہاں حضور والا! ۳۰ سازشوں سے زیادہ کا حال اب تک معلوم ہو چکا ہے"

"سازش کے بانیوں کا بھی کچھ پتہ لگا؟"

"مجھ پر سب سے بڑا فرض شہنشاہ کی زندگی کی حفاظت کا ہے۔ میرے ایک افسر نے ابھی ابھی ایک ناعاقبت اندیش کو گرفتار کیا ہے جو حضور پر گولی چلانے والا تھا"

نپولین نے تعجب سے پوچھا:

"وہ پروشیا کا باشندہ ہے یا آسٹریا کا؟"

"بویرین ہے" افسر نے جواب دیا۔

نپولین یہ سنکر سخت متحیر ہوا:

"خوب! میں تو اس بدنصیب ملک کو آسٹریا کی غلامی سے بچانے کے لئے فرانسیسی فوج کا خون بہا رہا ہوں، اور اُس کا بدلہ مجھے یہ دیا جاتا ہے کہ دھوکے سے قتل!"

اُسنے مجرم کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ۲۰ منٹ کے بعد وہ موجود تھا۔ نپولین کھڑا تھا۔ مجرم اُسکے سامنے لا کر کھڑا کیا گیا۔ اُس کے دہنی طرف بویریا کا ولیعہد تھا۔ بائیں جانب جنرل بریٹیہ۔ نپولین نے اپنی آنکھیں مجرم کے چہرہ پر جما دیں۔ اُن آنکھوں میں نہیں معلوم کیا طلسمی

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم كے بيش بها جواهر ريزے

اس سلسله ميں هم نے اماميں كي ان نادر و اعلى درجه كي بلند پايه عربي تصانيف كے اُردو تراجم كا سلسله شروع كيا هے ' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت كے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد كه يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان كي دماغي اصلاح كا كام دے :

اُسوهٔ حسنه — امام ابن قيم كي فن سيرت ميں شهره آفاق كتاب "زاد المعاد" كے خلاصه كا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپيه -

كتاب الوسيله — لفظ "وسيله" كي بحث كے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام كے اصل الاصول "توحيد" كي مبسوط بحث كي هے - بلا جلد ازهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انكي تعداد ' دربعه معاش ' طريق عبادت اور انكے مفصل حالات بيان كيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الكوثر — امام ابن تيميه كے مخصوص انداز تفسير كا اُردو ترجمه - چار آنے -

العبودة الوثقى — خالق و مخلوق كے درميان واسطه كا فرق بدلائل بيان كيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام كے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان كيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري كي تازه كتاب كا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايك علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس كے خريدار كو هم نے كمال كوشش و فرش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں كي تمام اهم اور اعلى مطبوعات كے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے كا اهتمام كيا هے - اسكے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دين كے حالات ' طوائف افسانه ' نظميں اور ممالك اسلاميه كے معتبر ذرائع سے حاصل كيے هوے حالات درج كيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

جر الهـــلال بك ايـــجنسى

لمقه نمبر ۲٤ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

" Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان اين دفتر پارينه را
تازه خوابي داشتن گرداغهاي سينه را

اردو صحافت كي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايك انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ايك هفته وار مصور رساله تها ' ليكن چونكه وه اردو صحافت كي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فكر كي نئي طرح پيدا كرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس كا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق كا مجموعه تها - اُس كے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه كے هوتے تهے - اور اُسكا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات كے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس كي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب كا پهلا نمونه تهيں - اردو كا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاويركے اندراج كا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے كي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر كي چهپائي ميں ممكن نهيں - اِس كي جلدين جديد اُردو علم ادب كے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث كا بهترين مجموعه هيں - ان كي مقبوليت و قدر كا اندازه اِس سے هوسكتا هے كه سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس كي تمام جلدوں كا مكمل ست سات سو روپيه ميں خريد ليا - اور حال ميں ايك صاحب نے اِس كي پهلي جلد مكمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اس كے پرچے بحفاظت جمع كئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده كرنے پر آمادے نهيں - پچهلے دنوں "البـلاغ پريس" كا جب تمام اسٹاف نئے مكان ميں منتقل هوا گيا تو ايك ذخيره الهلال كے پرچوں كا بهي محفوظ ملا ' هم نے كوشش كي كه شايقين علم و ادب كے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كي جا سكتي هيں مرتب كرائي جائيں اور جن جلدوں كي تكميل ميں ايك دو پرچوں كي كمي هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدللّٰه يه كوشش ايك حد تك مشكور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں كے چند سالوں كي جلديں پوري مكمل هوئي هيں - هم اِس اعلان كے ذريعه شايقين علم و ادب كو آخري موقعه ديتے هيں كه اِس قيمتي ذخيره كے حاصل كرنے ميں جلدي كريں ' چونكه جلدوں كي ايك بهت هي محدود تعداد مرتب هوسكي هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں كي تعميل هوسكے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين كي انڈكس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مكمل جلد دوم ۱۰ روپيه الهلال مكمل جلد سوم ۱۰ روپيه
" " چهارم ۱۰ روپيه " " پنجم ۱۰ روپيه
جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول كے هر جلد كے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين كے لحاظ سے ايك مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاك و پيكنگ اِس كے علاوه هے -

مينيجر " البـلاغ پريس "

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي ہوتے ہیں جنکي اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :

Printing House Square

London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں ' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرني چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' ہندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاہئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہي آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے ہیں

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري ہیں ' اس کارخانے میں تیار کي جاتي ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے -

میووں ' ترکاریوں ' اور ہر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ملکوں میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي ہیں -

Printed and Published by

Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta

Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

جلد - ویک (۱) نمبر ۱۲
۳ ۳ ستمبر ۲۴ء

الهلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت في پرچه پانچ آنه

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالی گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول - - - بارہ روپیہ
ہندوستان سے باہر کیلیے - - - سولہ روپیہ
قیمت شش ماہی - - - سات روپیہ
قیمت فی پرچہ - - - پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کی جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں اُنکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداری لکھیے جسکی اطلاع آپکو وصول قیمت کی رسید میں دیدی گئی ہے -

(۵) اگر کسی صاحب کے پاس کوئی پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایئے ' مقامی ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی اردر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتری فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين القرآن الحكيم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۲ | کلکتہ : جمعہ ۵ ۔ ربیع الاول ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 2, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اودو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قارییں الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ۸۶۱ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۱۱۳	اردو حروف کی حق مین	۲۷۰
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	۱۹۶	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۱۴	نستعلیق ھون	۶۸

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

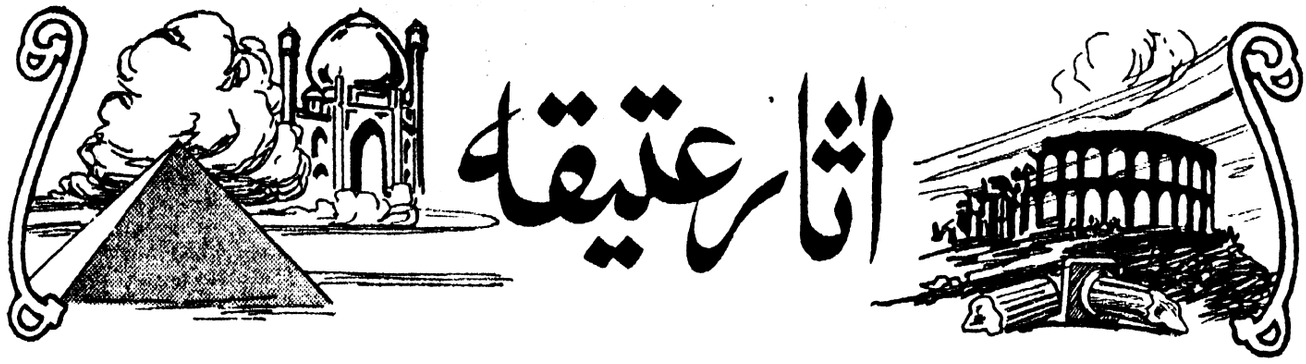

سات عجائب عالم

(۵)

روڈس کا عظیم بت

(The Colossus)

جزیرۂ روڈس (بحر متوسط) میں یہ عظیم الشان اور شہرۂ آفاق بت قائم تھا - لیکن اب اُسکا کوئی نشان باقی نہیں ہے - عہد مسیحی سے سو برس پہلے ہی وہ برباد ہوچکا تھا - مرکب دھات کا یہ بت ٹکڑے ٹکڑے کرکے اِس طرح بیچا گیا ' جس طرح پرانا لوہا بکتا ہے !

مشہور رومانی مورخ پلینی نے پہلی صدی عیسوی میں جزیرۂ روڈس کی سیر کی تھی - وہ لکھتا ہے :

" ہر چیز سے زیادہ حیرت انگیز آفتاب کا وہ عظیم الشان بت تھا جو اِس جزیرہ میں نصب تھا - اِسے کیرس لنڈی نے بنایا تھا - یہ ستر گز (رومانی) بلند تھا - ۶۵ سال قائم رہنے کے بعد زلزلہ سے گرپڑا - وہ ابتک بدستور زمیں پر پڑا ہے اور دیکھنے والوں کیلیے ایک منظر حیرت ہے ! کم آدمی ایسے نکلینگے جو بت کے ہاتھہ کا انگوٹھا اپنے دونوں ہاتھہ پھیلا کر بھی قبضہ میں لاسکیں - بت کی انگلیاں اتنی بڑی ہیں کہ شاید ہی اِتنے بڑے مجسمے کہیں موجود ہوں - پنڈلیاں اِتنی موٹی ہیں کہ اُنکے اندر لمبی گہری سرنگیں معلوم ہوتی ہیں - پنڈلیوں کے اندر عظیم الشان سنگی ستون تھے تاکہ پاؤں بت کے جسم کا بوجھہ سنبھال سکیں "

یہ بت دراصل اپالو دیوتا کے اعزاز میں بنایا گیا تھا - یہ دیوتا اِس جزیرہ کا معبود اور محافظ سمجھا جاتا تھا - کیرس بت تراش نے بارہ برس کی محنت سے اِسے طیار کیا تھا - لیکن سنہ ۲۲۴ ق م میں زلزلہ نے اسے گرا دیا -

اِس بت کی عظمت و شہرت اِس قدر عام ہوگئی تھی کہ باہر کے لوگوں میں طرح طرح کے ما فوق العادۃ قصے مشہور ہوگئے تھے - عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جزیرہ کی خلیج پر اِس طرح کھڑا ہے کہ اُسکا ایک پاؤں ایک کنارے پر ہے ' دوسرا دوسرے کنارے پر - لیکن یہ خلاف واقعہ ہے - در اصل یہ بت ایک برہنہ آدمی کی شکل پیش کرتا تھا اور وہ اپنے دونوں پاؤں جوڑے کھڑا تھا - رومن مورخ پلینی نے اُسکی بلندی کی نسبت جو کچھہ کہا ہے ' اُسکی کسی دوسرے مورخ نے تغلیط نہیں کی ہے - اُسکے حساب سے بت کی بلندی ۱۵۰ فٹ تھی !

پورا بت مرکب دھات کا تھا - ٹانگیں پتھر کی تھیں ' اور مرکب دھات کی چادروں سے ڈھکی ہوئی تھیں - پیروں سے سر تک ایک اندرونی زینہ بنا تھا - بعض مورخین کا بیان ہے کہ اِس زینہ سے چڑھ کر روز رات کو بت کی آنکھوں میں آگ جلادی جاتی تھی تاکہ اُس کی روشنی سے جہازوں کی رہنمائی ہو -

کہا جاتا ہے ' کیرس نے بت قائم کرنے کے بعد محسوس کیا کہ اُس سے ایک سخت فنی غلطی ہوگئی ہے - اِس غلطی کی اصلاح نا ممکن تھی - لہذا اُس نے خودکشی کرلی - لیکن اُسکی غلطی بعد میں کسی کو بھی نظر نہیں آئی - یونان اور پوری دنیا بیک زبان اُس کی صناعی کا اعتراف کر رہی ہے -

روڈس باوجود اپنی قدیم بدحالی کے اُس زمانہ میں بہت دولت مند ہوگیا تھا - معدنی مصنوعات میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی تھی - بابل اور مصر سے تجارت کا سلسلہ قائم تھا - یونانیوں نے اُس کی دولت مندی دیکھکر اُس پر قبضہ کرلیا اور وہاں ایک عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کی - شہر کی رونق بھی اس درجہ بڑھگئی کہ ایتھنز کا مقابلہ کرتا تھا - بعد میں اسپارٹا والوں نے اسے فتح کیا - اُن کے بعد شاہ موسولوس نے غلبہ حاصل کیا - یہ وہی بادشاہ ہے جس کی قبر دنیا کے سات عجائب میں سے شمار ہوتی تھی اور ابھی ابھی ہم اُس کے تذکرہ سے فارغ ہوئے ہیں -

آگے چل کر ایرانیوں نے حملہ کیا - ایرانیوں سے سکندر اعظم نے چھینا - سکندر کی وفات کے بعد اُس نے پھر اپنی آزادی حاصل کرلی اور خود مختار ہوگیا - یہی زمانہ اُس کا سنہری زمانہ سمجھا جاتا ہے - اُس وقت بحر متوسط میں تجارت کی اصلی منڈیاں دو ہی تھیں : اسکندریہ اور روڈس -

اِس بت کی تاریخ یہ ہے کہ مصر کے ایک بطلیموس پادشاہ نے (یعنی اُس خاندان شاہی کے پادشاہ نے جو بطلیموس کے لقب سے ملقب تھے) اپنے بھائی سے جنگ کی تھی - روڈس کے باشندوں نے بطلیموس کی مدد کی اور فتح دلائی - اِس پر اُس کے بھائی نے جزیرہ سے انتقام لینا چاہا اور ایک فوج گراں جہازوں میں لاکر محاصرہ کرلیا - فوج کی تعداد اِتنی زیادہ تھی کہ جزیرہ کی پوری آبادی اُس سے کم تھی - اہل روڈس زبردست دشمن دیکھکر گھبرا گئے - مگر بہادر تھے - مقابلہ کیا - بطلیموس کو اُن کا احسان یاد تھا - اُس نے اِس مصیبت کا حال سنا تو فوراً مدد کے لیے اپنی فوج بھیج دی - اس طرح روڈس اپنی حفاظت میں کامیاب ہوگیا -

اسی نجات کی یادگار میں اہل روڈس نے یہ بت بنایا تھا ' اور اپنے دیوتا اپالو کو نذر دی تھی - بت کے بنانے میں جتنا کانسہ لگا ' وہ سب دشمن سے غنیمت میں حاصل کیا گیا تھا -

عربوں کی فتح کے زمانہ تک اِس بت کے کھنڈر موجود تھے - یورپین مورخوں کا بیان ہے کہ اُنھوں نے یہ کھنڈر ایک یہودی کے ہاتھہ فروخت کر ڈالے - یہودی نے اس سے تین سو اُن کانسہ حاصل کیا -

(٦)

بابل کے معلق باغ

The Hanging Gardens of Babylon

بابل ' قدیم دنیا کا مشہور ترین شہر ھے - بہت سي قوموں اور سلطنتوں نے اُسے باري باري فتح کیا اور اپنی عظمت و شوکت کا مرکز قرار دیا - مشہور ھے کہ اِس کا اولین بادشاہ نمرود اور اُس کا خاندان تھا - اِس کي اولاد میں سب سے زیادہ شہرت " آور " خامس کو حاصل ھوئي - اِس کا نام اور بعض حالات اُن اینٹوں پر مسماري خط میں کندہ ملے ھیں' جو حال میں زمین سے نکالي گئي ھیں -

خاندان نمرود کے بعد ایک دوسري سلطنت کا قبضہ ھوا - تاریخ میں اِس کا نام ایراني سلطنت ھے - دو سو پچیس سال اُس نے حکومت کي - اس کے بعد ۲۲۲۵ ق م میں ایک اور سلطنت قائم ھوئي - اِس کا نام " ایلامي " ھے - اِسي کے ایک بادشاہ " کودرلا اومر " سے حضرت ابراھیم علیہ السلام نے مقابلہ کیا تھا اور فتحیاب ھوئے تھے -

تقریباً سنہ ۲۰۰۰ ق م میں اِس پر کلدانیوں نے قبضہ کیا اور ساڑھے چار صدي تک حکومت کرتے رھے - پھر اِس کے بعد مصریوں کا غلبہ ھوا اور سنہ ۱۳۱۴ ق م تک حکمران رھے - اشوریوں نے مصریوں کو شکست دے کر اپني حکومت قائم کي - یہاں تک کہ سنہ ۵۳۸ ق م میں کورش شاہ ایران نے اُن کي سلطنت کا خاتمہ کر دیا - اس وقت سے ایرانیوں کا دور شروع ھوتا ھے -

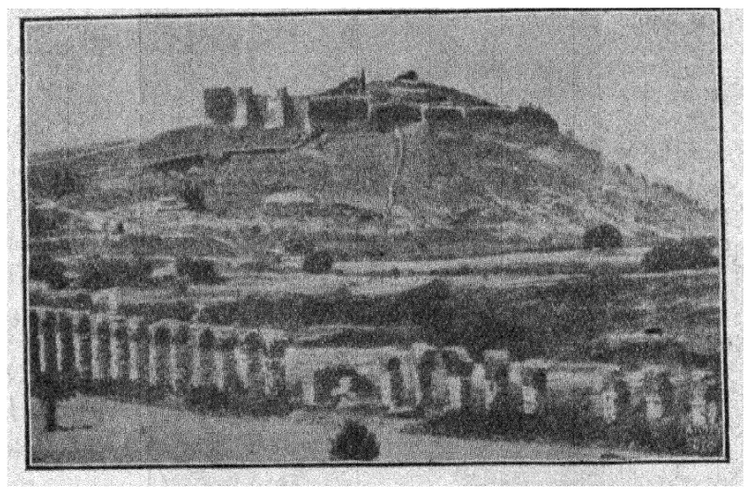

سات عجائب عالم میں سے ڈائنا کے مندر کا بقایا پہاڑ کے نیچے جو کھنڈر نظر آ رھا ھے' یہي اس مندر کا بقایا ھے - اوپر ترکوں کا قلعہ ھے

بابل اور نینوی میں ھمیشہ رقابت چلي جاتي تھي - ایک دوسرے کي بربادي پر تلے رھتے تھے - سنہ ۷۴۵ ق م میں اھل نینوی نے بابل فتح کرلیا تھا - لیکن سنہ ۶۰۶ ق م میں بابلیوں نے ایرانیوں کي مدد سے اُنھیں نکال باھر کیا - پھر خود نینوی پر حملہ کیا اور اُسے اِس طرح مٹادیا کہ اُس کا نشان تک باقي نہ رھا - ابھي حال میں بڑي تحقیقات کے بعد پتہ چلا ھے کہ یہ قدیم شہر کس جگہ واقع تھا ' کیسا عظیم الشان تھا ؟ اور کس بے دردي سے برباد کردیا گیا ؟

نینوی کي بربادي کے بعد ھي بخت نصر ظاھر ھوا - بابل کے معلق باغ اِسي نے بنائے تھے - اُن سے مقصود صرف یہ تھا کہ اپني بیوي کي خوش نودي اور تفریح کا سامان کرے -

یوناني مورخ ھیرودوٹس نے لکھا ھے کہ بخت نصر نے ارادہ کیا ' بابل کو از سر نو اِس طرح بنائے کہ دنیا' نینوی کي شان و شوکت بھول جائے - چنانچہ نینوی کے قیدیوں اور معماروں سے یہ نیا شہر طیار کرایا گیا - خود ھیرودوٹس نے اپني سیاحت کے دوران میں بابل کي بھي سیر کي تھي ' چنانچہ اُس کے حالات اپني تاریخ میں لکھے ھیں - اُس کے بیان سے معلوم ھوتا ھے کہ بابل" زمین کے مربع ٹکڑے پر قائم تھا - بیچ میں دریائے فرات نے بہ کر اُس کے دو حصے کردیے تھے - ھر حصہ ۱۵ - میل لانبا تھا - یعني پورا شہر تیس میل کے وسیع رقبہ میں پھیلا ھوا تھا - چاروں طرف شہر پناہ تھي - ۳۵۰ فٹ بلند اور ۸۷ فٹ موٹي تھي - اِس میں پیتل کے سو پھاٹک تھے - پھاٹکوں کے ستون اور چھتیں بھي پیتل کي تھیں -

شہر میں سب سے زیادہ شاندار' عجیب ' اور دلچسپ چیز یہ " معلق باغ " تھے جو اُس وقت سے اب تک پوري دنیا کے لیے اعجوبہ بنے ھوئے ھیں - یہ باغ پتھر کي عمارتوں پر ایک ایسے علاقہ میں نصب کیے گئے تھے ' جہاں پتھر کمیاب ھونے کی وجہ سے نادر اور قیمتي چیز سمجھا جاتا تھا - بادشاہ عبادت خانوں میں بطور نذرانہ کے پتھر پیش کرتے تھے' اور پرانے عبادت خانوں سے نئے عبادت خانوں میں بڑے اھتمام سے منتقل کیے جاتے تھے - دجلہ اور فرات کي وادي میں آج تک پتھر کي بڑي قلت ھے -

لیکن کیا یہ باغ واقعي معلق تھے ؟ اس بارے میں ایک سخت غلط فہمي پھیلي ھوئی ھے - حال کے بعض مورخین بھي اس غلطي سے نہ بچ سکے - در اصل انکا معلق ھونا محض ایک نظري اور مجازي وصف تھا - ورنہ وہ معلق نہ تھے - قدیم یوناني اور روماني مورخوں نے اِنکے لیے جو لفظ استعمال کیا ھے اُسکے معني " معلق " نہیں بلکہ منزل در منزل باغ کے ھیں - یہ باغ پتھر کے کئي منزلہ چبوتروں پر لگائے گئے تھے - ھر اوپر کا چبوترہ نیچے کے چبوترہ سے عرض میں چھوٹا تھا - اِس طرح تمام چبوترے بلند ھوتے ھوئے ۳۵۰ فٹ تک پہنچ گئے تھے - ھر چبوترہ پر اِتني مٹي جمع کي گئي تھي جتني درختوں کي پرورش کیلیے ضروري تھي - پاني اوپر چڑھا کر بالائي منزل پر تالاب بنایا گیا تھا ' نیچے سے اُس میں جمع کر دیا جاتا تھا - اور اُسي سے پورے باغ کي آب پاشي ھوتي تھي - ھر چبوترہ کي زمین یا چھت بانس سے پاٹ دي گئي تھي - اُسکے اوپر سیسہ پگھلا کر پھیلا دیا تھا - یہ احتیاط اِس لیے کي گئي تھي کہ دیواروں اور بنیادوں تک نمي نہ پہنچ سکے اور باغ ھمیشہ برقرار رھیں - ھر طبقے یا چبوترے کے نیچے بڑے بڑے ایوان تھے اور بابل و نینوی کے بہترین سامان آرایش سے آراستہ تھے - ھر در طبقوں کے ما بین وسیع زینے بنے ھوئے تھے - جنسے بادشاہ ' ملکہ ' اور درباري ایک ساتھ اوپر نیچے آجا سکتے تھے -

باغوں میں قسم قسم کے پھولوں ' پھلوں ' اور میوؤں کے خوشنما درخت لگے تھے - موسم بہار میں عجیب کیفیت ھوتي تھي - ھرے بھرے درختوں کے پتے پوري عمارت چھپا لیتے تھے - ایسا معلوم ھوتا تھا کہ واقعي باغ ھوا میں معلق کھڑے ھیں - خوشبو اس قدر ھوتي تھي کہ تمام شہر معطر ھو جاتا تھا - خیال ھوتا تھا کہ جنت آنکھوں کے سامنے پھیلي ھوئي ھے - بابل کي گرمي دیکھتے ھوئے یہ باغ

فردوس برپں کا حکم رکھتے تھے - یہي باعث ھے کہ اُن کا دنیا کے عجائبات میں شمار ھوا اور سارے جہان میں شہرت ھوا کي طرح پھیل گئي -

لیکن زمانہ کے بے رحم ھاتھوں نے یہ دلفریب باغ بھي نہ چھوڑے - بابل کي جنت برباد ھوگئي اور شہر بھي تہہ و بالا ھوگیا - صدیوں تک لوگوں کو یہ بھي معلوم نہ تھا کہ یہ باغ واقع کہاں پر تھے ؟ سنہ ۱۹۰۳ ع میں زمین کھودنے پر ایسے آثار نکلے جو اُس عمارت کے خیال کیے جاتے ھیں جس پر باغ نصب تھے - اِن باغوں کا بانی بخت نصر(بنوکدنزر) وھي بخت نصر ھے جس نے بیت المقدس برباد کر کے یہودیوں کو قید کر لیا تھا -

(۷)

اھرام مصر

(The Pyramids of Egypt)

دنیا کے سات عجائب میں صرف اھرام مصري ھیں جو ابتک قائم اور انقلابات زمانہ کا مقابلہ کر رھے ھیں - مصر میں متعدد اھرام ھیں - مگر اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور عجائب عالم میں شمار ھونے والا ھرم "ھرم کبیر" کے نام سے مشہور ھے - یہ قاھرہ کي موجودہ آبادي سے ۶۸ کیلو میٹر فاصلہ پر جنوب میں واقع ھے - اس میں ابتک کوئي اھم تغیر نہیں ھوا ھے - صرف اوپر کا پلاسٹر اُتر گیا ھے اور چوٹي پر سے کچھہ حصہ ٹوٹ گیا ھے -

یہ ھرم اب سے چھہ ھزار سال پہلے تعمیر ھوا تھا - مصر کي چوتھي سلطنت میں ایک بادشاہ نے اِسے بنایا - ساٹھہ برس اِس نے حکومت کی تھي - مصري زبان میں اِسکا نام " خوفو " تھا - یوناني اُسے " خیونس " کہتے تھے - قدیم مصري ھرم کو " یاخیت خوفو " کے نام سے پکارتے تھے - اِسکے معني ھیں " خوفو کا مقبرہ " دراصل یہ عمارت بادشاہ نے اِسي غرض سے بنائي تھي کہ مرنے کے بعد اس میں دفن ھو- ھرم کے مصري نام ھي سے اسکا مقصد واضح ھو جاتا ھے - اِس سے بھي بڑھ کر یہ کہ خود ھرم کے اندر تابوت بھي ملا ھے اور اِس بات کي قطعي شہادت ھے کہ اصل میں یہ مقبرہ ھي تھا -

ھرم کا دروازہ شمال کي طرف ھے - اِس دروازہ سے ایک طویل اور تنگ سرنگ نما راستے میں داخل ھوتے ھیں - راستہ ایک تہہ خانے تک لیجاتا ھے - خیال کیا جاتا ھے کہ یہي تہہ خانہ ' قبر کیلیے مخصوص کیا گیا تھا - کیونکہ اسي میں تابوت رکھا ھے - مگر خود بادشاہ کي لاش اُس میں نہیں ملي - نہیں کہا جاسکتا ' بادشاہ اُس میں کیوں دفن نہیں کیا گیا ؟ نیز ابتک یہ بھي معلوم نہیں ھوا کہ اُسکي اصلي قبر ھے کہاں ؟ بعض مورخین کا خیال ھے کہ بادشاہ نے اِس مقبرہ کے بنانے میں رعایا پر بہت ظلم کیا تھا - اِس لیے ناراض ھوکر مصریوں نے اُسکي لاش اس میں دفن نہ ھونے دي - لیکن اِس کے ایک کمرہ میں بادشاہ کا نام سرخ روشنائي سے لکھا ھوا پایا گیا ھے - خیال کیا جاتا ھے کہ مزدوروں نے پتھر پر اسکا نام تعمیر سے پہلے ھي لکھدیا تھا - اگر یہ نام موجود نہ ھوتا تو دنیا ھرگز نہ جان سکتي کہ یہ عمارت کس شخص نے بنائي تھي -

بادشاہ کا تابوت سنگ سرخ کا ھے - سارے سات فٹ لانبا ' تین فٹ چار انچ چوڑا ' اور تین فٹ چار انچ اونچا ھے -

بادشاہ کے کمرے کے اوپر پانچ چھوٹے کمرے اور ھیں - خیال کیا جاتا ھے کہ یہ اِس غرض سے بنائے گئے تھے کہ شاھي کمرہ پر سے عمارت کا بوجھہ ھلکا ھو جائے - ملکہ کا کمرہ بادشاہ کے کمرے کے نیچے ھے اور اصلي راستہ سے ایک گلي اُسکي طرف جاتي ھے -

قدیم زمانوں سے یہ بات مشہور چلي آتي تھي کہ ھرم کے اندر ایک بہت بڑا خزانہ موجود ھے - مگر کبھي کسي کو اُسکے کھودنے کي جرأت نہیں ھوئي - خلیفہ مامون الرشید نے البتہ کھدوانا شروع کیا تھا ' مگر بعد میں معلوم ھوگیا کہ خزانہ کي افواھیں بے بنیاد ھیں -

یوناني سیاح ھیرودوٹس نے ھرم کي سیر کي تھي اور اپني کتاب میں اُس کا حال لکھا ھے -

شروع میں ھرم پر چکنا پلاسٹر لگا ھوا تھا - کوئي اُس پر چڑھ نہیں سکتا تھا - مگر اب یہ پلاسٹر اُتر گیا ھے اور اُسکي چوٹي پر پہنچنا ممکن ھے -

اِس ھرم کي بلندي ۴۸۱ فٹ ھے - شمالي جانب سے ۶۱۲ اور باقي تین طرف سے تقریباً ۷۵۵ فٹ ۷- انچ لانبا ھے - یہ اس بات کي شہادت ھے کہ قدیم مصریوں نے علم ھندسہ میں بڑي ترقي حاصل کي تھي -

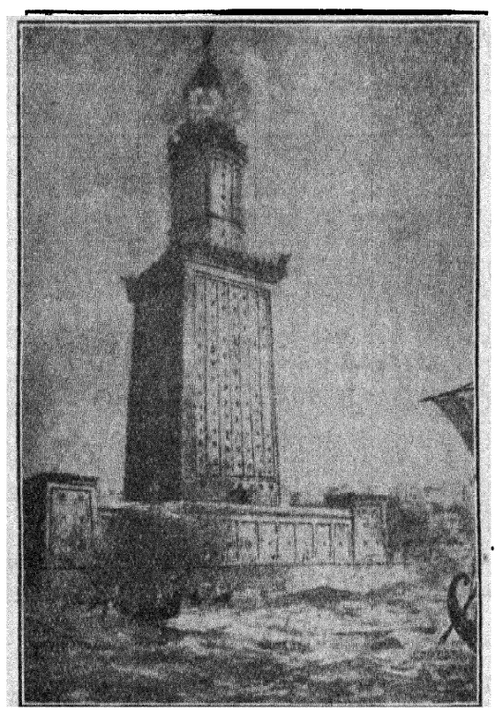

(اسکندریہ کا شہرۂ آفاق منارہ)

یہ تصویر اُن تصریحات کي بنا پر بنائي گئي ھے - جو قدیم سیاحوں اور مورخوں کي زباني معلوم ھوئي ھیں -

دنیا کے سات عجائب میں اول درجہ اِسي ھرم کو حاصل ھے -

(مورخین عرب کي تحقیقات)

سات عجائب عالم کا یہ مختصر بیان تھا جو ختم ھوگیا - ھم نے بابل ' منارۂ اسکندریہ ' اور اھرام کے حالات میں صرف وھي امور بیان کیے جو آخرین تحقیقات پر مبني ھیں ' اور وہ تمام تفصیلات ترک کردیں جو غالباً اردو کے کتب و رسائل میں ترجمہ کي جاچکي ھیں - اب اس کے بعد ھمیں تفصیل کے ساتھہ وہ تحقیقات بیان کرني ھے جو قدیم عرب مورخین نے کي تھي ' خصوصاً بابل ' اسکندریہ ' اور اھرام مصر کي نسبت اُن کي تصریحات تاریخ کا نہایت قیمتي اور قابل غور موضوع بحث ھے -



تفسیر سورہ فاتحہ کا ایک صفحہ

تصور الٰہی کی تکمیل

اور

اس کا سلسلۂ ارتقا

(۳)

(شاہیت اور الوہیت کے تشابہ کے نتائج)

شاہیت اور الوہیت کے اس لزوم و تشابہ نے انسان کے تصور الٰہی پر جو گہرہ اور دور رس اثر ڈالا ہے ' اُس کا اندازہ سرسری مطالعہ سے نہیں ہو سکتا - ضروری ہے کہ تصور الٰہی کے ایک ایک جزء اور ایک ایک عنصر پر نظر ڈالی جاے ' اور اُسکی امتزاجی اور خمیری حالت کی تحلیل کی جاے - اس سلسلہ میں حسب ذیل نقاط خصوصیت کے ساتھہ قابل غور ہیں :

(۱) انسان کی معیشت کی تاریخ میں نظم و حکومت کی ابتدا جمہوریت کے عنصر سے ہوئی ہے ' نہ کہ شاہیت و مالکیت کے عنصر سے -

یہاں لفظ " جمہوریت " سے مقصود جمہوری نظام حکومت نہیں ہے ' بلکہ جمہوریت کی وہ سادہ اور عنصری حالت مراد ہے جب کسی ایک شخص کو مالکانہ و حاکمانہ اقتدار حاصل نہ تھا - ایک سے زیادہ آدمی مل جل کر اپنے معاملات کا انتظام کر لیا کرتے تھے - یہ بات کہ کسی خاص فرد کو مالکیت و فرماں روائی کا اختیار حاصل نہو کہ جو چاہے حکم دے اور جس طرح چاہے اپنے ماتحتوں کے معاملات معیشت کا فیصلہ کرے ' بلکہ مساویانہ طریقہ پر لوگ مل جل کر اپنی ضروریات نظم و اجتماع کا انتظام کریں ' جمہوریت کا اصلی عنصر ہے ' اور یہی عنصری حالت یہاں مقصود ہے -

شخصی مالکیت اور شاہیت انسانی اجتماع کی ایک غیر طبیعی حالت ہے جو اُس وقت پیدا ہوی ' جب طاقتور افراد نے کمزور افراد کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنا مطیع و منقاد بنانا شروع کردیا اور رفتہ رفتہ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ زیادہ طاقتور فرد کو کم طاقتور افراد سے غلامی و چاکری کرانے کا حق حاصل ہے - پھر جوں جوں تمدن و شہریت میں ترقی ہوتی گئی ' مالکانہ قبضۂ و تصرف بھی زیادہ خوش اُسلوب اور منظم ہوتا گیا ' یہانتک کہ شاہیت و حکمرانی کا نظام پیدا ہوگیا -

یہ بات کہ انسانی اجتماع کی تاریخ میں غیر شخصیت و شاہیت ' شخصیت و شاہیت پر مقدم ہے ' تاریخ کی روشنی میں صاف نظر آجاتی ہے - ہم دنیا کے تمدنی عہد سے جس قدر پیچھے ہٹتے جائینگے ' شاہیت اور شخصیت کا نظام مفقود ہوتا جایگا ' اور مشترک جماعتی نظم اپنی ابتدائی اور سادہ حالت میں کار فرما نظر آیگا - دنیا کی جس قدر بھی غیر متمدن اور وحشی قومیں تاریخ کے علم میں آئی ہیں ' ان میں ایک قوم بھی ایسی نہیں ہے جس میں شخصی شاہیت کا نظام پایا گیا ہو - امریکہ ' افریقہ ' اسٹریلیا ' جزائر بحر شمال ' اور قبائل گرین لینڈ کی غیر متمدن آبادیاں شخصی مالکیت و سروری سے اُسی طرح نا آشنا پائی گئیں ' جس طرح سکہ کے استعمال سے نا واقف تھیں - عرب جس وقت تک بدویانہ زندگی میں رہا ' شخصی حاکمیت سے آشنا نہ ہوسکا - تاریخ کی روشنی میں جو ترتیب نظام حکومت کی واضح ہوتی ہے ' وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صحرائی اور انفرادی معشیت میں کسی نظم کا محتاج نہ تھا - جب قبائل کی زندگی شروع ہوئی تو خود بخود ایک ایسا سادہ اور بسیط نظم پیدا ہو گیا ' جیسا آج کل بھی دیہاتی پنچایتوں میں دیکھا جاسکتا ہے - بستی کے بڑے بڑے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھہ گئے اور تمام جھگڑے اور قصے چکا دیے - اس طریق کار سے رفتہ رفتہ قبائل کی سرداری کا منصب پیدا ہوگیا انہی سرداروں نے آگے چل کر اپنے دشمن قبائل کو زیر کرنا اور غلام بنا کر رکھنا شروع کر دیا ' اور اسی سے شخصی مالکیت کی بنیاد پڑگئی -

شخصی مالکیت اور شاہیت کی بنیاد قاہرانہ قوی کے استعمال اور جبر و تعدی کی ہولناکیوں سے پڑی تھی - یہ سرتاسر انسان کے سلبی اور تخریبی صفات تھے - ایجابی و تعمیری نہ تھے - البتہ آگے چل کر عفو و بخشش اور عطاؤ نوال کے اوصاف کی بھی گنجایش نکل آئی - لیکن چونکہ شاہیت کا مایۂ خمیر ہیبت و قہر تھا ' اس لیے غلبہ ہمیشہ اسی قسم کے صفات کا رہا - رحم و بخشش کے اوصاف اس درجہ بڑہ نہ سکے کہ شاہی قہر و جلال کی ہیبت و سطوت میں خلل انداز ہوسکتے - نتیجہ یہ نکلا کہ اول دن سے شاہیت کا تصور سرتاسر ہیبت و قہر کا تصور ہوگیا - یہ بات انسان کے تخیل میں جم گئی کہ جس قدر ایک پادشاہ زیادہ پر ہیبت اور قہرمان ہوگا ' اُتنی ہی اُس کی شاہیت زیادہ مقتدر اور مسلم ہوگی !

ضروری تھا کہ شاہیت کے اس تصور سے انسان کا تصور الٰہی بھی متاثر ہوتا ' کیوں کہ دونوں میں مماثلت کی نسبت پیدا ہوچکی تھی - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دوسرے دور میں یہ مماثلت بھی صفات قہر و جلال کے استغراق کا ایک قوی باعث ہوگئی اور انسان کا تصور رحمت و جمال کی طرف تیز قدم نہ اُٹھا سکا - ٹھیک ٹھیک شاہیت و مالکیت کے تصور کی طرح ' خدا کے تصور میں بھی تمام قاہرانہ اور جابرانہ اوصاف نمایاں ہیں ' اور جس طرح رحمت و جمال کا عنصر شاہیت کے تصور میں مغلوب اور کمزور ہے ' اُسی طرح الوہیت کے تصور میں بھی زیادہ نہیں اُبھر سکتا - پھر جوں جوں شاہیت کے مزاج و اوصاف میں رقیق و لطیف جذبات کا عنصر بڑھنے لگتا ہے ' تصور الٰہی میں بھی اس جانب ترقی ہونے لگتی ہے - شاہیت کا ابتدائی اور عالمگیر تصور یہ تھا کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جس سے ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہنا چاہیے - اُس کا غضب بے پناہ ' اور اس کی ہولناکی لا علاج ہے - وہ ایک ادنی سی لغزش پر قتل کر ڈالتا اور ایک ذرا سی خطا پر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے - البتہ

گاہ گاہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت رحم و کرم پر آجاتی ہے، اور وہ بخش بھی دیتا ہے اور مالا مال بھی کردیتا ہے - بعینہ یہی تصور خدا کا بھی تھا - اور اسلیے خدا کی صفات رحمت و جمال کی نسبت جو کچھہ بھی سمجھا جاتا تھا، وہ اس سے زیادہ نہ تھا، جیسا ایک پر ہیبت بادشاہ کی نسبت سمجھا جاسکتا ہے -

(۲) صفات الہی کے تصور کا ایک نازک اور دقیق پہلو یہ ہے کہ خدا کے افعال کیلیے کوئی مقصد و غایت ہونی چاہیے یا نہیں؟ اس لحاظ سے افعال الہی کی دو ہی نوعیتیں ہوسکتی ہیں - ایک یہ کہ اسکے تمام افعال بغیر کسی غایت اور حکمت کے ہیں - ایک یہ کہ اُسکا ہر فعل کسی مقصد اور حکمت پر مبنی ہے - شاہیت اور الوہیت کے تشابہ کا اثر تصور الہی کے اس گوشہ پر بھی پڑا - انسان ہزاروں برس تک خدا کے افعال بھی اسی رنگ روپ میں دیکھتا رہا، جسمیں اپنے چاندی سونے کے تخت پر بیٹھنے والوں کو دیکھتا تھا - وہ "قدرت" کے ساتھہ "حکمت" جمع نہیں کرسکا - اسکا خیال یہ تھا کہ حکمت اور مقصد کی رعایت دلیل عجز ہے - یہ عام انسانوں کیلیے ضروری ہے جو اپنے حاکموں اور پادشاہوں کے سامنے جوابدہ ہیں، لیکن ایک پادشاہ جو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں، حکمت و غایت کی رعایت سے ما وراء ہے - ایک پادشاہ جسقدر زیادہ طاقتور اور زیادہ اونچے قسم کا ہوگا، اُتنے ہی اسکے اعمال زیادہ مطلق العنان، زیادہ بے ترتیب، زیادہ بے مصلحت، زیادہ بے معنی ہونگے - وہ بغیر کسی سبب و موجب کے ہزاروں آدمی قتل کر ڈالیگا - بغیر کسی مصلحت کے عمارتیں ڈھا دیگا، بغیر کسی ضرورت کے نئی عمارتیں کھڑی کر دیگا - ہوسکتا ہے کہ محض اتنی سی بات دیکھنے کیلیے کہ رات کی تاریکی میں آتشزدگی کا تماشہ کیسا ہوتا ہے؟ وہ ایک پورا آباد شہر جلا ڈالے!

یہ جو ہندوستان، مصر، یونان، وغیرہ قدیم متمدن ممالک کی دیوبانی کہانیوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دیوتاؤں کے جسقدر بھی اعمال دکھلائے ہیں، وہ سب اسی نوعیت کے ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے چند انسان ہر طرح کی طاقت اور اختیار پاکر بے قابو ہوگئے ہیں اور طاقت اور اختیار سے کھیلنے لگتے ہیں - محض اسلیے کہ وہ طاقت رکھتے ہیں، اپنی اپنی طاقتیں لہو و لعب کی طرح بلا ضرورت استعمال میں لاتے ہیں، اور انکی اس کھیل کود سے کائنات ہستی کے ہزاروں کارخانے بننے بگڑنے لگتے ہیں، تو اس چیز کے اندر وہی شاہی و مالکی مزاج کام کر رہا ہے - پادشاہوں کی زندگی ایسی ہی تھی، اسلیے دیوتاؤں کے تصور میں بھی اُسی کا عکس نمایاں ہوگیا -

تصور الہی کے اس دور کے بعد اگرچہ تصور کے تمام اجزاء میں ترقی ہوگئی تھی، لیکن چونکہ شاہیت اور الوہیت کا تشابہ راسخ ہوچکا تھا، اسلیے ترقی کی ہر منزل میں شاہیت ہی کی قسم کا تصور قائم ہوتا رہا - اُس سے الگ نہ ہوسکا -

(۳) یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ تمام قدیم اقوام کے الہی تصورات میں، با وجودیکہ وہ تمدن و شایستگی کے بڑے بڑے درجے طے کر چکی تھیں؛ ادنی درجہ کے حیوانی اور بہیمی افعال کے تخیلات سے کسی طرح کا اجتناب نہیں پایا جاتا، تو اس میں بھی بہت حد تک اسی تشابہ کو دخل ہے - بلا شبہ ان تخیلات کی بنیاد جمیعت بشریہ کے عہد طفولیت میں پڑی تھی جبکہ ذہن انسانی بالکل ناتراشیدہ حالت میں تھا، لیکن عہد تمدن مین کیون یہ تخیلات بالکل متروک نہیں ہوگئے؟ اس کی علت یہی ہے کہ شاہیت اور الوہیت کے تشابہ نے یہ اعتقاد پیدا کردیا تھا کہ شاہیت و خداوندیت کیلیے اس قسم کی زندگی نقائص کا موجب نہیں ہے، بڑائی اور غیر مسئولیت کا نتیجہ ہے - چونکہ خدا کے تصور میں بھی شاہیت کی مماثلت کارگر ہوچکی تھی، اسلیے اس میں یہی یہی شان پیدا کردی گئی -

(۴) حکومت بالوسائط، یعنے خالق حقیقی سے کائنات ہستی کا تعلق براہ راست نہیں ہے - درمیان میں وسائل و وسائط ہیں - خدا انہی کے ذریعہ تمام کارخانۂ وجود چلا رہا ہے، اسی تشابہ کا ایک نہایت گہرا اور دور رس نتیجہ ہے -

(۵) تصور الہی کا یہ قدیم اور راسخ اعتقاد کہ بخشش معاصی کیلیے جسم انسانی کی تعذیب ضروری ہے، بغیر اسکے خدا کی خوشنودی حاصل نہیں ہو سکتی، اسی تشابہ کے برگ و بار میں سے ہے - غضب ناک اور مطلق العنان پادشاہ چھوٹے چھوٹے قصورون پر سخت سخت سزائیں دیدیتے تھے، اور جب تک سزا واقع نہیں ہوجاتی تھی، اُن کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا - یہی بات خدا کے تصور میں بھی پیدا ہوگئی - انسان نے دیکھا کہ اُسکی جسمانی عقوبت، اُسکے شاہی مالکوں کا غضب ٹھنڈا کر دیتی ہے، اسلیے اُس نے خیال کیا کہ اُس کے آسمانی خداوندوں کے اطفاء غضب کیلیے بھی ضروری ہے کہ طرح طرح کی جسمانی عقوبتیں اور اذیتیں برداشت کرے - قربانی کی شکل میں یہی چیز قتل نفس تک پہنچ گئی - انسان اپنے ہم جنس کو، اپنی اولاد کو، خود اپنے آپ کو عفو قصور اور حصول رضاء الہی کیلیے قتل کرنے لگا -

(۶) خدا کے تصور کا ایک نہایت اہم پہلو اُس کی معبودیت کا اعتقاد ہے - یعنی یہ کہ اُس کی عبادت کرنی چاہیے - لیکن عبادت کیوں کرنی چاہیے؟ اِس کا صحیح جواب ذہن انسانی کی نا رسا استعداد معلوم نہ کرسکی - خدا کا تصور کرتے ہوئے اس نے صرف اُس کی صفات قہر و جلال ہی کا نظارہ کیا تھا، اس لیے عبادت کی بنیاد خوف و دہشت کے جذبات سے پڑی تھی، نہ کہ محبت و عبودیت سے - اُس نے خدا کو ایک خوفناک ہستی کی شکل میں دیکھا تھا، اس لیے اُس کے غضب سے بچنے کے لیے اُس کی خوشامد کرنی چاہتا تھا - شاہیت و اُلوہیت کے تشابہ سے یہ تخیل اور زیادہ راسخ و محکم ہوگیا - مطلق العنان اور قہرمان شاہیت بھی ہر انسان سے غلامی و چاکری کراتی تھی، اور لوگ اپنے دل کی خوشنودی سے نہیں بلکہ سزا کے خوف سے اُن کی خدمت و اطاعت کرتے تھے - نیز اُن کے ہیجان غضب سے بچنے کیلیے طرح طرح کے نذرانے اور تحفے پیش کرتے تھے - خدا کی معبودیت کی بھی ٹھیک ٹھیک یہی نوعیت تھی - جس طرح انسان اپنے تخت نشین حاکموں کی چاکری کرتا تھا، تاکہ اُن کے ظلم و قہر سے بچے، اُسی طرح وہ اپنے آسمان نشین کارسازوں کی بھی بندگی کرتا، تاکہ اُن کے غضب و جلال کا نشانہ نہ بنے - جس طرح وہ اپنے پادشاہوں کو طرح طرح کے نذرانے پیش کرتا تھا تاکہ وہ خوش ہوکر مہربان ہوجائیں، اسی طرح وہ اپنے خداؤں کے لیے بھی طرح طرح کے نذرانے تجویز کرتا تاکہ وہ مہربان ہوکر اُس کی التجائیں سن لیں -

(دوسرے دور کا منتہاء بلوغ)

اس دور کی منتہاء ترقی یہ تھی کہ بہ تدریج صفات رحمت و جمال کا عنصر، جو ابتدا میں بہت ہی دھیما تھا، اس درجہ اُبھر آیا کہ صفات سلبیہ کی طرح صفات ایجابیہ کا بھی بالاستقلال تصور قائم ہوگیا - ہندوستان اور مصر میں علم، محبت، دولت، نسل، اور رزق کے بھی دیوتا اُسی طرح پیدا ہوگئے، جس طرح ہلاکت اور بربادی کے بے شمار دیوتا موجود تھے - ہندوستان کی سرسوتی، لکشمی، اور درگا وغیرہ کی مورتیاں آج تک ہمارے سامنے سے گذرتی ہیں:

مصریوں نے "[illegible] اور "ہرمس" میں (اور ہرمس Hermes یونانیوں کا بھی معبود تھا) علم و حکمت کے تمام ابتدائی سرچشمے دیکھے (۱) بابل نے جو علم ہئیۃ کے کشف و ترقی کا سب سے پہلا سرچشمہ ہے ' آسمان کے ارواح الوہیت میں سورج کا قہر اور مریخ کی خون آشام تلوار دیکھی تھی - اب زہرہ کی مسکراہٹ اور عطارد کی حکمت و دانائی کی سنجیدہ صورت کا بھی تماشائی ہوگیا - یونان کی فکری لطافت اور وسعت تخیل نے اس میں آور زیادہ نظم و اسلوب پیدا کیا - عشق و محبت ' علم و حکمت ' صلح و امن ' زراعت و پیداوار ' مال و دولت ؛ سب کے آسمانی کارساز الگ الگ جلوہ فرما ہوگئے ' اور اُنکی چوکھٹیں صفات جمالیہ کے حاجت مندوں کا قبلۂ عبادت بن گئیں - مصر ' ہندوستان ' اور یونان میں بابل کی کواکب پرستی کی دعوت پہنچ چکی تھی ' اسلیے ان دیوتاؤں کا تخیل زیادہ تر اجرام سماویہ ہی کے تعبدانہ مشاہدہ میں پیدا ہوا -

ایران جو دنیائے قدیم کے ادیان و ملل میں اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے غیر معمولی امتیاز رکھتا ہے ' اور جس نے باوجود مظاہر پرستی کے انہماک کے ' اصنامی پرستش کے تخیل سے ہمیشہ گریز کیا ؛ اس بارے میں ایک بالکل مختلف نوعیت کا تخیل قائم کرتا ہے ' اور ثنویت کے ذریعہ صفات قہر و جلال اور رحمت و جمال کے تضاد کی مشکل حل کرتا ہے - [illegible] آراستہ کرتا ہے کہ خالق حقیقی کے [illegible] دو کارساز [illegible] کارفرما ہیں : قوت خیر اور قوت شر یعنی "یزداں" اور "اہرمن" تمام ایجابی اور جمالی صفات یزداں کے حصے میں آئی ہیں ' اور تمام سلبی اور قہری صفات اہرمن کے حصے میں - یزداں کی تعمیری صفت بنانا چاہتی ہے - اہرمن کی تخریبی صفت بگاڑنا چاہتی ہے - گویا کون و فساد کی کشاکش اپنی منتہاء ازلیت میں دو متضاد کارفرماؤں کی کشمکش پر ختم ہوتی ہے -

غرضکہ اس دور کے آخری عہد میں بہ حیثیت مجموعی ذہن انسانی نے ایک ایسی مزاجی استعداد پیدا کر لی تھی کہ وہ صفات سلبیہ کے ساتھ صفات ایجابیہ کا بھی بالاستقلال تصور کر سکتا تھا - البتہ غلبہ اب بھی صفات سلبیہ ہی کے تصور کا تھا - تصور الہی کے اس بنیادی نقطہ میں کہ عبادت کی اصل خدا کے غضب و قہر سے بچنا ہے ' نہ کہ اُسے چاہنا اور اُس سے نزدیک ہونا ' کوی تبدیلی نہیں ہوی تھی - پس گو اس عہد میں انسان خدا کی رحمت و جمال کا نظارہ کرنے لگا ' لیکن اسکے ذہن پر تسلط ' خدا کے قہر و غضب کے خوف ہی کا تھا - جمال و رحمت کی شیفتگی کا نہ تھا - اس منزل تک پہنچنے کیلیے اُسے ابھی کئی ارتقائی منزلیں طے کرنی تھیں -

مذہبی اعمال میں تمام تر دارومدار قربانی اور اسکی بے شمار اقسام پر تھا - علم و حکمت اور رزق و بخشش ہی کا دیوتا کیوں نہو ' لیکن بغیر قتل و ہلاکت کی بھینٹ کے خوش نہیں ہو سکتا تھا - مذہبی اور معبدی رسوم کی کارفرما جماعتیں (یعنی مندروں کے پجاریوں ' معلموں ' رہنماؤں کی جماعتیں) صدیوں سے ایک طاقتور نظام کی شکل میں قائم ہو چکی تھیں - انکے اقتدار و بالا دستی کا اعتقاد مذہبی عقائد کا سب سے زیادہ ضروری عنصر بن گیا تھا - ان معبدی اور اصنامی جماعتوں کے نظام کے قیام نے بھی انسان کے دینی عقائد کی تاریخ میں بہت بڑا حصہ لیا - عوام پر ان کا اقتدار جن وسائل سے قائم رہ سکتا تھا ' ان میں سب سے زیادہ موثر چیز یہی مذہبی قسم کا خوف اور آسمانی قسم کی دہشت انگیزی تھی - اس لیے یہ جماعتیں قدرتی طور پر آسمانی قہر و غضب کی دائمی مبلغ بن گئی تھیں ' اور انسانی دماغ کو خوف و دہشت سے الگ ہوکر ' خدا کے طرف نظر اٹھانے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی - جن لوگوں نے مصر ' ہندوستان ' اور یونان کی معبدی جماعتوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے ' وہ اندازہ کر سکینگے کہ اُس عہد کے دہشت انگیز دینی موثرات میں یہ چیز کس درجہ قوی و فعال رہی ہے ؟

اس دور کے اِس آخری عہد میں پہنچکر ہمارے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ سنین و ایام کے موجودہ حسابات سے اِس کا زمانہ متعین کر سکیں - یہ تقریباً سنہ ۱۷۰۰ قبل مسیح (ع) کا زمانہ ہے - اِس عہد کے کچھہ عرصے بعد سامی دعوت کے قیام و اشاعت کا دور شروع ہو جاتا ہے -

(سامی دعوت کا ظہور)

"سامی دعوت" سے مقصود تورات کی دعوت ہے - تورات کے ظہور کا زمانہ تقریباً (تقریباً اس لیے کہ ایام و سنین کے صحیح تعین میں متعدد تاریخی اور ہئیتی اختلافات حائل ہیں) ۱۶۴۵ - قبل مسیح ہے - تورات کے عبرانی سنین کی جو تقویم آجکل کے علماء فن نے مرتب کی ہے ' بعینہ وہی ہے جو ابو ریحان بیرونی وغیرہ عرب محققین زیج و تقاویم نے مرتب کی تھی - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کا مصر سے خروج مندرجۂ صدر سنہ میں ہوا تھا - اسلیے تقریباً یہی زمانہ حضرۃ موسی (علی نبینا و علیہ الصلواۃ والسلام) کے ظہور اور تورات کے نزول و دعوت کا زمانہ ہے -

(۱) ہرمس کے بارے میں بعض مورخین کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے ' اور اُنکی تقلید سے زمانۂ حال کے بعض مستشرقین یورپ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے - چونکہ یونان اور مصریوں کے عقیدے میں ہرمس علم و حکمت کا دیوتا تھا ' اسلیے متاخرین حکماء نے اکثر علوم و فنون کی ابتدا اُسکی طرف منسوب کردی تھی ' اور بعض کتابوں میں علوم کا تذکرہ اس طرح شروع کیا گیا تھا ' گویا ہرمس کا الہام ربانی بیان کر رہا ہے - جب اِن کتابوں کا عہد عباسیہ میں ترجمہ ہوا تو بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ ہرمس یونان و مصر کے حکما میں سے کوئی حکیم ہے - پھر کوشش کی گئی کہ اُس کا زمانہ متعین کیا جاے - بعضوں نے اُسکا زمانہ ایسا متعین کیا جو حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ تھا - اس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ہرمس اور ادریس ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں - بعضوں نے کہا کہ تورات میں جس "اخنوخ" کا ذکر آیا ہے ' وہی یونانیوں کے یہاں ہرمس کے نام سے مشہور ہے - بعضوں نے دیکھا کہ ہرمس کا تذکرہ مختلف زمانوں میں پایا جاتا ہے اِس لیے انھوں نے تطبیق کی یہ صورت نکالی کہ تین ہرمس فرض کرلیے : کبیر ' درمیانی ' صغیر - حالانکہ سرے سے ہرمس نامی کسی انسان کا وجود ہی ثابت نہیں - وہ محض ایک خیالی شخصیت ہے - جیسی شخصیت ہندوستان میں نظم و حکمت کے لیے بیاس جی کی فرض کر لی گئی ہے - ابن الندیم نے فہرست میں (صفحہ ۲۶۷ و ۳۱۳) جمال الدین قفطی نے تاریخ الحکماء میں (صفحہ ۳۴۶) اور ابن ابی اُصیبعہ نے عیون الانباء میں (جلد ۱ - صفحہ ۱۶) ہرمس کی نسبت جو کچھہ لکھا ہے ' وہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے - ہرمس حکیم کے نام سے جو کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں ' زیادہ تر قدیم فن کیمیا اور احکام نجوم کی کتابیں ہیں - رمل کے ابتدائی خطوط بھی اُسی کے طرف منسوب ہیں - البتہ بیرونی اور حموی کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ فن ہئیۃ و زیج میں بھی اس کے بعض رسائل ترجمہ کیے گئے تھے - عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی سات اقلیموں والی تقسیم جو ایران کے "ہفت کشور" سے لی گئی تھی ' محمد بن ابراہیم فزاری نے اسی کے طرف منسوب کی ہے (معجم البلدان جلد ۱ - صفحہ ۲۶)

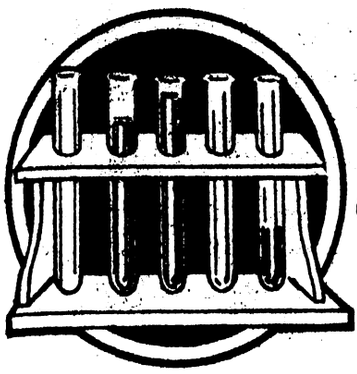

مذاکرہ علمیہ



لاسلکی کا راز

لاسلکي (بے تار کي تار برقي) کی دنیا میں بہت سے ایسے راز ھیں جنھیں علم ابتک حل نہیں کر سکا ھے -

***

مثلاً یہ کہ لاسلکي لہریں ' روشنی سے زیادہ اندھیرے میں تیز چلتي ھیں - لاسلکي سے خفیف سي بھي واقفیت رکھنے والے جانتے ھیں کہ دن سے زیادہ رات میں اُس کي آواز بلند ھوتي ھے - غروب کے بعد لاسلکي لہروں کي رفتار تقریباً دونی ھو جاتي ھے -

علماء اِس مسئلہ کے قطعي حل سے ابتک عاجز ھیں - بہترین توجیہہ جو کي گئي ھے یہ ھے کہ نور اور حرارت کا لاسلکي لہروں سے گہرا علاقہ ھے - کیونکہ یہ دونوں چیزیں اُن موجوں سے پیدا ھوتي ھیں جو اثیر (ایتھر) میں نہایت ھي غیر معمولي سرعت سے بہتي ھیں - اِن موجوں اور خود اثیر کي موجوں میں بڑا فرق یہ ھے کہ اوّل الذکر ' آخر الذکر سے بہت چھوٹي ھوتي ھیں -

ظاھر ھے کہ سطح زمین سے جو اثیر محیط ھے ' وہ دن میں نور و حرارت کي اُن موجوں سے لبریز ھوتا ھے جو سورج سے منفصل ھوتي ھیں - یہ موجیں ' اثیر کي موجوں میں سخت اضطراب پیدا کر دیتي ھیں - اِسکا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ آواز میں بھي اضطراب پیدا ھو جاتا ھے - کیونکہ وہ اثیر ھي کے ذریعہ منتقل ھوتي ھیں -

یہ صرف دن ھي میں ھوتا ھے ' جبکہ نور و حرارت کي موجیں اثیر میں موجود ھوتي ھیں - رات کو چونکہ اثیر اُنسے خالي ھوتا ھے ' اِس لئے اُسکي موجوں میں اضطراب پیدا نہیں ھوتا ' اور چونکہ اُسکي موجوں میں اضطراب پیدا نہیں ھوتا ' اس لیے آواز بھي صاف اور بلند سنائي دیتي ھے -

***

لاسلکي کا یہ راز بھي عجیب ھے کہ اُسکي موجیں ھمیشہ قوسي خط پر چلتي ھیں - گویا زمین کي قوسي سطح کے مطابق اپنا راستہ بناتي ھیں - لیکن نور و حرارت کي موجوں کا یہ حال نہیں ھے - وہ خط مستقیم پر بہتي ھیں - ثبوت یہ ھے کہ مثلاً ایک منارہ تمھیں تیس میل کي مسافت پر سے دکھائي نہیں دیتا - اسکي دو وجہیں ھیں : ایک یہ کہ زمین گول ھے اور اُسکي سطح قوسي شکل کي ھے ' لہذا دور کي بلندیاں افق میں چھپ جاتي ھیں - دوسري وجہ یہ ھے کہ نور کي شعاعیں خط مستقیم پر پھیلتي ھیں اور افق میں چھپي ھوئي بلندیاں ظاھر نہیں کرسکتیں - برخلاف اسکے لاسلکي موجیں پورے نصف کرۂ ارضي تک پھیلائي جاسکتي ھیں ' کیونکہ وہ زمین کي سطح کے مطابق چلتي ھیں -

اِس کي تعلیل علماء کے ایک گروہ نے یہ کي ھے کہ لاسلکي لہروں کي رفتار ' اُس غبار کے ذرات یا اثیر کي وجہ سے قوسي ھو جاتي ھے جو کرۂ ارضي کي فضا میں منتشر اور اُس سے محیط ھے - اُنکا خیال ھے کہ یہ لہریں جب لاسلکي آلہ سے نکلتي ھیں تو ایک عظیم قوت کے ساتھہ بلند ھونا شروع ھوتي ھیں ' یہانتک کہ زمین سے محیط غباري طبقہ تک پہنچ جاتي ھیں - پھر وھاں سے لوٹتي ھیں اور اُسی طرح زمین پر منعکس ھوتي ھیں ' جس طرح آئینہ سے نور منعکس ھوتا ھے - یہ عمل برابر جاري رھتا ھے - گویا یہ لہریں فضا میں پراگندہ ھونے کے لیے بھاگتي ھیں مگر غباري ذرے اُنھیں واپس کردیتے ھیں !

لیکن علماء کا ایک دوسرا گروہ اثیر کے وجود ھي سے منکر ھے - اُسکا دعویٰ یہ ھے کہ جن لہروں کو ھم لا سلکي کہتے ھیں ' وہ فضا میں نہیں بلند ھوتیں - زمین ھي پر بہتي ھیں -

***

یہ لا سلکي راز بھي کچھہ کم حیرت انگیز نہیں کہ بعض علاقوں میں قوي سے قوي لا سلکي آواز بھي ظاھر نہیں ھوتي - یا بہت ھي دھیمي سني جاتي ھے - یہ علاقے اِس فن کي اصطلاح میں " خاموش علاقے " یا " موت کے علاقے " کہلاتے ھیں - ایک امریکي عالم لاسلکي کا بیان ھے کہ وہ ایک مرتبہ لاسلکي آلہ لیکر شمال کي سمت روانہ ھوا تا کہ اِس علم پر تقریریں کرے - لیکن وہ جوں جوں شمال کي طرف بڑھتا گیا ' اُسکا آلہ بھي کمزور پڑتا گیا - اُسے خیال ھوا کہ شاید آلہ میں کوئي خرابي پیدا ھوگئي ھے - چنانچہ نیا آلہ خرید لیا - مگر اُسکي آواز بھي دھیمي ھوتي چلي گئي - یہانتک کہ ایک ایسے شہر میں پہنچا ' جہاں آلہ سے مطلقاً کوئي آواز سنائي نہیں دیتي تھي - وہ سخت متعجب ھوا اور کوئي سبب سمجھہ نہ سکا - مگر برابر سفر کرتا رھا ' یہانتک کہ آلہ سے آواز پیدا ھونا اور بڑھنا شروع ھوگئي - بعد میں اُسے معلوم ھوا کہ آلہ میں کوئی خرابي واقع نہیں ھوئي تھي ' بلکہ " موت کے علاقے " نے اُسے معطل کر دیا تھا -

***

یہ ' اور اِسي طرح کے بعض اور لاسلکي معمے ھیں جنھیں علم ابتک پوری طرح حل نہیں کرسکا ھے - ممکن ھے کہ یہ معمے حل ھو جائیں ' لیکن علم انساني کے معمے اور کائنات ھستي کے راز کبھي حل نہ ھو سکیں گے - انسان دس معمے سلجھاتا ھے ' تو سو نئے معمے اُس کے اضطراب عجز کے لیے پیدا ھو جاتے ھیں - انسان کے لیے اب سے ھزاروں برس پیشتر بھي علم کے معمے تھے ' اب بھي معمے ھیں ' اور شاید آیندہ بھي ھمیشہ معمے باقي رھینگے :

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا -

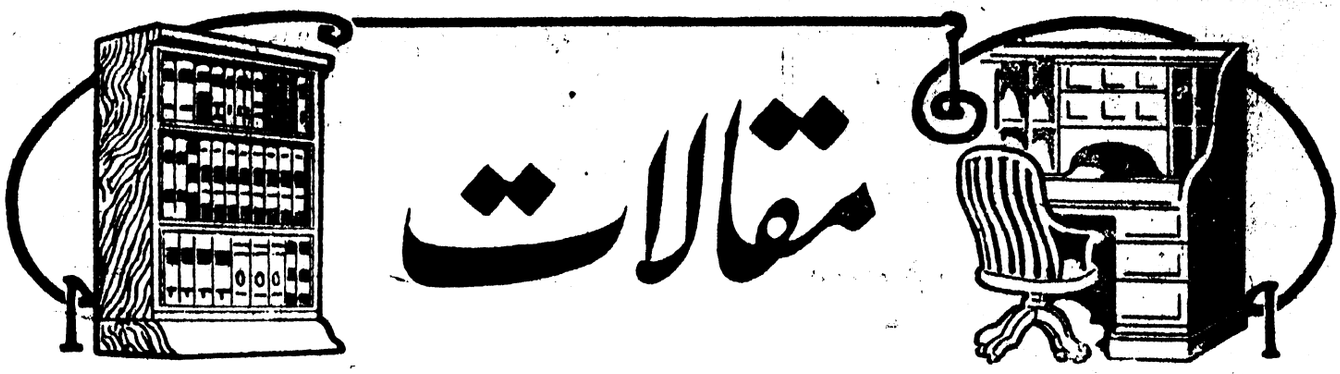

مقالات

مقرر یا سیاسی ؟

(سیاست سے پہلے تربیت)

(مقتبس از بعض رسائل مصر)

ہمارے ہاں " سیاست " سب سے آسان تر کام ہے ' کیونکہ کسی اصول اور قاعدہ کا علم اس کیلیے ضروری نہیں - لوہاری ' نجاری ' جلد بندی ' نعل بندی ' حتی کہ حجامت بھی سیاست سے مشکل ہے ' کیونکہ یہ تمام پیشے اپنے مقررہ اصول اور قواعد رکھتے ہیں ' جنکے جانے بغیر کوئی آدمی انہیں اختیار نہیں کر سکتا - لیکن " سیاست " کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے - جس لمحہ چاہو " سیاسی " ہونے کا اعلان کردے سکتے ہو ' اور سیاست کے نام سے جو بکواس بھی چاہو بلا تامل کر سکتے ہو - کوئی تم پر اعتراض کی جرأت نہیں کر سکتا ' کیونکہ ہمارے ہاں سیاست کسی اصول اور قاعدہ پر مبنی نہیں ہے -

لیکن جو قومیں " سیاست " جانتی ہیں ' اُنکے نزدیک یہ چیز بہت مشکل ہے - اُنکے یہاں اِسکے لیے کچھ اصول و قواعد ہیں ' جن میں کمال حاصل کیے بغیر کوئی آدمی سیاسی نہیں ہو سکتا - اُنکے نزدیک سیاست کی شرطوں میں سے اولین شرط ' اخلاق ہے اور آخری شرط ' کلام یا تقریر ہے - اُنکے یہاں سیاسی ایک خاموش ' پر فکر ' اور کارکن ہستی ہے - اُسکی آواز بازاروں میں سنی نہیں جاتی - مجلسیں اُسکی لفاظی سے نا آشنا ہوتی ہیں - وہ خاموش دریا کی طرح ' بغیر کسی شور و غل کے کام کرتا ہے - اُنکے یہاں سیاسی زیادہ بولنے والے ' کم کام کرنے والے ' اور اپنی شہرت کا ڈنکا بجانے والے کو نہیں کہتے - بلا شبہ اگر اپنے تدبر اور قوت عمل کے ساتھ سیاسی ' قوت خطابت کا بھی مالک ہے ' تو سونے پر سہاگا سمجھا جاتا ہے - لیکن برک ' برایٹ ' اور گلیڈسٹون کی شہرت صرف اُنکی خطابت کی وجہ سے نہ تھی - وہ پہلے سیاسی تھے - پھر خطیب اور مقرر -

بہت سے بڑے بڑے سیاسی ایسے گذرے ہیں جنکی تقریریں مجلسوں میں نہیں گونجتی تھیں - لیکن اُنکے خاموش کام دنیا کو ہلا ڈالتے تھے - اِن سیاسیوں کی فصاحت کا یہ حال تھا کہ جب پارلیمنٹ میں تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے ' تو بہت سے ارکان اُٹھکر سگریٹ نوشی کیلیے چلے جاتے تھے - اور جو بیٹھے رہتے تھے ' انمیں سے بھی اکثر اونگھہ کر خراٹے لینے لگتے تھے - لیکن با وجود اِسکے اُنکے عمل ابتک زندہ ہیں - دنیا کی تاریخ میں اُنکے نام جلی حرفوں میں لکھے ہیں - بر خلاف اسکے بڑے بڑے مقرر جو بادلوں کی طرح گرجتے تھے ' مرتے ہی گمنام ہوگیے !

ڈیوک ولنگٹن مقرر نہ تھا ' بلکہ اپنی کم سخنی کی وجہ سے " خاموش " کے لقب سے مشہور ہوگیا تھا - تاہم " آہنی " کہلاتا تھا ' کیونکہ اُسنے جنگ میں نپولین جیسے فاتح کو تباہ کیا اور حالت امن میں محض اپنی اخلاقی قوت سے اپنے تمام مخالف زیر کر لیے - کوئی نہیں کہہ سکتا کہ خاموش ولنگٹن کا مرتبہ مقرر گلیڈسٹون سے کم تھا -

ہم قوت خطابت کی اہمیت گھٹانی نہیں چاہتے - ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قوت خدا کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت اور قوموں کی اجتماعی زندگی میں ایک ضروری عامل ہے - لیکن ہم اپنی قوم کا یہ اعتقاد غلط ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ " تقریر ہی سب کچھہ ہے " جس کی تقریر موثر ہوتی ہے ' اُسے سب کچھہ سمجھا جاتا ہے ' اور جس کی تقریر کمزور ہوتی ہے ' اُسے کچھہ نہیں سمجھا جاتا - حالانکہ ایک کم علم ' بہترین مقرر ہوسکتا ہے اور علامۂ دوراں ' تقریر کے میدان میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا -

تھوڑے دن ہوئے ' مسٹر بالڈون موجودہ وزیر اعظم انگلستان نے ایک کالج کے طالب علموں کے سامنے تقریر کی تھی - یہ تقریر ہمارے موضوع سے متعلق ہے ' اور اِس لائق ہے کہ عوام اُسے پڑھیں اور فائدہ اٹھائیں - اُنھوں نے نہایت عمدہ طور پر ثابت کیا ہے کہ افراد اور قوموں کی سیاسی زندگی میں تربیت کتنی ضروری چیز ہے ؟

وزیر اعظم نے کہا " تربیت کا سب سے بڑا ثمرہ یہ ہے کہ وہ عقل کو تصنع اور ریا سے پاک کرتی اور حقائق اشیا دیکھنے کا موقعہ بہم پہنچاتی ہے - علم ہمیں بالکل صحیح طور پر فصاحت و بلاغت سے بد ظن کرتا ہے - آزاد ملکوں میں اگر کسی شخص کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھنا ضروری ہے ' تو وہ لچھے دار تقریریں کرنے والا شخص ہے - یعنی وہ شخص جو نیم تعلیم یافتہ بھیڑ کو اپنی لسانی سے مسحور کردیتا اور گمراہی کو خوشنما بنا کر عام کرتا ہے - آزادی کے ہر زمانہ میں سب سے بڑا خطرہ ' یہی گمراہ مقرر رہے ہیں - اِس وقت بھی ہیں ' اور آئندہ بھی رہینگے - ہماری موجودہ آزادی مقدس ہے - ہمیں یقین ہے کہ آزادی ہمارے ملک کے لیے ایک نعمت عظمی ہے - ہم کسی طرح بھی گوارا نہیں کرسکتے کہ ساقط اخلاق کے فصیح البیان مقرر اپنی زبانوں کے زہر سے اُسے مسموم کرڈالیں "

" بچپن میں خوشنما لفظوں اور بلیغ جملوں پر میں عاشق تھا - لیکن اٹھارہ برس کی عمر میں پہنچکر میں نے " فردت " کا یہ قول پڑھا " فن خطابت (تقریر) علمی بدکاری ہے " اُس دن سے میرا عشق ' نفرت سے بدل گیا اور فصاحت و بلاغت پر سے میرا بھروسہ اُٹھہ گیا "

" وزیر اعظم ہونے کے بعد میں نے سنا کہ جماعت کی ایک معزز خاتون نے ' جس سے مجھے تعارف کی عزت حاصل نہیں ' اپنے

دوست سے سوال کیا " کیا تم جدید وزیر اعظم کو مہذب کہہ سکتے ہو؟ مجھے شک ہے ' یہ خاتون " مہذب " کے معنی پوری طرح سمجھتی ہے - لیکن یہ یقینی ہے کہ اُس کے نزدیک تہذیب کوئی ایسی چیز ضرور ہے جس سے انگلستان کے وزیر اعظم کو متصف ہونا چاہیے - اور بلا شبہ یہ بہت عمدہ خیال ہے "

" میرے نزدیک تہذیب ایک ایسا عمل ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا - مدرسہ میں میرا چال چلن بے داغ تھا ' لیکن میں تمہارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے طالب علمی کا زمانہ بے کار ضایع کردیا - جس دن سے مجھے ہوش آیا ' اُس دن سے میں برابر اپنی کمی پوری کرنے میں کوشاں ہوں - میں تم سے سچ کہتا ہوں - دنیا میں کوئی مسرت بھی اُس مسرت کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو علم حاصل کرنے میں حاصل ہوتی ہے - میں آج بھی طالب علم ہوں ' اور سو برس کی عمر حاصل کرنے کے بعد بھی طالب علم رہونگا - اپنے موجودہ منصب سے نکلنے کے بعد میرا اولین فرض یہ ہوگا کہ پوری مستعدی سے علم حاصل کرنا شروع کردوں "

" ہم سب جانتے ہیں کہ کوئی قوم بھی قدرت کی طرف سے متمدن بنا کر نہیں بھیجی گئی ہے - تمام متمدن قوموں نے تمدن و تہذیب کوشش کرکے حاصل کی ہے - تمدن کی راہ مشکلات سے لبریز ہے - تمدن ' تنزل کے خطرہ سے محفوظ نہیں ہے - سینکڑوں قومیں جو کبھی متمدن تھیں ' اپنی غفلت کی وجہہ سے وحشی ہوگئیں - ہمیں اپنی موجودہ تہذیب پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے - یہ تہذیب جو ہم نے خون پانی ایک کرکے اور لگاتار محنتوں کے بعد حاصل کی ہے ' ذرا سی غفلت اور غرور سے تنزل اور پستی سے بدل جا سکتی ہے - محض مادی ترقی اور مادی علم ' تمدن نہیں ہے - تمدن اِس سے بڑھکر کوئی اور چیز ہے - انسانیت کا سب سے زیادہ خطرناک زمانہ وہ ہے جبکہ علم تیزی سے آگے بڑھ رہا ہو ' اور اپنے ساتھہ مادی ترقی ' مادی علم ' اور مادی سامان آسائش عام کر رہا ہو - لوگ بلا محنت کے کھا رہے ہوں ' بے خطر مادی لذتوں سے متمتع ہو رہے ہوں ' اور معنوی ترقی اور روحی اصلاح و تہذیب سے غافل ہوں - میں ڈرتا ہوں ' ہمارا موجودہ زمانہ وہی خطرناک زمانہ نہ ہو ' اور ہماری موجودہ تہذیب کی کشتی مادی خواہشوں کی چٹانوں سے ٹکرا کر غرق نہ ہوجائے "

" تعلیم و تربیت کی اس سے زیادہ کوئی غرض نہیں کہ لوگوں کو اشیاء کی اصلی حقیقت معلوم ہو - ہر چیز کو ویسا ہی دیکھیں ' جیسی وہ ہے ' اور اُسی درجہ میں رکھیں جس درجہ میں اُسے ہونا چاہیے - یہ غرض صرف اُنہیں معلموں کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے جو خود بے غرض ہیں - حق کی تعلیم صرف اس لیے دیتے ہیں کہ وہ حق ہے - حق کو پوری سچائی ' صفائی ' اور دیانت سے ظاہر کرتے ہیں - خود غرض معلم ' سیاسی اغراض کے بندے ' حقیر دنیاوی مقاصد پر حق کو قربان کرنے والے لوگ ' ہرگز حق کے معلم نہیں ہو سکتے - ایسے معلم قوم کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہیں ' اور اِن دجالوں سے قوم کے نوجوانوں کی حفاظت و حمایت ہر محب وطن کا اولین فرض ہے - ہمیں انکی جڑ کاٹ ڈالنی چاہیے اور قوم کو اُن کے شر سے ہمیشہ کے لیے نجات دیدینی چاہیے "

عالم شرق و اسلام

مرحوم سعد باشا زغلول

مصر کی آخری حرکت استقلال کا قائد عظیم

الموت نقاد علی کفہ جواہر یختار منہا الجیاد !

سعد باشا زغلول کے انتقال سے عالم شرق و اسلام کی ایک ایسی شخصیت رو پوش ہوگئی جس مین قوم کی سیاسی قیادت و رہنمائی کی نہایت طاقتور روح نمایاں ہوی تھی - اُس کی رہنمایانہ زندگی کی تاریخ کوی طول طویل تاریخ نہیں ہے - اُس نے اپنی طویل زندگی کے صرف آخری چند سال قوم کی سیاسی رہنمائی میں صرف کیے ' لیکن اِس قلیل وقت کا یہ استعمال ایسا بر وقت اور اس درجہ صحیح و طاقتور تھا ' کہ تاریخ نے فوراً اپنے دروازے کھول دیے ' اور مصر کے قومی رہنما کے لیے اکابر و مشاہیر عالم کی صف میں جگہ طیار کردی - یقیناً وہ ان لوگوں میں سے تھا ' جنکے کارناموں کیلیے تاریخ کے اوراق ہمیشہ منتظر رہتے ہیں !

(مختصر سوانح حیات)

سعد باشا کا سنہ ولادت ۱۸۶۰ع ہے - ان کی طفولیت کے زمانے میں نئی تعلیم کے مدارس نے اس درجہ فروغ نہیں پایا تھا کہ لوگوں کو ان کی طرف توجہ ہوتی - اُن سب کے لیے جو تعلیم کا شوق رکھتے ہوں ' صرف ایک ہی جگہ تھی ' اور وہ جامع ازہر کی درس گاہ تھی - چنانچہ علوم عربیہ و اسلامیہ کی متوسط درجہ تک تعلیم انہوں نے اور ان کے چھوٹے بھائی فتحی بے نے جامع ازہر ہی میں حاصل کی -

ان کی عمر ابھی بیس برس کی بھی نہیں ہوئی تھی کہ قاہرہ میں سید جمال الدین کی علمی مجالس کی شہرت پھیلی - یہ سید موصوف کا مصر میں دوسرا ورود تھا ' اور شیخ محمد عبدہ ان کے نہایت سرگرم شاگرد ہوچکے تھے - سعد زغلول بھی انکی مجالس درس میں پہنچنے لگے ' اور شیخ محمد عبدہ سے اُن کا رشتۂ ارادت و تلمذ قائم ہوگیا - اسی رشتہ نے ان کی اُس تعلیمی ذہنیت میں جو جامع ازہر کے تعلیمی جمود سے پیدا ہوئی تھی ' ایک انقلابی حالت پیدا کردی ' اور نظر و فکر کی نئی نئی راہیں کھلنے لگیں - اُن کی وہ غیر معمولی قوت خطابت و فصاحت جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے معاصرین میں ممتاز رہے ' دراصل شیخ محمد عبدہ ہی کی صحبت و تلمذ کا نتیجہ تھی -

عربی پاشا کی فوجی تحریک جو بہت حد تک سید جمال الدین کی سیاسی تخم ریزیوں کا قبل از وقت نتیجہ تھی ' جب سنہ ۱۸۸۲ میں نمودار ہوئی ' تو شیخ محمد عبدہ حکومت مصر کے سرکاری گزٹ " الوقائع المصریہ " کے محرر اور مطبوعات مصریہ کے مدیر تھے ' اور غالباً سعد زغلول بھی انکے ساتھہ اسی دفتر میں کام کرتے

تھے - چند ماہ بعد جب خدیو توفیق پاشا کی وطن فروشی اور سلطان عبد الحمید کی مذبذب اور متزلزل حکمت عملی کی کمزوری سے " تل الکبیر " کے معرکہ کے بعد انگریزی فوج مصر میں داخل ہو گئی ' تو عرابی پاشا اور محمود باروردی پر مقدمہ چلایا گیا ' اور شیخ محمد عبدہ بھی ان کے ساتھ گرفتار کرلیے گئے - ان کا جرم یہ بتلایا گیا تھا کہ انہوں نے وقائع مصریہ میں ایسے مقالات لکھے تھے جن میں تحریک کی حمایت کی گئی تھی - غالباً سعد زغلول بھی اُن کے تعلق کی وجہ سے مبتلائے محن ہوے لیکن بعد کو رہا کردیے گئے - کیونکہ فی الحقیقت شیخ کے تعلق و تلمذ کے سوا ان کا تحریک میں کوئی حصہ نہ تھا -

اسی زمانہ میں انہیں نئی تعلیم کا شوق ہوا - پہلے فرانسیسی زبان کی تحصیل کی - پھر قانون کا مطالعہ کیا - اور سنہ ۱۸۸۹ میں وکالت شروع کردی - اُن کی غیر معمولی ذہانت اور طبعی استعداد کے ثبوت میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے مصر کی اعلیٰ عدالتوں میں وکالت کرنی چاہی ' تو سرکاری محکمہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا - کیونکہ نہ تو اُنہوں نے باقاعدہ سرکاری مدارس میں تعلیم حاصل کی تھی ' نہ یورپ کے مدارس قانون کی کوئی سند رکھتے تھے - لیکن انہوں نے اپنے استحقاق و اہلیت پر اصرار کیا ' اور کہا " اگر اس معاملہ کا دار و مدار استعداد اور اہلیت پر ہے نہ کہ سند کے ایک پرزہ پر ' تو قانون کا سخت سے سخت امتحان لے لیا جاے - اگر میں یورپ کے سند یافتہ محامیوں سے (مصر میں قانون کے بیرسٹر کو محامی کہتے ہیں) بہتر ثابت ہوں تو میری درخواست منظور کی جاے " یہ واقعہ ہے کہ امتحان لیا گیا ' اور اُن کی قانونی استعداد بہتر سے بہتر معیار پر بھی پوری اُتری !

فقدناه ، والامال ترجو حياته
وفى الليلة الظلماء يفتقد البدر !



فقيد الشرق ' احمد سعد زغلول

انکی غیر معمولی استعداد نے بہت جلد ترقی مناصب کی راہ اُن پر کھول دی - پہلے بعض قانونی مناصب پر مامور ہوے - پھر سنہ ۱۹۰۶ میں اس درجہ شہرت حاصل کرلی کہ وزیر تعلیم ہوگئے -

اسی زمانہ میں مصری مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلی) کے نظام میں وسعت ہوئی ' اور نئے نئے طریقہ رائج ہوے - یہ ہر مرتبہ پر سرکاری مناصب کیلیے ایک اول درجہ کے امیدوار تسلیم کیے جاتے تھے - سنہ ۱۹۱۱ میں مجلس تشریع نے انہیں اپنا رئیس منتخب کیا ' جسپر وہ (غالباً) سنہ ۱۹۱۴ تک قائم رہے -

(سعد زغلول کا سیاسی مسلک)

سعد زغلول کی تعلیمی اور سیاسی ' دونوں زندگیوں کی ابتدا شیخ محمد عبدہ کی تعلیم و تاثیر سے ہوئی تھی ' اسلیے وہ اپنی زندگی کے آخری سالوں تک (یعنی سنہ ۱۹۱۸ تک جبکہ الفواء جنگ کے بعد انہوں نے مصر کے کامل استقلال کا مطالبہ کیا ہے) اُسی مسلک پر گامزن رہے جو واقعۂ عرابی کے بعد خود شیخ محمد عبدہ نے اختیار کر لیا تھا - ہمیشہ اُنکا شمار شیخ کی جماعت کے مخصوص افراد میں رہا - وہ اُن تمام لوگوں میں جنھیں شیخ کی فیض صحبت نے پیدا کیا تھا ' نمایاں اور ممتاز تھے -

شیخ محمد عبدہ مرحوم کا یہ حال تھا کہ وہ فطرۃ کی بہترین دماغی بخششیں لیکر پیدا ہوئے ' لیکن جامع ازہر کی تعلیمی فضا سے کوئی بلند تر تعلیمی فضا حاصل نہ کر سکے - اسی اثنا میں سید جمال الدین مرحوم قاہرہ پہنچے ' اور اُن کے فیض صحبت سے شیخ کے تمام فطری جوہر اُبھر آئے -

سید موصوف کی دعوت اگرچہ تعلیمی اور دینی اصلاح پر مشتمل تھی ' لیکن اُس کا محوری مرکز سیاسی انقلاب تھا ' کیونکہ وہ یقین کرتے تھے کہ اسلام کی دینی روح ' سیاسی روح سے الگ نہیں ہے - انہوں نے مصر میں بھی انقلابی دعوت کی تخم ریزی کی - اُس وقت مصر اسماعیل پاشا کی مسرفانہ اور عیش پرستانہ زندگی سے تباہ ہورہا تھا - اغیار و اجانب کی مداخلتوں کے نئے نئے دروازے کھل رہے تھے ' طالبین اصلاح کی تمام امیدیں ولی عہد مصر توفیق پاشا سے وابستہ تھیں - سید جمال الدین نے توفیق تک رسائی حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ' کہ پہلے خود قاہرہ کے فری میسن لاج میں داخل ہوئے ' پھر کوشش کرکے توفیق کو بھی اس کا گرینڈ ماسٹر منتخب کرا لیا ' اور اس طرح فری میسن کا مخفی اور محفوظ جماعتی دائرہ اپنے اور اُس کے گرد کھینچ لیا - توفیق پاشا سید موصوف کے اصلاحی خیالات سے پوری طرح متاثر ہوا ' اور عہد و اثق کیا کہ با اقتدار ہوتے ہی اصلاح و انقلاب حال کے لیے پوری طرح کوشش کریگا - لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد وہ خدیو مصر ہوا ' اور سید جمال الدین اُن عہود و مواثیق کے ایفا کے طالب ہوئے ' تو پہلے تو لیت و لعل شروع کیا - پھر صاف انکار کردیا ' اور کوشش کی کہ جمال الدین مصر سے نکل جائیں -

سید جمال الدین یہ حالت دیکھکر نہایت متاثر ہوے - اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ جو افراد قوم اور ملک کی نجات کی راہ میں حائل ہوں ' اُنہیں راہ سے ہٹا دینا جرم نہیں ہے بلکہ انسانیت کی خدمت ہے - چنانچہ اُنھوں نے توفیق پاشا کے قتل کی کوشیشیں شروع کر دیں - اور اس کام کے لیے قرعۂ فال اُن کے نوجوان تلمیذ محمد عبدہ کے نام نکلا - شیخ نے اس واقعہ کے بیس برس بعد ایک خط میں جو مسٹر بلنٹ کے نام لکھا تھا ' اقرار کیا ہے کہ توفیق کو قتل کردینے کیلیے وہ طیار ہوگئے تھے - توفیق پاشا قاہرہ سے اسکندریہ جا رہا تھا ' یہ پستول لیکر سڑک پر کھڑے ہوگئے - مگر جب حملہ کا وقت آیا تو

انهوں نے محسوس کیا کہ یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے جس قدر اُنھوں نے ذمہ داري لیتے ہوئے خیال کیا تھا - ان کا دل مضطرب ہوکر رہگیا اور حملہ نہ کرسکے -

اس کے بعد جمال الدین مصر سے نکل جانے پر مجبور ہوئے اور ہندوستان چلے آئے -

عرابي پاشا کے حادثہ میں شیخ محمد عبدہ کو بھی جلا وطني کي سزا دي گئي تھي ' لیکن چھہ سات سال کے بعد جب انھوں نے مصر آنا چاہا تو حکومت نے اجازت دیدي ' اور واپسي کے تھوڑے ھي عرصہ بعد افتاء کے عہدہ پر مامور ہوگئے - اسي عہد سے مصر میں ان کي دیني و تعلیمي اصلاحات کا اصلي دور شروع ہوتا ہے -

لیکن ابتدائي سیاسي زندگی کي ناکامیوں کا جو رد فعل اُن کے اندر پیدا ہوگیا تھا ' ضروري تھا کہ اس کے اثرات ان کے فکري مزاج میں بھي سرایت کرجائے - چنانچہ وہ مدة العمر کے لیے سیاست سے یک قلم علحدہ ہوگئے - اس سے بھي زیادہ یہ کہ مصر میں انگریزي قبضہ کے فوائد کا اعتراف کرلیا ' اور پوري زندگي نام نہاد اعتدال سے بھي زیادہ محتاط سیاسی عقائد میں بسر کردي - انھوں نے اپنے مشہور مقالہ " الاسلام و النصرانیہ " میں سیاست سے اور اُن تمام باتوں سے جو سیاست سے ادنیٰ تعلق بھي رکھتي ہوں ' حتیٰ کہ سیاست کے لغوي مادہ سے بھي ' جو " تعوذ " لیا ہے ' وہ اُن کي فکري حالت کا مظہر ہے -

انھوں نے متعدد مرتبہ اپنے اس مسلک کي تشریح بھي کي تھي - اُنکا خیال یہ تھا کہ انگریزي قبضہ کي وجہ سے اگرچہ مصر نے سیاسي استقلال کو نقصان پہنچا ہے ' لیکن ساتھہ ھي تحریر و تقریر کي آزادي اور تعلیمي و اقتصادي ترقي کے فوائد بھي حاصل ہوے ہیں - ملک کا فرض ہے کہ پہلے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپني تعلیمي اور دیني حالت درست کرلے - پھر سیاسي استقلال کے لیے ساعي ہو - اُنکا جو سیاسي لائحہ مستر بلنٹ نے " مصر کي مخفي تاریخ " میں شائع کیا ہے ' وہ تعجب انگیز حد تک اني سیاسي قناعت پسندي ظاہر کرتا ہے - سنہ ۱۹۰۱ میں اذا خیال تھا کہ مصر کے لیے بڑي سے بڑي چیز جو ہوسکتي ہے ' وہ صرف یہ ہے کہ ایک اچھي قسم کي مجلس تشریع (لیجس لیٹو اسمبلي) اُسے دیدي جاے جسکي ایک بڑي تعداد کے انتخاب کا حق ملک کو حاصل ہو - وہ اس لائحہ میں انگریزي قبضہ کے خلاف ایک لفظ نہیں کہتے -

بہر حال شیخ محمد عبدہ کا سیاسي مسلک اس نوعیت کا تھا ' اور چونکہ سعد زغلول بھي انھي کے تلمیذ اور صحبت یافتہ تھے ' اس لیے سیاسي عقائد میں اس سطح سے بلند نہ ہوسکے - سنہ ۱۹۱۷ تک اُنکي تمام زندگي سرکاري مناصب میں گزري ' اور آزاد قومي تحریکات کے خلاف وہ ویسے ھي ایک سرگرم سرکاري عہدہ دار رہے ' جیسے مصر کے دفتري اقتدار کے تمام دیگر افراد تھے - سنہ ۱۸۹۶ میں جب مرحوم مصطفیٰ کامل پاشا نے حزب الوطني کي بنیاد ڈالي ' تو یہ بھي اسکے ویسے ھي مخالف تھے ' جیسے مصر کے سرکاري حلقہ کے تمام افراد (بہ استثناء خدیو عباس ' کیونکہ وہ مخفي طور پر مصطفیٰ کامل کا سرپرست تھا) مخالف تھے - سنہ ۱۹۰۵ میں جب سید علي یوسف مالک المؤید نے " حزب الامة " قائم کي ' تو اس کے اندر بھي سعد زغلول اور ان کے ساتھیوں ھي کا ہاتھہ کام کر رہا تھا - مقصود یہ تھا کہ حزب الوطني کو شکست ہو - مصطفیٰ کامل پاشا نے جب انتقال کیا اور اُن کي جگہ مرحوم فرید بے حزب الوطني کے رئیس منتخب ہوے ' تو جن لوگوں نے ان کي مساعي کي تخریب میں سرکاري وسائل سے کام لیا ' اُن میں ایک سرگرم اور طاقتور شخصیت سعد پاشا کي بھي تھي - شیخ عبد العزیز شاویش نے جب اللوا کي جگہ حزب الوطني کے لیے " العلم " جاري کیا ' تو جس شخص نے سب سے زیادہ اپنے وسائل کار ان کي مخالفت میں خرچ کیے ' حتیٰ کہ ان کي گرفتاري کے احکام بھي صادر ہوگئے ' وہ سعد پاشا زغلول ھي تھے !

اس سلسلہ میں سنہ ۱۸۹۰ سے لیکر سنہ ۱۹۱۸ تک جو واقعات پیش آئے ' وہ بے شمار ہیں ' اور ایک مقالہ میں اُن کا استقصاء ممکن نہیں - مصر کي سیاسي حالت نے ایک ایسي نوعیت پیدا کرلي تھي کہ اُس میں دو مذہبوں کے سوا عملاً تیسرے مذہب کي گنجایش ھي نہ تھي - یا تو انگریزي قبضۂ مصر سے مصر کو فوراً نجات ملني چاہیے ' یا اسے جاري رہنا چاہیے - یہي دو اصولي اعتقاد " حزب الوطني " اور " حزب الاحتلال " کي شکل میں ظاہر ہوے - حزب الاحتلال کے داعي یعقوب صروف اور فارس نمر اصحاب " المقطم " تھے ' اور حزب الوطني کي صدائیں مصطفیٰ کامل مرحوم کي زبان سے بلند ہوتي تھیں - چونکہ قبضۂ مصر کي صریح موافقت مصري طبائع پر بالطبع گراں گزرتي تھي ' اسلیے ارباب مناصب و موالات اپنے آپکو حزب الاحتلال میں ظاہر کرنے سے جھجکتے تھے ' اور اس قسم کي پردہ پوش توجیہیں کرنے لگتے تھے جیسي ہمیشہ ان حالات میں ضعفاء ہمت اور بیچارگان عزم نے کي ہیں - مثلاً " تدریجي اصلاحات " کا مغالطہ ' " مصالح وقت " کا حیلہ ' " تعلیمي استعداد کي تقدیم " کا فریب خیال ' اور اسي طرح کے حیل و مغالطات ' لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ ان تمام لوگوں کي ذہنیت حزب الاحتلال ھي کي ذہنیت تھي ' کیونکہ بیروني قبضہ کي موجودگي میں صرف دو ھي سیاسي عقیدے کسي ملک کے لیے ہوسکتے ہیں : یا تو قبضہ رہنا چاہیے ' یا اُسے فوراً ختم ہو جانا چاہیے - ان دونوں کے درمیان تیسري راہ ممکن نہیں ! و یریدون أن یتخذوا بین ذلک سبیلا !

(سنہ ۱۹۱۸ میں انقلاب فکر)

بہر حال سعد پاشا کي پوري زندگي جس عالم میں بسر ہوي تھي ' اُس سے قومي و وطني جہاد استقلال کا عالم متصل نہ تھا - فاصلہ پر تھا - لیکن سنہ ۱۹۱۸ میں جب مصر کو ایک رہنماے صادق کي ضرورت ہوي ' تو قدرت الہي نے اِس کا غیر متوقع سامان کردیا اور اچانک سعد پاشا کي طاقتور شخصیت نمایاں ہوگئي - انھوں نے ایک ھي جست میں وہ پورا فاصلہ طے کرلیا جو اُن کے پنجاہ سالہ دور حیات اور مصر کي تحریک حریت و استقلال کے درمیان حائل تھا !

حقیقت یہ ہے کہ اگر زغلول پاشا جیسا شخص جس کي تمام زندگي حکومت کے بڑے بڑے ذمہ دارانہ مناصب میں گزر چکي تھي ' اور جس کے مداحوں میں لارڈ کرومر تک شریک ہوچکے تھے ' اس موقعہ پر مصر کا علم استقلال نہ اُٹھاتا ' تو یہ تحریک اس قدر طاقت و اہمیت حاصل نہ کرسکتي ' جو اُس نے چند ماہ کے اندر حاصل کرلي تھي !

تاریخ و عبر

تاریخ عہد عباسیہ کا ایک صفحہ

محمد الامین اور عبداللہ المامون

حال میں ڈاکٹر احمد فرید رفاعی مصری نے "عصر المامون" کے نام سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب شایع کی ہو اور تاریخ اسلام کے اس اہم عہد کی ذہنی اور مزاجی حالت پر مشرح بحث کی ہو۔ بحث کا ایک اہم موضوع امین اور مامون کی حریفانہ شخصیتیں ہیں۔ اور اُن کی اخلاقی اور نفسیاتی حالت کا موازنہ ہو۔ ذیل میں اُس کا ایک حصہ ترجمہ کے بعد درج کیا جاتا ہو:

محمد الامین

محمد الامین بن ہارون الرشید سنہ ۱۷۰ ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی سال ہارون الرشید کی تخت نشینی کا ہو۔ امین اپنے سوتیلے بھائی، مامون سے عمر میں ۶ مہینے چھوٹا تھا۔

امین کی ماں زبیدہ بنت جعفر بن المنصور ہو۔ لہذا وہ ماں اور باپ دونوں طرف سے ہاشمی ہو۔ اس کے بعد یہ نسلی امتیاز کسی عباسی خلیفہ کو حاصل نہیں ہوا۔

امین کے ہاشمی ماموں کو سلطنت میں بڑا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ خلافت کی طرف دوسرے عباسیوں کی گردنیں اُٹھ رہی ہیں، تو کوشش کی، کہ اُن کا بھانجا امین ہارون کا جانشین ہو۔ چنانچہ عیسیٰ بن جعفر بن المنصور نے (جو امین کا ہوں تھا) فضل بن یحییٰ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ امین کے لئے ولیعہدی کی بیعت حاصل کرے۔ فضل بن یحییٰ برمکی کو خلافت میں جو رسوخ حاصل تھا، محتاج تشریح نہیں۔ ہارون الرشید نے اُسے ایک بڑی فوج دیکر خراسان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ موقعہ اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لئے بہترین موقعہ تھا۔ فضل نے خیال کیا، اگر امین اُس کی کوشش سے تخت خلافت پر بیٹھے گا، تو اُس کا رسوخ سب سے زیادہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اُسنے اپنی تمام قوتیں اس کے لئے وقف کر دیں، فوج کے تمام سپہ سالاروں کو ملا لیا، اور محمد الامین کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا۔ بغیر کسی توقف کے اُس کی پوری فوج نے بیعت کر لی۔ اُس عہد کا شاعر سلم کہتا ہو:

قد بایع الثقلان فی مہد الہدیٰ لمحمد بن زبیدۃ ابنۃ جعفر!

نمیری کہتا ہو:

ببیعۃ لولی العہد احکمہا
بالنصح منہ وبالاشفاق والحدب
قد وکد الفضل عقد الانتقاض لہ
لمصطفیٰ من بنی العباس منتخب

خلیفہ ہارون الرشید کو جب واقعہ کی اطلاع ہوئی تو معاملہ اُسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اہل شرق بیعت کر چکے تھے۔ اب اس کے سوا چارہ کار نہ تھا کہ اسے منظور کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور محمد الامین باضابطہ ولی عہد مقرر ہو گیا۔ ابان اللاحقی کہتا ہو:

غرمت امیر المؤمنین علی الرشد برأی ہدی فالحمد للہ ذی الحمد!

باوجودیکہ امین ہارون کا بڑا لڑکا نہ تھا، لیکن اس طرح بہ آسانی ولی عہد قرار پا گیا۔

امین کی نفسیاتی و اخلاقی تحلیل

مشاہیر عالم کے عہد طفولیت کی تاریخ بھی اُن کی عظمت کے آثار و علائم سے خالی نہیں ہوتی۔ اُن میں بعض قابلیتیں فطری ہوتی ہیں اور بعض تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن ہمارے قدیم مورخین نے اپنی تاریخی شخصیتوں کے عہد طفولیت کی طرف سے عموماً بے اعتنائی برتی ہو اس لئے اُن کی اخلاقی تحلیل اور نفسیاتی کیفیات کی بنیادیں متعین کرنا آج آسان نہیں۔ تاہم ہمیں بیہقی کا شکر گزار ہونا چاہئے جسنے اپنی کتاب المحاسن والمساوی میں محمد الامین کے عہد طفولیت و تعلیم پر کسی قدر روشنی ڈالی ہو۔ اور اسی طرح زبیدہ کا ایک خواب بھی قابل ذکر ہے جسے مسعودی نے مروج الذہب میں روایت کیا ہو۔ ان نامکمل روایتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ امین کو استخارہ کرنے کی خو کیسے پڑی؟ وہ کیوں فصیح، بلیغ، ادیب تھا؟ وہ کیوں لہو و لعب کا دلدادہ تھا؟ کیوں پُرسکون تھا اور خونریزی سے خائف رہتا تھا؟

***

تمھیں معلوم ہو کہ ہارون الرشید نے امین کو فضل بن یحییٰ کی گود میں دے دیا تھا اور مامون کو جعفر بن یحییٰ کی گود میں۔ فضل بن یحییٰ نے امین کے اتالیق ہشیم ابن بشر الواسطی سے کہا تھا "سب سے زیادہ اس بات کی کوشش کرنا کہ اسے خونریزی سے نفرت ہو جائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں خدا اسے سفاک نہ بنائے"، اسی طرح ہارون الرشید نے امین کے معلم، احمر غوی سے کہا تھا "اگر نرمی سے اس کی اصلاح نہ ہو تو سختی کرنا"، اب ہمیں سننا چاہئے خود امین کا یہ معلم اپنے شاگرد کی بابت کیا کہتا ہو؟

احمر کی روایت ہو:

"میں اکثر بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔ حتیٰ کہ اُن اوقات میں بھی اُسے پابند رکھتا تھا جو کھیل کود کے لئے مقرر تھے۔ امین نے اپنی والدہ سے میری شکایت کر دی۔ زبیدہ نے مجھے خط لکھا کہ بچہ کی تندرستی برقرار رہنے کے لئے اُسے چند گھنٹے کی مہلت ضرور دینی چاہئے۔ اسپر میں نے کہا شاہزادہ کا درجہ اب بلند ہو چکا ہو۔ اُس کی شہرت عام ہو گئی ہو۔ امیر المؤمنین کی اُس سے محبت اور سلطنت کی ولیعہدی کا مقتضیٰ یہ ہو کہ اُس کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ یہ سخت نامناسب ہوگا کہ وہ زبان کی فصاحت سے قاصر، قوانین شریعت سے جاہل، اور دقائق سیاست سے غافل رہ جائے۔ کیونکہ حکومت کی بنیادیں یہی ہیں۔ اسپر خادمہ نے آکر مجھے جواب دیا کہ یہ سچ ہو مگر وہ ماں ہو اور ماں کا دل بچے کی تکلیف سے بیچین ہو جاتا ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اسمیں ایک دُر پردہ راز بھی ہو۔ اگر کہو تو بیان کر دوں۔ میں نے کہا ضرور بیان کرو۔ اُسنے کہا میری آقا زبیدہ نے مجھ سے اپنا یہ خواب بیان کیا ہو کہ جس رات امین کا حمل میں نے محسوس کیا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ تین عورتیں آئی ہیں۔ ایک میرے دہنے طرف بیٹھی، دوسری بائیں طرف، تیسری نے میرے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہنے لگی "بادشاہ، بڑی سخاوت والا، بڑا بوجھ اُٹھانے والا، جلد چلا جانے والا" دوسری نے کہا "بادشاہ، کم عمر، صاف دل، عیش پرستی میں پڑنے والا، تیسری نے کہا "بادشاہ، بُرے چلن والا، بہت ضایع کرنے والا، کم جھگڑنے والا، کم انصاف کرنے والا"، زبیدہ کہتی ہو میں خوف زدہ ہو کر بیدار ہو گئی۔ پھر میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔ لیکن جس رات ولادت ہوئی اُس رات وہی تینوں عورتیں مجھے سوتے میں نظر آئیں۔ وہ آئیں اور بچہ کے سرہانے بیٹھ گئیں۔ سب نے ایک ساتھ جھک کر اُس کا منہ دیکھا۔ ایک کہنے لگی "تر و تازہ پودا، نازک پھول، خوشنما چمن، شیریں چشمہ کم باقی رہے گا۔ جلد فنا ہو جائے گا" دوسری نے کہا "بیوقوف، بربادی، تباہی کی طرف دوڑے گا، فساد پر جری ہوگا"، تیسری بولی "اسکی قبر کھودو۔ اس کا کفن قریب لاؤ۔ اس کا جنازہ طیار کرو۔ موت اس کے لئے زندگی سے بہتر ہو" زبیدہ کہتی ہو۔ میں خوف سے سہم گئی۔ منجموں کو بلایا۔ سب نے درازی عمر کی بشارت دی۔ مگر میرا دل برابر خوف سے کانپتا رہا ہو۔ یہ واقعہ بیان کر کے شاہی خادمہ کہنے لگی اے احمر کیا ہمارا خوف، اللہ کی تقدیر کو دور کر سکتا ہو؟ میں نے کہا نہیں"

احمر نحوی کے بعد ہارون نے مشہور امام فن قطرب نحوی کو امین کی تعلیم پر مقرر کیا۔ حماد عجرد، امین پر عاشق تھا اور برابر کوشاں تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُس کا معلم مقرر ہو جائے۔ مگر ناکام رہا کیونکہ اُس کا فسق و فجور مشہور ہو گیا تھا۔ حماد کو اپنے حریف قطرب کی کامیابی پر بڑا غصہ آیا۔ اُسنے خیال کیا یہ منصب اسے اس لئے مل گیا کہ مجھ سے زیادہ ریاکار ہو اور اپنا تہتک چھپانے میں ہوشیار ہے۔ چنانچہ فوراً ایک کاغذ پر چند اشعار لکھے اور خلیفہ کے خادم کو رشوت دیکر آمادہ کر لیا کہ کاغذ، خلیفہ کے قلمدان میں رکھ دیا جائے۔ جب خلیفہ نے قلمدان منگایا تو کیا دیکھتا ہو کہ ایک کاغذ پر یہ اشعار مرقوم ہیں:

قل للامام: جزاک اللہ مغفرۃ
لا یجمع الدہر بین السخل والذیب
السخل غرہم الذیب غفلتہ
والذیب یعلم ما بالسخل من طیب

ہارون رشید نے یہ منظوم رقعہ پڑھ کر کہا "دیکھو یہ معلم کہیں بدچلن نہ ہو۔ اسے محل سے نکال دو"، چنانچہ قطرب نکال دیا گیا اور حماد اُس کا جانشین بنا۔ ستر یا اسی آدمی ہمیشہ اس کی نگرانی کرتے تھے۔

ہم اس قسم کی روایتوں سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ امین کی نشو و نما کیسی خراب ہوئی تھی۔ اور اُس کے مستقبل پر اُسنے کیسا خراب اثر ڈالا تھا؟ امین کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا یہ نقص بھی عظیم ہو کہ اُسے سیاسی پختہ کاری حاصل کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ حالانکہ

پادشاہوں کے لئے یہ چیز لازمی ہی۔ خصوصاً اُس عہد میں جبکہ بادشاہ بالکل مطلق العنان ہوتے تھے۔ اُن کی رہنمائی کے لئے بجز دین اور ذاتی تقویٰ کے کوئی ضابطہ اور قانون موجود نہ تھا۔ ہارون الرشید کو اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں اس کا پورا موقعہ ملا۔ خلیفہ ہادی نے اُسے جنگ روم کا سپہ سالار بنایا تھا۔ بڑے بڑے سپہ سالاروں اور سیاسی مدبروں کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ اسی طرح مامون کو بھی کافی تجربہ حاصل ہوا تھا۔ خراسان وغیرہ بلاد میں وہ برسر حکومت رہا تھا اور پختہ کار ہو گیا تھا۔ لیکن محمد الامین اس تمام سیاسی اور عملی تعلیم و تربیت سے محروم رہا۔ زبیدہ کا لاڈ اور پیار، مصاحبوں کی چاپلوسی، ہاشمی ماموؤں کا دُلار، امین کی ہلاکت کے ابتدائی اسباب تھے۔

چنانچہ تخت نشیں ہونے کے بعد ہم اُسے ایک عیش پرست، مسرف، اور غافل حکمراں پاتے ہیں۔ تخت خلافت پر متمکن ہونے اور عبداللہ المامون کی بیعت حاصل کر لینے کے بعد اُسنے اپنے تئیں لہو و لعب کے حوالے کر دیا۔ خوبصورت لڑکے اور خواجہ سرا محل میں جمع ہو گئے تھے سارا وقت لہو و لعب اور عیش و عشرت میں صرف ہوتا تھا۔ اسی طرف، بعض ناموں کی تصریح کے ساتھ، ایک ہم عصر شاعر اشارہ کرتا ہی:

الا یا مزمن المثوی بطوس — غریباً ما یفادی بالنفوس
لقد ابقیت للحضیان بعلا — تحمل منہم شوم البسوس
فاما "نوفل" فالشان فیہ — وفی "بدر" فیالک من جلیس!
وما "العصمی" بثار لدیہ — اذا ذکروا بذی سہم خسیس
وما "حسن الصغیر" اخس حالا — لدیہ عند مخترق الکؤوس
لہم من عمرہ شطر وشطر — یعاقر فیہ شرب الخندریس
وما للغانیات لدیہ حظ — سوی التقطیب بالوجہ العبوس
اذا کان الرئیس کذا سقیما — فکیف صلاحنا بعد الرئیس
فلو علم المقیم بدار طوس — لعز علی المقیم بدار طوس

عبداللہ المامون

عبداللہ المامون ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ یہی خلیفہ ہارون الرشید کی تخت نشینی کا دن ہی۔ ہارون اس مبارک ساعت میں بچہ کی پیدائش سے بہت خوش ہوا اور اُس کا نام "المامون" (مبارک) رکھا۔ اُس کی ماں "مراجل" ایک کنیز تھی۔ بعض مورخ کہتے ہیں اس کا سلسلۂ نسب ایران کے ایک معزز خاندان سے ملتا ہی۔

مامون نے گہوارۂ خلافت میں پرورش پائی اور اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شروع ہی سے آثار ذہانت و نجابت اُس پر نمایاں تھے۔ بلند ہمت اور اولوالعزم تھا۔ پست خیالات اور رکیک حرکات سے نفرت کرتا تھا۔

مامون میں یہ تمام صفات موجود تھیں، اپنے باپ خلیفہ کا بہت محبوب تھا۔ عمر میں بڑا تھا۔ مگر با ایں ہمہ ولی عہد نہ ہو سکا۔ کیونکہ امین کی والدہ، زبیدہ، کا اثر خلیفہ پر مامون کی ماں سے بہت زیادہ تھا پھر جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، امین کے ہاشمی ماموؤں اور فضل بن یحییٰ برمکی کی سازش نے خلیفہ کو بے بس کر دیا تھا۔ اُسنے طوعاً یا کرہاً امین کو ولی عہد تسلیم کر لیا۔

مورخین نے مامون کی نجابت کے بہت سے قصے لکھے ہیں خود اُس کا معلم ابو محمد یزیدی روایت کرتا ہی:

"میں مامون کا معلم تھا۔ ایک دن قصر خلافت میں گیا اور دیر تک منتظر رہا۔ بار بار آدمی بھیجکر اُسے طلب کیا مگر وہ نہ آیا۔ میں نے اُس کے اتالیق سعید الجوہری سے شکایت کی۔ سعید نے کہا ہاں، سست ہو گیا ہی۔ لیکن باوجود اسکے اپنی سستی کا الزام خادموں کو دیتا ہی۔ جب وہ آئے تو سختی سے پیش آنا۔ چنانچہ جب شاہزادہ میرے روبرو پہونچا، تو میں نے ملامت کی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور ہاتھوں سے ملنے لگا اتنے میں خبر آئی جعفر بن یحییٰ وزیر آرہا ہی۔ مامون نے جلدی سے رومال نکالا، آنکھیں پونچھیں، لباس درست کیا، فرش پر چار زانو ہو بیٹھا، اور پیش خدمت سے کہا "وزیر کو حاضر ہونے کی اجازت دو" میں مجلس سے خوفزدہ اُٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا وہ وزیر سے ضرور شکایت کرے گا۔ مامون نے وزیر سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کی۔ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ ابھی رو چکا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ دونوں باتیں کرتے جاتے تھے اور خوب ہنستے تھے۔ جب وزیر رخصت ہونے لگا تو مامون نے غلاموں کو اُس کی سواری پیش کرنے کا حکم دیا۔ نیز اُس کے رکاب میں چلنے کو کہا۔ پھر مجھے طلب کیا اور فرمایا سبق پورا کر دو۔ میں نے دعا دیکر عرض کیا۔ "میں تو خوف سے کانپ رہا تھا کہ آپ وزیر سے میری شکایت کر دینگے" اُسنے فوراً جواب دیا "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اے ابو محمد! میں خود ہارون الرشید پر بھی یہ کبھی ظاہر نہ کرتا کہ مجھے معلم نے سرزنش کی ہی۔ بھلا وزیر کیا چیز ہی! جو وہم تمھیں پریشان کر رہا تھا وہ کبھی واقع نہیں ہو سکتا اگرچہ سو مرتبہ بھی مجھے تنبیہ کرو۔ خدا تمھیں معاف کرے۔ اب آؤ، پڑھانا شروع کرو!"

بچپن ہی میں مامون غیر معمولی طور پر عقلمند تھا۔ ثبوت کے لئے یہ مشہور قصہ کفایت کرتا ہی۔ ایک دن زبیدہ نے ہارون الرشید کو ملامت کی کہ امین سے زیادہ مامون کی کیوں تعریف کرتا ہی؟ خلیفہ نے کہا اس کا سبب ابھی معلوم ہوا جاتا ہی۔ چنانچہ ایک مصاحب کو حکم دیا کہ جا کر دونوں سے خلوت میں پوچھے "خلیفہ ہو کر کیا کروگے؟" امین نے خوش ہو کر جواب دیا "تجھے مالا مال کر دوں گا" مامون کا جواب یہ تھا "بیوقوف! تو مجھ سے سوال کرتا ہی کہ میں اُس دن کیا کروں گا جب امیر المؤمنین دنیا میں باقی نہیں رہیں گے؟ میری تمنا تو یہ ہی کہ ہم سب اُنپر قربان ہو جائیں!" یہ جواب سنکر زبیدہ ندامت سے خاموش ہو گئی۔

بچپن ہی سے مامون کو پورا احساس تھا کہ وہ ایک جلیل القدر شاہزادہ ہی اور مستقبل میں تخت خلافت پر متمکن ہونے والا ہی۔ چنانچہ شاہی آداب و رسوم کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اس کا یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہی کہ ایک دن اپنے ایک دوسرے معلم حسن اللؤلؤی کے سامنے بیٹھا تھا کہ اونگھ گیا۔ معلم نے کہا "سو گئے؟" مامون نے غضبناک ہو کر آنکھیں کھول دیں اور کہا "قسم رب کعبہ کی میرا معلم محض بازاری آدمی ہی!" پھر غلاموں کو حکم دیا، اسے محل سے نکال دیں۔ خلیفہ نے سنا تو مسرت سے یہ شعر پڑھا:

وہل نبت الخطی الا وشیجہ
وتغرس الا فی منابتہا النخل

انہی اعلیٰ صفات نے مامون کو خلیفہ کا محبوب بنا دیا تھا۔ انہی نے اپنے بھائی کے بعد اُس کے خلیفہ بننے کی سفارش کی۔ انہی نے اُس عہد کے تمام عقلاء و مشاہیر کو اُس سے وابستہ کر دیا تھا۔

شروع ہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ مامون جماعت کا آدمی اور امت کا قائد ہی۔ ایسے آدمی کے لئے ایک بڑی شرط، قوت خطابت بھی ہی۔ قدرت نے مامون کو پوری فیاضی سے یہ قوت بخش دی تھی۔ چنانچہ روایت ہی کہ جب مامون، سن شعور کو پہونچا تو خلیفہ نے بعض فصحاء کو حکم دیا کہ اُس کے لئے خطبہ لکھیں۔ خطبہ طیار کیا گیا اور جمعہ کے دن مامون نے مسجد میں سنایا۔ اُسنے یہ خطبہ اس دلیری، سلاست فصاحت، اور شان سے سنایا تھا کہ تمام حاضرین رونے لگے اور کوئی شبہ نہ کر سکا کہ یہ خطبہ دوسروں نے طیار کیا ہی۔ ابو محمد یزیدی نے فوراً قصیدہ لکھا:

لتہن امیر المومنین کرامتہ — علیہ بہا شکر الالٰہ وجوب
بان ولی العہد مامون ہاشم — بدا فضلہ اذ قام وہو خطیب
ولما رماہ الناس من کل جانب — بابصارہم والعود منہ صلیب
رماہم بقول: انصتوا اعجبا لہ — وفی دونہ للسامعین عجیب!

مامون کی یہی نجابت و ذہانت تھی جسنے ہارون کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔ وہ امین کے لئے مامون سے خائف تھا، اور مامون کے لئے امین سے اندیشہ کرتا تھا۔ وہ دیکھتا تھا، امین کے ہاتھ میں سلطنت کی تمام قوتیں ہوں گی اور وہ اپنے اولوالعزم بھائی کے مٹانے میں کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھے گا۔ دوسری طرف اُسے یہ بھی صاف نظر آرہا تھا کہ مامون، عقلمند، مدبر، بلند ہمت ہی، اور اپنے سادہ لوح بھائی کو آسانی سے تباہ کر ڈال سکتا ہی۔ پھر دونوں کے طرفداروں کی قوت بھی اُس سے پوشیدہ نہ تھی۔ امین کی پشت پر بنی ہاشم اور قریش تھے۔ مامون کی حمایت پر تمام ایرانی عنصر کمربستہ اور کافی طاقتور تھا۔

اس خطرہ کے سدباب کے لئے اُسنے دونوں بھائیوں سے ایک عہد لکھوایا۔ ۱۸۶ھ ہجری میں اُنھیں اور اُنکے بڑے بڑے طرفداروں کو ساتھ لے کر حج کو گیا اور ہزاروں قسموں کے ساتھ یہ عہد، خانۂ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

تمام حالات پر نظر ڈالنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہی کہ ہارون الرشید، مامون کو زیادہ چاہتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہی کہ طوس میں وفات کرتے وقت اُسنے اپنی تمام ذاتی فوج، ہتھیار، اور مال و دولت، مامون کے نام وصیت کر دی۔

پھر مامون کو یہ امتیاز بھی حاصل تھا کہ وہ آدمیوں کو پہچانتا تھا اور اُن کے انتخاب میں ہمیشہ خوش قسمت تھا۔ مامون کے آدمی بھی اگرچہ خود غرضیوں سے خالی نہ تھے، مگر وہ جانتے تھے کہ اُن کا ذاتی نفع اسی میں ہی کہ مامون کامیاب ہو اور خلیفہ بنے۔ ان لوگوں کی وفاداری کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اُن میں اکثر ایرانی النسل تھے۔ اور معلوم ہی کہ مامون کی ماں بھی ایرانی تھی۔ اس لئے قدرتی طور پر اُن کی ہمدردی اُسے حاصل تھی۔

مامون کی خراسان سے غیر معمولی دلچسپی کا بھی یہی راز ہی۔ مامون، نمایاں طور پر خراسانیوں کا طرفدار تھا۔ اُس کی یہ طرفداری لوگوں کو صاف محسوس ہوتی تھی، اور عربی عنصر کی بددلی کا موجب بن گئی تھی۔ تاریخ میں یہ واقعہ ثبت ہی کہ ایک شخص نے مامون سے بار بار کہا "امیر المومنین! شام کے عربوں پر بھی ویسی ہی شفقت کیجئے جیسی خراسان کے عجمیوں پر کرتے ہیں" مامون نے جواب دیا "تم نے مجھے جواب پر مجبور کر دیا۔ سنو، قبیلۂ قیس کو میں اُس کے گھوڑوں پر سے اس طرح اُتار سکا کہ میرے خزانے میں اب ایک پیسہ بھی باقی نہیں رہا (یعنی دولت دیکر اُنھیں اپنی مخالفت سے باز رکھا) رہا یمن، تو نہ میں نے کبھی اُس سے محبت کی اور نہ اُسنے کبھی مجھ سے محبت کی۔ رہا قضاعہ تو اُسکے سردار برابر سفیانی (یعنی ایک حدیث کے موعود پادشاہ) کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُس کی پیروی کریں۔ رہا ربیعہ تو وہ اُسوقت سے اپنے خدا پر خفا ہی جب سے اُسنے اپنا نبی مضر میں پیدا کیا ہی"

مامون کا یہ جواب بڑی حد تک درست ہی۔ لیکن خراسان کی طرف اُس کے میلان کی اصلی وجہ وہی اُس کی فارسیت ہی جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہی۔ اُس کی ماں بھی فارسی تھی اور اُس کی تعلیم و تربیت میں بھی فارسی اثر غالب رہا تھا۔ اسی بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بعض محققین نے مامون کو شیعہ کیوں قرار دیا ہی؟ ہم جانتے ہیں کہ فارسی ماحول، شیعیت سے لبریز تھا۔

۴ اور مامون نے اُسی میں پرورش پائی تھی۔

افسانہ

ماں کی محبت

(مشہور روسی افسانہ نگار "ماگسم گورگی" کے ایک اخلاقی افسانہ کا ترجمہ)

امیر تیمور گورکانی، درہ "کانہول" میں، جو گلاب و یاسمن کے سرخ و سفید پھولوں کے ایک حسین ابر پارے سے چھپا ہوا تھا، عیش و نشاط اور ناؤ نوش میں مشغول تھا ——— سمرقندی شاعروں نے اس درہ کو "پروازِ گل" کے نام سے موسوم کیا تھا ——— اس دلچسپ مقام سے شہر کے تمام آسمان شکوہ، مینار، اور مساجد و معابد کے سبز گنبد بخوبی نظر آتے تھے ——— درہ کی لمبائی کے گرد، پندرہ ہزار رنگین قناتیں، بڑے بڑے پنکھوں کی طرح، زمین پر قائم تھیں، اور اُن پر دیبا و پرنیاں کی رنگین جھنڈیاں ——— ایسا معلوم ہوتا تھا، جاندار پھول ہوا میں تیر رہے ہیں!

تیمور کا خیمہ، ان قناتوں اور چھولداریوں کے درمیان ایک خوبصورت ملکہ کی طرح نظر آتا تھا جو اپنی خواصوں کنیزوں کے حلقہ میں کھڑی ہو ——— اُس کے خیمہ کی قنات، زمین کا مربع حصہ گھیرے ہوئے تھی جس کے چاروں حصے تقریباً سو قدم طویل اور تین نیزوں کے برابر بلند تھے۔ خیمہ بارہ طلائی ستونوں پر قائم تھا جو درمیانی حصے کے نیچے نصب تھے اور اس غرض سے کہ کہیں یہ رنگ و بو کا ارضی ابر آسمان کی طرف نہ اُڑ جائے، پانسو سرخ ریشمین طنابوں کے ساتھ محکم کر دیا گیا تھا۔ خیمہ کے چاروں گوشوں میں ایک ایک چاندی کا بنا ہوا شاہین، جو صنعت کا نفیس ترین نمونہ تھا، بٹھایا گیا تھا ——— خیمہ کے بیچ میں پانچواں شاہین، خود تیمور تھا ——— وہ شہنشاہ جو نہیں جانتا تھا مغلوب ہونا کسے کہتے ہیں؟؟

تیمور کا لباس بہت کشادہ تھا، جو آبی رنگ کی دیبا سے تیار کیا گیا تھا، اس پر پانچ ہزار سے زیادہ مروارید کے دانے ٹکے تھے۔ سر پر سفید اور شکستہ کلاہ جس کے نیچے سے اُس کے سپید و سیاہ بال باہر نکل رہے تھے ——— اُس کی آنکھوں سے، جو چاروں طرف نگراں تھیں، جوش کا خون اُبل رہا تھا!

اُس کی آنکھیں چھوٹی اور تنگ تھیں مگر ہر چیز دیکھ رہی تھیں، دیکھ سکتی تھیں ——— اُن سے زہر کی سی سردی اور خنکی ٹپک رہی تھی۔!

شہنشاہ کے کانوں میں سراندیپ کے عقیق کے دو گوشوارے تھے، رنگ میں حسین و جمیل ہونٹوں سے ملتے جلتے!!

خیمہ میں نہایت نفیس اور قیمتی قالین بچھے تھے جن پر عیش و عشرت کا سامان مہیا تھا۔ ایک طرف ..... مغنیوں اور سازندوں کا ہجوم تھا ——— تیمور کے قریب، اُس کے عزیز اقربا، دوسرے بادشاہ، خوانین، اور فوجی افسر بیٹھے تھے ——— سب سے زیادہ نزدیک، اُس کے دربار کا شاعر "کرمانی" ——— اپنے کیف معنوی میں مخمور نظر آتا تھا!

یہ وہی "کرمانی" ہے جس سے ایک دن تیمور کی اس طرح گفتگو ہوئی تھی:

"کرمانی! اگر مجھے فروخت کیا جائے تو تم کتنے میں خرید دو گے؟" تیمور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پچیس سپاہیوں کے معاوضے میں!" کرمانی کا جواب تھا۔

"یہ تو صرف میرے زریں پٹکے کی قیمت ہے"! تیمور نے غضبناک ہو کر کہا۔

"میں نے بھی تو اسی پٹکے کی قیمت لگائی ہے ورنہ خود آپ کی ذات کے لئے تو کوئی ایک روپیہ بھی نہ دے گا"!!

کرمانی نے بیباکی سے جواب دیا۔

کیسا زبردست اور جابر شہنشاہ! ——— کس قدر دہشت انگیز!! ——— کس درجہ ہولناک!!! ——— اور کرمانی کی یہ بیخوف گفتگو!! کیا اس حق گو شاعر کی شہرت، تیمور کی شہرت سے زیادہ بلند ہونے کا حق نہیں رکھتی؟؟

یکایک ——— اس بزم نوشانوش کے مترنم اور خوشگوار ہنگاموں میں، ایک آواز ——— جس طرح بادلوں سے بجلی کوند جاتی ہے ——— "ییلدیرم بایزید" کے مغلوب کرنے والے کے کانوں میں آئی ———!

یہ آواز ——— ایک عورت کی آواز تھی، جو ایک غضبناک شیرنی کی آواز کی طرح سنائی دی!!

تیمور کے انتقام جو اور زخمی دل کو، جو اُس کے فرزند دلبند کے ضائع ہو جانے کے سبب سے تمام دنیا اور دنیا والوں کے خلاف غیظ و غضب سے لبریز ہو گیا تھا ——— یہ آواز ایک آشنا سی آواز معلوم ہوئی! جام عشرت، اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اُسکے لبوں پر ایک اضطراری لہر دوڑ گئی۔ یہ لہر کہہ رہی تھی "یہ دلخراش آواز کہاں سے آئی"؟

حکم کی تعمیل "بندگان دولت" کی گھبراہٹ نے کی جو چاروں طرف دوڑ گئے تھے ——— شہنشاہ کو جواب ملا "یہ ایک دیوانی عورت کی آواز ہے جو کسی طرح یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ شکل و صورت سے فقیرنی معلوم ہوتی ہے۔ عربی میں گفتگو کرتی ہے اور "فرمانروائے بحر و بر" کی آستاں بوسی کی خواہشمند ہے"!

"فوراً حاضر کی جائے"!!

تیمور نے حکم دیا اور ——— عورت خیمہ میں داخل ہوئی ——— برہنہ پا! پھٹے ہوئے کپڑے! سینہ چھپانے کے لئے اپنی زلفیں بکھیرے ہوئے! چہرہ کا رنگ اُڑا ہوا ——— بغیر کسی کپکپاہٹ کے، جو ایسے باجاہ ——— و جلال اور ہیبتناک شہنشاہ کی موجودگی کا ادنیٰ سا خراج تھا ——— اُسنے دونوں ہاتھ شہنشاہ کی طرف پھیلا دئے اور بیباکانہ ——— خود فراموشانہ لہجہ میں گویا ہوئی:

"کیا تو ہی وہ فرمانروا ہے جسنے سلطان بایزید کو مغلوب کیا؟"

"ہاں میں ہی ہوں ——— میں نے ہی بایزید کو اور بایزید ایسے کئی بادشاہوں کو مغلوب کیا ہے! بتا تو کیا چاہتی ہے"؟

تیمور نے جواب دیا۔

"سن اے امیر! تو جو کچھ بھی ہے اور جس حیثیت میں بھی ہے پھر بھی ایک آدمی ہے! لیکن میں ——— آہ، میں ایک ماں ہوں! تو موت اور ہلاکت کی خدمت کرتا ہے، میں زندگی اور سلامتی کی خدمت کرتی ہوں ——— تو انسان کو ہلاک کرتا ہے۔ میری گود میں اُسکی پرورش ہوتی ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ تیرے عقیدے میں انصاف کرنا، توانائی میں داخل ہے، مگر مجھے یقین نہیں آتا، اور نہیں آئے گا، جب تک تو میری فریاد کو ——— میری داد کو نہیں پہونچیگا۔!"

عورت نے کمال تمکین و وقار کے لہجہ میں کہا "اس لئے کہ میں ایک ماں ہوں! ایک دکھیاری ماں!!"

تیمور نے عورت کی بیخوفی اور بے پروائی کو حیرت سے دیکھا اسکو بیٹھنے کی اجازت دی "میں سن رہا ہوں تم اصل واقعہ سناؤ!"

عورت، شہنشاہ کے سامنے چار زانو ہو بیٹھی اور کہنے لگی "امیر! میں سالرمو کی رہنے والی ہوں ——— تو نے ہرگز اس جگہ کا نام نہ سنا ہوگا کیونکہ وہ دور ہے ——— یہاں سے بہت ہی دور! ..... میرا باپ اور شوہر ماہی گیر تھے، ایک دن بحری قزاقوں نے چھاپا مارا اور" ——— اُسنے روتے ہوئے کہا "دونوں قتل کر ڈالے۔ میرے" ——— اُس کی ہچکی بندھ گئی تھی ——— "میرے لخت جگر کو جو نہایت خوبصورت تھا ———"

تیمور کے منہ سے آہ نکل گئی۔ اسنے دل ہی دل میں کہا "خوبصورت! ..... میرے لڑکے جہانگیر کی طرح! آہ"

عورت نے اپنا قصہ جاری رکھتے ہوئے اور آنکھوں سے سیلاب درد بہاتے ہوئے کہا "بے رحم قزاق میرا لڑکا پکڑ لے گئے، آج چار سال! ——— آہ، پورے چار سال گزرے کہ میں اُس کی تلاش میں دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ہوں مگر کہیں پتہ نشان نہیں ملتا ——— امیر! میں سمجھتی ہوں میرا لڑکا تیرے پاس ہے، کیونکہ بایزید کے لشکر نے اُن بحری قزاقوں کو گرفتار کر لیا تھا اور تو نے بایزید کو شکست دے کر اُس کا سب کچھ چھین لیا ——— ضرور ہے کہ میرا لڑکا تیرے پاس ہوگا اور اس لئے میں چاہتی ہوں تو اُسے میرے سپرد کر دے!"

حاضرین دربار، عورت کی باتوں پر ہنس پڑے "یہ دیوانی ہو گئی ہے"۔

شاعر کرمانی نے کہا "ہاں یہ دیوانی ہے مگر ایک ماں کی طرح"

تیمور نے دریافت کیا "بڑھیا تو کس طرح اس قدر دور دراز راستوں سے اس جگہ آ پہونچی؟ تو نے ایسے ایسے پہاڑ اور جنگل کیونکر طے کئے؟ راستہ میں وحشی لٹیروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے کس طرح بچی؟"

آہ، ماں کی محبت!! ——— !! ماں کی ہمیں پرستش کرنی چاہئے! دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ماں کی محبت کے راستہ میں حائل اور مانع ہو سکے! انسان کے تمام کامل صفات و حسنات ——— سب ماں کے دودھ کی چھاؤں میں پرورش پاتے ہیں ——— !! پھول، آفتاب کے بغیر پیدا نہیں ہوتا! نیک بختی، محبت کے بغیر نصیب نہیں ہوتی! محبت، عورت کے بغیر ممکن

نہیں ـــــ اور شاعر اور سپاہی ـــــ کوئی بھی ماں کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا ـــــ!

مظلوم عورت نے کمر کہا "تیمور! میرا لڑکا مجھے دلا دے!"

شاعر کرمانی بولا "ماؤں کی ہمیں پرستش کرنی چاہیے اس لئے کہ وہ ہمارے لئے بڑے بڑے آدمی پیدا کرتی ہیں، اور آدمیوں کو بلند رتبہ پر پہنچاتی ہیں ـــــ ارسطو، فردوسی، اور ـــــ اسی طرح سعدی اپنی شہد آمیز شیریں زبانی کے ساتھ ـــــ عمر خیام اپنی شراب کی سی زہر آلود رباعیوں کے ساتھ ـــــ سکندر، ہومر، اور بہرام گور ـــــ یہ سب عورت کے، ایک ماں کے بچے ہیں!"

تیمور اُس عورت کی باتوں سے کسی گہری فکر میں چلا گیا۔ پھر سر اُٹھا کر ـــــ اسنے حکم دیا کہ تین سو شہسوار فوراً اُس لڑکے کی تلاش میں روانہ ہو جائیں، جو شخص ڈھونڈھ کر لائے گا اُسے انعام دیا جائے گا ـــــ" پھر اُسنے آہ بھر کر کہا ـــــ میں سمجھ گیا یہ عورت اس قدر بے پروا اور بے خوف کیوں ہے؟ ـــــ چونکہ وہ ماں ہے! ـــــ ایک محبت کرنے والی ماں!! اور کوئی ماں نہیں ہوتی جو محبت نہ کرتی ہو!! لڑکے کے کھو جانے سے اُس کے دل میں آگ سی بھڑک رہی ہے ـــــ ایسی آگ! جو برسوں تک، قرنوں تک، شرارے چھڑک سکتی ہے"

تیمور کے حکم جاری کرنے پر کرمانی کی شاعرانہ اور درد آشنا روح وجد میں آگئی۔ اُسنے فی البدیہہ یہ اشعار موزوں کر لئے:

ماں

یہ کون نغمہ ہے ساری دنیا کے نغمہائے طرب سے شیریں؟
جو آسماں کے ستاروں، باغوں کے پھولوں کا عکس بن رہا ہے
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟
زمانہ کے اہل ذوق میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہوگا
کہ وہ محبت ہے جس سے یہ خاکدان تیرہ سنور رہا ہے!
حریم ہستی مہک رہا ہے!
وہ چیز جو آفتاب نصف النہار اُردی بہشت سے بھی
ہزار درجہ زیادہ اچھی ہے، خوبصورت ہے، خوشنما ہے
کوئی بتائے بھلا وہ کیا ہے؟؟
فضائے شبگوں میں میں نے دیکھے ہیں مسکراتے ہوئے ستارے!
میں جانتا ہوں کہ چشم محبوب سارے پھولوں سے خوشنما ہے!
شراب گوں ہے شراب زا ہے!
میں جانتا ہوں کہ اُس کا اک ہلکا ہلکا سا نازنیں تبسم
دل شکستہ کے حق میں کس درجہ مہر انگیز و مہر زا ہے!
لب تکلم کا معجزہ ہے!
کرشمہ آرائی ہائے احساس حسن کے باوجود اب تک
نہ کہہ سکا کوئی شاعر آخر، وہ نغمۂ دل پذیر کیا ہے؟
جو سب سے بہتر ہے دلربا ہے!!
مگر میں کہتا ہوں اب کہ وہ نغمہ ـــــ آہ، وہ دلگداز نغمہ!
جو ساری دنیا کے سارے رنگیں ترانوں کا اصل مبتدا ہے!
جو قلب فطرت کا آئینہ ہے!
وہ نغمہ ـــــ وہ کائنات کا ـــــ کائنات کا سحر کار دل ہے!!
وہ دل کہ جس کا بیان والوں نے پیار سے نام ماں رکھا ہے!!
وہی محبت کی ابتدا ہے!!
وہی محبت کی انتہا ہے!!

مترجمہ اختر شیرانی۔ لاہور

اقتباس و تراجم

پروپاگنڈا

علم اجتماع نے ثابت کر دیا ہے کہ نوع انسانی کی ترقی درحقیقت اُن تغیرات اور تدریجی انقلابات سے وابستہ ہے جو مختلف تمدنی موثرات کے ماتحت افراد، جماعات، اور اقوام کی زندگیوں میں واقع ہوتے ہیں۔ تمدن کی تاریخ دراصل اُن تدریجی تبدیلیوں کی تاریخ ہے جو تاریخ کے مسلسل زمانوں میں قوموں کی زندگی میں واقع ہوتی رہی ہیں۔

افراد چونکہ فطرۃً اپنے اسلاف کی تقلید کی طرف مائل ہوتے ہیں اور موروثی عقائد و عادات کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر اُس جدت کی مخالفت کرتے ہیں جو موروثی قدامت کو شکست کرنے والی یا اُسمیں تبدیلی کرنے والی ہوتی ہے۔ افراد اگر "جدید" کو قبول بھی کرتے ہیں تو طویل جدوجہد اور اپنے قدیم عقائد و خیالات کے مطابق اسمیں بہت کچھ ترمیم اور تبدیلی کے بعد یہ افراد کی جبلت و طبیعت ہے جس سے وہ مجبور ہیں۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ افراد و جماعت کی زندگی میں تبدیلی بہت آہستہ سرایت کرتی ہے اور انسانی تاریخ میں انقلاب، چیونٹی کی چال چلکر بہت عرصہ بعد رونما ہوتا ہے۔

لیکن کبھی اس تدریجی اور آہستہ رفتار پر ایسے غیر معمولی حالات طاری ہو جاتے ہیں کہ افراد و جماعت کی ذہنیت اُن سے کلیتہً متاثر ہو جاتی ہے۔ طبیعتیں بے خود ہو جاتی ہیں۔ قدامت کا عشق دور ہو جاتا ہے اور جدت سے نفرت زائل ہو جاتی ہے۔ اس ناگہانی تغیر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت تھوڑی ہی مدت میں جست کر کے وہ اُن مراحل کو طے کر ڈالتی ہیں جو عام حالات میں کہیں صدیوں کے سفر کے بعد طے کرتی۔

اُن غیر معمولی موثرات و عوامل میں، جو تمدن کی رفتار پر گہرا اثر ڈالتے اور اُسے سرعت بخشتے ہیں، ایک بڑا موثر سبب "جنگ" ہے۔ گزشتہ عالمگیر جنگ اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ یہ جنگ اگر دنیا کی سب سے بڑی نہیں تو بہت ہی بڑی جنگوں میں سے ایک نہایت ہی ہولناک جنگ ضرور تھی۔ لیکن باوجود اُن تمام مصائب و آلام کے اعتراف کے جو اس جنگ سے پیدا ہوئے، ہمیں اُس نہایت ہی تیز تبدیلی کو بھی تسلیم کرنا چاہیے جو اس جنگ نے مقاشر و اجتماع کی ہر شاخ میں اچانک پیدا کر دی ہے۔ پھر اس تبدیلی سے افراد و جماعات کی زندگی کے ہر شعبہ میں جو عظیم انقلابات طاری ہوئے ہیں اُنھیں بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ دس بارہ سال میں انسانیت نے ترقی کے جتنے مرحلے طے کئے ہیں، عام حالات میں وہ صدیوں کی جدوجہد سے بھی طے نہ ہوتے۔ ان تیز انقلابات و تغیرات نے افراد اور جماعتوں کی ذہنیت پر عظیم اثر ڈالا ہے اور اُسے ایک ایسے قالب میں ڈھال دیا ہے جو سراسر حیرت انگیز ہے حتیٰ کہ چشم بینا دیکھ سکتی ہے کہ آخری چند سال کی دوڑ کے بعد اب انسانیت اُس نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس سے ماضی قریب کو کوئی علاقہ باقی نہیں رہا۔ انسانیت نے اپنے قریبی ماضی سے تمام رشتے تقریباً منقطع کر لئے ہیں۔ اب وہ اُسے مقدس و محترم نہیں سمجھتی اور اُس کی حفاظت میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کرتی جنگ نے یہی نہیں کیا کہ انقلاب کا تنفر دور کر دیا ہے، بلکہ انسانیت کی ذہنیت بھی کچھ ایسی کر دی ہے کہ وہ تبدیلی کی شیدا ہو گئی ہے، اُسے تلاش کرتی ہے، اُسے لینے کے لئے بیچین ہے۔ یہ نئی فکری روح تمام انسانی طبقوں میں کم و بیش عام ہے۔

اس ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ عمل کا ایک نیا طریقہ بھی عام ہو گیا ہے۔ اس طریقہ کو "پروپاگنڈا" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آج یہ لفظ ہر کہہ و مہ کی زبان پر ہے۔ حالانکہ جنگ سے پہلے صرف ایک خاص گروہ میں مستعمل تھا۔ لوگ جب اسے کسی کی زبان سے سنتے یا کاغذ پر لکھا دیکھتے تھے تو اُن کے اندر ایک مبہم خوف سا پیدا ہو جاتا تھا۔ وہ اسے بھی فری میسن وغیرہ پراسرار لفظ کی طرح کوئی خطرناک لفظ سمجھتے تھے!

"پروپاگنڈا" لاطینی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں "بڑھتی، زیادتی، فراوانی" اور اصطلاح میں کسی تحریک کے پھیلانے اور عام کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کی تاریخ یہ ہے کہ ۱۶۲۲ء میں روم کے پوپ گریگورس پانزدہم نے ایک مذہبی انجمن قائم کی اور اُس کا نام یہی رکھا۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ لاطینی قوموں میں مسیحیت پھیلائی جائے۔ کچھ مدت بعد یہ لفظ اُن تمام طریقوں کے لئے مستعمل ہونے لگا جو مختلف مذہبی اور سیاسی انجمنیں اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے کام میں لاتی تھیں۔ ایک طویل زمانہ تک یہ لفظ خواص ہی کے حلقہ میں گردش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ عوام میں بھی اس لفظ کو مقبولیت حاصل ہو گئی اور دوران جنگ میں تو بچہ بچہ نے اسے سنا اور اُس سے نہایت ہی کامیاب نتائج حاصل کئے گئے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ صنعت، حرفت، تجارت، سیاست، مذہب، غرضکہ ہر شعبہ میں یہ لفظ استعمال کیا جاتا اور اُس کے مفہوم سے کام لیا جاتا ہے۔ تاجر اپنی تجارت کے فروغ دینے اور قسم قسم کی تدبیروں سے پبلک میں اُسے مقبول بنانے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں، اُسے بھی "پروپاگنڈا" ہی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مضر تحریکوں اور غلط اصولوں کی اشاعت و تبلیغ میں بھی یہی ہتیار کام میں لایا جاتا ہے۔

یہ محقق ہے کہ افراد اپنے انفرادی ماحول میں، جماعتی ماحول سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار ہوتے ہیں، جماعت کے ماحول میں جانے کے بعد افراد کی ذہنیت بڑی حد تک کمزور ہو جاتی ہے اور وہ ایسے افعال پسند کرنے لگتے ہیں جو اپنے انفرادی ماحول میں ناپسند کرتے علم اجتماع نے صحیح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ جماعت کا دماغ، فرد کے دماغ سے کہیں زیادہ کمزور، پست، اور منفعل ہوتا ہے۔ پس افراد سے

عالم مطبوعات و صحائف

دُنیا کا جدید ترین شہر

آسٹریلیا کا نیا دارالحکومت

زمین کی آبادی، اور روح و دل کی ویرانی!

ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ یہ خبر مشتہر ہو چکی ہے کہ آسٹریلیا کی حکومت مقام کین بیرا میں ایک نیا دارالحکومت تعمیر کر رہی ہے۔ اب ملبورن کے "السٹریٹڈ نیوز" نے اس نئے شہر کے مختلف حصوں کی نہایت دلچسپ تصویریں شائع کر دی ہیں اور ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ان تصویروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ریوٹر ایجنسی کا یہ بیان مبالغہ سے خالی تھا کہ "یہ شہر دُنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ مرتب و منظم شہر ہوگا"

ایک تصویر میں آبادی کا ایک مکمل قطعہ دکھلایا گیا ہے، جس طرح کے قطعات پر پوری آبادی مشتمل ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بے شمار قطعات میں منقسم کر دی گئی ہے۔ ہر قطعہ میں چاروں طرف چھوٹے چھوٹے چمن زار ہیں اور وسط میں مکانات۔ مکانات کا حصہ اور چاروں طرف کے چمن، سب کے سب مربع ہیں۔ مکانات کے مربع قطعہ میں جتنے مکان ہیں، سب کے سب ایک قطع اور ایک درجہ کے ہیں اُن کی تعداد کسی حال میں بھی دس مکانوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح کے ہر قطعے کو ایک محلہ سے تعبیر کیا جائے، تو کہنا چاہئے کہ اس شہر کے ہر محلہ میں چار حصہ سے زائد رقبہ، باغ و چمن کا ہوگا، اور صرف پانچواں وسطی حصہ آبادی کا!

دوسری تصویر میں باغ دکھلائے گئے ہیں۔ ان کی سب سے زیادہ موثر خصوصیت یہ ہے کہ درختوں کی تعداد اور قطار ہر حصہ میں مساوی ہے۔ معلوم ہوتا ہے، سرو قدانِ چمن ایک ہی صورت، ایک ہی وضع اور ایک ہی تعداد میں ہر طرف صف آرا ہیں!

تیسری تصویر میں اُس مصنوعی نہر کا منظر دکھلایا ہے جو دارالحکومت کے مختلف حصوں میں پھیلکر چاروں طرف گردش کرے گی، اور پھر ایک جھیل کی شکل اختیار کر کے پانی اور بجلی کی طاقت کا ذخیرہ بہم پہونچائے گی۔ یہ نہر مصنوعی ہے، لیکن چونکہ انسانی صنعت کا کمال یہ ہوتا ہے کہ فطرت کی سادگیوں سے قریب تر ہو جائے، اس لئے کوشش کی گئی ہے کہ اس کے پیچ و خم اور نشیب و فراز میں قدرتی نہر کی سی شان پیدا کر دی جائے۔ اسمیں شک نہیں کہ تصویر دیکھ کر کوئی نگاہ نہیں کہہ سکتی کہ یہ قدرتی نہر نہیں ہے!

باغوں کی روش میں جاپانی (اور فی الحقیقت اندلسی اور مغلی) طریقہ تزئین و آرائش زمین کا ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یعنے مختلف رنگ کے پتھروں اور سیمنٹ کے ذریعہ روشوں کے دامن اور حواشی بنائے گئے ہیں۔ ہر چمن زار کا حاشیہ سفید ہے۔ اُس کے بعد تھوڑی جگہ چھوڑ کر پھر ایک سفید جدول دوڑا دی گئی ہے۔ دُور سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے، ایک نہایت خوشنما اور خوش اطراف قالین بچھا ہوا ہے!

اس شہر کے حسن و جمال کو زمین کے اُس حصہ کی قدرتی خوبیوں سے بھی بہت مدد ملی ہے جو اس کے لئے منتخب کی گئی ہے۔ یہ سطح سمندر سے دو ہزار فٹ بلند ہے، جو ہندوستان کے اکثر پہاڑی سطح ہائے مسطح کی بلندی ہے۔ اور اس لئے آب و ہوا کافی خنک اور خوشگوار ہے۔ قطعۂ زمین کا پورا رقبہ تقریباً ایک ہزار مربع میل ہوگا۔ اسکے چاروں طرف درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ اور انھوں نے اس سطح مسطح کو نیو ساؤتھ ویلز کے صوبے سے الگ کر دیا ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس نئے شہر کا نقشہ جس امریکن ماہر فن ہندسہ نے طیار کیا ہے، اُسی سے ترکی حکومت نے بھی اپنے نئے دارالحکومت کا کا نقشہ طیار کرایا ہے جو انگورہ میں زیر تعمیر ہے۔ اس ماہر فن کا نام ڈبلیو بارلے گریفن ہے، اور اسوقت فن ہندسۂ تعمیر میں بہترین شخص تسلیم کیا جاتا ہے

اس دارالحکومت کے لئے پارلیمنٹ کی جو عمارت تعمیر کی گئی ہے، وہ عارضی ہے۔ مستقل اور اصلی عمارت بہ تدریج سو برس کے اندر تعمیر ہوگی سو برس کی مدت پر ہمارے قارئین کو تعجب ہوگا، لیکن اُنھیں خیال کرنا چاہئے کہ کسی قوم کے قومی کاموں کی عمر میں ایک صدی کا زمانہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جس قدر فرد کی عمر کے لئے ایک دن!

پچھلی ڈاک کے نیویارک ٹائمز نے بھی اس دارالحکومت کے حالات پر ایک مقالہ شائع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "پارلیمنٹ کی اصلی عمارت سو برس کے اندر مکمل ہوگی۔ ایک نہایت مختصر وقت جو کسی قوم کی زندگی کا ہو سکتا ہے! اس مدت کے اندر آسٹریلین قوم یقیناً ترقی کے اس درجہ تک پہنچ جائے گی، جب ضرورت اور خرچ میں کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکتا!"

امریکن اخبارات نے اسپر جو رائے زنی کی ہے، اُس میں رشک کی جھلک صاف نمایاں ہے۔ سائنٹفک امریکن کا مقالہ نگار لکھتا ہے "کین برا کا نقشہ اُن تمام غلطیوں سے محفوظ ہے جو واشنگٹن کی آبادی کی ترتیب میں ہو چکی ہیں۔ آسٹریلیا کو امریکہ کے مقابلہ میں یہ مزیت حاصل ہوگئی کہ وہ امریکی آبادی سے کئی نسل پیچھے وجود میں آیا اور اُن تمام تجربوں سے فائدہ اُٹھا سکا جو امریکہ کی آبادی سے حاصل ہو چکے ہیں۔ واشنگٹن نہ تو یکساں ہے، نہ مرتب، اور نہ مناسب قطعات میں منقسم۔ لیکن کین برا شہری آبادی کا ایک ایسا کامل جمال ہوگا جس میں تناسب کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی"

پچھلے دنوں اس شہر کا سرکاری افتتاح ہو چکا ہے، لیکن ابھی عام آبادی شروع نہیں ہوئی ہے۔ صرف عارضی سرکاری مکانات آباد ہوئے ہیں۔

لیکن جسوقت ہم انسان کی مادی سعی و جستجو کی یہ داستان شوکت و سطوت پڑھ رہے تھے، تو بے اختیار ہمارا خیال ایک دوسرے گوشۂ فکر کی طرف منتقل ہو گیا۔ افسوس انسانیت کی محرومی پر! زمین کی صورت جس قدر حسین ہوتی جاتی ہے، اُتنی ہی اُسکی روح و معنویت آرائش جمال سے محروم ہوتی جاتی ہے۔ اینٹ، پتھر، اور سبزہ و درخت کی صورت آرائیوں سے اُس کے خال و خط دلفریب بنجا سکتے ہیں لیکن اُسکے جمال روح کے لئے آرائش بہم نہیں ہو سکتی۔ اُس کی روح اور معنویت کیا ہے؟ مجمع انسانی کا حقیقی امن و سکون۔ اُسکی معنوی سعادت و مسرت۔ اُس کے دل کی راحت، اور روح کا قرار اور چین۔ کیا اس کے لئے بھی دُنیا اور دُنیا کی قوموں کے پاس کوئی سعی و اہتمام ہے؟ کیا اسکے لئے بھی کسی ماہر فن کا دماغ اور کسی نقاش کا قلم و پرکار ہے؟ دُنیا کی قومیں باہمدگر رشک و حسد سے مضطرب ہو رہی ہیں۔ ہر قوم اینٹ پتھر کی سربلندی اور لکڑی اور لوہے کی سرفرازی میں دوسرے کو پیچھے ہٹانا اور خود آگے بڑھنا چاہتی ہے۔ لیکن روح و دل کی رفعت و سعادت کے لئے نہ تو کسی کے دل میں رشک ہے، نہ کسی کے دماغ میں طلب۔ آسٹریلیا نے نئے کین برے کا اور ٹرکی نے نئے انگورہ کا نقشہ بنا لیا۔ لیکن افسوس، کوئی نہیں جو انسانی سعادت کی ایک نئی بستی کا اور روح و دل کے سکون و قرار کے ایک نئے دارالحکومت کا نقشہ بنائے! قرآن حکیم نے مادی زندگی کے استعمال و تصرف پر نہیں مگر اُس کے اسی استغراق و پرستش پر بار بار ملامت کی ہے کہ: یعلمون ظاہراً من الحیوٰۃ الدنیا وہم عن الاخرۃ ہم غافلون! (۳۰: ۶)

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

کام لینے اور اُنھیں متاثر کرنے کا سب سے بہتر اور کامیاب طریقہ یہی ہے کہ جماعتی ذہنیت کو متاثر کیا جائے جس کے بعد سرکش سے سرکش افراد بھی متاثر و مغلوب ہو جائیں گے۔ جماعتی ذہنیت کے متاثر کرنے کے طریقوں اور ذریعوں ہی کا نام "پروپاگنڈا" ہے۔

کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ افراد، جو عموماً محب ذات اور خود غرض ہوتے ہیں، ہولناک جنگوں میں ہتھیلیوں پر سر رکھے گھس جاتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ جنگ سے اُن کی ذات کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچے گا، اپنے تئیں موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں؟

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ پروپاگنڈے نے اُنکی انفرادی عقل پر پردہ ڈال دیا ہے اور ایک ایسی جماعتی ذہنیت پیدا کر دی ہے جس کے دھارے پر پڑ کر بے چون و چرا جنگ کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں اسی جماعتی ذہنیت کا نام "عام رائے" ہے۔ اسی عام رائے کے طیار کرنے کی کوشش کو "پروپاگنڈا" کہتے ہیں۔

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ کسی تحریک کے کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اُس کے موافق جماعتی ذہنیت پیدا کی جائے، تاکہ افراد اس ذہنیت سے متاثر ہو کر اُس کے حامی اور طرفدار بنجائیں۔ جماعتی ذہنیت یا عام رائے بنانے کا ذریعہ تقریر، تحریر، اخبارات، رسائل انجمنیں غرضکہ بہت سے طریقے ہیں۔ ان تمام طریقوں کو "پروپگنڈا" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ موجودہ زمانہ میں ہر تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ کارگر ذریعہ "پروپاگنڈا" ہے۔

مطبوعات جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

حال میں ایک کتاب آمریکہ سے شایع ہوئی ہے جس کا نام

The other side of medal

ہے۔ یعنی "تصویر کا دوسرا رُخ"۔ اس کا مصنف ایک مشہور اہل قلم ایڈورڈ طامسن ہے۔ اُسنے یہ کتاب اس لئے لکھی ہے کہ "غدر ۱۸۵۷ء کے اثنا میں برطانی حکام نے جو انتقامی تدابیر اختیار کی تھیں یا حکومت کے جوش ہیبت کے مظاہرے کے لئے جو خون ریزیاں جائز رکھی گئی تھیں، اُن کے واقعات مستند تاریخی مصادر سے اخذ کر کے یکجا کر دئے جائیں، اور اس ہندوستانی غدر کی ہولناک تصویر کا دوسرا رُخ بھی دنیا کے سامنے آجائے"

غدر ۱۸۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ تو وہ تھا جو باغی فوج کے قتل و غارت اور لوٹ مار کی صورت میں دُنیا دیکھ چکی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ وحشیانہ طرز عمل دہلی، لکھنؤ، اور کانپور میں بے گناہ انگریز عورتوں اور بچوں کا قتل تھا۔ تنہا دہلی میں ۵۲ انگریز مقتل تھا۔ باوجود بدمست بہادر شاہ مرحوم کی بیحد محتاطانہ کوششوں کے باغی فوج نے اُنھیں قتل کر ڈالا۔ غالباً ۷ سے لے کر ۱۱ تک (کیونکہ روایات مختلف ہیں) اُن میں عورتیں بھی تھیں۔ لکھنؤ میں بھی غدر کے بعد ۲۵ انگریز قیدی تلنگوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جن میں ایک تہائی تعداد عورتوں کی تھی۔ کانپور میں جاں بخشی کا عہد کرنے کے بعد جو ہلاکر انگریزوں کی کشتیوں پر کیا گیا جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے، وہ نانا راؤ کے حکم سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، لیکن یقیناً حد درجہ کا وحشیانہ فعل تھا۔

مختلف مقامات میں غیر مسلح اور بے پناہ انگریزوں پر انکے فوجی نوکروں نے جو حملے کئے اور عورتیں تک قتل کر ڈالی گئیں، بلاشبہ اخلاقی و انسانیت اُنکے لئے کوئی معذرت قبول نہیں کریگی۔

یہ ۱۸۵۷ء کی تصویر کا ایک رُخ ہے، اور ایک سو سے زیادہ انگریز اہل قلم اُس کی وحشت و ہولناکی کے حال و خط نمایاں کر چکے ہیں!

لیکن تصویر کے دوسرے رُخ کی شہادت کیا ہے؟ وہ اخلاقی انسانیت کا مرقع ہے، یا وحشت و ہولناکی کا؟ پہلے رُخ سے کم ہولناک ہو یا زیادہ؟ دُنیا کی اُن حکمران اور قابو یافتہ قوموں میں جنھیں انتقام و غضب کے موقعہ پر اپنی اخلاقی میزان (کریکٹر) کے مظاہرہ کا موقعہ ملا ہے، انگریزی قوم کس جگہ کی مستحق ہے؟ اُسنے خود ہندوستانیوں کی مدد سے فتحیاب ہو کر ہندوستان کے سب سے بڑے شہروں میں جو قتل عام کیا، اور جس طرح غیر مسلح، غیر محارب، اور یکقلم بے گناہ آبادی تہ و بالا کر دیگئی، تاریخ کو اسکے لئے کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟ یہ سوالات ہیں جو غدر ۱۸۵۷ء کی تاریخ سے قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ اب تک مؤرخانہ نظر و تحقیق کی روشنی اس گوشہ پر نہیں پڑی تھی اس نئی کتاب میں مسٹر طامسن نے سوالات پر روشنی ڈالی ہے، اور کوشش کی ہے کہ مستند اور بے لاگ تاریخی مصادر سے واقعات جمع کر دئے جائیں۔ مصنف کے لئے مشکل تھا کہ وہ اپنے مقصد میں پوری کامیابی حاصل کرتا۔ اسکے پاس حکومت ہند کے سرکاری افسروں اور انگلستان کے بعض غیر سرکاری مباحث کے سوا اور کوئی ذریعہ علم نہ تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذرائع اس بارے میں غیر طرفدار نہیں قرار دئے جا سکتے۔ تاہم تاریخی شہادت کا جسقدر ذخیرہ بھی جمع ہو گیا ہے، اُس سے بحیثیت مجموعی "تصویر کا دوسرا رُخ" نمایاں ہو جاتا ہے۔

اب ہندوستان اُس منزل سے گزر چکا ہے جب اس قسم کے واقعات محض سیاسی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی اصلی حیثیت سیاسی نہیں بلکہ تاریخی ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء صیغہ عظیم واقعہ جسنے ہندوستان کے نئے دور حیات کے ہر گوشے پر اثر ڈالا، ضرورت ہے کہ تاریخ کے سامنے پیش کیا جائے، اور اُسے چھوڑ دیا جائے کہ اپنا فیصلہ ثبت کرے۔

ذیل میں ہم اس کتاب کے بعض ضروری حصوں کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد نے کیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ پوری کتاب کا ترجمہ اُردو میں مرتب کر دیں۔ اُمید ہے یہ ترجمہ پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا۔

آکسفورڈ میں یہ مثل عام طور پر مشہور ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان کے متعلق کسی معمولی درجہ کے ایوان میں بھی لیکچر دے، تو تمام سامعین یک لخت ایوان خالی کر دیں گے۔ ایک زمانہ تھا جب انگریز علماء ہندوستانی علوم و فنون میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ حال ہو کہ ہندوستانی مسائل پر کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تبدیلی کا سبب یہ ہو کہ ہمیں یقین ہو گیا ہو، ہندوستانی ہماری حکومت سے تنگ آگئے ہیں۔ انھوں نے ہمارے حسن انتظام کی قدر نہیں کی۔ ہم اگر اب بھی قربانی کر سکیں تو ہندوستان کو بزور شمشیر قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

لیکن جو شور و غل جلیانوالہ باغ کے قتل عام پر ہوا تھا، اس سے صاف ظاہر ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد سے کہیں زیادہ رحمدل واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ ہم ہندوستان میں دوسرا غدر پیدا کرنا نہیں چاہتے۔

اب ہمارے لائق اور ہونہار نوجوان ہندوستانی ملازمتوں سے گریز کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ معمولی قابلیت کے آدمی ہندوستان جاتے ہیں۔

ہندوستان کے متعلق غلط اور بے بُنیاد پروپیگنڈا یورپ میں پھیلایا جا رہا ہو۔ کہا جاتا ہو کہ اُس کے باشندے محض وحشی اور صحرائی ہیں!

ہندوستانی موروثی نہیں ہیں۔ انہیں واقعات کو سلسلہ وار ترتیب دینا نہیں آتا۔ وہ تحقیق کے نئے طریقوں سے ناآشنا ہیں یہی وجہ ہے کہ آجتک غدر ۱۸۵۷ء کے متعلق ہندوستان میں کوئی تاریخ صحیح شایع نہیں ہوئی۔ حالانکہ دوسری طرف انگریزوں نے اس واقعہ پر سیکڑوں کتابیں لکھ کر مشتہر کیں۔ یہ واقعہ ہو کہ انھوں نے تصویر کا صرف ایک رُخ دکھایا ہو

غدر کے اسباب

عام طور پر غدر کے دو سبب بیان کئے جاتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تمام صوبے یکے بعد دیگرے اپنی حکومت میں ملائے تھے۔ اسواسطے ہندوستانیوں کے دلوں میں کمپنی کے متعلق بہت شکوک پیدا ہو گئے۔ دوسرا سبب وہی چربی والے کارتوسوں کا قصہ ہو۔

اینسن (Ansen) جو ان دنوں کمانڈر انچیف تھا لکھتا ہو "میں نے مشکوک کارتوس دیکھے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ سپاہیوں کے عذرات حق بجانب ہیں۔ مجھے یہ ہرگز خیال نہ تھا۔ کہ ان کارتوسوں کے استعمال میں گائے اور سؤر کی چربی لگائی جائے گی۔ میرے خیال میں ہندوستانی سپاہیوں کے جذبات کی مطلق پرواہ نہیں کی گئی"

یہ کارتوس جو انہیں دنوں میں رائج کئے گئے تھے، سؤر اور گائے کی چربی سے آلودہ ہوتے تھے۔ اور پیشتر اس کے کہ اُنھیں بندوقوں میں ڈالا جائے، دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ اس کارتوس کے چند حصے ایسے سخت ہوتے تھے کہ بغیر دانت کے استعمال کے چلائے نہیں جا سکتے تھے ہندو مذہب میں گائے کا احترام کیا جاتا ہو، جب اُنھیں یہ کارتوس استعمال کرنا پڑے تو سخت رنج ہوا۔ یہی حال مسلمان سپاہیوں کا بھی تھا۔ چنانچہ تمام فوج میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ رسالہ نمبر ۳ مقیم میرٹھ کے ۸۵ سپاہیوں نے ایسے کارتوسوں کے استعمال کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا کورٹ مارشل کیا گیا۔ اور دس دس سال کی سزا دی گئی جس طریقے سے یہ حکم سُنایا گیا تھا وہ تہذیب سے گرا ہوا تھا۔ مصنف موصوف نے اس خوفناک منظر کا نقشہ یوں کھینچا ہو:

"۸۵ سپاہیوں کو گارد کی حراست میں فوجی عدالت کے روبرو پیش کیا گیا اور یہ سخت حکم سنایا گیا۔ اُن کی فوجی وردی اُنکے جسم سے اُتار دی گئی پھر اُسی وقت بیڑیاں پہنائی گئیں۔ یہ نہایت دردناک نظارہ تھا۔ اُن کے ساتھیوں کو اُن کی حالت زار پر ترس آرہا تھا۔ ان قیدیوں میں بہت سے ایسے سپاہی بھی تھے جنھوں نے انگریزوں کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ اور مختلف لڑائیوں میں عدیم المثال بہادری دکھائی تھی۔ تمام قیدیوں نے باواز بلند جرنیل کی منت و سماجت کی کہ اس بے عزتی سے بچایا جائے۔ لیکن کسی نے پروانہ کی۔ جب وہ مایوس ہو گئے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا تمھیں شرم نہیں آتی کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں اور تم خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہو؟ اس دردناک اپیل سے حاضرین کے دل پر گہرا اثر پڑا۔ ممکن تھا کہ وہ کچھ کر گذرتے۔ لیکن توپوں اور بندوقوں کی موجودگی میں وہ کیا کر سکتے تھے؟ ناچار اُنھیں صبر کرنا پڑا۔ لیکن اس واقعہ سے ہر ایک ہندوستانی انگریزوں کے خلاف ہو گیا۔ وہ لوگ جو ان کی خاطر اپنی جانیں لڑاتے تھے، تکلیف اُنکے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

لارڈ کیننگ گورنر جنرل نے اس واقعہ کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہو "یہ ایک ایسا احمقانہ حکم تھا جس کی نظیر ملنی مشکل ہو۔ بغاوت کا آغاز اسی حکم سے شروع ہوتا ہو"

دوسرے دن (یعنی ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء) ایک رسالہ اور دو پیادہ فوجوں نے جیلخانے کے دروازے زبردستی کھولکر اپنے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ پھر انگریز افسروں کے گھر جلائے۔ جہاں کہیں کوئی فرنگی ملا قتل کر دیا گیا، اور اس کے بعد سب کے سب دہلی روانہ ہو گئے جب باغی پلٹنیں دہلی پہنچیں۔ تو وہاں بھی انھوں نے انگریزوں کے قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جب ایک محکوم قوم اپنے حاکموں سے جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہو تو دونوں طرف سے

وحشیانہ حرکات ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے، حتیٰ کہ طاقتور جماعت محض اپنے زور سے دوسری جماعت کو کچل دیتی ہے۔ فرینک ٹرنٹ نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہے "یہ لڑائی دو وحشی قوموں میں ہو رہی تھی۔ انھوں نے رحم و انصاف بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ اگر انھیں کوئی خیال تھا تو صرف یہ تھا کہ کسی طرح انکے دشمن تباہ ہو جائیں۔ دونوں طرف سے سخت مظالم کئے گئے جن پر پردہ ڈالنا ہی مناسب ہے" انگریزی تواریخ نے اپنی حرکات پر تو واقعی پردہ ڈال دیا ہے، لیکن ہندوستانیوں کے مظالم کا بہت بُری طرح سے خاکہ کھینچا گیا۔ سیکڑوں فرضی قصے تواریخ میں درج کئے گئے تاکہ انگریزوں کو انکے پڑھنے سے جوش پیدا ہو۔ آج ہم اس تصویر کا دوسرا رُخ بتاتے ہیں جو تقریباً ۷۰ سال سے لوگوں کی نظروں سے عمداً چھپا دیا گیا ہے۔

پشاور کا واقعہ

۱۵ر جون ۱۸۵۷ء کو پشاور میں ۱۲۰ سپاہی پکڑے گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنے افسروں کو قتل نہیں کیا تھا۔ بہت سے آدمی ایسے تھے جو بغیر کسی مجرمانہ ارادے کے بغاوت میں شامل ہو گئے تھے۔ نکلسن نے ایڈورڈز ڈپٹی کمشنر پشاور کو لکھا تھا کہ میں ۵۵ سکھ قیدیوں کی جاں بخشی کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ مجھے انکے افسروں نے یقین دلایا ہے کہ ان لوگوں نے بغاوت میں مطلق حصہ نہیں لیا۔ باقی کو توپ کے ذریعہ اُڑا دیا جائے۔ سر لارنس نے جواب دیا کہ چونکہ وہ ہمارے دشمنوں کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اس لئے ان پر رحم نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی میں تمام آدمیوں کو پھانسی دینا نہیں چاہتا۔ میرا مدعا صرف یہ ہے کہ ایسی عبرتناک سزائیں دی جائیں کہ عوام الناس ڈر جائیں، میری تجویز یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک تہائی کو سزائے موت دی جائے۔ اور تعداد ان سپاہیوں میں سے چنی جائے جو نہایت سرکش اور گستاخ ہوں۔ یا جن کے خلاف انکے افسر شکایت کریں اگر ان صفات کے آدمی اتنے نہ ملیں جن سے مجوزہ تعداد پوری ہو سکے تو پھر بوڑھے سپاہیوں کو شامل کر لینا چاہئے۔ باقی قیدیوں کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں سزا کسی حالت میں بھی تین سال سے کم نہ ہو۔

لارڈ رابرٹ نے جو ان دنوں لفٹنٹ کے عہدے پر تھا، اپنی والدہ کو ایک خط میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہے "ہم جہلم سے پشاور تک پیادہ پا گئے۔ راہ میں باغیوں کو قتل کرتے رہے اور فوجوں سے ہتھیار لیتے رہے۔ لوگوں پر سزائے موت کا جو توپ سے واقع ہو، بڑا اثر پڑتا ہے۔ یہ بڑا ہی خوفناک منظر ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ان مظالم کے ذریعہ ہم ان بدمعاش مسلمانوں کو بتلا دینا چاہتے ہیں کہ ہم خدا کی مدد سے ہندوستان پر قابض رہینگے"

پنجاب کے واقعات

ایک توپ میں بہت زیادہ بارود بھری ہوئی تھی۔ جب ایک شخص کو اس کے سامنے لا کر رکھا گیا اور توپ چل گئی، تو اس شخص کے سیکڑوں ٹکڑے ہوا میں اُڑ گئے۔ اس کا سر تماشائیوں میں سے ایک کو جا لگا اور کئی آدمیوں پر خون کے چھینٹے پڑے۔ جنرل نکلسن جسے ہم ایام طفولیت میں دیوتا کی طرح پوجتے تھے، ایڈورڈ کو ایک خط میں لکھتا ہے "ہمیں ایک قانون بنانا چاہئے۔ جس کی رُو سے ہم انگریز عورتوں اور بچوں کے قاتلوں کو زندہ جلا سکیں اور زندہ ہی ان کا چمڑہ اُتار سکیں۔ محض پھانسی دینے سے ہمارا جذبۂ انتقام ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں دنیا کے ایک ایسے کونے میں ہوں جہاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکوں۔ مشرقی ممالک کا قاعدہ ہے کہ جب تک لوگوں پر گورنمنٹ کا دبدبہ اور خوف طاری نہ ہو جائے تب تک اسکے فوائد کی قدر نہیں کیجاتی"

کوپر جو امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ لکھتا ہے کہ پنجاب کے تمام افسر ظلم کرنے میں ابتدا کرتے تھے تاکہ لوگ ڈر جائیں۔ اور انتقام لینے کی جرأت نہ کر سکیں۔

ٹامسن نے سر ہنری کاٹن کو چند مسلمان قیدیوں کے متعلق مندرجۂ ذیل واقعہ سنایا تھا۔ "شام کے وقت ایک سکھ اردلی آیا اور سلام کر کے کہا۔ میرے خیال میں حضور قیدیوں کو دیکھنا چاہتے ہونگے۔ میں فوراً حوالات چلا گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ قیدی زمین پر بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ بالکل برہنہ اور آخری سانس لے رہے ہیں۔ انکے جسم کے ہر ایک حصے پر تانبا گرم کر کے نشان کئے گئے تھے۔ مجھے اُن کی حالت پر رحم آیا اور پستول سے قتل کر دیا تاکہ جاں کندنی کی تکلیف سے بچ جائیں"

جب کاٹن نے یہ درد انگیز واقعہ سنا تو ان سے پوچھا پھر تم نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جنھوں نے یہ وحشیانہ حرکت کی تھی؟ ٹامسن نے جواب دیا۔ میں نے کچھ نہیں کیا!

وحشیانہ قتل و نہب

غدر کے دنوں میں ہر ہندوستانی سپاہی کے خلاف الزام تھا کہ اسنے انگریز بچوں اور عورتوں کے قتل میں مدد دی ہے۔ خواہ وہ کسی جگہ پر ہو اور کتنا ہی بے علاقہ ہو۔ اگر کوئی انگریز دہلی میں قتل کیا گیا ہو، تو لاہور اور پشاور کے ہندوستانی سپاہی بھی قابل گرفت تھے،

ایک چشم دید گواہ لفٹنٹ مجنڈی بیان کرتا ہے "ایک دفعہ سکھ اور انگریز ایک زخمی قیدی کو سنگینوں سے مار رہے تھے۔ لیکن کوئی ضرب مہلک ثابت نہ ہوئی۔ اسواسطے دو تین لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی گئی، اور اُسے اس آگ میں پھینکا گیا۔ سکھ اور انگریز یہ خوفناک منظر بڑے مزے لے لے کر دیکھ رہے تھے"۔ رسل نے بھی جو ٹائمز لندن کا نامہ نگار تھا۔ اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے "میں نے اس قیدی کی جلی ہوئی ہڈیاں بھی اس جگہ دیکھی تھیں"

سب سے پہلے اسی رسل نے ان وحشیانہ حرکات اور مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ چنانچہ وہ اپنی ڈائری میں لکھتا ہے "یہ انتقامانہ سزائیں مثلاً مسلمانوں کو سؤر کے چمڑے میں ڈال کر سی دینا اور قتل کرنے سے پہلے انکے منہ میں سؤر کی چربی ڈالنا، اور ہندوؤں سے انکے خلاف مذہب حرکات کرانا، انسانیت کے خلاف اور تہذیب سے گری ہوئی حرکتیں ہیں۔ ان سزاؤں سے بڑے خوفناک نتائج پیدا ہونگے جو ہمارے واسطے مہلک ثابت ہونگے"

جب ان مظالم کی حد ہو گئی تو گورنر جنرل نے ۳۱ر جولائی ۱۸۵۷ء کو ایک مفصل حکم جاری کیا جس کی رُو سے دیہات کا جلانا اور نہتے آدمیوں کو بغیر کسی ثبوت کے سزا دینا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ ان افسروں سے سزائے موت کے اختیارات بھی چھین لئے گئے جنھوں نے اندھا دھند یہ اختیارات برتے تھے، ۲۸ر اگست کو جان گرانٹ صوبجات وسطی میں گورنر بنا کر بھیجا گیا تاکہ الہ آباد اور دیگر مقامات میں بیشمار آدمیوں کی پھانسی کی سزا ملتوی کر دے۔ انگریزوں نے کیننگ اور گرانٹ کے خلاف بہت شور مچایا کیونکہ انھوں نے بہت سے آدمیوں کو پھانسی سے بچایا تھا۔

ایک دفعہ اگست کے دنوں میں ایک انگریزی فوج دیہات جلا کر واپس آ رہی تھی۔ راہ میں چند وفادار سپاہی مل گئے۔ مگر انھیں بھی سنگینوں سے مار دیا گیا۔

یہ مسلمہ امر ہے، کہ بہت سے سپاہی محض خوف کی وجہ سے بھاگ گئے اور پھر بغاوت پر مجبور ہو گئے۔ اگر ہم نے ابتدا میں مظالم نہ کئے ہوتے تو فساد دور تک نہ پھیلتا اور لوگ رحم و انصاف سے مایوس ہو کر باغی نہ ہو جاتے۔

ایک پادری کی بیوہ بڑے فخر سے لکھتی ہے "اُسنے بہت سے قیدیوں کو گرفتار کرنے پر مامور کیا۔ لیکن چونکہ یہ کام اُنکے مذہب کے خلاف تھا اس لئے سنگینوں کی نوک سے کرانا پڑتا تھا۔ بعض قیدیوں نے بڑی جلدی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انھیں خیال تھا۔ کہ وہ اس طرح پھانسی سے بچ جائیں گے۔ لیکن اُن کی یہ غلط فہمی فوراً دور ہو گئی۔ کیونکہ بالآخر سب کو پھانسی دی گئی!"

مجنڈی ایک جگہ لکھتا ہے "میں نے وہ رات مسجد (یعنی جامع مسجد دہلی) کی ناکہ بندی میں گزاری اور رات کا بہت سا حصہ اُن قیدیوں کے قتل کرنے میں خرچ کیا۔ جو دن کے وقت پکڑے گئے تھے۔ بہت سے آدمیوں نے مرتے وقت ایسی شجاعت اور متانت دکھائی کہ ہم بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے"

ایک انگریزی افسر جو دہلی کے محاصرہ میں موجود تھا، لکھتا ہے "دشمن نے صلح کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انگریز صلح کے خواہشمند نہیں ہیں۔ وہ تو قتل عام سے خوش ہوتے ہیں"

جب میجر رینا ڈ کانپور کے لئے کوچ رہا تھا، تو جرنیل نیل نے اس کو مفصلہ ذیل ہدایات بھیجیں جو قابل غور ہیں "ان دیہات کو جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہے، تباہ کر دیا جائے۔ جن محلوں میں پٹھان بود و باش رکھتے ہیں اُنھیں مسمار کر دیا جائے اور باشندے قتل کر دیئے جائیں۔ باغی پلٹنوں کے تمام سپاہیوں کو پھانسی دی جائے چونکہ فتحپور نے بغاوت کی ہے، اس لئے اس پر بھی حملہ کیا جائے اور تباہ کر دیا جائے۔ اگر ڈپٹی کلکٹر گرفتار ہو جائے تو اسے پھانسی دے دی جائے اور اس کا سر شہر کی کسی بلند عمارت پر لٹکایا جائے"

بیگم اودھ نے ۵۸ء کے ایک اعلان میں یہ فقرہ لکھا تھا "کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا کہ انگریز کوئی جرم معاف کر سکتے ہیں"

۵۰ ہزار جانوں کا قتل

آخر کار کیننگ اور جان لارنس نے بھی اس قتل عام کے روکنے کی کوشش کی۔ ڈزرائیلی (یعنی لارڈ بیکنس فنلڈ) نے تو ابتدا ہی سے اس کے خلاف آواز اُٹھائی تھی۔ جب انگریزوں کا غضب جوش پر تھا تو اسنے ایک تقریر کے دوران میں کہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہماری فوجیں ہندوستان کے لوگوں سے خوفناک انتقام لیں گی۔ لیکن میں ان انگریز حاکموں کے اس طرز عمل سے بالکل متفق نہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہم غیر ممالک میں بجائے انصاف کے انتقام کے زور سے حکومت کریں۔ میں ظلم کے بدلے میں ظلم نہیں کرنا چاہتا"

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا "لوگ انتقام پر تلے ہوئے ہیں، اور وہ لوگ بھی جنھیں اپنے ماتحتوں کے روبرو بہتر مثال قائم کرنی چاہئے تھی، اس جوش سے خالی نہیں۔ میں جب اپنے لوگوں کی حرکات دیکھتا ہوں تو شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہو جاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ ان لوگوں نے کس طرح چالیس پچاس ہزار آدمی قتل کر دیئے" ملکہ وکٹوریہ نے اس خط کا جواب یہ دیا تھا "لارڈ کیننگ کو یقین کرنا چاہئے کہ میں بھی انگریزوں کی ان وحشیانہ حرکات پر سخت نادم ہوں اور خاصکر انگلستان کی پبلک پر، جسنے برطانوی فوجوں کی کارگزاری بنظر تحسین دیکھی ہے"

چونکہ لارڈ کیننگ نرم دل اور کمزور تھا اس لئے وہ وقت پر انگریزوں کا جوش ٹھنڈا نہ کر سکا۔ اس کے ماتحت اس کے اختیار سے باہر تھے۔

قتل و نہب کی مطلق العنانی

سر جارج کیمبل اپنی سوانحعمری میں لکھتا ہے "میں نے مارشل لا کے متعلق بہت دفعہ سنا ہے لیکن میں ابھی تک اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ ہندوستان میں ان دنوں اس کا جو مطلب سمجھا گیا تھا، وہ یہ تھا کہ ہر ایک فوجی کو کھلی اجازت تھی وہ جسے چاہے قتل کرے یا جس سے

جو کچھ چاہے چھین لے۔ کوئی روک ٹوک نہ ہوگی"

لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے ۶ر جون کو بعض صوبجات میں مارشل لا نافذ کیا تھا۔ گورنمنٹ کو چاہئے تھا کہ اس قانون کے استعمال کی سختی سے نگرانی کرے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ گورنمنٹ نے اس معاملہ میں سخت کمزوری دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ماتحت افسر بلا روک ٹوک مظالم برپا کرتے رہے۔ اور بغیر کسی تفتیش کے قتل عام جاری رہا۔

مسٹر رسل ٹائمز کا نامہ نگار ایک جگہ لکھتا ہے" اس غدر میں صرف سپاہیوں نے بغاوت کی تھی۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ صرف وہی لوگ قتل کئے جاتے جنھوں نے اسمیں حصہ لیا تھا، لیکن اُن آدمیوں کو قتل کرنا جن کی ان فوجوں سے محض ہمدردی تھی، ایک نہایت بُزدلانہ فعل تھا۔ اگر کوئی باغی فوج کسی شہر میں مقیم ہوگئی تھی تو اسکے باشندوں کو محض اس بنا پر قتل کرنا، کہ کیوں انکے شہر میں باغیوں نے ڈیرا ڈالا؟ کتنا وحشیانہ فعل ہے؟ یہ مسلم ہے کہ شہر کے باشندوں نے عام طور پر انگریزوں کے بچانے میں مدد دی تھی۔ لیکن پھر بھی انگریزی فوجوں نے ان کی قدر نہ کی، اگر انگریز صرف باغیوں کو قتل کرتے تو پھر وہ حق بجانب ہوتے۔ لیکن بے شمار بے گناہ لوگوں کو محض اسوجہ سے قتل کیا گیا، کہ وہ ہندوستانی تھے" (باقی آیندہ)

ص بوسہ لوں گا، اگرچہ وہ میرے جانی دشمن ہی کا ہاتھ کیوں نہ ہو۔

خود اعتمادی

خود اعتمادی، خود اختیاری وصف نہیں ہے، بلکہ پیدائشی صفت ہے، خود اعتماد آدمی اگر یہ وصف دُور بھی کرنا چاہے تو دُور نہیں کر سکے گا۔

میری دشمنی

میں نے اگر کسی سے دشمنی کی ہے تو صرف اپنی قوم کی مصلحت کی وجہ سے۔

رُو رعایت

قومی حقوق میں رُو رعایت دخل نہیں پا سکتی۔

ناکامی

شریر قوت نے جو کچھ جمع کیا ہے، بکھر جائے گا۔ طمع نے جو کچھ جوڑا ہے، ٹوٹ جائے گا۔ جس کی بنیاد جھوٹ پر ہے، وہ یقیناً گر پڑیگا!

ناکامی کی علت

ناکامی کی اصلی علت، کارکنوں کی باہمی بے اعتمادی ہوتی ہے۔

صبر و برداشت

ہاں ہم پر مصائب بیشمار ہیں۔ لیکن وہی قوم زیادہ عظمت حاصل کرتی ہے جو زیادہ مصائب برداشت کر سکتی ہے۔

برطانیہ کی ضرورت

اگر برطانیہ کو مصر کی ضرورت ہے، تو مصر کو اُس سے کہیں زیادہ اپنی ضرورت ہے۔

قوت

اگر ہم طاقتور ہوتے تو کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ مصر ہمارے قبضہ میں رہنا چاہئے!

منفعت

اگر ملکیت میں منفعت کا اصول تسلیم کر لیا جائے، تو دُنیا تہ و بالا ہو جائے۔ کیونکہ ہر شخص کی منفعت اسی میں ہے کہ ساری دنیا کا مالک بنجائے۔

عمل اور قربانی

کوئی عمل حق ضائع نہیں ہوتا۔ کوئی قربانی رائگاں نہیں جاتی۔

ضرورت اور قوت

کسی زمانہ میں بھی ضرورت، قانون نہ تھی۔ کسی وقت میں بھی قوت حق کا معیار نہ تھی!

ظلم

ہر ظلم اپنے دامن میں مظلوم کے لئے خوشخبری اور ظالم کے لئے سزا چھپائے ہوتا ہے!

ادبیات

سعد پاشا زغلول کے اقوال

مرحوم احمد سعد پاشا زغلول کو مصر میں جو رسوخ و عظمت حاصل ہوئی اُس میں اُن کی دوسری قابلیتوں کے علاوہ اُن کی قوت خطابت اور بلاغت تحریر کو بھی بڑا دخل تھا۔ ذیل میں اُن کے بعض اقوال کا ترجمہ دیا جاتا ہے جو ضرب الامثال کی طرح مشہور ہوگئے ہیں:

کامل آزادی

مصر، کامل آزادی کا مطالبہ کرتا ہے، کیونکہ آزادی، قوموں کا پیدائشی حق ہے۔

نا اُمیدی

اسوقت ہماری حالت کیسی ہی ابتر ہو، مگر ہماری قوم جیسی کوئی بڑی قوم، کبھی اپنی قسمت کی طرف سے نا امید نہیں ہو سکتی!

حاکم و محکوم کی مصلحت

حاکم قوم کی مصلحت ہمیشہ اُس کی محکوم قوم کی مصلحت سے متضاد ہوا کرتی ہے۔

عہدے کی خواہش

اپنے آزاد وطن میں ایک حقیر فرد رعایا بن کر رہنا مجھے اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ اجنبی حکومت کے ماتحت بڑے سے بڑے عہدے پر مقرر ہوں۔

مادی قوت

مادی قوت، قوم کے ارادے پر کبھی غالب نہیں آسکتی۔

صحیح تحریک

ہر صحیح تحریک ضرور کامیاب ہوتی ہے۔

زمانے کے انقلابات

زمانے کے انقلابات دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنا دیتے ہیں۔

سیاسی اتفاق

مصر اور انگلستان کے درمیان اتفاق کے معنی صرف ایک ہیں۔ یعنی مصر کی کامل آزادی۔

انتہا پسندی

آزادی کے طلبگار، انتہا پسند نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو ایک ابتدائی چیز ہے۔ غلامی پسند کرنے والے البتہ انتہا پسند ہیں، کیونکہ غلامی ذلت نفس کی انتہا ہے!

قومی روح

قوم کی روح نہ جنگی قوانین سے مغلوب ہو سکتی ہے، نہ ظلم سے، نہ دُنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت کی قوت سے۔

اصول نہ کہ اشخاص

اگر سعد، قومی اصول سے ہٹ جائے تو اسے گرا دو!

نکتہ چینی

میں اپنی ذات پر نکتہ چینی سُنکر خوش ہوتا ہوں، اگرچہ وہ جھوٹی ہی ہو۔

ابنائے وطن کو نصیحت

ابنائے وطن! تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ میری نگرانی کرے۔ صرف سعد ذمہ دار نہیں ہے، وطن کا ہر فرزند ذمہ دار ہے۔

قومیت

یہ دیکھ کر میری مسرت بے حساب ہو جاتی ہے کہ مصر میں صرف ایک ہی فرقہ موجود ہے، اور وہ مصری قوم ہے۔

قومی زندگی

یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ جماعتوں کا سوال نہیں ہے۔ یہ قومی زندگی کا مسئلہ ہے!

میٹھے بول

انگریز، گفتگو میں بڑے ماہر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ میٹھے بول ہمیں مسخر کر لیتے ہیں!

ہمارا مطالبہ

ہمارا مطالبہ کچھ بہت لمبا چوڑا نہیں ہے۔ ہمارا مطالبہ صرف ایک لفظ ہے" آزادی!"

سعد کی زندگی

سعد، مر کر بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیونکہ ہر مصری، سعد ہے، بلکہ سعد سے بھی زیادہ!

مصری قوم

آج مصری قوم وہ نہیں ہے جو کل تھی۔ آج مسلم اور غیر مسلم الگ الگ نہیں ہیں۔ سب ایک قوم ہیں اور صرف ایک خواہش رکھتے ہیں۔ یعنی آزادی! اور وطن!

عداوت

میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرے دل میں کسی آدمی کی بھی عداوت پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ عداوت، کمزوروں کا اخلاق ہے۔

قومی عزت

میں کہہ چکا ہوں، کہتا ہوں، کہتا رہوں گا کہ جو عزت میری قوم نے مجھے دی ہے، وہ میرے لئے قابل فخر ہے۔

میرا دل

میرے دل میں نہ حسد ہے، نہ کینہ ہے۔ میرے دل میں قومی امانت نے کسی چیز کے لئے بھی جگہ خالی نہیں چھوڑی ہے۔

آزادی کا استحقاق

جو قوم اپنے فرزندوں کا خون اس لئے بہتے دیکھتی ہے کہ وہ آزادی چاہتے ہیں اور پھر خاموش رہتی ہے، وہ یقیناً آزادی کا استحقاق نہیں رکھتی!

وزارت

ہم وزارت کے دشمن نہیں ہیں۔ لیکن غیر قومی وزارت دیکھ نہیں سکتے۔

میرا اخلاق

میں چلانے والا ہوں، سازشی نہیں ہوں۔

میری آرزو

آزادی، میری آرزو ہے۔ جو ہاتھ بھی آزادی لائے، میں سب سے پہلے اُسکا

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن وصنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دُنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب ومشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویریں، پُرانے سکے اور نقوش، پُرانے زیور، آرائش وتزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی عجائب ونوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط وکتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دُنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف وسعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے

دُنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

باایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

برِ اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط وکتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

یاد رکھئے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ سے ملیگا

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اہم باسمی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہو اور جس کو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرا لیا گیا ہو۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپکی مسلسل و پیہم شتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہو لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہو کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہو کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہو۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہو؟ اعلیٰ قسم کے نواکہات مثل انگور، سیب، رنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہو جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہو۔ مفرح قلب ہو۔ خوش ذائقہ ہو۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہو۔ اختلاج قلب، درد سر و دوران سر، متلی وغیرہ کی شکایات کو رفع کرتا ہو۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہو۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراً طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہو اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہو کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمیدافزا نمونہ ہو اور جس کی ہر چیز دیسی ہو۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہو کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (میر) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں ۲ فی روپیہ کمیشن دیا جائیگا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھکر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہو۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اسپر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہو اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہو۔ فہرست دواخانہ معہ جنتری ۱۹۲۷ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی — تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو
یاد رکھئے
کہ آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہو جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کرے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو
قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہو
ایسی مکمل گائڈ بک صرف
ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین
The Dunlop Guide to Great Britain
کا
دوسرا ایڈیشن ہو۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہو

کھانسی
دمہ
(ضیق النفس)
یا
کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہو تو
تامل نہ کیجئے۔ اپنے قریب دوا فروش کی دکان
سے فوراً ایک ٹین
HIMROD
کی
مشہور عالم دوا منگوا کر
استعمال کیجئے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یُورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دُنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کی آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سُرخ اور سُنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!



اگر

آپ تمام دنیا دوسی قدم آگے رہنا چاہیں تو

انتخاب لاجواب لاہور

کا مطالعہ کریں اس کے مستقل خریدار دس کو چھ سو صفحوں کی انعامی کتابیں مفت دی جاتی ہیں انعامی کتابوں کی فہرست اور نمونہ کا رسالہ ۲ آنہ کے ٹکٹ بھیجکر طلب کریں

مینجر انتخاب لاجواب لاہور

حیرت انگیز رعایت

صرف ۱۵ پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف ۱۰ دس روپے میں

محصول ڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کمرہ کے لئے + بیوی کے لئے

قابل گولڈن رسٹواچ	ریلوے ریگولیٹر یا کٹواچ	مشہور عالم بی ایم میں جرمن میڈ
		
۱۵ سال کارنٹی	۱۰ سال کارنٹی	۱۰ سال کارنٹی
خوشنما فینسی پائدار ہر بات کی پختہ گیرنٹی	مضبوط، خوبصورت، صحیح ٹائم دینے والی	دیکھنے میں خوبصورت، چال کا اچھا بڑوں کا مضبوط ٹائم کا سچا
۱۵ روپے	۱۰ روپے	۱۰ روپے
محصول ڈاک و پیکنگ مینی آرڈر فیس ۱۰	محصول ڈاک و پیکنگ مینی آرڈر فیس ۱۰	محصول ڈاک و پیکنگ مینی آرڈر فیس ۱۰

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ بکمت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے ہے اور یہ رعایت ہی وقت تک ہے جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں ہیں جسکے بعد ہم نمبر کے ذخائر ہونگے آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اور آپ کی فرمائش کی تعمیل نہ ہوسکے۔

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدار کیلئے کوئی رعایت نہیں ہے۔ اُن سے پوری قیمت مندرجہ چارج کیجائے گی۔ محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی اُن کو ادا کرنا ہوگا +

ملنے کا پتہ امپریل واچ ہوس ایسٹ اسٹریٹ اینڈ واچ کمپنی نمبر ۸۳ مقام دھلی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو الکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ اپنی نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مساجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھولا ہے؟

قیمت بارہ آنے۔ (منیجر الہلال کلکتہ)

فدائیان اسلام پر مصائب کا ہجوم

کیوں ہے؟

اگر آپ کو قوم کے ظاہری و باطنی امراض اور انکے علاج کا علم حاصل کرنا ہے تو الجمعیۃ ملاحظہ فرمائے۔

"الجمعیۃ" تمام ہندوستان میں ایک ہی اخبار ہے جو علماء کی زبان کہلانے کا مستحق ہے اور جس کا اہم ترین مقصد ملت بیضا کی محافظت ہے۔ مقدس مذہب اسلام کے خلاف حملوں کا دنداں شکن جواب دینا اور واقعات کی محققانہ تنقید اسکا مخصوص طریقہ ہے

اس زمانے میں اجتماعی اور تمدنی زندگی کے لئے اخبار بھی ایک ضروری چیز ہوگیا ہے اور ہر قوم کو اپنی تمدنی زندگی قائم رکھنے کے لئے اسکی حاجت ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ مذہب کی حفاظت کے فریضے کو تمام فرائض سے اہم سمجھیں اور اس اخبار کو جو مذہب کا محافظ ہے اور اصلاح قوم کا علمبردار بھی اشاعت اور ترقی کے اعلیٰ درجے پر پہنچائیں حق کی آواز جسقدر کثرت سے لوگوں کے کان میں جائے اسیقدر کامیابی ہے

اخبار الجمعیۃ کی پانچ (۵) خصوصیات

(۱) تمام سیاسی و مذہبی مسائل پر عالمانہ و فاضلانہ بحث کرتا ہے۔

(۲) تبلیغ و اشاعت اسلام کے متعلق مسلسل مضامین شائع کرکے مخالفین اسلام کو خاموش کرتا ہے۔

(۳) عربی، فارسی، اُردو، انگریزی اخبارات کے تراجم پیش کرتا ہے۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند کے فتاوے کی اشاعت کرتا ہے۔

(۵) ایک کالم تفریح کا بھی ہوتا ہے جس سے اُس کی دلچسپی میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ چندہ سالانہ چھ روپیہ (۶ر)
ششماہی تین روپئے چار آنے (۳ر۴)

منیجر "الجمعیۃ" دہلی

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم کے بيش بها جواهر ريزے

اس سلسله ميں هم نے امامين کي ان نادر و اعلى درجه کي بلند پايه عربي تصانيف کے اردو تراجم کا سلسله شروع کيا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد هے يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوهٔ حسنه — امام ابن قيم کي فن سيرت ميں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپيه -

کتاب الوسيله — لفظ "وسيله" کي بحث کے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول "توحيد" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ازهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انکے مفصل حالات بيان کيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الکوثر — امام ابن تيميه کے مخصوص انداز تفسير کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درميان واسطه کا فرق بدلائل بيان کيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان کيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضا مصري کي تازه کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپيه -

آئمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خريدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلى مطبوعات کے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کيا هے - اسکے علاوه آئمه و اسلام و بزرگان دين کے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه کے معتبر ذرائع سے حاصل کيے هوے حالات درج کيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهـــلال بك ايـجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

" Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان اين دفتر پارينه را
تازه خوابى داشتن گرداغهاى سينه را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پهلا نمونه تهيں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاويرکے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں - اِس لي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعه هيں - ان کي مقبوليت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيه ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بعد طبع جمع کئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده کرنے کيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البـلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاف نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جاسکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعه شايقين علم و ادب کو آخري موقعه ديتے هيں که اِس قيمتي ذخيره کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکه جلدوں کي ايک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيه الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيه
" " چهارم ۱۰ روپيه " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوه هے -

منيجر " البـلاغ پريس "

۱۹۲۷

الهلال

جلد ۱

نمبر ۱۳

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا ہے

قیمت سالانہ مع محصول - - بارہ روپیہ

ہندوستان سے باہر کیلیے - - سولہ روپیہ

قیمت شش ماہي - - - سات روپیہ

قیمت في پرچہ - - - پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں اُنکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع اپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جا رہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی اردر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين القرآن

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۳ | کلکتہ : جمعہ ۱۲ ۔ ربیع الاول ۱۳٤٦ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چھپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونوں مین سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ہمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الہلال

قارییں الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ۱۰۱۲ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین	۱۳۹	اردو حروف کی حق مین	۲۸۰
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	۲۹۳	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۱٤	نستعلیق ہون	۸٦

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاہر کیا ہی ۔

آراء کی دیکھی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الہلال

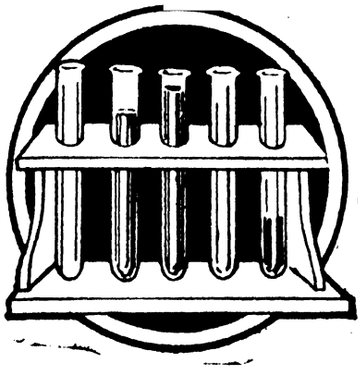

مذاکرہ علمیہ



قانون توارث جسماني و معنوی

(منڈل کا ناموس وراثت)

مخلوقات کي جسماني و معنوي زندگي میں قانون توارث کا مسئلہ ' اُن اهم ترین مسائل میں سے هے جنهوں نے قدیم زمانے سے علماء کو اپني طرف متوجه رکھا هے - طبیعي علوم کي ترقي کے بعد گزشته صدي میں اِس مسئلہ نے اُور بهي زیادہ اهمیت حاصل کرلي اور بے شمار علماء نے اُس پر بحث کي - بهت سے نظریے قائم هوے - بهت سے مذاهب ترتیب دیے گئے - لیکن اِس سلسله میں سب سے زیادہ شهرت و اهمیت اُس نظریہ کو حاصل هے ' جو اپنے موجد ' ڈاکٹر منڈل کي طرف منسوب هے اور " ناموس منڈل " کهلاتا هے - ذیل میں هم اِس نظریہ کي مختصر تشریح کرتے هیں -

(منڈل)

سنہ ۱۸۲۲ میں دو شخص ایسے پیدا هوئے ' جنهوں نے اپني پوري زندگي وراثت کے اثرات و نتائج کي بحث و تحقیق میں صرف کردي : اِن میں سے ایک انگلستان میں پیدا هوا - اسکا نام گلٹن هے - اور اسکي کتاب " عظمت کي وراثت " بهت مشهور هو چکي هے - دوسرا منڈل هے - یه هنگرین نسل کا تها - سیلیشیا میں پیدا هوا - اسکي ابتدائي تربیت دیني تعلیمات کي تهي - رهبانوں کي جماعت میں داخل کر دیا گیا تها - لیکن ۲۹ سال کي عمر میں رهبانیت ترک کردي اور وائنا کے دار العلوم میں داخل هوکر طبیعي علوم کي تحصیل شروع کردي - تعلیم ختم کرکے وہ برون میں اُستاد مقرر هوگیا اور اپنے فرصت کے اوقات مسئلۂ وراثت کي تحقیق میں صرف کرنے لگا - شروع شروع اُسکے تجربے صرف نباتات میں محصور تهے -

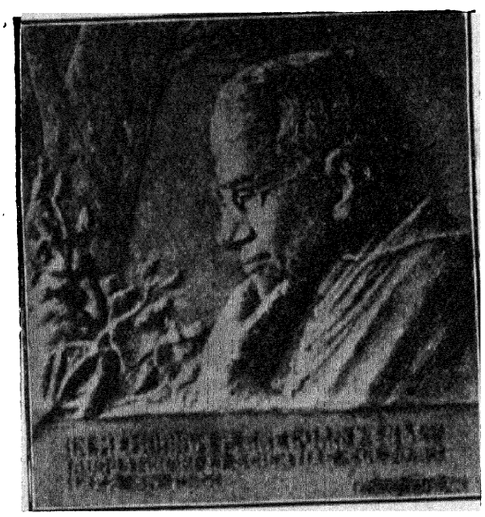

ڈاکٹر منڈل

اپني تحقیق کے دوران میں بالاخر وہ ایک عجیب معامله پر پهنچا - اُسنے دیکها ' یه عجیب معامله ' وراثت میں همیشه پیش آتا هے ' اور کبهي اُس میں خلل نهیں پڑتا - یه وہ وقت تها جب اُس کے تجارب ' عالم حیوان تک وسیع هو چکے تهے - اُس نے شهد کي مکهیوں کے بهي پچاس چهتے بنائے تهے - اور مختلف قسم کي مکهیاں باهمدیگر جمع کرکے اُنکي نسل کے جسماني اور معنوئي خواص کا تجربہ کرتا تها لیکن مکهیوں کے متعلق اُسکي تحقیقات کے جمله اوراق ضائع هوگیے - سنہ ۱۸۶۶ میں اُس کا ایک چهوٹا سا رساله شایع هوا تها جس میں یه نظریہ پیش کیا گیا هے - یه رساله بهي گم نام هوگیا - یهانتک که سنہ ۱۹۰۰ میں علماء مغرب کي نظریں اُس پر دوبارہ پڑیں ' اور وسیع پیمانه پر اُسکي اشاعت کي گئي - آج حیوانات کي پرورش کرنے والوں میں کوئي شخص بهي ایسا موجود نهیں جو منڈل اور اُس کے نظریہ سے ناواقف هو یا اُس سے مستفید نه هو رها هو -

(ناموس منڈل)

منڈل کا نظریہ ' تین وراثتي اصلوں پر قائم هے :

(۱) پهلي اصل کا خلاصه یه هے که فرد کي بعض صفات ' (عام اِس سے که وہ فرد ' حیوان هو یا نبات) اُسکي آیندہ نسلوں میں مفقود نهیں هو جاتیں بلکه برابر باقي رهتي هیں ' اور عرصه تک بغیر کسي کمي کے ظاهر هوتي رهتي هیں- اِسکي مثال یه هے که بعض انساني خاندانوں کے خال و خط خاص قسم کے هوتے هیں ' اور طویل زمانوں تک اُن کي نسلوں میں بدستور قائم رهتے هیں - چنانچه بعض خاندانوں میں زائد انگلیاں ' یا کٹا هوا هونٹهه ' یا چندهي آنکهیں ' یا سفید بالوں کا گچها ' غرضکه مختلف قسم کي جسماني خصوصیتیں همیشه موجود رهتي هیں اور اُن کے افراد میں وقتاً فوقتاً پوري طرح ظاهر هوتي رهتي هیں -

(۲) دوسري اصل کا خلاصه یه هے که بعض صفتیں ایسي هوتي هیں جنکا ظهور مسلسل نهیں هوتا - تهوڑے تهوڑے وقفه کے بعد ظاهر هوتي هیں ' مگر برابر ظاهر هوتي رهتي هیں - یعني پهلے ایک مدت تک نمایاں رهتي هیں - پهر غائب هوجاتي هیں - پهر لوٹ آتي هیں- پهر غائب هوجاتي هیں - صرف تجربه هي سے معلوم هوسکتا هے که کون صفت پهلي قسم کي هے ؟ کون صفت دوسري قسم کي هے ؟ اِسکي مثال یه هے که جب بے سینگ کے حیوانات کا سینگ والے حیوان میں اتحاد تناسلي هوتا هے ' تو اُنکي نسل بے سینگ کي پیدا هوتي هے - لیکن جب یهي نسل آگے بڑهتي هے تو اُسکي اولاد میں ایک خاص تناسب سے بعض افراد سینگ والے پیدا هوتے هیں - بعض بے سینگ کے -

برخلاف اِسکے جب کیس والے مرغ کا اتحاد بے کیس مرغي سے هوتا هے تو نسل ' کیس والي پیدا هوتي هے - لیکن پهر آگے چل کر بعض کے کیس هو جاتا هے - بعض کے نهیں هوتا - مگر یه معامله همیشه ایک هي تناسب سے پیش آتا هے -

(۳) تیسري اصل ' اُس تناسب کا تعین اور انضباط هے جو اِس توارث و تناسل میں کار فرما هے- تشریح اُسکي حسب ذیل هے :

ایک بالکل سفید مرغي اور ایک بالکل سیاہ مرغ لو ' اور اُن کي نسل کا تجربہ کرو - اب ایسا ہوگا کہ اِن دونوں کے اتحاد تناسلي سے جو بچے پیدا ہونگے ' وہ نہ تو بالکل سیاہ رنگ کے ہونگے ' نہ بالکل سفید رنگ کے - مخلوط قسم کے ہونگے - یہ اِس نسل کا پہلا طبقہ ہوا - اِس مخلوط رنگ کي مرغیوں کي نسل آگے بڑھنے دو - اِن سے جو دوسرا طبقہ نسل کا پیدا ہوگا ' اُس کي حالت یہ ہوگي کہ اُن میں ۲۵ - في صدي مرغیاں بالکل سیاہ ہونگي ' ۲۵ - في صدي بالکل سفید ' اور ۵۰ في صدي مخلوط رنگت کي - گویا دوسرے طبقہ میں اُن کے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت ۲۵ - في صدي میں نمایاں ہوئي ' مگر ۵۰ - في صدي میں مورث ثاني ؤ اقرب کا سا مخلوط رنگ قائم رہا - اب اِس دوسرے طبقہ سے تیسرا طبقہ پیدا کرو - اِس تیسرے طبقہ کا حال یہ ہوگا کہ سفید سے سفید بچے پیدا ہونگے - سیاہ سے سیاہ پیدا ہونگے - مگر مخلوط رنگت کے بچوں میں پھر وہي تناسب نمایاں ہوجائیگا ' جو دوسرے طبقہ میں تھا - یعني اُسکي نسل میں ۲۵ - في صدي سیاہ اور ۲۵ - في صدي سفید ہونگے - باقي ۵۰ - في صدي اپنے ماں باپ جیسے مخلوط رنگ کے ہونگے !

پھر اِن ۵۰ - في صدي مخلوط رنگ والوں کي نسل جب اور آگے بڑھیگي ' تو اُس میں بھي یہ تناسب برابر قائم رہیگا - یعني ہمیشہ نصف تعداد مخلوط رنگت کي ہوگي اور ۲۵ - في صدي سفید ' اور ۲۵ - في صدي سیاہ ہوگي -

لیکن تیسرے طبقہ میں جن افراد کے اندر اُنکے مورث اعلیٰ کي کامل رنگت متوارث ہوگئي تھي ' اُن کي نسل میں مستقلاً ایک رنگت قائم ہوجائیگي - سفید سے ہمیشہ سفید بچے پیدا ہونگے ' اور سیاہ سے ہمیشہ سیاہ -

اِس سے معلوم ہوا کہ :

(۱) قانون توارث میں مورث اعلیٰ کے دو مختلف جسماني خواص ' پہلے طبقہ میں ایک ایسا مزاج پیدا کرلیتے ہیں جو ملا جلا مزاج ہوتا ہے - یعني اُن میں دونوں طرح کے خاصے اکھٹے ہوکر مخلوط ہوجاتے ہیں -

(۲) اِس پہلے نسلي طبقہ نے جو مخلوط مزاج کرلیا ہے ' وہ نسل کي آئیندہ افزائش میں ایک مستقل اور متوارث حیثیت اختیار کرلیتا ہے ' اور اپني نسل میں برابر قائم رہتا ہے ' لیکن ساتھ ہي یہ عجیب بات بھي ہے کہ دوسرے طبقہ میں نصف تعداد ہمیشہ ایسے افراد کي پیدا ہوتي ہے ' جن میں اِس مخلوط و ممزوج حالت کي جگہ مورث اعلیٰ کے انفرادي خواص الگ الگ نمایاں ہوجاتے ہیں - اِس نصف تعداد میں آدھي تعداد ایک قسم کے خاصہ کي اور آدھي ایک قسم کے خاصہ کي ہوتي ہے - اِس طرح دو مختلف جسماني خواص کے ماں باپ دوسرے طبقہ کي نسل میں بالانفراد الگ الگ ' اپنے اپنے خواص نمایاں کردے سکتے ہیں !

(۳) نسل کے تیسرے طبقہ میں جن افراد کے اندر مورث اعلیٰ کے خواص انفرادي اور غیر مخلوط حالت میں نمایاں ہوجاتے ہیں ' ان کي نسل میں آیندہ اِن اجدادي خواص کا اختلاط و امتزاج نہیں ہوتا ' بلکہ اجدادي خواص کي جو ایک قسم اُن میں نمایاں ہوئي ہے ' وہ مستقلاً قائم ہو جاتي ہے ' اور اپني نسل میں متوارث ہونے لگتي ہے -

(۴) لیکن دوسرے طبقہ میں جو نصف تعداد ایسي پیدا ہوتي ہے ' جس میں اجداد کے مخلوط و ممزوج حالت میں نمایاں ہوتے ہیں ' اُن [redacted] کا یہ عددي تناسب برابر قائم رہتا اور [redacted] - یعني اُن کي نسل میں وہي ۲۵ [redacted] آبائي خواص ظاہر ہوتے ہیں ' اور [redacted] ممزوج ہوتے ہیں -

(۵) [redacted] جسماني خواص سے مولود [redacted] جو مخلوط و ممزوج [redacted] پیدا ہو جاتي ہے ' [redacted] وہ ہمیشہ اپني نسل میں اِس طرح متوارث ہوتي ہے کہ نصف تعداد مخلوط قسم کي ہوگي ' اور نصف مورث اعلیٰ کے الگ الگ خواص کي -

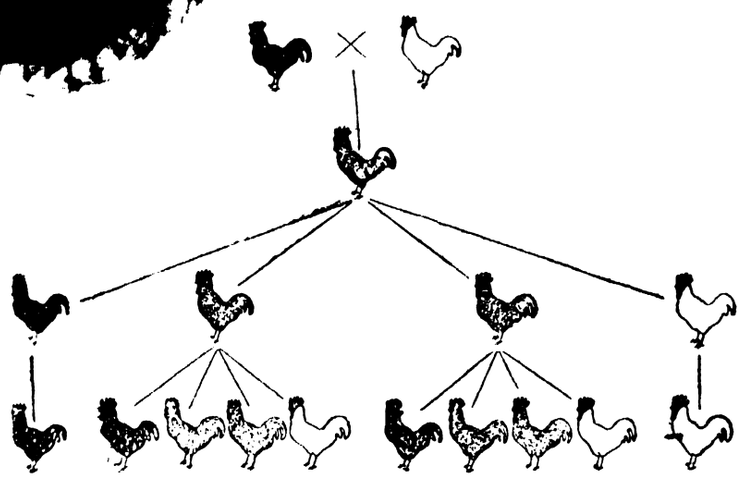

قانون توارث کا ایک عملي مشاہدہ

مرغیوں کي نسل کے تین طبقات ' جن میں مورث اعلیٰ کا سفید اور سیاہ رنگ ایک خاص عددي تناسب کے ساتھ متوارث ہوتا ہے - مورث اعلیٰ سفید اور سیاہ رنگ کے ہیں - نسل کے پہلے طبقہ میں مخلوط رنگ کا مرغ پیدا ہوا ہے - لیکن اُس سے جو دوسرا طبقہ پیدا ہوا ہے ' اس میں ۲۵ - فیصدي سفید ' ۲۵ - في صدي سیاہ ' اور ۵۰ - في صدي مخلوط رنگت کے ہیں - پھر تیسرے طبقہ میں سفید سے سفید اور سیاہ سے سیاہ پیدا ہوتا ہے ' مگر مخلوط کي نسل میں وہي عددي تناسب قائم ہے -

(انسان میں قانون توارث)

ٹھیک یہي حالت انساني وراثت میں بھي پیش آتي ہے - اگر کوئي خالص سفید رنگ کا انسان حبشي عورت سے شادي کرلے تو اُسکي نسل ضرور سانولے رنگ کي ہوگي - پھر اگر کسي طرح خود اُسکي اولاد میں باہم دگر تناسل وتوالد شروع ہو جائے ' تو مرغیوں کي طرح اِس نسل میں بھي ۲۵ - فیصدي اولاد خالص سفید رنگ کي ہوگي ' ۲۵ فیصدي خالص سیاہ رنگ کي ' اور ۵۰ فیصدي سانولي -

جسماني خواص کے توارث کي یہ نوعیت ' معنوي خواص کے توارث کي طرف رہنمائي کرتي ہے ' اور یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا اِسي طرح انسان کے ذہني و معنوي خواص و اوصاف میں بھي توارث کا سلسلہ قائم ہے ؟ اور اگر قائم ہے تو کیا اُس کا قانون بھي ایسا ہي ہے ' اور ایسا ہي عددي تناسب رکھتا ہے ' جیسا جسماني خواص کے توارث میں ہے ؟ ان سوالات کا جواب بہت زیادہ تفصیل وبحث کا محتاج ہے - اِس لیے سر دست ہم اِنہیں نہیں چھیڑتے -



مقالات

عهد انقلاب اور شخصی استبداد

شخصي مطلق العنانی

دنیا کي موجودہ سیاست پر ایک سرسري نظر

جنگ عظیم کے بعد پوري دنیا ' خاص کر یورپ اور بالخصوص اُن ممالک نے عجیب پالٹا کھایا ہے جو میدان جنگ میں یہ کہکر اُترے تھے کہ استبداد و ظلم مٹانا چاہتے ہیں - پہلے اِن ممالک میں جو بھي نظام حکومۃ قائم تھا وہ جنگ کے بعد قائم نہ رہا اور علانیہ یا درپردہ اُس میں بڑي تبدیلي ہوگئي ہے - لوگ سمجھتے تھے اِس جنگ کے بعد دنیا میں جمہوریت اور کامل حریت کا دور دورہ ہو جائیگا اور آزادي کا ایک ایسا نظام جاري و ساري ہو جائیگا جس کے عشق میں اِنسانیت ہمیشہ سے سرگرداں ہے لیکن نتیجہ بالکل بر عکس نکلا - جمہوریت و دستوریت کي جگہہ شخصیت و استبداد نے لے لي - اِس وقت کرۂ ارضي کے اکثر ممالک میں شخصي حکومتیں قائم ہوگئي ہیں - فرق صرف اِس قدر ہے کہ پہلے بادشاہوں کي شخصیتیں زریں تختوں پر جلوہ گر نظر آتي تھیں اور اب عام افراد یا فوجي افسر حکومت کي کرسیوں پر نظر آتے ہیں -



غازي مصطفی کمال پاشا

روس میں خاندان رومانوف اور زار کي جگہہ بالشویک ڈیکٹیٹروں (مطلق العنان حکام) نے لے لي ہے - لینن نے جس طرز پر حکومۃ کي ' وہ بھي زار ہي جیسي حکومت تھي - یعني شخصیت ' مطلق العناني اور استبداد - یہ بات دوسري ہے کہ زار کي شخصیت نے ملک کو تباہ کیا اور لینن کي شخصیت نے اُسے زندہ اور خوش حال کردیا - دنیا کی تاریخ میں لینن جیسے مطلق العنان حاکم کي کوئي مثال نہیں ملتي جس نے اپنے غیر متناهي اختیارات اِس طرح عوام اور مظلوموں کي بھلائي میں صرف کیے ہوں -

یہي حال اٹلي کا ہے - اگرچہ پارلیمنٹ اور دستوري پادشاہ (یعني محدود اختیارات رکھنے والا) بدستور موجود ہے لیکن حکومۃ ایک فرد واحد ' موسولیني کے آہني ہاتھوں میں ہے - یہ شخص پہلے انقلاب پسند اور اشتراکیت کا حامي تھا ' پھر جنگ کے بعد ظلم پسند بن کر اٹلي پر حاوي ہوگیا اور مستبد سے مستبد بادشاہوں کي طرح استبداد و قہر کي حکومت قائم کردي - اِس نے صاف اعلان کردیا ہے " اِس وقت اٹلي کو ایک ایسے زبردست حاکم کي ضرورت ہے جو ہر بے چیني کو کچل کر فنا کرسکے " یہي صورت اسپین ' ٹرکي ' یونان ' اور اب چین میں پیش آرہی ہے - اِن تمام ملکوں میں شخصیتیں بر سر حکومت آگئي ہیں اور مفید یا مضر نتائج پیدا کررہي ہیں - یہي نہیں بلکہ خود فرانس اور انگلستان میں بھي شخصیت کي طرف میلان بڑہ رہا ہے - فرانس میں تو ایک سال پہلے اخبارات تک میں یہ چرچا شروع ہوگیا تھا کہ موجودہ اقتصادي اور سیاسي گتھیوں کے سلجھانے میں جمہوري نظام حکومۃ ناکامیاب ثابت ہوا ہے - لہذا روس وغیرہ ممالک کي طرح یہاں بھی " ڈیکٹیٹر شپ " یعني شخصي استبداد قائم ہو جانا چاہیے - انگلستان میں گو اب تک اِس قسم کا خیال با ضابطہ ظاہر نہیں کیا گیا ' لیکن عملاً ملک اِسي طرف جارہا ہے - موجودہ کنسرویٹیو وزارت بھي درحقیقت ایک قسم کي ڈیکٹیٹر شپ ہي ہے اور اُس کے رجعی (قدامت پسند) ہونے میں تو کوئي کلام نہیں -

(تاریخ کا سبق)

آخر یہ صورت کیوں پیش آئي ؟ اِس انقلاب کي علت کیا ہے ؟ تاریخ ہمیں کیا سبق دیتي ہے ؟ جواب ظاہر ہے اور تاریخ عالم پر ایک سرسري نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے - تاریخ شاهد ہے کہ جب کبھي سوسائٹي کے نظام میں برهمي پیدا ہوتي ہے اور دماغي بے ترتیبي اور اختلال ' عام ہوکر شورشوں اور بغاوتوں کا دروازہ کھول دیتا ہے ' تو ہمیشہ یہي نتیجہ ہوتا ہے جو جنگ کے بعد آج ہم دنیا میں اپني آنکھوں سے دیکھہ رہے ہیں - یعني مضبوط ارادے کے افراد برسر اقتدار آکر اپني شخصیتیں نمایاں کرتے ہیں اور نظام حکومت اپني مرضي کے مطابق استوار کردیتے ہیں -

انقلاب فرانس ' اِس دعوی کي سب سے بڑي اور صاف دلیل ہے - کیسے جوش و خروش سے قوم بغاوت کے لیے اُٹھي ؟ حریت ' مساوات ' اخوت کا راگ کیسي بلند آہنگي سے الاپا ؟ کیسے کیسے اصول و مبادي کا اعلان کیا گیا ؟ لیکن نتیجہ کیا نکلا ؟ یہي نہ کہ آندھي کي طرح حریت و مساوات کي ہوائیں آئیں اور نکل گئیں پھر جو فضا میں سکون پیدا ہوا تو گرد و غبار کے اندر سے مستبد شخصیتیں حکومت کي بے نیام آبدار تلواریں لئے نمودار تھیں ! اِن شخصیتوں میں سب سے آخري مگر سب سے زبردست شخصیت نپولین بونا پارٹ کي تھي - اس عجیب انسان نے یہي نہیں کیا کہ بغاوت اور انقلاب کا قلع قمع کردیا بلکہ ساتھہ ساتھہ اپني شہنشاهي بھي قائم



موسولیني ' اٹلي کا ڈیکٹیٹر

کردي - قوم نے اِس نئي شہنشاهي کا اُسي جوش و خروش سے استقبال کیا ' جس جوش و خروش سے قدیم شہنشاهي کا خاتمه کیا تها اور حریت و آزادي کے عام بلند کیے تهے - ایک شخصیت کے خلاف عظیم الشان جہاد اِس پر جاے ختم هوگیا که دوسري شخصیت قائم هوگئي - کیا اِس سے بهي زیاده غیر معقول نتیجه کسي تحریک کا نکل سکتا هے ؟ لیکن نہیں ' یه نتیجه بالکل معقول تها - اجتماعي اصول و قوانین کے بالکل مطابق تها -

یه کیسے ؟ یه اس طرح که انساني جماعتیں کتني هي شورش اور بےچیني کا اظہار کریں ' نظام حکومت کي کتني هي مخالف نظر آئیں ' مگر وہ اپني اجتماعي افتاد طبع سے مجبور هوکر در پرده یهي خواهش رکهتي هیں که کوئي نه کوئي زبردست نظام قائم هو ' جو هر قسم کي بےچیني کا قلع قمع کردے اور امن و آمان هر طرف پهیلا دے - یهي سبب هے که جوں هي کوئي نئي شخصیت نمودار هوتي هے اور قوم محسوس کرتي هے که وہ شخصیت ' امن بحال کرسکتي هے ' تو بے اختیار اُس کے سامنے سر جهکا دیتي هے اور حریت و آزادي کي اپني تمام خواهشیں نا دانسته فراموش کر بیٹهتي هے - دنیا کي تمام تاریخي شورشیں همیں یهي بتاتي هیں - فرانس کے عظیم الشان انقلاب نے بهي همیں یهي دکهایا هے - ایک محقق نے کیا هي خوب بتایا هے " فرانس کي " تیسري انقلابي کمیٹي " کے ممبروں میں سے عهد بونا پارٹي (نپولین) میں ایک نے بادشاهي قبول کرلي - پندره نے " کونٹ " کا لقب اختیار کیا - سات نے مجلس اُمراء کي شرکت منظور کي - اور چهه وزیر بن گئے " یهي وہ لوگ تهے جو انقلاب کے سب سے بڑے رکن اور عام بردار تهے -

(جنگ کے بعد انقلاب)

اب هم تاریخ کي اِس عالمگیر جنگ کے بعد والے موجوده انقلاب کو بخوبي سمجهه سکتے هیں - ایک مدت سے یورپ میں مختلف قسم کے خیالات اور نظریے پهیل رهے تهے - اِن خیالات اور نظریوں نے بتدریج دماغوں میں هیجان پیدا کیا - اِس هیجان نے اجتماعي ' سیاسي ' اور اقتصادي پیچیدگیاں پیدا کیں - اِن پیچیدگیوں نے جنگ عمومي کي آگ بهڑکائي - اور جنگ نے مذکورۂ بالا اجتماعي کلیه کي بنا پر لینن اور موسولیني اور مصطفی کمال جیسي آهني شخصیتیں پیدا کردیں - پس جنگ کے بعد جو صورت نمودار هوئي هے ' وہ هرگز تعجب انگیز نہیں بلکه مستحکم و مضبوط اجتماعي قوانین کا قدرتي نتیجه هے - یهي هونا چاهیے تها جو هوا ' یهي همیشه هوا کیا هے اور شاید همیشه یهي هوا کرے گا -

(انقلابات کے بانی)

یهاں یه سوال بهي قابل غور هے که انقلابات کے بانی کون هوتے هیں : افراد یا جماعتیں ؟ کارلائل اور بہت سے محققین کي رائے هے که زبردست شخصیتوں کے افراد هي انقلابات پیدا کراتے اور اجتماعي نظام کي کایا پلٹ کر دیتے هیں - لیکن علم اجتماع کے دوسرے بہت سے علماء ' افراد کے بجائے جماعتوں کو اصل قرار دیتے هیں - وہ کہتے هیں قوموں کے دماغ میں انقلاب کي مخفي لہریں پہلے پیدا هوتي هیں ' پهر وهي چند افراد میں مجسم هوکر رونما هوتي هیں اور سوسائٹي پر انقلاب طاري هو جاتا هے - پس افراد بذات خود انقلاب کا سبب نہیں هوتے ' بلکه انقلابي لہروں کا مظهر هوتے هیں - زیاده صاف لفظوں میں یوں کہو که جماعتي اثرات ' افراد کو طیار کرکے انقلاب کراتے هیں

لیکن صحیح یه هے که انقلاب کا موجب نه تنها جماعتیں هوتي هیں ' نه صرف افراد - بلکه دونوں ایک دوسرے پر اثر ڈالتے اور ایک نئي فضا طیار کرنے میں مدد دیتے هیں - یه یقیني هے که اگر خاص قسم کے اجتماعي حالات و مؤثرات موجود نه هوتے تو لینن ' موسولیني ' مصطفی کمال جیسے افراد اُبهر نہیں سکتے تهے - کیونکه یه افراد مدت سے موجود تهے مگر اُسي وقت رونما هوے جب حالات نے اُن کي مساعدت کي - لیکن ساتهه هي یه بهي یقیني هے که اگر یه افراد اپني غیر معمولي قوتیں کام میں نه لاتے تو اُن کے مساعد حالات بهي پیدا نہیں هو سکتے تهے اور انقلابات بهي طاري نہیں هو سکتے تهے - اِس سے ثابت هوتا هے که انقلاب میں افراد اور جماعتیں دونوں برابر کی حصه دار هوتي هیں ' تنها کوئي ایک سوسائٹي ' میں تبدیلي پیدا نہیں کر سکتا -

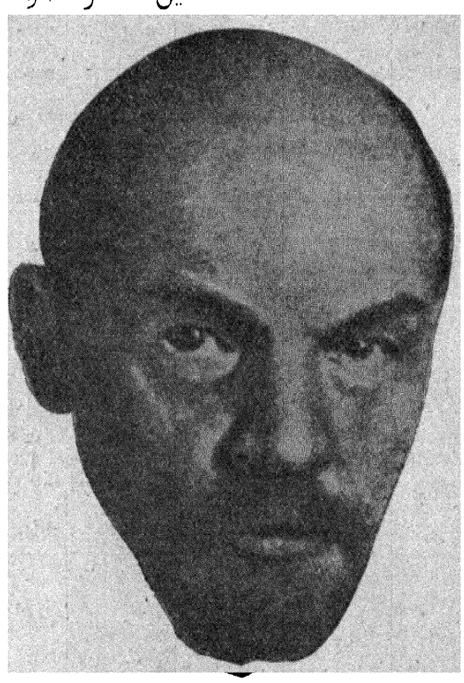

لینن ' رُس کا ڈیکٹیٹر ' جو اب مر چکا هے

(انقلابي روح اور قومیں)

یه بهي ایک ثابت حقیقت هے که تمام قومیں انقلاب کي یکساں صلاحیت نہیں رکهتیں - تاریخ بتاتي هے که فرانس اور بحر متوسط کے کناروں پر رهنے والي اکثر قومیں انقلاب کي زیاده صلاحیت رکهتي هیں - آب و هوا اور دوسرے اسباب نے اُنهیں دوسري قوموں سے زیاده حساس ' جلد متأثر هونیوالا ' اور خیالي بنا دیا هے - وہ نئے نظرے جلد



پرائمو ڈي ریورا ' اسپین کا ڈیکٹیٹر

قبول کر لیتیں اور اُن پر عمل کرنے میں تیزي سے پیش قدمي کرتي ھیں - لہذا وہ زیادہ انقلاب پسند ھیں -

برخلاف اِنکے اِنگلو سکسن (انگریزي) قومیں ' زیادہ عملي ھیں - محض نظریوں سے متأثر نہیں ھوتیں - اُن کے جذبات اور دماغي رجحان زیادہ پائدار ھیں - وہ انقلاب کي طرف کم مائل ھوتي ھیں - جرمن قوموں کا بھي یہي حال ھے ' مگر ان میں احساس کسي قدر زیادہ ھے -

رؤس ' روحاني و نظري خیالات کي طرف سب سے زیادہ مائل ھیں - کمزور عقل اور کمزور ارادہ رکھتے ھیں - اِسي لیے ھر انقلابي دعوت کو لبیک کہنے کے لیے طیار رھتے ھیں - اِس خصوصیت میں اگر اُن پر کوئي سبقت لے گیا ھے تو وہ یہودي ھیں - یہ قوم باغیانہ دماغ رکھتي ھے اور ھر جگہ بغاوت کي تخم ریزي کرتي ھے - ایک محقق نے بتلایا ھے " اجتماعي نظامات پر سب سے زیادہ نکتہ چیں اور بغاوت کي سرگرم دعوت دینے والي کتابیں زیادہ تر یہودیوں ھي کے قلم سے نکلي ھیں - حتی کہ موجودہ سوشیالزم یا بالشویزم بھي ایک یہودي ھي کي ایجاد ھے - اِس کا نام کارل مارکس تھا - اور اِس مذھب کے بڑے بڑے ارکان مثلاً لینن ' ٹراسکي وغیرہ سب یہودي النسل ھیں - یہودیوں کے اِس خاصے کے دو سبب ھیں : اول یہ کہ وہ سامي نسل ھیں - اور معلوم ھے کہ سامي نسل فطرتاً خیالیات و نظریات کي دلدادہ ھوتي ھے - دوسرے یہ کہ مخصوص اجتماعي حالات نے یہودیوں کا دماغ باغیانہ کر دیا ھے - دنیا میں شاید سب سے زیادہ مصیبتیں اِسي قوم نے برداشت کي ھیں اور یہ اِسي کا نتیجہ ھے کہ اُسمیں بغاوت و انقلاب کي روح قائم ھوگئي ھے -

پھر یہ بات بھي خاص طور پر یاد رکھنے کي ھے کہ جو قومیں جمود و تقلید کي زیادہ دلدادہ ھوتي ھیں اور حالات کي تدریجي تبدیلي کے ساتھہ اپنے تئیں بدلتي نہیں رھتیں بلکہ اپنے جمود پر اڑي رھتي ھیں ' وہ اگرچہ دیر میں انقلابي روح سے متأثر ھوتي ھیں مگر جب ایک دفعہ ھو جاتي ھیں تو پھر اُنھي میں سب سے بڑا انفجار بھي ھوتا ھے اور اچانک اُن کي سوسائٹي درھم برھم ھوجاتي ھے - اِس اصل کي بنا پر پیشین گوئي کي جاسکتي ھے کہ ھندوستان میں جب کبھي انقلاب ھوگا تو نہایت ھي ھولناک ھوگا اور پوري موجودہ سوسائٹي کو درھم برھم کر ڈالے گا - کیونکہ یہ ملک سخت جمود کي حالت میں رھا ھے اور تدریجي ترقي سے برابر انکار کرتا رھا ھے - ھندوستان میں جب انقلاب آئے گا تو دنیا بھر کے انقلابات سے زیادہ موثر ثابت ھوگا اور شاید سوسائٹي کي موجودہ کوئي چیز بھي باقي نہ چھوڑے گا - عادات و اطوار ' رسم و رواج ' خیالات و افکار غرضکہ کوئي شے بھي اُس کي ضرب سے نہ بچے گي - اگر ایسے ھولناک انقلاب سے بچنا ھو تو اُسکي صرف یہي ایک تدبیر ھے کہ ابھي سے ملک کو تدریجي ترقي پر لگایا جائے - جوں جوں حالات بدلیں ' ملک میں بھي تبدیلي پیدا کي جائے - ورنہ موجودہ جمود اور ٹھہراؤ ' آیندہ قیامت کا پیش خیمہ بننے والا معلوم ھوتا ھے -

علم اور دین

کیا فی الحقیقت علم اور دین دو معارب فریق ھیں ؟

وہ زور شور اٹھتا ھے کہ دین اور علم میں نزاع قائم ھے ' اور یہ کہ علم اور دین ' دونوں کي فطرت میں اِس عداوت و تنافر کي بنیادیں مخفي ھیں - بلا شبہ یہ دعوی ایک مدت سے زباں زد خاص و عام ھے - مزید برآں تاریخ سے بھي اِسکي شہادت ملتي ھے - صرف تاریخ ھي نہیں ' خود ھمارا مشاھدہ بھي اِسکي تائید کرتا ھے - لیکن بایں ھمہ ابتک کوئي قطعي ثبوت اِس دعوے کي صحت کا نہیں ملا - تاریخي واقعات اور ھمارے مشاھدے کتنے ھي کثیر ھوں ' تاھم یقیني طور پر ثابت نہیں کر سکتے کہ دین اور علم کے طبائع فی الحقیقت باھم متضاد ھیں -

موجودہ تمدني حالات پر ایک سر سري نظر ' اس دعوے کے مشکوک کر دینے کے لیے کافي ھے - موجودہ عہد میں مادي علم کا دھارا اتني شدت و قوت سے بہہ رھا ھے ' جس کي نظیر کسي پچھلے زمانے میں نہیں مل سکتي - لیکن با وجود اس کے ٹھیک علم کے پہلو بہ پہلو ' ھم دیني روح کو بھي پوري مضبوطي سے قائم پاتے ھیں - کسي عہد میں بھي دیني روح انساني قلوب میں بہ حیثیت عمومي اس سے زیادہ راسخ نہیں ھوگي ' جتني اِس وقت ھے - بے شک ھم تسلیم کرتے ھیں کہ دنیا پر ایسے تمدني دور گزرے ھیں جن میں وقتي طور دین کا دبدبہ گھٹ گیا اور مادیت کے غوغا پر اُسکا نعرہ غالب نہ آ سکا ' لیکن ساتھہ ھي ھمیں یہ بھي تسلیم کرنا چاھیے کہ خارج میں دین کي آواز کتني ھي پست کیوں نہ ھو گئي ھو ' روح کے اندر اُسکي بنیادیں ھمیشہ یکساں طور پر استوار رھي ھیں - انسانیت کي پوري تاریخ میں ایک لمحہ بھي ایسا بتایا نہیں جا سکتا ' جس میں دیني یقین و ایمان کے ستون متزلزل ھو گئے ھوں -

اگر واقعي دین اور علم میں معرکہ برپا ھوتا تو ابتک مدت کا فیصلہ بھي ھو چکا ھوتا - ۲۵ - صدیوں سے یہ دونوں نام نہاد حریف پہلو بہ پہلو چل رھے ھیں - مگر ابتک دنیا نے اُنکا کوئي فیصلہ کن معرکہ نہیں دیکھا - کیا یہ طویل و عریض مدت بھي فیصلہ کے لیے کافي نہ تھی ؟

لیکن فیصلہ ھوتا کیونکر ؟ دونوں میں اگر فی الحقیقت کوئي نزاع ھوتي تو اُس کا فیصلہ بھي وقوع میں آتا - یہاں سرے سے جنگ ھي نہیں ھے - حقیقت یہ ھے کہ یہ دونوں اپنے لیے فکر انساني میں بالکل الگ الگ میدان رکھتے ھیں - یہي سبب ھے کہ دونوں اپني اپني جگھہ پر باقي و قائم ھیں - دونوں کا کہیں بھي حقیقي تصادم نہیں ھوتا - دونوں فکر انساني کے دو علحدہ علحدہ مظہر ھیں -

لیکن اگر حقیقت یہ ھے تو پھر اُس طویل اور خونیں تاریخ کي ھم کیا توجیہ کریں جبکہ دیني پیشواؤں نے علم کا گلا گھونٹنے کي کوششیں کیں ؟ نیز اُس مبارزت طلبي کي کیا تاویل کریں جو اصحاب علم کي طرف سے اِس وقت تک دین کو دي جا رھي ھے ؟

اِس کا جواب یہ ھے کہ اگر ھم یہ تسلیم کر لیں کہ وہ دین جو طبیعت انساني کا ثمرہ ھے ' اور وہ علم جو عقل انساني کا نتیجہ ھے ' دونوں میں کبھي تصادم نہیں ھوا ' جو تصادم ھوا ھے وہ سراسر اُس دین

اور علم میں ہوا ہے جو لاہوتي پیشواؤں کا مبتدع دین ہے اور ناقص و خام مدعیان علم کا کچ اندیش علم ہے ' تو ہم بڑي آساني سے نہ صرف پچھلي تاریخ کے تمام حوادث کي تعلیل کر سکینگے ' بلکہ مستقبل کے واقعات پر بھي روشني ڈال سکینگے -

(۲)

انساني جماعتیں شعور رکھتي ہیں مگر فکر نہیں رکھتیں - بلکہ کہا گیا ہے کہ جماعت کي شعوري ترقي کا پیمانہ ' اسکا وہ فرد ہے جو سب سے زیادہ کمزور فکر ' سب سے زیادہ مضطرب شعور ' رکھتا ہے - جماعت جس طرح محض شعور رکھتي ہے ' اسي طرح سراسر جمود سے بھي لبریز ہوتي ہے - اور یہ کہ اسکا یہ جمود ترقي کے گوناگوں میدانوں میں اُسکے قدموں کے توازن کیلیے ضروري ہے -

سالہا سال سے علماء اجتماع وہي کہہ رہے ہیں جو گستاؤ لیباں کا نظریہ ہے - لیکن کبھي اُن کے ذہن میں یہ حقیقت نہیں آئي کہ جماعت ' ایک جامد مخلوق ہے - تغییر و تجدید بہت دیر میں قبول کرتي ہے - اِس بارے میں مجھے صرف ایک انگریز عالم کارل پیرسن کا قول ملا ہے - وہ کہتا ہے :

" ڈارون اور اسپنسر کي تصانیف میں بڑا فرق یہ ہے کہ اسپنسر کي کتابیں باوجود اپني تمام قوت و تاثیر کے جلد مٹ جائینگي - برخلاف اس کے ڈارون کي کتابیں باقي رہینگي - کیونکہ اُن میں بے نظیر بصیرت اور قوت ادراک موجود ہے - اِن کتابوں نے انفرادي اور اجتماعي زندگي کے لیے ایسے اصول و مبادي پیش کر دیے ' جنھوں نے دنیا کو قدیم افکار کے بدلنے پر مجبور کردیا - نیز ہمارے اخلاقي مطمع نظر کو بھي اونچا کرنا اور ہمارے سامنے میدان زیادہ وسیع کرنا شروع کردیا ہے - بلا شبہ اِن اصول و مبادي کا اثر بہت سست رفتار ہے ' لیکن یہ سست رفتاري ہمیں نا امید نہ کرے - سب سے قوي موثر ' جو ہمارے اجتماعي بقاء کي عمارت محفوظ رکھتا ہے ' وہ وہي صفت ہے جسے ہم سب سے زیادہ مکروہ رکھتے ہیں - یعني قدامت اور جمود کي صفت - اِسي قدر نہیں بلکہ وہ دہشت ناک مخالفانہ صدائیں جو ہر جدید فکر کے خلاف جماعت کي طرف سے بلند ہوجاتي ہے ' ہماري اجتماعي زندگي کي حفاظت کے لیے قوي ترین موثر ہیں - جماعت کا یہ جمود اُس کے جسم کي محافظت کرتا ہے اور نئے نئے تجربوں کا تختۂ مشق بننے نہیں دیتا - نیز صالح کو غیر صالح اور اصلح کو غیر اصلح سے متمیز کر دیتا ہے "

عالم مادي اور جماعات انساني کي تکوین میں بہت بڑي مشابہت موجود ہے - دونوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اُن کے نظام و توازن کي حفاظت کرتے ہیں - چنانچہ جس طرح جوہر فرد (ایٹم) میں دو متضاد کہربائي لہریں : ایجابي اور سلبي جاري ہوتي ہین ' یا جس طرح تمام مادي دقائق میں جذب و دفع کي دو مخالف قوتیں جمع ہوتي ہیں ' ٹھیک اُسي طرح اجتماع انساني میں تقدم و جمود کے دو مخالف عناصر ہوتے ہیں - زندگي کے لیے موت لازمي ہوتي ہے اور موت کے لیے بعث (دوبارہ زندگي) ضروري ہوتا ہے - اِس طریقہ پر غور کرنے سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جماعت کي سلبي صفات جنھیں ہم ناپسند کرتے ہیں ' در حقیقت اُس کے بقاء کے لیے ناگزیر ہیں .

اِس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھنے کے لیے کوئي نرم مادہ لے لو اور اُس پر دباؤ ڈالو ' تم دیکھوگے کہ دباؤ کے ساتھ ہي اُس کي شکل بدل جائیگي - پھر دوبارہ اُسے دابو ' فوراً دوسري شکل اختیار کرلے گا - اس طرح ہر دباؤ پر وہ ایک نئي صورت میں تبدیل ہوتا جائیگا - پس اگر انساني جماعت کي طبیعت بھي اِسي مادے کي طرح نرم ہوتي ' اور اُس میں جمود و قدامت پرستي کي قوس صفتیں نہ ہوتیں ' تو ظاہر ہے ' کیسي طوائف الملوکي اور انتشار پیدا ہوجاتا ؟ روز روز اُس میں تبدیلیاں ہوتي رہتیں ' اور نظام انساني تہہ و بالا ہوکر رہ جاتا -

تمام عملي فلسفے شمار کرو . سقراط کا مذہب دیکھو ' کلبي ' اِپي کوري ' رواقي ' مشائي ' وغیرہم کے مذاہب پر نظر ڈالو - اِس کے بعد غور کرو کہ اگر اجتماع انساني کا مزاج نرم مادے کي طرح ہر وقت تبدیلي قبول کرنے کي صلاحیت رکھتا ' تو اِن بے شمار اور متضاد مذاہب کي موجودگي میں اُس کا کیا حال ہوجاتا ؟ یقیناً اُس کا سارا نظام علم و فکر زیر و زبر ہوجاتا اور کوي وسطی و اصلح راہ پیدا نہ ہوتي -

یہي حال سیاست ' دین ' زبان اور اُن تمام امور کا ہے جن پر تمدن کے ستون قائم ہیں -

پس اب یہ واضح ہوگیا کہ تقدم و ارتقاء ایک ایجابي قوت ہے ' جسے باوجود مقاومت کرنے کے سلبي قوت یعني جمود کي صفت مدد دیتي اور آگے بڑھاتي ہے - اگر اجتماع انساني ایک مادي دقیقہ ہوتا تو اُسکے جواہر باہم جذب و دفع کے متضاد عملوں میں مصروف نظر آتے - کیونکہ یہ متضاد عمل ' اُس کي ہستي قائم رکھنے کیلیے ضروري ہے - ٹھیک اِسي طرح تقدم و جمود کي متضاد صفتیں بھي اجتماع انساني کے بقاء و دوام اور نشوء و ارتقاء کیلیے لازمي ہیں -

بنابریں ہمیں قدامت پرست جامدوں کو یک قلم برا نہیں سمجھنا چاہیے - انکا جمود بھي بقاء و حیات کیلیے اسي طرح ضروري ہے ' جس طرح تجدد اور تقدم پر عمل کرنے والوں کا وجود ضروري ہے - جامدین ' اجتماع انساني کیلیے ایک سلبي قوت ہیں ' جو جماعت کي رفتار میں اعتدال و توازن پیدا کرتے رہتے ہیں -

(۳)

ہربرٹ اسپنسر نے اپني کتاب " مبادي معاشرت و اجتماع " ما بعد الالیات کے تطور کي بحث سے شروع کي ہے - وہ کہتا ہے تطور کي تین قسمیں ہیں : (۱) تطور غیر عضوي اور اسکا تعلق آسمان و زمین اور سیاروں کي بنا سے ہے - (۲) تطور عضوي اور اسکا تعلق طبیعي ظواہر سے ہے جنھیں ہم طبیعت حیہ اور مختلف درجوں کے نبات و حیوان کي ترکیب میں مشاہدہ کرتے ہیں - پھر وہ مظاہر ذہني (سائیکا لوجي) جو اُن صور حیہ کا خاصہ ہیں جو ترقي کي اُس حد کو پہنچ گئي ہیں جہاں طبیعت تطور نے انھیں اِن مظاہر کا اہل بنا دیا ہے - (۳) تطور ما بعد الالیات یا ما بعد العضویات - یہ في الحقیقت حالت اجتماعي کا سن بلوغ اور جماعت کے افراد میں تقسیم عمل ہے -

اگر ہم اِس اصول کي تحلیل کریں اور اپنے موضوع پر اُسے تطبیق دیں ' تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ تطور مابعد الالیات ' نشوء کا وہ آخري درجہ ہے جس تک حیواني جماعتوں کي ترقي پہنچي ہے - انسان بھي اِس سب میں حیوان کا شریک ہے بلکہ مابعد الالیات میں اُس زیادہ سے زیادہ ترقي تک پہنچ گیا ہے جہاں تک حیوان سے پہنچنا ممکن ہے - اگر یہي ہے تو پھر انسان کو باقي مخلوق پر کیا امتیاز حاصل ہے ؟ انسان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مابعد العقلیت سے ایک ایسي قوت حاصل کرتا ہے جسکے ذریعہ اپني عقل کو اپنے مجموع کي بھلائي میں لگاتا ہے !

کیا قانون کي نکتہ چیني، قانون کي توهین هے ؟

تاریخ قوانین مدینہ کا ایک صفحہ

وکٹر هیگو کي تقریر اپنے لڑکے کي حمایت میں

(۱)

سنہ ۱۸۵۱ کا واقعہ هے کہ فرانس میں ایک مجرم کو قتل کي سزا دي جا رهي تهي - مجرم نے گلوٹین (انقلاب فرانس کے آلۂ قتل) پر چڑهنے سے انکار کیا ' شور مچایا ' واویلا کیا ' نوحہ و بکا کیا ' سخت جسماني مزاحمت کي ' مگر اُسکي کوي سعي کارگر نهیں هوي - عدالت فیصلہ کر چکي تهي - جلادوں نے بے دست و پا کرکے اُسے گلوٹین پر چڑهایا اور قتل کردیا گیا -

فرانس کے مشهور شاعر و کاتب وکٹر هیگو کے لڑکے چارلس هیگو نے یہ منظر اپني آنکهوں سے دیکها ' تو بے اختیار هوگیا اور قتل کي سزا کے خلاف اخبار L, Evenement میں ایک مضمون شائع کیا - حکومت کي نظر سے یہ مضمون گزرا تو کاتب پر قانون کي توهین کا مقدمہ دائر کیا ' کیونکہ اِس مضمون میں براہ راست قانون کي اِس نوعیت پر حملہ کیا گیا تها -

اِس واقعہ نے فرانس میں سخت هلچل ڈال دي - بیک وقت دو بحثیں پیدا هوگئیں : سزائے قتل کي اخلاقي حیثیت اور قانون کي " نکتہ چیني " اور قانون کي " توهین " میں فرق - اِنهي دونوں اهم بحثوں پر وکٹر هیگو نے ۱۱ جون سنہ ۱۸۵۱ کو عدالت میں ایک بہت هي بلیغ اور پر زور تقریر کي - اِس موضوع پر یہ تقریر بے نظیر سمجهي جاتي هے - اِس مین فرانس کے شاعر نے قوت و استدلال اور قوت خطابت دونوں کا بہترین مظاهرہ کیا هے -

---

فرد اور جماعت کبهي متفق نهیں هوتے - وہ همیشہ دو متضاد وجود هیں - دونوں کي طبیعت ایک دوسرے سے بالکل مختلف هے - دلیل یہ هے کہ ایک هي زمانہ میں رهنے والے افراد کي عظیم تعداد کبهي بهي جماعت کے تطور اور اُسکے مظاهر پر متنبہ نهیں هوتي اور نہ اس تطور کو بهلائي اور امن کي طرف لانے کي کوشش کرتي هے - فرد جماعت کے تطور سے خود بهي تطور حاصل کرتا هے - لیکن اُسکے وقوع کي اُسے هرگز کوئي خبر نهیں هوتي - پهر خود جماعت بهي اپنے تطور کا کوئي احساس نهیں کرتي ' یهانتک کہ امتداد زمانہ ' جماعت کے تدریجي تطور کو نمایاں کر دیتا هے اور آئندہ نسلیں اُسے محسوس کرتي اور دیکهتي هیں -

فرد کا جماعت کے شعور کے ماتحت آجانا اُسے اپني مستقل عقلیت سے دور کر دیتا هے - جماعتي شعور کا دهارا اُسے جدهر چاهتا هے ' بها لیجاتا هے : شر کي طرف یا خیر کي طرف - جماعتي شعور اور انفرادی عقلیت کي جنگ نے پوري انساني تاریخ بنائي هے - تمام جنگي حوادث ' اجتماعي انقلابات اور مختلف مدنیتوں کے قیام میں همیں هر جگهہ یهي حقیقت نمایاں نظر آتي هے - یهي روح ' انسانیت کي گردن پکڑے همیشہ کهینچتي هوئي دکهائي دیتي هے -

اِس تقریر کي قانوني اور ادبي ' دونوں حیثیتیں ایسي هیں کہ ضروري هے ' اردو علم ادب اس سے خالي نہ رهے - هم نے حتی الوسع لفظي ترجمہ کیا هے -

(وکٹر هیگو کي تقریر)

" سرکاري وکیل کے ابتدائي الفاظ سننے کے بعد میں نے یقین کرلیا تها کہ وہ الزام سے دست بردار هو جائیگا - لیکن میرا یہ یقین ' محض بے بنیاد وهم ثابت هوا اور بہت جلد دور هوگیا - سرکاري وکیل نے متعدد کوششیں کیں (جو سب کي سب نا کام رهیں) کہ موضوع کو محدود و محصور کردے - لیکن موضوع کي طبیعت نے اُسے تفصیل پر مجبور کر دیا - نتیجہ یہ هوا کے تمام پهلو روشني میں آگئے ' اور وکیل کي خلاف مرضي معاملہ نے اپني پوري اهمیت حاصل کرلي - لیکن مجهے اِس نتیجہ پر کوئي شکایت نهیں هے -

" میں اب بلا کسي تمهید کے فوراً الزام کا مقابلہ کرتا هوں -

" لیکن سب سے پہلے همیں ایک بنیاد پر متفق هو جانا چاهیے - کیونکہ مشهور مقولہ هے " موضوع کي عمدہ تعریف ' عمدہ بحث پیدا کرتي هے " پس همیں سب سے پہلے یہ طے کر لینا چاهیے کہ " قانون کي حرمت " کے معنی کیا هیں ؟ یہ اس لیے کہ آج کي بحث کي بنیاد یهي مسئلہ هے -

" نا ممکن هے اِس جملہ کے معنے یہ هوں کہ قانون کي حرمت کے بہانے سے قانون پر نکتہ چیني روک دي جائے - اِس جملہ کے معني اس سے زیادہ کچهہ نهیں هو سکتے کہ قانون کي تنفیذ کا احترام کیا جائے اور بس - یہ جملہ ' نکتہ چیني کي پوري آزادي دیتا هے ' سخت سے سخت نکتہ چیني کي بهي ' بلکہ مذمت کي بهي - صرف ایک قانون هي کي نهیں بلکہ خود ملک کے دستور (کانسٹي ٹیوشن) کي بهي جو سب سے اعلی قانون هوتا هے -

" یہ جملہ همیں پوري آزادي دیتا هے کہ تشریعي قوت (قانون ساز قوت) کو کسي " خطرناک " قانون کي منسوخي پر آمادہ کریں - اِسي قدر نهیں بلکہ یہ همیں اجازت دیتا هے کہ قانون کي راہ میں هر قسم کي اخلاقي اور معنوي دشواریاں حائل کریں - بلا شبہ وہ همیں مادي دشواریاں پیش کرنے کي اجازت نهیں دیتا -

" قانون نافذ هونے دو ' اگرچہ کتنا هي خراب ' کتنا هي ظالمانہ ' کتنا هي وحشیانہ هو - اپنے دل و دماغ کے سامنے اُسکي شکایت کرو - مقننہ سے شکوہ کرو - مگر خود قانون کو روکو نهیں - اُسے جاري هونے دو - بیانگ دهل کہو کہ وہ خراب هے - ظالمانہ هے - وحشیانہ هے - لیکن اُسکي راہ روک کر کهڑے نہ هو -

" هم نکتہ چیني کرینگے - مذمت کرینگے - مگر بغاوت نهیں کرینگے - یهي وہ حقیقي معنی هیں ' یهي وہ وحید معنی هیں " قانون کے احترام " کے ' اگر یہ نهیں تو اے حضرات ذرا غور تو کیجیے -

" قانون سازي کا مشکل عمل دو قسموں پر منقسم هوتا هے : مقننہ اور اخبارات - اگر میري تشریح قبول نہ کي جائے تو اِسکا نتیجہ اسکے سوا کچهہ نهیں هو سکتا کہ دوسري قسم معدوم هو جائیگي - کیونکہ اخبارات کا فرض هے کہ قوانین پر نکتہ چیني کرکے مقننہ کو قانون سازي میں مدد دیں ' وہ مدد جس کے بغیر کوئي قانون مکمل نهیں هو سکتا - جب یہ قسم معدوم هو جائیگي تو قدرتي طور پر پهلي قسم ' یعني مقننہ کا وجود بهي بیکار هو جائیگا - یعني هماري پارلیمنٹ معطل هو کر رہ جائیگي اور اُس کے لیے اِس کے سوا کوئي کام باقي نہ رهے گا کہ همیشہ کے لیے بند هو جائے -

" میرے خیال میں سرکاري وکیل کي منطق یہ خواهش تو نہ رکھتي هوگي (قهقه)

" اِس مسئلہ کے صاف کردینے کے بعد اب میں اصلي موضوع پر متوجہ هوتا هوں -

" جج اور جیوري ! اُس ضابطۂ قانون میں ' جسے هم " قدیم یورپین ضابطۂ قانون " کہہ سکتے هیں ' ایک ایسا قانون موجود هے جس کي منسوخي پر گزشتہ سو برس سے تمام فلاسفہ ' مفکرین ' اور حقیقي سیاست داں زور دے رهے هیں - سب کا بیک زبان مطالبہ رها هے کہ " مقدس تعزیرات " سے یہ قانون همیشہ کے لیے نکال دیا جائے -

" اِس قانون کے متعلق بکاریا نے کہا تھا " یہ بے دین قانون هے " فرانکلین کہا کرتا تھا " یہ خوفناک قانون هے " لیکن همیں معلوم هے اِن دونوں پر کبھي توهین قانون کا مقدمہ نہیں چلایا گیا -

" اِسي قانون کے بارے میں لوئي فلپ نے (جس کا نام میں اُس احترام کے بغیر نہیں لے سکتا جو پیري اور بد نصیبي کے لیے اور هر اُس شخص کے لیے ضروري هے جو اِس قانون کي قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا هو) کہا تھا " زندگي بھر میں اس سے نفرت کرتا رها هوں " اِسي قانون پر مسیر جیزز اور مسیر دي بروگلي نے سختي سے نکتہ چیني کي تھي -

" یہي وہ قانون هے جسے هماري پارلیمنٹ نے اب سے بیس برس پہلے تسلیم کیا هے - یعني اکتوبر سنہ ۱۸۳۰ ع میں - حالانکہ ٹھیک اِسي زمانہ میں ایک نیم وحشي امریکن پارلیمنٹ نے اِسے ملک کے ضابطۂ قوانین سے خارج کردیا تھا -

" یہي وہ قانون هے جسے تین سال هوئے فرنکفورٹ کانگریس نے منسوخ کیا - اور اِسي کو چند سال هوئے انجمن جمهوریت رومان نے باطل کردیے جانے کا فیصلہ کیا هے -

" یہي قانون هے جسے هماري مقنن مجلس نے سنہ ۱۸۴۸ ع میں بڑے پس و پیش کے بعد منظور کیا تھا - یہي وہ قانون هے جو اِس وقت جب کہ میں تقریر کر رها هوں اُن دو تجویزوں کے رحم پر زندہ هے جو اُس کے خلاف هماري مقنن مجلس میں پیش هیں -

" یہي وہ قانون هے جسے تسکانیا اور روس ' دونوں ٹھکرا چکے هیں ' اور اب وقت آگیا هے کہ فرانس بھي اُسے نفرت سے ٹھکرا دیے -

" یہي وہ قانون هے جس کے سامنے سے انساني ضمیر نفرت و کراهت کے ساتھہ بھاگتا هے -

" وہ قانون کیا هے ؟

" قتل !

" اور اے حضرات ! یہي وہ قانون هے جس نے آج یہ مقدمہ پیدا کیا هے - یہی همارا حقیقي دشمن هے - ممکن هے سرکاري وکیل کو غصہ آجائے - لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اُس کے پیچھے بھي یہي قانون چھپا کھڑا هے (قهقه)

" مجھے اعتراف هے کہ مسیو لیون فوشر کي طرح گزشتہ بیس برس سے میں بھي یقین کرتا تھا کہ " اب گلوٹین ' عام میدانوں میں ظاهر نہیں هوگي - لیکن مجھے یہ بھي یقین تھا کہ اب گلوٹین ' قانوني نقاب اوڑھتي جاتي هے - اب اُس کي حیثیت پہلے سے بہتر هوگئي هے - اب اُس نے میدان چھوڑ دیا هے ' جہاں سورج چمکتا اور مخلوق جمع هوتي هے - اب وہ سڑکوں کا هجوم پسند نہیں کرتي - اب اُس کا تماشہ دل پسند نہیں رها - اب وہ تماشہ تاریکي میں دکھاتي هے - " سان جاک " کے قید خانے میں - خالي جگہ میں - لوگوں کي نظروں سے دور - میں اِس پر مطمئن هوا - میں نے اُسے اپنا منھہ چھپاتے دیکھا ' اور اِس شرم و حیا پر مبارک باد دي - لیکن اے حضرات ! یہ میري غلطي تھي - کیوں کہ اُس نے بہت جلد اِس عارضي حیا کا پردہ چاک کرڈالا اور انتہائي بے شرمي کے ساتھہ باهر نکل آئي !

" سان جاک کا قید خانہ یقیناً اِس ملکۂ قتل (یعني گلوٹین) کے لیے توهین آمیز هے - لہذا اب همیں طیار هو جانا چاهیے کہ جلد اُسے پھر عام میدانوں میں سورج کے نیچے دیکھینگے - جلادوں کي قطاریں اُس کے سامنے کھڑي هونگي - مسلح پولیس اور فوج اُس کے اعزاز میں دست بستہ هوگي - بہت ممکن هے اُس کا تخت خونیں ' اُسي بلدیہ (کارپوریشن) کے روشن دانوں کے نیچے بچھایا جائے ' جس کي کھڑکیوں میں کھڑے هوکر بعض نالائقوں نے ۲۴ فروري کو اُسے چلا چلا کر گالیاں دي تھیں -

" اب گلوٹین پھر طیاري کر رهي هے - اُس نے سوچنا شروع کردیا هے کہ مضطرب هیئت اجتماعیہ کو اپنے استقرار کے لیے ' پھر تمام پچھلي روایات کي طرف لوٹ جانا چاهیے - چونکہ وہ خود بھي ایک قدیم رسم هے ' اس لیے اُسے بھي از سر نو آگے بڑھنا چاهیے - وہ تمام مصلحین کے خلاف احتجاج بلند کررهي هے ' کیونکہ اُنھوں نے انتہائي گستاخي کے ساتھہ اعلان کیا تھا کہ سر کاٹنے کا آلہ اُس مجمع کا نشان نہیں هوسکتا ' جس کي کتاب ' انجیل هے !

" وہ اِن مصلحین پر سخت خفا هے - کیونکہ محسوس کرتي هے کہ اِن خیالي آدمیوں کے سامنے ' جو نظام اطاعت نہیں جانتے ' وہ بے وقعت هوتي هے (قهقه) وہ چاهتي هے دنیا بھر اُسکي عظمت کا راگ گائے اور اُسکے سامنے تعظیم سے جھک جائے - اگر ایسا نہیں هے تو وہ خفا هو جائیگي ' اپني توهین پر شور مچائیگي ' عدالت میں دعوی کریگي ' اور معارضہ طلب کریگي " (قهقه)

جج — مقرر کے بیان پر استحسان یا مذمت کا اظہار قطعي طور پر ممنوع هے - اِس موقعہ پر قهقه نہایت نا مناسب هے -

وکٹر هیگو (تقریر جاري رکھتے هوے) " یہ ملکۂ معظمہ (گلوٹین) خون کي مالک هے - لیکن وہ اِسے کافي نہیں سمجھتي - وہ جرمانے اور قیدخانے کي بھي حاکم بننا چاهتي هے -

" محترم عدالت ! جس دن میرے سامنے وہ پروانہ پیش کیا گیا جو میرے لڑکے کے نام آیا تھا - یعني اِس مقدمہ کا سمن ' (آج کل هم کتنے عجائبات دیکھہ رهے هیں اور همیں عجائبات دیکھنے کا کس قدر عادي هونا چاهئے ؟) مجھے اعتراف کرنا چاهئے کہ وہ پروانہ دیکھکر میري حیرت کي کوئي حد نہ رهي - میں نے تعجب سے کہا - کیا ؟ ... تو کیا اب هم اِس حد تک پہنچ گئے هیں ؟ کیا اب هم اِس وجہ سے مجرم قرار پائینگے کہ عقل ' ضمیر ' آزادي خیال ' اور قانون طبیعت کے حامي هیں ؟ کیا اب هم سے صرف مادي احترام کافي سمجھا نہیں جاتا (جس سے همیں کبھي انکار نہیں هوا ' جو هم پر واجب هے ' اور جسے هم فعلاً پیش بھي کر رهے هیں) بلکہ اب هم سے مطالبہ کیا جا رها هے کہ معنوي احترام بھي اِن سزاؤں کیلیے پیش کریں جو انساني ضمیر کو پاش پاش کر رهي هیں - جنھیں دیکھکر هر عقلمند کا رنگ فق هو جاتا هے - جنسے دین نفرت کر رها هے ؟ وہ سزائیں جو سنگ دلي سے بھي بڑھ کر ایک برائي هیں - جنکے نفاذ کے بعد اُنکي تلافي محال هے - جو بالکل اندھي هیں - وہ سزائیں جو انساني خون سے تر بتر هیں - جو دین سے بالکل دور هیں - وہ جب مجرم کے سر پر نازل هوتي هیں تو شبہ هوتا هے کہ انسانیت اِس عالم میں موجود نہیں هے - جب بے گناہ پر پڑتي هیں تو خود خدا کے وجود میں شک پیدا هو جاتا هے ...

" لیکن نہیں ! نہیں ! ہرگز نہیں ! ہم ابھی اِس حد تک نہیں پہنچے ہیں ... میں نے کہا مجھے پروانہ دیکھکر سخت حیرت ہوئی (آپ عنقریب جان لینگے میری حیرت کس درجہ عظیم تھی) کیونکہ میں نے خیال کیا ' اگر اِس " جرم " کا کوئی حقیقی مجرم ہے ' تو وہ میرا بیٹا نہیں ' خود میں ہوں -

" میں اِس وقت عدالت کے سامنے پوری صفائی سے اعلان کرتا ہوں کہ اِس جرم کا حقیقی مجرم میں ہوں ' میں ! کیونکہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں ہی ان سزاؤں کے خلاف ہر ممکن ذریعہ سے جنگ کر رہا ہوں -

" میں تصریح کرتا ہوں کہ گزشتہ ۲۵ سال سے میں نے ہر طریقہ سے " انسانی زندگی کی حرمت " بچانے کی کوشش کی ہے - یعنی وہی جرم کرتا رہا ہوں جو اِس وقت میرے لڑکے پر عائد کیا جا رہا ہے - میں نے یہ جرم اپنے لڑکے سے بہت پہلے شروع کیا تھا ' اور اِس سے کہیں زیادہ سخت طریقہ پر اُسکا ارتکاب کرتا رہا ہوں - مہربان سرکاری وکیل ! دیکھو ' میں خود اپنے خلاف گواہی دے رہا ہوں - میں اقبالی مجرم ہوں - حلفیہ اقبال کرتا ہوں - میں نے ہر مرقعہ پر یہ جرم کیا ہے - بار بار کیا ہے - اصرار کے ساتھ کیا ہے - ہمیشہ کرنے کا عزم رکھا ہے - یہ عزم اِس وقت بھی میرے قلب میں موجود - بلکہ اِس وقت بھی میں اِس جرم سے آلودہ ہو رہا ہوں - خود عدالت کے سامنے آلودہ ہو رہا ہوں !

" ہاں ... میں خود اپنی زبان سے بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنے جرم کا اعلان کرتا ہوں - میں اعلان کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر اُن تمام قوانین کی بیخ کنی کرتا رہا ہوں جو وحشیانہ ہیں - میں ہمیشہ اِس بوڑھے قانون کا دشمن رہا ہوں جو کہتا ہے " آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت " محترم جج اور جیوری ! میں آپکے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ بھی زندگی بھر ایسے تمام قوانین سے جنگ کرتا رہونگا - میں ایک مصنف کی حیثیت سے عمر بھر اپنے قلم سے اُنکی مخالفت کرونگا ' اور ایک مقنن کی حیثیت سے اپنی آواز ہمیشہ اُنکے برخلاف بلند رکھونگا -

" اے حضرات ! میں اعلان کرتا ہوں (یہ کہکر مقرر نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے جو عدالت کے کمرے میں آویزاں تھی) اِس ذات کے سامنے جو اِسی قانون قتل کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائی گئی ' جسکے سامنے اِس وقت ہم کھڑے ہیں - یہ مقدس تصویر ہمیں اِس وقت دیکھ رہی ہے - میں اِس مقدس " قربانی " کے سامنے قسم کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں - یہ وہ ہستی تھی جسنے انسانیت کی ابدی تعلیم کی خاطر ' اپنے تئیں جلادوں کے حوالہ کر دیا - انسانی قانون نے اُسے سولی پر لٹکایا ' حالانکہ اُسکا وجود خود " قانون الہی " تھا -

" ہاں میں اِسی تصویر کے روبرو بار بار کہتا ہوں کہ میرے لڑکے نے جو کچھ کیا ' وہ صرف اِس وجہ سے کیا کہ میں نے بچپن ہی سے اُسے اِسکی تلقین کی تھی ... کیونکہ وہ جب سے میرا جسمانی لڑکا ہے ' اُسی وقت سے میرا روحانی فرزند بھی ہے - کیونکہ وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے باپ کی راہ پر چلے - لیکن بیٹے کا باپ کے طریقے پر چلنا بھی ایک عظیم جرم ہے - واقعی یہ جرم میرے لیے سخت حیرت انگیز ہے !

" حضرات ! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ الزام واقعی میرے لیے شدید تعجب کا موجب ہے ....."

تاریخ و عبر

ہندوستان کی تجارت پر مشرق و مغرب کا تصادم

امریکا اور رأس امید کے اکتشافات

واسکو دی گاما نے ایک عرب کے ذریعہ کامیابی حاصل کی

مشہور مصری کاتب و محقق احمد زکی پاشا نے اپنے ایک سلسلۂ مضامین میں مندرجۂ بالا عنوانوں پر جو روشنی ڈالی ہے ' وہ نہایت اہم اور دلچسپ ہے - انکی بحث خلاصہ حسب ذیل ہے :

" صلیبی جنگوں نے بہت سی مغربی قوموں کے مقبوضات ' شام میں پیدا کر دیے تھے - ایشیا کے دروازوں پر ان مقبوضات سے یورپ کو بہت فوائد حاصل ہوئے - تمام مشرق کی مصنوعات حاصل کرنے اور ہندوستان سے تجارت بڑھانے کے بہترین موقع میسر آگئے صلیبیوں نے کبھی کبھی اِتنی قوت بھی پیدا کرلی تھی کہ خود دمشق اور قاہرہ سے خراج وصول کیا کرتے تھے - (۱) انھوں نے کرک پر قبضہ کر کے حجاز کے راستہ پر تسلط حاصل کرلیا تھا - عقبہ اور طور پر بھی قبضہ جمانے کی کوشش میں تھے ' اور قریب تھا کہ پورے بحر احمر پر چھا جائیں - (۲)

لیکن مشرق قریب کے سلاطین ' عین وقت پر بیدار ہوگئے - اُن میں باہم سخت حسد و منافست تھی - تاہم مشترک خطرے کے سامنے متفق ہوگئے ' اور اسدالدین ' نورالدین ' صلاح الدین ' نجم الدین ' ملکۂ شجرۃ الدر ' ملک الظاہر بیبرس ' منصور قلاؤون ' کی یادگار کوششوں نے مصر اور شام کی سر زمینیں یورپین حملہ آوروں سے پاک کردیں -

---

(۱) دیکھو ابن فضل اللہ کی مسالک الابصار

(۲) ابن فضل اللہ نے اپنی کتاب " التعریف بالمصطلح الشریف " میں لکھا ہے کہ اہل فرنگ نے کرک میں بحری بیڑے طیار کیے اور اُنھیں لیکر بحر قلزم میں پہنچے تاکہ حجاز پر حملہ آور ہوں اور اپنے دل کا بخار نکالیں - لیکن ایوبی اور عادلی ہمتوں نے اُنھیں پست کردالا - صلاح الدین ایوبی نے اُنکے بہت سے آدمی گرفتار کرلیے اور منیٰ بھیجدیے تاکہ جمرۃ العقبہ پر اُسی طرح ذبح کرڈالے جائیں جس طرح قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - (منہ)

مگر ان کوششوں کے باوجود بھی شہر عکا صلیبیوں کے قبضہ میں باقی رہا ' اور اُن تمام نقصانوں کی تلافی کرتا رہا جو اُنھیں اپنے مشرقی مقبوضات سے محرومی کی وجہ سے پہنچے تھے - یہ دیکھکر ملک اشرف بن قلاؤوں نے چاہا ' یہ مقام بھی اُن سے واپس لے لیا جائے - چنانچہ اُس نے حملہ کیا اور سنہ ۱۲۹۱ع میں کامیاب ہو گیا -

عکا کے واقعہ کے بعد مشرق کی فتح کے دروازے ایک مرتبہ پھر مغرب پر بند ہوگئے - لیکن وہ نا امید نہ ہوا ' اور روم کے پاپا اور یورپ کے بادشاہ برابر حملہ کی طیاریاں کرتے رہے - چنانچہ چارلس ہشتم شاہ فرانس نے عزم مصمم کرلیا تھا کہ اپنے جنگی بیڑوں کی قوت سے فلسطین اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کرلے - لیکن تجارتی مفاد نے اُس وقت جنگی کارروائیاں کرنے کی اجازت نہیں دی - اور مشرق و مغرب کا تصادم ہوتے ہوتے رک گیا -

عکا کی فتح کے بعد مشرقی تجارت کی باگیں مصر کے ہاتھ آگئی - اب بحر متوسط کی تجارت پیشہ قوموں کیلیے اِسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اسکندریہ ' دمیاط ' اور بیرت کے بازاروں کا طواف کریں - چنانچہ وینس اور جنیوا وغیرہ کے تاجر اِن بازاروں پر ٹوٹ پڑے - کیونکہ مشرق کی مصنوعات اور ہندوستان کی پیداوار حاصل کرنے کا اور کوئی دوسرا راستہ اُنکے سامنے موجود نہ تھا - اُس زمانے میں ہندوستان کے گرم مسالے یورپ میں از حد مقبول تھے اور غذا کا لازمی جزؤ بن گئے تھے - یہ مسالے بھی مصر ہی کے راستے یورپ کو حاصل ہوتے تھے -

اِس تجارتی مرکزیت نے مصر کو دولت و ثروت کا بھی مرکز بنا دیا - بادشاہ اور باشندے مالا مال ہوگئے تھے - تمام یورپ میں قاہرہ " قاہرۂ عظمیٰ " کے نام سے پکارا جاتا تھا !

(راس امید کی دریافت)

تقریباً دو سو برس تک یہی حالت رہی - یہانتک کہ سنہ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ع) میں مصر اپنی آزادی سے محروم ہو گیا - اُسکی تجارتی مرکزیت کو شاید اب بھی کوئی نقصان نہ پہنچتا لیکن مصیبت یہ ہوئی کہ اُسی زمانے میں پرتگالیوں نے " راس امید " دریافت کرلی اور اس طرح مصر کی سیاسی اور تجارتی ' دونوں اہمیتیں ختم ہوگئیں -

راس امید ' اتفاقیہ طور پر دریافت نہیں ہوا بلکہ ضرورت نے اُسکی طرف رہنمائی کی تھی - یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستان کی تجارت اُس کا باعث ہوئی - حقیقت یہ ہے کہ قدیم زمانے سے ہندوستان ' دنیا کی سیاست میں زبردست موثر رہا ہے - اسکی فتح کے لیے دنیا میں بے شمار انقلاب پیدا ہوئے اور بے شمار ملکوں کی آزادیاں پامال ہوئیں - یہی نہیں بلکہ نئی دنیا یعنی امریکا کا اکتشاف بھی اِسی ہندوستان کی طمع و شوق میں ہوا -

عکا سے محروم ہوجانے کے بعد یورپ نے دیکھا کہ مشرق اور ہندوستان کی تجارت کیلیے اب وہ یک قلم مصر کے رحم پر ہے ' اور بلا وجہ مصر کو بے شمار محصول ادا کرتا ہے - چنانچہ عقلاء یورپ نے غور کرنا شروع کیا کہ ہندوستان تک پہنچنے کی کوئی ایسی راہ نکلے جسمیں مصر کا توسط نہ ہو - اِس مشکل کے دو حل اُنکے سامنے آئے : ایک یہ کہ بحر اٹلانٹک میں مغرب کی طرف سیدھے چلے جائیں ' یہانتک کہ ہندوستان کے ساحل پر پہنچ جائیں - دوسرے یہ کہ افریقا کا چکر لگا کر ہندوستان پہنچیں -

یہ دونوں نظریے ' پہلے جنیوا میں پھر لشبونہ (پرتگال) میں مشہور ہوئے - لشبونہ سے یہ خیال اسپین پہنچا اور یہ دونوں ملک اُس پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے -

(کولمبس کی مہم)

پہلا نظریہ یعنی بحر اٹلانٹک میں غرباً سفر ' سب سے پہلے جنیوا کے ایک باشندے کولمبس نے پیش کیا - میں کہتا ہوں " سب سے پہلے " حالانکہ اِس سے میری مراد " اہل یورپ میں سب سے پہلے " ہے - کیونکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ کولمبس سے بہت پہلے اندلس اور مصر کے مسلمان اِس پر غور کرچکے تھے - صرف غور ہی نہیں بلکہ اُسے عمل میں بھی لا چکے تھے ' اگرچہ کامیاب نہ ہوسکے -

میرا فرض ہے کہ یہ تاریخی حقیقت ' جس پر انسان اور زمانے کی ناانصافیوں نے پردے ڈال رکھے ہیں ' روشنی میں لے آؤں -

علماء یورپ ہمیں بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے کولمبس کو خیال پیدا ہوا کہ بحر اٹلانٹک میں غرباً چلنے سے ہندوستان تک پہنچ سکتے ہیں - چنانچہ یہ خیال لے کر وہ لشبونہ گیا اور جان ثانی شاہ پرتگال کے سامنے پیش کیا - لیکن یہ بادشاہ بدنصیب تھا اُس نے کولمبس کی بات نہ مانی بلکہ اُسے مجنوں قرار دیا - کولمبس خفا ہوکر اسپین چلا گیا اور فرڈیننڈ اور ملکۂ ایزابلا کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا - نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نئی دنیا تک پہنچ گیا جس کا نام اُس وقت لوگوں نے " مغربی ہند " (Indes Occiden Tales) (۱) رکھا تھا کیونکہ کولمبس کا ارادہ ' ہندوستان پہنچنے کا تھا - اِسی کی تلاش میں امریکہ نکل آیا - اِسی لیے اُسے ہندوستان ہی سے تعبیر کیا گیا -

لیکن جب کہ کولمبس ' لشبونہ میں یہ خیال لیے ہوئے بحر اٹلانٹک کی متلاطم موجوں پر امید کی نظریں ڈال رہا تھا ' تو کیا اُس کے دل میں یہ خیال بھی گزرا تھا کہ اِسی لشبونہ میں کھڑے ہوکر عرب ٹھیک اِسی مقصد بلکہ اِس سے بھی بڑے مقصد سے سمندر پر نظریں ڈال چکے ہیں ؟

کیا کولمبس کو یہ خبر پہنچی تھی کہ اِسی لشبونہ کے مسلمانوں نے اُس سے بہت پہلے ارادہ کیا تھا کہ بحر ظلمات میں تحقیقات کے لیے در آئیں ؟

کولمبس کو شاید معلوم نہ ہوا ہو ' لیکن یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے - لشبونہ کے اُن مسلمانوں میں سے جو " مغرورین " کے لقب سے مشہور ہیں ' آٹھ عم زاد بھائیوں نے کمر ہمت چست کی - جہاز طیار کیے - کئی مہینے کا کھانا پانی جمع کیا ' اور اُس ہوا کے آغاز پر جو اُنھیں مغرب کے کناروں تک لیجا سکتی تھی ' بحر ظلمات میں روانہ ہوگئے - اُن کے سفر کا حال شریف ادریسی نے اپنی کتاب " نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق " میں لکھا ہے - اہل لشبونہ اپنے اِن " مجنونوں " کو بھولے نہیں بلکہ اُن کی یادگار باقی رکھنے کے لیے اپنے شہر کے ایک محلہ کا نام " درب المغرورین " رکھدیا -

---

(۱) گیارھویں صدی ہجری کے عرب مصنفین کی کتابوں میں بھی امریکا کا نام (الھنود المغربیۃ) لکھا ہے - دیکھو مقدمہ " کتاب العز و المنافع للمجاھدین بالبارود و المدافع " جو مصر کے سلطانی کتب خانے میں محفوظ ہے -

کولمبس کو بیشک یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ امریکا تک پہنچ گیا - لیکن کس طرح پہنچا ؟ کیا اُس کے وہم میں بھی یہ بات موجود تھی کہ بحر ظلمات کے دامنوں میں ایک اور دنیا بھی چھپی ہوئی ہے ؟ اِس کا کوئی ثبوت موجود نہیں - وہ تو ہندوستان کے ارادے سے نکلا تھا اور محض اتفاق سے امریکا پہنچ گیا - لیکن لشبونہ کے مسلمان تو اِسی دنیا کی تحقیق کے لیے نکلے تھے - اُنھیں ہندوستان کی فکر نہ تھی - نہ تجارت و دولت کی طمع تھی - اُن کے سامنے صرف جغرافیائی تحقیقات تھی - ظاہر ہے کہ کولمبس اور اُن کے نقطۂ نظر میں کتنا اختلاف تھا اور دونوں میں کون زیادہ تحسین علم کا مستحق ہے ؟

یہی نہیں بلکہ کولمبس سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہی مسلمانوں نے امریکا کا تصور کرلیا تھا - ملک الناصر محمد بن قلاؤون کے عہد میں ایک عالم ' قاہرہ میں موجود تھے - اِن کا نام ابو الثناء محمود بن ابی القاسم الاصفہانی تھا - ابن فضل اللہ العمری اپنی کتاب " مسالک الابصار فی ممالک الامصار " (جلد ۱ صفحہ ۳۱) میں اِن کا یہ قول لکھتے ہیں :

" میں اِسے بعید نہیں سمجھتا کہ زمین کے اِس رخ پر پانی کے ہٹ جانے کی وجہ سے جو خشکی نمودار ہوگئی ہے ' ویسی ہی خشکی زمین کے دوسرے رخ پر بھی موجود ہو - چونکہ یہ مستبعد نہیں ہے ' اِس لیے یہ بھی مستبعد نہیں کہ اُس طرف کی خشکی پر بھی ویسے ہی حیوان و نباتات موجود ہوں ' جیسے ہماری اِس زمین میں موجود ہیں ' یا وہ کسی اور جنس و نوع کے ہوں "

(راسکو دی گاما اور راس امید)

ہندوستان تک پہنچنے کے پہلے نظریہ نے امریکا کو ظاہر کیا - اب دوسرا نظریہ ہمارے سامنے آتا ہے - اِس سے مقصود یہ تھا کہ بحر اٹلانٹک میں افریقہ کے گرد گھوم کر ہندوستان کی راہ نکالی جائے -

یہ خیال سب سے پہلے جنیوا میں رہنے والے دو بھائیوں : اوگولینو Ogolino اور ویڈینو Vadino کو ہوا - وہ اس مہم پر روانہ بھی ہوگئے مگر کامیاب نہ ہوے اور غرق ہوگئے -

لیکن یہ خیال برابر زندہ رہا اور ہمتیں بڑھاتا رہا - اُس وقت پرتگال کے ملک میں بڑی تجارتی بیداری موجود تھی - پرتگالی ' ہمت و شجاعت میں تمام یورپین قوموں کے آگے تھے - پرتگال کی نازک اندام عورتوں کا بھی اِس حرکت میں بڑا حصہ تھا - اُنھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ اُنھی لوگوں سے شادی کرینگی جو افریقا کے ساحلوں پر اپنی شجاعت و بسالت ثابت کر دینگے - نتیجہ یہ ہوا کہ پرتگالی نوجوان سواحل افریقا پر ٹوٹ پڑے ' اور بتدریج بہت سی بندرگاہوں کے مالک بن گئے - اِن مہموں میں عربوں اور یہودیوں نے اُنکی بڑی مدد کی - یہ لوگ افریقا سے اُس وقت سب سے زیادہ واقفیت رکھتے تھے - اِنھوں نے پرتگالی بادشاہوں خصوصاً شاہ ہنری کو (جو ملاح کے لقب سے مشہور تھا) اپنی قیمتی معلومات سے آگاہ کیا ' اور اِس طرح افریقا کی تحقیق و فتح میں پرتگالیوں کے رہنما بنے - یہی عرب اور یہودی تھے جنھوں نے پرتگال کو گینیا کی سونے کی کانوں سے آگاہ کیا تھا - غرضکہ سنہ ۱۴۱۳ سے سنہ ۱۴۸۶ تک پرتگالی اپنے مقبوضات ' سواحل افریقا پر پھیلاتے رہے ' یہانتک کہ سنہ ۱۴۸۶ میں پرتگالی امیر البحر جنوبی افریقا کے آخری نقطہ تک پہنچ گیا - یہی وہ مقام ہے جس کا ذکر قطب الدین نہروالی نے اپنی کتاب " البرق الیمانی فی الفتح العثمانی " میں اِس طرح کیا ہے " یہ جگہ ساحل کے قریب ایک آبنائے میں واقع ہے - اِس کے ایک جانب پہاڑ ہے اور دوسری جانب بحر ظلمات ہے - یہاں سمندر سخت طوفانی حالت میں رہتا ہے - کشتیاں ٹک نہیں سکتیں - ٹوٹ جاتی ہیں "

پرتگالیوں نے اِس مقام کا نام " راس طوفان " رکھا تھا - لیکن جان ثانی شاہ پرتگال نے اس کا نام " راس امید " رکھدیا - کیونکہ اِس کی دریافت نے براہ راست ہندوستان تک پہنچنے کی امید پیدا کردی تھی -

لیکن یہ امید جان کی زندگی میں پوری نہیں ہوئی - اس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا عمانویل ثانی تخت نشین ہوا - اِسنے وا سکو دی گاما کو سنہ ۱۴۹۷ میں اِس مہم پر روانہ کیا تاکہ ہندوستان کی راہ دریافت کرے - اِس شخص نے سفر شروع کیا - راس امید عبور کرکے سواحل کفرہ میں پہنچا - پھر ممباسہ آیا ' پھر ملندہ میں وارد ہوا - یہیں اِسکی ملاقات حسب تصریح قطب الدین کے (جیسا کہ " برق یمانی " میں مذکور ہے) " ایک بحری آدمی سے ہوئی - اِسکا نام احمد بن ماجد تھا - اِسی نے نشہ کی حالت میں واسکو دی گاما کو ہندوستان کا سیدھا راستہ بتا دیا - اور اس کے بعد بحر ہند میں پرتگالیوں کی کثرت ہوگئی " لیکن خود پرتگالی مورخ ' احمد بن ماجد کا کوئی ذکر نہیں کرتے - البتہ ایک ایسے آدمی کا وجود ضرور تسلیم کرتے ہیں جو واسکو دی گاما کا شریک سفر ہوگیا تھا - اور اُسکا نام وہ " معلم کنہ " Malem Cana بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان پہنچ کر گجرات میں فوت ہوگیا - بعضوں نے اُسکا نام Malem Canaque لکھا ہے -

بعض پرتگالی مورخ کسی ایسے شخص کا وجود تسلیم نہیں کرتے - اُنکا بیان ہے کہ سلطان ملندہ نے واسکو کے ساتھ اپنے ملک سے دو آدمی کر دیے تھے جو بحر ہند سے بخوبی واقف تھے -

بہر حال یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ راس امید کی دریافت میں عربوں کا بھی حصہ ہے اور راس امید سے ہندوستان تک پہنچنے میں تو سراسر عربوں ہی نے رہنمائی کی تھی -

مختارات

(اخبار نویسی)

سلطان عبدالحمید نے معزول ہونے کے بعد کہا " اگر میں یلدز (محل) میں لوٹ سکوں تو اخبار نویسوں کو ایک ہی قید خانہ میں بند کردونگا "

" اِس ملک میں ہر دس آدمیوں میں صرف ایک شخص کو انشا پرداز ہونا چاہیے " (روزولٹ - امریکا)

" اخبار نویس کی صورت دیکھ شیطانوں کا بادا ' ابلیس ' بھی کانپ جاتا ہے " (ولیم سٹیڈ)

" کیڑے مکوڑوں میں سے اخبار نویس بھی ہے " (ملکۂ اسپین)

" اے قلم تو نہایت خوبصورت ہے لیکن میری سلطنت میں تو شیطان سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے " (آخری زار روس)

پرتگال کے معزول بادشاہ " مانویل " نے اخبار نویسوں سے کہا " تمھیں نے مجھے برباد کیا ہے "

جمہوریہ وینزولا (امریکا) کے صدر " کاسٹرو " کا قول ہے : " اگر جہنم کا پھاٹک بھی میں کھلا دیکھوں تو اُتنا نہ ڈرونگا جتنا اخبار نویس کے قلم سے ڈرتا ہوں "

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تأثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کا یہ دوسرا حصہ ہے۔ الہلال)

"جوف" سے "حائل" تک اونٹ کی پیٹھ پر دس دن کی مسافت ہے راستہ نہایت ہی اُجاڑ اور بیابانی ہے۔ ہم کبھی ریگ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھتے تھے۔ کبھی نشیبی وادیوں میں ہوتے تھے۔ کبھی ایسی بلند پگڈنڈیوں پر چلتے جن کے نیچے ہولناک گہرائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ راستہ ایسا دشوار گزار اور خطرناک ہے کہ اونٹ کا ذرا قدم ڈگمگا جائے تو ہلاکت یقینی ہے۔ عظیم بلندی پر سے انسان فوراً تحت الثریٰ میں جا پہنچے۔

اس سفر میں پہلے ۶ دن تک کہیں پانی نہیں ملا۔ اگر پانی ہمارے ساتھ مشکوں میں اور اونٹوں کے ساتھ اُنکے پیٹ میں نہ ہوتا تو موت یقینی تھی۔ اس تمام مدت میں غسل کرنا کیا معنی غسل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پانی کا ایک ایک قطرہ خود زندگی کی طرح قیمتی تھا۔

ساتویں دن علی الصباح ہمیں "جبہ" نام ایک آبادی ملی۔ یہاں کے تمام مکان ایسی سفید مٹی سے بنے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ چند شیوخ مجھے پوچھتے ہوئے آئے اور مہمان بننے کی درخواست کی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انھیں پہلے ہی خبر پہنچ گئی تھی کہ ایک مصری، شاہ نجد کی ملاقات کے لئے آرہا ہے۔ "لہٰذا" انھوں نے کہا "ہمارا اخلاقی فرض تھا کہ تمھیں اپنا مہمان بناتے"

نویں دن ہم "قنا" میں پہونچ گئے۔ یہ بہت ہی چھوٹا گاؤں ہے۔ حتی کہ یہاں ہمیں کھانے کے لئے ایک بکری بھی مول نہ مل سکی لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ کیونکہ تھوڑے فاصلہ پر تین گاؤں اور تھے۔ ان میں سب سے بڑا گاؤں "ام جلبان" ہے اور اس کی آبادی صرف ۴ گھر ہیں۔ مکانوں کے گرد خرمے کے چند درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے حرف قاف کا تلفظ "گاف" کی طرح کرتے ہیں۔

حائل

دسویں دن "حائل" ہمارے سامنے تھا۔ سلطان ابن سعود کے عم زاد بھائی امیر عبدالعزیز بن مساعد بن جلوی، حاکم حائل کا نائب ہمارے استقبال کے لئے شہر کے باہر موجود تھا۔

ہم نے اپنے تمام پچھلے صحرائی سفر میں حائل سے زیادہ آباد کوئی مقام نہیں دیکھا۔ یہ ایک حد تک شہر کا حکم رکھتا ہے۔ آبادی وسیع ہے۔ سڑکیں کشادہ اور منظم ہیں۔ بازار بھی بہت بڑا ہے جس میں اونٹوں اور مویشیوں کی تجارت بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے۔ حائل، مدینہ منورہ سے ۸ دن، شام سے ۱۵ دن، اور عراق سے بھی تقریباً ۱۵ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ تجارت کا ایک مرکزی مقام ہے۔ ہندوستان کے چاول کی یہاں بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے کی اصلی غذا یہی چاول ہے۔ قسم قسم کی ترکاریاں، سبزیاں، اور میوے بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ نخلستان بے شمار ہیں۔ لیکن کھجور بہ مرہ اور گھٹیا قسم کی ہوتی ہے میں نے عورتوں کو بازار میں روٹی، میوے، ترکاری، مرغی، انڈے، بیچتے دیکھا۔ وہ سیاہ کرتے پہنے تھیں۔ اوپر سے سفید چادریں اوڑھے تھیں۔ نہایت باوقار اور سنجیدہ تھیں۔ خریداروں سے ضرورت بھر بولتی تھیں، مگر اس قدر آہستہ کہ کوئی دوسرا آدمی اُن کی آواز نہیں سُن سکتا!

یہاں یہ عجیب بات دیکھی کہ صرف فرانسیسی سکہ، جسے یہ لوگ "ثوشی" کہتے ہیں، مستعمل ہے۔ انگریزی یا ترکی سکے نہیں چلتے۔

ایک دن میں حاکم حائل کے نائب کا مہمان رہا۔ دوسرے دن خود حاکم، امیر عبدالعزیز بن مساعد نے مجھے اپنے دارالحکومت میں مدعو کیا اور غیر معمولی خاطر تواضع کی۔ پہلی نظر میں وہ ہوتا ہے کہ یہ امیر شاید متکبر و مغرور ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ نہایت ہی منکسر مزاج، خوش اخلاق، اور خوش صحبت ہے۔ وہ اپنے اس صوبے میں اور اس کے اطراف کے تمام شمالی علاقوں میں سلطان ابن سعود کے ماتحت مطلق العنان حاکم ہے، اُس کے احکام کے سامنے کوئی روک کھڑی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُس کے احکام کتاب و سنت کے احکام کے تحت ہوتے ہیں۔ شریعت اسلامیہ سے بال بھر تجاوز کرنا اس علاقے میں ایسا جرم ہے کہ اُس کے لئے کوئی معافی نہیں!

حاکم کے پاس دو موٹریں ہیں جن پر وہ اکثر سفر کیا کرتا ہے۔ موٹر چلانے والا ایک شامی عرب ہے۔ دوسرا نجدی ہے۔

حاکم کے ایک مصاحب کے ساتھ میں قید خانہ دیکھنے گیا۔ مجھے یقین تھا، مجرموں کی بڑی بھیڑ دیکھوں گا۔ مگر قید خانے میں پہنچکر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ وہاں ایک قیدی بھی موجود نہ تھا۔ صرف محافظ سپاہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا "قیدی کہاں ہیں؟" سپاہیوں نے جواب دیا، "جب مجرم ہی نہیں ہیں تو قیدی کہاں سے آئیں!" اسوقت مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی احکام شریعت، جرائم کی بیخ کنی کے لئے بہترین قانون ہیں۔ اور یہ کہ نجد کے سوا وہ احکام شریعت کی پابندی کسی مسلمان قوم میں نہیں ہے۔ حائل جیسی وسیع آبادی کے قید خانے میں ایک قیدی کا بھی موجود نہ ہونا، یقیناً اس بیسویں صدی میں اعجوبہ کا حکم رکھتا ہے۔

حائل کی آب و ہوا نہایت معتدل ہے۔ یہاں میٹھے پانی کا ایک چشمہ موجود ہے اور اپنے طبی خواص میں "فیشی" کے معدنی چشمے کا مقابلہ کرتا ہے۔ اس کا پانی ہر قسم کا نمک پگھلا دیتا ہے۔ گردے کے جملہ امراض کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ خون صاف کرتا ہے اور حیرت انگیز سرعت سے غذا ہضم کر دیتا ہے۔ اس چشمے کا نام "ماء السلاح" ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے چشمے ہیں اور سب شیریں اور عمدہ ہیں۔ آب و ہوا کی اسی خوبی کا نتیجہ ہے کہ یہاں کے باشندے خوب توانا تندرست ہیں۔

اب سے پہلے حائل، ابن الرشید کی ریاست کا پایۂ تخت تھا۔ یہ ریاست ایک زمانہ میں ریاض کے خاندان سعود کے تابع تھی۔ پھر کچھ مدت خود مختار رہی۔ اب ایک مرتبہ پھر خاندان سعود کے زیر نگیں آگئی ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

حائل کے باشندے، دراصل قبیلۂ "شمر" کے افراد ہیں۔ یہ قبیلہ صحرا میں بود و باش رکھتا تھا۔ پھر اُس کا ایک بڑا حصہ کٹ کر شہری بن گیا، اور حائل میں آباد ہو گیا۔

حائل میں "اخوان" بکثرت نظر آتے ہیں۔ انھیں یہاں "حبان" کہتے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ سُرخ ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ چھوٹے عمامے باندھنے والے معمولی لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ بڑے عمامے والے شیخ ہوتے ہیں۔ نجد میں اس گروہ کو سب سے زیادہ اہمیت و قوت حاصل ہے۔ حائل، احساء، اور حجاز کی فتوحات انہی کے ہاتھوں واقع ہوئی ہیں۔ تمام عرب میں ان کی شجاعت اور پامردی کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ بڑی بڑی فوجوں پر ان کا نام رعب و ہیبت طاری کر دیتا ہے۔ اب سے چند سال پہلے یہ سخت وحشی اور جاہل تھے۔ دین کا کوئی حکم بھی نہیں جانتے تھے۔ لیکن آج ان میں سے ہر شخص شریعت کے تمام عملی احکام کا عالم ہے۔ نجد و حجاز میں اتباع شریعت اور ترک بدع و نواہی کی سب سے بڑی جماعت ہے۔

قصیم

حائل میں ایک ہفتہ سلطان تگی کی مہمانی میں رہ کر ہم نے پھر سفر شروع کر دیا۔ اب منزل مقصود، بریدہ تھی۔ بریدہ، حائل سے ۸ دن کے فاصلہ پر ہے۔ راستہ صاف اور میدانی ہے۔

راستہ میں سب سے پہلی آبادی "عدوہ" کی ملی۔ اس گاؤں کا منظر نہایت دلفریب ہے۔ اس کے گرد کھیت ہیں، اور دور تک سر بفلک پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ بہت ہی دلچسپ منظر پیش کرتے ہیں۔ انکے نیچے میدانوں پر سنہری ریگ بچھی ہوئی ہے اور از حد منظر فریب ہے!

راستہ میں ایک قابل ذکر واقعہ پیش آیا۔ ہمارے قافلہ کے ایک مسافر کی اونٹنی رات کو کہیں بھاگ گئی۔ ہر چند تلاش ہوئی مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ عین ناامیدی کے وقت ایک بدو نظر آیا۔ اُس سے پوچھا گیا تو اُسنے کہا "میں نے اس شکل کی اونٹنی فلاں مقام پر دیکھی تھی میں اُسے لا سکتا تھا، مگر اس ڈر سے ہاتھ نہیں لگایا کہ چور نہ سمجھا جاؤں" اس واقعہ سے مجھے اہل نجد کی امانت و دیانت کا اور بھی زیادہ یقین ہو گیا۔ میں جتنی زیادہ جستجو کرتا گیا، مجھے معلوم ہوتا گیا کہ چوری اور قزاقی نجد میں بالکل نامعلوم ہے۔

راستہ میں چار گاؤں اور بھی ملے: کہفہ، جوارہ، رمّال، اور شقہ۔

مطبوعات جدیدہ

غدر ۱۸۵۷ء

اور "تصویر کا دوسرا رُخ"

(۲)

آخر الذکر کاؤں میں نمک کا پہاڑ ہے اور خود باشندوں کی ملکیت ہے وہ حکومت کو محصول (ٹیکس) دیئے بغیر نمک نکالتے ہیں اور تجارت کرتے ہیں۔

بریدہ کے حاکم، مبارک بن مسیرک، کو ہماری آمد کی خبر مل گئی تھی۔ اُسنے آبادی سے باہر آکر سلطان کی طرف سے ہمارا خیر مقدم کیا اور مہمان بنایا۔ یہ حاکم بھی نہایت خوش اخلاق اور متدین ہے۔

بریدہ، ریگ کے میدان میں واقع ہے۔ حائل کی طرح یہاں بھی عمارتیں پختہ ہیں۔ یہاں بھی زراعت اچھی ہوتی ہے۔ نخلستان بہت ہیں۔ اس کی کھجور اگرچہ چھوٹی ہے مگر پُرمغز اور شیریں ہوتی ہے۔ لیکن اس میں یہ عیب ہے کہ دیر سے ہضم ہوتی ہے۔ بریدہ، اس تمام حصے کا، جسے قصیم کہتے ہیں، پایۂ تخت ہے۔ وسط نجد میں بریدہ سب سے زیادہ متمدن جگہ ہے۔ یہاں شہروں کی طرح سہ منزلہ عمارتیں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ یہاں کے باشندے نجد میں سب سے زیادہ متمدن، دولت مند، چست و چالاک، اور تجارت کے ماہر ہیں۔ یہ لوگ حجاز، شام، مصر، بلکہ ہندوستان تک کے بازاروں سے بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں۔ تجارت نے اُنکے تعلقات، متمدن دنیا سے پیدا کر دیئے ہیں۔ وہ بہت ہوشیار اور سلیقہ مند ہو گئے ہیں۔ اُن کی زبان بھی غیر نجدیوں کے لیے سہل ہے۔ مجھے اُن کے دسترخوان پر شبہ ہوتا تھا کہ مصر یا شام کا دسترخوان ہے۔ کیونکہ الوان و اقسام کے شہرن کھانے موجود ہوتے تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ ان میں مذہبی تعصب بھی بہت کم ہو گیا ہے۔ میں نے اُنھیں حنفیہ تمباکو بھی پیتے دیکھا ہے۔ تمباکو کا نام تنبل ہے۔ "تنبل" ہے اور اُس کا کھانا تک جرم ہے۔ سلطان ابن سعود کی حکومت میں بریدہ کے بہت سے تعلیم یافتہ نوجوان بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں۔

بریدہ میں تین دن قیام کر کے ہم نے ریاض کا قصد کیا۔ بریدہ سے پایۂ تخت تک پہنچنے کے لیے بیاض سے دو راستے ہیں: طریق عادی اور طریق مستوی۔ آخر الذکر زیادہ مختصر ہے۔ اسی راستہ میں معلوم ہوا کہ فتح حجاز کے بعد سلطان عبد العزیز پہلی مرتبہ نجد واپس آرہے ہیں اور جلد ہی ریاض پہنچنے والے ہیں۔ لہذا ہم نے مختصر راستہ اختیار کیا تاکہ سلطان سے پہلے پہنچ جائیں اور اُن کا شاہی استقبال دیکھ سکیں۔

چار دن کے سفر کے بعد ہم ایک گاؤں "ابو شعیر" میں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ سلطان ۲۶ موٹروں کے جلوس کے ساتھ آج ہی یہاں سے گزرے ہیں۔ راستے میں کوئی قابل ذکر مقام یا واقعہ پیش نہیں آیا۔ الّا یہ کہ یہاں کے باشندے ٹڈی کھانے کے بہت دلدادہ ہیں۔ اتنے دلدادہ کہ مجھے حیرت ہو گئی۔ ٹڈا ٹڈی سے پناہ مانگتی ہے۔ مگر یہ اُس کی آمد کی دعائیں مانگتے ہیں، اُسے بہت مبارک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ ٹڈی کو خشک کر کے رکھ لیتے ہیں اور دُور دراز ملکوں میں اپنے دوستوں کو بطور قیمتی تحفے کے بھیجتے ہیں۔ چنانچہ مصر میں نجدی تاجروں کے پاس ٹڈیوں کی تھیلیاں آتی رہتی ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں!

ریاض سے پہلے ہمیں کئی آبادیاں ملیں۔ مثلاً: شنّہ، بریہ، وثیم وغیرہ۔ درعیہ، نجد کا تاریخی شہر ہے۔ یہیں سے خاندان سعود نے ظہور کیا۔ یہی نجد کا قدیم پایۂ تخت ہے۔ یہی دعوۃ کا اولین مرکز ہے۔ یہیں نجدیوں اور ابراہیم پاشا مصری کی فوجوں میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ شہر کے کھنڈروں میں اب تک مصری توپوں کے نشان موجود ہیں۔ درعیہ سے متصل ایک گاؤں "عیینہ" ہے۔ یہ بھی بہت تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہیں سے مسیلمہ کذاب نے خروج کیا تھا۔

آٹھویں دن ہم ریاض پہنچ گئے۔ شہر خوب آراستہ تھا۔ ہر طرف مسرت کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ تمام نجد سے مبارکباد دینے کے لیے وفد آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ سلطان نجد، حجاز فتح کر کے واپس ہوئے تھے۔

سلطان کو ہماری آمد کی اطلاع پہلے سے ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے اپنا خاص نمائندہ میرے استقبال کے لئے شہر کے پھاٹک پر بھیجا وہ مجھے اپنے ہمراہ قصر شاہی میں لے گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں سلطان کے حضور پہنچا۔ مگر اُنھوں نے اس طرح میرا خیر مقدم کیا گویا عمر بھر سے میرے دوست ہیں۔ جب اُنھیں میرے سفر کی غرض معلوم ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور جزیرۃ العرب کے حالات کی تحقیق میں میری ہر طرح امداد کا وعدہ فرمایا۔

سلطان نے نہایت فراخدلی سے میری تواضع کی۔ پورا ایک مکان میرے قیام کے لئے خالی کرا دیا۔ مجھے اجازت دی کہ جب چاہوں اُن کی [illegible]

بلیک ہول اور عید کی قربانی

کوپر جو اِن دنوں امرتسر کا ڈپٹی کمشنر تھا، اپنی کتاب "ضلع امرتسر" میں لکھتا ہے: "۲۶ نمبر پلٹن نے ۳۰ جولائی کو لاہور میں بغاوت کر کے اپنے کرنل افسر کو قتل کیا تھا۔ اس کی پاداش میں تمام سپاہی تہ تیغ کر دیئے گئے"!

۱۳ مئی کو ۳۰۰ ہندوستانی سپاہیوں سے احتیاطاً اسلحہ لے لئے گئے تھے۔ تقریباً تین ماہ تک اُن پر کڑی نگاہ رکھی گئی۔ ۳۰ جولائی کو سخت طوفان باد آیا۔ اور قیدیوں میں غیر معمولی جوش و خروش پایا گیا۔ اسی اثنار میں ایک سپاہی تلوار لے کر باہر آیا۔ اور اپنے ساتھی کو للکارنے لگا۔ "آؤ انگریزوں کو قتل کر دیں۔ چنانچہ اس نے جاتے ہی جرمن افسر کو قتل کر دیا۔ اور تمام قیدی طوفان کی اوٹ میں بھاگ نکلے۔ ان میں سے سیکڑوں سپاہی سکھوں اور انگریزوں کی گولہ باری سے مارے گئے تھے۔ باقی ماندہ سپاہیوں نے دریائے راوی عبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پولیس نے مزاحمت کی۔ کوپر امرتسر سے اُن کے تعاقب میں آیا۔ اُسنے اپنی کتاب میں ان سپاہیوں کی حالت بیان کی ہے، "دیہات کے لوگ دریا کے کنارے باغیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ ان میں سے ایک سو ۵۰ آدمیوں کو انھوں نے قتل کر دیا اور سیکڑوں کو دریا میں دھکیل دیا۔ چونکہ وہ ۴۰ میل سفر کر کے آئے تھے۔ اس لئے سخت تھکے ہوئے تھے۔ اور دریا کے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ناچار ڈوب گئے۔ باغیوں کی ایک خاصی تعداد دریا عبور کر کے ایک جنگل میں چھپ گئی تھی۔ کوپر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دریا کو کشتیوں کے ذریعے عبور کیا۔ باغیوں کو خیال ہوا، اُن کا کورٹ مارشل کیا جائے گا اور وہ بغیر کسی مزاحمت کے گرفتار کر لئے گئے۔ پھر انھیں پولیس اسٹیشن کے ایک کمرے میں بند کیا گیا۔ دوسرے روز سکھ پلٹن نے آئے۔ کوپر کے ہمراہیوں میں مسلمانوں کی بھی کچھ تعداد تھی۔ چونکہ اسے شک تھا کہ شاید وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کریں۔ اس لئے اُنھیں رخصت دے دی گئی تاکہ امرتسر میں جا کر عید الضحیٰ منائیں۔ عید الضحیٰ قربانی کا تیوہار ہوتا ہے۔ کوپر بھی ایک خاص قسم کی قربانی کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ خوش قسمتی سے پولیس اسٹیشن کے قریب ہی ایک خشک کنواں مل گیا۔ دس دس قیدیوں کو اکٹھا باندھا گیا اور باری باری باہر لا کر گولیوں کی بوچھاڑ سے مار دیا گیا۔ جب ۱۵۰ آدمی اس طرح مارے گئے۔ تو فائر کرنے والوں میں سے ایک بوڑھا آدمی بے ہوش ہو گیا۔ اس لئے مارنے والی جماعت کو کچھ عرصہ کے لئے آرام دیا گیا۔ پھر دوبارہ اسی طریقے سے قیدی مارے گئے۔ حتیٰ کہ مقتولین کی تعداد ۲۳۷ تک پہنچ گئی۔ اتنے میں افسر کو معلوم ہوا کہ بقیہ باغی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلنا چاہتے۔ جب دروازہ کھولا گیا۔ تو اتفاقاً ایک ہول والے حادثے کا نقشہ سامنے موجود تھا، ۴۵ آدمی خون، گرمی اور سانس بند ہونے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکے تھے۔ ان تمام باغیوں کی لاشیں اسی کنوئیں میں پھینک دی گئیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ اس حادثہ کی تمام تر ذمہ داری کوپر پر عائد ہوتی ہے۔ جسنے تن تنہا سکھ فوج کی مدد سے بے شمار مسلمانوں کو ظالمانہ طریقے سے تباہ کیا، اسمیں شک نہیں۔ کہ بعد میں اس کی حرکت پر بڑی لعن طعن کی گئی۔ لیکن محض زبانی لعن طعن سے کیا ہوتا ہے؟ لارنس نے جو پنجاب کا گورنر (چیف کمشنر) تھا ایک خط میں اُس کی بڑی تعریف کی ہے، وہ لکھتا ہے:

"میں تم کو تمھاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے اور تمھاری پولیس نے بڑی جانبازی دکھلائی۔ گورنمنٹ تمھاری بہت مشکور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان باغیوں کا انجام دوسرے آدمیوں کے لئے کافی تنبیہ ہوگی۔ جو باغی اِدھر اُدھر منڈلا رہے ہیں اُنھیں پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے"۔ لارنس ۲ راگست ۱۸۵۸ء لاہور"

لارنس کے بعد منٹگمری[1] پنجاب کا لفٹنٹ گورنر مقرر ہوا۔ اُسنے بھی اسی واقعہ کے متعلق کوپر کو خط لکھا۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے "جو کچھ تم نے کیا۔ بہت اچھا کیا۔ اس نازک وقت میں کسی حیلۂ حجت کی ضرورت نہ تھی۔ جب تک تم زندہ رہو گے، یہ تمھارے واسطے

---

[1] یہ واقعہ اگر زیادہ تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو سر جان لارنس کی سوانح عمری جلد دوم میں دیکھا جائے (الہلال)

ہر مجلس میں بے تکلف آسکتا ہوں۔ نیز اپنے افسروں کو بھی دربار سلطانی میں حاضر ہونے کی ترغیب دیتا ہوں۔ میری طرف سے مدد کریں۔

عنوان شرف ہوگا۔ بقایا تین پلٹنوں میں بھی کچھ گڑبڑ ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے وہ بغاوت نہیں کریں گے۔ میری خواہش ہے، کہ وہ بھی منحرف ہو جائیں۔ تاکہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے۔ منٹگمری"

منٹگمری عیسائیت کی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیا کرتا تھا۔ اس مذہب کی ضرب المثل نرم مزاجی اور حلم و بخشش کا سخت مداح تھا، لیکن اسنے بھی ایسے ظالمانہ فعل کی تائید کی۔ اس کے بعد اسنے ہاڈسن کو ایک چٹھی لکھی یہ وہ شخص تھا۔ جسنے بہادر شاہ کے لڑکوں کو سخت بیرحمی سے قتل کیا تھا۔ انگریز مورخین میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا۔ جسنے ہاڈسن کے اس فعل کی مذمت نہ کی ہو۔ لیکن منٹگمری اسے لکھتا ہے:

"میرے پیارے ہاڈسن۔

میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے بادشاہ کو گرفتار کر لیا اور اس کے بیٹوں کو قتل کر دیا۔ میں امید کرتا ہوں تم اسی طرح اور شاہزادے بھی قتل کرو گے۔ منٹگمری"

ایک آدمی اتنا مجروح تھا کہ وہ مقتل پر جانے کے قابل نہ تھا۔ منٹگمری کی ہدایت کے مطابق اسے سرکاری گواہ بنایا گیا۔ چنانچہ کوپر کو مفصلہ ذیل خط لکھا ہے "مجروح مذکور کو لاہور بھیجدیا جائے، تاکہ وہ خود اپنی زبان سے امرتسر کے واقعات بیان کرے۔ بغیر اس کے کوئی شخص اعتبار نہیں کرے گا، ۲۶ پلٹن کے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے جو آوارہ پھر رہے ہونگے۔ ان سب کو گرفتار کر کے ہماری طرف بھیجدو۔ تم کافی تعداد میں قتل کر چکے ہو، اب ہمیں اپنی فوجوں کے لئے کچھ آدمی چاہئیں"

ایک کے بدلے ۵۰۰

اس مجروح قیدی اور ۴۱ آدمیوں کو لاہور بھیجدیا گیا۔ جہاں وہ بے دریغ قتل کر دیئے گئے۔ کوپر خود اقبال کرتا ہے کہ کمان افسر کے قتل کے بعد دو دن کے اندر، اس کے بدلے ۵۰۰ آدمیوں کا خون بہایا گیا۔

کانپور میں ایک کنواں ہے۔ جہاں چند انگریزوں کو قتل کر کے پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن اجنالہ میں بھی ایک کنواں ہے۔ جہاں سیکڑوں ہندوستانی قتل کر کے پھینک دیئے گئے۔

رسل اپنی ڈائری میں لکھتا ہے "ایک افسر نے جو رینا ڈ کی فوج کے ساتھ مقرر تھا۔ مجھ سے ذکر کیا کہ ہندوستانیوں کو اندھا دھند قتل کیا جاتا تھا۔ دو دن کے عرصے میں ۴۲ آدمیوں کو سڑک کے کنارے پھانسی دی گئی۔ مقتولین میں دو لوگ تھے جو پلٹن کو اس کی راہ میں مل جاتے تھے ۱۰ آدمیوں کو محض اسوجہ سے پھانسی دی گئی کہ جب پلٹن کوچ کر رہی تھی تو ان کے منہ سڑک کی طرف نہ تھے۔ دوسری طرف دیکھ رہے تھے! جو گاؤں راہ میں آتا تھا، جلا دیا جاتا تھا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ یہ افسوسناک واقعات کانپور کے حادثہ سے بہت پہلے ہوئے تھے۔ اگر ہندوستانیوں کا یہ قتل عام کانپور کے واقعہ کے بعد ظہور پذیر ہوتا تو پھر بھی ہم لوگ شاید حق بجانب ہوتے۔ افسر مذکور نے ان مظالم کے روکنے کی کوشش کی اور رینا ڈ سے کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو لوگ دیہات خالی کر کے بھاگ جائیں گے اور فوج کے لئے خورد و نوش کا سامان ملنے میں سخت دقت واقع ہوگی۔ بالآخر یہی ہوا۔ جہاں کہیں فوج جاتی تھی دیہات بالکل ویران ہو جاتے تھے۔ لوگ غلہ دینے سے گھبراتے کیونکہ انھیں علم تھا کہ اگر انھوں نے یہ نیک کام کیا تو پھر بھی انھیں پھانسی ضرور دی جائے گی"

ایک پادری لکھتا ہے "انگریز ہندوستانیوں سے اس قدر نفرت کرتے ہیں۔ کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ انکے ملازم بھی جو عام طور پر غدر کے زمانہ میں وفادار رہے تھے، ان کی بدسلوکی اور بے رحمی سے نہ بچ سکے۔ لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ پھر بھی انکی وفاداری اور نمک حلالی میں فرق نہ آیا۔ بہت سے ڈولی بردار اور سائیس جو ہماری نوکری میں زخمی ہوئے تھے، زمین پر پڑے سسک رہے تھے مگر کسی نے علاج معالجہ کی مطلق پرواہ نہ کی۔ وہ دن کے وقت دھوپ میں پڑے رہتے۔ رات کے وقت سردی میں۔ جب دہلی کے باشندوں کا قتل عام ہوا، تو ان میں بہت سے ایسے آدمی تھے جو ہماری کامیابی پر خوش تھے۔ اور ہماری فتح یابی کے لئے دعائیں مانگتے تھے، لیکن ان کی بھی دعائیں انکے واسطے مہلک ثابت ہوئیں۔ بعض نوجوان انگریز تو ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ علانیہ طور پر کہتے تھے "تمام خدمت گاروں اور پوربیوں کو جو کیمپ میں ہیں تہ تیغ کر دیا جائے" یہ وہ ملازم تھے۔ جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہماری خدمت کی تھی"

ولسنٹ سمتھ نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تسلیم کیا ہے کہ بہت سے ہندوستانیوں نے ہماری جان بچانے کی خاطر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

کے (Kaye) اپنی کتاب میں قتل عام سے پیشتر کے واقعات یوں لکھتا ہے:

"مارشل لا کو جاری ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ ظالمانہ قانون جو مئی اور جون میں مجلس مقننہ نے پاس کئے تھے، بڑی شدت سے اپنا کام کر رہے تھے۔ فوجی اور سول افسر ہندوستانیوں کو بلا تمیز قتل کر رہے تھے۔ گورنر جنرل نے جو خط و کتابت پارلیمنٹ سے ان دنوں کی تھی، اس میں درج ہے کہ بے گناہ بوڑھوں، عورتوں، اور بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ دیہات جلائے جاتے تھے۔ ان کے باشندوں کو بھی انہی میں جلا دیا جاتا تھا۔ انگریز فخریہ طور پر کہا کرتے تھے "ہم نے کوئی آدمی بھی قتل کئے بغیر نہیں چھوڑا"!

واقعات قبل از حادثہ کانپور

ایک دفعہ چند چھوٹے لڑکے محض شرارتاً باغیوں کا سا لباس پہنکر ڈھول بجانے لگے۔ انھیں گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنایا۔ ایک انگریز افسر جو کورٹ مارشل کا رکن تھا، روتا ہوا کمان افسر کے پاس گیا۔ اور ان کی جان بخشی کی سفارش کی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی، اور ان معصوم بچوں کو پھانسی دے دی گئی۔

دیہات میں انگریزوں کی جماعتیں چکر لگاتی تھیں، جو کوئی ملتا تھا اسے کسی درخت پر لٹکا کر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

پٹنہ میں مسٹر ٹیلر کمشنر کا گواہ بنانے کا عجیب طریقہ تھا۔ اسنے ایک قیدی سے کہا اگر تم مجھے تین ایسے آدمیوں کے نام بتا دو جو واجب القتل ہوں تو میں تمھاری جان بخش دوں گا۔ لیکن اسنے ایسے آدمیوں کے نام لئے جن کے نام سے وہ خود بھی واقف تھا، اس لئے قیدی قتل کیا گیا!

آگرہ اور سہارنپور میں بھی پھانسی کا رواج بڑے زوروں پر تھا دیہاتی لوگ گروہ در گروہ گرفتار کر کے لائے جاتے تھے۔ ان میں بہت تھوڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی، جنھوں نے بغاوت میں حصہ لیا ہوگا لیکن تمام قیدی فی الفور بغیر کسی تحقیقات کے قتل کر دیئے جاتے تھے!

دہلی ۱۴ ستمبر ۵۷ء کو فتح کی گئی۔ مسز کولپینڈ بیان کرتی ہے کہ ایک ہفتے کے اندر کمان افسر نے چار پانچسو آدمی بے دریغ کر ڈالے۔ گورے سپاہی ان خوفناک مناظر میں نہایت دلچسپی لیتے تھے۔ نواب جھجر کو بھی انہی دنوں میں پھانسی دی گئی، لوگ کہتے ہیں کہ اسنے بڑی دیر کے بعد جان دی۔

ایک دفعہ ایک جوہری مسز گارسٹن کے پاس سامان بیچنے کے لئے آیا۔ مسز گارسٹن نے کہا تم بہت زیادہ قیمت مانگتے ہو، میں ابھی تمھیں مٹکاف صاحب کے حوالے کر دوں گی۔ وہ اس نام سے ایسا مرعوب ہوا کہ سامان وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور پھر واپس نہ آیا۔ مٹکاف سے ہندوستانی سخت ڈرتے تھے۔ کیونکہ "جو کوئی اس کی گرفت میں آتا ہے، وہ اسے قتل کر دیتا ہے"

کورٹ مارشل کسی پر رحم نہیں کرتی تھی۔ جو کوئی گرفتار ہوتا تھا ضرور ہی قتل کر دیا جاتا تھا۔ شہر کے چوک میں ایک بڑی پھانسی کھڑی کی گئی تھی۔ ۵، ۶ آدمی ہر روز پھانسی دیئے جاتے تھے۔ انگریز افسر بڑی متانت سے پاس بیٹھ کر یہ مناظر دیکھا کرتے!

گورنر جنرل نے ۲۴ دسمبر ۵۷ء کو جولائی کے واقعات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ لکھی تھی۔ ذیل میں اس کا اقتباس دیا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں لوگ بلا امتیاز پھانسی دیئے گئے۔ ان میں ایسے آدمی بھی تھے۔ جن کے برخلاف محض شک تھا۔ سیکڑوں دیہات لوٹے گئے، اور بعد ازاں جلا دیئے گئے۔ ان خوفناک حرکات سے وہ قومیں بھی سخت ناراض ہو گئیں۔ جو حکومت کی وفادار تھیں۔ شمالی ہند میں قحط پڑ گیا۔ کیونکہ ایسی اندھیر نگری میں باقاعدہ کاشت کاری کرنا ناممکن تھا، جو سپاہی رخصت پر گھر آئے تھے یا جو پلٹنوں کے ٹوٹ جانے کے بعد اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے اور جنھوں نے بغاوت میں مطلقاً کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ انگریزوں کی جان بچانے میں مدد کی تھی، ان سب کے ساتھ انگریزی فوجیں ہی سلوک کرتی تھیں جو باغیوں سے کیا جاتا تھا۔ گورنمنٹ کے ماتحت افسروں کی ان افسوسناک حرکات سے ملک میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ گورنمنٹ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بیخ کنی پر اب تل گئی ہے"

مجنڈی لکھتا ہے "گورنمنٹ محض پھانسی اور قتل عام کی وجہ سے چل رہی تھی۔ جب لکھنؤ فتح کیا گیا تو بے شمار آدمی پھانسی پر چڑھا دیئے گئے۔ اسوقت یہ تمیز نہیں کی جاتی تھی کہ آیا قیدی سپاہی ہے یا اودھ کا کسان ہے؟ صرف اتنی بات کافی تھی کہ چمڑا سیاہ ہو۔

مارٹن نے بمبئی ٹیلیگراف میں ایک مراسلہ بھیجا تھا جس کا مضمون یہ ہے۔ "جب ہماری فوج دہلی میں داخل ہوئی تو جو آدمی فصیل کے اندر ملا، اسی جگہ سنگینوں سے مار دیا گیا۔ مقتولین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ کئی گھروں میں سے ۴۰-۴۰-۵۰-۵۰ آدمی پکڑے گئے، یہ لوگ باغی نہیں تھے۔ شہر کے باشندے تھے۔ انہیں کامل امید تھی کہ انھیں معاف کر دیا جائے گا، لیکن وہ سخت مایوس ہوئے"

ہومز اپنی تاریخ میں لکھتا ہے "بے گناہ آدمی مارے جاتے تھے وہ جان بخشی کے لئے ہاتھ جوڑتے تھے۔ بوڑھے آدمی جو خوف اور عمر کی وجہ سے کانپتے تھے، گاجر مولی کی طرح کاٹے جاتے تھے لیکن انگریزوں کو بھی کافی اشتعال دلایا گیا تھا۔ کیونکہ انکے چند آدمی شہر کی گلی کوچوں میں مارے گئے تھے"

یہی مصنف بیان کرتا ہے کہ جونہی ہم دہلی میں داخل ہوئے۔ لوٹ مار شروع ہو گئی۔ جو ہندوستانی ملتا تھا گولی سے مار دیا جاتا تھا۔ شراب خانے اور دیگر دکانیں لوٹ لی گئیں اور انگریزوں نے شراب پی کر جہاں کہیں ہندوستانیوں کا مجمع دیکھا، ان پر ٹوٹ پڑے۔ ایسی حالت میں بیچارے باشندے کیا کرتے؟ کیا وہ انگریز سپاہیوں کو پکڑ کے کمان افسر کے پاس لے جاتے؟ لیکن وہاں تو یہ حال تھا کہ کمان افسر سے لیکر معمولی سپاہی تک، سب ہندوستانیوں کے خون کے پیاسے تھے"

مسٹر مارٹن جو ٹائمز کا نامہ نگار تھا، ۱۶ نومبر ۵۷ء کو لکھتا ہے "کل میں اور ایک افسر مع ۲۰ سپاہیوں کے شہر میں چکر لگا رہے تھے۔ ہم نے ۱۴ مقتول عورتیں دیکھیں جن کے گلے انکے شوہروں نے کاٹ ڈالے تھے، اور انکے اوپر چادریں ڈھانپ دی تھیں۔ ہم نے ایک آدمی

سے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اُسنے کہا انکے خاوندوں نے اسواسطے قتل کردیا ہے کہ مبادا یہ عورتیں انگریزوں کے قابو میں آجائیں۔ کیونکہ وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کرسکتے۔ پھر اُسی آدمی نے انکے شوہروں کی لاشیں دکھائیں۔ جنھوں نے اس فعل کے بعد اپنے آپ کو قتل کردیا تھا۔ اس شہر نے نادر شاہ کے قتل عام کے بعد ایسے خوفناک مناظر کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جسدن دہلی فتح ہوئی، وہ لوگ جو ہمارے خلاف لڑ رہے تھے، شہر سے نکلکر بھاگ گئے تھے۔ صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جنھوں نے بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ بلا امتیاز قتل کئے گئے۔

اکسفورڈ ہنری آف انڈیا نے جو ایک اعلیٰ پایہ کی کتاب سمجھی جاتی ہے، یہ واقعات قطعاً نظر انداز کردئے ہیں۔ اسنے صرف معمولی طور پر ایک مہذب فوج کے داخلۂ شہر کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہی تاریخ نادر شاہ کے قتل عام کی بڑی مہیب تصویر دکھلاتی ہے۔ حالانکہ نادر شاہ کا قتل عام اس غدر کے قتل عام کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتا نادر شاہ کا قتل عام صرف چند گھنٹے رہا تھا، اور یہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔

حادثۂ کانپور

بعض انگریز مورخ کہتے ہیں کہ چونکہ باغیوں نے کانپور میں انگریزوں پر ظلم ڈھائے تھے، اس لئے وہ انتقام لینے میں حق بجانب تھے۔ میں ذیل میں کانپور کے حادثہ کے متعلق چند واقعات درج کرتا ہوں۔ ان سے ناظرین خود اندازہ لگالیں گے کہ صورت حال کیا تھی۔

سر جارج فارسٹ نے اپنی کتاب "ہندوستانی بغاوت" میں لکھا ہے۔ "یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ ان سپاہیوں نے جو انگریز قیدیوں کی حراست پر مامور تھے، اُنھیں قتل کرنے سے انکار کردیا تھا۔ یہ ظالمانہ فعل نانا کے ۵ بدمعاش ہمراہیوں میں سے ایک کنجرے کی ایما سے سرزد ہوا تھا۔ اس فعل کی ذمہ داری کسی صورت میں بھی تمام ہندوستانی قوم پر عائد نہیں ہوسکتی۔ جب کوئی انگریز کسی تاریخ میں پڑھتا ہے کہ مسز جیمز یا مسز جینگز کو کسی ہندوستانی نے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ تو اس کے غصے کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ لیکن دوسری طرف یہ امر بھی مسلمہ ہے۔ کہ سیکڑوں عورتیں اور بچے انگریزی فوجوں کی بدولت اس جہان فانی سے کوچ کرگئے۔ اگر ہمیں ایک انگریز لیڈی کے خوفناک انجام سے ہمدردی ہے، تو ہمیں یہ بھول نہ جانا چاہئے کہ ہندوستان کے باشندے بھی آخر انسان تھے۔ کانپور کے کنوئیں کا حادثہ کوئی آدمی پسند نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسوقت ہیولاک باغیوں کو شکست دے کر کانپور کی طرف بڑھ رہا تھا، اور باغیوں نے جب ہمارے قتل وسلب کی شہرت سُنی تو انھوں نے بھی اشتعال میں آکر قیدیوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ جیسا کہ اُنکے بھائیوں اور بہنوں سے ہو رہا تھا"

ان دنوں یہ عام افواہ ہمارے لوگوں نے مشہور کر رکھی تھی کہ ہندوستانیوں نے انگریز عورتوں کی عصمت دری کی اور پھر اُنھیں قتل کردیا، سر جارج کیمبل ان تمام روایات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور تمام مشہور مورخ اُن کی تائید کرتے ہیں،

(مترجمہ محمد علی وکیل ایبٹ آباد)



مراسلات

ایک جواب طلب مراسلہ

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزاءِ قتل

مندرجۂ ذیل مراسلت پنجاب کے ایک ہندو دوست کی ہے جو وہاں کی ایک مذہبی انجمن کے عہدہ دار بھی ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں اُنھوں نے مجھ سے خط وکتابت کی تھی اور اپنی طبیعت کی مذہبی بے اطمینانی اور جستجوئے حق وحقیقت کا شوق ظاہر کیا تھا۔ جب کبھی کوئی آدمی اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرتا ہے، تو میں ہمیشہ اُسے تقلیدی بندشوں سے آزاد ہونے اور مذاہب کے آزادانہ مطالعہ کا مشورہ دیتا ہوں۔ یہی مشورہ میں نے انھیں بھی دیا۔ اس پر اُنھوں نے بہت سے سوالات لکھ کر بھیجے جن میں سے بعض سوالات کا تعلق اُن شکوک سے تھا جو نفس مذہب اور اُس کی ضرورت سے تعلق رکھتے تھے، اور بعض کا تعلق مسیحیت اور اسلام سے تھا چونکہ خط وکتابت کے ذریعہ اس طرح کے معاملات انجام نہیں پاسکتے، اس لئے میں نے اُنھیں لکھا کہ چند دنوں کے لئے کلکتہ آجائیں اور میرے پاس ٹھہریں۔ وہ آئے اور کچھ عرصہ تک یہاں مقیم رہے۔ میں نے محسوس کیا کہ بہت حد تک اُن کی طبیعت تقلیدی بندشوں سے آزاد ہوچکی ہے، اور آزادی فکر کے ساتھ مسائل کے مطالعہ کی استعداد رکھتے ہیں۔ وہ جب واپس جانے لگے تو اُنھوں نے اعتراف کیا کہ اُن کی طبیعت کا دو تہائی اضطراب دُور ہوچکا ہے۔

اس کے بعد وقتاً فوقتاً وہ مجھ سے خط وکتابت کرتے رہے۔ گذشتہ دسمبر میں گئوہٹی کانگرس کے موقعہ پر پھر کلکتہ آئے اور مجھ سے ملے، اور میں نے اُن کی قلبی حالت سابق سے زیادہ ترقی یافتہ پائی۔

اس ہفتہ اُن کی یہ تحریر میرے نام آئی ہے۔ ضرورت نہ تھی کہ اسے الہلال میں درج کیا جاتا۔ میں حسب معمول اس کا جواب اُنھیں بھیج دیتا، لیکن تحریر کے آخر میں اُنھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اور اس سے اُن کی طبیعت کے جن تاثرات کا پتہ چلتا ہے، اُن کے ازالہ کے لئے ضروری ہوگیا کہ یہ خط الہلال میں درج کردیا جائے، اور الہلال ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے۔ اس ہفتہ یہ شائع کردیا جاتا ہے، لیکن جواب آئندہ ہفتہ لکھ سکوں گا، کیونکہ آج یکایک شملہ جانے کا ارادہ کرلینا پڑا۔ اس لئے تحریر کی مہلت نہیں ہے۔ (ابوالکلام)

میں نے ادہر مدت سے کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں اس لئے نہیں بھیجا کہ میں ارادہ کرچکا تھا راولپنڈی کے معاملات نپٹا کر کلکتہ میں حاضری دوں گا۔ لیکن گھر کے جھگڑے ایسے نکل آئے کہ اب تک چھٹکارا نہ ہوسکا اور شاید کچھ دنوں اور اسی طرح نکل جائیں۔ میں اب بھی یہ خط لکھ کر جناب کے اوقات میں خلل نہیں ڈالتا اور ساری باتیں اپنی حاضری پر اُٹھا رکھتا، لیکن اس طرف ایک معاملہ نے میرے خیالات میں نہایت پریشانی پیدا کردی ہے اور میں اسکو زیادہ دیر تک روک نہیں سکتا۔ مجھ کو یقین ہے کہ وہ معاملہ میرے ہی لئے نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ ہزاروں انسانوں کے لئے بے دلی اور پریشانی کا سبب بن رہا ہوگا اس لئے مجبوراً یہ عریضہ لکھ کر جناب کا تھوڑا سا وقت ضائع کرنا چاہتا ہوں۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ آپ اس عریضہ کا جواب، یا اسے چھوڑ کر بطور خود اس معاملہ میں اپنی رائے اخبارات کے صفحوں پر شائع کردیتے یا الہلال ہی میں ارقام فرماتے لیکن اگر پبلک میں اس کی اشاعت خلاف مصلحت ہو تو کم سے کم میرے دل کا اضطراب تو دُور کردیں۔

جناب پر ایک مدت سے میرے دل کا حال پوری طرح روشن ہے۔ میں ہر طرح کے مذہبی اور کمیونل تعصبات سے الگ ہوکر مذاہب عالم میں سچائی اور حقیقت کا متلاشی ہوں، اور مجھے آپکی ذات مبارک سے اس بارے میں وقتاً فوقتاً جو مدد ملی ہے، اس کے لئے مدۃ العمر میں آپ کا احسان مند رہوں گا۔ آپ نے میری آنکھوں پر سے کج فہمی کے بہت سے پردے ہٹا دیئے، اور میرے دل کو جو پیروان مذاہب کی حالت دیکھ کر مذہب کی طرف ہی سے برگشتہ ہوگیا تھا، پھر مذہب کی صداقتوں کی راہ پر لگا دیا۔ خصوصاً مذہب اسلام اور اُس کے بانی کی تعلیم کی جو حقیقت آپنے مجھ پر روشن کردی وہ ایسی ہے کہ میرے خیال میں کوئی انسان بھی جو انصاف اور حق پرستی سے بالکل محروم نہ ہوگیا ہو اُس کی طرف بے اختیار کھنچے ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کم سے کم وہ اُس کی عزت اور احترام کرنے سے تو کبھی انکار نہیں کرے گا۔

. . . . . .

آپ کو معلوم ہے کہ میں دو برس سے بالکل ایک دوسری ہی نگاہ سے مذہبی صداقت کا مطالعہ کررہا ہوں، لیکن مجھے معاف کیجئے گا۔ ایک بہت بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈھی جاتی ہے، تو صرف یہی نہیں کہ نہیں ملتی بلکہ برخلاف اس کے ایسی ایسی باتیں سامنے آجاتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک وشبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ابھی حال میں پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر جو ایجی ٹیشن شروع کیا گیا اور جو جو باتیں بڑے بڑے مسلمان لیڈروں اور مولانا

صاحبان نے جلسوں اور اخباروں میں ظاہر فرمائیں، میری بے ادبی شمار فرمائی جائے اگر میں عرض کروں کہ اسے دیکھ کر میرا جیسا غیر جانبدار آدمی بھی اسلام کے متعلق اپنے خیالات پر قائم نہیں رہ سکا۔ اور جن لوگوں کے دل و دماغ پہلے ہی سے شک اور شبہات سے بھرے ہوئے ہونگے اور ہزاروں لاکھوں غیر مسلم ایسے ہی ہیں، اُن کے خیالات جیسے کچھ ہو گئے ہونگے اُس کا آپ اندازہ فرمالیجئے۔ اگر فی الحقیقت اسلام کی تعلیم اپنے ماننے والوں کے لئے ایسی ہی ہے اور اس کے احکام کا یہی حال ہے تو پھر وہ تعلیمات شبہ سے خالی نہیں ہیں جو آپ نے میرے دل پر نقش کی ہیں، اور اگر حقیقت حال ایسی نہیں ہے، تو یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی ایک ہی طرح کی بے بُنیاد بات پر اکٹھے ہو جائیں اور اس زور شور سے اس کا اعلان کریں اور اس کا رد نہ کیا جائے۔

اس بیہودہ پمفلٹ "رنگیلا رسول" پر مدت سے کیس چل رہا تھا۔ جب یہ چھاپا گیا تھا تو میں نے بھی دیکھا تھا، اور میں سچ عرض کرتا ہوں کہ اسے پڑھ کر میرے دل پر اس کے سوا کوئی اثر نہیں پڑا کہ اُس کا لکھنے والا سخت حقیر و ذلیل ہو گیا۔ دُنیا میں کوئی شریف اور شائستہ انسان خواہ کسی مذہب اور اعتقاد کا ہو لیکن کبھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ دُنیا کے اُن بانیان مذاہب کا جن کی تعلیمات نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو خدا پرستی کی راہ پر لگایا ہے، گندہ لفظوں میں ذکر کیا جائے، یا اُن کی زندگی کی نامعقول طریق پر ہنسی اُڑائی جائے۔ البتہ ایسے نادان اور جاہل آدمی اس دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ جب مسلمان اخبارات نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا، تو میں نے انہیں بالکل حق بجانب سمجھا۔ مجھے میرے بعض دوستوں نے بتلایا کہ اگرچہ یہ پمفلٹ ہر حال میں قابل اعتراض ہے لیکن یہ خود مسلمانوں کے ایک ایسے ہی گندہ پمفلٹ کے جواب میں لکھا گیا ہے لیکن میں نے کہا اگر کسی مسلمان نے لکھا تھا تو ایک بُرائی کی تھی، اور کسی انسان کے بُرائی کرنے کی وجہ سے دوسرے انسانوں کے لئے بُری بات اچھی نہیں ہو جاسکتی۔

یہاں تک تو یہ بات بالکل ٹھیک تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو طریقہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمانوں نے اختیار کیا اور ایک کے بعد ایک جو باتیں کہی گئیں وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ کچھ عجیب طرح کی مذہبی میںٹلٹی ظاہر کرتی ہیں جنھیں کسی طرح بھی کسی ٹھیک راستے پر لیجایا نہیں جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور مولانا صاحبان نے اور جمعیت العلما نے جس میں پانچ سو مولوی صاحبان کا ہونا بتلایا گیا ہے، فتویٰ جاری کر دیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ شریعت اسلام کا قانون یہی ہے کہ جو بھی کوئی غیر مسلم حضرت بانی اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، اسے فوراً مار ڈالنا چاہئے۔ مجھے معاف رکھا جائے اگر میں عرض کروں کہ اس بات کے کہنے میں تو کوئی بڑائی کی بات نہیں ہے کہ جب کبھی ہماری بن آئی تھی تو ہم اپنے خلاف ہر زباں دراز آدمی کو مار ڈالتے تھے۔ اگر اسلام کو اسپر فخر ہے تو یہ ایسا فخر نہیں ہے جو صرف اُسی کے حصے میں آیا ہو۔ جس کسی کو دُنیا میں طاقت ملی ہے اُس نے لوگوں کو قتل کیا ہے اور تلوار کے زور سے اپنی ہیبت قائم کی ہے۔ اسلام کا فخر تو اس بات میں ہونا چاہئے تھا کہ اُسنے انسانوں کو سزا دینے کی جگہ بخشا ہے، اور قتل کرنے کی جگہ زندگی بخشی ہے۔ جناب نے مجھے پچھلے سال لکھا تھا کہ اسلام کی اصلی اسپرٹ انسانیت کی اسپرٹ ہے اور یہی فرق اُس میں اور تمام مذاہب میں ہے۔ اُس نے ہر گوشہ کو انسانیت کی نظر سے دیکھا ہے۔ ملک، جماعت، اور وطن کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں کیونکر اسلام کا یہ قانون انسانیت کی اسپرٹ کے ساتھ ہو سکتا ہے کہ جہاں کوئی نادان اور جاہل آدمی بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے فوراً اُس کے ٹکڑے کر دئے جائیں۔

آپ یقین فرمائیے کہ یہ بات میری اس عقیدت کی جو میں اسلام سے رکھتا ہوں اتنی خلاف تھی کہ پہلے تو مجھے اس پر یقین نہیں ہوا لیکن اس کے بعد میں نے جب خود جمعیت العلما اور انجمن خدام دین اور مولانا محمد علی صاحب کے فتوے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اسے تسلیم کر لیتا۔

اچھا اگر یہ اسلام کا قانون بھی ہو جب بھی ہندوستان میں ایسے رائج کرنے کا مطالبہ کرنا میں نہیں سمجھتا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر یہ اُن مسلمان کے لئے مسلمان ایسا قانون چاہیں گے تو دوسرے مذاہب بھی مطالبہ کرینگے۔ پھر کیا مسلمان اس سے متفق ہونگے کہ جو مسلمان ہندوں، پارسیوں، بدھسٹوں، کے بزرگوں کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہئے؟

جسقدر واقفیت مجھے اسلام کی کتابوں سے ہے، اسکے مطابق میں نے اس قانون کی تحقیق کرنی چاہی۔ مجھے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ لیکن رسالہ درتمان کیس میں جن مولوی صاحبان نے شہادت دی ہے، انھوں نے بتلایا ہے کہ کتاب سارم مسلول (الصارم المسلول) میں ایسا ہی لکھا ہے۔ میں نے یہاں اپنے مسلمان دوستوں سے اس کتاب کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ نہیں بتلا سکے۔ بہرحال جمعیت العلما کے فتوے اور مولانا محمد علی صاحب کے اعلان سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا حکم ایسا ہی ہے۔

علاوہ بریں اس معاملہ میں یہ طریق عمل بھی اسلام کے اخلاق کا کوئی اچھا اثر ہم لوگوں پر نہیں ڈال سکتا کہ جس شخص نے اسلام کے خلاف کچھ لکھا ہو اُسے بازاری گالیاں دی جائیں۔ اور ملعون، کُتا، اور ایسے ہی لفظ کہے جائیں جیسے مولانا محمد علی صاحب جیسے ذمہ دار لیڈر برابر اپنی تقریروں میں کہتے رہے۔ کیا اُس شخص کو گالی دینے سے اُس کی اس بدزبانی اور بے ادبی کا بدلہ لے لیا جا سکتا ہے جو اُس نے بانی اسلام جیسے عظیم الشان انسان کی شان میں کی ہے؟ اگر نہیں تو اس طرح کی گالیاں دینے سے خود اپنا اخلاق خراب ہوتا ہے۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی کہ محض ایک دو نادان اور بدزبان آدمیوں کے کچھ لکھ دینے پر اس قدر جوش و خروش دکھلایا جائے، گویا مسلمانوں کے لئے کوئی بڑی مصیبت کی بات پیش آگئی ہے حالانکہ خود مسلمان صاحبان تمام غیر مذاہب کے خلاف برابر ہر قسم کی اچھی بُری باتیں کہتے آئے ہیں اور ان کی وجہ سے کبھی نہ تو ہندوؤں نے اس طرح شور مچایا ہے نہ عیسائیوں نے۔ یقیناً اس طرح کی باتوں سے جو مینٹلٹی ثابت ہوتی ہے وہ قابل تحسین نہیں ہے۔

یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ہندوؤں میں آریہ سماج کے قائم ہونے سے پہلے نہ تو کسی طرح کا تبلیغ کا خیال تھا، اور نہ وہ مذہبی بحث مباحثہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی جانب سے ہمیشہ کتابیں اُنکے خلاف لکھی جاتی تھیں۔ میں نے لاہور میں پانچ کتابیں ایسی دیکھی جو اس اجی ٹیشن کی وجہ سے چند صاحبوں نے جمع کی ہیں، اور میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں ہندوؤں کے رشیوں اور اوتاروں کے خلاف جو بے ہودہ باتیں لکھی ہیں وہ اس بیہودگی سے بہت زیادہ ہے جو رنگیلا رسول لکھنے والے نے دکھلائی ہے۔ یہ کتابیں بیس بیس تیس تیس برس سے ہزاروں کی تعداد میں چھپکر فروخت ہوتی ہیں، لیکن کبھی ہندوؤں نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ان کے لکھنے والوں کے سر قلم کر دئے جائیں۔ معلوم نہیں جناب والا کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہیں یا نہیں اگر ارشاد ہوگا تو میں بھجوا دوں گا۔ ایک کتاب تحفۃ الہند ہے۔ جو مولوی عبداللہ صاحب نے لکھی ہے جو دہلی کے بڑے مولوی ہیں۔ اسمیں ایک نظم ہے جس کا ٹیپ یہ ہے،

کہو یہ کون دھرم ہے؟

اس میں ہندوؤں کے رشیوں اوتاروں کے خلاف اس قدر فحش اور گندہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہے کہ کوئی مہذب آدمی اُسے پڑھ بھی نہیں سکتا۔ میری ناقص عقل اس بات سے عاجز ہے کہ جب خود مسلمانوں کا یہ طرز عمل دوسروں کے ساتھ ہے تو وہ خود اس قدر حد سے زیادہ شور و غل کیسے مچا سکتے ہیں؟

علاوہ بریں یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ اسلام کے قانون میں اپنے مخالفوں کے لئے معافی کی کوئی جگہ نہیں۔ رنگیلا رسول کے پبلشر نے صاف لفظوں میں اظہار افسوس کر دیا تھا، لیکن مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا کہ نہیں اسے قتل کرنا چاہئے!

مجھے میرے دوستوں نے کہا ہے کہ اس وقت ملک کی جو عام حالت ہو رہی ہے اور مسلمانوں کے اندھا دھند جوش و خروش کا جو حال ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ مصلحت کے خلاف ہوگا کہ جناب کوئی بات بھی اپنے ہم مذہبوں کی عام رائے کے خلاف کہیں اسی لئے یہ سب کچھ آپ دیکھتے ہیں لیکن خاموش ہیں۔ اگر میرے دوستوں کا خیال صحیح ہو تو اگرچہ یہ بات میرے لئے بڑے ہی رنج کی ہوگی لیکن میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتا کہ اس بارے میں زبان کھولوں۔ کم از کم یہی کیجئے کہ اس بارے میں میرے دل کے شکوک دُور کر دیجئے کیونکہ ان کی وجہ سے مجھے بہت ہی پریشانی ہو رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں صاف صاف معلوم ہو جائے کہ اسلام کے احکام اور تعلیمات کیا ہیں۔

اگر جناب ترتیب کے ساتھ جواب عنایت کرینگے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نمبروار عرض کر دیتا ہوں:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اسے فوراً قتل کر دینا چاہئے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اُس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سُنا ہوگا) اسکو بُرا بھلا نہ کہیں۔ تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہئے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہئے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب نے فرمایا ہے؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہئے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مان لے اور اس پر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہئے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور اس میں رنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح سزا کی مستحق نہیں ہیں جیسی رنگیلا رسول اور رسالہ درتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں انکے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھلایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہے؟ (دیکھو ۱۸ کالم اول)

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

شاہِ مصر کا سفر انگلستان - ترکی قرضے کا تصفیہ - ٹرکی اور ایران - ترکی پایۂ تخت

شاہِ مصر کا سفرِ انگلستان

ترکی اخبارات، شاہِ مصر کے سفرِ انگلستان کو بہت اہمیت دے رہے ہیں اور اسے نہ صرف مصر بلکہ تمام شرقی ممالک کے لئے اخلاقی حیثیت سے مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ موقر اخبار "وقت" یوں اظہارِ خیال کرتا ہے:

"شاہِ مصر کی یہ سیاحت ایک نہایت پیچیدہ سیاسی مسئلہ کے حل کے لئے آخری قدم ہے۔ اب سے پہلے مصر کے سب سے بڑے ماہرین سیاست مثلاً سعد پاشا زغلول اور عدلی پاشا یکن نے سر توڑ کوششیں کیں، مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اب خود شاہِ مصر اپنے وزیر اعظم کے ساتھ انگلستان روانہ ہوئے ہیں تاکہ مسئلہ مصر، جو ۴۵ برس سے لاینحل ہو رہا ہے، قطعی طور پر حل ہو جائے۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ اس آخری کوشش کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر اب بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوا تو سمجھ لینا چاہئے، وہ آئندہ کبھی مفاہمت سے حل نہ ہوگا، اس کا فیصلہ صرف قوت و تشدد ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے"

"۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے صریح جبر و ظلم سے مصر پر قبضہ کر لیا ہندوستان بچانے کے لئے برطانیہ کو مصر کی ضرورت تھی، جیسا کہ اس مقصد کے لئے اُسے دنیا کے ہر ملک پر قبضہ کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کا عزم مصمم تھا کہ مصر کو بالکل ہضم کر جائے۔ چنانچہ جنگ عمومی کے موقعہ پر اُس کے الحاق کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر اُسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ زہر بھرا لقمہ کسی طرح بھی ہضم نہیں کیا جا سکتا۔ مصر اگا لا لائم ہے۔ بہت سی قوموں نے اُسے ہضم کرنا چاہا، مگر جسنے بھی اُسے نگلنے کی جرأت کی، خود فنا ہو گیا۔ چنانچہ پچھلے ہی سال بعد انگلستان کو بھی یہ لقمہ اگلنے پر مجبور ہوا اور مصر کے الحاق سے دست بردار ہو جانا پڑا"

"شاہِ مصر کی سیاحت نے یورپ کے سامنے صرف یہی ثبوت پیش نہیں کیا کہ مصر اپنی آزادی پر مُصر ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ پورے مشرق میں استقلال و حریت کی ایک ناقابل مقاومت تحریک عام ہو گئی ہے۔ شاہ مصر نے صاف طور پر بتا دیا کہ اب مشرق، وہ مشرق نہیں ہے جو کبھی غفلت و قناعت اور تن پروری کا مرکز تھا۔ اب وہ بیدار ہو گیا ہے، اور غاصب یورپ سے اپنے حقوق واپس لینے پر تُلا ہوا ہے"

ترکی قرضے کا تصفیہ

مرحوم سلطنت عثمانیہ نے یورپ سے بہت سے قرضے لے رکھے تھے۔ انہی قرضوں نے بالآخر اُس کے دروازے یورپین مداخلت کے لئے کھول دئے۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر سلطنت عثمانیہ اپنے اکثر مقبوضات سے محروم ہو گئی۔ اب یہ مشکل پیش آئی کہ یہ قرضے اُس سے کیونکر وصول کئے جائیں؟ اکثر قرضوں میں انہی مقبوضات کی آمدنی رہن تھی۔ یورپ چاہتا تھا کہ باوجود اپنے ممالک سے محروم ہو جانے کے، یہ تمام قرضے اسی دیوالیہ سلطنت سے وصول کرے۔ مگر یہ عملاً ناممکن تھا۔ کیونکہ اُس کی آمدنی یہ بارِ گراں اُٹھا نہیں سکتی تھی۔ اسی زمانے میں قومی حکومت نے اناطولیہ میں ظہور کیا اور یورپ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اسی کا نتیجہ معاہدۂ سیورے کے بعد معاہدۂ لوزان ہوا۔ مگر قرضے کی گتھی اس معاہدے سے بھی سلجھ نہ سکی۔ اب گزشتہ ہفتے سالہا سال کی رد و قدح کے بعد ایک فیصلہ ہوا ہے اور سب نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اس فیصلہ کی دو دفعیں بہت اہم ہیں: ایک یہ کہ ٹرکی اپنے قرضہ کی نصف مقدار سونے کے سکے کی شکل میں ادا کرے، اور باقی نصف کاغذ کے سکے کی صورت میں۔ دوسری یہ کہ ٹرکی کا تمام قدیم قرضہ اُن تمام ممالک پر تقسیم کر دیا جائے جو قرضہ لیتے وقت اُس کے قبضہ میں تھے۔ صرف ایک حصہ ٹرکی کے ذمے باقی رہے۔

یہ فیصلہ یقیناً منصفانہ ہے۔ جنگ کے اختتام پر ٹرکی کے ذمہ یورپی قرضہ ۶۹۲،۸۴،۶۱،۱۷ لیرہ (ترکی پونڈ) تھا۔ اب جدید فیصلہ کی رُو سے اس کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی ہے:

ٹرکی	۴۹۵،۹۷،۸۴۵	لیرہ
یونان	۷۵۳،۸۴،۱۰،۱	″
شام	۴۵۹،۸۸،۸۰،۱	″
سربیہ	۵۷۹،۳۵،۵۴	″
عراق	۷۸۹،۷۱،۲۰،۵	″
فلسطین	۴۲۹،۸۴،۳۲	″
بلغاریہ	۳۵۴،۷۶،۱۷	″
البانیہ	۲۳۳،۳۳،۱۶	″
حجاز	۵۱۸،۹۹،۴	″
یمن	۱۰۴،۸۲،۱	″
شرق اردن	۶۱۰،۳۳،۷	″
اٹلی	۲۰۰،۴۳،۲	″
نجد	۱۵۰،۲۹،۱	لیرہ
عسیر	۱۳۸،۲۶	″
موصل	۳۵۳،۰۰،۱۵	″
معان	۲۸۷،۲۸،۱	″

اوپر ہم نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ سب نے تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس میں صرف دو حکومتیں مستثنیٰ ہیں: سرویا اور یمن۔ سرویا کی حکومت نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ امام یحییٰ بھی اس سے انکار کر رہے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے انکار سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

ٹرکی اور ایران

حال کا ایک اہم واقعہ، ٹرکی اور ایران کی کشیدگی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض حوادث ایسے پیش آ گئے، جنھوں نے طرفین میں سوءِ ظن کی حالت پیدا کر دی۔

تفصیل یہ ہے کہ ترکی ایرانی سرحدوں پر بعض جرائم پیشہ خانہ بدوش قبائل موجود ہیں۔ وہ ہمیشہ قتل و غارت کے موقعے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے ان قبائل میں ایک بہت ہی خطرناک شخص "اسماعیل سمیقو" نامی ظاہر ہوا ہے اور سرحد کی آبادیوں کی زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ اسنے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ موقعہ پا کر لوٹ مار مچا دیتا ہے اور پہاڑوں میں بھاگ جاتا ہے۔ ترکی حکومت بہت دن سے اس کی تاک میں تھی۔ مگر حال میں مجرموں کی عام معافی کا اعلان کیا گیا، تو اُس سے فائدہ اُٹھا کر اسنے حکومت کو اطلاع دی کہ اب اُسنے اپنے قدیم جرائم سے توبہ کر لی ہے اور آئندہ پُر امن زندگی بسر کرنی چاہتا ہے۔ حکومت نے اُس کی بات پر یقین کیا اور معافی دیدی چنانچہ وہ آزادی سے ترکی حدود میں زندگی بسر کرنے لگا۔

لیکن گزشتہ مہینوں میں اُسنے پھر پلٹا کھایا، اور اپنی قدیم مجرمانہ زندگی اختیار کر لی۔ وہ ایرانی سرزمین میں داخل ہو گیا اور قریبی آبادیوں میں غارت گری شروع کر دی۔

اصلی واقعہ صرف اسی قدر ہے۔ لیکن ایرانی اخبارات نے اسے دوسری نظر سے دیکھا اور اس قزاق کی حرکتوں کا ذمہ دار، ٹرکی کو قرار دیا۔ چنانچہ طہران کا نیم سرکاری اخبار "ایران" اس واقعہ پر اس طرح خامہ فرسائی کرتا ہے:

"سرحدی قبائل کی کون ہمت افزائی کر رہا ہے؟ اُنھیں کون ہتیار تقسیم کرتا ہے؟ اُنکے ذریعہ ایران میں کون بدامنی پھیلا رہا ہے؟ ایرانی ان سوالوں کا صاف جواب چاہتے ہیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ٹرکی اس بارے میں کیا تدابیر اختیار کرنے والی ہے؟ ایران اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت اپنے خون سے بھی کرنے پر کمربستہ ہے"

اخبار "شفق سرخ" لکھتا ہے

"سرحد کے ترک افسر ایرانی علاقوں میں خلاف توقع سرگرمی دکھا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، سرخ ٹوپی کی ہیٹ سے تبدیلی، یہ باتیں ظاہر میں کتنی ہی روشن خیالی کی باتیں نظر آئیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ قوموں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتیں۔ نوجوان ٹرکی، بڑھیا ٹرکی ہی کی لڑکی ہے۔ بڑھیا ٹرکی ہمیشہ ایران سے بے فائدہ دست بگریباں رہی۔ اب نوجوان ٹرکی بھی اپنی اسی موروثی سیاست پر واپس آ رہی ہے اور ایران سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے"

اسی لب و لہجہ میں تقریباً تمام ایرانی اخبارات نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ترکی اخبارات کا لہجہ بھی کچھ کم سخت نہیں ہے۔ چنانچہ اخبار "جمہوریت" لکھتا ہے:

"ہم جانتے ہیں ایران میں وقیع اخبار موجود نہیں ہیں۔ اُن کی آواز کوئی قوت و وزن نہیں رکھتی۔ ضرور اجنبی انگلیاں ان اخبارات

بقیہ مضمون صفحہ ۱

کیا میں امید کروں کہ آپ تھوڑا سا وقت نکال کر اُسی انداز میں جیسا تفصیل و بسط کے ساتھ ہمیشہ آپنے لکھا ہے ان امور پر روشنی ڈالیں گے اور مجھ پر احسان فرمائیں گے .....

کو ٹرکی کے خلاف اُکسا رہی ہیں۔ یہ اخبار، اجنبیوں کے پروردہ ہیں اور اُنہی کے اشاروں پر ناچتے ہیں"

یہ اخبارات کی باہمی تکرار ہے۔ لیکن اب تک دونوں حکومتیں بالکل خاموش ہیں۔ بلکہ دوستانہ تعلقات کی موجودگی کا یقین دلا رہی ہیں۔ چنانچہ ایرانی سفارت کے معتمد عام زندی خاں نے اخبارات کو حسب ذیل بیان دیا ہے:

"اخبار آزاد ہیں، جو چاہیں لکھیں۔ ایرانی اخبارات کی طرح ترکی اخبار بھی سخت لہجہ اختیار کر لیتے ہیں، اور اُن کا لب و لہجہ ایران کی مخالفت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس قسم کی باتیں ہرگز دو مشرقی اور اسلامی ملکوں کے تعلقات پر اثر نہیں ڈال سکیں جن کی دوستی مشترک فوائد پر استوار ہے"

تقریباً یہی خیال خود ایرانی سفیر نے بھی ظاہر کیا ہے۔ اُسنے کہا

"دونوں ملکوں کی دوستی پائدار اور دوامی ہے۔ دونوں حکومتیں پورے حزم و اخلاص سے تمام مسائل حل کرنے پر کمربستہ ہیں۔ کوئی حادثہ بھی ہمارے تعلقات خراب نہیں کر سکتا"

اُمید کی جاتی ہے، جلد یہ معمولی نزاع ختم ہو جائے گی۔

ترکی پایۂ تخت

غازی مصطفےٰ پاشا کے سفر آستانہ سے بعض حلقوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ترکی پایۂ تخت، جلد انگورہ سے قسطنطنیہ میں منتقل ہو جائے گا۔ مگر انگورہ کا نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" اس کی تردید کرتا ہے۔ اُسنے لکھا ہے:

"جب ہم نے ارادہ کیا کہ ٹرکی کی از سر نو تعمیر کریں تو اس میں یہ خیال ہرگز ہمارے سامنے نہ تھا کہ ساتھ ہی غیروں کی خوشی کا بھی ہمیں سامان کرنا چاہئے۔ ہم نے ضرورتاً انگورہ کو پایۂ تخت بنایا تھا۔ وہ ضرورت اب تک موجود ہے۔ جب تک ہم امن و امان کے سایہ میں چلکر اپنا مقصد حاصل نہ کر لیں، اُسوقت تک انگورہ ہی کو پائے تخت رہنا چاہئے لہذا اس کی تبدیلی کا سوال، اسوقت پیدا ہی نہیں ہو سکتا"

مکتوب شام

(الہلال کے نامہ نگار مقیم دمشق کے قلم سے)

ہائی کمشنر کا بیان

ادہر دو تین ہفتے سے میں نے کوئی مکتوب آپکو نہیں لکھا۔ کیونکہ حالات میں کوئی قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہائی کمشنر کے لبوں پر جو مہر سکوت شروع سے لگ گئی تھی، وہ اب تک باقی تھی۔ ہر طرف افواہوں کی گرم بازاری تھی، مگر حقیقت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حکومت جتنا زیادہ ابہام و اخفا برتتی تھی، افواہیں اُتنی ہی زیادہ پھیلتی تھیں۔ اکثر لوگوں کا رجحان یہ تھا کہ حکومت کچھ نہ کچھ کرنے والی ہے۔ اگر سب نہیں تو ملک کے مطالبات کا ایک بڑا حصہ ضرور قبول کر لے گی۔ خصوصاً اب جبکہ دروزی مجاہدین نے ہتیار ڈال دئے ہیں، حکومت بھی نرم ہو جائے گی اور باشندوں کی ضرور اشک شوئی کر دے گی۔

لیکن ان فریب خوردوں کو اگرچہ بہت زیادہ انتظار کرنا پڑا، تاہم وہ دن آ ہی گیا جب اُنھیں حقیقت عریاں کے مشاہدے پر مجبور ہونا پڑا۔ مدت تک نقاب پوش رہنے کے بعد ہائی کمشنر نے اپنا منہ کھولا تو اُس میں مکر و ریا کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ دروزی جہاد ختم ہو جانے سے حکومت کی ہمت بلند ہو گئی۔ اب اُسے کوئی خوف بھی باقی نہ رہا۔ چنانچہ ہائی کمشنر نے اپنی پالیسی اور حکمبردار سلطنت فرانس کی سیاست جو وہ شام کے بارے میں طے کر چکی ہے، ظاہر کر دی۔ ہائی کمشنر کا بیان یقیناً تمام مشرق کے لئے عبرت و موعظت کا ایک سبق ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے:

"ہائی کمشنر کو اپنے قیام پیرس کے دوران میں بارہا موقعہ ملا کہ فرانسیسی حکومت اور فرانسیسی پارلیمنٹ کی معاملات خارجیہ کی کمیٹی کے روبرو شامی صورت حال کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کر دیں خصوصاً باشندوں کی وہ اُمیدیں صفائی کے ساتھ ظاہر کر دیں جو شام کے مختلف حصوں میں دورہ کرنے کے بعد اُنھیں معلوم ہوئی تھیں۔

ہائی کمشنر نے شام میں اپنی واپسی کے بعد مختلف حکومتوں کے ذمہ داروں سے بھی بار بار تبادلۂ خیال کیا۔ حکمبردار حکومت کے خیالات و مقاصد اُن پر ظاہر کئے اور وہ بنیادیں پوری وضاحت سے پیش کر دیں جن پر وہ اپنی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بنیادیں حسب ذیل ہیں:

(۱) معاہدۂ حکمبرداری کی دفعہ ایک کی رُو سے چونکہ فرانس نے اپنے سر یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ "شام اور لبنان کے لئے وہ راستہ ہموار کرے گا جس پر چل کر وہ بتدریج خود مختار بن سکیں گے" اور یہ کہ اندرونی خود مختاری کی ظروف و حالات کے مطابق ہمت افزائی کرے گا۔ اس لئے فرانس مجلس اقوام سے حاصل کی ہوئی اپنی یہ ذمہ داری برابر پوری کرتا رہے گا۔ یہاں پر اس ذمہ داری سے دست بردار ہو جانے کا ہرگز کوئی سوال پیش نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس ذمہ داری کی حیثیت:

معاہدۂ ورسیلز کی دفعہ ۲۲ کی تطبیق، مشرق میں بہت ہی زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں کی بعض جماعتیں مدت دراز سے ترقی کے اُس درجہ تک پہنچ گئی ہیں جسنے اُنھیں مشرق قریب کی ترقی پذیر قوموں کی صف اول میں پہونچا دیا ہے۔ حکمبردار سلطنت نے امن و امان برقرار رکھتے ہوئے، جو ترقی کی اصلی بنیاد ہے، ان جماعتوں کی اُمیدیں پوری کرنے میں کبھی غفلت نہیں برتی۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان اُمیدوں کی تطبیق میں اب تک بکثرت رکاوٹیں حائل ہوتی رہی ہیں اور یہ صرف اسوجہ سے کہ اُن میں باہم بہت زیادہ تناقض موجود ہے۔

ان جماعتوں کی اُمیدیں بر لانا، شام میں فرانسیسی سیاست کی ایک بڑی بنیاد ہے۔ حکمبردار سلطنت اب تک اپنی اس سیاست پر قائم ہے اور عزم بالجزم کئے ہوئے ہے کہ ہمیشہ یہ اُمیدیں پوری کرتی رہے گی جب تک وہ دائرۂ نظام اور امن و امان میں رہیں اور جب تک اقلیات کے حقوق، جن کی معاہدوں نے ضمانت کر دی ہے، اور ملک کے عام مصالح کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) فرانسیسی سیاست کا دوام اور قانون اساسی۔

یہ سیاست، جسے مسیو دی جوونل پوری وضاحت سے معین کر چکے ہیں اور جسے حکومت فرانس اور مجلس اقوام نے منظور کر لیا ہے، ضرور ہے کہ ملک کے قانون اساسی میں قائم رکھی جائے۔ ہائی کمشنر پوری مضبوطی سے اس سیاست کو برقرار رکھیں گے۔

لیکن یاد رہے کہ قانون اساسی، صرف وہی لوگ بنائیں گے جو اُسے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ وہی حکومتیں اسکے بنانے میں شریک ہوں گی جو موجودہ نظام کے ماتحت ملک میں قائم ہیں۔ انہی حکومتوں کو حق ہے کہ ملک کے مصالح پر غور کریں، اپنے باہمی اختلافات مٹانے کی سعی کریں، اور مشترک مصالح کے لئے باہم معاہدے طے کریں۔ حکمبردار سلطنت، انہیں ہر ممکن مدد دے گی اور انکے مابین حکم کی حیثیت سے کام کرے گی۔

اگر جدید نظام پر پورے ملک کی رضامندی ضروری سمجھی گئی تو اس مقصد کے لئے بھی کوشش کی جائے گی۔ لیکن اگر رضامندی کا حاصل کرنا ممکن نہ ہوا تو حکمبردار سلطنت، امن و امان کی حفاظت اور مستقبل کی درستگی کے لئے ضروری تدابیر اختیار کرے گی۔

(۴) امن و امان

اب ملک میں ایک مرتبہ پھر امن و امان پوری طرح عام ہو گیا ہے۔ حکمبردار سلطنت نے اس راہ میں عظیم کوششیں اور بہت بڑی قربانیاں کی ہیں۔ اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فرانس اُس دوستی کے برقرار رکھنے کا غیر متزلزل ارادہ رکھتا ہے جو اُسے ملک شام و لبنان سے ہے۔

ملک کی ترقی کے لئے امن امان کی موجودگی ضروری ہے۔ بدامنی سے ہرگز کوئی فائدہ پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ اُلٹے نقصان یقینی ہے..."

یہ ہائی کمشنر کے بیان کا ضروری حصہ ہے۔ ناظرین خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ بیان کس درجہ مضطرب اور بے معنی ہے؟ اُس کے اگر کچھ معنی ہیں تو صرف یہ ہیں کہ فرانس، شام کے مطالبات منظور نہیں کرے گا بلکہ اپنی جنگی قوت سے اُسے بدستور محکوم و مقہور رکھے گا۔

فرانس کی بدنیتی

شام میں فرانس کی بدنیتی کا ایک ثبوت، مذکورۂ بالا بیان کے علاوہ، یہ ہے کہ اُسنے شکست خوردہ دروزی مجاہدین کی بیچارگی سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ چنانچہ گزشتہ ہفتے حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جبل دروز کے باشندوں نے ملک شام سے اپنی کامل علحدگی کا مطالبہ کیا ہے۔ نیز وہ چاہتے ہیں کہ اُنکے علاقے پر حاکم، فرانسیسی ہوا کرے۔

ملک کی عام رائے اس منحوس خبر سے بہت پریشان ہوئی، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شام کی سیاسی وحدت اب تک جس قدر پراگندہ ہو چکی ہے، فرانس کی نظر میں وہ کافی نہیں ہے۔ فرانس ابھی اس بدنصیب ملک کے اور بھی بہت سے ٹکڑے کرنا چاہتا ہے۔ جبل دروز کی علحدگی کے بعد شام، صرف دمشق اور مضافات کے علاقے کا نام رہ جائے گا۔

سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ جن دروز سرداروں کی طرف یہ مطالبہ منسوب کیا جا رہا ہے، وہ ملک میں نہایت ہر دل عزیز تھے۔ مثلاً عبد الغفار باشا اطرش، امیر حسن، نجم باشا حلبی، شیخ محمد الہجری، حمزہ درویش وغیرہم۔ حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اب سے پہلے ملک کی سیاسی تقسیم و تجزی کے سخت مخالف تھے۔ بلکہ اُنکے خونیں جہاد کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ موجودہ تقسیم منسوخ کر دی جائے، اور ملک میں ایک ہی وحدت سیاسی قائم ہو۔

لیکن بہت جلد حقیقت آشکارا ہو گئی۔ عام رائے نے معلوم کر لیا کہ یہ چیز بھی فرانس کی بدنیتی نے پیدا کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پچھلے ہفتے ہائی کمشنر، دمشق آئے۔ اُن کے ساتھ اُن کا نفس ناطقہ کرنل کیٹرو بھی تھا۔ یہ شخص اپنی ظلم پسندی اور ملک شام سے دشمنی میں کافی شہرت حاصل کر چکا ہے۔ دمشق سے یہ جبل دروز گیا اور وہاں دروزی سرداروں سے مذکورۂ بالا محضر پر دستخط کرنے کو کہا۔ اُنھوں نے انکار کیا مگر اسنے اُنھیں اپنی قوت کی زور سے مجبور کر دیا۔

اس واقعہ نے باشندوں کو فرانس سے اور بھی زیادہ بدظن کر دیا ہے

ایک اور مصیبت

یہ مصائب کیا کم تھیں کہ ملک پر ایک تازہ مصیبت، خود ایک ملکی کے ہاتھوں نازل ہو رہی ہے۔ داماد احمد نامی بک، دمشق کی عارضی حکومت کا صدر ہے۔ اسکے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ شام کے تخت شاہی پر عنقریب متمکن ہو گا۔ اس طمع میں یہ بالکل فرانس کا غلام بن گیا ہے اور بُری طرح خادمان قوم کو ستا رہا ہے۔ حال کا واقعہ یہ ہے کہ اسنے اخبار الجوائب کے ایڈیٹر شدیاق آفندی کو دمشق سے نکل

برید فرنگ

مکتوب امریکہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم واشنگٹن کے قلم سے)

ایک نئی تحریک۔ امریکہ کی دولت۔

ایک نئی تحریک

اپنے دو پچھلے مکتوبوں میں آمریکہ کی ازدواجی زندگی اور تحریک الحاد کی مقبولیت پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ انہی دونوں موضوعوں سے متعلق آج ایک تیسری بحث پیش کرتا ہوں۔ اس بحث نے پورے شمالی آمریکہ کو اپنی طرف سراسر متوجہ کر لیا ہے۔ فی الحال اس بحث سے زیادہ اہم اور مقبول عام و خاص کوئی دوسری بحث یہاں نہیں ہے۔ ہر طرف اسی کا چرچا ہے اور ہر جگہ اسی پر گرم تقریریں ہو رہی ہیں۔

بحث یہ ہے کہ آمریکہ میں شادی کا موجودہ طریقہ مضر ہے۔ مرد اور عورت دونوں کی خانگی زندگی کو کمدر کرنے والا ہے۔ لہذا اُسے بدل ڈالنا چاہئے۔

آمریکہ میں بھی شادی کا طریقہ وہی ہے جو دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں رائج ہے۔ یعنی مرد و عورت، عقد کر کے زندگی بھر ساتھ رہنے کے پابند ہو جاتے ہیں۔ نئی تحریک اسی پابندی کے خلاف شروع ہوئی ہے۔ اُس کی منشا یہ ہے کہ شادی کے دو دور یا دو درجے کر دئے جائیں: ایک تجربی۔ دوسرا دائمی۔ تجربی سے مقصود یہ ہے کہ مرد اور عورت اگرچہ باضابطہ عقد کریں گے، مگر یہ عقد معلق و مشروط ہوگا۔ اگر ساتھ رہ کر اُنھیں تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ عقد، اُن کی زندگی کو پُرمسرت نہیں بنا سکتا تو اُنھیں حق ہوگا کہ فوراً جُدا ہو جائیں۔ لیکن اگر تجربے سے ثابت ہو کہ وہ ساتھ خوش رہ سکتے ہیں تو اپنے دائمی عقد کا اعلان کر دیں۔

اس تحریک کا سرگروہ، مسٹر لنڈسی ہے۔ یہ ایک عدالت کا جج ہے اور نکاح و طلاق کے مقدمے فیصل کیا کرتا ہے۔ اسنے اپنی تحریک کا نام "عقد رفاقت" رکھا ہے۔ خود اُس کے اپنے لفظوں میں تحریک کی غرض یہ ہے کہ "مرد اور عورت باہم ساتھ رہنے کا سمجھوتہ کریں، مگر اس عہد کے ساتھ کہ ایک سال تک نسل پیدا ہونے نہ دیں گے۔ بارہ مہینے یک جا رہنے کے بعد اگر وہ دیکھیں کہ اُن کی طبیعتیں باہم متفق ہو سکتی ہیں تو اپنے اس تجربی عقد کو دائمی عقد کی صورت میں تبدیل کر دیں ورنہ ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں"

مسٹر لنڈسی نے ایک اخبار کے نمائندے سے بیان کیا:

"بیس برس سے میں عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہوں۔ اس طویل تجربے نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ نکاح کا موجودہ نظام، ناقص اور سخت مضرتوں کا موجب ہے۔ لہذا میں نے تجربی نکاح کی تجویز سوچی۔ میرے خیال میں اگر دنیا اس تجویز پر عمل کرے تو اُن تمام مصائب سے نجات پا جائے گی جو عقد کے موجودہ طریقے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہیں۔ تجربی نکاح یقیناً دنیا کو مسرت و سعادت بخشے گا اور انسان کی خانگی زندگی، قابل رشک بنا دے گا"

تجربی عقد کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مرد اور عورت سال کے خاتمہ پر اگر دائمی عقد کے طالب ہوں تو اُنھیں حکومت کے سامنے ثابت کرنا ہوگا کہ وہ باہم محبت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کا طبی معائنہ ہوگا اگر اس معائنہ میں بھی وہ کامیاب ہو گئے تو اُن کی درخواست منظور کر لی جائے گی، ورنہ اُنھیں جبراً جُدا کر دیا جائے گا۔

یہ ہے تحریک کا خلاصہ۔ لیکن اسنے تمام ملک میں ایک ہلچل ڈال دی ہے۔ روشن خیال طبقہ عام طور پر تحریک کی حمایت کر رہا ہے۔ مگر مذہبی پیشوا اور اُنکے متبعین اس کے سخت خلاف ہیں۔ اسے کفر و الحاد قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر یہ تحریک مقبول ہو جائے گی تو مسیحیت اور کنیسا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ مسیحی ہیئت اجتماعیہ درہم برہم ہو جائے گی۔ فسق و فجور کے بند (؟) دروازے کھل جائیں گے۔ غرضکہ وہ اسے شیطانی تحریک قرار دے رہے ہیں۔ دیکھا چاہئے اس نظری جنگ میں کون فریق فتح یاب ہوتا ہے؟

آمریکہ کی دولت

ولایات متحدۂ آمریکہ کی دولت و ثروت کے افسانے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ واقعی جس قدر خزانے اس ملک میں موجود ہیں، اُتنے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ اسوقت میرے سامنے ایک امریکن رسالہ کھلا رکھا ہے۔ اسنے اسی معاملہ پر بحث کی ہے۔

وہ لکھتا ہے:

"جس کے پاس تین چار کروڑ ڈالر جمع ہیں، وہ اسوقت آمریکہ میں "دولتمند" خیال نہیں کیا جاتا۔ کروڑپتی، اب آمریکہ میں کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ اب شمار صرف "ارب داروں" کا ہوتا ہے۔ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ حکومت نے امریکی قوم کی انفرادی دولت کے اعداد شمار شایع کئے۔ اس رپورٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ آمریکہ میں ایک سے بہت زیادہ آدمی ایسے موجود ہیں جن کی دولت ایک ہزار ملین ڈالر یعنی ۲۰ کروڑ پونڈ سے بھی زیادہ ہے۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں جن آدمیوں کی دولت ایک ملین ڈالر سے زیادہ تھی، اُن کی تعداد ۲۰۷ ہے۔ لیکن گمان غالب ہے کہ یہ شمار ناقص ہے۔ لوگ، آمدنی کے محصول سے بچنے کے لئے اپنی اصلی آمدنی چھپاتے ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۱۶ء ہی میں ایسے دولتمندوں کی تعداد ۲۰۶ تھی۔ کسی طرح خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ۹ سال کی طویل مدت میں، جبکہ دولت کے دروازے ہر طرف سے آمریکہ پر کھل گئے تھے، ایسے دولتمندوں کی تعداد میں صرف ایک کا اضافہ ہوا ہو۔

ذیل کے نقشہ سے آمریکہ کی دولت مندی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا:

ڈیڑھ ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۱۰۴
دو ملین تک سالانہ آمدنی کے مالک	۴۳
تین ملین تک 〃 〃	۲۹
۴ ملین تک 〃 〃 〃	۱۵
۵ ملین تک 〃 〃 〃	۹
۵ ملین سے زیادہ 〃 〃 〃	۷
	۲۰۷

لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا یہ نقشہ، ناقص ہے۔ تاہم ۵ ملین ڈالر سے زیادہ آمدنی کے مالکوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی ایک کروڑ پونڈ سالانہ سے بھی زیادہ ہے۔ سرکاری روداد میں اِن کے نام شائع ہوئے ہیں۔ انہی میں مسٹر فورڈ اور اُن کا بیٹا، مسٹر ملن آمریکی وزیر مال، اُن کا بھائی، مسٹر ہوٹینی، مسٹر وینڈربلٹ، مسٹر بیکر وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ امریکہ میں، دوسرے ملکوں کے برخلاف یہ صورت حال نہیں ہے کہ امیروں کی دولت برابر بڑھتی جائے اور غریبوں کی غربت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امیروں کی دولت بہت آہستہ آہستہ بڑھتی ہے، لیکن غریب جلد از جلد امیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مذکورۂ بالا روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی آمدنی رکھنے والے (یعنی جو لوگ آمدنی کا محصول ادا کرتے ہیں) سالانہ ۵ ہزار ڈالر سے زیادہ کما لیتے ہیں۔

روداد کے ایک دوسرے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۵ء میں حکومت نے حسب ذیل محصول وصول کیا:

اُجرت اور تنخواہ پانے والوں سے:	۴،۴۰،۰۰،۰۰۰ ڈالر
تجارتی کمپنیوں سے:	۹۷،۰۰،۰۰۰ 〃
حقوق طباعت خریدنے والی کمپنیوں سے:	۱۸،۵۰،۰۰۰ 〃
سود خوار مہاجنوں سے:	۴۸،۵۰،۰۰۰ 〃

آمریکہ کی دولتمندی کے راگ گانے والوں کے بالمقابل علماً اقتصادیات کا ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے جو اس دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اُس کی رائے میں آمریکہ کی دولت کسی پائیدار بُنیاد پر قائم نہیں ہے۔ وہ اپنی دلیل میں پچھلے دس گیارہ سال کے اعداد و شمار سے پیش کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آمریکہ میں دولتمندوں کی تعداد نہایت غیر متناسب تعداد میں گھٹتی بڑھتی رہی ہے۔ یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ ملک کی دولت کوئی مستحکم بنیاد نہیں رکھتی۔ وہ اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

سنہ	ایک ملین ڈالر سے زیادہ سالانہ آمدنی رکھنے والے
۱۹۱۴	۶۰
۱۹۱۶	۲۰۶
۱۹۲۰	۲۱
۱۹۲۴	۷۵
۱۹۲۵	۲۰۷



ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور اسی طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

باایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

برِ اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر بھی عالیس ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم ہی سے خط و کتابت کیجئے بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

یاد رکھئے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ سے ملیگا

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم بامسمیٰ ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرا لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپکی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کیجاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب، رنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سر و دوران سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہرا طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اسکی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز ویسی ہی ہے۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں دو آنہ فی روپیہ کمیشن دیا جائیگا۔

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اسپر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی ملسکتا ہے۔" فہرست دواخانہ معہ جنتری ۱۹۲۷ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی۔"

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی — تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کر دے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

اگر آپکو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W.1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتی ہیں

ہماری یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کلمات حوم سعد پاشا زغلول

جلاوطنی میں قوم سے خطاب

اُنھوں نے ہمیں ملک سے نکالا، مگر تم نے ہمیں اپنے دلوں میں جگہ دی!

اُنھوں نے ہمیں گمنام کر دینا چاہا، مگر تم نے ہمارا نام اپنے صفحۂ قلب پر نقش کر لیا!

اُنھوں نے اپنی قوت سے ہمیں پراگندہ کر دینا چاہا، مگر تم اور بھی زیادہ باہم جڑ گئے!

اُنھوں نے تشدد سے ہمیں ذلیل کرنا چاہا، مگر تم اور زیادہ موقر بن گئے!

اُنھوں نے طرح طرح کے حیلوں سے ہمیں گمراہ کرنا چاہا، مگر تم گمراہ نہ ہوئے۔ اُن کے فریب نے ہمیں اور زیادہ راہ ہدایت دکھا دی!

اس طرح خدا نے اُنھیں رسوا کیا، اور ہمیں سرخروئی بخشی!

امن عالم

امن عالم اگر چاہتے ہو، تو دوسروں کا حق نہ چھینو۔

آزادی

آزادی، میرا پیدائشی حق ہے، عطیہ کے طور پر میں اُسے قبول نہیں کر سکتا۔ آزادی، میری اپنی بیشینی ملکیت ہے کسی کو حق نہیں کہ میری ہی ملکیت مجھے عطیہ کے طور پر دے۔

عورتوں کی تربیت

قومی ترقی کے لئے عورتوں کی تربیت، اوّلین شرط ہے۔

حق

حق کی طرف لوٹنا کبھی معیوب نہیں۔

حق، قوت، قوم، حکومت

حق، قوت سے بالا ہے۔ قوم، حکومت سے برتر ہے۔

فنا

ہم پر حملہ کرتے ہیں، مگر جب ہم ملافت کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہیں تو کہتے ہیں "تم فساد کرتے ہو"!

علم، اخلاق

ہمیں زیادہ علم کی ضرورت نہیں، زیادہ اخلاق کی ضرورت ہے۔

بداخلاقی کا قانون

جس قانون کی بنا، بداخلاقی پر ہے، وہ باطل قانون ہے۔

آزادی کا استعمال

ہم آزادی سے محبت رکھتے ہیں، مگر اس سے بھی زیادہ ہم اُس کے صحیح استعمال سے محبت کرتے ہیں۔

"ڈپلوما"

ہمیں اپنی زندگی کے اعمال پر فخر کرنا چاہئے، نہ کہ اپنے ہاتھ کے "ڈپلوما" پر!

مقصد کی کامیابی

مقصد کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ہم جد وجہد کریں، اور اگر ضرورت ہو تو مر بھی سکیں!

خوف یا محبت؟

میں چاہتا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کریں، نہ کہ مجھ سے ڈریں۔



جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جس قدر نسخے چھپے تھے مدرسہ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہو گئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔

قیمت بارہ آنے۔ منیجر الہلال کلکتہ



کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دُنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سُرخ اور سُنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

مطبوعات الهلال بك ايجنسی

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دينی علوم کے بيش بہا جواہر ريزے

اس سلسلہ میں ہم نے امامین کی ان نادر و اعلیٰ درجہ کی بلند پایہ عربی تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسلہ شروع کیا ہے ' جنکا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نہایت ضروری و ناگزیر ہے - امید کہ یہ "سلسلۂ تراجم" ہندوستان کی دماغی اصلاح کا کام دے :

اُسوۂ حسنہ — امام ابن قیم کی فن سیرت میں شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصہ کا اُردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازھائی روپیہ -

کتاب الوسیلہ — لفظ "وسیلہ" کی بحث کے علاوہ امام ابن تیمیہ نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کی مبسوط بحث کی ہے - بلا جلد ازھائی روپیہ ' مجلد سوا تین روپیہ -

اصحاب صفہ — انکی تعداد ' ذریعہ معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے ہیں دس آنے -

تفسیر سورۃ الکوثر — امام ابن تیمیہ کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمہ - چار آنے -

نصرۃ الربّانی — خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کا فرق بدلائل بیان کیا ہے - چھ آنے -

سیرت امام ابن تیمیہ — حضرت امام کے ضروری حالات زندگی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیے ہیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامہ سید محمد رشید رضا مصری کی تازہ کتاب کا اُردو ترجمہ - سوا روپیہ -

ائمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامہ — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یہ ایک علمی ' اسلامی ' سہ ماہی رسالہ ہے جس کے خریدار کو ہم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربی ' فارسی ' انگریزی ' اور دوسری زبانوں کی تمام اہم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بہترین تازہ معلومات بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ہے - اسکے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانہ ' نظمیں اور ممالک اسلامیہ کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے ہوے حالات درج کیے جاتے ہیں - فی پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپیہ پیشگی -

منیجر الهلال بك ايجنسی

(حلقہ نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

السحر الحلال فی مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان این دفتر پارسینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

اردو صحافت کی تاریخ میں الہلال بھی وہ رسالہ ہے جو اپنی شان ظاہری اور باطنی خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تھی

الہلال اگرچہ ایک ہفتہ وار مصور رسالہ تھا ' لیکن چونکہ وہ اردو صحافت کی مختلف شاخوں میں اجتہاد نظر و فکر کی نئی روح پیدا کرنی چاہتا تھا ' اس لئے اس کا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعہ تھا - اس کے ہر نمبر میں مختلف ابواب ' مذہب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ کے ہوتے تھے اور اسکا ہر باب اپنی مجتہدانہ خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہوتا تھا - پھر اس کی ظاہری خوبیاں اردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پہلا نمونہ تھیں - اردو کا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا ' جس میں ہاف ٹون تصاویر کا اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چھپنے کی وجہ سے بہت سی ایسی خوبیاں پیدا ہوئیں جو پتھر کی چھپائی میں ممکن نہیں - اس کی جلدیں جدید اُردو عام ادب کے علمی ' مذہبی ' سیاسی ' اور اجتماعی مواد و مباحث کا بہترین مجموعہ ہیں - ان کی مقبولیت و قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۸ میں بعض شائقین علم و ادب نے اس کی تمام جلدوں کا مکمل سٹ سات سو روپیہ میں خرید لیا اور حال میں ایک صاحب نے اس کی پہلی جلد مکمل (جو دفتر میں بھی موجود نہیں) ساڑھے چار سو روپیہ میں حیدرآباد سے خریدی ہے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے ہیں وہ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی علیحدہ کرنے کیلیے تیار نہیں - پچھلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیرہ الہلال کے پرچوں کا بھی محفوظ ملا ' ہم نے کوشش کی کہ شائقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کی جاسکتی ہیں مرتب کرائی جائیں اور جن جلدوں کی تکمیل میں ایک دو پرچوں کی کمی ہو انہیں دوبارہ چھپوا لیا جائے -

چنانچہ الحمدللہ یہ کوشش ایک حد تک مشکور ہوئی اور اب علاوہ متفرق پرچوں کے چند سالوں کی جلدیں پوری مکمل ہوگئی ہیں - ہم اس اعلان کے ذریعہ شائقین علم و ادب کو آخری موقعہ دیتے ہیں کہ اس قیمتی ذخیرہ کے حاصل کرنے میں جلدی کریں ' چونکہ جلدوں کی ایک بہت ہی محدود تعداد مرتب ہوسکی ہے اس لئے صرف انہیں درخواستوں کی تعمیل ہوسکے گی جو سب سے پہلے پہونچیں گی - ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا میں تمام مضامین کی انڈکس بہ ترتیب حروف تہجی لگادی گئی ہے -

الہلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیہ الہلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیہ

" " " چہارم ۱۰ روپیہ " " " پنجم ۱۰ روپیہ

جلد "البلاغ" (جب دوسری مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا) قیمت ۸ روپیہ

علاوہ جلد اول کے ہر جلد کے متفرق پرچے بھی موجود ہیں جن میں سے ہر پرچہ اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعہ علم و ادب ہے - قیمت فی پرچہ ۸ - آنہ - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوہ ہے -

منیجر " البلاغ پریس "

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما

ٹائمز آف لنڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث علمی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز آف لنڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیئے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں - اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں با قاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں، تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

جلد ۱ نمبر ۱۴

۱۹۲۷

الہلال

جلد ۱

نمبر ۱۴

البلاغ پریس کلکتہ

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين القرآن الحكيم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ١٤ | کلکتہ : جمعہ ١٩ ۔ ربیع الاول ١٣٤٦ ہجری | جلد ١

Calcutta : Friday, 16, September 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قاریین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ١١٢٠ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	١٩٧	اردو حروف کی حق مین	٢٩٩
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	٣٠٤	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	٢١٥	نستعلیق ھون	١٠٥

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال


بريد فرنگ

مکتوب فرانس

انگلستان اور فرانس کي کشمکش - فرانس میں شاهي دعاية - عورتوں کیلیے جبري فوجي خدمت - عورتوں کے سیاسي حقوق

(الهلال کے مقاله نگار مقیم پیرس کے قلم سے)

اِدهر چند سال سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات برابر خراب هوتے چلے جا رهے هیں - انگلستان دیکهتا هے که جرمني کي تباهي کے بعد اُسکے اصلي اور زبردست دشمن دو هیں : روس اور فرانس - روس اُسکي ملک گیري کا دشمن هے ' اور فرانس دنیا کے هر خطه میں اُسکي ملک گیري کا شریک بننا چاهتا هے - یهي وجه هے که انگلستان نے بیک وقت دو سیاسي میدان جنگ قائم کر دیے هیں - ایک میں روس سے نبرد آزمائي کر رها هے - دوسرے میں فرانس سے -

فرانس کو زک دینے کے لیے انگلستان نے یه تدبیر کي هے که اُسے یورپ میں اُسکے تمام دوستوں اور حامیوں سے محروم کر دیا هے - اِس وقت فرانس بالکل بے یار و مددگار هے - انگلستان کي یه قدیم حکمت عملي هے که وه حریف کے مقابله میں بذات خود بهت کم آتا هے - دور سے دوسروں کو شه دیتا اور نئے نئے دشمن اپنے حریف کے سامنے کهڑے کرتا رهتا هے - اِس وقت بهي اُسکا یهي طرز عمل هے - مدت تک فرانس کا سامنا جرمني سے رکها - اب اُس کي تباهي کے بعد اٹلي کو کهڑا کر دیا هے - فیشیسزم نے اٹلي کو دیوانه بنا دیا هے اور وه ناعاقبت اندیشانه انگلستان کا چیلا بن گیا هے -

اٹلي پر افسوں پهونک چکنے کے بعد انگلستان نے هنگري ' رومانیا ' بلغاریا ' یونان ' اسپین ' لیتهونیا ' استهونیا ' اور فنلینڈ کو بهي ملا لیا - صرف پولینڈ ابتک فرانس کے زیر اثر تها مگر آج کل سر آسٹن چمبرلین اُسے بهي مسحور کر رهے هیں ' اور با خبر لوگوں کو یقین هے که امروز فردا میں پولینڈ بهي انگریزي جال میں پهنس جائیگا -

اِس صورت حال نے فرانس کو سخت بد حواس کر ڈالا هے - فرانسیسي مدبر اور اخبار بري طرح انگلستان کو گالیاں دے رهے هیں - اُنهیں صاف نظر آ رها هے که بحر متوسط میں انگلستان اُن کي قوت کس طرح مفلوج کر رها هے اور اٹلي کو آگے بڑهاکر اُنکي قومي هستي کے لیے سخت خطرے پیدا کر دیے هیں -

اخبار " طان " نے اِس هفته ایک افتتاحیه شایع کیا هے اور اُس میں انگلستان پر بهت لے دے کي هے - وه لکهتا هے :

" برطانیا یقین کرتا هے که اِس وقت دنیا کے امن اور جنگ ' دونوں کي کنجیاں اُسي اکیلے کے هاتهه میں هیں - اُس نے خفیه معاهدوں کي قدیم سنت پهر زنده کي هے اور پورے یورپ میں سازشوں کا جال پهیلا دیا هے - اِس وقت فرانس کو پس پشت ڈال کر اُسکا اعتقاد اٹلي پر هے - اٹلي کي رضامندي وه هر قیمت پر خرید رها هے - لیکن یه قیمت وه اپني حبیب سے ادا نهیں کرتا ' بلکه دوسروں کي جیب پر سودا کرتا هے - سان ریمو کانفرنس سے پهلے هي انگلستان نے اٹلي کو ایشیائے کوچک کا ایک وسیع علاقه رشوت میں پیش کیا تها - لیکن ٹرکي کي قوت نے اٹلي کے حوصلے پست کردیے - پهر جنیوا کانفرنس سے پهلے اُس نے اٹلي کو فرانس کے برابر بحري قوت رکهنے کا حق دے دیا - پهر لنڈن کانفرنس سے پهلے اٹلي کو ٹیرول کا معاوضه اور تجارتي مراعات دیکر اپنا کرلیا تها - سنه ۱۹۲۴ - کے ختم هونے سے پهلے هي گوبلینڈ کا علاقه اٹلي کو دیدیا گیا - اکتوبر سنه ۱۹۲۵ - میں لوکارنو کا معاهده هوا - اِس میں اٹلي کو فرانس سے بالا تر جگهه دي گئي - ۵ دسمبر سنه ۲۵ - کو اٹالین طرابلس میں کفره اور جغبوب ' سنوسیوں کے متبرک شهر بهي شامل کردیے گئے - ابهي پورا مهینه بهي گزرنے نه پایا تها که ۲۹ دسمبر کو افریقا اور ایشیا میں اٹالین مطالبات پر " دوستانه غور " کیا گیا - اِس کے ایک مهینه بعد ۲۷ - جنوري سنه ۲۶ کو اٹلي کے جنگي قرضه میں سے ایک بهت بڑي رقم معاف کردي گئي - ۱۶ اپریل سنه ۲۶ کو اٹالین علاقه اریٹرا آور بهي زیاده وسیع کر دیا گیا اور حبش کي بانٹ میں اٹلي کا ساجها بهي تسلیم کرلیا گیا - پهر ۷ - اگست میں اٹلي اور اسپین کے ما بین معاهده کرایا گیا اور انگریزي مدبروں نے اعلان کیا که یه معاهده بحر متوسط میں سیاسي توازن کي بهترین ضمانت اور فرانس کي گردن دبانے کا عمده ذریعه هے - پهر ۲۰ دسمبر سنه ۲۶ کو جب که اٹلي اور فرانس کے تعلقات نهایت کشیده تهے ' جرمني اور اٹلي میں معاهده پر دستخط ثبت کرا دیے گئے - یه معاهده در حقیقت هجومي دفاعي معاهده هے اور اِس نے فرانس کي سلامتي کے لیے شدید خطره پیدا کر دیا هے - اِسکے ایک مهینه بعد ۲۰ - جنوري سنه ۲۷ - کو بحر احمر کے عربي سواحل کي تقسیم هوئي اور اٹلي نے جو کچهه مانگا ' انگلستان نے بخوشي دیدیا "

" اٹلي کي یه خوشامد ' محض موسولیني کي سیاه آنکهوں کے لیے نهیں هے - در اصل انگلستان اُسے فرانس کے سر پر اُسي طرح سوار کرنے کي فکر میں هے ' جس طرح اب سے پهلے جرمني کو مدتوں سوار رکهه چکا هے - انگلستان نے یورپ کي تقریباً تمام چهوٹي بڑي سلطنتوں کو پهسلا کر اپنے هاتهه میں لے لیا فرانس کو چهوت بنا کر الگ کردیا هے ... "

اِس ایک اقتباس هي سے فرانس اور انگلستان کے تعلقات کي موجوده نوعیت معلوم کر لي جاسکتي هے اور اندازه هو سکتا هے که اُس وقت یورپ کي سیاست کس طرف جا رهي هے ؟

یہ بات نہیں ہے کہ انگلستان کی نیش زنی کے مقابلہ میں فرانس خالی بیٹھا شکوے شکایت ہی کر رہا ہو - اِس سیاسی جنگ میں وہ بھی اپنی تمام قوت و قابلیت صرف کر رہا ہے - بلاشبہ اِس وقت یورپ میں اُسے بڑی حد تک شکست اٹھانی پڑی ہے - لیکن اُسنے اِس شکست کا بدلہ انگلستان سے مشرق قریب و بعید میں لے لیا ہے - تُرکی کی طرفداری کرکے اُس نے برطانیا کو سخت نقصان پہنچایا ہے - اور اب چین میں بھی برطانیا سے مختلف روش اختیار کرکے اُسے ایسی زک دی ہے کہ مدتوں نہ بھولے گا -

مسیو بریاں وزیر خارجیہ نے حال ہی میں مسئلۂ چین پر ایک طویل تقریر کی ہے - اُن کے یہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں :

" چین کا مسئلہ اِس وقت دنیا کا سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہے اور اُس نے " بعض " سلطنتوں کو بری طرح بد حواس کر ڈالا ہے - مگر اِس بارے میں فرانس نے ایک بالکل صاف اور ٹھوس مسلک قرار دے لیا ہے - وہ مسلک یہ ہے کہ ہم چینی انقلاب کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرینگے - چینی قوم پرست اچھی طرح دیکھ چکے ہیں کہ فرانس اُن کا کیسا قدردان اور مداح ہے - یہی وجہ ہے کہ فرانس کے جملہ حقوق چین میں بالکل محفوظ ہیں - حالانکہ " بعض " دوسری سلطنتوں کو اپنے حقوق بچانے کے لیے فوجیں بھیجنا پڑی ہیں - ہم چین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری طرف سے اُس کے لیے نہ تو جنگ کا خطرہ ہے ' نہ ہم اُس کی راہ میں کوئی روڑا اٹکانا چاہتے ہیں "

(فرانس میں شاہی)

اِس وقت فرانس میں سخت اندرونی خلفشار موجود ہے - قوم تین بڑے گروہوں میں بٹ گئی ہے - ایک جماعت موجودہ جمہوری نظام کی حامی ہے اور یہی سب سے بڑی جماعت ہے - دوسری جماعت اشتراکیوں کی ہے - وہ چاہتی ہے اشتراکی نظام قائم ہو جائے - تیسری شاہ پسند ہے اور شاہی کا اُلٹا ہوا تخت پھر از سر نو بچھانا چاہتی ہے -

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ انقلاب کے بعد سے اِس وقت تک کوئی زمانہ بھی فرانس پر ایسا نہیں گذرا کہ شاہ پسند جماعت موجود نہ رہی ہو - ڈیوک دی اورلیان کا خاندان برابر تخت شاہی کا دعوے دار رہا - آجکل شاہ پسندوں میں پھر حرکت پیدا ہوئی ہے اور اُنھوں نے بڑی سرگرمی سے اپنی دعایۃ شروع کردی ہے - گزشتہ ہفتہ کونت دی بلوا نے اخبارات میں ایک پر زور مضمون شایع کیا ہے اور اُس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بالشویک خطرے کے استیصال اور یورپ کی تمام مشکلات کے حل کی حقیقی صورت یہی ہے کہ فرانس کی موجودہ جمہوریت توڑ دی جائے اور شاہی حکومت قائم ہو - کونت نے تخت شاہی کیلیے ڈیوک دی گیز کا نام بھی پیش کیا ہے جو قدیم خاندان شاہی کا ایک بڑا رکن اور فی الحال بادشاہی کا دعویدار ہے -

(عورتوں کی فوجی بھرتی)

فرانسیسی حکومت بہت بڑے پیمانہ پر جنگی طیاریاں کر رہی ہے - حال میں اُسنے ایک مسودۂ قانون پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے - اِس سے مقصود فرانسیسی عورتوں کو فوجی خدمت پر مجبور کرنا ہے - اِس تجویز نے تمام ملک میں بیچینی پیدا کردی ہے - عورتوں میں ناراضی عام ہے اور مردوں کی بھی بہت سی انجمنیں اِس کا اظہار کر رہی ہیں -

عورتوں کی انجمن نے اِس تجویز پر دو اہم اعتراض کیے ہیں : ایک یہ کہ اِس معاملہ پر غور کرتے وقت عورتوں سے رائے نہیں لی گئی - دوسرے یہ کہ فرانسیسی عورت ابتک اپنے سیاسی حقوق سے محروم ہے - چنانچہ اُسے مجلس حکومت ' بلدیہ ' اور مجلس ضلع وغیرہ نمائندہ مجلسوں میں انتخاب کا حق نہیں دیا گیا ہے -

عورتوں کی مشہور زعیم میڈم میزم نے اخبارات میں احتجاجی مضمون شایع کیا ہے - وہ لکھتی ہے :

فرانسیسی عورت ' وطن مقدس کی خدمت سے جی نہیں چراتی - لیکن جبکہ اُسے مردوں کے برابر حقوق دینے سے انکار کیا جاتا ہے تو اُس پر مردوں سے زیادہ بوجھ ڈالنا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے ؟ فرانسیسی عورت اگر اور کوئی خدمت انجام نہ بھی دے ' جب بھی اُسکی یہ خدمت کیا کم ہے کہ وہ وطن کے لیے مجاہد پیدا کرتی ہے ؟ اُسکی یہی ایک خدمت اور اِس خدمت کی شدید تکلیفیں اُسے مردوں کے ہم پلہ کر دیتی ہیں - پھر فوجی خدمت کا ایک نیا بوجھ اُسکے سر پر ڈال کر اُسکے مصائب میں کیوں اضافہ کیا جاتا ہے ؟"

نیز یہی خاتون لکھتی ہے :

" عورتوں سے فوجی خدمت لیکر حکومت فرانس ' ملک کو ساری دنیا میں بدنام کرنا چاہتی ہے - اِس وقت جبکہ تمام سلطنتیں جنگی طیاریاں کم کرنے پر غور کر رہی ہیں ' ہماری حکومت ایک نئی طیاری کا اضافہ کرنے پر تلی ہوئی ہے - حکومت کی یہ تجویز لندن اور جنیوا کے معاہدوں کے بالکل خلاف ہے - ہم ہرگز قبول نہیں کر سکتے کہ ہمارا ملک فوجی چھاؤنی بن جائے "

(عورتوں کے سیاسی حقوق)

حکومت فرانس کی اِس تجویز نے عورتوں میں اپنے حقوق حاصل کرنے کا ایک نیا ولولہ پیدا کردیا ہے - اُنھوں نے باضابطہ کوشش شروع کردی ہے - تمام سیاسی پارٹیوں سے اُنھوں نے درخواست کی ہے کہ حق انتخاب ہمیں بھی دیا جائے ' ورنہ ہم تمام ملک میں شورش برپا کر دینگے -

فرانس کی عورتوں کا سب سے بڑا استدلال دوسرے ملکوں کی حالت سے ہے - وہ کہتی ہیں ' دنیا کے تمام متمدن ملکوں میں عورتوں کو حق انتخاب حاصل ہو گیا ہے - پھر ایک اکیلے فرانس کی عورتیں اُس سے کیوں محروم ہیں ؟ حالانکہ سب سے پہلے فرانس ہی نے جمہوریت کا علم بلند کیا تھا -

عورتوں کی یہ حجت قوی ہے - کیونکہ واقعی اکثر متمدن ملکوں میں عورتوں کو انتخاب میں شرکت کا حق حاصل ہو گیا ہے - چنانچہ ڈنمارک میں یہ حق سنہ ۱۹۱۵ع میں حاصل ہوا - روس میں سنہ ۱۹۱۷- میں - پولینڈ ' یوکرین ' استھونیا ' لتھونیا ' ایرلینڈ اور برطانیا میں سنہ ۱۹۱۸- میں - برطانوی قانون کے الفاظ یہ ہیں " تمام سیاسی حقوق ہر اُس عورت کو حاصل ہیں جو تیس سال کی عمر رکھتی ہے ' شادی شدہ ہے ' یا اپنے نام سے کرایۂ مکان ادا کرتی ہے ' یا یونیورسٹی کی سند رکھتی ہے " سویڈن ' ناروے ' آسٹریا ' زیکوسلاویا ' ہنگری ' اور جرمنی کی عورتوں کو یہ حق سنہ ۱۹۱۹- میں حاصل ہوا - اہل بلجیم ' ٹرنسوال ' آسٹریلیا ' نیوزی لینڈ ' اور ولایات متحدہ امریکا کو سنہ ۱۹۲۰ع میں -

ظاہر ہے اِس صورت میں فرانس کی عورتیں اپنی محرومی پر کیونکر صبر کر سکتی ہیں ؟



قانون کی تنقید اور قانون کی توهین

تاریخ قوانین مدنیة کا ایک صفحه

وکٹر هیگو کي تقریر اپنے لڑکے کي حمایت میں

(۲)

" یه ایک منحوس قانون هے - یه قانون ' دنیا کے سامنے ایسے مناظر پیش کرتا هے جو ادب و حیا سے بالکل خالي هیں - انسانیت ' شرم و ندامت سے اپنا منهه چهپا لیتي هے - خطرناک مناظر ! وحشیانه مناظر ! یه قانون ' انسانیت کو وحشت کي طرف واپس لے جانا چاهتا هے - اُس کي قربانیاں کتني هي کم هوں ' مگر حد سے زیاده خوفناک هوتي هیں ! اُس کے نتائج کتنے هي هولناک هوں ' مگر وه انسانوں کو نکته چیني کي اجازت دینا نهیں چاهتا - اگر کوئي حساس ضمیر رکهنے والا نکته چیني کي جرأت کرتا هے ' تو اُس کي جرأت " قانون کي توهین " خیال کي جاتي هے - اور وه عدالت کے اندر مجرموں کے کٹهرے میں کهڑا کیا جاتا هے !

" پهر اِس کے بعد ؟ جرمانه ! اِس کے بعد ؟ قید خانه !

" اگر یهي هے تو آئیے ' هم پارلیمنٹ بند کردیں - مدرسے بند کردیں - اب ترقي و تمدن کے لیے کوئي گنجائش باقي نهیں رهي - آئیے ' اب هم اپنے آپ کو " تاتار " اور " تبتي " کهیں - اب هم متمدن قوم باقي نهیں رهے -

" هاں اب همارے لیے یهي اولیٰ هے که اپنے آپ کو نیم وحشي یا خالص وحشي قوم کهیں - اگر دنیا میں کبهي فرانس نامي کوئي ملک موجود تها ' تو اب وه موجود نهیں رها - تم نے فرانس کو بدل ڈالا هے - بلا شبه فرانس ' شاه پسند نهیں هے - لیکن میں دعوے سے کهتا هوں که وه جمهوري بهي نهیں هے - اب وه اِن دونوں کے سوا کچهه اور هوگیا هے ! (قهقهه)

جج — میں دوباره تنبیه پر مجبور هوں - میں خاموشي کي درخواست کرتا هوں ' ورنه ایوان کے خالي کردینے کا حکم دوں گا -

وکٹر هیگو — (تقریر جاري رکهتے هوئے) آئیے هم واقعات پر غور کریں - الزام کو حقائق پر منطبق کریں -

" محترم جج اور جیوري ! ایک وقت اسپین میں محاکم تفتیش تهے ' اور وهي " قانون " تها ... بهت خوب - لیکن مجهے یه کهنے دیجیے که جو هولناک سزائیں یه محاکم تفتیش دیا کرتے تهے ' اُن سزاؤں کا احترام قانون کا احترام نهیں تها - ایک زمانه میں هاتهه کاٹنا قانون تها ' لیکن هاتهه کٹنے کي کبهي تعظیم نهیں کي گئي - ایک زمانه میں آگ سے داغنا ' قانون تها ' مگر اِس فعل کي تقدیس کبهي قانون نه تهي - اب آج همارے زمانے میں گلوٹین ' قانون هے ... بهت خوب ... میں دعوے سے اِس حقیقت کا اعلان کرتا هوں که اگرچه آج گلوٹین قانون هے ' مگر خود گلوٹین کي کبهي تعظیم نهیں کي گئي اور نه اس وقت کي جا رهي هے - میرے آقا ' سرکاري وکیل ! یه کیونکر ؟ میں ابهي آپ کو اِس سوال کا جواب دیے دیتا هوں -

" میں کهتا هوں اس ملک کے باشندے گلوٹین کو بهي نفرت و کراهیت کے اُسي گڑهے میں پهینک دینا چاهتے هیں ' جس میں اب سے پهلے ' ساري جهان کي تحسین و آفریں کے غلغله کے ساتهه ' آگ سے داغنے ' هاتهه کاٹنے ' اور محاکم تفتیش کي سزاؤں کو ابد الاباد تک کے لیے پهینک چکے هیں -

" باشندے چاهتے هیں ' عدالت کے بلند اور مقدس چبوترے پر سے اِس سڑے هوئے منحوس قانون کي لاش اٹها پهینکیں - کیونکه یه عدل و انصاف کے نوراني چهرے کو اپني تعفن اور ظلمت سے بگاڑ رها هے .... آه ... جلاد کا منحوس چهره .... !

" چونکه هم یه انساني فرض ادا کرنا چاهتے هیں اِس لیے هم پر شورش پهیلانے کا الزام لگایا جاتا هے -

" هاں بے شک هم نهایت خطرناک لوگ هیں - حد سے زیاده خوفناک لوگ ! کیوں ؟ اس لیے که هم گلوٹین کي منسوخي چاهتے هیں ... ! اس سے بهي بڑه کر کوئي جرم دنیا میں موجود هے ؟

اخبار ..... اِل کے محرر پر الزام هے که اُسنے قانون کا احترام نهیں کیا - حضرات ! تهوڑي دیر کے لیے هم اِس قانون کي عبارت میں ' بعث سے الگ هو جائیں ' اور پورے خشوع و خضوع کے ساتهه اُس قانون کے سامنے کهڑے هوں جو هر قانون کي بنیاد هے - انساني ضمیر کے سامنے ' جو هر سینے میں محفوظ هے !

جب " سرون " نے ' جو اپنے عهد میں سرکاري وکیل تها ' یه کها تها که " همارے تعزیري قوانین ' الزام کے دروازے کهولتے مگر ملزم کیلیے بند کرتے هیں " تو کیا اُس نے یه کهه کر قانون کي توهین کي تهي ؟

" جب والٹیر نے اپنے زمانے کے ججوں کي نسبت کها تها " ... اِن ججوں کا ذکر نه کرو - اِن میں سے آدهے بندر هیں اور آدهے چیتے " (قهقهه) تو کیا اُس نے قانون کي توهین کي تهي ؟

" جب " روبر کولر " نے ایک قانون کے متعلق خود پارلیمنٹ میں گلا پهاڑ کر کها تها " اگر تم یه قانون بناتے هو تو میں قسم کها کر کهتا هوں که میں اِسے توڑ دونگا " تو کیا یه کهه کر اُس نے قانون کي توهین کي تهي ؟

" یہ تمام مقنن ' یہ تمام فلاسفہ ' یہ تمام شرفاء ' جنھوں نے اس طرح کی آئینیں بنیں ' کیا قانون کی توہین کرنے والے تھے ؟ وہ قانون جو ہمیشہ وقتی اور مقامی ہوتا ہے ؟ میں نہیں جانتا ' سرکاری وکیل کا جواب کیا ہوگا ؟ ممکن ہے وہ کہے " ہاں توہین کرنے والے تھے " لیکن میں ؟ تو میں بھی کہونگا کہ یہ لوگ ' بازگشت تھے اس قانون کی ' جس سے بڑا کوئی قانون کبھی موجود نہیں ہوا ' یعنی " انسانی ضمیر " کی بازگشت - کیا ان لوگوں نے اپنے وقت کی عدالت کو بے حرمت کیا ' وہ عدالت جو تغیر پذیر اور غیر معصوم ہے ؟ ہرگز نہیں - وہ تو ابدی عدالت کے طالب گار تھے !

" حضرات ! قانون کی نکتہ چینی کا حق ' سخت سے سخت نکتہ چینی کا حق ' خصوصاً تعزیری قوانین کی نکتہ چینی کا حق ' وہ قوانین جو ہمارے اخلاق میں وحشت کی تخم ریزی کرتے ہیں ' ہمارا مقدس فرض ہے - اصلاح کے فرض کے پہلو میں یہ فرض ایک نور ہے جو ہمیں صراط مستقیم دکھاتا ہے - یہ حق جس طرح مقنن کو حاصل ہے ' اسی طرح انشاء پرداز کو بھی حاصل ہے - یہ حق ازلی اور ابدی ہے - آپ اس کا ضرور اعتراف کرینگے اور ملزموں کو یقیناً بری کر دینگے -

" لیکن سرکاری وکیل کہتا ہے (اور یہ اسکی دوسری دلیل ہے) کہ اخبار کی نکتہ چینی ' ضرورت سے زیادہ تھی - سخت تھی - لیکن اے حضرات ! ذرا قریب سے معاملے پر نظر ڈالیے - ذرا اس نام نہاد جرم کو غور سے دیکھیے ! اخبار کا یہ ہولناک گناہ روز روشن میں دیکھیے !

" کیا ؟ ... ایک شخص ... اسے موت کا فتوی سنا دیا گیا ... بدنصیب آدمی ! ... ایک دن نور کے تڑکے اسے میدان عام میں کھینچ لے گئے ... گلوٹین ... مہیب گلوٹین ' اپنی آہنی آنکھوں سے قائم دیکھتی ... پھر ؟ ... اس کے خون نے جوش مارا ... اس نے مقاومت کرنی چاہی ... اس نے مرنے سے انکار کیا ... آہ ! یا الہی ! میں خوب جانتا ہوں - مجھسے فوراً کہا جائیگا " وہ قاتل تھا " لیکن ٹھہرو ... سنو ' سنو ... اسے دو جلادوں نے اٹھالیا - اس کے دونوں ہاتھ بندھے تھے - اس کے دونوں پاؤں بھی بندھے تھے - لیکن اس نے جد و جہد کی - اس نے اپنے دونوں بندھے ہوئے پاؤں ' گلوٹین میں ڈال دیے - پھنسا دیے - اسنے گلوٹین کے خلاف ' خود گلوٹین کو استعمال کیا - جد و جہد جاری رہی - قوم نے یہ منظر مشاہدہ کیا تو اس پر خوف چھا گیا - جلادوں نے سخت محنت کی - ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا دیا - انکی جد و جہد وحشیانہ تھی ' سنگ دلانہ تھی - ان کی پیشانی عرق آلود اور شرم سے تاریک ہو رہی تھی - ان کا رنگ فق ہو رہا تھا - وہ تھکن سے ہانپ رہے تھے - مایوس تھے - میں نہیں کہہ سکتا ' کس خوفناک خیال نے انہیں مایوس کر دیا تھا ؟

بے شک قوت قانون کے ہاتھ رہنی چاہیے - یہ مسلم ہے - یہ اصل الاصول ہے - لیکن ؟ لیکن یہ کہ بد نصیب قیدی ' گلوٹین سے لپٹ گیا تھا - روز روز کر معافی کی التجائیں کر رہا تھا - مگر ؟ مگر یہ کہ اس کے کپڑے اتار ڈالے گئے - اس کا جسم ننگا کر دیا گیا - اس کے شانوں پر سے خون کے فوارے ابلنے لگے ... مگر اس کی جد و جہد جاری رہی - آخر پون گھنٹے کے بعد - ہاں پون گھنٹے کے بعد (یہاں پر سرکاری وکیل نے ہاتھ کے اشارے سے وقت کی تحدید کو غلط بتایا - ڈاکٹر ہیکر نے تصویر جاری رکھتے ہوئے کہا :) سرکاری وکیل ہم سے لمحوں کا حساب مانگتا ہے - پون گھنٹہ نہ سہی ۳۵ - منٹ - جناب ۳۵ منٹ - اب تو آپ کو کوئی شکایت باقی نہیں ؟ ہاں ' ۳۵ منٹ کی خوفناک کشمکش کے بعد ... اس منظر سے ' جس کا کوئی نام نہیں ... اس عذاب سے — تمام آدمیوں کا عذاب — آپ اچھی طرح سنتے ہیں ؟ ... پوری قوم کے عذاب سے - گلوٹین کے عذاب سے - اس وحشیانہ عذاب سے ' جس کی مدت ' پوری ایک صدی سے بھی زیادہ طویل ہوگئی تھی ' بد قسمت قیدی کو رہائی دی گئی اور وہ قید خانے پہنچا دیا گیا - اس وقت قوم نے اطمینان کی سانس لی - اس وقت قوم نے — اس قوم نے جس کے پاس اب تک انسانیت کا کچھ بقایا ہے — اس قوم نے جو رحم دل ہے ' کیونکہ وہ محسوس کرتی ہے کہ وہ خودمختار اور حاکم ہے — ہاں اس قوم نے خیال کیا کہ قیدی کی گلو خلاصی ہوگئی -

" لیکن نہیں ' گلو خلاصی ؟ ہرگز نہیں ! بلا شبہ گلوٹین کو اس وقت شکست ہوئی - لیکن وہ بدستور سر بلند کھڑی رہی !

اسی وقت نہیں ' وہ ہر روز سر بلند کھڑی ہے - تمام انسانوں کی آنکھوں کے سامنے ' ان کی مرضی کے خلاف ' کھڑی ہے !

" پھر کیا ہوا ؟ شام کو جلاد ' قیدی پر ٹوٹ پڑے - اسے رسیوں اور زنجیروں سے اس طرح باندھا کہ ایک بے حس و حرکت لاش بن گیا - اندھیرے میں اسے میدان میں لڑنا لائے - وہ اب بھی چلاتا تھا - روتا تھا - خدا کو پکارتا تھا - اپنے ماں باپ کو پکارتا تھا - زندگی کی دعائیں مانگتا تھا - مگر ؟ مگر اس کا سنہ بند کر دیا گیا - اسے گلوٹین پر چڑھا دیا گیا - آہ ... اس کے بعد ؟ ایک خونچکاں سر ' زمین پر پڑا تھا ! اس وقت انسانیت ' فرط تاثر سے تھرا اٹھی - قوم کے بدن میں رعشہ پڑ گیا - کیونکہ قانون کے نام پر کبھی کوئی قتل ' اس قتل سے زیادہ مکروہ اور کمینہ نہیں ہوا تھا - اس وقت ہر انسان نے عمیق تاثر کے ساتھ محسوس کیا کہ وحشت و برہریت نے انسانیت کی پوری توہین اور نیکی کی پوری تذلیل کی ہے !

" عین اس وقت ایک مرد خدا ' ایک نوجوان ' اپنے دل کی گہرائیوں سے چلا اٹھا - یہ چیخ اس کی روح کی چیخ تھی - شفقت کی چیخ ' رنج و الم کی چیخ ' رعب و ہیبت کی چیخ - وہ چیخ جو انسانیت نے بے چین ہوکر بلند کی تھی - لیکن یہ چیخ تمہاری نظر میں جرم ہے ' اور تم اس پر سزا دینے کی طیاریاں کر رہے ہو !

" یہ تمام واقعات سنکر ' یہ تمام جاں گسل تفصیلات سن کر اے حضرات ! آپ بادب گلوٹین سے کہینگے " تو حق پر ہے " اور تیوری چڑھا کر رحم سے ' مقدس رحم سے کہینگے " تو مجرم ہے " !

" لیکن نہیں اے حضرات ! یہ ناممکن ہے - میں کہتا ہوں ناممکن ہے -

" محترم سرکاری وکیل ! میں بغیر کسی تلخی کے کہتا ہوں کہ تم کسی حق کی مدافعت نہیں کر رہے ہو - تم غلطی پر ہو - تم مدنیت کی روح سے برسر پیکار ہو - تم ترقی کے اخلاق سے دست بگریباں ہو - قلب انسانی تمہارا دشمن ہے - ضمیر انسانی تمہارا حریف ہے - وہ تمام اصول و مبادی تمہارے مقابلے میں صف بستہ ہیں جن کے سایہ میں ساٹھ برس سے فرانس ترقی کر رہا ہے - جنھوں نے دنیا کو وحشت سے نکال کر متمدن دنیا بنا دیا ہے - ان تمام اصول و مبادی کا لب لباب اور نچوڑ یہ ہے کہ انسانی زندگی کی حرمت ' غیر تعلیم یافتہ طبقہ پر برادرانہ شفقت - مذہب



شخصي آزادي

مختلف سياسي مذاهب كي نظر ميں

حال ميں مندرجه صدر موضوع " الحرية الشخصيه " پر ايک نهايت مفيد اور دلچسپ مجموعهٔ مقالات مصر ميں شائع هوا هے جس کے مقاله نگاروں نے کوشش کي هے که اس باب ميں جس قدر مختلف نقطه هاے نظر اور سياسي مذاهب موجود هيں ' اُنهيں صحت بيان کے ساتهه واضح کر ديا جاے - " شخصي آزادي " کے باب ميں اگرچه بے شمار افکار و آراء موجود هيں ' ليکن اهم اور اصولي مذاهب تين هيں :

(١) " مذهب تقئيد علی الاطلاق " يعني وه مذهب جو کامل شاهيت اور شاهي استبداد کے اعتراف کا نتيجه هے ' اور جو کهتا هے که کسي فرد واحد کو آپنے مالکوں اور آقاؤں کے خلاف مطالبهٔ آزادي کا حق هي نهيں هے -

(٢) " مذهب استقلال مقيد و مشروط " جو اسوقت عملاً تمام اُن ممالک کي هئيت اجتماعيه کا مذهب هے ' جو دستوري يا جمهوري حکومت کے طريقوں پر عامل هوچکے هيں - اس مذهب کے معتقدين شخصي آزادي کا مطالبه هر فرد کا فطري حق قرار ديتے هيں ' مگر ساتهه هي جماعت ' قوم ' اور نظم کے مشترک مقاصد کي بالا تري بهي تسليم کرتے هيں - ان کے اعتقاد ميں هر فرد کو آزاد هونا چاهيے ' ليکن اُسي حد تک ' جس حد تک جماعت ' قوم ' اور حاکمانه نظام کا مزاج موافقت کرے -

(٣) " مذهب استقلال فردي علي الاطلاق " جو فرد کے حقوق آزادي کو اصل قرار ديکر هيئت اجتماعيه کا تمام نظام اُس کے مطابق رکهنا چاهتا هے - اس کے معتقدين اُن تمام قيود اور شرائط کے اعتراف سے انکار کرتے هيں جو کسي حال ميں بهي فرد کي انفرادي آزادي کے خلاف هوں -

پهلا مذهب يکقلم متروک و مهجور سمجها جاتا تها ' ليکن اخلي ے فيشي سيزم نے پهر اُسے زنده کر ديا هے -

هم اس مجموعه سے پہلے ايک مقاله دوسرے مذهب کي تائيد ميں (جو وقت کا عام اور معمول به مذهب هے) حذف و اضافه کے بعد نقل کرتے هيں - اُس کے بعد تيسرے مذهب کے مويد افکار و مباحث نقل کرينگے تاکه قارئين الهـــلال اس اهم موضوع کے تمام اطراف پر نظر ڈال سکيں -

---

شخصي آزادي کے معنے کيا هيں ؟ لوگوں کو اِس کے شرح و بيان ميں سخت ٹهوکريں لگي هيں - شخصي آزادي کا مفهوم عام طور پر يه سمجهه ليا گيا هے که هر فرد اپني هر طلب بے روک ٹوک پوري کرسکے - اِس غلط فهمي کا بڑا سبب ' حکام کا طرز عمل هے - مطلق العناني اور ذاتي مفاد کے مقابلے ميں رعايا کے فوائد سے بے پروائي ؛ اُنهوں نے اپنا شعار بنا ليا - اِس غلو کا نتيجه يه نکلا که محکوموں ميں بهي غلو پيدا هوگيا - انتهائي استبداد کے مقابلے ميں انتهائي آزادي کا مطالبه شروع هوا - اور اِس طرح شخصي آزادي کا صحيح مفهوم بدل گيا -

اِس غلو نے بالاخر يه اصول پيدا کيا که " حکومت اور آزادي يک جا جمع نهيں هو سکتي " اِس اصول کے ماننے والوں کا استدلال يه هے که حکومت سے مقصود ملک ميں ايسے حاکم اعلی کا وجود هے ' جسکي اطاعت تمام افراد کے ليے ضروري هو - وه قانون بنائے ' قانون کي پابندي پر مجبور کرے ' مخالفوں کو سزائيں دے ' محصول لگائے ' رعايا کي مرضي کے خلاف اعلان جنگ کردے ' اور قتل و خونريزي کا بازار گرم هوجائے - وه کهتے هيں ' اِس صورت ميں کسي فرد کي شخصي آزادي محفوظ نهيں رهه سکتي -

(مذهب استقلال فردي)

اِس اصول کے قائل هر قسم کي حکومت کے خلاف هيں - اُنکے خيال ميں حکومت کي موجودگي افراد کو اُنکي کامل آزادي سے محروم کر ديتي هے - وه کهتے هيں ' هر فرد کو اپني خواهشيں

اصلاح جو مذهب انتقام کي جگه قائم هوگيا هے - تمهاري دشمن هر وه چيز هے جو عقل کو روشني بخشتي هے - هر وه چيز جو روح کو ابهارتي هے : يعني دين اور فلسفه - ايک طرف سے (حضرت) مسيح (عليه السلام) اور دوسري طرف سے والٹير !

" حضرات ! اب ميں اپنا بيان ختم کرنا چاهتا هوں - اے ميرے فرزند ! ميري آنکهه کے نور ! ميرے جگر کے ٹکڑے ! هاں اے ميري جان ! ميں تجهي کو مخاطب کرتا هوں - تجهي کو جو مجروحوں کے کٹهرے ميں کهڑا هے ! آج تو شرافت و عزت کي ايک عظيم منزل طے کر رها هے - خدا نے تجهے محبت کي نظر سے ديکها اور اِس لائق بنايا که تو حق کيليے جنگ کرے - مقدس حق کے ليے غم کهائے - تو آج اُس منزل ميں قدم رکهه رها هے ' جو همارے زمانے ميں حقيقي مردانگي کي منزل هے - يعني عدل و انصاف کيليے جنگ - حقيقت کيليے جنگ - عظيم بن جا ! بلند هوجا ! تو کيا هے ؟ عقل انساني اور حقيقي جمهوريت کا ايک معمولي سپاهي ! تو آج اُس جگه بيٹها هے جس پر تجهسے پہلے " برانجيه " بيٹهه چکا هے - تو " لامونيه " کي کرسي پر بيٹها هے - اپنے عقائد ميں کمزور نه هو - يه تجهسے ميرے آخري لفظ هيں - يه ميري وصيت هے ' بشرطيکه تجهے وصيت کي ضرورت هو - غور کر ' تو اِس وقت " لزوارک " کي جگه بيٹها هے - آه ميري مسرت ! ميرے لڑکے کو کيسي عزت ملي هے ! ...

" ميں کهه چکا ... "

پوري کرنے میں کامل آزادي حاصل هوني چاهیے - کسي کو بهي اُسکي راه میں رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں هے - یه آزادي در حقیقت مذهب استقلال فردي یا مذهب عقد اجتماعي (سوشل کنٹریکٹ) کے ماننے والوں کي اِزادي هے - اِن لوگوں کا دعوی هے که حکومت کے وجود سے پہلے افراد کو کامل آزادي میسر تهي - پهر اُنهوں نے حاکم اعلی کو اپني آزادي کا کچهه حصه اِس شرط پر دیدیا که وه اِس کے معاوضه میں اُنکے حقوق کي حفاظت و حمایت کرے - یه خیال در اصل سترهویں اور اٹهارویں صدي کے بادشاهوں کے قهر و استبداد کي وجه سے پیدا هوا - سیاست اُس زمانه کے علماء نے کہا " حاکم کي قوت و اختیار، ذاتي و طبیعي نہیں هے بلکه رعایا کي بخشي هوئي هے "

غور و بحث کے بعد ظاهر هوجاتا هے که یه آزادي صرف اُسي شخص کو حاصل هوسکتي هے جس کے متعلق فرض کرلیا جائے که اُسے ایسي غیر محدود قوت و قدرت حاصل هوگئي هے جس کے ذریعه وه اپني هر خواهش بے روک ٹوک پوري کرسکتا هے - اِس آزادي کے دلدادہ کہتے هیں که هر فرد کو حق هے که اپني تمام خواهشیں جس وقت اور جس طرح چاهے پوري کرلے - اِس آزادي کا تصور ایسي حالت میں هرگز نہیں هوسکتا جب که ایک هي غرض کے حصول کے لیے متعدد افراد کهڑے هوں - هر شخص اُسے صرف اپنے هي لئے لینا چاهے - ظاهر هے ، ایسي صورت میں یه خیالي آزادي قائم نہیں رہ سکتي - ضرور تصادم هوگا - زیادہ طاقتور غالب آئیگا - کمزور مغلوب و محروم رهینگے ، اور اُن کي آزادي سلب هوجائیگي -

(مشروط آزادي)

فرد کو زیادہ سے زیادہ اِتني آزادي مل سکتي هے که وه اپنے تمام افعال میں آزاد هو جب تک که دوسروں کي آزادي اُس کي آزادي کي وجه سے خطرے میں نہ پڑے - فرانس کے انقلابیوں نے بهي اپنے سنه ۱۸۷۹ ع کے اعلان میں آزادي کي یهي تعریف کي تهي : " آزادي ایک قوت هے جس سے انسان اپني هر خواهش پوري کرسکتا هے بشرطیکه اُس کي خواهش دوسروں کے لیے نقصان دہ نه هو " هربرٹ اسپنسر نے بهي آزادي کي تعریف یه کي هے " هر شخص آزاد هے ، جو چاهے کرے ، بشرطیکه اپنے فعل سے دوسروں کي آزادي پر دست درازي نه کرے "

یه جائز آزادي هے اور حکومت کے ساتهه جمع هوسکتي هے - بلکه بغیر حکومت کے اُسکا وجود مشکل هے - یه آزادي اُسي وقت ممکن هے جب که اُس کي پشت پناهي پر ایک حاکمانه نظام موجود هو - اِس آزادي کي اولین شرط یه هے که دوسروں کي آزادي اور حقوق پر دست درازي نه هونے پائے - لهذا ایک بالا تر قوت کا وجود لازمي هے جو هر فرد کے حقوق معین کردے ، اُن کي حفاظت و حمایت کي ذمه دار بن جائے ، اور هر قسم کي زیادتي روک سکے - پس جائز شخصي آزادي ، نظام حکومت هي کے ذریعه پائي جا سکتي هے - اِس آزادي کو سیاسي اصطلاح میں " شهري آزادي " کے نام سے پکارتے هیں -

اِس تفصیل سے ظاهر هو جاتا هے که حکومت کا اهم ترین فرض، شخصي آزادي کي ضمانت هے - لیکن اِس بارے میں بهي علماء سیاست کا اختلاف هے - ایک گروه کا خیال هے که حکومت کا فرض صرف اِسي قدر هے که افراد کي شخصي آزادي کي دور سے حفاظت کرے مگر خود اُس میں دخل نه دے - چنانچه وه حکومت کے لیے جائز نہیں سمجهتے که افراد کے ذاتي معاملات میں کسي قسم کي بهي مداخلت کرے - اُنکے خیال میں افراد کو اپنے بچوں کي تعلیم پر مجبور کرنا ، زراعت کے خاص طریقے جاري کرنے ، کارخانوں کے لیے قواعد قرار دینا ، مزدوري کي شرح مقرر کرنا ؛ یه ، اور اِس قسم کے دوسرے کام ، حکومت کے لیے ناروا هیں - وه کہتے هیں حکومت کو صرف وه کام کرنے چاهئیں جن سے افراد کي شخصي آزادي محفوظ رهے - مثلاً اُسے فوج مرتب کرنا ، قلعے بنانا ، اور جنگي بیڑے طیار کرنے چاهئیں ، تاکه دوسري قومیں ملک کي آزادي پر حمله نه کرسکیں - اِسي طرح پولیس اور دیواني اور فوجداري عدالتیں وغیره رکهنا بهي جائز هے تاکه افراد کے حقوق محفوظ رهیں - اِس کے مقابله میں ایک دوسرا گروه حکومت پر کوئي پابندي عاید نہیں کرتا - اُس کے خیال میں حکومت کو وه تمام کام کرنے چاهئیں جنسے افراد یا جماعت کي بهلائي متصور هو -

(وطني اور آئیني آزادي)

علم سیاست میں " استقلال فردي " اور " مشروط آزادي " کے علاوه ایک قسم " وطني آزادي " کي بهي هے - اِس سے مقصود قوم کي خود مختاري هے - جب کوئي قوم اپني خود مختاري حاصل کرلیتي هے تو کہا جاتا هے ، اُسنے " وطني آزادي " پالي -

آزادي کي ایک چوتهي قسم بهي هے اور اُسے سیاست کي اصطلاح میں " دستوري آزادي " کہتے هیں - اِس سے مقصود یه هے که قوم پر ایک ایسي حکومت قائم هو جسے خود قوم هي نے منتخب کیا هو ، اور وه قوم کے سامنے ذمه دار اور جوابده هو ، جیسي که ولایات متحده امریکا ، فرانس ، اور انگلستان وغیره کي حکومتیں هیں -

(سلطنت اور حکومت)

یهاں یه جاننا بهي مناسب هے که سلطنت (اسٹیٹ) اور حکومت (گورنمنٹ) میں کیا فرق هے ؟ سلطنت سے مقصود یه هے که کسي محدود خطه میں انساني افراد کي کوئي جماعت آباد هو اور اُس پر کوئي حکمراں قوت موجود هو ، عام اِس سے که حکمراں قوت اکثریت کے هاتهه میں هو ، یا اقلیت کے هاتهه میں ، یا فرد واحد کے هاتهه میں - یه قوت باقي تمام لوگوں پر غالب و حاوي هو - لهذا سلطنت کے موجود هونے کے لیے دو چیزیں ضروري هیں : حکم اور اطاعت - جهاں کہیں حکم کرنے والي قوت اور اطاعت کرنے والي جماعت موجود هو ، کہا جائیگا که سلطنت موجود هے - یا یوں سمجهو که سلطنت ، حاکم اور محکوم کے مجموعه کا نام هے - رهي حکومت تو وه اُس شخص یا جماعت کا نام هے جسکے هاتهه میں حکمراں قوت هوتي هے -

اِس تفصیل سے واضح هوگیا که " مشروط آزادي " (اور یهي شهري آزادي هے) کي حفاظت کا ذمه حکومت کے سر هے - لیکن اگر حکومت کسي مستبد اور ظالم شخص کے هاتهه میں هوگي تو وه اپني مرضي کے مطابق افراد کي آزادي اور حقوق پر دست درازي کر سکتا هے - دستوري حکومتوں میں استبداد کا اِتنا خطره نہیں هے - لیکن اُن میں بهي شخصي آزادي کي ضمانت یکساں نہیں هوتي - اِس ضمانت کا تعلق براه راست ، دستور حکومت سے هوتا هے - جن ملکوں کا دستور حکومت زیادہ مستحکم هوتا اور مشکل سے بدلا جا سکتا هے ، وهاں شخصي آزادي سب سے زیادہ محفوظ رهتي هے - یه اِس لیے که اگر دستور حکومت آساني سے بدلا جاسکتا هے تو شخصي آزادي پر بهي آساني کے ساتهه دست درازي کي جا سکتي هے -

سب سے زیادہ مشکل تبدیلی امریکا کے دستور حکومت کی ہے - اِس تبدیلی کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی دو ثلث آبادی کی منظوری لی جائے - یعنی مجلس حکومت کے دو ثلث ممبروں کی رضامندی ضروری ہے - لیکن دوسرے ممالک مثلاً انگلستان میں دستور کی تبدیلی اِتنی مشکل نہیں ہے - وہاں پارلیمنٹ کو اختیار ہے، جب چاہے، تھوڑی سی اکثریت پیدا کرکے بدل ڈالے -

بنا بریں امریکا کا نظام حکومت دنیا کے تمام ملکوں کے موجود نظام حکومت سے زیادہ بہتر اور شخصی آزادی کے لیے زیادہ ضمانت رکھنے والا سمجھا جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ اُس ملک میں جتنی شہری آزادی موجود ہے، اُتنی روئے زمین پر کسی دوسرے ملک میں موجود نہیں - البتہ روس کا نیا انقلاب اس سے مستثنےٰ ہے -

(حکومت اور افراد)

حکومت کو افراد پر کس قسم کا اقتدار حاصل ہونا چاہیے ؟ اِس کے سمجھنے کے لیے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ فرد اور سلطنت یا قوم کے درمیان کیا تعلق ہے ؟

" مذہب استقلال فردی " کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ سلطنت یا قوم میں فرد، مستقل مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ کہ تمام افراد نے باہم معاہدہ کرکے اپنے تئیں اِس شرط پر حاکم کے حوالہ کردیا ہے کہ وہ اُن کی شخصی آزادی کی حفاظت کرے اور دوسرے افراد کی دست درازیاں روکے - لہذا حکومت کا اقتدار و اختیار صرف اِسی دائرے میں محدود ہے - یعنی زیادتی کا روکنا - اٹھارویں صدی کے علماء سیاست میں اِس مذہب نے بہت مقبولیت حاصل کی تھی، مگر بعد میں عملاً متروک ہوگیا -

علماء سیاست کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فرد اور سلطنت کا باہمی تعلق ایک مضبوط طبیعی تعلق ہے - یہ تعلق ویسا ہی ہے، جیسا مختلف اعضاء کا جسم سے ہوتا ہے - جس طرح ہاتھ جسم سے کٹ کر باقی نہیں رہ سکتا، اُسی طرح فرد، سلطنت یا قوم سے علحدہ ہوکر زندہ نہیں رہ سکتا - اِس گروہ کا خیال ہے کہ سلطنت اُس وقت سے موجود ہے، جب سے انسان کی جماعتی زندگی کا آغاز ہوا ہے - شروع میں جب انسان ابتدائی وحشت کی حالت میں تھا، تو اُس وقت سلطنت بھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی - اُس زمانہ میں قبیلہ ہی سلطنت تھی - کیونکہ سلطنت کی یہ تعریف کہ " حاکم اور محکوم موجود ہوں " قبیلے پر بھی صادق آتی تھی غرضکہ اِس گروہ کا مذہب یہ ہے کہ فرد اور سلطنت میں ہرگز تفریق نہیں ہو سکتی - اِس مذہب کا نام " مذہب عضوی " ہے - اِس مذہب کے بموجب سلطنت میں زندہ جسم کی طرح لگاتار نمو ہوتا رہتا ہے - یہی دائمی نمو، نظام اجتماعی کی ترقی کا باعث حقیقی ہے -

اِس تمثیل سے مقصود یہ نہیں ہے کہ سلطنت ہر اعتبار سے زندہ جسم کے مشابہ ہے - کیونکہ سلطنت کا نمو، اضطراری اور غیر اختیاری نہیں ہے - یعنی اُس کی ترقی میں افراد کے ارادے کو دخل ہے - افراد ہی اپنے ارادے سے اُسے ترقی دیتے اور آگے بڑھاتے ہیں - برخلاف اِس کے حیوانی و نباتی اجسام کے نمو میں اختیار و ارادہ دخل نہیں رکھتا - وہ اضطراری و طبعی طور پر موجود ہوتا اور برابر جاری رہتا ہے -

اِس مذہب نے مذہب " استقلال فردی " کو کافی نقصان پہنچایا ہے - کیونکہ آخر الذکر، فرد کو سلطنت سے الگ حیثیت دیتا اور حکومت کا اقتدار و اختیار محدود کرکے سلطنت کی ترقی و تقدم روکتا ہے - برخلاف اِس کے دوسرا مذہب، افراد اور سلطنت کو ایک ہی جسم قرار دیتا ہے اور اِس طرح اُسے نفع پہنچاتا ہے - اِس مذہب کی رو سے فرد کو جماعت یا قوم کے فائدے کے لیے شخصی نقصان گوارا کر لینا چاہئے - جیسا کہ ہاتھ، سر یا دل کی حفاظت کے لئے اپنا وجود خطرہ میں ڈال دیتا ہے -

اگر افراد اِس مذہب پر ایمان لے آئیں، تو حاکم کے اُن تمام قوانین کی بخوشی اطاعت کرینگے، جن سے اگرچہ شخصی طور پر اُنہیں نقصان پہنچ سکتا ہے مگر وہ جماعت کے لئے مفید ہیں - کیونکہ وہ سمجھینگے کہ قانون، عام فائدہ کے لئے ہے، نہ کہ شخصی فائدہ کے لئے، اور یہ کہ عام مصلحت کے مقابلے میں شخصی مصلحت فنا ہو جانی چاہئے -

لیکن اگر مذہب " استقلال فردی " تسلیم کرلیا جاے تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حاکمانہ قوت کا احترام جاتا رہے گا اور سلطنت کی ترقی رک جائیگی - پھر جب سلطنت کمزور ہوجائیگی تو لازمی طور پر فرد بھی کمزور ہو جائیگا - کمزور سلطنتوں کی یہی حالت دنیا مشاہدہ کر رہی ہے - وہ نہ تو خود خوش نصیب ہیں، نہ اُن میں افراد ہی کو خوش نصیبی میسر ہے - موجودہ علماء سیاست کا خیال ہے کہ تاریخ کے تجربے اور روز مرہ کے مشاہدے ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ " مذہب عضوی " قبول کریں اور دنیا میں اُس کی اشاعت کریں -

یہ نا ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت ایسی موجود ہوسکے جسکی بنیاد مذہب استقلال فردی پر ہو - جماعتوں کی کامیابی و ترقی کے لیے لازمی ہے کہ اُسکے تمام افراد، مذہب عضوی کے ماننے والے ہوں، مجموع میں جذب ہوجائیں، اور عموم کی مصلحت کے سامنے اپنی شخصیت بھول جائیں - یہی ایک طریقہ ہے جس سے انسانی جماعتیں (سیاسی ہوں یا اجتماعی) ترقی کر سکتی ہیں - کوئی انسانی جماعت، انانیت کواپنا اصول قرار دے کر زندہ نہیں رہ سکتی - کیونکہ یہ نا ممکن ہے کہ تمام افراد کے اغراض اور خواہشیں بالکل متفق و متحد ہو جائیں - یہی باعث ہے کہ جن ملکوں میں حکومت سے بے اعتمادی، مذہب انانیت یا استقلال فردی کے طرف عام میلان پیدا کر رہی ہے، وہاں کوئی بھی مشترک عمل کامیاب نہیں ہوتا - کتنی ہی انجمنیں قائم ہوتی ہیں، شروع شروع میں بڑا جوش و خروش دکھایا جاتا ہے، لیکن پھر بہت جلد کارکنوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور پوری تحریک ختم ہو جاتی ہے -

مشرق اِس بیماری کا بری طرح شکار ہوا ہے - اُسکی وطنیت و قومیت فنا ہوگئی ہے، عام مصالح ضائع ہوگیے ہیں، اور جماعتی تحریکوں کی کامیابی کی بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں - مشرق کو یہ مہلک مرض درحقیقت مستبد بادشاہوں کی وجہ سے لاحق ہوا - یہ بادشاہ صدیوں تک مشرقی قوموں پر مسلط رہے ہیں، اور اپنے ذاتی اغراض کے لیے جماعتی مصالح برباد کرتے آئے ہیں - نتیجہ یہ ہوا کہ نسلوں کے تجربہ و مشاہدہ کے بعد مشرقی اقوام کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ قومی وحدت بیکار ہے، اور مصلحت عام کے لیے سعی لا حاصل ہے - ہوتے ہوتے اب اُنکی حالت یہ ہوگئی ہے کہ وطنیت، قومیت، عام مصلحت، جماعت، وغیرہ الفاظ کے لیے اُن کے دلوں میں کوئی کشش پیدا ہی نہیں ہوتی -

آثار علمیہ خطیہ

صحیح بخاری کا ایک تاریخی نسخہ

(مجدد الدین فیروز آبادی اور دولۃ رسولیہ)

انسان کی طرح کتابوں کی بھی زندگی ہے - جس طرح انسان پر پیدایش و موت ' اقامت و سفر ' غربت و ہجرۃ ' اور عروج و زوال کے حوادث و ایام گزرتے ہیں ' ٹھیک اسی طرح کے حوادث و ایام سے فکر انسانی کی ان کاغذی مخلوقات کی تاریخ بھی مرتب ہوتی ہے - ایک شخص دنیا کے کسی خاص حصے میں پیدا ہوتا ہے ' لیکن سیلاب حوادث اچانک اُسے دنیا کے ایک دور دراز حصے میں پہنچا دیتے ہیں جسکا اُسے کبھی وہم و گمان بھی نہ ہوا ہوگا - یہی حال دنیا کی مشہور و معروف کتابوں اور اُن کے تاریخی نسخوں کا بھی ہے - سینکڑوں ہزاروں کتابیں اور اُن کے نسخے آج دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں - اگر اُن کی تاریخی حیات پر نظر ڈالی جائے تو انقلاب و حوادث عالم کی ایک عجیب و غریب داستان نمایاں ہوجایگی - نہیں معلوم انتقال اور تغیر کی کیسی کیسی منزلوں سے گزرنے کے بعد ' وہ اپنے مولد و منشاء کی جگہ ' ان مقامات میں آج پناہ گزیں ہو سکے ہیں - بہت ممکن ہے کہ ایک کتاب اب سے ایک ہزار برس پہلے دنیا کے کسی ایک گوشہ میں پیدا ہوئی ہو ' اور آج دس صدیوں کے اُن انقلابات و تغیرات کے بعد جن سے بے شمار ملکوں اور قوموں کی موت و حیات اور عروج و زوال کی داستانیں وابستہ ہیں ' دنیا کے ایک دوسرے انتہائی گوشہ میں پہنچ گئی ہو!

(ایک نسخہ کی سوانح حیات)

شیخ ابو اسماعیل ازدی نے دوسری صدی ہجری کے وسط میں فتوح الشام کی روایات جمع کیں - صاحب ابن عباد نے چوتھی صدی ہجری میں اپنے خزانۂ کتب کے لیے اُس کا نسخہ ابن فارس امام لغۃ و عربیۃ کی زیر نگرانی و تصحیح لکھوایا - پانچویں صدی میں یہ نسخہ نہیں معلوم حوادث و تغیرات کی کتنی منزلیں طے کرکے غزنی پہنچا ' اور سلاطین غزنویہ کی مواہیر اُس پر ثبت ہوئیں - پھر غزنی سے نکل کر دشت غربت و مہاجرت کی نئی نئی منزلیں طے کیں ' اور تمام بلاد ایران و عراق طے کرکے مصر جا پہنچا ' چنانچہ ساتویں صدی کے اواخر میں شیخ ابو یعلی مصری کا دستخط اُس پر ثبت ہوا ' اور نصف صدی تک اسی سرزمین میں مقیم رہا - پھر اُس کے بعد یہی نسخہ یمن پہنچتا ہے ' اور کتب خانۂ شاہی کی مہر اس پر ثبت ہوتی ہے - نیز بعض سلاطین یمن اسی نسخے پر اسکی قرأت و درس کی اجازت اپنے شیوخ سے لوتے ہیں - پھر یمن سے یہ نسخہ نکلتا ہے ' اور کالی کٹ (مالا بار) پہنچتا ہے ' مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہیں آتی ' اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دکن پہنچکر سلاطین عادل شاہی کا مہمان ہوتا ہے - یہاں عرصہ تک مقیم رہتا ہے ' لیکن اُس کے بعد پھر طرح طرح کے تغیرات و حوادث پیش آتے ہیں - یہانتک کہ بالاخر یہ نسخہ سنہ ۱۷۹۹ - میں ایک فرانسیسی کے ہاتھ لگتا ہے اور اب پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے !

کتاب عراق میں پیدا ہوئی ' رے میں لکھی گئی ' غزنی میں مقیم ہوئی ' غزنی سے مصر پہنچی ' مصر سے یمن ' یمن سے مالا بار ' مالا بار سے بیجا پور ' بیجا پور سے پانچی چوبی ' پانچی چوبی سے ایشیا اور یورپ کے تمام بری اور بحری فاصلے طے کرکے پیرس دار الحکومت فرانس میں !

به بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ؟

(ہندوستان کا گذشتہ دور علم)

اِس سلسلہ میں ہندوستان کا پچھلا دور علم خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے - یہ ملک عربی و اسلامی تمدن کے تمام بڑے بڑے مرکزوں سے بعید و مہجور تھا - دمشق ' بغداد ' قاہرہ ' اندلس ' خوارزم ' شیراز ' رے ' اصفہان ' یمن ' وغیرہ ممالک ' عربی و اسلامی تمدن کے وقتاً فوقتاً مرکز رہے ' لیکن ہندوستان ان میں سے کسی ملک سے بھی متصل اور قریب نہ تھا - تاہم ہندوستان میں وقتاً فوقتاً علوم عربیۂ و اسلامیہ کے جیسے جیسے عظیم الشان ذخیرے جمع ہوے ' اور عربی علوم کے اصولی نسخوں اور امہات نقل و کتابت کا جیسا قیمتی سرمایہ فراہم ہوا ' وہ کسی طرح بھی اسلامی تمدن کے مرکزی مقامات سے کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا ' اور ہندوستان کے امراء و علماء کی علمی قدر دانیوں اور علمی مساعی کی حیرت انگیز شہادت بہم پہنچاتا ہے - گذشتہ نو صدیوں کے اندر بے شمار ملکی انقلابات پیش آے - ہر انقلاب میں علم و تمدن کا پچھلا ذخیرہ برباد ہوا ' اور نئے ذخیروں کی از سر نو بنیادیں پڑیں - خصوصاً سترھویں صدی کے اوائل سے لیکر غدر سنہ ۵۷ ع کی انقلابی بربادیوں تک کا زمانہ تو علمی ذخائر کی تباہیوں کا ایک مسلسل دور تھا - بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ جونپور ' مالوہ ' دکن ' دھلی ' آگرہ ' لکھنؤ ' اور مرشدابار میں نو سو برس کے اسلامی تمدن نے جس قدر ذخائر علم جمع کیے تھے ' اُن کا دو تہائی حصہ یکقلم برباد ہوگیا ' اور ایک تہائی حصہ جو باقی رہا ' اُس کا بھی بڑا حصہ منتشر ہوکر یا تو یورپ پہنچ گیا ' یا گمنام اور مجہول گوشوں میں نا پید ہوگیا - با ایں ہمہ آج بھی ہندوستان کی فراہم شدہ کتابوں کا جس قدر سراغ خود ملک کے اندر یا ملک سے باہر لگ سکتا ہے ' اُس سے ہم اسکی عظمت و کثرت کا وثوق کے ساتھ اندازہ لگا سکتے ہیں - عربی و اسلامی علوم و فنون کی کوئی شاخ بھی ایسی نہیں ہے جس کی امہات کتب کے اصولی نسخے (یعنی وہ نسخے جو یا تو مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوے تھے ' یا آئمۂ فن کے درس و مطالعہ میں رہ چکے تھے اور اسلیے نقل لینے کے لیے زیادہ مستند سمجھے جاتے تھے ' یا اسی طرح کی کوئی اور اہمیت رکھتے تھے) ہندوستان نہ پہنچے ہوں ' اور نہ صرف سلاطین و امراء کے کتب خانوں میں ' بلکہ ایک ایک قصبہ اور قریہ کے اندر اُن کی بڑی تعداد موجود نہ ہو - قرآن مجید ' صحاح ستہ ' معاجم و مسانید ' تفاسیر و شروح ' امہات اصول و فقہ ' تاریخ و علوم کے وہ نسخے جو سلاسل علم کے آئمۂ و اکابر نے حجاز ' عراق ' مصر '

خوارزم ' بلاد فارس ' اور مغرب و اندلس میں لکھے تھے یا انکی تصحیح کی تھی ' نہ صرف دھلی و آگرہ کے شاھی کتب خانوں میں بلکہ جونپور اور اردہ کے قریوں تک میں موجود تھے - یاقوت مستعصمی کے لکھے ہوے مصاحف ' رے اور شیراز کے مجمع قراء و حفاظ کے مصحفہ قرآن ' حفاظ حدیث کے لکھے ہوے یا املاء شدہ مجامیع حدیث ' حافظ ابن صلاح اور نووی جیسے اکابر حدیث کے دستخطی صحیحین ' حافظ ابو الحجاج مزی اور امام ذھبی کی مصحفہ صحاح ستہ ' حافظ ابن حجر اور انکے معاصرین کی خود نوشتہ مصنفات ' آگرہ اور دھلی میں اسی طرح ملتی تھیں ' جس طرح بغداد اور قاھرہ میں مل سکتی تھیں !

(پانچ نسخے)

ھندوستان کے مختلف گوشوں میں اب بھی اس پچھلے دور علم کے نشان قدم باقی ھیں - حیرت ھوتی ھے کہ علم و فن کے اُن ذخائر کی کثرت و عظمت کا کیا حال ھوگا ' جو اتنی بربادیوں کے بعد بھی بے نام و نشان نہ ھو سکے ؟

ھم چاھتے ھیں ' اس سلسلہ میں بعض تاریخی نسخوں کا ذکر کریں - بالفعل پانچ نسخوں کی تاریخ پیش نظر ھے - یہ وہ نسخے ھیں جن میں سے کسی کی زندگی پانچ صدیوں سے کم نہیں ھے اور جن پر انقلاب و حوادث ایام کے بڑے بڑے دور گزر چکے ھیں :

(۱) جامع صحیح بخاری کا نسخۂ رسولی مصحفۂ و درسیۂ شیخ مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و سفر السعادۃ -

(۲) صحیح مسلم کا نصف اخیر مصحفۂ حافظ ابن الصلاح صاحب مقدمہ - و درسیۂ حفاظ مدرسۂ اشرفیۂ قاھرہ -

(۳) کتاب زاد الرفاق صلاح الدین الابیوردی (المتوفی سنہ ۵۵۷ ھ) مصحفۂ مصنف جس پر قاضی الفاضل یعنے قاضی عبدالرحیم بن علی وزیر سلطان صلاح الدین ایوبی کا دستخط ثبت ھے -

(۴) تاریخ مکہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی - مصحفۂ شمس الدین یوسف سبط ابن الجوزی -

(۵) مقامات حریری کا نسخہ غرناطہ جو امیر ناصر الدین

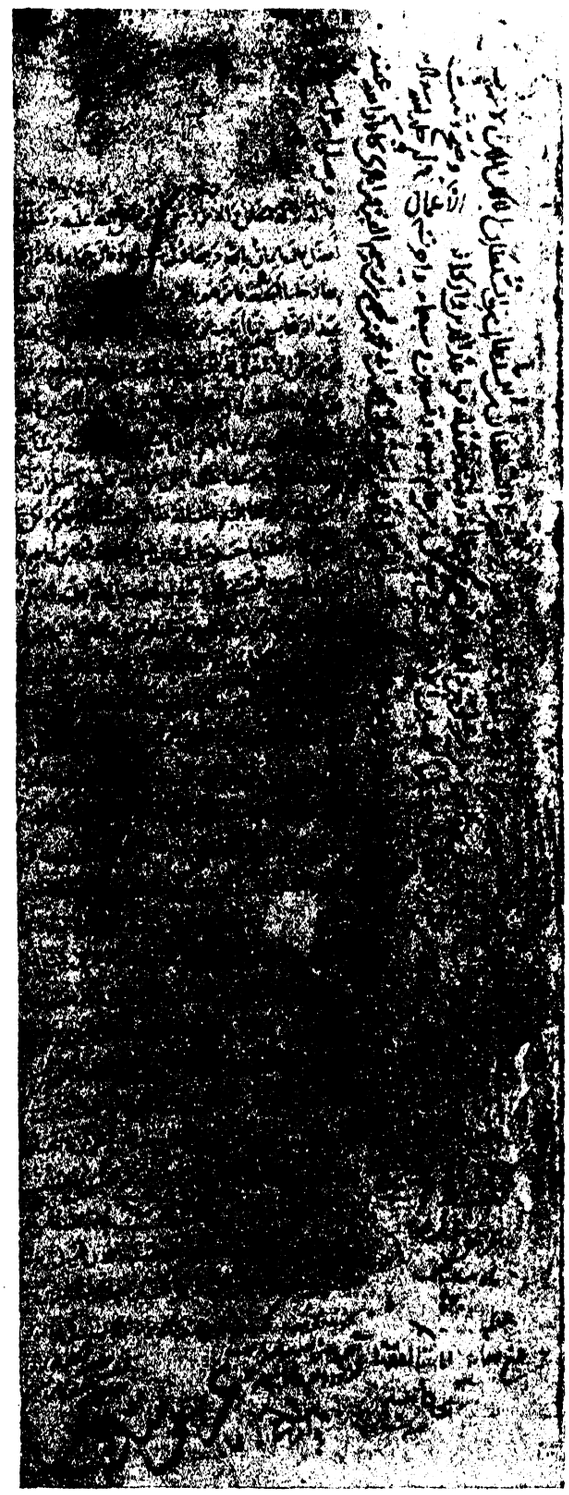

سنہ ۹۷۰ میں دکن پہنچا ' اور دکن سے ایک شائق علم شیخ محمد یوسف نامی نے حاصل کیا -

(جامع صحیح بخاری نسخۂ رسولی)

آج ھم صحیح بخاری کے نسخۂ رسولی کے آخری صفحہ کا عکس مع مختصر تشریحات کے شائع کرتے ھیں - یہ نسخہ مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب رئیس دھلی کے کتب خانہ میں موجود ھے - اس نسخہ کی تاریخی نوعیت حسب ذیل ھے :

(۱) اصل نسخہ بغداد میں لکھا گیا ھے اور وھاں درس و املاء میں رہ چکا ھے -

(۲) بغداد سے شام پہنچا ' اور متعدد علماء و حفاظ حدیث نے املاء و درس کے وقت اسکی تصحیح کی اور جابجا بین السطور اور حواشی میں اختلاف رواۃ و نسخ کی نسبت فوائد و منہیات کا اضافہ کیا -

(۳) شام سے یہ نسخہ غالباً مصر پہنچا ' اور خاندان رسولی کے امراء مقیمین قاھرہ کے ھاتھ لگا - جب وہ یمن پر قابض ھوے تو اُن کے ساتھ یمن پہنچکر شاھی کتب خانہ میں داخل ھوا -

(۴) جب شیخ مجدد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس ' یمن پہنچے ' اور سلطان ملک الاشرف رسولی نے اُن سے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کرنی چاھی ' تو اسی نسخہ پر درس و املاء کا سلسلہ جاری ھوا ' اور اتمام درس کے بعد شیخ موصوف نے اپنے قلم سے ملک الاشرف کے لیے سند و اجازت کی سطور تحریر کردیں -

چنانچہ کتاب کے آخر میں شیخ مجدد الدین کے قلم سے حسب ذیل عبارت مرقوم ھے :

" ..... سماعاً علي لجميع الصحيح مولانا و مربينا و خليفة الله في عصرنا ' السلطان بن السلطان بن السلطان ' المالك الملك الاشرف ' ممهد الدنيا و الدين ' اسماعيل بن العباس بن علي بن داؤد ' خلد الله سلطانه ' و شيد بعدله قواعد الدين و اركانه ؛ في بضع و ثلثين مجلساً من شهر رمضان ' سوي المجلسين الاخرين في شوال ' من عام تسعة و تسعين و سبعمائة ' و اجزيت روايته و رواية سائر ما يجوز لي و عني روايته بشرطه - قاله و كتبه ألملتجي الى حرم الله تعالى محمد بن ابي محمد بن محمد بن ابراهيم الفيروزابادي

(یمن کے سلاطین رسولي)

یمن کے خاندان رسولي کا تذکرہ عام تاریخوں میں بہت کم ملتا ہے ' اس لیے لوگ اُن کے ناموں سے آشنا نہیں - اس نسخہ کي تاریخ حیات کي توضیح کے لیے ضروري ہے کہ مختصراً اس کا ذکر کر دیا جاے -

یمن میں ساتویں صدي ہجري کے اوائل سے لیکر تقریباً نویں صدي کے درمیاني عہد تک ایک خاص خاندان کے افراد کي حکومت رہي ہے جو " رسولي " کے لقب سے مشہور تھا - یہ لوگ اصلاً ترکمان تھے ' اور ترکمانوں کے قبیلہ " میجک " سے تعلق رکھتے تھے ' لیکن جب اتفاقات وقت نے یمن جیسے خالص عربي ملک کا حکمران بنا دیا ' تو ضرورت ہوئي کہ کسي نہ کسي طرح اپنا سلسلۂ نسب عرب سلاطین و امراء سے ملادیں - چنانچہ ظاہر کیا گیا کہ اُن کے مورث اعلیٰ جبلہ بن ایہم غساني کي نسل سے ہیں جو حضرۃ عمر (رضي اللہ عنہ) کے زمانے میں مسلمان ہوکر پھر مسیحي ہو گیا تھا ' اور قسطنطنیہ چلا گیا تھا - الحاق نسب کي صورت یہ اختیار کي گئي کہ جبلہ عرصہ تک روم میں مقیم رہا - اُس نے اگرچہ مسیحي مذہب اختیار کرلیا تھا ' لیکن اس کا قلب مطمئن نہ تھا - مرتے وقت اُس نے اپني اولاد کو وصیت کي کہ بلاد روم سے نکل کر اسلامي ممالک میں جائیں اور مسلمان ہوکر زندگي بسر کریں - وہ ترکمانوں کے قبائل میں آکر مقیم ہوگئے - اور اس طرح ان کي عربیت ' ترکمانیت سے مبدل ہوگئي !

اس خاندان کا پہلا فرد جو تاریخ میں نمایاں ہوتا ہے ' محمد بن ہارون بن یوحنا رستم ہے - خلفاء عباسیہ کے زمانے میں یہ عراق آیا اور تھوڑے عرصہ کے اندر عزت و قبولیت حاصل کرلي - اُس زمانے میں حکومت بغداد کو ایک سفیر و رسول کي ضرورت تھي جو مصر و شام میں احکام خلافت کا مبلغ ہو - خلیفہ نے محمد بن ہارون کا اس غرض سے انتخاب کیا ' اور اس طرح یہ خاندان پہلے عراق سے شام میں ' اور پھر شام سے مصر میں منتقل ہوگیا - بغداد کي سفارت و وکالت کي بنا پر محمد بن ہارون " رسول " کے لقب سے پکارا جاتا تھا - یہ تلقب اس قدر مشہور ہوا کہ آگے چل کر پورا خاندان " رسول " کي نسبت سے پکارا جانے لگا -

مصر میں جب ایوبیوں کي حکومت قائم ہوي ' تو یمن اُس وقت مصر کے زیر اثر تھا - انہوں نے وہاں کي ولایت کیلیے توران شاہ بن ایوب کو بھیجا ' اور اسکے ساتھ خاندان رسولي کو بھي روانہ کر دیا ' کیونکہ مصر میں انکي موجودگي سیاسي مصالح کے خلاف تھي - عرصہ تک یہ خاندان یمن میں امراء و اشراف کي زندگي بسر کرتا رہا - لیکن ساتویں صدي کے اوائل میں جب ملک ظاہر بیبرس مصر میں حکمراں ہوا ' تو یمن میں ایسے تغیرات و حوادث پیش آئے کہ اِس خاندان کو اِمارت سے نکل کر ریاست و فرمانروائي کي تخت نشیني کا مرتبہ ملگیا ' اور کچھہ عرصہ کي کشمکش و تنازع کے بعد حکومت مصر نے بھي اس کا استقلال تسلیم کرلیا - اس خاندان کا پہلا حکمراں ملک المنصور نور الدین عمر بن علي بن رسول تھا - یہ سنہ ۶۲۸ - میں مسند نشین ہوا ' اور سنہ ۶۴۷ ھ میں اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہوا - یمن کے علاوہ حجاز و حرمین کي حراست و خدمت بھي مصر سے نکل کر اسي حکمراں خاندان کے قبضہ میں آگئي تھي -

(ملک الاشرف)

اِسي سلسلۂ حکومت کا ساتواں فرمانروا ملک الاشرف اسماعیل بن عباس بن علي بن داؤد رسولي تھا ' جسکا اس نسخہ کي تحریر میں ذکر ہے ' اور جس کے کتب خانہ سے یہ نسخہ نکل کر کسي طرح ہندوستان پہنچ گیا ہے -

ملک الاشرف ۲۱ - شعبان سنہ ۷۷۸ - ھ میں مسند نشین ہوا ' اور سنہ ۸۰۳ - ھ میں انتقال کیا - شیخ شرف الدین بن ابي بکر المقري نے مرثیہ لکھا تھا ' جسکے اشعار حافظ ابن حجر نے نقل کیے ہیں :

ہو الدھر کرت بالخطوب کتائبہ
و غضت بانیاب حداد نوائبہ

تمام مورخین بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس خاندان کے تمام سلاطین اہل علم و فضل تھے ' اور علم و فضل کي قدر شناسي میں اپنا عدیل نہیں رکھتے تھے - اس خاندان کا پہلا فرمانروا جس نے حکومت مصر کي نیابت سے ترقي کرکے استقلال و فرمانروائي کي حیثیت حاصل کرلي ' سلطان نور الدین تھا - الخزرجي صاحب عقود اللؤلؤیہ (جس کا ذکر آگے آتا ہے) لکھتا ہے کہ اُس کي زندگي کي سب سے بڑي مشغولیت یہ تھی کہ اطراف عالم سے اہل علم و فضل کو یمن و حجاز میں جمع کرے ' اور مدارس و مساجد سے اپني مملکت معمور کردے - مکہ معظمہ ' تعز ' عدن ' زبید ' وادي سہام ' اور تہامہ کے ایک ایک قصبہ میں اُس نے مدرسے اور مسجدیں تعمیر کیں - مکہ معظمہ کا مدرسہ اُس عہد کے تمام مدارس حجاز پر فوقیت رکھتا تھا - زبید میں تین مدرسے الگ الگ تعمیر کیے - مدرسۂ شافعیہ ' مدرسۂ حنفیہ ' اور دار الحدیث - اِن سب کے لیے اوقاف و محاصل تھے جن سے مدرسین و طلباء کو وظائف دیے جاتے تھے - (جلد اول : ۸۴) ملک المظفر جو اس سلسلہ کا دوسرا فرمانروا ہے ' وہ نہ صرف علوم کا قدر شناس اور مدارس و جوامع کا بانی تھا ' بلکہ خود بھي صاحب علم و فضل تھا - تفسیر ' حدیث ' اور طب میں اُس کي مصنفات کا حافظ ابن حجر عسقلاني اور قاضي شوکاني نے ذکر کیا ہے - الخزرجي لکھتا ہے کہ حدیث کي تمام امہات کتب اس نے اپنے قلم سے لکھي تھیں - ان کي تعداد و ضخامت دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ حکومت کي آلودگیوں کے ساتھہ علم و کتابت کے لیے اِتنا وقت کیونکر نکل سکا ؟ اُس کے علمي شوق کا یہ حال تھا کہ امام فخر الدین رازي کي تفسیر کبیر جب اُس کي نظر سے گزري تو بعض حصے ناقص اور تشنہ محسوس ہوے - اُس وقت قاہرہ میں تاج الدین بن بنت الاعز قاضي القضاۃ تھے - اُنہیں لکھا کہ تفسیر کے مصححہ نسخے بھیج دیں - اُنھوں نے چار نسخے بھیجے - لیکن ان سب کا بھي وہي حال تھا - اس پر خیال ہوا کہ خود مصنف کے قلم کا لکھا ہوا مسودہ دیکھنا چاہیے - چنانچہ ایک سفارت یمن سے ہرات بھیجي گئي - اُس نے امام موصوف کے قلم سے لکھا ہوا اصلي نسخہ بصرف کثیر حاصل کیا - خود سلطان موصوف کي یہ عبارت خزرجي نے نقل کي ہے " میں نے جب یہ اصلي نسخہ دیکھا تو میري کاوش دور ہوگئي ' کیونکہ اس میں وہ تمام مقامات سادہ چھوڑ دیے گئے تھے ' اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا ارادہ نظر ثاني کا تھا جو پورا نہ ہوسکا " (جلد ۱ : ۲۲۸) جن اہل نظر نے تفسیر کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے ' وہ سلطان موصوف کي صحت نظر و رائے کي تصدیق کرینگے -

اسي خاندان کا تيسرا حکمران الملک المويد تها جس کي نسبت خزرجي نے تصريح کي هے که اسکي تصنيف مختصر کتاب الجمهرة علماء عصر ميں مقبول و مشهور هے -

ملک الاشرف کے باپ ملک الافضل کا ترجمه حافظ ابن حجر عسقلاني نے درر کامنه ميں درج کيا هے - وه لکهتے هيں علم و فضل کا قدر شناس تها اور خود بهي تمام علوم عربيه و دينيه ميں درجهٔ رسوخ و نظر رکهتا تها - اسکي مصنفات ميں سے يمن کي در تاريخيں ' تاريخ ابن خلکان کا مختصر ' اور فن انساب ميں بغية ذوي الهمم اس درجه کي کتابيں تهيں ' جنکي اهميت کا تمام اکابر مصر و شام نے اعتراف کيا تها -

خود ملک الاشرف کا (جسکے کتب خانه کا يه نسخه هے اور جس نے اِس پر فيروز آبادي سے سند حديث لي) يه حال تها که مصر ' حجاز ' شام ' عراق ' اور بلاد فارس تک کے علماء کو اُسکي قدر شناسيوں نے کهينچ بلايا تها - اس نے بهي اپنے پيشروں کي طرح بلاد يمن و حجاز ميں متعدد عظيم الشان عمارتيں درس و ترويج علم کيليے تعمير کيں اور بڑے بڑے محاصل انکے مخارج کيليے وقف کر ديے - وه خود بهي صاحب علم و فضل تها اور علوم لغة و ادب اور فقه و حديث کا هميشه اشتغال رکهتا تها - اُس کي علمي قدر دانيوں کا اندازه کرنے کے ليے صرف وهي معاملات کفايت کرتے هيں جو اس ميں اور فيروز آبادي ميں پيش آتے رهے - عربي لغة کي سب سے زياده مقبول و متداول کتاب القاموس اُسي کي قدر دانيوں کے فيروز آبادي سے لکهوائي تهي - چنانچه قاموس کے ديباچه ميں مصنف اِس خاندان کے مدح کرتے هوئے لکهتا هے :

مولي ملوک الارض ' من في وجهه
مقباس نور أيما مقباس

(مجدد الدين فيروز آبادي)

مجدد الدين فيروز آبادي اُن اکابر علم ميں سے تهے جنهيں سلاطين وقت کي فياضيوں نے صف علم کي طرح صف اِمارت ميں بهي ممتاز کرديا تها - اُن کا سنه ولادت ۷۲۹ ھ - هے اور تاريخ وفات ۲۰ شوال سنه ۸۱۷ - ھ کازرون ميں پيدا هوے ' شيراز ميں ابتدائي تعليم حاصل کي - اور عراق اور مصر و شام کے آئمهٔ علوم سے تکميل کي - اُن کے اساتذه ميں وقت کے تمام آئمهٔ علوم مثلاً شيخ تقي الدين سبکي ' ابن مظفر النابلسي ' حافظ علائي ' ابن نباته ' عز الدين ابن جماعة وغيرهم کے نام نظر آتے هيں - امام ابن قيم بهي اُن کے اساتذه ميں هيں - يه اُنهي کے فيض تلمذ کا نتيجه تها که اگرچه اُن کي ابتدائي نشو و نما فقهاء شافعيه کے زير اثر هوئي ' ليکن تقليد کي بندشوں سے آزاد هوگئے ' اور اصحاب تحقيق و اجتهاد کا ذوق و مشرب پيدا هوگيا - چنانچه اِن کي کتاب سفر السعادة اور الاسعاد في رتبة الاجتهاد ميں اِس ذوق کي جهلک صاف نمايان هے - اُس عهد کے سلاطين ميں کوئي پادشاه ايسا نهيں هے جس نے اُن کي قدر داني نه کي هو - شاه منصور بن شجاع صاحب تبريز ' ملک الاشرف صاحب يمن ' بايزيد يلدرم ' تيمور صاحب قران ' احمد بن اويس صاحب بغداد ' ناصر الدين محمد شاه دهلي : اِن سب کے درباروں ميں وه پهنچے اور انعام و اکرام سے مالا مال هوے - سنه ۷۹۶ ھ ميں هندوستان سے واپس جاتے هوے سواحل يمن ميں اُترے اور ملک الاشرف سلطان يمن سے ملاقات هوئي - وه ان کے فضل و کمال کا غلغله پهلے هي سن چکا تها - يه مرقعه غليمست تصور کيا ' اور يمن کي اقامت پر اصرار کيا - اُس زمانے ميں يمن کے قاضي القضاة جمال الدين الريمي شارح التنبيه کا انتقال هوگيا تها اور منصب خالي تها يه اس منصب پر مامور هوے اور بيس سال تک يمن کے قاضي القضاة رهے -

(نسخه کي تاريخي توثيق)

خوش قسمتي سے يمن کے خاندان رسولي کي ايک مستقل تاريخ شائع هوگئي هے - يه شيخ علي بن الحسن الخزرجي کي العقود اللؤلؤيه في تاريخ الدولة الرسوليه هے جسے دو دو جلدوں ميں گب ميموريل فنڈ کے امينوں نے قاهره ميں چهپوا کر شائع کيا هے - اس کا اصلي نسخه يمن سے عهد عالمگيري ميں ' هندوستان آيا تها ' اور معتمد خاں عالمگيري کے کتب خانے ميں داخل هوا تها - وهاں سے نکلا اور محمد شاه کے عهد ميں اسکے وزير قمر الدين خاں منت کے قبضه ميں آيا - قمر الدين خاں کے کتب خانے سے نکل کر وارن هسٹنگز کے پاس پهنچا - اُس نے انديا آفس کے کتب خانے کي نذر کرديا -

اس تاريخ ميں سلاطين رسوليه کے عهد کے واقعات روزنامچه کي طرح تاريخ وار درج هيں - ميں نے اس خيال سے ملک اشرف کے زمانے کے واقعات پر نظر ڈالي که شايد اس نسخه کے درس و املاء کي طرف کوئي اشاره مل جاے - ميرا قياس صحيح نکلا - فيروز آبادي نے صحيح بخاري کے درس و املاء کي جن مجالس کا اپني عبارت ميں ذکر کيا هے ' ٹهيک اُنهي تاريخوں ميں اُسکا ذکر خزرجي نے بهي کيا هے -

سنه ۷۹۶ کے واقعات ميں لکهتا هے :

" ۲۴ رمضان کو يمن ميں امام فقيه علامة القاضي الاجل مجد الدين محمد بن يعقوب الشيرازي پهنچے - سلطان نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کيا - چار هزار درهم بطور رقم ضيافت کے پهلے هي دن مرحمت فرماے - اس سے پهلے چار هزار درهم عدن بهيجے گئے تهے تاکه عدن سے زبيد تک کے مصارف سفر ميں مدد ديں - شيخ موصوف علوم حديث ' نحو ' لغة ' تاريخ ' اور فقه ميں درجهٔ مشيخت رکهتے هيں - انکي مصنفات ميں سے بخاري کي شرح هے جو نهايت مشرح اور مفيد هے " (جلد ۲ : ۲۶۵)

پهر سنه ۷۹۷ ھ - کے وقائع ميں لکهتا هے که ۶ - ذي الحجه کو شيخ مجد الدين قاضي القضاء مقرر کيے گئے اور سلطان کا فرمان اس بارے ميں شائع هوا - (صفحه ۲۷۸)

سنه ۷۹۹ - ھ کے وقائع ميں لکهتا هے :

" و في شهر رمضان من هذه السنة سمع السلطان صحيح البخاري من حديث رسول الله صلعم علي القاضي مجد الدين برمتن و کان ذا سند عال من طرق شتي " (صفحه ۲۸۶)

اس تصريح سے عبارت مندرجهٔ نسخه کي پوري توثيق هوگئي - معلوم هوگيا که سلطان ملک الاشرف نے فيروز آبادي سے صحيح بخاري کي سند و اجازت حاصل کي تهي ' اور رمضان ميں املاء و سماع کا سلسله جاري رها تها - جو نسخه زير درس و املاء رها ' اور جس پر سند دي گئي ' وه يهي نسخه هے - نهيں معلوم اس نسخه پر ايام و حوادث کے کيسے کيسے تغيرات گزر چکے هيں ؟

تاریخ و عبر

تاریخ اسلام کا نفسیاتی مطالعہ

عہد امویہ کا خاتمہ اور عباسیہ کی تاسیس

تاریخ اسلام کے ابتدائی عہد کے سیاسی دواعی و محرکات

کچھ عرصہ ہوا مرحوم شیخ محمد خضری نے جامعہ مصریہ میں تاریخ اسلام پر دو سال تک درس دیا تھا جو کہ مجموعہ "تاریخ امم اسلامیہ" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اب اس کا ایک نیا ایڈیشن جامعہ نے شائع کیا ہے، جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نظر ثانی کر کے کتاب کے متعدد اہم مقامات زیادہ مبسوط اور جامع کر دیئے ہیں، اور ترتیب بحث بھی پہلے سے زیادہ موزوں اور مسلسل ہو۔ بلاشبہ تاریخ اسلام کے مباحث کی سطح اس سے بہت زیادہ بلند ہونی چاہئے جس قدر اس کتاب میں نظر آ رہی ہے۔ تاہم کتاب کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نئے ایڈیشن کے اضافات میں سب سے زیادہ اہم مقام عہد امویہ کے اختتام اور عباسیہ کی تاسیس کے ذہنی دواعی و محرکات ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ چند نمبروں میں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے تاریخ اسلام کے مطالعہ میں مزید کاوش اور نظر کی راہ باز ہوتی ہے۔

عباس بن عبد المطلب

عباس بن عبد المطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ یہ بنی ہاشم کے ایک معزز سردار اور مشہور مدبر تھے۔ جاہلیت میں ابو سفیان صخر بن حرب سے ان کی دوستی بہت گہری تھی۔ ظہور اسلام کے بعد رسول اللہ صلعم سے ان کا اخلاص آخری حد تک پہنچ گیا تھا، اگرچہ باقاعدہ مسلمان ایک مدت کے بعد ہوئے۔ رسول اللہ صلعم بھی ان سے بڑی عزت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ یہ خلافت عثمانی میں (۳۲ھ) ۸۸ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

عبد اللہ بن عباس

عبد اللہ بن عباس، اپنے والد کے منجھلے لڑکے تھے۔ ہجرت سے دو برس پہلے پیدا ہوئے، رسول اللہ کو ان سے بھی بہت محبت تھی۔ آپ نے ان کے لئے تفقہ فی القرآن کی دعا کی تھی۔ حضرت عمرؓ، ان کی علمیت، عقل، فصاحت کی وجہ سے انھیں اپنی مشورت کی خاص مجلسوں میں شریک کرتے، اور باوجود کم سنی کے ان سے فتویٰ لیتے تھے۔ حضرت عثمان نے انھیں ۳۵ھ کے حج کا امیر مقرر کیا۔ حضرت علیؓ کی خلافت میں وہ انکے دست راست اور قوت بازو تھے۔ بصرہ کے صوبے کی ولایت (گورنری) بھی انھیں ملی تھی۔ امیر معاویہ کی خلافت میں وہ سیاسیات سے الگ ہو کر طائف میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۶۸ھ میں انتقال کیا۔

علی بن عبد اللہ بن عباس

حضرت عبد اللہ بن عباس کی اولاد میں سب سے زیادہ اہمیت، انکے سب سے چھوٹے بیٹے، علی، کو حاصل ہے۔ یہ عین اس دن پیدا ہوئے جس دن امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ اسی مناسبت سے ان کا نام علی رکھا گیا۔ یہ نہایت باوقار، وجیہ، فصیح و بلیغ، اور اعلیٰ حوصلہ تھے۔ کہا جاتا ہے، اس وقت ان سے زیادہ خوبصورت کوئی قریشی موجود نہ تھا۔ ان کا زہد و عبادت بھی بہت مشہور ہے۔ بنی امیہ نے انھیں مدینہ اور دمشق کے راستہ پر ایک گاؤں "حمیمہ" جاگیر میں دے دیا تھا۔ یہ وہیں رہے اور ان کی تمام اولاد بھی وہیں پیدا ہوئی۔ ۱۱۷ھ میں انھوں نے انتقال کیا۔

محمد بن علی

علی بن عبد اللہ کے بیٹوں میں "محمد" نے بہت شہرت حاصل کی۔ کیونکہ وہ ابراہیم، ابو العباس السفاح، اور ابو جعفر منصور کے والد تھے جن سے خلافت عباسی کا آغاز ہوا۔ اسی قدر نہیں بلکہ انھی نے یہ نئی دعوت شروع کی اور اپنے باپ علی بن عبد اللہ کی زندگی میں شروع کی لیکن خود علی کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔

عباسی خلافت کا تخیل

اس جلیل القدر خاندان کے تعارف کے بعد اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال کیونکر پیدا ہوا اور اموی خلافت برباد کر کے انھوں نے اپنی شہنشاہی کس طرح قائم کی؟

آنحضرت (صلعم) کے وفات کے بعد معاملۂ خلافت میں جو اختلاف رائے ہوا، اس کی تفصیلات معلوم و مشہور ہیں۔ بالآخر جمہور صحابہ نے حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس طرح اس خطرناک اختلاف کا بظاہر خاتمہ ہو گیا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ایک جماعت ابتدا سے موجود تھی جو خلافت کا حق بنو ہاشم یعنی خاندان نبوت میں محصور دیکھتی تھی۔ اسی جماعت میں حضرت عباس بھی تھے۔ یہ اگرچہ بنو ہاشم میں سب سے زیادہ مسن تھے، مگر کوئی شخص بھی انھیں حضرت علی پر ترجیح نہیں دیتا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام اپنے تئیں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے تھے خود حضرت فاطمہ علیہا السلام کا بھی یہی خیال تھا۔

لیکن بالآخر حضرت علی، حضرت عباس، اور ان کی تمام جماعت نے جمہور کے فیصلہ پر عمل کیا۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی دونوں گزر گئے۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں خلافت کی بحث نے از سر نو سر اٹھایا، حضرت علی خیال کرتے تھے کہ مجلس شوریٰ کے اکثر ارکان نے حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کر کے ان کے ساتھ ناانصافی کی ہے۔

حضرت عثمان کے آخری عہد میں حضرت عباس کا انتقال ہوا انھوں نے کثیر اولاد چھوڑی، مگر یہ ثابت نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی خلافت حاصل کرنے کا متمنی ہوا ہو۔

حضرت عثمان کی خلافت کے چھٹے سال ایک جماعت میں خیال پیدا ہوا کہ خلافت، حضرت عثمان سے حضرت علی کو منتقل کر دی جائے اس تحریک کے چند داعی، بڑے بڑے اسلامی مرکزوں: کوفہ، بصرہ اور فسطاط (مصر) میں ظاہر ہوئے۔ تحریک کا آغاز اس طرح ہوا کہ حضرت عثمان کے عمال و حکام کی مذمت شروع کی گئی۔ ان کی برائیاں مشہور کی جانے لگیں۔ ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کو یہ باتیں لکھتے اور پھر سب اپنی جماعت کے لوگوں کو مدینہ میں ان حالات سے مطلع کرتے۔ تھوڑی ہی مدت کے بعد تمام اسلامی ملکوں میں حضرت عثمان کے ولاۃ و حکام بدنام ہو گئے اور عام شکایت پیدا ہو گئی۔ اس کامیابی کے بعد ان لوگوں نے خود خلیفہ کی مذمت شروع کی اور حضرت عثمان پر بہت سے الزام لگائے جن میں سے بعض صحیح تھے اور بعض بالکل بے بنیاد تھے۔ حضرت عثمان کی نرمی طبیعت اور فتنہ و فساد سے حد درجہ احتیاط نے اس صورت حال کے لئے بہت افزا فضا پیدا کر دی تھی۔ انھوں نے تینوں اسلامی مرکزوں یعنی کوفہ، بصرہ اور فسطاط کے شورش پسند جمع کئے، اور فریادی بن کر دار الخلافہ، مدینہ پر چڑھ دوڑے۔ حضرت عثمان نے غایت درجہ نرمی دکھائی۔ ان کی تمام شکایتیں تسلیم کر لیں، اور مطالبات منظور کر لئے۔ اسیر بظاہر بڑے رضامندی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

مگر چند دن بعد صورت حال نے ایک نیا پہلو بدلا۔ مصری وفد جوش و غضب کی حالت میں راستہ سے واپس لوٹا۔ اس کے پاس ایک خط تھا جو حضرت عثمان کی مہر تھی اور اس کا مضمون یہ تھا کہ "مصری وفد قتل کر ڈالا جائے" بیان کیا گیا کہ یہ خط حضرت عثمان نے والی مصر کے نام بھیجا تھا۔ لیکن جب یہ خط پیش ہوا تو حضرت عثمان نے قسم کھا کر کہا کہ نہ تو انھوں نے یہ خط لکھا ہے اور نہ اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے۔ بلوائیوں نے یقین کر لیا۔ مگر ساتھ ہی اسے مروان بن الحکم کی شرارت قرار دیا اور اس کے حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان نے مروان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا۔ اسیر انھوں نے ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر اس فعل کے مرتکب ہوئے جس سے تاریخ اسلام کی طبیعت اس وقت تک قطعاً آشنا تھی یعنی حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے۔ یہ پہلی اجتماعی معصیت تھی جو مسلمانوں سے دنیا میں سرزد ہوئی!

اب خلافت، حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی۔ آپ نے پس و پیش کے بعد قبول کر لیا۔ لیکن آپ کو ایک دن بھی چین نہ ملا۔ شیرازۂ نظم دولت بکھر چکا تھا۔ سرکشی و طغیان کا مادہ سر اٹھا چکا تھا۔ نزاع و شقاق نے مسلمانوں کا گھر دیکھ لیا تھا۔ مدعیوں سے برابر جنگیں جاری رہیں۔ یہاں تک کہ رمضان ۴۰ھ میں شہید ہو گئے۔

آپ کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام کو اہل کوفہ نے خلیفہ بنایا مگر انھوں نے انتہائی دانش مندی اور بے نظیر ایثار سے کام لیکر جس کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں ہے، مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر دینا چاہا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اہل عراق بھروسہ کے قابل نہیں ہیں اور ان کے عظیم المرتبہ والد کے لئے ہمیشہ پریشانیوں کا موجب رہے ہیں۔ انھوں نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی، اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ ۵۰ھ میں آپ نے انتقال کیا۔ امیر معاویہؓ نے خلافت اپنے لڑکے یزید کے

سپرد کی۔ یہ ولی عہدی کی پہلی بدعت ہو جو زور و شمشیر سنوائی گئی۔ یزید کے زمانے میں پھر ابتری پیدا ہوئی۔ اہل مدینہ نے یزید کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ لیکن بُری طرح کچل ڈالے گئے۔ کوفہ نے حضرت حسین علیہ السلام کو دعوت دی۔ مگر عین وقت پر بے وفائی بھی کی اور کربلا کا وہ فاجعۂ کبریٰ پیش آیا جس پر آجتک مؤرخ کا قلم ماتم کر رہا ہے۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن الزبیر نے اپنی خلافت کا علم بلند کیا، اور مکہ معظمہ میں متمکن ہو گئے۔

یزید کی وفات نے عبداللہ ابن الزبیر کی قوت بہت بڑھا دی، حجاز، مصر، اور عراق زیر نگیں ہو گئے۔ لیکن بنو ہاشم نے اُن کی بیعت سے انکار کیا۔ چنانچہ محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اور عبداللہ بن عباس وغیرہ اُن سے برابر برگشتہ رہے۔

اُسی زمانہ میں ایک خود غرض اور چالاک آدمی، مختار بن ابی عبید الثقفی، عراق میں ظاہر ہوا۔ اہل بیت کی حمایت کا دعویٰ کیا اور امام مہدی، یعنی محمد بن الحنفیہ کے لئے دعوت شروع کی۔ یہ وہ وقت تھا جب خاندان علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) میں سب سے زیادہ معمر محمد بن الحنفیہ ہی تھے۔ لیکن مختار کو زیادہ عروج حاصل نہ ہو سکا۔ عبداللہ بن الزبیر نے اپنے بھائی مصعب کی قیادت میں ایک فوج جرار اُس کے مقابلہ پر بھیجی اور اُسے قتل کر ڈالا۔ مختار مغلوب ہو گیا مگر عراق میں شیعیت (یعنی طرفداران خاندان علی کی جماعت) برابر قائم رہی۔

محمد بن الحنفیہ نے بالآخر عبدالملک بن مروان کی خلافت تسلیم کر لی۔ لیکن شیعیان محمد بن حنفیہ اس کے بعد بھی اُنہی کو خلافت کا مستحق یقین کرتے رہے اور اُن کی بیعت کو مجبوری کی بیعت قرار دیا حتیٰ کہ اُن کے انتقال پر ایک گروہ نے اس حد تک غلو کیا کہ اُنکی موت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا گیا کہ وہ غائب ہو گئے ہیں اور عنقریب واپس آئیں گے۔ چنانچہ اُن کا شاعر السید الحمیری کہتا ہے:

وسبطٌ لا یذوق الموت حتیٰ یقود الخیل یقدمہا اللواء

محمد بن الحنفیہ کی وفات کے بعد اُن کی جماعت میں اختلاف پیدا ہوا۔ ایک گروہ اُنھیں زندہ بتا کر اُنہی کی حمایت پر قائم رہا۔ ایک گروہ نے اُن کے بیٹے ابو ہاشم کی امامت کا اعلان کیا۔ یہ دونوں جماعتیں "کیسانی" کہلاتی ہیں۔ کیسان، مختار بن ابی عبید کا لقب تھا، اور یہ دونوں اُسی کی طرف منسوب ہیں۔

لیکن ایک تیسری جماعت نے حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اُنکے صاحبزادے زین العابدین علی بن الحسین کی حمایت شروع کی لیکن خود امام زین العابدین کی نسبت ثابت نہیں کہ اُنھوں نے کبھی اپنی خلافت کا دعویٰ کیا ہو۔

اس جماعت کا اعتقاد یہ تھا کہ خلافت حضرت علی کے بعد اُن کی فاطمی اولاد میں محصور ہے۔ اس لئے حضرت حسین کے بعد امام زین العابدین کو حق خلافت پہنچتا ہے، کیونکہ واقعۂ کربلا کے بعد اپنے بھائیوں میں صرف یہی ایک زندہ بچے تھے۔ یہی جماعت ہے جو آگے چلکر "امامیہ" کے لقب سے مشہور ہوئی۔ کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی وصیت کی تھی۔ اُنکے بعد امامت حضرت حسن کی طرف منتقل ہوئی۔ پھر حضرت حسین کی طرف، پھر علی بن الحسین کی طرف اسی طرح ہر زمانہ میں اُمت کے لئے ایک منصوص امام کی موجودگی ضروری ہے اور وہ بنی فاطمہ کی ایک معین شخصیت ہے۔

اُس وقت خاندان عباس میں سب سے بڑے علی بن عبداللہ بن عباس تھے۔ انہی سے عباسیوں نے ظہور کیا۔ یہ حجاز چھوڑ کر حمیمہ نامی مقام میں مقیم ہو گئے تھے۔ انہی کے وقت سے عباسیوں میں خلافت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابو ہاشم بن محمد بن علی (ابن الحنفیہ) اپنی عمر کے آخری دنوں میں علی بن عبداللہ کے یہاں حمیمہ میں مقیم تھے۔ وفات کے وقت اُنھوں نے خلافت کا حق علی بن عبداللہ اور اُن کی اولاد کو بخش دیا اور اپنے حامیوں کو اُن کی نصرت و حمایت کی وصیت کی۔ چنانچہ اُسوقت سے شیعوں کا کیسانی گروہ علی بن عبداللہ بن عباس کا حامی بن گیا۔

لیکن بنی فاطمہ کے طرفدار شیعوں نے اسے تسلیم نہیں کیا، کیونکہ وہ محمد بن الحنفیہ کی امامت کے قائل نہ تھے۔ حضرت امام زین العابدین کی وفات کے بعد ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اُنکے ایک گروہ نے محمد الباقر بن زین العابدین (علیہما السلام) کی امامت پر زور دیا۔ باقی لوگوں نے خلافت کو ہر فاطمی کا حق قرار دیا۔ چنانچہ انہی کی ایک جماعت زید بن علی بن الحسین کی طرفدار ہو گئی اور "زیدی" کہلائی جو آجتک موجود ہے۔

خلافت کے لئے علی جد و جہد شیعوں کی صرف دو جماعتوں نے کی تھی: کیسانی اور زیدی۔ اول الذکر علی بن عبداللہ بن عباس کے طرفدار ہو گئے تھے، اور آخر الذکر زید بن علی بن حسین اور اُنکے بیٹے یحییٰ کے۔

علی بن عبداللہ بن عباس اور محمد الباقر بن علی بن حسین، دونوں کی وفات تقریباً ایک ہی وقت میں ہوئی۔ اول الذکر کے حامی کیسانی شیعہ، اُنکے بیٹے محمد بن علی کے مددگار بن گئے، اور آخر الذکر کے حامی امامیہ شیعوں نے اُن کے بیٹے جعفر الصادق (علیہ السلام) کو امام تسلیم کر لیا۔ مگر آخری جماعت نے کوئی عملی اقدام نہیں کیا تھا۔

داعی اوّل

اب خاندان عباس بن عبدالمطلب کے سرگروہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تھے۔ یہ بڑے عاقل اور دُور اندیش تھے۔ انھوں نے خیال کیا کہ سلطنت، ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں اچانک منتقل نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لئے عام رائے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انھوں نے جلبازی سے پرہیز کیا، اور سکون و صبر سے دعوت پھیلانے کا سامان مہیا کرنا شروع کیا۔ انھوں نے اپنے حامیوں کو حکم دیا کہ اہل بیت کے لئے خلافت کی دعوت عام کریں مگر اہل بیت میں سے کسی خاص آدمی کا نام نہ لیں، کیونکہ اوّل تو جس شخص کا نام لیا جاتا، اُس کی جان خطرہ میں پڑ جاتی۔ ثانیاً اہل بیت کا نام شیعیان اہل بیت کی تمام جماعتوں کو متحد کر دیتا تھا، مگر خاندان و شخص کے تعین سے اختلاف و نزاع شروع ہو جاتا۔

انھوں نے انتہائی سیاسی دانش مندی سے اپنی دعوت کے لئے خراسان منتخب کیا۔ کوفہ چونکہ قدیم سے شیعان اہل بیت کا صدر مقام تھا لہٰذا اُسے مرکز قرار دیا۔

خراسان میں اس دعوت کی کامیابی کے دو سبب ہو سکتے تھے:

ایک یہ کہ عجمی مسلمان، شیعی تخیل کو بآسانی سمجھ سکتا تھا، کیونکہ شیعی تخیل یہ ہے کہ خلافت، رسول اللہ صلعم کے اہل بیت میں منتقل ہوتی ہے۔ عجمی مسلمان چونکہ عربی عصبیت اور قرشی قبائل کی منافست سے متاثر نہ تھا، اس لئے اُس کی عقل میں مسئلہ خلافت کا بہترین حل یہی ہو سکتا تھا کہ پیغمبر کی خلافت، پیغمبر کے خاندان ہی میں ہو، جیسا کہ تمام عجمی شاہی خاندانوں کا دستور رہا تھا کہ بادشاہ کے بعد اُسکا وارث اُس کا بیٹا ہوا کرتا تھا۔

دوسرے یہ کہ ایران ایک قدیم تمدن اور شاندار تاریخ کا مالک تھا۔ بنی اُمیہ نے اس ملک سے غلاموں کا سا برتاؤ کیا تھا۔ ایرانی عنصر، عربی عنصر کے سامنے بالکل حقیر کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا ایرانیوں کو قدرتی طور پر یہ خواہش تھی کہ موجودہ خلافت ختم ہو، اور اُن کی امداد و اعانت سے نئی سلطنت قائم ہو، تاکہ اُنھیں قومی عزت و عروج حاصل کرنے کا گویا موقعہ مل سکے۔

ابن الفقیہ نے "کتاب البلدان" میں لکھا ہے کہ جب محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اپنے دعاۃ بھیجنے لگے تو اُن سے کہا:

"کوفہ، علی (علیہ السلام) اور اُن کی اولاد کی محبت میں سرشار ہے۔ بصرہ، عثمانی ہے اور امن امان کا قائل ہے۔ وہ کہتا ہے قاتل بنو، مقتول بن جاؤ۔ جزیرہ، گمراہ حروری (خارجی) ہے، وحشی بدوؤں اور نصاریٰ کے اخلاق والے مسلمانوں سے لبریز ہے۔ شام، آل ابی سفیان کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ بنی مروان کی اطاعت، شدید جہالت، سخت کینہ اُس کے خمیر میں ہے۔ رہا مکہ اور مدینہ تو اُن پر ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کا غلبہ ہے۔ لیکن ہاں خراسان کے دروازے تمھارے سامنے کھلے ہیں۔ وہاں عظیم آبادیاں ہیں، زبردست شجاعت ہے، سلیم سینے ہیں۔ خالی دل ہیں، خواہشوں نے اُنھیں پراگندہ نہیں کیا ہے، مسادنے اُنھیں بگاڑا نہیں ہے۔ وہ ایسی فوج ہیں جو توانا اور تنومند ہے، بھاری جسم، چوڑے شانے، اونچے قد، بڑے سر، داڑھیاں اور مونچھیں، ہولناک نعرے، شاندار زبانیں ہیں۔ مشرق سے نیک فال رکھتا ہوں، جہاں سے دنیا کی شمع طلوع ہوتی اور مخلوق کا نور ظاہر ہوتا ہے"

خفیہ انجمن کا قیام

یہ خفیہ انجمن، علی بن عبداللہ بن عباس ہی کی زندگی میں قائم ہوئی یہ زمانہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس کے دو مرکز قرار دیئے گئے: کوفہ اور خراسان۔ کوفہ میں علی بن عبداللہ کا غلام میسرہ مقرر کیا گیا اور خراسان میں محمد بن خنیس اور ابوعکرمہ سراج بھیجے گئے۔ نیز بارہ داعی یا نقیب منتخب ہوئے۔ اُن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) سلیمان بن کثیر الخزاعی
(۲) مالک بن الہیثم الخزاعی
(۳) طلحہ بن زریق الخزاعی
(۴) عمرو بن اعین الخزاعی
(۵) عیسیٰ بن اعین الخزاعی
(۶) محلہ بن شبیب الطائی
(۷) لاہز بن قریظ التمیمی
(۸) موسیٰ بن کعب التمیمی
(۹) القاسم بن مجاشع التمیمی
(۱۰) ابوداؤد خالد بن ابراہیم الشیبانی
(۱۱) ابوعلی الہروی شبل بن طہمان الجہنی
(۱۲) عمران بن اسمٰعیل المعطی

ان کے علاوہ ۷۰ آدمی اور مقرر کئے گئے۔ ان کا کام یہ تھا کہ ان بارہ نقیبوں کے حکم پر عمل کریں۔ محمد بن علی نے ان سب کے لئے ایک تحریر لکھ دی جو بمنزلۂ وصیت اور دستور العمل کے تھی۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز سے دعوت شروع ہوئی اور ۱۳۲ھ تک جاری رہی۔ یہی وہ سال ہے جس میں عباسیوں نے کامیابی حاصل کی اور ابوالعباس السفاح کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی



سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

(۳۰ : ۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تاثرات

ایک مصری سیاح نجد میں

(محمد شفیق، مصری اخبار نویس کی سیاحت نجد کی یہ تیسری قسط ہے۔ الہلال)

ریاض

ریاض، پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے نجد کا سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہے۔ اُس میں بکثرت بلند عمارتیں موجود ہیں، مگر سب قدیم طرز کی ہیں۔ شاہی خاندان کے محل اپنی وسعت اور خوشنمائی میں ریاض کی تمام عمارتوں سے ممتاز ہیں۔ شہر کے گرد عظیم الشان شہر پناہ ہے۔ پرانے شرقی وضع کے پھاٹک لگے ہیں اور ضرورت کے وقت مقفل کر دیئے جاتے ہیں۔ ریاض کے چاروں طرف نخلستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک مزرعہ خاص خاندان شاہی کا ہے۔ اس میں دو چیزیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا: ایک گلاب اور دوسری کپاس۔ معلوم ہوتا ہے سلطان ابن سعود نے روئی کے یہ چند درخت اتفاقیہ طور پر نصب نہیں کر رکھے ہیں بلکہ نجد میں روئی کی کاشت جاری کرنی چاہتے ہیں جیسا کہ مجھ سے بعض ارکان حکومت نے اشارۃً بیان کیا تھا۔ اگر سلطان نے یہ کیا تو یقیناً ملک کو بہت فائدہ حاصل ہوگا۔ باشندے مالا مال ہو جائیں گے۔

مدرسے

ریاض میں چند دینی مدرسے موجود ہیں۔ مگر ان کی حیثیت، قدیم مسجدی مکتبوں سے زیادہ نہیں۔ ان میں بچوں کو ضرورت بھر لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ نیز پورا قرآن بھی حفظ کرا دیتے ہیں۔ علوم دینیہ کی تکمیل میں لوگ اپنا زیادہ وقت صرف نہیں کرتے۔ بہت تھوڑے آدمی ایسا کرتے ہیں۔ باقی ضرورت بھر تعلیم حاصل کر کے دُنیاوی کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قرآنی احکام کی رُو سے ضروری نہیں کہ تمام لوگ علوم دینیہ حاصل کریں۔ یہ کافی ہے کہ ایک منتخب جماعت ان میں مشغول رہے۔

مسجدیں

ریاض میں کل ۹ مسجدیں ہیں۔ ان میں کوئی زینت و آرائش نہیں ہوتی۔ فرش بھی نہیں ہوتا۔ گنبد بھی نہیں ہیں۔ اکثر میں چھت بھی نہیں ہے۔ جمعہ کی نماز صرف ایک مسجد میں ہوتی ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام اس درجہ شدید ہے کہ بعض لوگ صبح ہی سے آکر ممبر کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مسجدوں میں روشنی بھی زیادہ نہیں کی جاتی۔ ایک دو شمعوں سے کام لیا جاتا ہے۔ نماز فجر کے بعد روز صبح کو موذن، نمازیوں کی حاضری لیتا ہے۔ پہلے دن کی غیر حاضری پر ٹوپی چھین لی جاتی ہے۔ دوسرے دن کی غیر حاضری پر جبہ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ تیسرے دن کی غیر حاضری پر جسمانی سزا دی جاتی ہے!

نماز جمعہ کے بعد بادشاہ یا اُس کا نائب، محل شاہی کے ایوان میں نمازیوں سے ملاقات کے لئے بیٹھتا ہے۔ اُسوقت تمام حاضرین کو پہلے چاء اور نجدی قہوہ پلایا جاتا ہے۔ آخر میں بخور دانیاں پھرائی جاتی ہیں جن میں مشک و عنبر سلگتا ہے۔

قصر شاہی

قصر شاہی بالکل عربی طرز کا ہے۔ اُس میں اینٹ چونے کے بڑے بڑے خوبصورت ستون کھڑے ہیں، جن کے نقش و نگار نہایت نظر فریب ہیں۔ دو منزلہ عمارت ہے۔ نچلی منزل میں دعوت کا وسیع ایوان ہے۔ اسمیں بیک وقت سیکڑوں مہمان بیٹھ سکتے ہیں۔ اطراف میں عام لوگوں کے لئے کھانے کے کمرے ہیں۔ نیچے کی منزل، گویا دعوت خانہ ہے۔ بالائی منزل میں وسیع ایوان ہیں۔ ایک ایوان میں خود سلطان کا کتب خانہ اور دفتر خاص ہے۔ ایک اور ایوان، ولی عہد امیر سعود کے لئے مخصوص ہے۔ باقی حصوں میں بڑے بڑے افسران اور شاہی طبیب کا قیام ہے۔ اسی محل کے متصل ایک اور محل ہے، اور اُس میں سلطانہ اور شاہی بیگمیں رہتی ہیں۔ زنانہ خدم و حشم کی تعداد ۴۰ ہے۔

سلطان ابن سعود

سلطان عبد العزیز بن سعود، دراز قامت ہیں۔ جسم بھرا ہوا اور ٹھوس ہے۔ رنگ، گندمی ہے۔ آنکھیں چمکیلی ہیں۔ پیشانی، کشادہ ہے۔ عینک استعمال کرتے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت، قوت ارادی، عزم و حزم، خوش مزاجی، تدبر، یہ وہ اوصاف ہیں جو سلطان کی صورت دیکھتے ہی آدمی محسوس کر لیتا ہے۔ عمر، ۵۰ کے قریب ہے۔ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں گولی لگی تھی۔ اُس کا نشان اب تک نمایاں ہے۔ وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ نجدی وضع کا مرکش جبہ پہنتے ہیں اور اُس کا ایک دامن عموماً، بغل میں دابے رہتے ہیں تاکہ تیز چل سکیں پوری قوم اُن سے محبت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھیں اپنی زندگی کا کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ وہ بغیر کسی محافظ کو ساتھ لئے بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

پہلی ملاقات

پہلی ملاقات ہی میں سلطان مجھ سے بالکل بے تکلف تھے۔ اُنھوں نے گفتگو میری مزاج پرسی سے شروع کی: "راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" "میرے عہدے داروں نے کیسا سلوک کیا؟" "کسی بدّو نے کوئی شرارت تو نہیں کی؟" اسی قسم کے بہت سے سوال شروع کر دیئے۔ میں نے اپنے سفر کی تمام روداد سنا دی۔ جس قدر میری خاطر تواضع ہوئی تھی، شکریہ کے ساتھ اُس کا بھی ذکر کیا۔ جو کچھ امن و امان میں نے مشاہدہ کیا تھا، اُس کی طرف بھی اشارہ کیا۔ چوری، قزاقی، اور جرائم کی عدم موجودگی پر تعجب کا اظہار کیا۔

سلطان کی گفتگو

میری خاموشی کے بعد سلطان نے کہا:

"الحمد للہ ہمارے ملک میں ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب ہے۔ تمام نجدی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ فقہ اسلامی میں ۴ مذہب مشہور ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں امام احمد بن حنبل کا مذہب، سنت رسول اللہ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے عقیدے میں تمام مسلمان، باہم بھائی بھائی ہیں۔ نجد میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے "السلام علیکم" کہدینے کے معنی یہ ہیں کہ دونوں خدا کے امان و سلام میں ہو گئے۔ تمام مسلمان، کلمۂ توحید پر جمع ہیں۔ تمام اصل المتین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اسی بنیاد پر ہماری سلطنت قائم ہے۔ ہم سلطنت کے بھوکے نہیں ہیں اور نہ فخر و غرور اور تن پروری کے لئے حکومت کرتے ہیں۔ زمین، اللہ کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ نے اپنی یہ امانت ہمارے سپرد کی ہے۔ لہذا ہم پوری کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ ایمانداری کے ساتھ یہ امانت ادا کر دیں۔ ہمیں شرک سے نفرت ہے۔ اگر ہمیں تمام مشرک ملکوں کی فرمانروائی بھی پیش کی جائے تو ہم اسے ہرگز منظور نہ کریں۔ ہم کسی سے بھی لڑائی پسند نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ کفار سے بھی نہیں۔ البتہ اُن کے لئے ہماری یہ دعا ضرور ہے کہ خدا اُنھیں صراط مستقیم دکھائے۔ جب تک وہ ہم سے تعرض نہیں کرتے، ہم بھی اُنھیں نہیں چھیڑیں گے۔ ہم اُن سے دُور رہنا چاہتے ہیں۔ ہم اُن سے تشنہ بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے۔ حتیٰ کہ اُن کا لباس بھی پسند نہیں کرتے۔ حقیقی مسلم وہ ہے جو اپنے دین کے اصول کی پیروی کرتا ہے۔ جو کوئی کفار کی تقلید کرتا ہے، وہ نہ اپنے دین میں کوئی بھلائی حاصل کر سکتا ہے نہ دنیا میں"

یہ گفتگو، اس جلیل القدر صحرائی بادشاہ کی ذہنیت پوری صفائی سے ظاہر کرتی ہے۔ صحراء عرب کے باشندے صدیوں سے قتل و غارت گری اور جرم و گناہ کے عادی تھے۔ صرف صحراہی کے نہیں بلکہ حجاز کے باشندے بھی۔ وہ کسی نظام و حکومت کی اطاعت کے عادی نہ تھے۔ لیکن یہ اسی سلطان کا تدبر و دبدبہ تھا جسنے انھیں اپنے آہنی ہاتھوں سے مطیع کیا اور امن نظام قائم کر دیا۔

طرز حکومت

نجد کی حکومت، قدیم وضع کی ہے۔ وہاں حکومت، علیحدہ علیحدہ شعبوں پر منقسم نہیں ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے، نہ وزارت ہے۔ پوری حکومت، خود سلطان کی ذات ہے، اور اُن کا قانون، کتاب و سنت ہے۔ لیکن کیا مجال کہ کسی قسم کی بدنظمی پیدا ہو جائے۔ آمد و خرچ کے تمام حسابات مرتب رہتے ہیں، خود سلطان اُن کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک پیسہ کا بھی غبن نہیں ہو سکتا۔ برخلاف اس کے اسی صحرائی

بادشاہ نے حجاز میں آکر حکومت کی نصف دوسری کردی ہے۔ حجاز کی حکومت مرکزی نظم کی حکومت ہے۔ وہاں کے لئے نجد کی سی حکومت موزوں نہ تھی۔

سلطان کی فیاضی

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسلسل تین سال کی غیر حاضری کے بعد سلطان اپنے دار السلطنت میں واپس گئے تھے۔ وہ ہم سے ۴ دن پہلے ریاض پہنچ چکے تھے۔ تاہم ہم نے اپنی آمد پر دیکھا کہ شہر مسرت و انبساط کے مؤثر نظاروں سے لبریز ہے۔ بے شمار وفد، نجد کے گوشہ گوشے سے آئے ہوئے تھے اور عقیدت و خلوص کا اظہار کر رہے تھے۔ دوسری طرف سلطان کی فیاضیوں کا دروازہ کھلا تھا۔ کوئی نہ تھا جسے وہ اُس کی توقع سے زیادہ نہ دے رہے ہوں۔ اُن کی سخاوت دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا "یقیناً یہ ایک ایسا آدمی ہے جو نہ دولت سے محبت کرتا ہے نہ فقر و فاقہ سے ڈرتا ہے"

ملوکیت نجد کا اعلان

خوش قسمتی سے میں اُس تاریخی جلسہ میں بھی شریک ہو سکا جو سلطان ابن سعود کو "ملک نجد" بنانے کے لئے منعقد ہوا تھا۔ نجدیوں نے یہ دیکھ کر کہ سلطان ابن سعود اب ملک الحجاز ہو گئے ہیں۔ پسند کیا کہ اپنے ملک کے لئے بھی اُن کا یہی لقب قرار پا جائے۔

سلطان کی لڑکی کا عقد

اسی طرح ایک اور جلسہ میں بھی مجھے شرکت کا موقعہ ملا۔ یہ سلطان کی بیٹی شاہزادی "سارہ" کی شادی کا جلسہ تھا۔ امیر فیصل ابن سعود سلطان کے بھتیجے سے اُن کا عقد ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر تعجب ہوا کہ نجد میں شادیاں کس قدر سادہ ہوتی ہیں۔ یہ خود سلطان کی لڑکی کی شادی تھی۔ مگر اس میں نہ کوئی اسراف تھا نہ دھوم دھام تھی ازحد سادہ تقریب تھی۔ قصر شاہی کے ایوان میں فرش بچھا دیا گیا تھا۔ کھانے چنے گئے۔ دعوت ولیمہ کے بعد سلطان کے حکم سے ۵۰۰ بکریاں ذبح کی گئیں اور عام دعوت شروع ہو گئی۔ اس میں امیر غریب کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر کس و ناکس مدعو تھا۔

تجارت و زراعت

ریاض کے باشندے عام طور پر تجارت پیشہ ہیں۔ احساء، کویت اور جرین سے مال لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ نجد کی ایک بڑی تجارت، موتی کی تجارت ہے۔ غواصی میں نجدیوں نے خاص شہرت حاصل کر لی ہے اور کافی دولت حاصل کرتے ہیں۔ ریاض کے اطراف میں زراعت کم ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تجارتی شہر ہے نہ کہ زرعی۔

سلطان کے معمولات

سلطان کے معمولات یہ ہیں کہ کچھ رات رہے سے بیدار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے کسی خدمتگار کو بھی اپنے سوا کسی خدمت کے لئے نہیں بلاتے خود ہی پانی لیتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں۔ فجر کی اذان سُن کر مسجد جاتے ہیں۔ نماز کے بعد محل واپس آتے ہیں۔ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ تناول کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے دفتر میں آ بیٹھتے ہیں خطوط پڑھتے ہیں۔ سرکاری کاغذات ملاحظہ کرتے ہیں۔ احکام لکھتے ہیں طلوع آفتاب کے ایک گھڑی بعد تک یہی مشغولیت رہتی ہے۔ پھر ایوان عام میں تشریف لاتے ہیں۔ یہاں خاص لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں پھر "اخوان" کے وفد حاضر ہوتے ہیں۔ اُن سے بڑی ہی بے تکلفی سے باتیں شروع ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بڑے ہی آزاد مزاج ہیں۔ اپنے بادشاہ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں، گویا اپنے کسی بھائی کے سامنے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ بالکل وحشی ہیں۔ میں نے انھیں وحشی نہیں پایا بیشتر خیال میں ان کا یہ طرز خطاب اس لئے ہے کہ وہ اسے اتباع سلف صالح سمجھتے ہیں۔ وہ بڑی بے تکلفی سے "یا عبد العزیز!" کہہ رہے تھے۔ ایک شخص نے میرا تعجب محسوس کر کے میرے کان میں کہا "یہ طریقہ خود سلطان ہی نے مقرر کیا ہے۔ وہ خطاب کے دوسرے طریقے قبول نہیں کرتا"

چاشت کے وقت ایک دوسرے ایوان میں جاتے ہیں۔ یہ جگہ "مجلس کبیر" کہلاتی ہے۔ یہاں نجد کے بڑے بڑے شیوخ اور خاندان رشید اور خاندان عاید کے امراء سے ملاقات ہوتی ہے۔ اول الذکر خاندان حائل کا فرمانروا تھا۔ آخر الذکر "تبتا کا"۔ اب یہ دونوں ریاستیں، نجد کے ماتحت ہیں اور اُن کے شاہی خاندان، ریاض میں قید ہیں لیکن یہ قید ایسی ہے کہ اُن پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ شہر کے اندر اپنی نقل و حرکت میں بالکل آزاد ہیں اور نہایت عزت و احترام کا اُن سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔

اس مجلس میں سلطان کی گفتگو عام معاملات پر ہوتی ہے۔ دین، تاریخ، ادب، سیاست، ہر موضوع پر باتیں کرتے ہیں اور نہایت آزادی اور صفائی سے۔ اُن کی صاف گوئی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دن سلطان نے ایک شامی اخبار مجھے دیا۔ اس میں یہ خبر درج تھی کہ "سید عبد اللہ بن عاید مکہ سے بھاگ گئے ہیں اور ایک بڑی فوج کے ساتھ ابن سعود پر یورش کر رہے ہیں"

سلطان نے کہا "اخبار نے یہ خبر لکھی ہے، حالانکہ سید عبد اللہ یہاں، اس مجلس میں، موجود ہیں۔ ہم اور سید عبد اللہ اور خاندان رشید، سب بھائی ہیں۔ ہم میں کوئی نزاع نہیں ہے"

سلطان کے قول کی تمام مجلس نے تصدیق کی۔ خصوصاً سید عبد اللہ بن عائد نے۔

اس مجلس سے اُٹھ کر سلطان اپنے والد "عبد الرحمن بن سعود" سے ملاقات کو جاتے ہیں۔ ان کی عمر اب نوّے سال کے قریب ہے مگر اب تک ہوش حواس بالکل درست اور قویٰ مضبوط ہیں۔ نہایت خوش اخلاق، خوش صحبت، خوش گفتار ہیں۔ والد سے رخصت ہو کر اپنی بڑی بہن شاہزادی "نورہ" سے ملنے جاتے ہیں۔ نجد میں بڑی بہن کی عزت بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ سلطان حد سے زیادہ اُن کا احترام کرتے ہیں۔ یہ نجدی شاہزادی بھی اپنے عربی اخلاق میں غیر معمولی ہے۔ اس کی شرافت و سخاوت دُور دُور مشہور ہے۔ خود مجھ سے اس کا برتاؤ نہایت ہی شفقت کا تھا۔ روز میری خیریت دریافت کرتی تھی۔ میرے لئے اچھے اچھے کھانے بھیجا کرتی تھی۔

عشاء کے بعد سلطان کئی گھنٹے اپنے عہدے داروں سے ملاقات میں صرف کرتے ہیں۔ ہر عہدے دار کے دفتر میں خود جاتے ہیں۔ دن بھر کے کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ضروری مشورے اور ہدایتیں دیتے ہیں۔

یہ اُن کے روزمرہ کے معلومات ہیں۔ لیکن کبھی کبھی صحرا میں شکار کے لئے بھی جاتے ہیں۔ یہ سفر آجکل موٹروں پر ہوتا ہے۔

شیوخ نجد کا سلطان سے اختلاف

پچھلے دنوں مصری اخبارات نے یہ خبر مشہور کر دی تھی کہ نجد کے سب سے بڑے شیوخ مثلاً فیصل الدرویش شیخ قبیلۂ اطاعیہ اور سلطان بن مجاد شیخ قبیلۂ عطفط، سلطان ابن سعود کے مخالف ہو گئے ہیں ریاض میں اپنی موجودگی کے وقت میں نے بھی اس قسم کی خبریں سُنی تھیں فیصل الدرویش کی مخالفت کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پچھلے سال موسم حج میں محمل مصری کی فوج سے نجدیوں کا تصادم ہو گیا تھا، انھیں فیصل الدرویش کی رائے ہے کہ سلطان نے مصریوں کی طرفداری کی اور نجدیوں کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔ لیکن یہ خبر غلط تھی۔ خود میں نے اپنی آنکھوں سے فیصل کو سلطان کی خدمت میں دیکھا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ عقیدت و اطاعت کا اظہار کر رہا تھا۔

بلاشبہ سلطان بن مجاد کو کچھ شکایت ہو گئی تھی۔ یہ شکایت بعض شرعی احکام کی تطبیق کے بارے میں تھی۔ لیکن بہت جلد غلط فہمی دور ہو گئی اور وہ بھی سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔

نجدیوں کا ایمان

تمام نجدیوں۔ بدوؤں اور شہریوں۔ کا پختہ ایمان ہے کہ آدمی صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اُس کی شریعت کی پابندی میں سرگرم رہے۔ ہر آدمی کی موت پہلے سے لکھی گئی ہے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ ہرگز اُس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی لہٰذا اُسے موت سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنی چاہئے۔ ہر آدمی کو اُس کے عمل کی جزا و سزا ملے گی۔ نیکی کا ثواب حاصل ہوگا۔ بدی پر عذاب پائے گا۔ یہی باعث ہے کہ وہ ہر قسم کے گناہوں اور جرموں سے، خفیہ اور علانیہ، پرہیز کرتے ہیں۔

شوق جہاد

جنگ کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔ دین الٰہی کے دشمن کا قتل عظیم ترین ثواب خیال کرتے ہیں۔ دین کی راہ میں خود قتل ہو جانا، شہادت عظمیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس بات پر اُنھیں اس درجہ یقین ہے کہ بڑے ہی شوق سے جنگ پر جاتے ہیں۔ ہر بدّو اپنا کفن اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ نہایت بے پروائی سے اپنے تئیں موت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب اُن کا کوئی ساتھی لڑائی میں گرتا ہے، تو بیک زبان نعرہ مارتے ہیں "واخلیلاہ! لقد سبقتنی الی الجنۃ!" (اے دوست! مجھ سے پہلے ہی جنت میں داخل ہو گیا!) جب دشمن کو بھگا دیتے ہیں تو چلاتے ہیں "یا اہل التوحید! یا اہل التوحید! ایاک نعبد وایاک نستعین" (ہاں اے اہل توحید! خدایا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں!)

وہ گولیوں کی باڑھ کو "ریح الجنۃ" (جنت کی ہوا) کہتے ہیں اور انتہائی شوق و رغبت سے سینے تانے دشمن پر ٹوٹ پڑتے ہیں وہ اس موت کو موت نہیں، زندگی خیال کرتے ہیں۔ اگر اُن کے کسی آدمی کی پیٹھ پر گولی لگتی ہے تو اُسے بزدل کہتے اور سخت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کا قول ہے "ہمیشہ سینے پر زخم کھاؤ۔ پشت کبھی نہ دکھاؤ۔ موت اٹل ہے، اُس سے کہاں بھاگ سکتے ہو؟ شہادت کی موت مر کر سرمدی زندگی حاصل کر لو" میدان سے بھاگنا اُنکے خیال میں ایسا عیب ہے کہ ایسے شخص کو دفن تک نہیں کرتے۔ یہی بات ہے کہ وہ مر جاتے ہیں مگر بھاگتے نہیں۔ اُن کی یہ ثابت قدمی، بالآخر اُن کے دشمن کے حوصلے پست کر دیتی ہے اور وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

نجدیوں کی یہ شجاعت و بسالت، عرب میں اس قدر مشہور ہو گئی ہے کہ لوگ اُن کے نام ہی سے ڈر جاتے ہیں۔ چند نجدی سوار سیکڑوں آدمی بھگا دیتے ہیں۔ حجاز کی جنگ، اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے۔ حجازی فوج اس قدر مرعوب ہو گئی تھی کہ بے لڑے ہتیار ڈال دیتی تھی۔ حائل، احساء اور قطیف وغیرہ ممالک کی فتح بھی زیادہ تر اسی رعب کی وجہ سے ہوئی تھی۔

موت کے بعد

نجدی، سنت نبوی کی اتباع میں بہت ہی سخت ہیں۔ اپنے متوفیوں اور مُردوں کا ماتم نہیں کرتے۔ قبروں پر گنبد اور عمارتیں نہیں بناتے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد جس طرح آدمی کی دنیاوی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح اُس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں مُردوں کو ہماری ظاہری تکریم و تعظیم کی کوئی ضرورت نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ آخرت میں انھیں جو درجہ ملے گا وہی اصلی درجہ ہے ہمیں انکے لئے اسی کی دعا کرنی چاہئے۔

بریدِ شرق

مکتوبِ مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

فقید الشرق احمد سعد زغلول پاشا مرحوم

ذیل کی مراسلت معمول سے زیادہ طویل ہے۔ ہم نے بڑا حصہ حذف کر دیا ہے۔ اس پر بھی ہمیں خوف ہے کہ یہ آج کی اشاعت کا بڑا حصہ روک لے گا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ حادثہ کی غیر معمولی اہمیت اور شخص موضوع کی عظمت دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ اس کے لئے خصوصیت کے ساتھ جگہ نکالی جائے۔

مصر میں اس ہفتہ اہم ترین واقعہ، احمد سعد پاشا زغلول کی بالکل غیر متوقع وفات ہے۔ عین اُس وقت جبکہ میں اُن کی بحالی صحت، اور شاہ مصر کی سیاحت انگلستان کے نتائج پر بحث کرنا چاہتا تھا، اچانک یہ حادثۂ جانکاہ پیش آگیا۔ حیران ہوں اپنا یہ مکتوب کس طرح شروع کروں؟ مرحوم کی سوانح عمری بیان کروں؟ اُن نقصانات کا ذکر کروں جو اس واقعہ سے مصر کو پہنچ سکتے ہیں؟ اُن کے جنازہ کے شاندار جلوس کا ذکر کروں؟ اُنکی جلیل القدر حرم کا ماتم لکھوں؟ وہ نوحہ و بکا بیان کروں جو اسوقت تمام ملک میں برپا ہے، جس کا شور میں ان سطور کی تحریر کے وقت بھی سُن رہا ہوں، اور جس کا بیان یقیناً میری قدرت سے باہر ہے۔ میں شارع درب الجماميز میں مقیم ہوں۔ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں، ماتمی آثار و علائم سے غمناک ہیں۔ عورتوں اور بچوں تک کے چہرے انکے دلی حزن و ملال کی شہادت دے رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے، گویا قاہرہ کے ہر گھر میں اس کے کسی قریبی عزیز کا ماتم پیش آگیا ہے۔

آغاز مرض

۱۵ اگست کو مرحوم کے کان میں خفیف سا التہاب ظاہر ہوا اور بالآخر یہی شکایت مہلک ثابت ہوئی۔ وہ اپنے دیہاتی مقام "مسجد وصیف" میں مقیم تھے۔ مرض کی نوعیت دیکھ کر ڈاکٹروں نے رائے دی کہ فوراً قاہرہ واپس آجائیں۔ چنانچہ قاہرہ لائے گئے اور یہاں کے اطباء سے معائنہ کرایا گیا۔

قاہرہ پہنچ کر طبیعت بحال ہوگئی تھی۔ لیکن گزشتہ دوشنبہ کو مرض نے از سر نو حملہ کیا۔ بارہ بجے رات کو دائیں پہلو میں درد محسوس ہوا۔ منگل کے دن حرارت برابر بڑھتی رہی۔ صبح ۸ بجے مرحوم نے اپنی حرم سے اچانک کہا "میں ختم ہوگیا!" یہ کہتے ہی زبان بند ہوگئی، اور اسی دن یعنی ۲۳ اگست کی رات کو ۱۰ بجے طائر روح پرواز کر گیا! انا للہ وانا الیہ راجعون!

خبر کیونکر مشہور ہوئی؟

وفات کے دن صبح ہی سے مرحوم کے مکان میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وفات کے وقت ڈاکٹروں کے علاوہ مرحوم کے وفادار مرید اور بھانجے فتح اللہ پاشا برکات بھی بستر مرگ کے پاس موجود تھے۔ وفات کے بعد ہی وہ نیچے کی منزل میں اُتر کر آئے۔ حاضرین نے دوڑ کر حالت دریافت کی۔ مگر وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ سب حیرت میں تھے اور طرح طرح کے قیاسات لگا رہے تھے۔ اسی اثناء میں اوپر سے رونے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اس پر حاضرین دوبارہ فتح اللہ پاشا کی طرف دوڑے۔ وہ اب بھی چپ تھے۔ لیکن اُنھوں نے زور سے اپنے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ مارے۔ یہ اشارہ کافی تھا۔ ایک لمحہ کے لئے سب پر سناٹا چھا گیا۔ پھر بیک وقت سب کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں یہ حادثہ ایسا دل ہلا ڈالنے والا تھا کہ رونے پر کسی کو ملامت نہیں کی جاسکتی تھی۔ کہرام مچ گیا تھا۔ عین اُسوقت ڈاکٹر شفیق اُوپر سے اُتر کر آئے اور مضبوط آواز میں چلائے "سوگوار بیوہ پر رحم کرو! تمھارا رونا اُسے ہلاک کر ڈالے گا۔ سعد مر گئے، لیکن اگر تم چاہو تو اُنھیں اپنے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھ سکتے ہو"

مگر یہ وقت نصیحت سُننے کا نہ تھا۔ نالہ و بکا برابر بلند رہا۔ قرب و جوار کے لوگوں نے سُنا تو اُن پر بھی یہی حالت طاری ہوگئی چشم زدن میں یہ مشئوم خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ اب کوئی نہ تھا جو اس حادثۂ قوم و ملت پر ماتمی نہ ہو!

اُسی وقت تار کے ذریعہ تمام دُنیا میں خبر پھیل گئی۔

سعد پاشا کی بیوہ

سعد پاشا کی وفات پر اُن کی بیوی کا جو حال ہوگا، ظاہر ہے مصر میں ان دونوں کی محبت ضرب المثل اور تمام مردوں اور عورتوں کے لئے نمونہ تھی۔ سعد پاشا کو اُن سے اس درجہ محبت تھی کہ اگرچہ اُن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی مگر اُنھوں نے کبھی دوسری شادی کا خیال نہیں کیا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ مرحوم نے اپنی تمام دولت اور جائداد بھی اپنی بیوی کو باضابطہ ہبہ کر دی تھی۔ ظاہر ہے، ایسے وفادار شوہر کی موت اور پھر اُس شوہر کی موت جس کی عظمت ساری دنیا تسلیم کرتی تھی، اُس کی بیوی کے لئے کیسی عظیم مصیبت ہوگی؟ اوہر کئی سال سے یہ معزز خاتون بیمار ہے۔ ڈاکٹروں نے سختی سے ممانعت کر دی تھی کہ مریض کی خدمت میں حصہ نہ لے۔ مگر اُسنے صاف انکار کر دیا۔ وہ اس قدر ناتواں تھی کہ بمشکل چل سکتی تھی۔ اس پر بھی تیمارداری میں ہمہ تن مشغول رہتی تھی!

اخبارات نے وہ مؤثر مناجات شائع کر دی ہے جو بیوہ نے اپنے متوفی شوہر کی نعش کو مخاطب کر کے کی تھی۔

مجلس وزراء

اطلاع پاتے ہی مجلس وزراء کا ایک فوری جلسہ منعقد ہوا اور اُسنے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شائع کیا:

"وزارت، انتہائی رنج و الم کے ساتھ مصری قوم کو اُس کے عظیم رہنما، سعد پاشا زغلول کی وفات کی جانکاہ خبر پہنچاتی ہے۔ مختصر بیماری کے بعد موت کے بے پناہ ہاتھ نے قوم کے رہنما، اُس کی اُمیدوں کے مرکز، اُس کی بیداری کے قائد، اُس کی حمایت کے علم بردار کو ذرا بھی مہلت دیئے بغیر چھین لیا۔ خدا مرحوم پر اپنی رحمت نازل کرے اور قوم کو صبر جمیل عطا فرمائے"

جنازہ

رات بھر مرحوم کے مکان میں زائرین کا ہجوم رہا۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے تمام وزراء اور سفراء دول بھی پہنچ گئے۔ بارہ بجے دن کو نعش بالائی منزل سے نیچے لائی گئی۔ اُس پر صرف کفنی تھی۔ کوئی قیمتی چادر نہ تھی۔ نیچے آتے ہی پھولوں کی بارش شروع ہوگئی بے شمار ٹوکرے پھولوں سے بھرے ہوئے، لوگ اپنے ساتھ لائے تھے نعش دیکھ کر ایک مرتبہ پھر گریہ و بکا برپا ہوگیا!

اب مصری فوج بھی پہنچ چکی تھی۔ جنازہ سرکاری طور پر اُٹھنا طے پایا تھا۔ تمام سرکاری عہدے دار، امراء، وزراء، سفراء، پارلیمنٹ کے ممبر، مسلمان، قبطی، رومی، ارمن، یہودی فرقوں کے علماء، کاہن، ربی، اور احبار اپنے اپنے خاص لباس میں موجود تھے۔

جب تمام طیاریاں مکمل ہوگئیں تو سعد پاشا کی بیگم سیاہ نقاب منہ پر ڈالے برآمد ہوئیں۔ وہ ضعف سے چل نہیں سکتی تھیں۔ کئی عورتوں کے سہارے وہ اپنی موٹر تک پہنچیں، مگر بیٹھنے سے پہلے ہی بیہوش ہوگئیں۔ فوراً منعش دوائیں دے کر اُنھیں ہوش میں لایا گیا۔ اب وزراء اور فوجی افسروں نے نعش اپنے کاندھوں پر اُٹھائی اور توپ کی گاڑی پر رکھی۔ اسوقت کا منظر ناقابل بیان ہے معلوم ہوتا تھا، مصر کا آسمان و زمین ماتم کر رہا ہے۔ رونے والی عورتوں اور مردوں کی چیخیں باہم مل گئی تھیں۔ کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ نہیں معلوم رونے والوں میں کتنی قوت پیدا ہوگئی تھی، اور اُن کی آنکھوں میں آنسوؤں کے کتنے دریا سما گئے تھے کہ نوحہ و بکا کا سلسلہ کسی طرح بھی رُکنے پر نہیں آتا تھا!

مصری علم

اسوقت محبت و عقیدت کا ایک جھگڑا پیش آگیا۔ فوج کے افسروں نے نعش اُٹھانے سے پہلے کہا "جنگی روایات کی رُو سے ضروری ہے کہ مرحوم کی نعش پر مصر کا فوجی پرچم ڈالا جائے"، ساتھ ہی اُنھوں نے اپنا پرچم پیش بھی کر دیا۔ مگر مرحوم کی بیوہ نے اس سے انکار کیا۔ اُنھوں نے ایک ریشمی علم پہلے سے طیار کر لیا تھا۔ اُنھوں نے اصرار کیا کہ نعش اسی میں لپیٹی جائے۔ مجبوراً افسروں کو اپنی ضد سے باز رہنا پڑا۔

اس کے بعد ملکی افسروں نے کہا "مرحوم کے تمام تمغے اُن کی نعش پر رکھے جائیں، کیونکہ وہ ہماری جماعت کے آدمی تھے" مگر بیگم زغلول نے اس سے بھی انکار کیا۔ اُنھوں نے کہا "سب سے بڑا تمغہ مصری علم ہے۔ اس تمغہ پر کوئی دوسرا تمغہ نہیں رکھا جاسکتا"

جوں ہی نعش توپ پر رکھی گئی، منادی نہایت ہی بلند آواز سے چلایا "لا الہ الا اللہ — البقاء للہ" ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے "رحماک یا سعد!" عورتیں چلائیں "فلتحی ذکری سعد!"

ایک عجیب قیامت برپا ہوگئی۔ اگر فوج اور پولیس کا انتظام غیر معمولی نہ ہوتا تو یقیناً بے شمار جانیں ضایع جاتیں۔ کیونکہ نعش کے بلند ہوتے ہی ہزاروں آدمیوں نے بیک وقت آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ سعد کی نعش کا بوسہ لے لے، یا کم سے کم اُسے چھو ہی لے۔ مگر فوج اور پولیس نے پُرجوش مجمع کو روک دیا اور ٹھیک ۴ بجے جنازہ روانہ ہوگیا

جلوس میں سب سے آگے فوج کا ایک بڑا دستہ اپنا جنگی باجا بجا رہا تھا۔ اُس کے بعد مزدوری پیشہ طبقہ کی مختلف جماعتیں تھیں۔ ریلوے کے مزدور، کارخانوں کے مزدور، گاڑی بان، لوہار، حجام، غرضکہ مختلف پیشہ وروں کی علحدہ علحدہ صفیں تھیں۔ انکے پیچھے پھر فوج اپنے باجے کے ساتھ تھی۔ اس کے پیچھے مختلف تجارتی کمپنیوں کے مزدور اور کارکن تھے۔ پھر پولیس خانوں کے مزدوروں کی صفیں، انکے بعد تھیں۔ پھر.....

مگر میرے لئے یہ تمام تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ صرف اس قدر کہدینا کافی ہے کہ قاہرہ میں جتنی جماعتیں اور فرقے موجود ہیں، جتنے مدارس قائم ہیں، جتنی انجمنیں، ..... بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ جتنی بھی مخلوق موجود ہے، اُس کا بڑا حصہ جنازے کے ساتھ تھا کنان موجود تھا!

اس جلوس میں ایک قابل ذکر بات یہ بھی تھی کہ اُس میں ہر طرف ہلال اور صلیب، دونوں کے علم بلند تھے۔ دونوں ہوا میں ہلتے تھے اور ہم آغوش ہوجاتے تھے۔ یہ نظارہ نہایت ہی پُراثر تھا۔ یہ اس حقیقت کا پیش کر رہا تھا کہ مصر میں اب ایک ہی عنصر باقی ہے، اور وہ آزادی کا مصری قوم ہے۔ اور یہ کہ سعد زغلول کسی ایک فرقہ کا رہنما نہ تھا، بلکہ سب کے تمام فرقوں کا یکساں طور پر رہنما تھا۔ وہ جس طرح مسلمان مصریوں کا محبوب تھا، اُسی طرح مسیحی مصریوں کا بھی محبوب تھا!

نماز جنازہ

ٹھیک ۶ بجے جنازہ، مسجد قیتون میں پہونچا۔ یہاں لاکھوں مخلوق نے نماز جنازہ ادا کی۔ صفوں میں سیکڑوں قبطی عیسائی، اور مصری یہودی بھی مسلمان نمازیوں کے دوش بدوش کھڑے تھے، اور اپنے سردار کی مغفرت کے لئے رب العالمین سے الحاح وزاری کر رہے تھے!

قبر پر!

نماز کے بعد جنازہ پھر آگے بڑھا اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا۔ قبر کے قریب پہنچکر جلوس رکا۔ آدمیوں نے گاڑی پر سے نعش اُتاری۔ ان میں دو قبطی عیسائی بھی شامل تھے۔ قبر میں نعش اُتارنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ اس وقت کا ماتم ناقابل بیان ہے۔ دُنیا کا کوئی قلم بھی اُسے نہیں لکھ سکتا ایسا ماتم تھا کہ دل ہلے جاتے تھے۔ معزز آدمی بیہوش ہوکر گر پڑے!

اس تمام دوران میں قلعہ سے توپیں دغتی رہی تھیں۔ مسجی گرجوں کے گھنٹے بج رہے تھے۔ تکبیروں کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ قاہرہ، پورے معنی میں نشانِ غم بن گیا تھا۔

مٹی دینے سے پہلے فتح اللہ باشا برکات قبر میں اُترے اور مرحوم کو آخری سلام کرکے نکل آئے۔

وزیر داخلیہ کی تقریر

اس مؤثر موقعہ پر جعفر والی باشا وزیر داخلیہ کھڑے ہوئے اور کہا:

"سعد، مرگیا۔ اُف، کیسی سخت مصیبت درپیش ہے! یہ ایسی مصیبت ہے جس کا غم کبھی دُور نہیں ہوگا۔ سعد پاشا نے جن اعلیٰ اصول پر اپنی زندگی قربان کی، الحمدللہ اب وہ اصول تمام مصری قوم کے دلوں میں راسخ ہو چکے ہیں۔ اگر یہ جلیل القدر وجود اپنے جسم سے دُور ہوگیا ہے، تو کوئی مضائقہ نہیں، اُس کی روح ہمارے اندر برابر زندہ رہے گی۔ ہم سب ایک ایک کرکے اسی طرح مرجائیں گے، مگر قوم اس شخص کی پیدا کی ہوئی رُوح سے ہمیشہ زندہ رہے گی!"

پارلیمنٹ کی تعزیت

وفات کے دوسرے دن پارلیمنٹ کے تمام ممبر "بیت الامہ" (یعنی قوم کا گھر۔ یہ اُس مکان کا نام ہوگیا ہے جس میں سعد پاشا رہتے تھے) میں جمع ہوئے، اور بیگم زغلول کے سامنے حسب ذیل تقریر کی:

"مرحوم ومغفور رہنما کی حرم محترم!

"یہ موقعہ ہمارے لئے نہایت ہی دردناک ہے کہ بیت الامہ میں جبکہ وہ سعد سے خالی ہوچکا ہے، اُس کی رفیق حیات کی تعزیت کو حاضر ہوں۔

"معزز خاتون! مصری قومیت کی تعمیر میں سعد نے پہلی اینٹ رکھی۔ اُسنے پوری سرزمین مصر کو ایک قوم بنا دیا اور اُس کا ایک ہی نعرہ قرار دیدیا۔ وہ نعرہ، کامل آزادی کا نعرہ ہے۔ اُسنے پوری قوم کی ایک صف بنادی۔ خود آگے کھڑا ہوا، اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُسنے آزادی کی صفیں آگے بڑھائیں۔ عزت وعظمت کی راہوں میں داخل ہوا۔ تمام مشکلیں حل کرڈالیں۔ رکاوٹیں دُور کردیں اپنی بے نظیر قربانیوں سے منزل مقصود قریب کردی۔ اپنی بے مثل سجاعت سے ناممکن کو ممکن بنادیا!

"سعد، دستوری حکومت کا باپ تھا، محافظ تھا، سپہ سالار تھا، سپاہی تھا۔ پارلیمنٹ کا سب سے پہلے کھولنے والا تھا۔ منبر خطابت کو سب سے پہلے ہلا ڈالنے والا تھا۔ حکومت کے ایوان میں سب سے پہلے اُسی کی حق گو آواز گونجی تھی!

"سعد ہی نے پارلیمنٹ کے اصول مقرر کئے۔ ضوابط بنائے۔ دستور العمل مرتب کیا۔ اُس کی عزت بڑھائی۔ اُس میں عظمت پیدا کی اُسے قوت بخشی۔ اپنے جاہ وجلال کا ایک عظیم پرتو اُس پر ڈالا، اور وہ پُرجاہ اور پُرجلال بن گئی.....

"سعد اپنی صدارت کی کرسی پر حق وباطل کی سچی میزان تھا۔ دُور اور نزدیک کے لئے روشنی کا ستون تھا۔ فصاحت میں صادق البیان تھا۔ پیری میں شباب عزم تھا۔ فیصلہ کی عظمت تھا۔ لفظ میں بلاغت تھا۔ حجت بالغہ تھا۔ آیۃ اللہ تھا۔ ہدایت کا نور تھا عقل کا ستون تھا۔ خطابت کا امام تھا.....

"محترم خاتون! اسوقت جبکہ حزن وملال نے آپ کو اپنی موجوں میں لے لیا ہے، اور جبکہ سعد پر رب کریم کی نظر عنایت پڑ رہی ہے، ہم اپنے زخمی دلوں کے ساتھ تعزیت پیش کرتے اور تم کھاتے ہیں کہ جب تک زندگی باقی ہے کامل آزادی کے حصول کی جدوجہد جاری رکھیں گے اور پورے اتحاد واتفاق کے ساتھ دستور حکومت کی حفاظت کریں گے۔

"محترم خاتون! سعد نہ آپ کا تھا نہ ہمارا تھا۔ وہ خدا کا تھا اور وطن کا تھا۔ اُسنے اپنی تمام جرأت وہمت، عظیم قربانیاں، عزم راسخ، غرضکہ جتنی بھی مافوق العادت قوتیں اُسے ملی تھیں، سب کی سب اپنے وطن کی خدمت پر وقف کردی تھیں، یہاں تک کہ موت آگئی، اور اُسے شہادت نصیب ہوئی۔ سعد، شہید وطن ہے!

"سعد اپنی قبر میں آرام سے سوئے، کیونکہ وہ اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ گیا ہے جو اُسے کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ پس سعد پر اُس کی زندگی میں سلام ہو اور موت کے بعد قبر میں بھی....."

تقریر یہاں تک پہنچی تھی کہ فتح اللہ باشا نے بالائی کمرے سے چلاکر کہا: "حضرات! سعد باشا کی حرم محترم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ خاموش ہوجائیے۔ وہ کہتی ہیں آپ کی تقریر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ آپ کی ہمدردی کی ازحد شکر گذار ہوں۔ میری زبان اس کے اظہار سے قطعاً عاجز ہے۔ خدا سے میری دعا ہے کہ آپ سب کے سلامت رکھے۔ زندہ باد مصر!"

سعد پاشا کی حرم کا بیان

صفیہ ہانم زوجہ محترمہ سعد پاشا مرحوم نے قوم کے نام حسب ذیل بیان شایع کیا ہے:

"میرے فرزندو!

"اگر سعد، جوار خداوندی میں پہنچ چکا ہے، مجھ اکیلی کا سعد ہوتا، تو اُس کی موت پر تمھاری تعزیتوں کا شکریہ ادا کرتی لیکن وہ پورے مصر کا سعد تھا۔ وہ مصر کا سپہ سالار تھا۔ امین تھا۔ اُسکی موت کی مصیبت، خود تمھاری مصیبت ہے۔ اُس کا ماتم خود تمھارا ماتم ہے۔ اگر مجھے شکریہ ادا کرنے کا کوئی حق پہنچ سکتا ہے تو وہ صرف اسی لحاظ سے کہ اُس کی محبت مجھے حاصل تھی۔ اُس کی نیکی مجھ پر دائمی تھی اُس کے نام کی عزت مجھے نصیب ہوئی تھی۔ اُس کی وجہ سے تمھاری محبت اور قومی حکومت کی شفقت مجھے میسر آئی۔ اگر اتنا حق میرے لئے منظور کرو تو میرا شکریہ قبول کرلو۔ ایسا شکریہ، جس کے اخفا کی قدرت میرے دل میں نہیں ہے اور جس کے اظہار سے میری زبان قاصر ہے!

"میرے بچو! سعد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک اعلیٰ مطمح نظر تھا۔ سعد مرگیا، مگر الحمدللہ یہ مطمح نظر ہنوز باقی ہے۔ اُس کی محبوب شکل ہم سے اوجھل ہوگئی، مگر اُس کی قیمتی یاد ہمارے دلوں میں زندہ رہ گئی، والذکریٰ تنفع المؤمنین!

"اگرچہ اُس کی جدائی کے غم نے ہمارے دل توڑ ڈالے ہیں لیکن آؤ، اس غم کو مزید حمیت وشجاعت کا ذریعہ بنائیں۔ یہ غم ہماری ہمتیں بلند کرنے والا اور ہم میں ایک بالکل نیا جوش پیدا کرنے والا ہو کیونکہ شریف غم ایک ایسی قوت پیدا کردیتا ہے جو بے روک ہوتی ہے، ایسی ہمت لاتا ہے جو لامتناہی ہوتی ہے۔ اگر سعد کا ہم پر کوئی حق ہے تو وہ حق یہی ہے کہ ہم امید کو نہ چھوڑیں، کیونکہ یہ پودا اُسی کا لگایا ہوا ہے ہم اُس کے حسن ظن کے مطابق ثابت ہوں۔ اُس کا کام پورا کریں۔ اُس کی رکھی ہوئی بنیاد پر اپنی عمارت کھڑی کردیں۔ مصر کو یاد رکھیں مصر کے سوا سب کچھ بھول جائیں۔ مصر ہی ہمارا مبتدا ومنتہا ہے۔ اُسی سے پیدا ہوئے ہیں اور اُسی کی خاک میں مل جانے والے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرینگے تو یقین کرو، سعد کو اپنی صفوں میں پائیں گے۔ بلکہ ہر خادم وطن، ہر مجاہد وطن، سعد کو اپنے دل کے اندر دیکھے گا۔ یہ اس لئے کہ سعد، جس سے ہم محبت کرتے اور جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہتے ہیں، دراصل ہمارا وہ مطالبہ حق ہے جس کے لئے ہم کوشاں ہیں۔ یعنی آزادی، یعنی خود مختاری۔ اسی پر ہم جینگے اور اسی پر مرینگے!

"میرے عزیزو! آج مصر تمھاری طرف دیکھ رہا ہے، تم بھی اُسے دیکھو۔ وہ تمھیں پکار رہا ہے، تم بھی اُس کی آواز سنو۔ تم نے کبھی اُس کی پکار سے کان بند نہیں کئے۔ آج پھر اُس کی طرف دوڑو، بے شک سعد مرگیا، مگر مصر زندہ رہے! بے شک قوم کا رہنما مرگیا، مگر قوم زندہ رہے! قومی آرزوؤں کا نشان مٹ گیا مگر قومی آرزوئیں زندہ ہیں۔ آؤ ہم بڑھ کر سعد کا جھنڈا اپنے کاندھوں پر اٹھا لیں۔ وہی اللہ جس نے مصر کے لئے ظلمت غفلت کے بعد نور بیداری کی راہ باز کردی تھی، ہمیں آیندہ بھی راہ راست دکھائے گا، اور قوم کے لئے سعد کا غم ابدی پیدا کردے گا....."

سعد پاشا کی یادگار

مجلس وزارت نے سعد پاشا کی یادگار قائم کرنے کے لئے حسب ذیل تجویزیں منظور کی ہیں:

(۱) مرحوم کا ایک بلند مجسمہ قاہرہ میں اور ایک اسکندریہ میں قائم کیا جائے۔ یہ دونوں مجسمے مرحوم کو حالت خطابت میں ظاہر کرینگے۔

(۲) "بیت الامہ" (سعد پاشا کا مکان) خرید کر قومی عمارت بنادی

جائے۔ اُس کا نام بدستور یہی رہے گا۔ مرحوم کی بیوہ کو زندگی بھر اُسمیں رہنے کا حق ہوگا۔

یہ مکان مرحوم نے ۱۹۰۱ء میں تعمیر کیا تھا۔ اور اپنی حرم محترم پر وقف کر دیا تھا۔ وزارت نے طے کیا ہے کہ مکان کا وہ تمام سامان اُسی ترتیب سے باقی رکھا جائے گا، جس طرح مرحوم کی وفات کے وقت تھا۔ حتیٰ کہ مرحوم کے کپڑے بھی محفوظ رکھے جائیں گے۔ ان کپڑوں میں ایک سرخ جبہ بھی ہے جو وہ اپنے وطنی لباس کے اوپر پہنا کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی تمام سامان علیٰ حالہ رکھا رہے گا۔ گھر کی ہر چیز پر لکھا جائے گا کہ کب خریدی گئی؟ کیوں خریدی گئی؟ اور مرحوم اُس سے کیا کام لیتے تھے؟

(۳) بیت الامہ ہی میں مرحوم کی نعش دفن کی جائے گی۔ اُن کی موجودہ قبر عارضی ہے۔ اس نئے انتظام کی تکمیل اور جدید شاندار مقبرے کی تعمیر کے بعد نعش یہاں منتقل کر دی جائے گی۔

(۴) سعد پاشا "ابیانہ" گاؤں کے جس مکان میں پیدا ہوئے تھے، وہ بھی خرید لیا جائے اور اُس میں شفاخانہ یا مدرسہ جاری کر دیا جائے۔

(۵) پایۂ تخت میں ایک عظیم الشان شفاخانہ یا یتیم خانہ قائم کیا جائے اور مرحوم کے نام پر اُس کا نام رکھا جائے۔

تعزیت کے پیغام

بیگم زغلول کے نام دنیا بھر سے تعزیت کے پیغام آ رہے ہیں۔ بڑے بڑے آدمیوں اور بادشاہوں نے تار بھیجے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا پیغام سلطان ابن سعود اور اُن کے بیٹے امیر فیصل کا تھا۔ ان دونوں نے نہایت رنج و ملال کا اظہار کیا ہے اور اس حادثہ کو تمام مشرق کے لئے عظیم خسارہ بتایا ہے۔ اگر میں ان تمام پیغاموں کا ذکر کروں تو چٹھی بہت طویل ہو جائے گی۔

یورپین اخبارات کے افکار

یہ معلوم کرنا نہایت اہم ہے کہ زغلول پاشا کی وفات کو یورپ کے اخبارات نے کس نظر سے دیکھا ہے؟ خصوصاً برطانی اخباروں نے کس طرح اظہار خیال کیا ہے؟

ٹائمس آف لندن لکھتا ہے:

"زغلول پاشا نے معاملات مصر میں جو حصہ لیا، اُس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ کچھ ہی ہو، لیکن یہ یقینی ہے کہ تاریخ اُنھیں مصر جدید کا سب سے بڑا آدمی شمار کرے گی۔ وہ اپنے اندر ایک حیرت انگیز زندہ روح رکھتے تھے، اگرچہ زیادہ مضبوط جسم کے مالک نہ تھے۔ وہ اپنی جسمانی بناوٹ اور شکل و صورت میں مصری "فلاح" (کسان) کا مکمل نمونہ تھے زبردست شخصیت اور اخلاق رکھتے تھے۔ خلاق عادت شجاعت شدید صراحت، اُن کی نمایاں صفت تھی۔ بڑی قوت استدلال، مسکت حجت، حاضر جوابی، خوش گفتاری، اور حیرت انگیز خطابت نے اُنھیں نہایت ممتاز کر دیا تھا۔ محمد علی پاشا اول خدیو مصر کے عہد سے آج تک کسی نے بھی فرعون کی سرزمین میں اتنی مقبولیت، اخلاقی اقتدار، اور عام محبوبیت حاصل نہیں کی جتنی زغلول پاشا نے حاصل کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ مصر جدید کی تاریخ میں وہ پہلے سیاسی رہنما ہیں جنھوں نے قوم کے دل و دماغ، دونوں پر یکساں اثر ڈالا اور ملک کی سیاسی تربیت کی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مشرقی رہنما، مغربی رہنماؤں کے مقابلے میں جلد بوڑھے ہو کر معطل ہو جاتے ہیں، لیکن سعد زغلول، اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک چست و چالاک رہے اور سخت سے سخت دماغی محنت انجام دیتے رہے۔ تاریخ میں بہت کم انتہا پسند انقلابیوں کے نام ملتے ہیں۔ جو ۵۰ سال کی عمر کے بعد بھی اپنا سیاسی اقتدار اور مقبولیت برقرار رکھ سکے ہوں۔ لیکن زغلول پاشا اپنے آخری وقت تک محبوب و مقبول رہے۔ اُن کی عمر جتنی زیادہ ہوتی گئی، اُسی قدر زیادہ اُن میں سیاسی جوش اور انقلابی روح بیدار ہوتی گئی ... برطانیہ نے زغلول کو جلا وطن کیا تھا۔ لیکن اس عظیم انسان کے دل میں اس وجہ سے کوئی بغض پیدا نہیں ہوا۔ برطانیہ نے دیکھ لیا تھا کہ یہ اُس کا ایک ایسا دشمن ہے جو خندہ پیشانی سے ہر طرح کی ضربیں برداشت کر سکتا اور پورے حواس سے اُن کا جواب دے سکتا ہے۔ کوئی شخص بھی اس "فلاح" کی شجاعت پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا، جس نے بے شمار مخالف قوتوں سے مقابلہ کیا اور سب کو بالآخر اپنے ارادے کے سامنے جھکا لیا ....!"

ڈیلی نیوز لکھتا ہے:

"زغلول، سالہا سال سے مصر کا معبود تھا۔ سیاسی جنگ میں اُس کی شجاعت و بسالت بے نظیر تھی۔ وہ اپنی قوم کو کامل خود مختاری کی طرف لے جا رہا تھا۔ لارڈ کرزن نے ایک مرتبہ کہا تھا "زغلول، شورش کا غیر مسئول علم بردار ہے!" لیکن کچھ ہو، وہ اپنے ملک کی آزادی چاہتا اور انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ مصریوں کے دل میں اُس کی عزت بے حساب تھی۔ وہ ہمارا شریف اور بہادر دشمن تھا"

منچسٹر گارڈن لکھتا ہے:

"زغلول پاشا، تمام مصریوں میں ایک آدمی تھا۔ اُس کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُسے ۳ مرتبہ جلا وطن ہونا پڑا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی کہ اُسے جاہ و منصب کا لالچ دے کر ملا لیں، مگر اُس نے ہمیشہ انکار کیا، اور کامل خود مختاری کے سوا کبھی کچھ قبول کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ سعد پاشا کی ذہانت، اخلاق، خوش مزاجی، ایسی تھی جس کی نظیر مغلوب قوموں کے رہنماؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی"

یہ انگلستان کے متعصب سے متعصب اخبارات کے خیالات ہیں لیبر پارٹی کے اخبارات نے تو اس سے بہت زیادہ لکھا ہے۔ اختصار کے خیال سے ہم ان کا ذکر نہیں کر سکتے۔ یہ تمام رائیں تار کے ذریعہ قاہرہ کے اخبارات میں پہنچی ہیں اور ابھی ان کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

اسی طرح فرانسیسی اخبارات نے بھی طویل و عریض مضمون شائع کئے ہیں اور مرحوم کی بہت تعریف کی ہے۔

نیم سرکاری اخبار "طان" لکھتا ہے: سعد پاشا، مصر کے اس وقت سب سے بڑے آدمی تھے۔ اُن کی زندگی کا اکثر حصہ، اپنے ملک کے لئے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں گزرا۔ وہ دنیا بھر کی نظروں میں معزز و محترم تھے ..."

"ایکو ڈی باری" لکھتا ہے "زغلول، مصر کا عظیم آدمی تھا۔ آزادی کا علم بردار تھا۔ مصر میں اُس سے بڑا کوئی آدمی موجود نہ تھا..."

اخبار "دیبا" لکھتا ہے "سعد کی موت نے مصر کو اپنے سب سے بڑے رہنما سے محروم کر دیا۔ اُس کی شخصیت، بہت ہی عظیم تھی..."

مکتوب بہت دراز ہو گیا ہے۔ آیندہ ہفتے انشاء اللہ میں دکھاؤں گا کہ سعد پاشا کی موت کا اثر مصر کی سیاست پر کیا پڑ سکتا ہے؟ اور انگریز اُس سے فائدہ اُٹھانے کی ابھی سے کیسی طیاریاں کرنے لگے ہیں؟ لیکن قلم روکنے سے پہلے میں بہت ہی اختصار کے ساتھ مرحوم کی سیاسی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب سمجھتا ہوں۔ تاکہ آپکے قارئین اندازہ کر سکیں کہ یہ عظیم زندگی کیونکر شروع ہوئی اور کس طرح موجودہ بلندی تک پہنچی؟

سعد پاشا کی زندگی پر ایک نظر

وہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔

"۵ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو شیخ سعد زغلول ازہری طالب علم کی سرکاری اخبار الوقائع المصریہ کے ادارۂ تحریر میں تقرری ہوئی۔ ۸۰۰ قرش (ایک قرش ۲ر کا ہوتا ہے) ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی۔ یہ طالب علم خوش اطوار ہے۔ شیخ محمد عبدہ نے اُس کے چال چلن کی تصدیق کی ہے" یہ عبارت ایک سرکاری فرمان سے اخذ کی گئی ہے۔ اُس وقت مرحوم، ازہر کے طالب علم تھے اور "شیخ سعد زغلول" کہلاتے تھے۔

یکم فروری ۱۸۸۲ء کو اُن کی تنخواہ ۹۳۳ قرش ہو گئی۔

۳ مئی ۱۸۸۲ء کو "سعد آفندی زغلول" کا تبادلہ وزارت داخلیہ کے محکمہ میں ہو گیا اور تنخواہ ۱۵ پونڈ مقرر ہوئی۔

۶ ستمبر ۱۸۸۲ء کو "جیزہ" کی کمشنری میں محافظ دفتر کاغذات سرکاری مقرر ہوئے۔

۲۷ جون ۱۸۹۲ء میں ۴۵ پونڈ تنخواہ پر درجہ دوم کے مجسٹریٹ مقرر ہوئے

یکم فروری ۱۸۹۴ء میں تنخواہ ۵۵ پونڈ ہو گئی۔

یکم جنوری ۱۸۹۷ء میں تنخواہ ۶۰ پونڈ قرار پائی۔

۸ اپریل ۱۸۹۹ء میں اُنھیں پہلا سرکاری تمغہ دیا گیا۔

۱۲ جنوری ۱۹۰۴ء میں اُنھیں میتر انشان مجیدی عنایت ہوا۔

یکم جنوری ۱۹۰۶ء میں اُن کی سالانہ تنخواہ ایک ہزار پونڈ ہو گئی۔

۲۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں "سعد زغلول بک" وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔

۱۲ نومبر ۱۹۰۶ء میں "پاشا" کا خطاب ملا۔

۱۸ جنوری ۱۹۰۸ء میں "مجیدی اول" کا تمغہ ملا۔

۲۳ فروری ۱۹۱۰ء میں محکمۂ عدالت کے وزیر مقرر ہوئے۔

۲۷ جنوری ۱۹۲۴ء میں وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

۲۳ مارچ ۱۹۲۵ء میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر مقرر ہوئے۔

۱۰ جون ۱۹۲۶ء میں دوسری مرتبہ پارلیمنٹ کے صدر منتخب ہوئے۔

۲۳ اگست ۱۹۲۷ء میں فوت ہو گئے۔

اطلاع ضروری

(۱)

بارش کی وجہ سے مطبع الہلال کے مشین روم کے بعض حصے کئی ہفتہ سے کمزور ہو گئے تھے، خصوصاً وہ ستون جن کے ذریعہ مشین موٹر سے ملحق کی گئی ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کام کے روکے بغیر درستگی کی جا سکے لیکن کوئی صورت نہ نکل سکی۔ مجبوراً اس ہفتہ کا کام ختم کر کے ان کی از سر نو تعمیر شروع کر دی جاتی ہے۔ ہم پوری کوشش کرینگے کہ آیندہ نمبر کسی نہ کسی طرح نکل جائے، لیکن اگر کامیابی نہ ہوئی تو اس صورت میں آیندہ جمعہ کا پرچہ جاری نہ ہو سکے گا، اور اُس کے بعد کے جمعہ کو نکلے گا۔ خریداران الہلال کو اگر پیر تک پرچہ نہ ملے، تو وہ سمجھ لیں کہ پرچہ شائع نہیں ہو سکا ہے۔ یہ ہفتہ خریداروں کی سالانہ قیمت میں محسوب نہ ہوگا۔ "منیجر"

(۲)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس وقت تک مولنا ابوالکلام کے اُن مضامین کی اشاعت شروع نہیں ہوئی ہے جس کا اُن کے احباب کو انتظار تھا۔ بجز باب التفسیر کے اور وہ بھی ہر نمبر میں مسلسل نہیں ہے۔ اُن حضرات کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ الہلال جاری کرتے ہوئے اُنھوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جس وقت تک مقدمہ اور تفسیر کی ابتدائی جلدوں کی از سر نو تحریر سے وہ فارغ نہیں ہونگے، الہلال کے لئے پورا وقت نہیں نکالیں گے۔ اب وہ ایک حد تک فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اُنھوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ سفر شملہ سے واپسی کے بعد اس کے لئے کافی وقت نکالیں گے۔

منیجر

ادبیات

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا!

مرحوم سعد باشا زغلول کی بلیغ تقریریں

مرحوم احمد سعد باشا زغلول کی فصاحت و بلاغت اور قوت خطابت مشہور عالم ہے۔ اُن کی مقبولیت اور سیاسی زعامت کی کامیابی میں ایک بڑا راز اُن کی یہی ساحرانہ خطابت ہے۔ ہم چاہتے ہیں اُن کی بعض مشہور تقریروں کے اقتباسات وقتاً فوقتاً شایع کرتے رہیں۔ ادبی خوبیوں کے علاوہ ان سے مرحوم کا سیاسی مذہب اور فکری رجحان بھی معلوم ہوگا۔

شہیدانِ وطن کی یاد

"یہ تن خشوع ہو کر اُن پاک روحوں کی طرف، بہادروں کی روحوں کی طرف، متوجہ ہوتا ہوں، جنھوں نے حق کا اعلان کیا، حالانکہ حق کا اعلان، مصر میں سب سے بڑا جرم تھا!

"وہ حق کا ڈنکا بجاتے آگے بڑھے۔ اُن کی بے لاگ شجاعت نے ہمیں سخت رُو کر دیا۔ سب کو وطن کے احترام پر مجبور کر دیا۔ وہ اپنا فرض انجام دے چکے۔ اب وہ آرام سے اپنی قبروں میں سوئیں۔ آزادی کی سُہانی صبح اُن کے خون سے نہائی ہوئی، غلامی کی ظلمت چاک کر کے نکل آئی۔ الہٰی اُن کی قبریں روشن کرے۔ فردوس بریں میں اُنھیں اُتارے ہمارے عمل سے اُن روحوں کو خوش کرے"

نوجوان

"میری قوم کی جوانی پر خدا کا سایہ! نوجوانوں نے جوانی کے اُن تمام خزانوں کے مُنہ کھول دیئے جو اُن کے سینوں میں بند تھے۔ پُورے ملک کو جوش اور خودداری سے لبریز کر دیا۔ دلوں میں عظمت پیدا کی، سَروں میں حکمت آثاری جسموں میں نظام قائم کر دیا۔ نوجوان ہی ہماری تحریک کا اصلی ستون ہیں۔ مقصد کے لئے روشنی کا مینار ہیں۔ مستقبل اُنھیں کے ہاتھ میں ہے۔ اور نوجوان ہاتھوں کی قوت معلوم ہے"

علماء دین

"میں علماء اسلام اور مسیحی قسیسوں کا شکر گزار ہوں۔ اُنھوں نے متحد ہو کر دشمن کی سب بڑی حجت باطل کر دی۔ تمام اختلافات دُور کر دیئے، اور ثابت کر دیا کہ سب دین اپنی غرض میں ایک ہیں۔ سب وطن کی مدافعت فرض قرار دیتے ہیں، سب کا تعلق، خالق ارض وسماء کی عبادت سے ہے۔ سب وطنی مصلحت میں مخلوق کو اتحاد کی دعوت دیتے ہیں"

اصول نہ کہ اشخاص

"سعد اور اُس کے رفیق، تم میں انبیاء نہیں ہیں جنھوں نے معجزے دکھائے۔ اولیاء نہیں ہیں جنھوں نے کرامتیں دکھائی ہیں۔ وہ تمھارے ہی افراد ہیں۔ تمھارے اصول کے خدمتگذار ہیں۔ تمھارے ہی آدمی ہیں، تمھارے شعور کا اُنھوں نے احساس کیا اور تمھارے اصول سے لبریز ہو گئے۔ چنانچہ وہ اُن کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پس ہمارے لئے کوئی فخر نہیں۔ اور اگر ہو تو وہ تم سب کا فخر ہے۔

"بلاشبہ میں نے کچھ خدمت کی ہے۔ لیکن میں نے کوئی قربانی نہیں کی، کیونکہ میں بے روزگار تھا۔ البتہ میرے ساتھیوں نے قربانیاں کی ہیں۔ اُنھوں نے اپنے منصب اور عہدے چھوڑے، حتیٰ کہ اپنی اولاد تک کی جُدائی گوارا کی، اور آپ جانتے ہیں کہ میرے کوئی اولاد بھی نہیں (اسیر حاضرین پکار اُٹھے "ہم سب آپ کی اولاد ہیں") بلاشبہ تم سب میری اولاد ہو۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تمام افتخار اشخاص کے لئے نہیں، اصول کے لئے ہے۔ وہ اصول، سعد اور سعد کے رفقاء سے کہیں بلند ہے"

اتحاد

"میری نظر میں سب سے بڑی اور محبوب چیز مسلمانوں اور قبطیوں کا اتحاد ہے۔ یہ علم، جو اس مبارک اتحاد کا نشان ہے، مجھے دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ علم میرے ہاتھ میں دے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی پوری قوت سے اُس کی حفاظت کروں گا اور زندگی کے آخری لمحے تک اُسے بلند رکھوں گا۔ "مسلمان" اور "عیسائی"! لیکن میں مسلمان اور عیسائی نہیں چاہتا۔ مصر میں صرف ایک قوم ہونا چاہئے اور وہ مصری قوم ہے"

وکالت

وکلاء کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مرحوم نے کہا:

"میری خدمتوں کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ میرے لئے ان خدمتوں پر فخر کرنا روا نہیں ہے لیکن میں آپ کی اجازت سے صرف اس بات پر فخر کرنا چاہتا ہوں کہ میں وکالت کے پیشے میں داخل ہوا اور اُس کی خدمت کی۔

"ہاں، میں اس خدمت پر بہت زیادہ فخر کرتا ہوں۔ مجھے کوئی انانیت کا الزام نہ دے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں اُس زمانے میں اس پیشہ کا کیا حال تھا؟

"میں نے وکالت کا پیشہ اُس وقت اختیار کیا جب یہ پیشہ معزز نہ تھا، جیسا اب ہے۔ بلکہ وہ حقیر سمجھا جاتا تھا اور اُس کے آدمی بھی حقیر سمجھے جاتے تھے۔ یہ پیشہ اصل میں جس قدر شریف تھا، ہمارے ملک میں اُسی قدر ذلیل ہو گیا تھا۔ وکیل اور دغاباز، یہ دونوں لفظ ہم معنی سمجھے جاتے تھے۔ اونچے خاندان کا کوئی رکن بھی اُس میں داخل نہیں ہوتا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اُس وقت خود وکلاء کو بھی اپنی عزت نفس کا کوئی خیال نہ تھا۔

"لیکن یہ سب جانتے بوجھتے بھی میں اس پیشہ میں در آیا۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی اخلاقی شجاعت کا کام تھا۔ میں سُنا کرتا تھا کہ لوگ وکیل اس لئے بنتے ہیں کہ مکر و فریب کی راہوں سے دولت کمائیں۔ میں نے کہا لیکن میں اس لئے وکیل بنوں گا کہ حق و عدالت کی خدمت کر سکوں

"یہ اُس وقت کی بات ہے جب وکیل، حاکم عدالت کے رحم پر ہوتا تھا اُس کی ذرا سی ناراضی بھی، وکیل کو اپنی کمائی سے محروم کر دیتی تھی۔

"ایک دن ایسا ہوا کہ میں ایک مقدمہ پر بحث کر رہا تھا کہ وکیل نے کہا آج پیشی بڑھا دی جائے۔ میں نے اعتراض کیا۔ پیشی کا التوا ناروا ہے، کیونکہ ملزموں کو قید خانے میں بلاسبب رکھنا ناجائز ہے۔ حاکم خفا ہو گیا۔ "فوراً اپنے الفاظ واپس لو" حاکم نے کہا۔ "عدالت کے لئے کوئی بات بھی ناروا اور ناجائز نہیں" لیکن میں نے الفاظ واپس لینے سے انکار کیا اور سخت صورت حال کا مقابلہ کیا۔

"اسی طرح کے بہت سے واقعات پیش آتے رہے، یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب یہ پیشہ معزز ہو گیا اور حکام، وکلاء کی دوستی پر فخر کرنے لگے"

قومی نگرانی کے حدود

"ہم قوم کے نمائندے ہیں۔ قوم کو ہماری نگرانی کا حق ہے قوم کا فرض ہے کہ وہ اپنا مطالبہ ہمیں بتائے۔ اُسنے یہ مطالبہ ہمیں بتایا ہے کہ "کامل آزادی" اب ہم کوشش کرتے ہیں۔ قوم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوشش کی راہیں بھی ہمارے لئے مقرر کرے۔ قدم قدم پر ہم سے بازپرس کرے اگر ہم کسی سے گفتگو کریں تو ہم سے روداد طلب کرے اگر ہم کہیں جائیں تو ہم سے وجہ دریافت کرے۔ قوم کو چاہئے کہ خاموشی سے ہماری کوششیں دیکھے۔ جب ہم اُس کے سامنے اپنی کوشش کے نتائج پیش کریں تو بلاشبہ اُسے حق ہے کہ ہماری تجویزیں خوب جانچے اگر اُس کی پسند کے مطابق نہ ہوں تو ٹھکرا دے۔ ہمیں ہرگز کوئی شکایت نہیں ہوگی"

آزادی کی نعمت

"ہم دنیا کی ہر نعمت سے محروم ہو جانے پر طیار ہیں۔ سب آرام ہم سے چھین لو، ہمارا مال و دولت بھی ضبط کر لو۔ ہم اس سب پر صبر کر لیں گے، مگر اے ہمیں غلام بنانے والو! یاد رکھو، ہم آزادی سے ہرگز دست بردار نہ ہونگے۔ آزادی، خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اُس سے محرومی خود زندگی سے محرومی ہے"

قومی وحدت

"قوم اسکے سوا کچھ نہیں کہ انسانوں کا ایک مجموعہ ہے، وہ مجموعہ جس کی مصلحت ایک ہے، جس کا شعور ایک ہے، جس کی آرزو ایک ہے۔ ہماری قوم کی اس وقت آرزو کیا ہے؟ کامل خود فخاری!

"ہماری قومی وحدت مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔ اُس میں شگاف دینے کی وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ "باشاؤں" (امیروں) کا گروہ پوری قوم پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ ہمارے ملک میں نہ "باشاؤں" کا کوئی خاص گروہ ہے نہ "فلاحیں" (کسان) کا۔ ہم سب "باشا" بھی ہو سکتے ہیں اور "فلاح" بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے اپنے خاندان کے اکثر افراد فلاح ہیں لیکن میں سعد زغلول باشا ہوں۔

"وہ جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے اندر دینی فرقے موجود ہیں۔ ممکن ہے پہلے کبھی ہوں، لیکن اب کوئی فرقہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ہے تو وہ ایک ہی فرقہ ہے۔ یعنے مصری قوم، جب سے جدید بیداری کا سورج طلوع ہوا ہے ہلال اور صلیب نے ہمیشہ کے لئے معاہدہ کر لیا ہے۔ یہ معاہدہ صرف مسلمان اور قبطی کا معاہدہ نہیں ہے۔ یہ مسلمانوں کا دنیا بھر کی قوموں اور مذہبوں سے اتحاد کا نشان ہے۔ ہم متعصب نہیں ہیں۔"

ہم شیطان کے پجاری نہیں ہیں جو انسانوں میں پھوٹ ڈالتا ہے۔ ہم خدا کے پرستار ہیں جو انسانوں میں محبت کا رشتہ پیدا کرتا ہے"

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن وصنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب ومشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش وتزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط وکتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف وسعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

برعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط وکتابت کیجئے۔
بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

یاد رکھئے — موسم گرما کا نایاب تحفہ — صرف ہمدرد دواخانہ دیتا ہے

شربت روح افزا ۲۹۳ء (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم بامسمّیٰ ہوکر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کرکے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کرچکا ہے اور جس کو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرالیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کرچکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسی وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج ہر گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کرسکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب، رنگترہ وغیرہ اور بہت سے اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دور کرتا ہے۔ اختلاج قلب، ورم، سردرد، دوران سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہر طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خدا و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ بوتل دیکھ کر اور استعمال کرکے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمیدافزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز دیسی ہے۔ خوش ہونگے اور باوجود اس قدر خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کرسکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (۱۰ر) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں فی پیہ کمیشن ملیگا

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہٰذا آپ شربت خرید کرتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور سرلفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے ملسکتا ہے۔ "فہرست دواخانہ مہ جنتری ۱۹۲۷ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی"

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی — تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپکو دمہ (ضیق النفس) یا کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو تأمل نہ کیجئے۔ اپنے قریب دوافروش کی دکان سے فوراً ایک ٹین HIMROD کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر استعمال کیجئے

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھئے کہ آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈبک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کردے۔ نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے ایسی مکمل گائڈبک صرف ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide to great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے ملسکتی ہے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دست طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُنکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دينى علوم كے بيش بها جواهر ريزے

اس سلسله ميں هم نے امامين كى ان نادر و اعلى درجه كى بلند پايه عربى تصانيف كے اردو تراجم كا سلسله شروع كيا هے ' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت كے ليے نهايت ضرورى و ناگزير هے - اميد كه يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان كى دماغى اصلاح كا كام دے :

اسوهٔ حسنه — امام ابن قيم كى فن سيرت ميں شهره آفاق كتاب "زاد المعاد" كے خلاصه كا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائى روپيه -

كتاب الوسيله — لفظ "وسيله" كى بحث كے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام كے اصل الاصول "توحيد" كى مبسوط بحث كى هے - بلا جلد ازهائى روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انكى تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انكے مفصل حالات بيان كيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الكوثر — امام ابن تيميه كے مخصوص انداز تفسير كا اردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق كے درميان واسطه كا فرق بدلائل بيان كيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام كے ضرورى حالات زندگى نهايت خوش اسلوبى سے بيان كيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصرى كى تازه كتاب كا اردو ترجمه - سوا روپيه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فى العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايك علمى ' اسلامى ' سه ماهى رساله هے جس كے خريدار كو هم نے كمال كوشش و كاوش سے اردو ' عربى ' فارسى ' انگريزى ' اور دوسرى زبانوں كى تمام اهم اور اعلى مطبوعات كے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے كا اهتمام كيا هے - اسكے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دين كے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالك اسلاميه كے معتبر ذرائع سے حاصل كيے هوے حالات درج كيے جاتے هيں - فى پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگى -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و كتابت كى وقت اپنا نام اور پته صاف لكهين

اور نمبر خريدارى ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال فى مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان ايين دفتر پارينه را

تازه خوابى داشتن گر داغهاے سينه را

اردو صحافت كى تاريخ ميں الهلال هى وه رساله هے جو اپنى تمام ظاهرى اور باطنى خصوصيات ميں ايك انقلاب آفرين دعوت تهى -

الهلال اگرچه ايك هفته وار مصور رساله تها ' ليكن چونكه وه اردو صحافت كى مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فكر كى نئى روح پيدا كرنى چاهتا تها ' اس لئے اس كا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق كا مجموعه تها - اس كے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه كے هوتے تهے - اور اسكا هر باب اپنى مجتهدانه خصوصيات كے لحاظ سے اپنى نظير آپ هوتا تها - پهر اس كى ظاهرى خوبياں اردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب كا پهلا نمونه تهيں - اردو كا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاويركے اندراج كا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے كى وجه سے بهت سى ايسى خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر كى چهپائى ميں ممكن نهيں - اس كى جلديں جديد اردو علم ادب كے علمى ' مذهبى ' سياسى ' اور اجتماعى مواد و مباحث كا بهترين مجموعه هيں - ان كى مقبوليت و قدر كا اندازه اس سے هوسكتا هے كه سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اس كى تمام جلدوں كا مكمل سٹ سات سو روپيه ميں خريد ليا - اور حال ميں ايك صاحب نے اس كى پهلى جلد مكمل (جو دفتر ميں بهى موجود نهيں) ساڑهے چار سو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدى هے - جن لوگوں نے اس كے پرچے بحفاظت جمع كئے هيں وه بڑى سے بڑى قيمت پر بهى علحده كرنے كيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البلاغ پريس" كا جب تمام اسٹاف نئے مكان ميں منتقل كيا گيا تو ايك ذخيره الهلال كے پرچوں كا بهى محفوظ ملا ' هم نے كوشش كى كه شايقين علم و ادب كے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كى جا سكتى هيں مرتب كرلى جائيں تاكه جن جلدوں كى تكميل ميں ايك دو پرچوں كى كمى هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه كوشش ايك حد تك مشكور هوئى اور اب علاوه متفرق پرچوں كے چند سالوں كى جلديں پورى مكمل هوگئى هيں - هم اس اعلان كے ذريعه شايقين علم و ادب كو آخرى موقعه ديتے هيں كه اس قيمتى ذخيره كے حاصل كرنے ميں جلدى كريں ' چونكه جلدوں كى ايك بهت هى محدود تعداد مرتب هوسكى هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں كى تعميل هوسكے گى جو سب سے پهلے پهونچيں گى - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين كى انڈكس به ترتيب حروف تهجى لگادى گئى هے -

الهلال مكمل جلد دوم ۱۰ روپيه الهلال مكمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " چهارم ۱۰ روپيه " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البلاغ" (جب دوسرى مرتبه الهلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول كے هر جلد كے متفرق پرچے بهى موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين كے لحاظ سے ايك مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت فى پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاك و پيكنگ اس كے علاوه هے -

منيجر "البلاغ پريس"

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي ہوتے ہیں جنکي اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher:

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري، اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,

Printing House Square

London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرني چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' ہندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاہئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کرٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہي آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.

Post Box 708.

Clive Street, Calcutta.

برونو سولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري ہیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور ہر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي ہیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR: MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

کتب مبین

جلد ۱ نمبر ۱۶

۱۹۲۷

الهلال

جلد ۱

نمبر ۱۶

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (القرآن الحکیم)

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ١٦ | کلکتہ : جمعہ ١٠ ۔ ربیع الثانی ١٣٤٦ ہجری | جلد ١

Calcutta : Friday, 7, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔ طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔ پتھر کی چھپائی مین محدودہ رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

ازدو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الهلال چھپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الهلال

قاریین الهلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ١٣٠١ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین	١٩٧	اردو حروف کی حق مین	٣٧٥
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	٣٧٤	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	٢٢٨	نستعلیق ہون	١٢٧

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بہی متفق ظاہر کیا ہی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بہی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بہیج دین ۔ الهلال

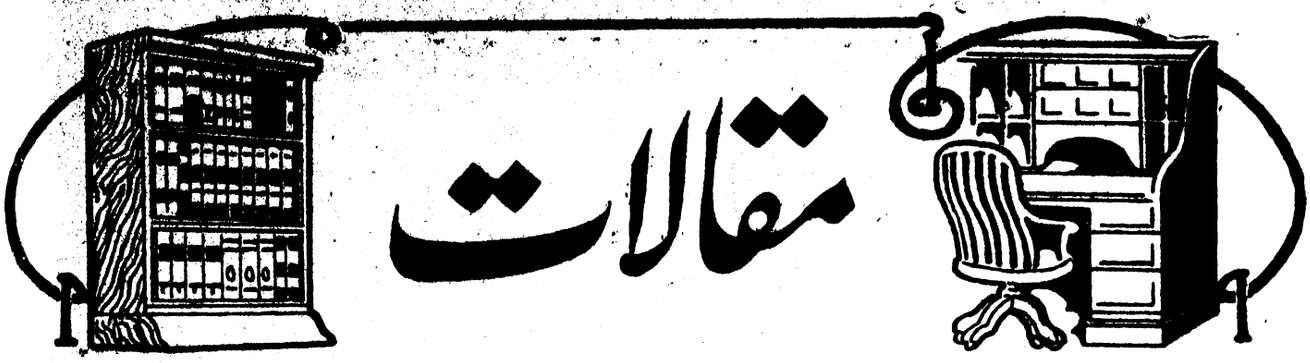

مقالات

علم الاجتماع

(۲)

(فرد کا اقتدار جماعت پر)

جماعت نے طویل تجربے سے معلوم کر لیا تھا کہ شکار اور جنگ میں وہی شخص اُس کا سردار ہونا چاہیے، جو اسلحہ کے استعمال میں مشاق اور جسمانی قوت میں اصلح ہو - یہ حال صرف انسانی جماعتوں ہی کا نہیں ہے - چڑیاں بھی جب ایک اقلیم سے دوسری اقلیم کو جاتی ہیں، تو اپنی سرداری اور پیش قدمی کے لیے اپنا سب سے زیادہ قوی اور تیز نظر فرد منتخب کرتی ہیں - ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ چڑیوں کے غول اپنے سردار کے پیچھے اڑتے ہوئے جاتے ہیں !

اپنی تکوین کے آغاز میں سلطنت کی بھی یہی صورت ہوئی - افریقہ، اسٹریلیا، اور نیوزی لینڈ میں ابتک ایسے قبائل موجود ہیں جو یہ اجتماعی نظام پیش کر رہے ہیں - بعض قبائل ایسے بھی ہیں جن کا سردار دائمی نہیں ہوتا، عارضی طور پر منتخب کر لیا جاتا ہے - چنانچہ قبائل ٹسمان کا یہی حال ہے - اُن کا جب کوئی خاندان سفر یا جنگ کو جانے لگتا ہے تو اپنا سردار منتخب کر لیتا ہے - لیکن اِس ضرورت کے ختم ہوتے ہی سردار کی سرداری بھی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ باقی افراد کی طرح ایک فرد عام ہو جاتا ہے -

جو جماعتیں جنگ و جدل سے دور ہیں، اُن میں فرد کا کوئی اقتدار نہیں ہوتا - چنانچہ قبائل درجی میں کوئی بھی سردار نہیں ہے - تمام افراد بالکل مساویانہ زندگی بسر کرتے ہیں -

یہی حال قبائل اسکیمو کا ہے - اِن کی تعداد اگرچہ بہت زیادہ ہے، مگر آج تک اُن میں کوئی سردار نہیں ہے - شروع شروع جب اُن کے سواحل پر یورپین جہاز پہنچے، تو اُنھیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ بحری سپاہی اپنے افسروں کے اشاروں پر حرکت تے ہیں !

(حکومتوں کی تشکیل میں جنگ کا دخل)

ابتدائی حکومتوں کے وجود کا باعث صرف جنگ ہی نہ تھی - لیکن جو حکومتیں جنگی ضرورت سے قائم ہوتی ہیں، وہ فرد ہی کے ماتحت ہوتی ہیں - ابتدائی جنگوں کے تجارب نے انسانی جماعتوں کو یقین دلا دیا کہ نظام و ترتیب کی قوت، کثرت تعداد کی قوت سے کہیں زیادہ مؤثر ہوتی ہے - بہت سی جماعتیں محض اِس لیے برباد ہو گئیں کہ اُن میں کوئی نظام موجود نہ تھا - انتشار و فوضویت عام تھی - چنانچہ بتدریج انسانوں نے نظام کے فوائد معلوم کیے اور منتظم زندگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے -

جملہ مستبد حکومتوں کی پیدائش، جنگ ہی سے ہوئی ہے - شخصی حکمرانی کا باعث، جنگ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی -

چنانچہ قرون اولیٰ میں جب روم کے لیے ایک بڑا جنگی خطرہ پیش آیا، تو قہری حکومت (ڈیکٹیٹرشپ) قائم ہوگئی - لیکن اُس کے دفع ہوتے ہی سینیٹس، جو اِس حکومت کا حاکم تھا، اپنے کھیت میں ہل چلانے واپس چلا گیا - تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حریت پسند قوموں میں بھی جنگوں نے ایسے آدمی پیدا کر دیے، جو شروع میں حامی حریت معلوم ہوتے تھے مگر جنگی ضرورتوں نے اُنھیں مستبد حاکم بنا دیا -

جنگی قومیں — اپنے جغرافیائی موقعہ کے لحاظ سے — استبدادی طرز حکومت ہی پر برقرار رہیں - اسی طرح تمام وسیع ممالک، جن پر دشمنوں کے حملے ہوتے رہے یا جن میں اندرونی شورشیں زیادہ برپا ہوتی رہیں، اُن کی حکومتیں لازمی طور پر استبدادی رہی ہیں - برخلاف اِن کے چھوٹے چھوٹے اور چہار طرف پہاڑوں سے محفوظ ملکوں کی حکومتیں جمہوری ہوا کرتی ہیں - چنانچہ قدیم زمانے میں یونان اور موجودہ زمانے میں سوئٹزر لینڈ اُن ممالک کی مثال ہیں جو استبداد سے یک قلم نا آشنا ہیں - لیکن قوم ترکمان — بدویت کی حالت میں — شخصی استبداد کی طرف مائل رہی ہے -

(حکومتوں کی تشکیل میں صناعت کا دخل)

صناعت، اگرچہ براہ راست حکومتوں کی تکوین کا باعث نہیں ہے، لیکن جنگ کے بعد وہ بھی اُن کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے - کیونکہ صناعت، دولتمندی کا اولین سبب ہے اور اس لیے باشندوں میں فرق مراتب کا موجب ہے -

ابتدائی انسان نے جوں ہی آلات کو ترقی دی، مختلف قسم کی صنعتیں ظاہر ہونے لگیں - صناعوں اور کاشتکاروں نے غیر معمولی محنت کے ذریعہ اِتنی پیداوار مہیا کر لی جو اُن کی ضرورت سے زیادہ تھی - چنانچہ اُس کی فروخت اور مبادلہ سے اُنھیں کافی دولت حاصل ہوگئی - اِس دولت سے اُنھوں نے دوسروں سے زیادہ رسوخ حاصل کر لیا اور اپنے لیے خاص خاص صنعتیں اور پیشے خاص کر لیے -

اِن مالداروں کو بہت جلد ضرورت محسوس ہوئی کہ حریص و طماع غریبوں سے اپنی دولت محفوظ رکھنے کی تدابیر اختیار کریں - چنانچہ اُنھوں نے اِس مقصد کے لیے قانون و نظام بنائے - یا دوسرے لفظوں میں ملک کے لیے حکومت کی بنیاد رکھی اور اُسکی خاص شکل تجویز کی -

اِس قسم کی حکومتیں، جو صناعوں اور تاجروں کے ہاتھوں ظاہر ہوئیں، قدرتی طور پر اُن حکومتوں سے مختلف مزاج رکھتی تھیں، جنھیں جنگوں نے پیدا کیا تھا - کیونکہ اول الذکر میں کامل شخصی اقتدار قائم نہیں ہو سکتا تھا - صناعوں اور تاجروں کی جماعت کو بھی رسوخ حاصل تھا - اِس قسم کی حکومتوں کی مثال قدیم زمانے میں وینس اور رلمنگ کی حکومتیں تھیں - یہ حکومتیں جنگی حکومتوں سے بہت سی باتوں میں مختلف ہوتی ہیں -

جنگی اقتدار رکھنے والے بادشاہوں پر رعایا کی کوئی نگرانی نہیں ہوتی - لیکن تجارتی حکومتوں میں تجار و اعیان ' حاکم کی نگرانی کرتے ہیں ' اور حاکم ' تجار و اعیان کی نگرانی کرتا ہے ' کیونکہ پوری قوم' اس ممتاز طبقہ کے مظالم کا نشانہ بن سکتی ہے -

(حکومتوں کی تشکیل میں مذہبی پیشواؤں کا دخل)

ایک تیسری قوت بھی ہے جو حکومتوں کی تشکیل میں بڑا دخل رکھتی ہے - وہ قوت کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کی ہے - قدیم زمانے میں دینی پیشواؤں کو غیر معمولی اہمیت و طاقت حاصل تھی - مصریوں اور یہودیوں میں ان کا اقتدار بے روک تھا - یہ انہی کاہنوں کی قوت تھی جس نے مغارق سے فرعون کی پرستش کرائی اور رومس اور ریموس (۱) کو جنگ کے دیوتا کی اولاد تسلیم کرا دیا - چین کے شہنشاہوں کے متعلق بھی ایسا ہی اعتقاد تھا - سیام کے بادشاہ تو آج تک اسی قسم کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں -

غرضکہ سیاسی قوت ' اجتماعی ارتقاء کا نتیجہ ہوتی ہے - کمزور ہمیشہ طاقتوروں کا لقمہ ہوتے ہیں - قوت صرف مادی ہی نہیں ہوتی - دینی ' اخلاقی ' اور فکری بھی ہوتی ہے - بلکہ کبھی کبھی اقتصادی بھی ہوتی ہے - مارکس کا قول ہے کہ اقتصادی قوت ہی سیاسی قوت میں اصل و بنیاد کا حکم رکھتی ہے - اس کی یہ رائے ہر حال میں صحیح نہیں ہے ' اگرچہ اقتصادی قوت ' سیاسی نظامات کی تاریخ میں بہت مؤثر رہی ہے -

(سیاسی حکومت ' اور باہمی تعاون کی تاثیر امت کی تکوین میں)

سیاسی حکومت کا ظہور ' ایک اجتماعی حادثہ ہے - یہ حادثہ ہمیشہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے - جماعتیں اپنی قلت و کثرت میں کتنی ہی متباین ہوں ' مگر اس سے ان کے طبائع میں کوئی تباین پیدا نہیں ہوتا -

انسان ' باہم اجتماعی تعاون کے رشتوں سے جڑ گئے ہیں - صرف اسی تعاون کے ذریعہ ہم اپنی ضرورتیں پوری کرسکتے ہیں - انسانوں کی ضرورتیں اور قابلیتیں مختلف اور متفاوت ہیں - اسی صورت حال نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر باہمی تعاون سے کام لیں -

ہمارے اجداد کی اجتماعی روش ' ناموس نشو و ارتقاء کے ماتحت فوراً بدل گئی جب انہوں نے دور توحش سے دور بداوت میں قدم رکھا - جغرافیائی اور جنگی ضرورتوں سے مجبور ہوکر بہت سے قبیلے متحد ہوگئے - ان کے اتحاد نے ایک نیا مجموعہ پیدا کردیا - اسی مجموعہ کا نام بعد کو " امت " یا " قوم " ہوا - پھر جب زرعی غلامی اور سرداری کا طریقہ رائج ہوا ' تو غلاموں کے قتل کر ڈالنے کا دستور منسوخ ہوگیا اور غلام کاشتکاری کی خدمت پر مامور کر دیے گئے - پھر صنعت و حرفت کے وسیع پیمانے پر ظہور نے سرے سے یہ غلامی بھی موقوف کردی -

اسی تدریجی ارتقاء نے قومیتیں پیدا کیں ' اور قبائلی سرداروں کو شاہی تختوں پر بٹھا دیا - پہلے زمانے میں بادشاہ کا اولین کام یہ تھا کہ فوج کی سپہ سالاری کرے - مصریوں ' اشوریوں ' اور یورپین قوموں کی تاریخ ایسی مثالوں سے لبریز ہے -

(جماعت کی زندگی اور تعاون کے دو اصول)

بعض علماء اجتماع کی رائے میں جماعت " ایک حقیقی زندگی رکھتی ہے - ان کا خیال ہے کہ جماعتی ذہن و وجدان ' فردی ذہن و وجدان سے علحدہ وجود رکھتا ہے - قدیم زمانے میں افلاطون اور ارسطو کا بھی نظریہ یہی تھا کہ جماعت ' ایک عظیم زندہ وجود ہے - گویا وہ سینکڑوں سروں کا حیوان ہے - ہمارے زمانے میں بھی متعدد علماء نے یہی کہا ہے - چنانچہ ورمس وغیرہ کہتے ہیں کہ جماعتیں ' اپنی مستقل زندگی رکھتی ہیں - وہ جسم ہی کی مثال پیش کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں علماء فیزیو لوجی (علم وظائف اعضاء) کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اجسام حیہ کی اساسی طبیعت یہ ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ پر ایک خاص عمل انجام دیتا ہے جس سے مجموعی جسم کی زندگی برقرار رہتی ہے - مثلاً نبات ' جڑوں ' پتوں ' اور پھولوں وغیرہ سے مرکب ہوتا ہے - ان میں سے ہر چیز اپنی جگہ پر پورے درخت کی سلامتی و بقاء کے لیے کام کرتی ہے -

اعضاء کا یہ تعاون ' دو اصولوں پر مبنی قرار دیا جا سکتا ہے :

(۱) مختلف اعضاء میں وظائف کی تقسیم و تحدید -

(۲) وہ غرض و غایت ' جس کے لیے بطریق تعاون تمام اعضاء کوشش کرتے ہیں -

یہ دونوں اصلیں ' تمام انسانی و حیوانی جماعتوں میں پائی جاتی ہیں - یہ اس لیے کہ اگر اعضاء جسم میں وظائف کی تقسیم نہ ہو' تو اس جسم میں سرے سے وصف عضویت ہی موجود نہیں ہو سکتا - مثلاً اگر ہم ایک ریگ کا تیلہ دیکھیں جس کے تمام اجزاء و اقسام متشابہ ہوں ' اور سب ایک ہی عمل انجام دے رہے ہوں' تو ہمیں فیصلہ کر دینا پڑیگا کہ اس تیلے کے اجزاء میں وظائف کی تقسیم نہیں ہے - یعنی اس میں خود عضویت کا وجود ہی نہیں ہے - یہی حال انسانی جماعت کا ہے - جس انسانی گروہ کا ہر فرد اپنی علحدہ زندگی بسر کرتا اور جماعت کے لیے کوئی کام نہیں کرتا ہے ' ہمیں کہنا چاہیے کہ وہ گروہ سرے سے جماعت ہی نہیں ہے ' بلکہ دور وحشت میں پڑا ہوا ہے -

(وظائف کی تقسیم)

جسم میں عضویت کا آغاز اسی وقت سے ہوتا ہے جب اس کے اجزاء میں وظائف کی تقسیم ہو جاتی ہے - یہی حال انسانوں کا ہے جب ان میں تقسیم عمل نافذ ہو جاتی ہے - بعض کھیتی پر لگ جاتے ہیں - بعض کپڑا بننے لگتے ہیں - بعض مکان بنانے لگتے ہیں ..... اس حالت میں انسانوں کے اس گروہ کا نام " جماعت " ہو جاتا ہے -

میلن کی رائے ہے کہ عالم اقتصاد میں تقسیم عمل ' عالم فیزیو لوجی (وظائف الاعضاء) میں تقسیم وظائف (فرائض) کے بالکل مشابہ ہے - یہ تقسیم ہی جسم حی کی خصوصیت پیدا کرتی ہے - اور یہی تقسیم " جماعت " کو موجود کرتی ہے -

اس کی مثال یہ ہے کہ زندہ جسم میں معدہ ' نہ تو دل کا فرض انجام دیتا ہے ' نہ دل معدے کا - گزشتہ تفصیل سے واضح ہوچکا ہے کہ زندگی پیدا کرنے میں تقسیم وظائف ' تعاون ہی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے - مثلاً دماغ اپنی غذا حاصل کرنے کے لیے خود عمل نہیں کرتا ' بلکہ اس کی غذا معدہ مہیا کرتا ہے ' اور قلب یہ غذا اس تک پہنچاتا ہے - یہی حال جماعت کا ہے -

---

(۱) رومس اور ریموس ' مندر وستا کی راہبہ " ری سیلویا " کے توام لڑکے تھے ' اور زنا سے پیدا ہوئے تھے - مگر راہبہ نے دعوی کیا کہ وہ جنگ کے دیوتا مریخ کی اولاد ہیں - رومس ' روم کا بانی ہے -

ضروري هے که اُس میں بهي بعض افراد ' قوم کي مدافعت کي ذمه داري لیں ' بعض عام مصالح انجام دیں ... اِس تقسیم عمل اور تعاون کي غایت یه هوتي هے که مجموع یعني جماعت ' قائم و محفوظ رهے - هر عضو ' دوسرے اعضاء کے مقابلے میں بیک وقت ' واسطه اور غایت هوتا هے - چنانچه مثلاً کاشتکار حاکم کا خدمت گزار هوتا هے ' اور حاکم ' کاشتکار کا خادم هوتا هے - اِسي طرح جماعت کا هر فرد ' دوسرے افراد کا معاون و مدد گار هوجاتا هے -

یه اعمال اپني مجموعي حیثیت سے دائرۂ حیات میں متعدد حلقوں کا حکم رکهتے هیں - تمام اقوام اور قبائل ' انساني مجموعه میں ایسے هي دائرے بناتے چلے جاتے هیں -

(سلطنت میں نظام حیات)

اسپنسر نے کائنات حیه کي بحث میں بتایا هے که جسم حي میں تین بڑے نظام ' تین بڑے وظائف انجام دیتے هیں :
نظام هضمي ' مجموعه عصبي ' نظام تنفس -

یهي حال سلطنت کا هے - ایک فریق مجموع کے لیے اُس کي غذا مهیا کرتا هے - دوسرا فریق سلطنت کا انتظام سنبهالتا هے - تیسرا فریق — اور وه درمیاني فریق هے — زمین کي پیداوار تقسیم کرنے کا ذمه دار هوتا هے تاکه باقي جماعت اُسے اپنے کام میں لائے -

یه عمل ' جسم انساني میں دوران خون کے نظام سے بهت مشابه هے - سلطنت میں زراعت ' حکومت ' تجارت ' تین اعضاء هیں اور اُن اعضاء ثلاثه کے قائم مقام هیں جو حیاة حیواني قائم رکهتے هیں -

یهاں پر ایک سوال قابل لحاظ هے - همیں اُسے نظر انداز نهیں کرنا چاهئے - " کیا سلطنت اِن اعضاء کے وجود کے بعد هي موجود هوجاتي هے ؟ — گهڑي کا آله یا جهاز کا آله ' کائنات حیه کے مشابه هے - چنانچه وه بهي دوسرے اجسام حیه کي طرح مختلف اعضاء سے مرکب هے - اِس کے اعضاء میں بهي تقسیم عمل هے اور اپنے اعمال کي انجام دهي میں تعاون رکهتے هیں - یه آلات ' زنده اجسام سے اِس قدر مشابه هیں که وحشي انسان اُنهیں سچ مچ زنده وجود هي سمجهه لیتے هیں - اگر یهي بات هے تو پهر جاندار آلے اور بے جان آلے میں کیا فرق باقي رہ جاتا هے ؟ "

اِس سوال کا جواب لاینٹس نے یه دیا هے که " لکڑي یا لوهے کا متحرک آله ' في نفسه کوئي عضویت نهیں رکهتا - برخلاف اِس کے هر زنده وجود عضویت اور مستقل زندگي رکهتا هے - هر عالم حي ' هزاروں زنده عوالم کا مجموعه هے "

ویرخوف اور کلوڈ برناڈ نے ثابت کیا هے که هر حیوان اپنے سے بهت زیاده چهوٹے اور پست بے شمار حیوانات سے مرکب هوتا هے - همارے جسموں کے اندر بهت سي ذي روح کائنات موجود هیں - اِن میں سے هر ایک مستقل زندگي رکهتي هے - اِن کائنات کي زندگي همارے هي خون سے هے - یه کائنات ' مختلف قابلیتیں ' خواهشیں ' امراض ' اور حرکات رکهتي هیں - اگر هم کسي کیڑے کے دو ٹکڑے کردیں تو بهي اُس کا هر ٹکڑا زنده رهے گا - بلاشبه ترقي یافته حیوانوں کي یه حالت نهیں هے - لیکن ان حیوانات کے بهي بعض اجزاء — مثلاً ناخن اور بال — جسم کي موت کے بعد زنده رهتے هیں - مرنے کے بعد انسان کے ناخن اور بالوں کا بڑهنا اِس بات کي دلیل هے که اِن میں زندگي موجود رهتي هے - اِسي طرح یه بهي واقعه هے که کئي چوهوں کي دمیں اگر ایک چوهے کے جسم میں لگا دي جائیں ' تو اِن تمام دموں میں بهي زندگي پیدا هو جائیگي -

مختارات

عورت کی طاقت

عورت ' هیئت اجتماعیه کي بنانے والي هے - پوري هیئت اجتماعیه ' عورت کے قبضۂ اختیار میں هے - سب کچهه اُسي کي مدد سے اور اُسي کیلیے هوتا هے - عورت ' مرد کي سب سے بڑي مربي و معلم هے - وه عورت هي هے جو مرد کو اعلیٰ اخلاق ' پسندیده آداب ' اور رقیق احساس سکهاتي هے - عورت بعض مردوں کو لطف معاشرت کي تعلیم دیتي اور سب کو سخت مزاجي سے باز رکهتي هے - عورت هي کے ذریعه مرد کو معلوم هوتا هے که اُسکي اجتماعي زندگي کیسے نازک اور پر پیچ عناصر و اجزاء سے مرکب هے - عورت کے قریب هونے هي سے هم محسوس کرتے هیں که جذبات کا طوفان اور ایمان کا دهارا اِتنا زبردست هے که اُسے روکا نهیں جا سکتا ' اور یه ' که انسان اپني عقل کے بل بوتے پر نهیں چل رها هے -

(اناتول فرانس)

علماء کی خوش مزاجی

عام طور پر مشهور هے که علماء و فضلاء خشک مزاج هوتے هیں - شب و روز خشک مباحث میں غور و فکر کرنے کي وجه سے خشک دماغ هو جاتے هیں - یه چیز اِس قدر مشهور هوئي که علم اور خوش مزاجي کو بڑي حد تک متضاد خیال کیا جانے لگا - بهت سے مدعیان علم مصنوعي خشک مزاجي کي عادت ڈال کر دنیا کو اپني علمیت منوانے لگے - حالانکه علم اور بشاشت میں هرگز کوئي تضاد نهیں هے - زیاده سے زیاده هنس مکهه آدمي بهي بڑے سے بڑا عالم هوسکتا هے - اِس کي سب سے زیاده نمایاں مثال جاپان میں موجود هے - یهاں کے علماء فن عموماً بڑے خوش مزاج هوتے هیں - حال میں مشهور جاپاني عالم ' ڈاکٹر " میورا " امریکا گیا تها - وهاں کے لوگ اُس کي هنسي اور خوش طبعي دیکهکر متعجب هوگئے -

بادشاهون کو هدیه

بادشاهوں کے لیے ایک مصیبت هدیے بهي هیں جو اُنهیں بهت بڑي مقدار میں همیشه پهنچتے رهتے هیں - ایڈورڈ هفتم کے پاس سیکڑوں صندوق سیگرٹ ' نک ٹائي ' دستانوں ' جوتوں ' اور چهڑیوں سے لبریز بطور هدیه کے آیا کرتے تهے - وه هدیے بهت کم قبول کرتے اور اکثر واپس کردیا کرتے - تاهم بعض نادر چیزیں لے بهي لیتے تهے - چنانچه ایک شخص نے امریکا سے پاؤ بهر وزن کا ایک آلو بهیجا تها - اُسے بادشاه نے قبول کرلیا - اِسي طرح ایک قدیم مصري شاهزادي کا ممي کیا هوا هاتهه بهي منظور کرلیا تها ' اور اُس سے میز پر کاغذ دبانے کا کام لیا کرتے تهے !

یهي حال سابق قیصر جرمني کا تها - ایک شخص نے افریقا کے سب سے بلند پهاڑ " کیلیما نگارو " کي چوٹي پر سے ایک پتهر کاٹ کر هدیه بهیجا تها - اسے قبول کر لیا - نیز ایک بوڑهیا کا سو مارک کا نوٹ بهي منظور کرلیا تها - اِس عورت نے دربان کے هاتهه شهنشاه کو ایک لفافه بهیجا جس میں اس بنک نوٹ کے علاوه ایک خط تها :
" کل میں نے آپ کو فوج کي قواعد ملاحظه کرتے وقت سردي سے کانپتے دیکها - یه سو مارک کا نوٹ قبول کیجیے اور اِس سے اوني بنیائن خرید لیجیے "



آثار عتیقه

ایک قدیم مرقع

خلیفه هارون الرشید اور فرانسیسي سفارت

عرصه هوا ' زمانهٔ حال کے مشہور مصري مصنف جرجي زیدان مؤسس الهلال قاهره نے اپني سیاحت یورپ کي یاد داشتیں شائع کرتے هوے لکها تها " سوربن یونیورسٹي میں ایک قدیم مرقع میري نظر سے گزرا - اس میں اُس فرانسیسي سفارت کا خلیفه هارون الرشید کے دربار میں ورود دکهلایا گیا هے جو شارلیمین اول نے بغداد بهیجي تهي ' اور جس کے جواب میں هارون الرشید نے وہ عجیب و غریب گهڑي ارسال کي تهي جس کا تمام یورپ میں عرصه تک شهره رها "

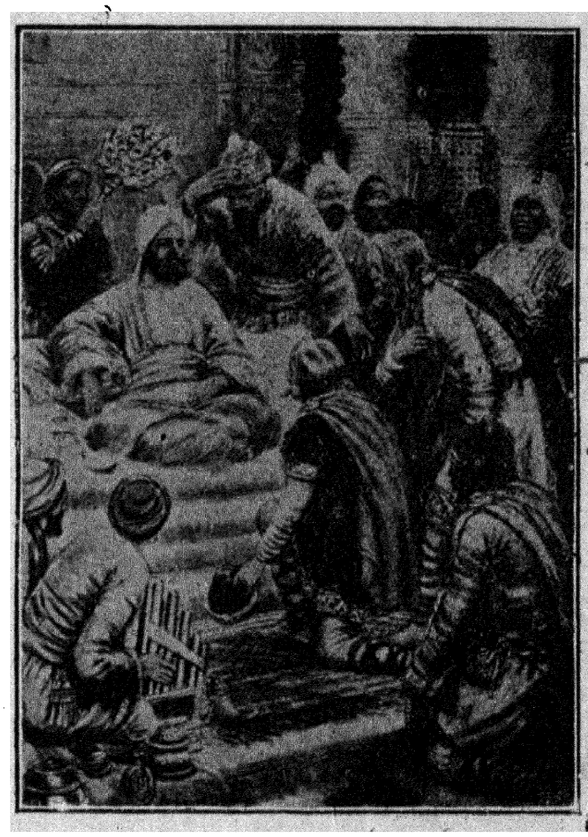

جرجي زیدان نے اس مرقع کا عکس شائع کر دیا تها - اس مرقع میں هارون الرشید ایک بلند مسند پر جو تر بر تو گدیلوں سے بنائي گئي هے ' بیٹها هے - سر پر خود کي وضع کي قلنسوہ هے اور اس پر عمامه بندها هے - حبشي غلام عقب میں کهڑے هیں ' اور فرانسیسي سفارت کے ارکان زمین بوس هو رهے هیں -

مجهے اس مرقع سے بہت دلچسپي هوي لیکن اِسکي تاریخ قدامت کي کوئي تصریح نہیں کي گئي تهي - میں نے خیال کیا ' بہت ممکن هے زمانهٔ حال کے کسي مصور نے واقعهٔ سفارت کے تخیل کو مرقع کي صورت دیدي هو ' یا کسي تاریخي کتاب کي ائین کے لیے طیار کیا گیا هو - میں چاهتا تها ' اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیے جائیں - کیونکه مجهے اپني ایک زیر تحریر کتاب کے لیے اس طرح کے تمام مواد کي ضرورت تهي -

گذشته سال ایک تقریب سے مجهے موقعه ملا که موسیو بلوشر سے خط و کتابت کروں - یه فرانس کے مشہور فارسي داں مستشرق هیں اور کچهه عرصه سے پیرس کے قومي کتب خانه کے فارسي حصه کي از سر نو تحقیقات کر رهے هیں - میں نے اس مرقع کي نسبت ان سے دریافت کیا - ان کا جواب حسب ذیل تها :

" جس مرقع کا آپنے ذکر کیا هے (یعنے سوربن یونیورسٹي کا) وہ اصل نہیں هے - اصلي مرقع کي نقل هے - اصلي مرقع اس کتب خانه میں (نیشنل لائبریري پیرس) میں محفوظ هے - یه مشکل هے که اس کي صحیح تاریخ معین کي جا سکے ' لیکن اس میں کوئي شک نہیں که سولهویں صدي میں یه مرقع موجود تها - کیونکه سنه ۱۵۸۹ - میں جب هینرخ Heinrich نے اپنا مجموعهٔ تاریخ عرب نیپلز میں شائع کیا هے ' تو اس میں یه مرقع بهي درج کیا گیا تها - مرقع کے نیچے یه عبارت لکهي گئي تهي " بغداد کے خلیفه کے دربار میں شارلیمین کي سفارت — اِس مرقع کي نسبت خیال کیا جاتا هے که یه شارلیمین کے حکم سے طیار کیا گیا تها " مرقع کا جو نسخه بطور اصل کے اسوقت محفوظ هے ' غالباً وہ بهي اصل نہیں هے - کسي دوسرے نسخه کي نقل هے - کیونکه اس میں بعض خاص طرح کے رنگ استعمال کیے گئے هیں ' اور اُن رنگوں کا استعمال سولهویں صدي کے بعد شروع هوا هے — * * * * * * * * * * سولهویں اور سترهویں صدي میں یه مرقع منجمله اُن تصاویر کے تها ' جن سے فرانس کے شاهي قصر آراسته کیے جاتے تهے - قصر تویلري کے لیے یه مرقع ایوان استقبال کي اُن تصویروں کي قد و قامت کے مطابق طیار کیا گیا تها ' جو اسکي دهني اور بائیں دیوارون پر قدم آدم جتني ترتیب دي گئي تهیں - میں اگرچه یه کهنے کے لیے کافي تاریخي تصریحات نہیں پاتا که یه مرقع اصلي هے ' تاهم اس کي تاریخي قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا - کم از کم یه بات بالکل صاف هے که خود شارلیمین کے عهد کا هو یا نه هو ' لیکن سولهویں صدي سے پیشتر کا رائج و مشہور مرقع ضرور هے * * * * ایک دوسرے واقعه سے بهي اس مرقع کي تاریخي حیثیت کي تصدیق هوتي هے - هارون الرشید نے اس سفارت کے جواب میں فرانسیسي سفیروں کے ساتهه اپنے خاص سفراء بهي بهیجے تهے ' اور ان کے ذریعه بیت المقدس کي طلائي کنجیاں اور بہت سے قیمتي تحائف روانه کیے تهے - انهي تحائف میں وہ اپنے عهد کي عجیب و غریب گهڑي بهي تهي جس کا ذکر اُس عهد کے مورخ اے جي نارث Eginhart نے

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتین

مصطفی فاضل باشا

اور لائحۂ اصلاحیه

(اعلان حق اور امر بالمعروف کا ایک شاندار کارنامه)

اُنیسویں صدی کے وسط میں دولۃ عثمانیه کی سیاسی و اجتماعی اصلاحات کی جو حرکت شروع هوئی تهی ' عام طور پر اسکی ابتدائی تخم ریزی مرحوم مدحت پاشا کی طرف منسوب کی گئی هے - لیکن واقعه یه هے که مدحت پاشا اس روح تجدید کا داعی اول نه تها - اسے منظم و وسیع کرنے والا تها - ترکی اصلاح و تجدید کی اصلی تاریخ مصطفی فاضل پاشا سے شروع هوتی هے - فی الحقیقت نوجوان ترکوں کی اجتماعی حرکت کا حقیقیی موسس وهی تها -

(اصلاح کی ابتدائی فضا)

عثمانی دارالخلافۃ میں جس شخص نے یورپ کے تمدنی انقلاب کا پہلے پہل مطالعه کیا ' وه مصطفی رشید پاشا تها - امراء دولۃ میں یهی پہلا شخص هے جسنے یورپ کی زبانوں سے واقفیت حاصل کی - اسکی نشوؤنما سلطان محمود مصلح کے عهد میں هوی تهی - سنه ۱۸۳۹ع میں جب سلطان موصوف کا انتقال هوا اور سلطان عبدالمجید تخت نشین هوا ' تو یه لندن میں عثمانی سفیر تها - سلطان عبدالمجید نے اس منصب سے ترقی دی اور وزارت خارجیه پر مامور کردیا - یه اسی شخص کی سعی کا نتیجه تها که اسی سال کے ماه جون میں دولۃ عثمانیه کی تنظیم و اصلاح کا وه تاریخی فرمان صادر هوا جو " خط گل خانه " کے نام سے مشهور هے - اسکا نام " گل خانه " اسلیے هوا که سراے " توپ قپو " کے چمنستان (گل خانه) میں اُس کا اعلان هوا تها - اس اعلان میں دولۃ کے قانونی اور منظم هونے کا یقین دلایا گیا تها - نیز مسلم اور ذمی کے حقوق کے مساوی هونے ' اور هر طرح کے غیر قانونی امتیازات کے منسوخ کر دینے کا اعلان تها -

مصطفی رشید پاشا نے اپنے عهد وزارت میں تعلیمی و معاشرتی اصلاحات کی جو روح پیدا کی تهی ' اُس کا نتیجه یه تها که ایک قلیل جماعت نئے تعلیم یافته افراد کی پیدا هوگئی - ان میں سب سے زیاده نامور شخص دو هوے ؛ عالی پاشا اور فواد پاشا - دونوں نے صدارت و نظارت کے مناصب تک ترقی کی ' اور اپنے عهد کے مشاهیر مدبرین میں شمار کیے گئے - سلطان عبدالمجید کے عهد کے تمام اِجراات اصلاحیه کی باعث و کارفرما شخصیتیں یهی تهیں - معاهدۂ پیریس (۳۰- مارچ سنه ۱۸۴۶) میں دولۃ عثمانیه کو جو کامیابی هوی ' اور انگلستان ' فرانس ' اور اٹلی نے روس کے بر خلاف ساتهه دیا ' وه بهت کچهه انهی دونوں کی مساعی کا نتیجه تها - معاهدۂ پیرس کے بعد هی تاریخ اصلاح عثمانی کا دوسرا فرمان شائع هوا تها جو " خط شریف " کے نام سے پکارا جاتا هے - اس میں " خط گل‌خانه " کی مزید تائید کی گئی تهی ' اور تمام رعایا کی آزادی حقوق کے احترام کا یقین دلایا گیا تها - یه بهی تمام تر فواد اور عالی هی کی مساعی کا نتیجه تها -

(مصطفی فاضل)

مصطفی رشید ' فواد ' اور عالی پاشا نے اصلاح و تغیر کیلیے فضا پیدا کردی ' مگر جماعت پیدا کرنے کا کام بعد کو هونے والا تها - یه مصطفی فاضل پاشا کی شخصیت تهی ' جس نے اس نئی فضا کو نشوؤنما دی ' اور " نوجوان " ترکوں کی جمعیت کا اولین سنگ بنیاد رکهدیا - مدحت پاشا بعد کو آیا تا که اپنے عظیم اعمال اور عظیم قربانی سے اس سنگ بنیاد پر ایک نئی عمارت چن دے !

مصطفی فاضل پاشا محمد علی بانی خاندان خدیویۂ مصر کا پوتا اور ابراهیم پاشا فاتح حجاز و شام کا بیٹا تها - سنه ۱۸۳۰ع میں پیدا هوا اور مصر میں تعلیم و تربیت حاصل کی - مصر میں محمد علی کے زمانے سے مغربی علوم و السنه کی اهمیت کا احساس عام هو چلا تها ' اور خاندان خدیوی کے تمام افراد فرانسیسی زبان کی تعلیم حاصل کرنے لگے تهے - مصطفی فاضل کو بهی اسکا موقعه ملا - اس طرح مغربی علوم و تمدن کے فهم و مطالعه کا دروازه اُس پر کهل گیا - ابهی سلطان عبدالمجید هی کا زمانه تها که وه قسطنطنیه آیا ' اور چند سالوں کے بعد جب سلطان عبدالعزیز تخت نشین هوا ' تو نظارت معارف (تعلیم) کا ناظر مقرر هوگیا - پهر کچهه دنوں کے بعد جب مالییات کی وزارت کی جگه خالی هوی ' تو حکومت کی نظر اِنتخاب اسی پر پڑی -

(لائحه اصلاحیه)

یه وه وقت تها ' جبکه دولۃ عثمانیه کی زوال پذیر هستی کی حفاظت کیلیے اصلاح و علاج کی آخری مهلت درپیش تهی ' اور قریب تها که همیشه کیلیے اُسکی شش صد ساله عظمت و جلال کی دیواریں سر نگوں هوجائیں - سلطان محمود مصلح نے نئی اصلاحات کی بنیاد رکهی - سلطان عبدالمجید نے اسے بلند کرنا چاها - اگر سلطان عبدالعزیز کا وجود بهی اس سلسلۂ اصلاح کی تیسری کڑی

کیا هے - اس عرب سفارت کے ورود و استقبال کا ایک ایسا هی مرقع فرانس میں موجود هے جیسا یه زیر بحث مرقع هے - اس مرقع میں شارلیمین کو اس کے دربار میں دکهایا گیا هے اور عرب سفیر اِس حالت میں نمایاں هیں که اپنے تحائف پیش کررهے هیں - اس سے صاف طور پر یه بات واضح هو جاتی هے که واقعۂ سفارت کے دونوں درباروں کی تصویریں به یک وقت طیار کی گئی تهیں - اور عجب نهیں خود شارلیمین کے حکم سے طیار کی گئی هوں - یه دوسرا مرقع پیرس کی مشهور عمارت پنتهیوں Pantheon کی دیواروں پر اِس وقت تک موجود هے - یهاں شارلیمین کے عهد کے مختلف مرقع دکهائے گئے هیں ' من جمله ان کے عربی سفارت کا استقبال بهی هے "

اس مرقع کی نقل هدیۂ قارئین هے -

ہوتا ' تو بہت ممکن تھا ' اصلاح و تجدید کی راہیں باز ہو جاتیں - لیکن عبدالعزیز کے مجنونانہ استبداد نے جسکے ساتھہ شخصی حکمرانی کے تمام عیش پرستانہ عناصر فساد بھی جمع ہوگئے تھے ' اصلاح حال کے تمام دروازے مسدود کر دیے - خزانہ بالکل خالی تھا - یورپ سے قرضوں پر قرض لیے جا رہے تھے - مالیات کے بہترین رسائل مکفول ہوگئے تھے - روس نے پیٹرسبرگ سے سرائے دولمہ باغیچہ تک اپنی مخفی سازشوں کا جال بچھا دیا تھا - روسی سفیر جنرل اگناٹف کا اقتدار روز بروز بڑھرہا تھا ' اور سلطان اپنے تمام معاملات میں اسی کے مشوروں پر کار بند تھا - سلطان کا تمام وقت محل کی عیش پرستیوں میں مصروف ہوتا - بسا اوقات ایک ایک مہینے تک وزراء حکومت کو بار یابی کا موقعہ نہیں ملتا - شخصی حکومتوں کا قدرتی مزاج ہی شخصی انانیت اور مستبدانہ قہر و جبر کا ہوتا ہے - پھر اگر خصوصیت کے ساتھہ اسکا کوئی حکمران " مستبد " ہو جاے ' تو ظاہر ہے ' اسکا استبداد کس درجہ لا علاج اور بے پناہ ہوگا ؟ تمام ترک اہل قلم متفق ہیں کہ عبدالعزیز اپنے تمام پچھلے مستبد حکمرانوں سے بھی زیادہ مستبد تھا - کوئی بات بھی اسے اسدرجہ طیش و غضب میں نہیں لاتی تھی جس قدر اس بات کا تہور ' کہ دنیا کی کوئی مخلوق اُسے " مشورہ " دنیا چاہتی ہے ' یا نصیحت کرنے کی جرأت رکھتی ہے - ابتدا میں جو لوگ بھولے سے کوئی ایسی جرأت کر بیٹھے ' اُنھیں فوراً اسکی سزا بھگتنی پڑی - اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کارخانۂ سلطنت روز بروز درہم برہم ہو رہا تھا اور آنے والے خطرے کے آثار قریب سے قریب تر ہونے لگے تھے یہ حالت جاری تھی ' مگر ہر طرف غفلت و اعراض کا سناٹا چھایا تھا - کوئی صدا نہ تھی جو کلمۂ حق و اصلاح سے آشنا ہوتی !

لیکن غفلت و افساد کے اس سکون میں بالآخر جنبش ہوئی ' اور دولۃ عثمانیہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ دعوت الی الحق کی بے خوف صدا بلند ہوئی - یہ مصطفی فاضل کی صدا تھی - وہ صداے حق ' جسے نہ تو سلطان عبدالعزیز کی سطوت و جبروت روک سکی ' نہ امارت و وزارت کے مطامع مانع آسکے !

تاریخ میں یہ صداء اصلاح " لائحۂ اصلاحیہ " کے نام سے مشہور ہے - یہ دراصل ایک مکتوب ہے جو سلطان عبد العزیز کے نام لکھا گیا تھا - مصطفی فاضل نے یہ مکتوب سنہ ۱۸۶۷ میں لکھا ' اور بذات خاص سلطان کے حوالہ کیا - لوگوں کو جب اس جسارت کا حال معلوم ہوا تو شدت تحیر سے انگشت بدندان رہگئے - دولۃ عثمانیہ کی تاریخ میں یہ بالکل ایک نئی قسم کی جسارت تھی - ایسی جسارت جسکی مصطفی رشید ' فواد پاشا ' اور عالی پاشا جیسے مصلحین بھی جرأت نہیں کرسکتے تھے !

سلطان عبدالعزیز نے یہ لائحہ پڑھا ' اور وہی نتیجہ نکلا جو متوقع تھا - مصطفی فاضل کو قسطنطنیہ سے ہجرت کرنی پڑی - وہ پیرس آیا اور ایک مدت تک کیلیے یہاں مقیم ہوگیا - مصطفی فاضل کے اسی قیام پیرس سے نوجوان ترک جماعت کی سب سے پہلی بنیاد پڑی - قسطنطنیہ کے متعدد نوجوان بتدریج پیرس چلے آئے ' اور مصطفی فاضل کی امداد و سرپرستی میں متحدہ زندگی بسر کرنے لگے - اُس عہد کے وہ تمام اصلاح پسند افراد جنھوں نے نہ صرف دولۃ عثمانیہ کیلیے سیاسی انقلاب کی تخم ریزی کی ' بلکہ ترکی علم ادب و کتابت میں بھی دور جدید کی بنیاد ڈالی " اسی عہد کی پیداوار ہیں - نامق کمال بے ' ضیا پاشا ادیب ' سعد اللہ پاشا ' ابوالضیا توفیق ' وغیرہم کی نشوونما اسی دور میں ہوئی -

مصطفی فاضل کو اس جسارت کا صلہ صرف مہاجرت ہی کی صورت میں نہیں ملا ' بلکہ اُسکی تمام ترکی جائداد بھی ضبط کرلی گئی - اگر فرانسیسی حکومت دخیل نہ پڑتی تو شاید مصری جائداد سے بھی محروم ہو جاتا -

مصطفی فاضل کا " لائحہ " تاریخ شرق جدید کا ایک اہم واقعہ ہے - جس جرأت و صراحت کے ساتھہ وقت کے ایک مستبد سلطان کو مخاطب کیا گیا ہے ' اور استبداد و شخصیت کی جگہ آزادی و شوریٰ کی دعوت دی گئی ہے ' اُس کی کوئی دوسری نظیر اس عہد میں نہیں مل سکتی - ہم چاہتے ہیں یہ پورا لائحہ اردو میں منتقل ہو جاے ' کیونکہ یہ تاریخ شرق جدید کی ایک قیمتی دستاویز ہے -

(مسئلہ اصلاح اور ایک اصل مہم)

یہ موقعہ تفصیل کا نہیں لیکن اشارہ نا گریز ہے - دولۃ عثمانیہ میں سلطان مصلح کے عہد سے لیکر سلطان عبد الحمید خان تک اصلاح و تجدید کی جس قدر حرکتیں ظہور میں آئیں ' وہ اگرچہ اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ استبداد و فساد کے مقابلہ میں حریت و اصلاح کی طلبگار تھیں ' لیکن ساتھہ ہی یہ واقعہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اُنکی بنیاد میں یورپ کی عامیانہ تقلید و محاکات کے سوا کوئی مجتہدانہ بصیرت موجود نہ تھی -

صدیوں سے اسلام کی حقیقی دینی روح مفقود ہو چکی تھی - اسلام کے حقیقی سرچشمۂ شرع و تعلیم کی جگہ طرح طرح کے انسانی ساخت کے نئے سرچشمے پھوٹ نکلے تھے ' اور اجتہاد و نظر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں استوار ہوگئی تھیں - ضرورت تھی کہ ایسے اصحاب نظر و بصیرت پیدا ہوتے ' جو سب سے پہلے اُمت کے دینی مزاج کی درستگی کی کوشش کرتے جس کے بغیر حکومتوں کا حاکمانہ مزاج بھی درست نہیں ہو سکتا تھا - اس اصلاح کے بعد یورپ کے علمی و صناعی فوائد کے اخذ و اختیار کی راہ خود بخود کھل جاتی - البتہ بصیرت و اعتبار کے ساتھہ کھلتی - تقلید و کورچشمی کے ساتھہ نہ کھلتی - لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا - دولۃ عثمانیہ میں ایسے علماء نا پید تھے اور ہمیشہ نا پید رہے جو صاحب نظر و بصیرت ہوں - امراء و حکام جہل و اوہام کی تاریکی میں گم تھے - اتفاقات نے چند شخصیتیں پیدا کر دیں جنھیں یورپ کے علوم و لغات سے آشنا ہونے کا موقعہ مل گیا - یہ اپنی کسی بصیرت و روشنی کی بنا پر نہیں بلکہ محض تقلید کی راہ سے استبداد و جہل کی مضرتوں پر مطلع ہوے ' اور اصلاح و انقلاب کی سعی شروع کردی - سعی صحیح تھی ' بروقت تھی ' لیکن ساعی بصیرت و نظر سے محروم تھے - مرض کا احساس غلط نہ تھا ' لیکن نہ تو تشخیص کامل تھی ' نہ علاج ہی صحیح تھا - نتیجہ یہ نکلا کہ اس راہ میں جس قدر قدم بھی اُٹھے ' وہ اگرچہ اکثر حالتوں میں اصلاً غلط نہ تھے ' لیکن مجتہدانہ بصیرت و نظر کے فقدان سے کوئی صحیح انقلاب صورت حال میں پیدا نہ کر سکے ' اور شرح اس اجمال کی بہت طولانی ہے -

بہر حال بحث و نظر کا یہ مقام دوسرا ہے - اس کے فہم و ذوق کے لیے دوسری قسم کی صحبتیں مطلوب ہیں - یہاں جو حقیقت قلم بند کرنی ہے یہ ہے ' کہ گذشتہ صدی کے مشرقی مصلحین کی تاریخ میں مصطفی فاضل پاشا کو اصلاح و انقلاب ترکیہ کے بانی و داعی ہونے کا شرف حاصل ہے ' اور اسکا یادگار کارنامہ " لائحۂ اصلاحیہ " ہے :

(مصطفی فاضل کا لائحہ)

اعلیٰ حضرت !

کلمۂ حق بادشاهوں اور حکمرانوں تک پہنچنا ' بہت مشکل ہے - درباري اُس پر پردہ ڈالتے اور اُسے چھپاتے هیں - بادشاہ فرمانروائي کے نشہ میں مخمور اور سلطنت کي لذتوں میں غرق ' راہ صواب سے غافل هو جاتے هیں -

وہ خیال کرتے هیں کہ قومیں اپنے هي کرتوت سے پریشانی میں پڑتي هیں - اور اپني هي غفلت سے پستي میں گرتي هیں - سلطنتیں ' جب برباد هوتي هیں ' تو قضاء و قدر کے بے رُوک هاتھوں هي سے برباد هوتي هیں -

واقعات کو رُو در رُو دیکھنے اور اوهام کو اوهام سمجھنے کے لیے انسان کو بڑے هي اخلاص اور بڑي هي جرأت کي ضرورت ہے - پادشاہ تک بے کم و کاست حقیقت پہنچانے کے لیے اور بھي زیادہ اخلاص و جرأت کي ضرورت ہے -

میرے آقا ! یہ اخلاص کبھي میرے دل سے جدا نہیں هوا - خود اعلیٰ حضرت سلطان اِس کے شاهد هیں - وہ لوگ بھي اِس سے ناواقف نہیں جو میري جلا وطني کا سبب هوے هیں - بلاشبہ زمانے نے مجھے موقعہ نہیں دیا کہ روشن کارناموں سے اعلیٰ حضرت کي ذات شاهانہ سے اپني عقیدت ثابت کرتا اور اپني قوم کي فلاح و بہبود — اگر یہ نہ کہوں کہ اُس کے احیا — کے ارادے پورے کرسکتا - لیکن میں پہلا آدمي هوں جس نے اعلیٰ حضرت کے سامنے شاهي حکومت کے عیوب بے پردہ کرنے اور وطن عزیز کے مصائب پیش کرنے کي جرأت کي ہے - یہ اس لیے کہ میرا دماغ اعلیٰ حضرت اور سلطنت عثمانیہ کي خدمت کے لیے سراسر وقف ہے - مجھے اعلیٰ حضرت کے عرش سے جو عقیدت و وابستگي ہے ' اور وطن محبوب سے جو محبت و وارفتگي ہے ' اُسي نے مجھ میں یہ قوت پیدا کردي ہے کہ بے خوف و خطر اُن مصائب و آلام پر نظر ڈالوں جو هم میں رات کي تاریکي اور دن کي روشني میں پیش آ رہے هیں - حضور کے اخلاق عالیہ پر میرا یقین مجھے همت دلاتا ہے کہ اُن مصائب کي تشریح کروں - کوئي ایک بھي مخفي نہ رکھوں - سب کو صاف صاف ظاهر کردوں - پھر وہ علاج عرض کروں جو هم میں شفا بخش سکتا ہے ' بشرطیکہ اُس کے استعمال سے پہلے وقت نکل نہ جائے -

میرے آقا ! آپ کي مسیحي رعایا کي جانب سے جس سرکشي کا برابر اظہار هوتا رهتا ہے ' وہ یقیناً ' همارے اجنبي دشمنوں کي شرارت کا نتیجہ ہے - لیکن وہ اِس امر کي بھي دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت کي حکومت کا برتاؤ اپني تمام رعایا کے ساتھہ کوئي عمدہ برتاؤ نہیں ہے - اِس برتاؤ میں اگر حکومت پہلے معذور تھي تو یقیناً اب اُسے برقرار رکھنے میں اُس کے لیے کوئي عذر نہیں هوسکتا - کیونکہ اِس مسلک کا ثمرہ ' ظلم کے سوا کچھہ نہیں ہے - جہل ' اُس سے پھیلتا ہے ' فقر و فاقہ اور شر و فساد کي اُس سے پیدائش هوتي ہے -

یورپ خیال کرتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ میں صرف مسیحي رعایا هي ظلم و تذلیل کے لیے منتخب کرلي گئي ہے - حالانکہ یہ سخت غلطي ہے - مسلمان ' جن کي حمایت پر کوئي یورپین سلطنت نہیں ' مسیحیوں سے زیادہ ظلم اُٹھا رہے هیں - اُن کے مصائب و آلام کہیں زیادہ هیں - وہ ابتک محض اِس لیے صبر کیے بیٹھے هیں کہ قضاء و قدر پر اُن کا پختہ ایمان ہے - صبر و سکون کے عادي هیں - نفس بلند رکھتے هیں - اُن کي یہ صفات ' یورپین تخیل سے بہت بلند هیں - اِس لیے یورپ والے اُنھیں سمجھہ نہیں سکتے - پھر یہ مسلمان ' اُن شریف اور اولو العزم اسلاف کي نسل هیں جو فرمانروائي کے تخت پر جلوہ گر هوچکے هیں - سلطنت سے اُنکا اخلاص ' قرآن پر اُن کے ایمان سے مل کر ایسا راسخ هوگیا ہے کہ ابتک اُس میں تزلزل پیدا نہیں هوا - لیکن اعلیٰ حضرت اپنے مخلص ترین خادم کو یہ عرض کرنے کي اجازت دیں کہ اب مسلمانوں کا بھي پیمانۂ صبر لبریز هوگیا ہے - مصیبت آخري حد تک پہنچ چکي ہے - آلام نے اُن کا جسم کھا ڈالا ہے - اپنا غم و غصہ چھپانے کي اب اُن میں قدرت باقي نہیں رهي - یقیناً حضور والا کے خاندان اور قوم کے لیے یہ سخت خطرہ ہے کہ رعایا ' یاس و نا اُمیدي کا شکار هوجائے -

مخلوق پر ظلم بہت سخت هوگیا ہے - آپ یقیناً اُس سے متنفر هیں ' اور میں یقین کرتا هوں کہ آپ کي اُمت کے عظماء و اکابر بھي اُس سے بیزار هیں - لیکن وہ مجموعي حکومت کا ایک لازمي نتیجہ ہے - حتیٰ کہ خود اعلیٰ حضرت بھي ' جنکي قوت معلوم اور سطوت مشہور ہے ' شاید اُسے روکنے کي قدرت نہیں رکھتے - کیونکہ اُس کي خبر سمع مبارک تک پہنچتي هي نہیں - حالانکہ وہ اِس اُمت کی مردانگي تباہ کر رہا ہے - اُس کي شخصیت گرا رہا ہے ' اُس کے فضائل برباد کر رہا ہے -

میرے آقا ! آپ کي رعایا میں ایسے مخلص افراد موجود هیں جن کے دل یہ دیکھکر حسرت سے پگھلے جاتے هیں کہ یہ امت — جو هماري عزت و فخر ہے — کس طرح نسل کي کمي اور هجرت کي زیادتي کي وجہ سے کمزور و کم تعداد هوتي چلي جا رهي ہے - لیکن میں اس سے خائف نہیں هوں - ممکن ہے اِس میں هماري فوجي نظام کو بھي کچھہ دخل هو - لیکن جس چیز سے میں ڈرتا هوں اور جسے روز بروز قریب آتے دیکھتا هوں ' وہ یہ ہے کہ هم مغلوب قوموں کے مشابہ هوتے جاتے هیں - روز بروز هماري معنویت کمزور هو رهي ہے اور یہ مرض قوم کے تمام طبقوں میں عام هوتا جاتا ہے -

میرے آقا ! همارے اسلاف نے چار صدي پہلے مشرق کي رومن شہنشاهت تہہ و بالا کر ڈالي ' عروس البلاد اور ملکۂ جہاں ' قسطنطنیہ میں اپنے قدم گاڑ دیے ' اور وہ فتح عظیم حاصل کي جو تاریخ میں ایک عظیم ترین کارنامہ شمار کي جاتي ہے - لیکن اِس حیرت انگیز کامیابي کا راز کیا تھا ؟ صرف دین کا اعتقاد اور جنگ میں شجاعت هي نہ تھي - اُن کي وہ اولو العزمي اور بہادري ' درحقیقت ' اُن کي معنویت هي کا ایک جلوہ تھا - وہ اپنے سرداروں کي اطاعت ' خوش دلي سے کرتے تھے ' نہ کہ خوف اور مجبوري سے - یہي وجہ تھي کہ ذلت اُن پر قابو نہ پاسکي - عقل پر اندھي تابعداري غالب نہ آسکي - اُنکي خود داري برابر باقي رهي - استقلال ذاتي نے اُن کا ساتھہ نہ چھوڑا - اطاعت نظام (ڈسپلن) کي روح ' عزت نفس کي روح سے مل گئي تھي - دونوں روحیں ' مضبوط اخلاق کي بنیادوں پر قائم تھیں - فضیلت نے اُنمیں گھر کرلیا تھا - اس لیے اُنھوں نے وہ عظیم سلطنت اُلٹ ڈالي جسے استبداد کي رذیلتیں گھن کي طرح لگ گئي تھیں ' اور ظلم و جور نے اُس کي تمام چولیں هلا ڈالي تھیں -

بالشبہ ' مضبوط اخلاق ہي اِس وجود ميں تنہا ايک قوت نہيں ہے - کيونکہ يہاں جرائم کي بھي جرار فوجيں کھڑي ہيں ' اور گناہوں کے تخت بھي بچھے ہيں - ليکن يہ يقيني ہے کہ مضبوط اخلاق ' ايک مستحکم و راسخ بنياد ضرور ہے - اُس کے بغير کوئي سلطنت قائم نہيں ہوسکتي - جب وہ کسي قوم کا ساتھہ چھوڑ ديتا ہے ' تو اُس قوم کي اجتماعي عمارت بھي گر پڑتي ہے - اُس کا يہ خاصہ عجيب ہے کہ جوں جوں اُس کي فتوحات ميں وسعت ہوتي ہے ' اُس کا دائرہ بھي وسيع و عظيم ہوتا جاتا ہے - برخلاف دوسري قوموں کے جو امتداد زمانہ سے کمزور ہو جاتيں اور کاميابي کے بعد فنا ہونے لگتي ہيں -

اعلي حضرت کي عظمت اور وطن کي عزت کے تمام خير خواہ ' انتہائي رنج و ملال سے ديکھہ رہے ہيں کہ قوم کي شہامت ' زائل ہو رہي ہے اور اُسکي شرافت و خودداري ختم ہوتي جاتي ہے - يہ اعلي صفات ' قوم ميں کيونکر باقي رہ سکتي ہيں ' اگرچہ کتني ہي راسخ ہوں ' جبکہ مسيحي رعايا کے ساتھہ مسلمان بھي گونا گوں ذلتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہيں اور ہر قسم کي دنائت کے گھونٹ اُنہيں زبردستي پلائے جارہے ہيں ؟ مسلمان اور عيسائي ' حضور والا کي تمام رعايا ' حکام کے ظلم و جور سے چيخ رہي ہے - يہ حکام وہ ہيں جو حضور کے برائے نام فرمانبردار ہيں - اعلي حضرت کو کيا معلوم کہ وہ شاہي احکام قوم ميں جاري کرتے ہيں يا اپني ہوا و ہوس سے کام ليتے ہيں !

آپ کي سلطنت ' عام رائے سے خالي ہے - نتيجہ يہ ہے کہ آپ کے عمال ' رعايا کے سامنے جواب دہ نہيں ہيں - اِس کے معني يہ ہيں کہ خود حضور کے عرش معلي کے روبرو بھي ذمہ دار اور جواب دہ نہيں ہيں ' کيونکہ کوئي شخص بھي اُن کي شکايت عتبات عاليہ تک پہنچانے کي قدرت نہيں رکھتا اور چونکہ اُن کے جرائم ذات شاہانہ کے علم ميں نہيں آسکتے ' اِس ليے اُن سے باز پرس بھي نہيں ہو سکتي - لہذا وہ بالکل نڈر ہو گئے ہيں - رعيت پر دست درازي ميں بے باک ہيں - ہر قسم کي برائياں کھلے بندھوں کر رہے ہيں - باشندے دو گروہوں پر منقسم ہو گئے ہيں : ظالم حاکم ' کوئي نہيں جو اُن کا ہاتھہ پکڑے - مظلوم رعايا ' کوئي نہيں جو اُس پر ترس کھائے - حاکم ' جس کا دعوي ہے کہ اُس کي قوت ' خود سلطان کي قوت ہے ' لہذا بے روک اور بے قيد ہے - وہ اِس قوت کي گھمنڈ ميں جملہ معائب و نقائص سے آلودہ ہوتا ہے - محکوم ' جس کا کام يہ رہ گيا ہے کہ ذلت کے تاريک غار ميں برابر گرتا چلا جائے - حکام ' جنھوں نے رعايا کے لبوں پر قفل چڑھا ديے ہيں - اگر کبھي کسي کے منہ سے فرياد کي چيخ بلند ہو جاتي ہے تو يہ حکام اُسے بغاوت قرار دے ديتے ہيں - لہذا تمام رعايا ' نا اُميدي ميں پڑ گئي ہے - بے حساب ظلم و جور کے نيچے دبي ہے ' مگر خوف سے چپ ہے - ظلم کے ہاتھہ اُس کا گلا دابے ہوئے ہيں ' اور اعلي حضرت سے مخفي نہيں کہ ظلم دلوں ميں فساد پيدا کر ديتا اور عقلوں ميں فتور ڈال ديتا ہے -

ترکوں کي رگوں ميں پاک اور بے ميل خون موج زن ہے - يقيناً ہم وطن سے بے حد محبت کرتے ہيں - حب الوطني ' ہماري ہمتيں بلند کرتي ہے ' بڑي سے بڑي قربانياں بھي ہم پر آسان کرديتي ہے - ہم بہادر سپاہي ہيں ' موت سے نہيں ڈرتے - ہم ميں وقار ہے اور ہمارے اسلاف سے ہميں ميراث ميں ملا ہے - ہمارا امتيازي وصف ' صريح اخلاص ہے - يہي اخلاص ہميں آمادہ کرتا ہے کہ مسرات کو جملہ محاسن پر ترجيح ديں - ليکن کيا يہ صفات حميدہ ہم ميں زيادہ مدت تک باقي رہينگي ؟ کيا ہم خير و شر کے اِس تصادم کا ہميشہ يونہي مقابلہ کرتے رہينگے ؟

ميرے آقا ! جس دن يہ اخلاق ہم سے رخصت ہو جائينگے ' اُسي دن ہماري موت بھي نازل ہو جائيگي - ہم کسي کو بھي اپنا حامي و مددگار نہ پائينگے -

کاش ہماري مصيبت ' صرف ہمارے معنوي انحطاط ہي پر ختم ہو جاتي اور اِس جہل عميم اور فساد عظيم تک نہ پہنچتي جو ہمارے تمام عقلي قوي تباہ کر رہا ہے -

ميرے آقا ! جب ہمارے اسلاف يورپ ميں اُترے ' تو اُن کے پاس علم کي کوئي روشني بھي نہ تھي - ليکن وہ ذوق سليم رکھتے تھے - يہ ذوق اُن ميں قوت و جرأت پيدا کرتا تھا ' جيسا کہ تمام پاک اور بلند نفسوں کا خاصہ ہے - وہ علم نہيں رکھتے تھے ' مگر عقل کے مالک تھے - وہ عقل جو حرکت پسند کرتي ' جمود سے نفرت کرتي ' اور رذالت سے کراہت رکھتي ہے - وہ اُن لوگوں سے بالکل مختلف تھے جو ہمارے ہزاروں ديکھتے ہي بھاگ کھڑے ہوئے تھے - وائے افسوس ! عقليں ' اُس حکومت کے زير سايہ مفلوج ہوجاتي ہيں ' جس ميں انفرادي ہمت کے ليے کوئي گنجائش نہيں ہوتي !

ميرے آقا ! آپ کي رعايا ميں ترک سب سے زيادہ استبداد سے متاثر ہوتے ہيں - کيونکہ يہ استبداد اُن کي فطري استقامت نفس اور خود داري سے ميل نہيں کھاتا - ہم ترکوں ميں وہ شرمناک قابليت ذرا بھي موجود نہيں جو بيزنطيني عياشوں ميں تھي - اُن کي حالت يہ تھي کہ عقل و فطنت رکھتے تھے مگر نہ ذلت سے گريز کرتے تھے نہ مطلق العنان حکومت سے نفرت رکھتے تھے - ہم بالکل سادہ دل پيدا ہوئے تھے - ہمارے خيالات کي سادگي پر دنيا کو حيرت تھي - ليکن جب ہمارے خيالات ہم سے چھين ليے گئے تو ہم مضبوط الحواس ہوگئے - عقل کي نعمت سے محروم ہوگئے - اگر يہي حالت جاري رہي تو ايک دن آئيگا جب ہم ميں حکمراني کي صلاحيت باقي نہ رہے گي - کوئي ايک آدمي بھي ايسا نہ مليگا جو انتظام سنبھال سکے -

حضور والا ! ہم اب ايک ايسے زمانے ميں ہيں جس ميں عزت اُسي کو مل سکتي ہے ' جس کي عقل بڑي اور علم زيادہ ہو - يہي باعث ہے کہ تمام يورپ ميں علم کا غلغلہ بلند ہے اور تمام قوتيں اُس پر صرف ہو رہي ہيں - کوئي حکومت بھي اِس کے فکر و اہتمام سے خالي نہيں ہے - سوئٹزر لينڈ ميں ايک آدمي بھي اَن پڑھہ دکھائي نہيں ديتا - انگلستان ميں (جس پر مدتوں بھر اسرا حکومت کرتے تھے مگر اب اپنے امتيازات سے دست بردار ہوتے جاتے ہيں) ۲۵ - برس سے اشاعت تعليم کي عظيم الشان کوششيں ہو رہي ہيں - مجھے يقين ہے کہ پروشيا نے آسٹريا پر صرف اِس سبب سے فتح پائي ہے کہ وہ مغلوب سے علم ميں زيادہ تھي - کيا ہمارے ليے روا ہے کہ اپنے عقلي انحطاط پر قانع رہيں ' حالانکہ ہمارے گرد يورپ ' عقلي ارتقاء کے ليے آن تھک کوششيں کر رہا ہے ؟

ميں اِس خيال سے پناہ مانگتا ہوں کہ اعلي حضرت اشاعت تعليم کے ليے صرف مدارس کي کثرت کافي تصور فرمائيں - وہ محل کس کام کے جنميں مکين نہ مليں ؟ اُن مدارس سے کيا فائدہ جن ميں ذلت و خواري کي اولاد تربيت پائے ؟

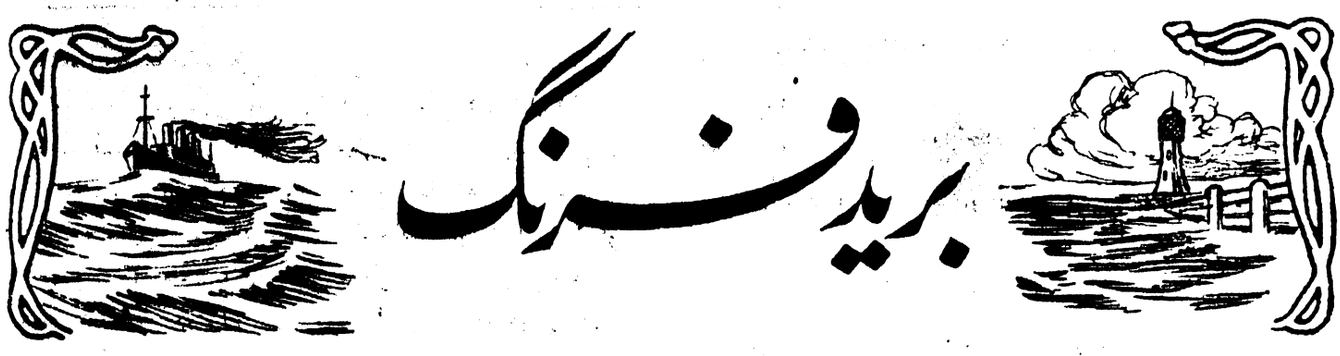

آزادی ' قوموں کے لیے اولین مربی ہے - آزادی ہی تمام دوسرے مربیوں کو پیدا کرتی ہے - کوئی مربی بھی آزادی کا قائم مقام نہیں ہوسکتا - کوئی مربی بھی آزادی کا عمل انجام نہیں دے سکتا - غلام قومیں علم کی تحقیر کرتی ہیں ' کیونکہ علم اُنہیں کچھہ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا - قومیں اُسی وقت علم کی طرف راغب ہوتی ہیں ' جب اُنہیں اپنے حقوق کی جانب سے اطمینان ہوجاتا ہے - وہ علم اس لیے حاصل کرتی ہیں کہ اپنے حقوق سے فائدہ اُٹھائیں - اور بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں - ہر جاہل اور غلام قوم ' بزدل ہوتی ہے یا خائن -

اعلی حضرت! اِس وقت ہماری مصیبت صرف یہی نہیں ہے کہ ہم معنوی کمزوری اور عقلی فساد میں مبتلا ہیں - ہماری مصیبت اِس سے بھی بڑی ہے - ہم ہر جگہ ایک جبار و قہار دشمن کو اپنے سامنے پاتے ہیں - وہ بے رحم دشمن ' ہمارا افلاس ہے - حضور نے کتنی مرتبہ اپنے خزانے خالی دیکھے ؟ کتنی مرتبہ تنخواہیں تقسیم کرنے کے لیے روپیہ موجود نہ پا کر رنجیدہ ہوئے ؟ آپ کا رحیم قلب یہ سونچ کر ہمیشہ کس قدر اداس ہوتا رہا ہے کہ عمال سلطنت کی تنخواہیں بہت حقیر ہیں ؟ یہ اس لیے کہ حضور جانتے ہیں ' مشرقی عہدہ دار جب تنخواہ کافی نہیں پاتے ' تو رشوت خوار ہو جاتے ہیں - رعایا میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتے ہیں - لیکن سلطنت کے خزانے خالی ہونے پر ہمیں اُتنا افسوس نہیں جتنا رعایا کی غربت کا افسوس ہے - کیونکہ سرکاری خزانہ محض اِس لیے خالی رہتا ہے کہ رعایا غریب ہے - رعایا کا افلاس ' ایک عظیم ترین خطرہ ہے -

دنیا کی حکمتوں میں صرف اعلی حضرت ہی کی حکومت ایسی ہے جو اِتنے قلیل خراج پر زندہ ہے - حضور کی سلطنت نہایت عظیم ' وسیع ' اور آباد ہے - تعجب ہے کہ رعایا اِتنا قلیل خراج بھی ادا نہیں کر سکتی ! لیکن ہمارا یہ تعجب باقی نہیں رہتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ خراج جمع کرنے کا طریقہ ' ایک بد ترین طریقہ ہے - ہماری قوم ' بہت ہی کم کام کرتی ہے - وہ ہر ہنر سے جاہل ہے - یہی وجہ ہے کہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہے اور حکومت کا خراج ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی - حالانکہ دوسرے ملکوں کی رعایا ہم سے بہت زیادہ خراج بخوشی ادا کر دیتی ہے -

اعلی حضرت کی سلطنت میں ہر چیز کو زوال آگیا ہے : زراعت ' تجارت ' صنعت ' کوئی چیز بھی تباہی سے نہ بچی - ہم پیدا کرنے کے طریقے بالکل بھول گئے ہیں اور اپنے فقر و فاقہ کے مشاہدہ پر قانع ہیں - فقر کی ہیبتناک صورت ہمارے سامنے ہے - ہم اُس کی دہشت سے ہمت و جرأت کا کوئی کام کر ہی نہیں سکتے -

بد نصیب کروڑ پتی

(کیا دولت ' حسرت کا سبب ہے ؟)

(دولت جمع کرنے کے لیے ہے یا خرچ کیلیے ؟)

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ دولت مند ' خوش نصیب ہیں - اور فقر و فاقے میں مبتلا انسان بد نصیب - لیکن یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں ہے - کیونکہ بہت سے کروڑ پتی ' انتہاء درجہ بد نصیبی کی زندگی بسر کر رہے ہیں - اور بہت سے نان شبینہ کے محتاج ہیں جنھیں مسرت و سعادت کی زندگی حاصل ہے !

حال میں مسٹر چارلس ولنٹ نے جو ایک مشہور امریکن کروڑ پتی ہیں' اِس موضوع پر ایک مضمون شایع کیا ہے - وہ اِس لائق ہے کہ مفلس اور امیر ' دونوں اسے غور سے پڑھیں -

وہ لکھتے ہیں :

دولت ؛ مسرت و سعادت کے لیے کوئی لازمی شرط نہیں ہے - کیونکہ مسرت ' در حقیقت خود اُس شخص پر موقوف ہوتی ہے جو اُس کا متمنی ہوتا ہے - میں بہت سے کروڑ پتیوں سے واقف ہوں - یہ دنیا کے سب سے زیادہ بد نصیب انسان ہیں - لیکن بہت سے ایسے مفلس انسانوں کو بھی جانتا ہوں جو نہایت پر مسرت زندگی بسر کر رہے ہیں !

مجرد دولت سے اُسی شخص کو مسرت حاصل ہو سکتی ہے جو حد سے زیادہ طماع اور صرف مال کا حریص ہو - ورنہ محض دولت کے جمع ہوجانے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ مسرت بھی جمع ہو جائے -

دولت سے وہی شخص مسرت حاصل کر سکتا ہے جو صرف اُس کا جمع کرنا ہی نہیں جانتا ' بلکہ خرچ کرنا بھی جانتا ہے - میرے خیال میں وہی دولت مند ' مسرت و سعادت محسوس کرتے ہیں جو اپنی دولت بہتر طریقوں پر خرچ کرنا جانتے ہیں -

میں بہت سے آدمیوں کو جانتا ہوں جو کہا کرتے ہیں " اگر ہمیں ایک ملین ڈالر مل جائے تو ہم مطمئن ہو جائیں اور خوش و خرم زندگی بسر کریں " لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے - اِتنی دولت جمع ہوجانے کے بعد بھی وہ خوشی محسوس نہیں کرینگے ' الا یہ کہ وہ یہ بھی سیکھہ لیں کہ اپنی دولت کس طرح خرچ کرنی چاہیے ؟

جب میں نے دولت جمع کرنی شروع کی' تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے یہ خیال نہیں گزرا تھا کہ میں عنقریب کروڑ پتی بن جاونگا - میرے خواب میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ ایک

ملین ڈالر بھی جمع کر سکوں گا - اُس وقت میرے پیش نظر صرف یہ خیال تھا کہ کسی طرح دنیا کا ایک کامیاب آدمی بن جاؤں -

میرے پیش نظر کامیابی کیا تھی ؟ اُس کا معیار کیا تھا ؟ میں بتا نہیں سکتا - کیونکہ کوئی مفصل خیال ذہن میں موجود نہ تھا - کامیابی کا محض ایک مبہم سا تصور تھا - میں نے بھی تصور اپنا مطمع نظر قرار دے لیا اور کوشش شروع کردی - مجھے خود تعجب ہوا کہ تھوڑی ہی مدت بعد دولت اپنے آپ جمع ہونے لگی تھی اور ابتک جمع ہوتی چلی جاتی ہے !

مجھے آج تک اپنی غربت اور تنگ دستی یاد ہے - میں بہت کم عمر تھا - طرح طرح کے ولولے اور امنگیں دل کو گد گداتی تھیں ' مگر میں اپنی کوئی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتا تھا - مجھے پیٹ بھر کر روٹی بھی نہیں ملتی تھی - میں دربدر کام تلاش کرتا پھرتا ' اور کہیں بھی کام نہیں ملتا - سخت جد وجہد کے بعد بالاخر ایک کام ملا - ایک بحری حوض میں نوکری مل گئی - ہفتہ وار سولہ شلنگ تنخواہ مقرر ہوگئی - میں بہت خوش ہوا - مگر فوراً ہی میری خوشی رنج سے بدل گئی - کیونکہ اِس کمپنی کے منیجر مسٹر گوبس نے مجھے بلا کر نہایت خشکی سے کہا " یہ تنخواہ تمھیں ملے گی ' اگرچہ تم اِس کے کسی طرح بھی اہل نہیں ہو !"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا - میرے دل میں سخت غم و غصہ تھا - میں نے عزم کرلیا کہ کچھ ہی ہو جائے ' میں اپنی حالت ضرور درست کرکے چھوڑونگا - چنانچہ میں نے کوشش شروع کردی ' اور چند ہی سال بعد یہی مسٹر گوبس مجبور ہوئے کہ مجھے اپنی عظیم کمپنی کا شریک بنا لیں !

مجھ سے لوگ پوچھا کرتے ہیں " آدمی کروڑ پتی کیسے بن جاسکتا ہے ؟ " میرا جواب ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ دولت جمع کرنے کا کوئی خاص قاعدہ نہیں ہے - اِس کا مدار صرف دو باتوں پر ہے : ذہانت اور قسمت - اگر انسان کو اِن دونوں میں سے کافی حصہ ملا ہے ' تو بلا شبہ وہ بہت زیادہ دولت جمع کرلے سکتا ہے -

بہت سے معمولی ذہانت کے لوگ ہمیشہ " زمانہ " کو ملامت کیا کرتے ہیں کہ اُن کا ساتھ نہیں دیتا - وہ کہتے ہیں " اگر ہمیں ایک موقعہ بھی میسر آجائے تو ہم فوراً دولتمند بن جائیں " لیکن یہ اُن کی غلطی ہے - قصور زمانے کا نہیں خود اُن کا ہے - اُن کی ذہانت و قابلیت کا ہے - اعلیٰ ذہانت کے لوگ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر موقعہ کا انتظار نہیں کیا کرتے - وہ خود موقعہ پیدا کرتے ہیں اور اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں -

میں نوجوانوں کو ہمیشہ نصیحت کرتا رہتا ہوں کہ اپنی تمام قوتیں ،اور کوششیں ایک ہی طرف متوجہ رکھیں - کیونکہ بغیر اِس کے دولت حاصل نہیں ہو سکتی - مختلف کام شروع کرکے کوششیں پراگندہ کر دینے سے اکثر ناکامی کی مصیبت پیش آجایا کرتی ہے - ہمیشہ ایک مرکز بنانا چاہیے ' اور اُسی پر تمام قوتیں صرف کردینی چاہییں - بلا شبہ میں بھی اُن لوگوں میں ہوں جو بیک وقت بہت سی تجارتیں پھیلائے ہوئے ہیں - لیکن یہ میں نے اب کیا ہے جبکہ ایک بڑے سرمایہ کا مالک بن چکا ہوں - شروع شروع میں نے کبھی یہ جرأت نہیں کی کہ بہت سے کام لے کر بیٹھ جاؤں -

بریدِ شرق

مکتوب قسطنطنیہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا پیغام - مجلس وطنی کا انتخاب - وزراء آستانہ میں - غازی کے خلاف سازش -

(غازی مصطفیٰ کمال کا پیغام)

مجلس وطنی کے انتخاب کے سلسلہ میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی قوم کے نام ایک پیغام شایع کیا ہے - یہ تحریر خود موصوف نے اپنے قلم سے لکھی ہے - اس لیے نہایت پر زور اور بلیغ ہے - اِس میں اُنھوں نے جنگ آزادی کے بعد پہلی مجلس وطنی اور اپنی جماعت " خلق فرقہ سی " کی کارگزاریاں یاد دلائی ہیں اور پھر قوم سے اپنی جماعت کے انتخاب کی درخواست کی ہے - وہ لکھتے ہیں :

" آج موقعہ ہے کہ ہم گزشتہ چارسال کے اندر اپنے عظیم اصلاحی و تعمیری جہاد پر نظر ڈالیں اور اطمینان کے ساتھ وہ کامیابیاں دیکھیں جو ہم نے حاصل کی ہیں - ہمارا ملک ایک ایسی مہیب جنگ سے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ' فتحمند نکلا تھا - اُسے اُن مساعی و اعمال کی سخت ضرورت تھی جنسے قومیں زندہ رہتی ہیں - یہ پہلا موقعہ نہ تھا کہ ترکی قوم نے فتح و نصرت دیکھی تھی - ترکی قوم کی پوری تاریخ فتوحات سے لبریز ہے - لیکن چونکہ پہلے ترکی قوم میدان جنگ سے باہر کوئی کوشش نہیں کرتی تھی ' اس لیے اپنی فتح سے کوئی فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتی تھی - بلکہ بتدریج اُسکی فتح ' شکست بن جاتی تھی - جو فتحمندی بر قرار نہیں رکھی جاتی ' اُس کے نتائج بسا اوقات '

محنت اور چستی کو بھی کامیابی میں بہت بڑا دخل ہے - شروع میں میرا دستور یہ تھا کہ صبح سات بجے سے اپنے کام پر پہنچ جاتا تھا اور گیارہ بجے رات سے پہلے واپس نہیں آتا تھا - میں جانتا ہوں کہ آج کل کے نوجوان اِتنی محنت نہیں کرسکینگے - لیکن اگر وہ اُنتی محنت بھی کریں ' جتنی وہ آسانی سے کرسکتے ہیں ' تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیاب نہ ہو جائیں -

میرے خیال میں منضبط محنت سے زیادہ لذیذ کوئی چیز بھی نہیں ہے - میں دنیا کے ایک بہترین جہاز کا مالک ہوں - بہترین بادبانی کشتی بھی میرے پاس ہے - میں نے شکار بھی بہت کھیلا ہے - عیش و آرام کے جملہ سامانوں سے بھی متمتع ہوا ہوں - مگر میں سچ کہتا ہوں - مجھے کسی بات میں بھی اُتنی لذت حاصل نہیں ہوئی ' جتنی اپنی روز کی محنت میں حاصل ہوتی ہے - میں سمجھتا ہوں ' میری کامیابی کا سب سے بڑا راز میری اِسی محنت میں ہے -

شکست سے بھي زيادہ بد تر ثابت ہوئے ہيں - ليکن اِس مرتبہ ہم نے اِس قديم سنت پر عمل نہيں کيا - ہم فوراً اصلاحي اور تعميري کوششوں ميں لگ گئے - حالت امن ميں ہماري مساعي ' حالت جنگ کي مساعي سے بھي کہيں زيادہ عظيم تھيں - ہم نے عزم بالجزم کر ليا تھا کہ اِس فتح مبين سے فائدہ اٹھائينگے اور اِسے ترکي قوميت کي تجديد کا سنگ بنياد بنا ديںگے - چنانچہ ہم نے ايسا ہي کيا !"

اِس کے بعد غازي نے اپني جماعت کي کارگزاريان بيان کي ہيں :

" جنگ آزادي سے ملک ايک عظيم اصول لے کر باہر نکلا - وہ اصول يہ تھا " سيادت بلا کسي قيد و شرط کے صرف قوم ہي کي ہے " اِسي اصول کي بنا پر جمہوريت کا اعلان کيا گيا - اِسي اصول کي بنا پر منصب خلافت موقوف کيا گيا جو صديوں سے ترکي قوم کے سر پر ناقابل برداشت بار تھا :- ہماري جمہوري جماعت کي رائے ہے کہ ہر اجنبي مداخلت سے جمہوريت کي حفاظت کرنا ترکي قوميت کے مستقبل کے ليے ناگزير ہے - يہي سب سے بڑا وطني فرض ہے - يہي قوم کي زندگي کي اصلي ضمانت ہے "

اِس کے بعد موصوف نے اُن حيرت انگيز ترقيوں کا ذکر کيا ہے جو اِس قليل مدت ميں اُن کي جماعت کے ہاتھوں ظاہر ہوئي ہيں - بالاخر پيغام اِس عبارت پر ختم ہوتا ہے :

" اِس زندگي ميں ميرا سب سے بڑا بھروسہ اور ميري سب سے بڑي قوت يہ ہے کہ قوم مجھپر اعتماد کرتي ہے - يہي سبب ہے کہ ميري زندگي کا سب سے بڑا مقصد بھي يہي رہا ہے کہ اِس امانت کو زيادہ سے زيادہ مقدس سمجھوں اور بہتر سے بہتر طريقہ پر ادا کرنے کي کوشش کروں - اگر تم ہمارے نام زد کردہ اشخاص کو اپني مجلس وطني ميں بھيجوگے ' تو ہم دربارہ تمہاري خدمت کا موقعہ حاصل کر سکينگے - مجھے پورا يقين ہے کہ مستقبل ميں ترکي جمہوريت اور ترکي قوم کي آور بھي زيادہ شاندار خدمتيں ميں انجام دے سکتا ہوں - عنقريب ترکي کا مستقبل بہت ہي عظيم ہوگا ' کيونکہ اُس کے افراد پوري ہمت سے مستقبل کي تعمير ميں مصروف ہيں "

(مجلس وطني کا انتخاب)

مجلس وطني کے انتخابات ختم ہوگئے ہيں - ہر طرف سے خبريں آ رہي ہے کہ جمہوري يا کمالي جماعت کامياب ہو رہي ہے - ليکن يہ کاميابي کوئي ايسي کاميابي نہيں ہے جسے انتخاب اور مقابلہ کي کاميابي سے تعبير کيا جائے - کيونکہ اِس جماعت کے سوا کوئي دوسري جماعت ملک ميں موجود ہي نہيں ہے - اور اگر ہے تو انتخاب ميں شريک نہيں ہوئي ہے -

غازي مصطفى کمال کي جمہوري جماعت کي طرف سے ۳۱۶ - اميدوار کھڑے کيے گئے ہيں - اُن کي تفصيل حسب ذيل ہے :

۴۹ - انتظامي آدمي ہيں - ۴۶ - کاشتکار ہيں - ۴۰ فوجي افسر ہيں - ۳۴ وکالت پيشہ ہيں - ۲۵ علمي آدمي ہيں - ۲۵ تاجر ہيں - ۲۳ اخبار نويس ہيں - ۲۳ ڈاکٹر ہيں - ۲۳ ماہر اقتصاديات ہيں - ۹ سياسي ہيں - ۷ انجينير ہيں - ۳ محکمۂ تار اور ڈاک کے آدمي ہيں - ۳ آلات سازي کے ماہر ہيں - ايک دوا ساز ہے -

اِس مرتبہ مخالفين سے ميں کسي ايک شخص کو بھي اِس جماعت نے نامزد نہيں کيا - چنانچہ علي فؤاد پاشا ' طيار پاشا ' کاظم قارا بکير پاشا وغيرہ ميں سے کوئي بھي انتخاب ميں شريک نہيں ہے -

(تمام وزراء آستانہ ميں)

اِس وقت تمام وزير آستانہ ہي ميں موجود ہيں - پرسوں غازي کي صدارت ميں مجلس وزارت با ضابطہ منعقد ہوئي - جمہوري حکومت کي يہ پہلي مجلس سلاطين آل عثمان کے تاريخي محل ' طولمہ باغچہ ميں جمع ہوئي اور مختلف مسائل پر غور کيا -

اِس واقعہ سے پھر لوگوں ميں يہ افواہ پھيل رہي ہے کہ اگر پايۂ تخت انگورہ سے پوري طرح منتقل نہ ہوا ' تو بھي قسطنطنيہ گرمالي پايۂ تخت ضرور بنا ديا جائيگا -

(غازي کے خلاف سازش)

اِس ہفتہ کا اہم واقعہ غازي مصطفى کمال پاشا کے قتل کي سازش ہے - اِس سازش ميں چار آدمي گرفتار ہوئے ہيں - تين ارمني ہيں - ايک ترک بتايا جاتا ہے - سازشيوں نے پوليس سے مقابلہ بھي کيا - ايک قتل ہوگيا - تين پکڑ ليے گئے - پوليس کا بھي ايک سپاہي قتل ہوا ہے -

مجرموں نے اقرار کيا ہے کہ حکومت يونان کے اشارے سے اُنھوں نے يہ اِرادہ کيا تھا - تجويز يہ تھي کہ غازي موصوف جب انگورہ واپس جانے لگيں تو راستے ميں اُنکي ريل ڈائنامیٹ سے اُڑا دي جائے -

اِس خبر نے يہاں کي عام رائے ميں سخت ہيجان پيدا کر ديا ہے - کيونکہ ترکي قوم ارمينوں اور يونانيوں کي سازشوں سے بہت نقصان اُٹھاچکي ہے - سعيد حليم پاشا وزير اعظم ' غازي انور پاشا ' جمال پاشا ' طلعت پاشا ' کاظم بک وغيرہ ' ترکي کے ايسے فرزند تھے ' جنميں سے ہر شخص اپني جگہ دنيا کا بڑا آدمي شمار ہوتا تھا - مگر شقي ارمنيوں نے سب کو ايک ايک کرکے دھوکے سے قتل کر ڈالا ' اور ترکي کے دل پر ايسے زخم لگائے ' جو مدتوں مندمل نہ ہونگے -

اب اِن بد بختوں کي نظر غازي مصطفى کمال پاشا پر ہے جو اِس وقت ترکي قوم کي روح رواں ہيں -

الہلال کی تصاویر

افسوس ہے کہ دسہرہ کي تعطيل کے وجہ سے (جو کلکتہ ميں پوجا کي تعطيل کہي جاتي ہے) وہ تصاوير طيار نہ ہوسکيں جنھيں الہلال کے صفحات ميں درج کرنا تھا - اب اس کے سوا چارہ نہيں کہ اس کي تلافي آئندہ اشاعت ميں کي جاے -

افسانہ

غضبناک محبوبہ

L'ARRABIATA

پال ہیس کے قلم سے

پال ہیس Paul Heyse جرمنی کا مشہور و معروف شاعر اور فسانہ نگار ہے۔ ۱۹۱۰ء میں اُسنے انتقال کیا۔ اُس کے دیوان اور اُس کے افسانے اس قدر مقبول ہوئے ہیں کہ اُس کا نام غیر فانی ہو گیا ہے۔ ذیل میں اس کے ایک مقبول عام افسانہ کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ غالباً یہ دونمبروں تک مسلسل شائع ہوتا رہے۔

پو پھٹ رہی تھی۔ آتش فشاں دیزو دیس کی چوٹی، سیاہ بادل میں چھپی تھی۔ اُس کے دامن شہر نابلی تک پھیلے ہوئے تھے۔ قرب وجوار کے گاؤں ابھی اندھیرے میں تھے۔ سمندر خاموش اور صاف تھا۔ خلیج سورنتو کے کناروں پر ماہی گیر اور اُن کی عورتیں اپنے روزمرہ کے کام شروع کر چکی تھیں۔ کوئی ہاتھ بھی خالی نہ تھا۔ بوڑھے اور بچے تک محنت کر رہے تھے۔

"رشیل!" ایک بڑھیا نے اپنی پوتی سے کہا "لے، پادری انیڑ آگیا۔ انٹونیو، اُسے اپنی کشتی میں جزیرہ کاپری لے جائے گا۔ مگر ملاح کی آنکھیں نیند کے خمار سے اب تک بھاری ہو رہی ہیں"

سب لوگ، پادری کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کا چہرہ نورانی تھا۔ دائیں بائیں، سر کے اشارے سے، مسکراتے ہوئے، سب کا سلام قبول کیا اور اپنے کپڑے احتیاط سے سمیٹ کر کشتی میں بیٹھ گیا۔

"ہیں! اماں پادری، جزیرے میں کیوں جا رہا ہے؟" چھوٹی لڑکی نے اپنی دادی سے سوال کیا۔ "کیا وہاں کوئی پادری نہیں ہے؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو" دادی نے اپنا پوپلا منہ ہلا کر کہا "جزیرے میں بہت سے پادری ہیں۔ وہاں کے سے خوبصورت کنیسے دنیا بھر میں کہیں موجود نہیں۔ لیکن وہاں ایک امیر عورت بیمار ہے۔ ایک زمانے میں وہ یہاں رہتی تھی۔ اُس وقت بھی بیمار ہوئی تھی اور ہمارے اسی پادری کی دعا سے اچھی ہوئی تھی۔ اس خوشی میں اُسنے پادری کو، اُسکے کنیسے کو، اور یہاں کے فقیروں کو بہت کچھ دیا تھا۔ اب پھر اُس نے پادری بلایا ہے تاکہ دنیا چھوڑنے سے پہلے اس مقدس آدمی کے سامنے اعتراف گناہ کر لے۔ سچ یہ ہے کہ ہمارے پادری جیسا اچھا اور وقت کوئی پادری بھی نہیں ہے"

یہ کہہ کر بڑھیا نے ایک مرتبہ پھر پادری کو سلام کیا، کیونکہ اُس کی کشتی اب روانہ ہونے کو تھی۔

"موسم کیسا ہے؟" پادری نے نابلی کی طرف نظر اُٹھا کر انٹونیو ملاح سے کہا۔

"باپ! ابھی سورج نہیں نکلا" ملاح نے جواب دیا "یہ تمام بادل سورج نکلتے ہی چھٹ جائے گا"

"تو جلدی کرو۔ دوپہر سے پہلے ہم پہنچ جائیں" پادری نے کہا۔

نوجوان انٹونیو نے ڈانڈ اُٹھائی۔ مگر وہ اچانک رُک گیا۔ کنارے کی سڑک غور سے دیکھنے لگا۔ سڑک پر کوئی آدمی تیزی سے بڑھا چلا آتا تھا اور ہاتھ ہلا کر اشارے کر رہا تھا۔

یہ دراصل ایک لڑکی تھی۔ اُس کی بغل میں ایک گٹھری دبی تھی معمولی لباس پہنے تھی۔ ظاہری وضع، فقر و غربت کا پتہ دیتی تھی۔ اُس کے کالے بالوں کی لٹیں ہوا میں اُڑ رہی تھیں۔ انٹونیو نے اُسے پہچان لیا۔

"انتظار کیا ہے؟" پادری نے سوال کیا۔

"ایک اور شخص بھی جزیرے جانا چاہتا ہے، بشرطیکہ آپ اجازت دیں" ملاح نے بمشکل کہا "زیادہ بھی دیر نہ ہوگی۔ وہ ایک لڑکی ہے۔ ابھی بوڑھے ۱۸ برس کی بھی نہیں ہے"

اب لڑکی سامنے تھی۔

"مدیلا!" پادری نے کہا "اُسے جزیرے میں کیا کام ہے؟"

انٹونیو نے جواب میں اپنے شانے ہلا دئیے۔ لڑکی برابر تیزی سے بڑھی چلی آتی تھی۔ اُس کی نظریں کشتی پر لگی تھیں۔

"اخاہ! غصہ ور پری! سلام!" بعض لاہی گیر اور ملاح چلائے۔

دوشیزہ نے حقارت کے ساتھ اُنھیں دیکھا۔ کسی کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی تیوری پر بل پڑے تھے۔ غصہ سے منہ تمتما رہا تھا۔ اگر وہاں پادری موجود نہ ہوتا تو ملاح اُسے ضرور چھیڑتے۔

"صبح بخیر، مدیلا!" پادری نے کہا "کیسی ہو؟ ہمارے ساتھ جزیرے چلتی ہو؟"

"اگر مقدس باپ کی اجازت ہو" مدیلا نے ادب سے جواب دیا۔

"انٹونیو سے اجازت لو" پادری نے کہا "کشتی اُسی کی ہے۔ ہر آدمی اپنا مالک ہے، اور خاص آدمیوں کا مالک ہے"

"یہ میرے پاس چار پیسے موجود ہیں، اگر کرایہ کو کافی ہوں" مدیلا نے انٹونیو کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تمھاری ضرورت مجھ سے زیادہ ہے" انٹونیو نے جواب دیا اور نارنگی کی ٹوکریاں ہٹا کر جگہ نکالنے لگا۔ نوجوان ملاح، جزیرے میں نارنگی لے جا کر بیچا کرتا تھا۔ کیونکہ صرف کشتی کے کرایہ سے کافی آمدنی نہیں ہوتی تھی۔

"لیکن میں مفت نہیں جاؤں گی" مدیلا نے غصہ سے کہا۔ اُس کے چہرے اور سیاہ آنکھوں میں غصہ کی حدت نمایاں تھی۔

"بیٹی! چلی آ" پادری نے دوشیزہ سے شفقت کے لہجہ میں کہا "تجھ سے کرایہ نہیں لیا جائے گا۔ تو میرے تھوڑے سے پیسے لینا نہیں چاہتا" پادری نے لڑکی کی طرف سہارا دینے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا) دیکھ اُسنے تجھ پر اپنی چادر بچھا دی ہے۔ سب جوان ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی کے لئے اتنا کرتے ہیں جتنا اپنے دس بارہ دیوں کے لئے بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ ہمیں "مقدس باپ" بھی کہتے ہیں۔ انہیں نہیں، انٹونیو! معذرت کی ضرورت نہیں۔ میں تم سے ناخوش نہیں ہوا۔ خدا کی مشیت یہی ہے کہ ہر کوئی اپنے ہم جنس کی طرف جھکے!"

اب مدیلا کشتی میں آ چکی تھی۔ وہ پادری کے قریب بیٹھ گئی۔ لیکن انٹونیو کی چادر دور ہٹا کے۔ انٹونیو اس حرکت پر کچھ بڑبڑایا اور کشتی روانہ ہوئی۔

"اس گٹھری میں کیا ہے؟" پادری نے دوشیزہ سے پوچھا۔

اب سورج نمودار ہو رہا تھا۔ اُس کی روپہلی کرنیں ان مسافروں پر پڑ رہی تھیں۔

"ریشم، مذہبت، اور روٹی" لڑکی نے جواب دیا "ریشم اور مذہبت جزیرے میں بک جائے گا۔ روٹی میں کھا لوں گی"

"مجھے یاد پڑتا ہے تو نے کپڑا بننا بھی سیکھا تھا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"ہاں۔ لیکن میری ماں کی ہیلدی مجھے گھر سے نکلنے نہیں دیتی کہ اس ہنر کی اچھی طرح مشق کر لوں۔ خود میرے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ گھر میں بُننے کا سامان جمع کر لوں" لڑکی نے حسرت سے جواب دیا۔

"اب اُس کا کیا حال ہے؟" پادری نے گہری ہمدردی سے کہا "آہ! بیچاری نے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ پچھلی دفعہ جب میں نے دیکھا تھا تو ذرا اچھی تھی"

"یہ موسم ہمیشہ اُسے تکلیف دیتا ہے" لڑکی نے نا اُمیدی کے لہجہ میں جواب دیا۔

"دعا کرا بیٹی، دعا کرا" پادری نے زور دے کر کہا "کبھی ناز سے غافل نہ ہو۔ دعا سے باز نہ آ۔ شاید خدا سُن لے۔ نیک بن، نیک بن کر تیری دعائیں قبول ہوں"

مدیلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحہ کی خاموشی کے بعد پادری نے پھر کہا:

"مدیلا! میں نے ابھی سُنا کہ ملاح تجھے "غضبناک" کے لقب سے پکار رہے تھے۔ یہ کیوں؟ یہ لقب تو کسی دوشیزہ کے لئے کچھ اچھا لقب نہیں۔ تجھے حلیم اور خوش مزاج ہونا چاہئے"

دوشیزہ کے کُندنی چہرے پر غصے کے آثار ظاہر ہوئے۔ اُس کی آنکھیں تیزی سے چمکنے لگیں:

"وہ اسی طرح مجھے چڑھاتے ہیں" لڑکی نے خفگی سے کہا "وہ مجھے روز چھیڑتے ہیں کیونکہ میں اور لڑکیوں کی طرح گاتی ناچتی، اور ان سے ہنسی مذاق نہیں کرتی ہوں۔ وہ میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟ میں نے اُن کا کیا بگاڑا ہے؟"

"سچ ہے" پادری نے سنجیدہ ہو کر کہا "لیکن تمھیں بہرحال تحمل ہونا چاہئے۔ لوگوں کو ناچنے گانے دو، ورنہ زندگی ناقابل برداشت ہو جائے گی۔ میٹھی زبان میں بہت بھلائی ہے"

دوشیزہ نے اپنی لمبی کالی پلکیں جھکا دیں، گویا اپنی آنکھوں کا راز ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ اب دُور افق میں سورج طلوع ہو چکا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں چمک اُٹھیں۔ سورنتو کی خلیج کے چھوٹے چھوٹے سفید مکان نارنگی کے باغوں میں صاف نظر آ رہے تھے۔ صرف دیزو دیس کے کنارے کنارے بدلی کے چند ٹکڑے ہل رہے تھے۔

"موریلا!" پادری نے پھر گفتگو شروع کی۔ "نوبل معشوق کی بھی کچھ خبر ہے؟"

موریلا نے اپنے نازک مونڈھے ہلا کر انکار کیا۔

"تمھاری تصویر اُتارنا چاہتا تھا، تم نے انکار کیوں کیا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"میری تصویر کیوں؟" دوشیزہ نے جھنجھلا کر جواب دیا۔ "کیا مجھ سے زیادہ خوبصورت عورتیں موجود نہیں؟ کون جانتا ہو میری تصویر لے کر کیا کرتا؟ شاید جادو کر دیتا۔ مجھے تکلیف دیتا۔ قتل کر ڈالتا۔ میری ماں یہی کہتی تھی"

"ہُش!" پادری نے خلوص سے کہا۔ "فضول نہ بکو۔ کیا تم خدا کی اماں میں نہیں ہو؟ کیا خدا کے حکم بغیر ایک ذرہ بھی ہل سکتا ہے؟ کوئی انسان بھی تیرا رُواں میلا نہیں کر سکتا۔ پھر وہ تو تجھ پر عاشق تھا، ورنہ شادی کی درخواست کیوں کرتا؟"

لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم نے شادی کیوں نامنظور کی؟" نیک دل پادری نے سوال کیا۔ "لوگ کہتے ہیں شریف و معقول آدمی تھا۔ تیری اور تیری ماں کی خبر گیری کرتا۔ ریشم بیچنے سے کہیں زیادہ تم فائدے میں رہتیں"

"ہم بالکل فقیر ہیں" لڑکی نے بڑے تأثر سے جواب دیا۔ "میری ماں مدت سے بیمار ہے۔ ہم اُس پر بوجھ ہوتے۔ پھر میں عزت دار خاتون بننے کے لائق نہیں ہوں۔ اپنے دوستوں کے سامنے وہ مجھے دیکھ کر ضرور شرمندہ ہوتا"

"کیا کہتی ہو؟" پادری نے خیر خواہی سے کہا۔ "میں کہتا ہوں وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ شاید تمھارے ساتھ سوز تو ہی میں رہ جاتا ایسا شوہر ملنا مشکل ہے"

"میں شوہر نہیں چاہتی" موریلا نے بہت آہستہ سے مگر یقین کے لہجہ میں کہا۔ "میں کبھی شادی نہیں کروں گی!"

"کیا رہبانیت اختیار کرنے کا ارادہ ہے؟" پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

دوشیزہ نے سر کے اشارے سے انکار کیا۔

"لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ تو ہندی ہے" پادری نے جوش سے کہا "تیری ہٹ بہت سخت ہے۔ ایک لحہ کے لئے سوچ، تیری یہ ضد کتنی خطرناک ہے؟ یہ تیری مصیبت میں اضافہ کرنیوالی ہے۔ تیری ماں کی بدنصیبی بڑھانے والی ہے۔ کیا تیرے پاس کوئی ایک وجہ بھی ہے کہ ایسے شریف آدمی کو رد کر دیتی ہے؟ جواب دے"

"میرے پاس وجہ ہے" موریلا نے دبی زبان سے کہا۔ "مگر میں بیان نہیں کروں گی"

"بیان نہیں کروں گی!" پادری نے خفا ہو کر اُس کا جملہ دُہرایا "مجھ سے بیان نہیں کرو گی؟ میں جو تیرا پادری ہوں۔ تو خوب جانتی ہو تیرا خیر خواہ ہوں۔ کیا یہ صحیح نہیں؟"

موریلا نے سر ہلا کر اقرار کیا۔

"تو اپنا راز مجھ پر ظاہر کر" پادری نے شفقت سے کہا۔ "اگر وجہ ٹھیک ہوگی تو میں سب سے پہلے تائید کروں گا۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ اس دُنیا سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ زریں موقعہ کھو دینے پر افسوس کرو گی۔ معلوم ہوتا ہے، خدا نے رحم کھا کر اس شخص کو تمھارے گھر پر بھیجا تھا"

موریلا نے شرمائی ہوئی نظریں اُٹھائیں اور کشتی کے سرے پر دیکھنے لگی جہاں انٹونیو کی نگاہیں دُور افق پر جمی تھیں اور اپنے خیالات میں غرق تھا۔ پادری نے دوشیزہ کو بغور دیکھا۔ اپنا کان اُس کے قریب کر دیا۔ "آپ میرے باپ کو نہیں جانتے" لڑکی نے نہایت آہستگی سے پادری کے کان میں کہا۔

"تیرا باپ؟" پادری چلا اُٹھا "کیوں نہیں؟ تو ابھی دس برس کی بھی نہ تھی کہ خدا نے اُسے بُلا لیا۔ آسمان کی بادشاہت میں اُسے جگہ لے! اپنی اس ضد میں اُس کا ذکر کیوں کرتی ہے؟"

"آپ نہیں جانتے" لڑکی نے زور دیکر کہا "آپ کو نہیں معلوم میری ماں کی تمام بیماری کا وہی اکیلا سبب ہے"

"کیونکر؟" پادری نے تعجب سے سوال کیا۔

"اپنی بے رحمی سے" موریلا نے فوراً جواب دیا۔ "آخری وقت تک میری ماں کو مارتا رہا۔ مجھے وہ راتیں اب تک یاد ہیں۔ وہ ایک عجیب جنون کی حالت میں گھر آتا تھا۔ میری ماں ایک لفظ بھی نہیں کہتی تھی۔ مگر وہ مارنا شروع کر دیتا تھا۔ آہ! میرا دل اب بھی رنجیدہ ہوتا ہے! میں اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیتی تھی اور پڑی رہتی تھی۔ لیکن اندر ہی اندر روتی رہتی۔ وہ میری ماں کو مارتے مارتے آخر تھک جاتا غریب بیہوش ہو کر گر پڑتی تھی۔ وہ اُسے دیر تک غور سے دیکھتا پھر نہیں معلوم اُس کے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا کہ دوڑ کر اُسے اُٹھاتا اور سینے سے لگا کر پیار کرنے لگتا۔ اتنے زور سے روتا تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکل جاتی تھی۔ لیکن اس تمام ظلم پر بھی میری ماں کبھی خفا نہیں ہوتی۔ بلکہ مجھے بھی منع کرتی رہتی تھی کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کروں۔ میری ماں کو اُس سے بُلا کی محبت تھی۔ اس سختی پر بھی وہ اُسی کا کٹا پیتی رہتی۔ جب سے وہ مرا ہے، یہ بھی بیمار ہو گئی ہے۔ اُسے غم کھائے جاتا ہے۔ اگر مر گئی۔ خدانخواستہ۔ تو میں جانتی ہوں اُس کا قاتل کون ہے"

پادری سناٹے میں پڑ گیا۔ تعجب سے سر ہلانے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا، اس عجیب لڑکی کو کیونکر قائل کرے۔

"اپنے باپ کو معاف کر دو!" بالآخر پادری نے کہا۔ "اسی طرح معاف کر دو، جس طرح تمھاری نے معاف کر دیا ہے۔ پرانی باتوں کی تکلیف دہ یاد دُور کر دو۔ مستقبل میں تمھارے اچھے دن آئیں گے اور تمام مصیبتیں بھلا دیں گے"

"نہیں، نہیں!" موریلا نے جوش سے کہا۔ "میں کبھی نہیں بھول سکتی، یہی وجہ ہے کہ میں نے عمر بھر کنواری رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہرگز کسی مرد کی کنیز نہیں بنوں گی۔ یہ مرد پہلے مارتے ہیں، پھر پیار کرتے ہیں لیکن میرے ساتھ کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا۔ مجھ سے جو مرد بھی محبت کی درخواست کرے گا، اُس کا منہ توڑ دوں گی۔ لیکن میری ماں بالکل بے بس تھی۔ وہ نہ مار کا مقابلہ کر سکتی تھی، نہ پیار کا۔ وہ اُس سے محبت کرتی تھی۔ میں ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کروں گی"

"تم بالکل بچہ ہو!" پادری نے مسکرا کر کہا "دنیا کو کچھ بھی نہیں جانتی، اسی لئے بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ کیا سب مرد تمھارے باپ ہی کے سے ہیں؟ کیا تم نے کبھی کوئی اچھا آدمی نہیں دیکھا؟ کیا دُنیا میں ایسی خوش نصیب بیویاں نہیں ہیں جو اپنے شوہروں کے ساتھ عیش و آرام سے رہتی ہیں؟"

"کچھ ہو" موریلا نے زور دے کر کہا۔ "میرے ماں باپ کا حال کوئی نہیں جانتا۔ میری ماں مرجانا پسند کرتی تھی مگر اُس کی شکایت پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ صرف محبت کی وجہ سے۔ اگر محبت یہی ہے۔ اگر محبت، زبان گونگی کر ڈالتی ہے، اگر محبت ایسی سخت مصیبت لاتی ہے تو میں ہرگز ہرگز کسی مرد سے محبت نہیں کروں گی"

"میں نے کہدیا تم ایک بچے سے کچھ زیادہ نہیں" پادری نے کہا۔ "تم بے معنی باتیں کرتی ہو۔ جب وقت آجائے گا، تمھاری رائے اور پسند نہیں پوچھی جائے گی۔ تم محبت کی زنجیر میں اپنی مرضی کے خلاف بھی جکڑ دی جاؤ گی"

موریلا خاموش رہی۔

"کیا تمھارے خیال میں یہ معشوق بھی سنگ دل تھا؟" پادری نے پھر سوال کیا۔

"اُس کی نظریں بالکل ویسی ہی تھیں جیسی میرے باپ کی ہو جایا کرتی تھیں جب وہ میری ماں کی خوشامد کرتا تھا۔ میں وہ نظریں خوب پہچانتی ہوں۔ ایک مرد اس طرح کی نظروں سے دیکھتا بھی ہے اور پھر عین اسی وقت اپنی بے خطا بیوی کو مار کے ادھ موا بھی کر دے سکتا ہے۔ مجھے ایسی نظروں سے بڑا ہی ڈر لگتا ہے"

موریلا اب بالکل چپ ہو گئی۔ پادری نے بھی اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ اُس کے ذہن میں اب بہت سی معقول دلیلیں آگئی تھیں مگر وہ چپ ہی رہا کیونکہ نوجوان ملاح کا چہرہ یہ گفتگو سُن کر غصہ سے لال ہو رہا تھا۔

دو گھنٹے کے سفر کے بعد کشتی جزیرے کے گھاٹ پر پہنچ گئی۔ انٹونیو نے پادری کو گود میں اُٹھا لیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چل کر اُسے خشکی پر اُتار دیا۔ لیکن موریلا نے اُس کا انتظار نہیں کیا۔ اُسنے ایک ہاتھ میں اپنی کھڑاؤں لی۔ دوسرے میں لبھی دبائی اور گھٹنوں تک کپڑے اُٹھا، ساحل پر پہنچ گئی۔

"میں یہاں کچھ مدت ٹھہروں گا" پادری انٹونیو سے کہہ رہا تھا "انتظار کی ضرورت نہیں۔ شاید میں کل سے پہلے لوٹ نہ سکوں گا۔ موریلا! (دوشیزہ کی طرف مخاطب ہو کر) گھر لوٹ کر اپنی ماں کو سلام کہدینا۔ اسی ہفتہ میں ملاقات کو آؤں گا۔ کیا رات سے پہلے واپس جاؤ گی؟"

"اگر ممکن ہوا" لڑکی نے اپنے کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

اب انٹونیو بولا:

"لیکن مجھے لوٹنا ضرور ہے" اُسنے مضطرب آواز سے کہا۔ "تاہم میں شام تک انتظار کروں گا۔ اگر آپ نہ آئے — میرے لئے برابر ہے"

"موریلا!" پادری نے کہا۔ "تم ضرور واپس جانا۔ رات بھر ماں کو اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھی۔ پادری کا ہاتھ چوما اور اس طرح سلام کیا کہ ملاح بھی اُس کا مخاطب تھا لیکن انٹونیو نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ ٹوپی اُٹھا کر صرف پادری کو تعظیم دی۔ دونوں دو مختلف راستوں پر روانہ ہو گئے۔ انٹونیو تھوڑی دیر تک پادری کو دیکھتا رہا۔ پھر موریلا پر نظر جما دی، جو دھوپ سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھے چلی جا رہی تھی۔ راستہ کی موڑ پر پہنچ کے موریلا ٹھہری اور بلندی پر سے گھوم کر پیچھے دیکھنے لگی۔ اُس کے سامنے خاموش سمندر نیلگوں فرش بچھائے پھیلا ہوا تھا۔ صبح کے صبیح کی دلفریب شعاعیں اُس کی سطح پر لوٹ رہی تھیں۔ آسمان صاف شفاف تھا۔ واقعی منظر شاعرانہ اور جذبات انگیز تھا۔ لیکن قسمت کا کرشمہ دیکھو۔ موریلا کی نظریں اُٹھتے ہی انٹونیو کی جھیلی نظروں سے جا لڑیں۔ دونوں گھبرا سے گئے۔ بیک وقت دونوں میں ایک ایسی جنبش ہوئی گویا اُنھوں نے کوئی غلطی کی ہے اور اُسے چھپانا چاہتے ہیں!

موریلا تیزی سے مُڑی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

(۲)

انٹونیو کو ابھی گیروں کے شراب خانے میں بیٹھے کئی گھنٹے ہو گئے وہ از حد مشغول معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اُٹھتا تھا اور تمام راستوں پر نظر ڈال کے لوٹ آتا تھا۔

موسم میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ وہ خیال کرنے لگا اگر رات سے پہلے ہی موسم بدل گیا تو "وہ" جلد واپسی پر مجبور ہو گی۔

"تمھارے یہاں سیاح بہت آتے ہیں؟" شراب خانے کی مالکہ نے اُس سے سوال کیا۔

"اس سال فصل بہت خراب تھی۔ اب آنا شروع ہوئے ہیں" انٹونیو نے جواب دیا۔

"ابھی موسم بہار بھی دیر میں آئے گا" شراب خانے کی مالکہ نے کہا "تمھارے یہاں آمدنی اس جزیرے سے زیادہ ہے؟"

"پیٹ بھر روٹی بھی نہ ملتی، اگر یہ کشتی میرے پاس نہ ہوتی" انٹونیو نے خشکی سے جواب دیا، "لیکن میرا چچا، نارنگی کے کئی باغوں کا مالک ہے وہ کہا کرتا ہے جب تک میں زندہ ہوں، تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ سخت وقت بھی تجھے نہیں بھولوں گا!"

"اس مالدار چچا کے اولاد بھی ہے؟" عورت نے سوال کیا۔

"نہیں" انٹونیو نے کہا "اُسنے شادی ہی نہیں کی۔ دوسرے ملکوں میں رہکر بہت دولت جمع کرلی۔ وہ عنقریب ایک شکارخانہ بنانے والا ہے اُس کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں دے گا"

"انٹونیو! تم بڑے جوانمرد ہو" عورت نے خوشامد سے کہا۔

"زندگی سب کے لئے کٹھن ہے" نوجوان ملاح نے شانے ہلاکر کہا اور باہر نکل کے پھر تمام راستے اور آسمان دیکھنے لگا۔ حالانکہ خوب جانتا تھا، موسم معلوم کرنے کے لئے ہر طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں!

"میں ایک اور بوتل لاتی ہوں" شراب فروش عورت نے کہا، "تمھارا چچا تو دام ادا ہی کرے گا"

"نہیں" انٹونیو نے انکار کیا، "پہلی ہی بوتل نے سر چکرا دیا ہے"

وہ یہ کہنے ہی پایا تھا کہ کسی کی چاپ سنائی دی۔ نوجوان ملاح فوراً پہچان گیا۔ پاؤں کی اسی آواز کے لئے وہ دن بھر ہمہ تن گوش بنا رہا تھا — موریلا سامنے کھڑی تھی۔

انٹونیو تیزی سے کھڑا ہوگیا:

"مجھے فوراً جانا ہے" اُسنے شراب خانے کی مالکہ سے کہا۔

چشم زدن میں وہ اپنی کشتی پر تھا۔ موریلا، بدستور کھڑی تھی۔ کچھ متردد سی تھی۔ بالآخر اُسنے بھی شراب فروش عورت کو سلام کیا اور گھاٹ پر پہنچ گئی۔ وہ اب بھی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید کسی اور مسافر کو ساتھ لینے کا خیال کر رہی تھی۔ لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ سمندر ٹھنڈا تھا۔ ماہی گیر سو رہے تھے یا اپنے جال درست کرنے میں ایسے مصروف تھے کہ کسی نے توجہ نہ دی۔

انٹونیو، ایک لمحہ چپ کھڑا رہا۔ اُس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمک رہی تھیں۔ آخر وہ کشتی سے کنارے آیا اور کچھ کہے بغیر موریلا کو اس طرح گود میں اُٹھا لیا گویا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔

موریلا، کشتی کے بالکل آخر میں جا کر بیٹھی۔ اُسنے اپنا سر اس قدر جھکا لیا کہ صرف آدھا چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے بال ہوا میں اُڑ رہے تھے اور چشم دابرو کو چھپا لیتے تھے۔ خوبصورت ناک کھڑی دکھائی دیتی تھی۔

وہ غیظ و غضب سے لبریز تھی!

سمندر میں کچھ دور جانے کے بعد ڈوبتے ہوئے سورج کی تپش اُسے محسوس ہوئی۔ اُسنے کھڑکی کھولی اور رومال نکالکر سر پر باندھ لیا۔ پھر روٹی کھانے لگی کیونکہ صبح سے بالکل بھوکی تھی۔

اب تک دونوں بالکل خاموش تھے۔ انٹونیو نے موریلا کو روکھی روٹی کھاتے دیکھکر ٹوکری سے دو نارنگیاں نکال کر بڑھا دیں:

"موریلا!" ملاح نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا، "روٹی، اس کے ساتھ کھاؤ۔ یہ نہ سمجھنا میں نے یہ نارنگیاں تمھارے لئے بچا رکھی تھیں۔ یہ ٹوکری سے گر گئی تھیں۔ لوٹنے پر نظر آئیں"

انٹونیو، اس وقت جھوٹ بول رہا تھا!

"تم ہی کھاؤ" لڑکی نے غصہ سے کہا "میرے لئے روٹی کافی ہے"

"اس گرمی میں نارنگی اچھی ہوتی ہے، تم بہت چلکر آئی ہو" انٹونیو نے کہا۔

"میں پانی پی چکی ہوں" غصہ ور لڑکی نے خشکی سے جواب دیا۔

"خیر" ملاح نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

اس وقت سمندر بالکل خاموش اور آئینہ کی طرح شفاف تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا، حتیٰ کہ ساحل پر اُڑنے والی چڑیاں بھی اس پُر جلال منظر کے سامنے ساکت تھیں۔ صرف کشتی سے موجوں کے ٹکرانے کی آواز سنائی دیتی تھی۔

"تم اپنی ماں کے لئے نارنگیاں لے جا سکتی ہو" انٹونیو نے انگبیر نیچی کرکے کہا۔

"گھر میں نارنگیاں کھی ہیں" لڑکی نے پھر خفگی سے جواب دیا، "جب ختم ہو جائیں گی تو میں اور خرید سکتی ہوں"

"ٹھیک ہے" ملاح نے شرمندہ ہوکر کہا "لیکن یہ نارنگیاں میری طرف سے اپنی ماں کو دینا۔ میرا سلام کہدینا"

"وہ تمھیں نہیں جانتی" موریلا نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم میرا تعارف کردینا" انٹونیو نے پھر کہا۔

"میں بھی تمھیں نہیں جانتی" لڑکی کا صاف جواب تھا۔

یہ پہلا موقعہ نہ تھا کہ موریلا نے ملاح سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک اتوار کو موریلا کا عاشق (مصوّر) جب گاؤں میں آیا اور پہلی مرتبہ اس لڑکی کو دیکھا، تو مبہوت ہوکر اُس کے حسن جمال کا نظارہ کرنے لگا۔ عین اُسی وقت انٹونیو اپنے دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ مصوّر اپنے خیالات میں محو تھا کہ انٹونیو نے جان بوجھ کر گیند ایسا مارا کہ غریب کے سر پر زور سے لگا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُس مظلوم سے لڑنے کے لئے بھی آمادہ ہوگیا۔

کئی ہفتے بعد جب موریلا نے شادی کی درخواست نامنظور کردی تو مصوّر نے چلتے وقت کہا، "میں جانتا ہوں، اُس نوجوان کی وجہ سے تم مجھے سوکھا جواب دے رہی ہو" مگر موریلا نے اُس وقت بھی یہی کہا:

"ہرگز نہیں، میں اُسے پہچانتی تک نہیں"

حالانکہ وہ گیند کے واقعہ سے واقف ہو چکی تھی اور انٹونیو کو اُسی طرح جانتی تھی۔

آج اسوقت دونوں کشتی میں ہیں۔ تنہا ہیں — اس طرح بیٹھے ہیں گویا حریف ہیں۔ حالانکہ دونوں کے دل بُری طرح دھڑک رہے ہیں!

انٹونیو، وہ ہمیشہ کا ہنس مکھ نوجوان، اس وقت، فرط تاثر سے سُرخ ہو رہا ہے۔ بڑی ہی قوت سے کشتی کھے رہا تھا۔ پانی کے تھپڑے اُڑا کر موریلا پر گرتے تھے ساتھ ہی کچھ غصے میں بڑبڑا بھی رہا تھا۔

موریلا اس طرح بیٹھی تھی گویا اُسے دیکھ ہی نہیں رہی ہے۔ بڑی ہی بے پروائی سے کشتی کا کنارہ دیکھ رہی تھی اور ہاتھ نیچا کئے پانی سے کھیلتی جاتی تھی۔ پھر اُسنے اپنے سر کا رومال کھول ڈالا۔ ایک ہاتھ سے بال درست کرنے اور دوسرے سے رخسار پانی سے تر کرنے لگی وہ اس انداز سے بیٹھی تھی، گویا کوئی دوسرا وہاں موجود ہی نہیں ہے۔

کشتی، کھلے سمندر میں پہنچی۔ جزیرہ نظر سے اوجھل ہوگیا۔ سورنٹو کا کنارہ بھی دور ہے۔ قرب و جوار میں کوئی اور کشتی بھی دکھائی نہیں دیتی۔

انٹونیو نے چاروں طرف دیکھا۔ اُس کے تیور ایسے ہوگئے گویا کوئی عزم مصمم کر چکا ہے۔ اُس کے رخسار کی سرخی غائب ہوگئی۔ زردی چھا گئی۔ اُسنے اچانک ڈانڈ سے ہاتھ اٹھا لئے۔

موریلا نے اُسے دیکھا۔ بغیر کسی خوف، مگر ہوشیاری سے۔

"اب فیصلہ ہو جانا چاہئے" انٹونیو یکایک چلایا۔ "یہ کھیل بہت ہو چکا

تعجب ہے میں اب تک زندہ کیسے ہوں؟ تم کہتی ہو مجھے نہیں جانتی! حالانکہ اس تمام زمانے میں مجھے دیکھتی رہی ہو کہ پاگلوں کی طرح تمھارے پیچھے پھرتا ہوں۔ میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ اپنا دکھ کہنا چاہتا ہوں، مگر تم حقارت سے ہمیشہ بے پروائی دکھاتی ہو۔ گویا میں کوئی ہستی ہی نہیں رکھتا!"

"کیا؟" لڑکی نے پیشانی پر بل ڈالکر کہا "مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ ہاں میں دیکھتی تھی تم مجھ سے تعارف چاہتے ہو۔ لیکن میں بلاسبب لوگوں کی چہ میگوئیوں کا نشانہ بننا نہیں چاہتی تھی۔ خصوصاً جبکہ میں تمھیں اپنا شوہر بنانا نہیں چاہتی — نہ تمھیں، نہ کسی اور انسان کو"

"نہ کسی انسان کو!" انٹونیو نے دانت پیسکر کہا "تم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتیں، صرف اسی وقت کہہ رہی ہو، کیونکہ اُس مصوّر سے شادی پسند نہیں کی۔ لیکن تم نا سمجھ ہو۔ آج نہیں تو مستقبل میں تمھیں شادی کرنی ہی پڑے گی۔ مصوّر نہ سہی، کسی اور کو شوہر بنا ؤ گی"

"کون جانتا ہے؟" موریلا نے سنجیدگی سے کہا "مستقبل کو کوئی نہیں جان سکتا۔ ممکن ہے میں اپنا خیال بدل دوں۔ لیکن تمھیں اس کی فکر کیوں ہے؟"

"مجھے فکر کیوں ہے؟" انٹونیو چلایا۔ بیچ کشتی میں کھڑا ہوگیا۔ کشتی دائیں بائیں جھکنے لگی "مجھے فکر کیوں ہے؟ یہ تم کہتی ہو؟ خوب جانتی ہو! قسم کھا کر کہتا ہوں، جس شخص کو بھی مجھ پر ترجیح دو گی، اُس کی جان میرے ہاتھ سے جائے گی! میں برداشت نہیں کر سکتا! برداشت نہیں کر سکتا!"

"کیا؟" موریلا نے پیشانی پر بل ڈالکر کہا "کیا میں تم سے کوئی وعدہ کر چکی ہوں؟ اگر تم پاگل ہو جاؤ تو میرا کیا قصور ہے؟ تمھیں مجھ پر کیا حق حاصل ہے؟"

"آہ! حق!" ملاح نے جوش سے چلانا چاہا مگر اُسے رونا آگیا۔ آواز رُک گئی "بے شک میرا حق کہیں لکھا ہوا نہیں ہے۔ کسی حاکم نے مانا نہیں ہے۔ کسی وکیل نے ثابت نہیں کیا ہے۔ کسی انسان نے جانا بھی نہیں ہے۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم میں حق رکھتا ہوں، ٹھیک اُسی طرح جس طرح آسمان (جنت) میں میرا حق ہے اگر میں مسیحیت پر مر جاؤں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمھیں کسی دوسرے شخص کے ساتھ گرجے میں جاتے دیکھوں گا اور خاموش رہوں گا؟ کیا میں برداشت کر سکتا ہوں کہ گاؤں کی لڑکیاں شانے ہلا کر میرا مذاق اڑائیں؟"

"جو جی چاہو کرو" لڑکی نے سکون سے جواب دیا "میں تمھاری دھمکیوں سے ڈر نہیں سکتی۔ میں آزاد ہوں، جو میرے جی میں آئے گا، کروں گی"

انٹونیو، غصہ سے دیوانہ ہوگیا۔ اُس کا تمام بدن کانپنے لگا:

"پھر کبھی نہ کہنا" ملاح چلایا "میں وہ نہیں ہوں کہ تیری جیسی ایک لڑکی میری زندگی برباد کر ڈالے۔ تو اسوقت میرے بس میں ہے۔ اچھی طرح سمجھ لے۔ میرا حکم ماننا ہوگا!"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن اُس کی آنکھیں غصہ سے لال ہوگئیں۔ اُسنے ملاح کو جرأت سے دیکھا:

"ہمت ہو تو مار ڈالو!" اُسنے پورے سکون سے کہا۔

"جو کہتا ہوں، وہی کرتا ہوں" انٹونیو نے زور سے کہا، مگر اُس کی آواز بھرا گئی "یہاں سمندر کی تہ میں ہم دونوں کی جگہ ہے۔ مغرور خاتون! میں اس سے باز نہیں رہ سکتا"

اُسنے یہ لفظ بڑی حسرت و تکلیف سے کہے۔ اُس کا چہرہ بالکل دیوانوں کا سا ہوگیا تھا:

"لیکن" اُسنے پھر کہا "ہمیں ساتھ ہی چلنا چاہئے۔ ابھی چلنا چاہئے۔ فوراً چلنا چاہئے" یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھا اور موریلا

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں!

اکابر تاریخ اسلام کے مختصر وفیات

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

وفات کے قریب آپنے اپنی وصیت لکھوائی اور حضرت عثمان اور ایک انصاری کے ہاتھ مسجد میں بھیج دی تاکہ مسلمانوں کو سنا دی جائے۔ وصیت حسب ذیل تھی:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ابوبکر بن ابی قحافہ کی وصیت ہے جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا اور آخرت میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ ایسے وقت کی وصیت ہے جبکہ منکر ایمان لے آتا، فاجر بدبختی میں پڑتا، اور جھوٹا بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں نے تم پر عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کو امیر بنایا ہے۔ اگر وہ عدل کرے اور تقویٰ برتے، تو اس کی بابت میرا یہی گمان اور یہی امید ہے۔ لیکن اگر وہ بدل جائے، تو میں نے حتی الوسع بھلائی چاہی ہے۔ غیب کا علم، خدا کے سوا کسی کو نہیں"

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے "میرے والد مرض موت کے آخری دنوں میں بے ہوش ہو گئے۔ میری زبان سے بے اختیار نکل گیا "افسوس، میرے باپ کو سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے" اتنے میں ان کی آنکھ کھل گئی تو فرمایا "نہیں، یہ بیماری نہیں ہے، وہ چیز ہے جس کی بابت خدا نے فرمایا ہے وجاءت سکرۃ الموت بالحق، ذلک ما کنت منہ تحید۔ پھر پوچھا رسول اللہ ﷺ [illegible] کفنایا گیا تھا؟ میں نے عرض کیا، تین کپڑوں میں۔ پھر پوچھا، انہوں نے کس دن وفات پائی تھی؟ عرض کیا۔ پیر کے دن۔ پوچھا، آج کونسا دن ہے؟ میں نے کہا۔ پیر کا دن ہے۔ فرمایا: میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آج رات اور دن کے درمیان میری موت واقع ہو جائے۔ پھر اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا اور کہا: دو مزید کپڑے ملا کر اسی میں مجھے کفنا دینا۔ میں نے کہا۔ یہ تو پرانا ہے۔ فرمایا: الحی احوج الی الجدید من المیت انما ہو للمہلۃ والصدید۔ زندہ انسان بمقابلہ مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ حاجت مند ہے۔ اور کفن تو ریم اور خون کے لئے ہے!

جب وفات ہوئی تو یہ دعا ریوسفی آپکے زبان پر تھی: توفنی مسلما والحقنی بالصالحین! خدایا! اس حالت میں موت دے کہ مسلم ہوں، یعنی تیرا فرمانبردار ہوں، اور ایسا کر کہ صالح انسانوں کے ساتھ میرا شمول ہو!

تاریخ وفات ۱۳ھ (۶۳۴ء)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا:

"میرا پیرہ زمین پر رکھدے، شاید خدا مجھ پر مہربان ہو جائے اور رحم کرے!"

آخری کلمہ: وصیت اہل ذمہ یعنی غیر مسلم رعایا کی نسبت تھا:

"میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلم رعایا کے [illegible] اللہ اور اس [illegible] کی ذمہ داری یاد رکھے۔ ان سے جو اقرار کئے گئے ہیں، ہمیشہ پورے کئے جائیں، ان کی ان کے دشمنوں سے حفاظت کی جائے، ان پر کبھی سختی نہ کی جائے"

تاریخ وفات ۲۴ھ (۶۴۴ء)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جب قتل کا یقین ہو گیا تو حضرت علی کو خط لکھا:

"سیلاب، چوٹی تک پہنچ گیا۔ معاملہ، حد سے تجاوز کر گیا۔ خط دیکھتے ہی میرے پاس آؤ۔ موافقت میں یا مخالفت میں"

خط کے آخر میں یہ شعر لکھا:

فان کنت ماکولا فکن خیر آکل والا فادرکنی ولما امزق

(اگر میرے لئے یہی صورت رہ گئی ہو کہ میں کسی کا نوالہ بنوں تو سب سے بہتر کھانے والے تم بنو۔ ورنہ میرے ٹکڑے اڑنے سے پہلے مجھے آ کر بچا لو)

۳۵ھ (۶۵۵ء) میں شہید ہوئے

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت بہت حسرت ظاہر کرنے لگے۔ لوگوں نے کہا اے ابوعبدالرحمن! آپ کو کس چیز پر افسوس ہے؟ جواب دیا "میں دنیا پر افسوس نہیں کرتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک وصیت کی تھی۔ فرمایا تھا "تمہارے پاس مسافر کے زاد راہ بھر سامان ہونا چاہئے" میں ڈرتا ہوں، ہم نے اس وصیت پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ میرے گرد یہ چیزیں جمع ہیں"

یہ کہہ کر گھر کے سامان کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھا گیا تو گھر میں کل سامان، ایک تلوار، ایک طشت، ایک پیالہ تھا!

۳۶ھ (۶۵۶ء) میں انتقال ہوا

امام حسن علیہ السلام

وفات کے وقت بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا شروع کیا۔ آپکے صاحبزادے نے عرض کیا "آپ بھی دنیا پر افسوس کرتے ہیں؟" فرمایا "فرزند! دنیا پر نہیں، خود اپنے نفس پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ اس جیسی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی!"

۵۰ھ (۶۶۷ء) میں انتقال کیا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت رونے لگے۔ سبب پوچھا گیا۔ کہا:

"اس لئے روتا ہوں کہ سفر بہت دراز ہے، زاد راہ بہت کم ہے میں جا رہا ہوں۔ نہیں معلوم جنت میں مقام ہوگا یا دوزخ میں؟"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے

سعید بن العاص رضی اللہ عنہ

وفات کے وقت اپنی اولاد سے کہا "میری وصیت کون قبول کرے گا؟" بڑے نے کہا "میں" کہنے لگے "میرا قرضہ ادا کرنا ہوگا" پوچھا "کتنا ہے؟" کہا "۸۰ ہزار دینار!" پوچھا "کیوں لیا تھا؟" جواب دیا:

"دو قسم کے آدمیوں کی ضرورتیں پوری کرنے میں: شریف النفس غریبوں کی۔ اور حیا سے سوال نہ کر سکنے والوں کی۔ یہ مجبور ہو کر آتے تھے۔ مگر شرم سے مانگ نہ سکتے تھے۔ فرط حیا سے چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ میں سوال سے پہلے ہی انہیں دے دیتا تھا"

۵۹ھ (۶۷۸ء) میں فوت ہوئے۔

سعید بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

بڑے خوددار اور بلند ہمت تھے۔ مرض الموت میں مشورہ دیا گیا "بیمار، کراہنے سے راحت پاتا اور طبیب سے اپنی حالت بیان کرنے سے مطمئن ہوتا ہے"

کہنے لگے "کراہنا، بزدلی ہے، عیب ہے۔ خدا ہرگز میرا کراہنا نہیں سنے گا تاکہ اس کے حضور بزدل نہ ٹھہروں۔ رہا طبیب، تو اللہ، خدا کے سوا کسی کو بھی اپنے اوپر اختیار نہیں دوں گا۔ خدا چاہے تو مجھے لکھ چاہے اٹھا لے!"

ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ

فالج میں مبتلا ہوئے۔ کہا گیا "دوا کیوں نہیں کرتے؟" جواب دیا "میں دوا کا فائدہ جانتا ہوں، مگر نہ مرض ہی زندہ ہے گا نہ طبیب پھر دوا کیوں کروں؟"

۶۷ھ (۶۸۶ء) میں وفات پائی

معاویہ بن یزید بن معاویہ

وفات کے وقت مشورہ دیا گیا "اپنے خاندان میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیے"

جواب دیا "میں نے خلافت سے نہ زندگی میں فائدہ اٹھایا نہ مرنے کے بعد اس کا بوجھ اٹھاؤں گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ بنی امیہ اس کی شیرینی لیں اور میرے حصے میں تلخی آئے"

۶۴ھ (۶۸۳ء) میں وفات پائی۔

(بقیہ مضمون صہ۱۵)

کو اٹھا لینا چاہا۔ مگر فوراً ہی اسی تیزی سے اپنا داہنا ہاتھ تھامے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ موٹلا نے اسے پوری قوت سے کاٹ کھایا تھا۔

"ہا! ہا!" مورپلا قہقہہ مار کر ہنسی:

"مجھے تیرا حکم ماننا پڑے گا؟" وہ جوش سے چلائی "میں تیری لونڈی ہوں؟"

یہ کہہ کر وہ خود سمندر میں پھاند پڑی۔ ملاح کی نظروں سے غائب ہو گئی پھر نمودار ہوئی۔ اس کے کپڑے جسم سے چمٹ گئے تھے۔ بال کھل گئے تھے بڑی طاقت و مہارت سے پیر رہی تھی۔ اسنے کوئی لفظ نہیں کہا۔ کشتی سے دور ہونے لگی۔ ساحل کی طرف جانے لگی۔

جمیل (مشہور شاعر عرب)

جمیل کا عشق بُثینہ سے مشہور عام ہے۔ ابوسہل ساعدی عیادت کو گیا۔ نزع کی حالت تھی۔ جمیل نے کہا "ابوسہل! ایسے آدمی کی بابت کیا کہتے ہو جو خدا سے اس حال میں ملتا ہے کہ اُسنے کسی کا خون نہیں بہایا، شراب نہیں پی، کبھی بدکاری نہیں کی۔ کیا اس کے لئے جنت کی امید ہے؟"

ساعدی نے کہا "بخدا ہاں، مگر وہ کون ہے؟"

"مجھے اُمید ہے کہ میں ہوں" جمیل نے جواب دیا۔

ساعدی نے بُثینہ کا ذکر کیا۔

"دیکھو" جمیل نے آہ سرد بھر کر کہا "یہ دنیا میں میرا آخری دن ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں اگر کبھی بُثینہ کی طرف میں نے بدی سے نظر کی ہو"

جب وفات بالکل قریب پہونچی تو جمیل نے اپنے ایک دوست کو بلا کر یہ وصیت کی:

جب میں مر جاؤں، تو گھر کا تمام سامان تمھارا ہے۔ صرف میرے کپڑوں کا ایک جوڑا اس سے الگ ہے۔ تم میری اونٹنی پر سوار ہو کر بُثینہ کے قبیلہ میں جانا اور بلند جگہ پر کھڑے ہو کر میرے کرتے کا گریبان پھاڑ ڈالنا پھر چلا کر یہ شعر پڑھ دینا:

صدع النعی وما کنی بجمیل ۔۔۔ وثوی بمصر ثواء غیر قفول

موت بے دھڑک آپہونچی، جمیل سے کوئی رعایت نہ کی۔ وہ اب اس طرح مقیم ہو گیا کہ کبھی واپسی نہ ہوگی۔

ولقد اجر الذیل فی وادی القری ۔۔۔ نشوان بین مزارع ونخیل

میں وادی قری میں کھیتوں اور نخلستانوں میں خوشی خوشی پھرا کرتا تھا۔

قومی بثینۃ فاندبی بعویل ۔۔۔ وابک خلیلک دون کل خلیل

بُثینہ! اُٹھ اور نوحہ کر۔ اپنے سب سے بڑے دوست کے لئے!

دوست نے وصیت پوری کر دی۔ جمیل نے ۸۲ھ (۷۰۱ء) میں انتقال کیا۔

مہلب بن ابی صفرہ

وفات کے وقت اپنے تمام لڑکوں کو جمع کیا۔ پھر ترکش منگایا اور کہا "کیا تم یہ تمام ایک ساتھ بندھے ہوئے تیر توڑ سکتے ہو؟" اُنھوں نے کہا "نہیں" مہلب نے کہا "اگر الگ الگ ہوں؟ اُنھوں نے جواب دیا "ایک ایک تیر کا توڑنا بالکل آسان ہے" مہلب نے کہا "یہی مثال اتفاق و اتحاد اور جماعت کی ہے۔ ملے رہو گے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ الگ الگ ہو جاؤ گے تو بہ آسانی ہلاک کر دیئے جاؤ گے"

۸۳ھ (۷۰۲ء) میں فوت ہوئے

عبدالملک بن مروان

موت کے وقت اپنے بیٹے ولید سے کہا:

"دیکھ میری موت پر بیوقوف عورتوں کی طرح بیٹھ کر ٹسوے نہ بہانا۔ بلکہ کمر باندھنا، آستین چڑھانا، چیتے کی کھال پہن لینا۔ مجھے میرے گڑھے میں ڈالکر چھوڑ دینا۔ میں اپنا معاملہ خود چکا لوں گا۔ لیکن تم اپنے معاملہ کی فکر کرنا۔ لوگوں کو بیعت کے لئے بلانا۔ جو اپنے سر سے یوں کرے (یعنی انکار کرے) تو تم بھی اپنی تلوار سے یوں کرنا" (یعنی اُس کی گردن اُڑا دینا)

پھر یزید بن معاویہ کے دونوں لڑکوں: محمد اور خالد کو طلب کیا۔ اُن سے پوچھا "کیا ولید کی بیعت پر نادم ہو؟" اُنھوں نے جواب دیا "ہم ولید سے زیادہ کسی کو بھی خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے" عبدالملک نے کہا "واللہ اگر تم کچھ اور جواب دیتے تو فوراً تمھارا سر اُڑا دیتا!" پھر اپنے بچھونے کا کنارا اُٹھا کر دکھایا۔ نیچے شمشیر برہنہ رکھی تھی!

یہ اُس وقت کی گفتگو ہے جب سکرات موت طاری تھی۔ عبدالملک نے کہنا شروع کیا "وہ خدا کتنا بڑا ہے جو چھوٹے بڑے، سب کو بے پروائی سے موت دیتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

اس لفظ پر روح پرواز کر گئی۔

اصمعی کہا کرتا تھا "میں عبدالملک پر حسد کرتا ہوں۔ کیونکہ اُس نے مرتے وقت کہا تھا "خدایا! میرے گناہ اگرچہ بے شمار ہیں اور بے حد بڑے ہیں، لیکن تیرے عفو کے سامنے بہت کم اور بہت چھوٹے ہیں۔ لہٰذا مجھے معاف کر دے!"

کہتے ہیں، عبدالملک نے وفات کے وقت اپنے محل کی کھڑکی سے ایک دھوبی کو کپڑے دھوتے دیکھا تھا۔ اُسنے ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگا "کاش میں اس دھوبی کی طرح ہوتا کہ اپنی روز کی کمائی سے پیٹ پالتا! کاش میں خلیفہ نہ بنا ہوتا!" پھر یہ شعر پڑھا:

لیتنی کنت قبل ما قد بدالی ۔۔۔ فی رؤوس الجبال ارعی الوعولا!

ابوحازم نے یہ قول سنا تو کہنے لگے "الحمد للہ۔ یہ لوگ موت کے وقت اُس بات کی تمنا کرتے ہیں جو ہمیں حاصل ہے۔ لیکن ہم موت کے وقت اُن کی حالت کی آرزو نہیں کرتے!"

۸۷ھ (۷۰۵ء) میں وفات پائی۔

ابن القریہ

مشہور عرب خطیب ابن القریہ کو قتل کرنے کا حجاج بن یوسف نے حکم دیا۔ جلاد تلوار لے کر آیا۔ ابن القریہ نے کہا "خدا حاکم کی درستگی کرے! میں مرنے سے پہلے تین لفظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں جو میرے بعد ضرب المثل ہو کر ہمیشہ زندہ رہیں گی"

حجاج نے کہا "کہہ، کیا کہتا ہے؟"

ابن القریہ نے کہا "ہر اصیل گھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے۔ ہر تلوار کند ہو جاتی ہے۔ ہر دانا سے غلطی ہوتی ہے"

حجاج نے کہا "یہ وقت، مذاح کا نہیں ہے۔ جلاد! اپنا کام کر!"

جلاد کا ہاتھ چلا اور ابن القریہ کا سر، زمین پر تھا۔

۸۴ھ (۷۰۳ء) کا یہ واقعہ ہے۔

اخطل

مشہور شاعر اخطل سے موت کے وقت پوچھا گیا "کوئی وصیت؟" کہا "ہاں" پھر اپنے دوست فرزدق کو یہ وصیت کی:

اوصی الفرزدق عند الممات ۔۔۔ بام جریر واغیارہا

(میں موت کے وقت فرزدق کو وصیت کرتا ہوں کہ جریر کی ماں اور اُس کی سوکنوں کا خیال رکھے)

۹۰ھ (۷۰۸ء) میں فوت ہوا

امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ امام کوفہ

موت کے وقت سخت خوفزدہ ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہنے لگے "اس حالت سے زیادہ خطرناک حالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ہر لمحہ دھڑکا لگا ہے کہ پروردگار کا قاصد پہونچے اور جنت یا دوزخ کی خبر دے۔ قسم خدا کی، میری تمنا ہے کہ قیامت تک میری روح یوں ہی حلق میں پھنسی رہے!"

۹۶ھ (۷۱۴ء) میں انتقال کیا

مروان بن محمد

بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بن محمد جب عباسیوں کے ہاتھ قتل ہونے لگا تو یہ شعر کہے:

الدہر یومان: ذا امن وذا حذر ۔۔۔ والعیش شطران: ذا صفو وذا کدر

زمانہ، دو ہی دن ہیں: امن کا دن اور اندیشہ کا دن۔ زندگی کیا ہے؟ آدھی میں خوشی، آدھی میں رنج۔

وکم علی الارض من خضر ویابسۃ ۔۔۔ ولیس یرجم الا ما لہ ثمر

زمین پر بے شمار خشک و تر چیزیں ہیں، مگر پتھر اُسی درخت پر مارے جاتے ہیں جس میں پھل ہیں۔

قل للذی بصروف الدہر عیرنا ۔۔۔ ہل غیر الدہر الا من لہ قدر

زمانے کے انقلاب پر طعنہ دینے والوں سے کہدو کہ زمانہ اُسی کے خلاف ہو جاتا ہے جو کوئی درجہ رکھتا ہے۔

اما تری البحر تعلو فوقہ جیف ۔۔۔ وتستقر باقصی قعرہ الدرر

تم دیکھتے نہیں دریا ہی کی سطح پر مُردے تیرتے ہیں لیکن موتی اُس کی تہ میں بیٹھے رہتے ہیں۔

وان تکن عبثت ایدی الزمان بنا ۔۔۔ ونالنا من تجنی بؤسہ ضرر

اگر زمانے کے ہاتھوں نے ہمیں ستایا اور اُسکی سختیاں ہم پر پڑی ہیں،

ففی السماء نجوم لا عداد لہا ۔۔۔ ولیس یکسف الا الشمس والقمر

تو کوئی تعجب نہیں۔ آسمان میں بے شمار ستارے موجود ہیں مگر گہن صرف چاند اور سورج ہی کو لگتا ہے۔

۱۳۳ھ (۷۵۰ء) میں قتل ہوا

ابوجعفر منصور

عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے سفر حج میں مقام "بئر میمون" پر پہونچکر جب اپنی وفات قریب دیکھی، تو اپنے ولی عہد، مہدی کو طلب کیا اُسوقت ابوجعفر کے سامنے ایک بڑا تھیلا رکھا تھا۔ اسمیں کتابیں اور حساب کے کاغذات رہتے تھے۔ کبھی کسی شخص کو اُسے ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

ولی عہد کو دیکھ کر خلیفہ نے کہا:

"فرزند! یہ تھیلا دیکھ۔ اس کی حفاظت کرنا، کیونکہ اس میں تیرے بزرگوں کا علم محفوظ ہے۔ اس شہر (بغداد) کا خیال رکھنا۔ کسی اور شہر کو اپنا پایۂ تخت نہ بنانا۔ کیونکہ یہ شہر تیرا اپنا ہے اور اس میں تیری عزت ہے۔ میں نے اُس میں تیرے لئے اتنے خزانے جمع کر دیئے ہیں جتنے کبھی کسی خلیفہ نے جمع نہیں کئے تھے۔ حتیٰ کہ اگر دس برس بھی تجھے سلطنت کا خراج نہ ملے تو بھی یہ خزانے جملہ مصارف کے لئے کافی سے زیادہ ہونگے۔ ان کی حفاظت کرنا، کیونکہ اُن کی موجودگی میں تجھے ہمیشہ قوت حاصل رہے گی۔ تیرا گھر آباد رہے گا۔ لیکن میں جانتا ہوں تو اُن کی حفاظت نہیں کرے گا۔

"اپنے خاندان سے نیک سلوک کرنا۔ اُنھیں عزت بخشنا۔ اُن پر احسان کرنا۔ ان کے لئے منبر نصب کرنا۔ اُن کی چوکھٹوں پر لوگوں کو جھکانا۔ کیونکہ اُن کی عزت، تیری عزت ہے۔

"اپنے غلاموں سے نیکی کرنا۔ اپنے قریب رکھنا۔ اُن کی تعداد میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ مصیبت کے وقت وہ تیری سپر ہونگے۔

"خراسانیوں کے بارے میں میری نیک وصیت یاد رہے۔ وہ تیرے حامی و مددگار ہیں۔ اُنھوں نے اپنی جان و مال سے تیری مدد کی ہے اُن سے اچھا برتاؤ کرنا۔ اُن کی خطائیں معاف کرنا۔ اُن کے یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینا۔

"خبردار! کوئی نیا شہر آباد نہ کرنا۔ کیونکہ تو اُسے پورا نہ کر سکے گا۔ خبردار! عورتوں کو اپنے مشورے میں داخل نہ کرنا۔ یہ میری آخری وصیت ہے"

جب دم لبوں پر آیا تو کہا "پادشاہ وہ ہے جو نہ مرے!"

۱۵۹ھ (۷۶۷ء) میں انتقال کیا

امام سفیان ثوری رح

موت کے وقت نہایت مضطرب تھے۔ کہا گیا "ابوعبداللہ! یہ اضطراب کیوں؟ کیا آپ اُس ذات کے پاس نہیں جا رہے ہیں، جس کی آپنے ہمیشہ عبادت کی اور ہمیشہ اُسی کی طرف بھاگتے رہے؟"

کہنے لگے "تمھارا بھلا ہو! میں ایک ایسے راستہ میں سفر شروع کرنے والا ہوں، جسے میں نہیں جانتا اور اُس پروردگار کے روبرو پہنچنے والا ہوں، جسے میں نے دیکھا نہیں ہے!"

۱۶۱ھ (۷۶۹ء) میں وفات پائی۔

عبداللہ بن عبدالعزیز

موت کے وقت کہنے لگے "خدا کی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر پوری

سیر فی الارض

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلہم

(۳۰:۸)

سیاحانِ عالم کے مشاہدات و تأثرات

قدیم قسطنطنیہ پر ایک جدید نظر!

(مصری اہل قلم استاذ مرسی محمود کے قلم سے)

مسجد ایا صوفیہ

سیاحان عالم نے ہمیشہ اعتراف کیا ہو کہ ایا صوفیہ کے مشاہدے سے تعمیری و معنوی جلال و جمال کی جو عظمت انسان کے دل و دماغ کو مسخر کر لیتی ہو، وہ دنیا کی کسی موجودہ عمارت میں نہیں پائی جاتی۔ لندن کے وسٹمنسٹر، پیرس کے بانتھیوں، ریمس کے کینسے، ایتھنز کے کربول، اقصر کے معبد کرنک، اسوان کے محل، کوئی بھی اُس نوعیت کی تاثیر نہیں رکھتا، جو ایا صوفیہ کے لئے مخصوص ہو۔ میں نے جلیل القدر تو تاخن آمن کی لاش اُس کے پُرشوکت مقبرے میں دیکھی ہو، وہ مقبرہ جس کے اکتشاف نے دنیا بھر کے اعتصاب ہلا دئے ہیں۔ لیکن میرے دل پر وہ اثر نہیں پڑا جو کل ایا صوفیہ کے مشاہدے سے محسوس ہوا تھا اور جو شاید زندگی بھر محسوس ہوتا رہے گا!

کنیسۂ ایا صوفیہ، اب مسجد ایا صوفیہ بن گیا ہو۔ یہی بہتر اور مناسب بھی تھا۔ کیونکہ قدیسۂ صوفیہ، جس کے نام پر یہ عمارت بنائی گئی ہو، عرف و عادت کے اعتبار سے، ایک مستقبل معبد بننے کی مستحق نہیں ہو۔

یہ عظیم کنیسا، جسے کوسٹنیان نے شہیدۂ قدیسہ صوفیہ کی یادگار بنانے کے لئے تعمیر کیا تھا، اور جسے عظیم اسلامی پادشاہ محمد ثانی نے مسجد بنا دیا، صدیوں پر صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اپنے مسیحی مظاہر و خصوصیات برقرار رکھے ہوئے ہو۔ ابتک یہ پورا کنیسا ہو۔ اُس کی صلیبی شکل بدستور قائم ہو۔ اُس کے مختلف حصے، جن کی ترتیب و تنسیق میں صلیبی شکل مدنظر رکھی گئی ہو، ابتک اپنی صلیبیت ہی پر باقی ہیں۔ اُس کے ستون ابتک کوسٹنیان اور اُس کی ملکہ کے نشان وفاداری کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اُس کے اندر دونوں پہلوؤں میں بپتسما دینے کے حوض اب تک موجود ہیں۔ یہ سنگ مرمر کے ہیں۔ اُن کی شکل مرتبانی ہو۔ ان میں اب نمازی عورتیں وضو کرتی ہیں۔ اُس کی دیواروں پر مقدس نقوش بھی اب تک نظر آتے ہیں، اگرچہ ترکوں نے اُنھیں محو کرنے کی کوشش کی تھی حضرت مریم (علیہا السلام) کی تصویر آج بھی اپنی موثر آنکھوں سے نمازیوں کی صفیں دیکھنے کے لئے موجود ہو۔ ترکوں نے اُس کا مصورانہ نقشہ مٹانے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کی عبادت گاہ اس نشانِ شرک کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، مگر پوری طرح نہ مٹ سکا شاید یہ اُس کا "معجزہ" ہو کہ وہ ایک ایسے تاریک حصے میں ہو جہاں سے وہ سب کو دیکھتی ہو، مگر اُسے سب دیکھ نہیں سکتے!

یہ عجیب اتفاق ہو کہ اُس کی محراب۔ حالانکہ وہ کنیسا تھی۔ بغیر کسی ترمیم کے مسجد کی محراب بن گئی۔ کیونکہ ٹھیک قبلہ کی سمت میں واقع تھی۔ یہی سبب ہو کہ نماز میں تم اپنے آپ کو ایسے رنگین شیشوں کے سامنے پاؤ گے جو صرف کنیسوں ہی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ تمھاری نگاہ جدہر اُٹھے گی، آیات قرآنی اور عربی عبارتیں نظر آئیں گی، مگر تم یہی محسوس کرو گے کہ مسجد میں نہیں، مسیحی کنیسے میں ہو۔ کیونکہ ایا صوفیہ کی مجموعی ہیئت اب تک بالکل کنیسے ہی کی ہو۔

اس محراب کے قریب، جو صلیب کا سر پیش کرتی ہو، سنگ مرمر کا وہ منبر ابتک قائم ہو جس پر مسیحی خطیب کھڑا ہوتا تھا۔ اسی کے بالمقابل ایک اور منبر بنایا گیا ہو۔ اُس پر اسلامی خطیب کھڑا ہوتا ہو۔ یہ دونوں منبر گویا تاریخ کے دو اہم صفحے ہیں اور کبھی محو ہونے والے نہیں!

مسجد کے ساتوں فولادی پھاٹک اتنے عظیم الشان ہیں کہ مستحکم قلعوں کے پھاٹک معلوم ہوتے ہیں۔ ہر پھاٹک کی فولادی چادر پر صلیب بنی ہو۔ ترک فاتحوں نے اُس کا اُفقی خط مٹا دیا ہو۔ لیکن طولی خط آج تک ویسا ہی موجود ہو جیسا قدیم عہد میں تھا۔

میں زیادہ تفصیل کرنی نہیں چاہتا۔ کیونکہ بے فائدہ ہو۔ کتنی ہی کوشش کروں، قارئین، اصلیت کا عشر عشیر بھی تصور نہ کر سکیں گے مختصر یہ ہو کہ سابق کا یہ کنیسا اور حال کی مسجد، ایک ایسی عمارت ہو جس سے زیادہ خوبصورت اور شاندار عمارت، انسانی آنکھ اس وقت صفحۂ زمین پر کہیں نہیں دیکھ سکتی!

بازلیک

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا ہم نے ارادہ کیا۔ لیکن مسجد میں جانے سے پہلے بازلیک میں داخل ہوئے۔ بازلیک، ایا صوفیہ کے قریب واقع ہو۔ یہ دراصل زمین کے نیچے ایک بہت بڑا حوض یا رومانی وضع کا تالاب ہو۔ تقریباً ۳۳۶ ستونوں پر قائم ہو۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دشمن کے محاصرے کے وقت اس میں پانی محفوظ رکھا جائے، تاکہ شہر پیاس سے ہلاک نہ ہو جائے۔ یہ تالاب، ایک سرنگ کے ذریعہ ایا صوفیہ سے ملا دیا گیا ہو اور آسانی سے آمد و رفت ممکن ہو۔

ایا صوفیہ میں نماز جمعہ

بازلیک کی سیر سے فارغ ہو کر ہم نماز جمعہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمیں یہ دیکھنے کا از حد شوق تھا کہ ٹرکی کے موجودہ اجتماعی انقلاب کے بعد ہیٹ پوش ترک نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو ہیٹ کے ساتھ کیونکر پڑھتے ہیں؟

لیکن مسجد میں داخل ہوتے ہی ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ہم نے دیکھا، مسجد نمازیوں سے لبریز ہو۔ جب کبھی ایا صوفیہ کی بابت کہا جائے کہ لبریز ہو، تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہزارہا آدمی اُس میں موجود ہیں۔ ممکن ہو ۱۰ ہزار ہوں۔ ممکن ہو بیس ہزار ہوں۔ ممکن ہو ۵۰ ہزار ہوں تعداد کا صحیح اندازہ کون کر سکتا ہو؟

یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی تعجب ہوا کہ سب ہیٹ پہنے ہیں۔ اُس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ ترکوں نے جو ہیٹ پہنی ہو، وہ یورپین ہیٹ نہیں ہو۔ ترکوں نے اُسے بھی ایا صوفیہ کی طرح مسلمان کر لیا ہو۔ یہ ہیٹ، مسجد میں بھی اُنکے سروں پر موجود تھی۔ اور اللہ کی عبادت سے روک نہیں سکتی تھی!

ابھی ہماری حیرت بدستور باقی تھی۔ ہم سونچتے تھے، اس ہیٹ کے ساتھ لوگ نماز کیسے پڑھیں گے؟ لیکن ہم نے دیکھا، جو آدمی نماز کے لئے اُٹھتا ہو، ہیٹ اپنے سامنے رکھ لیتا ہو اور جیب سے معمولی کپڑے کی ٹوپی نکال کر پہن لیتا ہو۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس خاص ٹوپیاں نہ تھیں۔ وہ رومال سر پر باندھ لیتے تھے۔ خود ہم نے بھی اسی طرح نماز پڑھی۔ بعض ایسے بھی تھے جو نرم ہیٹ پہنے تھے۔ انھوں نے نماز کے وقت اپنی ٹوپیاں گھما دیں۔ بلند کنارا پیچھے کر دیا اور پست کنارا سامنے، تاکہ رب العالمین کے حضور اپنا ماتھا زمین پر رکھ سکیں!

ترک قاری

ہم اسلامی اور مسیحی دونوں منبروں کے مابین بیٹھے۔ ہم سے کچھ فاصلہ پر سنگ مرمر کے ۶ بلند پایوں پر ایک وسیع بیٹھک تھی۔ اُس پر چار ترک قاری بیٹھے خوش الحانی سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ ہر قاری ایک ایک گوشہ میں تھا۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ پہلے ایک قاری پڑھتا۔ پھر اُسی کا اعادہ باری باری باقی تینوں قاری کرتے تھے۔ آخر میں سب ملکر کہتے "سبحان اللہ، الحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر"

میں نے اپنے عرب رفقاء کا امتحان لینا چاہا۔ اُن سے پوچھا یہ لوگ کون سورتیں پڑھ رہے ہیں؟ مگر وہ جواب نہ دے سکے۔ لیکن ہمیں بالآخر معلوم ہو گیا کہ وہ سورۂ الم نشرح اور اُس کے بعد کی سورتیں پڑھ رہے تھے۔ آخر میں اُنھوں نے سورۂ فاتحہ تلاوت کی۔ پھر سورۂ بقرہ،

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۷)

دُنیا میرے قدموں کے نیچے آجائے تو بھی میں اُسے لینے والا نہیں کیونکہ میں ہمیشہ اسی دن سے ڈرتا رہا ہوں جو آج درپیش ہو"

۱۸۴ھ (۸۰۰ء) میں انتقال کیا

سیبویہ امام نحو

مشہور نحوی سیبویہ نے وفات کے وقت یہ شعر پڑھا:

یؤمل دنیا لتبقی لہ ۔۔۔ فمات المؤمل قبل الامل

آرزو کرنے والے نے آرزو کی کہ دنیا ہمیشہ باقی رہے۔ لیکن آرزو سے پہلے ہی آرزو کرنے والا مر گیا۔

یہ کہہ کر بیہوش ہو گئے۔ سر بھائی کے زانو پر تھا وہ رونے لگے۔ انھوں نے آنکھ کھول دی۔ اُن کے آنسو دیکھ کر کہا:

وکنا جمیعاً فرق الدہر بیننا ۔۔۔ الی الابد الاقصی فمن یأمن الدہرا

ہم سب ساتھ تھے، زمانے نے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ پس زمانے پر کون بھروسہ کر سکتا ہو؟

۱۸۶ھ (۸۰۲ء) میں وفات پائی۔

مفلحون تک پڑھی۔

قرأت ختم ہونے پر اُن میں سے ایک نے اور بھی زیادہ خوش الحانی مگر عجمیت کے ساتھ ایک دعا مانگی۔ اسمیں سلطان محمد فاتح کا ذکر تھا جو اس مسجد کا گویا بانی ہے۔ نیز ایک اور سلطان کا بھی نام لیا مگر ہم سمجھ نہ سکے۔

ترک خطیب

اب خطیب منبر پر کھڑا ہوا۔ خطبہ دیا۔ یہ خطبہ عربی زبان میں تھا۔ مگر اس کا لہجہ ہم عربوں کے لئے ناقابل فہم تھا۔ ہم خطبہ کا صرف پہلا جملہ سمجھ سکے جو یہ تھا "الحمد للہ، الحمد للہ، الحمد للہ الذی انعم علی المؤمنین بختم القرآن"

خطیب نے خطبہ کے آخر میں "جیوش المسلمین وعساکر الموحدین" کے لئے دعا کی اور ترکی جمہوریت کے بقا و دوام کی التجا پر خطبہ ختم کیا۔

ترک نمازی

ترک نمازیوں کے آداب دیکھ کر میں بہت متأثر ہوا۔ نہایت ہی عقیدت و احترام کے ساتھ صفوں میں بیٹھے تھے۔ از حد خشوع و خضوع، اُن پر طاری تھا، حالانکہ وہ خطبۂ و تلاوت میں سے ایک لفظ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے اعتراف کرنا پڑا کہ یہ بہادر قوم، اپنے ایمان میں نہایت راسخ ہے۔ لباس اور وضع قطع میں کتنی ہی تبدیلی ہو جائے، مگر اُس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت یہ قوم، تمام مسلمانوں کے لئے قابل فخر ہے۔

نمازی عورتیں

مسجد کے آخری حصہ میں عورتوں کے لئے ایک جگہ خاص کر دی گئی ہے یہ جگہ بھی بھری ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بوڑھی عورتیں ہی نماز کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان میں اکثر عورتیں بوڑھی تھیں۔ شاید قدیسہ صوفیہ ایسی ہی نمازی عورتیں اپنے معبد میں دیکھنا پسند کرتی ہے!

مسجد میں عربی تحریریں

اوپر کہہ چکا ہوں کہ مسیحی نقوش کی جگہ جا بجا قرآنی آیتیں اور عربی عبارتیں لکھ دی گئی ہیں۔ چنانچہ درمیانی قبہ کے مرکز کے گرد یہ آیت خط ثلث میں کندہ ہے۔ "اللہ نور السموات والارض، مثل نورہ کمشکاۃ فیہا مصباح، المصباح فی زجاجۃ، الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونیۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ"

محراب میں یہ آیت لکھی ہے "فاسجدوا للہ واعبدوا"

دیواروں پر جا بجا "اللہ، محمد، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے اسماء گرامی درج ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی تختیاں آویزاں ہیں، اور اُن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بہت سی عربی نصیحتیں لکھی ہیں۔

یہ تمام کتبے، فن خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔ شاید ہی کہیں اُن کی نظیر مل سکے۔

ایک عجیب وصف

ایا صوفیہ کی عمارت میں یہ عجیب ہندسی وصف موجود ہے کہ اُس میں آواز کتنی ہی آہستہ بلند ہو، اُس کی بازگشت خوب بلند اور بالکل صاف ہوتی ہے۔ چنانچہ امام کے پورے خطبے کی بازگشت در و دیوار سے صاف سنائی دیتی تھی۔ یہ وصف ہم نے کسی دوسری عمارت میں نہیں دیکھا۔

ایا صوفیہ کو کنیسہ بنانے کی برطانی کوشش

ایا صوفیہ کو دوبارہ کنیسا بنا دینے کی کوشش یورپ مدت سے کر رہا ہے مگر سب سے زیادہ خطرناک اور آخری کوشش اُس وقت کی گئی تھی، جب جنگ عمومی کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسجد کے بالکل قریب اب تک دو چوبی فوجی بارکیں موجود ہیں۔ خالی اور اجاڑ پڑی ہیں وضع سے برطانی فوجوں کی معلوم ہوتی ہیں۔ انھیں دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مکان اس غرض سے بنائے گئے تھے کہ ان میں انگریز سپاہی رہیں گے، تاکہ مسجد میں نمازیوں کو داخل ہونے سے باز رکھیں۔ اُس وقت اتحادیوں نے یہ مجنونانہ فیصلہ کر لیا تھا اور امروز فردا میں اُس کا اعلان کرنا چاہتے تھے۔ مگر بروقت ترکوں کو خبر لگ گئی۔ اُن کے کئی ہزار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور طے کر لیا کہ موت سے پہلے ایا صوفیہ کو گرجا بننے نہیں دیں گے۔ اُنکے ارادے کی خبر ہوا کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی اور عام شورش کا سامان ہونے لگا۔

اتحادی ڈر گئے اور اپنا فیصلہ کسی دوسرے مناسب موقعہ کے لئے ملتوی کر دیا۔ انھیں یقین تھا، سال دو سال بعد پوری طرح قابو حاصل کر کے یہ کارروائی کر سکیں گے۔ مگر مشیت الٰہی اس کے خلاف تھی۔ اتحادیوں کو نامراد قسطنطنیہ خالی کر دینا پڑا۔ ایا صوفیہ آج تک مسجد ہی ہے اور انشاء اللہ مسجد ہی رہے گی۔

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزاء قتل

ایک خط کے جواب میں

الہلال نمبر ۱۳ میں۔ ایک عزیز طالب حق کی جو مراسلت درج کی گئی تھی، افسوس ہے کہ پے در پے سفر اور علالت طبع کی وجہ سے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی مہلت نہیں ملی۔ اب اس کے لئے وقت نکال سکا ہوں۔

مذہب اور پیروان مذہب

میرا خطاب عزیز موصوف سے ہے۔

افسوس ہے، اس خط میں آپنے اپنے جو تاثرات ظاہر کئے ہیں، وہ اُسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں جس سے پرہیز کرنے کا آپنے ارادہ کیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ پہلے پہل مجھ سے ملے، اور اپنے دل کے شکوک و اضطراب مجھ پر ظاہر کئے، تو میں نے بعض مقدمات آپکے ذہن نشین کرنے چاہے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ یہ وہ بنیادی مقدمات ہیں جن کے بغیر آج طلب حقیقت کی راہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ من جملہ اُن مقدمات کے ایک مقدمہ یہ تھا کہ مذہب اور پیروان مذہب کا امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ ایک چیز نہیں ہے۔ مذہب کے بارے میں ہماری دو تہائی مایوسیاں صرف اسی غلطی کا نتیجہ ہوتی ہیں کہ ہم بسا اوقات ان دونوں کا عددی اختلاف بھول جاتے ہیں۔ میں سب سے پہلی بات جو آپکے علم میں لانی چاہتا ہوں یہ ہے کہ آپنے جستجوئے حقیقت میں ایک بنیادی صداقت معلوم کی تھی اور اب اُس کا سررشتہ آپکے ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے اور افسوس ہے کہ آپ متنبہ نہیں ہیں۔

آپ لکھتے ہیں "ایک بڑی مشکل ہم لوگوں کی راہ میں یہ ہے کہ آپ جیسے بزرگ اسلام کی تعلیم اور اسپرٹ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ جب دوسرے مسلمانوں کی تعلیم میں ڈھونڈھی جاتی ہے تو نہ صرف یہ کہ نہیں ملتی بلکہ ایسی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند دماغ شک و شبہ کے طوفان سے محفوظ نہیں رہ سکتا" سوال یہ ہے کہ اسلام کی جو تعلیم آپکے علم میں آئی ہے اگر فی الحقیقت آپ مطمئن ہو گئے ہیں کہ وہ اسلام کی تعلیم ہے، تو پھر آپ "دوسرے مسلمانوں" کی تعلیم میں اُسے ڈھونڈھنا کیوں چاہتے ہیں؟ آپ کو "اسلام" کی تعلیم کی تلاش ہے یا "مسلمانوں" کی تعلیم کی؟ یقیناً یہ دونوں چیزیں ایک نہیں ہو سکتیں۔ ایک چیز تعلیم بہ حیثیت تعلیم کے ہے اور ایک چیز اُسکے پیروں کا فہم و عمل ہے۔

اگر آپ کو اسلام کی تعلیم کی جستجو ہے، تو وہ دنیا کی ہر تعلیمی حقیقت کی طرح صرف اپنے حقیقی سرچشمہ ہی میں ڈھونڈھی جا سکتی ہے، نہ کہ انسانوں کی تعلیم میں اگرچہ وہ انسان اپنے اعتقاد میں مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر آپکی اُس سرچشمہ تک رسائی ہو گئی ہے (اور کم از کم میرا تأثر آپکی نسبت یہ تھا کہ آپ کو اس کا اعتراف ہے) تو اسکے یہ معنی ہیں کہ آپ اسلام کی تعلیم معلوم کرنے کے لئے خود اسلام تک پہنچ گئے ہیں، اور اس صورت میں آپکے لئے صرف یہی رہ جاتا ہے کہ خود اسلام سے اسلام معلوم کریں، اور جب معلوم ہو جائے تو جہاں تک اسلامی تعلیم کا تعلق ہے، آپکی جستجو ختم ہو جائے۔ بلاشبہ آپ کے لئے یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زندگی میں اُس کا عمل تلاش کریں۔ لیکن "عمل" تلاش کریں۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے "عمل" کو "اسلام" کی تعلیم قرار دے دیں۔ اگر مسلمانوں کی زندگی میں آپ کو اُس کا عمل نظر آئے، تو آپ کو یہ رائے قائم کرنی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم پر دنیا کی مسلمان نامی جماعت عمل کر رہی ہے۔ نہ نظر آئے تو افسوس کرنا چاہئے، اور سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی عالمگیر گمرہیوں میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ مسلمان نامی جماعت بھی اسلام کی تعلیمات پر عامل نہیں۔ میں نہیں سمجھتا یہ قدرتی اور سچا طریقہ چھوڑ کر آپنے غلط روی اور کج اندیشی کی راہ کیوں اختیار کی؟ جہاں آپکو "عمل" دیکھنا چاہئے، وہاں آپ "تعلیم" ڈھونڈھتے ہیں، اور جہاں سے "تعلیم" کی حقیقت کا سراغ مل سکتا ہے، اسے اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں؟

عزیز من! میری وہ بات یاد کیجئے جو میں نے بار بار آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی: دنیا کی کوئی تعلیمی صداقت بھی ایسی نہیں ہے جسکے پیروں کا فہم و عمل حجت قرار دے کر ہم حقیقت کی طرف قدم بڑھا سکتے ہوں مذہب کو چھوڑئے۔ دنیوی اور مادی علوم و صنائع کا کوئی محدود سے محدود گوشہ لے لیجئے۔ کیا اس طریقہ سے ہم ان گوشوں میں بھی حقیقت کی طرف قدم اُٹھا سکتے ہیں؟ جب دنیا کے ایک معمولی مصنف یا عالم کی کتاب کے لئے لاکھوں کروروں انسانوں کا فہم و ادعا کچھ مفید نہیں ہو سکتا، اگر کوئی ایسی بات بیان کی جائے جو خرد اُس کتاب میں موجود نہ ہو، تو مذاہب عالم کے لئے جن پر انسانی فہم و استعداد کے تغیرات و حوادث کی صدیاں گزر چکی ہیں اور لاکھوں کروروں افراد کے ظروف سے نسلاً بعد نسل اُن کے تعلیمی حقائق متأثر ہوتے ہیں کسی فرد یا جماعت کا فہم و عمل حجت ہو سکتا ہے؟

طریق جدل اور طریق ہدایت

معلوم نہیں آپکو وہ بات بھی یاد ہے یا نہیں جو میں نے گذشتہ سال آپکے ذہن نشین کرنی چاہی تھی۔ اس راہ میں بحث و جستجو کے ہمیشہ سے دو طریقے رہے ہیں۔ ایک طریقہ وہ ہے جسے قرآن نے اپنی زبان میں "جدل" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جسے "ہدایت" کے لفظ سے پکارا ہے۔ "جدل" کے معنی لڑنے جھگڑنے کے۔ "ہدایت" کے معنی سیدھی اور سچی راہ اختیار کرنے کے۔

وہ تمام لوگ جو حقیقت و صداقت کے متلاشی نہیں ہوتے بلکہ کسی خاص خیال اور جذبہ سے اپنی کوئی بات منوانی اور دوسرے کی کوئی بات گرا دینی چاہتے ہیں، طریق جدل پر عامل ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپکو کتنا ہی حق کا طالب و متلاشی ظاہر کریں، لیکن فی الحقیقت وہ حق کے نہیں اپنی ہوا و نفس کے متلاشی ہوتے ہیں۔ وہ سچائی کے متلاشی نہیں ہوتے کہ ہر موقعہ پر اُس کے ظہور و علم کے منتظر رہیں۔ وہ محض اپنے کسی ٹھہرائے ہوئے خیال اور اعتقاد کے پجاری ہوتے ہیں، اور اس لئے ہمیشہ اسی ڈھونڈھ میں لگے رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوا دیں۔ مذہبی عالم کے پُرجوش حامیوں، مذہبی مجالس کے زبان دراز مناظروں اور مذہبی بحث و نظر کے بنائے ہوئے نام نہاد علوم میں دسترس رکھنے والوں کا غالب حصہ اسی طریق جدل کی پیداوار ہے۔

لیکن دوسرا طریقہ "طریق" ہدایت" ہے۔ یہ اُن لوگوں کی راہ ہے جو سچ مچ کو سچائی اور حقیقت کے متلاشی ہوتے ہیں، اور منوانے کے لئے بلکہ مان لینے کے لئے قدم بڑھاتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی خاص فریقانہ دعویٰ رکھتے ہیں، نہ کوئی خاص فریقانہ دعویٰ۔ نہ تو اُنھیں کسی خیال اور رائے کی برتری ثابت کر دینے کی ہوس ہوتی ہے، نہ کسی خاص خیال اور رائے کو زک دینے کا جوش۔ اُن کی طلب، اُن کی جستجو، اُن کا اعتقاد، اُن کا مشرب، اُن کا حلقہ، اُن کی تمام کد و کاوش کی غرض و غایت، صرف یہی ہوتی ہے کہ حق کی تلاش کی جائے، اور جب ملجائے تو اُسے پہچان لیا جائے۔ اس طریقہ کے رہرو کی ہر بات پچھلے طریقہ سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ مقصد اور نظر و فکر کی روح میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ طریق جدل پر چلنے والے سچائی کے نہیں بلکہ سچائی کے نام پر جھگڑنے کے شائق ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی ہر بات میں ایک جھگڑالو اور کج بحث دماغ کی روح پائی جاتی ہے۔ لیکن طریق ہدایت کا پیرو کسی حال میں بھی جھگڑالو اور کج بحث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس کی روح طلب حق کی روح ہوتی ہے، اور حق کی طلب اور اُس کی معرفت کا عشق کبھی بحث و نزاع کی نفس پرستیوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ فی الحقیقت ان دونوں طریقوں میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ صریح تضاد ہے۔ پہلے کا نتیجہ یہ ہے کہ حق کی طلب و معرفت کی استعداد ہی طبیعت انسانی میں باقی نہیں رہتی۔ دوسرے کا نتیجہ یہ ہے کہ صرف حق ہی کی طلب معرفت کا استغراق باقی رہتا ہے۔ نفس ہوس کی تمام غفلتیں اور خود پرستیاں معدوم ہو جاتی ہیں۔

جدل یا ہدایت؟

میں نے پہلے بھی کہا تھا، اور اب پھر آپکو توجہ دلاتا ہوں کہ اگر سفر کا عزم ہو تو کیوں پہلے ہی سے اپنی گمراہی کا بھی فیصلہ کر لیں؟ کیوں نہ قدم بڑھانے سے پہلے سوچ سمجھ لیں کہ ہمیں کونسی راہ اختیار کرنی ہے؟ راہیں یہاں دو ہی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن نے اپنی بولی میں "جدل" کہا ہے۔ دوسری وہ جسے "ہدایت" سے تعبیر کیا ہے۔ اگر "جدل" کا شوق ہو، تو واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا کے پرستارانِ مذاہب میں ننانوے فی صدی انسان اسی راہ پر گامزن ہیں۔ آپ بھی اس بھیڑ میں شامل ہو جائیے۔ لیکن اگر حق کی طلب اور سچائی کی لگن ہو، تو پھر ضروری ہے کہ دوسری راہ اختیار کی جائے۔ لیکن دوسری راہ اختیار کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ زبان سے اس کا دعویٰ کیا جائے۔ جہاں تک دعوے کا تعلق ہے، کوئی سخت سے سخت مجادل (جھگڑالو) انسان بھی اس دعوے سے دست بردار ہونا پسند نہیں کرے گا۔ چاہیے کہ سچ مچ کو جدل و نزاع کی جگہ سچائی کے ایک سچے اور بے نفس متلاشی کی روح آپکے اندر پیدا ہو جائے۔ اس صورت میں آپکے بحث و مطالعہ کا انداز ہی دوسرا ہو جائے گا۔ جو چیزیں بقول آپکے آج "شک و شبہ کا طوفان" آپکے اندر پیدا کر دیتی ہیں، اُس حالت میں آپکے لئے مزید یقین کا پیغام اور معرفت حق کا وسیلہ بن جائیں گی!

مذاہب عالم بہ اعتبار حفظ و عمل

اگر ایک شخص "مجادل" نہیں بلکہ طریق "ہدایت" پر عامل ہو، تو وہ بغیر کسی بحث و اختلاف کے تسلیم کرے گا کہ آج جس قدر مذاہب دنیا میں موجود ہیں، تعلیمی مصادر کے لحاظ سے اُنھیں تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) وہ نہایت قدیم مذاہب جن پر امتدادِ زمانہ سے انقلاب حالت کے ایسے دور گزر چکے ہیں کہ اب اُنھیں اُن کی حقیقی صورت و حالت میں معلوم کرنا نہایت دشوار ہو گیا ہے۔ اُن کی تعلیم کے مصادر محفوظ نہیں ہیں، اُنکی حقیقی تعلیمی روح یکقلم منقلب ہو گئی ہے، اُنکے پیروؤں کی علمی و عملی زندگی میں حقیقت کا اب کوئی سراغ نہیں لگایا جا سکتا۔

کسی چیز کی اصلیت و حقیقت معلوم کرنے کے لئے دو طرح کی شہادتیں مل سکتی ہیں: اندرونی اور بیرونی۔ دونوں کا مطلب واضح و معلوم ہے۔ حاجت تشریح نہیں۔ اس قسم کے مذاہب کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے لئے ہم اُن کی اندرونی شہادتوں پر قناعت نہیں کر سکتے، کیونکہ انقلاب حالت کی وجہ سے اُن کے پیروؤں کی علمی و عملی زندگی اس درجہ بدل چکی ہے کہ اُس سے حقیقت کی شہادت ملنا متوقع نہیں۔ طالب حقیقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیرونی شہادتوں کی جستجو کرے۔ اگر کوئی ایسی شہادت مل جائے تو اُس کی روشنی میں اُن کی اندرونی حالت پر نظر ڈالے۔

(۲) دوسری قسم اُن مذاہب کی نظر آئے گی جن کی عمر پہلی قسم کے مذاہب سے کم ہے، اور جنھیں نسبتہً اپنی تعلیم کی اشاعت و توسیع کے لئے بہتر زمانہ حاصل ہوا تھا۔ اس لئے اگرچہ اُن پر بھی انقلاب حالت کے وہ تمام دور گزر چکے ہیں جو اصلیت کو محرّف اور مبدّل کر دیتے ہیں اور علمی روح یکقلم مفقود ہو جاتی ہے، تاہم اُن کی تعلیم کے بنیادی سرچشمے اس حد تک موجود ہیں کہ ایک طالب حق اُن سے اندرونی شہادت حاصل کر سکتا ہے، اور تغیر و تحریف کے بے شمار پردے پڑ جانے پر بھی اصلیت کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔

البتہ یہ اندرونی شہادت اس درجہ واضح اور قطعی نہیں ہے کہ بیرونی شہادتوں کی ضرورت نہ ہو۔ ضرورت ہے کہ کوئی مضبوط شہادت باہر سے بھی حاصل کی جا سکے، ورنہ حقیقت کا قابل یقین فیصلہ نہیں ہو سکے گا۔

(۳) اگر ہم نے صحت نظر کے ساتھ ان دونوں قسموں پر نظر ڈال لی ہے، تو ضرورت ہے کہ ایک تیسری اور آخری قسم بھی سامنے آ جائے۔ یہ وہ قسم ہے جس کا ظہور دنیا کے تمدن و علوم کی اشاعت و تنظیم کے زمانے میں ہوا، اور اس لئے ایسے وسائل اُسکے لئے بہم ہو گئے کہ تعلیمی مصادر کے تلف ہونے یا کلی میتی سے محرّف ہو جانے کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہا جس طرح اُس زمانے میں جبکہ اُس کا نیا نیا ظہور ہوا تھا، اُس کی تعلیم اپنی حقیقی صورت و حالت میں دیکھی جا سکتی تھی، ٹھیک اُسی طرح آج بھی ہر آنکھ دیکھ لے سکتی ہے۔ البتہ انقلاب حالت کے وہ تمام دور جو بشری کی دماغی و عملی زندگی پر گزرا کرتے ہیں، اُس پر بھی گزرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے فہم و عمل کی روح روز بروز کمزور پڑتی گئی۔ یہاں تک کہ اُس کی حقیقی تعلیم کے مقابلہ میں، اُسکے پیروؤں کی علمی ذہنیت نے بحیثیت مجموعی ایک نئے قسم کا نقشہ پیدا کر دیا۔ تاہم ایک جویائے حقیقت کے لئے اضطراب و تشویش خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اُسکے تمام تعلیمی مصادر اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں، اور وہ اس قدر واضح، اس قدر مختصر، اسقدر سہل الحصول ہیں کہ ہر طالب حقیقت طلب و معرفت کا ایک قدم بڑھا کر اُن تک پہنچ جا سکتا ہے، اور جیسی کچھ بھی اصلیت ہے اُس کے سامنے روشن ہو جا سکتی ہے۔

چونکہ اس آخری قسم کے تمام تعلیمی مصادر محفوظ، مدوّن، اور ہر انسان کے دسترس میں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہ صرف اپنی اندرونی شہادت ہی سے پہچانی جا سکتی اور پرکھی جا سکتی ہے۔

بلاشبہ اُس کی علمی روح امتدادِ زمانہ کے موثرات و عوامل سے متاثر ہو چکی ہے، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُسکی عملیت کی بنیادیں پچھلی دو قسموں کی طرح منہدم ہو گئیں۔ ایک جویائے حقیقت معلوم کر لے سکتا ہے کہ امتدادِ زمانہ کے یہ تمام تغیرات سطح سے نیچے نہیں اُتر سکے ہیں۔ بنیادیں بدستور قائم ہیں۔

مذاہب عالم میں ہندوستان اور ایران کے قدیم مذاہب پہلی قسم میں داخل ہیں۔ یہودی اور مسیحی مذاہب دوسری قسم میں۔ تیسری قسم سے مقصود اسلام ہے۔

جویائے حقیقت کا فرض

اگر ایک شخص کی راہ وہ راہ نہیں ہے جسے "جدل" سے تعبیر کیا گیا ہے تو وہ مذاہب عالم کی اس صورت حال کے اعتراف میں ہرگز تامل نہیں کریگا، اور اس لئے "تعلیم" اور "عمل" کا اختلاف، یا حقیقی تعلیم اور غیر حقیقی تعلیم کی موجودگی کبھی اُس کے لئے "شک و شبہ کا طوفان" پیدا نہیں کر سکے گی۔ وہ دنیا کی زیادہ سے زیادہ واضح حقیقتوں کی طرح دیکھے گا کہ پیروانِ مذاہب کا موجودہ عمل و فہم اُن مذاہب کی حقیقی تعلیم کے لئے صحت نہیں ہو سکتا اور یہ ناگزیر ہے کہ جماعت، عمل، اور شخصی تجربہ سے بے اثر ہو کر صرف مذہب اور اُس کی "تعلیم" پر اعتماد کریں۔ ورنہ یا تو ہمیں یکقلم مذاہب کے برخلاف فیصلہ کرنا پڑے گا، یا فریقانہ تعصب و انکار میں مبتلا ہو جائیں گے، اور دونوں طرح فہم حقیقت و اعتدال رائے کی راہیں ہم پر بند ہو جائیں گی۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، شاید ہی دنیا میں کسی تعلیم کی حقیقت اصلیت کا ادراک اسقدر آسان اور سہل ہو، جسقدر اسلام کا ہے۔ اوّل یہ کہ اُس کی تعلیمی اصل اس طرح محفوظ اور مرتب دنیا کے ہر انسان کے دسترس میں ہے، کہ بغیر کسی علمی تحقیق و کاوش کے ہر شخص حاصل کر لے سکتا ہے اور اُس کے مطالب سے واقف ہو جا سکتا ہے۔ ثانیاً اُس کے تمام مصادر اس طرح مسلّم اور طے شدہ ہیں کہ اس بارے میں کسی اختلاف کی گنجایش نہیں۔ ثالثاً تعلیمی مصادر کی جتنی بھی مقدار ہے، بہت مختصر ہے۔ اتنی مختصر ہے کہ اگر ایک معمولی درجہ کا تعلیم یافتہ انسان چاہے تو ایک دن کے اندر معلوم کر لے سکتا ہے کہ اسلام کے تعلیمی مصادر کے مطالب کیا کیا ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ایک تعلیم اس درجہ واضح اور سہل ہمارے سامنے موجود ہے، تو کیا کسی انصاف پسند "غیر مجادل" انسان کے لئے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ اُس کے فہم کے لئے خود اُس پر اعتماد نہ کرے، اور اگر اُس کی تعلیم میں اور بعض انسانوں کے فہم میں اختلاف واقع ہو جائے، تو اپنے آپ کو "شک و شبہ کے طوفان" کے حوالے کر دے؟

یہاں تک میں نے صرف اصولی بحث کی ہے۔ اب مجھے آپکے بعض تاثرات اور پیش کردہ [illegible] کا جواب دینا چاہیے۔

اشتہار کے لئے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہے؟

۱۹۱۹ء میں جسقدر نسخے چھپے تھے، مدرسۂ اسلامیہ رانچی کو دے دیئے گئے تھے جو بہت جلد ختم ہوگئے۔ اب مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ لیتھو میں چھپی ہے۔ ۱۲ (منیجر الہلال کلکتہ)

حیرت انگیز رعایت

صرف پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصول ڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے کردکے سے + بیوی کے لئے



نئے نئے ڈیزائن کی خوشنما فینسی پاکٹ واچ جو بھی چیز جیت مع استاپ سات روپیہ آٹھ آنہ ہمیں محصول ڈاک پیکنگ سنی آرڈر دس

مکمل سلور کیس خوبصورت مضبوط ٹائم نہایت صحیح بتانیوالی قیمت ہم پین پانچ روپے آٹھ آنے (صرف) محصول ڈاک پیکنگ سنی آرڈر دس

دیکھنے میں خوبصورت چلتا اچھا پرزوں کا مضبوط ٹائم کا سچا بیحد سستا قیمت دو روپے محصول ڈاک پیکنگ سنی آرڈر دس

تینوں گھڑیاں اگر آپ بکمیت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائیں گی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور فرم کی شہرت کی وجہ سے دی جارہی ہے وقت محدود ہے تاکہ یہ گھڑیاں اسٹاک ہونگی اسکے بعد ہم تیس کے روپیہ ہی آرڈر بھیجیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہوجائے اور آپ کی فرمایش کی تعمیل نہ ہوسکے

نوٹ۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدنے کیلئے کوئی رعایت نہیں دی جاتی سے پوری قیمت منگوائی جائیگی اور محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی آپ کو ادا کرنا ہوگا +

امریکن واچ ہوس اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی نمبر ۸۲ مقام دھلی

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہے؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سُرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں

تو

آپ کو "شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہیے!

یاد رکھئے

موسم گرما کا نایاب تحفہ

صرف ہمدرد دواخانہ دیگا

شربت روح افزا ۲۹۳ (رجسٹرڈ)

جو تقریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم با مسمّٰی ہو کر بلا تفریق مذہب عام ہر دلعزیزی و شرف مقبولیت حاصل کر کے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر تک شہرت حاصل کر چکا ہے اور جس کو چشم بد (حریص) سے محفوظ رکھنے کے لئے تمام ہندوستان کے واسطے رجسٹرڈ بھی کرا لیا گیا ہے۔

محترم ناظرین! آپ میں جو اصحاب اس کا استعمال کر چکے ہیں اُن سے تو اس کے تعارف کرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپکی مسلسل و پیہم مشتاقانہ خریداری اس کی پسندیدگی و قدردانی کی خود دلیل ہے لیکن ہندوستان جیسے وسیع براعظم میں جن لوگوں کو اس کے استعمال کا اب تک اتفاق نہیں ہوا اُن سے اس کی بے شمار خوبیوں میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شربت کا استعمال کسی مذہب کے خلاف نہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج موسم گرما میں خوش ذائقہ و فرحت بخش چیز کی حیثیت سے استعمال کر سکتا ہے۔

ناظرین! یہ شربت کیا ہے؟ اعلیٰ قسم کے فواکہات مثل انگور، سیب، رنگترہ وغیرہ اور بہت سی اعلیٰ ادویہ کا مرکب ہے جو خاص ترکیب اور جانفشانی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مفرح قلب ہے۔ خوش ذائقہ ہے۔ تشنگی اور گھبراہٹ کو دفع کرتا ہے۔ اختلاج قلب، درد سر و دوران سر، متلی وغیرہ کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ سوداوی امراض کے واسطے عموماً اور گرم مزاج والے اصحاب کے واسطے خصوصاً بہت مفید ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ جو استعمال سے تعلق رکھتی ہیں ظاہراً طور پر رنگ دلفریب اور پیکنگ کی صفائی دیدہ زیب ہے اس کی اشاعت سے محض ذاتی نفع مقصود نہیں بلکہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق پبلک کی خدمت کرنا اور ہندوستانی اشیاء کی ترویج کو ترقی دینا مدنظر ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ آپ قول دیکھکر اور استعمال کر کے جو بیدار شدہ نوخیز ہندوستان کی صنعت کا اُمید افزا نمونہ ہے اور جس کی ہر چیز دیسی ہے۔ خوش ہونگے اور با وجود اعلیٰ خوبیاں ہونے کے قیمت اس لئے کم رکھی ہے کہ ہر حیثیت کے لوگ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ قیمت فی بوتل ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) حکیموں اور عطاروں کے علاوہ، تاجران شربت کو بشرطیکہ وہ ایک درجن یا اس سے زیادہ خریدیں ۲۰ فی صدی کمیشن دیا جائیگا

نوٹ: اس شربت کی عام مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے ہمارے ہم پیشہ حضرات ناجائز فائدہ اُٹھانے کی مختلف ترکیبیں نکالتے ہیں مثلاً کوئی اس شربت کا ملتا جلتا نام رکھ لیا ہے۔ لہٰذا آپ شربت خریدتے وقت دھوکا نہ کھائیں بلکہ بوتل پر ہمدرد دواخانہ کا خوشنما لیبل اور اسپر لفظ رجسٹرڈ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

واضح رہے کہ یہ شربت ہمدرد، دواخانہ کی مخصوص چیز ہے اور اصلی صرف ہمدرد دواخانہ دہلی ہی سے مل سکتا ہے۔ "فہرست دواخانہ معہ خبری ۱۹۲۷ء کارڈ آنے پر مفت ارسال ہوگی"

پتہ۔ ہمدرد دواخانہ دہلی

تار کا کافی پتہ ہمدرد، دہلی

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما گائڈ بک کی ضرورت ہے جو انگلستان کے تمام شہروں، سوسائٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کر دے نیز جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide to Great Bretain

کا

دوسرا ایڈیشن ہے۔ ہندوستان کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

اگر آپکو

دمہ

(ضیق النفس)

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہے تو

تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان

سے فوراً ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور اُن کے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قدیم تمدن و صنعت کی قیمتی آثار کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری مائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عمدہ تک ارزاں ہیں!

بر اعظم یورپ و امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے۔

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزے

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلیٰ درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوهٔ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذریعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورة الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقیٰ — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقه نمبر ۲٤ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهین

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال
في
مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان این دفتر پارینه را

تازه خواهی داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اِس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تے - اور اُسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور تائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اِس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - اِن کي مقبولیت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید کیا - اور حال میں ایک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اِستاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرائي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اِس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اِس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه

" " چهارم ۱۰ روپیه " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اِس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوه هے -

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher:
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

یا

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کر سکتے ہیں۔

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں با قاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں، تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو موار اینڈ کو۔ برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. d. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میووں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے ترکاری مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

Printed and Published by
Masud Hasan Zubeiri at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor: Maulana Abu al-Kalam Azad.

جلد ۱ نمبر ۱۷

۱۹۲۷

الہلال

جلد ۱

نمبر ۱۷

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - - بارہ روپیه

هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه

قیمت شش ماهي - - - ساڈھ روپیه

قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں اُنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکهیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکهیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني اردر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکهدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۷ | کلکتہ : جمعہ ۱۷ ۔ ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 14. October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی جہپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چہپائی مین محدود رہکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ہین ، وہ ہین جن مین الہلال چہپتا ہی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ہی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ہین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاہین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چہپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی همین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اہم مسئلہ ہی ۔ ضروری ہی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الہلال

قاریین الہلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ۱۴۰۱ مراسلات وصول ہوی ہین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ہی :

عربی حروف کی حق مین	۲۰۷	اردو حروف کی حق مین	۳۹۰
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	۴۲۴	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چہپائی کی حق مین	۲۴۰	نستعلیق ہون	۱۴۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بہی متفق ظاہر کیا ہی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ہوا کہ اس باری مین بعض اہم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ہی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ہی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاہر کرینگی مگر ضرورت ہی کہ بقیہ حضرات بہی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بہیج دین ۔ الہلال



حضرت ابراهیم اور ایك بادشاه كا مكالمه

آیۂ کریمه "الم تر الی الذی حاج ابراهیم" کی تفسیر

ایک استفسار

(از جناب مولوي محمد عبدالحق صاحب سکندرابادي)

جیسا که جناب کو معلوم هے' میں گذشته سال سے ایک سلسلۂ رسائل کي ترتیب میں مشغول هوں جن کا مقصد یه هے که قران مجید کے مطالب حکیمانه ایک ایسے نئے اسلوب سے بیان کیے جائیں که آج کل کي مذهب سے برگشته طبیعتیں اُن سے تشفي حاصل کر سکیں - ایک همدرد ملت رئیس دکن نے اُنکے انگریزي زبان میں ساتھه ساتھه ترجمه کرانے کا بھي انتظام کر دیا هے ' اور اُمید هے که چند ماه کے اندر اُنکي اشاعت کا سلسله شروع هو جایگا * * * * * * اِس سلسله میں قرآن مجید کے متعدد مقامات هیں جو ایک عرصه سے میرے سامنے هیں - لیکن حقیقت حال یه هے که جیسا تشفي بخش حل اُنکا هونا چاهیے ' اِس وقت تک نهیں هو سکا هے ' اور جب تک خود اپني طبیعت مطمئن نه هو جائے ' دوسروں کے سامنے قدم اُٹھانا دیانت تحریر کے خلاف سمجھتا هوں - یه عرض کرنا ضروري نهیں که قران مجید کے فهم و مطالعه کا جسقدر بھي خاکسار ذوق پیدا کر سکا هے' وه سب جناب هي کے طفیل هے ' اور جناب هي کي تحریرات کے شغف کا نتیجه هے - اِسلیے اِن مشکلات میں بھي جناب هي سے دستگیري کي اُمید هے - اگرچه وه مقامات ایک سے زیاده هیں ' مگر سر دست میں جرأت نهیں کر سکتا که جناب کا زیاده وقت لوں - صرف ایک مقام کي نسبت اپنا اِطمینان چاهتا هوں جسکے خاطر خواه حل نه هونے کي وجه سے خاکسار کي زیر ترتیب کتاب کا کام رک گیا هے -

سورۂ بقره میں حضرت ابراهیم علیه السلام اور ایک بادشاه کے مناظره کا ذکر هے جسکي نسبت همارے مفسرین کا بیان هے که وه نمرود تھا : الم تر الي الذي حاج ابراهیم في ربه ان اتاه الله الملك ' اذ قال ابراهیم ربي الذي یحي و یمیت ' قال انا أحي و أمیت ' قال ابراهیم فان الله یاتي بالشمس من المشرق فات بها من المغرب ' فبهت الذي کفر ' و الله لا یهدي القوم الظالمین - مضمون اِس آیت کا یه هے که حضرت ابراهیم سے نمرود نے خدا کے باب میں حجت کي - اسپر اُنھوں نے فرمایا که میرا پروردگار وه هے جو جلاتا هے اور مارتا هے - یعني زندگي اور موت اُسي کے قبضۂ و تصرف میں هے - اگر کوئي دوسري هستي خدائي کي مدعي هے ' تو اُسے چاهیے که یه قوت و تصرف اپنے اندر ثابت کرے - نمرود نے اِسکے جواب میں کها - اگر یهي وصف خدائي کا هے تو یه مجھه میں بھي هے - میں بھي جلاتا هوں اور مارتا هوں - حضرت ابراهیم نے یه سنکر فرمایا که خدا پورب سے سورج نکالتا هے - تو پچھم سے نکال دے - اِس پر نمرود مبهوت هوکر رهگیا -

یه دراصل حضرت ابراهیم علیه السلام اور نمرود کا مناظره هے جسمیں نمرود کي حیثیت خدائي کے مدعي کي هے اور حضرت ابراهیم اسکے زعم باطل کا بطلان ثابت کرنا چاهتے هیں - اب اس آیۃ کي تفسیر میں چند درچند مشکلات حائل هیں :

(۱) اول یه که جب نمرود خدا هونے کا مدعي تھا ' تو ظاهر هے که دلیل پیش کرنا اسکے ذمه تھا - نه که حضرت ابراهیم کے ذمے جنکي حیثیت منکر کي تھي - لیکن یهاں حضرت ابراهیم اس سے کوئي دلیل نهیں مانگتے - بلکه خود اپنے پروردگار کي پروردگاري کي دلیل پیش کر دیتے هیں که " الذي یحي و یمیت " اور وه اس سے معارضه کرنے لگتا هے -

(۲) پھر جب اُنھوں نے ایک ایسي دلیل بیان فرمادي تھي جس سے بڑھکر واضح اور قاطع دلیل نهیں هوسکتي ' تو چاهیے تھا که نمرود کے جاهلانه اور طفلانه معارضه کي قلعي کھول دیتے - کیونکه وه اپنے جهل و بلادت سے زندگي بخشنے اور موت دینے کا وه مطلب سمجھه هي نه سکا تھا جو موثي السناني عقل کو بھي سمجھه لینا چاهیے - وه بول اُٹھا که یه بات تو مجھے بھي حاصل هے - ضروري تھا که حضرت ابراهیم فرماتے ' موت اور حیات بخشنے سے مطلب یه هے که جس طرح وه آن دیکھي ذات تمام جانداروں کو نیستي سے هستي بخشتي هے ' اور پھر ایک خاص وقت پر فنا کر دیتي هے ' اسي طرح تو بھي ایک چھوٹا سے چھوٹا کیڑا بنا دیکھه - لیکن آپ یه نهیں کهتے ' بلکه فوراً اس دلیل کو چھوڑ کر ایک دوسري دلیل پیش کر دیتے هیں - یعني سورج کو اسکي معمولي سمت کي جگه دوسري سمت سے نکالدینے کي فرمایش کرتے هیں - اس سے لازم آتا هے که گویا آپنے اپني پهلي دلیل کي کمزوري مان لي - اور (نعوذ بالله) نمرود کے معارضه سے لاچار هوگئے - اسلیے اسے چھوڑ کر نئي دلیل کا سهارا لیا - ایک معمولي مناظر کیلیے بھي یه بات دلیل عجز هے ' چه جائیکه ایک جلیل القدر پیغمبر کیلیے -

(۳) پھر دوسري دلیل جو پیش کي گئي ' اُس پر بھي شبهات وارد هوتے هیں - قران مجید ناطق هے که پهلي دلیل سے نهیں مگر دوسري دلیل سے نمرود لاجواب هو کر رهگیا - مگر اعتراض هو سکتا هے که جس شخص کي شوخ چشمي کا یه حال تھا که موت و حیات کے وصف الهي تک کا بیان اُسے چپ نه کرا سکا ' وه اِس دوسري دلیل سے کس طرح لاجواب هوگیا ؟ اگر کها جاے ' اس لیے که وه پچھم کی طرف سے سورج نکالنے پر قادر نه تھا ' تو جواب یه هے که وه موت و حیات بخشنے پر بھي تو قادر نه تھا ؟ جس طرح اس بات کا ایک غلط مطلب ٹھهرا کر اُس نے معارضه کر دیا تھا اور حضرت ابراهیم ترک دلیل پر مجبور هوگئے تھے ' اسي طرح اِس کا بھي کر دے سکتا تھا - کهدیتا میں بھي ایسا کر سکتا هوں -

(۴) علاوه بریں دلیل کے معنے یه هیں که وه ایسي بات هوتي هے که اس کے اثبات سے مدعا کا ثبوت متحقق هو جاتا هے - لیکن حضرت ابراهیم کي دوسري دلیل ایسي معلوم نهیں هوتي - اُس کا اثبات اس مقدمه کے اثبات پر موقوف هے که " خدا وهي هوسکتا هے

جو سورج کو جس طرف سے چاہے نکالے " لیکن سورج کا ایک سمت کی جگہ کسی دوسری سمت سے نکلنا کوئی دنیا کا محسوس واقعہ نہ تھا جو لوگوں کے علم میں ہوتا اور حضرت ابراہیم اُسے اپنے پروردگار کا فعل قرار دے سکتے - نمرود کہہ سکتا تھا کہ اچھا اگر یہی دلیل ہے تو تمہارا پروردگار پورب کی جگہ پچھم سے ایک مرتبہ نکال دکھائے - اِس پر حضرت ابراہیم کیا جواب دیتے ؟ کیا وہ اپنے پروردگار سے چاہتے کہ نظام شمسی کا پورا کارخانہ درہم برہم کرکے سورج دوسری سمت سے نکلتا ہوا دکھا دے ؟

(۵) علاوہ بریں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلی دلیل سے رجوع کرکے دوسری دلیل پیش کی ' تو ضروری تھا کہ یہ پہلے سے زیادہ واضح و اقطع ہوتی - اُن کی پہلی دلیل یہ تھی کہ موت و حیات کی باگ اللہ ہی کے ہاتھ ہے - دوسری یہ کہ اجرام سماوی اُسی کے حکم و مشیت سے کام کرتے ہیں - ظاہر ہے کہ دوسری دلیل پہلی سے زیادہ وزنی نہیں کہی جا سکتی - اگر موت و حیات جیسا واضح اور بدیہی معاملہ خصم کو ساکت نہ کر سکا ' تو اجرام سماوی کا معاملہ کیا مفید اثبات ہو سکتا ہے ؟

میں نے بڑے ہی شوق سے حضرت امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر دیکھی تھی - کیونکہ وہ قرآن مجید کے مقامات کو عقلی مباحث سے صاف کرنا چاہتے ہیں - مگر میں عرض نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر مایوسی ہوئی ؟ لطف یہ ہے کہ انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ یہ تمام شبہات خود ہی لکھے ہیں ' لیکن جواب کا جو کچھہ حال ہے ' اس کا اندازہ اِس سے کر لیجیے کہ اُس کے پڑھنے کے بعد اپنے دل کو اور زیادہ شکوک و شبہات میں مبتلا پاتا ہوں -

پہلے شبہ پر انہوں نے بالکل توجہ نہیں کی ہے - دوسرے شبہ کے دو جواب دیے ہیں - ایک یہ کہ ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا مستدل کے لیے جائز ہے - اس میں کوئی حرج نہیں ' کیونکہ دوسری دلیل پہلی دلیل سے اوضح ہے - اسے عام مفسرین کی طرف منسوب کرتے ہیں - دوسرا جواب " محققین " کا جواب قرار دیا ہے - وہ یہ ہے کہ " یہ ایک دلیل کو چھوڑ کر دوسری دلیل کا اختیار کرنا نہ تھا - بلکہ ایک ہی دلیل کی مزید وضاحت کرنی تھی : وھوا نا نری حدوث اشیاء لا یقدر الخلق علی احداثھا ' لہ امثالۃ ' منھا الاحیاء و الاماتۃ ' و منھا السحاب و الرعد والبرق ' و منھا حرکات الافلاک و الکواکب ' و المستدل لا یجوز لہ ان ینتقل من دلیل علی دلیل آخر ' لکن اذا ذکر لایضاح کلام مثالا ' فلہ ان ینتقل من ذلک المثال الی مثال آخر ' فکان ما فعلہ ابراھیم من باب ما یکون الدلیل و احداً ' إلا انہ یقع الانتقال عند ایضاحہ من مثال الی مثال آخر - و ھذ الوجہ احسن و الیق بکلام اھل التحقیق " اُس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں : " لما احتج ابراھیم بالاحیاء و الاماتۃ ' اورد الخصم علیہ سوالا لا یلیق بالعقلاء ' و ھو انک اذا دعیت الاحیاء و الاماتۃ لا بواسطۃ ' فذلک لا تجد الی اثباتہ سبیلا ' و ان دعیت حصولھا بواسطۃ حرکات الافلاک ' فنظیرہ او ما یقرب منہ حاصل للبشر - فاجاب ابراھیم بان الاحیاء و الاماتۃ و ان حصلا بواسطۃ حرکات الافلاک ' لکن تلک الحرکات حصلت من اللہ تعالی و ذلک لا یقدح فی کون الاحیاء و الاماتۃ من اللہ ' بخلاف الخلق فانہ لا قدرۃ لھم علی تحریکات الافلاک " خلاصہ اِس تقریر کا یہ ہے کہ پہلی دلیل پر جو نمرود نے اعتراض کیا تو اِس کا مطلب یہ تھا کہ اُس نے کہا ' خدا کی صفت جلانے اور مارنے کی کیسی ہے ؟ وہ بلا واسطہ جلاتا اور مارتا ہے ' یا افلاک کی حرکت اور اس کے اثرات کے ذریعہ ؟ اگر پہلی بات ہے تو اُس کا اثبات ممکن نہیں - اور اگر دوسری بات ہے تو یہ انسان کو بھی حاصل ہے - یعنی وسائط کے ذریعہ موت و حیات وجود میں آسکتی ہے - مثلاً مرد اور عورت کے ملنے کے واسطہ سے زندہ انسان پیدا ہو سکتا ہے ' اور قتل کے ذریعہ ہلاک کیا جا سکتا ہے - اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اپنی دلیل کی مزید وضاحت کی اور فرمایا کہ احیاء اور اماتت اگرچہ افلاک کی حرکات کے واسطہ سے ظہور میں آتی ہے ' لیکن افلاک کی حرکت بھی تو خدا ہی کے حکم و مشیت سے ہے - اُس کے سوا کون ہے جو انہیں حرکت میں لا سکے ؟ اور جب اُس کے سوا کوئی دوسرا افلاک کو متحرک نہیں کر سکتا ' تو ثابت ہو گیا کہ احیاء اور اماتت بھی نہیں کر سکتا -

میں حیران ہوں کہ اس امام جلیل القدر کی اس تقریر کی نسبت کیا عرض کروں ؟ ان کے جواب سے شبہ دور ہوا ہے یا اور زیادہ مضبوط ہوگیا ہے ؟ اول تو یہ فرض کرنا کہ نمرود کا مطلب اعتراض سے واسطہ اور بغیر واسطہ کا جھگڑا تھا ' کہاں سے ثابت ہوتا ہے ؟ قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہی ہے کہ " انا احی و امیت " پھر یہ کہنا کہ یہ دوسری دلیل کی مزید توضیح ہے ' نئی دلیل نہیں ہے ' کسی طرح بھی سمجھہ میں نہیں آتا - افلاک کی حرکت کو بھلا موت و حیات سے کیا تعلق ؟ کیونکر یہ استدلال پہلی دلیل کے ساتھہ مربوط ہوسکتا ہے ؟ پہلی دلیل کا تعلق جلانے اور مارنے کی صفت سے تھا - دوسری میں سورج کے طلوع و غروب کی جہت سے - اس میں اور موت و حیات کی طاقت و تصرف میں کوئی علاقہ نہیں - تعجب ہے کہ کیونکر امام موصوف ایسی کمزور اور بے ربط بات کو محققین کا مذہب قرار دیتے ہیں اور وثوق کے ساتھہ قرار دیتے ہیں -

پھر مفسرین کا یہ عام مذہب بھی کہ دوسری دلیل پہلی سے اوضح ہے ' تشفی پیدا کرنے سے قاصر ہے - صاف بات تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ پہلی دلیل ہی زیادہ واضح اور قطعی تھی -

تیسرے شبہ کا جواب امام موصوف نے یہ دیا ہے کہ نمرود دوسری دلیل کا معارضہ نہیں کر سکا - اسلیے کہ ہوسکتا ہے ' خدا نے اُس وقت اُس کے حواس مختل کردیے ہوں - وہ اس قابل ہی نہ رہا ہو کہ اعتراض کرے - سوال یہ ہے کہ اگر معترض اور مشکک کو اسی طرح حواس باختہ کرکے چپ کرادینا تھا ' تو پھر اس مناظرہ کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ پہلے ہی سے مخبوط الحواس بنا دیا ہوتا تاکہ وہ اعتراض ہی نہ کر سکتا - علاوہ بریں اگر خدا تعالی کی سنت یہی ہے کہ جو معترضین انبیاء کرام سے معارضہ کرتے ہیں ' ان کے حواس سلب کر لیا کرتا ہے ' تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ انبیاء کرام کے پاس مسکت اور قاطع جواب نہیں ہوتے ' اس لیے غریب معترضین مخبوط الحواس کرکے چپ کرا دیے جاتے ہیں - کیا ایسے جوابوں سے قرآن مجید کے معارف روشنی میں آسکتے ہیں ؟ خصوصاً اِس زمانے میں ؟

خود امام صاحب بار بار اس پر زور دیتے ہیں کہ " جب ایک دلیل یا مثال خصم کے مقابلہ میں پیش کی جائے ' اور اُس پر وہ نا فہمی سے اعتراض کردے ' تو مستدل کا فرض ہے کہ اُس کے اعتراض کی خامی ظاہر کردے اور بغیر اس کے آگے نہ بڑھے ' اور جب ایک معمولی مناظر کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے ' تو ظاہر ہے کہ ایک نبی اولوالعزم کے لیے کیوں ضروری نہو جس کا مناظرہ تمام دنیا کے سامنے بطور ایک بنیادی صداقت کے پیش کیا جا رہا ہے ؟ " تاہم وہ اس قوت کے ساتھہ اعتراض وارد کرے ' اس کا کوئی کمزور سے کمزور جواب بھی نہیں دیتے ' اور صرف یہ کہکر چپ ہوجاتے ہیں کہ " محققین کی تفسیر پر شبہات وارد

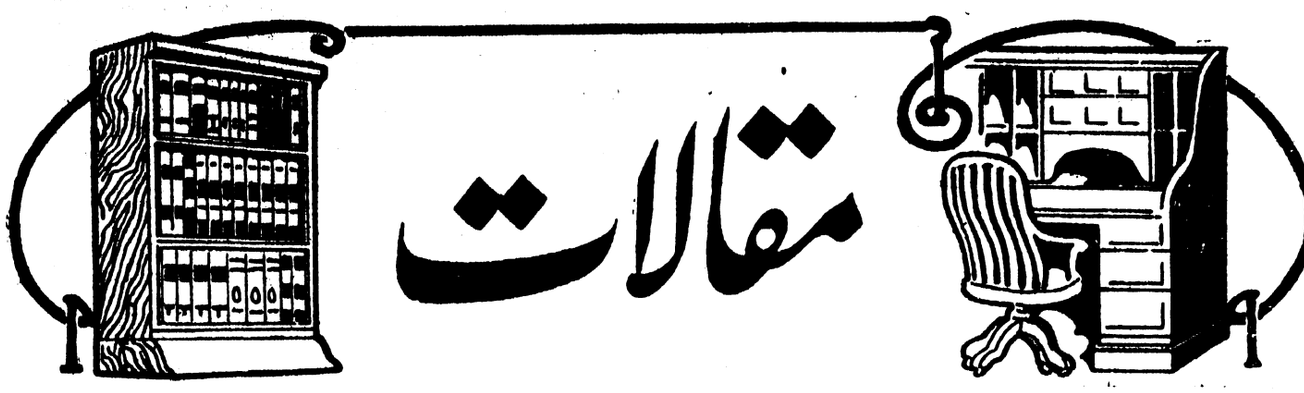

مقالات

نہیں ہو سکتے " حالانکہ وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ خواہ نئي دلیل بیان کي جائے ' خواہ نئي مثال ' ضروري ہے کہ انتقال سے پہلے معارض کي خامي واضح کردي جائے - پس جس طرح شبہ عام مفسرین کي تفسیر پر وارد ہوتا ہے ' اسي طرح اُس تفسیر پر بھي وارد ہوتا ہے جسے امام موصوف " محققین " کي تفسیر قرار دیتے ہیں -

مجھے جب اس طرف سے مایوسي ہو گئي تو خیال ہوا کہ موجودہ زمانے کے محققین نے اس پر ضرور نئي روشني ڈالي ہوگي - چنانچہ میں نے بمبئي سے استاد امام شیخ محمد عبدہ مصري کي تفسیر منگوا کر دیکھي ' لیکن افسوس ہے کہ اس میں بھي وہي امام رازي والي تفسیر بجنسہ پائي - اِن شبہات کا کوئي جواب نہیں ملا - تفسیر نیشا پوري ' تفسیر ابن کثیر ' تفسیر علامۂ ابن سعود ' تفسیر روح المعاني شیخ آلوسي بھي خاکسار کے پیش نظر ہیں " مگر اِن سب میں بھي یا تو وہي تفسیر کبیر والا جواب نقل کردیا ہے ' یا وہ باتیں لکھدي ہیں جنھیں امام رازي نے عام مفسرین کا جواب قرار دیا ہے - یا پھر سرے سے کسي طرح کي کاوش ہي نہیں کي گئي ہے -

جب پچھلوں میں حضرت امام رازي جیسے محقق نے اور حال کے محققین میں شیخ محمد عبدہ مصري جیسے امام و مفسر نے مجھے صاف جواب دیدیا ' تو پھر میرے لیے صرف جناب ہي کي چوکھٹ باقي رہگئي - لاریب صرف جناب ہي کي ایک ذات والا صفات ہے جو موجودہ زمانے میں حقائق قرآن کي وہ تمام مشکلات حل کردے سکتي ہے جن تک دوسروں کي نظر و تحقیق نہیں پہنچ سکي ہے - اب خاکسار ہر طرف سے مایوس ہوکر آپ سے دستگیري کا طالب ہے - اور امید قوي رکھتا ہے کہ مایوس نہ ہوگا -

مجھ سے میرے حیدرآباد کے ایک دوست نے ذکر کیا تھا کہ جمعیت العلماء ہند نے عید کے موقع پر اخبار الجمعیت کا ایک خاص نمبر " خلیل نمبر " کے نام سے نکالا ہے اور اس میں صدر جمعیت مولانا کفایت اللہ صاحب نے اس مقام کي تفسیر شرح و بسط سے تحریر فرمائي ہے - میں نے بڑے ہي شوق سے خلیل نمبر منگوایا اور دیکھا - واقعي اس میں مولانا صاحب موصوف کا مضمون " مناظرۂ خلیل و نمرود " کے عنوان سے تین بڑے صفحوں میں نکلا ہے ' لیکن مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں تمام تر وہي تفسیر کبیر کي پوري بحث اردو میں نقل کردي گئي ہے - اس سے زیادہ ایک حرف نہیں ہے -

الہلال :

آپ نے استفسار میں اِس قدر تشریح و تفصیل کي ہے کہ اسي نے آج کي اشاعت کا بڑا حصہ روک لیا - اب جواب کے لیے آیندہ اشاعت کا انتظار کیجیے -

علم الاجتماع

(۳)

(ناموس اجتماع اور محافظت و تجدید)

افراد کے وجدان سے علحدہ ' جماعتی وجدان کے متعلق ہم نے جتنے اقوال نقل کیے ہیں ' دلائل نے ابتک اُن کي تصدیق نہیں کي ہے - نیز ابتک یہ بھي ثابت نہیں ہوا ہے کہ جماعت کي صفت عضویۃ ' افراد کي عضویت سے الگ وجود رکھتي ہے - یہ اقوال نظریوں اور آراء کا حکم بھي نہیں رکھتے - زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تشبیہات و استعارات ہیں -

لیکن ساتھہ ہي یہ یقیني ہے کہ تمام طبیعي کائنات کي طرح عالم اجتماع کے بھي خاص نوامیس و قوانین ہیں ' اور وہ غیر متبدل اور اٹل ہیں -

اجتماع کا ایک قانون یہ ہے کہ جن اجزاء سے سلطنت اور امت مرکب ہوتي ہے ' وہ تمام اجزاء باہم دگر اس درجہ وابستہ و مربوط ہوتے ہیں کہ ایک جزء کے متأثر ہوتے ہي باقي تمام اجزاء بھي فوراً متأثر ہو جاتے ہیں -

اِس اجتماعي قانون کي بنا پر مقننین اور مصلحین کے لیے ضروري ہو جاتا ہے کہ ماہر طبیبوں کي طرح اصلاح و تشریع میں بہت زیادہ ہوشیار و محتاط ہوں - ایسا نہ ہو کہ ایک عضو کي بیماري کے علاج میں باقي اعضاء سے غافل ہو جائیں ' اور پہلي بیماري سے بھي بدتر بیماریوں کي پیدایش کا سبب بن جائیں -

علم اجتماع کے دو رخ ہیں : ایک طرف وہ جدید اصلاحات اور جدید اصول و مبادي کا حامي ہوتا ہے تا کہ مستقبل ' ماضي و حال سے بہتر ہو جاے - دوسري طرف وہ ماضي و قدیم کي بھي حفاظت چاہتا ہے - وہ قوموں کو بتاتا ہے کہ اپنا ماضي ' اپنے مقومات ' اور اپني خصوصیات بالکل فنا نہ ہو جانے دیں ' اُنھیں بچائیں ' اور باقي رکھیں - ورنہ اُن کي قومیت درہم برہم ہو جائیگي ' اور اصلاح ' فساد کا ذریعہ بن جائیگا -

تاریخ بھي ہمیں یہي سبق دیتي ہے - مشاہدہ کي بھي یہي ہدایت ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ قوموں کي ترقي کي بنیادي شرط یہ ہے کہ وہ تبدیل و تغیر قبول کریں - یعني وہ نئے اوصاف اختیار کریں ' مگر تدریج اور نظر و حزم کے ساتھہ -

قوموں کي حالت پر غور و فکر کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ترقي کے اصلي ستون دو ہیں :

(۱) تغیر و تبدل کي قابلیت کا موجود ہونا -

(۲) تدریج و تطور کے ساتھہ تغیر قبول کرنا -

یہ اجتماعی قانون نہایت عجیب ہے - کیونکہ بظاہر ایک قسم کا تناقض رکھتا ہے - ایک طرف کہتا ہے ' تغیر و تبدل ضروری ہے - نئی چیز لو اور پرانی چیزیں چھوڑ دو - دوسری طرف یہ بھی کہے جاتا ہے کہ پرانی چیزیں یک لخت فنا نہ ہونے دو - اپنے پچھلی مقومات و خصوصیات باقی رکھو - اپنی قومی خصوصیات مٹا کر کوئی قوم ' قوم نہیں رہ سکتی - لیکن فی نفسہ اس میں تناقض نہیں ہے - دونوں باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں - نئی چیزوں کے اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام نئی چیزیں اختیار کر لی جائیں جو قومی مزاج و مصالح کے موافق ہوں - خصوصیات کے باقی رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ تمام بنیادی چیزیں قائم رکھی جائیں جو قومی مزاج کا استقلال و اختصاص قائم رکھنے کیلیے ضروری ہیں - یعنی رد و قبول اور اخذ و ترک میں اعتدال کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ دیا جاے -

بلا شبہ اس قانون کی تطبیق میں اعتدال قائم رکھنا بہت مشکل ہے - چند ہی قومیں اصلاح میں اپنا دماغی توازن قائم رکھ سکی ہیں - یا تو یہ ہوا ہے کہ اپنی تمام قدیم عادات و روایات پر اڑ گئیں' اور ایک قدم بھی آگے بڑھنے سے انکار کردیا - یا یہ ہوا کہ فوراً تبدیل و انقلاب پر اُتر آئیں ' اور اپنی کوئی بھی قدیم خصوصیت باقی نہ رکھی - پہلی صورت تفریط کی ہے - دوسری صورت افراط کی ہے - اور نجات و ترقی توسط و اقتصاد میں ہے -

(قدیم قوموں کا جمود و تقلید)

تبدل کی قابلیت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ عالم خارجی کی اطاعت کی جائے - قدیم زمانے میں ہر جگہ لوگوں کا طرز معیشت تقریباً یکساں تھا - اسی لیے تبدل کی ضرورت بھی کمزور تھی - اُس کی قابلیت آہستہ آہستہ پیدا ہوتی تھی - حتی کہ بعض قدیم قومیں صدیوں تک ایک ہی حالت پر قائم رہیں اور تبدیلی کی ضرورت محسوس نہ کی - اُن کا تعلق ہمیشہ ایسی قوموں سے رہا ' جو اُنہی کی طرح وحشی یا نیم وحشی تھیں - اُن کے سامنے کوئی بہتر نمونہ تہذیب و تمدن کا موجود نہ تھا - اس لیے ترقی کی رغبت بھی پیدا نہ ہوئی ' اور جمود و تقلید کی طبیعت برابر باقی رہی -

قدیم قوموں کے جمود و تقلید کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کی طرف سے مجبور کی جاتی ہیں کہ اپنی زندگی اور زندگی کی بنیادیں محفوظ رکھیں - یہی باعث ہے کہ اُن قوموں میں فرد کا معاملہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا تھا - بلکہ اُس زمانے میں فرد کے لیے جائز ہی نہ تھا کہ مستقل زندگی بسر کرے - وہ قومیں اِسے بالکل قدرتی بات خیال کرتی تھیں کہ عام مصلحت کے لیے افراد اپنی ہستی قربان کر دیں - اُس وقت شخصی آزادی ' کسی کے واہمہ میں بھی نہ تھی -

بعض نظری آدمیوں نے آزادی کی اعلیٰ مثال یونانی جمہوریتوں میں بتائی ہے - حالانکہ اُن جمہوریتوں میں افراد کو مطلق آزادی حاصل نہ تھی - وہ ایسے نظامات کی پابندیوں میں جکڑے ہوے تھے جنہیں آج متمدن دنیا میں کوئی آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا - اُن جمہوریتوں میں افراد کو اِتنی آزادی بھی حاصل نہ تھی کہ اپنی مرضی سے کوئی دینی عقیدہ رکھیں' یا اپنی اولاد کی بطور خود تعلیم و تربیت کرسکیں - اسپارٹا میں یہ حالت تھی کہ افراد کو اپنے گھروں میں کھانا پکانے اور کھانے کی بھی اجازت نہ تھی - وہ مجبور تھے کہ عام دستر خوانوں ہی پر بیٹھ کر کھانا کھائیں - یونان میں اصلاح و تجدید کے داعی مجرم سمجھے جاتے تھے - چنانچہ پریری قوم سقراط کے خلاف کہتی ہوگئی' اور اُس وقت تک چین نہ لیا ' جب تک اُس مصلح کی جان نہ لے لی !

بلا شبہ اِس قسم کے سخت نظامات اُن ملکوں کے لیے ضروری ہیں ' جو ہمیشہ دشمن کے حملوں کا نشانہ بنے رہتے ہیں -

قدیم زمانے میں رومانیوں نے معلوم کرلیا تھا کہ اصلاح و انقلاب میں نقطۂ توازن کیا ہے - ایک طرف وہ تجدد و اصلاح کے حامی تھے' دوسری طرف اپنی خصوصیات کی حفاظت بھی کرتے تھے - یہ وصف اُن میں اِس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ فتوحات نے اُن کے تعلقات دوسری قوموں سے قائم کر دیے تھے - یہ تعلقات نئے نئے حالات پیدا کر دیتے تھے ' اور وہ نظامات کی تبدیلی پر مجبور ہوجاتے تھے - رومانیوں کا سنہرا زمانہ وہی تھا جب وہ اِس مرکز توازن پر قائم تھے - لیکن جب سے اُنھوں نے افراط و تفریط شروع کی ' روز بروز گرنے اور تباہ ہونے لگے -

(انگریزوں کی کامیابی کا راز)

موجودہ زمانے میں علمی انکشافات ' جدید صنائع کے ظہور ' اور مواصلات کی سہولت و کثرت نے مختلف تمدنوں میں ایک ایسا تصادم و احتکاک پیدا کر دیا ہے ' کہ ہر لمحہ عظیم تغیرات و انقلابات کے موقعے پیدا ہوتے رہتے ہیں - اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مرکز توازن تقریباً مجہول ہو گیا ہے ' اور اُس کی تلاش از حد مشکل ہوگئی ہے - یہی سبب ہے کہ موجودہ دنیا میں ہر طرف شورشیں اور انقلابات برپا ہو رہے ہیں - کوئی نظام بھی پائداری حاصل کرنے نہیں پاتا -

لیکن صرف انگریزوں ہی کی قوم یورپ کی ایک ایسی قوم ہے جس نے رومانیوں کی طرح مرکز توازن معلوم کر لیا ہے - وہ ایک طرف اصلاح و تجدد کی حامی ہے - دوسری طرف اپنے قومی مقومات بھی برقرار رکھے ہوئے ہے - اُن میں جمود و تقلید نہیں ہے - برابر اصلاح و تجدید میں مشغول ہیں ' مگر پوری تدریج اور دانشمندی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہیں - انگلستان کی آزادی نہ تو کرامویل کے ہاتھوں قائم ہوئی ہے ' نہ جمہوریت پسندوں کی لائی ہوئی ہے - وہ انگریزی تاریخ کی پیداوار ہے (۱) - یہ تمام عظمت و قوت جس پر آج انگلستان فخر کر رہا ہے ' درحقیقت اِسی توازن فکر و عمل کا نتیجہ ہے -

---

(۱) جب خاندان اسٹورات کے بادشاہ چارلس اول کا استبداد بہت بڑھ گیا ' تو انگریز امریکا کی طرف ہجرت کرنے لگے - حتی کہ انگلستان کے بعض علاقے بالکل خالی ہوگئے - ظالم بادشاہ یہ دیکھ کر گھبرایا اور ہجرت کی ممانعت کردی - جس دن ممانعت کا اعلان ہوا ' دریائے ٹیمس میں مہاجرین کے کئی جہاز روانگی کے لیے طیار تھے - اُنہی میں کرامویل بھی تھا - اب باشندوں نے دیکھا کہ ظلم سے نجات حاصل کرنے کی راہ بغاوت کے سوا کوئی نہیں ہوسکتی - چنانچہ بغاوت شروع ہوگئی - کرامویل اِس باغی فوج کا سپہ سالار مقرر ہوا - بغاوت کامیاب ہوئی - جمہوریت کا اعلان کیا گیا - کرامویل جمہوریت کا صدر منتخب ہوا - اُس وقت اُس کا لقب " لارڈ پروٹیکٹر " تھا - مگر بعد میں خود یہ بھی مستبد ہوگیا - آخر سنہ ۱۶۴۹ع میں قوم نے اُس کی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا -

اِس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر قوم کے اخلاق و عادات ایسے ہونے چاہئیں کہ آسانی سے بدل نہ سکیں - لیکن ساتھ ہی اُن میں اِتنی لچک بھی لازمی ہے کہ بتدریج تبدیلی قبول کر سکیں - تاریخ کا قبرستان ایسی قوموں کی نعشوں سے لبریز ہے جو یہ راز معلوم نہ کر سکنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں -

(ترقی انقلاب سے بہتر ہے)

اجتماع کا یہ ناموس بھی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ تدریجی ترقی کی راہ ' اچانک انقلاب سے بہتر اور محفوظ ہوتی ہے - لیکن کبھی کبھی ایسے حالات بھی پیدا ہوجاتے ہیں کہ انقلاب ضروری ہو جاتا ہے - اس کی مثال یہ ہے کہ بعض جسمانی امراض کا بہترین علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً سخت بخار چڑھ آئے - بخار کی شدت ' وہ امراض دور کر دیتی ہے - قومیں بھی کبھی کبھی ایسے ہی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں ' اور اُن کا علاج یہی ہوتا ہے کہ فوراً انقلاب برپا کر دیا جائے - کیونکہ ایسی حالت میں اگر تدریجی اصلاح کا انتظار کیا جائے گا ' تو مرض امتداد زمانہ سے تمام قومی جسم پر حاوی ہو جائیگا ' اور پھر اُس کا علاج مشکل ہو جائیگا - چنانچہ جہاں تک کسی ایسی قوم کی ترقی کا تعلق ہے ' جو کسی دوسری غاصب قوم کے ماتحت آ گئی ہو ' انقلاب کے بغیر چارہ نہیں - کیونکہ اس صورت میں کسی قدرتی حالت کی اصلاح و ترقی کا سوال در پیش نہیں ہوتا ' بلکہ ایک غیر قدرتی اور ناجائز قبضۂ و غصب کا خاتمہ مطلوب ہوتا ہے -

بہر حال ماہرین سیاست کا فرض ہے کہ زمانے کی روح ' اُس کے پہیلے سے پہلے ہی معلوم کرلیں ' اور حکومت کی شکل میں ایسی تبدیلیاں کرتے رہیں جن پر عام رائے مطمئن ہوسکے - ورنہ نتیجہ نہایت ہی مہلک ہوگا -

(نوجوان اور بوڑھے)

اِس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ سن رسیدہ افراد نوجوانوں کے مقابلے میں اصلاح و تجدد کے کم حامی ہوتے ہیں - اِس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے کہ قابل ملامت ہوں - علم وظائف اعضاء سے ثابت ہوچکا ہے کہ بوڑھے اجسام میں اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں ' اسلیے عادات کی مقاومت کی قوت باقی نہیں رہتی - برخلاف اس کے نوجوانوں کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور اسلیے عادات کی مخالفت آسانی سے کرسکتے ہیں -

(خیالات کا عروج و ہبوط)

زمانے کی روح ہمیشہ موجود رہتی ہے - ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے - تاریخ کے بڑے بڑے دور اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ زمانے کی مختلف روحوں کے مظاہر ہیں - جدید خیالات و افکار کی مثال بالکل ستاروں کی سی ہے - وہ کبھی افق پر بلند ہوتے ہیں ' کبھی بالکل چھپ جاتے ہیں - اسی طرح کبھی ایک قسم کے خیالات کو عروج ہوتا ہے ' کبھی دوسرے قسم کے خیالات کو - آج جو خیالات مقبول عام و خاص ہیں ' بہت ممکن ہے کہ کل مکروہ و متروک ہو جائیں - صلیبی جنگوں کے زمانے میں جن افکار نے تمام یورپ میں ہلچل ڈال دی تھی ' آج دنیا اُن سے نفرت کرتی اور اُن پر حقارت سے مسکراتی ہے -

زمانہ بہت سی قوتوں کو پراگندہ کرکے فنا کر ڈالتا ہے ' اور بہت سی نئی قوتیں پیدا کردیتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں - دنیا کی بہت سی پرانی آرزوئیں آج مٹ چکی ہیں اور اُن کی جگہ بالکل نئی امنگوں نے لے لی ہے -

(زمانہ کی روح)

زمانے کی روح کبھی ایک نقطہ و مرکز پر قائم نہیں رہتی - وہ بحر زخار کی موجوں کی طرح ہر طرف پھیلتی اور ظاہر ہوتی رہتی ہے - وہ ہوا کی طرح ہر مقام پر پہنچتی اور دلوں اور دماغوں کو جنبش میں لاتی رہتی ہے -

زمانے کی روح ہی درحقیقت قوموں میں زندگی اور حرکت پیدا کرتی ہے - زمانے کی روح ایک پر اسرار اُن دیکھی مخلوق ہے - کوئی اُسے دیکھ نہیں سکتا ' مگر وہ سب میں داخل ہوتی اور اپنا عمل انجام دیتی رہتی ہے !

زمانے کی روح خاص طور پر بڑی بڑی انسانی جماعتوں میں جنبش پیدا کردیتی ہے - بڑے بڑے شہروں میں قوت سے ظاہر ہوتی ہے - قصبوں اور دیہاتوں میں اُس کا اثر کمزور ہوا کرتا ہے -

حکام و ارباب سیاست کا فرض ہے کہ سب سے پہلے زمانے کی روح اور اُس کے مقتضیات معلوم کریں - اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی کریں - ایسے نظام جاری کریں جو اِس روح کے مطابق ہوں - ورنہ نتیجہ ' ناکامی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ ہوگا -

حکام وقت کا فرض ہے کہ اپنے زمانے کی روح سے غفلت نہ برتیں - یہ روح کوئی خیالی بات نہیں ہے ' بلکہ حقیقی وجود رکھتی ہے - قوموں کے حکام اور رہنماؤں کی ذمہ داری بہت ہی عظیم ہوتی ہے - اُن کا کام بالکل جہاز کے ناخدا کا سا ہے ' جو ایک لمحہ کے لیے بھی ہوا اور موسم کی طرف سے غافل نہیں ہوسکتا - اُس کی نظریں ' جہاز کے چپہ چپہ پر ہوتی ہیں - کیونکہ ایک ننھا سا سوراخ بھی پورے جہاز کی غرقابی کا باعث ہو جا سکتا ہے -

اِس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و سیاسی نظامات میں بھی تبدیلی لازمی ہے - ایسا کرنے سے ترقی و سعادت کی راہیں کھلتی ہیں - اور اِس کی مخالفت سے تباہی و بربادی نازل ہوتی ہے -

(مسلح انقلاب)

بغاوت یا مسلح انقلاب اُسی وقت جایز ہوتا ہے ' جب عام رائے اور قوم کی امیدوں کے موافق ہو - ایسے انقلاب میں پوری قوم کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں - انقلاب ـــ کسی قسم کا بھی ہو ـــ بنیادی تبدیلی کا ثبوت ہوتا ہے -

اصلاح کے عمل میں حقوق کا دائرہ طبیعی طور پر وسیع ہوتا ہے - برخلاف اس کے انقلاب میں تبدیلی اچانک واقع ہوتی ہے - انقلاب درحقیقت ' اجتماعی انتقام ہے - ایک غیر طبیعی حرکت ہے - خونریزی اور مصائب و آلام اُس سے پیدا ہوتے ہیں -

انقلاب ' ایک مصیبت ہے - ملک پر یہ مصیبت اُسی وقت نازل ہوتی ہے جب ضرورت کے مطابق ' اصلاح موجود نہیں ہوتی - فساد اجتماعی جسم میں پھیل جاتا ہے ' اور قومی مزاج بالکل بگاڑ ڈالتا ہے - اصلاح کی تاخیر کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اُس کی راہ میں کوئی رکاوٹ پڑ جاتی ہے - وہ اپنی طبیعی حد کو پہنچنے نہیں پاتی - نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دبی ہوئی اجتماعی روح اچانک اُبل پڑتی ہے ' اور تمام موانع کو قوت کے ساتھ اُٹھا پھینکتی ہے - پس انقلاب ' کوئی اجتماعی قانون نہیں ہے - ہاں اُسے اجتماعی حادثہ کہہ سکتے ہیں -

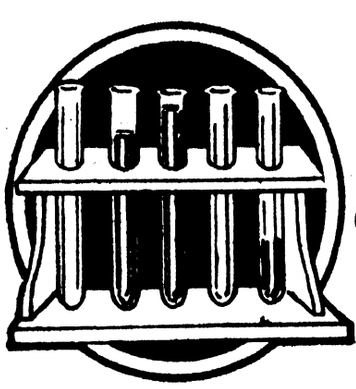

مذاکرہ علمیہ

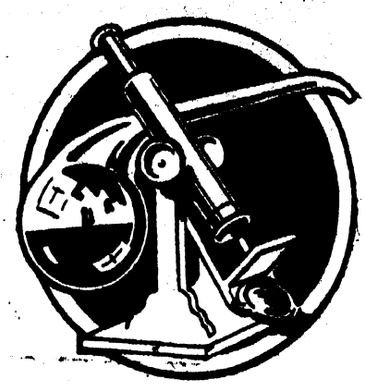

جب حکومت کي شکل حالات ' ماحول ' اور قومي آرزوں کے خلاف هوتي هے ' اور اُس کي تبديلي کے ليے قوم کے سامنے کوئي قانوني راہ باز نہيں هوتي ' تو يہ وقت انقلاب و بغاوت کے ظهور کا وقت هوتا هے - لہذا ضروري هے کہ ضرورت کے وقت فوراً اصلاح شروع کر دي جائے ' ورنہ قوم کو يہ حق حاصل هو جائيگا کہ فوري تبديلي کے ليے اپنا قدرتي حق استعمال کرے اور بغاوت پيدا هوجاے -

اسپين ميں باشندگان هالينڈ کي بغاوت (سنہ ۹۶۲ ھ) خاندان اسٹورٹ پر انگريزوں کا خروج ' نپولين بونا پارٹ پر جرمني کي بغاوت ' آسٹريا پر اٹالين قوموں کي بغاوت ـــ يہ تمام بغاوتيں تاريخ کي نظر ميں ' صحيح ' جائز ' اور قانوني بغاوتيں تهيں -

(انقلاب کي طبيعت اور حکومت کے فرائض)

بغاوت عموماً آتش فشاں پہاڑ کے انفجار يا آندهي کے طوفان کے مشابہ هوتي هے - شروع شروع ميں اُس کا خيال چند افراد کے اندر پيدا هوتا هے - پهر آهسته آهسته تمام قوم ميں پهيل جاتا هے - بغاوت کا خيال تبديلي کے احساس سے پيدا هوتا هے - جب تبديلي ظاهر نہيں هوتي تو حکومت کي طرف سے عام بد دلي پيدا هوجاتي هے - يہ بد دلي مخفي غصہ کي صورت اختيار کر ليتي هے - جب حالت اِس درجہ تک پہنچ جاتي هے تو قوم هر لمحہ مشتعل هو جانے کے ليے طيار هو جاتي هے - اُس وقت معمولي سے معمولي بات بهي عام بغاوت کا سبب بن جاسکتي هے -

لہذا حکام کا فرض هے کہ ايسي حالت پيدا هونے سے پہلے هي اصلاح نافذ کرديں - ليکن اگر بر وقت نہ کرسکيں ' تو پهر اُن کے ليے بہترين طريقہ يہ هے کہ اِس بغاوت و انقلاب ميں شامل هوجائيں ' يعني اُسے اپنے هاتهہ ميں لے ليں ' تاکہ اُس کي مضرتيں کم سے کم هوجائيں -

اعتذار

افسوس هے کہ شہر کي عام تعطيل کي وجہ سے اس هفتہ بهي مطلوبہ تصاوير طيار نہ هوسکيں اور همیں تصوير کے بغير پرچہ شائع کرنا پڑا - تصاوير کے نہ مل سکنے کي اطلاع ملنے پر وہ تمام مضامين بهي ترک کردينے پڑے جن کا تعلق تصاوير سے تها - اس صورت حال کا صحيح علاج يهي هے کہ جلد از جلد تصاوير کي طياري کا مستقل انتظام کرليا جاے - آيندہ پرچوں ميں هم اس کمي کي پوري تلافي کرديںگے -

منيجر

عالم سماوی

کيا ستارے زندگي سے محروم هيں ؟

هم تارون بهري رات ميں نظر اُٹهاتے هيں تو آسمان پر بے شمار ستارے نظر آتے هيں - يہ ستارے درحقيقت ويسے هي کرے هيں ' جيسا ايک کرہ خود هماري زمين هے - اِن ستاروں ميں بہت سے ستارے هماري زمين سے بهي بہت زيادہ بڑے اور بہت زيادہ عمر کے هيں - بعض هماري زمين سے چهوٹے اور اُس سے کم عمر رکهتے هيں - يہ تمام ستارے بهي ويسے هي ايک نظام سے وابستہ هيں ' جيسا همارا نظام شمسي هے - اِن ميں بهي آفتاب هيں اور اپنے گرد بہت سے کواکب اور سيارے رکهتے هيں -

مدت سے علماء فلک ميں سخت اختلاف هے کہ يہ ستارے بهي هماري زمين کي طرح زندہ موجودات سے آباد هيں يا نہيں ؟ ايک گروہ پہلي رائے کا قائل هے - دوسرا دوسري راے کا -

پہلے گروہ کي دليل يہ هے کہ زندگي کے ليے جن شرطوں کي ضرورت هے ' وہ زمين کے علاوہ اِن ستاروں ميں موجود نہيں هيں - ليکن اُس کا يہ دعوی کئي وجوہ سے نا قابل تسليم هے - پهلي بات تو يہ هے کہ اِن شرطوں کي عدم موجودگي کا ثبوت کيا هے ؟ کون دعوی کر سکتا هے کہ هوا ' پاني ' نور ' حرارت ' وغيرہ لوازم زندگي سے يہ ستارے بالکل خالي هيں ؟ بلا شبہ اب تک اِن کے وجود کي بهي کوئي دليل همارے علم ميں نہيں آئي - ليکن بہت ممکن هے کہ يہ چيزيں وهاں موجود هوں اور هماري تحقيقات ميں ابهي نہ آئي هوں - حال هي ميں انساني علم نے معلوم کر ليا هے کہ بعض ستاروں ميں اکسيجن موجود هے ' جو زندگي قائم رکهنے والي هوا کا اصلي جزء هے -

پهر يہ دعوی بهي بالکل بے دليل هے کہ زندگي کي جو شرطيں همیں معلوم هيں ' اُن کے بغير زندگي کا وجود ممکن نہيں - بلا شبہ هماري زمين پر زندگي اِن شرطوں کے بغير نا ممکن هے - ليکن يہ کيا ضروري هے کہ دوسرے ستاروں کي طبيعت بهي بالکل ويسے هي هو جيسي هماري زمين کي هے ؟ يہ بهي ضروري نہيں کہ زندگي کا ظهور اُن ستاروں ميں بهي ويسا هي هو ' جيسا اِس زمين ميں هے - بہت ممکن هے اُن ستاروں ميں زندگي کي شکليں بالکل مختلف هوں - اجسام کي ساخت جدا هو ' اعضاء و عضلات دوسري وضع کے هوں - زندگي کے لوازم مختلف هوں - ستاروں کي کائنات پر ايک هي اعتبار سے قياس کرنا اور اُن پر يکساں حکم لگانا ' صحيح نہيں هوسکتا -

دوسرے گروہ کا بیان بڑی حد تک مقبول ہے - وہ کہتا ہے ہماری زمین کیا ہے ؟ اِس لا متناهي فضا میں بہنے والے لکھو کھا کروں میں سے ایک چھوٹا سا کرہ ہے - زمین کو ظاهري اعتبار سے دوسرے کروں پر کوئي امتیاز حاصل نہیں - نہ تو اُس کا حجم هي سب سے بڑا ہے ' نہ عمر هي سب سے زیادہ ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ اُس میں زندگي موجود ہو ' اور باقي تمام کرے ' جو اُس سے کہیں زیادہ بڑے اور قدیم ہیں ' زندگي سے بالکل خالي سمجھے جائیں ؟

ہم مشاهدہ کرتے ہیں کہ یہ تمام ستارے بھي ویسے هي ایک دقیق نظام سے وابستہ ہیں ' جیسا نظام هماري زمین کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے - وہ بھي نہایت انتظام کے ساتھہ اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں - اُن کي رفتار میں بھي ادنیٰ سے ادنیٰ خلل یا بد نظمي کبھي پیدا نہیں ہوتي - پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ستارے جن پر قدرت اپني اِس قدر توجہ صرف کر رهي ہے ' بغیر کسي زندگي کے موجود ہوں ' اور اِس کے سوا کوئي غرض و غایت نہ رکھتے ہوں کہ هماري دلچسپي اور نظر فریبي کا سامان مہیا کریں ؟ اِس میں قدرت کي کیا حکمت ہو سکتي ہے کہ یہ ننہا سا ذرہ ' یعني زمین ' تو آباد ہو ' اور باقي تمام عظیم الشان عوالم چٹیل میدان سے بھي بدتر ہوں ؟ حالانکہ وہ بھي زمین هي کي طرح ایک پورے حکیمانہ نظام کے ماتحت قائم ہیں -

بے شمار علمي قرائن اِس نظریے کي تائید کر رہے ہیں کہ هماري تمام نظام شمسي کے کواکب کي اصلیت ایک هي ہے - اور وہ سدیم ہے - اِن سب کي تکوین ' سدیم هي کے مادہ سے ہوئي ہے - وہ بتدریج سدیمي کرہ سے جدا ہو کر مستقل وجود بنے ہیں - اِسي طرح تمام کیمیاري و فلکي دلائل کا رجحان بھي اِسي نظریے کي طرف ہے کہ نہ صرف خاندان شمسي بلکہ جملہ عوالم فلکي ' اِسي سدیم سے بنے ہیں - زمین اور جملہ ستاروں کا خمیر ایک هي ہے - سب ایک هي مادے کي مختلف شکلیں ہیں - سب کا مادہ کیمیاري ذروں سے مرکب ہے - ان میں ہر ذرہ اپنے اندر دو کہربائي لہریں ایجابي اور سلبي رکھتا ہے -

پس جب جملہ کائنات اور هماري زمین ' ایک هي اصل رکھتي ہیں ' تو کوئي وجہ نہیں کہ صرف ایک هماری کرے هي میں زندگي ہو اور باقي تمام کرے ' مردہ اور بے جان فرض کر لیے جائیں - اگر یہ تسلیم بھي کرلیا جائے کہ زمین کے سوا کسي دوسرے ستارے میں زندگي نہیں ہے ' تو یہ سوال قابل غور ہے کہ بقول علماء فلک کے سورج اپني حرارت برابر کھو رہا ہے ' اور کروڑوں برس کے بعد ایک وقت آجائیگا جب وہ بالکل بے نور اور بے حرارت ہوکر رہ جائیگا - اُس وقت زمین یقیناً زندگي سے محروم ہو جائیگي - ایسي حالت میں یہ کروڑوں ستارے کیا ہونگے ؟ کیا یہ بھي هماری نظام شمسي کے ساتھہ تباہ ہو جائینگے ؟ حالانکہ معلوم ہے کہ گنتي کے چند کواکب کے سوا باقي تمام ستارے هماری نظام شمسي سے باہر ہیں اور هماری آفتاب کي موت و حیات کا اُن پر کوئي اثر نہیں پڑ سکتا - اگر یہ تباہ نہیں ہونگے ' تو اِن کے وجود سے فائدہ کیا ہے جب کہ وہ بالکل اُجاڑ ' سنسان ' اور بے جان ہیں ؟

تمام عقلي و نقلي علوم اور دیني روایات بھي ثابت کر رهي ہیں کہ جملہ کائنات ' ایک هي اصل سے ظاهر ہوئي ہیں اور ایک هي قسم کے طبیعي ناموس کے ماتحت برقرار ہیں - اگر یہ صحیح ہے تو زمین کو کوئي خاص امتیاز حاصل نہیں ہے کہ صرف اُسي پر زندگي ہو اور باقي تمام عوالم بے نور اور زندگي سے محروم ہوں - زمین پر زندگي کے جو لوازم ہیں ' ضروري نہیں کہ دوسرے ستاروں میں بھي لوازم ہوں - ناموس انتخاب طبیعي بتاتا ہے کہ زندہ کائنات اپنے ماحول اور زمان و مکان کے اختلاف سے مختلف صورتیں اختیار کرلیتي ہیں - اُن کي شکل بھي بدل جاتي ہے - مزاج بھي مختلف ہو جاتا ہے - پہلے یقین کیا جاتا تھا کہ سنٹي گریڈ کے سو درجہ حرارت میں کوئي ذي روح زندہ نہیں رہ سکتا - لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ بعض جراثیم کھولتے ہوئے پاني میں بھي زندہ رهجاتے ہیں - اِسي طرح بعض جراثیم برف میں بھي مدتوں نہیں مرتے - اگر یہ صحیح ہے تو یہ باور کرنے کي کوئي وجہ نہیں کہ دوسرے ستاروں کے جاندار بھي اُس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتے ' جو ماحول هماري زندگي کے منافي ہے -

ممکن ہے ستاروں میں زندگي کا قوام هماري زمین کي زندگي کے قوام سے مختلف ہو - مثلاً آکسیجن هماری لیے ضروري ہے ' مگر دوسرے ستاروں کي مخلوقات کے لیے ضروري نہ ہو - ظاهر ہے کہ ستاروں کے جاندار هم سے مختلف ہونگے ' کیونکہ اُن کا ماحول هم سے بالکل مختلف ہے - هماری اُن کے درمیان مابہ الا شتراک صرف روح هي ہو سکتي ہے - اور معلوم ہے کہ روح نہ تو کوئي شکل رکھتي ہے ' نہ مادے کے تابع ہے - خود اپني اِسي زمین پر هم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقات اپني جسماني ترکیب اور ضروریات زندگي میں ایک دوسرے سے پورا اختلاف رکھتي ہیں - تاهم سب زندہ ہیں ' اور سب میں ایک هي روح کار فرما ہے - جب خود زمین پر مخلوقات کا اختلاف اِس درجہ زیادہ ہے ' تو ظاهر ہے " دوسرے ستاروں کي مخلوق هم سے کیوں مختلف نہو؟

چونکہ هماري زمین ' سب سے زیادہ قدیم نہیں ہے ' اس لیے ممکن ہے ' دوسرے ستاروں میں زندگي زیادہ قدیم اور بہت ترقي یافتہ ہو - بہت ممکن ہے کہ بعض ستاروں کي مخلوق اِس درجہ ترقي کرگئي ہو کہ هم سے بہت زیادہ علم و حکمت رکھتي ہو - هم سے بہت زیادہ اسرار وجود سے واقف ہو - هم سے کہیں زیادہ اُس کي ایجادیں محیر العقول ہوں - ممکن ہے اُس کے پاس ایسے ذرایع موجود ہوں کہ قریب کے دوسرے ستاروں تک بھي پہنچ سکتے ہوں اور روح و مادہ کے راز معلوم کرچکي ہوں - ممکن ہے اُن کے جسم همارے هي جیسے ہوں - ممکن ہے هم سے بالکل مختلف ہوں - بہت ممکن ہے وہ هم سے زیادہ حواس رکھتے ہوں -

یہ ہے خلاصہ دوسرے گروہ کے خیالات کا - اور پہلے گروہ کے خیالات سے زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے -

اطلاع

اکثر حضرات الهلال کے ابتدائي نمبروں کا شوق ظاهر کرتے ہیں ' اور خریدار ہوتے هوے لکھتے ہیں کہ تمام پچھلے پرچے بھیج دیے جائیں - لیکن افسوس ہے کہ ابتدائي نمبر اب دفتر میں موجود نہیں ہیں اور اسلیے دفتر تعمیل سے معذور ہے -

منیجر

تاریخ و عبر

مسیحیت اور بت پرستی

اٹھویں اور نویں صدی میں مسیحیت کو خیالات کی ایک بڑی خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا تھا - اس خانہ جنگی کی وجہ ' بت پرستی تھی - بیزنطینی شہنشاہیت میں یہ نزاع آخری حد تک پہنچ گئی تھی -

ابتدائی عہد کے عیسائی بتوں ' تصویروں ' اور نقش و نگار کی تعظیم و عبادت سے نفرت رکھتے تھے - کیونکہ یہ بت پرستی تھی - وہ یہودیت سے نکلے تھے ' اور یہودیت خدا کا تجسم نا جائز قرار دیتی ہے - انہیں یورپ میں یونانیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا ' یونانی بت پرستی کے سب سے بڑے شائق تھے - اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے حریفوں سے اپنے آپ کو علحدہ رکھنا چاہتے تھے -

اُس زمانے میں مسیحی دعاۃ اِن بت پرستوں پر ہنستے تھے اور تعجب کرتے تھے کہ یہ لوگ خود اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو سجدہ کرتے ہیں - لیکن بت پرستی سے یہ بیزاری تثلیث اور تجسم کو روک نہ سکی- بلکہ اس کے بحث و جدال ہی نے در حقیقت بت پرستی اور تصویر پرستی مسیحی کنیسا میں پیدا کردی !

(بت پرستی کی ابتدا)

یہ چیز مسیحیت میں سب سے پہلے جن نو مذہب عیسائیوں کے ذریعہ آئی تھی ' وہ بھی حضرت مسیح کے بت یا تصویر کی پرستش نہیں کرتے تھے - لیکن چونکہ بت پرستی سے نئے نئے مسیحیت میں آئے تھے ' اس لیے اُنھوں نے حضرت مسیح کی تصویروں کی تعظیم و تکریم شروع کردی - ٹھیک اُسی طرح ' جس طرح ارسطو اور فیساغورس وغیرہ کی تصویروں کی یونانی عزت کیا کرتے تھے - اِن کے نئے نئے ایمان کے خیال سے مسیحی علماء نے تساہل برتا ' اور یہ خیال کرکے کہ یہ لوگ اِن چیزوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف تعظیم کرتے ہیں ' ان پر کوئی تشدد نہیں کیا - اس طرح یہ تعظیم بغیر کسی روک کے جاری ہوگئی -

بتدریج اِس تعظیم نے عبادت کی صورت اختیار کرلی - یہانتک کہ تیسری صدی میں قسطنطین نے مسیحی کلیسے میں با ضابطہ طور پر یہ نئی مسیحی عبادت داخل کردی - مسیحی علماء نے اُس وقت بھی کوئی مخالفت نہیں کی - اُنھوں نے خیال کیا ' بت پرستی کی اب جڑیں تک اُکھڑ چکی ہیں ' اُس کے از سر نو احیا کا کوئی اندیشہ نہیں ہے -

چنانچہ نئی پرستش کا آغاز ہوگیا - سب سے پہلے صلیب اور مقدس آثار کی تعظیم سے شروع ہوئی - پھر شہیدوں اور ولیوں کی قبور کی تعظیم و تکریم شروع ہوگئی - پھر اُن سے منتیں مرادیں مانگی جانے لگیں - بالآخر ان کی مورتیں ظاہر ہوئیں - لوگوں نے خیال کیا ' اگر صلیب اور مقدس آثار و قبور میں بزرگی ہے ' تو کوئی وجہ نہیں کہ مورتوں میں اور بھی زیادہ بزرگی اور برکت نہ ہو؟ بادشاہوں اور بڑے آدمیوں کے بت بنائے جاتے ہیں ' کیوں نہ خدا کے برگزیدہ بندوں کے بھی بت بنائے جائیں ' اور ان سے برکت و سعادت حاصل کی جائے ' حالانکہ وہ بادشاہوں سے کہیں زیادہ اجلال و تکریم کے مستحق ہیں ؟

اِس طرح بتدریج بت پرستی مسیحی کنیسے میں داخل ہوگئی - شروع شروع میں کنیسا کی دیواروں پر تصویریں اور مورتیں اس غرض سے آویزاں کی گئی تھیں کہ " ان کے معائنہ سے عبرت و موعظت حاصل ہوگی " لیکن آگے چلکر ان کی حیثیت ایک نا گزیر دینی شعار اور ربانی عبادت کی ہوگئی - مخلص عیسائی بتوں اور تصویروں کے لیے اُسی طرح نماز پڑھنے لگے ' جس طرح وہ خدا کے لیے نماز پڑھتے تھے !

اِس بدعت کے ساتھ اور بھی کئی مشرکانہ رسمیں مسیحی کنیسا میں داخل ہوگئیں - چنانچہ چراغاں ' بخور ' رکوع و سجود ' وغیرہ رسمیں ' سب بت پرستوں ہی سے لی گئی ہیں -

سچے عیسائیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اعتراض کیا - مگر اُن کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی - اِن مقدس تصویروں اور مورتوں کے ہزاروں معجزے مشہور ہو چکے تھے - لوگ اُن سے دست بردار ہونے کے لیے طیار نہ تھے -

شروع شروع میں روح القدس کی تصویریں بہت مبہم اور مضطرب بنائی جاتی تھیں - لیکن حضرت مسیح اور مریم (علیہما السلام) اور فرشتوں کی تصویریں بالکل صاف اور خالص انسانی قالب میں ہوا کرتی تھیں -

(چھٹی صدی مسیحی)

ابھی چھٹی صدی ختم نہیں ہوئی تھی ' کہ یہ مشرکانہ عبادت کنیسا کی ایک شرعی عبادت بن چکی تھی - تمام کنیسے تصویروں اور بتوں سے آراستہ تھے ' حتی کہ خود ویٹیکان (محل اعظم پوپ) بھی اُن سے لبریز ہو چکا تھا - اب یہ حالت تھی کہ مسیحی مؤمنین تصویروں اور بتوں کے حد سے زیادہ دلدادہ تھے - انہیں عبادت و برکت کے لیے ضروری سمجھنے لگے تھے - وہ تقوی و بزرگی کے نشان خیال کیے جاتے تھے -

آٹھویں صدی کے اوائل میں تصویر پرستی اور بت پرستی ' مسیحی عبادت خانوں میں پورے عروج تک پہنچ چکی تھی - اِسی زمانے میں بعض یونانی علماء ظاہر ہوئے ' اور اِسے کنیسا کی بت پرستی قرار دیا - اِن لوگوں نے کہا " مشرک قومیں بھی اپنے بتوں کو خدا نہیں کہتی تھیں ' بلکہ بعینہ وہی معانی اُن کے پیش نظر تھے ' جو اِن تصویروں اور مورتوں کے بارے میں تمہارے پیش نظر ہیں - لیکن اِس پر بھی خدا کی شریعت نے اُنہیں مشرک قرار دیا - تم میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں - صرف الفاظ اور اسماء کا اختلاف ہے " -

(اسلام کا ظہور)

صدیوں کی غفلت کے بعد مسیحی علماء میں یہ بیداری صرف اِس وجہ سے پیدا ہوئی تھی کہ دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر اب مصر ' شام ' فلسطین پر چھا گیا تھا اور خود بیزنطینی کنیسے کے مرکز پر اُسکی تیز نظریں پڑ رہی تھیں - اسلام کی تعلیمات اِس بارے میں معلوم و مشہور ہیں - ابتدائی تصادم کے زمانے ہی میں مسیحیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان اُنہیں بت پرست اور مشرک کہتے ہیں - اُنھوں نے اسلامی مسجدیں بھی دیکھی تھیں جو ہر قسم کی تصویروں اور مورتوں سے خالی تھیں -

مسیحیوں کی ایک جماعت اسلامی اثرات سے متاثر ہوگئی اور توراۃ کی تعلیم کی طرف از سر نو دعوت دینے لگی جو تصویر پرستی اور بت پرستی کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیتی ہے -

(لیون کي اصلاح)

سي زمانے میں لیون سوم قسطنطنیه کے تخت پر بیٹھا - اِس شہنشاہ نے اشور کے پہاڑوں میں نشو و نما پائي تھي - ہر قسم کي تعلیم و تربیت سے محروم تھا - تاہم عقل سلیم رکھتا تھا - یہودیوں اور عربوں کي صحبت میں بیٹھه چکا تھا ' اور اُن کے اثر سے تصویروں اور بتوں کي تعظیم و عبادت سے متنفر تھا -

یه تخت نشین هوا ؛ اور غایت تدبر سے اپنے ارادے مخفي رکھے - یہانتک که جب پوري طرح اقتدار حاصل هو گیا تو دیني اصلاح کي طرف قدم اٹھایا - اِس نے پہلا کام یه کیا که علماء کي ایک مجلس منعقد کي اور یه فتوی صادر کرایا که کنیسوں اور مقدس هیکلوں سے تصویریں اور مورتیں هٹا کر کسي ایسي بلند جگه منتقل کردي جائیں جہاں مشرکانه رسمیں انجام نه دي جا سکیں -

چند سال بعد اُس نے دوسرا قدم اٹھایا اور مورتیوں کي پرستش' اُنکي تعظیم ' اور کنیسوں میں موجودگي ' سب ناجائز قرار دیدي - اُس نے صرف اِتنے هي پر اکتفا نہیں کیا ' بلکه قسطنطنیه کے تمام کنیسوں کو تصویروں اور مورتوں سے خالي بهي کر دیا - چنانچه حضرت مسیح اور حضرت مریم بتول (علیہما السلام) کے تمام بت توڑ کر پھینک دیے گیے - اور تمام تصویریں محو کردي گئیں -

اُس کے بیٹے قسطنطین پنجم نے اِس بارے میں اور بهي زیادہ سختي برتي - سنه ۷۵۴ ع میں اُس نے ایک دیني مجلس منعقد کي - اِس میں ۳۳۸ پیشوا جمع هوئے - اِس لحاظ سے یه مجلس بہت هي بڑي مجلس تھي - مگر اس میں صرف بیز نطیني کنیسے هي کے علماء شریک هوئے تھے - روم ' اسکندریه ' بیت المقدس ' اور انطاکیه کے نمائندے شامل نہیں تھے - پادشاہ نے اِس مجلس کے سامنے تصویر پرستي کا مسئله پیش کیا - متفقه فیصله هوا که یه عبادت ' مسیحي تعلیمات کي رو سے قطعاً حرام هے - اور پرستش کي تصویریں' مجسمے ' اور آثار مسیحي عبادت گاهوں سے خارج کردینے چاهئیں - اس مجلس نے صلیب کو بهي اپنے فتوے میں مستثنی نہیں کیا ' اُسے بهي تجسم کا رمز قرار دیکر ممنوع ٹهرایا - مزید برآں خود فن مصوري کو بهي نا جائز بتایا - اس نے یه حکم بهي نافذ کیا که جو شخص صلیب بنائے ' یا مقدس تصویریں اور نقوش اتارے ' اُسے فوراً کنیسے سے خارج کردیا جائے ' اگرچه وہ خود علماء کي جماعت هي میں سے کیوں نه هو -

سنه ۷۶۶ ع میں اِس فیصله کو اور بهي زیادہ تشدد کے ساتھه جاري کیا گیا - صلیب رکھنا ' رلیوں کے لیے نماز پڑھنا ' تصویروں کي تعظیم کرنا ' یه سب باتیں جرم قرار پائیں' اور مخالفوں کے لیے تازیانه کي سزا سے لیکر آنکھیں پھوڑنے ' زبان کاٹنے ' اور سولي پر چڑھانے تک کي سزائیں تجویز کي گئیں -

(بت پرستي کا دوسرا دور)

لیکن ملکۂ ایرینی کے عہد میں پھر انقلاب هوا - یه ملکه بت پرستي کي حامي تھي ' کیونکه وہ نسلاً یوناني تھي اور عورت تھي - یه اِس حیثیت سے تخت نشین هوئي تھي که اپنے نا بالغ لڑکے قسطنطین ششم کي ولي اور سرپرست رهیگي - اِس نے برسر اقتدار آتے هي ایقوني کنیسا (یعني بت پرستي کو حرام سمجھنے والے کنیسا) کے علماء کو ستانا شروع کردیا - ستمبر سنه ۷۸۷ع میں یه مقام نیس ایک دیني مجلس منعقد کي - اِس میں ۸۶۷ پادري جمع هوئے تھے - پوپ کے نمائندے بهي شریک تھے - بالاتفاق یه فتوی صادر کیا گیا که مقدس تصویروں اور بتوں کي عبادت مسیحیت میں جائز هے - اتنا هي نہیں بلکه شرعاً مستحسن هے - دلیل میں اسلاف کي بہت سي جھوٹي روایتیں پیش کي گئي تھیں - مزید براں قسطنطنیه کي سابق دیني مجلس کي تکفیرپهي کي گئي تھي - اُس کے فیصله پر عمل کرنے والوں کو بهي کافر و مرتد قرار دیا گیا !

(دوسري اصلاح)

ایک مدت تک اِس نئے فیصله پر عمل هوتا رها - یہاں تک که تیوریلس بیزنطیذه کا بادشاہ هوا - یه بت پرستي کا دشمن تھا - سنه ۸۳۳ ع میں اِس نے پھر علماء مسیحیت سے ایک نیا فتوی حاصل کیا اور بت پرستي حرام قرار پائي - اِس نے صرف تصویریں اور بت هي نہیں مٹائے ' بلکه کنیسوں میں مسیحي بزرگوں کے ناموں کے ساتھه " مقدس " کا لفظ بهي مٹا ڈالا - مصوروں اور بت سازوں کو شدید سزائیں دي گئیں - بہت سے خلاف ورزي کرنے والے پادریوں کي پیشانیاں آگ سے داغ دي گئیں - غرضکه اِس رسم کے خلاف سخت جہاد جاري هوگیا -

اُسي زمانے میں ایک مسیحي عالم جان (جسے عربوں نے یوحنا نحوي کے نام سے پکارا هے) مشرقي رومن سلطنت کے کنیسے کا بطریق اعظم مقرر هوا - یه شہنشاہ کا استاد تھا اور بت پرستي کا سخت مخالف ' مگر اسکي طبیعت بہت کمزور تھي - اِس نے شاهي احکام کي تنفیذ میں تساهل کیا - نتیجه یه هوا که مخالفوں کے حوصلے بڑھگئے اور وہ علانیه احکام شاهي کي خلاف ورزي پر آماده هوگئے - شہنشاہ نے یه حالت دیکھي تو سخت برهم هوا - پہلے سے بهي زیادہ تشدد پر اُتر آیا اور مقدس تصویروں اور بتوں کے معتقدین کو سخت سزائیں دینے لگا -

(بت پرستي کا تیسرا دور)

شہنشاہ کے انتقال پر اُس کي ملکه تخت نشین هوئي - یه اپنے شوهر کے خلاف عقیده رکھتي تھي - اس نے بت پرستي پھر رائج کرني چاهي مگر اُس کي راہ میں سب سے بڑي رکاوٹ یہي یوحنا نحوي تھا - یه شخص دونوں جماعتوں کي نظر میں مکروہ تھا - بت پرستي کے مخالف ' اسے بزدل اور منافق سمجھتے تھے - حامي دشمن خیال کرتے تھے - اِس سے بهي بڑھ کر یه که یه طبیعي علوم اور فلسفه کا عالم تھا - یه چیز اُس زمانے میں تمام دیندار مسیحیوں کي نظر میں کفر و الحاد تھي - اِس صورت حال نے یوحنا کو بالکل بے یار و مددگار کر دیا - چنانچه اُسے معزول کرنے کي کوششیں شروع هوئیں - اُس پر یه تہمت لگائي گئي که جادوگر هے - یه تہمت اُس کي معزولي کے لیے کافي تھي - چنانچه اُسے ذلت کے ساتھه نکالا گیا اور ایک گم نام خانقاہ میں جلا وطن کر دیا گیا - مگر مخالفوں کو اِس سے سیري نہیں هوئي - تھوڑے هي دنوں کے بعد اُس پر یه الزام لگایا گیا که اُس نے ایک ولي کي تصویر کي آنکھیں پھوڑ ڈالي هیں - اِس الزام پر اُسے سخت سزا ملی اور توراۃ کے قانون " دانت کے بدلے دانت اور آنکھه کے بدلے آنکھه " کے بموجب اُس کي آنکھیں پھوڑ ڈالي گئیں !

اب ملکه کے لیے میدان صاف تھا - اُس نے سنه ۸۴۲ع میں ایک اور دیني مجلس قسطنطنیه میں منعقد کي اور از سر نو بت پرستي کا فتوی صادر کرادیا - تمام مخالف ' کافر قرار دیے گئے ' اور بت پرستي مسیحیت کي بنیادي عبادت تسلیم کرلي گئي - ۱۹ فروري سنه ۸۴۲ ع میں کنیسۂ ایا صوفیا میں پھر تصویریں اور مورتیں واپس آگئیں - یوناني کنیسا اب تک یه دن ایک عظیم دیني تہوار کے طور پر مناتا هے -

ترکی حکومت

اور اُس کے اجتماعی و سیاسی تغیرات

شروع سے ابتک

(۱)

دور اول

سنہ ۶۹۹ھ (۱۳۰۰ع) سے سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) تک

آل عثمان کی سلطنت اُس زمانہ میں ظاہر ہوئی، جب صلیبی جنگوں کی خونریزی سے مشرق قریب کی سرزمین سرخ ہو رہی تھی اور مسیحی تعصبات سے وقت کا مطلع غبار آلود تھا - اس وقت کی آب و ہوا کا یہ قدرتی اثر تھا کہ سلطان عثمان اور اُن کی اولو العزم اولاد میں دینی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا، اور وہ مسیحی ممالک کی فتوحات پر کمر بستہ ہوگئے - یہ یورپ کے صلیبی حملہ کا قدرتی رد فعل تھا -

اُس وقت ایشیائے کوچک کے اطراف و جوانب بروسہ، ازمید، ازنیق، طرابزون میں بیزنطینی سلطنت (قسطنطنیہ) کے باج گزار امراء حکمران تھے- آل عثمان نے اپنے جہاد اور ملک گیری کا آغاز اُنھی سے کیا، اور یکے بعد دیگرے مطیع یا مغلوب کرتے گئے - اِن سے فارغ ہوکر در دانیال کے آگے بڑھے، اور بلغاریا، سرویا، اور بیزنطینی سلطنت کو زیر و زیر کرنے کے بعد مسیحیت کی راج دھانی "روم" کو گھورنے لگے - یہ صلیبی لڑائیوں کے جوابی حملہ ہی کا جذبہ تھا، جس نے سلاطین آل عثمان کو یک قلم یورپ کی طرف متوجہ کر دیا تھا، اور ایشیا سے بڑی حد تک غافل رہے تھے - صرف سلطان سلیم یاوز (خونریز) نے ایشیا کی طرف توجہ کی، مگر اِس کی ایشیائی فتوحات میں ایک آرزو ہی جذبہ کار فرما تھا - وہ عرش خلافت پر جلوہ گر ہونے کا متمنی تھا، جس میں اُسے پوری طرح کامیابی ہوگئی -

یورپ صلیبی جنگوں سے بالکل خستہ ہو چکا تھا - مسلسل شکستوں نے اُس کی شجاعت و ہمت پر کاری ضربیں لگائی تھیں - فرقہ وارانہ حسد و منافست نے اُس کے تمام قوی معطل کر دیے تھے - اِن حالات کا لازمی نتیجہ تھا کہ دول یورپ نے ترکی سیلاب کے مقابلہ کا کوئی خیال نہیں کیا، اور قسطنطنیہ اور مشرقی یورپ کی مسیحی ریاستوں اور قوموں کو مغلوب ہوجانے دیا - لیکن جب ترکوں نے بلقان سے بھی قدم آگے بڑھایا، اور ہنگری پر ترکتازیاں شروع کردیں، تو یورپ کی آنکھیں کھلیں - مذہب کے نام پر متحدہ محاذ قائم کیے گئے، اور ترکوں کے روکنے کی کوشش شروع ہوئی - مگر کامیابی حاصل نہ کرسکے -

یہانتک کہ سلطان سلیمان قانونی کی وفات کے بعد خود ترکوں میں کمزوری پیدا ہوگئی- سلطان مراد ثالث کے عہد میں یہ کمزوری

اِس کے بعد پھر بت پرستی کے خلاف کوئی با ضابطہ مسیحی دعوت پیدا نہیں ہوئی - یہانتک کہ صلیبی لڑائیوں کے بعد اسلامی توحید کی تعلیم یورپ کے قلب تک پہنچی، اور مشہور مسیحی مصلح لوتھر کا ظہور ہوا -

ظاہر ہوئی، سلطان احمد اول کے زمانہ میں اس نے ترقی پائی، اور سلطان محمد رابع کے دور میں بلوغ و کمال تک پہنچ گئی - ترک جس قدر کمزور ہوتے گئے، یورپ کا مسیحی اتحاد بھی اُسی قدر ٹوٹتا گیا - یہانتک کہ صرف روس اور آسٹریا ترکوں کے مقابلہ میں رہ گئے، اور اُنھیں یورپ سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے -

اِس طرح ترکی شہنشاہیت نے اپنی عمر کا اکثر حصہ پے در پے جنگوں میں گزار دیا - ابتدائی جنگیں حملہ آورانہ تھیں، بعد میں مدافعانہ ہوگئیں - لیکن اس تمام مدت میں ترکی سلطنت ایک مذہبی سلطنت رہی - اس کا تمام داخلی نظام شریعت کے احکام پر مبنی تھا - علماء و فقہاء کو غیر معمولی اقتدار حاصل تھا - مفتیوں کے فتوے عزل و نسب اور نظم و نسق کے لیے جاری ہوتے رہتے - چونکہ عثمانی حکومت کی نشو و نما ہی اُس وقت ہوئی تھی، جب کہ اسلام کے دینی علم و عمل کی روح پژمردہ ہونا شروع ہوگئی تھی، اور دینی نظر و بصیرت اور اجتہاد فکر کی جگہ تقلید و جمود کی بنیادیں قائم ہوچکی تھیں، اس لیے مذہبی احکام و نظام کی کوئی بہتر روح پیدا نہ ہوسکی - جن علماء کے ہاتھ میں نظم و نسق کے احکام تھے، ان کا علم تمام تر فقہ حنفی کی چند متداول متون و شروح تک جو متاخرین کی ترتیب دی ہوئی تھیں، محدود تھا، ان سے باہر نہ تو کوئی نظر رکھتے تھے، اور نہ ایسی فضاء تھی کہ بلند نظری پیدا ہوسکتی -

اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی پچھلی حکومتوں کی طرح، عثمانی حکومت میں نظم و ادارہ کی کوئی موافق روح پیدا نہ ہوسکی - دائرۂ حکومت تمام بر اعظم یورپ اور مشرق میں پھیل گیا تھا - مختلف مذاہب، مختلف نسلیں، مختلف تمدن، اور مختلف جماعتی مزاج رقبۂ حکومت میں جمع ہوگئے تھے، حکومت کے لیے اتنے مختلف عناصر پر کامیاب حکومت قائم رکھنی آسان نہ تھا - ترک ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھے - اب ان کے زیر نگیں یورپ اور مشرق کی تمام متمدن آبادیاں آگئی تھیں - ضرورت تھی کہ انتظام حکومت کی ایک طاقتور روح پیدا کی جاتی - یہ روح ضرور پیدا ہوتی، اگر علوم دینیہ کی حقیقی روح باقی رہتی، اور تقلید و تنگ نظری نے فقہاء کے دماغ عقیم نہ کردیے ہوتے - لیکن افسوس کہ حالت دوسری تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حکومت کا انتظامی مزاج مختل ہونے لگا - حتی کہ یورپ کے مورخین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ "اسلام کے احکام کی روح ہی حاکمانہ انتظام (ڈسپوٹزم) کے خلاف ہے" حالانکہ اسلام کی روح مخالف نہیں ہے - مسلمانوں کا دماغی تنزل مخالف ہے -

---

(دور اصلاح)

سنہ ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) سے سنہ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ع) تک

اِدھر ترکی مدافعانہ جنگوں میں مصروف تھی - روس اور آسٹریا کے حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی- اُدھر یورپ میں ایک نئی تہذیب پھیل رہی تھی، جدید تمدن زندگی اور ترقی کے نئے نئے دروازے کھول رہا تھا، اور اقوام یورپ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھیں - ایک طرف کامل وقفہ تھا، دوسری طرف پوری حرکت و سرعت تھی - نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ بہت آگے بڑھ گیا، اور ترکی جہاں تھی، وہیں کی وہیں رہ گئی، بلکہ مسلسل دفاعی جنگوں نے اُسکی چولیں ہلا ڈالیں -

سلطان محمود ثاني تک ترک اپني عظمت و سرگراني کي وجه سے علم و فن کي هر نئي بات کو نفرت کي نظر سے ديکهتے تهے - صرف توپ خانه اور طباعت کي چند اصلاحات منظور کي گئي تهيں - باقي تمام علمي و صناعي انکشافات سے غفلت و اعراض تها - مشهور ترکي مورخ جودت پاشا نے اپني تاريخ ميں ترکوں کا ذهني جمود دکهايا هے - وه لکهتا هے که " رسمي احمد آفندي نے سلطان مصطفی ثالث کے زمانه ميں يورپ کي سياحت کي تهي - واپس آکر سلطان کے ايک مقرب خاص يوسف آفندي سے بيان کيا که دول يورپ اپنے ملکوں کے حفظان صحت پر بهت متوجه هيں - جا بجا قرنطينے قائم کيے گئے هيں - سلطنت عثمانيه کو بهي يهي کرنا چاهيے - لائق مصاحب نے يه سنکر پيشاني پر بل ڈال ليے اور کها " ميں تمهيں ابتک عقلمند سمجهتا تها ' مگر تم سخت احمق نکلے ' تم اِتنا بهي نهيں سمجهه سکتے که يورپ کے لوگ همارے ملک ميں صرف بيماريوں کے ڈر سے نهيں آتے - اگر هم حفظان صحت کا انتظام کر دينگے تو ظاهر هے ' يه روک اُٹهه جائيگي ' اور يورپين هماري سر زمين پر چيونٹي کي طرح پهيل جائينگے - پهر هم اُنهيں کيسے قابو ميں رکهه سکينگے ؟ "

يه بات نهيں هے که ٹرکي ميں کسي کو بهي اصلاح کا خيال نه تها - خود سلطان مصطفی ثالث اور سليم ثالث اصلاح کے بڑے حامي تهے - مگر بالکل مجبور تهے - اصلاح کي سب سے بڑي مخالفت فوج اور عامة الناس کي طرف سے هوتي تهي - ينگ چري فوجوں کو حد سے زياده اقتدار حاصل هوگيا تها ' سلطان اُنکے هاتهه ميں کهلونا تها - يه فوجيں سخت جاهل اور گنوار تهيں - کسي طرح کي اصلاح ديکهنا نهيں چاهتي تهيں - عام رعايا سرکاري علماء کے هاتهوں ميں تهي ' اور معلوم هے که علماء دولت هر زمانه ميں اصلاح کے سب سے بڑے مخالف هوتے هيں - اصلاح کي هر صدا اِن علماء سوء کے مذهب ميں کفر و الحاد کي صدا تهي - وه ايک لمحه کيليے بهي گوارا نهيں کرسکتے تهے که علم کي ايک شعاع بهي ٹرکي کے آسمان پر چمکے -

سب سے پہلے سلطان محمود ثاني کو اصلاح کي توفيق ملي - يه سلطان بڑا هي اولوالعزم تها - اُس نے ينگ چري فوجوں کا قتل عام کرکے خاتمه کرديا - اس کا اثر يه هوا که اُس کي هيبت دلوں پر چهاگئي ' اور علماء دولت بهي باوجود اپني تمام سرکشيوں کے لرزنے لگے - اِس سلطان نے اصلاح کے لئے اپني سلطنت کے دروازے کهول ديے اور فوج کا نظام بالکل جديد کر ديا - عام ترکي لباس بهي ترک کر ديا گيا - اور خود سلطان نے نيا فوجي لباس پهنکر اس کي ابتدا کردي - مگر افسوس هے که اب بهت دير هوچکي تهي - يورپ ترو تازه هوکر از سر نو ٹرکي کي تباهي پر تل گيا تها ' اور هرگز نهيں چاهتا تها که يه پرانا حريف از سر نو طاقت حاصل کرلے - چنانچه ٹرکي کي ماتحت عيسائي اقوام سے بغاوت کرائي گئي ' اُن کي حمايت و حفاظت کے ليے مداخلت کا مطالبه کيا گيا ' اور بين الاقوامي سياست ميں " مسئلۂ مشرق " کے نام سے ايک جديد لفظ کا اضافه هوگيا ' جس سے مقصود صرف يه تها که ٹرکي کا خاتمه کر ديا جاے -

يه تاريخي واقعه هے که سلطان محمود اور اُن کے بعد سلطان عبد المجيد نے اصلاحات عام کرنے کي سر توڑ کوششيں کيں ' شيخ الاسلام احمد عارف آفندي نے تمام قلمرو ميں دوره کرکے مسلمانوں کو سمجهانا شروع کيا که اصلاحات شريعت کے خلاف نهيں هيں ' اور انهيں نفرت و وحشت کي نظر سے نهيں ديکهنا چاهئے - اس طرح تمدني اصلاحات کي راه ميں کوئي بهي اندروني رکاوٹ باقي نهيں رهي تهي - ليکن خود يورپ ' جو هميشه اصلاحات کے ليے غل مچايا کرتا تها ' سد راه هوا - لا متناهي جنگوں کا سلسله شروع کراديا گيا ' اور ٹرکي کے مدبرين اور خزانه کو اصلاح کي ذرا بهي مهلت نهيں دي گئي - اس طرح ۶۸ سال کا زمانه نکل گيا -

---

زنجي تحريک حريت

کچهه عرصه سے افريقا کے زنجيوں ميں آزادي کي تحريک پهيل رهي هے - اِس کا مرکز جمهوريه " ليبري " ميں هے - مرقص گاروي صدر انجمن " آزادي جنس زنجي " نے اعلان کيا هے که نصف صدي کے اندر اندر افريقا کے سياه آدمي اِس قابل هو جائيں گے که اپنے اوپر خود حکومت کرنے لگيں اور پورے افريقا کي متحده جمهوريت قائم کرليں - صدر نے کام کي موجوده مشکلات کا اعتراف کرتے هوئے کها هے : هم في الحال تقرير و تحرير کے ذريعه پروپگنڈا نهيں کرسکتے - کيونکه باشندوں ميں تعليم مفقود هے - ليکن همارے پاس ايک معقول ذريعه موجود هے ' اور وه " ڈهول " هے - هم ڈهول پر اپني دعوت ايک قبيله سے دوسرے قبيله تک پهنچاديتے هيں اور باشندے اُسے قبول کرتے جاتے هيں -

(پارليمنٹري گاليان)

پارليمنٹوں ميں هميشه تعليم يافته آدمي بيٹهتے هيں - با ايں همه اُن کي گاليوں کا ايک نمونه ملاحظه هو :

سرويا کي پارليمنٹ کے ايک ممبر نے ايک مقرر کو مخاطب کرکے کها : " چرس پينے والے ! مرده کهوپڑيوں کے سوداگر ! حريت کے قاتل ! " جرمن پارليمنٹ ميں ايک ممبر نے دوسرے سے کها : " تو سڑا هوا سور هے ! تو کيڑے پڑا هوا جسم هے ! تو ديوانوں کا بادشاه هے ! "

" تو بوئر يهودي هے ! تو قانون کا تاجر هے ! تو آئرلينڈي شکاري کي رسي هے ! تو کرامول کے زمانه کا سڑا هوا چيتهڑا هے ! " يه انگريزي پارليمنٹ ميں ايک ممبر کا بيان تها !

WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary :

	Pay	Allowance	Total
1st Year (Junior)	Rs. 50/-	Rs. 10/-	Rs. 60/-
2nd Year	,, 55/-	,, 10/-	,, 65/-
3rd Year (Senior)	,, 65/-	,, 10/-	,, 75/-

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1-11-1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,
Administrative Officer.
SCHOOL BOARD,
KARACHI MUNICIPALITY, (I.H)

مشرق کی تاریخ جدید کی تاریخی شخصیتیں

مصطفیٰ پاشا الفاضل

اور لائحہ اصلاحیہ

(۲)

میرے آقا! اہل یورپ کہتے ہیں کہ ہماری کمزوری اور انحطاط ہماری قومیت اور ہمارے دین کی وجہ سے ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ ہم فوجی زندگی بسر کرنے کے علاوہ اور کسی بات کے لئے موزوں ہی نہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال حقیقت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ ہماری امت دنیا کی دوسری امتوں سے کوئی مستثنیٰ صورت حال نہیں رکھتی۔ جس طرح دنیا کی مختلف قومیں ابتدا میں جنگی قوت سے نمایاں ہوئیں تاکہ اپنی ہستی کے لئے استقلال پیدا کریں، اور پھر علوم و صنائع اور تمام اعمال مدنیہ کے لئے مستعد ہو گئیں، اسی طرح ہم بھی اپنی جنگی شجاعت سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اور کوئی وجہ نہیں کہ ترقی و سعادت کے تمام اعمال کی طرف قدم نہ بڑھائیں۔ قوم کی ابتدائی حرکت لڑائی میں ظاہر ہوئی ہو یا صنائع میں مصدر دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے اور وہ حرکت کی استعداد ہے۔ جس میں استعداد ہے، اس کی راہ کبھی رک نہیں سکتی۔ خود یورپ کی مختلف قوموں کا اٹھان ہماری ہی طرح جنگ و عسکریت سے ہوا ہے، اور اب وہ تمدن و صنائع کے میدان میں سب سے پیش پیش ہیں۔

اسی طرح ہمارے دین پر بھی الزام صحیح نہیں۔ اس دین کی طرح دنیا کے تمام دینوں کی بھی تعلیم یہی ہے کہ جملہ کائنات، مشیت الٰہی کے ماتحت ہے۔ مسیحیوں کے عقیدے اس بارے میں ہمارے عقیدوں سے کہیں زیادہ سخت ہیں۔ وہ مذہب جبر پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ انکے پولس رسول کی تعلیم ہے کہ انسان، پروردگار کے ہاتھ میں ایسا ہے، جیسے گندھی ہوئی مٹی کمہار کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اے میرے آقا! انھیں بھلائی اور بہتری حاصل کرنے سے کوئی چیز روک نہ سکی۔

حق کا اظہار ضروری ہے۔ ہمیں جس چیز نے ان کی طرح عملی قوم ہونے سے روک دیا ہے، وہ ہمارا طرز حکومت ہے۔ جس حکومت میں یہ اندھیر روا ہو کہ ایک انسان دوسرے انسان کی محنت سے بغیر استحقاق کے نفع اٹھائے، وہاں نہ عقل ترقی پا سکتی ہے، نہ خوشحالی، عام ہو سکتی ہے۔ جس ملک میں بھی ظلم پھیل جاتا ہے، مخلوق، عمل سے کنارہ کش ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی محنت سے متمتع ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔

فرانس کی حالت ہمارے سامنے ہے۔ یہ خوبصورت ملک جس کے مداح اعلیٰ حضرت بھی ہیں ۱۷۸۹ء سے پہلے سخت غفلت و فلاکت میں پڑا تھا۔ لائق سے لائق دین پر سر حکومت آئے اور بڑی بڑی کوششیں کیں کہ صنعت و حرفت اور تجارت و زراعت کو رواج دیں، ملک میں حرکت و زندگی پیدا کریں، مگر ناکام رہے۔ ملک نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ظلم و استبداد ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ رعایا اپنی محنت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی۔ کسان جنگلوں میں مارے مارے پھرتے تھے فقر و فاقہ نے انھیں حیوانوں کی سی مخلوق بنا دیا تھا۔ کوئی بھی محنت و مشقت کی طرف رغبت ظاہر نہیں کرتا تھا۔

لیکن صرف تیس برس کی مدت کے بعد اب فرانس، فرانس ہو گیا ہے۔ تمدن و تہذیب کا مرکز ہے علوم و صنائع سے مالا مال ہے۔ میرے آقا! یہ حیرت انگیز تبدیلی، صرف نظام حکومت کی تبدیلی کا نتیجہ تھی۔ مستبد حکومت نے ملک کو ویران کر ڈالا تھا۔ آزاد حکومت نے آتے ہی اس میں روح پھونک دی۔ ایسی روح جس نے اسے زندہ، جوان، طاقتور، اور خوشحال بنا دیا۔ درحقیقت فرانس پر آزادی کا بہت ہی عظیم احسان ہے۔

میرے آقا! آزادی، قوموں کو زندہ کر دیتی ہے۔ صرف معنوی زندگی ہی نہیں، مادی زندگی بھی بخشتی ہے۔ جب انسان اپنے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے، تو ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام جسمانی و معنوی قویٰ معطل ہو جاتے ہیں۔

میرے آقا! جب قوم کی وہ حالت ہو جائے، جو اوپر عرض کر چکا ہوں۔ زمانہ، اس کے اخلاق پر دست درازی کرے، غفلت، آہستہ آہستہ اس کی عقل پر حاوی ہوتی جائے، فقر و فاقہ اس کا خون چوسنے لگے، اور سلطنت کے خزانے خالی ہو جائیں، تو ایسی حالت میں ہر محب وطن اور مخلص قوم کا فرض ہو جاتا ہے کہ صرف اصلاح کے مطالبہ ہی پر قانع نہ ہو جائے بلکہ عمل کا فوری قدم بھی اٹھائے۔ اصلاح ایک بے معنی لفظ ہے اگر اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ کتنے قوانین کا ہم سے وعدہ کیا گیا؟ کتنے نظام شائع کئے گئے؟ مگر کبھی عمل ہمارے سامنے نہیں آیا۔ لہٰذا اب ہم پر فرض ہو گیا ہے کہ ایک قدم آگے بڑھیں اور یہ اہم معروضہ عرش معظم کے روبرو انتہائی تعظیم و احترام کے ساتھ پیش کر دیں۔

میرے آقا! آپ اس سلطنت کا ہاتھ پکڑئیے اور اس کا شباب تازہ کر دیجئے۔ دستور (یعنی دستوری نظام حکومت) کا ہاتھ بڑھائیے اور اسے اختلال و بدنظمی سے نکال لیجئے۔ امت کو ایسا دستور بخشئے جس کا جسم تندرست ہو، سینہ کشادہ ہو، نیت نیک ہو۔ پھر اسے اپنی اماں میں لے لیجئے، ایسا انتظام قائم کیجئے کہ وہ اخلاص سے جاری ہو، امانت سے اس پر عمل کیا جائے، اور ہمیشہ کے لئے دست درازیوں سے محفوظ ہو جائے۔ ایسا دستور جس کے سامنے مسلم اور غیر مسلم، دونوں اپنے حقوق و واجبات میں برابر ہوں، تاکہ قومی اتحاد پیدا ہو۔ سب کو سلامتی اپنے سایہ میں لے لے، اور مغربیوں کا یہ کلیہ ٹوٹ جائے کہ "غالب اور مغلوب میں اتحاد، محال ہے"

آہ میرے آقا! میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے اہل حل و عقد میں منافق اور جاہل، لفظ دستور تک سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اعلیٰ حضرت سے کہتے ہیں کہ دستور بادشاہ کو ایک بے جان کٹھ پتلی بنا دیتا ہے۔ اس کا اختیار چھین لیتا ہے۔ اس کی عظمت سلب کر لیتا ہے۔ دوسری طرف قوم سے کہتے ہیں: دستور تمھیں تمھاری عزیز ترین خصوصیتوں: دین، لباس، رسم و رواج سب سے محروم کر دے گا۔ لیکن یہ لوگ یا تو دغاباز ہیں، یا جہالت نے ان کی عقل پر پردے ڈال دئے ہیں۔

میرے آقا! ان لوگوں کے مشورے پر کان نہ دھریئے۔ اے میری امت! ان کی گمراہی کی پروا نہ کر۔ دستور، صرف خود غرضی کو روکتا ہے۔ بادشاہ کی صرف اتنی ہی آزادی سلب کرتا ہے کہ وہ رعیت کے معاملہ میں غلطی نہ کرے۔ اتنا ہی اختیار چھینتا ہے، جتنے غیر معتدل اختیار سے شر پیدا ہوتا ہے۔ وہ قوم پر کوئی ایسا حکم نہیں لگاتا جو اس کی عزت کے خلاف یا اس کی سعادت کے منافی ہو۔ وہ دین کی حفاظت کرتا ہے۔ سلطنت کا نگہبان ہوتا ہے۔ حقوق کی ضمانت کرتا ہے۔ دلوں میں اطمینان اتارتا ہے۔ ہر انسان کو آزاد اور شریف بنا دیتا ہے!

دستور ہمارے لئے یہ موقعہ بہم پہونچائے گا کہ تمام سلطنتوں سے اپنے تعلقات اور زیادہ بہتر بنا دیں۔ یہاں، اس ملک میں وہاں، یورپ میں، کون نہیں جانتا کہ ہمارے معاملات میں سفراء دول کی مداخلت نے کتنا نقصان پہنچایا ہے؟ یہ لوگ برابر اصلاح، اصلاح چلاتے ہیں مگر سب کو معلوم ہے کہ اس مطالبہ سے ان کا مقصود ایک قوم کو دوسری قوم پر ترجیح دینا ہے، یا اس سے ان کی غرض بعض افراد کی خدمت ہے یہ اور بھی زیادہ برا اور نقصان دہ ہے۔ لیکن دستور، ہماری حکومت ایسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دے گا کہ کسی اجنبی کو مداخلت کی جرأت باقی نہ رہے گی۔ تمام رعایا اپنی حکومت کے ظل حمایت میں ہوگی۔ سب کو عدل و انصاف کے سایہ میں یکساں امن ملے گا۔ دستور کے سامنے سب آدمی برابر برابر ہو جائیں گے۔

میرے آقا! وقت آگیا ہے کہ اسلاف کی سلطنت کو آپ بچا لیں۔ اس کی راہ میں ہمارے خون اور ہمارے آنسوؤں کی قربانیاں عظیم تھیں۔ اس کا ماضی، شاندار تھا، اس کا حاضر، حسرت ناک ہے۔ آہ! یہ حاضر خود اعلیٰ حضرت کے رحیم قلب کے لئے کیسا کس درجہ تکلیف دہ ہے؟ ہمارے گرد ہر چیز ہمیں دھمکا رہی ہے۔ ہمارے ہاتھ کی ہر چیز گرتی اور ٹوٹتی جاتی ہے۔ اعلیٰ حضرت کی دوربین نظریں یہ سارے خطرے دیکھ رہی ہیں۔ معاملہ، سنجیدہ اور واقعی ہے۔ خیال و توہم کی اس میں گنجائش نہیں۔ آپ کے پاس اتنی فوج موجود ہے کہ اجنبی ایندھن سے بھڑکنے والی ہر بغاوت کی آگ، بجھا دے سکتی ہے۔ لیکن اس فوج کے پاس نہ تو کھانا ہے کہ مفتوحین کا پیٹ پال سکے، نہ حکمت ہے کہ مغلوبوں کے دلوں میں اتار سکے، اور نہ ہی امان ہے کہ خوف زدوں کو اپنے دائرہ حفاظت میں لے لے اور ظالموں کا ظلم روک سکے۔ آپ طماعوں کو اپنے ملک میں نئے نئے امتیازات دے کر فیصلہ کا دن دور کر سکتے ہیں، لیکن آپ کی اس بخشش میں ہمارا حصہ کیا ہے؟ بہت ممکن ہے فیصلہ کے ہولناک دن میں ہم اس بخشش کی بدولت اور بھی زیادہ کمزور، بے کس، اور فقیر ثابت ہوں۔

میرے آقا! ہر سال جو گزرتا ہے، ہمارے بیرونی مددگاروں کی تعداد کم کرتا اور ہماری داخلی زندگی کا ایک چراغ بجھا دیتا ہے۔ یہ انگلستان ہمارے سامنے موجود ہے۔ اب وہ ہماری امداد کا ویسا خواہشمند نہیں رہا جیسا بارہ برس پہلے تھا۔ یہ آسٹریا، جرمنی سے شکست کھانے کے بعد اب مغربی ہونے سے زیادہ مشرقی سلطنت بن گیا ہے۔ اب وہ سلاوی قوموں سے تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے جو ہماری سرزمین میں مقیم ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اندیشہ کی بات یہ ہے کہ یورپ کی عام رائے ہمارے برخلاف ہو گئی ہے۔ ۱۸۵۵ء میں وہ ہماری طرفدار تھی، مگر روز بروز ہم سے منہ پھیرتی

جاتی ہو۔ اگر اعلیٰ حضرت، مہربانی فرما کر پرس، لندن، اور روم کے اخبارات پر ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے گا کہ جو تدبیر انہوں نے اپنی مصلحت سے ہماری مدد کیا کرتی تھیں، اب وہ ہماری تباہی کا یقین کرنے لگی ہیں۔ انگلستان، فرانس، اور اٹلی کے بہت سے مدبر ہمارے حکام کی حرکتیں دیکھ کر اور رعایا پر ظلم و ستم مشاہدہ کر کے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اعلان کرنے لگے ہیں "یہ حکومت ہرگز اپنی اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس کا زوال یقینی ہے ہم بھی اسے چھوڑ دیں۔ اس کی موت جلد واقع ہو جانے دیں!"

میرے آقا! ہمیں ان پیشین گوئیوں کی تکذیب کر دینی چاہیے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ اپنی حکومت میں تبدیلی کریں۔ یہ تبدیلی ضرور بہتر ہو گی، کیونکہ اعلیٰ حضرت کے ارادے اور حکم سے ہو گی۔ ہم فرانس، انگلستان اور اٹلی پر ثابت کر دیں کہ نہ ہماری قومیت نے ہمیں اس کمزوری اور فساد میں گرفتار رکھا ہے، نہ یہ ہمارے مقدس دین ہی کا اقتضا ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم مر چکے ہیں! ہم زندوں کی طرح عمل کر کے دکھا دیں کہ نہیں مرے نہیں ہیں، زندہ ہیں!

میرے آقا! ہم پہلی قوم نہیں ہیں جس پر زمانے نے یورش کی ہے۔ اس کی ہر خوبی بگاڑ ڈالی ہے، اور اس کے تمام قویٰ کمزور کر ڈالے ہیں۔ ہم آخری قوم بھی نہیں ہونگے جس کی ایسی زبوں حالت ہوئی ہے۔ یورپ میں بھی بہت سی ایسی قومیں ہیں جن پر زمانہ اپنی تمام مصیبتوں کے ساتھ ٹوٹ پڑا ہے، اور ان کا حال بھی بالکل ہمارے جیسا ہو گیا ہے۔ میں اعلیٰحضرت کے روبرو عرض کر چکا ہوں کہ گزشتہ صدی میں فرانسیسی قوم کس قدر تباہ ہو گئی تھی۔ کس طرح اس کی صنعت و حرفت برباد ہو گئی تھی۔ کس درجہ اس کی ثروت کمزور ہو گئی تھی کہ ہر دس سال کے بعد دیوالیہ ہو جایا کرتی تھی۔ کس طرح اس کے تمام طبقوں پر ظلم ہو رہا تھا، حتیٰ کہ اس سوسائٹی کے ایک مدبر نے لوئی یازدہم سے کہدیا تھا "آپ کی سلطنت میں کوئی نہیں جو اپنی عزت پر فخر کرے اور وزیر کے استقام سے بچ جائے۔ کوئی نہیں جو اپنی بدحالی پر صبر و شکر کرے اور ایک حقیر چپراسی کے غصہ سے بھی بچ نکلے!" اس ملک میں حکومت کا کوئی رعب و دبدبہ باقی نہ رہا تھا۔ اس کے سامنے عمل کی تمام راہیں بند ہو گئی تھیں۔ حواس گم ہو گئے تھے روز ایک نئی روش اختیار کرتی اور بدلتی تھی۔ جنگ ہفت سالہ کے بعد تو فرانس گر کر تیسرے درجے کی دول کے زمرے میں شمار ہونے لگا تھا۔ لیکن اس نے پھر بہت جلد اپنی اصلی جگہ حاصل کر لی۔ چند ہی سال میں اس کی تمام برباد قوتیں واپس آ گئیں۔ حتیٰ کہ اس کی فوجوں نے پورے یورپ کی متحدہ یلغار روک دی۔

یہ حیرت انگیز کامیابی فرانس نے کیونکر حاصل کی؟ صرف اسوجہ سے کہ اس نے حکومت کے پورے نظام کی جگہ ایک نیا وسیع پیمانہ پر نظام قائم کر دیا تھا۔ بلاشبہ یہ شاندار تبدیلی مصائب سے خالی نہ تھی۔ بہت سا خون بہا، بہت سے آنسو گرے۔ مگر یہ مصائب کچھ اس تبدیلی کا لازمی نتیجہ نہ تھیں۔ ان مصائب کی اصلی وجہ یہ تھی کہ تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جب اس کے لئے ذرا بھی وقت باقی نہ رہا تھا۔ بالکل آخری لمحہ تھا وہ لمحہ جس میں اگر قومیں اٹھ پڑتی ہیں، تو ان کا اٹھنا بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے۔

میرے آقا! ایک فرانسیسی قوم ہی ایسی نہیں ہو جو اپنے مصائب سے نسبتاً سالم نکل آئی ہو۔ فرانس کے علاوہ اور بھی ایسی قومیں موجود ہیں۔ ریاست پیمونٹی (اٹلی) کے نواب نے آرزو کی کہ عظیم الشان آسٹرین قوم کا بادشاہ ہو جائے۔ وہ بادشاہ ہو گیا! کیونکر؟ اس سے کوئی فوج جمع نہیں کی، کوئی رسالہ طیار نہیں کیا۔ اس نے صرف یہ کیا کہ قوم کو ایک آزاد دستور حکومت بخش دیا۔ اس بخشش کے ساتھ ہی اس کی فتوحات شروع ہو گئیں۔ وہ زمین کی فتوحات نہیں جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، دلوں کی فتوحات جو دنیا کی حقیقی فتوحات ہیں۔ وہ پورے اٹلی کے دلوں اور عقلوں پر قابض ہو گیا۔ مرتے وقت اس نے تبسم لبوں سے پیشین گوئی کی تھی "میرے بیٹے وکٹر عمانویل کی سلطنت کا رقبہ میری ریاست کے رقبہ سے تین گنا زیادہ ہو گا" دنیا نے دیکھ لیا کہ بوڑھے نواب کی پیشین گوئی بالکل حق تھی، یہ کیوں ہوا؟ صرف اسوجہ سے کہ دانشمند حکمران نے ٹھیک وقت پر آزادی کا لفظ اپنی زبان سے کہا تھا، وہ لفظ جو اپنے تین حرفوں میں دنیا کی تمام سعادتیں اور کامرانیاں پوشیدہ رکھتا ہے!

میرے پاس اس سے بھی زیادہ روشن اور صاف مثالیں موجود ہیں اور اس کی مستحق ہیں کہ اعلیٰ حضرت ان پر نظر غائر ڈالیں۔ لیکن میں اس عریضہ میں ان سب کا ذکر نہیں کر سکتا۔ میں آسٹریا کا ذکر کروں جو اپنی دستوری آزادی کے سہارے وقت کے عظیم خطروں سے محفوظ گزر رہی ہے؟ پروشیا کا ذکر کروں جو ابھی کل کی بات ہے کہ اپنی تہذیب کی بدولت میدان جنگ سے فتحمند نکلی ہے؟ لیکن مجھے زیادہ بیان کی ضرورت نہیں۔ میں جس قدر عرض کر چکا ہوں، اعلیٰ حضرت کو مطمئن کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اعلیٰ حضرت! قوموں کی آزادی ان کا حق ہے۔ ان کی امانت ہے۔ ان کا ورثہ ہے۔ اور حکومتوں کا فرض ہے کہ اس امانت کے سپرد کر دینے میں تساہل نہ کریں۔ یہ سپردگی ان کی قوت بڑھاتی ہے اور انھیں ہر طرح کے خطروں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ آج دنیا کی تمام حکومتیں اس امانت کی سپردگی پر مجبور ہو گئی ہیں۔ کونسی وجہ ہے کہ عثمانی حکومت اس عام اجتماعی حالت سے مستثنیٰ تصور کر لیا جائے؟ کیا ترکی قوم زمرۂ اقوام میں شامل نہیں ہے؟

پھر ایسا کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ ہمارا دین ہمیں ترقی و سعادت سے محروم رکھتا اور تمدن و شائستگی سے دور رکھنا چاہتا ہے؟ میرا جلیل القدر آقا مجھ سے زیادہ واقف ہے کہ ایک لمحہ کے لئے یہ گمان صحیح نہیں ہو سکتا۔

میرے آقا! اس دنیا میں دو سیاستیں نہیں ہیں: اسلامی اور مسیحی۔ عدل ایک ہی ہے، اور سیاست اس عدل کے سوا کچھ نہیں جو حاکم کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے۔

یہ ہمارا دین نہیں ہے بلکہ ہمارا قدیم نظام ہے جو ہمیں فنا کر رہا ہے۔ اس نے ہمارے مدبروں کی طبیعت بگاڑ دی اور ان کی خودداری زائل کر دی پھر ان مدبروں نے سلطنت کی طبیعت بگاڑ دی اور اس کی عزت تلف ہو گئی۔ پس ہمیں یہ نظام ترک کر دینا چاہیے اور اس کی طرف کبھی لوٹنا نہیں چاہیے۔ اس نظام کے بوجھ کے نیچے امت پڑی سسک رہی ہے۔ یہ نظام حملہ آور دشمن سے ہمیں کبھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہمیں وہ نظام اختیار کرنا چاہیے جو عدل و مساوات اور حریت صادقہ کا نظام ہے، اور جسکا تقاضا یہ ہے کہ جہاں کہیں قائم ہو جاتا ہے وہاں قوموں کو ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتا ہے اور عظمت کے محل طیار کر دیتا ہے۔

کیا ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ وہ صوبے جو ابھی حال ہی میں ہم سے جدا ہوئے ہیں اور جنھیں اپنے خون یا دین کے لحاظ سے ہم پر کوئی ترجیح حاصل نہیں، آزاد نظام حکومت کا خیر مقدم کریں، اور ہم پیش پیش میں پڑے رہیں؟ کیا اپنی سلطنت میں ایسے سچے اور مخلص محب وطن موجود نہیں ہیں جیسے تھسر، ٹیونس، مولڈاویا، رومانیہ، اور سربیہ میں ہیں؟ کیوں نہیں ضرور ہیں۔ انھیں بلائیے، وہ سر کے بل دوڑ کر آئیں گے۔ ہر شہر میں رعایا کی پسند سے ایک گروہ منتخب کیجئے، وہ آپکے سامنے رعیت کے معاملات بے نقاب کرے گا، اور پھر وہ راہ عمل باز ہو جائے گی جس کی جانب حضور کی ابوی شفقت کا رجحان ہے۔ اس کے بعد اپنے شاہانہ ارادے سے رعایا کے نمائندوں کو اپنی سلطنت کے مرکز میں جمع کیجئے۔ وہ عرش اعظم کے روبرو رعیت کی ضرورتیں پیش کرینگے اور عتبۂ عالیہ تک اس کی آرزوئیں پہونچائیں گے۔

ایک طبیب کہا کرتا تھا "مجھے ایک گز کپڑا دو، میں تمھیں ایک شریف آدمی دے دوں گا"، اے میرے آقا آپ بھی اپنی سرپرستی میں حقوق عطا کر کے اپنی رعایا کو محنتی، اولوالعزم، اور زندہ بنا دے سکتے ہیں۔ وہ آزادی کی بخشش پر حضور کی شکر گذار ہو گی، ظلم اٹھ جانے پر دعائیں دے گی۔ آپ کی خدمت کے لئے اپنی جانیں قربان کرے گی۔ آپ کی، اپنی اور سلطنت کی بھلائی کے لئے کوشش کرے گی۔ اس کی عقل درست ہو جائے گی۔ اس کا نفس پاک ہو جائے گا، اور اس طرح وہ اسلان کی فضیلتیں دوبارہ حاصل کرے گی۔ جب خطرے کا بگل بجے گا، تو وہ ہتھیلیوں پر سر لے کر دوڑے گی، عرش معظم کے گرد جمع ہو جائے گی، اور اعلیٰ حضرت کی نصرت میں خوش و خرم موت کا خیر مقدم بجا لائے گی کیونکہ وہ سمجھے گی، اس کی تمام سعادتوں کا ضامن سریر حشمت یہی عرش مبارک ہے۔

میں یہاں اس دستوری نظام حکومت کی تشریح کرنی نہیں چاہتا جسے میں ملک کی قابلیت، اخلاق، اور روایات کے مطابق دیکھنے کا متمنی ہوں۔ میں عنقریب یہ دستور اعلیٰ حضرت کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ اسے میں نے اور میرے رفقا نے ترتیب دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے علم میں یہ حقیقت پہلے سے موجود ہے کہ میں صاحب غرض نہیں ہوں۔ مجھے نہ کسی منصب کی طلب ہے نہ کسی عطیے اور بخشش کی آرزو۔ میری غرض صرف اس قدر ہے، اور میں بلند آہنگی سے اس کا اعلان کرتا ہوں، کہ اعلیٰ حضرت کے روبرو سلطنت کی عظیم اکثریت یعنی مسلمانوں اور مسیحیوں کی آرزو رکھ دوں۔ یقیناً جلاوطنی کی تمام تلخیاں مجھ پر آسان ہو جائیں گی اگر ذات شاہانہ کے سامنے حقیقت عریاں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت سلطان معظم! سب سے پہلے خود اپنے ضمیر طاہر کی طرف رجوع کیجئے کہ وہ اس زمانے میں آپ کا کیا فرض بتاتا ہے، جبکہ آپ کی رعیت حیرت میں پڑ گئی ہے اور پورے معنی میں تباہ ہو رہی ہے؟ یہ ایک جلیل القدر عمل ہے۔ اسے وہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عزم و شہامت کا وصف عطا فرمایا ہے۔ جو کوئی بھی یہ عمل عظیم انجام دے گا، تاریخ اس کا نام ہمیشہ یاد رکھے گی اور تمام مخلوق اس کا نام عزت و شکر گزاری کے ساتھ لیتی رہے گی!

میرے آقا! اگر زمانے نے حضور والا کو وہ شرف نہیں بخشا جو کچھ اجداد کے حصے میں آیا تھا، یعنی آپ کے ہاتھوں اس عظیم سلطنت کی بنیاد نہیں پڑی، تو زمانے نے یہ شرف آپکے لئے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ اس سلطنت کی عظمت رفتہ دوبارہ واپس لانے کا کام آپ ہی کے دست مبارک سے انجام پائے۔ تمام صادق محبان وطن بلکہ آپ کی کروڑوں مسلمان اور مسیحی رعایا کی آوازیں اس دعوت میں میری شریک ہیں کہ حضور اس عمل عظیم و اشرف کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت ہی اس کے اہل ہیں۔ یہ شرف حضور کے اسم گرامی کو ان عظماء تاریخ کے بلند ناموں کی صف میں لکھ دے گا جن کی تمام مخلوق تعظیم کرتی اور جن کی عظمت کے راگ تمام قومیں گا رہی ہیں"

مصطفےٰ فاضل ۱۹۰۶ء

خط و کتابت

میں

اپنا نمبر ضرور لکھا کیجئے جو ہر ہفتہ رسالہ کی چٹ پر

آپکے نام کے ساتھ درج ہوتا ہے۔

منیجر

برید شرق

مکتوب آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

قصر یلدیز کے ہوٹل کی بندش۔ تجلیٔ انتخابات۔ ایک نئی سازش۔ ترک اور افغان۔ ٹرکی اور ایران

قصر یلدیز کے ملعب کی بندش

آپ کے قارئین، قصر یلدیز کے نام سے ناآشنا نہ ہونگے۔ یہی وہ محل بلکہ قلعہ ہے جہیں بیٹھ کر سلطان عبدالحمید ثانی نے کامل ۳۳ سال تک ایسے استبداد و قہر کی حکومت کی، جو موجودہ دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی!

یلدیز، باسفورس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اس کا پہلا پھاٹک بالکل لب سمندر ہے۔ یہاں سے صنوبر کے گھنے اور خوبصورت جنگل شروع ہوجاتے ہیں۔ انہیں طے کرکے محل تک پہنچنے کے لئے تیز موٹر کار میں بھی کم سے کم پندرہ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ بہت بلندی پر محل، مستحکم قلعہ کی طرح کھڑا ہے۔ پہلے اس کے گرد میلوں تک، مورچے اور قلعہ بندیاں تھیں

اُس زمانے میں یلدیز کا نام ترکوں کے دل لرزا دیتا تھا۔ یلدیز کا نام لینا، یلدیز کا ذکر کرنا، یلدیز کا لفظ تحریر میں لانا، یلدیز کی طرف نظر اُٹھانا، یہ سب باتیں انسان کو حکومت کی نظر میں مشتبہ کردینے کے لئے کافی تھیں۔ اُسوقت بڑے بڑے حکام کے ہوا، کسی ترک کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ اندر سے یلدیز کی کبھی جھلک دیکھ لے سکتا ہو!

۳۳ سال کے بعد یلدیز کا یہ طلسم ٹوٹا۔ سلطان محمد خامس مرحوم کے زمانے میں اُس کی وہ ہیبت باقی نہیں رہی۔ لیکن عوام کے لئے اُس کا داخلہ اب بھی ناممکن تھا۔

وحیدالدین محمد سادس، آخری عثمانی سلطان کے زمانے میں پھر یلدیز نے اپنا رعب واپس لینا شروع کردیا تھا۔ یہ سلطان، اپنے بھائی عبدالحمید کی سی طبیعت رکھتا تھا، اور اُسی جبروت سے حکومت کرنی چاہتا تھا۔ مگر زمانے کے انقلابات نے اُسے مہلت نہ دی اُسے تخت سلطنت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجانا پڑا۔

آخری خلیفۂ سلطان عبدالمجید کے مختصر عہد میں یلدیز کی تمام ہیبت زائل ہوگئی۔ جمہوریت نے آتے ہی اُس کے دروازے عام مخلوق کے لئے کھول دیئے۔

جمہوری حکومت نے یہ محل آستانہ کی بلدیہ (میونسپلٹی) کو دے دیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح استعمال میں لایا جائے کہ شہر کے باشندوں کی خوشحالی میں ترقی ہو۔ اور اُس کے قیام و مصارف کا بار خزینۂ حکومت پر نہ پڑے۔ اُسی زمانے میں ایک اٹالین سرمایہ دار مابوسیرانامی نے درخواست پیش کی کہ یہ محل اُسے کرایہ پر دیدیا جائے۔ وہ اس میں ہوٹل اور ملعب (تفریح کی جگہ) قائم کرے گا، اور ایک معقول رقم حکومت کو دیا کرے گا۔ ترکی حکومت نے یہ تجویز اس شرط پر منظور کرلی کہ ترک باشندوں کو اُس میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اُس کے قیام کا اعلان دنیا کے تمام بڑے بڑے شہروں میں کردیا جائے حکومت کا خیال تھا کہ اس طرح ترک، اسراف سے بچ جائیں گے اور دوسرے ملکوں کے دولت مند یہاں آکر اپنی دولت بہائیں گے۔ اور اس طرح شہر کو وہ عظیم مالی فوائد حاصل ہوں گے جو اسوقت تک صرف یورپ کے بڑے بڑے شہروں کو حاصل ہورہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ارکان حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اُنھوں نے معاملہ کا صرف ایک ہی پہلو دیکھا، اور تمام پہلو نظر انداز کردیئے۔

بہرحال اٹالین نے شرائط منظور کرلیں، اور افسوس ہے کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ ترکی سلاطین کے پایۂ تخت میں لہو و لعب کا یہ عظیم الشان مرکز قائم ہوگیا!

ٹھیکہ کی باقی شرطیں یہ تھیں کہ ماہوار کرایہ کے علاوہ بلدیہ کو ہوٹل کی آمدنی سے بھی فی صدی ایک معقول رقم دیجائے گی۔ چنانچہ بلدیہ نے پہلی قسط ۱۲۵،۰۰۰ (ترکی پونڈ) کی ہوٹل کی آمدنی سے وصول کئے اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار کو۔ الا کہ ترکی پونڈ نفع ہوا۔

تقریباً ۱۲ مہینے یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس تمام مدت میں بلدیہ کو برابر شکایت رہی کہ کرایہ دار معاہدے کی شرطیں پوری نہیں کررہا ہے۔ ترکی اخبارات میں روز مضامین شایع ہوتے تھے اور اعداد و شمار سے لکھا جاتا تھا کہ اس ملعب سے ترکی قوم کی کتنی دولت ضائع ہورہی ہے؟ بجائے اس کے کہ یورپ کے سرمایہ دار یہاں آکر اپنی دولت صرف کریں، خود ترکوں کی دولت برباد کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ہوٹل میں علانیہ قمار کھیلا جاتا تھا، اور اس کا شوق ترکوں میں بھی پھیلنے لگا تھا۔ دنیا کی یہ شریف ترین قوم اب تک قمار کے مہلک مرض سے محفوظ تھی، لیکن اس اٹالین سرمایہ دار کی زبردستی اور ارکان حکومت کی ناعاقبت اندیشی نے اس سے ترکوں کو بھی آشنا کردیا!

ایک طرف یہ بربادی پھیلی ہوئی تھی، دوسری طرف یورپ کے دولتمندوں نے گویا اس کا مقاطعہ کررکھا تھا۔ اول تو کرایہ دار نے اس مرکز کا یورپ کے مراکز تفریح میں اعلان ہی نہیں کیا، کیونکہ اُس نے دیکھا، مقامی آبادی ہی اُس کی مطلب براری کے لئے کافی ہے پھر یہ بھی ہوا کہ قومی تعصب کی وجہ سے دوسری قوموں کے دولتمند، لندن پیرس، برلن کو چھوڑ کر اپنی دولت ترکوں میں خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے

الحمدللہ کہ، اہ کی غفلت کے بعد اب حکومت متنبہ ہوئی اور اُسنے فیصلہ کرلیا کہ اس عظیم خطرے کا سدباب کردے۔ چنانچہ کل رات کو کمشنر نظیف بک پولیس کی ایک بڑی جمعیت لے کر محل یلدیز میں گھس پڑے۔ قمار خانے میں داخل ہوئے۔ وہاں بازیاں لگ رہی تھیں۔ حاضرین میں ایک اچھی تعداد ترکوں کی موجود تھی۔ ایک ترک طالب علم بھی موجود تھا۔ لوگ اسے آسانی بلا سمجھ کر بھاگنے لگے۔ مگر کمشنر نے ڈپٹ کر کہا:

"کھیل ختم ہوگیا۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے!"

چنانچہ سب بہوت کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ فوراً اُن کے نام لکھے گئے۔ بازی کی رقمیں جمع کی گئیں۔ کل ۲۰،۰۰۰ پونڈ تھے۔ پھر قمار خانے کا صندوق ضبط کیا گیا۔ اُس میں ۴۰،۰۰۰ پونڈ تھے۔ ایک شخص اتنی ہی رقم لئے بھاگ رہا تھا، اُسے بھی گرفتار کیا گیا۔ پھر محل کے تمام دروازے مقفل کردیئے گئے اور محافظ پھاٹکوں پر کھڑے ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد کمشنر نے حسب ذیل بیان شایع کیا:

"حکومت نے صرف اس بات کی اجازت دی تھی کہ اجنبی لوگ یلدیز میں اپنا ملعب قائم کریں تاکہ اس سے شہر کو مالی منفعت حاصل ہو لیکن ماربوسیر انے معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اُسے شہر کے لئے ایک نہایت خطرناک قمارخانہ بنا دیا۔ جسے کسی حال میں بھی حکومت گوارا نہیں کرسکتی۔ مجبوراً حکومت نے فیصلہ کرلیا کہ معاہدہ منسوخ کردے اور قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائے"

اس طرح ترکوں کو یلدیز کی مصیبت سے دوبارہ نجات مل گئی۔

مجلس کے انتخابات

مجلس (پارلیمنٹ) کے انتخابات ختم ہوگئے۔ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی پوری جماعت انتخابات میں کامیاب ہوگئی۔ کسی دوسری جماعت کا ایک آدمی بھی نئی مجلس میں نہ ہوگا۔ تمام کرسیاں "خلق فرقہ سی" کے آدمیوں ہی کے قبضہ میں رہیں گی۔

اس کامیابی پر غازی ممدوح نے قوم کے نام ایک اعلان شایع کیا ہے۔ اُس میں لکھتے ہیں:

"میرے عزیز برادران وطن نے اپنی متفقہ رائے سے ثابت کردیا کہ وہ ہماری سیاسی جماعت پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اُس کی گزشتہ خدمات بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں، اور اُس کے آئندہ مسلک کو مفید یقین کرتے ہیں۔ یقیناً اُن کا یہ اعتماد، ہمارے لئے بہت ہمت افزا ہے۔ اُسنے ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے پہلے سے بھی زیادہ قوت بخش دی ہے"

بلاشبہ یہ کامیابی ہے۔ لیکن اس میں ایک پہلو ایسا بھی موجود ہے جو ہر شخص کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے، جیسا کہ پچھلے مکتوب میں لکھ چکا ہوں کہ موجودہ انتخابات میں اس جمہوری جماعت کے سوا کوئی دوسری جماعت شریک ہی نہیں ہوئی تھی۔ لہذا ہر حال میں یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ اس جماعت کے امیدوار منتخب ہوجائیں اسے کوئی ایسی کامیابی نہیں کہہ سکتے جو مقابلہ کے بعد حاصل ہوتی ہو۔

یہ اہم پہلو، خود انگورہ کے نیم سرکاری اخبار "حاکمیت ملت" کو بھی زیر بحث لانا پڑا۔ وہ اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:

"دوسرے ملکوں میں انتخابات، مختلف ذہنی مذاہب (اسکول) یا مختلف طبقوں کے ذاتی منافع کی بنا پر ہوا کرتے ہیں۔ انہیں دونوں سببوں سے مختلف سیاسی جماعتیں قائم ہوجاتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر جماعت برسر اقتدار آنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن ٹرکی میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ یہاں اب تک ایسے طبقے موجود نہیں ہیں جن کے مفاد مختلف ہوں۔ ٹرکی میں سرمایہ داروں، مزدوروں، اور متوسط الحال لوگوں کی جماعتیں موجود نہیں ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی قوم ہے اور تمام باشندے مشترک مفاد و اغراض رکھتے ہیں"

"بلاشبہ حالت امن میں یہاں بھی دو فکری رجحان پیدا ہوجاتے ہیں: ایک گروہ کا فکری رجحان یہ ہوتا ہے کہ ملک کی نجات و سلامتی ماضی میں، ماضی کی تقلید میں، اور قدیم رسم و رواج کی پابندی میں ہے۔ دوسرے گروہ کی رائے میں کامیابی تمام تر اصلاح و تجدد میں ہے پہلے گروہ میں عامۃ الناس اور غیر تعلیم یافتہ اشخاص داخل ہیں دوسرا

گروہ، تعلیم یافتہ اشخاص کا ہو"

"یہ دونوں فکری رجحان، ٹرکی میں ۳۰ برس سے متصادم ہوتے ہیں۔ سیاست، فوج، ادب، علم، کوئی میدان نہیں جس میں یہ دونوں نقطہ ہائے فکر باہم دست بگریباں نہ ہوں"

"لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر بہت سی جماعتیں نہیں تو کم سے کم دو جماعتیں ملک میں ضرور موجود ہیں اور برسر اقتدار آنے کے لئے متصادم ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس وقت عملاً صرف ایک ہی سیاسی جماعت موجود ہے، اور وہ حامیان اصلاح و تجدد کی ہے"

"اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ حامیانِ اصلاح اپنے مقاصد کا بیانگ دہل اعلان کرتے ہیں اور مقرر و منضبط لائحہ عمل رکھتے ہیں۔ برخلاف انکے حامیان جمود و تقلید میں اپنے مقاصد کے اعلان کی جرأت نہیں درحقیقت وہ کوئی معین راہ عمل رکھتے ہی نہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان میں باہم کوئی فکری رابطہ بھی موجود نہیں ہے جو ایک باقاعدہ جماعتی شکل پیدا کر سکے۔ ہر کوئی اپنی ایک علیحدہ مضطرب اور مبہم رائے رکھتا ہے اور دوسرے کے ساتھ ملنے پر آمادہ نہیں ہے"

"یہی سبب ہے کہ عملی طور پر یہ جماعت مرگئی ہے۔ کسی طرح بھی اپنے حریف کے مقابلے میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُس کی اس عملی موت نے اُس میں یہ خطرناک مرض بھی پیدا کر دیا ہے کہ وہ پس پردہ سازشوں اور خیانتوں کے جال بناتی اور ملک میں پھیلانے کی کوشش کرتی ہے"

یہ کہنا ضروری نہیں کہ "حاکمیت ملیت" کی یہ رائے افراط و تفریط سے خالی نہیں ہے۔

ایک نئی سازش

اس ہفتے ایک نئی سازش پر سے پردہ اُٹھا ہے۔ آپکے قارئین کو یاد ہوگا کہ معاہدۂ لوزان کے بعد ہی ترکی حکومت نے اپنی سرحدوں سے ۱۵۰ آدمیوں کو ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا تھا۔ کیونکہ اُن کی پچھلی زندگی، سازشوں اور خیانتوں سے لبریز تھی۔

یہ لوگ ٹرکی سے نکلکر یونان، مصر، شام وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے اور ترکی حکومت سے انتقام لینے کی فکریں کرنے لگے۔ یونان میں پناہ گزیں خائنوں کی روش بہت مشتبہ تھی۔ ترکی خفیہ پولیس برابر ان کی نگرانی کرتی رہتی تھی۔

انھوں نے کئی سال مطمئن زندگی بسر کرنے کے بعد خیال کیا کہ ترکی حکومت اُن سے بالکل غافل ہوگئی ہے۔ چنانچہ حکومت یونان کے بھروسے پر ایک سازش بنائی اور عمل کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سازش کا سرغنہ، حاجی سامی ہے۔ یہ چرکسی قوم کا آدمی ہے اور اپنے وقت کا منہ زور جرائم پیشہ اور خونریز رہ چکا ہے۔ انجمن اتحاد و ترقی کی حکومت کے زمانے میں اسنے سیکڑوں خون کئے تھے۔ مرحوم انور پاشا جب ترکستان گئے تو یہ بھی وہاں پہونچا اور جنگ میں شریک ہوگیا۔ اُن کی شہادت کے بعد پھر ٹرکی واپس آیا اور اپنا پرانا مشغلہ جاری کر دیا۔ معاہدۂ لوزان کے بعد حکومت نے اسے بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

پچھلے ہفتے ترکی پولیس کو معلوم ہوا کہ یہ یونان سے اپنا مسلح چرکسی جتھا لے کر سمرنا پہونچا ہے، اور غازی مصطفےٰ کمال پاشا کی جان لینے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فوراً اُسے گرفتار کرنا چاہا۔ مگر اُسنے مقابلہ کیا بمقابلہ میں وہ خود مارا گیا، مگر اُس کی پوری ٹولی قید ہوگئی۔

اس ٹولی میں تمام چرکسی لوگ شامل ہیں۔ بعض کے نام یہ ہیں: مجید کوچک، مجید کلاں، حقی قاتل، مکی برادر حاجی سامی۔ ان لوگوں نے اپنی سازش کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ انگورہ کے قریب مقام "لفلو خان" میں جاکر قیام کرینگے۔ یہاں تک کہ جب غازی موصوف اور اُن کے وزراء اسلام کے وسط میں انگورہ واپس ہونگے تو مذکورہ بالا گاؤں میں اُن کی ریل ڈائنامیٹ کے ذریعہ اُڑا دیجائیگی

تلاشی لینے پر ان لوگوں کے پاس سے سادے کاغذ کی ایک کتاب دستیاب ہوئی۔ پولیس کو شبہ ہوا تو اُس کی کیمیاوی تحقیقات کرائی گئی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اس میں غیر مرئی روشنائی سے اُن کے باقی ہم خیالوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس طرح حکومت کو اس پورے جتھے کا علم ہوگیا۔ اس سلسلہ میں ایک پنشن یافتہ فوجی افسر عاطف بک کی گرفتاری بھی عمل میں آئی ہے۔

ترک اور افغان

حال میں حکومت افغانستان نے فوجی تربیت و تعلیم کے لئے اپنے متعدد افسر ٹرکی بھیجے ہیں۔ انہیں باہر شادی کرنے کی سخت ممانعت تھی تاہم صوبہ دار محمد اکرم خاں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسنے اس بارے میں افغانی سفیر کو درخواست دی سفیر نے درخواست، کابل بھیجدی۔ کابل سے خود امیر امان اللہ خاں کا حکم آیا کہ شادی اجازت دیدی جائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ تمام افغانی افسران کو بھی اب ترک خاتونوں سے شادی کی آزادی دیدی جائے۔ ساتھ ہی شاہ افغانستان نے یہ بھی لکھا کہ یہ شادی، ترکی قانون مدنی کے موافق عمل میں آئے۔ فرمان عالی میں یہ بھی لکھا تھا کہ "میں نہایت خوش ہوں گا اگر افغان افسر اپنی ترک بیویوں کے ساتھ کابل پہنچیں۔ ترکی اجتماعی زندگی کے اصول سیکھ کر آئیں اور اپنے ملک میں اُنھیں رائج کریں"

ٹرکی اور ایران

پچھلے دنوں بعض سرحدی حوادث کی وجہ سے ٹرکی اور ایران میں کشیدگی کے آثار پیدا ہوگئے تھے، جیسا کہ میں بروقت آپ کو مطلع کر چکا ہوں لیکن اب دونوں حکومتوں کے تدبر سے جملہ غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں۔ اس کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ اسی ہفتے ایرانی سفارتخانے میں ترکی وزیر خارجہ توفیق رشدی بک اور ترکی سفیر متعینۂ طہران ممدوح شوکت بک کو نہایت پرتکلف دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ایرانی سفیر نے تقریر کرتے ہوئے بہت زور دار الفاظ میں کہا کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں، اور ہمیشہ دوستانہ ہی رہیں گے۔

مکتوب مصر

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قاہرہ کے قلم سے)

نئے رہنما کا انتخاب

سعد پاشا زغلول کی وفات کے بعد اُن کے جانشین کے انتخاب کا معاملہ بہت اہم اور مشکل تھا۔ ظاہر ہے اس وقت مصر کی توجہات کا مرکز، اس مسئلہ کے سوا، کوئی دوسرا مسئلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن انگلستان میں بھی اسکی وجہ سے بیچینی کچھ کم نہ تھی۔ مصر میں انگلستان کی تمام امیدیں اسی مسئلہ سے وابستہ تھیں اور وہ انتہائی اضطراب سے فیصلہ کا انتظار کر رہا تھا۔

حسب عادت انگریزی اخبارات نے مصر کی متفقہ صفوں میں پھوٹ ڈالنے کی پوری کوشش کی۔ ایک طرف احمد زیور پاشا کی پیٹھ ٹھونکنا شروع کی کہ اب موقعہ ہے۔ ہمت کرو اور برسر اقتدار آجاؤ۔ دوسری طرف اعتدال پسندوں، یعنی عدلی پاشا اور ثروت پاشا کی جماعت کو اُکسایا کہ وفد کی جماعت، مصر کی پوری سیاست پر حاوی ہو رہی ہے۔ اب وقت ہے اُسے گرا دو!

تیسری طرف خود وفد کی جماعت میں بھی نااتفاقی ڈالنی چاہی۔ اس غرض کے لئے فتح اللہ پاشا برکات سے بہتر کوئی شخص نہیں مل سکتا تھا۔ موصوف، مرحوم زغلول پاشا کے بھانجے ہیں اور اُنکے ساتھ جہاد ملی میں بے شمار مصائب برداشت کر چکے ہیں۔ ان اخبارات نے خیال کیا کہ تعریفیں کر کے انہیں وفد کی صدارت کے لئے کھڑا کر دینا چاہئے۔ وفد کی جماعت، بعض مواقع کی بنا پر ان کی سرداری قبول نہیں کرنا چاہتی۔ اس طرح آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ملک کی سب سے بڑی سیاسی قوت درہم برہم ہو جائے گی۔

مگر مقام مسرت ہے کہ یہ تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ زیور پاشا نے کان ہلائے، مگر عام رائے سے مرعوب ہو کر خاموش ہوگئے۔ اعتدال پسند نے بھی قابل تعریف رویہ اختیار کیا، اور وفد کی جماعت سے لڑنا منظور کر دیا۔

خود وفد نے بھی نہایت دانش مندی سے کام لیا اور مرحوم رہنما کی جانشینی کا مسئلہ بڑی ہی خوش اسلوبی سے حل کر دیا۔ فتح اللہ پاشا برکات نے جنھیں انگریزی اخبارات، برات کا دولھا بنانا چاہتے تھے، صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ مجھے سرداری کی طلب نہیں ہے۔ میں وفد کے فیصلے کے سامنے ہر وقت بلا کسی قید و شرط کے سر خم کرنے کو طیار رہوں۔

وفد نے اپنا فیصلہ ۲۶ ستمبر کو سنا دیا۔ یہ جلسہ نہایت عظیم الشان تھا تقریباً تمام ارکان جمع تھے۔ جلسہ کی کارروائی، محمد نجیب الغرابلی پاشا کی تقریر سے شروع ہوئی۔ یہ تقریر پورے وفد کی جانب سے تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"جو کوئی سعد کی ذات خاص کا مددگار تھا، تو سعد مر گئے۔ لیکن جو سعد کے اصول کا حامی تھا، تو سعد کے اصول باقی ہیں، کبھی مرنے والے نہیں۔

"بلاشبہ سعد مر گئے۔ بہت سے دل، جو اُن کی ہیبت سے خائف تھے مسرت سے اُچھلنے لگے۔ بہت سے سر جو اُنکے رعب سے خم تھے، بلند ہونے لگے فتنہ کا سر اپنی دونوں آنکھیں تم میں ہر طرف پھرانے لگا کہ کوئی شگاف دیکھ اور دوڑ آئے۔ لیکن قدیر و حکیم خدا نے تمھیں اُس کی نظر بد سے بچا لیا۔ تم نے خدا کی توفیق سے فتنہ کی آنکھ پھوڑ ڈالی۔ اپنا اتحاد بچا کر شیطان کو مایوس کر دیا، وہ تمھارے متحدہ علم دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگنے پر مجبور ہو گیا

"وفد نے اپنے قانون کے بموجب اپنی صدارت کے معاملے پر غور کیا۔ پورے غور و خوض کے بعد اُس کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہ جلیل القدر منصب ایک ایسے شخص کے سپرد کرے، جسے تم سب جانتے ہو اور حق کی حمایت میں اُس کا حصہ دیکھ چکے ہو۔ وہ مصائب میں ہمیشہ ثابت قدم رہا۔ تکلیفوں میں اُس کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ ایمان میں اُسنے ہمیشہ سبقت کی۔ آزادی کے لئے اُسنے اپنی زندگی وقف کر دی۔

"وہ شخص کون ہے؟ وہ مصطفیٰ نحاس ہے! ....."

اس تقریر کے بعد اور بہت سی تقریریں ہوئیں اور مصطفےٰ نحاس باشا بالاتفاق، وفد کے صدر، اور پارلیمنٹ کی دونوں مجلسوں میں جماعت وفد کے رئیس منتخب ہوگئے۔

وفد کا پیغام

مصری وفد نے قوم کے نام حسب ذیل پیغام شائع کیا ہے:

"ابنا وطن اعظم القدت خدائے بزرگ و برتر کی مشیت پوری ہوئی اور سعد زغلول کا انتقال ہوگیا۔ تم اُس کے فراق پر رنج سے روئے لیکن رحمت الٰہی نے اس کے سوا کچھ منظور نہ کیا کہ تمھارے سردار کو ویسی ہی شریف موت دے، جیسی شریف زندگی اُسے بخشی تھی۔ چنانچہ جس طرح وہ مجاہد زندہ رہا تھا، اُسی طرح مجاہد ہی مرا۔ دنیا و آخرت، دونوں میں اُس کے لئے مجاہدین کا ثواب جزیل موجود تھا!

"سعد مر گیا، اس سے تمھارے دل ٹوٹ گئے۔ بعض لوگوں نے تمھارا رنج و الم دیکھ کر کہنا شروع کر دیا کہ اُس بڑے سینے میں جو بڑی بڑی آرزوئیں پنہاں تھیں، اُس کی موت ہی کے ساتھ سب مر گئیں۔

دلآزار مذہبی تحریریں اور مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اسلام اور سزائے قتل

ایک جویائے حق کے خط کا جواب میں

(۲)

یہاں تک میں نے جو کچھ لکھا، وہ اس باب میں ایک اصولی بحث تھی۔ میں نے ابھی اس طرف توجہ ہی نہیں کی ہے کہ جن باتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے اُن کی اصلیت کیا ہے اور وہ فی الحقیقت اسلام کے احکام ہیں یا نہیں؟ میں صرف یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ صورتِ حال کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن آپ کا طریق نظر صحیح نہیں ہے۔ آپ اسلام کی حقیقی تعلیم معلوم کرنے کے بعد محض اس وجہ سے اپنے آپ کو "شک و شبہ" کے حوالے کر دیتے ہیں کہ "دوسرے مسلمانوں" کا فہم و عمل اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ "دوسرے مسلمانوں" کا یہ بیان کردہ فہم و عمل فی الحقیقت خلاف ہے یا نہیں؟ اس سے بھی ابھی کوئی بحث نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک جویائے حقیقت انسان جس کا مقصد جھگڑا و نزاع نہیں بلکہ سچائی کی طلب و تحقیق ہے، کیوں راہِ تحقیق میں اصل تعلیم چھوڑ کر لوگوں کے فہم و عمل سے متاثر ہو، اور اس کی وجہ سے "شکوک و شبہات" میں مبتلا ہو جائے!

بہ حیثیت ایک طالبِ حق و صداقت کے یہ بات پیشتر سے آپ کے علم میں ہونی چاہیے کہ مذاہب کی تعلیم اور پیروانِ مذاہب کا فہم و عمل دو مختلف چیزیں ہو گئی ہیں۔ ایک چیز نہیں ہیں۔ اور اس لئے اگر اس طرح کا کوئی اختلاف آپ کے علم میں آتا ہے، تو یہ کوئی نیا انکشاف نہیں ہے جس سے آپ حیران و سراسیمہ ہو جائیں، بلکہ بیشتر کی سمجھی بوجھی ہوئی بات کا ایک مزید معائنہ اور تجربہ ہے۔ تجربہ شک و شبہ کا باعث کیوں ہو؟ اس سے تو آپ کے علم و یقین میں اور زیادہ اضافہ ہونا چاہیے!

دعوتِ قرآنی کی بنیادی اصل

یہ موقعہ زیادہ تفصیل و بحث کا نہیں ہے ورنہ میں آپ کو بتلاتا کہ جستجوئے حقیقت اور معرفتِ صداقت کی یہی وہ بنیادی اصل ہے جس کی آج سے تیرہ برس پہلے قرآن حکیم نے نوعِ انسانی کو دعوت دی تھی۔ دراصل قرآن کی ساری تعلیم اسی اصل کی شرح ہے۔ قرآن جس وقت نازل ہوا، اُس وقت دنیا میں مذاہب کے پیروؤں کی کمی نہ تھی، لیکن مذاہب کی حقیقت گم ہو چکی تھی۔ اُسی طرح گم تھی۔ جس طرح آج بھی گم ہے۔ مذاہب کے پیروؤں کی بے شمار جماعتیں قائم تھیں، اور ہر جماعت صرف اپنے ہی کو سچائی کی وارث اور ہر دوسری جماعت کو سچائی سے محروم یقین کرتی تھی۔ سچائی کی راہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن کے لئے یہ بہ ظاہر دو ہی طریقے ہو سکتے تھے: یا تو تمام پیروانِ مذاہب کی تصدیق کر لیتا یا سب کی تکذیب کرے۔ سب کی تصدیق کی نہیں جا سکتی تھی کیونکہ ہر ایک کا دعویٰ دوسرے سے متضاد تھا۔ ہر جماعت نہ صرف اپنی صداقت کی مدعی تھی، بلکہ دوسرے کے بطلان کی بھی مدعی تھی۔ اس لئے سب کی تصدیق کے معنی یہ تھے کہ سب کو بہ یک وقت حق اور باطل، دونوں تسلیم کر لیا جائے۔ اسی طرح سب کی تکذیب بھی صداقت کے خلاف تھی۔ کیونکہ اس صورت میں دنیا کا مذہبی صداقت سے خالی ہونا لازم آتا تھا، اور انسان کی روحانی ہدایت و تربیت کی تمام بنیادیں منہدم ہو جاتی تھیں۔ پس اُسنے ان دونوں طریقوں میں سے کوئی طریقہ بھی اختیار نہیں کیا۔ ایک تیسری راہ اختیار کی۔ اُسنے کہا، دنیا کے تمام مذاہب حق ہیں، لیکن دنیا کے تمام پیروانِ مذاہب حق سے منحرف ہو گئے ہیں۔ جس قدر بھی گمراہی ہے، جس قدر بھی اختلاف ہے، جسقدر بھی دعووں کی لڑائی اور جماعت بندیوں کا تصادم ہے، پیروانِ مذہب کے فہم و عمل میں ہے۔ مذہب کی تعلیم میں نہیں ہے۔ اگر پیروانِ مذہب کا یہ انحراف دور ہو جائے جو حق نہیں ہے، تو ہر جماعت کے پاس وہ چیز باقی رہ جائے گی جو صرف حق ہے، اور چونکہ وہ حق ہے، اس لئے نہ تو اُس میں ایک راہ سے زیادہ کی گنجائش ہے۔ نہ کسی طرح کے اختلاف و نزاع کا امکان۔ یہی مذاہب عالم کا "مشترک حق" ہے، دنیا کی عالمگیر روحانی صداقت ہے، اور اسی کو قرآن نے اپنی زبان میں "اسلام" اور "صراطِ مستقیم" سے تعبیر کیا ہے:

قولوا امنا باللہ وما انزل الینا، وما انزل الی ابرٰھیم واسماعیل ویعقوب والاسباط، وما اوتی موسٰی وعیسٰی، وما اوتی النبیون من ربھم، لا نفرق بین احد منھم، ونحن لہ مسلمون! فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا، وان تولوا فانما ھم فی شقاق	سچائی کی راہ یہ ہے کہ کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس سچائی پر ایمان لے آئے ہیں جو ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ نیز اُن تمام ہستیوں، اور جن کی اسماعیل و یعقوب اور ان کی نسل کے رہنماؤں نے دعوت دی، اور پھر وہ تعلیم جو موسیٰ کو دی گئی، اور وہ تعلیم جو عیسیٰ کا پیغام حق تھا۔ غرضکہ دنیا کے سارے نبیوں اور مذہبی صداقت کے سارے معلموں کو

نصیکفیکھم اللہ، وھو السمیع العلیم! (۲:۱۳۷) خدا کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو کچھ بتلایا ہے، اُس سب پر ہمارا ایمان ہے۔

ہم اُن سب کی ایک ہی طرح کے یقین اور احترام کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ ہم اُن میں کسی طرح کی تفریق نہیں کرتے کہ ایک کی تصدیق کریں اور دوسرے کو جھٹلائیں۔ ہم خدا کے فرماں بردار ہیں۔ اُس کی سچائی جہاں کہیں اور جب کبھی آئی ہو، ہمارے لئے سچائی ہے اور ہم اُسے قبول کرتے ہیں!

اس طرح قرآن نے جو طریقہ اختیار کیا، وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کی تصدیق کی، مگر تمام پیروانِ مذاہب کی تکذیب کی، اور اس تصدیق و تکذیب کے اجتماع سے اُس بنیادی صداقت کی راہ نوعِ انسانی پر کھول دی، جس پر چلے بغیر کوئی انسان مذہبی حقیقت کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ آج بھی ہر اُس انسان کے لئے جو مذہب کی روحانی صداقت کی طلب رکھتا ہو، اس راہ کے سوا دوسری کوئی راہ موجود نہیں ہے۔ وہ وقت اب دور نہیں ہے جب عالم انسانیت مذاہبِ عالم کے اختلافات سے اُکتا کر مجبور ہو جائے گا کہ یا تو یک قلم مذہب ترک کر دے یا تمام مذہبی عداوتوں کو جمع کر دے۔ میرا یقین ہے کہ جمعیتِ انسانی مذہب ترک نہیں کر سکتی۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ اور جب وہ دوسرا طریقہ اختیار کرے گی، تو فی الحقیقت وہ یہی طریقہ ہو گا جس کی طرف تیرہ سو برس پہلے قرآن نے دعوت دی تھی: یعنی انسانی کے فہم و عمل کی تکذیب اور اصل مذاہب کی تصدیق۔ اُس وقت دنیا کے تمام پیروانِ مذاہب یک زبان ہو کر اعلان کریں گے:

کان الناس امۃ واحدۃ، فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین، وانزل معھم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فی ما اختلفوا فیہ، وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینات بغیا بینھم، فھدی اللہ الذین اٰمنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ، واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم! (۲:۲۰۹)	دنیا میں انسانی جمعیت کی ابتدا اختلاف سے نہیں بلکہ وحدت و یگانگت سے ہوئی ہے۔ سب ایک ہی قوم تھے اور سب فطری عمل کے ایک ہی طریق پر چلنے والے تھے پھر ایسا ہوا کہ ان میں پھوٹ پڑ گئی اور گمراہی و فساد کی بے شمار راہوں میں بکھر گئے۔ تب خدا نے اُن کی ہدایت کے لئے نبیوں کو مبعوث کیا جو نیک کرداری کے پھل کی بشارت دیتے تھے اور بدکرداری کے نتائج سے ڈراتے تھے۔ اُنکے ساتھ تعلیم حق کی کتابیں تھیں۔ یہ اس لئے نازل کی گئی تھیں تاکہ جن باتوں میں نادانی و گمراہی سے اختلاف اور جھگڑا پیدا کر دیا گیا ہے، اُن سب کا فیصلہ ہو جائے اور سب اُس حقیقی دین پر متفق ہو جائیں جس سے منحرف ہو کر ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے ہیں۔ افسوس ہے کہ نسلِ انسانی اس پر بھی اختلاف و فساد سے باز نہ آئی جن جن باتوں کے فیصلہ کے لئے یہ کتابیں نازل کی گئی تھیں، اُنھی میں پھر اختلاف پیدا کر دیا گیا، اور دینِ حق کی حقیقت اور وحدت گم ہو گئی۔ جب ایسا ہوا تو ضروری تھا کہ ایک مرتبہ ان تمام اختلافوں اور گمراہیوں کے خلاف دینِ حق کی حقیقت کا عام اعلان کر دیا جائے، اور تمام جماعتوں اور مدعیوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے اس کا دروازہ اہلِ ایمان پر کھول دیا، اور وہ جسکو چاہتا ہے اس کی راہ دکھا دیتا ہے۔

مسلمانوں کا پچھلا مظاہرہ

اب میں اُس خاص معاملہ پر متوجہ ہوتا ہوں جس کے آپنے ذکر کیا ہے۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ اس بارے میں آپنے جس قدر تاثرات قبول کئے ہیں، وہ زیادہ تر اسی اصولی غلطی کا نتیجہ ہیں۔

اس بارے میں آپنے جو کچھ لکھا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ تسلیم کرتے ہیں، یہ رسالہ فی الحقیقت نہایت بے ہودہ اور دلآزار تھا اور اس پر اعتراض کرنے میں مسلمان حق بجانب تھے۔ لیکن آپ کہتے

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

"لیکن حاشا و کلا، قوم اور اُس کے زعیم کا مقام اس سے بلند ہے۔ سنجیدگی مرکز لازوال زندگی حاصل کر لی۔ بھاری آرزوئیں جو اُس کے وجود میں مجسم تھیں، اب اُس کی فیرفانی روح کے ساتھ، ابدی سرمدی ہو گئیں۔ اب فنا کا ہاتھ کسی طرح بھی اُن تک نہیں پہنچ سکتا"

"ابنائے وطن! وفد، جو تمھاری بیداری کا پہلا مظہر تھا، اب بھی باقی ہے، اور آئندہ بھی باقی رہے گا۔ وہ تمھاری قوت کی میزان، تمھارے جہاد کا عنوان، تمھاری وحدت کی بنیاد، تمھاری آرزوؤں کی زبان، اور تمھارے آلام کا ترجمان ہے!

"وہ اُس وقت تک میدان نہیں چھوڑے گا جبتک کامل خودمختاری اور صحیح آزادی کے ذریعہ وطن کی عزت بے داغ نہ کر دے"

کہ معاملہ اس حد تک پہنچکر ختم نہیں ہوگیا۔ بلکہ آپکے لفظوں میں:

"جو طریقہ مسلمانوں نے ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک اختیار کیا، اور جو جو باتیں کہی گئیں، وہ نہ صرف حق و انصاف کے خلاف تھیں بلکہ عجیب طرح کی مذہبی ذہنیت ظاہر کرتی تھیں جنھیں کسی طرح بھی ٹھیک راستہ پر نہیں لے جایا جاسکتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام لیڈروں اور "مولانا صاحبان" نے اور جمعیت العلمائے نے فتویٰ جاری کردیا کہ رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کرنا چاہئے۔ اور یہ کہ اسلام کا قانون یہی ہے کہ جونہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانیٔ اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً مار ڈالنا چاہئے"

میں آپ کی طبیعت کی صداقت اندیشی اور حق جوئی کا معترف تھا اور اس موقعہ پر بھی معترف ہوں۔ آپنے اس رسالہ کے متعلق جو رائے قائم کی، اور جس طرح بے لاگ اور قطعی لفظوں میں اپنا خیال ظاہر کردیا، فی الحقیقت ایک راستی پسند انسان کا یہی شیوہ ہونا چاہئے لیکن جن واقعات کا آپنے ذکر کیا ہے، افسوس ہے کہ نہ تو اُن کی تعبیر صحیح ہے، اور نہ وہ تاثر صحیح ہے جو آپ نے قبول کیا ہے۔ آخری چیز میں وہی اصولی غلطی کام کررہی ہے جسپر پچھلی سطور میں بحث کرچکا ہوں

تعبیر میں آپنے جو غلطی کی ہے، وہ غلطی عام ہے۔ اور اُس ناواقفیت کا نتیجہ ہے جو ایک ہزار سال کی یکجائی کے باوجود ہندوؤں کو اسلام اور مسلمانوں کی نسبت ہے۔ میں نے بارہا خیال کیا ہے کہ اگر کوئی ذریعہ سے ہم یہ باہمی ناآشنائی دُور کردے سکیں، تو باہمی مخالفت اور توحش کی کتنی بڑی مقدار خود بخود دُور ہوجاسکتی ہے؟ مگر افسوس ہے کہ اس کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ آپنے غالباً بعض اخباروں کے مضامین دیکھکر یہ رائے قائم کرلی کہ "مسلمان لیڈروں اور جمعیت العلمائے نے فتویٰ دیدیا" لیکن اگر آپ کو مسلمانوں کی اصطلاح "فتویٰ" کی حقیقت معلوم ہوتی جو بہت ہی معمولی اور عام ہے تو کبھی یہ بات آپکے قلم سے نہیں نکلتی۔ آپ "لیڈروں" کے ساتھ "فتویٰ" کا لفظ نہیں نکالتے۔ آپ سے یہ غلطی بھی نہیں ہوتی کہ اُن تمام باتوں کو جو کسی "لیڈر" یا عالم نے عام مجالس کے ایک مقرر ہونے کی حیثیت سے کہی ہیں، یا اپنے اپنے انداز طبیعت کے مطابق نرم و گرم خیالات ظاہر کئے ہیں، "فتویٰ" قرار دیدیتے۔ بلاشبہ آپ ان تمام باتوں پر اس حیثیت سے نظر ڈال سکتے تھے کہ کہاں تک موزوں ہیں یا غیر موزوں ہیں لیکن انھیں "فتویٰ" کے لفظ سے تعبیر نہ کرتے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ "فتویٰ" نہیں ہیں۔

غالباً آپ کا خیال یہ ہے کہ جب کبھی کسی معاملہ پر ایک مسلمان، مذہبی قسم کی کوئی بات کہے، تو وہ "فتویٰ" ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح تو وہ ساری باتیں جو مسلمان جلسوں میں کہتے ہیں یا اخباروں میں لکھتے ہیں، "فتویٰ" ہوجائیں گی۔ "فتویٰ" مسلمانوں کے دینی علوم کی ایک اصطلاح ہے، اور اس کا اطلاق صرف اُس بیان پر ہوتا ہے جو ایک مستند عالم دین اس حیثیت سے دیتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں اُس کے نزدیک شریعت کا حکم یہ ہے۔ جب تک ایک عالم شرع اس حیثیت سے ایک بیان نہ دے، وہ فتویٰ نہیں ہے، اور کوئی مسلمان بھی اُسے فتویٰ نہیں سمجھیگا۔ اب آپ غور کیجئے کہ لیڈروں کی طرف "فتویٰ" منسوب کردینا کیسی افسوس ناک غلطی ہے؟ آپ کہہ سکتے ہیں کہ علماء بھی "لیڈر" ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن یقیناً یہاں لیڈر سے مقصود علماء نہیں ہیں۔ مسلمان جماعتوں کے عام سربراہ و رہنما اشخاص اور سیاسی رہنما ہیں، اور یقیناً نہ تو وہ "فتویٰ" دیتے ہیں، نہ مسلمانوں میں کوئی شخص اُنکے بیانات کو فتویٰ کی حیثیت سے قبول کرتا ہے۔

البتہ جمعیت العلماء مذہبی حیثیت سے "فتویٰ" دے سکتی ہے، لیکن یہ خیال صریح غلط ہے کہ جمعیت العلماء نے "رنگیلا رسول" کے لکھنے والے یا چھاپنے والے کی نسبت کوئی "فتویٰ" جاری کیا۔ یہاں پھر وہی باہمی ناواقفیت اور ناآشنائی کی بلا آگئی ہے جو ہندو مسلمانوں کے تمام معاملات پر چھائی ہوئی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح "فتویٰ" کی حیثیت اور نوعیت پر آپ کی نظر نہیں، اس لئے طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہورہی ہیں۔ غور کیجئے، اس ایک معاملہ میں کیے بعد دیگرے کتنی غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں:

اولاً، مسلمانوں میں شرعی حیثیت سے فتویٰ اسی وقت دیا جاتا ہے جب کسی خاص معاملہ میں شرعی حکم واضح کردینا ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی فرد یا جماعت اُسپر عمل کرے۔ موجودہ صورت میں "فتویٰ" کی گنجایش ہی نہیں تھی۔ ہندوستان میں ایک شخص نے اسلام کے خلاف دلآزار کتاب لکھی تھی اور شائع کی تھی۔ یہاں نہ تو مسلمانوں کی حکومت ہے، نہ شرعی قوانین نافذ ہیں، نہ مسلمانوں کے مذہبی گروہ کو کسی طرح کا دخل سیاست و تعزیر میں ہے۔ جو کچھ بھی اس بارے میں کرسکتی ہے حکومت کرسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں مداخلت کرے گا مجرم ہوگا۔ پس ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں مسلمانوں کے فتویٰ لینے یا دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ کوئی شخص اس درجہ مجنوں یا احمق ہوجائے کہ وہ خیال کرے، ہندوستان میں اسے تعزیر و سیاست کے احکام جاری کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہے اور اس لئے فتویٰ دینا شروع کردے کہ فلاں آدمی کو قتل کردالنا چاہئے، اور فلاں آدمی کو قید میں ڈال دینا چاہئے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

ثانیاً جمعیت العلماء کی نسبت یہ سمجھ لینا کہ چونکہ وہ علماء کی انجمن ہے اس لئے اُس کی جانب سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہے "فتویٰ" ہے، کس درجہ ناواقفیت کی بات ہے؟ وہ ایک انجمن ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام طریقے اظہار رائے کے عمل میں لاتی ہے جو دُنیا کی تمام انجمنیں عمل میں لایا کرتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاتا ہے جسپر وہ کارروائی کرنا ضروری سمجھتی ہے، تو تجویز کی شکل میں کوئی بات ترتیب دیتی ہے اور اُسے منظور کرکے شائع کردیتی ہے۔ اس معاملہ پر بھی اُسنے ایک تجویز منظور کی اور غالباً لاہور میں اپنی جمعیتہ عاملہ (ورکنگ کمیٹی) کا ایک جلسہ کرکے اُس کا اعلان کردیا۔ وہ جمعیت العلماء کی ایک تجویز ہے۔ یقیناً لوگوں نے اُسے اُس درجہ اہمیت دی ہوگی، جس درجہ اہمیت وہ جمعیت العلماء کی تجاویز کو دیا کرتے ہیں، لیکن وہ "فتویٰ" نہیں ہے۔ کیونکہ "فتویٰ" دینے کی اس معاملہ میں گنجایش ہی نہ تھی۔ آپ جمعیت کی ایک تجویز کو "فتویٰ" کہتے ہیں۔

ثالثاً، جمعیت العلماء کی اس تجویز کا مضمون بھی آپنے صحیح طور پر معلوم نہیں کیا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، وہ اصلیت سے اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اگر میں آپ کو ملامت کروں تو آپ کو ناخوش نہیں ہونا چاہئے۔ کم از کم آپ جیسی طبیعت کے آدمی کو ایک واقعہ کے نقل کرنے میں اس درجہ بے احتیاط نہیں ہونا تھا۔ جمعیت العلماء کی تجویز تمام اخباروں میں شائع ہوگئی تھی۔ میری نظر سے بھی گزری تھی۔ اگر آپ چاہیں تو اُسوقت کا کوئی اُردو اخبار حاصل کرکے دیکھ لے سکتے ہیں۔ اُس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ "رنگیلا رسول لکھنے والے اور چھاپنے والے کو قتل کردینا چاہئے" جیسا کہ آپنے لکھا ہے۔ کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہئے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کرائے بغیر کسی انسان کے قتل کی علانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جمعیت نے یا کسی انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صریح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔ دراصل وہ تجویز مسلمانوں کو مخاطب کرکے لکھی ہی نہیں گئی تھی کہ اس طرح کی قاتلانہ ترغیب کی اس میں گنجایش ہوتی۔ اُس کا تمام تر خطاب حکومت سے تھا۔ حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ اس طرح کے دلآزار حملوں کا سدباب کرے، اور اگر موجودہ قوانین اسکے لئے کافی نہیں ہیں تو نیا قانون نافذ کرے۔ البتہ اُس تجویز میں اس بات کا حوالہ ضرور تھا کہ اسلامی قوانین میں (یا بصورت اسلامی حکومت ہونے کے۔ مجھے اصلی الفاظ یاد نہیں ہیں) ایسے شخص کی سزا قتل ہے جو غیر اسلام کی عمداً توہین و تذلیل کرے۔ یہ حوالہ جس طریقہ سے دیا گیا تھا، اُس کا صاف منشا یہ تھا کہ معاملہ کی اہمیت حکومت پر واضح ہوجائے۔ یعنی یہ بات اُس کے علم میں آجائے کہ مسلمانوں کے دینی احساسات اس بارے میں کیا ہیں، اور اُن کے نقطۂ خیال سے یہ معاملہ کس درجہ اہم اور ضروری ہے؟ بلاشبہ اسپر بحث کی جاسکتی ہے کہ اس قضیہ پر اس قانون کا حوالہ دینا یا ذکر کرنا کہاں تک صحیح تھا؟ اور فی الحقیقت اسلام کا قانون کیا ہے؟ اس بارے میں میری رائے اور اسلامی قوانین کی حقیقت کی بحث آگے آئے گی اور آپ معلوم کرلینگے کہ میرا خیال اور علم کیا ہے لیکن بحیثیت ایک صداقت اندیش انسان کے آپ کو اور اُن تمام لوگوں کو جو اس بارے میں طرح طرح کے تاثرات قبول کررہے ہیں، یہ تسلیم کرلینا چاہئے کہ واقعہ کی نوعیت وہ نہیں ہے جو اُنھوں نے سمجھ رکھی ہے۔ ہم ایک معاملہ کی نسبت موافق رائے رکھتے ہوں یا مخالف، ہر حال میں ہمارا فرض ہے کہ معاملہ کو اُس کی صحیح اور حقیقی صورت میں دیکھیں، اور جیسا کچھ بھی وہ ہے، اُسے تسلیم کرکے، رائے قائم کریں۔ انصاف کیجئے، کہاں یہ بات کہ جمعیت العلماء نے ایک تجویز منظور کرکے حکومت کو صورت حال پر توجہ دلائی اور اسمیں اس بات کا حوالہ دیا کہ اسلامی قانون اس بارے میں یہ تھا، اور کہاں اُس کی یہ تعبیر کہ "جمعیت نے فتویٰ دیدیا کہ قتل کردینا چاہئے"؟ اسوقت دُنیا کے کسی مذہب کے ماننے والے بھی ایسے نہیں ہیں جنھوں نے گذشتہ زمانے میں اپنے اپنے وقت کے مصالح کے مطابق قتل و تعزیر کے احکام نافذ نہ کئے ہوں اور وہ ان کی کتابوں میں ثبت نہ ہوں۔ مختلف موقعوں پر بے محل یا بامحل اُن کا ذکر بھی کردیا جاتا ہے، لیکن کوئی شخص اُس کا مطلب یہ نہیں سمجھتا کہ بحالت موجودہ انھیں نافذ کرنا مقصود ہے۔

رابعاً اپنے جن لفظوں میں جمعیت کے بیان کردہ اسلامی قانون کی تعبیر کی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں "اسلام کا یہ قانون ہے کہ جونہی کوئی غیر مسلمان حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف کوئی بدزبانی کرے، فوراً اُسے مار ڈالنا چاہئے" لیکن آپ یقین کیجئے کہ نہ تو جمعیت العلماء کی تجویز میں اس قانون کی یہ تعبیر تھی، اور نہ میری معلومات میں کسی مسلمان نے بھی یہ تعبیر کی ہے۔ جمعیت نے یا کسی دوسری جماعت نے اگر یہ کہا ہے کہ اسلامی حکومتوں کا یہ قانون تھا، تو اس کا صاف مطلب وہی ہوسکتا ہے جو حکومتوں کے قوانین کا عام طور پر ہوتا ہے۔ یعنے اُنکے قوانین کی رُو سے یہ ایک ایسا جرم تھا جو اگر عدالتی تحقیقات کے بعد ثابت ہوجائے، تو اس کے لئے قتل تک کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ "جو مسلمان کسی کو بدزبانی کرتے دیکھے اُسے فوراً قتل کرڈالے"؟ اسلام کے شرعی نظم کی رُو سے تو کسی جرم کے لئے بھی ایسی اُمار کی جائز نہیں ہوسکتی۔ تعزیر اور سیاست کے تمام احکام کا تعلق قضا سے ہے۔ یعنی آجکل کی بول چال میں عدالتی کارروائی سے۔ کسی فرد کو بھی اپنی جگہ اختیار نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اور جس کسی کو اپنے نزدیک مجرم سمجھے سزا دے دے۔ یہ کام صرف حکومت اور عدالت کا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا، تو وہ اسلامی قوانین کی رُو سے اُسی طرح سزا کا مستحق ہوگا، جس طرح ایک قانون کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم ہوسکتا ہے۔

میں نے اس حصۂ بیان میں ضرورت سے زیادہ تفصیل اسلئے کی کہ میں چاہتا ہوں، یہ بات آپ پر واضح ہوجائے کہ واقعات کے مطالعہ و بیان میں وقت کی کوتاہیوں اور رسم اندیشیوں کا کیا حال ہے؟ کس طرح ایک بات بغیر کسی اشتباہ و پیچیدگی کے، محض اس لئے کچھ سے کچھ ہوجاتی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے اور بے لاگ طریقہ سے معاملات پر نظر ڈالنے کی استعداد کھو چکے ہیں اور جب کبھی کسی معاملہ پر بحث کرتے

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

ابراہیم موصلی

اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہر فن موسیقی، ابراہیم موصلی، قولنج کی بیماری میں مبتلا ہوا اور خلیفہ کے محل میں آنے جانے سے معذور ہو گیا۔ جب تکلیف بہت بڑھی تو یہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو گئے:

مل واللہ طبیبی عن مقاساۃ الذی بی

واللہ طبیب میرے مرض کی تشخیص سے اُکتا گیا ہے

سوف اُنعی عن قریب لعدو وحبیب!

عنقریب دوست و دشمن سب کو میری موت کی خبر سنا دی جائے گی!

ایک دن خلیفہ ہارون الرشید عیادت کو گیا اور پوچھا: —

"ابراہیم کیا حال ہے؟"

ابراہیم نے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا:

سقیم مل منہ اقربوہ واسلمہ المداوی والحمیم

بیمار، جس سے اُس کے رشتہ دار اُکتا گئے ہیں۔ طبیب اور دوست اُسے چھوڑ چکے ہیں۔

۱۸۸ھ (۸۰۴ء) میں انتقال کیا

عباس بن الاحنف

اصمعی نے بیان کیا ایک دن میں بصرہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں ایک حسین نوجوان میرے پیچھے کھڑا ہے۔

"میرا آقا آپ کو یاد کرتا ہے" خوبصورت لڑکے نے کہا۔

میں اُس کے ساتھ روانہ ہوا۔ صحرا میں ایک خیمہ کھڑا تھا مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ عباس بن الاحنف اُس میں پڑے دم توڑ رہے ہیں اُس وقت اُن کی زبان پر یہ شعر تھے:

یا بعید الدار عن وطنہ مفرداً یبکی علی شجنہ

اے اپنے وطن سے بہت دور! تنہا جو اپنی حسرت پر رو رہا ہے!

کلما جد النحیب بہ زادت الاسقام فی بدنہ

جوں جوں اُس کا گریہ بڑھتا ہے، اُس کے جسم میں بیماریاں بھی بڑھتی جاتی ہیں!

پھر وہ بیہوش ہو گئے۔ درخت پر ایک چڑیا چلائی۔ عباس نے اُس کی آواز پر آنکھ کھول دی اور یہ شعر پڑھنے لگے:

ولقد زاد الفواد شجی ہاتف یبکی علی فننہ

دل کا رنج اور بھی زیادہ کر دیا، اپنی ڈالی پر سے پکارنے والے نے۔

شاقنی ما شاقہ فبکی کلنا یبکی علی سکنہ

جس کا شوق مجھے ہے، اُسی کا اُسے بھی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے حبیب کے لئے روتا ہے۔

وہ پھر بیہوش ہو گئے۔ میں نے خیال کیا پہلی سی غشی ہے۔ مگر اُنھوں نے ایک لمبی سانس لی اور سرد ہو گئے تھے!

۱۹۲ھ (مطابق ۸۰۷ء) میں فوت ہوئے۔

خلیفہ ہارون الرشید

جب بیماری بہت سخت ہو گئی تو طبیب بلائے گئے۔ مگر کسی علاج سے بھی فائدہ نہ ہوا۔ ہارون مایوس ہو گیا اور یہ شعر پڑھے:

ان الطبیب بطبہ ودوائہ لا یستطیع دفاع مکروہ اتی

طبیب اپنی طب اور دوا سے کسی مصیبت کو اُس کے آجانے کے بعد دور نہیں کر سکتا۔

ما للطبیب یموت بالداء الذی قد کان یبری مثلہ فی ما مضی؟

یہ کیا ہے کہ طبیب اُسی بیماری سے مرتا ہے جسے ہمیشہ اپنے علاج سے اچھا کیا کرتا تھا؟

ہلک المداوی والمداوی والذی جلب الدواء وباعہ ومن اشتری

معالج، مریض، دوا لانے والا، دوا بیچنے والا، دوا خریدنے والا، سب مر جائیں گے!

جب موت کا یقین ہو گیا تو بنی ہاشم کو طلب کیا، اور کہا:

"ہر مخلوق مر جانے والی ہے۔ آج میں بھی موت کے گھاٹ اُتر رہا ہوں میں تمھیں تین وصیتیں کرتا ہوں: اپنی امانت کی حفاظت کرنا۔ اپنے سرداروں کی خیر خواہی کرنا۔ اپنا اتحاد برقرار رکھنا۔ میرے دونوں لڑکوں محمد (امین) اور عبداللہ (مامون) کو دیکھنا۔ ان میں سے جو بھی اپنے بھائی پر سرکشی کرے، اُسے گمراہی سے روک دینا اور اُس کا عہد توڑ دینا"

۱۹۳ھ (۸۱۴ء) میں وفات پائی۔

ابونواس

ہارون رشید کے مشہور مصاحب اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے راوی شعر اور شاعر، ابونواس نے مرتے وقت یہ شعر کہے:

دب فی الفناء سفلاً وعلوا وارانی اموت عضوا فعضوا

اوپر نیچے ہر طرف سے فنا مجھ میں دوڑ رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جوڑ جوڑ سے مر رہا ہوں۔

ذہبت شرقی بجدۃ نفسی وتذکرت طاعۃ اللہ نضوا

میری تمام تیزی چلی گئی۔ اپنے سوکھ جانے پر مجھے طاعت الٰہی کا خیال آیا!

لیس من ساعۃ مضت لی الا نقصتنی بمرہا بی جزوا

ہر گھڑی جو مجھ پر گذر رہی ہے۔ کوئی نہ کوئی حصہ کم کرتی جاتی ہے!

لہف نفسی علی لیال وایام تملیتہن لعبا ولہوا

اُن دنوں اور راتوں پر میرا افسوس، جنھیں میں نے لہو و لعب میں گزار دیا!

قد اسأنا کل الاساءۃ فاللہم صفحاً عنا وغفراً وعفوا

ہم نے سراسر بُرائی ہی کی ہے لیکن خدایا! ہم تیری عفو و بخشش چاہتے ہیں!

محمد امین

ہارون رشید کے جانشین محمد امین کو گرفتار کرنے کے لئے جب مامون کے آدمی آدھی رات کے وقت محل میں گھسے، تو چلا اُٹھا:

"انا للہ وانا الیہ راجعون! واللہ میری جان، خدا کی راہ میں چلی گئی۔ آہ، کوئی تدبیر نہیں کوئی حمایتی نہیں"

گرفتار ہو جانے پر اُس نے اپنی اولاد اور عزیزوں سے کہا:

"یہ تمھارا آخری دیدار ہے۔ خدا تمھارا نگہبان ہو!"

قتل کے وقت جلادوں سے کہا:

"تمھارا بُرا ہو! جانتے نہیں میں رسول اللہ کے چچا کا پوتا، ہارون الرشید کا بیٹا، اور مامون کا بھائی ہوں؟ میرا خون کرنے میں خدا سے ڈرو!"

۱۹۸ھ (۸۱۳ء) میں قتل ہوا

حضرت معروف الکرخی رح

مشہور صوفی و زاہد معروف کرخی سے حالت نزع میں کہا گیا "وصیت کیجئے"

کہنے لگے:

"جب میں مر جاؤں تو میرا یہ کرتا بھی صدقہ کر دینا۔ میں چاہتا ہوں دنیا سے اُسی طرح جاؤں، جیسا آیا تھا"

۲۰۰ھ (۸۱۶ء) میں وفات پائی۔

حضرت بشر بن المنصور رح

وفات کے وقت بہت خوش تھے۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا "آپ موت پر خوش ہوتے ہیں؟"

کہنے لگے "کیا تمھارے خیال میں خالق کے حضور جانا، جس سے مجھے بڑی ہی اُمید ہے، مخلوق میں رہنے کے برابر ہے؟ وہ مخلوق جس سے میں ڈرتا ہوں؟" یہ کہتے ہی روح پرواز کر گئی۔

(۲۰۹ھ — ۸۲۵ء)

بقیہ مضمون صفحہ ۱۸

ہیں تو اس کی بالکل کوشش نہیں کرتے کہ احتیاط اور انصاف کے ساتھ قدم اُٹھائیں۔ ہندوستان میں تقریباً ۵ برس سے ہندو مسلمانوں کی موجودہ کشمکش شروع ہوئی ہے۔ اگر ان ۵ برسوں کے وہ تمام بیانات اور مباحث جمع کر لئے جائیں جو ایک فریق نے دوسرے کے اقوال و اعمال کی نسبت بیان کئے ہیں، اور پھر اُن پر انصاف اور صداقت شعاری کے ساتھ نظر ڈالی جائے، تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ نصف سے زیادہ مقدار اُن باتوں کی نکلے گی جو کبھی فتنہ و فساد کی صورت نہ اختیار کرتیں اگر واقعات کے مطالعہ و بیان میں انصاف و دیانت کا تھوڑا سا بھی لحاظ رکھا جاتا۔

افسانہ

غضب ناک محبوبہ

L'ARRABIATA

(پال ہیس کے قلم سے)

(۲)

انٹونیو، لڑکی کے غرق ہونے کے خوف سے سناٹے میں آگیا۔ وہ بُت بنا کھڑا تھا۔ اُس کے دماغ میں کوئی خیال بھی باقی نہیں رہا تھا۔ آسمان پر نظر جمائے اس طرح کھڑا تھا، گویا کسی معجزے کا انتظار کر رہا ہے!

آخر کار اُس کے حواس درست ہوئے۔ اُس نے ڈانڈ اُٹھائی اور پوری قوت سے کشتی۔ لڑکی کی طرف لے چلا۔ اُس کی آنکھیں لڑکی پر جمی تھیں۔ اُسے بالکل خیال نہ رہا کہ اُس کے ہاتھ سے خون کا فوارہ بہ رہا ہے۔

موریلا بڑی تیزی سے پیرتی چلی جاتی تھی۔ مگر کشتی اُس کے قریب پہنچ ہی گئی۔

"خدا کے لئے کشتی پر آجاؤ!" انٹونیو چلایا "میں دیوانہ ہوگیا تھا۔ خدا جانے میری عقل پر کیسے پتھر پڑ گئے تھے۔ گویا مجھ پر بجلی گر گئی تھی۔ میرے سینے میں آگ کا تنور جل اُٹھا تھا۔ موریلا! میں معافی تک کی درخواست نہیں کر سکتا۔ میں معافی کا بھی مستحق نہیں ہوں۔ بس میری التجا صرف اتنی ہے کہ کشتی پر چلی آؤ۔ ہلاک مت ہو!"

موریلا برابر پیرتی رہی۔ گویا اُس نے سُنا ہی نہیں۔

"ساحل تک پہنچنا محال ہے۔" انٹونیو نے پھر کہا "ابھی پورے دو میل باقی ہیں۔ اپنی بیمار ماں کا خیال کرو۔ اُس کا کیا حال ہو جائے گا؟ اگر تمھیں نقصان پہونچا تو میں بھی جان دے دوں گا"

موریلا نے سامنے نگاہ کر کے فاصلہ دیکھا۔ پھر بغیر کوئی جواب دیئے کشتی کی طرف آنے لگی۔ کشتی کا کنارہ پکڑ لیا اور اوپر چڑھنے لگی۔ انٹونیو، سہارا دینے کے لئے اُٹھا۔ کشتی ایک طرف جھک پڑی۔ ملاح کی چادر کنارے رکھی تھی۔ پانی میں گر پڑی۔ لڑکی نے سہارا لینے سے انکار کیا۔ پھرتی سے اوپر آگئی اور اپنی پہلی جگہ پر خاموش جا بیٹھی۔

(۴)

انٹونیو نے اُسے مطمئن دیکھ کر پھر کشتی کھینا شروع کر دی۔ موریلا اپنے بال ہاتھوں میں لے کر نچوڑنے لگی۔

یکایک موریلا کی نظر کشتی کی زمین پر پڑی۔ وہ خون سے رنگین تھی۔ اُس نے معاً انٹونیو کے ہاتھ کی طرف نظر اُٹھائی۔ ہاتھ سخت زخمی تھا۔ مگر وہ پوری قوت سے کام کر رہا تھا۔

"یہ لو" موریلا نے کہا اور اپنے رومال کی طرف اشارہ کیا۔ انٹونیو نے موریلا کو دیکھے بغیر سر کے اشارے سے انکار کر دیا۔ اور کشتی چلاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد موریلا اپنی جگہ سے اُٹھی۔ آگے بڑھی۔ ملاح کے سامنے بیٹھ گئی، اور اپنے رومال سے اُس کا ہاتھ باندھنے لگی۔ انٹونیو نے بہت بہت انکار کیا مگر دوشیزہ نے اُس کے زخمی ہاتھ سے ڈانڈ لے لی اور خود چلانے لگی۔ وہ ملاح کو نہیں دیکھتی تھی، لیکن ڈانڈ پر اُس کے ہاتھ کے خون کے جو قطرے لگ گئے تھے، اُن پر نظریں گڑ گئی تھیں۔

دونوں چپ تھے۔ چہرے اُترے ہوئے تھے۔ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ماہی گیر صاحب سلامت کرنے لگے۔ بعض بعض نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باہمدگر اشارات بھی کئے۔ لیکن وہ دونوں بالکل خاموش رہے۔ اُن میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔

سورج ابھی تک باقی تھا۔ کنارا آگیا۔ موریلا نے اپنے کپڑے درست کئے اور اُتر پڑی۔

صبح والی بڑھیا اپنی پوتی کے ساتھ وہیں بیٹھی چرخا کات رہی تھی۔

"انٹونیو!" ملاح کو دیکھ کر چلائی "تیرے ہاتھ میں کیا ہوا؟ خدا خیر کرے! تیری کشتی بھی خون سے رنگین ہے!"

"کچھ نہیں" انٹونیو نے افسردگی سے جواب دیا "کشتی میں ایک کیل نکل آئی تھی۔ اُس سے زخم لگ گیا۔ صبح تک اچھا ہو جائے گا۔ یہی زیادہ خون تو میرے لئے مصیبت تھا۔ زخم کی راہ نکل گیا"

"یہاں آؤ، میں پٹی باندھ دوں" نیک دل بڑھیا نے کہا "ذرا ٹھہرو، میں ابھی کوئی جڑی بوٹی لاتی ہوں"

"شکریہ" انٹونیو نے کہا "زحمت نہ کرو۔ زخم بھر گیا ہے۔ صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ میری تندرستی اچھی ہے۔ معمولی تکلیف کا کوئی اثر نہیں ہوتا"

"خدا حافظ!" موریلا نے کہا، جو اب تک کھڑی بڑھیا کی باتیں سُن رہی تھی۔

خدا حافظ!" انٹونیو نے اُس کی طرف نظر اُٹھائے بغیر جواب دیا۔

موریلا اپنے گھر روانہ ہوگئی۔ انٹونیو نے بھی بے دلی کے ساتھ اپنی ڈانڈ اور ٹوکریاں اُٹھائیں اور جھونپڑے کی راہ لی۔

(۵)

انٹونیو اپنے چھوٹے سے جھونپڑے میں اکیلا ہے۔ بہت پریشان ہے۔ کسی پہلو چین نہیں۔ اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ہوا ٹھنڈی تھی اور بے شیشہ کی کھڑکیوں سے اندر آرہی تھی۔ تنہائی اس کے لئے ایک حد تک آرام دہ تھی۔ دیوار پر مقدس کنواری (مریم علیہا السلام) کی تصویر لٹک رہی تھی۔ وہ تصویر کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ کنواری کے سر پر ستاروں کی آرائش دیکھی۔ لیکن نماز پڑھنے کو جی نہیں چاہا۔ وہ نماز کیوں پڑھے؟ ابھی ابھی وہ اپنی زندگی کی تمام آرزوؤں سے محروم ہو چکا ہے!

اُس نے خیال کیا، آج دن ختم نہ ہوگا۔ بے صبری سے رات کا انتظار کرنے لگا۔ تھکا ہوا تھا۔ خون بہ جانے کی وجہ سے بھی طبیعت کمزور ہو رہی تھی۔ ہاتھ کے زخم کا درد بڑھنے لگا۔ وہ لکڑی کی ایک چھوٹی سی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ کی پٹی کھولی تو پھر خون بہنے لگا۔ پورا ہاتھ ورم کر آیا تھا۔ بڑی محنت سے اُس نے ہاتھ دھویا۔ موریلا کے دانتوں کے نشان صاف نظر آتے تھے!

"اُس کی کیا خطا ہے؟" اپنے آپ سے کہنے لگا "میں وحشی ہوگیا تھا۔ مجھے یہی سزا ملنی چاہئے تھی۔ کل بڑھیا کے ہاتھ اُس کا رومال واپس کر دوں گا۔ اور اب کبھی اُس کا سامنا نہ کروں گا!"

زخم دوبارہ دھویا۔ دانتوں کی مدد سے پٹی باندھی۔ بچھونے پر دراز ہوگیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

وہ سمجھ نہ سکا، سویا تھا یا رات بھر جاگتا رہا۔ لیکن اُسے چاند کی دھندلی روشنی میں جب ہوش آیا تو ہاتھ میں سخت درد ہو رہا تھا۔

(۶)

یکایک دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔

موریلا اُس کے سامنے کھڑی تھی!!

وہ بغیر اجازت کے اندر چلی آئی۔ بالکل خاموش تھی۔ سر سے رومال کھولا، ہاتھ کی ٹوکری، سامنے چھوٹے سے میز پر رکھ دی۔

"اپنا رومال لینے آئی ہو؟" انٹونیو نے پوچھا "ناحق تکلیف اُٹھائی۔ میں خود کل صبح بھیج دینے والا تھا"

"رومال نہیں" موریلا نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "میں دیر سے پہاڑی پر جڑی بوٹی ڈھونڈھ رہی تھی۔ لو، یہ لائی ہوں"

"تم نے بڑی تکلیف کی" ملاح نے جوش مسرت کے احساس سے مضطرب ہو کر کہا "افسوس، تم بہت پریشان ہوئیں۔ مجھے تو اب آرام ہے۔ لیکن اگر تکلیف بھی ہو، تو اس کا مستحق ہوں۔ تم ایسے وقت کیوں آئیں؟ اگر کوئی دیکھ لے؟ تم لوگوں کی عادت جانتی ہو۔ انھیں ہر وقت کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہئے"

"میں کسی کی بھی بکواس کی پرواہ نہیں کرتی" موریلا نے غصہ اور ہمدردی کے ملے جلے لہجہ میں کہا "میں تمھارا ہاتھ دیکھنے اور دوا لگانے آئی ہوں۔ تم اپنے بائیں ہاتھ سے دوا نہیں لگا سکتے"

"میں دوا کا مستحق نہیں ہوں۔ سچ کہتا ہوں" انٹونیو نے تاثر کے ساتھ کہا۔

"اچھا مجھے ہاتھ دیکھنے دو۔ اچھا ہوگا تو دوا نہ لگاؤں گی"

یہ کہہ کر موریلا نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب انکار اُس کی قدرت سے باہر تھا۔ پٹی کھولتے ہی دوشیزہ چلائی "آہ، مسیح!"

نہیں معمولی سا ورم ہے۔ کل تک اُتر جائے گا" انٹونیو نے بے پروائی سے کہا۔

موریلا نے سر ہلایا:

"تم ایک ہفتہ سے پہلے سمندر میں لوٹ نہیں سکتے"

"اونھ، ایک ہفتہ، دو ہفتے، دس ہفتے" ملاح نے رنج سے کہا۔

موریلا اُس کا زخم بڑی توجہ سے دھونے لگی۔ وہ چھوٹے بچے کی طرح کراہتا تھا۔ موریلا نے زخم پر دوا تھوپ دی۔ پٹی باندھ دی۔ درد میں کمی ہوگئی۔

"موریلا! شکریہ!" انٹونیو نے آرام پا کر کہا "اگر مجھ پر ایک اور احسان کرنا چاہو، تو وہ یہ ہے کہ میرا دن والا قصور معاف کر دو۔ میری سب باتیں بھول جاؤ۔ نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ ہرگز نہیں تمھاری کوئی خطا نہیں تھی۔ اب میری زبان سے کبھی کوئی ناگوار بات نہیں سنو گی....."

"نہیں نہیں، مجھے معافی مانگنی چاہئے" موریلا نے جلدی سے کہا

"مجھے ایسا برتاؤ نہ کرنا تھا۔ تمھیں غصہ دلا کر میں نے سخت غلطی کی۔ اور یہ زخم ....."

موریلا، انٹونیو کے ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے چپ ہو گئی۔

"تم نے کچھ نہیں کیا" انٹونیو نے کہا "تم نے صرف اپنا بچاؤ کیا تھا۔ یہی کرنا بھی چاہیے تھا۔ میری دیوانگی کے مقابلے میں اسی کی ضرورت تھی۔ تمھاری ذرا بھی خطا نہیں ہے۔ ہرگز معافی کا ذکر نہ کرو۔ تم نے تو مجھ پر بڑا ہی احسان کیا ہے۔ میں تمھارا دل سے شکر گزار ہوں۔ اچھا، اپنا رومال لیتی جاؤ"

انٹونیو نے رومال آگے بڑھایا۔ لیکن موریلا خاموش تھی۔ اُس کے اندر خیالات میں سخت تصادم تھا:

"میری غلطی سے تمھاری چادر بھی چلی گئی۔ نارنگی کی تمام قیمت بھی اُسی میں بندھی تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اس کا خیال آیا۔ میں اس وقت اُس کی تلافی نہیں کر سکتی — ہمارے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ اگر ہے تو میری ماں کا ہے — لیکن یہ چاندی کی صلیب، میری ہے۔ مصور جاتے وقت چھوڑ گیا تھا۔ میں نے آج تک اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صندوق میں بھی نہیں رکھا تھا۔ اگر اسے بیچو گے تو کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا۔ میری ماں کا یہی خیال ہے — نقصان کا تھوڑا سا بدلہ ہو جائے گا۔ باقی میں اپنی ماں کے سو جانے کے بعد روزرات کو سوت کات کات کے ادا کر دوں گی"

"نہیں نہیں، میں ہرگز نہیں لوں گا" یہ کہہ کر انٹونیو نے چمکیلی صلیب لوٹا دی۔ "لیلو" موریلا نے کہا "تم نہیں جانتے، تمھارا ہاتھ کتنے دن کام نہیں کر سکے گا۔ یہ صلیب لکھی ہے"

"مجھے تکلیف نہ دو" انٹونیو نے نقاہت سے کہا۔

"میں کہتی ہوں لے لو" موریلا نے اصرار سے کہا۔

"سمندر میں پھینک دو" انٹونیو جھنجلا گیا۔

"میں ہدیہ پیش نہیں کر رہی ہوں۔ اپنا کچھ بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں" موریلا نے پھر کہا۔

"تم پر میرا کوئی قرضہ نہیں ہے" انٹونیو نے جوش سے کہا "اگر تم میرا کچھ اپنے ذمہ سمجھتی ہو تو میری ایک درخواست منظور کر لو۔ تم پورے بار سے ہلکی ہو جاؤ گی۔ میری درخواست یہ ہے کہ جب میں کہیں کھائی دوں تو میری طرف نظر نہ اُٹھانا، تاکہ مجھے اپنی اس دیوانگی پر ہمیشہ ندامت ہوا کرے۔ خدا حافظ! جاؤ۔ یہ ہماری آخری باتیں ہیں"

موریلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے اُسنے اپنا رومال اُٹھا کر ٹوکری میں ڈالا۔ صلیب بھی اسمیں گرا دی۔ پھر ٹوکری کا ڈھکنا بند کیا۔ انٹونیو نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو آنسو اُس کے نازک رخساروں پر بہ رہے تھے!

"الٰہی!" انٹونیو چلایا "موریلا! کیا ہوا؟ کچھ بیمار ہو گئیں؟ یہ سر سے پاؤں تک کانپتی کیوں ہو؟"

"کچھ نہیں۔ مجھے گھر لوٹنا چاہیے"

یہ کہہ کر موریلا لڑکھڑاتے پاؤں سے دروازے کی طرف لپکی۔ گر پڑی۔ دیوار پر سر رکھ کے رونے لگی۔ دیر سے بھری ہوئی تھی اب بے قابو ہو گئی۔ انٹونیو نے اُس کی سسکیاں سُنیں۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اُٹھ کر پاس پہنچے، وہ خود دوڑ کر آئی اور اُس پر گر پڑی:

"اب میں برداشت نہیں کر سکتی" اُسنے آنسوؤں کے ساتھ ملاح کو زور سے پکڑ کر کہا "میں برداشت نہیں کر سکتی! میں تمھیں چھوڑ کر جا نہیں سکتی۔ آہ! تم مجھ سے اتنی محبت کے ساتھ بولتے ہو! مجھے مارو۔ میری جان لے لو۔ مجھے لعنت ملامت کرو۔ لیکن مجھے اپنے سے دور نہ کرو....."

روتی ہوئی لڑکی کو انٹونیو نے فوراً اُٹھا لیا۔ وہ بھی چپ تھا۔ مگر آنسو اُس کی آنکھوں سے بھی جاری تھے!

انٹونیو نے لمبی سانس لے کر کہا "خدایا یہ میں کیا سنتا ہوں؟ اگر میرا خون زخم سے بہ گیا ہے تو میرا دل اس طرح کیوں دھڑک رہا ہے؟ کیوں سینے سے نکلا پڑتا ہے؟ موریلا! اگر یہ تم صرف تسلی دینے کے لئے کہتی ہو، تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن کیا تم پر میرا کوئی حق نہیں ہے؟ کیا میں نے تمھارے پیچھے بہت دُکھ نہیں سہا ہے؟"

"ہرگز نہیں!" موریلا مضبوط آواز میں کہا "کوئی حق نہیں! کیونکہ میں بھی تم سے محبت کرتی ہوں! اب مجھے کہنے دو۔ میں تم سے، اسی محبت کے ڈر سے بھاگا کرتی تھی۔ لیکن اب نہیں بھاگوں گی"

(۷)

موریلا، گھر کے باہر تاریکی میں غائب ہو گئی۔ انٹونیو، کھڑکی کے سامنے مبہوت بیٹھا تھا۔ خاموش سمندر اُس کے آگے پھیلا تھا۔ اُفق میں ہر طرف تاریکی اور خاموشی تھی۔ جھلملاتے تارے آسمان پر سے منہ نکالے دیکھ رہے تھے!

(۸)

اعتراف کی کرسی پر پادری بیٹھا مسکرا رہا ہے۔ موریلا ابھی ایک بہت لمبا اعتراف کر کے رخصت ہوئی ہے۔

"کون خیال کر سکتا تھا؟" پادری نے اپنے آپ سے کہا "کون خیال کر سکتا تھا کہ خدا اس گمراہ دل کو ہدایت بخشے گا؟ ہماری نظریں بہت کوتاہ ہیں۔ آسمان کے راز دیکھ نہیں سکتیں۔ خدا موریلا کو، انٹونیو کو، دونوں کی اولاد کو برکت دے!"

(۹)

کیا یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ عورت کے دل کے سمجھنے کے لئے اس دنیا میں ہمارا کوئی قانون اور قاعدہ بھی کام نہیں دے سکتا۔ وہ جب بہت زیادہ غضب ناک ہوتی ہے تو بہت زیادہ محبت کرتی ہے، اور جب بہت ملتفت ہوتی ہے تو فوراً محبت سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ تاہم ایک قاعدہ ضرور ہماری رہنمائی کر سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایثار اور خود فروشی کے مقابلہ میں کبھی غصہ کی نفرت اور خودداری کی بے پروائی قائم نہیں رہ سکتی۔ سخت سے سخت جنگ آزما روح بھی ایثار اور خود فروشی کے مقابلہ میں سپر ڈال دے گی اور ہار مان لے گی!



رہنمایان ملک و ملت کا متفقہ اعلان

اخبار الجمعیۃ کی خدمات کا اعتراف

آج ہر شخص پر یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی ہے کہ قوموں کی مذہبی۔ تمدنی۔ اخلاقی و اقتصادی ترقی میں قومی اخبارات کی رہنمائی کو بڑا دخل ہے۔ جو لوگ دنیا کے روزانہ انقلاب اور قوموں کے عروج و انحطاط کے حالات سے بے خبر ہیں وہ زندگی کے کسی شعبہ میں ترقی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح قومی اخباروں میں سے جو اخبار کہ قوم کی فلاح و بہبود کی جگہ اپنے مالی فائدے کو مدنظر رکھتے ہیں وہ بجائے قوم کی اصلاح کرنے کے اس کی تباہی و بربادی کے باعث بنجاتے ہیں۔

اخبار الجمعیۃ دہلی جو تین سال سے جمعیۃ علماء ہند دہلی کی سرپرستی میں نکل رہا ہے اُن صحیح اور حقیقت شناس راست باز اخباروں میں سے ہے جنھوں نے حقیقی طور پر مذہب و وطن کی سچی خدمت کی ہے اور ہر موقع پر نہایت دیانت اور جرأت کے ساتھ حق رہنمائی ادا کیا ہے۔ اپنے مالی فائدے اور نقصان سے قطع نظر کر کے قوم کے خالص فائدے کا خیال رکھا اور طرفۃ العین کے لئے بھی جادۂ حق سے انحراف نہیں کیا۔ الجمعیۃ بحالطور پر اس کا مستحق تھا کہ قوم کا کوئی فرد اسکی رہنمائی سے بے بہرہ رہتا اور مسلمانوں کے گھر گھر میں یہ اخبار پڑھا جاتا۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسکی کما حقہ قدر نہ کی اور اس ۳ سال کے عرصہ میں اس کی اتنی اشاعت بھی نہیں ہوئی کہ وہ اپنے مصارف سے ہی بے فکر ہو جاتا۔ ہم تمام مسلمانوں سے مذہب و وطن کے نام پر اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مفوز و مؤثر اخبار کے زریں مضامین سے فائدہ اُٹھائیں اور کوشش کریں کہ پڑھے لکھے مسلمانوں کا کوئی گھر اس اخبار سے خالی نہ رہے۔ بالخصوص معاونین جمعیۃ سے پوری اُمید رکھتے ہیں کہ ہر خریدار کم از کم دو جدید خریدار مہیا کر دینے کی کوشش کر کے اپنے مذہبی اور وطنی فریضہ کو ادا کرے گا۔ اخبار الجمعیۃ کی امداد درحقیقت مذہب و وطن اور قوم کی امداد ہے اور ہر معاون تمام مسلمانوں اور مذہب و وطن کی طرف سے شکریہ کا مستحق ہے۔

(حضرت مولانا سفتی) محمد کفایت اللہ (صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند) (سیٹھ حاجی) عبد اللہ ہارون (ایم ایل اے صدر جمعیۃ مرکزیہ خلافت) (مولانا) حبیب الرحمٰن (صاحب صدر خلافت کمیٹی لدھیانہ) (مولانا) ظفر علیخاں (صاحب۔ اڈیٹر زمیندار لاہور) (مولانا) احمد سعید (صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند) (جناب) قریشی (صاحب اڈیٹر منظم۔ آنریری اسسٹنٹ سکرٹری آل انڈیا تنظیم کمیٹی امرتسر) (مولانا سید) سلیمان (صاحب ندوی۔ اڈیٹر معارف اعظم گڈھ) (مولانا) ابو المحاسن محمد عرفان (صاحب ناظم ایالت جمعیۃ علماء ہند و ناظم جمعیۃ مرکزیہ خلافت) (مولوی سید) رحیم بخش (صاحب سابق وزیر اعظم ریاست بہاولپور کے سی ایس آئی۔ ایم ایل سی) (مولانا سید) عطاء اللہ شاہ (صاحب بخاری) (مولانا) ثناء اللہ (صاحب اڈیٹر اہلحدیث امرتسر) (مولانا) عبد الماجد (صاحب دریابادی اڈیٹر سچ و صدر خلافت کمیٹی اودھ) (ڈاکٹر) سیف الدین (صاحب کچلو امرتسر) (مولانا سید) غلام بھیک (صاحب نیرنگ معتمد عمومی جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ) (مولانا) غلام رسول (صاحب تہر اڈیٹر انقلاب لاہور) (سید) جالب (صاحب اڈیٹر ہمدم لکھنؤ) (ڈاکٹر سر) محمد اقبال (صاحب بیرسٹر ایٹ لاء لاہور) بدر الحسن (صاحب بھلائی اڈیٹر مدینہ بجنور) (حضرت مولانا) حسین احمد (صاحب جانشین حضرت شیخ الہند) (مولانا) شبیر احمد (صاحب عثمانی دیوبند) (مولانا حبیب الرحمٰن (صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند) (مولانا) عبد الحلیم (صدیقی لکھنؤ) (مولانا ابو المحاسن محمد سجاد (صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار) (مولانا) مرتضیٰ حسن (صاحب دربھنہ)

(سر صاحبزادہ) عبد القیوم (ایم اے ایل ایل بی) (دیوان سید) آل رسول (صاحب سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف) (مولانا پیر) محمد ضیاء الدین (صاحب سجادہ نشین سیال شریف پنجاب) (مولانا سید مناظر احسن (صاحب گیلانی پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد و کن) (سر) شیخ عبد القادر (ایم اے بار ایٹ لاء) (مولانا) ابو الوفاء ثناء اللہ (صاحب امرتسری)

(اخبار الجمعیۃ کے لئے تمام درخواستیں منیجر الجمعیۃ۔ دہلی کے پتہ پر آنی چاہئیں۔ قیمت سالانہ ۴ شش ماہی ۲ سہ ماہی ۱ نمونہ مفت)

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت دُنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم" قلم ہی؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سُرخ اور سُنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں

جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر

ضرورت پیش آتی ہی

ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide to Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہی

ہندوستان

کے تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے ملسکتی ہی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۰ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظربند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز و مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

قیمت ۱۲ر (مینجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہی، تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی مشہور عالم دوا کا منگوا کر

استعمال کیجئے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لیگئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور

جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانۂ قصر کے لئے کتابیں بہم پہنچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے

بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے

ہر چھ ماہ کے

بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن وصنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب ومشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے، اور نقوش، پرانے زیور، آرایش وتزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب ونوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط وکتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف وسامی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران، ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

باایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

برّاعظم یورپ امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں۔

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط وکتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہو کہ ہمارا سفیری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

مطبوعات الهلال بك ایجنسی

معارف ابن تیمیه و ابن قیم

دیني علوم کے بیش بہا جواهر ریزے

اس سلسله میں هم نے امامین کي ان نادر و اعلیٰ درجه کي بلند پایه عربي تصانیف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کیا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے لیے نهایت ضروري و ناگزیر هے - امید که یه "سلسلهٔ تراجم" بد نصیب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوهٔ حسنه — امام ابن قیم کي فن سیرت میں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپیه -

کتاب الوسیله — لفظ "وسیله" کي بحث کے علاوه امام ابن تیمیه نے اسلام کے اصل الاصول "توحید" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد اڑهائي روپیه ' مجلد سوا تین روپیه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' دربعه معاش ' طریق عبادت اور انکے مفصل حالات بیان کیے هیں دس آنے -

تفسیر سورة الکوثر — امام ابن تیمیه کے مخصوص انداز تفسیر کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقیٰ — خالق و مخلوق کے درمیان واسطه کا فرق بدلائل بیان کیا هے - چهه آنے -

سیرت امام ابن تیمیه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهایت خوش اسلوبي سے بیان کیے هیں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سید محمد رشید رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپیه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے
خلاف الامه — فی العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — یه ایک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خریدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگریزي ' اور دوسري زبانوں کي تمام اهم اور اعلیٰ مطبوعات کے متعلق بهترین تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کیا هے - اسکے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دین کے حالات ' لطائف افسانه ' نظمیں اور ممالک اسلامیه کے معتبر ذرائع سے حاصل کیے هوے حالات درج کیے جاتے هیں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپیه پیشگي -

منیجر الهلال بك ایجنسی

(حلقه نمبر ۲۴ شیرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهین

اور نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائین

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان این دفتر پارینه را
تازه خوابی داشتن گر داغهاے سینه را

اردو صحافت کي تاریخ میں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصیات میں ایک انقلاب آفریں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ایک هفته وار مصور رساله تها ' لیکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں میں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پیدا کرني چاهتا تها ' اس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر میں مختلف ابواب ' مذهب ' سیاست ' ادبیات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصیات کے لحاظ سے اپني نظیر آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبیاں اُردو صحافت میں اعلیٰ طباعت و ترتیب کا پهلا نمونه تهیں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس میں هاف ٹون تصاویر کے اندراج کا انتظام کیا گیا ' اور ٹائپ میں چهپنے کي وجه سے بهت سي ایسي خوبیاں پیدا هوئیں جو پتهر کي چهپائي میں ممکن نهیں - اس کي جلدیں جدید اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سیاسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترین مجموعه هیں - ان کي مقبولیت و قدر کا اندازه اس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ میں بعض شایقین علم و ادب نے اس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپیه میں خرید لیا - اور حال میں ایک صاحب نے اس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر میں بهي موجود نهیں) ساڑهے چارسو روپیه میں حیدرآباد سے خریدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هیں وه بڑي سے بڑي قیمت پر بهي علحده کرنے کیلیے تیار نهیں - پچهلے دنوں "البلاغ پریس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان میں منتقل کیا گیا تو ایک ذخیره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شایقین علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلدیں مرتب کي جا سکتي هیں مرتب کرلي جائیں اور جن جلدوں کي تکمیل میں ایک دو پرچوں کي کمي هو انهیں دوباره چهپوا لیا جاے -

چنانچه الحمدلله یه کوشش ایک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلدیں پوري مکمل هوگئي هیں - هم اس اعلان کے ذریعه شایقین علم و ادب کو آخري موقعه دیتے هیں که اس قیمتي ذخیره کے حاصل کرنے میں جلدي کریں ' چونکه جلدوں کي ایک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهیں درخواستوں کي تعمیل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچیں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا میں تمام مضامین کي انڈکس به ترتیب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپیه الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپیه
" " چهارم ۱۰ روپیه " " پنجم ۱۰ روپیه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اس نام سے شائع هوا) قیمت ۸ روپیه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هیں جن میں سے هر پرچه اپنے مضامین کے لحاظ سے ایک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قیمت في پرچه ۸ آنه - محصول ڈاک و پیکنگ اس کے علاوه هے -

منیجر "البلاغ پریس"

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز لنڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher:
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں - اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں با قاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں، تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں، ترکاریوں اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.

جلد ۱ ۱۹۲۷ نمبر ۱۸



الہلال

جلد ۱

نمبر ۱۸

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ آنہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - - بارہ روپیه

هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه

قیمت شش ماهي - - - ساڈھ روپیه

قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں اُنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکھیے -

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني ارڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين القرآن الحكيم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۱۸ | کلکتہ : جمعہ ۲۴ ۔ ربیع الثانی ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 21, October 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قاریین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ۱۴۹۲ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۱۷	اردو حروف کی حق مین	۴۱۰
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	۴۶۴	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۵۰	نستعلیق ھون	۱۵۱

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا بہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

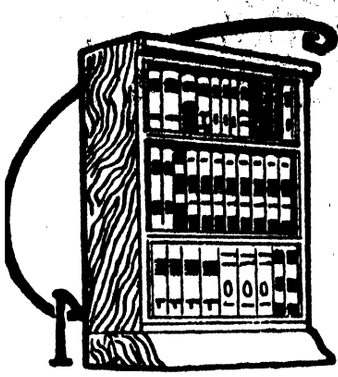

مقالات

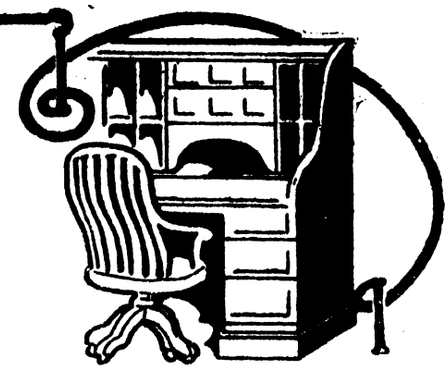

علم اور کلیسا کا معرکہ

کلیسائي جہل و جمود کے بعض تاریخي حقائق

گزشتہ تین صدیوں سے دین اور علم کي معرکہ آرائي کا غلغلہ بلند ہے - لیکن في الحقیقت یہ معرکہ دین اور علم میں نہیں ہے - دیني جماعتوں اور علم کے مدعیوں میں ہے- اگر یہ دونوں صف آرا جماعتیں میدان سے ہٹ جائیں ' تو پھر صرف علم اور دین باقي رہجائینگے ' اور دنیا دیکھہ لیگي کہ ان میں کوئي نزاع نہیں ہے !

یورپ میں جب نئي علمي ترقیات نے نشو و نما پائي ' تو دین ' مسیحي کلیسا کي شکل میں موجود تھا - علمي حلقوں کا تصادم کلیسا کے جمود و تعصب سے ہوا ' اور اس نے معرکۂ علم و دین کي صورت اختیار کرلي -

امریکا میں ڈریپر نے اور یورپ میں کیلي نے اس معرکہ آرائي کي داستانیں لکھیں ' اور " علم " کي فتح مندیوں اور " دین " کي ہزیمتوں کا غلغلہ ہر طرف بلند ہوگیا - حالانکہ اس فرضي معرکہ آرائي میں اُنھوں نے جس فریق کو " دین " کے نام سے پکارا ہے ' وہ دین نہ تھا ' دیني جماعتوں کا ایک خاص نظام تھا جو کلیسا کے نام سے قائم ہوگیا ہے - اگر وہ " دین " کي جگہ " کلیسا " کا لفظ اختیار کر لیتے ' تو یہ پورا رزم نامہ اپني جگہ صحیح ہوجاتا ' اور ہمیں علم کي فتح مندیوں اور کلیسا کي ہزیمتوں کے اعتراف میں ذرا بھي تامل نہ ہوتا - جان ڈکنسن اور پروفیسر وھائٹ نے ڈریپر اور کیلي کي یہ غلط اندیشي دور کرني چاھي ' لیکن اُن کي صدائیں زیادہ بلند اور مقبول نہ ہوسکیں -

(پروٹسٹنٹ کلیسا اور علم)

انیسویں صدي کے آخر میں اکثر مصنفوں نے اِس نزاع کي ذمہ داري رومن کیتھولک کنیسے پر ڈالدي ہے اور اُسي کو علم کي دشمني اور علماء کي تعذیب کا مجرم قرار دیا ہے - گویا اِس کنیسے کے سوا کسي دوسرے مسیحي کنیسے نے علم کي کوئي مقاومت نہیں کي - لیکن یہ صحیح نہیں ہے - یہ تاریخي حقیقت ہے کہ روشن خیالي اور تسامح علمي میں سب سے زیادہ مشہور کلیسا ' پروٹسٹنٹ بھي عقلي تنگ نظري اور علم دشمني میں رومن کنیسے سے پیچھے نہیں رہا - لوتھر کے جانشینوں نے بھي علم دشمني میں ویسي ھي مجاھدانہ روح پیدا کرلي تھي ' جیسي صدیوں سے قدیم کلیسا میں موجود تھي -

گلیلیو نے جب کوپر نیکوس کے نظریے کي حقانیت ثابت کردي ' اور دوربین کے ذریعہ چاند میں پہاڑ ' سورج میں دھبے ' اور عطارد کے اقمار دکھا دیے ' تو رومن کنیسا غیظ و غضب سے مجنوں ہوگیا - دیني عدالت کو حکم دیا گیا کہ اِس " ملحد " کو گمراھي سے روکا جائے ' اور کنیسا کي اطاعت پر مجبور کیا جائے - دلیل و برھان سے نہیں — جس سے کنیسا تہي دست تھا — لوہے اور آگ سے ' جس کي کنیسے کے پاس کوئي کمي نہ تھي !

لیکن کیا لوتھر اور اُس کے پیرو اِس " الحاد " کے کم دشمن تھے ؟ کیا اُنھوں نے عقل کے قید کرنے اور گمراھي کے پھیلانے میں کوئي کمي کي ؟ اِس کا جواب ہم خود لوتھر کي زبان سے سن سکتے ہیں - کوپر نیکوس کا رد کرتے ہوئے وہ کہتا ہے :

" لوگ ایک مجنوں نجومي کي بکواس پر کان دھرتے ہیں - حالانکہ وہ ثابت کرنا چاھتا ہے کہ زمین گردش کرتي ہے ' نہ کہ آسمان - واقعہ یہ ہے کہ لیاقت اور دانائي میں شہرت حاصل کرنے کا ہر خواہش مند انسان کوئي نہ کوئي نیا نظریہ پھیلانے کي کوشش کرتا ہے - وہ مدعي ہوتا ہے کہ اُس کا نظریہ سب سے زیادہ صحیح اور سب سے زیادہ یقیني ہے - یہ آسیب زدہ انسان آج اتّھا ہے کہ علم ھئیت کے تمام قواعد و اصول تہہ و بالا کر ڈالے - حالانکہ کتاب مقدس میں صاف لکھا ہے کہ یوشع نبي نے سورج سے کہا ' ٹھہر جا - لیکن زمین کو ایسا حکم نہیں دیا گیا ' کیونکہ وہ خود ھي ٹھہري ہوئي ہے "

ایک دوسرے پروٹسٹنٹ مصلح میلان کا لہجہ اِس " الحاد " کے مقابلے میں لوتھر سے نرم ہے - لیکن وہ بھي اپني کتاب میں (جو کوپر نیکوس کي وفات کے چھہ برس بعد شایع ہوئي ہے) لکھتا ہے :

" ھماري آنکھیں مشاھدہ کرتي ہیں کہ آسمان ہر چوبیس گھنٹے میں گھوم جاتے ہیں - لیکن بعض جدت پسندوں نے مشہور کرنا شروع کردیا ہے کہ زمین حرکت کرتي ہے نہ کہ فلک ثاني اور آفتاب - اِس قسم کے خیالات کي علانیہ اشاعت اور اُن کے ذریعہ مخلوق کي تضلیل ' بلند ھمتي اور دیانت داري کے قطعي خلاف ہے - کیونکہ یہ لوگوں کے لیے مکروہ نتائج پیدا کرنے والا نمونہ بن جائیگا - جو کوئي بھي نیکي کا طالب ہے ' اُسے حق سے روگرداني نہیں کرني چاھئے - وہ حق ' جو خداوند خدا نے اپني کتاب میں نازل فرمایا ہے ' اور جسکے سوا سب کچھہ باطل ہے "

اس کے بعد یہي مسیحي مصلح مزامیر داود اور دیگر مقدس صحیفوں کا حوالہ دے کر دعوی کرتا ہے " ان سے پوري وضاحت کے ساتھہ ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین ٹھہري ہوئي ہے اور سورج اُس کے گرد گھومتا ہے " اِتناھي نہیں بلکہ اپنے بیان کے اثبات میں وہ عقلي دلائل بھي پیش کرتا ہے ' اور پھر یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ " زمین اُسي حالت میں ایک جگہ قائم رھسکتي ہے جبکہ وہ اِس کائنات کے وسط میں ہو " پھر اُسے غصہ آجاتا ہے - وہ غضب ناک ہوکر کہتا ہے " اُن لوگوں کو سخت عبرت انگیز سزائیں دیني چاھئیں جو کوپر نیکوس کي تعلیم کي اشاعت کرتے ہیں " !

صرف لوتھر اور میلان ھي نے اِس علمي تحقیق کي مخالفت نہیں کي ' بلکہ پروٹسٹنٹ کنیسا کے اور بہت سے اقطاب بھي سخت مخالف رہے - چنانچہ کالون نے اپني کتاب " حواشي بر سفر تکوین" میں کوپر نیکوس اور اس کے ہم خیالوں پر بڑي سختي سے حملہ کیا ھے اور اُن سب کو کافر اور ملحد قرار دیا ھے جو زمین کو نظام کائنات کا مرکز تسلیم نہیں کرتے - وہ زبور کي آیتیں پیش کرنے کے بعد سوال کرتا ھے " وہ کون ھے جو کوپر نیکوس کو روح القدس کي سي عظمت رکھنے والا سمجھنے کي جرأت کر سکتا ھے ؟ "

کالون کے جانشین ' تریشن کي بھي یہي رائے تھي - کپلر اور نیوٹن نے جب کوپر نیکوس اور گلیلیو کے نظریے پوري طرح ثابت کر دیے ' اور ان کے لیے غیر متزلزل قواعد مقرر کر دیے ' تب بھي تریشن اپني لاھوتي کتاب شایع کرنے سے باز نہیں رھا ' اور کتاب مقدس کے نصوص سے ثابت کرنا چاھا کہ آسمان ' سورج ' اور چاند زمین کے گرد گھومتے ھیں ' اور خود زمین نظام کائنات کے مرکز میں قائم و ثابت ھے !

تاریخ انگلستان میں بھي اِس لاھوتي جد و جہد کي بہت مثالیں ملتي ھیں - ھچنسن نے اپني کتاب " اصول موسوی " میں ' ڈاکٹر سموئیل بیک نے " مقدس فلسفہ " میں ' ھورن ' اسقف ھورسلے ' اور روبس وغیرھم نے اپني اپني تفسیروں میں نیوٹن کے نظریے کي بڑي سرگرمي کے ساتھہ مقاومت کي ھے - کتاب مقدس کي آیتوں سے مسلح ھوکر اُس پر ٹوٹ پڑے ھیں - یہي حال ڈاکٹر جان اوین کا ھے ' جو پیورٹیین مذھب کا ایک بڑا قطب مانا جاتا ھے - اُس نے انتہائي دیدہ دلیري سے اعلان کردیا کہ " کوپر نیکوس کا نظریہ ' سراسر وھم و خیال ھے - کیونکہ نصوص وحي کے برخلاف ھے " مشہور جان دیسلے بھي اِس گروہ سے باھر نہیں ھے - اُس کا صاف اعلان تھا " جدید فلکي نظریے کفر و الحاد کي طرف لیجانے والے ھیں "

سولھویں صدي کے وسط میں شہر ویٹنبرگ میں (جو پروٹسٹنٹ مذھب کا مرکز تھا) دو عالم رٹي کوس اور رینالڈ رھتے تھے - اُنھوں نے کوپرنیکوس کے مذھب کي تحقیقات کي تھي ' اور اُسے حق سمجھتے تھے - لیکن انھیں اجازت نہیں دي گئي کہ اپنے طالب علموں پر اپنا یہ اعتقاد ظاھر کریں - رٹي کوس نے تو تنگ آکر یونیورسٹي سے استعفا دیدیا ' تاکہ آزادي کے ساتھہ اعلان حق کرسکے - لیکن رینالڈ یہ نہ کرسکا - اُسے مجبور ھونا پڑا کہ قدیم مذھب کي حمایت کرتا رھے - اُسے حکم دیا گیا تھا کہ اپنے درس میں کوپرنیکوس کے مذھب کا کوئي ذکر نہ کرے - اگر کبھي اِشارہ کرنا پڑے تو پھر اُس پر بطلیموسي نظام کو ترجیح دے - اُس نے اِس حکم پر عمل کیا - لیکن اِس پر بھي تکفیر سے محفوظ نہ رہ سکا ' اور بالاخر ذات کے ساتھہ یونیورسٹي سے نکال دیا گیا - اُس کي جگہ ایک نیا استاد مقرر ھوا تھا - اِس معلم نے اپني پہلي تقریر اِس جملے سے شروع کي تھي : " کوپرنیکوس کا نظریہ ' بدیہي طور پر غلط ھے - خلاف عقل ھے - ھرگز علمي مرکزوں میں اُسکا ذکر نہیں کرنا چاھیے ! "

پروٹسٹنٹ لاھوتیوں نے صرف اِتنے ھي پر اکتفا نہیں کیا ' بلکہ تعلیم گاھوں میں بھي ایسي کتابیں داخل کر دیں ' جو قدیم خرافات کا مجموعہ تھیں - چنانچہ کاھن ھنسل نے مدارس کے لیے ایک مختصر کتاب " اصل کائنات اور نظام موسوي کا اتباع " لکھي تھي اور ثابت کیا تھا کہ کوپرنیکوس کے فلکي نظریے کتاب مقدس کے بالکل خلاف ھیں " خواہ ریاضي کے قواعد اور دوربین کے مشاھدات کا کتنا ھي دعوی کیوں نہ کیا جاے ' لیکن ایک ایماندار مسیحي کو کبھي تسلیم نہیں کرنا چاھیے " !

یہ علم دشمني صرف قرون مظلمہ ھي کا خاصہ نہ تھي - جدید پروٹسٹنٹیت کو بھي وراثت میں ملي تھي - چنانچہ اُنیسویں صدي کے آخري برسوں میں مشن کالجوں کے بہت سے استاد اِس جرم پر خارج کر دیے گئے تھے ' کہ وہ جدید علم ھیئت پر اعتقاد رکھتے تھے اور اسلیے ملحد تھے !

(کلیسائي علم و استدلال)

لاھوتي عدالت میں گلیلیو کي سزا یابي کے بعد رومن کیتھولک کلیسا کي ھدایت سے کئي کتابیں لکھي گئي تھیں ' تاکہ کوپر نیکوس کي " گمراھي " مسیحي دلوں سے دور کي جائے - چنانچہ سیبیرومونٹی اپني کتاب میں زمین کو ساکن ثابت کرتے ھوے لکھتا ھے :

" جو حیوانات حرکت کرتے ھیں ' اُن کے اعضاء اور عضلات ھوتے ھیں - لیکن چونکہ زمین نہ تو اعضاء رکھتي ھے ' نہ عضلات ' اس لیے وہ حرکت نہیں کرسکتي - وہ فرشتے ھیں ' جو زحل ' مریخ ' آفتاب وغیرہ کو حرکت دیتے رھتے ھیں - اگر بفرض محال تسلیم بھي کرلیا جائے کہ زمین متحرک ھے ' تو اُسے حرکت میں لانے کے لیے ضروري ھوگا کہ اُس کے مرکز میں ایک فرشتہ ھو - حالانکہ معلوم ھے کہ فرشتے زمین کے اندر نہیں رھتے - وھاں تو صرف شیطان کا بسیرا ھے - اگر کہا جاے کہ شیطان زمین کو متحرک رکھتا ھے ' تو یہ نا قابل تسلیم ھے - کیونکہ شیطان کے ایسے اعمال کتاب مقدس سے ثابت نہیں " !

کاش اس مسیحي علامہ کو معلوم ھوتا کہ اگر ستاروں کي حرکت کیلیے فرشتوں کي تلاش ھے ' تو وہ فرشتہ موجود ھے - اس کا نام " قوت جذب و دفع " ھے !

پولاک اپني کتاب " کوپر نیکوس کے رد " میں اِس طرح گہر افشاني کرتا ھے :

" کتاب مقدس کي تصریح موجود ھے کہ زمین ساکن ھے اور سورج چاند گردش میں ھیں - اگر کبھي ھم دیکھیں کہ سورج چاند متحرک نہیں ھیں ' تو کتاب مقدس کي رو سے ھمیں ماننا پڑیگا کہ یہ تبدیلي کسي عظیم معجزے کي بنا پر پیدا ھوئي ھے - اس کے خلاف جتنے خیالات ھیں ' اُن کي اشاعت پوري سختي سے روک دیني چاھیے ' کیونکہ اُنمیں زمین کے متعلق ایک ایسي رائے پیش کي جاتي ھے جو کتاب مقدس کے صریح خلاف ھے "

پھر عقلي دلائل اور مشاھدے سے بھي استدلال کرتا ھے :

" اگر تسلیم کر لیا جائے کہ زمین حرکت کرتي ھے تو پھر مشاھدات کي توجیہ کیا کي جاسکتي ھے ؟ اگر ایک تیر آسمان کي طرف پھینکا جاے ' تو وہ اپني جگہ واپس آجائیگا - حالانکہ تیر بہت دور جاکر گرنا چاھیے - کیونکہ نئے نظریے کے بموجب زمین از حد سرعت سے مشرق کي طرف جا رھي ھے - اگر في الواقع زمین متحرک ھوتي تو زمین کا پورا کارخانہ درھم برھم ھو جاتا "

اسکے بعد لکھتا ھے :

" کوپرنیکوس کے نظریے کے بموجب زمین کا متحرک ھونا ' خود زمین کي طبیعت کے بھي خلاف ھے - کیونکہ زمین صرف ٹھوس

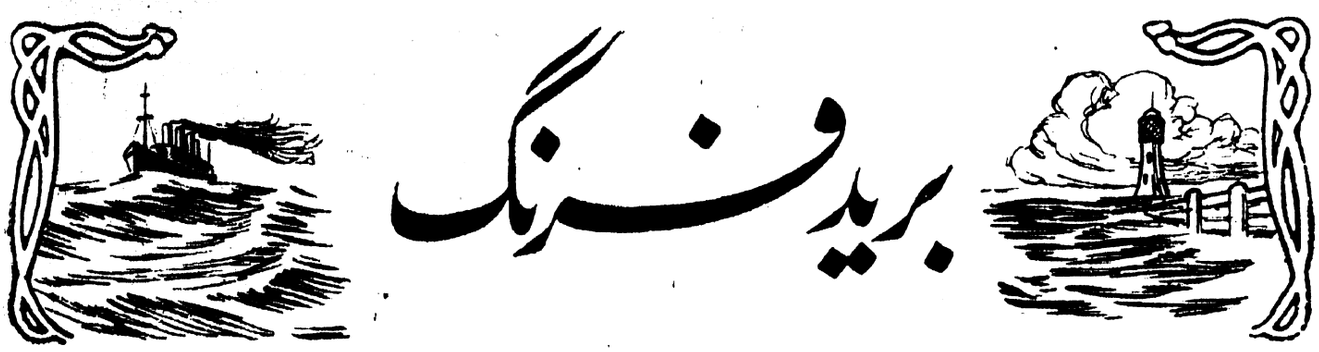

اور سرد ہي نہيں ہے ' بلکہ اپنے عناصر ميں بردت کے خواص بھي رکھتي ہے - معلوم ہے کہ بردت حرکت کو روکتي ہے - بلکہ اُسے فنا کر ڈالتي ہے - ہم حيوانات ميں ديکھتے ہيں کہ ٹھنڈے پڑ جانے کے ساتھہ ہي اُن کي حرکت بھي موقوف ہو جاتي ہے - لہذا زميں کا متحرک ہونا قطعاً محال ہے "

" کتاب مقدس کي صريح نصوص سے ثابت ہے کہ آسمان زميں کے اوپر حرکت کر رہے ہيں' اور چونکہ مدور حرکت کے ليے ضروري ہے کہ اُسکا کوئي مرکز قائم ہو' لہذا تسليم کر لينا پڑيگا کہ زميں نظام کائنات کے وسط ميں ثابت و قائم ہے "

يہ کيتھولک کليسا کے خيالات تھے - مگر پروٹسٹنٹ کليسا بھي اس سے کچھہ کم عقل مند نہ تھا - لوتھر کے پيرو بھي کتاب مقدس کي تفسيروں اور لوتھر کے اقوال کے اندھے مقلد تھے - کالوليس باوجود اپنے وسيع علم و نظر کے ' لوتھر کا اس درجہ مقلد تھا کہ اُس نے بھي اِس علمي حقيقت کے تسليم کرنے صاف انکار کر ديا - زميں کي حرکت کے خلاف اُس کي سب سے بڑي دليل يہ تھي :

" کتاب مقدس ميں لکھا ہے - خدا نے خرقيا نبي سے کہا " ديکھہ ميں آفتاب کے ڈھلے ہوئے سايہ کے درجوں ميں سے جو دھوپ گھڑي ميں معلوم کيے جاتے ہيں' دس درجے پھرا کے چڑھا لاؤنگا " چنانچہ آفتاب جن درجوں ميں ڈھل گيا تھا ' اُن سے دس درجے پھر چڑھ گيا (اشعياء - باب ۳۸) "

انگلستان کے مشہور لاہوتي عالم ڈاکٹر اسمتھہ نے اعلان کر ديا تھا :

" شاہي علمي انجمن ' ملحدوں کي انجمن ہے اور دين کے خلاف کوشش کر رہي ہے "

جان اوين کا اعلان ہے :

" نيوٹن کا نظريہ کبھي صحيح علمي بنياد پر قائم نہيں ہوا - وہ سراسر اوہام و خرافات ہے - اور کتاب مقدس کي صريح نصوص کے مخالفت ہونے کي وجہ سے ناقابل اعتنا ہے "

جان ريزي کا مقولہ مشہور ہے :

" اگر سحر و ساحري بے اصل چيز ہے ' تو انجيل کي کوئي بات بھي صحيح نہيں ہے "

يہ تھي مسيحي کليسا کي ذہنيت جس نے علم کے مقابلہ کا اعلان کيا تھا ' اور يقيناً اُس کے ليے اس ميدان مبارزت ميں دائمي اور ہلاکت انگيز شکست کے سوا کچھہ نہ تھا - کسي انسان کو بھي جو حقيقت اور صداقت کا احساس رکھتا ہے ' اس شکست پر متاسف نہيں ہونا چاہئے -

دنيا کي مشترک اور عام زبان

کيا تمام دنيا ميں ايک مشترک زبان رائج ہو سکتي ہے ؟

اسپرنٹو

گذشتہ مہينے ميلان (اٹلي) ميں يورپ کي نئي مشترک زبان " اسپرنٹو " کے حاميوں کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا تھا جو کئي سال سے ہر سال منعقد ہوا کرتا ہے - تازہ ڈاک ميں اس اجتماع کي بعض دلچسپ تفصيلات آئي ہيں - چونکہ ہندوستان ميں اس وقت تک اس نئي زبان کي نسبت بہت کم لکھا گيا ہے ' اس ليے ہم بعض مضامين کا خلاصہ درج کرديتے ہيں :

موجودہ علمي ترقيوں ' تمدني ضرورتوں ' ذرائع مواصلات کي سہولت نے دنيا کے تمام بر اعظموں کو باہم دگر ملا ديا ہے - اِس زمانے ميں کوئي قوم ' دوسري قوموں سے قطع تعلق کرکے زندہ نہيں رہ سکتي -

ليکن اِتنے قرب و مواصلت پر بھي دنيا کي قوميں اِس وقت تک ايک دوسرے سے دور ہي ہيں - اُن ميں باہمي تعارف کے ذرائع بہت کم پيدا ہوے ہيں - اِس صورت حال کي بڑي ذمہ داري ' قوموں کي علحدہ علحدہ زبانوں پر ہے - ہر قوم اپني مخصوص زبان رکھتي ہے - دوسري قوم کي زبان سے نا واقف ہے - اگر واقف ہونا بھي چاہے تو بہت مشکل ہے کہ بہت سي زبانيں ہر شخص سيکھہ سکے - اِس ليے عالمگير تعارف و اجتماع کي کوئي صورت نکل نہيں سکتي -

يہ حالت ديکھکر مدت سے بعض عقلاء مغرب کا خيال ہے کہ دنيا بھر کے ليے کوئي سہل اور مختصر زبان پيدا کي جاے - " اسپرنٹو " ايک ايسي ہي نو ساختہ زبان کا نام ہے جو پچھلي صدي کے اواخر ميں ايجاد کي گئي ہے -

اسپرنٹو کا موجد ايک روسي ڈاکٹر زميںہوف نامي ہے - يہ صوبہ کروڈنو کے ايک چھوٹے سے گاؤں بيسلٹوک کا رہنے والا ہے -

اِس زبان کي ايجاد کا خيال اُسے اُس وقت پيدا ہوا ' جبکہ اُس کي عمر صرف دس بارہ برس کي تھي - اُس نے يہ سرگذشت خود اپني زبان سے اِس طرح بيان کي ہے :

" ميرے گاؤں ميں روسيوں ' يہوديوں ' پولشوں ' جرمنوں کي مخلوط آبادي تھي - ميں روز سڑکوں پر لڑائي جھگڑے کے واقعات ديکھا کرتا تھا - تحقيقات سے معلوم ہوا کہ يہ جھگڑے زيادہ تر اِس ليے پيدا ہوجاتے ہيں کہ باشندے ايک دوسرے کي زبان نہيں

سمجھتے - میں نے خیال کیا ' اپنے گاؤں کے لیے کوئي ایسي زبان ایجاد کرني چاھئے ' جو سب کے لیے آسان اور قابل فہم ھو- اسپرانٹو ' اسي خیال کا نتیجہ ھے "

یہ کام آسان نہ تھا - ڈاکٹر مذکور کو یورپ کي تقریباً تمام زبانیں سیکھني پڑیں - سب کي صرف و نحو میں مہارت حاصل کي ' اور ایک بالکل نئي زبان اور نیا قاعدہ بنانا پڑا - سنہ ۱۸۸۵ ع میں اُس نے اپني تعلیم ختم کي تھي اور طبابت کا پیشہ اختیار کرلیا تھا - تاھم اُس کي تمام تر توجہ اِس نئي زبان کي تکمیل و اشاعت ھي پر صرف ھوتي رھي - سنہ ۱۸۸۷ ع میں اُس نے اِس زبان کي پہلي کتاب شائع کي - اُس کا نام " عالمگیر زبان " تھا -

شروع شروع میں اُسے سخت ناکامیابي ھوئي - سب لوگ اُسے مجنوں قرار دیتے تھے - کوئي اُس کي مدد پر کھڑا نہیں ھوتا تھا - لیکن بتدریج یورپ میں اُس کا خیال مقبولیت حاصل کرنے لگا ' اور اِس زبان کي ترقي کے لیے پیرس میں ایک انجمن " Esperantistes Pacifiques De Paris " کے نام سے قائم ھوگئي -

سب سے پہلے سنہ ۱۸۷۸ میں دنیا نے یہ نئي زبان سني - ڈاکٹر موصوف نے ایک جلسہ میں اس زبان کي ایک نظم سنائي - اس کے ابتدائي بند مع ترجمہ حسب ذیل ھیں :

En La mondo vanis nova sento

دنیا میں ایک نیا شعور آیا -

Fra La mondo iras ferta voko

دنیا میں ایک طاقتور دعوت پھیلانے لگا

Per de flugiloj de facila vento

ھلکي ھوا کے بازؤں پر

Nun de loko flugu gi al loko

اُسے ایک جگہ سے دوسري جگہ اڑنے دو !

اسپرانٹو ' اِس قدر آسان زبان ھے کہ اُس کے تمام قواعد ایک گھنٹہ کے اندر معلوم کرلیے جاسکتے ھیں - اُس کے الفاظ کي تعداد صرف دو ھزار ھے - چند ھفتے کي مزاولت کے بعد گفتگو اور تحریر بخوبي کي جا سکتي ھے - اُس کے تمام الفاظ یوناني ' لاطیني ' جرمن ' روسي ' فرانسیسي ' اور انگریزي زبانوں سے ماخوذ ھیں - اُس میں صرف ۲۳ حرف ھیں - u, s, j, h, g, c دو حرفوں کے قائم مقام ھوتے ھیں - کوئي ساکن حرف نہیں ھے - جو حرف لکھا جاتا ھے ' تلفظ بھي کیا جاتا ھے - شاذ افعال بھي نہیں ھیں - معرفہ کا صرف ایک حرف ھے اور وہ La ھے -

الفاظ کي قسمیں اُن کے اواخر سے پہچاني جاتي ھیں - مثلاً Patro (باپ) میں o اسم کي علامت ھے - Patra (ابوي) میں a نعت یا نسبت کي علامت ھے - Patre میں e ظرف کي علامت ھے - Palri میں i فعل کي علامت ھے -

حروف علت ' a, e, u, o, جب اصل لفظ سے ملا دیے جاتے ھیں ' تو وہ لفظ یا تو صفت ھوجاتا ھے یا ظرف ' فعل ' اور اسم -

فعل کي تصریف یوں ھوتي ھے :

(مصدر) Ami	(محبت)
میں محبت کرتا ھوں	mi Amas
میں نے محبت کي	mi Amis
میں محبت کرونگا	mi Amos
شاید میں محبت کروں	mi Amus
محبت کرو	Amu
محبت کرنے والا	Aman ta
محبت کرتا تھا	Amin to
عنقریب محبت کریگا	Amon te

اسپرانٹو زبان میں مسیحي نماز کي دعا کا ترجمہ یہ ھے :

Patro nia Kiu estas en la cielo,

اے ھمارے باپ تو جو آسمان میں ھے !

sankta estu Via nomo, Venuregeco Via.

تیرا نام پاک مانا جائے ؛ تیري بادشاھي آئے !

Estu rolo Via Kiel en la cielotiel ankau, sur la tero.

تیري مرضي جیسي آسمان پر پوري ھوتي ھے ' زمین پر بھي ھو !

Panon mian ciu tagan donu almi hodiau.

ھماري روز کي روٹي آج ھمیں دے !

Kaj pardona al ni suldojon niajn.

ھمارے قرض ھمیں بخش دے !

Kiel ni ankau pardonas al niajsuldantoj.

جس طرح ھم نے اپنے قرضداروں کو بخش دیا ھے !

Ni Konduku nin en tenton.

ھمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے !

Sed lilerigu nin de la mallona.

بلکہ برائي سے بچا !

Amen !

آمین !

الھلال کی ابتدائی نمبر

الھلال سلسلۂ جدید کے ابتدائي نمبر ' یعني نمبر ۱ - سے ۴ - تک بعض حضرات کو مطلوب ھیں ' وہ دوگني قیمت پر خرید نے کے لیے طیار ھیں - دفتر کو اطلاع دي جائے -

منیجر

تاریخ و عبر

حکومت ترکیه

اور اُس کے اجتماعي و سیاسي تغیرات

شروع سے ابتک

(٢)

(بین الا سلامي تُرکي)

سنه ١٢٣٩ ھ (١٨٧٦ ع) سے سنه ١٣٤٦ ھ (١٩٠٨ ع) تک

صورت حال یه تهي که سلطان عبدالحمید ثاني ترک مصلحین کي سعي و تدبیر سے تخت نشین هوئے - مدحت پاشا اور اُس کے ساتهي اصلاح پسند وزراء نے سلطان مراد کي جگه



سلطان محمود مصلح

متوفي سنه ١٨٣٩

عبد الحمید کو اس لیے تخت نشین کیا تها ' که وہ محسوس کرتے تهے ' سلطنت اور قوم کي سب سے بڑي ضرورت اصلاح اور دستور هے ' اور اُس کے لیے اِس نوجوان شہزادہ کا سلطان هونا مفید هوگا -

عبد الحمید تخت نشین هوا - اصلاحات کا مزید اعلان کیا گیا - عثماني سلطنت " شخصي " کي جگه " دستوري " قرار پا گئي ' اور عثماني پارلیمنٹ کے قیام کا فرمان نافذ هوگیا -

اگر یه صورت حال جاري رهتي ' تو با وجود دول یورپ کي پے هم مقا و متوں اور جنگ پلیونا کے شدید نقصانات کے ' دولۃ عثمانیه کي نئي نشو و نما شروع هو جاتي - لیکن افسوس هے که بہت جلد سلطان کے مزاج نے پلٹا کهایا ' اصلاح پسند عنصر کي جگه قدامت پرست اور خود غرض پاشاؤں کا اقتدار قائم هوگیا ' اور اصلاح و تغیر کي تمام امیدیں جو سلطان محمود مصلح کے زمانے سے نشو و نما پانے لگي تهیں ' سنه ١٨٨٠ میں ختم هوگئیں !

جس سال سلطان عبد الحمید تخت نشین هوا اور عثماني دستور کا اعلان کیا گیا ' اُسي سال جاپان کے نظام حکومت میں بهي

سلطان عبد المجید

جسنے اصلاحات کو مزید رونق اور ترقي دي



اصلاح هوي تهي اور دستوري حکومت کا اعلان کیا گیا تها - جاپان تیس سال کے اندر مشرق کي سب سے بڑي طاقتور حکومت بن گیا ' لیکن عثماني حکومت نے اُسي تیس سال کے اندر اپني رهي سهي طاقت بهي فنا کردي - جاپان نے دستوري حکومت قائم رکهي تهي ' سلطان عبد الحمید نے چهه ماه کے بعد اس کا خاتمه کر دیا تها !

اصلاحات کا خاتمه کر دینے کے بعد سلطان نے ایک نئي حکمت عملي ایجاد کي - یه حکمت عملي تُرکي اور تُرکي سے باهر " بین الاسلامي حکمت عملي " یا " اتحاد اسلامي " کے نام سے پکاري جاتي تهي - اس کا منشا یه بیان کیا گیا تها که " یه تمام مسلمانان عالم کي معنوي اور اخلاقي اعانت مرکز خلافت کے ساتهه وابسته کر دیگي "

چنانچه مدتوں کا لپٹا هوا علم خلافت از سر نو بلند کیا گیا - علماء و مشائخ کا ایک بڑا گروه دارالخلافۃ میں جمع هوگیا - ابو الهدی رفاعي اور شیخ ظافر وغیره مشائخ نمایاں هوے ' عربي عنصر سے از سر نو رشتۂ ارتباط قائم کیا گیا - عزت پاشا عابد وغیره سر بر آورده عرب مقرب بنائے گئے - عرب سپاهي بڑي بڑي تنخواهوں پر باقاعده فوج میں داخل کیے گئے ' عربي ممالک



قدیم ترکي فوج کا ایک منظر

ینگ چري سپاهي جو اصلاح کي راه میں سب سے بڑي روک تهے

میں داعي بهيجے گئے - حجاز ريلوے بنائي گئي - غرض که ايک ايسي فضا پيدا کردي گئي ' جس نے مسلمانان عالم ميں " خليفه اسلام " کي شهرت عام کردي - اِس صورت حال نے سلطان کے هاتهه ميں بظاهر ايک ايسي قوت ديدي تهي ' جس سے وه دول يورپ کو اپنے عالمگير اسلامي اثر کا يقين دلانا چاهتا تها -



سلطان عبد العزيز

اس ميں شک نهيں که سلطان عبد الحميد کي اِس حکمت عملي نے ايک سطحي شان و شوکت اور نام و نمود ضرور پيدا کردي تهي - دنيا کي سطح بين نگاهيں ديکهتي تهيں که سلطنت عثماني کي بين الاسلامي مقبوليت کا دائره وسيع هو رها هے - ليکن في الحقيقت يه جو کچهه بهي تها ' محض ايک بالائي نمايش تهي - تهه ميں کوئي صحيح اور حقيقي عملي روح نه تهي - جهاں تک خلافت آل عثمان کي بين الاسلامي مقبوليت کا تعلق هے ' تيس برس کے پورے حميدي دور ميں کوئي کوشش ايسي نهيں کي گئي جس کا منشا يه هو که دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے صحيح بنياد پر روابط قائم کيے جائيں ' اور اُن ميں اور مرکز خلافت ميں معنوي اور اخلاقي معاونت کا رشته پيدا هو - ايسے دماغ قصر سلطاني ميں موجود هي نه تهے جو ان مهمات کے فهم و عمل کي استعداد رکهتے هوں - اس باب ميں جوکچهه بهي هوا ' وه اس سے زياده نه تها که در چار خود غرض اور خداع عرب ' صوفيت اور تقدس کے بهيس ميں قصر سلطاني تک پهنچ گئے ' اور سلطان کي توهم پرستي سے فائده اٹها کر اُس پر حاوي هو گئے - شيخ ابو الهدي رفاعي ' شيخ ظافر مدني ' فضل الله مالا باري وغيرهم ' اسي قسم کي شخصيتيں تهيں - وه نه تو اسلامي ممالک ميں کوئي اثر و رسوخ رکهتي تهيں ' نه اس طرح کے کاموں کے فهم و عمل کي اُن ميں صلاحيت تهي - اگر انهوں نے اس قسم کا کوئي کام انجام ديا بهي ' تو وه صرف يه تها که عراق اور شام ميں ايسے لوگوں کي ايک جماعت پيدا کردي ' جو بيش قرار وظائف ليکر سلطان کي مدح و ثنا ميں سرگرم رها کرتے تهے ' اور تهوڑے تهوڑے عرصه کے بعد سلطان کي اطاعت و انقياد کے وجوب پر کوئي کتاب شائع هو جايا کرتي تهي - سب سے بڑا کام اس جماعت کا اور اس کے هم مشربوں کا يه تها ' که جاسوسي اور مخفي خبر رساني کا ايک بالا تر محکمه بن گئے تهے - شب و روز فرضي خطروں کے گڑهنے اور پهر اُن کے انسداد کے ليے بڑي بڑي رقموں کے وصول کرنے ميں سرگرم رهتے - اسلامي خلافت ' بين الاسلامي مرکزيت ' ديني شوکت و جبروت ' اور روحاني پيشوائي ؛ سلطاني کا يه تمام طلسم ' صرف ان بنيادوں پر قائم تها ' که قصر يلدز کي داخلي حکومت ترک افسروں کي جگه حبشي اور حجازي خواجه سراؤں کے هاتهه ميں چلي گئي تهي ' سلطان کا خاص بادي گارڈ عرب سواروں کا تها ' افريقه اور هندوستان کے بعض سياحوں کو جو گاه گاه قسطنطنيه آجاتے تهے ' " نشان مجيدي " کے تمغے مل جاتے تهے ' تعليم و ترقي کي تمام راهيں يه کهکر بند کردي گئي تهيں که " اسلامي مقاصد " کے خلاف هيں ' اصلاح نظام حکومت کو الحاد اور زندقه سے تعبير کيا جاتا تها ' تمام اصلاح طلب مسلمانوں کا شمار " مرتدين " ميں تها ' اور سب سے بڑهکر يه که هر هفته شيخ ابو الهدي وغيره مشائخ يلدز کے خواب ميں دنيا کے تمام پيغمبر اور اوليا آکر سلطان عبد الحميد کے ليے الهي برکتوں اور غيبي نصرتوں کي بشارتيں پهنچا ديا کرتے تهے !

سلطان عبد الحميد نے اگر صرف وه قوت هي منظم کردي هوتي جو خلافت اسلامي کي بين الاسلامي مقبوليت سے پيدا هو رهي تهي ' تو في الحقيقت يه اُسکے تمام جبر و استبداد کا کفاره هوتا ' اور دولة عثمانيه کے ليے مغربي طاقتوں کے غلبه و تسلط کا خطره همشه کے ليے دور هو جاتا ' ليکن وه تو اسلام اور اسلامي خلافت کو محض اپنے شخصي استبداد کے حفظ و بقا کا آله بنانا چاهتا تها - اوهام و خرافات کے سوا کوئي حقيقي عمل اُس کے سامنے نهيں تها - چين کے پانچ کروڑ مسلمانوں نے بار بار منتيں کيں اور وفود پر وفود بهيجے که انکي ديني هدايت و تعليم کا انتظام کيا جاے ' ليکن کچهه نهيں کيا گيا - افريقه کے مسلمانوں کے وفود چار سال تک قسطنطنيه ميں پڑے رهے تا که انهيں مرکز خلافت اپني اخلاقي سرپرستي ميں ليلے ' ليکن کوئي شنوائي نهيں هوئي - مصر اور مراکش کي سرپرستي خود اپنے هاتهوں ضائع کر ڈالي - يمن اور نجد کے قبائل محض اس ليے سرکش و مخالف رهے ' که ترک واليوں کے مظالم سے اُنهيں کبهي نجات نهيں ملتي تهي -



مصطفى فاضل پاشا

جس نے سلطان عبد العزيز کے نام لائحهٔ اصلاحيه بهيجا تها -

اصل یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے اتحاد اسلامی اور خلافت دینی کا مظاہرہ اس لیے نہیں کیا تھا کہ فی الحقیقت اس باب میں کوئی روشنی اس کے سامنے موجود تھی ' اور وہ کسی تعمیری جذبہ سے اِس طرف قدم بڑھانا چاہتا تھا ' بلکہ یہ تمام باتیں محض ایک طرح کے منفی اور تخریبی جذبہ سے پیدا ہوئی تھیں - مقصود یہ تھا کہ اِس کے ذریعہ اصلاح طلب تحریک کی نشو ؤ نما کا خاتمہ کردیا جائے ' اور اُس کی طرف سے عثمانی رعایا کے قلوب غافل ہوجائیں - یہی وجہ ہے کہ یہ باتیں صرف اِسی حد تک کام میں لائی جاتی تھیں ' جس حد تک ترکی مصلحین کی مخالفت میں سود مند ہوسکتی تھیں - حقیقت اور عملیت کی کوئی روح موجود نہ تھی - اگر سلطان عبد الحمید اتحاد اسلامی اور مرکزیت خلافت کی تقویت کا واقعی طلب گار ہوتا ' تو سید جمال الدین اسدآبادی اور شیخ محمد عبدہ سے بڑھکر اِس کے لیے کون داعی اور عامل ہو سکتے تھے ؟ ان دونوں نے بیس برس تک اپنی تمام طاقتیں عبدالحمید کے ہاتھوں میں دیدینی چاہیں ' لیکن ان کے ساتھہ جو سلوک ہوا ' دنیا کو معلوم ہے - پہلے کو موت کا زہر آلودہ جام پینا پڑا - دوسرے کو قصر سلطانی کی چوکھٹ تک باریابی نصیب ہی نہ ہوئی !

بہر حال سلطان عبدالحمید کا دور ' دولۃ عثمانیہ کے زوال طاقت کا آخری عہد تھا - سلطان کو مدحت پاشا کی جماعت نے اس لیے تخت نشین کیا تھا ' کہ وہ سلطان مصلح کی اصلاح کی تکمیل کریگا ' اور دولۃ عثمانیہ کو استبدادی حکومت کے مفاسد سے نجات مل جائیگی - سلطان نے ابتدا میں اصلاح پسند جماعت کا ساتھہ دیا - ترکی پارلیمنٹ قائم کردی گئی - لیکن پھر بتدریج رجعت پسند عناصر برسر اقتدار آ گئے - پارلیمنٹ معطل کردی گئی - مدحت پاشا اور اُس کے ساتھیوں کو فرضی الزامات عائد کرکے گرفتار کر لیا گیا ' اور قلعۂ طائف کے قید خانے میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا - اس کے بعد تمام نظام حکومت تہہ و بالا ہوگیا - وزراء اور دفاتر حکومت کی جگہ " مابین همایونی " یعنی قصر سلطانی کی براہ راست حکومت شروع ہوگئی - اس حکومت کا نہ تو کوئی اصول تھا ' نہ قاعدہ - نہ بجٹ بنتا تھا ' نہ مالیات کا کوئی تخمینہ تھا - خواجہ سراؤں کے افسر " بہرام آغا " کے ہاتھہ میں سب کچھہ تھا - وہ سلطان کے احکام باب عالی کے وزراء تک پہنچا دیا کرتا - بیس برس کے اندر جتنے انسان محض اس بنا پر ہلاک کر دیے گئے ' کہ اُن پر اصلاح پسندی و انقلاب کا شبہ تھا ' کوئی ذریعہ نہیں کہ انکی صحیح تعداد معلوم کی جا سکے - یلدز کے بعض کاغذات سے معلوم ہوا تھا کہ صرف چھہ ماہ کے اندر یعنی مارچ سنہ ۱۸۹۸ سے ستمبر سنہ ۱۸۹۸ تک تین سو اسی آدمی گرفتار کئے گیے تھے !



مدحت پاشا
شہید راہ حریت و دستور !

لیکن نہ تو سلطان عبدالحمید دنیا کے پچھلے جبار و مستبد حکمرانوں سے زیادہ طاقتور تھا ' نہ اس کی خاطر خدا کے قوانین حق و عدالت معطل ہو جا سکتے تھے - بالاخر نوجوان ترکوں کی پنجاہ سالہ مساعی بار آور ہوئیں ' اور عین اُس وقت جب کہ سلطان کے وہم و گمان میں بھی کسی طرح کا خدشہ نہ تھا ' مناستر اور سلانیک میں انقلاب کا نا ممکن التسخیر علم بلند کردیا گیا - سلطان نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس ناگہانی طاقت کا مقابلہ کرسکے مگر نہ کرسکا - اور عثمانی دستور کے قیام کا اعلان کرنا پڑا -

یہ دستور سلطان کی ذات خاص کا مخالف نہ تھا - لیکن سلطان کی مستبد روح اُس سے موافق نہ ہو سکی - بالاخر نو ماہ کے بعد تصادم ہوا ' اور محمود شوکت پاشا مرحوم نے اپنی مشہور عالم تیس ہزار فوج کے ساتھہ قسطنطنیہ پہنچکر قصر یلدز کا محاصرہ کر لیا - تین دن کے محاصرہ کے بعد عثمانی پارلیمنٹ کے نمایندے قصر یلدز میں داخل ہوے ' اور قوم کا پیغام پہنچا دیا کہ " آپ معزول کیے گئے ' اور شہزادہ محمد رشاد تخت نشین ہو رہے ہیں " قصر یلدز کے اس مشہور قہرمان نے اُسوقت لرزتے ہوے یہ التجا کی تھی " میں اپنی زندگی کیلیے تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں " ! یہ اب اپنی زندگی کیلیے انسانوں کو خدا کا واسطہ دیتا تھا - اُن انسانوں کو ' جنھوں نے اپنی مظلوم اور بیکس زندگی کیلیے سیکڑوں مرتبہ اُسے خدا کے واسطے دیے تھے ' لیکن ایک لمحہ کیلیے بھی اُسکے دل میں خدا کے خوف نے جگہ نہیں پائی تھی !

تاریخ مشرق کا یہ عبرت انگیز انقلاب جولائی سنہ ۱۹۰۸ ع میں واقع ہوا تھا -

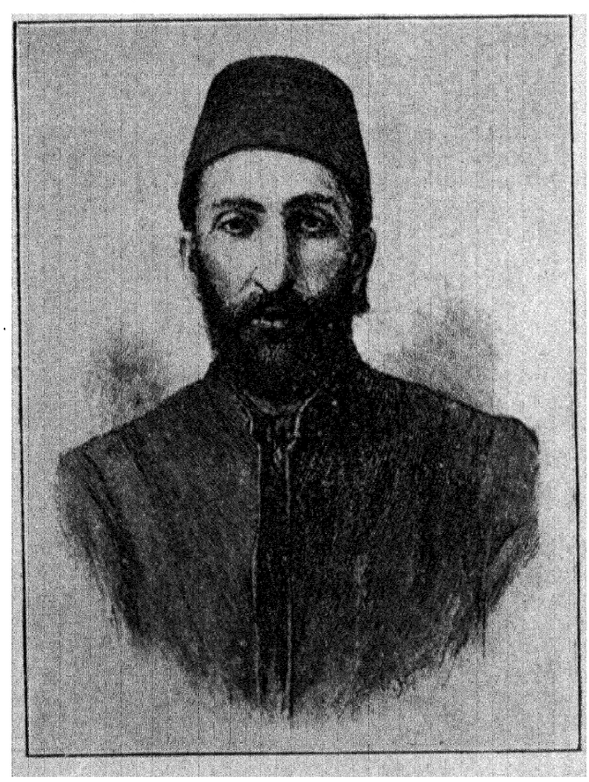

سلطان عبد الحمید
چالیس سال کی عمر میں

(اتحادی ترکی)

جمعیۃ اتحاد و ترقی کا دور
سنہ ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ع) سے سنہ ۱۳۳۲ھ
(۱۹۱۴ع) تک

انجمن اتحاد و ترقی نے برسر اقتدار آتے ہی " وطنیت " " حریت " " اخوت " اور " مساوات " کی بنیادوں پر عثمانی سلطنت کو استوار کرنا چاہا - نوجوان ترک ' بڑے ہی ذہین ' چست ' اور مخلص تھے لیکن مدبر اور تجربہ کار نہ تھے



عرض عبودیت !
سلطان عبد الحمید کے سامنے وزراء حکومت سجدہ کر رہے ہیں !

اُنھوں نے تاریخ کا سبق بھلا دیا ' اور سادہ لوحی سے یقین کر لیا کہ اِن نئے اصول پر چلنے سے یورپ اور سلطنت کے مسیحی عناصر مطمئن ہو جائینگے ' اور اُنکا ملک خوشحال اور ترقی یافتہ ہوجائیگا - یہی حسن ظن ' اُنکی سب سے بڑی غلطی تھی - چنانچہ فوراً داخلی اور خارجی مشکلات نمودار ہوگئیں - آسٹریا نے بوسینیا ہرزی گوینا پر قبضہ کر لیا - یونان کریٹ پر قابض ہوگیا - اٹلی نے طرابلس الغرب پر ہاتھہ صاف کیا - البانیا کٹ کر الگ ہو گیا ' بلقانی ریاستوں نے یورپ کے اکثر ترکی مقبوضات ہضم کر لیے - ملک کے اندر غیر ترکی عناصر نے سر کشی شروع کردی - صرف غیر مسلم جماعتوں ہی میں نہیں ' بلکہ مسلمانوں میں بھی نئی نئی انجمنیں قائم ہوگئیں - خود دار الخلافۃ میں مسلمانوں کی متعدد مخالفانہ انجمنیں بن گئی تھیں - مثلاً انجمن " إخاء عربي " " عربي کلب " ' " چرکس انجمن " " کردي انجمن " " البانی انجمن " وغیرہ وغیرہ - اِن انجمنوں کے ظہور کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اِن اسلامی عناصر اور ترکی عنصر میں نفرت و عداوت پیدا ہوگئی - یہ صورت حال دیکھکر خود ترکوں میں سلطنت کی حکمت عملی کے متعلق اختلاف رونما ہوگیا - ایک گروہ نے از سر نو حمیدی سیاست زندہ کرنی چاہی - ایک گروہ نے " تورانیت " کا نعرہ بلند کیا - آخری گروہ کا تعصب یہانتک بڑہ گیا تھا کہ اُسکے ترجمان اخبار " اقدام " نے تجویز پیش کردی کہ ترکی زبان سے تمام عربی الفاظ خارج کر دینے چاہییں !

لیکن پیہم مصائب نے زمام حکومت معتدل گروہ کے ہاتھہ میں دیدی - " انجمن ائتلاف " نے حکومت سنبھال لی - سلطان عبد الحمید کا شاگرد کامل پاشا وزیر اعظم ہوا ' کامل پاشا ایک طرف یورپ کو مطمئن کرنے لگا ' دوسری طرف ترکی کے مختلف عناصر کے سر پر بھی ہاتھہ پھیرنے لگا - اب چونکہ " بلقاني مسئلہ " کے بعد " عربي مسئلہ " کے نام سے ایک نئی الجھن پیدا ہوگئی تھی ' اور فرانس اُس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا ' اس لیے کامل پاشا نے پیش بندی کرکے ۱۳۲۹ ع میں والی بیروت ادہم بک کو حکم دیدیا کہ صوبۂ شام کی کونسل سے مطلوبہ اصلاحات کے بارے میں گفتگو کرکے رپورٹ طیار کرے - اِس پیش بندی نے ترکی کو بہت فائدہ پہنچایا - کیونکہ جب فرانس نے سرکاری طور پر شام میں اصلاحات جاری کرنے کا مطالبہ کیا ' تو کامل پاشا نے اِس جواب سے اُسکا منہ بند کر دیا " ہم پہلے ہی سے اِس فکر میں ہیں "

اِدھر یہ سیاسی بازی گری ہو رہی تھی ' اُدھر انجمن اتحاد و ترقی گھات لگائے بیٹھی تھی - چنانچہ موقعہ پاتے ہی اُسنے وزارت الٹ دی ' اور محمود شوکت پاشا وزیر اعظم قرار پائے - انھوں نے آتے ہی شامی کونسل کو غیر قانونی قرار دیدیا ' اور والی کو خفیہ اشارہ کردیا کہ تحریک کو اُبھرنے نہ دے - والی نے پوری سختی ظاہر کی ' حتی کہ جنگی قانون بھی جاری کردیا ' مگر اِس پر بھی شامی انجمن نے اپنا سالانہ جلسہ کرہی دیا - اِس جلسہ میں ۸۲ نمائندے شریک ہوئے تھے - اُنھوں نے اصلاحات کا لائحہ منظور کر لیا - جب حکومت نے اور بھی زیادہ تشدد کیا ' تو شامیوں نے اپنی موتمر پیرس میں منعقد کی - اب انجمن اتحاد و ترقی پریشان ہوئی - کیونکہ ایک طرف اُسکی حریف " انجمن ائتلاف و ترقی " ہر سر مخالفت تھی ' دوسری طرف عربی مسئلہ بین الاقوامی شکل اختیار کرتا جاتا تھا - ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ عربی موتمر ' محمود شوکت پاشا کے قتل کے تیسرے دن منعقد ہوئی ' جس سے حکومت اور بھی زیادہ متاثر ہوئی ' اور پرنس سعید حلیم پاشا وزیر اعظم صاح و آشتی کی حکمت عملی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے - چنانچہ اُنھوں نے اپنا ایک نمائندہ پیرس بھیجا ' اور عرب رہنماؤں سے گفت و شنید کے بعد مطلوبہ اصلاحی لائحہ کا بڑا حصہ منظور کر لیا -



سلطان عبد الحمید کے دور حکومت کا خاتمہ
یہ اُس موقعہ کا مرقع ہے جب قوم کا وفد پیام عزل پہنچا رہا ہے !

شامیوں کی کامیابی دیکھکر عراقیوں کے خون میں بھی گرمی پیدا ہوئی ' اور طالب بک نقیب کی سر براہی میں عراق نے اصلاحات کا مطالبہ شروع کر دیا - لیکن اب نوجوان ترک سنبھل گئے تھے - اُنھوں نے جاوید پاشا کو



بہرام آغا خواجہ سرا
جو تمام وزرا پر حکومت کرتا تھا

عراق کا گورنر بنا کر بھیج دیا - اس نے آتے ہی عراقی تحریک کا خاتمہ کر دیا - ساتھ ہی بکرسامی بک کو بیروت کی گورنری پر مقرر کیا ' جو اپنے تدبر اور سخت گیری میں بہت شہرت رکھتا تھا ' اِس نے کچھ ایسے پیترے بدلے ' کہ شامی تحریک بھی سرد پڑگئی ' اور پیرس کی مؤتمر میں جو کچھ طے پایا تھا ' اُسکا اکثر حصہ کالعدم ہوگیا !

اب جنگ عمومی کی خوفناک گھٹائیں فضا میں پھیل رہی تھیں - وہ مصیبت سر پر آگئی تھی جسکا تصور بھی کبھی انسانی دماغ نے نہیں کیا تھا -

جنگ عمومی کے بعد

سنہ ۱۳۳۲ ھ (۱۹۱۴) ء سے سنہ ۱۳۳۳ ھ (۱۹۱۵) تک

دستوری نظام حکومت کے کامیاب بنانے اور سلطنت کے مختلف عناصر کو مشترک وطنیت و قومیت کے نام پر متحد کرنے میں انجمن اتحاد و ترقی کو نا کامی ہوئی - اِس تلخ تجربہ کے بعد اِس انجمن کے ارکان میں آیندہ طرز عمل کے متعلق اختلاف پیدا ہوا - اکثریت " تورانی تحریک " پھیلانے کے حق میں تھی ' اور اقلیت " اتحاد اسلامی " کے فکر کو عملی جامہ پہنانا چاہتی تھی - یہ اختلاف ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ عالم گیر جنگ کا طبل بج گیا ' اور اکثریت کو اقلیت کی رائے کے سامنے جھک جانا پڑا - اب بجز اِس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ تمام اسلامی عناصر ' خصوصاً عربوں کی تائید اسلام کے نام پر حاصل کی جائے -

چنانچہ انور پاشا نے عبد الرحمن بک الیوسف اور شیخ اسعد شقیر وغیرہ کو شام بھیجا کہ عربوں کے اسلامی جذبات بیدار کریں - پھر جمال پاشا نے جو شام کے جنگی حاکم تھے ' عربوں کی مدارات شروع کی اور عربی تحریک سے اپنی گہری دل چسپی اور ہمدردی کا اظہار کیا - فرانسیسی قنصل خانہ سے جو کاغذات دستیاب ہوئے تھے ' اُن سے اُنھیں صاف معلوم ہوگیا تھا کہ بہت سے سر بر آوردہ شامی ' ترکی کے خلاف فرانس سے ساز باز کرچکے ہیں - مگر اُنھوں نے خیانت کے تمام مجرموں سے چشم پوشی کی - البتہ عیسائیوں سے پوری باز پرس کی گئی -

جمال پاشا نے صرف شام ہی میں نہیں بلکہ تمام جزیرۃ العرب میں دینی جہاد کا غلغلہ بلند کر دیا - کربلا ' نجف ' بغداد کے علماء کی دینی حمیت جوش میں آگئی - شریف مکہ ' سلطان ابن سعود ' ابن رشید ' امام یمن ' تمام امراء عرب کو جہاد کی دعوت دی گئی -



حسین رامی پاشا
محکمۂ جاسوسی کا سرغنہ

لیکن نوجوان ترکوں نے بہت جلد دیکھ لیا کہ مسلمانوں اور عربوں میں اُن کی دعوت کوئی گرم جوشی پیدا نہ کر سکی - بلکہ جنسی و نسلی اور مقامی مصالح کا تعصب اس کڑے وقت میں بھی اُن پر غالب رہا - وہ سلطنت عثمانیہ اور خلافۂ اسلامیہ کی حمایت و نصرت پر آمادہ نہ ہو سکے - ہندوستان اور مراکش کے مسلمان انگریزی اور فرانسیسی جھنڈے کے تلے جمع ہوکر آئے ' اور ان کے سینوں پر بے دریغ گولیاں چلائیں !

اِس ناامرادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تورانی تحریک کے حمایتیوں کو پھر زور حاصل ہوگیا - نا چار انجمن اتحاد و ترقی کو ان کے نظام عمل پر چلنا پڑا -

عربوں کی ناعاقبت اندیشی نے اور زیادہ ترکوں کو مایوس کردیا تھا - شام کے چند خود غرض اور برخود غلط افراد طیار ہوگئے کہ اس نازک وقت سے فائدہ اٹھائیں اور دول متحدہ کا ساتھ دیکر " عربی امارت " کی بنیادیں قائم کردیں - بہت ممکن تھا کہ اِن لوگوں کے انقلابی افکار عامۃ الناس میں مقبول نہ ہوتے ' لیکن اُسی موقعہ پر حجاز میں برطانی سازشیں کامیاب ہوگئیں اور شریف نے علم بغاوت بلند کردیا - جس وقت جمال پاشا مصر پر حملہ کی طیاریاں کررہا تھا ' اور تمام ساز و سامان مکمل ہو چکا تھا ' اچانک اُس نے دیکھا کہ شریف حسین اور اُس کے لڑکوں کی بغاوت نے اس کی تمام امیدوں کا خاتمہ کردیا ہے !



غازی مصطفی کمال پاشا



آثار عتیقہ

شہر رقیم کا انکشاف

ام حسبتم ان اصحاب الکھف و الرقیم کانوا من ایا تنا عجبا

(۱)

صدیونکے خواب گراں کے بعد اب شہر رقیم یاپیٹرا پھر بیدار ھو رھا ھے - قدس اور لندن کي آمدہ اطلاعات مظہر ھیں کہ حال میں اس قدیم شہر کے کھنڈروں میں قیمتي پتھروں اور پرانے طلائي زیورات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بدوي عربوں کے ھاتھہ لگا ھے -

پیٹرا عرب قدیم کا ایک گم شدہ شہر ھے - سالہا سال سے غیر آباد پڑا تھا - کبھي کبھي صحرا گرد بدوي جنکو شاداب نخلستانوں اور سر سبز چراگاھوں کي تلاش اِدھر اُدھر آوارہ رکھتي ھے ' تمدن قدیم کي اس یادگار کو آدمي کي صورت دکھا دیتے تھے !

(الف لیلہ کا طلسم)

ایک مرتبہ ایک صحرا نشین عرب پیٹرا کے کھنڈروں میں گھوم رھا تھا - ناگاہ اوسکا پانوں ایک پتھر پر پڑ گیا - قبل اسکے کہ وہ اس بات کا اندازہ کر سکے کہ کیا ھونے والا ھے ' پتھر نیچے کو کھسکا ' زمین دھنسي ' اور اب عرب ایک عجیب و غریب غار میں پڑا تھا - پتھر بدستور اپني جگہ پر آگیا ' اور راہ بند ھوگئي !

اب بدوي نے خود کو ایک زمین درز محراب میں پایا ' لیکن باھر آنے کا کوي راستہ نظر نہیں آتا تھا -

غریب عرب ایک عرصہ تک ادھر اُدھر تڑپتا رھا - تاریکي بلا کي تھي - محض اس خوف سے کہ کہیں کسي دوسري نامعلوم مصیبت سے دو چار نہ ھونا پڑے ' اوسنے ھاتھوں اور پیروں کے بل رینگنا شروع کیا - اس جد و جہد میں ایک وسیع ایوان مل گیا - اس ایوان کي تاریکي کو ایک پہاڑي سوراخ سے نکلني والے دھندلي روشني ایک حد تک کم کر رھي تھي - روشني کا سہارا پا کر اس مجبور بلا نے ادھر اُدھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا - کیا دیکھتا ھے کہ ایک گوشے میں قیمتي جواھرات اور طلائي اشیا کا ڈھیر پڑا ھے - یہ خزانہ غالباً طائر اور صیدان کے بحري قزاقوں نے ازمنہ مظلمہ میں جمع کیا ھوگا - عرب حیرت کے دریا میں ڈوبا ھوا ' اس تمام ماحول کو عالم رویا سمجھہ رھا تھا - بالآخر اوسنے چند جواھر ریزے اپنے عمامہ میں رکھہ لیے ' اور باھر نکلنے کي راہ تلاش کرنے لگا - اس نے غور کیا کہ روشني جس سوراخ سے آ رھي ھے ' اس سے باھر نکل سکتا ھے یا نہیں ؟ اس کا خیال ٹھیک تھا - روشني کے نیچے ایک سنگي زینہ موجود تھا - بہ مشکل سوراخ تک پہنچ سکا - وھاں پتھر کے کئي ٹکڑے ایک دوسرے پر پڑے تھے - زور کرنے سے ایک پتھر ھٹ گیا اور یہ باھر نکل آیا -

یہ جواھرات بیت المقدس کے بازاروں میں بکے - ماھر آثار انہیں تورات سے بھي زیادہ پرانا بتاتے ھیں -

بیان کیا جاتا ھے کہ پیٹرا کا یہ کنز مخفي لارڈ کارن, کے دریافت کردہ وادي الملوک (مصر) کے خزائن سے بھي کہیں زیٔ بیش قیمت ھے - عجائب خانہ لندن کا ایک وفد اس گم شدہ شہر کي تحقیقات کیلیے جا رھا ھے -

(جغرافیائي محل)

یہ مقام ساحل بحر قلزم سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ھے - نقشہ کے دیکھنے سے بحر قلزم کا بالائي حصہ دو تکڑوں میں منقسم معلوم ھوگا - اس کے شمال میں جزیرہ نماء سینا ھے جسکي شکل مثلث نما ھے - سینا کا جنوبي نوکدار کنارہ بحر قلزم کو دو شاخوں میں جدا کر دیتا ھے - سینا کے غرب میں بحر قلزم کي وہ شاخ ھے جو خلیج سوئز کے نام سے موسوم ھے - آج کل یہ تجارت عالم کي شاھراہ عظیم ھے - سینا کے شرق میں بحر قلزم کا وہ حصہ ھے جو خلیج عقبہ کے نام سے پکارا جاتا ھے - یہ جگہ اب متروک ھوگئي ھے - جہاز بہت کم آتے جاتے ھیں - ایک طرف سینا کي ننگي پہاڑیاں ھیں - دوسري طرف خلیج عقبہ کے پہاڑوں اور صحراء عرب کا نا پیدا کنار سلسلہ ھے - اس خلیج کے ساحل پر کوئي بندر گاہ نہیں ھے - قصبہ عقبہ کے چند بے ترتیب مکانات کے سوا باقي تمام حصہ غیر آباد اور پتھریلا ھے - بحر شمالي و بحر جنوبي کے دور دراز سواحل کو چھوڑ کر جہاں بمشکل ذي روح وجود کا پتہ چلتا ھے ' دنیا کا کوئي ساحل اس قدر ساکت اور سنسان نہیں ھے !

لیکن پرانے زمانہ میں خلیج عقبہ کي اھمیت ھمارے زمانہ کے خلیج سوئز سے کہیں زیادہ تھي - تین ھزار سال قبل یہاں حضرت سلیمان کے بحري مراکب ھندوستان کي اشیاء تجارت بار کیے ھوئے ھر وقت لنگر انداز رھتے تھے - جب تک ھندي و ایراني تجارتي قافلے اس راستے سے آمد و رفت کرتے رھے ' یہ ملک تمدن عالم کا مرکز رھا - جب شاھراہ تجارت یہاں سے دوسري جانب منتقل ھوگئي ' اور بحر روم اور خلیج سوئز کا راستہ دریافت کر لیا گیا ' تو یہ ساحل رفتہ رفتہ غیر آباد ھوگیا - صلیبي لڑائیوں کے زمانہ میں مسیحي مجاھدین نے اس نواح میں کچھہ بیداري پیدا کردي تھي ' مگر سلطان صلاح الدین کي تیغ جہاد نے یہ حصۂ عالم بھي صلیبیوں پر تنگ کر دیا ' اور اس کے بعد سے پیٹرا کے اطراف انساني آبادي سے ھمیشہ خالي رھے -

جنگ عظیم کے زمانہ میں شریف حسین اور اس کے بیٹے امیر فیصل نے اس نواح کو اپني افواج کا عقبي مستقر بنایا تھا - ھر ھفتہ انگریزي جنگي جہاز اور دخاني کشتیاں سامان حرب سے لدي ھوئي ساحل پر آتي تھیں - سنہ ۱۹۱۷ ع اور سنہ ۱۹۱۸ ع میں اس آمد و رفت کا تسلسل نہایت پابندي سے قائم رھا ' اور ایک

عارضي چهل پهل پيدا هوگئي - ليكن جنگ كے خاتمه كے بعد يه سرگرمي بهي ختم هوگئي ' اور يه حصه پهر خموشاں بن گيا -

خليج عقبه كے دهانه سے ايك پهاڑي اور ريگستاني سلسله شروع هوتا هے جو اندرون ملك ميں دور تك چلا جاتا هے - پيٹرا كے كهندر عقبه سے ۹۰ - ميل كي مسافت پر واقع هيں - پهاڑوں كے درميان اس شهر كا محل وقوع هے - بدر رهنما كے بغير ان آثار تك سياح كي پهونچ مشكل هے - پيٹرا سے شمال كو ۲۰ ميل كے فاصله پر وادي بحر ميت هے - سيدهے هاتهه يعني شرق كي طرف شمالي عرب كا عريض ريگستان هے - سامنے ارض ادوم يا ادوميا كے پهاڑونكا وه سلسله هے ' جو باب الوقيم يا پيٹرا كا پهاٹك كهلاتا هے - اس سلسله كو قطع كيے بغير پيٹرا تك پهونچنا محال هے - دوسري جانب پهاڑي مگر ڈهالو راسته هے - اس پر سے هوكر نيچے اُترتے هيں - چند گهنٹے كے پهاڑي اور پيچ در پيچ راسته كے بعد وادي ادوم كا خاتمه هو جاتا هے - سفيد ريت كے ٹيلونكے ختم هونيكے بعد ايك تنگ دره ملتا هے - يه بلند پهاڑي ديوار كا دروازه هے - يهاں پر وادي كي وسعت ۱۲ - ميل سے كم هوكر صرف ' ۱۲ - فيٹ رهجاتي هے - دره كي ديواريں هزارها فيٹ اونچي هيں - عرب اس راسته كو " شق " كے نام سے پكارتے هيں - اس شق كي راه سے سياحوں كے گهوڑے اور بار برداري كے اونٹ اُفتاں و خيزاں راه طے كيا كرتے هيں - پتهروں پر چاروں طرف چهپكلياں لپٹي هوئي هيں - هر هر قدم پر تنگناے زيادہ وحشتناك هوتي جاتي هے - راسته ميں ايك پهاڑي شگاف ملتا هے جس سے شفاف پاني كا چشمه موجزن هے - عرب كهتے هيں ' يهي وه جگه هے جهاں حضرت موسىٰ عليه السلام نے عصا مار كر اپنے پياسے همرائيونكے لئے پاني كے چشمے جاري كر ديے تهے - يه وادي وادي موسىٰ كے نام سے موسوم هے - وادي اسقدر تنگ هے كه اونٹ پر سے دونوں طرف كي ديواريں بخوبي چهوي جاسكتي هيں - اكثر جگه اِرد گرد كي پهاڑياں بلند هوكر چهت كا كام ديتي هيں - اس جگه آسمان بالكل دكهائي نهيں ديتا - سورج كي شعاع بهي يهانتك نهيں پهونچتي -

(يوناني مندر)

ايك گهنٹه كي مسافت كے بعد سياح ايك تيز گهماؤ سے گذرتا هے - اب نظر كے سامنے ايسا دلفريب اور حيرت خيز منظر آجاتا هے جو ايك عرصه تك كيليے از خود رفتگي كي كيفيت طاري كر ديتا هے - يوناني طرز كا ايك نفيس اور خوشرنگ مندر سامنے نظر آتا هے - اوسكا دلفريب حسن اور دلكشا طرز ' حد درجه متاثر كرنيوالا هے - عهد كهن كے صناعون نے پهاڑوں سے كاٹ كاٹ كر يه خوبصورت عمارت تعمير كي تهي -

ادومي پهاڑونسے يه عمارت تراشتے هوے ' دندانه دار آلات سے كام ليا گيا هوگا - اس مندر كي بالائي سطح مختلف رنگونسے مزين هے ' اور ريشمي كپڑے كي طرح جهلك ركهتي هے -

دنيا كا كوئي اور پهاٹـك ' دنياے قديم كے اس خاموش شهر كے دروازے سے زيادہ اثر ڈالنے والا نهيں هے - هندوستان كا سرخ شهر ' فتح پور سيكري بهي اسكا مقابله نهيں كرسكتا - روماني و يوناني مخلوط فن تعمير كے طرز پر يه مندر كم از كم دو هزار سال قبل اس پهاڑي سے طيار كيا گيا تها - اسكا عهد تعمير روماني شهنشاه هڈرين كي فوج كشي كے زمانه سے تعلق ركهتا هے - اهل عرب ميں اس مندر كا نام الخزينه مشهور هے - لمبے لمبے ستونوں كے اوپر ايك ديو پيكر صراحي نما ظرف هے - عرب كهتے هيں كه يه ظرف فراعنه كے جواهرات اور طلائي سرمايه كا مخزن هے - شروع سے اِسے توڑنے كي كوششيں كي گئيں مگر كاميابي نهيں هوي - كرنيل لارنس كے ساتهيوں نے بهي هزاروں گوليان چلائيں - بعض بعض دفعه پتهر كے چهوٹے چهوٹے ٹكڑے ٹوٹ كر گر پڑے - مگر كچهه زياده اثر نه هوا - نهيں معلوم كس ديوي يا ديوتا كي يهاں پوجا هوتي تهي ؟ كرنيل لارنس كي راے ميں مصري ديوي " ايسيس " كي پرستش هوتي هوگي - كيونكه هيڈرين كي فوج كشي كے وقت تمام سواحل بحر روم اِسي ديوي كے سامنے سر بسجود تهے -

يهانسے چند گز كے فاصله پر اصل شهر بيضاوي نشيب ميں واقع هے - سطح سمندر سے ۹۰۰ هزار فيٹ اونچے معذب حصه سے شروع هوتا هے - وادي كي بلندي صرف ايك هزار فيٹ رهجاتي هے - اِس نشيب ميں اسوقت تك شهر كي سڑكوں اور عمارتوں كے آثار باقي هيں - يه تمام عمارتيں پهاڑ كاٹ كر بنائي گئي تهيں !

پيٹرا كے رنگ برنگ آثار هر اُس سياح كو جو مشرقي ديوار عبور كرنيكي جرأت كرتا هے ' اپني جانب مائل كرليتي هيں - سورج كي كرنيں ارد گرد كي پهاڑيوں كو قوس قزح بنا ديتي هيں - اُنكي چمك بلوچستان كي ارغواني پهاڑيوں سے بهي كهيں زياده دلكش هے - پهاڑيونكي سطح سے زعفراني ' نارنجي ' ارغواني ' بنفشي رنگ كي لهريں نكلتي رهتي هيں - غروب آفتاب كے وقت رات كي تاريكي چها جانے سے پهلے ' ايسا معلوم هوتا هے ' گويا طرح طرح كے رنگوں كے كي موجيں اُمنڈ رهي هيں !

محمد يحيىٰ - ايم - اے - ايل - ايل - بي
وكيل بدايوں

WANTED.

Urdu Trained Mistresses for the Karachi Municipal Urdu Girls Schools on the following salary :

	Pay	Allowance	Total
1st Year (Junior)	Rs. 50/-	Rs. 10/-	Rs. 60/-
2nd Year	,, 55/-	,, 10/-	,, 65/-
3rd Year (Senior)	,, 65/-	,, 10/-	,, 75/-

The above posts are pensionable and governed by the Municipal Pension & Provident Fund Rules. The appointments will be on 2 years' contract in the first instance. Apply with full details; also age, nationality with copies of testimonials, if any. Applications should reach the Undersigned on or before 1-11-1927. Those already in service, should apply through their authorities under whom they are employed.

Sd. V. G. PRADHAN,
Administrative Officer.
School Board,
Karachi Municipality, (I H.)

افسانہ

روحانیات کی مجلس

ہولناک رات

(مترجم)

ایوان ٹیورویچ نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے کے ساتھ ذیل کا واقعہ سنایا:

۱۸۸۳ء کے کرسمس کی رات، بہت ہی اندھیری تھی۔ میں اپنے ایک دوست کے یہاں دیر تک ایک روحانی جلسے میں بیٹھا رہا۔ مجھے تاریکی میں اپنے گھر لوٹنا تھا۔

اُس زمانے میں ماسکو کی ایک ایسی گلی میں میرا قیام تھا، جو شہر میں سب سے زیادہ وحشت ناک اور تاریک گلی تھی۔ جب جب میں اُس سے گزرتا، ڈراؤنے خیالات میرا دماغ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جلسہ جو میں نے سُنا تھا، وہ خاص میری ذات کے متعلق تھا۔ مشہور فیلسوف سپینوزا کی روح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ جلسہ میں شریک ہے۔ اُسنے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

"تیری موت قریب آگئی، جلد خدا کے سامنے توبہ کر!"

میں ڈر گیا۔ پھر سوال کیا۔ مزید تشریح چاہی۔

"تیری زندگی ختم ہو گئی۔ آج ہی توبہ کر لے!" یہ میرے سوال کا دوبارہ جواب تھا۔

میں علم الارواح (اسپریچولیزم) کا قائل نہیں ہوں۔ تاہم موت کا خیال ہمیشہ مجھے خوفزدہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی اُداسی مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ گاہ سے بھاگا۔ اور اپنے گھر کی راہ لی۔ اوپر کی منزل پر پہنچ کے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اُسوقت بھی میرا خوف سے بُرا حال تھا۔ معلوم ہوتا تھا گر پڑتا ہوں۔

(۲)

کمرہ تاریک تھا۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں سے جھونکے ٹکرا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عناصر بھی خوف و دہشت کی حالت میں مضطرب ہو رہے ہیں!

"اگر سپینوزا کی پیشین گوئی ٹھیک ہے" میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ کہا "اگر اس سنگ دل فیلسوف کی روح نے سچ کہا ہے تو بس آج ہی رات میرا خاتمہ ہے! یہ واویلا کرنے والی ہوائیں میرا نوحہ کریں گی، یہ کالی بدلیاں ماتم کی صفیں بچھائیں گی! افسوس میری زندگی....."

میں نے دیا سلائی جلائی۔

"ہیں!" میں گلا پھاڑ کر بے خودی سے چلایا اور دروازے کی طرف بھاگا۔ سر سے پاؤں تک تمام بدن کانپ رہا تھا۔ شاید ظلم گرمش میں پہنچکر میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لی تھیں!

میں نے کمرہ میں کیا دیکھا؟ دیکھو! اسوقت بھی میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ دل دھڑک رہا ہے۔

عین کمرے کے وسط میں مُردے کا تابوت رکھا تھا! اُسپر ارغوانی غلاف چڑھا تھا۔ سنہری صلیب لگی تھی۔ میں نے صرف ایک ہی جھلک دیکھی تھی۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اُس کا ہر حصہ نظر آگیا۔ آج تک اُس کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے!

یہ ایک لڑکی کا تابوت تھا۔ کیونکہ بہت چھوٹا تھا۔ اور رنگ اور آرائش ویسی ہی تھی، جیسی لڑکیوں کے تابوتوں پر کی جاتی ہے۔

(۳)

میں تیر کی طرح زینے پر پہونچا اور سیلاب کی تیزی سے اُترنے لگا۔ بلکہ کہنا چاہئے گرنے لگا۔ ایک نہایت ہی خوفناک رعب اپنی پوری قوت سے مجھے دھکیل رہا تھا!

سڑک پر میں نے جلدی سے روشنی کا ایک کھمبا دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا۔ کھمبا، مینہ سے بھیگا ہوا تھا۔ برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ جسم نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش و حواس واپس آنے لگے۔

"اگر کمرے میں آگ لگی ہوتی" میں خیال کرنے لگا "بلکہ اُس میں چور رکھڑا ہوتا، شیر ٹہلتا ہوتا، دیوانہ کتا بیٹھا ہوتا، اگر اُس کی چھت بھی اچانک گر پڑتی، تو بھی مجھے تعجب نہ ہوتا۔ میں اسے ایک معمولی بات سمجھتا۔ مگر لاش! ایک مکمل تابوت! اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے مکان میں تابوت کیونکر آیا؟ کون لایا؟ ایک امیر لڑکی کا کامدار تابوت! سونے چاندی کے کام سے آراستہ! ایک معمولی نوکر کے حقیر کمرے میں اُسے کون لایا؟ کیوں لایا؟ معلوم نہیں، وہ خالی ہے یا اندر لاش لکھی ہے؟ ....."

اچانک مجھے خیال آیا "اگر یہ معجزہ نہیں تو کوئی ہولناک جرم ہے" لاکھ لاکھ سوچا۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔

"دروازے پر تو قفل چڑھا تھا" میں پھر سوچنے لگا "کنجی ایسی مخفی جگہ رکھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ناممکن ہے کہ کسی دوست نے یہ موت کا تحفہ میرے لئے مہیا کیا ہو۔ شاید کوئی مزدور غلطی سے لے آیا۔ لیکن مزدور لاتا تو مزدوری لئے بغیر چلا کیوں جاتا؟ اور میرے یہاں مزدور تابوت کیوں لائے؟ ....."

پھر میرے پراگندہ دماغ میں ایک اور خیال آیا:

"ممکن ہے یہ کارروائی اُسی روح کی ہو، جسنے آج رات میری موت کی خبر دی ہے۔ شاید یہ تابوت میری لاش کے لئے لایا گیا ہو لیکن یہ ناممکن ہے۔ تابوت میرے قد سے بہت چھوٹا ہے"

(۴)

اب بارش پھر شروع ہو گئی۔ گویا میرے قتل کے لئے آسمان سے یورش ہو رہی ہے۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ میرا اوورکوٹ اُڑا جاتا تھا۔ میں بھیگ کے شرابور ہو گیا۔

"مجھے کہیں پناہ لینی چاہئے" میں نے دل سے کہا "لیکن کہاں؟ کمرے میں، جہاں تابوت رکھا ہے؟ ناممکن! اگر میں وہاں گیا تو یقیناً دیوانہ ہو جاؤں گا"

مگر اس پانی اور سردی میں سڑک پر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا۔ میں نے فوراً اپنے ایک دوست روسٹوف نامی کے گھر کی راہ لی۔ وہ بھی ایک تنگ تاریک گلی میں ایک کمرہ کے اندر رہتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹایا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک طاق میں ہاتھ مارا تو کنجی مل گئی۔ قفل کھولکر اندر چلا گیا۔

میرا اوورکوٹ بھیگ گیا تھا۔ میں نے اُسے اُتار کر کمرے کی زمین پر ڈال دیا۔ اندھیرے میں پاؤں نے ایک کرسی سے ٹھوکر کھائی۔ میں اُسی پر بیٹھ گیا۔ تاریکی سخت تھی۔ کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا۔ ہوا تیز تھی۔ کھڑکیاں ہل رہی تھیں۔ باہر کنیسوں کے گھنٹے کرسمس کی خوشی میں بج رہے تھے۔

میں نے جیب سے ڈبیا نکالکر دیا سلائی جلائی۔

"اُف، یہاں بھی!" بے اختیار میرے مُنہ سے چیخ نکل گئی میں دیوانہ وار بھاگ کر کمرے کے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا! لیکن میرے کمرے کے تابوت سے بڑا تھا۔ اور سیاہ غلاف سے ڈھکا تھا۔ سیاہ غلاف نے اُسے اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا!

"یہاں بھی وہی تابوت!" میں سوچنے لگا "معلوم ہوتا ہے یہ میرا وہم و خیال ہے۔ میری نگاہ دھوکا کھا رہی ہے۔ ناممکن ہے کہ میں جہاں جاؤں، میرے استقبال کے لئے ایک خوفناک تابوت پہلے سے مہیا ہو جائے۔ ضرور آج میرے اعصاب میں خلل آگیا ہے۔ جہاں جاتا ہوں تابوت ہی نظر آتا ہے.... میں ضرور پاگل ہو گیا ہوں۔ جنون کا سبب صاف ظاہر ہے۔ اسی منحوس روحانی جلسے اور سپینوزا کی شیطان روح نے میرا دماغ خراب کر ڈالا!"

میں تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ دونوں کنپٹیاں زور سے ہاتھوں میں دبالیں۔

"الٰہی! کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا!" یہ کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل آئے۔

قریب تھا میرا سر پھٹ جائے۔ میرے پرزوں میں شکت باقی نہیں رہی تھی۔ مینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ۔ میرا تمام بدن سردی سے کانپنے لگا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ جسم پر کوٹ۔ میں اُنھیں لینے کمرے میں جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ وہاں..... آہ، بہت ہی ہولناک منظر، ناقابل برداشت ہولناکی موجود تھی!

(۵)

میرے سر کے تیر کی طرح سیدھے بال کھڑے ہو گئے۔ ٹھنڈا پسینہ پیشانی سے بہنے لگا۔ حالانکہ اب مجھے کامل یقین ہو چکا تھا کہ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے، وہ محض ایک طرح کے اعصابی مرض کا نتیجہ اور وہم و خیال ہے۔ حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

"اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟" بار بار یہی سوال دہراتا تھا۔

یکایک مجھے ایک دوسرا دوست، گوڈسا روف یاد آگیا۔ اس نے

برید شرق

مکتوب حجاز

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم جدہ کے قلم سے)

معاہدہ جدہ

قارئین الہلال واقف ہوں گے کہ نجد اور برطانیہ کے مابین ۱۹۱۴ء میں ایک معاہدہ منعقد ہوا تھا۔ اس معاہدے میں بعض دفعات ایسی تھیں جن سے نجد کی خود مختاری پر پابندیاں عائد ہوتی تھیں۔ مثلاً اسمیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حکومت نجد، برطانیہ کے سوا کسی دوسری سلطنت سے سیاسی گفت و شنید نہیں کرے گی اور نہ تجارتی و اقتصادی تعلقات قائم کرے گی۔ یا یہ کہ سلطان نجد، حجاز کی طرف پیشقدمی نہیں کرینگے اس کے معاوضہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی حملوں سے انکے مقبوضات کی حفاظت کرے گا۔

اگرچہ سلطان ابن سعود نے کبھی برطانیہ کو اپنے ملک میں مداخلت کا موقع نہیں دیا، تاہم بیرونی دنیا میں حالات سے بے خبر لوگوں کو معاہدے کی شرطیں دیکھ کر شبہ ہوتا تھا کہ نجد، برطانیہ کی حمایت اور سرپرستی میں ہے۔

دراصل مسئلہ کا معاہدہ جنگ عظیم کے خاص حالات کا نتیجہ تھا سلطان کو برطانیہ اور اُس کے اتحادیوں، خصوصاً شریف حسین کی طرف سے سخت خطرے درپیش تھے۔ جرمنی اور ٹرکی سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے مجبور ہوکر انھوں نے یہ معاہدہ منظور کرلیا تھا لیکن جنگ کے چند ہی سال بعد وہ اس سے بے پروا ہوگئے، اور فرانس سے تجارتی تعلقات قائم کرلئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ حجاز پر بھی یورش کردی، اور برطانیہ کے پروردہ اقتدار شریف حسین اور اس کے خاندان کو خارج کردیا!

اب گویا عملاً کوئی معاہدہ بھی نجد اور برطانیہ کے درمیان موجود نہ تھا۔ حالات میں انقلاب عظیم واقع ہوچکا تھا، اور اس لئے جدید معاہدے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے گذشتہ ماہ مئی ۱۹۲۷ء سے گفت و شنید شروع ہوگئی اور اب ۲۲ ستمبر سنہ رواں کو تکمیل کے بعد اعلان ہوگیا ہے۔

اصلی معاہدے کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

"ہز مجسٹی شاہ برطانیہ، آیرلینڈ، برطانی مقبوضات ماوراء البحر اور شہنشاہ ہندوستان نے ایک جانب سے، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز نجد ولحقاتہا نے دوسری جانب سے، اپنے باہمی دوستانہ تعلقات کے استحکام اور اپنے مصالح کی حفاظت کے خیال سے عزم کیا ہے کہ باہم دوستی اور حسن تفاہم کا ایک معاہدہ منعقد کریں۔ چنانچہ اس غرض کے

چوٹ محسوس کرتے ہیں۔ ضرور جاگ رہی ہیں۔ ہم نے جو تابوت دیکھے ہیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں۔ ہمارا وہم و خیال نہیں ہے۔ اب بتلاؤ، کیا کریں؟"

ہم اب مکان کی سیڑھی پر آکے کھڑے ہوگئے، اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہئے؟ آخر طے ہوا کہ ہمت کرکے اوپر چلیں، اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

(۷)

نوکر ہاتھ میں شمع لئے اندر گیا۔ ہم پیچھے پیچھے چلے۔ واقعی کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اُس پر سفید ریشمی چادر پڑی تھی کناروں پر سونے کے تاروں کا کام تھا۔ جابجا چاندی کے پھول کڑھے تھے!

تابوت دیکھ کر نوکر نے اپنے سینہ پر صلیب کا نشان بنایا۔

"اب ہم حقیقت معلوم کرلے سکتے ہیں" میرے دوست نے رُک رُک کر کہا، کیونکہ وہ پورے جسم سے کانپ رہا تھا "دیکھنا چاہئے معاملہ کیا ہے؟ تابوت خالی ہے، یا اُس میں کوئی لاش بھی ہے؟"

بڑے پس و پیش کے بعد سارون نے ہمت کی۔ چند قدم آگے بڑھا، اور تابوت کا ڈھکنا اُلٹ کر پیچھے ہٹ گیا۔

ہم نے جھک کر دیکھا۔ تابوت بالکل خالی تھا۔ نعش کی جگہ ایک لفافہ پڑا تھا!

(۸)

میرے دوست نے لفافہ اُٹھا لیا، اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا۔ اُس کے اندر حسب ذیل سطریں مرقوم تھیں:

"میرے پیارے دوست سارون!

"تمھیں معلوم ہے ہماری مالی حالت کس درجہ بگڑ چکی ہے مختصر لفظوں میں واقعہ یہ ہے کہ میرا بھائی دیوالیہ ہوگیا ہے۔ کل اُس کا تمام سامان نیلام ہوجائے گا۔ تم جانتے ہو، اُس کی دکان میں تابوتوں کے سوا کچھ نہیں ہے (کیونکہ شہر بھر کے لئے وہی تابوت مہیا کرتا ہے) اب ہمارے لئے فقر و فاقہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ہمارے خاندان کے شورے کے بعد طے کیا ہے کہ جتنے تابوت بھی راتوں رات نکالے جاسکتے ہیں، نکال دئیے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں۔ چنانچہ اپنے تمام دوستوں کے یہاں ایک ایک تابوت بھیج دیا ہے۔ ایک تابوت تمھارے یہاں بھی رکھوا دیتے ہیں۔ تم مطمئن رہو، ایک ہفتہ سے زیادہ تمھیں اسکی حفاظت نہیں کرنی پڑے گی، اور ہم اسکے لئے تمھارے اور تمام دوستوں کے نہایت شکر گزار ہوں گے"

تمھارا مخلص "ایوان گوڈین"

(۹)

اس واقعہ کے بعد تین مہینے تک میں اپنے اعصاب کا علاج کرتا رہا۔ اب تک یہ حالت ہے کہ جب کبھی شام کو گھر لوٹتا ہوں، تو دروازے پر خوف سے رُک جاتا ہوں۔ کمرے میں تابوت کا منظر یاد آجایا کرتا ہے۔

لئے ہز مجسٹی برطانیہ نے سر گلبرٹ ولکنگھم کلیٹن کو اپنا مختار قرار دے کر روانہ کیا، اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا نے ہز ہائی نس امیر فیصل اپنے فرزند اور نائب کو اپنا مختار قرار دیا۔

"مذکورۂ بالا تمہید کی بنا پر، دونوں نمائندوں کی مختار کی کا غذات کی صحت سے مطمئن ہو کر، ہز ہائی نس امیر فیصل بن عبدالعزیز اور سر گلبرٹ ولکنگھم کلیٹن نے حسب ذیل شرطوں پر اتفاق کیا ہے:

شرط اول۔ ہز مجسٹی برطانیہ، ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کی کامل اور بے قید خود مختاری کا اقرار کرتے ہیں۔

شرط دوم۔ ہز مجسٹی برطانیہ اور ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کے مابین امن و امان اور دوستی برقرار رہے گی۔ طرفین عہد کرتے ہیں کہ باہم عمدہ تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے، اور اپنے جملہ وسائل سے سعی رہینگے کہ اپنے ملک کو ایسے غیر قانونی اعمال کے لئے مستعمل ہونے نہ دینگے دوسرے فریق کے ملک میں امن و امان اور سکون کے مخالف ہوں۔

شرط سوم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ برطانیہ کی جملہ مسلمان رعایا یا اُس کے زیر حمایت مسلمان باشندوں کے لئے فرض حج کی ادائیگی میں سہولت پیدا کریں گے، جیسا کہ باقی تمام حجاج کے لئے کرتے ہیں۔ نیز ہز مجسٹی وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی جان و مال کو ان کے قیام حجاز کے دوران میں ہر طرح امنیت حاصل رہے گی۔

شرط چہارم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا وعدہ کرتے ہیں کہ مذکورۂ بالا حاجیوں میں سے جو لوگ اُن کی سرحدوں میں فوت ہو جائینگے اور جن کے شرعی وارث ہز مجسٹی کے ملک میں موجود نہ ہونگے، اُن کا ترکہ جدہ میں برطانوی نمائندے یا اُس کے نائب کے حوالہ کر دیا جائے گا، تاکہ متوفی کے مستحق وارثوں تک پہنچا دیا جائے لیکن یہ حوالگی اس شرط کے ساتھ عمل میں آئے گی کہ پہلے ہز مجسٹی سلطان کی خاص عدالتوں کے سامنے یہ معاملہ پیش ہو جائے اور حجازی قوانین کے مطابق لازمی محصول وصول کر لیا جائے۔

شرط پنجم۔ ہز مجسٹی شہنشاہ برطانیہ، ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کی جملہ رعایا کے لئے حجازی اور نجدی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ ہز مجسٹی برطانیہ کے مقبوضات اور زیر حمایت ملکوں میں پائے جائیں اسی طرح ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا بھی برطانیہ کی رعایا یا اُس کے زیر حمایت باشندوں کے لئے برطانی جنسیت کا اعتراف کرتے ہیں جبکہ وہ حجاز و نجد و ملحقاتہا کے ممالک میں پائے جائیں گے۔ اہل مرمر میں اُن بین الاقوامی قوانین کا لحاظ کیا جائے گا جو خود مختار حکومتوں کے مابین نافذ ہیں۔

شرط ششم۔ ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ کویت، بحرین، اور ساحل عمان کے مشائخ کے حسن جوار کو ملحوظ رکھیں گے جن سے برطانیہ کے خاص معاہدات ہو چکے ہیں۔

شرط ہفتم۔ ہز مجسٹی شاہ حجاز و نجد و ملحقاتہا عہد کرتے ہیں کہ اپنے تمام وسائل سے غلامی کے سد باب میں برطانیہ کی مدد کرینگے۔

شرط ہشتم۔ معاہدہ کرنے والے فریقین پر لازم ہو کہ جلد سے جلد یہ معاہدہ نافذ کریں اور منظوری کے کاغذات ایک دوسرے کے حوالہ کر دیں۔ معاہدہ اُس دن سے نافذ ہوگا، جب منظوری کے کاغذات کا باہم مبادلہ عمل میں آ جائے گا۔ معاہدہ اس تاریخ سے ۵ برس تک نافذ رہے گا۔ لیکن اگر طرفین میں سے کوئی فریق بھی ۵ سال گزرنے کے بعد ۶ مہینے پہلے سے اعلان نہ کرے گا کہ وہ معاہدہ باطل کر دینا چاہتا ہے، تو اس صورت میں معاہدہ برابر نافذ رہے گا۔ معاہدہ اُسی وقت باطل ہوگا، جبکہ ۶ مہینے پہلے اُس کے ابطال کا کوئی فریق باضابطہ اعلان کر دے۔

شرط نہم۔ ہز مجسٹی شاہ برطانیہ اور ہز مجسٹی سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا کے درمیان جو معاہدہ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا تھا، جبکہ ہز مجسٹی صرف نجد کے حاکم تھے، اب وہ اس نئے معاہدے کے بعد کالعدم ہو گیا۔

شرط دہم۔ یہ معاہدہ دو زبانوں: عربی اور انگریزی میں قلمبند کیا گیا ہے۔ دونوں دستاویزوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔ لیکن اگر کسی عبارت کی تفسیر میں اختلاف پیدا ہو تو انگریزی دستاویز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شرط یازدہم۔ یہ معاہدہ، معاہدۂ جدہ کے نام سے موسوم ہوگا۔

یہ معاہدہ جدہ میں بہ روز جمعہ تاریخ ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ ہجری مطابق ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء میں طے پایا"

معاہدہ جدہ پر بحث غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔ آپکے قارئین خود دیکھ سکتے ہیں کہ یہ معاہدہ بالکل ویسا ہے جیسے معاہدے دنیا کی تمام ہم رتبہ خود مختار سلطنتوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ سلطنت نجد و حجاز کا بالطور پر خود مختار تسلیم کر لی گئی، بلکہ شرط پنجم کی رُو سے اُسے تمام بین الاقوامی حقوق بھی حاصل ہو گئے۔ نجد و حجاز کی جدید تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ اُن کے باشندوں کی مستقل جنسیت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ دونوں ملکوں کے تعلقات برطانیہ سے بین الاقوامی قوانین کی بنیاد پر قائم ہو گئے، جیسا کہ اسی شرط کے آخر میں بالتصریح مذکور ہے۔ اب برطانیہ کے وہ امتیازات بھی باقی نہیں رہے جو مرحوم سلطنت عثمانیہ نے اپنے ملکوں میں اُسے بخش رکھے تھے، اور جو اب تک حجاز میں اور کسی حد تک نجد میں بھی برقرار تھے۔

اس معاہدے میں جا بجا "سلطان حجاز و نجد و ملحقاتہا" کے لفظ آئے ہیں۔ ملحقاتہا سے مقصود وہ تمام علاقے ہیں جن پر سلطان ابن سعود کا قبضہ یا حمایت ہے۔ مثلاً ملک عسیر جو حال ہی میں اپنی رضا و رغبت سے حضرت شیخ سنوسی کے مشورہ پر، اُن کی حمایت میں آ گیا ہے۔

مسئلہ اسلحہ

معاہدے کے ساتھ چند ضمیمے بھی ہیں۔ یہ بھی شایع ہو گئے ہیں۔ ایک ضمیمہ میں برطانیہ نے وعدہ کیا ہے کہ بحر احمر کو اُس بین الاقوامی قانون سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کرے گا، جو ہتھیاروں کی فروخت کے متعلق ہے۔ آپکے قارئین واقف ہونگے کہ یورپ کی دول عظمیٰ نے مشرقی قوموں کو کمزور رکھنے کے لئے ایک قانون بنا رکھا ہے، جس کی رُو سے بہت سے مشرقی ممالک جن میں ایران اور ممالک عرب بھی داخل ہیں، سمندر کی راہ سے اسلحہ خریدنے کے حق سے محروم کر دئے گئے ہیں۔ یقیناً سلطان ابن سعود کا تمام مشرقی دنیا خصوصاً عربی ممالک پر بہت بڑا احسان ہوگا اگر ان کی کوشش سے بحر احمر اس جابرانہ قانون سے مستثنیٰ ہو جائے اگر اس کوشش میں کامیابی ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عربی ممالک کی جنگی قوت بہت بہتر ہو جائے گی۔ ایک قریبی فائدہ یہ بھی ہوگا کہ یمن، اٹلی کی حرص و طمع سے محفوظ ہو جائے گا جو اُس پر بہت جلد ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔

عقبہ و معان

ایک دوسرے ضمیمہ میں عقبہ و معان کے مسئلہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ یہ دونوں علاقے شریف علی نے اپنی مختصر حکومت کے زمانے میں برطانیہ کے حوالے کر دئے تھے۔ سلطان ابن سعود کو اس کارروائی پر اعتراض تھا۔ اُن کا اعتراض یہ تھا کہ یہ فعل ایک معزور حاکم کا ہے، جس کی حکومت کی بنیادیں ایک دن کے لئے بھی استوار نہیں ہوئیں، اور جسے عملاً ایک شہر (جدہ) سے زیادہ حصے پر اقتدار حاصل نہیں تھا۔ عرصہ تک برطانیہ کو اس اعتراض کی حقیقت سے انکار رہا، مگر اب اُسنے اصل اعتراض تسلیم کر لیا ہے۔ اور بحث کسی دوسرے موقعہ کے لئے ملتوی کر دی ہے۔ بلاشبہ اس وقت عقبہ و معان کا مسئلہ حل نہیں ہوا، لیکن اس کے حل کے لئے راستہ کھل گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سلطان ابن سعود بہت جلد یہ دونوں علاقے برطانیہ سے واپس لے لیں گے، کیونکہ یہ حجاز کی حفاظت کے لئے از حد ضروری ہیں۔ اور حدود حجاز میں داخل ہیں۔

معاہدہ کی کامیابی کے اسباب

قلم روکنے سے پہلے چند الفاظ اُن اسباب کے بیان میں بھی ضروری ہیں جو اس معاہدہ کا موجب ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت تمام دنیا پر روشن ہے کہ برطانیہ مدت سے کوشاں ہے کہ کسی طرح پورے عرب خصوصاً حجاز پر قابو حاصل کر لے۔ شریف حسین کے ساتھ اُس کے معاہدے اور اُن کی اٹلی کے ساتھ سمجھوتہ اس حقیقت کا تازہ ثبوت ہے۔ تاہم وہ ایک مرتبہ پھر مجبور ہو گیا کہ ایسا ایک معاہدہ منظور کر لے جو اُس کی پرانی آرزوؤں کے صریح خلاف ہے۔

اس کے تین اہم سبب ہیں:

(۱) سلطان ابن سعود نے پچھلے چند سالوں کے اندر غیر معمولی قوت حاصل کر لی ہے۔ فتح حجاز کے بعد عسیر کی حمایت نے اُنھیں عرب کا ایسا طاقتور حکمراں بنا دیا ہے کہ برطانیہ آسانی سے مغلوب نہیں کر سکتا عرب کی سرزمین پر اچانک اتنی بڑی قوت کے ظہور نے برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ یا تو عرب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرے، یا مدت تک کے لئے عرب میں اپنے تجارتی و سیاسی مفاد سے ہاتھ دھو لے۔ سلطان ابن سعود کو ناخوش رکھنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک طرف وہ عراق کی طرف بڑھیں، دوسری طرف شرق اردن پر نظر ڈالیں اور تیسری طرف خلیج فارسی کے نیم برطانی علاقوں پر حملہ آور ہو جائیں عرب کے حالات سے واقفیت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ عراق، شرق اردن، اور خلیج فارسی کے اکثر عرب علاقوں میں تمام بدوی آبادیاں سلطان ابن سعود کے زیر اثر ہیں، اور قریب قریب، نجدی دعوت قبول کر چکی ہیں۔ سلطان کا ایک اشارہ ان ممالک میں قیامت برپا کر دے سکتا ہے۔ برطانیہ کی قوت کتنی ہی عظیم ہو، مگر وہ اتنا نادان نہیں ہے کہ بیٹھے بٹھائے یہ تمام بلائیں اپنے سر نازل کر لے لہذا اُس کی مصلحت یہی تھی کہ سلطان ابن سعود سے تعلقات خوشگوار رکھے اور ان کی کامل خود مختاری کے خلاف کوئی جذبہ ظاہر نہ ہونے دے۔

(۲) شام کی حکمرداری نے عربی ممالک میں فرانس کو برطانیہ کا رقیب بنا دیا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یورپ میں برطانی سیاست نے فرانس کو سخت شکست دی ہے۔ اور اُسے اُس کے تمام دوستوں سے محروم کر کے لاچار کر دیا ہے۔ فرانس اس سبب سے برطانیہ پر دانت پیس رہا ہے اور مشرق میں اُس سے انتقام لینے پر تل گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک طرف چین میں برطانیہ کی مخالفت کر رہا ہے، دوسری طرف عرب میں سلطان ابن سعود سے راہ و رسم پیدا کر رہا ہے۔ برطانیہ نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اُسنے اس موقعہ پر ذرا سی بھی غفلت کی تو بہت ممکن ہے، فرانس اس پر بازی لے جائے۔

(۳) بالشویک روس نے پچھلے دنوں عرب سے بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ بالشویک دعوت کا ایک مرکز حجاز میں بھی قائم کر دیں، تاکہ یہاں سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اُس کی اشاعت ہو سکے۔ برطانیہ، اسوقت روس سے از حد خائف ہے۔ اُس کا یہ ارادہ معلوم کر کے بالکل بدحواس ہو گیا، اور بے تحاشا کوشش شروع کر دی کہ دوستانہ معاہدہ منعقد ہو جائے۔ معاہدہ کی دوسری شرط کا تعلق غالباً اسی چیز سے ہے۔

غالباً اس تفصیل کے بعد معاہدۂ جدہ پوری روشنی میں آ جائے گا اور اس کے فہم میں کسی کو غلط فہمی نہ ہوگی۔ آئندہ مکتوب میں ان اصلاحات پر بحث کروں گا جن کا اسوقت حجاز میں اجراء درپیش ہے۔

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

(۱)

ترکی اصلاح و تجدد کی تحریک سلطان محمود مصلح کے زمانے میں شروع ہوئی، اور سلطان عبد العزیز کے عہد میں مصطفےٰ فاضل پاشا کے ہاتھوں اُس کی پہلی بنیاد پڑی۔ تاہم یہ محض ابتدا تھی۔ تحریک کے قیام و ترقی کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی ایسی اولوالعزم شخصیت نمودار ہو جو اپنی قربانی کے خون سے اس نئی تخم ریزی کی آبیاری کر سکے۔ اصلاح و تغیر کی تحریک، اس آبیاری کے بغیر کبھی نشوونما نہیں پا سکتی تھی۔

ترکی اصلاح کا پہلا فکری عنصر مصطفےٰ رشید کی شخصیت میں پایا ہوا تھا، لیکن اُسے سلطان محمود اور سلطان عبد المجید جیسے اصلاح پسند فرمانروا ملے، اور اس لئے اُس کی اصلاح پسندی آزمایش کی جگہ فریدقبولیت کا باعث ہوئی۔ فواد پاشا اور عالی پاشا بھی مصلحانہ افکار رکھتے تھے، لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اُٹھا سکے۔ اس لئے اُنکے لئے کوئی آزمایش پیدا نہ ہو سکی۔ مصطفےٰ فاضل پاشا نے بلاشبہ بنا قدم اُٹھایا، اور "لائحۂ اصلاحیہ" پیش کر کے اپنے لئے خطرات پیدا کر دیئے تاہم معاملہ اس سے آگے نہ بڑھا کہ جلا وطن ہو گیا۔ یا مصر کی حکومت و خدیویت سے محروم ہو جانا پڑا۔ پس جہاں تک تحریک کی ابتدائی نشوونما کا تعلق ہے، اب تک کوئی شخصیت ایسی نمایاں نہیں ہوئی تھی جسے اس راہ میں جانفروشی و قربانی کی منزل سے گزرنا پڑا ہو۔ یہ منزل ایک اولوالعزم شخصیت کے ظہور کی منتظر تھی۔ یہ اولوالعزمی مدحت پاشا کی شخصیت میں ظاہر ہو گئی۔ مدحت پاشا اس راہ کا پہلا قتیل و شہید ہے۔ اُس کے خون نے وہ آبیاری بہم پہنچا دی، جس کے بغیر یہ تخم انقلاب بار آور نہیں ہو سکتا تھا!

مدحت پاشا اور عبد المجید

سلطان عبد المجید کی پُر فریب حکمت عملیوں نے واقعات و حقائق پر ایسے پردے ڈال دئے تھے کہ مدتوں تک دُنیا کی نگاہیں دھوکا کھاتی رہیں۔ اور مدحت پاشا کی شخصیت نمایاں نہ ہو سکی۔ مدحت پاشا اور اُسکے ساتھیوں کے خلاف جب مقدمہ قائم کیا گیا، اور اُسے سلطان عبد العزیز کے قتل کی سازش کے انکشاف سے تعبیر کیا گیا، تو دُنیا نے بغیر کسی شک کے قبول کر لیا۔ کیونکہ نہ تو مدحت پاشا کی مصلحانہ حیثیت اور اعمال کی دنیا کو خبر تھی اور نہ ٹرکی میں کوئی ایسی قوی طاقت پیدا ہوئی تھی جو اصلیت کا اظہار کر سکتی۔ سر ہنری ایلیٹ (انگریزی سفیر متعینۂ قسطنطنیہ) نے ۱۸۷۶ء میں جب اپنی یادداشت شائع کی، اور مدحت پاشا کو بے قصور ظاہر کیا، تو خود انگلستان میں بہت کم لوگوں نے اسے باور کیا۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ سر ہنری اپنی ذاتی دوستی کا جو اُس میں اور مدحت پاشا میں تھی، حق ادا کر رہا ہے، جہاں تک مشرقی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے، اُسوقت نہ تو لوگوں میں اس قسم کے معاملات سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی تھی اور نہ عام طور پر دلچسپی لی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اُس وقت جس قدر اُردو اخبار نکلتے تھے، سب نے مدحت پاشا کے مقدمہ کو "باغیوں" کے مقدمہ سے تعبیر کیا تھا۔ اُس زمانے کے بعض اخبارات کے فائل ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ کلکتہ کے "اُردو گائیڈ" اور لاہور کے "انجمن پنجاب" نے "باغی مدحت پاشا" کی سزایابی کی خبریں شائع کی تھیں!

مقدمہ کے بعد مدحت پاشا طائف کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اُسوقت دُنیا اس مظلوم کو بالکل بھلا چکی تھی۔ اصلاح پسند ترکوں کے سوا جو یورپ میں منتشر ہو چکے تھے، کوئی جماعت ایسی نہ تھی جسے حقیقتِ حال کا علم ہو، یا اس کی شخصیت میں دلچسپی رکھتی ہو۔

یلڈز کی دعایتہ

برسوں پر برس گزر گئے، اور اس قتیل ظلم و استبداد کی ہولناک موت کی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ رہی۔ قسطنطنیہ میں عہد حمیدی کے تمام مستبدانہ اعمال اپنی پوری سرگرمی کے ساتھ شروع ہو چکے تھے مدحت پاشا اور اسکے رفقا کا نام لینا ایسا ہی ناقابل معافی جرم تھا جیسا "اصلاح" اور "دستور" یا "پارلیمنٹ" کا نام لینا۔ کئی کتابوں کی اشاعت محض اس بنا پر صیغۂ احتساب نے (جو "نظارۂ معارف" کے نام سے قائم کیا گیا تھا) روک دی کہ اُنکے مصنفین کا نام بھی "مدحت" تھا۔

مدحت پاشا کے اعمالِ حیات کو دُنیا کی نظروں میں مذموم ثابت کرنے کے لئے ٹرکی اور ٹرکی سے باہر بے شمار اہل قلم کی خدمات خریدی گئی تھیں اور وہ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی ایسی تحریر شائع کرتے رہتے تھے جس کے ذریعہ مدحت اور اس کی جماعت کو ملک سلطنت کا دشمن ثابت کیا جاتا تھا، اور سلطان عبد المجید کے قاتلانہ اعمال کی مدحت سرائی کی جاتی تھی۔ قسطنطنیہ میں احمد فارس شدیاق کا عربی اخبار "الجوائب" اس کام میں سب سے زیادہ پرجوش اور سرگرم تھا۔ اُسنے بار بار اپنے قارئین کو یقین دلانا چاہا کہ "مدحت اور اسکی جماعت کا اصلی مقصود دین مقدس اسلام کی بیخ کنی کرنی تھی!" یورپ اور انگلستان میں بھی قصر یلڈز کے ایجنٹ بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے تھے۔ بہت سے اخبار اور اخبار نویس تھے، جنھوں نے اپنی خدمات یلڈز کے حوالہ کر دی تھیں۔ ۱۸۷۹ء میں ایک انگریزی کتاب "دوازدہ سالہ عہد حکومت سلطان عبد الحمید" کے نام سے انگلستان میں شائع ہوئی تھی۔ اُس کے دیباچہ میں ظاہر کیا گیا تھا کہ "یہ انگلستان کی ایک شہزادی کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ ہے" یہ کتاب بھی حمیدی دعایتہ (پروپیگنڈا) کا نتیجہ تھی، اور اس لئے شائع کرائی گئی تھی تاکہ سر ہنری ایلیٹ کے اُن مضامین کا جواب دیدیا جائے جو اُسنے مدحت پاشا اور اُس کی مصلحانہ مساعی کی حمایت میں لکھے تھے اس کتاب کا اُردو ترجمہ ہندوستان میں شائع ہو چکا ہے۔

انکشاف حقیقت

ایک عرصہ کے بعد جب مدحت پاشا کا لڑکا علی حیدر بے جوان ہوا، تو اُس کی ماں نعیمہ خانم نے اُس کے باپ کی آخری امانت اُس کے سپرد کر دی۔ یہ امانت کیا تھی؟ یہ ایک نامکمل خود نوشتہ سوانح حیات تھی، جو اس شہید حریت نے طائف کے قید خانہ میں لکھی تھی۔ اور چند خطوط تھے، جو اُسنے اور اُس کے ساتھیوں نے طائف سے بھیجے تھے۔ ان خطوط میں اُن تمام ہولناک واقعات کی تفصیل درج تھی جو طائف کے محبس میں پیش آئے تھے۔

یہ خطوط طائف کے قید خانے سے کیونکر بھیجے گئے اور کس ذریعہ سے مرحوم کے خاندان تک پہنچے؟ اس کی تفصیل ان اوراق میں درج تھی۔ اُس زمانے میں مصر کے خاندان خدیوی کی ایک امیرزادی، بیگم صفوت پاشا نے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کر لیا تھا، اور اپنی دولت و ریاست کی وجہ سے شریف اور گورنر حجاز پر بہت رسوخ رکھتی تھی۔ یہ بیگم مدحت پاشا اور اس کے مصلحانہ اعمال سے واقف تھی۔ اسے جب معلوم ہوا کہ وہ مع اپنے رفیقوں کے طائف میں قید کیا گیا ہے، تو آمادہ ہو گئی کہ اپنی موجودگی سے ان کی مصیبت کم کرنے کی کوشش کرے۔ اور تو کچھ نہ کر سکی، لیکن اس کی وجہ سے خط و کتابت کا ایک محفوظ ذریعہ پیدا ہو گیا۔ طائف کا ایک فوجی ڈاکٹر فخری بے اُس کے زیر اثر تھا اُسے قیدیوں کے دیکھنے کی اجازت تھی۔ وہ ان سے پوشیدہ خطوط لے لیتا اور مکہ معظمہ پہونچا دیتا۔ مکہ سے خطوط مصر بھیجے جاتے۔ مصر سے سمرنا کی ایک فرانسیسی کمپنی کے دفتر میں پہنچ جاتے جہاں مدحت پاشا کا خاندان مقیم تھا۔ کمپنی کے دفتر کا منتظم مدحت پاشا کی بیوی اور بہن تک پہونچا دیتا۔

البتہ مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری ناتمام تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا تو تکمیل کا موقعہ نہیں ملا، یا بقیہ مسودہ ضائع ہو گیا علی حیدر بے نے ان اوراق کی مدد سے مدحت پاشا کے اعمال حیات پر ایک کتاب مرتب کی، اور ۱۹۰۸ء میں پریس سے شائع کی پہلے فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔ پھر اُس کا انگریزی اڈیشن بھی شائع ہو گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دُنیا کو حقیقتِ حال سے واقف ہونے کا موقعہ ملا، اور کذب و افترا کے وہ تمام پردے چاک ہو گئے جو عبد الحمید اور اُس کے حامیوں نے اس راست باز مصلح کی زندگی پر ڈال دئے تھے۔ قصر یلڈز کے کارپردازوں نے بہت کوششیں کیں کہ کسی طرح اس کتاب کی قطعی شہادتیں کمزور ثابت کر دیں لیکن اب ۲۰ سال کی مستور حقیقت عالم آشکارا ہو چکی تھی، اور حقیقت جب ایک مرتبہ آشکارا ہو جائے، تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت اُسے مستر نہیں کر سکتی!

طائف کا مدفون صندوق

۱۹۰۸ء کے انقلاب دستور کے بعد اس سلسلہ میں ایک نیا انکشاف ہوا۔ معلوم ہوتا ہے، اس شہید مظلم کی مقدس امانت صرف اُس کے خاندان ہی میں محفوظ نہ تھی، بلکہ طائف کی زمین نے بھی اپنا آغوش صیانت کھول دیا تھا، تاکہ اُس کی آخری امانت اپنے

سینہ میں چھپالے، اور وقتِ مناسب کی انتظار رہے۔ علی حیدر بے کو خود نوشتہ سوانح عمری کا جو مسودہ اپنی والدہ سے ملا تھا، وہ نا تمام تھا، اور کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ اصل میں نا تمام تھا، یا اس کے بقیہ اوراق ضائع ہو گئے تھے۔ اعلان دستور کے بعد یکایک یہ خبر ترکی اخبارات میں چھپی کہ "وصفی آفندی مدیر اوراق (ریکارڈ کیپر) طائف نے ۳۰ برس کے بعد، طائف کے ایک باغ بیرونِ شہر سے وہ آہنی صندوق نکالا ہے، جس میں مدحت پاشا کی خود نوشتہ کتاب محفوظ تھی۔ وصفی آفندی نے مدحت پاشا کے قتل کے بعد ۱۵۔ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ کو زمین میں دفن کر دیا تھا"

وصفی آفندی نے یہ صندوق علی حیدر بے کے حوالہ کر دیا تحقیقات سے معلوم ہوا کہ مدحت پاشا نے اپنی کتاب مکمل کر لی تھی، اور احتیاطاً اس کی دو نقلیں بھی، اپنے رفیق جس شیخ خیر اللہ آفندی (سابق شیخ الاسلام) سے کرالی تھیں تاکہ اگر اصل نسخہ محفوظ نہ رہ سکے تو اس کی نقل موجود رہے۔ اصل نسخہ کا ابتدائی حصہ بدفعات سمرنا بھیجا گیا، بقیہ اجزاء ابھی نہیں بھیجے گئے تھے کہ ۱۲ رجب ۱۳۰۱ھ ہجری کی وہ ہولناک رات آگئی جو مرحوم اور اس کے ساتھی محمود پاشا داماد کے قتل کی رات تھی۔ اس طرح مرحوم کو بقیہ اوراق بھیجنے کا موقعہ نہیں ملا۔ یہ اوراق قتل کے بعد قید خانہ کے حکام کو مل گئے تھے اور قسطنطنیہ بھیجے گئے تھے۔ لیکن ان کی دو نقلیں خیر اللہ آفندی کے پاس رہ گئی تھیں۔

خیر اللہ آفندی نے کوشش کی کہ کسی طرح یہ دونوں نسخے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ اُسنے ایک نسخہ اپنے معتمد دوست کمال آفندی شیخ تکیہ آستانہ تک پہنچا دینے کے لئے ایک شخص مصطفےٰ آفندی نامی کے سپرد کیا، اور دوسرا طائف کے ڈاکٹر فخری بے کو دے دیا۔ پہلا نسخہ کمال آفندی تک پہنچ سکا اور مصطفےٰ آفندی کا انتقال ہو گیا۔ لیکن دوسرا نسخہ ڈاکٹر فخری نے وصفی آفندی مدیر اوراق طائف کے سپرد کر دیا۔ وصفی آفندی مدحت پاشا کی جماعت سے ہمدردی رکھتا تھا اور دل سے اصلاح پسند تھا۔ اُسنے اس امانت کی قدر کی، اور ایک آہنی صندوق میں بند کر کے شہر کے باہر دفن کر دیا۔

مدحت پاشا کی خود نوشتہ سوانح عمری

علی حیدر بے انقلاب کے بعد قسطنطنیہ آگیا تھا۔ اُسنے اس مسودہ کا پچھلے مسودہ سے مقابلہ کیا، اور ترکی میں ایک نئی کتاب مرتب کر کے ۱۹۰۹ء میں شایع کر دی۔ یہ مدحت پاشا کی سرگزشت حیات کا مکمل مجموعہ ہے۔ اس میں اس کی خود نوشتہ سوانح عمری ہے، قید خانۂ طائف کے تمام خطوط ہیں، اصلاح نظام حکومت کی تمام یادداشتیں ہیں، اور آخر میں چند ضمیمے ہیں جن سے کتاب کے بعض تفصیل طلب مقامات کی مزید تشریح ہو جاتی ہے۔

علی حیدر بک اس مجموعہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے:

"ایک ایسے موقع پر جبکہ میری قوم قیام دستور کی یادگار منا رہی ہے (جولائی ۱۹۰۸ء) میں اپنے والد مرحوم کی خود نوشتہ سوانح حیات کا ہدیہ اُس کے سامنے پیش کرتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ یہ عبرت و موعظت کا ذریعہ ہوگا!

"جب ہمارا وطن عزیز اپنی صدہا سالہ عظمت و شوکت کی بلندیوں سے تنزل کے تعرِ ذلت میں گر رہا تھا، اور عدل و نظام کے فقدان نے امید و مراد کے تمام دَر و دانے بند کر دیئے تھے، تو اسوقت ان اوراق کا مصنف ملک و ملت کی خدمت کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی زندگی کے کامل ۴۰ سال اس راہ میں بسر کر دیئے۔ یہاں تک کہ اسی کی راہ میں اپنی جان عزیز بھی قربان کر ڈالی!

"میرے والد نے یہ اوراق قلعۂ طائف کے قید خانہ میں اسوقت لکھے تھے، جبکہ وہ خونی مجرموں کی طرح ایک تنگ کوٹھڑی میں مقید تھا، اور شقی و جانی پاسبانوں کی نگاہیں ہر وقت اُس پر لگی رہتی تھیں۔ مسودہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا اکثر حصہ ایک ایک دو دو سطر کر کے، مختلف اوقات میں لکھا گیا ہے، اور بہت سے مقامات میں ناتمام جملوں اور لفظوں پر قلم کی کشش رُک گئی ہے۔ وہ قلم اور کاغذ دشمن کے نیچے چھپا کر رکھ دیا کرتے تھے، اور جب کبھی پاسبانوں کی نگاہوں سے مہلت ملتی تھی، لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ پوری دو سطریں بھی نہیں لکھنے پاتے تھے کہ کسی آدمی کی آہٹ سنائی دیتی، یا باہر سے باتوں کی آواز آنے لگتی، اور وہ قلم کاغذ چھپا دینے پر مجبور ہو جاتے!

"عین اُس حالت میں بھی جبکہ موت سامنے تھی، زندگی و حیات کے تمام وسائل مفقود ہو چکے تھے، ضعف پیری اور امراض کے آلام سے قویٰ معطل ہو رہے تھے، اور ایک جابر و مستبد بادشاہ اور اس کے رذیل اور جرائم پیشہ حکام ہر آن اُس کے انفاسِ حیات کم کرنے کے درپے ہو رہے تھے، وہ اپنی قوم اور ملت کی خدمت سے بے فکر نہیں ہوا، اور محض اس امید موہوم سے کہ شاید اُس کے لکھے ہوئے اوراق کسی وقت قوم کی نظروں تک پہنچ جائیں، اُسنے اپنی زندگی کے تمام تجارب و افکار قلمبند کر دیئے۔ عین اُسوقت جبکہ عبد الحمید اُس کی موت کے وسائل پر غور کر رہا تھا، وہ قید خانہ کی کوٹھڑی کے اندر ان وسائل کے قلمبند کرنے میں مشغول تھا جن کے ذریعہ عبد الحمید کا عرش مملکت موت کے خطرات سے نجات پا سکتا تھا!

"میرے والد نے یہ کتاب قید خانہ میں لکھی، اور اس کا ایک حصہ سمرنا میں اپنے اہل و عیال کے پاس بھجوا دیا۔ یہ ابتدائی حصہ اور بعض خطوط مجھے اپنی والدہ مرحومہ سے ملے تھے، اور میں نے انھیں ایک مقدس تذکار سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ چند سال پیشتر میں نے یورپ میں جو کتاب مرحوم کے وقائع حیات پر شائع کی تھی، وہ انہی اوراق سے مرتب کی گئی تھی۔

"یہ اُس شخص کا اثر ہے جسے ۱۲۔ رجب ۱۳۰۱ھ ہجری کو رات کے ۹ بجے (یعنے انگریزی گھڑی کے حساب سے بارہ بجے) عبد الحمید کے حکم سے قید خانۂ طائف میں گلا گھونٹ کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ اس لئے ہلاک کر ڈالا گیا، کہ وہ ظلم و استبداد کا مخالف تھا، اور عدل و دستور کا داعی تھا۔ آج جبکہ تمام مملکت عثمانیہ قیام دستور کے یادگاری خیال منا رہی ہے، بیجا نہیں اگر میں یہ اُمید کروں کہ دستور عثمانی کے اس شہید کی یاد ہر فرد قوم کے دل میں تازہ ہو جائے!"

سوانح حیات

مدحت پاشا کی اسی خود نوشتہ سوانح عمری سے ہم مختصراً اس کے حالات نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اُن خطوط کا ترجمہ درج کرینگے جو قلعۂ طائف سے بھیجے گئے تھے۔

ابتدائی تعلیم

مدحت پاشا ابن قاضی حاجی حافظ محمد اشرف

صفر ۱۲۳۸ھ میں بہ مقام قسطنطنیہ پیدا ہوا۔ والدین نے احمد شفیق نام رکھا تھا۔ دس برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور حافظ شفیق کہلانے لگا۔

۱۲۴۹ھ میں اس کے والد علاقۂ لودین کے قاضی مقرر ہو گئے۔ یہاں اسنے لکھنا سیکھا، اور ایک برس بعد جب وہ واپس ہوا، تو عاکف پاشا وزیر خارجیہ کے حکم سے دیوان ہمایونی میں داخل کر لیا گیا۔ یہاں اُسنے اُس رسم الخط کی مشق کی جو اس محکمہ کے لئے خاص ہے۔ اس محکمہ کی تعلیم گاہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تمام فارغ التحصیل طلبا کو ایک علحدہ نام یا لقب دے دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اُسنے حافظ شفیق کے لئے بھی ایک نیا نام تجویز کیا۔ یہ "مدحت" تھا، اس دن سے "شفیق" کی جگہ "مدحت" کے نام سے پکارا جانے لگا۔

۱۲۵۱ھ میں اس کے والد علاقۂ لوفچہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ مدحت بھی ساتھ گیا اور تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اُس کے والد موئکہ فارغ التحصیل عالم تھے، اس لئے شروع ہی سے اسے فارسی، عربی، اور دینی علوم کی تعلیم دی گئی۔ لوفچہ سے واپس آنے کے بعد اُس نے آستانہ کی تاریخی مسجد "جامع فاتح" میں دینی علوم کی تکمیل کی اور فارسی زبان میں بھی کامل مہارت حاصل کر لی۔

جب ۱۲۵۴ھ میں حکومت نے "مدرسہ عرفانیہ" جاری کیا، اور منتخب ہونہار طالب علم اُس میں داخل کئے گئے، تو اُن میں ایک مدحت آفندی بھی تھا۔ لیکن اُس نے جلد دیکھ لیا کہ اس مدرسہ کے طالب علم اُس کے برابر قابلیت نہیں رکھتے، اور تعلیم بھی بہت معمولی درجہ کی ہے، اس لئے برداشتہ خاطر ہو کر چھوڑ دیا۔

عملی زندگی

۱۲۵۷ھ میں اُسنے اپنی تعلیم ختم کر لی۔ مگر اُس کی عملی زندگی اس سے بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ وہ کم عمری ہی سے سرکاری دفاتر میں ملازم ہو گیا تھا۔ دفتر کا کام بھی انجام دیتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔

لیکن ۱۲۵۸ھ میں اُسنے خالص عملی زندگی میں قدم رکھا۔ ۲۵۰ قرش تنخواہ پر اُسے ایک مستقل جگہ مل گئی۔ یہ ولایت شام میں سرکاری کاغذات کی تحریر کی جگہ تھی۔ دو تین برس تک اسی جگہ پر مامور رہا۔ پھر ۱۲۶۱ھ میں سامی پاشا والی تونیہ کے دفتر میں لے لیا گیا۔ ۱۲۶۳ھ میں اسی والی کے ساتھ صوبۂ مستلونی میں گیا۔ ۱۲۶۴ھ میں قسطنطنیہ واپس آیا اور اسی زمانہ میں اُس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد اُسے وزیر اعظم کے دفتر میں انشاء و کتابت کی مغز جگہ مل گئی۔ اس جگہ کے ملجانے سے اُس پر اعلیٰ اور مرکزی مناصب کا دروازہ کھل گیا۔ اور وہ حکومت کے ممتاز اور ذمہ دارانہ مناصب پر مامور ہونے لگا۔

تفتیش (انکوائری)

۱۲۶۷ھ میں حلب شام کے خزانہ میں سخت بدنظمی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ خزانہ حکومت کے ۲۰ تھیلے غائب ہو گئے۔ اس معاملہ کی تفتیش کے لئے مدحت آفندی بھیجا گیا۔ اُسے خفیہ طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ عربی ممالک کے سپہ سالار اعظم محمد پاشا قبرصلی کے طرز عمل کی بھی تحقیقات کرے۔ ۶ مہینے کی محنت کے بعد اُسنے ثابت کر دیا کہ نقدی کے ۲۰ تھیلے نہیں، بلکہ ۵ ہزار تھیلے چوری ہو گئے ہیں۔ چور کا بھی پتہ چلا لیا، اور اُس سے ایک ہزار ۴۰ تھیلے وصول کر لئے۔ نیز ناقابل رد دلائل سے ثابت کر دیا کہ سپہ سالار نے قوم دروز کے معاملے میں سخت غلطیاں کی ہیں۔

مجلس والا کی صدارت

وزیر اعظم رشید پاشا نے مدحت آفندی کی اس خدمت کی بہت تعریف کی۔ عرب کا سپہ سالار معزول کر دیا گیا۔ اور مدحت کو ۱۲۶۹ھ میں مجلس والا کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ منصب اُس کی فطری اور غیر معمولی انتظامی قابلیت کے ظہور کے لئے ہر طرح موزوں تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کی قابلیتوں کے ایسے نمایاں ثبوت ملے کہ وہ رشید پاشا، عالی پاشا، رشدی پاشا وغیرہ ارکان سلطنت کا معتمد علیہ بن گیا۔ چنانچہ جب مسئلہ کریما کے حل کرنے کے لئے روسی پرنس ممیکوف قسطنطنیہ آیا، تو معاہدوں کی تحریر اسی کے سپرد کر دی گئی جو بہت بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔

ارکان حکومت سے مخالفت

اب ترقی کرتے کرتے، مدحت آفندی اناطولی میں کاتب ثانی کے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ ۱۲۷۰ھ میں محمد پاشا قبرصلی، وزیر اعظم مقرر ہوا

یہ مدحت آفندی کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ اسی نے اُسے عرب کی سپہ سالاری سے معزول کرایا تھا۔ اب اُسنے انتقام لینا اور سرکاری ملازمت سے خارج کرا دینا چاہا۔ اُسنے بہت کوشش کی مگر کوئی بات قابل گرفت نہیں ملی۔ آخر اُس نے خیال کیا، اسے صوبہ جات رومیلی کا حاکم بنا کر بھیج دیا جائے، اور چونکہ سخت ہنگامے برپا تھے، اور بہت سے والی امن و امان قائم کرنے میں ناکام رہ چکے تھے، اس لئے مدحت آفندی بھی ناکام رہے گا، اور اس طرح اُسے نالائق قرار دینے کا بہتر موقعہ نکل آئے گا۔ چنانچہ اُسنے احکام صادر کر دیئے۔

اب مدحت آفندی کے لئے سخت شکل پیش آئی۔ وہ وزیر اعظم کی بدنیتی سے واقف ہو چکا تھا، اگر نہیں جاتا تھا تو عدول حکمی ہوتی تھی۔ جاتا تھا، تو ناکامی کا اندیشہ تھا۔ بہرحال اُسنے جانے کا فیصلہ کر لیا، اور ۱۲۷۱ھ میں ایک فوجی مہم ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

یہاں مدحت آفندی نے حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ صرف ۶ مہینے کی قلیل مدت میں ۲۸۰ باغی سرغناؤں کو گرفتار کر لیا۔ ۴ کو حکومت کی بلا اجازت پھانسی دے دی۔ ۸۰ کو آستانہ کے قید خانے میں بھیجدیا۔ باقی کو قانون کے مطابق سخت سخت سزائیں دیں۔

باغی صوبوں نے نئے حاکم کی یہ غیر معمولی مستعدی دیکھی تو اطاعت کے لئے فوراً سر جھکا دیئے۔ یورپ کی زبان بالکل بند ہو گئی جو بلقان کی اس پیچیدگی کو اپنی مداخلت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اب محمد پاشا بھی معزول ہو چکا تھا۔ رشید پاشا اُن کی جگہ وزیر اعظم تھا۔ اُسنے مدحت آفندی کی شاندار خدمات کا اعتراف کیا اور آستانہ واپس بلا لیا۔ مدحت آفندی نے رومیلی کے حالات کی مفصل روداد پیش کی اور اصلاحات کا ایک مسودہ بھی طیار کیا، حکومت نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ مگر بعض حالات اور تبدیلیاں ایسی پیش آگئیں کہ اصلاحات کی تجاویز پر کوئی عملی کارروائی نہ ہو سکی۔ دراصل حکومت کا مزاج صدیوں سے ایسا ہو گیا تھا کہ بغیر کسی بنیادی تغیر کے اصلاحات کی تجاویز سود مند نہیں ہو سکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے مدحت آفندی کو مجلس والا میں دوبارہ داخل کیا۔ مگر ابھی چند ماہ بھی اس صورت حال پر نہیں گزرے تھے کہ رشید پاشا پھر معزول ہو گیا اور مصر چلا گیا۔ اسکی جگہ عالی پاشا کو ملی، مگر اُسے بھی یورپ کا سفر پیش آگیا اور دارالحکومت سے غیر حاضر ہو گیا۔ اسکی نیابت محمد پاشا قبرصلی کو مل گئی۔ اسی محمد پاشا کو جو مدحت کا جانی دشمن تھا اسنے برسر اقتدار آتے ہی پھر انتقامی تدابیر کا عمل میں لانا شروع کر دیا۔

اس مرتبہ مدحت پر یہ تہمت لگائی گئی کہ اُسنے حکومت کے بعض محاصل پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ باضابطہ مقدمہ قائم ہو گیا۔ مگر پہلی ہی پیشی میں ثابت ہو گیا کہ الزام کی کوئی اصلیت نہیں محض اتہام ہے۔ ایک گواہ نے تو علانیہ عدالت کے سامنے اقرار کر لیا کہ "اُسے جھوٹ بولنے پر مجبور کیا گیا ہے، اور مدحت کے خلاف اُسنے جو کچھ کہا ہے، سراسر باطل ہے"

مدحت آفندی عزت کے ساتھ بری ہو گیا، اور نائب وزیر اعظم کو سخت شرمندگی اُٹھانی پڑی۔

بلغاریہ اور سرویہ میں

اُس زمانے میں بلغاریہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ حکام کے ظلم نے باشندوں کو پریشان کر ڈالا۔ مدحت آفندی تحقیقات کے لئے بھیجا گیا۔ اسنے اپنی روداد باب عالی میں پیش کر دی اور ثابت کیا، کہ باشندوں کی شکایتیں صحیح ہیں۔ گورنر سعید پاشا اور اُس کے آدمیوں نے سخت فساد مچا رکھا ہے۔ باب عالی نے اس کی روداد تسلیم کر لی، اور گورنر اور اُسکے عہدہ داروں کو معزول کر دیا۔

بلغاریہ سے فارغ ہو کر مدحت آفندی سرویہ گیا۔ وہاں بھی سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض علاقوں کے باشندوں نے ترکی حکام کو بالکل خارج کر دیا تھا۔ اور طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی۔ مدحت آفندی نے اس صوبے کی بھی اصلاح کی اور باغی علاقوں میں از سر نو حکومت قائم کر دی۔

یورپ کا سفر

مدحت آفندی، قسطنطنیہ واپس آگیا۔ اُسے یقین تھا کہ حکومت اُس کی خدمات کا اعتراف کرے گی۔ مگر یہاں سلطان عبدالمجید پر معزول گورنر سعید پاشا اور اُس کے دوستوں کا جادو چل چکا تھا۔ انھوں نے سلطان کو مدحت آفندی سے ناراض کرا دیا۔

اسی اثنا میں رشید پاشا کا بھی انتقال ہو گیا۔ جو مدحت کا سرپرست تھا۔ مدحت آفندی، سلطان کی ناراضی سے افسردہ خاطر ہو چکا تھا۔ اپنے مربی کی وفات سے اور بھی زیادہ بے دل ہوا، اور سرکاری مناصب ترک کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی اُسے خیال ہوا کہ ممالک یورپ کی سیر و سیاحت کرے جن کی علمی و تمدنی ترقیات کے افسانے اس کے گوش گزار ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۲۷۴ھ میں یورپ روانہ ہو گیا۔ ۶ مہینے وہاں قیام کیا۔ پیرس، لندن، وائنا، بلجیم وغیرہ کی سیر کی اور یورپ کی ترقی کے اسباب و وسائل معلوم کئے۔

فرانسیسی زبان

مدحت آفندی کی طالب علمی کے زمانے میں فرانسیسی زبان کو ٹرکی میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اس لئے اُسنے بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اب حالات میں عظیم تبدیلی واقع ہو چکی تھی، اور ہر سیاسی مدبر کے لئے اس زبان سے واقفیت لازمی ہو گئی تھی۔ مدحت آفندی نے اپنے اندر یہ کمی محسوس کی، اور اس زبان کی تحصیل پر کمر بستہ ہو گیا۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات میں بطور خود مطالعہ کرتا رہتا یہاں تک کہ یورپ کا سفر پیش آیا اور اس زبان میں اُسنے پوری مہارت حاصل کر لی۔

رتبۂ وزارت اور صوبہ کی ولایت

۱۲۷۵ھ میں مدحت آفندی یورپ سے واپس آیا اور دوبارہ مجلس والا کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اسی اثنا میں محمد پاشا قبرصلی پرانا دشمن وزیر اعظم ہو چکا تھا۔ مدحت آفندی کو خوف تھا کہ پھر اُسکی عداوت کا نشانہ بنے گا، مگر یہ دیکھ کر اُسے تعجب ہوا کہ اب مخالفت کی جگہ اس کی طرف سے موافقت کے اظہارات شروع ہو گئے تھے۔ اُسنے مدحت آفندی کو طلب کیا۔ گزشتہ معاملات کی معافی چاہی اور سلطان عبدالمجید سے بھی سفارش کی کہ اس کی پچھلی خدمات کے اعتراف میں وزارت کا اعزازی رتبہ بخشا جائے، اور صوبۂ نیش کی حکومت سپرد کر دی جائے۔ چنانچہ ۱۲۷۷ھ میں مدحت آفندی اس صوبہ کا والی مقرر ہو گیا۔ اور سلطان عبدالمجید کی وفات تک اسی منصب پر مامور رہا۔

سلطان عبدالعزیز

سلطان عبدالعزیز کے آخری عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حالت از حد زبوں ہو گئی۔ ہر طرف داخلی شورشیں برپا ہو گئیں، اور یورپ نے متحد ہو کر از سر نو دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

بدقسمتی سے سلطان، اپنے وزیر اعظم محمود ندیم پاشا کے قبضہ میں تھے۔ اور ندیم پاشا، روسی سفیر جنرل اگناٹیف کے اشاروں پر حرکت کر رہا تھا۔ ترکی قوم اس حقیقت سے واقف ہو گئی تھی اور ندیم پاشا کی معزولی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مگر سلطان نے کانوں میں تیل ڈال لیا تھا نہ کسی کی نصیحت سنتا تھا نہ کسی فریاد پر توجہ دیتا۔

اُسی زمانے میں خبر مشہور ہوئی کہ سلطان، ۴۰ لاکھ پونڈ کا ایک نیا قرضہ لینے والے ہیں۔ عام رائے اس خبر سے نہایت برہم ہوئی۔ کیونکہ سلطان کے اسراف نے سلطنت کا تمام خزانہ خالی کر دیا تھا اور قرضوں کا ناقابل برداشت بوجھ پہلے ہی سے ملک کی گردن توڑ رہا تھا۔

اسی اثنا میں صوبۂ ہرزی گوینا کا مسئلہ پیش آیا۔ یہ محض حکومت کی غفلت کا نتیجہ تھا۔ عام رائے اب اور بھی زیادہ برہم ہو گئی۔ چند دن بعد خبریں آنا شروع ہوئیں کہ بلقان میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور اُسکے شعلے، اور نہ تک پہنچ گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آستانہ میں بلقان کے مسلمان طالب علموں کے پاس خطوط پہنچے کہ "باغیوں نے تمھارے گھر لوٹ لئے۔ اور عزیز و اقارب قتل کر ڈالے" طالب علموں نے یہ وحشت ناک خبریں سنیں تو جوش میں آگئے۔ اُن کے جوش نے شہر کی تمام مسلمان آبادی میں بھی ہیجان پیدا کر دیا۔ لوگوں کو پہلے سے یقین تھا کہ حکومت، بلقان کے معاملات سے غفلت برت رہی ہے، اور ندیم پاشا روس کے اشارے سے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ روس کا مقصد یہ تھا کہ اس بہانے سے اُسے مداخلت کا موقعہ ملے۔

بلقانی طالب علموں کے ساتھ ہزاروں مخلوق باب عالی کی طرف روانہ ہوئی اور وزیر اعظم سے ملاقات کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعظم نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گیا، اور سلطان کو مشورہ دیا کہ نئی وزارت کا اعلان کر کے عوام الناس کا جوش ٹھنڈا کر دیں۔ چنانچہ محمود ندیم پاشا اور حسن آفندی شیخ الاسلام دونوں معزول کر دیئے گئے۔ رشدی پاشا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور خیر اللہ آفندی شیخ الاسلام بنائے گئے۔ نیز مدحت پاشا بھی رتبۂ وزارت کے ساتھ مجلس اعلیٰ کا رکن مقرر ہو گیا۔

لیکن وزارت کی تبدیلی سے حالات میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ ندیم پاشا اگرچہ معزول کر دیا گیا تھا، لیکن محض ایک سطحی تبدیلی تھی۔ سلطان بدستور ندیم پاشا کے ہاتھوں میں تھا۔ ندیم پاشا روسی سفارت خانہ سے احکام حاصل کرتا، اور انکے مطابق سلطان کو مخفی مشورے دیتا رہتا۔

عام رائے نے جلد معلوم کر لیا کہ ندیم پاشا امروز فردا ہی میں پھر برسر حکومت آجائے گا۔ اُس کی معزولی، محض ایک دکھاوے کی کارروائی ہے۔ اسی اثنا میں روسی سفیر جنرل اگناٹیف نے ہر طرف مشہور کر دیا کہ دارالسلطنت میں عنقریب بغاوت ہونے والی ہے۔ مسلمان عیسائیوں کے قتل کی عام طیاریاں کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اُسنے یہ بھی کیا کہ مانٹی نگرو سے سو مسلح نوجوان بلائے اور اپنی سفارت کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیئے۔ اس کارروائی نے تمام شہر میں تشویش پیدا کر دی۔ قسطنطنیہ کی مسیحی آبادی نے کاروبار بند کر دیا، اور شہر چھوڑ دینا چاہا۔ ان کارروائیوں سے روسی سفیر کا مدعا یہ تھا کہ محمود پاشا کی دوبارہ وزارت کے لئے میدان صاف کرے۔ وہ یہ دکھلانا چاہتا تھا کہ نئی وزارت امن و امان قائم نہیں رکھ سکتی، اور مسیحی رعایا کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

ترکوں نے یہ حالت دیکھی، تو وہ مرعوب نہیں ہوئے، اُنھوں نے خود سلطان کے معزول کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اب وہ سمجھ گئے تھے کہ اس شخص کی موجودگی میں کسی قسم کی اصلاح ممکن نہیں۔

یہ خبر ہوا کی طرح بازاروں میں پھیل گئی۔ وہاں سے قصر شاہی میں پہنچی۔ سلطان بہت پریشان ہوئے۔ والدہ سلطان نے مدحت پاشا کے پاس اپنا معتمد علیہ خواجہ سرا جوہر آغا بھیجا اور دریافت کیا کہ قوم کی ناراضی دور کرنے کے لئے کونسا طریقہ مفید ہو سکتا ہے؟

مدحت پاشا نے فوراً اصلاحات کا ایک مسودہ طیار کیا اور سلطان کی خدمت میں یہ کہہ کر پیش کیا کہ اسے جاری کر دینے سے عام رائے مطمئن ہو جائے گی۔ مگر سلطان کی نخوت نے اُسے منظور نہ کیا۔

اس تمام مدت میں سلطان، محمود ندیم پاشا کے مشوروں پر عمل کرتا رہا اور محمود ندیم، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، روسی سفیر کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا۔ محمود ندیم نے سلطان کو ترغیب دی کہ حسین عونی پاشا کو جلا

برید فرنگ

مکتوب جرمنی

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم برلن کے قلم سے)

قیصر کی جرمنی میں واپسی۔ قیصر کے موجودہ خیالات۔

قیصر کی واپسی

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں قیصر ولہلم کی جرمنی میں واپسی پر مفصل بحث کر چکا ہوں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ گزشتہ ماہ جولائی میں قیصر فوراً واپس آجائے گا۔ لیکن جولائی پر دو ماہ اور گزر گئے، اور قیصر کی جلاوطنی ختم نہ ہوئی۔ حکومت جرمنی نے قیصر کی جلاوطنی والے قانون کی مدت میں دو سال کا مزید اضافہ کر دیا ہے۔ لوگ حیرت و تعجب سے اس کا سبب دریافت کر رہے ہیں؟

یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ ماہ جولائی میں قیصر واپس آنے والا تھا جولائی کی قید اس لئے تھی کہ قیصر کی جلاوطنی والے قانون کی مدت اسی مہینے میں ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن مدت ختم ہونے سے تین چار دن پہلے حکومت نے اس میں دو سال کی مزید توسیع کر دی۔ یہ کارروائی خود قیصر کے اشارے سے ہوئی تھی۔ اصلی وجہ یہ تھی کہ اب تک فرانسیسی فوجوں نے جرمنی کی سرزمین خالی نہیں کی ہے۔ اسوقت وہ دریائے رین پر قلعے بنا رہی ہیں جب تک یہ قلعے طیار نہیں ہو جائیں گے، وہ جرمنی خالی نہیں کریں گی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۲۹ء کے موسم سرما میں تعمیر مکمل ہو جائے گی اور پورا جرمنی آزاد ہو جائے گا۔

دراصل قیصر ولہلم نے اسوقت تک کے لئے جرمنی میں قدم رکھنے سے انکار کر دیا جب تک اس کی سرزمین پر ایک اجنبی سپاہی بھی موجود ہے۔ یہی سبب ہوا کہ کچھ عرصہ کے لئے قیصر کی واپسی پھر ملتوی ہو گئی۔

قیصر نے انکار کیوں کیا؟ کیا سرحد پر فرانس کی مختصر فوجوں کی موجودگی اس کے لئے خطرناک تھی؟

یہاں خطرے کا سوال نہ تھا۔ خودداری کا سوال تھا قیصر کی عزت نفس نے گوارا نہ کیا کہ اپنے وطن میں اس حال میں واپس ہو جبکہ اس کی سرزمین پر اجنبی سپاہی موجود ہیں۔

اپنے کسی پچھلے مکتوب میں اس نزاع پر روشنی ڈال چکا ہوں جو قیصر کی نئی بیوی اور سابق ولی عہد کی بیوی میں جاری ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ قیصر کی بیوی جرمنی میں اگر مقیم ہو گئی ہے تاکہ اپنے شوہر کی تخت نشینی کے لئے میدان صاف کرے۔ دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اپنے بڑے لڑکے کو جرمنی کا بادشاہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اب یہ نزاع کلیتہً دور ہو چکی ہے۔ تمام شاہ پسند متحد و متفق ہو گئے ہیں اور صرف قیصر کی حمایت کر رہے ہیں۔

چند اہم تبدیلیاں

پچھلے چند ماہ میں اہم تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ پہلے شاہ پسندوں کا زعیم مارشل لوڈنڈارف تھا۔ اب قیصر نے اسے معزول کر دیا ہے۔ اب ہنڈنبرگ جمہوری حکومت کی صدارت کے ساتھ، شاہ پسندوں کا بھی سرگروہ بن گیا ہے۔ مارشل لوڈنڈارف نے کئی سال بے کار گزارے اور شاہی تحریک کو کوئی ترقی نہیں دی۔ لیکن مارشل ہنڈنبرگ نے غیر معمولی تدبر سے کام لے کر پوری کامیابی حاصل کر لی ہے۔ قیصر کے مخالفوں کا سب بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایک نہایت نازک زمانے میں قیصر اپنا ملک چھوڑ کر ہالینڈ بھاگ گیا۔ لیکن ہنڈنبرگ نے اب یہ اعتراض دور کر دیا ہے۔ اس نے قیصر کی اس حرکت کی تمام ذمہ داری خود اپنے سر لے لی ہے۔ اس نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا:

"میں نے ہی قیصر کو اس فعل پر مجبور کیا تھا۔ حالانکہ وہ راضی نہ تھا درحقیقت قیصر نے ملک چھوڑ کر ملک کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اس نے خود ذلت اٹھانا گوارا کر لیا تاکہ ملک کی عزت برقرار رہے۔ اگر قیصر فوراً ہالینڈ چلا نہ جاتا تو ایک طرف جرمنی کی تمام فوجیں تباہ ہو جاتیں کیونکہ اس کی غیرت ہرگز ہتھیار رکھ دینا قبول نہ کرتی۔ دوسری طرف اتحادی سلطنتیں ملک کے شہنشاہ کو گرفتار کر کے مجرموں کی طرح سزا دینے کی کوشش کرتیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر میں نے قیصر کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا تھا"

ہنڈنبرگ کے اس اعلان نے جرمنی کے اکثر باشندوں کو مطمئن کر دیا ہے۔ اب وہ قیصر کے بھاگنے کو اس کا عیب و نقص نہیں، بلکہ ایک ملکی خدمت اور عظیم قربانی سمجھنے لگے ہیں۔

قیصر پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اس نے اپنی ملکہ کے فوت ہوتے ہی نہایت بے وفائی کے ساتھ دوسری شادی کرنے میں جلدی کی۔ ہنڈنبرگ نے یہ اعتراض بھی دور کر دیا اور اس کی ذمہ داری بھی خود اوڑھ لی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس نے ایک طرف سابق ولی عہد کو راضی کر لیا کہ اپنے باپ کے خلاف کوئی کوشش نہ کرے، دوسری طرف ولی عہد کی بیوی اور قیصر کی نئی بیوی میں بھی صلح کرا دی۔ غرضکہ اس نے تمام شاہ پسندوں کو ایک خیال پر جمع کر دیا۔ اب سب صرف قیصر کی تخت نشینی چاہتے ہیں۔

ہنڈنبرگ نے یہ صورت حال صرف پروشیا ہی میں پیدا نہیں کر دی بلکہ جرمنی کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو بھی قیصر کی حمایت پر آمادہ کر دیا ہے۔ اب جب قیصر واپس ہوگا تو یقین کیا جاتا ہے کہ صرف پروشیا ہی کا نہیں بلکہ ریاست سکسونی کو چھوڑ کر تمام جرمنی کا شہنشاہ ہوگا۔ ریاست سکسونی میں بالشویک خیالات مقبول ہو گئے ہیں اور وہاں عنقریب سوشلسٹ حکومت قائم ہو جانے والی ہے) صرف اسی قدر نہیں بلکہ امید کی جاتی ہے کہ آسٹریا بھی اس کے زیر نگیں آجائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہاں جرمنی سے الحاق کا خیال بہت عام ہو رہا ہے۔

شاہ پسندوں کی انجمنیں

اسوقت جرمنی میں شاہ پسندوں کی بارہ انجمنیں قائم ہیں۔ یہ انجمنیں نہایت سرگرمی سے مصروف عمل ہیں۔ تقسیم عمل کے اصول پر ہر انجمن نے تحریک کے مختلف کام بانٹ لئے ہیں۔

مثلاً ایک انجمن کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا بھر میں قیصر کو مقبول بنانے کی دعوت پھیلا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ جنگ عمومی کی ذمہ داری سے قیصر کو بری ثابت کرے اور سفاکی و خوں ریزی کے وہ تمام الزام دور کرے جو اتحادی سلطنتوں نے قیصر پر لگا رکھے ہیں۔ اس انجمن نے بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ دنیا کی عام رائے اب قیصر کی اتنی مخالف نہیں ہے جتنی پہلے تھی۔

ایک دوسری انجمن کا نام "شعبہ خارجیہ" ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سلطنتوں اور قوموں کے خیالات قیصر کے متعلق معلوم کرتی رہتی ہے۔ اس کی تازہ روداد سے ثابت ہوتا ہے کہ دل یورپ میں صرف ایک فرانس ہی ایسی دولت ہے جو اب تک قیصر کی دشمنی پر قائم ہے۔ باقی سلطنتوں کو زیادہ پرخاش باقی نہیں رہی۔ روداد میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اٹلی اور آمریکہ، قیصر کی واپسی کی کوئی مخالفت نہیں کریں گے۔ انگلستان کی مخالفت کا بھی اندیشہ نہیں ہے، الا یہ کہ مسٹر لائڈ جارج پھر برسر حکومت آجائے اور اس کی اب کوئی امید نہیں۔

تیسری انجمن کا نام "انجمن مظاہرات" ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ پورے جرمنی میں قیصر کی حمایت کے مظاہرے کیا کرتی ہے۔ چنانچہ کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا جس میں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں پر عام مظاہرے نہ نکلتے ہوں۔ یہ انجمن قیصر کی تصویریں اور مورتیں مفت تقسیم کرتی ہے۔ نیز ایسے عام جلسوں کا اہتمام کرتی ہے جن میں تمام شاہی رسمیں برتی جاتی ہیں۔

چوتھی انجمن کا کام یہ ہے کہ تحریر کے ذریعہ قیصر کی حمایت کے افکار پھیلاتی رہے۔ چنانچہ اس کی سرپرستی میں بکثرت اخبار نکل رہے ہیں اور سیکڑوں لائق انشاپرداز مضامین اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

پانچویں انجمن بحری و بری فوجوں اور پولیس میں اپنے مقاصد کی اشاعت کر رہی ہے اور پوری کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ اسوقت جرمن فوج اور پولیس میں مشکل سے کوئی آدمی ایسا نکلے گا جو قیصر کا حامی نہ ہو۔ حتیٰ کہ خفیہ پولیس کے آدمی بھی اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں

مختصر یہ کہ پورا جرمنی قیصر کے لئے چشم براہ ہے۔ عام باشندے ہی نہیں بلکہ جمہوری حکومت اور اس کے اکثر ارکان بھی اسی خیال کے ہو گئے ہیں۔ ہنڈنبرگ تو اپنی شاہ پسندی میں پوری طرح مشہور ہو چکا ہے لیکن موجودہ وزیر اعظم ہر سٹرسمان بھی کچھ کم شاہ پسند نہیں ہے۔ کوشش ہو رہی ہے کہ کسی طرح فرانسیسی فوجیں جلد سے جلد جرمنی کی سرحد خالی کر دیں تاکہ قیصر مرنے سے پہلے واپس آجائے۔

قیصر کے خیالات

یقیناً یہ معلوم کرنا نہایت دلچسپی کا موجب ہے کہ اسوقت جبکہ قیصر کی

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۸)

وطن کر دیں۔ یہ روسی اثرات کا مخالف اور ایک دیانت دار شخص تھا سلطان نے اسے صوبہ بروسہ کا حاکم مقرر کر کے حکم دیا کہ پایۂ تخت سے روانہ ہو جائے حسین وفا بیمار تھا۔ مگر سلطان نے اسے جبراً بھجوا دیا۔ اسی قسم کا برتاؤ اور بہت سے مخلص اشخاص کے ساتھ بھی کیا گیا۔

کچھ مدت بعد حسین وفا پاشا بروسہ سے لوٹ آیا اور دیکھا کہ عام رائے سلطان کے معزول کر دینے پر مصر ہے۔ اس نے اس بارے میں بعض سربرآوردہ آدمیوں سے مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق اس تجویز کی حمایت کی۔

واپسی کے لئے جرمنی میں میدان طیار ہو چکا ہو، خود قیصر کی ذہنیت کیا ہو؟ یہاں کے اخباروں نے حال ہی میں قیصر کی ایک گفتگو شائع کی ہو۔ اُسنے یہ گفتگو ایک انگریز ممبر پارلیمنٹ سے کی تھی۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہو:

دُنیا کی آیندہ جنگ

"دس برس گزرنے سے پہلے"، قیصر نے کہا، "دنیا کو ایک اور عظیم جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس جنگ میں یورپ کی تمام سلطنتیں شریک ہوں گی۔ کوئی بھی اُس سے علیٰحدہ نہ رہ سکے گی۔ میں یہاں اپنی جلاوطنی کی جگہ سے بیٹھا دیکھ رہا ہوں کہ مغرب کے افق سے ایک ہولناک جنگ کی گھٹائیں اُٹھ رہی ہیں۔ یہ ایسی سخت جنگ ہوگی جس کے سامنے پچھلی جنگ ہیچ ہو جائے گی۔ تمام دنیا خون میں غرق ہو جائے گی۔ بہت سے ملک ویران ہو جائینگے۔ بہت سی سلطنتیں ناپید ہو جائیں گی۔ دُنیا کی تمام قومیں اُس کی مصیبت سے چیخ اُٹھیں گی۔ ایسی مصیبتیں جن سے عالم انسانیت اب تک ناواقف ہو۔ یقیناً یہ جنگ نہایت ہیبت ناک ہوگی کیونکہ اُس کے ظہور کے وقت دُنیا کی تمام قومیں پُورے طور پر نئے اسلحہ سے آراستہ ہوں گی"

"ہاں، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام قومیں جنگ کی طیاریاں کر رہی ہیں مجلس اقوام کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ محض سیاسی تفریح کا ایک نیا سامان ہو۔ اُس کے اُن کے وعظوں پر قومیں ہنستی ہیں... تمام سلطنتیں جنگی جہاز، آبدوز کشتیاں، اور ہوائی بیڑے طیار کر رہی ہیں۔ مختلف قسم کے جدید گیس ایجاد کئے گئے ہیں جو اب تک غیر معلوم تھے۔ قومیں نہایت اخفاء کے ساتھ اِن جہنمی مواد کے تجربے کر رہی ہیں۔ ہر سلطنت نے مہلک ہتیاروں اور گیسوں کے بکثرت ذخیرے جمع کرلئے ہیں تاکہ حب جنگ کا بگل بجے تو پُوری طرح طیار ثابت ہوں"

یہ تمام طیاریاں کیوں ہیں؟ جواب دیا جاتا ہو مدافعت کے لئے! مگر جنگ کا کس طرف سے اندیشہ ہو جبکہ ہر سلطنت مدافعت ہی کی طیاری کر رہی ہو؟"

"تھوڑے دن ہوئے، ایک مغز انگیز سیری ملاقات کے لئے یہاں آیا۔ دورانِ گفتگو میں میں نے پُوچھا، آخر یہ ہر طرف جنگی طیاریاں کیوں ہو رہی ہیں؟ اُس نے جواب دیا، "اصلی خطرہ مشرق میں ہو۔ جنگ عمومی کے بعد مشرقی قومیں بیدار ہوگئی ہیں اور مغربی حکومتوں کے خلاف طیار ہو رہی ہیں۔ اُن کی ہولناک بغاوت کے خوف سے یورپ جنگی طیاری پر مجبور ہو گیا ہو!"

"میں اس جواب پر ہنس پڑا۔ میں نے کہا مغربی قومیں، مشرقی فوجوں سے ہرگز خائف نہیں ہیں۔ دراصل وہ آپس ہی میں ایک دوسرے سے ڈرتی ہیں۔ مغربی قوموں میں باہم سخت حسد اور منافست ہو۔ سیاسی مدبر ایک دوسرے سے چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں۔ مگر حکومتوں کے وزیر اور فوجوں کے سپہ سالار آئندہ جنگی میدانوں کے نقشے بنانے میں مصروف ہیں۔ ایک طرف سفرا دل کھولے زیتون کی شاخ ہلا رہے ہیں (یعنی امن پسندی کا اظہار کر رہے ہیں) دوسری طرف بحری سپہ سالار جدید ترین آبدوزوں اور جہنمی مادّوں کے تجربے کر رہے ہیں۔ اُن کی کوشش ہو کہ کسی طرح زہریلی گیس سمندر کی موجوں پر پھیلانے میں بھی کامیابی حاصل کرلیں!"

"ہوابازوں نے محیط اٹلانٹک کے عبور کی کوشش شروع کر دی ہو ہر ہفتے ہم ایک نئی کوشش کی خبر سنتے ہیں۔ کرنل لنڈنبرگ نے اپنی حیرت انگیز جرأت سے ثابت کر دیا ہو کہ محیط اٹلانٹک، پیسیفک، یا محیط ہندی کا ہوائی جہاز سے عبور کرنا ناممکن نہیں ہو۔ آئندہ جنگ ایسے ہوابازپیدا کردے گی جو سمندر کی موجوں پر نہیں گے اور اپنے عمل سے ثابت کردیں گے کہ سمندر پار رہ کر بھی کوئی قوم جنگ کی ہولناکیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی"

"میرے عہد حکومت میں کونٹ زیپلن نے ایک بن مجھ سے کہا اگر جرمنی کے پاس زیپلن وضع کے ۵۰ ہوائی جہازوں کا بیڑا ہو جائے، تو تمام دُنیا پر جرمنی کی برتری قائم ہو سکتی ہو۔ اگر اعلیٰحضرت کی حکومت ضروری مصارف مہیا کردے تو میں ایک سال کی مدت میں پانسو جہاز طیار کرسکتا ہوں۔ ایک سال اور ایک ہفتہ کے بعد جرمنی تمام دُنیا پر حکومت کرے گا!" لیکن مجلس حکومت نے یہ تجویز منظور نہیں کی"

"اگر میرے لئے پیشین گوئی کرنا جائز ہو، تو میں تمھیں اُن قوموں کے نام بھی بتادے سکتا ہوں جو آیندہ جنگ میں حملہ آورانہ یا مدافعانہ شرکت کریں گی۔ لیکن ایک جلاوطن بادشاہ کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اُنگلی اُٹھا کر اُن قوموں کی طرف اشارہ کرے جو جنگ کا تنور سُلگا رہی ہیں!"

"آئندہ جنگ کئی سال تک جاری نہیں ہوگی جیسی کہ پچھلی جنگ تھی۔ آیندہ جنگ میں ہر کام بجلی کی سی تیزی سے ہوگا۔ جنگ کا صُور پھُونکتے ہی تار برقی اور بے تار برقی کے آلات میں حرکت ہوگی، اور چشم زدن میں تمام جنگجو قومیں اُٹھ کھڑی ہوں گی۔ غیر مرئی آبدوزیں اپنی جگہوں سے نکل پڑیں گی۔ ہولناک ہوائی بیڑے آسمان کی سطح پر چھا جائیں گے۔ قتل و ہلاکت کے سامان حیرت انگیز سرعت سے منتقل ہونے لگیں گے، اور چند گھنٹوں کے اندر خشکی اور تری کی تمام زندگیاں موت سے بدل جائیں گی۔ پچھلی جنگ میں ایک جہاز کے غرق ہونے میں جتنی دیر لگتی تھی، اُس سے سوگنا جلد غرقابی عمل میں آئے گی۔ اس جنگ وہی قوم کامیاب ہوگی، جو سب سے پہلے اپنی آبدوزیں اور ہوائی بیڑے میدان میں پہنچا سکے گی، تاکہ سب سے پہلے اپنی جہنمی فرائض ادا کرے!"

"مستقبل کی جنگ میں فوجیں، عقابوں کی طرح اچانک ٹوٹ پڑیں گی۔ اگر تمام سلطنتیں سرعت عمل میں برابر رہوں گی، تو کامیابی پیشقدمی کرنے والی سلطنت کو حاصل ہوگی۔ بہت ممکن ہو، اُس جنگ میں بڑی بڑی سلطنتوں کی پُوری قوت صرف ۴۸ گھنٹے میں برباد ہو جائے!"

"یہ اس لئے کہ مستقبل جنگ کے طریقے بہت ہی سریع اور ہلاک ناک ہونگے۔ اس جنگ میں سب سے زیادہ ضروری اور مفید عنصر جاسوسوں کا ہوگا۔ یہ عنصر اس وقت بھی ہر سلطنت کے یہاں بہت بڑی دست کے ساتھ موجود ہو۔ ہر سلطنت دوسری سلطنت کی طیاریاں اپنے جاسوسوں کے ذریعے معلوم کر رہی ہو۔ جس سلطنت کی اطلاع زیادہ وسیع اور صحیح ہوگی، وہی اُس جنگ میں فتحیاب ہوگی۔ جنگ عمومی سے پہلے اور اُس کے دوران میں جرمنی کا محکمۂ جاسوسی بہت مکمل تھا۔ ہمارے جاسوس دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس محکمہ کی نگرانی خود میں نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ میں تمام بڑے بڑے جاسوسوں سے براہ راست ملتا اور نہایت غور اور محنت سے اُن کی خفیہ رودادیں مطالعہ کیا کرتا۔ دُنیا میں ہر لمحے جو کچھ بھی ہوتا تھا، اُس کا علم مجھے حیرت انگیز سرعت سے ہو جایا کرتا تھا"

"میں خوب جانتا ہوں کہ اسوقت دُنیا میں جاسوسی، پہلے سے کہیں زیادہ موجود ہو۔ خاص طور پر روس کا محکمۂ جاسوسی سب سے زیادہ منظم ہو۔ میں اُن تمام سلطنتوں کے نام گنا سکتا ہوں جن کے جاسوس دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہاں خود میرے گرد بھی اُن کے جاسوسوں کا ہجوم ہو۔ وہ خیال کرتی ہیں، میرا وجود اُنکی سلامتی کے لئے خطرہ ہو۔ حالانکہ اگر اِن سلطنتوں کو عقل ہوتی تو وہ جان لیتی کہ اس بڑھاپے میں میری سب سے بڑی آرزو یہ ہو کہ اپنی حکومت پر واپس جاؤں اور دُنیا کو ایک نیا سبق دوں۔ حرب ضرب کا نہیں، صلح و آشتی کا!"

"جنگ، دنیا میں ہمیشہ باقی رہے گی کیونکہ انسان کی فطرت میں طمع و حرص کے جذبات راسخ ہیں۔ جنگ کو معدوم کرنے کی کوششیں بالکل بے کار ہیں۔ ہاں جنگ کو کم کرنے کی کوششیں مفید ہو سکتی ہیں اگر میں اپنے قدیم تخت پر ہوتا، تو دنیا کو امن و سلامتی کا ایک نیا راستہ دکھا سکتا تھا۔ لیکن میں دُنیا سے الگ کر دیا گیا ہوں سلطنتیں میری ہلاکت کی کوشش کر رہی ہیں، حالانکہ اس سے اُنھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اگر وہ مجھ سے مشورہ کریں اور مجھے جرمنی واپس جانے دیں، تو میں اُنھیں بہت کچھ نفع پہونچا سکتا ہوں"

برلن ۲۸ ستمبر ۱۹۲۵ء

معاہدۂ حجاز و برطانیہ

"بریدِ شرق" میں ہم ایک مراسلت درج کر چکے ہیں جس میں معاہدۂ حجاز و برطانیہ کی تمام تفصیلات درج ہیں۔ مراسلہ نگار نے لکھا ہو کہ بعض مسائل جو اس معاہدہ میں طے نہ ہو سکے، ضمیمہ میں اُنکے بحث طلب ہونے کا اعتراف کیا گیا ہو، اور کسی آیندہ مناسب موقعہ کے لئے ملتوی کر دئے گئے ہیں۔

اب تازہ ڈاک سے حجاز کا سرکاری جریدہ "ام القریٰ" مورخہ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۷ء موصول ہوا ہو۔ اسمیں معاہدہ کی وہ عربی نقل بجنسہٖ درج ہو جو مراسلہ نگار نے ہمارے پاس بھیجی تھی۔ ساتھ ہی وہ خط و کتابت بھی شایع کر دی ہو جو بعض مختلف فیہ مسائل کی نسبت فریقین میں ہوئی تھی۔ اس خط و کتابت کا تعلق انہی مسائل سے ہو جنھیں مراسلہ نگار نے "بحث طلب" اور "ملتوی شدہ" قرار دیا ہو۔

پہلا خط سر گلبرٹ کلیٹن کا (مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۲۷ء) ہو جسمیں وہ لکھتا ہو: "آپکی تجویز ہو کہ معاہدہ میں ایک دفعہ اس مضمون کی بڑھا دی جائے کہ حکومت برطانیہ کی جانب سے وہ تمام رکاوٹیں دُور کر دی جائیں گی جو اسلحہ اور جنگی مواد کے خریدنے اور منگوانے میں حائل ہو سکتی ہیں۔ میں آپکو حکومت برطانیہ کی جانب سے یہ اطلاع دینے کی عزت حاصل کرتا ہوں کہ اس بارے میں کسی دفعہ کے بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اور مجھ اجازت دی گئی ہو کہ میں آپ کو اطمینان دلادوں کہ جزیرۃ العرب کو جنگی مواد بھیجنے کی ممانعت اب اُٹھا دی گئی ہو، اور اگر آپکی حکومت چاہو تو وہ انگلستان کے کارخانوں سے ہر طرح کا سامان جنگ منگوا سکتی ہو۔ برطانی حکومت کی جانب سے کوئی رکاوٹ اسمیں ڈالی جائے گی"

اس کے جواب میں حکومت حجاز کی جانب سے ۱۹ مئی کو لکھا گیا:

"آپکے اس اطلاع کے جواب میں کہ "جزیرۃ العرب میں اسلحۂ جنگ کی خرید اور انکا درود آپکی حکومت کی جانب سے ممنوع نہیں ہو" شکریہ ادا کیا جاتا ہو"

دوسرے خط میں حجاز کے حدود کا ذکر ہو۔ حکومت حجاز مصر تھی کہ عقبہ اور معان حجاز کے حدود میں داخل ہیں۔ برطانیہ حجاز اور شرق الاردن کی حدود طول بلد ۳۸ شرقی اور عرض بلد ۲۵، ۲۹ شمالی قرار دیتا تھا جس سے یہ مقامات نکل جاتے تھے۔ اسپر ۱۸۔ ذی قعدہ کو حکومت حجاز کی جانب سے لکھا گیا۔

"آپکے خط سے معلوم ہوا کہ حکومت برطانیہ اپنی رائے پر مُصر ہو۔ چونکہ بحالت موجودہ اس نزاع کا آخری فیصلہ مشکل ہو، اس لئے ہم اسکے لئے تیار ہیں کہ یہ مسئلہ بالفعل ملتوی کر دیا جائے، اور آئندہ کسی مناسب موقعہ پر اس کا آخری فیصلہ عمل میں لائے"

اس خط و کتابت سے معلوم ہوا کہ جہاں تک مسئلۂ سلطہ کا تعلق ہو

* ہمارا خیال ہو کہ اس مسئلہ کے متعلق جو مراسلت ہوئی ہو اس کا ایک مفصل ضمیمہ بھی ہونا چاہیے تھا۔ اور ہمیں امید ہو کہ حکومت حجاز اس کو بھی شائع کرے گی۔

بصائر و حکم

عالم انسانیت موت کے دروازہ پر!

مشاہیر عالم اپنے اوقات وفات میں

اکابر تاریخ اسلام کی مختصر وفیات

حضرت امام شافعیؒ

امام مزنی کہتے ہیں، جس دن حضرت امام شافعی رح نے انتقال کیا اُس کی صبح کو میں عیادت کے لئے حاضر ہوا تھا۔

"مزاج کیسا ہے؟ میں نے سوال کیا۔

اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لی:

"دُنیا سے جا رہا ہوں، دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں، موت کا پیالہ مُنہ سے لگا ہے۔ نہیں معلوم میری روح جنت میں جائے گی کہ اُسے مبارک باد دوں، یا دوزخ میں جائے گی کہ اُسے تعزیت پیش کروں؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

ولما قسا قلبی وضاقت مذاہبی جعلت الرجا منی لعفوک سلّما

اپنے دل کی سختی اور اپنی بیچارگی کے بعد میں نے تیری عفو پر اپنی امید کو سہارا بنا لیا ہے۔

تعظمنی ذنبی فلما قرنتہ بعفوک ربی کان عفوک اعظما

میرا گناہ میری نظر میں بہت ہی بڑا تھا، مگر جب تیرے عفو کے مقابلے میں اُسے رکھا، تو اے رب، تیرا عفو زیادہ بڑا نکلا۔

۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں وفات پائی۔

مامون الرشید

نزع کے وقت جاحظ عیادت کو حاضر ہوا۔ کسی جانور کی کھال کا بچھونا بچھا تھا۔ بچھونے پر ریت پڑی تھی، اور خلیفہ ریت پر لوٹ رہا تھا۔ یہ الفاظ زبان پر تھے:

"اے وہ جس کی پادشاہی کبھی زائل نہ ہوگی، اُس پر رحم فرما جس کی پادشاہی جا رہی ہو! اے وہ جو کبھی نہیں مرے گا، اُس پر رحم کر جو مر رہا ہو!"

جاحظ نے کہا، "خدا امیر المومنین کا ثواب زیادہ کرے اور تندرستی بخشے!"

"میری تندرستی کی دعا نہ کرو" مامون نے فوراً کہا، "بلکہ میرے لئے مغفرت کی دعا کرو"

پھر کہا "خدایا! تو نے ہمیں حکم دیئے اور ہم نے نافرمانی کی۔ تو مجھے بخش دے کیونکہ تو بڑا ہی رحیم ہے" اس پر روح پرواز کر گئی

۲۱۸ھ (۸۳۳ء) میں وفات پائی۔

حکیم ابو العتاہیہ

مشہور زاہد و حکیم شاعر ابو العتاہیہ سے موت کے وقت پوچھا گیا۔

"کوئی خواہش باقی ہے؟"

کہا "ہاں، میری خواہش یہ ہے کہ مغنی "مخارق" آئے اور میرے سرہانے میرے یہ شعر گائے:

اذا ما انقضت منی من الدہر مدتی فان عزاء الباکیات قلیل!

جبکہ دنیا میں میری زندگی کی مدت ختم ہو چکی ہے تو رونے والیوں کی تعزیت بھی بہت کم ہے۔

سیعرض عن ذکری وتنسی مودتی ویحدث بعدی للخلیل خلیل!

سب میرے خیال سے مُنہ پھیر لیں گے، میری محبت بھول جائیں گے۔ میرے بعد بھی دوست اپنے دوستوں سے باتیں کرینگے۔

۲۲۱ھ (۸۳۵ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ واثق باللہ

خلیفہ واثق باللہ نے مرتے وقت یہ شعر پڑھے:

الموت فیہ جمیع الناس تشترک لا سوقۃ منہم یبقی ولا ملک

موت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ نہ بازاری لوگ بچیں گے نہ بادشاہ ہی زندہ رہیں گے۔

ما ضر اہل قلیل فی مقابرہم ولیس یغنی عن الملاک ما ملکوا

غریبوں کو اُن کی قبر میں غربت نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ امیروں کو اُن کی امیری بھی کوئی نفع نہ پہنچائے گی۔

پھر حکم دیا، فرش اُٹھا دیا جائے۔ فوراً تعمیل کی گئی۔ خلیفہ نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور چلّایا:

"اے وہ جس کی پادشاہی لازوال ہے، اُس پر رحم کر جس کی پادشاہی ختم ہو گئی!"

یہ کہتے ہی انتقال ہو گیا (۲۳۲ھ ۸۴۶ء)

خلیفہ منتصر باللہ

خلیفہ محمد منتصر باللہ ایک دن دیبا کے فرش پر بیٹھا تھا۔ اتفاق سے اُس کی نظر ایک فارسی عبارت پر پڑ گئی جو فرش پر کندہ تھی۔ خلیفہ نے اُسے پڑھوایا تو لکھا تھا:

"مجھ شیرویہ بن کسریٰ نے اپنے باپ کو قتل کیا، لیکن اُس کے بعد پادشاہی سے کوئی تمتع حاصل نہ کر سکا"

خلیفہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا۔ فوراً ہی مجلس سے اُٹھ گیا۔ چند ہی روز بعد بیمار پڑا اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ماں عیادت کو آئی تو خلیفہ نے کہا "دُنیا اور آخرت دونوں میرے ہاتھ سے نکل گئیں۔ میں نے اپنے باپ کی موت میں جلدی کی، لہٰذا میری موت میں بھی جلدی کی گئی"

پھر یہ شعر پڑھا:

فما فرحت نفسی بدنیا اصبتہا ولکن الی اللہ الکریم اصیر

دنیا کے حاصل ہو جانے سے میری روح کو کوئی خوشی نصیب نہ ہوئی اب میں خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

۲۴۹ھ۔ ۸۶۳ء میں وفات ہوئی۔

امام جاحظ

ادب عربی کا مشہور امام، جاحظ کا جب وقت آخر ہوا تو ابو العباس المبرد عیادت کو گیا۔

مزاج پرسی کے جواب میں جاحظ نے کہا:

"وہ شخص کیسا ہوگا جس کا آدھا دھڑ سُن ہو گیا ہو حتیٰ کہ اگر آرے سے بھی چیر دیا جائے تو اُسے پتہ نہ چلے؟ اور آدھا دھڑ اتنا حساس ہو گیا ہو کہ اگر مکھی بھی اُس کے قریب اُڑے تو درد محسوس کرنے لگے؟"

پھر یہ شعر پڑھے:

اترجو ان تکون، وانت شیخ کما قد کنت ایام الشباب؟

کیا تو آرزو کرتا ہے کہ اب بڑھاپے میں بھی ویسا ہی ہو جائے جیسا جوانی کے دنوں میں تھا؟

لقد کذبت، نفسک لیس ثوب ودریس کالجدید من الثیاب؟

تیرا نفس جھوٹا ہے۔ پرانا کپڑا نئے کپڑے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے؟

۲۵۵ھ (۸۶۹ء) میں انتقال کیا۔

خلیفہ معتضد باللہ

سولہواں عباسی خلیفہ، معتضد باللہ سخت ظالم و مستبد تھا۔ وفات کے وقت اپنا مرثیہ اُسنے یوں پڑھا:

تمتع من الدنیا فانک لا تبقی وخذ صفوہا ما ان صفت ودع الرنقا

دنیا سے لطف اُٹھا لے کیونکہ تو باقی نہیں رہے گا۔ اُس کی بھلائی لے لے اور بُرائی چھوڑ دے!

ولا تأمن الدہر الذی قد امنتہ فلم یبق لی حالاً ولم یرع لی حقا

اُس دُنیا پر ہرگز بھروسہ نہ کرنا جس پر میں نے بھروسہ کیا تھا دیکھ اُسنے مجھ سے بیوفائی کی اور کسی حق کا بھی خیال نہ کیا۔

قتلت صنادید الرجال ولم ادع عدواً، ولم امہل علی طغیہ خلقا

میں نے بڑے بڑے بہادر مارے۔ کوئی دشمن نہ چھوڑا۔ کسی کو بھی اُس کی سرکشی پر باقی نہ رہنے دیا۔

واخلیت دار الملک من کل نازع فشردتہم غرباً، ومزقتہم شرقا!

میں نے پایۂ تخت تمام مخالفوں سے خالی کر دیا، اُنھیں پراگندہ کر کے مشرق و مغرب میں پھیلا دیا۔

فلما بلغت النجم عزاً ورفعۃ وصارت رقاب الخلق اجمع لی رقا،

لیکن جب میں اپنی عزت و رفعت میں ستاروں تک پہنچ گیا اور تمام مخلوق کی گردنوں میں میری غلامی کا طوق پڑ گیا،

رمانی الردی سہماً، فاخمد جمرتی فہا انا ذا فی حضرتی عاجلاً القی!

تو ایسا ہوا کہ موت نے مجھ پر ایک تیر چلایا اور میری آگ بجھا دی۔ دیکھ، اب میں عنقریب ہی اپنے گڑھے میں ڈالا جانے والا ہوں۔

ولم یغن عنی ما جمعت، ولم اجد لذی ملل منہا، ولا راغب رفقا

میرے جمع کئے ہوئے خزانے میرے کام نہ آئے۔ دولت سے بیزار ہونے والے اور دولت کے لالچی، کسی نے بھی ہمدردی نہ کی!

فیالیت شعری بعد موتی ما القی الی نعم الرحمٰن ام نارہ القی؟

آہ کاش! میں جانوں، موت کے بعد اللہ کی نعمتیں پاؤں گا، یا دوزخ میں جھونک دیا جاؤں گا؟۔ ۲۸۹ھ (۹۰۲ء) میں انتقال کیا۔

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دُنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پُرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پُرانی تصویریں، پُرانے سکّے، اور نقوش، پُرانے زیور، آرایش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پُرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصّوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

باایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

برِ اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال ہی میں ہم نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آں فرخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دُنیا میں کتُب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شائع

ہوتا ہے

یُورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مُسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ

ماہ کے بعد نئی ذخیرہ کی مفصّل فہرست شائع ہوا کرتی ہے

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سُرخ اور سُنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مُستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہی

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہی،

ایسی

مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide to great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہی

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۲ء میں شایع ہوئی تھی جب آپ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب وملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟

قیمت ۱۲ر۔ (منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت

ہی

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دينى علوم كے بيش بہا جواہر ريزے

اس سلسلہ ميں ہم نے اسلامين كى ان نادر و اعلىٰ درجہ كى بلند پايہ عربى تصانيف كے اردو تراجم كا سلسلہ شروع كيا ہے ' جنكا مطالعہ اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت كے ليے نہايت ضرورى و ناگزير ہے - اميد كہ يہ "سلسلۂ تراجم" بہ نصيب ہندوستان كى دماغى اصلاح كا كام دے :

اُسوۂ حسنہ — امام ابن قيم كى فن سيرت ميں شہرہ آفاق كتاب "زاد المعاد" كے خلاصہ كا اردو ترجمہ - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازھائى روپيہ -

كتاب الوسيلہ — لفظ "وسيلہ" كى بحث كے علاوہ امام ابن تيميہ كے اسلام كے اصل الاصول "توحيد" كى مبسوط بحث كى ہے - بلا جلد ازھائى روپيہ ' مجلد سوا تين روپيہ -

اصحاب صفہ — انكى تعداد ' ذريعہ معاش ' طريق عبادت اور انكے مفصل حالات بيان كيے ہيں دس آنے -

تفسير سورۃ الكوثر — امام ابن تيميہ كے مخصوص انداز تفسير كا اردو ترجمہ - چار آنے -

العبودۃ الوثقىٰ — خالق و مخلوق كے درميان واسطہ كا فرق بدلائل بيان كيا ہے - چھ آنے -

سيرت امام ابن تيميہ — حضرت امام كے ضرورى حالات زندگى نہايت خوش اسلوبى سے بيان كيے ہيں - تو آنے

بحث و جدل — علامہ سيد محمد رشيد رضا مصرى كى تازہ كتاب كا اردو ترجمہ - سوا روپيہ -

ائمہ اسلام — ترجمہ رفع الملام عن ائمۃ الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامہ — فى العبادات - پانچ آنے

مجمع سعادت — يہ ايك علمى ' اسلامى ' سہ ماہى رسالہ ہے جس كے خريدار كو ہم نے كمال كوشش و كاوش سے اردو ' عربى ' فارسى ' انگريزى ' اور دوسرى زبانوں كى تمام اہم اور اعلىٰ مطبوعات كے متعلق بہترين تازہ معلومات بہم پہنچانے كا اہتمام كيا ہے - اسكے علاوہ ائمہ و اسلام و بزرگان دين كے حالات ' طوائف افسانہ ' نظميں اور ممالك اسلاميہ كے معتبر ذرائع سے حاصل كيے ہوئے حالات درج كيے جاتے ہيں - فى پرچہ ۸ آنہ سالانہ ۲ روپيہ پيشگى -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقہ نمبر ۲۴ شيرانواله دروازہ لاہور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و كتابت كى وقت اپنا نام اور پتہ صاف لكھيں

اور نمبر خريدارى ضرور تحرير فرمائيں

السحر الحلال فى مجلدات الهلال

گاہ گاہے باز خوان ايں دفتر پارينہ را

تازہ خوابى داشتن گر داغہاے سينہ را

اردو صحافت كى تاريخ ميں الہلال ہى وہ رسالہ ہے جو اپنى تمام ظاہرى اور باطنى خصوصيات ميں ايك انقلاب آفرين دعوت تھى

الہلال اگرچہ ايك ہفتہ وار مصور رسالہ تھا ' ليكن چونكہ وہ اردو صحافت كى مختلف شاخوں ميں اجتہاد بطور فكر كى نئى طرح پيدا كرنى چاہتا تھا ' اس لئے اُس كا ہر نمبر مختلف اقسام اور مختلف ادراق كا مجموعہ تھا - اُس كے ہر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذہب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامہ كے ہوتے تھے - اور اسكا ہر باب اپنى مجتہدانہ خصوصيات كے لحاظ سے اپنى طرز آپ ہوتا تھا - پھر اس كى ظاہرى خوبياں اردو صحافت ميں على طباعت و ترتيب كا پہلا نمونہ تھيں - اردو كا وہ پہلا ہفتہ وار رسالہ تھا ' جس ميں ہاف ٹون تصاويركے اندراج كا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چھپنے كى وجہ سے بہت سى ايسى خوبياں پيدا ہوئيں جو پتھر كى چھپائى ميں ممكن نہيں - اس كى جلديں جديد اردو عام ادب كے علمى ' مذہبى ' سياسى ' اور اجتماعى مواد و مباحث كا بہترين مجموعہ ہيں - ان كى مقبوليت و قدر كا اندازہ اس سے ہوسكتا ہے كہ سنہ ۱۹۱۸ ميں بعض شائقين علم و ادب نے اس كى تمام جلدوں كا مكمل ست سات سو روپيہ ميں خريد ليا - اور حال ميں ايك صاحب نے اس كى پہلى جلد مكمل (جو دفتر ميں بھى موجود نہيں) ساڑھے چار سو روپيہ ميں حيدرآباد سے خريدى ہے - جن لوگوں نے اس كے پرچے بحفاظت جمع كئے ہيں وہ بڑى سے بڑى قيمت پر بھى علحدہ كرنے پر تيار نہيں - پچھلے دنوں "البلاغ پريس" كا جب تمام اسٹاك نئے مكان ميں منتقل ہوا گيا تو ايك ذخيرہ الہلال كے پرچوں كا بھى محفوظ ملا ' ہم نے كوشش كى كہ شائقين علم و ادب كے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كى جا سكتى ہيں مرتب كرائى جائيں اور جن جلدوں كى تكميل ميں ايك دو پرچوں كى كمى ہو انہيں دوبارہ چھپوا ليا جائے -

چنانچہ الحمدللہ يہ كوشش ايك حد تك مشكور ہوئى اور اب علاوہ متفرق پرچوں كے چند سالوں كى جلديں پورى مكمل ہوگئى ہيں ہم اس اعلان كے ذريعہ شائقين علم و ادب كو آخرى موقعہ ديتے ہيں كہ اس قيمتى ذخيرہ كے حاصل كرنے ميں جلدى كريں ' چونكہ جلدوں كى ايك بہت ہى محدود تعداد مرتب ہوسكى ہے اس لئے صرف انہيں درخواستوں كى تعميل ہوسكے گى جو سب سے پہلے پہونچيں گى - ہر جلد مجلد ہے اور ابتدا ميں تمام مضامين كى انڈكس بہ ترتيب حروف تہجى لگادى گئى ہے -

الہلال مكمل جلد دوم ۱۰ روپيہ الہلال مكمل جلد سوم ۱۰ روپيہ

" " " چہارم ۱۰ روپيہ " " " پنجم ۱۰ روپيہ

جلد "البلاغ" (جب دوسرى مرتبہ الہلال اس نام سے شائع ہوا) قيمت ۸ روپيہ

علاوہ جلد اول كے ہر جلد كے متفرق پرچے بھى موجود ہيں جن ميں سے ہر پرچہ اپنے مضامين كے لحاظ سے ايك مستقل مجموعہ علم و ادب ہے - قيمت فى پرچہ ۸ آنہ - محصول ڈاك و پيكنگ اس كے علاوہ ہے -

منيجر " البلاغ پريس "

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز لٹریری لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي موالد پر بھي ہوتے ہیں جنکي اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لٹریری لنڈن کا ہفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher:
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز لٹریری لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرني چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاہئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں باقاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں، تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہي آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري ہیں، اس کارخانے میں طیار کي جاتي ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي ہیں

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU AL-KALAM AZAD.

۱۹۲۷ء

الہلال

جلد

نمبر

البلاغ پریس کلکتہ



"کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

جرمني کے کمیونست مرکز اشاعت نے حال میں ایک نیا سلسلۂ مطبوعات "کمیونیزم" کے اصول و مبادیات پر شائع کرنا شروع کیا ہے جسکي دو جلدیں اِس وقت تک شائع ہوچکي ہیں - پہلي جلد میں زیادہ تر مشہور کمیونست رہنما ' کارل مارکس کے منتخب مضامین ہیں ' اور ابتدا میں اُسکي مفصل سوانح حیات بھي شامل کر دي ہے -

روس کے آخري انقلاب کے بعد سے کمیونیزم دنیا کي ایک زندہ اور عامل حقیقت ہو گئي ہے ' اور ہر ملک کیلیے ضروري ہو گیا ہے کہ نہ صرف سیاسي حیثیت سے ' بلکہ علمي حیثیت سے بھي اسکے اصول و مبادیات کا مطالعہ کرے ' اور نقد و بصیرت کے ساتھہ صحیح راے قائم کرے - جہانتک ہمیں معلوم ہے ' اِس وقت تک اردو میں کوئي کتاب ایسي شائع نہیں ہوئي ہے جس میں صحت کے ساتھہ اس انقلاب انگیز سیاسي و اجتماعي مذہب کي حقیقت واضح کي گئي ہو - یہ نیا مجموعہ دیکھکر ہمیں خیال ہوا کہ کارل مارکس کے بعض مختصر مقالات اس غرض کیلیے نہایت مفید اور جامع ہیں - ہم ان مقالات میں سے ایک مقالہ الہلال میں شائع کرنے کے لیے منتخب کرتے ہیں - اس کے مطالعہ سے نہ صرف اس مذہب کے اصول و عقائد بلکہ اسکے ظہور و اشاعت کي ابتدائي تاریخ بھي واضح ہوجائیگي -

یہ واضح رہے کہ اس مقالہ اور اسي طرح کے دیگر مقالات کے تراجم سے مقصود صرف یہ ہے کہ وقت کي ضروري معلومات اردو خواں طبقہ کے لیے مہیا ہوجائے - یہ مقصود نہیں ہے کہ یہ خیالات اس حیثیت سے پیش کیے جائیں کہ وہ یک قلم مقبول اور پسندیدہ خیالات ہیں - ہمارے خیال میں "کمیونیزم" موجودہ تمدن کي سرمایہ دارانہ بے اعتدالي کا قدرتي رد فعل ہے ' اور جس طرح موجودہ تمدن کي سرمایہ داري افراط کے ایک انتہائي نقطہ تک پہنچ چکي ہے ' اُسي طرح کمیونیزم بھي تفریط کے دوسرے نقطہ کا ظہور ہے - حق و صواب کي راہ افراط و تفریط کي راہ نہیں ہوسکتي ' وہ ہمیشہ درمیان کي راہ ہوتي ہے !

(۱)

(سرمایہ دار اور مزدور)

آجتک کي تمام سوسائٹیوں کي تاریخ ' جماعتي کشمکش کي ایک مسلسل تاریخ ہے -

آزاد اور غلام ' شریف اور رذیل ' آقا اور خدمتگار ' تجارتي مکھیے اور بنجارے ' مختصر یہ کہ ظالم اور مظلوم ' ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل کھڑے رہے ' اور ایک ایسي مسلسل جنگ میں مشغول رہے جو کبھي علانیہ تھي اور کبھي خفیہ ' مگر جسکا خاتمہ ہمیشہ یا تو سوسائٹي کي ایک انقلابي کایا پلٹ کي صورت میں ہوا ' یا تمام حریف جماعتوں کي عام بربادي کي شکل میں !

قدیم ترین تاریخي عہد میں بھي تقریباً ہر جگہ سوسائٹي مختلف درجوں اور گروہوں میں بٹي ہوئي اور ایک مکمل معاشرتي نظام میں سمٹي ہوئي نظر آتي ہے - قدیم روم میں ہم شریفوں ' نوابوں ' کنوارروں ' اور غلاموں کي تقسیم پاتے ہیں - قرون وسطی میں جاگیردار ' اسامي ' تجارتي مکھیے ' شاگرد پیشہ ' اور خدمتگار دکھائي دیتے ہیں - صرف یہي نہیں بلکہ اِنمیں سے ہر جماعت بھي کئي کئي جماعتوں میں منقسم ملتي ہے -

موجودہ سرمایہ دار سوسائٹي نے ' جسکي تعمیر جاگیردار سوسائٹي کے کھنڈروں پر ہوئي ہے ' جماعتي جھگڑے اور رقابتیں موقوف نہیں کیں ' بلکہ پہلے سے زیادہ نئے نئے فرقے ' ظلم کے نئے نئے طریقے ' اور لڑائي کے نئے نئے ڈھنگ نکال لیے ہیں -

البتہ ہمارے موجودہ سرمایہ دار عہد نے یہ امتیاز ضرور حاصل کیا ہے کہ اُس نے جماعتي اختلاف محدود کر دیے ہیں ' اور تمام سوسائٹي سمیٹ کے دو بڑي حریف جماعتوں : "سرمایہ دار" اور "مزدور" میں تقسیم کردي ہے -

قرون وسطی کے کاشت کاروں سے دیہاتي نمائندوں کي ابتدا ہوئي ' اور اِنھیں اسامیوں نے سرمایہ دار طبقہ کي بھي آب و گل مہیا کي -

امریکہ کي دریافت اور زمین کے گرد دورے نے اٹھتے ہوئے سرمایہ دار طبقے کے سامنے عمل کا ایک نیا میدان کھول دیا - ایسٹ انڈین اور چیني بازاروں ' امریکہ کے استعمار ' مستعمرانہ تجارت ' نیز ذرائع تبادلہ اور ذرائع پیداوار کي وسعت نے تجارت ' جہاز راني ' اور صنعت و حرفت میں ایک نئي روح پھونک دي ' اور انحطاط پذیر جاگیر دار سوسائٹي کے انقلابي عناصر کو تیزي سے اُبھار دیا -

صنعت و حرفت کا سابق جاگیردارانہ نظام وہ بڑھتي ہوئي ضرورتیں پوري نہیں کر سکتا تھا جو نئے بازاروں کے ساتھہ پیدا ہوگئي تھیں - نتیجہ یہ ہوا کہ دست کاري کے نظام نے اُسکي جگہ لے لي ' تجارتي مکھیے معزول ہوگئے ' متوسط صنعتي طبقہ اُنکا قائم مقام بن گیا - مختلف سندي مکھیوں کے مابین محنت کي تقسیم ' عام کارخانوں میں محنت کي تقسیم کے آگے معدوم ہوگئي -

سرمایہ دار طبقہ نے جہاں بھي طاقت حاصل کي ' تمام جاگیر دارانہ ' بزرگانہ ' مذہبي ' اور معنوي رشتے توڑ پھوڑ ڈالے - اُسنے بڑي بے رحمي سے وہ تمام بوقلموں بندھن توڑ کے رکھدیے جو انسان کو اُسکے "فطري سرداروں" سے باندھتے چلے آتے تھے اور اُس ایک رشتہ کے سوا کوئي رشتہ باھمي روابط کا باقي نہ چھوڑا جسے برھنہ خود غرضي اور کھري نقد ادائیگي کا رشتہ کہتے ہیں -

اُس نے مذہبی انبساط، بہادرانہ جوش، اور متوسط طبقے کی بلند خیالی، خود بیں تخمینۂ و شمار کے آب سرد میں غرق کردی - اسنے ذاتی جوہر کو مول تول اور لین دین کی ایک جنس بنا دیا - اور تمام بیش قیمت آزادیوں کو پس پشت ڈالکر " آزاد تجارت " کی صرف ایک نامعقول آزادی قائم کر دی !

الغرض اُسنے کمزوروں کے اُس قدیم خرد غرضانہ استعمال کی جگہ جسپر مذہب و سیاست کی دلفریبیوں کا نقاب پڑا ہوا تھا، ایک نیا برہنہ، وحشیانہ، بے شرم، اور کھرا خود غرضانہ استعمال ایجاد کر دیا -

سرمایہ دار طبقے نے اُن تمام پیشوں کی خوبیاں ملیامیت کردیں جو پہلے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - اُسنے ڈاکٹر، وکیل، پروہت، شاعر، فلسفی، غرضکہ سب کو محض ایک اجرتی مزدور بنا کے چھوڑ دیا !

سرمایہ دار طبقہ نے خاندانی رشتے سے محبت و جذبات کے تمام عناصر بھی نکال پھینکے، اور اُنکی جگہ ایک خالص مالی لین دین کا رشتہ قائم کر دیا !

سرمایہ دار طبقہ نے بتا دیا کہ وحشیانہ اظہار طاقت، جسے قرون وسطیٰ کے رجعت پسند اِس قدر سراہتے تھے، کامل سہولت کے ساتھہ انکے عہد میں کس درجہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے -

یہ طبقہ، سب سے پہلا طبقہ تھا جسنے ثابت کر دکھایا کہ انسان کی سرگرمی کیا کچھہ کر سکتی ہے - اسنے مصری اہرام، رومن نہروں، اور گوتھک خانقاہوں سے بالکل مختلف قسم کے عجائبات پیدا کئے، اور قدیم ہجرتوں اور مذہبی جہادوں سے بالکل مختلف قسم کی مہمیں جاری کیں -

تمام سابق صنعتی طبقوں کے وجود کی اولین شرط یہ تھی کہ پیداوار کے اگلے طریقے برقرار رہیں - لیکن سرمایہ دار طبقہ کی زندگی ناممکن ہے جب تک کہ آلات پیداوار، طریق پیداوار، اور تمام اجتماعی رشتوں میں برابر انقلاب نہ ہوتا رہے - چنانچہ طریق پیداوار کا مسلسل انقلاب، اجتماعی نظلم کی پیہم برہمی، دائمی بے چینی، اور کبھی نہ ختم ہونے والی بے اطمینانی، یہی وہ چیزیں ہیں جو سرمایہ دار عہد کو تمام دیگر زمانوں سے امتیاز دیتی ہیں -

تمام جچے تلے اور مضبوط معاشرتی رشتے مع اپنے ہم آہنگ مقرر و محترم عقائد و خیالات کے فنا کردیے گئے ہیں اور ان کی جگہ جو رشتے اور خیالات رائج کئے گیے ہیں قبل اس کے کہ جمکیں، پرانے ہوچکے ہیں - جو کچھہ بھی ٹھوس اور مقبول تھا، مٹ چکا ہے - جو کچھہ بھی مقدس تھا، ناپاک کردیا گیا ہے - اور اب انجام کار انسان مجبور ہوگیا ہے کہ اپنے حالات زندگی اور حقیقی معاشرتی تعلقات، کھلی آنکھوں سے دیکھے -

تمام کرۂ ارضی کے سرمایہ داروں کو اپنی پیداوار کے لیے ایک برابر بڑھتے رہنے والے بازار کی ضرورت، دیوانہ کیے ہوئے ہے - انہیں ہر جگہ اپنا آشیانہ بنانا، ہر مقام پر ڈیرہ ڈالنا، چپہ چپہ سے ناتا جوڑنا ضروری ہے -

سرمایہ دار طبقہ نے عالمگیر بازار غصب کرکے تمام ممالک کی درآمد و برآمد قومی اور ملکی قیود سے آزاد کردی ہے - رجعت پسندوں کی امیدوں کے برخلاف صنعت و حرفت کے نیچے سے اُس کی بنیادیں نکال کر پھینک دی ہیں - قدیم اور مروج صنعتیں برباد کی جا چکی ہیں، اور جو باقی ہیں برابر برباد کی جارہی ہیں - ان کی جگہ نئی صنعتیں رائج کی جارہی ہیں کہ جن کا رواج تمام مہذب اقوام کے لیے ایک نہایت ہی اہم اور قابل غور مسئلہ ہے، کیونکہ ان صنعتوں کی حالت یہ ہے کہ صرف یہ اپنے ہی ملک کی خام پیداوار استعمال میں نہیں لاتیں، بلکہ دور دراز علاقوں کی بھی خام پیداوار چاہتی ہیں، نیز انکی کثرت کی وجہ سے اُن کی کھپت صرف انکے ہی علاقے میں نہیں بلکہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہونی چاہیے -

پرانی ضروریات کی جگہ جو ملکی پیداوار سے رفع ہوجاتی تھیں، نئی ضروریات پیدا ہوگئی ہیں جو اپنے رفع ہونے کے لیے دور دراز ممالک کی پیداوار کا بھی مطالبہ کرتی ہیں -

یہ حال صرف مادی پیداوار ہی کا نہیں، بلکہ ذہنی پیداوار کا بھی ہے - ایک قوم کی دماغی پیداوار، تمام قوموں کی عام ملکیت بن گئی ہے - محدود تخیل اور بے تعلقی روز بروز ناممکن ہوتی جاتی ہے، اور قومی و مقامی ادبیات سے ایک عالمگیر ارضی علم ادب پیدا ہو رہا ہے -

سرمایہ دار طبقہ، آلات پیداوار کی تیز ترقی اور مواصلات کی مسلسل آسانیوں کے ذریعہ وحشی سے وحشی اقوام کو بھی تہذیب کی طرف کھینچ رہا ہے - سامان تجارت کی ارزانی ہی وہ بھاری توپ ہے جس کے زور سے نہایت سرکش قوموں کو بھی اطاعت پر مجبور کردیا گیا ہے - تمام اقوام کو موت کی دھمکی دی جارہی ہے کہ سرمایہ دارانہ طریق پیداوار اختیار کرلیں، اور نام نہاد تہذیب قبول کرکے مہذب بن جائیں -

سرمایہ دار طبقہ نے دیہات کو شہر کا تابع بنا دیا ہے - بکثرت نئے شہر پیدا کردیے ہیں - دیہات کے مقابلہ میں قصبات کی آبادی میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا ہے - اور اس طرح دنیا کی بہت بڑی آبادی کو دیہاتی زندگی کی سادگیوں سے محروم کردیا ہے -

اُس نے جس طرح دیہات کو شہر کا محتاج بنایا ہے، ٹھیک اُسی طرح وحشی اور نیم وحشی ممالک کو مہذب ممالک کا دست نگر بھی بنا دیا ہے - کاشتکار قوموں کو سرمایہ داروں کا اور مشرق کو مغرب کا محتاج بنا دیا ہے -

سرمایہ دار طبقہ ذرائع پیداوار، ملکیت، اور آبادی کی وسعت پر برابر قابو حاصل کرتا جاتا ہے - اُس نے آبادی گنجان کردی ہے - ذرائع پیداوار میں مرکزیت پیدا کردی ہے - اور ملکیت کو سمیٹ کر صرف چند ہاتھوں کے اندر محدود کردیا ہے -

اِس صورت حال کا لازمی نتیجہ، سیاسی مرکزیت تھی جو سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھوں وجود میں آچکی ہے، آزاد اور نیم آزاد اقوام جن کے مصالح، قوانین، حکومت، اور رسم و رواج جدا جدا تھے، کھینچ تان کے ایک قوم بنا دی گئی ہیں، ایسی قوم جس کی حکومت، ضابطۂ قانون، اجتماعی مصالح، اور رسم و رواج، سب ایک ہیں -

سرمایہ دار طبقہ نے اپنے صد سالہ جماعتی عہد حکومت میں ایسی عظیم الشان بار آور قوتیں پیدا کردی ہیں جنہیں تمام پچھلی نسلیں بھی پیدا نہ کرسکی تھیں - اُسنے قدرت کی طاقتوں پر قبضہ کیا، علم آلات اور کیمیا کا صنعت و زراعت میں استعمال کیا، دخانی جہاز، ریلوے، اور تار برقی کے سلسلے جاری کیے، زراعت کے لیے تمام براعظموں کی صفائی کی، دریاؤں کی نہر بندی کی، اور زمین کے تمام خزانے اُگل ڈالے - بھلا کسی

پچھلي نسل کو یہ وہم بھي گزرا تھا کہ اجتماعي محنت کي گرد میں ایسي بار آور قوتیں پڑي سو رهي هیں ؟

گزشتہ بیان میں هم واضح کر چکے هیں کہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جن کي بنیادوں پر سرمایہ دار طبقہ نے اپني عمارت کھڑي کي ھے ' اگرچہ جاگیرداري کے عہد میں پیدا ہوئے تھے ' مگر خود جاگیر اُنسے کوئي فائدہ نہ اُٹھا سکي بلکہ اُلٹے اُنکے گرداب میں پڑکر تباہ ہوگئي ' کیونکہ یہ ذرائع پیداوار اور تبادلہ جب اپني ترقي کي ایک خاص منزل پر پہنچ گئے ' تو وہ حالات جنکے ماتحت جاگیردار سوسائٹي پیدا کرتے اور تبادلہ کرتے تھے ' یعني کاشتکاري و دستکاري کا جاگیر دارانہ نظام ' ترقي یافتہ قوتوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے - وہ پیداوار کو سہارا دینے کے بجائے اُسکے حق میں روک اور بوجھل بیڑیاں بن گئے ' جن کا ٹوٹ گرنا ضروري تھا - چنانچہ اُنکي جگہ آزاد مقابلے اور سرمایہ دار طبقہ کي اقتصادي و سیاسي حکومت نے لے لي -

لیکن اب تاریخ نے اپنا اعادہ پھر شروع کیا ھے ' جو کچھہ جاگیر داروں پر گزرا ھے ' وھي اب سرمایہ داروں کو درپیش ھے -

سرمایہ دارانہ حالات ' پیداوار ' تبادلہ ' سرمایہ دارانہ املاکي رشتے ' غرضکہ پوري موجودہ سرمایہ دار سوسائٹي جسنے ایسے عظیم الشان ذرائع ایجاد کیے هیں ' سخت مصائب میں مبتلا ھے - اسکي مثال اُس جادوگر کي سي ھے جو خبیث طاقتوں کو جگا تو دیتا ھے مگر انپر قابو نہیں رکھہ سکتا -

بہت زمانہ تک صنعت و تجارت کي تاریخ ' جدید بار آور قوتوں کي موجودہ حالات کے خلاف ' ایک بغاوت کي عام تاریخ رهي ھے - اس سلسلہ میں اُن تجارتي مشکلات کي طرف اشارہ کر دینا کافي ھوگا جو وقتاً فوقتاً پوري سرمایہ دار سوسائٹي کے لیے موت و حیات کا سوال پیدا کر دیا کرتي هیں -

لیکن باوجود اِن ھولناک خطروں کے ایک عام اجتماعي وبا پھیلي ھوئي ھے جسکا نام " زائد پیداوار " ھے اور جو پچھلے زمانوں میں یقیناً ایک حماقت معلوم ھوتي -

اِس صورت حال کا نتیجہ یہ ھے کہ سوسائٹي اپنے تئیں اچانک ایک عارضي وحشیانہ حالت میں مبتلا پاتي ھے - قحط اور بربادي کي ایک عالمگیر جنگ برپا ھو جاتي ھے - معلوم ھوتا ھے کہ صنعت و تجارت اور زندگي کے تمام ذرائع تباہ ھو جائینگے - کیوں ؟ اس لیے کہ تہذیب بہت زیادہ ھوگئي ھے ' ذرائع زندگي بہت زیادہ ھوگئے هیں ' صنعت بہت زیادہ ھوگئي ھے ' تجارت بہت زیادہ ھوگئي ھے !

اِن خطرات کا مقابلہ سرمایہ دار کیونکر کرتے هیں ؟ اِس طرح کہ ایک طرف تو بہت سي بار آور قوتیں بجبر برباد کر ڈالتے هیں ' دوسري طرف نئے بازاروں کو فتح کرتے اور پرانے بازاروں کو مزید رونق دیتے چلے جاتے هیں - اسکے معني یہ هیں کہ وہ اور بھي زیادہ وسیع اور زیادہ برباد کن مشکلات کیلیے راستہ ھموار کر رھے هیں اور ساتھہ ساتھہ وہ ذرائع بھي مٹاتے جاتے هیں جنسے یہ مشکلات رفع کي جاسکتي تھیں -

غرضکہ وہ ھتیار جنسے سرمایہ داروں نے جاگیرداري پر فتح حاصل کي تھي ' اب خود انھیں پر اُلٹ پڑے هیں -

لیکن سرمایہ داروں نے صرف یہ مہلک ھتیار ھي نہیں گڑھے هیں ' بلکہ وہ لوگ بھي پیدا کر دیے هیں جو یہ ھتیار استعمال کرینگے - وہ کون هیں ؟ موجودہ مزدور !

جس تناسب سے سرمایہ اور سرمایہ داروں نے ترقي کي ھے ' اِسي تناسب سے مزدوروں نے بھي ترقي کي ھے - اِس طبقہ کي زندگي اُسي وقت تک ھے جبتک اُسے کام ملتا رھے ' اور کام اُسي وقت تک ملتا ھے جبتک وہ سرمایہ کو بڑھاتا رھے - یہ مزدور جو اپنے تئیں فرداً فرداً بیچ ڈالنے پر مجبور کر دیے گئے هیں ' تجارت کي دوسري چیزوں کي طرح ایک جنس ھوگئے هیں اور مقابلہ کے ھیر پھیر اور نرخ کے چڑھاؤ اُتار سے ھمیشہ مصیبت جھیلتے رھتے هیں -

مزدور کا کام ' کلوں کے کثرت استعمال اور محنت کي تقسیم کے باعث اپني انفرادي شخصیت سے محروم ھوگیا ھے اور اب مزدور کیلیے اپنے اندر کوئي خاص کشش نہیں رکھتا - مزدور مشین کا محض ایک ضمیمہ بنا دیا گیا ھے ' جس سے نہایت آسان کام کي خواھش کي جاتي ھے - جسکا نتیجہ یہ ھے کہ اب اُسکي قیمت گھٹ کر بس اِتني ھي رہ گئي ھے کہ مزدور بمشکل اُس سے اپني قوت لایموت کا سامان کرسکتا ھے -

اب ایک مصنوعي برتن اور مزدور ' دونوں ھم درجہ چیزیں ھوگئي هیں جنکي قیمت اُنکي لاگت کے حساب سے ھوتي ھے - یہي سبب ھے کہ جوں جوں محنت سستي ھوتي جاتي ھے ' مزدوري بھي گھٹ رھي ھے - پھر تماشہ یہ ھے کہ جسقدر کام کي تقسیم اور کلوں کا استعمال بڑھتا جاتا ھے ' اِسي قدر کام کا بوجھہ بھي بڑہ رھا ھے ' یا تو کام کے گھنٹے بڑھا دیے جاتے هیں ' یا زیادہ کام ایک خاص وقت میں لیا جاتا ھے ' یا مشین کي رفتار میں اضافہ کر دیا جاتا ھے ' (وغیرہ وغیرہ)

موجودہ صنعت نے نیک آقا کي چھوٹي سي دکان کو صنعتي سرمایہ دار کے بڑے کارخانہ کي صورت میں بدل دیا ھے - مزدوروں کے غول کے غول کارخانوں میں بھرے ھوئے هیں جن کي تنظیم سپاھیوں کي طرح کي جاتي ھے ' اور جو سپاھیوں ھي کي طرح چھوٹے بڑے افسروں کي ایک مطلق العنان حکومت کے شکنجہ میں جکڑ دیے گئے هیں - وہ نہ صرف سرمایہ دار طبقے اور سرمایہ دار حکومت کے غلام ھوتے هیں ' بلکہ انھیں شب و روز ھر سرمایہ دار صناع کي بھي غلامي کرني پڑتي ھے -

جسقدر کھلے الفاظ میں یہ خود سر حکومت اعلان کرتي جاتي ھے کہ خود غرضي اور منفعت شخصي اس کا مقصد ھے ' اُسي قدر وہ حقیر ' نفرت انگیز ' اور تکلیف دہ ھوتي جاتي ھے !

دستي مشقت میں قوت اور چستي کي ضرورت جتني کم ھوتي جاتي ھے ' یعني موجودہ صنعت جس قدر زیادہ ترقي کرتي جاتي ھے ' اُسي قدر مردانہ محنت کي جگہ زنانہ محنت کو دي جارھي ھے - مزدوري پیشہ طبقہ کے لیے اب عمر اور جنس کا اختلاف کوئي معاشرتي اھمیت نہیں رکھتا - مزدور مرد اور عورتیں سب کے سب محنت کے پرزے ھوگئے هیں جن کي قیمت عمر اور جنس کے لحاظ سے گھٹتي بڑھتي رھتي ھے -

جوں ھي مزدور کو اپنے سرمایہ دار آقا سے مزدوري ملتي ھے ' فوراً دوسري سرمایہ دار جماعتیں اُس پر ٹوٹ پڑتي هیں : مکان دار ' دوکان دار ' ساھوکار ' غرضکہ سب کے سب اُس کے لوٹنے کھسوٹنے کو آ موجود ھوتے هیں -

ادنی اور متوسط طبقہ ' چھوٹے دوکاندار ' سوداگر ' زراعت پیشہ ' زمیندار ' دستکار ' سب کے سب مزدوری پیشہ طبقہ میں جذب ہو رہے ہیں - کچھہ تو اس وجہ سے کہ اُنکا معمولی سرمایہ موجودہ صنائع کیلیے ناکافی ہے اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے مقابلہ میں بیکار ہوجاتا ہے ' اور کچھہ اس وجہ سے کہ اُنکے خاص پیشوں کو پیداوار کے نئے ذرائع نے ظاہر ہوکر بے قدر کر دیا ہے - اس طرح مزدوروں کا یہ طبقہ صرف مزدوروں ہی سے نہیں بلکہ آبادی کے ہر حصہ سے مرکب ہے -

(۲)

مزدوری پیشہ طبقہ مختلف تدریجی مرحلوں سے گزر کر اس درجہ تک پہنچا ہے - سرمایہ دار کے برخلاف اُسکی جد و جہد اُسکی پیدائش کے وقت ہی سے شروع ہوگئی ہے -

سب سے پہلے یہ جد و جہد ایک فرد واحد مزدور کی جد و جہد کی حیثیت سے شروع ہوئی ' پھر کسی ایک کارخانہ کے مزدوروں کی جد وجہد بنی ' پھر کسی خاص نواح کے تمام ہم پیشہ مزدوروں کی جد و جہد کی صورت میں تبدیل ہوگئی ' جسکا مقصد سرمایہ داروں سے جنگ کرنا تھا جو ان سب کو براہ راست تباہ کر رہا تھا -

اِس منزل میں مزدور ' سرمایہ دارانہ طریق پیداوار پر نہیں بلکہ خود آلات پیداوار پر حملہ کرتے تھے - بیرونی مال برباد کر ڈالتے تھے ' مشینیں توڑ پھوڑ ڈالتے تھے ' کارخانوں میں آگ لگا دیتے تھے ' اور کوشش کرتے تھے کہ طاقت کے زور سے اپنی وہ حیثیت پھر قائم کردیں جو قرون وسطی میں ضائع ہوچکی تھی - لیکن باوجود متحدہ مقصد رکھنے کے ' اِس منزل میں ' مزدور ایک غیر متحد بھیڑ کی شکل رکھتے تھے جو تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی ' اور جسکے اندر باہمی مقابلہ کے جذبہ نے پھوٹ ڈال دی تھی -

اِس دور میں مزدور جب منظم ہونے کیلیے متحد ہوئے ' تو یہ اُنکے اپنے اتحاد کا نہیں ' بلکہ سرمایہ دار طبقہ کے اتحاد کا نتیجہ تھا - وہ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلیے مجبور ہو جاتا تھا کہ مزدوروں میں ایک نئی حرکت پیدا کردے -

اِس منزل میں مزدور براہ راست اپنے دشمنوں سے نہیں لڑتے تھے ' بلکہ ان کی جنگ اپنے دشمن کے دشمنوں سے ہوتی تھی ' یعنی مطلق العنان شاہی سے ' زمینداروں سے ' غیر صنعتی اور چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں سے -

اس طرح مزدوروں کی یہ پوری تاریخی تحریک ' سرمایہ دار طبقہ ہی کے ہاتھوں میں رہی ہے ' اور تمام کامیابیاں جو اُسے حاصل ہوئی ہیں ' سرمایہ داروں ہی کی کامیابیاں ہیں -

صنعت کی ترقی کے ساتھہ ساتھہ مزدوری پیشہ طبقہ کی کمیت میں صرف افراد ہی کا اضافہ نہیں ہوا ' بلکہ بڑی بڑی جماعتیں بھی اس میں شامل ہوتی گئیں اور ابتک ہو رہی ہیں -

اس کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے اور وہ اپنی طاقت کی افزونی برابر محسوس کر رہا ہے -

جوں جوں مشینری ' صنعت کے امتیازات مٹاتی جاتی ہے اور اُجرت ہر جگہ کم سے کم کرتی جاتی ہے ' اسی قدر مزدوروں کے فوائد اور حالات زندگی میں بھی یکسانیت پیدا ہو رہی ہے -

سرمایہ دار طبقہ میں مقابلہ کی روح جس قدر ترقی کرتی جاتی ہے اور تجارتی مشکلات جسقدر بڑھتی جاتی ہیں ' اسی قدر مزدوروں کی اجرت میں اتار چڑھاؤ زیادہ ہوتا جاتا ہے - مشینری کی مسلسل اور تیز ترقی مزدوروں کی روزی کو برابر غیر محفوظ بنا رہی ہے ' اور انفرادی مزدور اور انفرادی سرمایہ دار کا شخصی تصادم ' جماعتی تصادم کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے - ایک طرف مزدور ' سرمایہ داروں کے خلاف متحد ہو رہے ہیں - دوسری طرف سرمایہ دار شرح اجرت برقرار رکھنے کے لیے مزدوروں کے برخلاف جتھا بندی کر رہے ہیں - انھوں نے اپنے تئیں مستقل انجمنوں کی صورت میں منظم کرلیا ہے ' تاکہ اچانک تصادم کے لیے پہلے سے طیار رہیں - کہیں کہیں یہ باہمی لڑائی بغاوت کی صورت میں بھی پھوٹ چکی ہے -

کبھی کبھی مزدوروں کو فتح حاصل ہوجاتی ہے ' مگر محض تھوڑی مدت کے لیے - اس سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے - کیونکہ ان کی جد و جہد کا اصلی ثمرہ فوری کامیابی نہیں بلکہ اُن کے بڑھتے ہوئے اتحاد میں ہے - اِس اتحاد کو موجودہ ذرائع آمد و رفت سے جو موجودہ صنعت کی ایجاد ہیں ' بہت مدد مل رہی ہے - مختلف ممالک کے مزدور باہم دگر مل رہے ہیں ' اور اِس طرح وہ کام انجام پا رہا ہے جس کی ازحد ضرورت تھی - وہ اتحاد جس کے حصول میں قرون وسطی کے شہریوں کو اپنی خراب سڑکوں کی وجہ سے صدیاں لگ جاتیں ' موجودہ مزدوروں کو ریلوے کے ذریعہ چند سالوں کے اندر حاصل ہوگیا ہے -

مزدوروں کی جماعتی اور سیاسی تنظیم خود اُن کے باہمی مقابلہ کی وجہ سے ہمیشہ رک رک جایا کرتی ہے ' لیکن ہر مرتبہ زیادہ قوت ' زیادہ استقلال ' اور زیادہ استحکام کے ساتھہ اُبھرتی ہے - سرمایہ داروں کی باہمی پھوٹ سے اُسے کافی فائدہ پہنچا ہے ' اور وہ ہر موقعہ پر مزدوروں کے حقوق و مفاد کے قانونی اعتراف پر مجبور ہوگئے ہیں -

قدیم سوسائٹی میں جماعتوں کا باہمی تصادم ' مختلف طریقوں سے مزدوری پیشہ طبقہ کو بڑھا رہا ہے - خود سرمایہ دار بھی مجبوراً اسکی ترقی کا باعث ہوئے ہیں - وہ اپنے تئیں ایک مسلسل حالت جنگ میں پاتے ہیں - ایک طرف خاندانی اِمارت ہے ' دوسری طرف خود سرمایہ داروں کی وہ جماعتیں ہیں جنکے مفاد صنعتی ترقی کے منافی ہیں - تیسری طرف بیرونی ممالک کے سرمایہ دار ہیں جو ہر وقت ٹوٹ پڑنے کیلیے طیار ہیں - غرضکہ سرمایہ داروں کو ہر طرف لڑنا اور ہر ایک سے نبرد آزمائی کرنی پڑتی ہے - ظاہر ہے ' وہ تن تنہا اتنے دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے ' اور مجبور ہوتے ہیں کہ مزدوروں سے اعانت کی اپیل کریں - اِس طرح وہ خود ہی مزدوروں کو سیاسی اکھاڑہ میں کھینچ لاتے ہیں ' اور اُن کیلیے اجتماعی تعلیم کے عناصر مہیا کردیتے ہیں - وہ خود ہی مزدوروں کے ہاتھہ میں وہ ہتیار دیدیتے ہیں جو خود اُن کے خلاف استعمال کیے جائینگے !

صرف یہی نہیں بلکہ صنعت کی ترقی نے حکمراں طبقہ کے تمام حصوں کو بھی عجلت اور گھبراہٹ کے ساتھہ مزدوری پیشہ طبقہ کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا ہے ' یا کم از کم انکی زندگی خطرہ میں ڈالدی ہے - یہی وجہ ہے کہ یہ حکمراں جماعت مزدوری پیشہ طبقہ کیلیے ترقی کے بے شمار پرزے مہیا کر رہی ہے -

جسي طرح پچھلے زمانہ ميں شرفاء کا ايک حصہ سرمايہ داروں ميں آ ملا تھا ' اسي طرح اب سرمايہ داروں کا ايک حصہ مزدوروں ميں آ رہا ہے ' خصوصاً وہ مفکر حصہ جسے اِس تاريخي تحريک کا نظري علم حاصل ہوگيا ہے -

تمام جماعتيں جو في الحال سرمايہ دار طبقہ سے بر سر جنگ ہيں ' انميں صرف مزدوري پيشہ جماعت هي ايک حقيقي انقلابي جماعت ہے - باقي تمام دوسري جماعتيں موجودہ صنعت کے سامنے سرتگوں اور گلتي چلي جاتي هيں - اور يہ کچھ عجيب نہيں ' کيونکہ مزدوري پيشہ طبقہ هي صنعت و حرفت کي خاص اور براہ راست پيداوار ہے -

رہا ادنى اور متوسط طبقہ ' چھوٹے چھوٹے دستکار ' معمولي دکاندار ' زراعت پيشہ زميندار ' تو يہ سب سرمايہ دار طبقہ سے اس لئے جنگ کر رہے هيں کہ متوسط طبقہ کے رکن ہونے کے لحاظ سے اپني حيثيت برقرار رکھيں - يہ جماعتيں انقلابي نہيں بلکہ قدامت پسند هيں - قدامت پسند هي نہيں بلکہ رجعت پسند بھي هيں - وہ تاريخ کا چکر لوٹانا چاہتے کي کوشش کر رهي هيں - اگر وہ کبھي انقلابي هو بھي گئيں ' تو صرف اس خوف سے ہونگي کہ مبادا مزدوري پيشہ طبقہ انہيں جبراً دھکيل نہ دي جائيں -

گزشتہ سوسائٹي کے معاشرتي حالات اب مزدوروں کے معاشرتي حالات ميں مدغم ہو چکے هيں - مزدوري پيشہ طبقہ بغير کسي ملکيت کے ہے ' اسکے اپنے بيوي بچوں سے رشتے سرمايہ دارانہ خانداني رشتوں سے بالکل مختلف هيں - موجودہ صنعتي محنت اور سرمايہ داري نے انگليند ' فرانس ' امريکہ ' اور جرمني ميں مزدوروں کے تمام قومي اخلاق خراب کر ڈالے هيں - مزدوروں کے حق ميں قانون ' اخلاق ' مذهب ' تعصبات هيں جنکے پيچھے بيٹھکر سرمايہ دار انہيں شکار کيا کرتے هيں -

تمام گزشتہ جماعتوں نے طاقت پا کر هميشہ يہي کوشش کي ہے کہ اپني حيثيت مضبوط کرنے کيليے تمام سوسائٹي کو اپنے هي طريق عمل کا پابند کردیں - مزدوروں کو بھي اسي اصول پر عمل کرنا چاهئے - وہ سوسائٹي کي بار آور قوتوں پر قابو حاصل نہيں کر سکتے جبتک کہ اسکے تمام پرانے دستوروں کو منسوخ نہ کر دیں - خود مزدوروں کے پاس کوئي ايسي چيز نہيں جسکي انہيں حفاظت کرني ضروري هو - انہيں شخصي ملکيت کي تمام سابق پابندياں اور ضمانتيں منسوخ کر دينى چاهئيں -

تمام پچھلي تاريخي تحريکيں يا تو آبادي کي اقليت کي تحريکيں تھيں ' يا انکے مفاد کيليے تھيں - ليکن مزدوروں کي تحريک بالکل دوسري هي نوعيت کي ہے - وہ عظيم الشان اکثريت کي ايک حساس تحريک ہے اور عظيم الشان اکثريت کے مفاد کيليے ہے -

مزدوري پيشہ طبقہ ' موجودہ سوسائٹي کي سب سے نچلي پرت ہے - وہ اُس وقت تک نہيں اُٹھہ سکتا ہے ' جبتک کہ اوپر کے وہ تمام پرت ' جنسے حاکمانہ سوسائٹي مرکب ہے ' پرزے پرزے کر کے اُڑا نہ دیے جائيں -

اگرچہ مزدوروں کا قيام قومي بنيادوں پر نہيں ہے ' ليکن سرمايہ داروں کے برخلاف انکي جد و جہد ضرور قومي ہے - هر ملک کے مزدوروں کو قدرتي طور پر سب سے پہلے اپنے يہاں کے سرمايہ داروں سے نپٹ لينا چاهئے -

ابن بطوط کی سیاحت

(ايشيائي تاريخ ميں اُس کا مرتبہ)

(عبد اللہ عنان ايک مصري اهل قلم کے قلم سے)

عين اُس زمانے ميں جبکہ مارکو پولو نے اپني ايشيائي سياحت ختم کي ' طنجہ (مراکش) ميں ايک مسلمان سياح پيدا ہوا (٧٠٣ ھ - سنہ ١٣٠٤ ع) اِس کا نام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ تھا - بعد ميں دنيا نے اُسے ابن بطوطہ کے نام سے جانا - آٹھويں صدي هجري کي چند ممتاز شخصيتوں ميں سے ايک شخصيت اس کي بھي ہے -

ابن بطوطہ کي طفولت اور ابتدائي تعليم و تربيت سے هم ناواقف هيں - ليکن اُس کے سفر نامے سے معلوم هوتا ہے کہ اُس نے ديني علوم ميں پوري طرح مہارت حاصل کرلي تھي - هم اُن اسباب سے بھي ناواقف هيں جنہوں نے اِس طويل سياحت پر اُسے آمادہ کيا - زيادہ سے زيادہ هم يہ جانتے هيں کہ ٢٢ سال کي عمر ميں اُسے حج اور بيت اللہ کي زيارت کا شوق پيدا ہوا اور اِسي ارادے سے وہ وطن سے نکلا - معلوم هوتا ہے اِس سفر کے ليے اُس کي مادي طياري کافي نہ تھي - تاهم وہ جرأت کرکے چل پڑا اور مغرب اقصى کے بڑے بڑے شہر : تلمسان ' الجزائر ' بجايہ ' قسطنطنيہ سے گزرتا هوا تيونس پہنچا - اِس وقت سياح کا آغاز شباب تھا - غريب الوطني کے مصائب سے ناآشنا تھا - خود بيان کرتا ہے کہ جب تيونس ميں اُسے کسي نے اجنبيت کي وجہ سے سلام نہ کيا " تو اُس کا دل بے اختيار هوگيا - آنسو جاري هوگئے - اور سخت رنج و الم محسوس هوا ! "

حاجيوں کے قافلہ کے ساتھہ وہ پہلے طرابلس پھر اسکندريہ پہنچا - يہ اُس کے سفر کا دسواں مہينہ تھا - اسکندريہ ' اُسے بہت پسند آيا اور اُس نے گوارا نہ کيا کہ سرسري طور پر ديکھہ کر آگے بڑھ جائے - چنانچہ وہ ٹھہر گيا اور ايک محقق سياح کي طرح شہر اور اُس کے آثار کي تحقيقات شروع کردي - يہاں سے فارغ هوکر قاهرہ پہنچا - پايۂ تخت کي عمارتيں ' مسجديں ' اهرام ديکھے - پھر پورے ملک کي ايک سرے سے دوسرے سرے تک سياحت کي - اِسي قدر نہيں بلکہ وہ مصر کے علماء ' امراء ' حتى کہ بادشاہ تک سے ملا - يہ زمانہ ملک ناصر بن قلاؤن کا تھا -

مصر سے صحراء سينا کي راہ فلسطين پہنچا اور وهاں کے اسلامي اور مسيحي مقامات مقدسہ کي سير کي - پھر شام گيا اور تمام بڑے بڑے شہر اور آثار ديکھے - شام سے صحراء کو عبور کرکے حجاز پہنچا اور حج سے مشرف هوا -

هم کہہ چکے هيں کہ اُس نے حج کي نيت سے سفر شروع کيا تھا - مگر اُس ميں کامياب هونے کے بعد وہ وطن واپس نہيں هوا - معلوم هوتا ہے اِسي زمانے ميں اُسے مشرقي دنيا کي سياحت کا خيال پيدا هوا - چنانچہ وہ عراق کے ارادے سے چل پڑا - اب اُسے صحراء عرب سے گزرنا تھا - يہ مرحلہ بہت هي سخت تھا - اب تک اسے کوئي ايسا خطرناک سفر پيش نہيں آيا تھا - تاهم وہ بے خوف و خطر روانہ هوجاتا ہے - درحقيقت ابن بطوطہ کي سياحت اور

عظمت کا باب اسی وقت سے شروع ہوتا ہے - اسی سفر میں اس کی دماغی قابلیت ' معققانہ روح ' اور عزم و ہمت کی قوت ظاہر ہوتی ہے - اسی سفر میں اسے فارسی اور ترکی زبانیں بھی سیکھنی پڑتی ہیں - فارسی زبان سے سیاح کو بہت مدد ملی ' خصوصاً ہندوستان میں - ٹھیک اسی طرح جس طرح اس کے پیشرو ' مارکو پولو کو تاتاری زبان سے مدد ملی تھی !

غرضکہ ابن بطوطہ اپنے مشرقی سفر پر روانہ ہوگیا - نجد اور صحراء عرب کو طے کرکے عراق پہنچا - راستے کے جملہ حالات و آثار مفصل قلم بند کیے - پھر دجلہ و فرات کو عبور کرکے عراق عجم میں داخل ہوا ' اور شیراز و اصفہان وغیرہ کی سیر کی - لیکن وہ آگے نہیں بڑھا بلکہ لوٹ کر پھر دجلہ و فرات عبور کیا اور عراق عرب میں سفر شروع کردیا - اس وقت بغداد کی حالت نہایت زبوں تھی - تاتاریوں کی تخریب کے بعد ' عباسی دار الخلافہ ویران ہوگیا تھا - ابن بطوطہ یہاں بہت متاثر نظر آتا ہے اور ایک سچے مسلمان کی طرح رنج و غم کا اظہار کرتا ہے -

بغداد سے سیاح ' موصل پہنچا - موصل سے نصیبین اور سنجار آیا - اس سرزمین کے تمام امراء و سلاطین سے ملاقات کی - یہاں پر اس کی سیاحت اچانک منقطع ہوجاتی ہے - نہیں معلوم کیوں ' وہ پھر بغداد اور بغداد سے مکہ پہنچ جاتا ہے - وہ ہم سے صرف اس قدر کہتا ہے کہ دوسری مرتبہ مکہ معظمہ اس حال میں پہنچا کہ سخت بیمار تھا - چنانچہ کامل ایک سال جوار بیت اللہ میں مقیم رہتا ہے - اس طویل اقامت کے بعد پھر اس میں نیا جوش پیدا ہوتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ طویل سفر پر روانہ ہوجاتا ہے -

چنانچہ وہ یمن پہنچتا ہے - پھر سومال جاتا ہے - پھر ساحل بحر عرب کے تمام ممالک کی سیر کرتا ہوا عمان اور بحرین میں جا نکلتا ہے - بحرین میں موتی نکالنے والوں سے ملتا ہے - مگر ٹھہرتا نہیں اور صحراء طے کرکے سہ بارہ مکہ معظمہ میں وارد ہوتا ہے - یہاں ملک الناصر شاہ مصر سے اس کی ملاقات ہوتی ہے -

حج کے بعد پھر سفر شروع کرتا ہے اور اس مرتبہ بحر احمر عبور کرکے سوڈان ' بلاد نوبہ ' صعید مصر کی سیاحت کرتا ہوا قاہرہ پہنچتا ہے - لیکن قیام نہیں کرتا بلکہ شام چلا جاتا ہے اور ساحل لاذقیہ سے جہاز پر بیٹھ کے سنہ ۷۳۳ ھ (سنہ ۱۳۳۳ع) میں ساحل اناطولیہ پر قدم رکھتا ہے -

(اناطولیہ)

اس وقت اناطولیہ میں سلجوقی امراء و سلاطین کا دور دورہ تھا - لیکن آل عثمان کا قبیلہ عروج حاصل کررہا تھا - آہستہ آہستہ سلجوقی امراء اس کے سامنے ہتیار رکھتے جاتے تھے - سلطنت عثمانیہ کے بانی ارطغرل عثمان نے بیزنطینی شہنشاہی میں بھی دور تک ہاتھ پاؤں پھیلا دیے تھے - اس وقت عثمانی ریاست کا پایۂ تخت بروسہ تھا اور ابن بطوطہ کے زمانے میں سلطان اورخان بن عثمان کی حکومت تھی -

اورخان کے علاوہ سلجوقی امراء میں سب سے زیادہ طاقتور محمد ازبک خاں شاہ شمال تھا - یہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا داماد بھی تھا - ابن بطوطہ یہ ملک دیکھ کر بہت متعجب ہوا - کیونکہ اگرچہ یہاں اسلام کو غلبہ حاصل ہوچکا تھا مگر نو مسلموں کے عادات و اطوار عجیب طرح کے تھے - ابن بطوطہ نے پورے ملک کی سیاحت کی ہے اور بڑی تفصیل سے جملہ حالات بیان کیے ہیں - یہ عجیب بات ہے کہ ہر ملک میں وہ قصر شاہی تک رسائی حاصل کرلیا کرتا تھا - یہاں کے بھی تمام امراء و سلاطین سے اسنے ملاقاتیں کیں -

(قسطنطنیہ)

اناطولیہ سے وہ قسطنطنیہ کو چلا - خوش قسمتی سے اس زمانے میں سلطان محمد ازبک خاں کی ملکہ " خاتون بیلرن " بھی اپنے باپ شہنشاہ قسطنطنیہ کی ملاقات کو جا رہی تھی - ابن بطوطہ اسی شاہی قافلہ میں داخل ہوگیا اور سنہ ۷۳۳ ھ - سنہ ۱۳۳۳ع میں نہایت تزک و احتشام سے بیزنطینی پایۂ تخت میں داخل ہوا -

سیاح خود اپنی زبان سے یہ واقعہ اس طرح بیان کرتا ہے :

" ہم زوال کے وقت قسطنطنیۂ عظمی میں داخل ہوئے - پورے شہر میں ناقوس اس زور سے بج رہے تھے کہ در و دیوار تک گونج اٹھے تھے - ہم قصر شاہی کے پہلے پھاٹک پر پہنچے - وہاں سر سنتری اپنے سپہ سالار کے ساتھ کھڑے تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے " سراکنون ' سراکنون " جس کے معنی ہیں " مسلمان " (یونانی زبان میں Sarrazino عرب مسلمانوں کا نام ہے - شاید ابن بطوطہ نے یہی لفظ سنا ہوگا)

پھر وہ شہنشاہ سے اپنی ملاقات کا حال لکھتا ہے :

" چوتھے دن خاتون نے اپنا غلام سنبل ہندی میرے پاس بھیجا - وہ مجھے قصر شاہی میں لے گیا - ہم چار پھاٹکوں سے گزرے - ہر پھاٹک میں مسلح سپاہی موجود تھے - پانچویں پھاٹک پر غلام مجھے چھوڑ کر چلا گیا - پھر چار رومی نوجوانوں کو لے کر لوٹا - انہوں نے میری تلاشی لی کہ کوئی چھری تو چھپی ہوئی نہیں ہے - افسر نے بتایا کہ یہاں کا دستور ایسا ہی ہے - جو شخص بھی بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے ' اس کی تلاشی ضرور لی جاتی ہے - پھر پھاٹک کھولا گیا - میں اندر داخل ہوا - چار آدمیوں نے مجھے گھیر لیا - دو مجھے آگے سے پکڑے تھے ' دو پیچھے تھے - میں ایک بڑے ایوان میں داخل کیا گیا - اس کی دیواریں بہت آراستہ تھیں - قسم قسم کے حیوانات و نباتات کی تصویریں بنی تھیں - بیچ میں فوارہ تھا - دونوں جانب سپاہی صف بستہ کھڑے تھے اور بالکل خاموش تھے - وسط میں تین آدمی کھڑے تھے - انہوں نے مجھے میرے محافظوں سے لے لیا اور اسی طرح پکڑ کرلے چلے - انمیں ایک یہودی تھا - یہودی نے مجھ سے عربی میں کہا " ڈرو نہیں ' میں ترجمان ہوں " پھر میں ایک عظیم گنبد میں داخل کیا گیا - شہنشاہ مع اپنی ملکہ کے تخت شاہی پر جلوہ افروز تھا - داہنی طرف چھ آدمی کھڑے تھے - بائیں طرف چار آدمی تھے - سب ہتیار بند تھے - بادشاہ کے قریب پہنچنے سے پہلے مجھ سے کہا گیا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر حواس درست کرلو - پھر میں تخت شاہی کے سامنے پہنچایا گیا - میں نے سلام کیا - بادشاہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا - مگر میں بیٹھا نہیں - بادشاہ نے مجھ سے بہت سے سوال کیے - بیت المقدس کی بابت پوچھا - مقدس چٹان ' مولد مسیح ' بیت لحم ' شہر خلیل ' کا حال دریافت کیا - پھر دمشق ' مصر عراق ' اور رومی ممالک کے حالات پوچھے - میں نے ہر سوال کا جواب دیا - یہودی ترجمہ کرتا جاتا تھا - شاید شہنشاہ کو میری گفتگو پسند آئی - چنانچہ اس نے اپنے لڑکوں سے کہا اس شخص کی عزت کرو اور امن و امان میں رکھو - پھر میرے لیے خلعت کا حکم دیا - نیز ایک آراستہ گھوڑا اور چھتر بھی عنایت کیا ' جو شاہی امان کی علامت ہے "

اس شہنشاہ کا نام ابن بطوطہ نے تکفور اور اس کے باپ کا نام جرجیس لکھا ہے - ممکن ہے یہ ان کے مسیحی نام ہوں - ورنہ

معلوم ہے کہ اُس عہد کے قیصر کا نام الذرز نیکوس ثالث تھا اور اُسکا باپ اندرونیکو ثانی تھا -

اُس زمانے میں قسطنطنیہ اپنی سابق عظمت سے بہت کچھہ محروم ہوچکا تھا - ستر برس پہلے صلیبی مجاہدوں نے اُسے فتح کیا اور بہت کچھہ برباد کرکے چلے گئے - تاہم اب بھی وہ عروس البلاد تھا - ابن بطوطہ نے پوری تدقیق سے اُس کا حال لکھا ہے - ایک جگہ کہتا ہے :

" یہ شہر بہت ہی عظیم الشان ہے - دو حصوں میں منقسم ہے - وسط میں ایک بہت زیادہ مد و جزر رکھنے والا دریا موجزن ہے - (یعنی قرن الذھب) اِس دریا کا نام " ابسمی " ہے - شہر کے ایک حصے کا نام " اصطنبول " ہے اور دریا کے مشرقی کنارے پر آباد ہے - اِسی میں قصر شاہی اور امراء کے محل ہیں - یہ حصہ بہت آباد ہے - بازار پر رونق ہیں - سڑکیں کشادہ اور پختہ ہیں - شہر ایک پہاڑ پر آباد ہے جو نو میل تک سمندر میں پھیلتا چلا گیا ہے - اُس کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قلعہ اور شاہی محل ہے - ایک دیوار اِس پہاڑ کو گھیرے ہوئے ہے اور سمندر کی طرف سے اُسے مسخر کرنا نا ممکن ہے - اِسی حصے کے وسط میں کلیسا ایا صوفیا ہے - شہر کے دوسرے حصے کا نام " غلطہ " ہے - وہ دریا کے مغربی کنارے پر ہے - اِس حصے میں فرنگی نصاریٰ رہتے ہیں - چنانچہ جنیوا ' وینس ' روم ' فرانس ... کے باشندے موجود ہیں "

عرب سیاح نے بڑی تفصیل سے قسطنطنیہ کے گرجوں اور خانقاہوں کا حال لکھا ہے - خاص شاہی اذن سے اُس نے ترجمان کے ساتھہ اِن تمام مقامات کی سیر کی تھی -

قسطنطنیہ میں چند ہفتے مقیم رہا - یونانی تمدن کا اُس کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑا - پھر وہ دوبارہ اناطولیا طے کرکے ترکستان کی طرف بڑھا اور خوارزم میں اترا - اُس وقت یہ صوبہ مذکور الصدر سلطان محمد ازبک کے زیر نگیں تھا - یہاں سے بخارا پہنچا - شہر تاتاری حملہ سے برباد ہو چکا تھا - عرب سیاح نے حضرت امام بخاری جامع حدیث کی قبر کی زیارت کی - پھر بلوچستان ہوتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا ' اور سنہ ۷۳۴ ھ میں پنجاب پہنچ گیا -

ابن بطوطہ کا سفر ہندوستان بہت طویل تھا - اُس نے اِس بر اعظم کو مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک طے کیا - حتیٰ کہ سیلون تک پہنچا - ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں سے ملاقاتیں کیں - سلطان محمد شاہ سے بہت تقرب حاصل ہوگیا تھا - یہاں وہ کئی سال رہا اور منصب قضاء پر مامور ہوگیا - نیز کئی سیاسی سفارتوں پر بھی گیا ' اور پادشاہ کی بہت سی خدمات بجا لایا -

ہندوستان کے حالات ابن بطوطہ نے بہت تفصیل سے بیان کیے ہیں - ہندؤں کے رسم و رواج ' عبادات ' عادات پر بحث کی ہے - ہندوستان میں ایک مرتبہ اُسے ڈاکؤں نے لوٹ لیا تھا - اُس کے کاغذات بھی لے گئے تھے - سیاح اپنے کاغذات کے نقصان پر بہت متأسف ہے - کیونکہ اُن میں اُس کے سفر کی یاد داشتیں بھی تھیں -

ہندوستان سے وہ جاوا اور سماٹرا گیا - پھر شمال کی طرف روانہ ہوا - وہ ہم سے کہتا ہے کہ یہ سفر چین کا تھا - مگر تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چینی ہندوستان اور جنوبی چین سے آگے نہیں بڑھا - شمال میں اُس کا سفر بہت ہی محدود تھا - چین سے پھر جاوا کے طرف لوٹا - جاوا سے ہندوستان آیا - پھر فارس ' عراق ' شام ' مصر ہوتا ہوا تیونس پہنچا - تیونس سے جہاز پر بیٹھا ' اور سنہ ۷۵۳ ھ میں فاس پہنچ گیا - یعنی کامل ۲۵ - سال سفر کے بعد وطن واپس ہوا !

لیکن اپنے وطن طنجہ میں اُس کا قدم زیادہ دن تک نہیں جما - اندلس کی سیاحت پر روانہ ہوگیا - اُس وقت یہ اسلامی سلطنت سمٹ کر غرناطہ کے علاقہ میں محصور ہوگئی تھی - سلطان ابو الحجاج یوسف بن الولید النصری کا زمانہ تھا - ابن بطوطہ نے وہاں کے علماء و فقہاء سے ملاقاتیں کیں ' قدیم آثار دیکھے ' پھر مراکش واپس آ گیا -

مگر یہ واپسی بھی عارضی تھی - تھوڑے ہی عرصہ بعد صحراء اعظم کی راہ سے سوڈان کے سفر پر روانہ ہوگیا - لیکن یہ اُس کا آخری سفر تھا - سلطان ابو عنان شاہ مراکش مزید سفر سے مانع ہوا اور اپنی مصاحبت پر اصرار کیا - یہ واقعہ سنہ ۷۵۵ ھ کا ہے ابن بطوطہ نے مسلسل ۳۰ برس تک سیاحت کی - ۲۲ برس کی عمر میں سیاحت شروع کی اور ۵۵ - برس کی عمر میں ختم کی -

ابن بطوطہ سلطان مراکش کا درباری بن گیا - سلطان اُس کے حالات سفر سن کر بہت مسرور ہوتا تھا - بعض لوگ ابن بطوطہ کی صداقت میں اُسی طرح شبہ کرتے تھے ' جس طرح اِس کے پیشرو مارکو پولو کو اُس کے ہم عصروں نے غلط بیان قرار دیدیا تھا ابن بطوطہ کو ابناء زمانہ کی اِس بے قدری پر بہت افسوس تھا ایک جگہ وہ نہایت رنجیدہ ہوکر لکھتا ہے " خدا جانتا ہے میرے بیانات صحیح ہیں - خدا کی گواہی میرے لیے کافی ہے "

علامۂ ابن خلدون نے جب اپنی تاریخ کبیر مدون کرنا شروع کی ' تو ابن بطوطہ اور اُس کی سیاحت کا قصہ تازہ تھا - وہ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں :

" سلطان ابو عنان کے عہد میں طنجہ کا ایک شخص ابن بطوطہ نام مراکش میں آیا - یہ مشرق میں سیاحت کرچکا تھا - عراق ' یمن ہندوستان وغیرہ ممالک میں پھرا تھا - شاہ ہند کے پایۂ تخت دہلی میں بھی گیا تھا ' اور سلطان محمد شاہ کا مقرب ہوگیا تھا ' حتیٰ کہ عہدۂ قضا پر بھی مامور ہوگیا - سفر سے واپسی کے بعد اُسنے سلطان ابو عنان کے دربار میں رسوخ حاصل کیا - وہ اپنے عجیب عجیب مشاہدے بیان کیا کرتا تھا - حتیٰ کہ بہت سے لوگ اُسے جھوٹا سمجھنے لگے تھے - ایک دن میں نے سلطان کے وزیر فارس بن وردار سے اِس بارے میں گفتگو کی اور بتایا کہ لوگ کس طرح اُس کی تکذیب کر رہے ہیں - وزیر نے مجھے جواب دیا " تمھیں اُن سلطنتوں کے حالات کا انکار نہیں کرنا چاہیے جن سے ناواقف ہو "

اِبن بطوطہ کو مارکو پولو پر کئی حیثیتوں سے امتیاز حاصل ہے - آخر الذکر نے بر اعظم ایشیا کا صرف وسطی حصہ دیکھا تھا - لیکن اِبن بطوطہ کی سیاحت بہت طویل تھی - ایشیا کے علاوہ افریقہ کے بہت سے حصے اور یورپ میں قسطنطنیہ اور اُندلس کی بھی اُس نے سیر کی تھی - پھر اُس کے مشاہدات بہت زیادہ محققانہ تھے - اُس کا سفرنامہ اُس عہد کے ایشیا اور افریقہ کی تاریخ اور جغرافیہ میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے - اُس کا اِسلوب بیان بھی زیادہ شگفتہ ' مکمل ' اور علمی ہے -

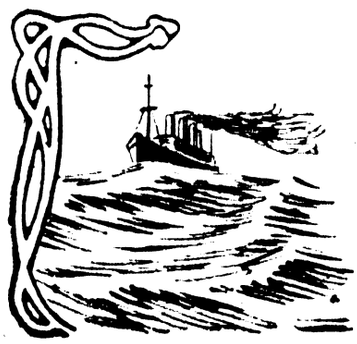

بريد فرنگ

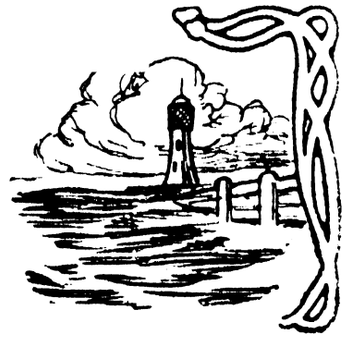

هوائی سفر کا ایک نیا تجربہ !

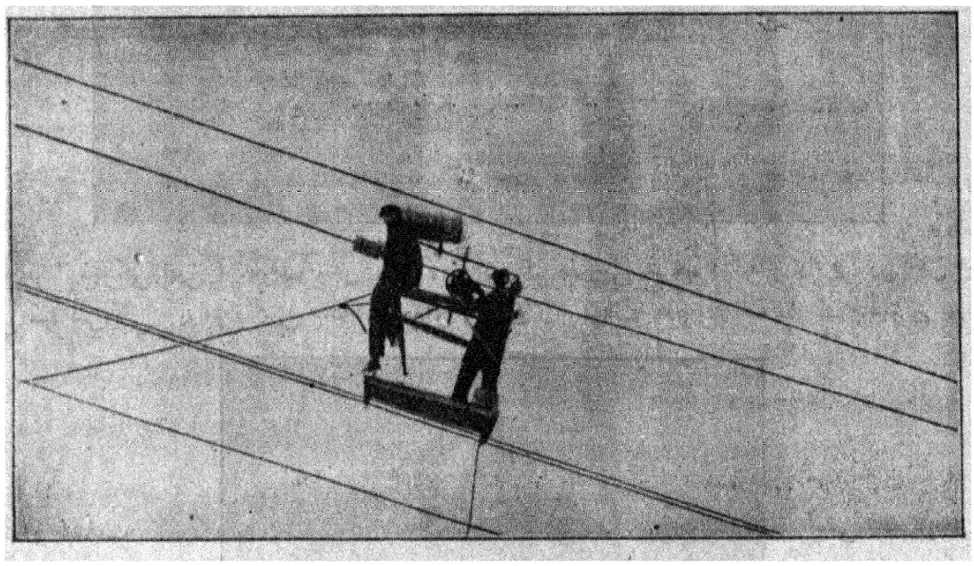

سائنٹفک امریکن کي آخري اشاعت نے امریکہ کے ایک نئے فضائي تجربہ کي روئداد شایع کي ہے - معمولي اتفاقات کس طرح علمي تجارب کے نئے نئے دروازے کھول دیتے ہیں ؟ یہ واقعہ اس حقیقت کي ایک تازہ مثال ہے !

واشنگٹن کے قریب ایک بحري تنگ نائے پر بجلي کے تاروں کا سلسلہ قائم ہے - یہ تار معمولي کھمبوں پر نصب ہیں - جس طرح کے کھمبے ہر جگہ تار کا سلسلہ قائم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں - پچھلے دنوں بجلي کے کارخانہ کے بعض افسروں نے ارادہ کیا کہ اگر تار کا تمام سلسلہ رنگ دیا جاے تو حفاظت اور پائداري کے لیے بہتر ہوگا - لیکن مشکل یہ پیش آئي کہ موجودہ نصب و قائم حالت میں رنگنے کا انتظام کیونکر ہو ؟ تار کا بڑا حصہ تنگ نائے کے اوپر سے گزرا ہے ' اور نہایت بلندي پر واقع ہے - کوئي کشتي ' کوئي جہاز ' کوئي سواري ' اس غرض کے لیے کام نہیں دے سکتي تھي - بالاخر انھوں نے غور کرنا شروع کیا کہ خاص اس غرض کے لیے کوئي نیا ذریعہ پیدا کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟ تھوڑي سي کاوش کے بعد وہ ایک نیا مگر عجیب قسم کا ذریعہ پیدا کرنے میں

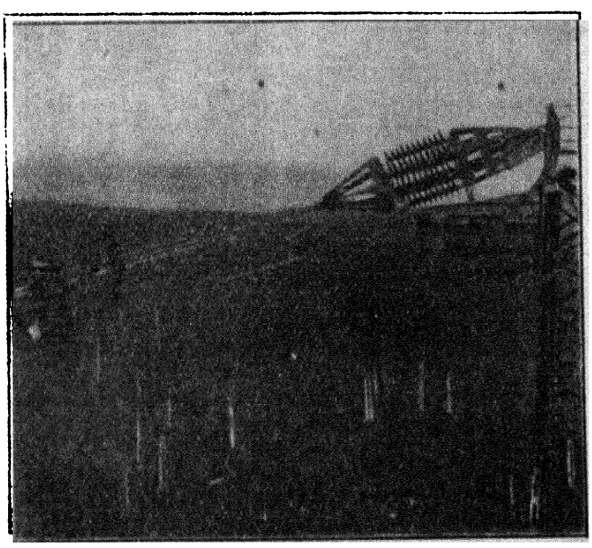

کامیاب ہوگئے - نوعیت کے اعتبار سے یہ نہایت سہل اور سادہ قسم کي چیز ہے - لیکن محل استعمال کے لحاظ سے ایک عظیم فضائي تجربہ کا دروازہ کھول رہي ہے - اس تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ اگر ضرورت پیش آجاے ' تو ایسي فضائي سواري استعمال کي جا سکتي ہے جو تار کے معمولي سلسلوں پر ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک بغیر کسي خطرے کے سوار کو پہنچا دے !

تصویر میں یہ سواري تار پر چلتي ہوئي نظر آرہي ہے - دوسري تصویر میں وہ ابتدائي نقطہ دکھلایا گیا ہے جہاں سے روانگي شروع ہوئي ہے ' اور پہلي میں درمیاني حالت دکھلائي ہے - یہ ایک پتلا سا تختہ ہے جس میں ہاتھہ سے چلانے کي چرخي لگي ہے ' اور چھوٹے چھوٹے پہیوں سے تار پر دوڑ رہا ہے - سائنٹفک امریکن کا نامہ نگار کہتا ہے " دو آدمي اس آلہ پر سوار ہوے اور بغیر کسي حادثہ کے تار پر سفر کرتے ہوے چلے گئے " اس اتفاقي تجربے سے ثابت ہوگیا کہ تار پر معلق چلنے والي ٹرینوں کي تجویز پوري طرح کامیاب ہو سکتي ہے - نیز اگر ضرورت پیش آجاے ' تو دنیا کي بڑي بڑي بحري آبنائیں معلق سواریوں کے ذریعہ بہ آساني زمین سے ملا دي جا سکتي ہیں -

بالشویك روس کی عدالت

جو نو جاسوسوں کے قتل کا فیصلہ لکھہ رہي ہے !



ابھي تھوڑا عرصہ ہوا ' خبر آئي تھي کہ حکومت روس نے ۲۶ آدمیوں کو جاسوسي کے جرم پر گرفتار کیا ہے جن میں سے ۹ ملزموں کو قتل کي سزا دي گئي - یہ مرقع اُسي مقدمہ سے تعلق رکھتا ہے - ازگریفک لندن کے نامہ نگار نے موسکو سے بھیجا ہے -

روسي تبلیغ و اشاعت

حال میں روسیوں نے ایک قومي میلہ کي تقریب پر ایک نہایت دلچسپ مجسمہ " سرمایہ داري " کا طیار کیا تھا جو ایک موٹر کار پر نصب تھا اور تمام قصبوں اور قریوں میں



اُسکي نمایش کي گئي تھي - یہ مجسمہ کرہ کا ایک ڈھانچا ہے ' جسکے اوپر ایک انسان بیٹھا ہوا ہے - کرہ سے مقصود تمام دنیا ہے ' اور انسان سے مقصود " سرمایہ داري " کي طاقت ہے - گویا سرمایہ داري نے تمام کرہ ارضي اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے !

" سرمایہ داري " کي ہمہ گیري و عالم افگني کي مجسم تمثیل !

لاسلکی عکاسی



(۱)

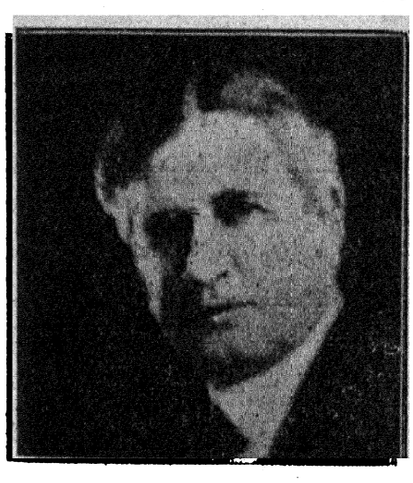

(۲)

یہ دو تصویریں " لا سلکي عکاسي " کے تجارب کا آخري تجربہ پیش کرتي ہیں - " لا سلکي عکاسي " سے مقصود وہ نیا انکشاف ہے جس کے ذریعہ دور دراز مقامات سے بغیر رویت و حضور کے تصویر لیلي جا سکتي ہے - امریکہ میں اس کا تجربہ نہایت تیزي سے ترقي کر رہا ہے - ستمبر کے اواخر میں متعدد تصویریں کامیابي کے ساتھہ لي گئیں - تصویر نمبر ۱ ایک عورت کي تصویر ہے جو تصویر لینے کے مقام سے کئي میل کے فاصلہ پر تھي - تصویر نمبر ۲ بھي ایک ایسي ھي تصویر ہے لیکن اس میں نمبر ۱ سے زیادہ کامیابي ھوي ہے - یہ تجربہ جب پوري طرح کامیاب ھو جایگا ' تو جس طرح ریڈیو مراکز کے ذریعہ دنیا کے ھر حصہ کي صدائیں سن لي جا سکتي ھیں ' اُسي طرح ھر منظر اور وجود کي تصویر بھي بہ آساني کھینچ لي جائیگي !

صلیب اور خون

(بیوریا میں ایک پر اسرار عورت !)

یورپ کي عقل پرستي اور مشرق کي توهم پرستي کا غلغله صدیوں سے بلند هے - مشرقي ممالک میں عام طور پر یه خیال پیدا کردیا گیا هے که هرطرح کي توهم پرستي اور غیر معقول خوش اعتقادي صرف مشرقي اقوام هي میں پائي جاتي هے - باشندگان یورپ کے عقل و دماغ اِن تمام امراض سے محفوظ هیں ! لیکن واقعه یه هے که سنه ۱۹۲۷ کے یورپ میں بهي هزارون لاکهوں انسان ایسے موجود هیں ' جنکي مذهبي توهم پرستیاں کسي طرح بهي مشرقي اقوام کي خوش اعتقادیوں سے کم نهیں هیں !

یورپ کي پچهلي ڈاک کے اخبارات سے معلوم هوتا هے که بیوریا کے ایک کاشتکار خاندان کي لڑکي تهریسا نیومین نامي کي نسبت هزاروں لاکهوں انسانوں کا اعتقاد هے که وه ایک مسیحي معجزه کے اعلان کے لیے بهیجي گئي هے - دور دور سے لوگ اُس کي زیارت کے لیے آتے هیں ' اور یقین کرتے هیں که اُس کي زیارت سے اور اس کا دامن چهو لینے سے هر طرح کي بیماریوں سے نجات مل جاتي هے !

یه " مسیحي معجزه " کیا هے ؟



بائیں جانب تهریسا هے - دهني جانب ایک راهبه هے
جو اُسے گرجا لے جا رهي هے !

تهریسا بے هوشي کي حالت میں



بیان کیا جاتا هے که تهوڑے تهوڑے وقفه کے بعد یه لڑکي بے هوش هو جایا کرتي هے - اور بے هوشي کي حالت میں اسکے تمام جسم پر صلیب کے سے نشان پڑجاتے هیں - نیز پیر کے تلوؤں سے خون بهي جاري هو جاتا هے - جب هوش میں واپس آتي هے ' تو صلیبي نشان معدوم هو جاتے هیں ' اور خون کا بهنا بهي بند هو جاتا هے - اخبارات کا بیان هے که نه صرف علاقه کے پادریوں نے بلکه سرکاري افسروں نے بهي بے هوشي کي حالت میں اِس لڑکي کا معائنه کیا هے ' اور سب متفقه طور پر تصدیق کرتے هیں که صلیب کے نشان جسم پر نمایاں هو جاتے هیں - عجب نهیں یه لڑکي هسٹریا یعني اختناق الرحم کي کسي غیر معروف قسم میں مبتلا هو -

هندوستان اور مجموعه عالم

تمام دنیا میں جغرافیائي ' عمرانی ' اور اقتصادي لحاظ سے هندوستان کي موجوده حیثیت کیا هے ؟

(۱)

(هندوستان کا رقبه)

ملک	رقبه ایکڑ کے حساب سے
هندوستان	۱٬۱۶٬۲۹٬۱۹٬۰۰۰
برطانوي هندوستان	۶۲٬۰۷٬۲۵٬۰۰۰
یورپ	۲٬۴۰٬۰۰٬۰۰٬۰۰۰
جزائر برطانیا	۷٬۷۱٬۵۲٬۰۰۰
ولایات متحدهٔ امریکا	۱٬۹۰٬۳۲٬۶۹٬۰۰۰
استریلیا	۱٬۹۰٬۳۶٬۶۴٬۰۰۰
کینڈا	۲٬۳۹٬۷۰٬۸۲٬۰۰۰
جرمني	۱۳٬۳۵٬۹۴٬۰۰۰
فرانس	۱۳٬۰۸٬۵۴٬۰۰۰
چین	۲٬۵۰٬۴۷٬۲۸٬۰۰۰
جاپان	۱۶٬۶۸٬۷۲٬۰۰۰

هندوستان ' جرمن شهنشاهي سے ۷ - گنا زیاده بڑا هے -
هندوستان ' جاپاني سلطنت سے ۱۱ - گنا زیاده بڑا هے -
هندوستان ' جزائر برطانیا سے ۱۵ - گنا زیاده بڑا هے -
هندوستان ' بر اعظم یورپ کے برابر هے - باستثناء روس -
هندوستان میں ۷٬۰۰٬۰۰۰ دیهات هیں -
هندوستان میں ۶۷۷ دیسي ریاستیں هیں -

برطانوي هندوستان ' ۱۴ صوبوں پر منقسم هے - هر صوبه ' ضلعوں پر منقسم هے - هر ضلع ' تعلقوں یا تحصیلوں پر منقسم هے - هر تعلقه ' تھانوں پر منقسم هے - هر ضلع کا اوسط رقبه ۴٬۵۰۰ مربع میل هے -

هندوستان کي دس میں نو حصه آبادي دیهاتوں میں رهتي هے -

هندوستان میں ۷ لاکھ دیهات هیں - اس کے معنے یه هے که اگر کوئي آدمي هر قریه میں صرف ایک دن ٹھہرے ' تو پورے هندوستان کے دورے کے لیے ۱٬۹۲۷ سال درکار هونگے -

هندوستان میں ایک لاکھ سے زیاده آبادي رکھنے والے ۳۱ شهر هیں -

(هندوستان کي آبادي)

کل دنیا	۱٬۶۹٬۶۵٬۰۸٬۰۰۰
کل هندوستان	۳۱٬۹۳٬۶۱٬۰۰۰
برطاني هندوستان	۲۴٬۷۰٬۰۰٬۰۰۰
جزائر برطانیا	۴٬۲۹٬۱۹٬۷۰۰
جاپان	۶٬۱۰٬۸۱٬۹۵۴
جرمني	۵٬۱۸٬۷۰٬۷۲۲
فرانس	۳٬۹۲٬۰۹٬۵۱۸
اٹلي	۴٬۲۱٬۱۵٬۶۰۶
سوربٹ روس	۱۳٬۲۰٬۰۰٬۴۱۳
چین	۴۳٬۶۰٬۹۴٬۹۵۳
ولایات متحدهٔ امریکه	۱۱٬۲۷٬۸۶٬۰۰۰

هندوستان کي آبادي ' دنیا کي مجموعي آبادي کا پانچواں حصه هے -

هندوستان کي آبادي ولایات متحده کي آبادي سے ۳ گني زیاده هے -

هندوستان کي آبادي فرانس کي آبادي سے ۸ گنا زیاده هے -

صرف مدراس اور میسور کي آبادي ' جاپان کے برابر هے -

صرف بمبئي کي آبادي ' اسپین اور پرتگال کي مجموعي آبادي سے زیاده هے -

هندوستان میں هر مربع میل کي اوسط آبادي ۱۷۷ هے -

اگر هر منٹ میں ۲۵ آدمي پر نظر ڈالي جائے ' تو پورے هندوستان کي آبادي دیکھنے کے لیے ۳۰ برس کا زمانه درکار هوگا !

(دنیا کي آبادي رنگ کے اعتبار سے)

(کل دنیا کي آبادي : ۱٬۶۹٬۶۵٬۰۸٬۰۰۰)

سفید فام	۹۳٬۶۰٬۰۰٬۰۰۰
زرد فام	۵۱٬۷۴٬۸۸٬۰۰۰
سیاه فام	۲۴٬۳۰۶۰٬۰۰۰

(سفید فام)

هندوستاني	۲۴٬۵۰٬۰۰٬۰۰۰
ٹیوٹانک	۲۶٬۶۷٬۰۰٬۰۰۰
سلاوي	۱۷٬۶۰٬۰۰٬۰۰۰
لاطیني	۱۷٬۲۰٬۵۰٬۰۰۰
یوناني	۹۵٬۰۰٬۰۰۰
باسکس	۴٬۰۰٬۰۰۰
افغان	۷۵٬۰۰٬۰۰۰
ایراني	۱٬۰۰٬۰۰٬۰۰۰
عرب اور بربر	۲٬۴۰٬۰۰٬۰۰۰
یهودي	۱٬۵۰٬۰۰٬۰۰۰
قبطي	۸٬۵۰٬۰۰۰
دیگر اقوام	۹۰٬۰۰٬۰۰۰

(زرد فام)

چیني	۳۴٬۳۰٬۰۰٬۰۰۰
جاپاني	۵٬۶۵٬۰۰٬۰۰۰
کورین	۱٬۷۰٬۰۰٬۰۰۰
ترک	۱٬۲۰٬۰۰٬۰۰۰
امریکن دیسي ' اهل ملایا ' اور فلیپائن	۳٬۰۰٬۰۰٬۰۰۰
منگولي	۳۰٬۰۰٬۰۰۰
کرغیز وغیره	۱٬۰۰٬۰۰٬۰۰۰
ماگائر	۹۵٬۰۰٬۰۰۰
فنس	۳۵٬۰۰٬۰۰۰
اسکیمو اور سائبیرین	۱۰٬۰۵٬۰۰۰
سیامي	۸۹٬۰۰٬۰۰۰
برمي	۷۸٬۹۰٬۰۰۰
تبتي	۹۶٬۰۰٬۰۰۰

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کے وہ خطوط جو اُس نے قید خانہ طائف سے اپنے عزیزوں کے نام بھیجے تھے

(۱)

"آج بچوں کی تصویریں پہنچیں۔ میں نے تمھارے خطوں کے جواب بھیج دیئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے نہیں ملے۔ کیونکہ تم نے اُن کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

سمرنا سے مجھے استامبول لے گئے۔ وہاں قصر یلدز میں مجھ اور محمود پاشا اور نوری پاشا کو علیحدہ علیحدہ حجروں میں قید کر دیا۔ مجھ سے کہا گیا کہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے سلطان عبدالعزیز نے خودکشی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان مراد اور اُن کی والدہ کے اشارے سے محمود پاشا اور نوری پاشا نے اُنھیں قتل کرایا ہے۔ اور یہ کہ خود میں غیر اللہ آفندی، اور رشدی پاشا بھی اس قاتلانہ سازش میں شریک ہیں پھر کہا گیا کہ مصطفےٰ پہلوان، حاجی محمد مصطفےٰ جزائری، سلطان الغیز کے تینوں خادم اصلی قاتل ہیں۔

حالانکہ یہ سب جھوٹ ہے کیونکہ یہ تینوں شخص، عبدالعزیز کی وفات کے وقت نظر بند تھے۔ اگر بفرض محال عبدالعزیز کو کسی نے قتل ہی کیا ہو تو کسی حال میں بھی میرے یا رشدی پاشا کے خلاف شبہ کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں۔ سلطان کی وفات کے وقت اُن کی والدہ اور تین سو بیویاں اور کنیزیں محل میں موجود تھیں۔ پانچ برس گزر گئے، مگر آج تک اُنھوں نے کبھی اشارۃً کنایۃً بھی نہیں کہا کہ سلطان قتل کئے گئے ہیں۔

میں نے محل شاہی میں نام نہاد عدالت کے سامنے پوری تفصیل سے تمام واقعات بیان کئے۔ تمام ججوں کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی کوئی ثبوت قتل کا موجود نہیں، بلکہ یہ سراسر بہتان ہے۔ مگر چونکہ سلطان عبدالحمید "خطرناک" لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنے پر کمربستہ تھے۔ اس لئے عدالت نے ۱۱۔ آدمیوں کو زبردستی مجرم قرار دے کر بے رحمانہ سزائیں دے دیں۔ عدالت کے بعض ایماندار ارکان نے آخر وقت تک اس فیصلہ میں شرکت سے انکار کیا۔ سلطان نے اُن کی ایمانداری کی بھی پوری قدردانی کی اور بہادری طرح بھی قید خانے بھیج دیئے گئے!

سلطان سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ بعض مواقع پر میرے [illegible] اس [illegible] کرتے تھے [illegible]

اندر قید کر دیئے گئے۔ ہر کمرے کے سامنے ننگی تلواریں لئے سپاہی کھڑے رہتے ہیں۔ باہم گفتگو کی سخت ممانعت تھی، مگر اب اُٹھ گئی ہے کیونکہ پاسبانوں نے دیکھا، اس پابندی کی تعمیل ممکن نہیں۔

سلطان کا فرمان، شریف مکہ کو پہونچا کہ یہ لوگ (یعنی ہم) جلاوطن ہیں۔ اندیشہ ہے بھاگ جائیں گے۔ پوری سختی سے نگرانی ہونی چاہئے۔ یہ حکم پاتے ہی شریف نے کمروں کے روشن دانوں کو بھی بند کرا دیا اور ہمارے پیروں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دیں۔ مگر اب بیڑیاں کاٹ دی گئی ہیں۔ کیونکہ بیماری نے ہمیں اس قابل ہی نہیں رکھا کہ یہ بوجھ برداشت کر سکیں۔

خوش قسمتی سے ایک شریف آدمی کی ہمدردی حاصل ہو گئی ہے یہ ہمارے خطوط تم تک پہنچایا کرے گا۔ پچھلے خطوط، جو تمھیں ملے، اُسی کے ذریعے بھیجے گئے تھے۔ جب میں نے اپنے رفیقوں کو اطلاع دی کہ میرے اور اُنکے خطوط، منزل مقصود پر پہنچ گئے، تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کیونکہ ہر ایک کے بچے ہیں اور اُن کی ملاقات کی تمنا رکھتے ہیں۔ اگر ہم نے جرم کیا ہوتا تو اس خیال سے دل کو تسکین دے سکتے کہ یہ ہمارے جرم کی سزا ہے، لیکن ہم نے تو کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ بجز اس کے کہ سلطنت اور امت کی اصلاح و ترقی چاہی ہے۔ اگر یہی جرم ہے، تو افسوس اُس ملک پر جہاں اصلاح و ترقی جرم سمجھی جائے!

میرے رفقا، انتہائی غم و الم میں ہیں۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے لیکن میری حالت اُن سے بہتر ہے۔ میں اب ۶۰ برس سے تجاوز کر چکا ہوں۔ اس عمر کا آدمی کتنے برس اور جی سکتا ہے؟ تمھیں یاد ہوگا کہ گزشتہ سال ہی سے میرا عزم تھا کہ خلوت کی زندگی اختیار کروں۔ سفر آخرت کی تیاری میں باقی دن گزار دوں۔ معلوم ہوتا ہے خدا نے یہ اُسی کا سامان کر دیا ہے!

مدت سے تمنا تھی کہ ذہن کو تلاوت قرآن میں مشغول کر دوں مگر فرصت نہیں ملتی تھی۔ اب الحمدللہ پوری مہلت مل گئی اور میں نے "قد سمع اللہ" تک قرآن مجید از سر نو حفظ کر لیا ہے۔ میں نماز کی بھی پوری پابندی کرتا ہوں۔ شب و روز یاد خداوندی میں مصروف رہتا ہوں۔ آیت "ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ ومن یؤمن باللہ یہد قلبہ" ہر لمحہ میرے پیش نظر رہتی ہے۔ مجھے اس سے بڑی ہی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اپنے رب پر متوکل ہو گیا ہوں۔ اپنے تئیں اُس کے حوالے کر دیا ہے۔ تم بھی یہی کرو۔ اُس پر توکل کرو اور اُس کے سپرد ہو جاؤ!

اگر مجھے کوئی رنج ہے، تو وہ تمھاری اور بچوں کی جدائی کا ہے۔ خداوند جل و علا سے دعا ہے ہم سب کو پھر جمع کر دے۔ میرے مصنوعی دانت ٹوٹ گئے۔ یہاں اُن کی مرمت کرنے والا کوئی نہیں۔ کھانے میں اب مجھے ناقابل برداشت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو چیز تمہارا کو طلب کی تھی ابھی تک نہیں پہنچی۔ نیز لکھا تھا کہ تفسیر بیضاوی، تفسیر روح البیان، اور وہ زود رنگ کی فرانسیسی کتاب بھیجدے میں اکثر پڑھا کرتا تھا۔ یہ سب کتابیں، سمرنا میں موجود ہیں۔ اگر بھیج سکو، تو روانگی میں دیر نہ کرنا۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ بچوں کی تعلیم پر پوری توجہ صرف کر رہی ہو۔ علی حیدر، وسیمہ، صابرہ کو بہت بہت پیار کرو۔ دیدیہ خانم کو اور تمام ملازموں کو سلام۔

سمرنا میں دو صندوق، ساحلی کمپنی کے منیجر کے پاس چھوڑ آیا تھا ان میں میرے کتنے اہم اور اہم کاغذات ہیں۔ تاکید کر دی تھی کہ تمھیں دے دے۔ معلوم نہیں اُس نے کیا شبہ کیا؟ اگر صندوق ابھی تک اُسی خائن کے پاس ہیں، تو مجھے لکھو تاکہ اُسے یاد دہانی کرا دوں

[illegible]

(۲)

"رمضان کے بعد کوئی خط نہیں ملا۔ تمھارے اور بچوں کے حالات نہ معلوم ہونے سے سخت قلق اور ملال ہے۔ تم نے ضرور روپیہ اور کھانے کی چیزیں بھیجی ہوں گی۔ مگر مجھے کچھ نہیں پہنچا۔ مجھے روپیہ کی ازحد ضرورت ہے۔ کیونکہ پچھلے سال جو ۵۰ پونڈ بھیجے تھے، اور جو رقم، قسطنطنیہ سے آئی تھی، اب اسمیں سے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے حکومت نے ہمارے کھانے پینے کا ذمہ خود لے رکھا تھا مگر اب وہ کسی کو کچھ نہیں دیتی۔ ہمیں اپنی روٹی خریدنا پڑتی ہے۔ ہمارے ساتھ بعض ایسے قیدی بھی ہیں جن کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ میر منشی محمود پاشا اُن کی کفالت کر رہے ہیں۔ اُنھیں کپڑے بھی بنا دئیے ہیں ہمیں قیدخانے کے نوکروں کا بھی خیال کرنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ محض ہماری وجہ سے یہاں رکھے گئے ہیں۔ ان حالات کی بنا پر، ہمیں روپیہ کی سخت ضرورت ہے۔

ہمارے رفقاء میں فوج کے بعض بڑے بڑے افسر بھی ہیں انھوں نے ہم سے کچھ روپیہ قرض لے کر کپڑا خریدا ہے۔ بیچارے خود اپنے ہاتھ سے سی رہے ہیں۔ اُن کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہو جاتی انکے لئے ایک خشک روٹی کا بھی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ بعض مجبوراً روزہ رکھتے ہیں۔ ہم پر فرض ہے کہ اُن کی ضروریات زندگی کا حتی الوسع خیال رکھیں۔ ہر ملک میں دولت مند، غربوں کی دست گیری کرتے ہیں لیکن یہاں ان مسکینوں کے لئے اس قسم کا کوئی موقعہ موجود نہیں ہے۔ انسانیت کا تقاضہ ہے کہ ہم ہی انکی خبر لیں۔ لہذا فوراً ۵۰ پچاس پونڈ حکومت کے توسط سے بھیجدو۔ اگر فوراً روپیہ نہ آیا تو میں اپنا پانی کا برتن اور گھڑی بیچنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔ اس صورت میں لوگ بہت قیل و قال کرینگے اور ہمارے ذہن کو تشویش ہوگی۔

بچوں کو بہت بہت پیار"

مدت

قلعہ طائف کا قیدخانہ

۲۵ اگست ۱۹۰۹ء

(۳)

"... پرسوں یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ شریف مکہ (عبداللہ) حسب عادت آجکل طائف میں موجود تھے۔ منگل کی رات کو وہ اپنے گھر میں مطمئن سو رہے تھے کہ اچانک آدھی رات کو تین فوجوں نے آکر اُن کا محل گھیر لیا۔ فوج کے ساتھ ۴ توپیں بھی تھیں۔ صبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ شریف اپنے رات کے کپڑوں میں ہمارے قیدخانے میں قیدی بنے چلے آرہے ہیں۔

کہا جاتا ہے شریف کا جرم یہ ہے کہ اُسنے انگریزوں سے سازش کرنی چاہی تھی۔ اس شخص نے نہیں محض سلطان کے خوش کرنے کے لئے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ خدا نے اس کا بدلہ لے لیا۔ وہی مصیبت اُسپر ڈال دی جسمیں ہم پھنسے ہیں۔ اسمیں ہر عاقل کے لئے عبرت ہے۔ لیکن مجھے اس شخص پر بہت ترس آتا ہے۔ سو برس کا بوڑھا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے ہے۔ یہ واقعہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا ہمیں تمہارے میں پیش آیا تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وہاں توپوں کی تعداد زیادہ تھی۔"

مدت

(۴)

"گزشتہ رمضان سے تمھاری اور بچوں کی کوئی خبر نہیں ملی۔ میں نے بھی تمھیں اپنی مفصل حالت نہیں لکھی۔ کیونکہ نہایت ہی سخت تکلیف میں ہوں۔ پانچ مہینے ہوتے ہیں کہ ہمارے خدمت گار ہم سے علیحدہ کر دئیے گئے ہیں۔ حال میں آستانہ سے عمر بک نام ایک شخص خاص اس غرض سے بھیجا گیا ہے کہ اگر ہماری ایذا رسانی میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو پوری کر دے۔ اس شخص کی عمر، زیادہ ہے، مگر عقل کم ہے۔ اس کے افعال ایسے ہیں جو کسی شریف الطبع آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ یہ ہماری جان لینے پر تُلا ہوا ہے، کیونکہ شاید اُسے یہی حکم ملا ہے یا فرد مقبولیت اس ذریعہ سے حاصل کرنی چاہتا ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ بھوکا رکھنے سے ہم جلد نہ مرینگے بلکہ ہماری زندگی بڑھ جائے گی۔ لہذا کوئی ایسی تدبیر نکالنی چاہتا ہے جس سے میری، محمود پاشا کی، اور خیر اللہ آفندی کی زندگی جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ وہ نوکروں سے کہتا ہے "تم ضرور وطن واپس جانے کے لئے بے قرار ہو گے۔ لیکن جب تک یہ تمھارے آقا زندہ ہیں، تم واپس نہیں جا سکتے۔ ان کے قتل میں میری مدد کرو تاکہ آزادی حاصل کر سکو" چنانچہ اسنے نوری پاشا کے خادم بکر آغا کو بلا کر کہا "تم نوکروں کی قید اُسی وقت ختم ہو گی جب یہ لوگ مریں گے۔ نوری پاشا تو مجنون ہیں۔ کئی دفعہ کمرے کی کھڑکی سے پھاند نا بھی چاہا۔ تم اُن کی اس میں مدد کیوں نہیں کرتے؟ مجھ سے رسّی لو اور کھڑکی کی سلاخ ریت ڈالو۔ تاکہ نوری پاشا پھاند کر ہلاک ہو جائیں"۔

غرضکہ اسنے تمام نوکروں کو بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔ نوکر دلائے اُس کی سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ اسپر انھیں بھی سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ یہ خبریں سُن کر ہم سخت پریشان ہیں ہمیں زہر دینے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک طرف دُنیاوی منفعت حاصل کرنے کے لئے یہ شخص ہمیں مارنا چاہتا ہے، دوسری طرف اخروی ثواب کے لئے حج کرنے بھی گیا ہے۔ یہ سمجھتا ہے اس طرح دین اور دُنیا، دونوں اُسے حاصل ہو جائینگے!

ہم ڈیڑھ برس سے یہاں ہیں مگر آجتک قلعہ کا پھاٹک تک دیکھ نہ سکے۔ عزیز ترین لوگوں سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں ملی۔ ہمارے پاس ایک اجنبی باورچی تھا۔ ڈرا دھمکا کر اُسے بھی رخصت کر دیا گیا یہ حالات دیکھ کر ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمیں جلد اس دُنیا سے کوچ کرنا ہوگا۔

اگر ہمارے ستانے اور اس طرح قفس میں بند رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ قصر شاہی کی سازش پر پردہ ڈالا جائے، تو یہ کوشش بے سود ہے۔ یورپ بھر میں اصلی حقیقت مشہور ہو چکی ہے۔ اخبارات کے صفحوں پر آچکی ہے۔ لیکن اگر ہمیں تکلیف دے کر سلطان اور اُنکے مصاحب خوش ہوتے ہیں تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ احکم الحاکمین سے فریاد کریں اور دعا مانگیں کہ وہ اپنا فیصلہ جلد صادر کر دے۔ اگر تمھیں کوئی مضمون مزاج ملے تو ہماری ناقابل بیان مصیبت کی یہ داستان سُنا دینا۔

قیدخانہ طائف ۵ محرم ۱۳۲۷ھ

(۵)

والئی حجاز عثمان پاشا کے نام

"آپنے رسالہ دار محمد بک کے نام جو خط لکھا ہے، اُس میں شکایت کی ہے کہ میں نے عمر پاشا کے افعال کی اطلاع انگریزی قونصل کو دی ہے۔ حالانکہ میں نے قونصل مذکور کو ہرگز کوئی خط نہیں لکھا۔ بلکہ اس قسم کا کبھی دم بھی پیدا نہیں ہوا کہ اُسے اطلاع بھیجوں۔

عمر پاشا کی حرکتیں ایسی نہیں ہیں کہ زیادہ دنوں تک مخفی رہتیں طائف اور مکہ میں بچہ بچہ اُن سے واقف ہے۔ اگر انگریزی قونصل کو علم ہوا ہے تو تاجروں اور عام باشندوں کے ذریعہ ہوا ہوگا۔

لیکن آپنے دوسرے خط میں پھر مجھے اس معاملہ میں ملامت کی ہے۔ بظاہر آپ کو یقین ہو کہ اسمیں میرا ہاتھ ضرور ہے۔ لہذا میں مجبور ہو گیا ہوں کہ حقیقت ظاہر کر دوں۔

عمر پاشا علی الاعلان کہتے رہے ہیں کہ اُنکے آنے کی غرض ہی قیدیوں کو زہر دے کر قتل کرنا ہے۔ صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی وہ اسے ثابت کرتے رہے ہیں۔ اُنھوں نے کھلے بندوں نوکروں کو مشورہ دیا کہ اپنے آقاؤں کو دن دہاڑے مار ڈالیں۔ نوکروں نے ایسا نہیں کیا تو اُنھیں قید کیا گیا اور سخت تکلیفیں دی گئیں۔

احباب کو اگر یہ شرمناک حالات معلوم ہو گئے ہیں تو یہ کچھ عجیب نہیں ہے۔ انگریزی قونصلوں کا کام ہی یہ ہے کہ خبریں معلوم کر کے اپنی حکومت کو مطلع کرتے رہیں۔ باہر ہمارا کوئی ایسا معتمد علیہ موجود نہیں جسپر ہم اس طرح کے معاملات میں بھروسہ کر سکیں۔ پھر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے انگریزی قونصل کو اطلاع پہنچائی ہوگی؟ ہمارے نوکر بھی آزاد نہیں ہیں کہ اِدھر اُدھر جا سکیں۔ وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ قلعہ سے نکلتے ہیں تاکہ ضروری اشیا بازار سے خرید لیں اور اُسوقت بھی مسلح افسروں کی حراست میں رہتے ہیں۔

نہیں معلوم تمھارے ضمیر نے یہ کیونکر گوارا کیا کہ ہمیں ملامت کرو۔ تمھارے خیال میں اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اپنی آزادی، اولاد، احباب، مال و متاع سب سے بیتے جی محروم کر دئے گئے ہیں، اور ایک قفس میں جانوروں کی طرح محبوس ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں کی صحت بھی معلوم نہیں کر سکتے؟ یقیناً یہ ایسا برتاؤ ہے جسے دنیا کا کوئی قانون، کوئی شریعت، کوئی انصاف پسند انسان جائز قرار نہیں دے سکتا!

اگر یہ نئی تہمت تراشنے سے مقصود یہ ہو کہ ہماری عزیزوں کو خط و کتابت بھی موقوف کر دی جائے تو وہ ہماری اس قید کی وجہ سے پہلے ہی سخت بدبختی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ مردہ کو مارنا کہاں کا انصاف ہے؟

تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ تمہارا میں میں نے فرانسیسی قونصل سے پناہ چاہی تھی۔ یہ حقیقت سے تمھاری جہالت کی دلیل ہے۔

میں صوبہ سمرا جیسے ایک بڑے صوبے کا حاکم تھا۔ اچانک ایک رات میرے گھر کا فوجوں نے محاصرہ کر لیا۔ مجھے قید کر کے لے چلے۔ میں اپنی عورتوں اور بچوں کا گریہ و بکا اپنے کانوں سے سُنتا تھا مگر اُنھیں تسلی تک نہیں دے سکتا تھا۔ اُسوقت میرے دل کی کیا حالت ہوگی؟ اس کا جواب میں خود تمھارے ضمیر سے چاہتا ہوں۔

اگر تم مجھے اس لئے ملامت کرتے ہو کہ حکومت کی حرکتوں کو حق بجانب قرار دوں، تو یہ کوشش بے فائدہ ہے۔ میں دو مرتبہ وزیر اعظم رہ چکا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود بھی مجھ سے یہ ذلت آمیز برتاؤ کیا گیا اور بغیر کسی جرم کے قید میں ڈال دیا گیا۔

تم نے لکھا ہے تم ایسی باتوں کی اجازت دے نہیں سکتے اور اب تم ہماری زبانیں بند کر دو گے۔ ہماری زبانیں اب بھی بند ہیں۔ معمولی افسروں اور سپاہیوں کی ہمپر حکومت ہے۔ ہم زبان ہلا نہیں سکتے۔ تم اس وقت اختیار رکھتے ہو۔ ہم بے اختیار ہیں۔ جو تمھارے دل میں آئے شوق سے کرو۔ ہمیں اعتراض کا بھی حق نہیں ہے۔ تم ہمیں "مجرم" کہتے ہو۔ ہم اس پر بھی معترض نہیں ہو سکتے۔ لیکن میں تمھیں وہ گفتگو یاد دلاتا ہوں جو تم نے دارالحکومت میں مجھ سے کی تھی تم نے انسانیت، مروت، شرافت کا ذکر کیا تھا۔ کیا یہ موجودہ برتاؤ اِن صفات کے مطابق ہے؟

قیدخانہ طائف، ۲ صفر ۱۳۲۷ھ

(۶)

نعیم ہاشم کے نام

"... پچھلے دنوں مشہور کر دیا گیا کہ میں ہندوستان یا یورپ بھاگ

گیا ہوں۔ اخبارات کو یہ خبر شایع کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ فرانس کے اخبار "طان" تک کو گمراہی میں ڈال دیا گیا اور اُسنے بذریعۂ تار اُن اخباروں تک دریافت کیا۔ اس سے پہلے یہ افواہ مشہور کی گئی تھی کہ میں مجنون ہوگیا ہوں۔ معلوم نہیں اس کذب و دروغ سے حکومت کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

طائف۔ ۳ رستہ ۱۳۳۰ھ

(۷)

اپنے مرشد سلیمان آفندی کے نام

"... مدت میں یہی تھا کہ ہم اپنے اہل و عیال اموال و متاع سے جیتے جی دور اور اپنی آزادی سے محروم ہوجائیں۔ ہم جس مصیبت میں گرفتار ہیں، اُس کا تصور بھی کوئی نہیں کرسکتا۔ صرف ذات الٰہی باقی رہے گی۔ کوئی مخلوق بھی دائمی زندگی نہیں پائے گی۔ سب کے لئے زوال ضروری ہے:

لا یغرنّ امرأ عیشہ کل حیّ صائر للزوال!

یہ چند روزہ زندگی، ایک کھیل ہے۔ بلکہ ایک پل ہے جس پر سے انسان گزر جاتا ہے۔ زندگی کی حرص و طمع، لاحاصل ہے۔ ان مصائب پر اللہ تعالیٰ بندوں کا ثواب زیادہ کردیتا ہے۔ ہمارے لئے انبیاء و اولیاء کا اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ ان میں اکثر قید خانوں ہی میں مرے۔ امام ابوحنیفہ اور امام موسیٰ کاظم کی مثال ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔

میری حالت اسوقت یہ ہے کہ ہر لحہ یہ مقولہ زبان پر رہتا ہے۔ "کن فی الدنیا کانک غریب" (دنیا میں اس طرح رہو گویا پردیس میں) زندگی کے آخری مرحلے تک پہنچ چکا ہوں۔ عمر ۶۰ سے زیادہ ہوگئی ہے۔ اب مجھے ہر لحہ حیات غنیمت سمجھنا چاہئے اور آخرت کی تیاری کرنی چاہئے۔ میرے پاس بعض کتابیں موجود ہیں۔ اُن میں آپ کا مجموعۂ رسائل بھی ہے۔ اس کتاب سے مجھے عبادت الٰہی میں بہت مدد ملتی ہے لیکن انسان تنہا اپنی رائے سے ہر قسم کی ریاضت نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اے شیخ جلیل! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری اُس راستہ کی طرف رہنمائی کیجئے جو خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ میں یہاں دور سے بھی آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں۔ کیونکہ معنوی علاقہ، جسمانی اتصال کا محتاج نہیں۔ آپ مجھے تحریر کے ذریعہ ہدایت دیجئے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو خود تشریف لائیے اور زبانی رہنمائی کیجئے۔ میں بے صبری سے آپکے تحریری یا زبانی جواب کا منتظر رہوں گا۔"

قید خانۂ طائف۔ ۱۹ شوال ۱۳۳۰ھ

(۸)

نعیمہ ہانم کے نام

"گزشتہ ماہ ایک خط "سعید بک" کے ذریعی وسطحہ سے بھیج چکا ہوں اس کے ایک ہفتہ بعد، دو پھوڑے نکل آئے۔ ایک پیٹھ میں، دوسرا پہلو میں۔ یہاں صرف ایک ڈاکٹر ہے اور وہ بھی نومشق ہے۔ دوستوں کو میری بیماری سے سخت تشویش ہوئی۔ اُنھوں نے میری لاعلمی میں والی مکہ کو بتجربہ کار طبیب بھیجنے کے لئے لکھا۔ مگر والی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں صاحب فراش تھا اور قصر سلطانی سے برابر احکام آرہے تھے کہ مجھے اور میرے رفقاء کو قتل کردیا جائے۔ چنانچہ ہمارا خاص کھانا موقوف کردیا اور ہمارے نوکر بھی علٰحدہ کردئے گئے۔ میں بستر مرگ پر پڑا تھا کہ ایک افسر نے آکر حکم پہنچایا "تمھیں بھی وہی کھانا ملے گا جو دوسرے تمام قیدیوں کو دیا جاتا ہے۔ لہٰذا بازار سے کوئی چیز نہ خریدو تمھارے خاص برتن بھی لے لئے گئے۔ قید خانہ کے برتنوں میں کھاؤ پیو کپڑے بھی اپنے ہاتھ سے دھونا پڑینگے!" پھر اُسنے ہم سے کاغذ، قلم، دوات وغیرہ لکھنے پڑھنے کا تمام سامان بھی لے لیا اور چلا گیا۔

الحمدللہ میں نے تمھارے تمام خطوط پہلے ہی سے جلا دئے تھے، اور انھیں ایک اور بہانہ ستانے کا مل جاتا۔ خیر اللہ آفندی کی بیوی اور ۲½ برس کی عمر کا بچہ قلعہ کے قریب ایک مکان میں تھے۔ اُنھیں بھی نکال دیا گیا۔ اسوقت یہ لوگ مکہ میں مقیم ہیں۔

اس سختی سے حکومت کی غرض یہ ہے کہ ہم جلد سے جلد مرجائیں کیونکہ ہم لوگ اچھے کھانوں کے عادی ہیں۔ قیدیوں کا کھانا کھاکر ضرور ہلاک ہوجائیں گے۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ ہمیں ہر ممکن تکلیف بھی دی جارہی ہے کیونکہ حکومت کو شبہ ہے کہ یہ لوگ قیدیوں کا کھانا کھانے پر بھی زیادہ دن زندہ رہیں گے۔ جب سے میرے رفقاء نے یہ حکم سنا ہے، نہایت پریشان ہیں اور شب و روز اللہ تعالیٰ سے دعائیں کررہے ہیں۔

اس مہلک بیماری میں مجھے آرام کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ مگر میرے خادم کو بھی لے گئے۔ اسی قدر نہیں بلکہ طبیب کی آمد و رفت بھی روک دی۔ اس سے بھی بڑھ کر افسر کی گستاخانہ گفتگو نے مجھے اذیت دی۔ میری بیماری بہت زیادہ ہوگئی۔ موت کا قطعی یقین تھا۔ دنیا سے سفر مجھے از حد خوشی تھی۔ لیکن افسوس، موت قسمت میں نہ تھی۔ زندگی کا معاملہ، صرف خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ میری طلب پر بھی موت نہ آئی۔ میرے رفقاء نے ایک مرہم خود بناکر پھوڑوں پر لگا دیا تھا۔ وہ اُس سے پھوٹ گئے۔ ۱۵ دن میں زخم بھر گئے۔ اب میں پھر زندہ ہوگیا ہوں۔

افسر نے میرے خادم کو جدہ بھیجدیا تھا تاکہ آستانہ پہونچا دیا جائے مگر قصر شاہی سے حکم آیا کہ اُسے وطن آنے نہ دیا جائے، بلکہ قید کردیا جائے۔ چنانچہ وہ غریب بھی قید ہے۔ اس حادثہ سے مجھے بہت رنج پہونچا۔ میں خوش تھا کہ مسکین کو اب مصیبت سے نجات ملی مگر میری خوشی، صرف چند روزہ تھی۔ اب مجھے اپنی مصیبت کے ساتھ اُس کی مصیبت پر بھی غم کھانا ہے۔

روپیہ، کپڑے، ماکولات، کوئی چیز بھی نہ بھیجنا کیونکہ مجھے کچھ بھی پہنچ نہیں سکتا۔ اور اگر پہنچے بھی، تو بے کلدہ ہے۔ روپیہ اس لئے بیکار ہے کہ ہم کوئی چیز خرید نہیں سکتے۔ کپڑے اس لئے بیکار ہیں کہ کپڑے دُھلوانے کی ہمیں اجازت نہیں۔ خود اپنے ہاتھوں سے دھوکر پہننا ہیں۔ اس حالت میں پُرانے اور نئے کپڑے یکساں ہیں۔ لہٰذا کوئی چیز بھی نہ بھیجو۔

ہمارے لئے جو کھانا مقرر ہوا ہے وہ صرف شوربا ہے۔ ایک ظرف میں ۸ آدمیوں کے لئے شوربا آتا ہے اور ہرگز کافی نہیں ہوتا۔ شام کو مولی کے پتوں کا شوربا ہوتا ہے۔ ہم لوگ یہ کھانا بالکل کھا نہیں سکتے۔ بھوکوں مر رہے ہیں۔ بہت ناتوان ہوگئے ہیں۔ ہر لحظہ موت کا انتظار ہے۔ دیکھا چاہئے ہم میں کون پہلے قبر میں جاتا ہے۔"

بچوں کو پیار۔ سب کو سلام

۸ جمادی الاخر ۱۳۳۱ھ

(۹)

نعیمہ ہانم اور فرزند عزیز علی حیدر کے نام

"یہ غالباً میرا آخری خط ہے۔ کیونکہ ہمارا کھانا بند ہوچکا ہے اور سخت تکلیفیں دی جارہی ہیں، جیسا کہ پچھلے خط میں لکھ چکا ہوں۔

اب وہ ہمیں زہر دینے کی کوشش کررہے ہیں۔ بلکہ کئی مرتبہ دے بھی چکے ہیں لیکن میرے خادم عارف (جو اب میرے ہی ساتھ قید ہے) کی وفاداری اور بیداری کی وجہ سے اب تک اُنھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ ایک دن عارف نے ایک افسر کے ذریعہ دودھ خریدا۔ افسر نے اُس میں زہر ملا دیا تھا۔ عارف پہچان گیا اور دودھ پھینک دیا۔ ہم دن بعد عارف نے گوشت خرید کر میرے لئے پکایا۔ مگر اُسکے ہٹتے ہی اُس میں زہر ڈال دیا گیا۔ چند دن بعد ہمارے پانی کی صراحی میں زہر

بلا دیا گیا۔ ہمارے محافظ بکر آفندی پر کسی نے اعتراض کیا ہو کہ قصر شاہی سے روز تاکیدی حکم آرہے ہیں کہ ہمیں فوراً مار ڈالا جائے۔ چنانچہ عثمان پاشا والی مکہ نے محمد بک پر کسی کو مکہ معظمہ سے خاص اسی غرض سے یہاں بھیجدیا ہو اور وہ قتل کی طیاریوں میں لگا ہوا ہو۔ ظاہر ہو ہم ان تمام قوتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ موت یقینی ہے۔ شاید اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی تمھیں میری موت کی خبر پہنچے۔ لیکن تم رنجیدہ نہ ہونا۔ کیونکہ مجھے اُمید ہے یہ موت، میرے تمام گناہوں کا کفارہ ہوگی۔ میں اپنے وطن اور امت کی راہ میں مر رہا ہوں۔ میری وصیت یہ ہو کہ حکومت کوشش کرے گی تمھیں آستانہ لے جائے اور تمھارا وظیفہ مقرر کرے۔ مگر تم ایسے منظور نہ کرنا۔ اپنے گھر ہی میں رہنا۔ میری بہن صدیقہ ہانم کو اپنے ساتھ رکھنا اور ترکہ میں سے اُنھیں بھی حصہ دینا۔ میں نے تمھیں خدا کے سپرد کیا۔

۱۰ رجب ۱۳۳۱ھ

آخری خط

شہادت سے ایک دن پہلے لکھا گیا

علی وصفی آفندی کے نام

میں تمھیں پہلے بھی خط لکھ چکا ہوں۔ اپنی سوانح عمری کا ایک جزو ختم کرکے تمھیں بھیج چکا ہوں۔ پڑھنے کے بعد سمرنا بھیجدینا۔ اب زندگی کی کوئی امید باقی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ زہر دینے میں کامیاب رہے۔ اب کوئی دوسری تدبیر کرینگے۔ میں ہر لحہ خداوند تعالیٰ سے مغفرت کی دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ اگر میں مرجاؤں تو فقراء پر دس پونڈ خیرات کردینا جو تمھارے پاس امانت ہیں۔ اگر اس سے زیادہ خرچ کرنا تو سمرنا سے روپیہ طلب کرلینا۔ فوراً آجائے گا۔ میرے مرشد شیخ سلیمان کی دست بوسی کرو اور میرے حق میں دعا کی درخواست کرو۔ درویش صلاح الدین پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ اُس کی طبیعت کا حال معلوم ہے۔ بلا ضرورت مجھے نہ لکھنا۔ آئندہ شاید میں بھی کچھ لکھ نہیں سکوں گا۔ کیونکہ حالت بہت خطرناک ہوگئی ہے۔ والسلام

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلۂ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱ سے ۵ تک

بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگنی قیمت پر

خریدنے کے لئے طیار رہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے

مینجر

تاریخ و عبر

ہندوستان

انگریزی حکومت سے پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

خود انگریز مدبّروں اور مصنّفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مدبّروں کی شہادت

"بنگال اپنی پیداوار اور ہر چیز کی فراوانی میں، دنیا کے ہر شہر سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ یہ علاقہ اس قدر زرخیز تھا کہ انسانی ضروریات اور عیش و عشرت کا جملہ سامان بآسانی مہیا کرتا تھا۔ کیونکہ یہاں ہر قسم کے مویشی، بارہ ماسی پھل، بکثرت غلہ، ہر قسم کا کپڑا خصوصاً نفیس ریشم اس قدر زیادہ موجود تھا کہ دنیا کے کسی علاقہ میں بھی نہ ہوگا۔ ۱۵۰۳ء" (الفنسٹن جلد ۲)

"باشندے عام طور پر نہایت تہذیب اور آرام سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنی جان و مال کی طرف سے بالکل مطمئن تھے، کیونکہ بادشاہ اپنی رعایا کو نہ تو جھوٹے الزاموں پر ماخوذ کرتا تھا، نہ اُس کی مال و دولت اور شاندار زندگی پر حسد کر کے اُسے اُس سے محروم کرتا تھا۔"
(پاسٹر ولڈویل ۱۶۲۳ء)

"بادشاہ کے ذاتی کمرے اور شاہی دربار اپنی چمک دمک میں، نگار خانۂ چین ہو رہے تھے، محل کی ہر ہر چیز اُس سلیقہ اور ہنرمندی کی زندہ شہادت تھی جو اُسمیں صرف کی گئی تھی۔ عظیم تخت شاہی، جو "کوہ نور" ہیرے کے ساتھ کئی صدی پہلے ایران سے لایا گیا تھا، ٹھوس سونے کا تھا، اور دو عظیم الشان طاؤسوں پر قائم تھا، جن کی پھیلی ہوئی دمیں بیش بہا جواہرات سے مرصع تھیں... اس طرح شہنشاہی عظمت قلعہ دہلی کے اس کتبہ کو صحیح ثابت کر رہی تھی کہ

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است!

(قدیم و جدید دہلی مصنفہ ایل گینی)

"تمام زمانوں میں سونا خصوصاً چاندی کی برآمد ہندوستان کی بہت پر منفعت تجارت تھی۔ روئے زمین پر کوئی ملک بھی اپنی ضروریات اور کمالیات میں ہر گز ان ممالک سے اتنا مستغنی نہ تھا جتنا یہ ملک تھا مناسب آب و ہوا، زرخیز سرزمین، اور خود باشندوں کی ذہانت نے وہ سب کچھ مہیا کر دیا تھا جس کی انھیں ضرورت تھی۔" (ڈاکٹر رابرٹسن)

"بنگال اپنے لاتناہی خزانوں سے اپنے آقاؤں کو دنیا کا سب سے زیادہ دولتمند بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" (کلایو کے خطوط ۱۷۶۵ء)

"نواب شائستہ خاں کے عہد (۹۴-۱۶۸۰) میں ایک روپیہ میں ۸ سیر چاول فروخت ہوتے تھے۔" (جے ٹیلر)

"شہر ڈھاکہ میں ۲۰ بازار اور ۳۰ سڑکیں تھیں (۴)

شہر مرشد آباد اس قدر دلچسپ اور دولتمند ہے جس قدر خود شہر لندن۔ فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں لوگوں کی ذاتی جائدادیں آخر الذکر سے بہت زیادہ ہیں۔ اس کی آبادی کئی لاکھ ہوگی۔ اور اگر وہ یورپین باشندوں کو فنا کرنے کا ارادہ کریں تو صرف لاٹھیوں اور پتھروں سے کر سکتے ہیں۔"
(پارلیمنٹری کمیٹی کے سامنے کلایو کی شہادت ۱۷۶۰ء)

"بنگال کی سلطنت، چھ سو میل لانبی، تین سو میل چوڑی اور دنیا کی ایک نہایت ہی وسیع اور زرخیز میدانی سرزمین کی مالک ہے۔ جہاز رانی کی صلاحیت رکھنے والے متعدد دریاؤں سے سیراب ہوتی ہے، اپنے دامنوں میں ڈیڑھ کرور جفاکش انسانی آبادی رکھتی ہے، یہی نہیں بلکہ اس سے دوگنی آبادی کے لئے پیداوار کی قابلیت رکھتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے خاص اپنے ہاتھوں سے اسے دنیا بھر سے زیادہ زراعت کے لائق بنا دیا ہے۔" (ڈاد ۱۷۸۱ء)

"سراج الدولہ کی وفات کے بعد بنگال کے سیاح تصدیق کرینگے کہ یہ دنیا کی سب سے زیادہ مالدار، آباد، اور زرخیز سلطنت تھی، تجار اور امرار دولت و ثروت اور عیش و آرام میں غرق تھے۔ دستکار اور صناع، اطمینان اور فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے۔" (۱۷۵۷ء)

"پبلک کو ہر طرح پریشان کر کے ملک ویران کر دیا گیا تھا۔ چھ سال کے قلیل زمانہ میں دولتمند قلمرو کے نصف بڑے بڑے شہروں کو بالکل اُجاڑ دیا گیا تھا۔ دنیا کی سب سے زیادہ زرخیز زمین تباہ کر ڈالی گئی تھی اور ۵۰ لاکھ بے ضرر اور محنتی انسانوں کو جلا وطن یا برباد کر دیا گیا تھا۔"
(ایسٹ انڈین کمپنی کے عہد میں بنگال ۱۷۸۱ء)

"جتنی رقمیں بھی دہلی پہلے بھیجی گئی ہوں، وہ سب کی سب بنگال کی وسیع تجارت کے منافع سے وصول ہو جاتی تھیں۔ بنگال کی تجارت پورے ہندوستان کی دولت کا مرکز تھی... اس صورت حال سے موجودہ زمانہ کے حالات کس قدر مختلف ہیں؟ جب سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی نظامت تمہارے (انگریزوں) ہاتھ میں آئی ہے، یہ صوبے اپنی خوشحال آبادیوں اور دستکاریوں کی قدیم اہمیت سے کس قدر محروم ہو گئے ہیں؟" (دیو آف بنگال)

"ہندوستان کبھی مغلوب نہ ہوتا اگر خود اُس کے فرزندوں کی مدد نہ ہوتی۔"
(سر جان میکم)

"ہندوستان ایک ایسی فوج سے فتح ہوا ہے جس کے تین حصے خود ہندوستانی سپاہی تھے اور صرف ایک حصہ انگریز تھے۔

.....

جبکہ ہم یہاں ہندوستان میں ایک اتنی بڑی آبادی کے فتح کرنے میں مصروف تھے، جو پورے یورپ کی آبادی کے برابر تھی، تو اُس وقت انگلستان میں انگریزوں کو اس مقصد کے لئے نہ تو ٹیکس دینا پڑا، نہ قرضہ لینا پڑا، نہ کسی الجھن کا سامنا ہوا، اور نہ ہی کوئی جنگی بھرتی کی ضرورت پڑی۔

.....

جو کچھ میں نے کہا اُس کا مقصود یہ ہے کہ ہندوستان کی فتح، صحیح معنی میں ہرگز فتح نہیں ہے، کیونکہ یہ انگلینڈ کی حکومت، فوج، اور روپیہ سے عمل میں نہیں آئی۔ انگلینڈ نے صحیح معنی میں ہندوستان کو فتح ہی نہیں کیا.... (ایکسپینشن آف انگلینڈ۔ پروفیسر سیلی)

"اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اُس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح نہ بھی ہو، بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحاد عمل ہندوستانیوں کے لئے شرمناک ہے، تو اُسی وقت سے ہماری شہنشاہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں اور اُسپر فاتحانہ حکمرانی نہیں کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے۔" (۱۸)

"جنگ پلاسی کے بعد ہی بنگال کی لوٹ، انگلستان پہنچنے لگی اور اس کا اثر فوراً نمودار ہوا۔ تمام مورخ متفق ہیں کہ انگلستان میں جس صنعتی انقلاب نے انیسویں صدی کو تمام پچھلے زمانوں سے ممتاز کر دیا اُس کی بنیاد اسی جنگ کے بعد یعنی ۱۷۶۰ء میں پڑی تھی۔"
(مسٹر بروک آڈم)

اکثر موجودہ یورپین قوموں کی خوشحالی، قدیم تہذیب کی نمائندہ مشرقی قوموں کی لوٹ پر قائم ہوئی ہے۔ انگلستان کی صنعتی برتری

سراسر بنگال اور کرناٹک کے عظیم خزانوں کی لوٹ سے شروع ہوئی جنگ پلاسی سے پہلے ہمارے ملک (انگلستان) کی صنعت نہایت پست تھی
(ڈیگبی)

تین کروڑ انسانوں کو لوٹ کر کلکتہ میں عظیم الشان دولت بہت جلد جمع کر لی گئی تھی ... قدیم زمانوں میں معمولی مظالم پر ہندوستانی اپنے حاکموں کو برطرف کر دیا کرتے تھے۔ مگر انگریزی حکومت ہلنے والی نہ تھی یہ حکومت سنگ دل سے سنگ دل وحشی اور مستبد حکومتوں کی طرح ظالم اور سخت تھی۔ مزید براں تمام تمدنی طاقتور ہتیاروں سے مسلح تھی۔
(لارڈ کلایو پر میکالے کا مضمون)

یہ مالامال خزانے، کروڑوں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی، انگریزوں نے ہتیا کر لندن اُسی طرح بھیجدی، جس طرح رومن نے یونان اور پونٹس کے خزانے اٹلی بھیجدیئے تھے، ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے؟ کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ ضرور کروڑوں اشرفیاں ہونگی۔ اتنی دولت اُسوقت کی مجموعی یورپین دولت سے بھی بہت زیادہ تھی۔ (بروک آڈم)

جب میں ۱۷۵۰ء میں انگلستان آیا تو یہاں بڑے بڑے شہروں کے علاوہ ملک بھر میں بارہ بینک بھی موجود نہ تھے۔ بنگال کی چاندی نے انگلستان پہنچکر نہ صرف دولت میں بے شمار اضافہ کیا بلکہ اس کی رفتار بھی بہت تیز کر دی (بروک)

ہمارے خیال میں یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت سے حاصل کی ہے ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جابرانہ دستور العمل سے مہیا ہوئی ہے ایسا دستور العمل جس کی نظیر نہ کسی ملک میں ملتی ہے نہ کسی زمانہ میں۔ (ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی یادداشت ۱۸۱۱ء)

سرسری اندازہ کے ساتھ، بڑی آسانی سے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ جنگ پلاسی اور جنگ واٹرلو کے درمیانی زمانہ میں ہندوستان سے انگلستان کو پندرہ ارب روپیہ جا چکا تھا۔ (میجر وینگیٹ)

ہندوستان، انیسویں صدی میں انگلستان کو کم سے کم ایک ارب ۵۰ کروڑ روپیہ دے چکا ہے۔ ہمارے ہم وطنوں (انگریزوں) کا ۱۳ کروڑ روپیہ ہندوستانی تجارت میں لگا ہے۔ اس طرح ہندوستان کی تجارت ہمارے لئے دنیا کے تمام ملکوں کی تجارت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ہندوستان میں ہمارے حوصلہ مند نوجوانوں اور بے شمار فقیروں کو روٹی مل رہی ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ میں ہمارے ملک کو ہندوستان کا قبضہ بہت زیادہ طاقتور، باعزت، اور با اثر بنا رہا ہے۔ تمام اعلیٰ خیالات، مسیحی حکمرانی اور تہذیب کے فرائض سے قطع نظر کر کے، ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہندوستان کو ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا چاہئے۔ انگریز بھاری سے بھاری قربانیاں کرنے کو طیار ہیں مگر یہ سونے کی چڑیا کسی حال میں بھی اپنے ہاتھ سے اوڑنے نہیں دیں گے!
(میجر وینگٹ ۱۸۵۹ء)

ہندوستان نے ہمارے لئے سب کچھ کیا ہے کرۂ زمین پر ہمیں ویسا ہی مہتم بالشان جزیرہ بنا دیا ہے جیسا جاپان کو اُس کے جزائر نے۔ ہم اتنی بڑی سلطنت ہو گئے ہیں جتنی دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس احسان پر ہمیں ہندوستان کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہئے۔
(سر جارج برڈوڈ)

ہندوستان کا ہمیشہ خون چوستے رہنا چاہئے۔
(لارڈ سالسبری ۱۸۷۵ء)

میں پوری متانت سے اعلان کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کے مظالم سے مالابار کی مخلوق فنا ہو گئی اور ملک برباد کر ڈالا گیا۔ موجودہ گورنمنٹ نے ملک اور اُس کے باشندوں کو مفلس اور ذلیل کر ڈالا ہے۔
(فرانسس براؤن: سیلکٹ کمیٹی رپورٹ ۱۷۸۱ء)

ہندوستان کا نظارہ، دماغ پر افلاس اور افسردگی کا اثر قائم کر دیتا ہے۔ ملک سے زیادہ اُس کے عام باشندے اُداس ہیں۔ وہ کمزور اور خستہ نظر آتے ہیں۔ اُنکے کپڑے میلے کچیلے پھٹے پرانے ہیں۔ وہ سب غریب معلوم ہوتے ہیں اور محض ایک ٹکڑا روٹی پانے کے لئے جان توڑ محنتیں کرتے ہیں، وہ لاغر اور مرجھائے ہوئے ہیں۔
(سر فریڈرک ٹرولین ۱۸۲۰ء)

برطانوی ہند کی دیہاتی آبادی کی حالت کیا ہے؟ اب وہ اُس مطمئن اور خوش و خرم قوم کی نمائندگی نہیں کرتی جس کا حال ہم قدیم تاریخوں میں پڑھتے ہیں شکستہ روح، پست دماغ، خستہ حال غریب رعیت کی ایک یہی آرزو رہ گئی ہے کہ آئندہ فصل پلنے تک وہ بھولوں مر جائے۔ (دی تھری پریسیڈینسیز آف انڈیا)

آج ہندوستان کی عام آبادی اس قدر قلاش ہو رہی ہے کہ اس کے پاس بمشکل قوت لایموت باقی ہے۔ عیش و عشرت تو درکنار، ہندوستانی بمشکل اپنے بال بچوں کی شکم پری کر سکتا ہے"
(لارڈ لارنس ۱۸۶۴ء)

برطانوی صنعت بڑھانے کے لئے ہندوستانی دستکاری کا گلا گھونٹنا بڑے فخر کے ساتھ انگریزی تدبر قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ برطانوی قساوت کا ایک بہت ہی بڑا ثبوت ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کے لئے انگریزوں نے کس طرح چنگی اور محصول لگا کر ہندوستان کی صنعتی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ (مسٹر شور)

---

۱۸ سے ۳۰ سال کی عمر والی ہندوستانی عورتیں بہترین سوت کاتتی ہیں۔ روپیہ بھر وزن کی روئی سے ۴ میل سے بھی زیادہ لمبا سوت طیار کر سکتی ہیں۔ (جیمس ٹیلر)

وہ انگریزی حملہ ہی تھا جسنے چرخہ ہلاک کر دیا۔ انگلستان نے خود ہندوستان کے بازاروں سے ہندوستانی کپڑا بے دخل کر دیا۔ اُسنے اس ملک میں اپنا سوت بھیجنا شروع کیا، یہاں تک کہ دیسی سوت غائب ہو گیا۔ یہ ملک جو روئی کا مرکز تھا، بدیشی سوت کا دست نگر ہو گیا۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۳۷ء تک ہندوستان میں انگریزی سوت کی درآمد ایک سے شروع ہو کر ۵۲۰۰ گنا ہو گئی! (کارل مارکس: برٹش رول ان انڈیا)

ہمارا تعلق ہندوستان سے بہت گہرا ہے۔ دنیا میں یہ ملک سب سے بڑا بازار ہے۔ ہم وہاں بحیثیت تاجر کے گئے ہیں۔ باوجود موجودہ زمانہ کی تمام لفاظیوں کے ہماری ہندوستانی حکومت ایک مادی بنیاد پر قائم ہے جسے ان لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہم تمہاری حفاظت کریں، تم ہمارا مال خریدو۔ اگر ہم ہندوستان چھوڑ دیں تو اس سے نہ صرف ہندوستانیوں ہی کو نقصان پہونچے گا بلکہ لنکا شائر کے ایک کروڑ ۲۰ لاکھ آدمی بھوکوں مر جائیں گے اور ہماری تمام صنعتی زندگی ختم ہو جائے گی۔ تمام باتوں کا ہمارے پاس صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ "کچھ ہی ہو ہماری قوم کو زندہ رہنا ہے"! بغیر ہندوستان کی تجارت اور دستکاری پر قبضہ رکھے یہ قوم اس تنگ جزیرہ میں کسی طرح بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ (مسٹر وہائٹ ۱۸۴۲ء)

موافق موسم میں سال بھر خرچ کرنے کے بعد ۰۰،۰۰،۰۰،۴۰ من غلہ ہندوستان میں بچ رہا تھا۔ (قحط کے کمیشن کی رپورٹ ۱)

۱۷۴۰ء میں بنگال دنیا کا سب سے زیادہ مالدار، آباد اور زرعی ملک تھا۔ (بنگال کی تحقیقات ۱۸۲۴ء)

گورنمنٹ نے کسانوں پر اتنا زیادہ لگان لگا دیا ہے کہ اُنکے اور اُنکے بال بچوں کی سال بھر کی خوراک بھی اکثر نہیں بچتی۔
(سر ڈبلو۔ ہنٹر ۱۸۷۵ء)

جنگل کٹ جانے کی وجہ سے ہندوستان کے باشندوں پر دو نئی مصیبتیں اور بڑھ گئیں۔ ایندھن کا فقدان اور بارش کی کمی۔
(بیرون ہن بورڈ)

انگریزی سلطنت کے آغاز ہی میں ہندوستان کے جنگل تیزی سے برباد کر ڈالے گئے۔ (پروڈکشن ان انڈیا)

جنگل، قومی دولت کا ایک بہت اہم سرچشمہ ہیں جنگل، اوس پیدا کرتے ہیں اور موسم کا اُتار چڑھاؤ روک کر اعتدال قائم کرتے ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں گرمی اور بارش بہت ہوتی ہے جنگل کی اہمیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ (〃)

اکبر کے عہد میں نہروں کا ایک ایسا بڑا سلسلہ قائم کیا گیا تھا جیسا پہلے کبھی نہ تھا۔ (کیپر صفحہ ۳۵۳)

فیروز شاہ نے اپنے عہد میں دریاؤں پر تیس بند قائم کئے تھے پانی محفوظ رکھنے کے لئے ۳۰ عظیم الشان حوض بنائے تھے اور ایک اتنی بڑی نہر کھدوائی تھی جو اپنے وقت میں سب سے بڑی نہر تھی۔
(〃 〃)

دہلی کی نہر، جسے شہنشاہ شاہجہاں نے بنوایا تھا، نہایت ہی وسیع اور مضبوط تھی۔ (ڈوڈ)

پورے جنوبی ہندوستان میں گنجام سے راس کماری تک ایسے عظیم الشان اور غیر معمولی تالابوں کے نشان ابتک موجود ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (فرانسس براؤن)

ہندوستان کے نام نہاد "وحشی" پرانے حکمران رعایا کی منفعت کے کاموں پر اتنی دولت خرچ کرتے تھے جس سے اُس زمانہ میں پوری یورپین جنگی قوت قائم ہو سکتی تھی۔ (تھری پریسیڈینسیز آف انڈیا)

ہندوستان کے موجودہ حکمرانوں (انگریزوں) نے پرانے ہندوستانی بادشاہوں کی رعایا پروری کی خوب نقل اُتاری ہے۔ یہ بھی کبھی کبھی نہریں کھودتے ہیں مگر اپنی تنگ نظری کی وجہ سے مستقبل کو دیکھنے کے بجائے اپنی فوری منفعت پر نظر رکھتے ہیں۔ مگر اس نقالی میں وہ اپنے پیش رو "تاتاری" حکمرانوں کی فیاضی کی تقلید نہیں کرتے۔ (〃)

انگریزوں نے ہندوستان کے لئے ارزاں ذرائع نقل و حرکت اور آب پاشی کی ضرورت تو محسوس کی۔ مگر یہ محسوس نہ کیا کہ ہندوستان میں تیز ذرائع نقل و حرکت سے بھی زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ خشک سالی کے زمانہ میں غلہ فراہم کیا جائے۔ اُنھوں نے وسیع ریلیں جاری کردیں مگر وہ جہازرانی کے لائق دریا بنانے کی ہمت نہ کرسکے۔ کیونکہ ایسے دریا، ریلوے کے مدمقابل ہوجاتے اور وہ نفع کم کردیتے جو ریلوں سے حاصل ہوتا ہے اور جس سے انگریز فائدہ اٹھاتے ہیں، قدرت نے ہندوستان کو بڑے بڑے دریا عطا کئے ہیں جو قدیم زمانہ میں تجارت کے راستے تھے۔ اور ان دریاؤں سے نکلی ہوئی نہریں باشندوں کے لئے نہایت ہی مفید ہوسکتی تھیں۔ وہ سستے طرق مواصلات اور نقل و حرکت کا کام بھی دے سکتی تھیں اور پیداوار کو ترقی دیکر فصلوں کی محافظ اور قحطوں کی سدراہ بن سکتی تھیں مگر انگریزوں نے سخت جغرافی غلطی کی۔ چونکہ خود اُنکے اپنے ملک میں نہروں کی بہت کم ضرورت تھی اس لئے اُنھوں نے ہندوستان میں بھی نہریں طیار کرنے میں غفلت کی۔ (سر آرتھر کاٹن: بلوبک)

اگر بنگال میں آب پاشی کا کافی انتظام ہو تو وہ تنہا پورے ہندوستان کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ (ڈاکٹر بٹیلی کی شہادت زرعی کمیشن کے سامنے)

چارے کا سوال پورے ہندوستان کے لئے حد درجہ اہمیت حاصل کرتا جاتا ہے۔ ظاہر ہے چارا جس قدر کم ہوگا مویشی اُسی قدر کمزور ہونگے اسمیں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اگر حالات میں فوری خوشگوار تبدیلی نہ ہوئی تو بنگال اور آسام کی زراعت کو نہایت سخت نقصان پہنچیگا (سر چارلس الیٹ)

دنیا کا کون ملک بغیر اپنے مویشیوں کے سرسبز ہوسکتا ہے؟ ہم فخر کرتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے محافظ ہیں۔ مگر ہم نے ہندوستانی مویشیوں کی بقاء کے لئے کیا کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں کیا۔ مجھے شرم کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ترقی کے بجائے ہم نے مویشی فنا کرنے میں مدد دی ہے! میں بغیر قوم کے مویشیوں کا تصور کرسکتا ہوں مگر بغیر مویشیوں کے قوم کا تصور نہیں کرسکتا۔ (سر ولیم ویڈربرن)

ہر منٹ میں ہندوستان سے ایک گائے باہر جاتی ہے۔
(بلوبک ۱۸۸۰ء)

۱۸۸۲ء میں تمام بیرونی دنیا سے انگلستان کو ۲۹۸،۶۵،۲۷۰ من گیہوں گیا۔ برخلاف اس کے صرف ہندوستان سے ۱۱،۸۶،۸۳،۷۱۰ من گیہوں گیا۔ (رائل اگریکلچر سوسائٹی ۱۸۸۳ء)

ہر منٹ میں غلہ کی حسب ذیل مقدار ہندوستان سے باہر جاتی ہے:

چاول:	ہر منٹ میں	۱۱۸ من
گیہوں:	〃 〃	۶۵ 〃
دال مسور:	〃 〃	۵۵ 〃
دال ارہر:	ہر منٹ میں	۵۰ من
موم پھلی:	〃 〃	۵۵ 〃

(سرکاری اعداد و شمار کی چوتھی اشاعت)

سیالکوٹ وغیرہ علاقوں میں دل ہلا ڈالنے والی بے شمار موتوں کی وجہ میرے خیال میں صرف یہ ہے کہ افسوسناک قزاقی کے ساتھ غریبوں کی خوراک چھین کر باہر بھیجدی جاتی ہے۔ اس سے ملک کی کسان آبادی دائمی قحط کا شکار رہتی ہے۔
(ایچ، ڈبلو، بیلو سینٹری کمشنر پنجاب کا خط ۱۸۹۱ء)

خراب غذا سے صرف اموات کی زیادتی ہی نہیں ہوگئی ہے بلکہ زندہ نسل کی جسمانی قوت بھی تباہ ہوگئی ہے۔ (〃 〃)

کلکتہ میں فی روپیہ اناج کا نرخ

زمانہ	چاول	گیہوں	سرسوں کا تیل
۱۷۳۸ء	۲ من ۳۰ سیر	۲ من ۲۰ سیر	۱۲ سیر
۱۷۵۰ء	۲ من ۱۰ سیر	۲ من ۱۰ سیر	۱۰ سیر
۱۷۵۸ء	۱ من ۳۰ سیر	۱ من ۳۵ سیر	۸½ سیر
۱۷۸۲ء	۱ من ۵ سیر	۱ من ۵ سیر	۷ سیر
۱۸۲۵ء	۳۰ سیر	۳۲ سیر	۶ سیر
۱۸۵۸ء	۱۵ سیر	۱۸ سیر	۵ سیر
۱۸۸۰ء	۱۲ سیر	۱۱ سیر	۴½ سیر

(ایسٹ انڈین کمپنی کا غیر مطبوعہ ریکارڈ۔ برٹش میوزیم میں)

ہندوستان میں بیماریوں کی کثرت کی اصلی وجہ خراب غذا ہے۔ اسی غذا نے ہندوستانیوں کا جسم کمزور کرکے بیماری کے لئے مستعد کردیا ہے
(لفٹنٹ میکارلین: اگریکلچر کمیشن)

ہندوستان کی ایک تہائی آبادی کو ناکافی کھانا ملتا ہے۔ ۴ کرور آدمی تو صرف ایک ہی وقت کھانا پکاتے ہیں۔ دس کرور آدمیوں کو کسی قسم کی طبی مدد نہیں پہونچتی۔ (〃)

گزشتہ ۵۵ سال میں ۲۶ بڑے بڑے قحط پڑے جن میں ۳ کرور سے بھی زیادہ آدمی بھوک سے مرگئے۔ (〃)

دنیا کے تمام دوسرے ملکوں کے مقابلہ ہندوستان میں قحط کیوں زیادہ پڑتے ہیں؟ اس کی وجہ بارش یا اوس کی کمی نہیں۔ کیونکہ خراب سے خراب موسم میں بھی بکثرت بارش ہوتی اور زراعت کو بڑھاتی ہے۔ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان روز بروز غریب ہوتا جارہا ہے۔ (ڈبلو، ایس لیلی: انڈیا اینڈ الٹس پروبیلم)

نصف ایکڑ زمین پر گزارہ کرنے کے لئے کروڑہا ہندوستانی کسان جدوجہد کررہے ہیں۔ اُن کی ساری زندگی ہمیشہ قحط سے دست بدست لڑائی میں گزرتی اور اکثر شکست پر ختم ہوتی ہے۔ اُن کی کوشش اس لئے نہیں ہے کہ غریبانہ زندگی بسر کرسکیں۔ یہ تو بہت بڑی چیز ہے۔ وہ بیچارے محض زندہ رہنے کے لئے کوشاں ہیں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ چند علاقوں کے علاوہ تمام ہندوستان، دائمی قحط کی وبا میں مبتلا رہتا ہے۔ (مسٹر جیکسن)

ہندوستان میں شرح اموات بحساب فی منٹ

ہر منٹ میں	۲۳	جوان
〃 〃	۴	بچے
〃 〃	۲	دق میں
〃 〃	۷	ملیریا میں

بنگال میں روزانہ تعداد اموات

۲۰۰	جوان	ملیریا سے
۸۱۶	بچے	〃 〃
۲۰۰	مائیں	〃 〃

(سرکاری اعداد و شمار کی چھٹی اشاعت)

صحت خریدی جاسکتی ہے، تعلیم خریدی جاسکتی ہے، طبی امداد خریدی جاسکتی ہے لیکن ہندوستانیوں کے پاس خریدنے کی قوت کہاں ہے؟ یہاں تو ہر ہندوستانی کی آمدنی صرف ایک آنہ ہے۔
(ڈاکٹر مین لی پیچ)

شرح آمدنی

آمریکہ	(فی کس)	۱۴ روپیہ	۹ آنہ
فرانس	〃	۷ روپیہ	۴ آنہ
انگلینڈ	〃	۶ 〃	۶ 〃
جاپان	〃	۴ 〃	۱۱ 〃
ہندوستان	〃	ایک آنہ ۶ پائی	

(بین الاقوامی اشاعت ۱۸۹۰ء)

اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستان اُسی طرح چھوڑنا پڑا، جس طرح رومن نے انگلستان چھوڑا تھا تو وہ ایک ایسا ملک چھوڑ جائینگے جس میں نہ تعلیم ہوگی، نہ حفظان صحت کا سامان ہوگا، اور نہ ہی دولت ہوگی۔ (سر ڈی، ہملٹن)

"لڑاؤ اور حکومت کرو" کا رومن مقولہ، ہماری ہندوستانی حکومت کا اصل اصول ہونا چاہئے۔ عام اس سے کہ وہ سیاست، تمدن، یا فوج کسی سے بھی متعلق ہو۔
(ایک انگریز افسر کا بیان رسالہ "ایشیاٹک جنرل" ۱۸۲۱ء)

تعلیم کا اثر یہ ہوگا کہ فرقہ وارانہ اور مذہبی تعصب دور ہوجائے گا۔ حالانکہ اسی تعصب کی بدولت ہم ابتک ملک پر قابض ہیں۔ اسی کے ذریعہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے لڑاتے ہیں۔ تعلیم کا اثر یہ ہوگا کہ اُنکے دماغ روشن اور وسیع ہوجائیں گے اور وہ اپنی عظیم قوت کا احساس کرلیں گے۔
(سر ایل، اسمتھ ۱۸۳۱ء)

میرے پاس اس خیال کی ہر وجہ موجود ہے کہ مندر سومناتھ کے پھاٹک ہندوستان واپس لانے سے تمام ہندو ہم سے مطمئن اور خوش ہوگئے ہیں۔ میرے خیال میں اس کی وجہ سے مسلمان بھی ناراض نہیں ہوئے۔ لیکن میں اس حقیقت سے اپنی آنکھیں بند نہیں کرسکتا کہ یہ قوم (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے۔ بنابریں ہمارے لئے بہترین پالیسی یہ ہوگی کہ ہندوؤں کو خوش رکھیں۔
(لارڈ ایلنبرو [illegible])

احرارِ اسلام

عہد اموی کی اسلامی ہنیت

اروی بنت الحارث ابن عبدالمطلب

ایک موسم حج میں ضعیف العمر اروی بنت الحارث بن عبدالمطلب امیر معاویہ بن ابی سفیان کے دربار خلافت میں حاضر ہوئی۔

"میرے بھتیجے! تو کیسا ہے؟" اروی نے کہا۔ "تو نے خدا کی نعمت سے کفران کیا۔ اپنے بھائی (یعنی امیر المؤمنین علی علیہ السلام) کے حق کا لحاظ نہ کیا۔ اپنے نام کے سوا ایک نیا لقب اختیار کیا (یعنی امیر المؤمنین کا لقب) دوسرے کے حق پر قابض ہو گیا (یعنی خلافت پر) حالانکہ اسلام میں نہ تو خود تو نے کوئی خدمت کی، نہ تیرے ابا و اسلاف نے۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے اعراض و انکار کیا تھا اسپر خدا نے تمھاری قسمتیں بگاڑ دیں۔ تمھیں ذلیل و خوار کیا۔ حق حق داروں تک پہنچ گیا۔ اللہ کا بول بالا ہوا۔ اگرچہ مشرکوں پر یہ ظفر مندی بہت شاق تھی۔ اس دین میں ہم اہل بیت کا درجہ اور حصہ سب لوگوں سے زیادہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ مغفور و مرحوم تھے، خدا کے حضور میں معزز و پسندیدہ تھے۔ آپ کے بعد ہم اہل بیت کے ساتھ تم نے وہ برتاؤ کیا جو قوم موسیٰ کے ساتھ خاندان فرعون نے کیا تھا کہ اُن کے مردوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا شیرازہ بندھ نہ سکا۔ ہم پر کوئی سختی بھی آسان نہ ہوئی۔ ہماری انتہا، جنت ہے۔ تمھاری انتہا دوزخ ہے!"

"گراہ تجربہ!" عمرو بن العاص جو دربار میں موجود تھے، بے اختیار پکار اُٹھے۔ "اپنی زبان روک، شرم سے آنکھ نیچی کر"

"تو کون ہے؟ تیری ماں مرے!" اروی نے تمکنت سے کہا۔

"عمرو بن العاص" لوگوں نے جواب دیا۔

اروی نے کہا۔ "تو مجھ سے بولنے کی جرأت کرتا ہے! اپنے عیب چھپے رہنے دے۔ اپنی خیریت سنا۔ واللہ تو قریش میں نہ تو خالص سب نسب رکھتا ہے نہ اچھی اصلیت کا مالک ہے"

"بیوقوف تجربہ!" مروان بن الحکم نے کہا۔ "تیری بینائی بھی تیری عقل کے ساتھ جا چکی ہے۔ تیری شہادت معتبر نہیں"

"صاحبزادے تم بھی بولے!" اروی نے کہا۔ "واللہ تم سے زیادہ تو سفیان بن الحارث بن کلدہ سے زیادہ مشابہ ہے"

پھر وہ معاویہ کی طرف مخاطب ہوئیں:

"واللہ ان لوگوں کو تو نے ہی مجھ پر جرأت دلائی ہے، حالانکہ تیری ماں اُحد کی لڑائی میں حمزہ کے قتل کے بعد کہتی تھی۔

نحن جزیناکم بیوم بدر والحرب یوم الحرب ذات سعر

ہم نے تم سے جنگ بدر کا بدلہ لے لیا۔ لڑائی، لڑائی کے دن کی طرح شعلے رکھتی ہے

ما کان عن عتبۃ لی من صبر ابی وخالی وعمی

عتبہ (ہند کا باپ تھا) پر مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا تھا۔ میرا باپ، چچا، بھائی، خسر، انھیں میں بھول نہیں سکتی تھی (یہ سب جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے)

شفیت وحشی غلیل صدری شفیت نفسی وقفیت نذری

(اے وحشی (قاتل حمزہ) تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا۔ میری منت پوری کر دی۔

فشکر وحشی علیّ عمری حتی تغیب اعظمی فی قبری

"وحشی کا شکریہ عمر بھر مجھ پر واجب ہے، یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں غائب ہو جائیں۔

تیری ماں کے جواب میں میں نے کہا تھا:

یا بنت رقاع عظیم الکفر خزیت فی بدر وغیر بدر

اے بیوقوف بڑے کافر کی بیٹی! بدر میں اور ہر دن میں تجھ پر رسوائی ملے۔

صبحک اللہ قبیل الفجر بالہاشمیین الطوال الزہر

خدا تجھ پر صبح سے پہلے، دراز قد، خوبصورت ہاشمیوں کی غارت گری نازل کرے۔

بکل قطاع حسام یفری حمزۃ لیثی وعلیّ صقری

تیغ براں سے تجھے کاٹے۔ حمزہؓ، میرا شیر ہے اور علیؓ میرا باز ہے۔

ہتک وحشی حجاب الستر الا بغایا بعد ہامن فخر

وحشی نے بے آبروئی کر ڈالی۔ اب فاحشہ عورتوں کے لئے تیرے بعد کوئی فخر باقی نہیں رہا۔

"تمھارا برا ہو!" امیر معاویہ نے عمرو بن العاص اور مروان بن الحکم سے کہا۔ "تمھیں نے اس خاتون کو مجھ پر خفا کر دیا اور یہ باتیں خواہ مخواہ"

پھر اروی سے مخاطب ہوئے:

"پھوپھی! اپنی ضرورت بیان کرو۔ عہدوں کی یہ بکواس بند کرو"

"مجھے دو ہزار، دو ہزار، دو ہزار، پورے، ہزار دینار دو" اروی نے مطالبہ کیا۔

"پہلے دو ہزار کس لئے؟" امیر نے سوال کیا۔

"میں حارث بن عبدالمطلب کے خاندان کے لئے کھیتی کی زمین میں کنواں خریدوں گی" اروی نے جواب دیا۔

"تو نے بہت خوب سوچا" امیر نے کہا۔ "اور دو ہزار؟"

"خاندان عبدالمطلب کے نوجوانوں کی شادی کروں گی"

"بہت خوب! اور تیرے دو ہزار؟"

"مدینہ کی گرانی اور زیادت بیت المال کے خرچ کے لئے"

"بہت خوب خیال ہے۔ میں نے منظور کیا۔ تمھاری خاطر پیشہ منظور ہو" امیر نے خوشامد سے کہا۔

تھوڑی دیر چپ رہکر امیر نے پھر سوال کیا:

"بھلا اگر علی موجود ہوتے تو یہ تم ہرگز منظور کرتے"

"سچ ہے" اروی نے فوراً جواب دیا۔ "علی، امانت ادا کرتا تھا خدا کے حکم پر چلتا تھا۔ مگر تو نے اپنی امانت ضائع کر دی۔ خدا کے مال میں خیانت کی۔ خدا کا مال غیر مستحقوں کو دے ڈالا۔ خدا نے اپنی کتاب میں حقداروں کے حق مقرر کر کے بیان کر دیئے ہیں۔ مگر تو نے خدا کے حکموں پر عمل نہیں کیا۔ لیکن علی نے ہمیں اپنے حق لے لینے کے لئے برابر لگایا جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔ مگر افسوس تمھاری لڑائی نے انھیں پورا انتظام قائم کرنے کی مہلت ہی نہ دی۔ میں نے تیرا مال نہیں مانگا کہ احسان جتاتا ہو۔ میں تو صرف اپنا حق مانگتی ہوں۔ ہم دوسروں کا حق لینا جائز نہیں سمجھتے۔ آہ! تیرے دانت ٹوٹیں اور تیری مصیبت سخت ہو جائے تو اپنی زبان پر علی کا نام لاتا ہے!"

پھر وہ رونے لگیں۔ یہ شعر انکی زبان پر تھے:

اَلا یا عین ویحک اسعدینا الا ابکی امیر المؤمنینا

ہاں اے آنکھ تیرا بھلا ہو ہمارا ساتھ دے۔ ہاں امیر المومنین پر خوب آنسو بہا!

رزینا خیر من رکب المطایا وفارسہا ومن رکب السفینا

ہم نے اُس سب سے اچھے کو کھویا جو کبھی گھوڑوں پر یا کشتیوں پر سوار ہوئے۔

ومن لبس النعال اذا حذاہا ومن قرأ المثانی والمئینا

اور جنھوں نے زمین پر قدم رکھا اور جنھوں نے قرآن پڑھا۔

اذا استقبلت وجہ ابی حسین رأیت البدر راغ الناظرینا

حسین کے باپ کا چہرہ دیکھنا، بدر کامل کا دیکھنا ہو جو دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہو۔

ولاہ اللہ لا النسی علیا وحسن صلاتہ فی الراکعینا

نہیں، واللہ، علی مجھے بھول نہیں سکتا، نہ رکوع کرنے والوں میں اُس کی اچھی نماز بھول سکتی ہوں۔

أُبی الشہر الحرام فجعلونا بغیر الناس طرا اجمعینا

تم نے ماہ حرام میں سب آدمیوں سے اچھے آدمی کو مار کر ہمیں مصیبت میں ڈال دیا!

معاویہ نے انھیں ۶ ہزار دینار دیدیئے اور کہا:

"پھوپھی! اب جس طرح چاہو خرچ کرو۔ پھر جب کبھی ضرورت پڑے اپنے بھتیجے کو لکھنا، وہ ہر طرح تمھاری مدد کریگا"



مذاکرۂ علمیہ

نظریۂ نشوؤ ارتقا کی موجودہ منزل

حال میں سر آرتھر کیتھ نے برطانی اکاڈیمی کی صدارت کرتے ہوئے نظریۂ نشوؤ ارتقا پر ایک نہایت مبسوط تقریر کی تھی، جس نے از سر نو اس بحث پر موافقانہ و مخالفانہ خیالات کو جنبش دیدی۔ اسوقت تک تقریباً تیس چالیس علماء فن اس کی موافقت یا مخالفت میں اظہار خیال کر چکے ہیں، اور بحث و نظر کا سلسلہ جاری ہے۔

برطانی اکاڈیمی کے سالانہ اجلاس اور سر آرتھر کی تقریر کا مختصر تذکرہ اُردو اخبارات میں آچکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں سر آرتھر کی تقریر کے بعض اہم حصے اور انکے مخالفین کے ضروری مباحث الہلال کے صفحات پر درج کردیں۔ بہ حیثیت مجموعی یہ موافق و مخالف خیالات کا ایک ایسا مجموعہ ہوگا، جس کے مطالعہ سے بہ یک نظر معلوم ہوجائیگا کہ بحالت موجودہ ڈارون کا نظریہ کس منزل میں ہے اور موافق و مخالف دلائل کا وزن کیا ہے۔

ہم پہلے سر آرتھر کی تقریر کا ضروری خلاصہ درج کردیتے ہیں۔ پھر مخالف مباحث کا خلاصہ درج کرینگے:۔

سر آرتھر کا خطبہ

"۵۵ برس ہوئے کہ نشوء انسانی کی تاریخ، عالم وجود میں آئی۔ آج میرا موضوع بحث بھی یہی ہے۔ اس بحث کے لئے اس شہر لیڈس سے زیادہ موزوں کوئی مقام نہیں۔ کیونکہ ڈارون نے توراۃ کے حامیوں پر اپنا پہلا گولہ یہیں پھینکا تھا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ ڈارون کا یہ گولہ کیسا خوفناک تھا اور کس طرح اس فاتح نے تمام مخالفوں سے ہتیار رکھوالئے۔ تقریباً ۶۹ برس ہوتے ہیں کہ اسی شہر میں اپنے عہد کے مشہور ترین عالم سر رچرڈ اوین نے ایک طولانی خطبہ دیا تھا اور انسان کی اصلیت پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ توراۃ نے انسان کی عمر جتنی قرار دی ہے، وہ اُس سے کہیں زیادہ پُرانا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس فیلسوف نے اس نظریہ کا مضحکہ بھی اُڑایا تھا کہ انسان ادنیٰ مخلوقات سے ترقی کرکے اپنے موجودہ درجے تک پہنچا ہے۔ اُس نے دعویٰ کیا تھا کہ انسان اور بندر میں بہت ہی عظیم فرق ہے۔ اتنا فرق کہ دونوں میں کوئی مشترک علاقہ موجود نہیں، دونوں، دو بالکل علیحدہ علیحدہ جنسیں ہیں۔

اوین اور ہکسلے

سر رچرڈ اپنے زمانے میں اس اکاڈیمی کا صدر تھا۔ اُس کے سامعین میں ایک علامۂ عصر ٹامس ہنری ہکسلے، سر رچرڈ کا خوفناک حریف بھی تھا۔ ہکسلے اسوقت جوان تھا۔ اُسے سر رچرڈ سے اسقدر مخاصمت تھی کہ وہ اسی تقریر میں مباحثہ پیش آجانے کی اُمید کرتا تھا مگر اتفاق سے یہ معرکہ پیش نہیں آیا۔

اس واقعہ کے دو سال بعد جاری انجمن کا سالانہ جلسہ آکسفورڈ میں ہوا۔ یہاں سر رچرڈ نے پھر نظریۂ نشوؤ ارتقاء کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے دعویٰ کیا کہ انسان دوسرے حیوانات سے بالکل علیحدہ مخلوق ہے۔ اور یہ کہ انسان کے دماغ میں بعض خصوصیتیں ایسی موجود ہیں جو انتھروپوئیڈ (وہ بندر جو انسان سے بہت زیادہ مشابہ ہے) کے دماغ میں پائی نہیں جاتیں۔

ہکسلے نے اسپر اعتراض کیا اور وہ تاریخی مباحثہ پیش آیا جس نے علمی فتوحات کے لئے میدان صاف کردیا۔ یہ معرکہ دراصل علم اور توراۃ کے درمیان واقع ہوا تھا۔ تمام حامیان توراۃ، جن کی قیادت آکسفورڈ کا لارڈ بشپ کر رہا تھا، سر رچرڈ کی پشت پناہی پر تھے۔ ہکسلے تنہا تھا لیکن دنیا نے تسلیم کرلیا کہ فتح ہکسلے ہی کو حاصل ہوئی!

اس واقعہ کے تین سال بعد ۱۸۶۳ء میں ہکسلے نے اپنی مشہور کتاب "کائنات میں انسان کی مرکزیۃ پر دلائل" شایع کی۔ یہ کتاب ہمارے اسی موضوع سے متعلق ہے۔ اس میں مصنف نے قطعی طور پر ثابت کردیا کہ انسان، چھاتی رکھنے والے حیوانات ہی کا فرد ہے، اور اُس سے قریب تر مخلوق وہ بندر ہے جس کا نام "اسٹروپوئیڈ" ہے۔

اصل انسان

یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ اُس عہد کی عقل انسانی یہ نظریہ (نظریۂ نشوء) قبول کرنے کے لئے مستعد نہ تھی۔ مدتوں سے یہ اعتقاد راسخ تھا کہ انسان ایک مستقل مخلوق ہے لیکن آج حالت بدل چکی ہے۔ اسوقت جو لوگ ڈاروین کے نظریہ پر یقین نہیں رکھتے، وہ بھی اس کے لئے مستعد ہیں کہ جب یہ نظریہ قطعی دلائل کے ساتھ سامنے آجائے تو تعصب سے انکار نہیں کردینگے۔

نظریۂ نشوء انسانی، انیسویں صدی کی ایک حیرت انگیز پیدائش ہے۔ چارلس ڈاروین کا دنیا پر بہت بڑا احسان ہے کہ اُسی کے غیر معمولی دماغ نے یہ نظریہ ظاہر کیا۔ جس وقت سر رچرڈ اپنا مذکورۂ بالا خطبہ لیڈس میں سنا رہے تھے، ڈاروین اپنی کتاب "اصل انواع" تصنیف کر رہا تھا۔ ۱۸۵۹ء میں یہ کتاب ظاہر ہوئی۔ مگر اُس کا ظہور کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ اُس نے اچانک ایک عظیم فکری انقلاب پیدا کردیا۔ ڈاروین نے قدیم افکار و معتقدات سے یہ بغاوت بیٹھے بیٹھے نہیں کر دی تھی۔ کامل ۲۷ برس اُس کے لئے طیاری کی تھی۔ اُس کی یہ کتاب درحقیقت اعلان جنگ تھا۔ اُس کا دوسرا خوفناک حملہ، ایک دوسری کتاب کی صورت میں ہوا۔ اس کا نام "حیوانات پر ماحول کی تاثیر" تھا۔ یہ کتاب ابتک علم الحیات کے حقائق کا ایک بے نظیر مجموعہ ہے لیکن ابھی فیصلہ باقی تھا۔ دشمن ہنوز میدان میں اڑا ہوا تھا۔ ڈاروین نے ۱۸۷۱ء میں اپنی تیسری کتاب "تسلسل انسان" شایع کی۔ یہ اُس کا فیصلہ کن حملہ تھا۔ دشمن سراسیمہ ہوکر بھاگا اور آجتک پھر کبھی مقابلہ میں نہ آسکا!

اُسوقت سے ڈاروین کے قدم ایسے گڑے کہ پھر کبھی اُکھڑ نہ سکے آج ۵۶ برس گزر چکے ہیں۔ بہت سے نئے حقائق ظاہر ہوچکے ہیں مگر ڈاروین اپنی جگہ پر پہاڑ کی طرح قائم ہے۔ یہ تمام حقائق اُس کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ بلاشبہ بعض تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں لیکن نظریہ بحیثیت مجموعی ثابت و راسخ ہے۔ اور ہمیشہ یوں ہی سربلند رہے گا۔

حفریات

میں نے کہا یہ نظریہ ہمیشہ یوں ہی سربلند رہیگا۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈاروین کے بعد علماء نے اُس کا نظریہ چھوڑ نہیں دیا بلکہ کسوٹی پر رکھ کر برابر جانچتے رہے۔ اُنھوں نے قدیم انسان کے آثار کی تلاش شروع کی۔ زمین کھود کر وہ اوزار اور ظروف نکالے جنھیں انسان اپنے اولین عہد میں استعمال کرتا تھا۔ یعنی اُس عہد میں جس کا نام اصطلاح میں عہد بلیسٹوسینی ہے (یہی وہ زمانہ ہے جس میں سطح زمین کا تیسرا طبقہ بنا تھا) یہ عہد اب سے دو لاکھ برس یا ۶ لاکھ برس پہلے تھا۔ اسی قدر نہیں بلکہ علماء کی تحقیقات، عہد بلیسٹوسینی تک پہنچ چکی ہے۔ یعنی اُس زمانے تک جسمیں زمین کا دوسرا چھلکا بنا ہے۔

ڈاروین کی وفات سے دس برس بعد ڈاکٹر اوجین ڈیبوا کو اولین انسان کی ہڈیاں ملیں۔ اُس نے اس کا نام "پٹھکانتھروپوس" یعنی بندر انسان رکھا۔ نیز اُسی زمانے میں ڈاکٹر ریڈ موریر نے مشرقی انگلیا میں زمین کے دوسرے طبقے میں حجری ظروف اور اوزار پائے۔ ان تمام حفریات و آثار سے نشوء انسانی پر ڈاروین کے نظریہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

تسلسل انسان

بندر سے مشابہ مخلوق سے انسان کا ظاہر ہونا ایسے قطعی دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ بحث کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ لیکن یہ نشوء و ارتقاء اُس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور غیر منضبط تھا جتنا خود ڈاروین سمجھتا تھا۔ پہلے علماء خیال کرتے تھے کہ ارتقاء، کامل طور پر ہوا ہے یعنی جسم انسانی کے ہر عضو نے یکساں طور پر تدریجی ترقی کی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ ارتقاء، نہایت غیر منتظم طور پر مختلف موثرات کے ماتحت واقع ہوا ہے۔ قدیم انسان میں ارتقاء کی یہ بے نظمی موجودہ انسان سے کہیں زیادہ واضح تھی۔ دقیق مباحث سے اب ثابت ہوچکا ہے کہ ہر عضو نے تدریجی ترقی نہیں کی۔ یعنی یہ نہیں ہوا کہ کھوپڑی، دماغ، جبڑا، دانت، جلد، بازو، پاؤں وغیرہ وغیرہ اعضاء میں سے ہر عضو بتدریج بندر کی شکل سے ترقی کرکے انسان کی عضویت بنتا گیا، بلکہ یہ ہوا کہ بعض اعضاء ترقی کرتے تھے، بعض ترقی نہیں کرتے تھے، بعض بالکل غائب ہوجاتے تھے۔ ذیل کی مثال سے یہ حقیقت واضح ہوجائے گی:

ڈراوین کی وفات سے ۳۰ برس بعد یعنی ۱۹۱۲ء میں مسٹر چارلس ڈوسن کو انگلستان کے ایک مقام بلنڈون (یعنی ڈاروین کی قیام سے ۳۰ میل کے فاصلے پر) ایک پتھرائی ہوئی کھوپڑی اور جبڑا ملا۔ سر آرتھر وڈوارڈ نے دونوں کی جانچ کی اور فیصلہ کیا کہ یہ دونوں عضو ایک ہی جسم کے ہیں اور یہ مخلوق اب سے ۵ یا ۶ لاکھ برس پہلے زمین پر موجود تھا۔ ان آثار میں کھوپڑی، موٹی دیواروں کی تھی اور موجودہ انسان کی کھوپڑی سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی لیکن نیچے کا جبڑا، بندر کے جبڑے کی طرح تھا۔ بعض علماء کے لئے یہ اختلاف، سخت حیرت کا موجب ہوا اور اُن سے اس کے سوا کچھ کہتے بن نہ پڑا کہ یہ دونوں چیزیں، دو مختلف جسموں کی ہیں حالانکہ اگر وہ علم تشریح کے ماہر ہوتے، تو اس غلطی کا شکار نہ ہوتے۔ انہیں معلوم ہوجاتا کہ جسم کے بعض اعضا جلد ترقی کرتے ہیں اور بعض بہت پیچھے رہجاتے ہیں۔ ارتقاء کی یہ بے ضابطگی بندر نما انسان میں زیادہ واضح پائی جاتی ہے۔ مثلاً اس کی ران کی ہڈی [illegible] آدمی کی سی ہوتی ہے مگر کھوپڑی، بندر سے مشابہ ہوتی ہے [illegible] انکشاف

۵ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُس قدیم ترین عہد میں انگلستان کی سرزمین پر ایک ایسی مخلوق آباد تھی جو انسان اور بندر کے بیچ میں تھی۔

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسمبہائی

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرمائی تحفہ

تار کا کانی پتہ "ہمدرد، دہلی"

مارُاللحم دوا آتشہ

بہ نسخہ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہو وہ ظاہر ہو لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہو کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہو۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہو۔ اگر آپکو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا مارُاللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اُٹھائیے یہ امر تو مسلم ہو کہ مارُاللحم مقوی الروح ہو، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سرِ نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا مارُاللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہو اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہو۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہو بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہو جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ مارُاللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا تماشا دیکھئے فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہو مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلّہ میں ہوتا ہو۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہو۔ مگر بعض اُمور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہو تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہو

مارُاللحم کے استعمال کا یہی موسم ہو اور یہی زمانہ ہو منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتائے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعوی میں سچی ہو شک آئے تو خود بیوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہو۔ علاوہ اس کے چند قسم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست مفت مفت مفت

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON LONDON S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے بہترین ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے۔ دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں۔

با ایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

برِ اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال ہی میں ہم ہی نے فراہم کئے

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہیں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے بہت ممکن ہے کہ ہم اسفری یا مقامی ایجنٹ آپ کے مل سکے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو
نہیں کرتے جہاں دنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو
دنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے
اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!
انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں شایع
ہوتا ہے

یورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ
مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں
نئی اور پرانی دونوں طرح کی کتابیں
تمام دنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے
ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مسلسل سلسلے
بچوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ
قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن
آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں
ہمارے یہاں سے ہر چھ
ماہ کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہے؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہو سکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہے

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سُرخ اور سُنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہیئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہے

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کی جا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہے،

ایسی

مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop guide to great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہے

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے

بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے مل سکتی ہے

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابو المحاسن صاحب کی یہ تصنیف لطیف جو مدتوں سے شائع ہونے کی منتظر تھی اب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے۔ اس تحریر کا یہ مقام نہیں کہ اس کتاب کی علمی حیثیت پر کچھ لکھا جائے۔ ہم صرف اس قدر کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ اس کتاب کی تصنیف میں مولانا نے جس محنت، جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کی کتابوں کے لکھنے میں کچھ دماغ سوزی کی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ مولانا نے کس قدر محنت شاقہ سے کام لیا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف میں مولانا کو کن کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ کن کن مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ کن کن وادیوں کی سیر کرنی پڑی ہے۔ کن کن مقامات پر ٹھوکریں کھانی پڑی ہیں۔ کن کن مقامات پر ٹھہرنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر آگے بڑھنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر پیچھے ہٹنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر ٹھوکر کھا کر گرنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر گر کر سنبھلنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر سنبھل کر چلنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر چل کر دوڑنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر دوڑ کر اڑنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر اڑ کر ٹھہرنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر ٹھہر کر سستانا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر سستا کر آگے بڑھنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر آگے بڑھ کر پیچھے ہٹنا پڑا ہے۔ کن کن مقامات پر پیچھے ہٹ کر ٹھوکر کھانی پڑی

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم كے بيش بها جواهر ريزے

اس سلسله ميں هم نے امامين كي ان نادر و اعلى درجه كي بلند پايه عربي تصانيف كے اردو تراجم كا سلسله شروع كيا هے ' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت كے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد كه يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان كي دماغي اصلاح كا كام دے :

اسوهٔ حسنه — امام ابن قيم كي فن سيرت ميں شهره آفاق كتاب "زاد المعاد" كے خلاصه كا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد اڑهائي روپيه -

كتاب الوسيله — لفظ "وسيله" كي بحث كے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام كے اصل الاصول "توحيد" كي مبسوط بحث كي هے - بلا جلد اڑهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انكي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انكے مفصل حالات بيان كيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الكوثر — امام ابن تيميه كے مخصوص انداز تفسير كا اردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق كے درميان واسطه كا فرق بدلائل بيان كيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام كے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان كيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري كي تازه كتاب كا اردو ترجمه - سوا روپيه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن الائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايك علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس كے خريدار كو هم نے كمال كوشش و كاوش سے اردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور دوسري زبانوں كي تمام اهم اور اعلى مطبوعات كے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے كا اهتمام كيا هے - اسكے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دين كے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالك اسلاميه كے معتبر ذرائع سے حاصل كيے هوے حالات درج كيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و كتابت كى وقت اپنا نام اور پته صاف لكهين

اور نمبر خريدارى ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان ايين دفتر پارينه را

تازه خواهى داشتن گر داغهاى سينه را

اردو صحافت كي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايك انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ايك هفته وار مصور رساله تها ' ليكن چونكه وه اردو صحافت كي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فكر كي نئي روح پيدا كرني چاهتا تها ' اس لئے اس كا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق كا مجموعه تها - اس كے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه كے هوتے تهے - اور اسكا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات كے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس كي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب كا پهلا نمونه تهيں - اردو كا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير كے اندراج كا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے كي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر كي چهپائي ميں ممكن نهيں - اس كي جلديں جديد اردو علم ادب كے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث كا بهترين مجموعه هيں - ان كي مقبوليت و قدر كا اندازه اس سے هوسكتا هے كه سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اس كي تمام جلدوں كا مكمل ست سات سو روپيه ميں خريد كيا - اور حال ميں ايك صاحب نے اس كي پهلي جلد مكمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اس كے پرچے بحفاظت جمع كئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده كرنے كو ليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البلاغ پريس" كا جب تمام اسٹاك نئے مكان ميں منتقل كيا گيا تو ايك ذخيره الهلال كے پرچوں كا بهي محفوظ ملا ' هم نے كوشش كي كه شايقين علم و ادب كے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كي جا سكتي هيں مرتب كرلي جائيں اور جن جلدوں كي تكميل ميں ايك دو پرچوں كي كمي هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه كوشش ايك حد تك مشكور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں كے چند سالوں كي جلديں پوري مكمل هوگئي هيں - هم اس اعلان كے ذريعه شايقين علم و ادب كو آخري موقعه ديتے هيں كه اس قيمتي ذخيره كے حاصل كرنے ميں جلدي كريں ' چونكه جلدوں كي ايك بهت هي محدود تعداد مرتب هوسكي هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں كي تعميل هوسكے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين كي انڈكس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مكمل جلد دوم ۱۰ روپيه الهلال مكمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " چهارم ۱۰ روپيه " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول كے هر جلد كے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين كے لحاظ سے ايك مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاك و پيكنگ اس كے علاوه هے -

منيجر "البلاغ پريس"

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي ہوتے ہیں جنکي اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ کا ہفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher:
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے

ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ کا تعلیمي [illegible]

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

یا

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرني چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاہئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں باقاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں، تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہي آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street. Calcutta.

برونو موللر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کي مشینیں جو گوند مالکوں کے میزوں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري ہیں، اس کارخانے میں طیار کي جاتي ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میزوں، ترکاریوں اور ہر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "نئے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس "نئے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي ہیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

جلد ۱ نمبر ۳۱

۱۹۲۷

الہلال

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ انہ

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - - بارہ روپیه

هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه

قیمت شش ماهي - - - ساڈھے روپیه

قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں اُنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکهیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکهیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) مني آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکهدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين القرآن الحكيم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۱ | کلکتہ : جمعہ ۱۵ ۔ جمادی الاولی ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 11, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قارییین الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ۱۵۹۸ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۴۰	اردو حروف کی حق مین	۴۳۰
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	۵۹۵	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۷۳	نستعلیق ھون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

هندوستان اور مجموعه عالم

تمام دنیا میں جغرافیائي ' عمراني ' اور اقتصادي لحاظ سے هندوستان کي موجوده حیثیت کیا هے ؟

(۲)

(برطاني شهنشاهي کي قومیں)

(مجموعي آبادي ۴۴۹۲۳۳۰۰۰)

هندوستاني	۲۴۴۳۰۳۰۰۰
عرب	۵۷۵۳۰۰۰
افغان	۱۵۵۰۰۰۰
پارسي	۱۰۰۰۰۰
یهودي	۱۰۸۴۰۰۰
درسري قومیں	۳۱۵۰۰۰۰

(یورپین)

برطاني ' فرانسیسي ' کنیڈي ' بوئر ' وغیره	۶۴۲۷۶۰۰۰

(سیاه فام)

نیگرو	۴۶۱۶۶۰۰۰
هندوستاني	۶۱۵۰۰۰۰۰
پاپونس	۹۶۷۰۰۰
آسٹریلیا کے دیسي	۶۰۰۰۰

(زرد فام)

ملایر وغیره	۹۵۵۶۰۰۰
برمي	۷۸۹۰۰۰۰
ترک	۶۱۰۰۰
چیني	۲۳۰۸۰۰۰
تبتي	۳۰۰۰۰۰
موئر	۵۳۰۰۰
دیسي امریکن	۱۵۶۰۰۰

(دنیا کي آبادي هر مربع میل کے حساب کے)

انگلینڈ	۳۷۵
جرمني	۳۱۰
جاپان	۲۵۵
فرانس	۱۸۹
هندوستان	۱۷۷
چین	۱۰۵
روس	۶۴
ولایات متحده امریکا	۳۱

(هندوستان کي آبادي مذهب کے اعتبار سے)

	سنه ۱۹۰۱ میں	سنه ۱۹۱۱ میں	سنه ۱۹۲۱ میں
برهمن	۲۰۷۰۵۰۵۵۷	۲۱۷۳۳۷۹۴۳	۲۱۶۲۶۰۶۲۰
آریا سماج	۹۲۴۱۹	۲۴۳۴۴۵	۴۶۷۵۷۸
برهمو	۴۰۵۰	۵۵۰۴	۶۳۸۸
سکهه	۲۱۹۵۳۳۹	۳۰۱۴۴۶۶	۳۲۳۸۸۰۳
جین	۱۳۳۴۱۴۸	۱۲۴۸۱۸۲	۱۱۷۸۵۹۶
بودهه	۹۴۷۶۷۵۹	۱۰۷۲۱۴۵۳	۱۱۵۷۱۲۶۸
پارسي	۹۴۱۹۰	۱۰۰۰۹۶	۱۰۱۷۷۸
مسلمان	۶۲۴۵۸۰۷۷	۶۶۶۴۷۲۹۹	۶۸۷۳۵۲۳۳
عیسائي	۲۹۲۳۲۴۱	۳۸۷۶۲۰۳	۴۷۵۴۰۶۴
یهودي	۱۸۲۲۸	۲۰۹۸۰	۲۱۷۷۸
درسرے مذاهب	۸۷۱۴۰۴۸	۱۰۳۳۶۲۲۹	۹۷۹۲۶۱۵

(هندوستان کي آبادي جنس کے اعتبار سے)

	مرد	عورت
کل هندوستاني صوبوں کي آبادي	۱۶۳۹۹۵۵۵۴	۱۵۴۹۴۶۹۲۶
مدراس	۲۰۸۷۰۷۴۹	۲۱۴۴۸۲۳۶
بمبئي	۱۰۱۷۶۹۶۹	۹۱۷۷۲۵۰
بنگال	۲۴۱۵۱۲۲۲	۲۲۵۴۴۳۱۴
یوپي	۲۳۷۸۷۷۴۵	۲۱۵۸۸۰۴۲
پنجاب	۱۱۳۰۶۲۶۵	۹۳۷۸۷۵۹
برما	۷۷۵۶۹۶۹	۶۴۵۵۲۲۳
بهار اوڑیسه	۱۶۷۶۳۸۶۶	۱۷۲۳۸۳۲۳
صوبهٔ متوسط	۶۹۵۱۳۹۹	۶۹۶۱۳۶۱
آسام	۳۹۶۱۱۰۹	۳۶۴۵۱۲۱
صوبه سرحدي	۱۲۲۹۳۱۶	۱۰۲۲۰۲۴

(هندوستان کي آبادي زبانوں کے اعتبار سے)

هندوستاني	۹۶۷۱۴۳۶۹
بنگالي	۴۹۲۹۴۰۰۹
تیلگو	۲۳۶۰۱۴۹۲
مرهٹي	۱۸۷۹۷۸۳۱
تامل	۱۸۷۷۹۵۷۷
پنجابي	۱۶۶۳۳۵۹۶
راجستاني	۱۲۶۸۰۶۲
کناري	۱۰۳۷۴۲۰۴
اوڑیا	۱۰۱۴۳۱۶۵
گجراتي	۹۵۵۱۹۹۲
برمي	۸۴۲۳۲۵۶

هندوستان میں ۱۴۷ - زبانیں بولي جاتي هیں - ۲۳ - زبانیں دس لاکهه آدمیوں سے زیاده کے استعمال میں هیں -

(هندوستان میں بیوائیں سنه ۱۹۲۱ میں)

عورتوں کي مجموعي تعداد : ۱۵۴۹۴۶۹۲۶

بیواؤں کي مجموعي تعداد : ۲۶۸۳۴۸۳۸

(هندو)

هندو عورتوں کي مجموعي تعداد : ۱۰۵۸۲۱۸۲۵

هندو بيواؤں کي مجموعي تعداد : ۲۰۲۵۰۰۷۵

(مسلمان)

مسلمان عورتوں کي مجموعي تعداد : ۳۲۳۸۹۸۴۸

مسلمان بيواؤں کي مجموعي تعداد : ۴۷۱۲۵۶۳

(صوبوں ميں بيوائيں)

مدراس	۴۰۴۶۸۱۲
بمبئي	۱۶۸۱۸۴۹
بنگال	۴۴۴۴۰۵۰
يو ۰ پي	۳۷۴۶۵۳۳
پنجاب	۱۲۳۷۷۰۵
برما	۷۳۱۷۳۹
بہار اوڑيسا	۳۲۱۱۳۱۰
صوبۂ متوسط	۱۱۵۵۸۹۲
آسام	۵۷۳۳۰۱
کل برطاني هند	۲۱۰۳۰۵۰۰

(بيواؤں کي تعداد عمر کے اعتبار سے)

۵ برس کي				۱۵۱۳۹
۵	برس سے	۱۰	برس تک کي	۱۰۲۲۹۳
۱۰	»	۱۵	»	۲۷۹۱۲۴
۱۵	»	۲۰	»	۵۱۷۸۹۸
۲۰	»	۲۵	»	۹۶۶۹۱۷
۲۵	»	۳۰	»	۱۵۱۹۰۴۷
۳۰	»	۳۵	»	۲۳۵۴۱۲۲
۳۵	»	۴۰	»	۲۲۳۲۵۶۹

(دنيا کے مختلف ملکوں ميں شرح اموات هر هزار انسانوں ميں)

آبادي	سنه ۱۹۲۱ ميں	سنه ۱۹۲۵ ميں	
امريکا	۱۰۰۰۰۰۰۰	۱۲۶۹	۹۶۵
انگلينڈ	۴۵۴۰۰۰۰	۱۴۶۶	۱۱٫۷
فرانس	۳۹۲۰۹۵۱۸	۱۳۶۷	۱۱۶۵
جرمني	۶۰۰۰۰۰۰۰	۱۶۶۴	۱۳۶۲
جاپان	۶۱۰۸۱۹۵۴	۱۶۶۲	۱۴۶۵
هندوستان	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۲۴۶۲	۳۰۶۲
نارڑے	۲۶۰۰۰۰۰	۱۳۶۲	۱۱۶۸
نيوزيلينڈ	۱۲۰۰۰۰۰	۹۶۵	۹۶۲
سويڈن	۶۰۰۰۰۰۰	۱۳۶۸	۱۱۶۷

(شرح پيدائش سنه ۱۹۲۱ع ميں)

امريکا	۱۹۶۵
انگلينڈ	۲۲۶۴
فرانس	۱۸٫۵
جرمني	۲۳۶۵
جاپان	۲۴
هندوستان	۳۱۶۸۳
نيوزيلينڈ	۲۱۶۹۴

(دنيا کے بڑے بڑے ملکوں ميں اوسط عمر سنه ۱۹۲۵ع)

(سال)

انگلينڈ اور ويلس	۵۱۶۵
ولايات متحدۂ امريکا	۵۵۶۵
نيوزيلينڈ	۶۰۶۰
فرانس	۴۸۶۵
جرمني	۴۷۶۴
اٹلي	۴۷۶۰
جاپان	۴۴۶۳
هندوستان	۲۳۶۷

(دنيا کے بڑے بڑے ملکوں ميں بچوں کي شرح اموات في هزار)

انگلينڈ اور ويلس	۵۷
فرانس	۸۵
بلجيم	۱۰۷
جرمني	۱۰۸
اسپين	۱۴۵
اٹلي	۱۶۱
جاپان	۱۶۶
هندوستان	۱۹۴
نيوزيلينڈ	۴۵

هندوستان ميں آباديوں کي تعداد (سنه ۱۹۲۱ ع) ميں

صوبه	اندهے		بهرے گونگے		ديوانے		کوڑهي	
	مرد	عورتيں	مرد	عورتيں	مرد	عورتيں	مرد	عورتيں
مدراس	۱۸۲۳۰	۱۸۲۶۷	۱۱۹۴۷	۹۳۳۷	۵۰۳۵	۳۵۰۴	۱۱۶۰۹	۳۹۸۹
بمبئي	۱۴۹۶۹	۱۸۰۸۹	۶۵۰۲	۴۲۳۰	۵۸۰۲	۳۲۵۸	۵۵۳۵	۲۴۴۸
بنگال	۱۸۷۰۲	۱۴۷۶۶	۱۸۹۳۹	۱۲۳۲۵	۱۱۱۰۲	۷۷۹۱	۱۱۴۴۸	۴۰۰۳
يو ۰ پي	۵۰۷۷۹	۵۴۲۹۳	۱۴۳۱۱	۸۳۶۷	۴۸۳۷	۲۳۳۸	۱۰۱۰۶	۲۱۹۰
پنجاب	۲۹۱۶۶	۲۴۴۹	۱۱۷۹۳	۶۵۲۱	۴۱۱۱	۱۸۵۹	۱۱۸۸	۴۳۹
برما	۱۱۳۲۵	۱۳۱۹۸	۶۴۴۷	۵۴۳۰	۶۲۸۵	۵۲۸۸	۶۵۸۹	۳۱۷۶
بہار اوڑيسه	۱۳۸۵۲	۱۴۳۱۴	۱۱۴۲۳	۷۲۲۴	۲۳۳۴	۱۲۰۳	۷۸۴۲	۲۷۵۴
صوبي ۰ پي	۱۵۰۱۴	۲۲۴۸۲	۷۶۰۵	۵۲۰۲	۲۰۸۵	۱۲۱۸	۴۴۵۰	۶۷۶۶
آسام	۲۷۴۷	۳۴۵۹	۳۱۱۵	۲۲۵۵	۲۱۸۷	۱۵۶۵	۳۲۰۸	۱۱۰۲
کل برطاني هندوستان ميں	۱۸۰۹۵۹	۱۸۶۱۷۶	۹۳۶۴۳	۶۱۷۸۳	۴۴۶۷۳	۲۸۲۳۴	۶۲۱۸۰	۲۲۹۴۲

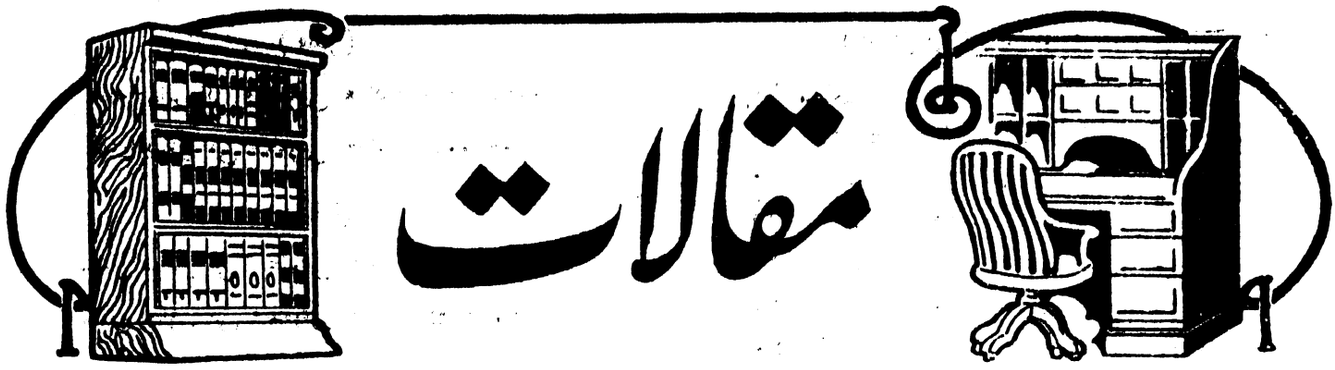

مقالات

مستشرقین اور استشراق

(عربوں اور اہل یورپ کے علائق)

عربوں کا اہل یورپ سے تصادم اور اتصال اُس وقت سے شروع ہوتا ہے ' جب عربوں نے شام و مصر اور دوسرے رومی مقبوضات پر فاتحانہ اقدام کیا تھا - اسپین اور پرتگال کی فتح نے عربوں کو خود یورپ میں پہنچا دیا - پھر جب دوسری ' تیسری ' اور چوتھی صدی ہجری میں بنو امیہ نے اپنی خلافت اندلس میں قائم کر لی ' تو یورپ سے تعلقات اور بھی زیادہ ہو گیے - تیسری صدی میں جزیرۂ سسلی کی فتح اور جنوبی اٹلی میں عربی اثر نے یہ تعلقات اور زیادہ وسیع کر دیے -

اِس کے بعد صلیبی جنگوں کے زمانے میں تصادم و اتصال نہایت سخت ہو گیا - اہل یورپ مشرق کا تمدن ' اخلاق ' اور علوم دیکھ کر دنگ ہو گئے - مال و جان کے بے شمار نقصان کے ساتھ ' تمدنی ' علمی ' اخلاقی فوائد بھی بے شمار حاصل کیے - بہت سے صلیبی مجاہدین نے عربی زبان کی باقاعدہ تحصیل کی - اُن کے متعدد امراء اور سپہ سالار عربی زبان اور عربی تمدن کے دل سے حامی ہو گئے -

(یورپ پر عربوں کا علمی اثر)

یورپ میں عربی زبان اور تمدن کی مقبولیت کا آغاز اِس سے پہلے ہو چکا تھا - یورپ کے مختلف ممالک سے طالب علم اسلامی اسپین میں آتے تھے اور مسلمان اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے تھے - خود پوپ سلوسٹر دوم ' جو سنہ ۹۹۹ ع میں پاپائیت کے منصب پر پہنچا ' عربوں کا شاگرد تھا - اِس نے قرطبہ اور اشبیلیہ میں مسلمان علماء سے ریاضی ' ہیئت ' اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کی تھی - اِسی طرح شاہ لیون اور اسٹوریا نے بھی قرطبہ میں علم طب حاصل کیا تھا -

والٹیر کا بیان ہے کہ قدیم زمانے میں تمام یورپین بادشاہ ' عرب اور اُن کے شاگرد یہودی اطباء اپنے درباروں میں رکھتے تھے - اور اسپین اور اُس کے پڑوسی ممالک کے بکثرت مسیحی باشندے بھی عربی زبان کی تحصیل کرتے تھے ' تاکہ عربی سلطنت میں ملازمت حاصل کر سکیں یا عربی ممالک میں تجارت کریں -

(مسیحی تبلیغ اور عربی زبان)

چودھویں صدی کے اوائل میں عربی زبان کے لیے یورپ میں ایک خاص سرگرمی پیدا ہو گئی - روم کے پوپ نے قرون وسطیٰ میں رہبانیت کا ایک نیا نظام جاری کیا تاکہ ایشیا ' افریقا ' اسپین ' اور سسلی کے غیر مسیحی باشندوں میں مسیحیت کی تبلیغ کی جائے - لیکن تجربے سے معلوم ہو گیا کہ اِس مقصد میں کامیابی نہیں

(برطانی ہندوستان میں شرح پیدائش و موت سنہ ۱۹۲۴ ع)

صوبہ	آبادی	تناسب پیدائش	مجموعی تعداد پیدائش	تناسب اموات	بچوں کا تناسب اموات	مجموعی تعداد اموات	بخار سے	ہیضہ سے	چیچک سے	تنفس کی بیماریوں سے
مدراس	۴۱۰۰۲۹۰۶	۳۴۶۹	۱۴٬۳۰٬۸۵۸	۳۴۶۵	۱۷۹۶۰۲	۱۰٬۰۶٬۰۴۳	۳٬۲۴٬۲۵۹	۵۱٬۹۷۱	۱۸٬۸۱۰	۶۴٬۷۸۲
بمبئی بنگال	۱۹۱۵۵۶۱۴	۳۵۶۹	۶٬۷۹٬۳۳۱	۲۷۶۳	۱۹۰۶۳۶	۵٬۲۹٬۵۷۶	۲٬۱۴٬۵۶۳	۸٬۲۳۶	۱۱٬۱۵۲	۲۸٬۹۲۶
یو پی پنجاب برما	۴۶۵۲۲۲۹۳	۲۹۶۵	۱۳٬۷۰٬۱۱۴	۲۵۱۹	۱۸۳۶۹	۱۲٬۰۳٬۲۴۱	۹٬۱۲٬۴۰۳	۴۸٬۵۱۴	۵٬۵۹۷	۲۶٬۶۴۹
بہار اڑیسہ	۴۵۳۷۵۷۸۷	۳۴۶۷۲	۱۵٬۷۳٬۸۱۰	۲۸۲۲۹	۱۹۱۶۹۰	۱۲٬۸۳٬۸۷۲	۹٬۴۷٬۸۰۷	۶۷٬۰۰۰	۴٬۷۲۴	۲۷٬۴۱۲
سی پی آسام	۲۰۵۱۷۶۰۶	۴۰۶۱	۸٬۲۱٬۶۸۵	۴۳۶۴۳	۲۱۲۶۴۹	۸٬۹۱٬۰۲۶	۴٬۵۲٬۱۸۷	۳٬۳۵۱	۴٬۰۴۰	۵۴٬۴۸۸
کل برطانی ہند	۲۴۱۴۶۹۰۲۶	۳۱٬۴۴	۸۳٬۱۷٬۴۰۳	۳۸۶۴۹	۱۸۸۶۳۳	۶۸٬۷۹٬۲۸۶	۴۰٬۰۷٬۶۶۲	۲٬۹۳٬۷۰۷	۵۵٬۳۸۰	۳٬۳۳٬۹۳۶
		۳۱٬۶۰۴	۳٬۱۴٬۶۶۸	۴۶۱۸	۳۲۶۵۹	۳٬۱۴٬۶۵۰	۲٬۱۲٬۷۵۵	۳۱٬۶۰۴	۹۷۸	۳۷٬۱۳۶
		۳۵۶۷	۲٬۱۴٬۱۴۶	۴۶۱۸	۳۲۶۵۹	۳٬۱۴٬۶۶۸	۲٬۱۲٬۷۵۵	۳۱٬۶۰۴	۹۷۸	۳۷٬۱۳۶
		۴۰۶۱	۸٬۲۱٬۶۸۵	۴۳۶۴۳	۲۱۲۶۴۹	۸٬۹۱٬۰۲۶	۴٬۵۲٬۱۸۷	۳٬۳۵۱	۴٬۰۴۰	۵۴٬۴۸۸
		۲۹۶۵	۱۳٬۷۰٬۱۱۴	۲۵۱۹	۱۸۳۶۹	۱۲٬۰۳٬۲۴۱	۹٬۱۲٬۴۰۳	۴۸٬۵۱۴	۵٬۵۹۷	۲۶٬۶۴۹
		۳۴۶۷۲	۱۵٬۷۳٬۸۱۰	۲۸۲۲۹	۱۹۱۶۹۰	۱۲٬۸۳٬۸۷۲	۹٬۴۷٬۸۰۷	۶۷٬۰۰۰	۴٬۷۲۴	۲۷٬۴۱۲
		۲۷۶۴۰	۳٬۹۳٬۵۸۵	۲۱۶۵۱	۱۹۷۶۴۲	۲٬۳۳٬۱۶۴	۷۵٬۲۸۸	۸٬۰۸۳	۳٬۵۰۱	۱۱٬۰۹۸
		۳۵۶۷	۱۲٬۱۴٬۱۴۶	۲۹۶۱	۱۵۸۶۲۰	۹٬۸۹٬۷۶۳	۱٬۱۰٬۶۳۵	۷۷٬۴۸۰	۶٬۹۳۲	۹٬۹۰۶
		۳۱٬۶۰۴	۲٬۱۲٬۷۵۵	۲۷۶۳۰	۱۸۴۶۳۲	۱٬۸۷٬۱۲۷	۱۳٬۱۹۸	۱۹٬۱۸۲	۱٬۶۴۷	۶٬۷۰۸
		۳۱٬۴۴	۸۳٬۱۷٬۴۰۳	۳۸۶۴۹	۱۸۸۶۳۳	۶۸٬۷۹٬۲۸۶	۴۰٬۰۷٬۶۶۲	۲٬۹۳٬۷۰۷	۵۵٬۳۸۰	۳٬۳۳٬۹۳۶

هو سکتي جبتک که مبلغ مشرقي زبانوں خصوصاً عربي میں مہارت حاصل نه کریں - چنانچه سنه ۱۳۱۱ع میں پوپ اکلمنٹس پنجم کي زیر صدارت وائنا میں کانفرنس منعقد هوئي ' اور اُس نے فیصله کیا که فرانس ' انگلستان ' اٹلي ' اور اسپین کے علمي مرکزوں میں ' عربي ' عبراني ' اور سرياني ' زبانوں کي باضابطه تعلیم جاري کي جائے -

(فرانس کا مدرسهٔ طب)

اِس سے پہلے مونپلیه (فرانس) میں ایک طبي مدرسه سنه ۱۲۲۰ع میں قائم هوچکا تها - اُس میں تعلیم کا تمام دار و مدار اندلسي علماء پر تها - عربي زبان کي باقاعده تعلیم هوتي تهي تاکه طبي و عقلي علوم کي تحصیل کامل طور پر هو سکے - سنه ۱۳۶۱ع میں وسطی یورپ کي پہلي یونیورسٹي کراکر (پرایند) میں قائم هوئي - اِس کے چارسال بعد وائنا کي یونیورسٹي وجود میں آئي -

(اسلامي فلسفه اور مسیحي کلیسا)

اِس کے بعد جب یورپ میں تعلیم گاهوں کي کثرت هوگئي تو سامي زبانوں ' خصوصاً عربي کي تعلیم بہت عام هوگئي - مگر اب پادریوں کي جماعت عربي سے خوف کهانے لگي تهي - ابن رشد ' ابن سینا ' رازي ' ابن زهر ' وغیره حکماء اسلام کي تصانیف ' اُن کے خیال میں کفر و الحاد کا منبع تهیں - اِس لیے وه طالب علموں کو بڑي سختي سے اِن تصانیف کے درس و مطالعه سے روکتے تهے -

(اٹلي میں عربي زبان کي مقبولیت)

لیکن پادریوں کي یه مخالفت زیاده کار آمد نہیں هوئي - عربي زبان اور کتابوں کا شوق برابر ترقي هي کرتا گیا - چنانچه اُسي زمانے میں اٹلي کے بعض امراء ' عربي زبان کے اِس قدر دلداده هوگئے تهے که اُسے اپني تحریر و تقریر کي زبان قرار دیدینا چاهتے تهے - اُن کے محلوں میں عربي زبان کے سوا کوئي دوسري زبان سني نہیں جاتي تهي - اُن کے درباروں میں عرب علماء کا هجوم رهتا تها -

(شاه سسلي اور شریف ادریسي)

اِن امراء میں راجر دوم شاه سسلي بہت زیاده مشہور هے - یهي وه بادشاه هے جسے شریف ادریسي نے چاندي کا کره نذر کیا تها - اِس میں زمین کے پہاڑ ' سمندر ' اور اقلیمیں صاف صاف دکهائي گئي تهیں - نیز اِسي کے نام پر ادریسي نے اپني مشہور کتاب " نزهة المشتاق في اختراق الآفاق " تصنیف کي تهي - ادریسي نے اِس بادشاه کي بہت تعریف لکهي هے ' اور اُسے روم کے بادشاه سے زیاده عادل اور نیک بتایا هے -



ایگین کارمیئر
جسنے مقدمه ابن خلدون شائع کیا

صفدي نے " الوافي بالوفیات " میں لکها هے که " بادشاه نے ادریسي کو طلب کرکے کہا تها - میں زمین کے چشم دید حالات معلوم کرنا چاهتا هوں نه که صرف کتابوں میں لکهے هوئے حالات - چنانچه ادریسي کے مشوره سے بادشاه نے عقلمند آدمي دنیا کے مختلف ممالک کے



فریڈرک دوم
جس نے جدید مشرقیات کي بنیاد رکهي

مشاهدے کے لیے بهیجے - هر ایک کے ساتهه ایک مصور بهي کردیا تها ' تا که هر جگه کي تصویریں اور نقشے طیار کرتے جائیں - یه تمام معلومات ' تصویریں ' اور نقشے ' ادریسي کے پاس جمع هوتے رهے ' یہاں تک که بادشاه کي آرزو پوري هوگئي " نیز صفدي نے لکها هے که بادشاه ' ادریسي کي ازحد تعظیم و تکریم کرتا تها - حتي که اُسے اجازت دے رکهي تهي که وه اپني سواري هي پر دربار تک چلا آیا کرے اور خود بادشاه کے ساتهه تخت پر بیٹهے !

(سب سے پہلا مطبوعه قرآن)

اِسي طرح اٹلي کے دوسرے امراء و سلاطین کو بهي عربي زبان سے بہت محبت تهي - فریڈریک دوم (جو چهٹي صلیبي کا سپه سالار تها) عربي میں پوري طرح ماهر تها - اِسي قدر نہیں بلکه مطبع کي ایجاد کے بعد هي اٹلي کے کئي علم دوست امرائي خاندانوں نے مشرقي اور عربي کتابوں کي طباعت بهي شروع کردي - بحر اڈریاٹک پر پہلا مطبع شہر فانو میں قائم هوا (سنه ۱۶۲۴) یه مطبع خاندان مذدیسیس نے قائم کیا تها - اِس میں قرآن مجید اور عربي زبان کي متعدد طبي و علمي کتابیں چهاپي گئي تهیں -

(عربي کتابوں کے ترجمے)

اٹلي کي تقریباً تمام بڑي بڑي تعلیم گاهوں میں اُس وقت عرب اساتذه درس دیتے تهے - واقعه یه هے که یورپ میں سب سے پہلے اٹلي هي نے عربي زبان کي قدر کي ' اور اُس سے فائده اُٹهایا - لاطیني زبان میں بہت سي عربي کتابوں کے ترجمے کیے گئے - بقراط اور ارسطو وغیره کے عربي ترجمے اور شرحیں ترجمه هوئیں - گرودر کریمونا نامي ایک اٹالین نے ستر سے زیاده علمي کتابیں عربي سے لاطیني میں منتقل کي تهیں - اصل عربي کتابیں اب مفقود هیں - مگر یه ترجمے موجود هیں -

(پادریوں کا مدرسه)

سنه ۱۵۸۴ع میں پوپ گیریگوري سیزدهم نے روم میں پادریوں کے لیے ایک مدرسه قائم کیا - اِس مدرسه نے عربي زبان کي بہت خدمت کي - اِس کے تعلیم یافته لوگوں میں جبل لبنان کے تین نوجوان ' جبرائیل صهیوني ' ابراهیم حلاقاني ' سمعان سمعاني بهي تهے - اُنهوں نے بہت سي عربي کتابیں ' لاطیني میں ترجمه کیں -

(اسپین اور پرتگال)

یه عجیب بات هے که اسپین اور پرتگال نے عربي زبان سے بہت کم دلچسپي لي - حالانکه اسپین میں کامل آٹهه سو برس تک عربي تمدن قائم رهچکا تها - عربي عهد میں اندلس کي سرکاري اور ملکي زبان عربي تهي - خود اسپیني امراء بهي عربي سیکهنے اور بولنے کو باعث فخر سمجهتے تهے - مگر پهر بهي اسپینیوں کو کوئي خاص شغف عربي سے نہیں هوا - مسیحي اسپین میں پہلا عربي مدرسه طلیطله میں قائم هوا - یه گیارهویں صدي مسیحي کے



دوزي
جسنے قاموس کا تکمله مرتب کیا

اوائل کا واقعه هے - پهر سنه ١٢٥٤ ع میں اشبیلیه میں ایک عربي لاطیني تعلیم گاه بهي جاري هوگئي ' مگر کوئي خاص ترقي نه هو سکي -

(عربي کتابیں یورپ نے کب سے جمع کرنا شروع کیں ؟)

پندرهویں صدي یا چودهویں صدي سے یورپین قومیں نے عربي کتابیں مشرقي ملکوں سے خریدنا شروع کیں - لویس نهم شاه فرانس نے سب سے پہلے عربي کتب خانے قائم کرنے کي رسم جاري کي - یه خیال اُسے اِس طرح پیدا هوا که صلیبي جنگوں کے زمانے میں بعض یورپین نے دیکھا تھا که مسلمان بادشاهوں کے پاس بڑے بڑے کتب خانے هیں ' جن میں بیٹھکر وہ بہ اوقات فرصت کتابوں کا مطالعه کیا کرتے هیں - لویس نهم نے یه سنا تو اُس نے خود بهي اپنے لیے ایک کتب خانه قائم کیا - یه واقعه تیرهویں صدي کا هے - اِس کے بعد لویس چهاردهم نے ایک آسٹرین عالم کو مشرقي ممالک میں خاص اِس غرض سے بهیجا که اُس کے لیے کتابیں خریدے -

اِس طرح انیسویں صدي کے وسط هي میں یورپ میں عربي کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیره جمع هوگیا تھا - کم سے کم دو لاکھه پچاس هزار قلمي کتابیں کتب خانوں میں داخل هوگئي تھیں -

(یورپ میں عربي کتب خانے)

یورپ اور امریکا میں عربي کے بڑے بڑے کتب خانے بہت سے شهروں میں موجود هیں - ذیل میں صرف چند کے نام ذکر کیے جاتے هیں :

لینن گراڈ ' برلن ' پیرس ' لندن ' لیپزیک ' مونیخ ' وائنا ' لیڈن ' آکسفورڈ ' ایڈنبرا ' ڈبلن ' کیمبرج ' نیویارک ' شیکاگو ' کلیفورنیا وغیره -

هر کتب خانے میں مرتب و منضبط فهرستیں موجود هیں - هرکتاب پر مفصل تقریظ لکھي گئي هے - بعض فهرستیں علم هیں اور اُن سے ایک نظر میں معلوم هو جاتا هے که کون کون کتاب کس کس کتب خانے میں موجود هے ؟ یه کتب خانے برابر ترقي کر رهے هیں - نادر سے نادر کتابیں غیر معمولي جد و جهد اور صرف کثیر سے جمع کي جاتي هیں -

(عربي کي باقاعده تدریس)

یورپ کو دیني تعصبات سے جب نجات ملي اور اُس کي جگه ملک گیري کي هوس نے لیلي ' تو عربوں اور دوسري مشرقي قوموں کے علوم و آداب سے واقفیت پیدا کرنے کي عام طور پر ضرورت محسوس هونے لگي - چنانچه اٹهارهویں صدي کے اواخر میں علم المشرقیات نے ایک منظم علم کي صورت اختیار کرلي ' اور اُسکي باضابطه تعلیم و تدریس هونے لگي -

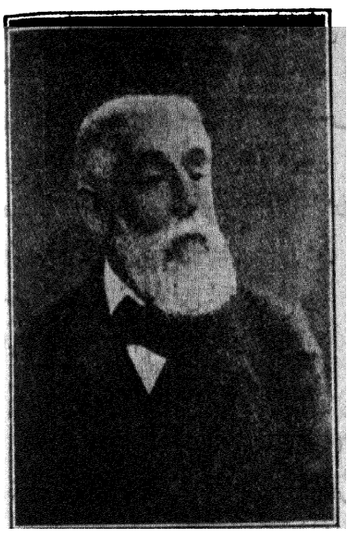

هرٹزویگ قیر نبرگ
جسنے پچاس کتابیں عربي ادب و تاریخ کي شائع کیں

سب سے پہلے سنه ١٧٥٣ ع میں آسٹریا نے مشرقي زبانوں کا ایک مدرسه قائم کیا - اِس میں حکومت کے سفراء اور ملک کے تاجروں کو تعلیم دي جاتي تھي - سنه ١٧٩٥ع میں فرانس نے اِسي مقصد سے ایک تعلیم گاه جاري کي - سنه ١٨٨٧ع میں جرمني نے اِس کي تقلید کي - اس کے بعد روس ' انگلستان ' اور اٹلي نے بهي اِدهر توجه کي - لیکن یه واقعه هے که سولهویں صدي سے یورپ کي هر یونیورسٹي میں ' خصوصاً انگلستان ' جرمني ' اور هالینڈ کي درس گاهوں میں عربي زبان داخل نصاب هوچکي تھي -

(ائمهٔ مستشرقین)

یورپ کو مشرقي زبانوں سے جو شغف رها هے ' اُس کا ایک نمایاں ثبوت اُن مستشرقین کا وجود هے ' جنهوں نے اپني پوري زندگي اِن علوم کے لیے وقف کردي هے - بہت سے مستشرق متعدد مشرقي زبانوں کے عالم تھے - مثلاً جرمن اوڈلف مشرق و مغرب کي ٢٥ زبانوں کا عالم تھا - سلوسٹر دي ساسي فرنچ مستشرق بیس زبانوں میں ماهر تھا - یهي حال سولڈرز لیڈن کے واں برسمي اور جرمن محقق هوسل کا تھا - ڈچ عالم ڈوزلي سات زبانوں میں اِس طرح انشا پردازي کرتا تھا ' گویا اُس کي مادري زبانیں هیں یهي حال هنگریں پروفیسر ریمبري کا تھا - وہ هنگرین ' ترکي ' عبراني ' اور لاطیني زبانوں کا مستند عالم تھا -

یورپ نے صرف عربي کے مدارس قائم کرنے هي پر اکتفا نهیں کیا ' بلکه مشرقي زبانوں کي بحث و تحقیق کے لیے علمي انجمنیں بهي قائم کیں - سب سے پہلے سنه ١٧٧٨ع میں هالینڈ نے بتاویا (جاوه) میں اِس قسم کي انجمن قائم کي تھي - پهر سنه ١٧٨٤ع میں ایشیاٹک سوسائٹي کلکته میں قائم هوئي - سنه ١٨٠٥ میں ایک ایسي هي انجمن بمبئي میں بنائي گئي - پیرس کي انجمن سب سے زیاده اهم هے - یه سنه ١٨٢٢ ع میں قائم هوئي - اِس کے بانیوں میں یورپ کا مشهور ترین مستشرق اور عربي زبان کا فاضل ' سلوسٹر دي ساسي تھا - اسی سے جرمن ' ڈچ ' سولڈش ' اور اٹالین مستشرقین نے استفاده کیا - درحقیقت انیسویں صدي میں عربي زبان کا یورپ میں سب سے بڑا علم بردار یهي شخص تھا - اس نے عربي کي تحصیل علماء یورپ کے لیے نهایت آسان کردي -

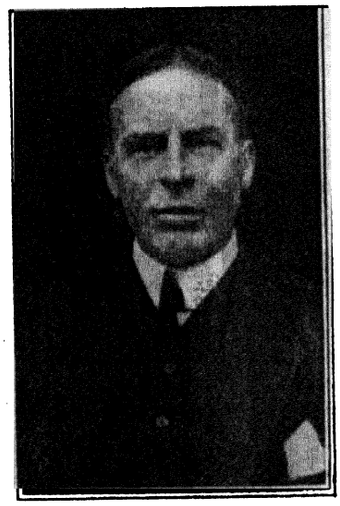

جي - براؤن
مشهور انگریز مستشرق

"کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

(۳)

(مزدور اور کمیونسٹ)

تمام پچھلي سوسائٹیوں کي تعمیر' جیسا کہ بیان ہوا' ظالم اور مظلوم جماعتوں کي باہمي دشمني کي بنیادوں پر ہوئي تھي - لیکن کسي جماعت پر ظلم جاري رکھنے کیلیے کم سے کم یہ ضروري ہے کہ اُسے اُن حالات کي ضمانت دیدي جائے' جو اُسکا غلامانہ وجود برقرار رکھہ سکیں - قدیم سوسائٹي میں یہ بات حاصل تھي' چنانچہ لگاني اسامیوں نے جاگیر داري کے عہد ھي میں نیابي مجالس کي ممبري کا حق حاصل کر لیا تھا - لیکن موجودہ سرمایہ دار عہد میں مزدوروں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے - وہ صنعت کي ترقي کے ساتھہ ساتھہ بڑھنے اور ارتقا ہونے کي جگہ اپنے معاشرتي حالات کے بھنور میں اور بھي زیادہ غرق ہوتے چلے جاتے ہیں - حتی نان شبینہ تک کو محتاج ہوگئے ہیں - انکي محتاجي کہیں ختم نہیں ہوتي' بلکہ آبادي اور دولت کي ترقي سے بھي زیادہ تیزي کے ساتھہ بڑھ رہي ہے !

پس یہ بات صاف ہے کہ اب سرمایہ دار نہ تو سوسائٹي کے اندر اپني حکمراں حیثیت برقرار رکھنے کي اھلیت رکھتے ہیں' اور نہ اپنے جماعتي معاشرتي نظام کو بطور ایک برتر قانون کے اسپر عائد کر سکتے ہیں - اب وہ حکومت کرنے کے قابل ھي نہ رہے :- وہ اپنے غلاموں کو انکے غلامانہ وجود کي بھي ضمانت نہیں دے سکتے - اب سوسائٹي ہرگز سرمایہ دار طبقہ کے ماتحت نہیں رہ سکتي - کیونکہ اسکا وجود سوسائٹي کیلیے مفید نہیں رہا -

سرمایہ دار طبقہ اور سرمایہ دار حکومت کي بنیاد اُجرتي محنت پر ہے' اور اُجرتي محنت کا دار و مدار مزدوروں کے باھمي مقابلہ پر ہے - صنعت کي ترقي' جسکا خود ساختہ اور نا قابل مقابلہ ایجنٹ سرمایہ دار ہے' مزدوروں کي باھمي پھوٹ کو ایک انقلابي اتحاد سے بدل رھي ہے' اور وہ انجمنوں کي صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے -

لہذا موجودہ صنعت کي ترقي کے ساتھہ ساتھہ سرمایہ دار طبقہ کي وہ بنیاد بھي کٹ کٹ کر اسکے پیروں کے نیچے سے نکل رھي ہے جسپر اسکي پیداوار اور تصرف کا نظام قائم ہے - وہ اسکي پیداوار ھي ہے جو اب سب سے زیادہ اسکي دشمني پر تل گئي ہے اور اسکي لاش کیلیے قبر کھود رھي ہے - سرمایہ داروں کا زوال اور مزدوروں کي فتح دو برابر درجہ کي اٹل چیزیں ہوگئي ہیں -

(٤)

جب جب معاشرتي حالات میں کوئي تاریخي تبدیلي ہوئي ہے' تو تمام املاکي رشتوں میں بھي مسلسل تاریخي تبدیلیاں رونما ہوئي ہیں - مثلاً انقلاب فرانس نے سرمایہ دارانہ ملکیت کي حمایت میں جاگیر دارانہ ملکیت منسوخ کردي تھي -

کمیونزم کي امتیازي خصوصیت عام ملکیت کي منسوخي نہیں ہے' بلکہ صرف سرمایہ دارانہ ملکیت کي منسوخي ہے - موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ایک انتہائي اور کامل ظہور ہے پیداوار اور اسکے استعمال کے اُس نظام کا' جو سراسر جماعتي نزاع اور باھمي تخریب پر مبني ہے -

کمیونسٹ اپنے نظریہ کو صرف ایک جملہ میں بیان کر سکتے ہیں - " سرمایہ دارانہ نہج کي ملکیت کي منسوخي "

ہم کمیونسٹوں کو ملامت کي جاتي ہے کہ ہم شخصي ملکیت منسوخ کر دینے چاہتے ہیں جو محنت سے حاصل کي گئي ہے' اور جسکے متعلق دعوی کیا جاتا ہے کہ شخصي آزادي' جماعتي جد جہد' اور قومي خود مختاري کي بنیاد ہے -

" جزي دشواري سے حاصل کي ہوئي' خود کمائي ہوئي' خود جمع کي ہوئي ملکیت ! " کیا اِس قول سے تمہارا مقصود چھوٹے چھوٹے سوداگروں اور کسانوں کي ملکیت ہے جو سرمایہ دارانہ ملکیت کا ھیولی پیش کرتي ہے ؟ ھمیں اسکے منسوخ کرنے کي کوئي ضرورت نہیں - صنعت کي ترقي نے خود ھي اُسے منسوخ کردیا ہے اور برابر کر رھي ہے -

یا تمہارا مقصود موجودہ سرمایہ دارانہ ملکیت ہے ؟

کیا اجرتي محنت' یعني مزدور کي محنت خود مزدور کیلیے کوئي ملکیت پیدا کرتي ہے ؟ ہرگز نہیں - وہ تو صرف " سرمایہ " پیدا کرتي ہے - یعني " ملکیت " پیدا کرتي ہے جو اجرتي محنت سے فائدہ اٹھاتي ہے' اور صرف اسي حالت میں بڑھ سکتي ہے جبکہ اجرتي محنت کي نئي نکاس برابر ہوتي رہے - ملکیت اپني موجودہ شکل میں سرمایہ اور اجرتي محنت کي باھمي نزاع پر قائم ہے - آؤ ہم اِس نزاع کے دونوں پہلوؤں کي جانچ کرلیں !

سرمایہ داري فی نفسہ کوئي شخصي پیداوار نہیں ہے' بلکہ سراسر اجتماعي حیثیت رکھتي ہے - کیونکہ سوسائٹي کے بے شمار ارکان کے متحدہ عمل سے وجود میں آتي ہے -

اسي طرح سرمایہ بھي شخصي نہیں ہے' بلکہ ایک اجتماعي طاقت کا نام ہے -

لہذا جب سرمایہ' عام ملکیت کي صورت میں بدل دیا جاتا ہے' یعني سوسائٹي کے تمام ارکان کي ملک بنا دیا جاتا ہے' تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ شخصي ملکیت عام ملکیت بنا دي گئي - کیونکہ یہاں شخصي ملکیت کا وجود ھي نہیں تھا - البتہ جو چیز بدلي جاتي ہے' وہ ملکیت کي صرف معاشرتي حیثیت ہے - یعني ملکیت سوسائٹي میں اپني انفرادي طاقت کھو دیتي ہے -

اب ہم اجرتي محنت کا مسئلہ لیتے ہیں :

اجرتي محنت کي اوسط شرح کم سے کم ہے - یعني مزدور کو اتني رقم ملتي ہے' جس سے وہ بمشکل اپني زندگي قائم رکھہ سکتا ہے - پس اس طرح مزدور اپني محنت سے جتني اجرت حاصل کرتا ہے' وہ اتني کم ہوتي ہے' جس سے اسکي نہایت سادہ زندگي کي ضمانت ہو سکتي ہے - ہم کسي طرح بھي محنت کي پیداوار کا یہ شخصي استعمال منسوخ کرنا نہیں چاہتے - ایسا استعمال جو انساني زندگي کے بقاء اور دوام نسل کیلیے نا گزیر ہے - البتہ ہم اِس استعمال کي وہ افسوسناک حیثیت ضرور مٹا دینے چاہتے ہیں جسکي وجہ سے مزدور صرف سرمایہ بڑھانے کیلیے زندہ رہتے ہیں' اور صرف اتنے عرصہ تک زندہ رہتے ہیں' جبتک حکمراں طبقہ کے مفاد کو انکي ضرورت رہتي ہے -

سرمایہ دارانہ سوسائٹي میں ھمیشہ ماضي' حال پر حکومت کرتا ہے - لیکن کمیونسٹ سوسائٹي میں حال' ماضي پر حکمراں ہوتا ہے - سرمایہ دارانہ سوسائٹي میں سرمایہ' آزاد اور مستقل

شخصیت رکھتا ہے - لیکن زندہ انسان محکوم ہوتے ہیں اور اپنی شخصیت سے محروم رہتے ہیں -

سرمایہ دار اِس صورت حال کی منسوخی کو انفرادی شخصیت اور آزادی کی منسوخی بتاتے ہیں ' بلاشبہ اِس سے انکی مراد سرمایہ دارانہ شخصیت ' سرمایہ دارانہ خود مختاری ' اور سرمایہ دارانہ آزادی کی منسوخی ہے !

موجودہ سرمایہ دارانہ حالات پیداوار کے ماتحت آزادی کے معنی " آزاد تجارت " اور " آزاد خرید و فروخت " کے ہیں -

لیکن اگر خود تجارت ہی مٹ جائے ' تو آزاد تجارت کہاں باقی رہتی ہے ؟ ہمارے سرمایہ دار جس طرح دوسری آزادیوں کے متعلق بے معنی ڈینگ مارا کرتے ہیں ' اسی طرح آزاد تجارت کے متعلق بھی انکی ڈینگ بالکل بے معنی ہے - بلا شبہ جب مقید تجارت کے ساتھہ یا قرون وسطی کے مقید شہریوں کے ساتھہ اُسکا موازانہ کیا جاتا ہے ' تو اسکے کچھہ معنی ہوتے ہیں ' لیکن جب سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور خود سرمایہ داروں کے ساتھہ اسکا مقابلہ کیا جاتا ہے ' تو وہ ایک بالکل بے معنی چیز رہ جاتی ہے -

تم خوف زدہ ہو رہے ہو کہ ہم شخصی ملکیت منسوخ کردینگے - مگر یہ تو سوچو ' تمہاری موجودہ سوسائٹی میں ۱۰/۹ حصہ آبادی کی ملکیت پہلے ہی سے منسوخ ہو چکی ہے ' اور اب سوسائٹی کی بقاء کے لیے نا گریز ہے کہ یہ باقی ایک حصہ کی ملکیت بھی جلد سے جلد ختم ہو جائے - تم ہمیں ملکیت کے اُس طرز کی منسوخی پر ملامت کرتے ہو ' جس کے وجود کی اولین شرط ہی یہ ہے کہ سوسائٹی کی بہت بڑی اکثریت بلا کسی ملکیت کے باقی رہے ؟

سچ یہ ہے کہ تم ہمیں اس لیے ملامت کر رہے ہو کہ ہم تمہاری سرمایہ دارانہ ملکیت منسوخ کر دینی چاہتے ہیں - بے شک ہمارا یہی ارادہ ہے !

جس لمحہ سے محنت کی تبدیلی ' سرمایہ ' نقد روپیہ ' اور لگان کی صورت میں نہ ہو سکے ' جس لمحہ سے محنت ایک ایسی اجتماعی طاقت کی صورت میں بدلی نہ جا سکے جو اجارہ داری کے لائق ہو ' جس لمحہ سے شخصی ملکیت کا سرمایہ دارانہ ملکیت میں تبدیل کیا جانا نا ممکن ہو جائے ؛ اُسی لمحہ سے تمہیں واویلا کرنے کا حق ہے کہ کمیونسٹ " فرد " کو مٹا دینا چاہتے ہیں - لیکن اگر ایسا نہیں ہے ' تو پھر تم گویا اعتراف کرتے ہو کہ " فرد " سے تمہاری مراد صرف " سرمایہ دار " ہے - یعنی صاحب جائداد - حالانکہ اس قسم کے فرد کو بلا شک مٹا دینا چاہئے !

کمیونزم کسی کو بھی اس کی اجتماعی پیداوار میں تصرف کی طاقت سے محروم نہیں کرتا - البتہ وہ سب کو اُس طاقت سے ضرور محروم کر دینا چاہتا ہے جس کے ذریعہ وہ دوسروں کی محنت پر قابو حاصل کرتے ہیں -

کمیونزم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شخصی ملکیت کی منسوخی کے ساتھہ ہی ہر قسم کی جد و جہد بھی موقوف ہوجائیگی ' اور سوسائٹی پر ایک عام اُداسی اور کاہلی چھا جائیگی -

لیکن اگر حقیقت حال ایسی ہوتی تو سرمایہ دار سوسائٹی سستی کی وجہ سے ابتک کب کی برباد ہو چکی ہوتی - کیونکہ جو لوگ اس کے لیے محنت کرتے ہیں ' وہ کچھہ بھی نہیں پاتے ' اور جو لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں ' وہ کچھہ بھی محنت نہیں کرتے -

در اصل تمام اعتراضات کا لب لباب یہ ہے کہ جب سرمایہ باقی نہ رہے گا تو اجرتی محنت بھی موقوف ہو جائیگی ' اور اس طرح سرمایہ داری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائگا -

جو اعتراض کمیونسٹ طریق پیداوار اور اس کے طریق تصرف پر کیے گئے ہیں ' وہی اس کی دماغی پیداوار اور اس کے استعمال پر بھی کیے گئے ہیں - سرمایہ دار کے نزدیک جس طرح اس کے فرقہ کی ملکیت کا معدوم ہو جانا ' خود پیداوار کی معدومی ہے اُسی طرح سرمایہ دارانہ تہذیب کی بربادی پوری تہذیب کی بربادی ہے !

وہ تمدن جس کے زوال پر سرمایہ دار یہ کچھہ ماتم کر رہے ہیں ' کیا ہے ؟ وہ انسانوں کی بہت بڑی اکثریت کے حق میں ایک ایسا تمدن ہے ' جو بے جان مشین کی طرح محنت کرنے کی طرف لے جاتا ہے !

تمہیں اُس وقت تک ہم سے بحث کرنے کا حق نہیں ہے جبتک تم اپنی سرمایہ دارانہ ملکیت کی منسوخی کے خلاف اپنے خود ساختہ سرمایہ دارانہ اصول کی بنا پر اعتراض کرتے ہو - کیونکہ تمہارے یہ اصول بھی محض سرمایہ دارانہ حالات پیداوار اور سرمایہ دارانہ ملکیت ہی کے انڈے بچے ہیں - عدل کیا ہے ؟ صرف تمہاری جماعت کی خواہش کا نام ہے جسے قانون بنا دیا گیا ہے ' اور جسے تمہاری جماعتی زندگی کے مادی حالات نے گڑھلیا ہے -

گزشتہ حکمراں طبقوں کی طرح تم بھی اِس خود غرضانہ خیال خام میں پڑے ہوے ہو کہ اپنے معاشرتی اصولوں کو فطرت و عقل کے اٹل قوانین کی صورت میں قائم کردو - تم اپنے معاملہ میں کوئی نکتہ چینی سننے کو طیار نہیں - تم جو کچھہ قدیم ملکیت کے بارے میں سمجھتے ہو ' اس کے تسلیم کرنے کی جرأت سرمایہ دارانہ ملکیت کے معاملہ میں نہیں کر سکتے -

" خاندان کی منسوخی !" زیادہ سے زیادہ جمہوریت پسند بھی کمیونسٹوں کی اِس عجیب تجویز سے چراغ پا ہو جاتے ہیں -

لیکن یہ تو غور کرو کہ موجودہ خاندان ' یعنی سرمایہ دارانہ خاندان کی بنیاد کس چیز پر ہے ؟ سرمایہ پر اور شخصی ملکیت پر - کیا یہ صحیح نہیں کہ اپنی پوری ترقی یافتہ شکل میں بھی خاندان کا وجود صرف سرمایہ داروں ہی کے لیے ہے ؟ اور کیا یہ بھی صحیح نہیں کہ اپنی ترقی و تکمیل کے لیے اُسے مزدوروں کی خاندانی زندگی کی عام بربادی کی ضرورت ہے ؟

تم ہمیں ملامت کرتے ہو کہ ہم اولاد کا خود غرضانہ استعمال روکنا چاہتے ہیں - ہم اس جرم کا اقبال کرتے ہیں !

تم کہتے ہو کہ ہم خانگی تعلیم کی جگہ معاشرتی تعلیم عام کرکے نہایت ہی پاک خاندانی رشتے بھی برباد کر ڈالنا چاہتے ہیں - لیکن کیا تم خود اِس الزام سے بری ہو ؟ کیا تمہاری تعلیم کو بھی تمہاری سوسائٹی نے مقید نہیں کر رکھا ہے ؟ کیا موجودہ تعلیمی نظام میں سوسائٹی بالواسطہ یا بلا واسطہ مداخلت نہیں کر رہی ہے ؟ کیا اسکولوں اور کالجوں کے احاطوں میں تعلیم مقید نہیں ہو چکی ہے ؟ تعلیم میں سوسائٹی کی مداخلت کچھہ کمیونسٹوں ہی کی ایجاد نہیں ہے - وہ تو پہلے سے ہی موجود ہے - کمیونسٹ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اِس مداخلت کی نوعیت بدل دیں ' اور تعلیم کو حکمران طبقہ کے اثر سے آزاد کردیں -



یورپ میں ایک مشرقي درویش

علماء و اطباء کي حیراني

طاهر بے جو زمین میں زندہ مدفون هوجاتا هے !

قارئین الهلال کو یاد هوگا کہ گزشتہ سال ریوٹر ایجنسي نے پیرس سے یہ خبر شائع کي تھي کہ " طاهر بے نامي ایک مشرقي درویش کے اعمال نے تمام پیرس میں دلچسپي پیدا کردي هے- بڑے بڑے ڈاکٹروں کي ایک جماعت نے اس کے اعمال کا مطالعہ کیا هے ' اور ان کے بے لاگ هونے کي شہادت دي هے "

آج کل یہ شخص انگلستان میں هے - گریفک کے مقالہ نگار نے ایک مبسوط مقالہ لکھہ کر اس کي شخصیت سے دنیا کا تعارف کرایا هے اور اس کے مختلف اعمال و غرائب کي تصویریں بھي شائع کي هیں - مقالہ نگار لکھتا هے :

" پیرس میں گزشتہ دو سال سے وقتاً فوقتاً ایک پر اسرار شخصیت دیکھنے میں آئي هے - یہ میانہ قد آدمي جسکے بدن کا رنگ زیتون کا سا اور داڑھي سیاہ هے' پوري مغربي نفاست کے ساتھہ ملبوس رهتا هے - اس کے مطمئن چہرے سے ظاهر هوتا هے کہ اس جوان نے بہت دنوں سے اپنے دل کي صفائي کا راز جان لیا هے - یہ پر اسرار شخص مشہور درویش طاهر بے هے ' جس نے گذشتہ ڈھائي سال سے یورپ کو اپنے کمالات سے حیرت میں ڈال دیا هے -

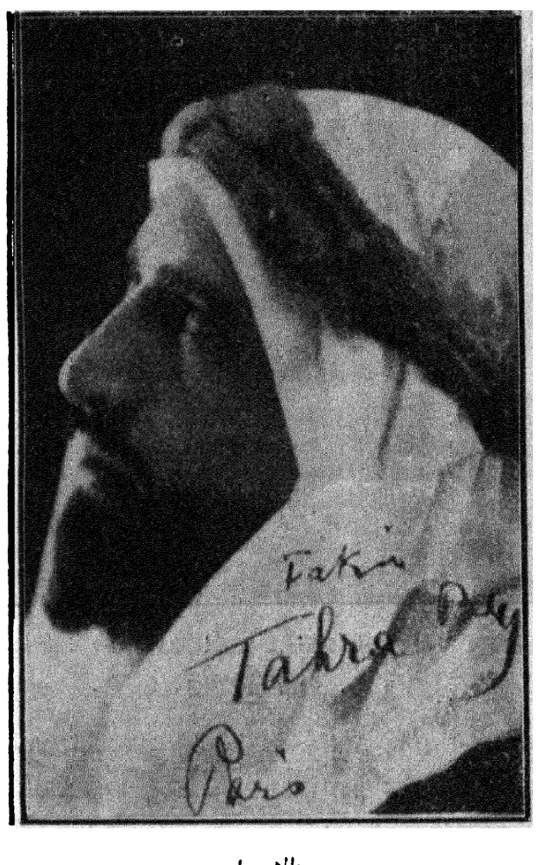

طاهر بے

یہ سنہ ۱۸۹۷ع میں طنجہ میں پیدا هوا - اسکي پیدائش کے وقت هي اسکي ماں کا انتقال هوگیا تھا - اسلیے تعلیم و تربیت کے لئے قدیم دستور کے مطابق فقراء کے گروہ میں رکھدیا گیا ' اور اس طرح ابتدا هي سے فقیري کي آب و هوا میں نشوونما پائي - سنہ ۱۹۰۵ - میں قسطنطنیہ آیا اور ترکي لڑکوں کي طرح معمولي تعلیم حاصل کي - اسکے بعد اس نے علم طب پڑھکر طبیب کي سند حاصل کرلي -

اسکي زندگي خاموش مطالعہ اور غور و فکر میں گزري هے ' اور جبتک اس نے اپنے ابا و اجداد کا پر اسرار علم حاصل نہیں کر لیا ' لوگوں کو اُس کے کمالات کي کوئي خبر نہیں هوئي - سنہ ۱۹۱۹ع میں اس نے ایک جمعیت قائم کي جسکا مقصد یہ تھا کہ دنیا کے تمام ڈاکٹروں اور فلسفیوں کے سامنے روحانیت کے مسائل اور تجارب پیش کرے -

یورپ ' جنوبي امریکہ ' اور انگلینڈ کے بڑے بڑے شہروں میں طاهر بے نے صرف ڈاکٹروں هي کو نہیں بلکہ عامۃ الناس کو بھي عجیب عجیب اعمال دکھلائے هیں جنکي کوئي علمي توجیہ ابتک نہیں کي جا سکي -

پہلے پہل جولائي سنہ ۱۹۲۵ میں یہ پیرس میں وارد هوا - وہ چند ماہ اٹلي میں بھي گزار چکا تھا - روم ' نیپلس ' پیلرمو ' فلورنس ' اور بولونا میں اس نے اپنے تجربے علم کے بڑے بڑے ماهرین کو دکھلائے تھے - کئي هفتوں تک اطالوي اخبارات اس کے کارناموں سے لبریز رهے - روم میں ارکان حکومت اور سفارتي عملہ کے سامنے اس نے اپنے فن کے مظاهرے کیے - خود مسولیني نے بھي چند بار چیگي محل میں اس کا استقبال کیا تھا - شاہ وکٹر ایمینوئل نے بھي اپنے حضور میں بلایا - شاہ جارج پنجم نے بھي جو اُن دنوں پیلرمو میں مقیم تھے ' اس کے اعمال دیکھنے کي خواهش ظاهر کي -

پیرس میں پہلے علماء نے ایک خاص جلسہ میں اسکے کمالات کا مشاهدہ کیا تھا جہاں پیرس کے مشہور اخبارات کے نمایندے بھي بلائے گئے تھے - یہ واقعہ هے کہ فرانسیسي علماء اس کے اعمال دیکھکر حیرت زدہ هو گئے اور متفقہ طور پر یہ رائے قائم کي کہ " اسکے اعمال شعبدہ بازي سے پاک هیں " لندن کے ایک بڑے تھیٹر میں بھي جہاں کي ایک کرسي بھي خالي نہیں رهي تھي ' اسکے کمالات دیکھے گئے - چونکہ تقریباً تیس آدمي بیہوش هوگئے تھے ' اسلیے اسکا عام مظاهرہ بند کردیا گیا !

خود طاهر بے کا بیان یہ هے کہ " میرے کام میں کوئي شعبدہ نہیں هے - میں اپنے اسرار ظاهر کر دینے کے لیے راضي هوں ' مگر میرا دعوی هے کہ سوائے خاص خاص فقراء کے اور کوئي شخص یہ کمالات حاصل نہیں کر سکتا "

وہ کہتا هے " فقیروں کي روحاني قوت بہت مضبوط هوا کرتي هے - اُنکي تعلیم تین مہینے کي عمر هي سے شروع هو جاتي هے "

کہ انہیں زخم یا ضرب شدید کا احساس نہیں ہوتا ' ہپناٹزم کے آپ پر کامل سکتہ کی سی حالت طاری کر دے سکتے ہیں ' سانس روک لیتے ہیں - زندہ دفن کر دیے جاسکتے ہیں - اپنی زندگی اور اپنے خیالات پر قابو رکھتے ہیں ' اور نیک و بد ارواح کو بلا سکتے ہیں "

" زندگی کا ابدی معما حل کرنے کے لیے فقراء موت کی عمیق غار میں اترتے ہیں - جس طرح غواص سمندر کی تہ تک پہنچ جاتا ہے - ان کی جسمانی موت ' غفلت اور نسیان کی نیند کو ایک ایسی حد تک پہونچا دیتی ہے ' جہاں سے جسم کے مرکب حصوں کی تفریق شروع ہوجاتی ہے ' اور جہاں روح جسم سے الگ ہونا چاہتی ہے "

طاہر بے اپنے ابتدائی اعمال کی نمائش کے بعد اپنے آپ کو زندہ مدفون کرا دیتا ہے جس میں تماشائیوں کی خواہش کے مطابق دس منٹ سے لیکر نصف گھنٹے تک کا وقفہ ہوتا ہے - اس پر ایک سکتہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے - اس کے کان ' ناک ' اور منہ روئی سے بند کردیے جاتے ہیں - اس کے بعد ایک تابوت میں لٹا کر اسے بالو سے بھر دیا جاتا ہے ' اور تابوت زمین کے اندر دفن کردیا جاتا ہے - جب وقت پورا ہوجاتا ہے تو تابوت نکالا جاتا ہے ' اور چند سکنڈ کے بعد طاہر بے کا سکتہ ختم ہوجاتا ہے - تابوت سے نکالے جانے کے وقت وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوسکتا اور جسم کا رنگ دھندلا متیالا ہو جاتا ہے - طاہر بے کے بیان کے مطابق رنگ کی یہ تبدیلی اس لیے واقع ہوتی ہے کہ جتنی دیر تک وہ تابوت کے اندر رہتا ہے ' دوران خون بند ہوجاتا ہے - اس کا قول ہے کہ اگر اپنے آپ پر سکتہ کی حالت طاری نہ کروں تو ہوا کے بغیر دس منٹ کے اندر مرجاؤں - بہت دن گزرے ' دفن کا یہ طریقہ مصر میں بھی مروج تھا - ساحروں نے مجرموں کی سزا کے لیے یہ چیز ایجاد کی تھی - کیونکہ زندگی کی قدر و منزلت جو دینی طور پر ضروری سمجھی گئی تھی ' کسی انسان کیلیے سزائے موت جائز نہیں رکھتی تھی - مجرم صرف عارضی طور پر دفن کرکے پھر باہر نکال دیے جاتے تھے - تجربہ سے اندازہ کیا گیا تھا کہ اگر ایسی سزا متواتر دی جائے اور مجموعی سزا کا وقفہ ایک سال ہوجائے ' تو مجرم کی عمر طبیعی دو سال گھٹ جاتی تھی ' کیونکہ اس طویل جمود و سکوت کی حالت میں جسم کے رگ اور پٹھے تک جاتے تھے ' اور ان کی قوت کم ہوجاتی تھی -

لیکن انہیں ساحروں کا یہ مقولہ بھی ہے کہ اگر یہ ذرا چوڑی خوراکوں میں دیجائے تو بہت سے امراض کیلیے مفید ہوتی ہے -

ایک مزید انکشاف طاہر بے کے تجربوں کیلیے باقی ہے - وہ یہ کہ جسم جب مٹی کے اندر مدفون ہوجاتا ہے تو دماغ کی نشوونما تیزی سے بڑھنا شروع ہو جاتی ہے - یہ خیال پیش نظر رکھکر وہ اب مصر جانے والا ہے - وہاں وہ بڑے بڑے وقفوں کیلیے مدفون رہیگا جنکا مجموعی وقفہ تین سال تک کا ہوگا - وہ کہتا ہے کہ اس عمل سے جسم آہستہ آہستہ متغیر ہو جائیگا مگر دماغ سو گنا زیادہ ترقی کر جائے گا !

طاہر کی عمر تیس سال کی ہے مگر علمی تجربوں کیلیے وہ اپنی زندگی کے پورے تین سال وقف کردیگا - وہ کہتا ہے کہ اگر دس پانچ برس اور نکل گئے ' تو اس تجربہ کا موقعہ باقی نہیں رہیگا - جوانی گذر جانے کے بعد انسان اس طویل جسمانی سکون و جمود کی حالت برداشت نہیں کر سکتا -

طاہر بے کے اعمال موجودہ انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہیں - وہ ایک ایسی راہ کا سالک ہے جسکا مغربی دماغ ادراک نہیں کر سکتا - وہ اپنے چہرے ' گردن ' بازو ' اور پیروں کو لوہے کی سلاخوں یا چھریوں سے چھید دیتا ہے - جب اسکے سینے سے خنجر باہر نکالا جاتا ہے تو نہایت تیزی سے خون کی دھار بہنے لگتی ہے - اور جب تماشائی یقین کر چکتے ہیں کہ واقعی خون ہی ہے ' تو وہ یکایک خون کا بہنا روک لیتا ہے - وہ اپنی نبض کی رفتار تیز اور سست کر سکتا ہے - وہ ایک ایسے تختہ پر جس پر لوہے کی نوکدار کیلیں جڑی ہوئی ہوتی ہیں ' لیٹ جاتا ہے ' اور ایک سو پچھتر پاونڈ کا پتھر اسکے پیٹ پر رکھکر لوہے کے بھاری ہتوڑے سے چور چور کردیا جاتا ہے - پھر وہ اٹھا کر کھڑا کردیا جاتا ہے ' اور ایک سکنڈ کے اندر اپنی اصلی حالت میں واپس آ جاتا ہے !



طاہر بے تابوت سے نکالا گیا ہے اور ایک ڈاکٹر اسے کھڑا کر رہا ہے

کیا پتھر کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا کوئی نظر کا دھوکا یا شعبدہ ہے ؟ بعض اشخاص کا خیال ہے کہ اس عمل کے دوران میں سب لوگ مسمریزمی عمل سے مسحور کر دیے جاتے ہیں ' اور انہیں وہی نظر آتا ہے جو عامل چاہتا ہے !

گذشتہ سال لندن تھیئٹر کے منیجر مسٹر شربرٹ طاہر بے سے ملنے پیرس گئے تھے تا کہ امریکہ جانے کے معاملہ پر اس سے گفتگو کریں - لیکن اسکے سینے سے خون بہتا دیکھکر انہیں غش آ گیا - وہ بہ مشکل اس لایق ہوئے کہ واپس آ کر اسکے مدفون کر دینے کا عمل دیکھ سکیں - انہیں یقین ہوگیا ہے کہ یہ فقیر ایک ساحر ہے "

اگر یورپ کے علماء ' مشرق کے قدیم نفسیاتی علوم سے واقف ہوتے ' اور انہیں معلوم ہوتا کہ حبس نفس کی مشق علم وظائف اعضا (فزیالوجی) کے قوانین پر کیسا عجیب اثر ڈال سکتی ہے ' تو وہ طاہر بے کے ان اعمال پر متعجب نہ ہوتے - اب سے تقریباً چار سو برس پہلے شیخ عبد الوہاب شعرانی نے قاہرہ میں خود اپنی آنکھوں سے یہ تمام اعمال دیکھے تھے ' اگرچہ وہ انکی صحیح تعلیل نہ کر سکے -



حجة ابراهیمی

آیۂ کریمہ "الم تر الی الذی حاج ابراهیم" کی تفسیر

قرآن حکیم کا اسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآنی اور غیر قرآنی طریق

(از مولانا ابو الکلام)

الہلال نمبر (۱۵) میں جناب مولوی عبد الحق صاحب کا جو استفسار آیۂ مندرجۂ عنوان کی نسبت شائع ہوا تھا ' اُس کا جواب حسب ذیل ہے :

(۱) قرآن حکیم کے مطالعۂ و تدبر میں آپ کو جو مشکلات پیش آرہی ہیں ' وہ اُس تک پیش آتی رہینگی ' جب تک کہ اس بارے میں چند بنیادی اصول واضح نہیں ہوجائینگے - یہ موقعہ تفصیل و اطناب کا نہیں ہے - مختصراً یوں سمجھیے کہ صدر اول کے بعد سے قرآن حکیم کے فہم و تدبر کی راہیں دو ہوگئی ہیں - ایک " قرآنی " ہے - دوسری " غیر قرآنی " قرآن کے فہم و تدبر کے لیے غیر قرآنی طریقہ کیونکر ہو سکتا ہے ؟ ممکن ہے اس پر آپ کو تعجب ہو - اس میں شک نہیں یہ معاملہ فکر انسانی کے عجائب تصرفات میں سے ہے - مگر ایسے تصرفات اس کثرت سے ہوچکے ہیں کہ انہیں عجیب سمجھنے ہوئے بھی ہمیں متعجب نہیں ہونا چاہیے -

" قرآنی " طریقہ سے مقصود قرآن کے مطالعۂ و فہم کا وہ طریقہ ہے جو تمام تر قرآن پر مبنی تھا - قرآن سے باہر کے اثرات کو اُس میں دخل نہ تھا - عربی لغۃ کے صاف اور معروف معانی ' عربی بول چال کے بے تکلف اور سادہ محاورات ' صدر اول کا بے لاگ ذوق و فہم ' اور انبیاء کرام کا فطری اور غیر صناعی اُسلوب بیان ' اس طریقہ کی خصوصیات تھیں - سلف امت کا طریق تفسیر یہی تھا -

" غیر قرآنی " طریقہ سے مقصود وہ تمام طریقے ہیں جو قران سے نہیں بلکہ مفسرین قرآن کے ذوق و فکر سے پیدا ہوے - یہ علوم وضعیہ کی اشاعت ' ایرانی ' رومی ' اور ہندی تمدن کے اقتباس ' اور عجمی اقوام کے اختلاط کا قدرتی نتیجہ تھا - مفسرین کے ہر گروہ نے قرآن کے مطالب اُسی شکل و نوعیت میں دیکھے ' جیسی شکل و نوعیت کی فکری حالت اُن کے اندر پیدا ہوگئی تھی - رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ قرآن کے الفاظ ' تراکیب ' اُسلوب بیان ' دلائل و براہین ' مواعظ و حکم ؛ سب نے ایک دوسری ہی طرح کی نوعیت پیدا کرلی - قرآن کی تعلیم و بیان کی تمام تر بنیاد فطرۃ اور فطرۃ کی سادگی پر تھی - علوم و فنون کی تمام تر بنیاد وضعیۃ اور وضعیۃ کے تعمق اور کاوش پر ہے - نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیۃ کا انہماک بڑھتا گیا ' فطرۃ کے فہم و ذوق کی استعداد کم ہوتی گئی - یہانتک کہ وہ زمانہ آ گیا ' جب لوگوں کے دماغ اسدرجہ وضعیۃ اور وضعی طریق بحث کے عادی ہوگئے ' کہ کسی اہم اور عظیم بات کو اُس کی سادہ اور سہل صورت میں دیکھ ہی نہیں سکتے تھے - ذہن کی کاوش پسندی جو علوم وضعیہ کے اشتغال کا لازمی نتیجہ ہے ' آسان اور سہل مطالب کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی تھی - یہ صورت حال صرف قرآن ہی کو پیش نہیں آئی ' بلکہ مختلف صورتوں اور حالتوں میں تمام صحف سماوی کو پیش آچکی ہے ' اور منجملہ اُن اسباب کے ہے جو ہمیشہ کتب و ادیان کی تحریف کا باعث ہوتے رہے ہیں - یہی وجہ ہے کہ داعی قرآن (صلعم) نے اسے " تعمق " اور " تنطع " سے تعبیر کیا ' اور فرمایا کہ ہلاکت کی راہوں میں سے ایک راہ یہ بھی ہے جیسا کہ متعدد موقوفات میں وارد ہے - یہ موقعہ تشریح کا نہیں - اگر آپ دقت نظر سے کام لینگے تو ان چند جملوں کے اندر اصول تفسیر کی ایک اصل عظیم آپ کے سامنے آ جائیگی - یہ اصل عظیم نہ صرف تفسیر قرآن میں ' بلکہ علم و نظر کے بے شمار گوشوں میں آپکی رہنمائی کر سکتی ہے - ذہن انسانی " وضعیۃ " میں جس قدر وہ کاوش پسند ہوتا گیا ہے ' اُتنا ہی " فطرۃ " سے دور ہوتا گیا ہے -

بہر حال یہ دوسرا " غیر قرآنی " طریقہ اُن تمام طریقوں پر مشتمل ہے جو صدر اول کے بعد پیدا ہوے - متکلمین مفسرین کا طریق تفسیر کم و بیش یہی ہے - کوئی اس طریقہ میں ایک خاص حد تک گیا ہے ' کوئی بہت زیادہ دور تک - امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی راہ کے شہسوار ہیں - ان کے بعد اکثر مفسرین نے دانستہ یا نا دانستہ اُنہی کا نقش قدم اختیار کر لیا - قاضی ابن رشد کی کشف الادلہ اور فصل المقال اور شیخ الرئیس کی بعض مختصر تفسیریں امام رازی اور مفسرین متکلمین سے پہلے لکھی گئی ہیں - اُن کے مطالعہ سے ہم معلوم کر لے سکتے ہیں کہ متکلمین اشاعرہ ' فلاسفۂ اسلام اور معتزلہ سے کتنا ہی انکار کرتے ہوں ' لیکن وہ خود بھی اسی طریقہ کی پیداوار تھے - بہتر قسم کی نہیں - ناقص اور کمزور قسم کی پیداوار -

ایک سخت بنیادی غلطی جو اس طریقہ کی مقبولیت کا باعث ہوئی ' متاخرین کا یہ خیال تھا کہ وقت کی علمی ضرورتوں کیلیے سلف کا طریقہ سود مند نہیں ہے - یہ بات ضرب المثل کی طرح اُن کی زبانوں پر جاری ہوگئی تھی کہ " سلف کا طریقہ ایمان کیلیے بہتر ہے مگر استدلال کیلیے مفید نہیں " حالانکہ اگر ایمان کو جہل سے نہیں بلکہ علم و بصیرت سے پیدا ہونا چاہیے ' تو جو طریقہ ایمان و یقین کے لیے سود مند ہوگا ' وہ استدلال و برہان کیلیے کیوں غیر مفید ہو ؟ جہانتک نام نہاد علمی ضروریات کا تعلق ہے ' واقعہ یہ ہے کہ متاخرین کے طریقہ سے بڑھکر کمزور اور نا مراد طریقہ کوئی نہیں ہو سکتا - وہ " استدلال " کو فنون وضعیہ کے " منطقی استدلال " سے باہر نہیں دیکھ سکے ' اور وجدان و طبیعت کی حقیقی شہادتوں سے آنکھیں بند کرلیں - آپنے اپنے استفسار میں جا بجا لکھا ہے کہ " امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ موجودہ زمانے میں سود مند نہیں " لیکن میں کہتا ہوں اس تقید کی کیا ضرورت ہے ؟ یہ طریقہ تو کسی زمانے میں بھی سود مند نہ تھا - کیا یہ طریقہ اُس زمانہ میں سود مند تھا جب امام صاحب نے تفسیر لکھی ہے ؟ اس کا حال خود اُنہی

سے پوچھہ لینا چاہیے - اُن سے بہتر اُن کی نا رسائیوں کیلیے کوئی شاہد نہیں ہو سکتا - تفسیر اور اساس التقدیس وغیرہ اُنکے ابتدائی اور درمیانی عہد کی کوہ کندنیوں میں سے ہیں - آخری عہد کی مصنفات میں سے ایک رسالہ مباحث ذات و صفات میں ہے - اس کے دیباچہ میں مشکلات مباحث کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

" لقد تأملت الطرق الکلامیه و المناهج الفلسفیه ' فما رأیتها تشفی غلیلاً ' و لا تروی غلیلاً ' و رأیت اقرب الطرق ' طریقة القرآن - أقرأ فی الاثبات : الرحمن علی العرش استوی ' و أقرأ فی النفی : لیس کمثله شیء - و من جرب مثل تجربتی ' عرف مثل معرفتی " یعنے میں نے علم کلام اور فلسفہ کے تمام طریقوں پر غور کیا ' لیکن معلوم ہوا کہ مشکلات راہ کیلیے کچھہ سودمند نہیں ہیں - سب سے بہتر طریقہ قرآن ہی کا طریقہ ہے !

فن المحبت ما ادق بیانه

متحیر فیه امام الرازی !

اِمام صاحب کا یہ اعتراف بعینہ وہی اعتراف ہے جو موجودہ اور قدیم عہد کے تمام حکماء کی زبانوں پر بھی طاری ہوچکا ہے - یہ مذہبی مباحث کی راہ سے اِس کوچہ میں آئے تھے' اسلیے الٰہیات کی اصطلاحوں میں اعتراف عجز کر رہے ہیں - لیکن لامارک ' ہیگل ' اور اسپنسر براہ راست حقائق کائنات کی جستجو میں نکلے تھے ' اسلیے وہ اِن مصطلحات کی جگہ دوسری طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں ' لیکن اعتراف عجز کی ایک ہی طرح کی روح دونوں کے اندر بول رہی ہے - لامارک کے اس قول میں کہ " ہمارا سارا علم اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جہل کا اقرار کریں " یا اسپنسر کے اس اعتراف میں کہ " اصلیت اور حقیقت کے اِن تمام سوالوں کے جواب میں ہم اِسکے سوا کچھہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کچھہ نہیں جانتے " اور اِمام رازی کے اس اعتراف میں کیا فرق ہے کہ :

نهایة اقدام العقول عقال

و اکثر سعی العالمین ضلال

و لم نستفد من بحثنا طول عمرنا

سوی أن جمعنا فیه قیل و قالوا !

بہر حال جب تک قرآن حکیم کی تفسیر خالص قرآنی طریقہ پر نہیں کی جائیگی ' مشکلات راہ حل نہیں ہوسکتیں -

(۲) ایک اہم اور بنیادی کام اِس باب میں یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ ' تراکیب ' اور اُسلوب بیان کو تمام وضعی اور خارجی عوارض سے پاک کر کے اُنکی اصلی صورت و نوعیت میں نمایاں کر دیا جاے - جونہی یہ اصلیت نمایاں ہوگئی ' تمام اشکال خود بخود دور ہو جائینگے -

قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا - اُسکے الفاظ عربی زبان کے الفاظ تھے - وہ اُنہی معانی کیلیے استعمال کیے گیے تھے ' جن معانی کیلیے عربی لغت میں مستعمل تھے - قران نے خود جابجا اپنے عربی زبان میں ہونے ' نہایت کھلے اور دلنشین ہونے ' اور مطالب کے سہل اور زود فہم ہونے کا ذکر کیا ہے - مثلاً سورۂ مریم میں کہا کہ " فانما یسرناہ بلسانک لتبشر به المتقین " ہم نے قرآن تمہاری زبان میں سہل کردیا تا کہ متقی طبیعتوں کیلیے اس میں ہدایت کی بشارت ہو - ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ عظیم اور ابتدائی وصف باقی نہیں رہتا ' اگر ایک لمحہ کیلیے بھی یہ فرض کر لیا جاے کہ اسکے الفاظ اُن عام اور معروف معانی کے علاوہ کوئی دوسرا مفہوم بھی رکھتے تھے جو عرب جاہلیت کی لغت میں نہیں سمجھے جاتے تھے - صدر اول میں جبکہ مسلمانوں کا ذوق خارجی اثرات سے متاثر نہیں ہوا تھا ' اسلیے قرآن کے تمام الفاظ اپنے لغوی معانی میں قائم رہے - بلاشبہ اُس عہد میں بھی ہر انسان جو قرآن کا علم رکھتا تھا ' الفاظ قرآنی کے مجازات سے واقف تھا - لیکن یہ زبان اور بول چال کے ویسے ہی صاف اور سادہ مجازات تھے ' جو دنیا کی ہر زبان میں ہوتے ہیں ' اور جنکے معلوم کرنے کیلیے کبھی کسی اہل زبان کو کسی فلسفیانہ فن بلاغت و بیان کی ضرورت نہیں ہوتی - حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابن کعب جب " بل یداہ مبسوطان " اور " الیه یصعد الکلم الطیب " پڑھتے تھے ' تو بغیر اسکے کہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیوں سے آشنا ہوں اور ید و علو کے نفی و اثبات کی بحثوں میں اُلجھیں ' اسکا وہ سیدھا سادھا مطلب سمجھہ لیتے تھے جو ہر غیر متکلف عربی داں سمجھہ لیگا -

لیکن آگے چلکر جب علوم دخیلہ کی (یعنے اُن علوم و فنون کی جو باہر سے عربی زبان میں منتقل ہوے) اشاعت ہوی ' اور وضعی علوم کی اصطلاحات اور نظری مباحث کی منطقی تعریفات و حدود کا لوگوں میں مذاق پیدا ہوگیا ' تو ایک بڑی جماعت اُن لوگوں کی پیدا ہوگئی جنھوں نے قرآن کو اہستہ اہستہ منطقی و فلسفی جامہ پہنانا شروع کر دیا ' اور بہ تدریج اسکے الفاظ عربی لغت سے ہٹ کر منطقی تعریفات و حدود کی نوعیت اختیار کرنے لگے - یہانتک کہ کچھہ عرصے کے بعد اُن الفاظ کیلیے وہی معانی سمجھے جانے لگے ' جو علوم وضعیہ میں انکے لیے قرار پا چکے تھے -

(۳) یہ تبدیلی الفاظ اور مطالب ' دونوں میں ہوئی - مطالب میں بنیادی چیز قرآن کا اُسلوب بیان و استدلال ہے - ایک عظیم اور اصولی غلطی متاخرین سے یہ ہوئی کہ وہ قرآن کے فطری اور وجدانی اُسلوب بیان کی اہمیت معلوم نہ کرسکے - یونانی فلسفہ کے اشتغال نے اُن میں منطقی استدلال کا ذوق پیدا کردیا تھا - انھوں نے کوشش کی کہ جہاں کہیں قرآن حکیم میں استدلال اور اثبات مدعا کے قسم کا کوئی بیان ہے ' اُسے کھینچ تان کر منطقی استدلال کی شکل دیدیں -

حالانکہ انبیاء کرام کے علوم کی راہ وضعی و منطقی طریق استدلال کی راہ سے بالکل مختلف ہے - انبیاء کرام کا خطاب علوم سے نہیں بلکہ قلوب سے ہوتا ہے - وہ علماء کے لیے بحث و نظر کا سامان پیدا کرنے نہیں آتے - بلکہ عامۃ الناس کے لیے ہدایت و سعادت کی راہیں کھول دینے کے لیے آتے ہیں - اُن کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ اشیاء کی حقیقت کا سراغ لگائیں - وہ اس لیے آتے ہیں کہ اعمال اور ان کے نتائج کی حقیقت دنیا پر واضح کردیں - پس وہ اپنی تعلیم و ہدایت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے ' جسے کسی طرح کی بھی مشابہت منطقی طریق بحث و استدلال سے ہو - اُن کا طریقہ سیدھا سادھا فطری طریقہ ہوتا ہے ' جسکے لیے نہ تو انسان کے بنائے ہوئے علوم و فنون کی تحصیل ضروری ہوتی ہے ' نہ پیچیدہ اور دقیق مقدمات ترتیب دینے پڑتے ہیں ' اور نہ کسی طرح کی ذہنی کاوش اور نظری سلوک کی قید ہوتی ہے - ہر انسان اپنے وجدان کی قدرتی استعداد اور طبعیت بشری کے فطری طلب و داعیہ سے اُسے سنتے ہی قبول کر لے سکتا ہے ' اور ایک فلسفی و حکیم سے لیکر ایک بادیہ نشین دہقان تک ' ہر درجہ ' ہر طبقہ ' اور ہر زمانے کا انسان یکساں طور پر اُس سے یقین و ایمان حاصل کر لیتا ہے !

تاریخ شرق جدید کی تاریخی شخصیتیں

مدحت پاشا

شہید حریت و دستور

مدحت پاشا کا قتل

شا کے رفیق مجلس شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی نے (جو خود طائف میں فوت ہوئے) مدحت پاشا اور داماد محمود پاشا ل کا حال اس طرح لکھا ہو:

"مدحت پاشا اور اُن کے رفقاء، طائف کے قلعہ میں تین سال قید رہے۔ تیسرے سال کے آخر میں مدحت پاشا کے ایک پھوڑا نکل آیا تھا۔ فوجی ڈاکٹر کی رائے تھی کہ چاک کر دیا جائے، مگر جراح پلے اور کمزوری کی وجہ سے وہ عمل جراحی پر رضامند نہ ہوئے۔ پھر یہ سب بھی تھا کہ موصوف کو ڈاکٹر کی مہارت پر یقین نہیں تھا۔ داماد محمود پاشا نے والی حجاز کو مدحت پاشا کی لاعلمی میں تحریر کیا کہ کسی ماہر طبیب کا انتظام کیا جائے۔ اُس کے مصارف وہ خود ادا کرینگے۔ مگر والی نے اُن کی درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔

مدحت پاشا نے اپنا علاج خود کیا اور زخم اچھا ہو گیا۔ سرکاری طبیب روز معائنہ کرتا تھا اور والی کو اطلاع دیتا تھا۔ والی تار برقی کے ذریعہ روزانہ سلطان کو خبر بھیجتا تھا۔ کیونکہ سلطان کو مدحت پاشا کی موت کی جلدی تھی۔

ایک دن صوبہ دار ابراہیم آغا کے ساتھ ڈاکٹر مدحت پاشا کے کمرے میں گیا اور بغیر کسی مناسبت کے کہنے لگا "اب یورپ میں سیاسی مدبروں کو علانیہ قتل نہیں کیا جاتا۔ جلادوں کے بجائے یکلم ڈاکٹر انجام دیتے ہیں۔ جرم کی ناک پر کلوروفارم رکھ دیتے ہیں۔ جب سو جاتا ہو تو گلا گھونٹ دیا جاتا ہو!" لوگوں نے طبیب کے منہ سے یہ بات سُنی، مگر کوئی اُس کا مطلب سمجھ نہ سکا۔

تیسری پلٹن کا کماندار بکر آفندی جو کسی، قلعہ کے سیاسی قیدیوں کا محافظ تھا۔ چند مہینے سے وہ موجود نہ تھا۔ مکہ معظمہ میں مقیم تھا۔ مگر اچانک واپس آگیا اور سیدھا مدحت پاشا کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ ڈاکٹر ابراہیم آغا بھی تھے۔ لوگوں نے اُس سے اس اچانک واپسی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا "طائف کی فوج مرتب کرنے اور طریہ کے باشندوں سے سرکاری محصول وصول کرنے آیا ہوں کیونکہ کئی سال سے اُنھوں نے ایک پیسہ بھی ادا نہیں کیا"

بکر آفندی کی واپسی کے پچھلے دن قیدی پاشاؤں کے خادم، حضرت عبداللہ بن عباس کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے جب عادت اُن کے ساتھ پھرا تھا۔ مدحت پاشا کا خادم عارف آفندی نماز کو جا نہیں سکا۔ کیونکہ اُس کے آقا کی طبیعت ناساز تھی۔

نماز کے بعد بکر آفندی کماندار نے تمام خادموں کو روک لیا قلعہ میں واپس جانے نہیں دیا۔ نیز ایک آدمی بھیجکر عارف آغا کو بھی طلب کیا۔ مگر اُسنے اپنے آقا کے پاس سے ہٹنا منظور نہیں کیا۔ کماندار نے پھر آدمی بھیجا کہ عارف کو فوراً لے آؤ۔ اس مرتبہ مدحت پاشا نے قاصد سے کہا کہ کماندار سے کہو وہ خود قلعہ میں آئے اور عارف سے جو کچھ کہنا ہو کہہ جائے۔

کماندار غوراً آیا اور خیر اللہ آفندی کے کمرہ میں گیا۔ اُسنے خیر اللہ آفندی سے کہا:

"دار الخلافہ سے حکم آیا ہو کہ تمام نوکر چاکر سیاسی قیدیوں سے علیحدہ کر دیئے جائیں۔ اب اُنھیں حکومت کی طرف سے کوئی رقم بھی نہیں دی جائے گی۔ عام قیدیوں کا کھانا کھلایا جائے گا۔ بازار سے بھی خریدنے کی ممانعت ہو۔ قلم، دوات، کاغذ بھی رکھنے کی اجازت نہیں۔ خیر اللہ آفندی کی بیوی بھی (جو طائف میں مقیم تھیں) نکال دی جائیں گی"

اس خبر نے تمام قیدیوں کو سخت پریشان کیا۔ محمود پاشا عدد آدمی تھے۔ اُنھوں نے کماندار کو بہت سخت سُست کہا۔ مگر بے فائدہ تھا۔ سلطانی حکم پر عمل کیا گیا۔ تمام خادم، قلعہ کے باہر ایک گھر میں قید کر دیئے گئے۔ کماندار نے چلتے وقت کہا وہ طائف سے باہر جا رہا ہو مگر گیا نہیں۔ رات بھر قلعہ ہی میں رہا۔

مدحت پاشا، دو مرتبہ وزیر اعظم بن چکے تھے اور قوم کی عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں۔ مگر ظالموں نے نہ اُن کی خدمات کا کوئی لحاظ کیا، نہ بڑھاپے ہی پر ترس کھایا۔ اُنھیں بستر مرض پر اکیلا چھوڑ دیا۔ اُن کا خادم زبردستی لے گئے۔ اس وفادار خادم کے عوض ایک جنگلی سپاہی اُن کی تیمارداری کے لئے مقرر کر دیا۔ لیکن مدحت پاشا کے وقار مصیبت نے اُن کی خدمتگاروں کی طرح خدمت کی۔ رات کو بھی انھیں تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ علی بک اُن کے ساتھ سوتے تھے۔

مدحت پاشا، اپنی شجاعت اور ثابت قدمی میں مشہور ہیں۔ ان حالات نے اُن کے حوصلے کمزور نہیں کئے۔ وہ اب بھی خوش تھے۔ پابندی سے نماز پڑھتے تھے۔ وظائف کا ورد رکھتے تھے۔ تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور کتاب الشعار، اُن کے مطالعہ میں رہتی تھی۔

وہ کہا کرتے تھے "جو کچھ یہ لوگ کر سکتے ہیں، کر گزریں۔ ہم تو بحمد اللہ مقدس سرزمین میں موجود ہیں۔ تمام گندگیوں سے دُور ہو چکے ہیں۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ قتل کر سکتے ہیں، اور قتل ہمارے لئے دنیا و آخرت میں عزت و سعادت کا ذریعہ ہو!" وہ حیرت انگیز طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر متوکل نظر آتے تھے۔

ایک دن کماندار بکر آفندی نے کہا وہ ۱۰ مارچ کو مکہ معظمہ جائے گا تاکہ خیر اللہ آفندی کی بیوی اور قیدیوں کے نوکروں کو پہنچا آئے۔ وہ مدحت پاشا کے پاس بھی گیا۔ وجہ یہ بیان کی کہ رخصت ہونے آیا ہو مگر مقصود یہ تھا کہ اُن کی زبان سے کچھ سُنے اور چغلی کھا کر ظالموں میں مقبولیت حاصل کرے۔ مدحت پاشا نے کہا "میری تقریر سنو۔ حرف بحرف والی حجاز سے کہہ دینا:

"کہنا عبدالحمید نے تمھیں بڑا منصب بخشا ہو۔ مدحت پاشا کی خدمات، آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ آج اُس کی جو حالت ہو دیکھ رہے ہو۔ یہ سلطان، اسی طرح اپنے خیر خواہوں کی خدمات پر انعام دیا کرتا ہو۔ مدحت پاشا کو معلوم ہو کہ سلطان اُس کے قتل پر تلا ہوا ہو۔ تمھیں اس کام پر مقرر کیا ہو۔ اس وقت تمھاری جتنی خاطر مدارات ہو، صرف اسی مطلب سے ہو۔ اس کے بعد تمھارا جو حال ہوگا، وہ دوسروں کی حالت سے معلوم کر سکتے ہو۔ سردار آفندی نے ہمیں خبر دی تھی۔ اسپر سلطان نے خوش ہو کر اُسے "قاضی عسکر" کا عہدہ دیا مگر اب سردار آفندی کی حالت کیا ہو؟ اس وقت وہ گمنامی میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہا ہو! جو وقت پاشا ہمارے گرانے میں سلطان کا دست و بازو تھا۔ مگر آج اُس کی حالت کیا ہو؟ اس وقت وہ خود اپنے گھر میں قید ہو اور ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہو! ان معاملات پر غور کرو۔ کیونکہ اس سلطان کی طبیعت ہی ایسی ہو۔ تم مسلمان ہو قرآن پڑھو۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہو" ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما!" (جو کوئی جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے، اُس کی سزا، جہنم ہو جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اُسپر خدا کا غضب ہوگا۔ خدا کی لعنت ہوگی۔ اور اُس کے لئے بہت بڑا عذاب طیار ہو!)

اس کے بعد مدحت پاشا نے اس آیت کی تفسیر بیان کی اور کہا:

"دیکھو حضرت حسن بن علی علیہ السلام بھی بعض بادشاہوں کے اشارے سے قتل کئے گئے تھے۔ قیامت تک دنیا اُن کے قاتلوں پر لعنت کرتی رہے گی۔ خدا اُنھیں دوزخ میں ڈالے گا۔ تم والی سے میری تقریر حرف بحرف کہہ دینا"

اسپر بکر آفندی نے کہا:

"جناب عالی! میں بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوا ہوں۔ مگر میدان جنگ کے باہر آج تک ایک مرغی بھی اپنے ہاتھ سے نہیں ماری۔ میں ہرگز کوئی جرم نہیں کر سکوں گا!"

سات دن بعد بکر آفندی واپس آیا۔ اُس کے ساتھ قیدیوں کے نوکر بھی تھے۔ اُنھوں نے مدحت پاشا سے کہا "سلطان کا حکم آیا ہو کہ نوکروں کو قیدیوں کے پاس واپس کر دیئے جائیں۔ اُنھیں ہر طرح آرام دیا جائے۔ والی حجاز نے سلام کے بعد معذرت کی ہو کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نوکر ہوں آقا کے حکم کی اطاعت کرتا ہوں"

اس درمیان میں مدحت پاشا کی صحت اچھی ہو گئی۔ تقریباً شفا حاصل ہو گئی تھی۔

ایک دن مدحت نے ایک سپاہی سے دودھ منگایا۔ ایک افسر نوری آفندی تلوار لے کر اُس کے ساتھ ہو گیا اور بڑی مستعدی سے دودھ لے آیا۔ لوگوں کو اس نئی بات پر بہت تعجب ہوا۔ شخص کبھی قیدیوں سے اچھا سلوک نہیں کرتا تھا۔ آج کیوں اس قدر مہربان ہو گیا؟ سبب یہ تھا کہ مدحت پاشا کے کھانے کی روز جانچ کر لیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے پتلی کھولی تو دودھ کا رنگ اچھا نہ تھا۔ ایک چمچے لے کر اُنھوں نے اپنی زبان پر رکھا، تمام منہ کڑوا ہو گیا۔ دوسرے قیدیوں کو چکھایا، سبھی نے یہی محسوس کیا۔ جنھوں نے ایک دو قطرے بھی نگل لئے تھے وہ بیہوش ہو گئے اور کئی ہفتے بیمار پڑے رہے۔

مدحت پاشا کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے محمد آغا کو بُلا کر اُنجان بن کے کہا:

"دودھ والے نے ہمیں وہی دودھ بھیجا تھا جس میں سے کمانڈار کو دیا گیا ہے۔ لیکن جسنے بھی دودھ کا ایک قطرہ زبان پر رکھا، اُس کا حلق جل گیا۔ معلوم ہوتا ہے زہر، تانبے کے کسا ؤ سے پیدا ہو گیا ہو۔ تم ابھی جا کر کمانڈار کو خبر کر دو۔ ایسا نہ ہو اُنھیں کوئی نقصان پہنچ جائے"

محمد آغا نے واپس آ کر کہا کمانڈار ابھی دودھ والے کے برتنوں کا معائنہ کرینگے۔ اُسے مار ینگے۔ قید کر دینگے۔ پُوری تحقیقات کریں گے۔ قیدیوں نے یہ سُنا تو مُسکرانے لگے۔ کیونکہ سُن چکے تھے کہ کمانڈار اپنے ساتھیوں سے پوچھتا تھا "ان لوگوں نے دودھ تو کھا لیا ہوگا؟ کیا مر گئے؟ کیا زہر کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہے؟"

مدحت پاشا کے بعض رفقا نے مسموم دودھ کمانڈار کے پاس بھیجا کہ اس کی کیمیاوی تحلیل کی جائے۔ لیکن اُسنے ہنسکر دودھ واپس کر دیا۔ اور کہا "یہاں تحلیل کرنے کے آلات موجود نہیں!"

اس واقعہ کے بعد باورچی خانہ اچھی طرح بند کر دیا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے برتنوں پر علامتیں لگا دی جاتی تھیں۔ لیکن دو ہفتہ کے بعد ایک دن عارف آغا نے جوں ہی دروازہ کھولا، برتنوں پر سے علامتیں ہٹی ہوئی تھیں۔ باسی کھانے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہو گیا کہ زہر ملایا گیا ہے۔ بعد میں مُشیر آغا اور نوری آفندی نے اقرار کیا کہ اُنھوں نے زہر ملایا تھا!

اسی اثنا میں محمود پاشا، دست و قے میں مُبتلا ہو گئے۔ پتہ چلا تو میں کوئی زہریلا مادہ ملا ہوا ہے۔ اُنھوں نے قہوہ پینا چھوڑ دیا اور اچھے ہو گئے۔

ایک دن پانی کا رنگ اور مزہ بدلا ہوا تھا۔ اسمیں بھی زہر ملا دیا گیا تھا۔ فوراً صراحی توڑ ڈالی گئی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ زہر، مصر سے مہیا کیا جاتا تھا۔ لانے والا ایک شخص اسمٰعیل آغا تھا۔ والی حجاز کو اس پر بہت اعتماد تھا اور اُسی کے ذریعہ دشمنوں کو قتل کرایا تھا۔ یہ ایک مُدت سے یہاں آیا ہوا تھا مگر تنہا اس خطرناک جرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ۲۱ مارچ ۱۳۲۷ھ کو رسالدار محمد لطفی دو رجمنٹ فوج اور توپ خانہ لے کر معظمہ سے آیا اور قلعہ کے محافظوں میں اپنے ۴۰ سپاہی داخل کر دئے۔

محمد لطفی نے آتے ہی مدحت پاشا کے خادم عارف آغا کو طلب کیا کہا "میں زہر لایا ہوں۔ اگر تم مدحت پاشا کو کھلا دو تو تمھیں ایک ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا۔ ایک دوسرا شخص، محمود پاشا کو مارنے کے لئے طیار ہو گیا ہے۔ اُسے ۶۰۰ پونڈ انعام دیا جائے گا"

عارف آغا وفادار نوکر تھا۔ اُسنے بظاہر زہر لے لیا اور وعدہ کیا کہ اپنے آقا کو قتل کر ڈالے گا۔ مگر قلعہ میں واپس آ کر مدحت پاشا اور محمود پاشا کو پُورا قصہ سُنا دیا۔ اُنھوں نے باقی رفقا کو مطلع کیا۔ سب نہایت پریشانی میں پڑ گئے۔

محمد لطفی، خاص قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ تمام قیدی اس حقیقت سے واقف ہو چکے تھے۔ اپنی آمد کے ایک ہفتہ بعد اُسنے ارتکاب جرم کی پھر کوشش کی۔ پُورے قلعے میں فوج لا کر بھر دی اور محاصرہ کر لیا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا کیونکہ مدحت پاشا کے خادم عارف آغا نے بڑی ہی وفاداری سے کام لیا تھا اور راز فاش کر دیا تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ صوبہ دار ابراہیم نے عارف آغا کو کوئی دوسرے افسروں کی موجودگی میں بُلا کر کہا:

"ہم آج رات مدحت پاشا کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں۔ اب سے پہلے تم زہر دے گئے اور پکا وعدہ کیا، مگر ابتک کچھ بھی نہیں کیا۔ لہٰذا اب یہ کر دو کہ تم مدحت پاشا کے ساتھ سوتے ہو۔ رات کو کمرے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ دیکھو اگر دروازہ بند کر کے سو گے تو ہم سے بُرا کوئی نہ ہوگا!"

یہاں قلعہ میں سیاسی قیدی نماز عشاء کے بعد اپنے اپنے کمروں میں جانے کے لئے رخصت ہو رہے تھے کہ عارف آغا نے آ کر کہا:

"آپ لوگ جُدا نہ ہوں، کیونکہ آج رات میرے آقا کو قتل کرنا چاہتے ہیں!"

تمام رفقا، گھبرا گئے اور اُنھوں نے طے کر لیا کہ مدحت پاشا کو تنہا نہیں چھوڑینگے۔ ایک افسر نے عارف آغا کی گفتگو سُن لی تھی۔ اُس نے محمد لطفی کو خبر پہونچائی۔ محمد لطفی نے فوراً عارف آغا کی گرفتاری اور قیدیوں کے منتشر کرنے کا حکم دے دیا۔ مُشیر آغا ایک افسر نے آ کر کہا "میر الائی محمد لطفی سلام کے بعد کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا یکجا رہنا ممنوع ہے۔ فوراً اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیے"

مدحت پاشا اور محمود پاشا نے جواب دیا "ہم ہرگز یہاں سے نہ جائینگے۔ تم تلوار کے زور سے ہمیں نکال دو!"

پھر فوراً بکر آفندی کمانڈار نے آ کر کہا "عارف، ایک شریر آدمی ہے۔ وہ ایک ایسا جھوٹ بولا ہے جسے پورے سمندر کا پانی بھی دھو نہیں سکتا"

مدحت پاشا نے پوچھا "ہمارے گرد یہ تمام طیاریاں کیسی ہیں؟"

بکر آفندی نے جواب دیا "ہیں! ابتک کوئی خاص حکم نہیں ملا ہے لیکن ہم ہر حکم کی اطاعت ضرور کرینگے"

پھر اُسنے قسم کھائی کہ اب تک جتنی خبریں مشہور ہوئی ہیں بالکل جھوٹ ہیں۔ اور قلعہ سے باہر چلا گیا۔

جُرم کی رات

۱۲ رجب ۱۳۳۰ھ کو رات کے پچھلے پہر میں مدحت پاشا اور اُنکے محمود پاشا قتل کر ڈالے گئے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

اس رات میر الائی محمد لطفی اور بکر آفندی کمانڈار، قلعہ کے پھاٹک میں رہے۔ قلعہ کے اندر بہت سی فوج جمع کر دی گئی۔ سپاہیوں کو کافی مقدار میں کارتوس تقسیم کر دئے گئے۔ آدھی رات کے بعد محمود پاشا کے خادم حاجی شکری کو جگا کر پکڑ لے گئے۔ پھر بہ قیدی کے کمرے کے سامنے دو دو مسلح سپاہی کھڑے کر دئے گئے۔ مدحت پاشا کا خادم عارف آغا پہلے ہی سے قید کر دیا گیا تھا۔ مگر موصوف تنہا نہ تھے۔ ناصق پاشا کے لڑکے علی بک اُن کے ساتھ سو رہے تھے۔

اچانک مدحت پاشا کے کمرے کا دروازہ توڑ ڈالا گیا۔ علی بک کو اُٹھا لے گئے۔ اور مدحت پاشا کو قتل کرنا چاہا۔ اُنھوں نے کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ صرف خدا کے خوف سے ڈرایا اور نصیحت کی۔ اُنھوں نے کہا "دیکھو، سپاہی کا کام، وطن کی حفاظت ہے۔ نہ کہ ارتکاب جرم!"

لیکن اُن کا گلا گھونٹ ڈالا، اور وہ ہلاک ہو گئے!

اسی طرح قاتلوں نے محمود پاشا کا دروازہ بھی توڑا۔ وہ جاگ پڑے اور تکیہ اُٹھا کر دیر تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر تھک گئے۔ مجھ آغا، ایک افسر نے اُن کے گلے میں رسی کا پھندا ڈال دیا۔ وہ زور سے چلائے "امان امان!" اس آواز پر سب لوگ جاگ پڑے۔

خیر اللہ آفندی، پاس کے کمرے میں تھے۔ وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سپاہیوں نے کہا "ڈریئے نہیں۔ آپکے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہے" مگر وہ اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور رات بھر اسی حالت میں رہے۔

محمود پاشا کو قتل سے پہلے بہت تکلیف دی گئی، پھر گلا گھونٹ ڈالا گیا۔ مگر یہ ناکافی سمجھا گیا اور لاٹھیوں سے اُن کا ہاتھ توڑ ڈالا گیا!

قتل کے بعد دونوں شہیدوں کو غسل خانے اُٹھا لے گئے۔ رات ہی کو علی بک برادر ناصق پاشا کی دکان توڑ کر کفن کے لئے کپڑا نکالا گیا اور فوج کے امام یونس آفندی کو شہیدوں کے نہلانے کا حکم دیا گیا۔ مگر اُنھوں نے انکار کیا۔ اسپر دونوں کو بغیر غسل اور کفن کے دفن کر دیا گیا۔ دونوں قبروں پر دو پتھر لگا دئے گئے۔ ایک پر لکھا تھا "مدحت پاشا ۲۶ مارچ کو فوت ہوئے" دوسرے پر تھا "محمود پاشا ۱۸ مئی کو فوت ہوئے"

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ کیونکہ دونوں کو ایک ہی دن قتل کیا گیا تھا۔

مدحت پاشا اپنے قتل کے بہت دن سے منتظر تھے۔ واقعہ سے دو تین دن پہلے ایک مرتبہ نماز کے بعد سر جھکائے دیر تک بیٹھے رہے ساتھیوں نے فکر کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے:

"میں موت کے بارے میں غور کر رہا ہوں جس کی تکلیف ۵ منٹ سے بھی کم میں ختم ہو جاتی ہے۔ سوچتا ہوں کون سی موت سب سے کم تکلیف دہ ہوتی ہے: گلا گھوٹنے کی موت یا گولی کی موت یا بیماری کی موت؟ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں موت کو زندگی پر ترجیح دیتا، مگر یہ معاملہ انسان کے اپنے بس کا نہیں ہے۔ دیکھو میں بیمار ہوا۔ موت سے قریب ہو کر پھر دُور ہو گیا۔ ہماری وجہ سے کئی معصوم یہاں قید ہیں۔ شاید ہماری موت اُن کی رہائی کا سبب ہوگی"

وفات سے پہلے مدحت پاشا نے خیر اللہ آفندی کو ۴۰ پونڈ دئے اور کہا "یہ میرے کفن دفن کے لئے ہیں" مگر خیر اللہ آفندی کو اس خدمت کا موقعہ نہیں ملا۔ اس لئے اُنھوں نے یہ رقم حکومت کے حوالے کر دی۔

مدحت پاشا اور محمود پاشا، گلا گھونٹ کر قتل کئے گئے۔ مگر حکومت نے یہی مشہور کیا کہ وہ بیمار ہوئے تھے اور اپنی قضا سے مُر گئے لیکن دُنیا نے یہ جھوٹ تسلیم نہیں کیا اور بہت جلد حقیقت مشہور ہو گئی۔

سلطان عبد الحمید، ان دونوں شہیدانِ وطن سے اس قدر خائف تھا کہ بہت دن تک اُن کی موت کا اُسے یقین نہیں ہوا۔ چنانچہ دو مرتبہ اُسنے اپنے خاص آدمی حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے طائف بھیجے اور اُنھوں نے پُوری تحقیقات کی۔ مگر سلطان کو برابر یہی شک رہا کہ دونوں کہیں بھاگ گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آخر میں سلطان نے حکم دیا کہ مدحت پاشا کا سر کاٹ کے اُس کے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ قبر کھودی گئی، سر کاٹا گیا، اور ایک صندوق میں بند کر کے روانہ کر دیا گیا۔ مگر چونکہ بیچ میں نہر سویز پڑتی تھی اور وہاں کا چنگی خانہ بہت سختی سے تلاشی لیتا ہے، اس لئے صندوق پر یہ عبارت لکھ دی گئی "خاص جلالۃ السلطان کے لئے ہاتھی دانت کی مصنوعات"!

مدحت پاشا اور محمود پاشا کی قبریں کچھ عرصہ موجود رہیں۔ مگر احمد راتب پاشا نے اپنی حکومت کے زمانے میں اُن پر سے پتھر اکھڑوا ڈالے اور قبریں زمین سے برابر کر دیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس واقعۂ قتل کے ایک ہفتہ بعد والی حجاز، مرض فالج میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ گویا خدا کا دُنیا ہی میں اُس سے انتقام تھا۔

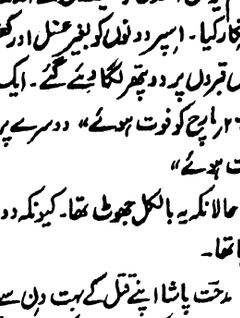

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا خطبہ۔ عیدِ آستانہ۔ ترکی طبی کانفرنس۔ ٹرکی اور ایران

غازی مصطفےٰ کمال کا خطبہ

اس ہفتہ سب سے اہم واقعہ، انگورہ میں خلق فرقہ سی یا جمہوری جماعت کی مؤتمر ہے۔ مؤتمر میں سب سے زیادہ اہم کارروائی، غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا وہ تاریخی خطبہ ہے جو کامل ایک ہفتہ تک جاری رہے گا موصوف نے یہ خطبہ کئی ماہ کی محنت سے طیار کیا ہے۔ اس میں وہ تمام تاریخی اور سیاسی حقائق جمع کر دیئے ہیں جو معاہدۂ التوائے جنگ کے بعد سے ابتک ٹرکی میں واقع ہوئے ہیں۔

غازی نے اپنا خطبہ "انجمن طیارات" کو دے دیا تھا۔ اُسی نے چھاپا ہے اور وہی ٹرکی کے طول و عرض میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ تقسیم کرے گی۔ ہر روز جتنا خطبہ غازی سنائیں گے، انجمن اُتنا حصہ اخبارات کو تقسیم کرے گی۔ ایک جرمنی کمپنی نے دنیا کے اخباروں میں اس کا خلاصہ بھیجنے اور مختلف زبانوں میں اُس کا ترجمہ شایع کرنے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ ابتک متعدد زبانوں میں ترجمہ طیار ہو چکا ہے عنقریب بازار میں آجائے گا۔

"عیدِ آستانہ"

آپکے قارئین نے یہ لفظ شاید پہلے نہیں سنا ہوگا۔ حالانکہ یہ لفظ ترکوں میں ایک عجیب جوش پیدا کر دیا کرتا ہے۔ عیدِ آستانہ، یا آستانہ کی عید ہر سال ۲۹ اکتوبر کو بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ پچھلے ہفتے ہم نے چوتھی مرتبہ یہ عید دیکھی تھی۔ تمام پچھلی عیدوں سے زیادہ شاندار تھی۔

یہ عیدِ اتحادی فوجوں سے آستانے کی آزادی کی یادگار ہے جنگِ عمومی کے خاتمہ پر دول اتحاد نے ٹرکی سے التوائے جنگ کا معاہدہ طے کیا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ترکوں نے ہتیار رکھ دیئے۔ ہتیار رکھتے ہی اتحادی فوجیں پایۂ تخت میں گھس پڑیں۔ انگریزوں نے "پیرا" پر قبضہ کر لیا۔ فرانسیسیوں نے استنبول پر، اٹلی نے باسفورس کے ایشیائی ساحلوں پر۔ ان سلطنتوں کے جنگی بیڑے بحرِ مرمرہ اور باسفورس میں داخل ہو کر لنگر انداز ہو گئے اور اپنی توپیں شہر کی طرف سیدھی کر دیں۔ پھر ان کی بڑی فوجیں اُتریں اور شہر کی وہ حالت کر دی جو خونخوار فاتح، مفتوحوں کی کیا کرتے ہیں۔ ایسا ظلم و ستم شروع کیا جس کا تصور بھی کبھی ترکوں نے نہیں کیا تھا۔ مسلح سپاہی اور مسلح جاسوس ہر طرف پھرتے تھے اور جسے چاہتے تھے، بدبختی میں مبتلا کر دیتے تھے بہت سے مارے گئے۔ بہت سے قید کئے گئے۔ بہت سے جلاوطن کئے گئے کوئی مخلص ترک بھی اتحادیوں کے انتقام سے بچ نہ سکا۔

اس ظلم و جور کے مقابلے میں آستانہ کے ترکوں نے کیا کیا؟ انھوں نے کوئی بغاوت کی؟ نہیں۔ کوئی مظاہرہ کیا؟ نہیں۔ وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اتحادی قوتیں سمجھیں ہم نے مرعوب کر لیا۔ دنیا نے یہ سب سے زیادہ حیرت قوم ہماری غلامی پر قانع ہو گئی۔ مگر یہ اُن کی غلطی تھی ترکی قوم کی طبیعت سے جہالت تھی۔ ترکی قوم کا خاصہ ہے کہ جب وہ جلال میں آتی ہے تو خاموش ہو جاتی ہے۔ جب ترک کو چپ سناٹے میں دیکھو تو اُس سے بھاگو۔ کیونکہ وہ غصہ ہو گیا ہے۔ قہر و جلال کی قوتیں اُس کے دل و دماغ میں جمع ہو رہی ہیں۔ آستانہ کے ترک بھی اتحادیوں کے مظالم کے مقابلے میں خاموش ہو گئے۔ مگر اُن کی روح بول رہی تھی۔ اتحادیوں کے لئے وہ اندر ہی اندر اناطولیہ میں بارود بچھا رہے تھے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اناطولیہ میں قومی تحریک کا قیام، زیادہ تر آستانہ کے باشندوں ہی کی سعی و ہمت سے ہوا۔ اتحادیوں کا پہرہ جو کہ بہت ہی سخت تھا، مگر آستانہ سے برابر سامانِ جنگ، توپیں، آدمی اور روپیہ اناطولیہ پہنچ رہا تھا۔ کس راہ سے جاتا تھا؟ کون لے جاتا تھا؟ کس وقت جاتا تھا؟ ان سوالوں کا جواب ابتک تاریخ کے پاس موجود نہیں ہے۔ مگر جاتا تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے۔

آستانہ کے ترکوں کی خاموشی نے آخر ۴ سال بعد رنگ دکھایا۔ اتحادیوں کے پروردہ یونان کو اناطولیہ میں ایسی شکست ہوئی کہ مدت سے بدتر تھی۔ دیکھتے دیکھتے فتح مند ترکی فوجیں باسفورس کے سامنے پہنچ گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب انگلستان، فرانس اور اٹلی کی تقریباً تمام بحری قوتیں، باسفورس اور مرمرہ میں جمع تھیں۔ اتحادی خیال کرتے تھے یہ قوت دیکھ کر اناطولیہ کے ترک ڈر کر اُلٹے پاؤں بھاگ جائیں گے۔ مگر وہ ڈرے نہیں۔ خود اتحادیوں ہی کو ڈرنا پڑا۔ مآنیہ کا ذلت آمیز معاہدہ قبول کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہم نے اپنی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ ہمنے وہ دیکھا جسے دیکھ کر ہم اپنی آنکھوں کی صحت پر شبہ کرنے لگے۔ مگر وہ واقعہ تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ اتحادی بیڑے، جو ابتک سلطان کو قید کئے پڑے تھے، اچانک اُن کے جھنڈے، سربلند ترکی جھنڈے کے سامنے جھک پڑے جبھوقت ترکی جھنڈا، وزارتِ جنگ کے بلند مینار پر اُڑایا گیا، تمام اتحادی قوتوں نے اُسے ذلت کے ساتھ جنگی سلام کیا۔

پھر ہمنے کیا دیکھا؟ یہ دیکھا کہ وہی اتحادی فوجیں، جو آستانہ کی سڑکوں پر فاتحانہ مظاہرے کرتی پھرتی تھیں اور ترکوں کو شریفانہ برتاؤ کی مستحق نہیں سمجھتی تھیں، خوف و دہشت سے اپنا اسباب باندھ رہی تھیں اور بھاگتی نظر آئیں۔ ایک طرف سے یہ فوجیں بھاگ رہی تھیں، دوسری طرف سے مظفر و منصور ترکی فوجیں آرہی تھیں۔ بیچ سمندر میں دونوں کا سامنا ہوا۔ اول الذکر نے آخر الذکر کو فوجی سلامی دی!

"میہ آستانہ" اسی واقعہ کی یادگار ہے جو ۲۹ اکتوبر کو پیش آیا تھا

ترکی طبی کانفرنس

انگورہ میں ترکی طبی کانفرنس منعقد ہوئی عصمت پاشا نے اسکا افتتاح کیا۔ کانفرنس میں بہت سے اہم طبی مسائل پر بحث ہوئی نیازی بک کی رُوداد سے معلوم ہوا کہ آنکھوں کا مرض ترکوں میں بھی عام ہے۔ اسوقت ۵ لاکھ ترک اسمیں مبتلا ہیں۔ یہ بیماری زیادہ تر حصۂ منصور، دیاربکر، اور اردفا کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔

رشاد رضا بک اور موسیٰ کاظم بک نے مرض سل پر بحث کی اور بتایا کہ گذشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں صرف قسطنطنیہ میں اس بیماری سے ۶۹،۰۰۰ آدمی مر چکے ہیں۔ پورے ٹرکی میں سالانہ ۳۳،۰۰۰ آدمی اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی ہر دس ہزار ترکوں میں ۳۰ آدمی اسی بیماری میں مرتے ہیں۔

ٹرکی اور ایران

ادھر کچھ مدت سے ٹرکی اور ایران کے مابین کشیدگی پیدا ہو گئی ہے، جیسا کہ پچھلے مکاتیب میں لکھ چکا ہوں۔ اس ہفتہ میرزا فروغی خاں سابق وزیر جنگ ایران، آستانہ پہنچے ہیں اور انگورہ جا رہے ہیں۔ ان کا سفر اسی نزاع کے دور کرنے کے لئے ہے۔ موصوف نے اخبارات کے نمائندوں کو حسبِ ذیل بیان دیا ہے:

"سرکش کرد، ترکی حدود پر تاخت و تاراج کرتے ہیں۔ ترکی حکومت خیال کرتی ہے کہ یہ مجرم، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ لوگ بعض ترکی افسروں کو بھی پکڑ لے گئے ہیں۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ یہ کرد، ایرانی سرزمین میں پناہ لیتے ہیں۔ اگر واقعہ یہی ہے تو ہم انھیں ہرگز پناہ نہیں لینے دینگے اور ترکی حکومت کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے۔"

تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ترکی افسر یہ مجرم پکڑ لے گئے تھے، اب رہا ہو گئے ہیں اور اپنی سرحد میں واپس آگئے ہیں۔

شمالی افریقہ

مراکش، ٹیونس، اور الجزائر فرانسیسی استعمار کے بعد

(الہلال کے مقالہ نگار مصر کے قلم سے)

مراکش کی آبادی

۴ مارچ ۱۹۲۶ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے کہ فرانس کے زیرِ حمایت مراکش کا رقبہ ۱۵،۰۰۰ مربع میل ہے، اور آبادی ۴۲،۳۰،۰۰۰ ہے۔ اسمیں ۴،۰۰۰،۱۶۰ مسلمان ہیں۔ ۸۰،۰۰۰ ایسی یہودی ہیں۔ ۶۶ ہزار فرانسیسی ہیں۔ ۴۰ ہزار دوسرے یورپین ہیں۔

اس سے پہلے ۱۹۲۱ء میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اُس کے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۵ برس کے قلیل عرصہ میں فرانسیسیوں کی تعداد میں ۱۹ ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مراکش کی دولت

مراکش کے باشندے زراعت پیشہ ہیں۔ زیادہ تر غلہ کی کاشت ہوتی ہے۔ ابتک کوئی قیمتی کان دریافت نہیں ہوئی۔ صرف فاسفیٹ

کی ایک کان ملی ہو۔ البتہ خیال کیا جاتا ہو کہ ملک میں سیسے، زنگ، تانبے کی بھی کانیں موجود ہیں، مگر زیادہ بڑی نہیں سمجھی جاتیں۔

مراکش کی تجارت

۱۹۱۳ء سے ابتک کے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہو کہ مراکش میں برآمد پر درآمد کا مسلسل اضافہ ہو رہا ہو۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا:

سنہ	ملین فرنک کے حساب سے زیادتی
۱۹۱۳ء	۱۴۲
۱۹۲۲ء	۵۱۴
۱۹۲۳ء	۵۰۸
۱۹۲۴ء	۳۰۳
۱۹۲۵ء	۶۲۶
۱۹۲۶ء	۹۸۰

مراکش کی تجارت میں فرانس کا حصہ بہت بڑا ہو۔ ذیل کے نقشے سے اس کا اندازہ ہوگا۔

سنہ	مجموعی تجارت	فرانس کا حصہ
۱۹۱۳ء	۲۲۲	۱۵۲
۱۹۲۱ء	۱۲۱۶	۷۵۳
۱۹۲۵ء	۱۷۵۴	۹۵۳
۱۹۲۶ء	۲۴۰۴	۱۴۲۷

برآمد میں بھی اضافہ ہوا ہو۔ ۱۹۱۳ء میں مراکش کی کل برآمد ۴۰ ملین فرنک تھی۔ ۱۹۲۶ء میں ۱۲۰ ملین تک پہنچ گئی۔ لیکن درآمد کے مقابلے میں یہ ترقی بہت معمولی ہو۔ کیونکہ برآمدیں فاسفوٹ بھی اچھل ہو جو سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو۔ اس کی قیمت ۱۹۲۶ء میں ۱۰۰،۰۰۰،۲۵ فرنک تھی۔ اسی طرح دوسری کانوں کی آمدنی جو فرانسیسی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہیں، ۶ ملین فرنک تھی۔

اسوقت تک مراکش کی ۶ لاکھ ہکٹار قابل کاشت زمین، ۶۶ ہزار فرانسیسیوں کی ملکیت میں جا چکی ہو۔ یہ لوگ اپنی پیداوار، فرانس بھیجتے ہیں اور بے شمار نفع حاصل کر رہے ہیں۔

مراکش کا قرضہ

فرانسیسی حمایہ سے پہلے مراکش پر ۶۴ ملین قرضہ تھا۔ لیکن ۱۹۲۰ء میں ایک نیا قرضہ اُس کے سر منڈھ دیا۔ اب اُس کی تعداد ۴۴، ۷ ملین فرنک ہوگئی ہو۔ حکومت مراکش کے سالانہ میزانیہ میں قرض اور سود کی ادائی کے لئے بھی ایک مد ہوتی ہو۔ ۱۹۲۲ء میں حکومت کی آمدنی ۳۴،۴۲،۷۶،۲۶ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۰۰۰،۰۰۰،۳ فرنک تھی۔ ۱۹۲۶ء میں آمدنی ۷۷۲،۱۵،۰۶۹،۴۰ فرنک تھی اور قرض کی قسط ۰۰۰،۰۰۰،۴۸۴،۷۔

ریلوے

اسوقت مراکش میں ۲۵۵۰ کیلومیٹر ریلوے لائن بچھی ہوئی ہو لائن دو قسم کی ہو: چھوٹی اور بڑی۔ چھوٹی لائن، فوجی منتقل و حرکت کے لئے ہو اور جس ذیل مقامات کو متصل کرتی ہو:

خط	درازی
دار بیضاء سے مراکش تک	۲۸۴ کیلومیٹر
جدہ سے فاس تک	۴۰۱ "
قنطرہ سے وزان تک	۱۵۸ "

آخر الذکر دونوں خطوں سے جنگ ریف کے زمانے میں فرانس نے بہت فوائد حاصل کئے۔ ان پر مسافر بھی سفر کرتے ہیں، مگر کم۔

بڑی لائن کی دو شاخیں ہیں:

قنطرہ۔ فاس لائن۔ یہ ایک فرانسیسی آسینی کمپنی کی ملکیت ہو۔ ۱۰۴ اس کی درازی ۴۰۶ کیلومیٹر ہو۔

قنیطرہ۔ رباط لائن۔ یہ دار بیضاء اور مراکش ہوتی ہوئی طنجہ۔ فاس ریلوے سے ملجاتی ہو۔ یہ سراسر فرانسیسی کمپنی کی ملکیت ہو۔

مراکش میں فرانس کے جنگی مصارف

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ فرانس کو اب تک مراکش کے محکوم کرنے کے لئے کتنے مصارف برداشت کرنا پڑے:

سنہ	ملین فرنک
۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۱ء	۱۲۶
۱۹۱۲ء " ۱۹۱۴ء	۵۹۸
۱۹۱۵ء " ۱۹۱۹ء	۱۴۱۰
۱۹۲۰ء	۴۹۰۸
۱۹۲۱ء	۴۷۸۲
۱۹۲۲ء	۴۳۶۱
۱۹۲۳ء	۲۹۳۵
۱۹۲۴ء	۳۳۳۸
۱۹۲۵ء	۹۰۴۲
۱۹۲۶ء	۱۲۰۵۶

صحراء میں ریل

شمالی افریقہ کے فرانسیسی نظم و نسق کی سرکاری کانفرنس ہر سال منعقد ہوا کرتی ہو۔ حال میں اس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس نے متعدد تجاویز منظور کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم تجویز یہ ہو کہ صحراء میں ریلوے لائن تعمیر کر کے شمالی افریقہ وسطی افریقہ سے ملا دی جائے۔ اگر یہ ریلوے خط تعمیر ہو گیا تو افریقہ کی عمرانی اور تجارتی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا۔ کیونکہ صحراء کا تمام غیر آباد حصہ آباد حصہ ہو جائے گا، اور قصر سے مراکش تک ایک نیا اندونی خط قائم

مذاکرۂ علمیہ

نظریۂ نشوؤ ارتقا کی موجودہ منزل

(۲)

مشکلات

نظریۂ ارتقار کے تحقق کی راہ میں ابتک متعدد مشکلات حائل ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہو کہ طبقات الارضی تاثیرات کے تحت ارتقائی سلسلے کی بعض کڑیاں گم ہیں۔ ان کڑیوں کا پتہ لگانا ضروری ہو۔

حفریات کی مدد سے ہم نے عہد لیوسینی (یعنی وہ عہد جس میں زمین کی سطح کا دوسرا طبقہ طیار ہونا شروع ہوا) کے اواخر تک کی تحقیق کر لی ہو۔ مگر خود اس عہد کی تحقیق پوری طرح مکمل اور یقینی نہیں ہو۔ بلاشبہ ہمیں لیوسینی طبقات میں پھرائے ہوئے دانت ملے ہیں ممکن ہو یہ بندر نما انسان، یا انسان نما بندر کے دانت ہوں۔ لیکن اس مخلوق کی تعیین کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہو۔

عہد لیوسینی کم سے کم ڈھائی لاکھ برس دراز تھا۔ اس سے پہلے کا زمانہ، عہد میوسینی کہلاتا ہو اور کم سے کم چھ سات لاکھ سال دراز تھا۔ اسی عہد میں بندر نما انسان ظاہر ہوا تھا۔ ڈاکٹر بلگرم کو (جو ہندوستان کے شعبۂ طبقات الارض میں کام کرتے ہیں) ایسے پتھرائے ہوئے آثار دستیاب ہوئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ بندر نما انسانوں کی بارہ قسمیں موجود تھیں اور عہد میوسینی کے اواسط و اواخر میں ہمالیہ کے جنگلوں کے اندر زندگی بسر کرتی تھیں۔ پھر آج ہم بندر نما انسان کی کم از کم تین ایسی قسموں سے بھی واقف ہیں جو اسی عہد میں یورپ کے جنگلوں کے اندر موجود تھیں لیکن افسوس ہیں اُن کے جسم کے صرف وہی اجزا مل سکے ہیں جو زیادہ پائدار تھے۔ یعنی دانت اور جبڑے۔ اُن دانتوں کو اگر قدیم انسان کے دانتوں کے سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو کوئی شخص اس امر کو انکار نہ کر سکے گا کہ عہد میوسینی کے بندر نما انسان کے دانت موجودہ انسانی دانتوں کی اصل ہیں۔

انسان کب ظاہر ہوا؟

یہ غیر ضروری ہو کہ عہد میوسینی سے پہلے انسان کے ظہور کی تحقیقات کی جائے۔ کیونکہ اس عہد سے پہلے کے ارضی طبقات میں صرف بندر نما انسان ہی کے آثار ملتے ہیں۔ اسوقت جتنے بھی دلائل ہمارے پاس موجود ہیں، اُن سے ثابت ہوتا ہو کہ موجودہ انسان نے ایک ایسے بندر سے ظہور کیا ہو جو بندر نما انسان قسم کا تھا۔ یہ قسم اشباہ قسم کے بندر سے زیادہ ترقی یافتہ نہ تھی۔ اور یہ کہ انسان کی نسل انتھروپوئیڈ سے عہد میوسینی میں جدا ہوئی ہو۔ بنا بریں انسان کی عمر دس لاکھ برس کی ہو۔

انسان کے تسلسل پر دلائل

طبقات الارضی مباحث سے ابتک قطعی طور پر ثابت نہیں ہوا کہ انسان کی اصل، بندر نما انسان ہو۔ پھر کیا وجہ ہو کہ ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان اپنے ظہور کے کسی عہد میں بندر نما انسان قسم کی ایک مخلوق تھا؟ حالانکہ یہ معلوم ہو کہ انسان اور بندر میں مختلف حیثیتوں سے بہت فرق ہو۔

میں مختصر جواب دیتا ہوں۔ موجودہ صدی کے اوائل میں پروفیسر نیٹون نے ہر بعض حیوانی کا تعلق اُس کے افراد سے معلوم کرنے کے

لئے ایک طریقہ دریافت کیا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ کیمیاوی افعال کے لحاظ سے خون کی جانچ کی جاتی ہے۔ خون کی جانچ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کیمیاوی تفاعل کے لحاظ سے انسان اور بندر نما انسان کا خون بالکل ایک ہی طرح کا ہے۔ دونوں کا خون یکساں طور پر یکساں امراض قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور دونوں خون اپنی کیمیاوی ترکیب میں بھی ایک ہی ہیں۔ پھر اپنی ترکیب میں دونوں کے دماغ بھی یکساں ہیں۔ رحم مادر میں جس طرح انسان کا بچہ نشوونما پاتا ہے ٹھیک اسی طرح اس بندر کا بچہ بھی نشوونما حاصل کرتا ہے۔ رحم میں دونوں بالکل یکساں حالات سے گزرتے ہیں۔ دونوں کے جسم میں ایک ہی قسم کے اثری اعضاء بھی موجود ہیں اور نظریہ نشوونما ارتقا کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ پھر جس طرح عورت اپنے بچے سے محبت کرتی اور پالتی پوستی ہے، بالکل اسی طرح اور ویسے ہی جذبات کے ساتھ اس قسم کا بندر بھی اپنے بچے کو پالتا ہے۔

یہ تمام حقائق، ان کثیر دلائل میں سے صرف چند ہیں جن سے انسان اور اس بندر نما انسان میں کامل مشابہت ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہ دونوں مخلوق ایک ہی اصل سے پیدا نہیں ہوئے، تو اس مشابہت کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟

دماغ انسانی کا نشوونما

بندر کے دماغ میں کوئی جزو ایسا موجود نہیں جس سے مشابہ جزو انسان کے دماغ میں موجود نہ ہو۔ اسی طرح انسان کے دماغ میں جو اجزاء اور ان کی ترکیب موجود ہے، بعینہ وہی گوریلا کے دماغوں میں بھی موجود ہے۔ انسان کا دماغ بندر نما انسان کے دماغ سے ذرا بھی مختلف نہیں۔ فرق صرف کمیت کا ہے۔ انسان کا دماغ کمیت میں زیادہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ فرق، معمولی فرق نہیں ہے۔ انسان کے دماغ کے کمیت اور معین اجزاء میں اس کی تقسیم ہی نے انسان کو شعور و ادراک، عمل و کلام، اور تعلیم و تربیت کی قوت بخشی ہے۔

ڈاروین نے انسان اور بندر نما انسان کے دماغوں کی تحقیق کی۔ ثابت ہوا کہ فرق صرف کمیت میں ہے نہ کہ نوعیت میں۔ ڈاروین کے بعد دوسرے بہت سے علماء نے بھی تحقیق کی اور اس کی تائید کی۔ علم وظائف الاعضاء، علم النفس، علم التشریح، اور علم الجنین وغیرہ علوم کے مباحث سے ثابت ہو گیا ہے کہ انسان کے دماغ نے بندر نما انسان کے دماغ سے ترقی کی ہے، اور اس ترقی کے دوران میں کسی نئی ترکیب کا اس میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔

پیچیدہ مشکلات

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہماری تحقیقات بالکل مکمل ہو چکی ہیں درحقیقت ہم ابھی پہلی ہی منزل میں ہیں۔ ہمارے سامنے بہت سی ایسی پیچیدہ مشکلات ہیں جنھیں ہم حل نہیں کر سکے ہیں۔

ہم اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ہم یقین کے ساتھ انسانی دماغ کی ترقی اور گوریلا کے دماغ کی پستی کا سبب بیان کر سکیں گے ہم ناموس وراثت کی معقول تعلیل کر سکیں گے اور بتا سکیں گے کہ کیوں ایک خاندان زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور دوسرا کمزور؟

پھر یہ عجیب بات ہے کہ عہد میوسینی میں صرف انسان کے مورث اعلیٰ کے دماغ ہی نے ترقی نہیں کی، بلکہ دوسرے بہت سے حیوانات کے دماغوں نے بھی ترقی کی ہے۔ شروع میں تمام بندروں کا دماغ بہت ہی چھوٹا تھا۔ پھر اس میں زیادتی ہوتی رہی یہاں تک کہ انسانی دماغ کا ظہور ہوا۔ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیا موثرات تھے جنھوں نے اس دماغ کے لئے ترقی کی راہ بازکی؟ سردست ان سوالوں کا ہمارے پاس شافی جواب موجود نہیں"

افسانہ

فرانس کا آخری مقبول ڈراما

مضحک اور غمناک عناصر کا مجموعہ

ایلن کا شوہر!

ذیل میں اس ڈرامے کا خلاصہ ایک نقاد تماشائی کی نظر سے قلمبند کیا گیا ہے، جو گذشتہ موسم بہار میں پیرس کا سب سے زیادہ مقبول اور دلچسپ ڈراما تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے چند امور پیش نظر رکھنے چاہئیں:

(۱) "کامیڈی" اور "ٹریجدی" کی دو قدیم قسمیں معلوم ہیں۔ لیکن ایک تیسری قسم وہ ہے جس میں دونوں طرح کے جذبات جمع کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنے وہ واقعات و احساسات کا ایک ایسا ملا جلا مجموعہ ہوتا ہے، کہ اسے ایک اعتبار سے مضحک کہہ سکتے ہیں، ایک اعتبار سے غم انگیز۔ اس اشتراک سے مقصود یہ نہیں ہے کہ سلسلۂ واقعات میں بعض حصے غم انگیز آجائیں اور بعض مضحک، جیسا کہ شیکسپیر نے ہملٹ جیسی غمناکی میں ایک منظر ہملٹ اور قبر کھودنے والوں کے مضحک مکالمہ کا دکھا دیا ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ نفس واقعہ اور اس کے واردات و احساسات کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ اسے ایک پہلو سے مضحک اور ایک پہلو سے غم انگیز قرار دے سکیں۔ یہ قسم آجکل فرانس میں سب سے زیادہ مقبول ہے، اور مندرجۂ ذیل ڈراما اسی قسم کا ایک آخرین نمونہ ہے۔

(۲) سب سے زیادہ قابل غور یورپ کی موجودہ اخلاقی ذہنیت کی نمایش ہے جو اس ڈرامے میں ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ایلن اور اس کے شوہر کی قصصی سیرت یورپ کے اعلیٰ اور متوسط طبقات کے نوے فی صدی مرد و عورت کی حقیقی سیرت ہے۔ حیات زوجیت کی اخلاقی اور معاشرتی روح فنا ہو چکی ہے۔ محض ایک طرح کا قانونی معاہدہ رہ گیا ہے جس کی پابندی معاشرتی ضروریات کی بنا پر کی جا رہی ہے، بہت ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ پابندی بھی ضروری نہ رہے۔ موجودہ تمدن کا منتہائے عروج، اخلاق اور اخلاقی حدود کا خاتمہ ہے!

---

(۱)

میں ہنسنا چاہتا تھا جب یہ ڈراما دیکھنے کے لئے جانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ ہنسوں گا، کیونکہ قصہ کا نام ہی مضحک تھا۔ پھر یہ پہلی مرتبہ اسٹیج پر آیا تھا اور نکتہ چینیوں کی نظریں ابتک اس پر نہیں پڑی تھیں جو ایکٹر اس میں حصہ لینے والے تھے، سب فن ظرافت میں مشہور تھے پیرس کے مخلوق کی عادت ہے کہ پہلے ہی سے لطف اٹھانے لگتی ہے میں نے بھی پیشگی ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

ہنستے ہوئے تھیٹر پہنچے۔ پردہ اٹھنا تھا کہ ہمارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے لیکن چند ہی لمحے بعد ہنسی غائب ہو گئی۔ اپنے اندر ہم نے ایک عجیب طرح کا احساس پایا۔ الفاظ شاید اسے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ احساس نہ تو خالص مسرت تھی نہ خالص رنج۔ یا یوں کہو کہ وہ چیز خالص رنج سے بھی زیادہ قلب کو متاثر کر رہی تھی۔ لیکن ساتھ ہی تبسم پر بھی مجبور کرتی تھی۔ بلکہ شاید ہنسی پر۔ شاید قہقہوں پر! افسردگی میں مسکرانا! رنج میں کھلکھلا کر ہنسنا!

کیوں؟ اس لئے کہ ایکٹر ہمارے سامنے انسان کی ایسی خصلتیں پیش کر رہا ہے جن کا ظاہر ہنسانے والا ہے، ہنسنا چاہو یا نہ چاہو، ہاں رلانے والا ہے، رونا چاہو یا نہ چاہو۔

(۲)

پردہ اٹھتے ہی ایک ادھیڑ عورت ہمارے سامنے موجود ہے۔ ادھیڑ سے بھی زیادہ بوڑھی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا لباس اس کے سن و سال اور مرتبہ کے مناسب ہے۔ اسکی گفتگو سنتے ہی تم جان جاتے ہو کہ وہ پیرس کی مخلوق نہیں، اطراف ملک سے آئی ہے۔ اور یہ کہ اس مبہم طبقہ سے تعلق رکھتی ہے جو متوسط طبقہ تو نہیں ہے مگر اس سے اتر کر رہنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

عورت، بیوہ ہے۔ شوہر کی یادگار ایک لڑکی ایلن موجود ہے۔ یہ نہایت حسین اور خوش اندام ہے۔ ماں بیٹی زمانہ کے جور سے تنگ آکر پیرس میں پناہ ڈھونڈھتی ہیں۔ فن موسیقی کے ایک ماہر سے ملاقات ہوتی ہے۔ وہ خود بھی اپنے ہنر میں بدمست ہے مگر قصاباتی دوشیزہ پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ دونوں کو اپنے شکستہ گھر میں جگہ دیتا ہے۔ پھر بیک وقت اس رشک ماہ کا استاد، مربی، اور عاشق بنجاتا ہے۔

لڑکی، رقص و سرود میں کامل ہو جاتی ہے۔ پیرس کی ایک تھیٹری کمپنی اس کی خدمات قبول کر لیتی ہے۔ آج کی رات وہ پہلی مرتبہ اسٹیج پر آنے والی ہے۔ ماں اسے بڑے ہی تاثر، اضطراب، مسرت، اور کسی قدر خوف کی نظروں سے دیکھ رہی ہے لیکن کامیابی کی اہمیت بھی سمجھتی ہے اس لئے خوشی بھی منانا چاہتی ہے۔ چنانچہ اسنے دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ میز پر قسم قسم کے کھانے چنے ہیں جو دولتمندوں کے لئے معمولی مگر غریبوں کے لئے بہت قیمتی ہیں۔ وہ اپنے دل کی تمام باتیں اپنی کم سن چھریلی خادمہ کو سناتی ہے۔ اس کا لہجہ بالکل ویسا ہی

ہو جیسا دادی کا اپنی پوتی کے مقابلہ میں ہوتا ہو۔ گفتگو کچھ اس طرح کی ہو کہ وہ دونوں اُس میں سنجیدگی سے مصروف ہیں مگر ہم سُننے والے ہنسی سے لوٹے جاتے ہیں!

اچانک موسیقی کا اُستاد آتا ہو۔ بہت خوش ہو۔ مگر خوشی نے کچھ اضطراب بھی پیدا کر رکھا ہو۔ وہ تأثر سے بے اختیار رونے لگتا ہو۔ ایسا رونا جو تماشائیوں کو ہنسانے والا ہو۔ ماں کو اُس کی بیٹی کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہو۔ پھر اس کامیابی کی نقل اُتار کر دکھاتا ہو اور وہ نغمے سُناتا ہو جن سے لڑکی نے سامعین کا خراج تحسین وصول کیا تھا۔

ماں خوش ہو۔ لیکن ساتھ ہی غیر مطمئن بھی ہو۔ کیونکہ تھیٹروں کی آب ہوا نا پسند کرتی ہو اور دل سے چاہتی ہو کہ لڑکی کسی اور کام میں لگتی۔ اُستاد موسیقی بھی خوش ہو۔ لیکن ساتھ ہی خوفزدہ بھی ہو۔ کیونکہ ڈرتا ہو، مبادا ایلین دولتمند مداحوں کے دام میں پھنس کر اُن کی ہو رہو۔

(۳)

ماں اپنی لڑکی کے عاشق کا خون محسوس کرتی ہو۔ ساتھ ہی اُس کی اخفاء راز کی کوشش کو بھی محسوس کرتی ہو۔ دونوں گومگو حالت میں ہوتے ہیں کہ لڑکی اٹھکیلیاں کرتی، ہنستی کھیلتی، جوش میں بھری دوڑی آتی ہو۔ ماں کو پیار کرتی ہو۔ عاشق کے سامنے آتی ہو اور شکریہ ادا کرتی ہو۔

لیکن اِن کی قسمت میں دعوت کا لطف تنہا اُٹھانا نہ تھا۔ تھیٹر کا منیجر ایک دولتمند رئیس کے ساتھ آموجود ہوتا ہو۔ دونوں لڑکی کو اُس کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں اور کھیل کود کے ایک بڑے چائے خانہ میں گھڑی بھر ساتھ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اُن کی گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہو کہ لڑکی پہلے ہی دعوت قبول کر چکی تھی۔ مگر اب پس و پیش کرتی ہو اور عاشق کو ساتھ نہ لے جانا خلاف مروت خیال کرتی ہو۔ آنے والے اسے محسوس کرتے ہیں اور فوراً عاشق کو بھی مدعو کرتے ہیں وہ انکار کرتا ہو۔ یہ اصرار کرتے ہیں۔ لڑکی بھی ضد کرتی ہو۔ مجبوراً اقرار کر لیتا ہو۔ آنے والے جلد موٹر بھیجنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔

عاشق مسکوت کمرے میں تنہا ہیں۔ اب وہ منظر سامنے آتا ہو جو سہتا بھی ہو اور رنج بھی دیتا ہو۔ عاشق، دعوت کا لباس پہنتا ہو مگر کوئی کپڑا بھی درست نہیں۔ سب اتنے پھٹے پرانے ہیں کہ شرم سے عرق عرق ہو جاتا اور دلی رنج محسوس کرتا ہو۔ لیکن بناوٹی خوشی کا اظہار بھی کرتا ہو۔ تمام جا بجا سے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک تمام ملتا ہو تو دوسرے کا پتہ نہیں۔ ایلین بھی اپنی آرائش میں مصروف ہو۔ تھیٹر کے منیجر نے رقص کا لباس عاریۃً دیدیا ہو۔ اُسی کو پہنتی ہو اور حسن کی دیوی معلوم ہوتی ہو۔ مگر اُس کی بھی زینت کا تمام سامان موجود نہیں۔ وہ جھنجلاتی ہو لیکن اپنے عاشق کی اندرونی تکلیف محسوس کر کے مصنوعی تبسم دکھاتی ہو اور تسلی دیتی ہو۔ عاشق وعدہ کرتا ہو کہ آئندہ دونی محنت کرے گا اور اُس کی ضرورت کی تمام چیزیں جلد مہیا کر دے گا۔

موٹر آگئی۔ ماں کو دیکھو کیسی خوش ہو؟ بیٹی کے حسن پر قربان ہوئی جاتی ہو۔ لو، اُس کے پیچھے چلی جاتی ہو۔ لٹکتے ہوئے دامن اُٹھائے ہو کہ لڑکی کا لباس سیڑھی کے غبار سے میلا نہ ہو جائے کمسن خادمہ شوق خدمت میں موم بتی لئے آگے آگے چل رہی ہو۔ عاشق کو دیکھو، چہرہ اُترا ہوا ہو مگر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ دل رو رہا ہو مگر لبوں پر مصنوعی مسکراہٹ ہو!

(۴)

دوسرے وقفہ کے بعد انقلاب حال شروع ہو جاتا ہو۔ تھیٹری آنکھوں کے سامنے اب ایسے لوگ ہیں جنہیں بہ مشکل پہچان سکتے ہو۔ دولت و عشرت نے اُنکے اطوار اور انداز بدل دئے ہیں۔ اب غربت کی سکینی کہیں نظر نہیں آتی۔ ایلین کے کمال نے بڑی شہرت حاصل کی ہو۔ ہر جگہ مقبول ہو۔ دنیا مسکرا کے قدموں سے لپٹ گئی ہو۔ شب و روز زر برس رہا ہو، کسی کو بھی افلاس کی شکایت باقی نہ رہی۔ اب نازنین کی ماں وہ بڑھیا اور میٹرون نہیں ہو جسے ہم نے پہلی فصل میں دیکھا تھا۔ اب اُس کے چہرہ پر شباب کی رونق لوٹ آئی ہو نئے فیشن میں ملبوس ہو۔ گفتگو کی طرز بھی بدل گئی۔ اب وہ پیرس کی خاتون ہو آواز میں بھی بڑا تغیر ہو گیا۔ اب وہ خوش گلو ہو۔ حرکات و سکنات بھی پہلے سے نہیں ہو۔ اب پُھرتیلی اور چست و چالاک ہو۔ اُستاد موسیقی بھی اب وہ پہلے کا خستہ حال، پژمردہ، گویا نہیں رہا۔ اب وہ ایک خوش حال رئیس ہو، بھاری بھرکم، سنجیدہ، باوقار اب سب سے بڑھ کر یہ کہ اب اپنی محبوبہ ایلین کا شوہر ہو۔ صرف یہی لوگ نہیں، بلکہ ان کی غریب خادمہ بھی بالکل بدل گئی ہو۔ ایک نئے نوکر کا بھی اضافہ ہوا ہو۔ پیرس کا وہ حقیر گھر بھی نہیں رہا جو موم بتی سے روشن کیا جاتا تھا اور جس کی زمین دامن میلے کر ڈالتی تھی۔ اب وہ سمندر کے خوش منظر ساحل پر ایک شاندار عمارت میں ہیں۔ ہر موسم گرما میں ایلین کے دوستوں اور قدر دانوں کا یہاں ہجوم رہتا ہو۔ تمام چوٹی کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔

ہم تھیٹر کے منیجر اور اُس کے مالدار ساتھی کو چند اور دوستوں کے ہمراہ ایلین کے گھر بار بار آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ وہ بیٹھتے ہیں، کھیلتے ہیں، مذاق کرتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں۔ ایلین کا شوہر مطمئن اور خوش ہو۔ اپنے دوست سے شکرگزاری کے لہجہ میں کہتا ہو "خدا کی مشیت یہی تھی کہ میں مالدار ہو جاؤں۔ میں عنقریب ایک موسیقی آمیز قصہ لکھنے والا ہوں جو صرور مقبول ہوگا۔ میرا تعلق ایک بڑے اخبار کو بھی ہو گیا ہو جسمیں موسیقی پر نقد کیا کروں گا"

گفتگو جاری تھی کہ ایلین کے دوست آگئے۔ اُستاد موسیقی اپنے دوست کے ساتھ کسی کام سے باہر چلا گیا۔ ایلین اپنے دولت مند قدر دان کے ساتھ تنہا کمرہ میں ہو۔ باقی احباب ملاقات کے ایوان میں بیٹھے ہیں۔ گھر کے مالک کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ایلین اور اُس کے دوست میں گفتگو چھڑتی ہے۔ عجیب صورت حال! دونوں عاشق ہیں! عورت اپنے شوہر سے خیانت کر رہی ہو۔ اب معلوم ہوا اس تمام دولت کا سرچشمہ یہی خیانت ہو!

اسوقت ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہو کہ ایلین کا آشنا اُس کے بھی شوہر سے تنگ آگیا ہو۔ اس لئے تنگ ہو کہ اپنی آشنا سے دل کھول کر متمتع ہونا چاہتا ہو۔ مگر یہ بھی شوہر بیچ میں سدِّراہ ہو جاتا ہو!

یہ شوہر واقعی بھی ہو، یا خباثت ظاہر کرتا ہو؟ یہ مصنوعی غیبت اس لئے تو نہیں کہ دولت سے فائدہ اُٹھائے؟

مالدار فاسق کا یہی خیال ہو۔ مگر ایلین اسے ماننے سے انکار کرتی ہو۔

(۵)

دونوں تخلیہ میں ہنسی مذاق کر رہے تھے کہ باہر دوستوں کی آواز بلند ہوئی "حضرت آگئے! حضرت آگئے!"

دونوں ہوشیار ہو گئے۔ شوہر گھر میں داخل ہوا۔ احباب رخصت ہوئے۔ اب میاں بیوی تنہا ہیں۔ دونوں میں باتیں ہوتی ہیں شوہر کی اُداسی نمایاں ہو۔ بیوی وجہ پوچھتی ہو وہ پس و پیش کرتا ہو پھر بتاتا ہو کہ لوگ اُسے "ایلین کا شوہر کہتے ہیں"۔ اُس کا نام نہیں لیتے یہی نہیں بلکہ اُسے دیکھ کر مسکراتے ہیں، آنکھیں مارتے ہیں۔ اشارے کرتے ہیں۔ لہذا اُسے کچھ شک ہو۔ بیوی اپنے تمام چلبلے پن اور حسن کی دلفریبیاں کام میں لاتی ہو۔ شوہر کے شکوک دور کرنا چاہتی ہو۔

اب دیکھو، شوہر تنہا ہو۔ بیوی کا بٹوا کھول رہا ہو۔ اُسمیں ایک بڑی رقم موجود ہو۔ اُس کا شبہ اور زیادہ ہو جاتا ہو، وہ سوچتا ہو کل ایلین جوئے میں بہت روپیہ ہار گئی لیکن اسے خبر تک نہ دی۔ شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہو۔ دیکھو اُسنے میز کا خانہ کھولا۔ قیمتی جواہرات کا کنٹھا ہاتھ میں لیا۔ یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے اس کا ذکر تک نہ کیا شک اب یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہو!

لیکن ایلین چالاک ہو۔ شوہر عاشق ہو۔ آسانی سے دھوکا دے سکتی ہو۔ چند میٹھی میٹھی باتیں تمام شکوک دفع کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ شوہر اپنے نوکر اور خادمہ سے بھی زیادہ غبی ہو۔ یہ دونوں سب کچھ جانتے ہیں۔

(۶)

تیسرے وقفہ کے بعد ہم ایلین کے شوہر کو اپنے دوست سے گفتگو میں مصروف پاتے ہیں۔ اب اُسے کامل یقین ہو گیا ہو۔ بیوی کی خیانت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

اُسے یہ یقین اس طرح حاصل ہوا کہ ایلین اور اُس کے احباب تفریح کے لئے جانا چاہا۔ شوہر نے عذر کیا اور کسی بہانہ سے گھر ہی میں رہ گیا۔ اُن کی روانگی کے بعد خود بھی تعاقب میں پوشیدہ چلا اُسنے احباب کے ساتھ ایلین اور اُس کے مالدار آشنا کو نہیں پایا۔ دونوں دن بھر کہیں غائب رہے۔

بدنصیب شوہر سخت اُداس ہو۔ لیکن اپنے کو سنبھالے ہوئے ہو دوست سے کہتا ہو "موجودہ شرمناک صورت حال ناقابل برداشت ہو۔ میں اس زندگی سے بیزار ہوں۔ اپنی سابق غریبانہ مگر شریفانہ زندگی کی طرف لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن واپسی سے پہلے ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔ بہت ہی دردناک کھیل!"

احباب، سیر سے واپس آگئے۔ ایلین اور اُس کا آشنا بھی ہمراہ ہو۔ سب اپنے اپنے مشاہدے بیان کر رہے ہیں۔ شوہر دل میں کٹا جاتا ہو، مگر ظاہر میں دلچسپی کا اظہار کر رہا ہو۔ ہنسی خوشی سب کی سُنتا ہو۔ سب اُسے بیوقوف بنا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں وہ کچھ نہیں سمجھتا!

(۷)

رخصت کا وقت آگیا۔ سب اس قرارداد کے ساتھ جانے لگے کہ ہوٹل میں رات کے کھانے پر جمع ہونگے۔ لیکن ایلین کے شوہر نے اپنی بیوی کے آشنا سے چند لمحہ ٹھہرنے کی درخواست کی۔ کمرہ میں صرف تین شخص رہ گئے: میاں، بیوی، اور اُس کا آشنا۔ اس وقت وہ مؤثر منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہو جو شوہر سے گہری ہمدردی، بیوی سے شدید نفرت، اور آشنا پر سخت غصہ کے جذبات پیدا کر دیتا ہو۔

غضبناک مایوس شوہر کو دیکھو! وہ اپنا اور اپنی شرافت کا انتقام لینا چاہتا ہو۔ لیکن بالکل نئے قسم کا انتقام! وہ کسی طرح کا تشدد کرنا پسند نہیں کرتا۔ انتقام میں بھی نرم اور بردبار رہنا چاہتا ہو۔

دیکھو، بیوی اُٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی گئی۔ اب دونوں رقیب رُو در رُو بیٹھے ہیں۔ شوہر اپنی بیوی کے عاشق سے گفتگو کرتا ہو۔ بغیر کسی تمہید کے ظاہر کر دیتا ہو کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں"۔ عاشق مبہوت ہو کر رہ جاتا ہو۔ حواس بجا کر کے ڈرتے ڈرتے پوچھتا ہو "تو کیا ارادہ ہو؟" اُسے یقین تھا، جواب میں "مبارزت!" سنے گا۔ مگر یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہو کہ شوہر کچھ نہیں چاہتا موجودہ صورت حال پر رضامندی کا اظہار کرتا ہو۔ حیرت فوراً

شدید حقارت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ فاسق عاشق اس شوہر کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جس کی رگوں میں گرم خون کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے، اور جو اس بات پر راضی ہو جاتا ہے کہ اس کی بیوی، اُس میں اور بیوی کے آشنا میں مشترک رہے!

عاشق رخصت ہوتا ہے ایلین مسکراتی ہوئی اپنے شوہر کے پاس آتی ہے گفتگو جاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ شوہر بیوی سے بھی اچانک کہدیتا ہے کہ "میں سب کچھ جانتا ہوں!" وہ ششدر رہ جاتی ہے۔ خوف سے کانپنے لگتی ہے مگر وہ سنجیدگی سے کہتا ہے "کوئی حرج نہیں۔ مجھے یہ صورت منظور ہے!" بیوی بے حد حقارت سے بے غیرت شوہر کو دیکھتی ہے۔ واقعی اُس کا دل سخت مجروح ہوا ہے۔ وہ چاہتی تھی، شوہر اُس سے محبت کرتا، اور اس لئے اُس کی خیانت پر غضب ناک ہوتا۔ مگر اب دیکھتی ہے کہ شوہر کو اُس کی ذرا بھی قدر نہیں۔ آہ، وہ اپنی حیثیت کوڑہ کرکٹ سے زیادہ نہیں پاتی!

اس بے غیرتی پر شوہر کو سخت سُست کہنے لگتی ہے۔ اس شوہر کا جام صبر بھی لبریز ہو جاتا ہے۔ جذبات بہت دبائے، اب بے قابو ہوا جاتا ہے۔ یہ دیکھو، آتش فشاں پھٹا۔ غیظ و غضب نے دیوانگی کی شکل اختیار کرلی محبت اپنی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ غیرت ہولناک درجہ تک پہنچ گئی۔ اب وہ رُک نہیں سکتا۔ خائن بیوی کو اُس کے غضب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اچانک چلاتا ہے "میری دیوسی دیکھے گی!" عورت لرزہ براندام ہے۔ بید کی طرح تھرتھراتی ہے۔ مگر دل کی گہرائی میں مسرت و سعادت محسوس کر رہی ہے۔ اب اُسنے دیکھ لیا کہ شوہر محبت سے خالی نہیں۔ ابتک آتش عشق میں جل رہا ہے۔ غیرت سے انتقام پر تلا ہوا ہے۔ وہ اُس کے قدموں پر گرنا چاہتی ہے۔ معافی کا ارادہ کرتی ہے۔ توبہ کے لئے آمادہ ہو رہی ہے۔ شوہر غصہ کی دیوانگی میں اسپر ٹوٹ پڑنے کو ہے۔ لیکن افسوس، یہ کیا ہوا؟ شوہر اچانک سنبھل جاتا ہے، رُک کر کھوکھلی آواز میں کہتا ہے "موٹر آتی ہوگی۔ اپنے آشنا کے ساتھ چلی جانا!" پھر فوراً بھاگ کر گھر سے نکل جاتا ہے۔ عورت رونا دھونا واویلا کرنا شروع کر دیتی ہے!

(۸)

بے غیرت شوہر نے کہا تھا "موٹر آتی ہوگی۔ اُس پر چلی جانا" مگر اب موٹر کہاں؟ ایلین کے آشنا نے محسوس کیا تھا کہ اس کے دل میں شوہر کی دیوسی پر نفرت و حقارت پیدا ہو گئی ہے، حالانکہ اس نفرت و حقارت کی تہ میں ایک دوسری نفرت بھی پوشیدہ تھی؟ کونسی نفرت؟ ایلین سے نفرت! اُس عورت سے نفرت جس کی اب کوئی قیمت عشق باقی نہیں رہی تھی، جو اب کسی شوہر کی محبوبہ نہ تھی، بلکہ خود شوہر کی طرف سے فسق و ہوس کی پیش کش تھی!

ایلین اپنے شوہر اور اپنے آشنائے فسق، دونوں سے محروم ہو گئی یہ اُس کے شوہر کا انتقام تھا۔

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلۂ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱ سے ۵ تک

بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگنی قیمت پر خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ مینجر

تاریخ و عبر

آزادی کی راہ میں

تاریخ قرطاجنہ کا ایک عبرت انگیز صفحہ

فینیقیا کے باشندوں نے اپنے بادشاہ بجلیوں کے عہد میں شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ قرطاجنہ کے معنی ہیں نیا شہر۔ یہ آبادی، شمالی افریقہ کے ساحل پر ٹیونس کے قریب قائم ہوئی تھی۔ فینیقیا کی کمزوری کے بعد قرطاجنہ نے عروج حاصل کیا اور بتدریج بحر ابیض کی تجارت کا مالک بن بیٹھا۔ اُس کا جنگی بیڑہ، روم کے بیڑے سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ سسلی سے جبل طارق تک اُن کا اقتدار قائم تھا۔ مراکش، الجزائر اور ٹیونس کے اکثر حصے اُن کے قبضے میں آگئے تھے۔ اسپین، سسلی، سرڈانیا، کارسیکا مفتوح یا زیر اتھے۔ تجارت نے بہت وسعت اختیار کرلی تھی۔ پوری قوم، دولت سے مالامال ہو رہی تھی۔ لیکن روم کو اُس سے سخت حسد تھا اور برابر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں تین جنگیں سب سے زیادہ اہم ہیں۔

پہلی جنگ

یہ جنگ ۲۶۴ء۔ ۲۴۱ء ق م میں ہوئی۔ روم نے اسے شروع کیا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ روم نے سسلی میں شہر مسنی پر قبضہ کرلیا۔ یہ شہر قرطاجنہ کے تابع تھا۔ قرطاجنہ کے بحری اسطول نے روم کو سخت نقصان پہونچایا۔ یہ دیکھ کر روم نے بھی فوراً جنگی بیڑہ طیار کیا اور بحری جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن جزائر ایجیت کے قریب قرطاجنہ والوں کو شکست ہوئی اور پورا سسلی، روم کے قبضہ میں آگیا۔

دوسری جنگ

اس شکست کے بعد قرطاجنہ کی تنخواہ دار فوج نے سرکشی شروع کی اور طوائف الملوکی پھیل گئی۔ لیکن اُسی زمانے میں ایک عظیم آدمی ہملکار ظاہر ہوا، تمام فتنوں کا سر کچل ڈالا، اور اسپین میں ایک عظیم الشان فوج، روم سے لڑنے کے لئے مرتب کی۔ کیونکہ اب روم سرڈینیا اور کارسیکا پر بھی قابض ہو چکا تھا۔

یہ جنگ، تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اسی میں ہنیبال نے ظہور کیا تھا جو دنیا کا مشہور ترین سپہ سالار تسلیم کیا گیا ہے۔ ہنیبال نے بچپن ہی میں اپنے باپ سے قسم کھائی تھی کہ عمر بھر روم کا دشمن رہے گا۔ اُس کی قسم سچی ثابت ہوئی۔ پوری زندگی، روم سے جنگ میں گزاری۔

رومانیوں کو یقین تھا کہ جنگ، اسپین میں ہوگی۔ اسی لئے انہوں نے اسپینی سرحدوں پر جنگی طیاریاں کی تھیں۔ لیکن ہنیبال، کوہ برانس کو عبور کرکے فرانس پہونچا اور فرانس سے الپس کے برفانی پہاڑوں کو عبور کرکے اچانک اٹلی کے میدانوں پر جا دھمکا۔ روم والے سخت متعجب ہوئے۔ انھیں ہرگز خیال نہیں گزرا تھا کہ اس طرح کوئی فوج حملہ آور ہوگی۔

ہنیبال نے روم کو سخت شکستیں دیں۔ ترازمین کا معرکہ، جو ۲۱۷ء ق م میں واقع ہوا، بہت ہولناک تھا۔ اس کے ایک برس بعد "کان" میں روم کو اور بھی زیادہ سخت شکست ہوئی۔ پوری فوج کٹ گئی۔ ہنیبال، اٹلی میں ۱۵ برس تک جنگ کرتا رہا۔ روم کے بالکل قریب تھا۔ مگر سخت کوشش کے باوجود بھی اُسے کسی طرح فتح نہ کرسکا۔

مسلسل جنگوں نے خود ہنیبال کو بھی بہت کمزور کردیا تھا۔ اُس نے قرطاجنہ، کمک کے لئے لکھا۔ فوراً اُس کا بھائی ہزدروبال ایک فوج لے کر روانہ ہوا۔ مگر دریائے متوروس پر رومانیوں نے اُسے روک لیا۔ جنگ کی۔ اُسے قتل کرڈالا، اور پوری فوج برباد ہو گئی۔

اس اثناء میں رومانیوں نے ہنیبال کو چھوڑ کر خود قرطاجنہ پر چڑھائی کردی۔ قرطاجنہ والوں نے ہنیبال کو مدد کے لئے بلایا وہ فوراً چلا۔ مگر ۲۰۲ء ق م میں قرطاجنہ کے قریب ہی اُسے رومی سپہ سالار شیبون نے سخت شکست دیدی۔

اب قرطاجنہ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ صلح کی درخواست کرے۔ روم نے صلح کی شرطیں یہ پیش کیں کہ قرطاجنہ اپنا پورا جنگی بیڑا اور بحر احمر میں اپنے تمام جزیرے اور اسپین میں تمام مقبوضات، روم کے حوالے کردے۔ نیز کبھی کسی سے جنگ نہ کرے۔ قرطاجنہ، یہ ذلت قبول کرنے پر مجبور تھا۔ لیکن ہنیبال نے انکار کردیا۔ وہ ملک بدر ہو گیا۔ سیریا اور مقدونیا کے بادشاہوں کو روم کے خلاف جاکر کھڑا کردیا۔ اُن کی فوجوں میں لڑتا رہا۔ لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر اُسنے ۱۸۳ء ق م میں زہر کھا کر خودکشی کرلی۔

تیسری جنگ

(۱۴۹ء۔ ۱۴۶ء ق م)

یہ قرطاجنہ اور روم کی آخری لڑائی تھی۔ مگر تاریخ میں اول درجے کی لڑائی سمجھی جاتی ہے، کیونکہ اس میں مغلوبوں نے ہمت و شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے جو آجتک تمام محبان آزادی کے لئے نمونہ بنے ہوئے ہیں۔

اس جنگ کی وجہ عجیب تھی۔ ظلم و حرص کی آخری حد تھی۔ واقعہ یہ ہوا کہ روم کے ایک شریف کاتو نے قرطاجنہ میں سیاحت کی اور یہ دیکھ کر جل گیا کہ مسلسل جنگوں اور شکستوں کے بعد بھی قرطاجنہ بہت خوشحال اور آباد ہے۔ اُس کی تجارت و ثروت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ وہ روم واپس آیا اور رومانی مجلس شیوخ کے سامنے حسب ذیل تقریر کی۔

"دیوتاؤں کا ہم پر بڑا فضل و مہر ہے کہ ہمیں ایسی سرسبز اور دولتمند سرزمینوں کا مالک بنایا ہے۔ ہمارے ملک کا موقعہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ

ہم بحری تجارتی قوم نہیں اور وہ تمام ممالک جہاں ہم تجارت کرتے ہیں ہمارے زیر اثر ہیں تاکہ ہمارا مال محفوظ رہ سکے۔ ہم نے دیوتاؤں کی مرضی پوری کی اور اپنے اقتصادی و جنگی اقتدار کا دائرہ وسیع کرنے لگے۔ لیکن وہاں دُور افتادہ میں ایک ملک قرطاجنہ موجود ہے۔ اس کے پاس بڑی دولت، بڑی فوج، بڑا بیڑہ ہے۔ اُسنے ہر طرف تجارت پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہر جگہ ہماری راہ روک رہا ہے۔ لہٰذا دیوتاؤں کی مشیت کامل طور پر پوری کرنے کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس قوم کا بالکل قلع قمع کر ڈالیں۔ ہم نے علاً دو مرتبہ اُسپر سخت ضربیں لگائیں، لیکن میں ابھی ابھی وہاں سے آ رہا ہوں۔ اپنی ان دونوں آنکھوں سے اُس کی حالت دیکھ چکا ہوں۔ وہ اب بھی بہت مالدار، باحوصلہ، طاقتور اور ہمارے لئے دائمی خطرہ بنی ہوئی ہے۔ لازمی ہے کہ قرطاجنہ کو بالکل پائمال کر دیا جائے!"

مجلس نے مقرر کی تجویز بڑی خوشی سے منظور کر لی اور کسی "جائز سبب" کی جستجو شروع کر دی۔

اتفاق سے اُسی زمانے میں ایک بربر بادشاہ سے قرطاجنہ کو جنگ کرنا پڑی۔ روم نے یہ جنگ خلاف معاہدہ قرار دی اور قرطاجنہ پر حملہ کر دیا۔ شکست کے بعد قرطاجنہ نے اپنے معززین کے تین سو لڑکے، تمام جہاز، اور تمام ہتیار، روم کے حوالہ کر دئے۔ کیونکہ صلح کی یہی شرط تھی مگر روم کا ارادہ دوسرا ہی تھا۔ اُسنے دیکھا اب قرطاجنہ بالکل بے بس ہو گیا ہے۔ چنانچہ مطالبہ کیا کہ فوراً شہر خالی کر دیا جائے اور باشندے سمندر سے ۱۰ میل دُور ہٹ کر ایک نیا شہر بنا کے رہیں۔

یہ شرط قرطاجنہ والوں نے منظور نہیں کی اور از سر نو جنگ پر تُل گئے۔ اُنھوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور طیاریاں کرنے لگے۔ ایک مقرر نے بازار میں کھڑے ہو کر تقریر کی:

"دیوتا ہماری قوم پر ہمیشہ مہربان رہے اور ہمیں سرخرو، سربلند اور مالامال رکھا۔ لیکن روم کے ذلیل النفس اور سنگدل کمینے ہم پر حسد کرتے ہیں اور مدت سے ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے خونریزی ختم کرنے کے لئے ایسی شرطیں منظور کر لی تھیں، جنھیں کوئی شریف قوم منظور نہیں کر سکتی۔ لیکن اب وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنا وطن بھی اُن کے حوالے کر دیں۔ یہ ناممکن ہے۔ ہم مر جائینگے مگر یہ مقدس زمین دشمن کے حوالے نہیں کرینگے!"

قرطاجنہ میں سخت جوش پھیل گیا تھا، مگر ہتیار موجود نہ تھے۔ باشندے سخت متفکر تھے کہ مقابلہ کا کیا سامان کریں؟ اتنے میں ایک طرف سے شور غل بلند ہوا۔ اُنھوں نے خیال کیا دشمن گھس گیا مگر وہ دشمن کا شور نہ تھا، خود قوم کے نوجوان، ہتیار بنانے کے لئے لوہا جمع کرتے پھرتے تھے۔ انہیں دیکھ کر اور لوگ بھی ساتھ ہو گئے اور عبادت خانوں، عمارتوں، مکانوں میں جتنا لوہا بھی مل سکتا تھا جمع کر لیا، حتیٰ کہ دروازوں سے کیلیں تک نکال لیں۔ پھر فوراً تمام لوہا پگھلا کر تلواریں بنائی گئیں۔ عورتوں نے اپنی چوٹیاں کاٹ دیں تاکہ کمانوں کے لئے کام آئیں۔ لاچار اور بوڑھے عبادت خانوں میں بتوں کے سامنے گر پڑے اور فتح و نصرت کی دعائیں کرنے لگے۔

نئے ہتیار لے کر قرطاجنہ کے باشندے میدان میں نکلے اور رومیوں سے لڑائی شروع کر دی۔ لیکن سخت جدّ و جہد کے باوجود بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ شکست کھائی اور واپس ہو کر شہر کے دروازے بند کر لئے۔ رُوم والوں نے اب خود شہر پر حملہ شروع کیا اور ایک خونی معرکے کے بعد اندر گھس پڑے۔ مگر شہر اب بھی مفتوح نہیں ہوا کیونکہ باشندے ہر سڑک پر مورچے لگائے کھڑے تھے۔ جب رُوم والوں نے یہ مورچے بھی چھین لئے تو اب گھروں میں لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ایک گھر پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے رُوم والوں کو خون بہانا پڑا لیکن قرطاجنہ والوں کی شجاعت اور ثابت قدمی کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وہ بالکل مغلوب ہو گئے۔ مغلوب ہی نہیں، سب کے سب قتل کر ڈالے گئے۔ تھوڑے ہی آدمی زندہ بچے مگر وہ قید ہو گئے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد رُوم والوں نے قرطاجنہ میں آگ لگا دی کامل سترہ دن تک شہر جلتا رہا۔ اٹھارویں دن، شہر نہ تھا۔ راکھ کے انبار پڑے تھے اور ہوا میں اُڑ رہے تھے۔

قرطاجنہ کی یہ شکست، تاریخ میں ابتک فتح شمار کی جاتی ہے کیونکہ اُسنے آزادی کی راہ میں موت پسند کی۔ غلامی کی زندگی گوارا نہیں کی

زرقا بنت عدی دربار خلافت میں

ایک دن امیر معاویہؓ نے اپنے دربار میں زرقا بنت عدی کا ذکر کیا۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے طرف تھی، اور فوج کو جنگ کی ترغیب دے رہی تھی۔

"زرقا کی تقریر کسے یاد ہے"؟ امیر نے اپنے درباریوں سے سوال کیا۔

"ہم سب کو یاد ہے" درباریوں نے جواب دیا۔

"اُس کے بارے میں تمھارا کیا مشورہ ہے؟" امیر نے پوچھا۔

"اُسے قتل کر ڈالئے" سب نے کہا۔

"بدترین مشورہ ہے" امیر نے کہا۔ "کیا میرے جیسے شخص کے لئے روا ہے کہ حاکم ہو چکنے کے بعد لوگ کہیں اُسنے ایک عورت قتل کر ڈالی؟"

پھر اپنے کاتب کو بلا کر حکم دیا کہ عامل کوفہ کو لکھ بھیجے۔ زرقا کو پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ میرے پاس روانہ کر دو۔

چنانچہ زرقا دربار میں حاضر ہو گئی۔

"اہلاً و مرحبًا!" امیر نے زرقا کو دیکھ کر کہا "خوب آئیں! خالہ کیسا مزاج ہے؟"

"اچھی ہوں۔ راہ میں بڑا آرام ملا" زرقا نے جواب دیا۔

"جانتی ہو میں نے تمھیں کیوں بلایا ہے؟"

"میں دلوں کا حال کیونکر جان سکتی ہوں؟ وہ خدا ہی ہے جو غیب کا علم رکھتا ہے"

"میں نے تمھیں صرف یہ دریافت کرنے کے لئے بلایا ہے کہ تم جنگ صفین میں سُرخ اونٹ پر سوار تھیں اور دونوں صفوں کے درمیان پکار پکار کر بہادروں کو جوش دلاتی پھرتی تھیں۔ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"اے امیر المومنین! سر مر گیا۔ دم کٹ چکی۔ زمانہ بدل گیا آنکھ والوں کے لئے عبرتیں ہیں۔ آج کے بعد کل ہے۔ دن کے بعد رات ہے" زرقا نے جواب دیا۔

"سچ ہے" امیر نے کہا "مگر تمھیں اپنی صفین والی تقریر یاد ہے؟"

"نہیں"

"لیکن مجھے یاد ہے" امیر نے کہا "واللہ میں نے سُنا تم کہہ رہی تھیں:

"اے لوگو! تم ایک ایسے فتنے میں پڑ گئے ہو جس میں ظلم کی چادریں تم پر پھیل گئی ہیں اور صراط مستقیم سے تمھیں ہٹا دیا ہے۔ یہ ایک اندھا گونگا فتنہ ہے جسمیں نہ کوئی کسی کی سُنتا ہے نہ کسی کو دیکھتا ہے۔ اے لوگو! چراغ، سورج کے سامنے روشنی نہیں دیتا۔ ستارہ، چاند کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا، خچر، اصیل گھوڑے پر سبقت نہیں لے سکتا۔ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ جو ہدایت کا طالب ہے، ہم سے ہدایت لے، جو یقین چاہتا ہے ہم سے یقین لے۔ حق گم ہو چکا تھا، مگر اب مل گیا ہے۔ پس اے مہاجرین و انصار ثابت قدم رہو۔ شکاف بھر گئے ہیں، ٹوٹا، جڑ گیا ہے۔ کلمۂ عدل قائم ہو چکا ہے۔ حق، باطل پر غالب ہے۔ کوئی جلد بازی کر کے یہ نہ کہنے لگے کہ کیسے؟ اور کیونکر؟ خدا کی مشیت ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ عورتوں کا رنگ، مہدی ہے، مردوں کا رنگ، خون ہے؛ صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ ہمیشہ محمود ہوتا ہے۔ ہاں بڑھو! جنگ کی طرف بڑھو! سینے تان کر بڑھو! پیچھے قدم نہ ہٹے! آج کے بعد کوئی دن نہیں!"

"اے زرقا!" امیر نے تقریر ختم کر کے کہا "تم ہر خون میں علی کی شریک بن چکی ہو"

"اللہ امیر المومنین کی بشارت صحیح ثابت کرے" زرقا نے کہا۔

"تو کیا یہ بات تمھیں پسند آئی؟" معاویہ نے سوال کیا۔

"ہاں مجھے بہت پسند آئی۔ خدا میرے عمل سے اُس کی تصدیق کر دے"

"واللہ علی کی موت کے بعد تمھاری اُس سے یہ محبت، زندگی میں اُس کی محبت سے کہیں زیادہ مجھے پسند ہے" امیر معاویہ نے کہا "اپنی حاجت بیان کرو"

"میں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی کسی امیر سے کوئی خواہش نہیں کروں گی" زرقا نے کہا۔

معاویہ نے ایک زمین، جاگیر میں دی۔ زرقا کو پہلے ہی سال اُس سے دس ہزار درہم آمدنی ہوئی۔

(بلاغات النساء و عقد الفرید وغیرہ)

خواجہ حسن نظامی

کا

ہفتہ وار انگریزی اخبار

ینگ مسلم دہلی

تبلیغ کا حامی، مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا

معاون اور تمام اسلامی مطالبات کو گورنمنٹ

کے سامنے پیش کرنے والا۔ سالانہ قیمت پانچ روپے

طالب علموں سے چار روپے۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان

کو پڑھنا چاہئے،

منیجر ینگ مسلم دہلی

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمّیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرمائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دو آتشہ

بہ نسخہ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہے تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہے اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اُٹھائیے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلّہ میں ہوتا ہے۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض اُمور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے علاوہ اسکے چند قسم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۲۷ء معہ جنتری تیار ہے۔ مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

برص سفید داغ ۲۱ یوم میں جڑ سے غائب

ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھائیں۔ کیس خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت معہ خرچ سات روپیہ تیرہ آنہ

دفتر معالج برص نمبر ۵۱ دربھنگہ (بہار)

پروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اور اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نومبر ۲۷ء دربھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شایع ہوگا لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین روپیہ (۳) طلبہ سے دو روپیہ (عا) ممالک غیر سے پانچ روپیہ (۵)

منیجر رسالہ پروانہ دربھنگہ (بہار)

دو روپے تولہ سونا

رنگ دیکھ لو — گھسکر آزما لو

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک منقش چوڑیاں جرمنی سے بنکر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگیں چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد اور یاقوت کے نگینے جڑ دئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی دیتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچسو روپے کا کام نکالا جا سکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاف ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس ۲۴ چوڑیوں کے دام مبلغ سات روپئے (معہ)

منیجر گولڈن اسٹور۔ پوسٹ بکس ۴ لاہور

اشتہار کے لئے

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

باایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

برِ اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال ہی میں ہم نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں

شایع ہوتا ہے

یُورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کی مُسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ

کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاؤنٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہی؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپکے آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہی

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں

ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں،

قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہی!

ایسی

مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide To Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہی

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے

ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے ملسکتی ہی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۰ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رُوداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟ قیمت بارہ آنے (۱۲)

(مینجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہی

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب

دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

مطبوعات الهـــلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم کے بيش بها جواهر ريزے

اس سلسله ميں هم نے امامين کي ان نادر و اعلى درجه کي بلند پايه عربي تصانيف کے اُردو تراجم کا سلسله شروع کيا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد که يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اُسوهٔ حسنه — امام ابن قيم کي فن سيرت ميں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپيه -

کتاب الوسيله — لفظ "وسيله" کي بحث کے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول "توحيد" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ازهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انکے مفصل حالات بيان کيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الکوثر — امام ابن تيميه کے مخصوص انداز تفسير کا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درميان واسطه کا فرق بدلائل بيان کيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان کيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري کي تازه کتاب کا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے
خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خريدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اُردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور درسي زبانوں کي تمام اهم اور اعلى مطبوعات کے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کيا هے - اسکے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دين کے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه کے معتبر ذرائع سے حاصل کيے هوے حالات درج کيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهـــلال بك ايـجنسى

(حلقه نمبر ۲٤ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

" Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهين

اور نمبر خريداری ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان اين دفتر پارينه را
تازه خواهي داشتن گر داغهاي سينه ما

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهـلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اس لئے اُس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اُس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبياں اُردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پهلا نمونه تهيں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير کے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں - اِس کي جلديں جديد اُردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعه هيں - ان کي مقبوليت و قدر کا اندازه اِس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اِس کي تمام جلدوں کا مکمل ستّ سات سو روپيه ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اِس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں کے اِس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده کرنے کيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البـلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جا سکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو اُنهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اِس اعلان کے ذريعه شايقين علم و ادب کو آخري موقعه ديتے هيں که اِس قيمتي ذخيره کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکه جلدوں کي ايک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف اُنهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيه الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيه
" " چهارم ۱۰ روپيه " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البـلاغ" (جب دوسري مرتبه الهـلال اِس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيکنگ اِس کے علاوه هے -

منيجر " البـلاغ پريس "

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز لٹرری سپلیمنٹ کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے۔

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے۔

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لٹرری سپلیمنٹ کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher:
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز لٹرری سپلیمنٹ کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بےخبر نہ رہیں، تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے۔ ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں۔

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے۔

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں، نفع بخش ایجنسیاں لیں، ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں، نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں، تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں، تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں۔ اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں۔ ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاہئیں۔ بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں باقاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں، تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں۔ ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کررہے ہیں۔ خط و کتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہوجائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں۔

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو۔ برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں، اس کارخانے میں تیار کی جاتی ہیں۔ تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا بہترین کارخانہ ہے۔ مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے۔

یاد رکھیے

میووں، ترکاریوں، اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو "لے سسٹم" کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے۔ اس "لے سسٹم" کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں۔

Printed and Published by
Syed Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor: Maulana Abu-al-Kalam Azad.

جلد ۲ نمبر ۲۲

۱۹۲۷

الہلال

جلد ۱

نمبر ۲۲

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ انہ

الہلال

ہر جمعہ کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکتہ سے شایع ہوتا

قیمت سالانہ مع محصول - - بارہ روپیہ

ہندوستان سے باہر کیلیے - - سولہ روپیہ

قیمت شش ماہي - - - - سات روپیہ

قیمت في پرچہ - - - پانچ آنہ

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الہلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے ہوں اُنکے لفافہ پر "ایڈیٹر" کا نام ہونا چاہیے -

(۲) نمونہ مفت ارسال نہ ہوگا -

(۳) براہ عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پتہ صاف اور خوش خط لکھیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکھیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي ہے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچہ نہ پہنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک ہفتہ کے اندر اطلاع دیں - ورنہ بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانہ نہیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماہ کیلئے ایک جگہ سے دوسري جگہ جارہے ہیں تو اپنا پتہ تبدیل نہ کرایے ' مقامي ڈاکخانہ کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیادہ عرصہ تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک ہفتہ پیشتر اطلاع دیکر پتہ تبدیل کرالیں -

(۷) منی ارڈر روانہ کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پتہ ضرور لکھدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیرہ) سے نہیں ہے ٹکٹ ضرور بھیجیے ورنہ دفتر پر غیر معمولي خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين القرآن الحكيم

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۲ | کلکتہ : جمعہ ۲۲ ۔ جمادی الاولی ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 18, November 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قارییں الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ۱۶۵۰ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۴۲	اردو حروف کی حق مین	۴۴۰
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	۶۳۰	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۲۷۸	نستعلیق ھون	۱۵۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال



نپولین اور اسکي اخلاقي زندگي

(انساني عظمت اور اخلاقي نامرادي)

میدان جنگ اور حجلۂ عروس !

انسان ذهن و جسم کي کتني هي عظمتیں حاصل کرلے ' لیکن روح اور اخلاق کي ادنی سے ادنی پاکیزگي بهي حاصل نهیں کرسکتا ' اگر اُس کا اعتقاد اور عمل روحاني هدایت کي روشني سے محروم هے !

انسان کے لیے یه سهل هے ' که تمام دنیا فتح کرلے - سکندر نے دنیا کي تمام سلطنتں تهه و بالا کرڈالي تهیں - انسان کے لیے یه بهي دشوار نهیں که ذهن و فکر کي ایسي بلندیوں تک پهنچ جائے جهاں تک دوسروں کے قدم نه پهنچ سکے هوں - ارسطو ' اقلیدس ' سولن ' اور سنیکا جیسے فاتحین علم کي فتح مندیاں لا زوال هوچکي هیں ' اور دنیا منطق ' ریاضي ' قانون ' اور فلسفۂ اخلاق میں آج تک ان کي پس رو هے - انسان کي اولوالعزمي ان بلندیوں پر بهي نهیں رکتي - کچهه مشکل نهیں اگر وه آگ کے شعلوں میں کود پڑے ' سمندر کي موجوں کي هنسي اڑائے ' پهاڑوں کي صفیں چیر ڈالے - لیکن هاں ' یه مشکل هے ' بهت هي مشکل هے ' که وه اخلاق اور روحاني پاکیزگي کي راه میں اپني کسي ایک خواهش نفس کا بهي مقابله کرسکے - اس کي ساري اولوالعزمي اور کوه همتي جو دنیا کي ساري رکاوٹوں کا تن تنها مقابله کرسکتي هے ' هوائے نفس کي ایک ادنی سي رکاوٹ بهي اپني راه سے هٹا دینے پر قادر نهیں هوتي - سکندر تمام دنیا کي تسخیر کي محنت سے نهیں تهکا ' لیکن بابل کي ایک عورت جب اس کے سامنے آئي ' تو اپني خواهش نفس کے اضطراب سے بے بس هوکر گرگیا - سنیکا نے تمام نوع انساني کو اخلاق اور اخلاقي سعادت کي دعوت دي ' لیکن خود اپنے آپ کو ایک دوسرے انسان کي منکوحه عورت سے باز نه رکهه سکا - ارسطو کے دامن علم کے دهبے بهي دنیا گن چکي هے ' اور یونان کي ایک قدیم ضرب المثل همیں بتلاتي هے " بڑا انسان بنو - اگر نیک انسان نهیں بن سکتے " !

في الحقیقت انساني زندگي کي یهي اخلاقي اور عملي نامرادي هے ' جو الهامي هدایت کي کسي بالاتر قوت کي ضرورت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیتي هے - انسان اپنے ذهن و جسم کي قوتوں سے سب کچهه کرلے سکتا هے ' لیکن تکلف اور بناوٹ سے بهي اپنے آپ کو نیک نهیں بنا سکتا - اگر انساني زندگي کي سعادت کیلیے اُس عملي صداقت کي کچهه بهي ضرورت هے جسے نیکي کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا هے ' تو ناگزیر هے که عام انساني سطح سے کوي بلند تر ذریعه ارشاد و هدایت کا هو - مذهب اور الهام اسي ذریعه هدایت کا نام هے -

(نپولین اعظم)

اٹهارهویں صدي میں نپولین بونا پارٹ کا ظهور بهي انساني اولوالعزمي کا ایک عظیم ظهور تها - شاید هي یورپ کے کسي انسان کي نسبت دنیا نے اسقدر کها اور سنا هو ' جسقدر اِس غیر معمولي انسان کي عجیب و غریب دماغي قوتوں کي نسبت کهه سن چکي هے - تاهم انساني عظمت کي اخلاقي نامرادي کا یه کیسا عبرت انگیز منظر هے که یهي نپولین جب میدان جنگ سے باهر اپنے گهر کي محفوظ زندگي میں دیکها جاتا هے ' تو اِس میں اتني قدرت بهي نظر نهیں آتي که نهایت ادنی درجے کي اخلاقي کمزوریوں سے اپنے آپکو باز رکهے !

حال میں جرمني کے ایک اهل قلم گیرٹرڈ اریٹز Gertrude Aretez نے ایک کتاب " نپولین اور اُسکي دوست عورتیں " لکهي هے ' اور اُس میں مستند تاریخي ذرائع سے وه تمام شهادتیں جمع کردي هیں جو نپولین کي عاشقانه بوالهوسیوں سے تعلق رکهتي هیں - اِس کتاب کا انگریزي ترجمه بهي شائع هوگیا هے ' اور دو تین هفته سے انگلستان اور یورپ کے اکثر اخبارات و رسائل کا موضوع بحث هے - هم اُس کي بعض تاریخي داستانیں قارئین الهلال کي عبرت و بصیرت کیلیے درج کرتے هیں -

(سوله برس کي عمر میں عشق)

محبت کے باب میں نپولین کي طرف یه قول منسوب کیا جاتا هے که " محبت کاهل آدمي کا دل بهلاوا هے " ممکن هے ' نپولین نے یه اُس وقت کها هو ' جب وه پاک دامن تها - لیکن بعد میں — اگر مخالف مورخین کي روایت تسلیم کرلي جاے تو — اُس نے اِس قول کي بنا پر حسن و هوس کي زندگي سے اجتناب نهیں کیا ' وه همیشه کسي نه کسي حسینه سے وابسته رها -

آغاز شباب میں نپولین مارسیلز اور پیرس کي سڑکوں پر پهٹے پرانے کپڑے پهنے پهرا کرتا تها - نه تو اُس کي هیئت سے کسي کو دولتمندي کا شبه هوسکتا تها ' نه اُس میں ظاهري حسن و جمال هي کچهه ایسا غیر معمولي تها که کسي کو اپني طرف متوجه کرلے - تاهم یه واقعه هے که اُس زمانه میں بهي بکثرت عورتیں اُس پر عاشق هوگئي تهیں - کیونکه في الواقع اُس میں کوئي ایسي نامعلوم کشش موجود تهي ' جو دلوں کو لبها لیتي تهي - ممکن هے ' اُس کا شرمگیں انداز اور اُسکے پر غرور چهره کي عجیب اداسي اُس کے دیکهنے والوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتي هو -

کها جاتا هے که نپولین سوله برس کي عمر میں جب والنسا میں رهتا تها ' تو وهاں کي بهت سي حسین عورتیں اُس پر فریفته هو گئي تهیں - مگر خود اُسے بجز ایک کے کسي سے دلچسپي نهیں هوئي - اس دوشیزه کا نام " کارولین کرلومبیا " تها - وه نهایت نازک اندام اور خوبصورت تهي - ایک مرتبه خود نپولین نے اِس لڑکي کے

متعلق کہا تھا " اُس وقت دنیا میں کوئي دو شخص ایسے خوش نصیب نہ تھے جیسے ہم دونوں تھے - ہم ایک ایسي پاک محبت کے مزے لوٹ رہے تھے ' جیسي خواب میں بھي کسي انسان نے نہ دیکھي ہوگي ... اکثر ہم دونوں باغوں میں چلے جاتے اور درختوں پر چڑھتے اترتے - بارہا ہم دن دن بھر مخلوق کي نظروں اور شہر کے شور و غل سے دور بیٹھے باتیں کیا کرتے تھے ! "

لیکن امتداد زمانہ نے نپولین کے دل سے اِس دو شیزہ کي یاد محو کردي اور اُسے اپني ایک ہم وطن لڑکي سے عشق ہوگیا - نپولین شروع ہي سے مستبد تھا - اُس نے اپني محبوبہ کو سختي سے حکم دیدیا کہ اُس کے سوا کسي کو بھي مسکرا کر نہ دیکھے - لڑکي کے دل میں اِس جابرانہ حکم سے نفرت پیدا ہوگئي ' اور اُس کے پنجہ سے نکلنے کے لیے اُس نے ایک دن شراب میں زہر ملا دیا - اور نپولین مرتے مرتے بچا !

(ادھیڑ عورت سے عشق)

اِس واقعہ سے کچھہ عرصہ بعد نپولین کو ایک ادھیڑ عورت " میڈیم پرمون " سے محبت ہوگئي ' اور اس قدر بڑھي کہ ایک لمحہ بھي اُس کي جدائي گوارا نہ تھي - ایک دن نپولین نے اُس سے باضابطہ شادي کرلینے کي درخواست کي - عورت نے اِس خواہش پر زور سے قہقہہ لگایا " تم بیوقوف ہوگئے ہو ! مضحکہ بننا چاہتے ہو ! بھلا لوگ کیا کہینگے ؟ بیوي ہونے کے بجائے میں تمہاري ماں بننے کے زیادہ قابل ہوں ! " نپولین پر یہ بات بہت ناگوار گزري اور قطع تعلق کر لیا -

(نپولین کا طریق محبت)

ایک مورخ کا بیان ہے کہ نپولین نے بے شمار عورتوں کا دل توڑا ہے - اُس کي عادت تھي کہ تعلقات بڑھائے جاتا تھا ' اور جب عورت اُس کے دام محبت میں پھنس جاتي تھي ' تو بے اعتنائي سے بالکل چھوڑ دیتا تھا - چنانچہ " میڈیم ولسکا " پولینڈ کي ایک حسینہ کا واقعہ اِس بات کا کافي ثبوت ہے - نپولین نے اِس عورت کو دیکھا اور لبھانا چاہا - مگر اُس نے سخت نفرت کا اظہار کیا - نپولین نے اُسے قبضہ میں لانے کي بہت کوشش کي ' مگر وہ برابر بیزار رہي - آخر ایک دن غضبناک ہوکر چلایا " تو دیکھہ لیگي - میں تجھے کس طرح زیر کرتا ہوں ! تجھے میرے ارادہ کے سامنے جھکنا پڑیگا ! دیکھہ ' یہ میرے ہاتھہ میں گھڑي ہے ' جس طرح میں یہ گھڑي چور چور کیے ڈالتا ہوں ' اُسي طرح پولینڈ کا ملک بھي پاش پاش کرکے پھینک دونگا ! " اُس نے یہ کہا اور گھڑي زور سے دیوار پر مار دي - اِس حرکت کا عورت پر اِتنا شدید اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہوکر نپولین کے قدموں پر گر پڑي -

لیکن چند دنوں کے بعد ہي نپولین نے اُسے اُکتا کر چھوڑ دیا !

(محبت میں استبداد)

عشق و محبت کے میدان میں بھي اِس شخص کے ظلم و استبداد کے قصے مشہور ہیں - چنانچہ کہا جاتا ہے کہ غربت کے زمانہ میں جب نپولین اور اُس کا بھائي مارسیلز کے بازاروں میں پھرا کرتے تھے ' اتفاق سے ریشم کے ایک سوداگر " فرانسوا کلاري " کے خاندان سے اُن کا تعارف ہوگیا - اِس تاجر کي دو لڑکیاں تھیں - بڑي کا نام " جولیا " تھا - چھوٹي کا " دیزیرا " - نپولین نے شروع میں جولیا کو پسند کیا اور اُس کے بھائي نے دیزیرا کو - تھوڑے دن بعد نپولین اپني محبوبہ سے سیر ہوگیا ' اور بھائي کي محبوبہ پر قبضہ جمانا چاہا - چنانچہ ایک موقعہ پر جب یہ چاروں عاشق و معشوق جمع تھے ' نپولین نے تحکمانہ انداز میں کہا " جوزف ! تم اور تمہاري محبوبہ دونوں غیر مستقل مزاج ہیں - لیکن مجھہ میں اور میري محبوبہ میں استقلال ہے - بہتر یہ ہے کہ ہم تم مبادلہ کر لیں تا کہ تمہارا نقص جولیا پورا کر دے ' اور میں دیزیرا کي کمي پوري کردوں " یہ عجیب و غریب فلسفہ بیان کرکے اُس نے اپنے بھائي کي محبوبہ کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور کسي کو بھي مخالفت کي جرأت نہ ہوئي !

لیکن تھوڑے ہي زمانہ کے بعد نپولین نے محسوس کیا کہ عزت و عظمت کي راہیں اُس کے سامنے کھلي ہوئي ہیں - لہذا دیزیرا کو یک قلم چھوڑ دیا ' اور اُس کي منتوں اور آنسوؤں کا ذرا بھي خیال نہ کیا -

(جوزیفائن سے عشق)

اُس کي طبیعت کچھہ ایسي بیچین واقع ہوئي تھي کہ ایک ہي حالت پر چلے جانا اُسے پسند نہ تھا - سابق محبت سے دست بردار ہونے کے تھوڑے ہي دنوں بعد وہ جوزیفائن پر فریفتہ ہوگیا - واقعہ یہ ہے کہ اکتوبر ۱۷۹۵ - میں جب نپولین بام عزت کي ابتدائي سیڑھیوں پر تھا ' اُس کے پاس ایک کم عمر لڑکا آیا ' اور اپنے باپ کي تلوار واپس مانگي - یہ لڑکا فرانس کے مشہور سپہ سالار وائکونٹ الکزنڈر کا بیٹا تھا جسے فرانسیسي انقلاب کے زمانے میں پھانسي دیدي گئي تھي - نپولین بچہ کي جرأت و فصاحت سے بہت خوش ہوا اور اُس کي درخواست منظور کر لی - دوسرے دن اُس کي ماں شکریہ ادا کرنے آئي - یہي جوزیفائن تھي - نپولین پہلي ہي نظر میں اس پر عاشق ہوگیا -

مورخین کا بیان ہے کہ دوسرے دن خود نپولین جوزیفائن کے چھوٹے سے مکان پر گیا - جوزیفائن واقعي بہت خوبصورت تھي ' ساتھہ ہي عقلمند بھي تھي - اُس نے محسوس کرلیا کہ نپولین اُس کي چشم و ابرو کا شکار ہوگیا ہے - چونکہ اسراف کي وجہ سے سابق شوہر کي تمام دولت خرچ کرکے مقروض ہوچکي تھي ' اِس لیے اس نے بھي اس نئي دعوت عشق کا پوري سرگرمي سے استقبال کیا اور تعلقات بڑھانا شروع کردیے - چند ماہ کي آمد و رفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ سنہ ۱۷۹۶ - میں جنرل بونا پارٹ اور جوزیفائن کي شادي ہوگئي - دلہن کي عمر دولہا سے سات سال زیادہ تھي ' مگر نکاحنامہ میں اُس کي عمر ۲۹ - برس لکھي گئي اور نپولین کي ۲۶ برس !

شادي کے دو دن بعد نپولین کو اٹلي کے حملہ پر جانا پڑا - سخت مصروفیت تھي ' مگر جوزیفائن کي یاد ہر وقت تازہ رہتي تھي - ہر منزل پر سے خط کے ساتھہ قاصد بھیجتا ' اور اپني حالت سے اُسے آگاہ کرتا رہتا تھا - پہلے خط میں لکھا تھا " جب جب اپنے دل پر ہاتھہ رکھتا ہوں ' تم اُس میں موجود ملتي ہو جس سے مجھے بڑي تسکین ہوتي ہے - اِس دنیا میں اگر کوئي غم ہے تو صرف تمہاري فرقت کا "

جوزیفائن کي تصویر ہر وقت اُس کے پاس رہتي تھي - جب کہیں پڑاؤ ڈالتا تھا ' تصویر نکال کر سامنے رکھہ لیتا تھا - جب کوچ کرتا تھا تصویر جیب میں رکھہ لیتا تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ نیس میں اُس کے ہاتھہ سے تصویر کا آئینہ چھوٹ کر ٹوٹ گیا - اِسے اُس نے فال بد سمجھا - قریب تھا کہ جوزیفائن کي طرف سے

بالکل نا امید ہو جاتا - مگر اُس نے فوراً خط لکھا " کاش تمہارے پر ہوتے ' اور تم اُڑ کر میرے پاس آجاتیں ! " .

لیکن جوزیفائن اپنی رنگ رلیوں میں مصروف تھی - نپولین کی اُسے ذرا بھی پروا نہ تھی - اب اُسے پایۂ تخت میں بڑی عزت حاصل ہوگئی تھی - اچھے اچھے لوگ اُس کی خوشامد میں لگے تھے - چند ہفتہ کے اندر نپولین نے اٹلی میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرلیں اور اطمینان پاکر جوزیفائن کو بلا لینا چاہا - لیکن وہ برابر حیلے حوالے کرتی رہی - آخر نپولین نے سختی سے لکھا کہ فوراً چلی آؤ - اِس مرتبہ اُس نے ایک نیا عذر پیش کیا - اُس نے لکھا کہ میں سفر نہیں کر سکتی کیونکہ حمل سے ہوں - نپولین کو اس جھوٹی خبر سے بڑی ہی خوشی ہوئی - اُس نے فوراً خط لکھا " جوزیفائن ! میں نے سخت غلطی کی - کس طرح اپنے گناہ کا کفارہ کروں ؟ میں نے نا حق شک کیا - حالانکہ تم بیمار تھیں - سچ ہے ' محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے ... کاش ایک ہی دن کیلیے میں تمہارے پہلو میں ہوتا ! "

نیز اپنے بھائی کو لکھا " جوزیفائن کی علالت نے میرے ہوش اڑا دیے ہیں - کاش میں اُسے لکھ سکتا - اُس کی محبت جنون کے درجہ تک پہنچ گئی ہے - میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا - خدا نخواستہ اگر وہ مرگئی تو زندگی میں میرے لیے کوئی لطف باقی نہیں رہے گا ! "

لیکن چند ہی دن بعد نپولین کو معلوم ہوگیا کہ جوزیفائن نے دھوکا دیا تھا - وہ بالکل اچھی ہے ' اور پیرس میں ضیافتیں دے رہی ہے - اب اُسکے غصہ کی کوئی حد نہ تھی - اُسنے فوراً تلخ لہجہ میں خط لکھا ' اور حکم دیا کہ بلا کسی عذر کے روانہ ہوجائے - جوزیفائن بادل ناخواستہ روانہ ہوگئی - میلان میں نپولین نے بڑی مسرت سے استقبال کیا - مگر چند ہی دن بعد اُسے پھر میدان جنگ میں جانا پڑا - کیونکہ فوج ایک خطرہ میں پھنس گئی تھی - خطرہ دور کرکے اُسنے پھر اُسے طلب کیا - خط میں لکھا تھا " جدائی کے وقت تمہارے آنسوؤں نے میرے دل کو سخت مایوس کر دیا تھا - میری عقل جاتی رہی تھی - اب یہاں میرے پاس آجاؤ ' تاکہ مرنے سے پہلے ہم کہہ سکیں کہ ہم نے بھی چند دن خوشی کے دیکھے ہیں " مورخ میسن کا بیان ہے کہ نپولین ' جوزیفائن کے سامنے اِس طرح کھڑا ہوتا تھا ' گویا کسی مقدس دیوی کے حضور میں کھڑا ہے !

(نپولین کا رقیب)

جوزیفائن اپنے شوہر کے حسب الحکم جنگی پڑاؤ میں آگئی - یہاں چارلس نام فوج میں ایک کم رتبہ افسر تھا - کم عمر اور خوبصورت تھا - حتیٰ کہ کہا جاتا ہے ' نپولین کی فوج میں اُس سے زیادہ حسین آدمی کوئی نہ تھا - جوزیفائن دیکھتے ہی فریفتہ ہوگئی - یا تو فوج میں رہنے سے بیزار تھی ' یا اب فوج سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتی تھی - دونوں میں شناسائی ہوئی ' تعلقات بڑھے ' اور اِتنے بڑھے ' کہ خود نپولین نے محسوس کر لیا - وہ نہایت غصہ ہوا مگر ضبط سے کام لیا - البتہ اِتنا ضرور کیا کہ اپنے رقیب کو فوج سے نکال کر پیرس بھیجدیا اور حکم دیا کہ آئندہ احکام کا منتظر رہے - اپنے شوہر کی اِس کارروائی سے جوزیفائن کو سخت صدمہ ہوا - مگر مجبور تھی - کچھ کر نہیں سکتی تھی - وہ اپنی پھوپھی کو ایک خط میں لکھتی ہے " زندگی سے اُکتاگئی ہوں - موت کی تمنائیں کر رہی ہوں ! "

جنگ اِٹلی سے فارغ ہوکر دونوں میاں بیوی بڑی شان و شوکت سے پیرس لوٹے - لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد نپولین کو پھر جوزیفائن سے علحدہ ہونا پڑا - وہ مصر کی مہم پر روانہ ہوگیا ' اور بیوی سے وعدہ لے لیا کہ جنگ ختم ہوتے ہی مصر چلی آئیگی - مگر ابھی وہ مالٹا ہی پہنچا تھا کہ اِس عیش پسند عورت نے خاوند کو یک قلم بھلا دیا ' اور جلسے شروع کر دیے - نپولین اب فرانس میں اِس قدر ہر دلعزیز ہوگیا تھا کہ اُسکی بیوی کی آزادیوں پر تمام پیرس ملامت کر رہا تھا - مگر خود اُسے کچھ پروا نہ تھی - بہت جلد نپولین کو تمام روداد معلوم ہوگئی - کہا جاتا ہے کہ اِسی زمانہ میں اُسے سب سے پہلے جوزیفائن کو طلاق دینے کا خیال پیدا ہوا تھا -

جوزیفائن سمجھتی تھی کہ نپولین شاید کبھی واپس نہ آئیگا ' یا بہت مدت کے بعد آئیگا - اِسی لیے بالکل بیباک ہوگئی تھی - مگر اچانک اُسے خبر ملی کہ اُسکا شوہر مصر سے آگیا ہے ' اور عنقریب پیرس پہنچنے والا ہے - بہت خوفزدہ اور پریشان ہوئی - ایک طرف اپنی بے اعتدالیوں کا خوف تھا - دوسری طرف سخت مقروض بھی ہوگئی تھی - حیران تھی شوہر کو کیا جواب دے گی ؟ مگر تھی چالاک - فوراً پیرس سے استقبال کیلیے روانہ ہوگئی - نپولین کو بھی اُسکی روانگی کی خبر مل گئی تھی - اُسنے بالکل مختلف راستہ اختیار کیا ' اور محل میں آکر تمام دروازے بند کر لیے - جوزیفائن اپنی تدبیر میں ناکام ہوکر سرعت سے لوٹی ' اور سیدھی محل کی طرف روانہ ہوگئی - مورخ میسن کا بیان ہے " جوزیفائن محل کے دروازہ پر کھڑی دستکیں دیتی رہی - مگر نپولین نے کوئی شنوائی نہیں کی - پھر اُسنے اپنے گھٹنوں پر جھک کر پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کیا ' مگر اِس پر بھی سپہ سالار نے مطلقاً پروا نہ کی - اِس حالت پر پورا دن گزر گیا ' مگر دروازہ نہیں کھلنا تھا نہیں کھلا - اب جوزیفائن بالکل تھک گئی - نا اُمید ہوکر واپس جانے والی تھی کہ اُسکی ایک سہیلی اُسکے دونوں بچوں ارجین اور ہورٹانس کو لے آئی - اُنھوں نے رکوع کرکے اپنے سوتیلے باپ کو پکارنا اور اپنی ماں کیلیے رو رو کر سفارشیں کرنا شروع کیا - معصوم بچوں کی آواز سنکر نپولین کا دل نرم پڑگیا اور دروازہ کھول دیا - پھر جوزیفائن کو اُٹھایا ' آنسو پونچھے ' معاف کیا ' اور اُسکا بیس لاکھ فرنک قرضہ بھی ادا کردیا " .

(جوزیفائن کو طلاق)

اِسکے بعد جوزیفائن نپولین کے ساتھ رہی - جب وہ تخت نشیں ہوا ' تو اُسنے ملکۂ فرانس کا تاج پہنا اور شہنشاہی کی عزت و عظمت کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی - یہانتک کہ نپولین کو اپنے بعد اپنے جانشین کی فکر ہوئی - اِس خیال نے دوسرے سیاسی مصالح کے ساتھ ملکر اُسے جوزیفائن کی طلاق پر مجبور کر دیا - چنانچہ طلاق دیدی گئی ' اور نپولین نے شہنشاہ آسٹریا کی لڑکی میری سے شادی کرلی -

مشہور ہے کہ آسٹرین بیوی کو اپنے شوہر سے ذرا بھی محبت نہ تھی - بلکہ سخت نفرت کرتی تھی جیسا کہ ابھی بیان ہوگا - نپولین نے جزیرۂ سینٹ ہیلانا میں بستر مرگ پر اپنے ڈاکٹر کو وصیت کی تھی کہ موت کے بعد اُسکا دل شیشہ میں رکھکر اُسکی



حجة ابراهيمى

ایۂ کریمہ " الم تر الی الذي حاج ابراهیم " کي تفسیر

قرآن حکیم کا اُسلوب بیان اور طریق استدلال

تفسیر کا قرآني اور غیر قرآني طریقہ

(از مولانا ابو الکلام)

(۲)

(۴) انبیاء کرام (علیہم السلام) حکماء کے وضعي طریق استدلال کي جگہ فطري طریق تلقین کیوں اختیار کرتے ہیں ؟ میں اسکی تشریح یہاں نہیں کرونگا ' کیونکہ اول تو یہ تحریر تشریح کي متحمل نہیں ' ثانیاً ایۂ زیر بحث میں بھي اسي حقیقت کي طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اسکي تشریح آگے آئیگي - البتہ ترتیب بیان کیلیے مختصر لفظوں میں یوں سمجھیے کہ :

اولاً ' انبیاء کرام کي تعلیم کا مقصود بحث و نظر نہیں ہوتا ' ایمان و یقین ہوتا ہے - ایمان و یقین کیلیے وضعي علوم کا طریق استدلال کسي حال میں بھي سود مند نہیں - انبیاء کرام کے تمام احکام کا دارومدار ما وراء محسوسات حقائق پر ہے جسے قرآن حکیم نے عالم " غیب " سے تعبیر کیا ہے - عالم " غیب " کے معاملات خلاف عقل نہیں ہیں مگر ما وراء عقل ضرور ہیں ' اسلیے انکا عام نظري استدلال کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف وجداني شہادت کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے - وہ وجداني شہادت جو فطرۃ انساني میں ودیعت کردي گئي ہے اور جسکا اذعان قدرتي طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے - پس انبیاء کرام کا طریق ارشاد یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے وجدان سے خطاب کرتے ہیں ' نہ کہ مجرد ذہن و ادراک سے -

ثانیاً ' ایک اصل عظیم اس باب میں یہ ہے کہ انبیاء کرام کا طریق تعلیم " مقدمات " کا طریقہ نہیں ہوتا - " براہ راست " تلقین کا طریقہ ہوتا ہے -

عام بول چال میں اس کا مطلب یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی بات کے ثابت کرنے اور منوا دینے کے طریقے دو ہیں : ایک طریقہ یہ ہے کہ پہلے مخاطب سے چند ایسے باتیں منوالي جائیں جو گو اصل مدعا نہیں ہیں ' لیکن انکے تسلیم کرلینے کے بعد مدعا کا تسلیم کر لینا ضروري ہوجایگا - یہ طریقہ " مقدمات " کا طریقہ ہے - دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو بات مخاطب کے دل میں اُتارني ہو ' وہ ایسي شکل و نوعیت میں بیان کر دي جاے ' کہ بغیر کسي دوسري بات کے سہارے کے ' خود بخود دل نشیں ہوجاے - اُس بات کے سمجھنے ' مان لینے ' اور شک و انکار سے محفوظ ہوجانے کیلیے کسي دوسري بات کے سونچنے سمجھنے کي ضرورت ہي نہ ہو - یہ طریقہ " براہ راست " تلقین کا ہے - کیونکہ اس طریقہ میں اثبات مدعا کیلیے جو کچھہ کہا جاتا ہے ' مقدمات کا محتاج نہیں ہوتا - پہلا طریقہ علوم وضعیہ اور نظار کا ہے - دوسرا طریقہ طریق فطري اور انبیاء کرام کا ہے -

انبیاء کرام اگر اپني تعلیم میں مقدمات کا طریقہ اختیار کرتے ' تو ظاہر ہے کہ اُن کا خطاب عام نوع بشر سے نہیں ہوسکتا تھا - کیونکہ بجز چند افراد کے جنھوں نے علوم وضیعہ کے طریقہ پر مقدمات کے بحث و نظر کي استعداد پیدا کرلي ہو ' عامۃ الناس نہ تو ان کي تعلیم سمجھہ سکتے ' نہ ایمان کے لیے مکلف ہوسکتے - انبیاء کے لیے ضروري ہوتا کہ وہ ایمان کي براہ راست دعوت دینے کي جگہ پہلے مدرسوں میں وضعي علوم کي تعلیم دیتے پھرتے ' پھر تعلیم کے بعد مقدمات ترتیب دیکر اثبات مدعا کي شکلیں بناتے ' پھر اُن مقدمات میں سے ایک ایک مقدمہ پر لڑتے جھگڑتے - پھر جب مخاطب اُن مقدمات کے جال میں اُلجھہ جاتا ' تو اُسے بے بس کرکے اقرار کرا لیتے - یہ طریقہ حکماء کي بحث و نظر کا ہے - " دعوت " کا نہیں ہے - اور انبیاء کرام " داعي " ہوتے ہیں - " مناظر " اور " نظار " نہیں ہوتے !

ثالثاً ' مقدمات کا طریقہ جیسا کچھہ بھي ہو ' یقین نہیں پیدا کر سکتا ' عجز پیدا کر دیتا ہے ' اور دونوں میں فرق ہے - انبیاء اپنے مخاطبین میں یقین پیدا کرنا چاہتے ہیں - بحث میں عاجز کرکے چپ کرا دینا نہیں چاہتے - مقدمات کا طریقہ پیچ در پیچ اور چند در چند نظري مسلمات پر مبني ہوتا ہے - اگر مخاطب اِس پیچ و خم کا شاطر نہیں ہے ' تو بہت جلد لاجواب ہوکر چپ ہوجائیگا - یہ " چپ ہو جانا " نہ کہ " مطمئن ہوجانا " طریق مقدمات میں مناظر کي فتح سمجھي جاتي ہے - لیکن انبیاء کرام زبان نہیں ' دل جیتنا چاہتے ہیں ' اور زبان کے بے بس ہو جانے سے دل میں یقین نہیں پیدا ہو جاتا - تم ایک تیز زبان آدمي سے گفتگو میں بازي نہیں لیجا سکتے ' اس لیے ہار مان لیتے ہو ' مگر اس سے دل کا اعتقاد تو نہیں پیدا ہو جائیگا ؟

رابعاً ' مقدمات کے طریقہ کا تمام تر دار و مدار وضعي علوم کے نظري مسلمات پر ہوتا ہے ' اور یہ مسلمات نہ تو ہر حال میں حقیقي ہیں ' نہ ہر زمانے کي علمي استعداد یکساں طور پر ان کا اعتراف کرسکتي ہے - بہت ممکن ہے کہ کل تک جو بات مسلم طور پر مانی جاتي تھي ' آج اتني کمزور ہوجائے کہ لوگ اُس کي

بیوي کے پاس لیجائے - لیکن جب ڈاکٹر ملکہ کے پاس پہنچا ' تو اُسے ایک کانے عہدہ دار سے تعشق کرتے پایا - ملکہ نے نپولین کا پیغام سن کر کہا " میں نے اُسکي محبت کبھي اپنے دل میں محسوس نہیں کي - اگرچہ میں یہ ہمیشہ یاد رکھنے پر مجبور ہوں کہ وہ میرے لڑکے کا باپ ہے "

مذکورۂ بالا عورتوں کے علاوہ اور بھي بہت سي عورتوں سے نپولین کو محبت ہوئي یا انھوں نے اُس سے محبت کي - اِنمیں سب سے اہم اور قابل ذکر تین عورتیں ہیں - میڈیم پولین ' میڈیم تي استایل ' اور مسز اریل - ہم اُنکے واقعات بالاختصار بیان کرینگے -

هنسي اوزائيں - ايمان كي بنياد ايسي متغير اور مثالوں بنياد پر نہيں هوسكتي - وہ تو هر فرد ' هر جماعت ' هر طبقه ' اور هر زمانه كے ليے ايك يكساں حقيقت هے - يه محل تفصيل كا نہيں ' ورنه مثالوں سے يه بات بالكل واضح هو جاتي - همارے حكماء اور متكلمين نے حدوث عالم اور اثبات صانع كے كتنے هي استدلال ترتيب دیے تھے ' جن كي بنياد اُس وقت كے مذاهب فلسفه كے نظري مسلمات پر ركھي گئي تھي ' ليكن آج هم كسي پڑھے لكھے آدمي كے سامنے اُنهيں دهرانے كي جرأت نہيں كرسكتے !

(۵) صرف يهي نہيں كه قرآن كا يه طريقه نہيں هے ' بلكه اُس نے واضح طور پر اس طريقه كي مذمت كي هے ' اور اسے بهي اُنهي طريقوں ميں سے قرار ديا هے جو اُس كے نزديك " جدل " كے طريقے هيں ' اور جو طريق " دعوت " و " هدايت " كے ساتھه جمع نہيں هو سكتے - يه طريقه جھگڑنے اور لفظوں اور باتوں كے پيچ ميں مخاطب كو كس دينے كے ليے ضرور مفيد هے - مگر اذعان و يقين كيليے كه طريق دعوت و هدايت كا مقصد وحيد هے ' كچھه مفيد نہيں - بلاشبه اس طريق كا عامل ايك علمي قسم كا جھگڑالو آدمي بن جاتا هے ' ليكن مرشد اور هادي نہيں بن سكتا - اس كي طبيعت كبهي اِس طرف نہيں جاتي كه سچائي اور حق معلوم كرے - وہ اس كا عادي هو جاتا هے كه اپنے بناے هوے قاعدوں ' گڑھے هوے مقدموں ' اور منوائي هوي اصطلاحوں سے كسي نه كسي طرح مخاطب كو لاجواب كردے - رفته رفته خود اُسكا قلب بهي حقيقت سے نا آشنا اور اُسي قسم كي باتوں پر قانع هو جاتا هے جسے انگريزي ميں " ٹكنيكل " قسم كي باتيں كهتے هيں (لفظ صناعي اسكا پورا مفهوم ادا كرنے كيليے كافي نہيں ' الا يه كه اختيار كرليا جاے) اگر وہ ايك مخاطب كو جو حق كي جستجو اور يقين كي راه ميں اُس سے نزاع كر رها هے ' صرف ايك لفظ كي غلطي ' يا كسي اصطلاحي قاعده كي نا آشنائي ' يا ترتيب مقدمات كے پيچ و خم كے اُلجھاؤ سے شرمنده كر دے سكے اور لا جواب بنا دے ' تو وہ اسے اپني بڑي سے بڑي فتح مندي سمجھے گا هے ' اور اِسے " مناظره ميں هرا دينے " سے تعبير كريگا - ليكن ايك لمحه كيليے بهي يه نہيں سوچے گا كه اِس نام نهاد فتح و شكست سے حقيقت اور سچائي كا فيصله كيونكر هوگيا ؟ يه زياده سے زياده مناظره كي جيت هے - ليكن حقيقت كا فيصله تو نہيں هے ؟ اگر وہ اِس مناظرانه كج انديشي كي مدهوشي سے افاقه پائے ' اور خود اپنے دل كي گهرائيوں كا حساب لے ' تو اُسے معلوم هو جائے كه جس بات كے منوانے كيليے وہ ايك عالم كو چپ كراتا پهرتا هے ' خود اُسي كے دل كو اُسپر قرار نہيں هے - قرآن و سنت پر تدبر كرنے سے معلوم هوتا هے كه يه ' اور اِس طرح كے تمام طريقے ' نه صرف حصول مقصد كيليے سود مند نہيں هيں ' بلكه هدايت و يقين كي راهوں سے دور كر دينے والے هيں - قرآن ان تمام طريقوں كو " خصومت " اور " جدل " يعني لڑنے جھگڑنے كي راه قرار ديتا هے - اُس نے جا بجا اِس نوعيت كے اعتراضات اور تشكيكات نقل كي هيں - پهر بتلايا هے كه يه حق و هدايت كي راه نہيں هے ' خصومت اور جھگڑنے كي روش هے - سورۂ ياسين ميں منكرين كا يه استفهام تشكيكي نقل كرنے كے بعد كه " و يقولون متى هذا الوعد ان كنتم صادقين ؟ " فرمايا " ما ينظرون الا صيحة واحدة ' تاخذهم و هم يخصمون ! " " خصومت " كا لفظ يهاں اِسي حقيقت كي طرف اِشاره هے - سورۂ زخرف ميں منكرين كا يه انداز سخن نقل كيا هے كه " ولما ضرب ابن مريم مثلاً ' اذا قومك منه يصدون - و قالوا : الهتنا خير أم هو ؟ " اِسكے بعد كہا " ما ضربوا لك الا جدلا ' بل هم قوم خصمون ! " يعني منكروں كي يه فكري حالت كه وہ بات كي حقيقت پر غور كرنے كي جگه فرضي اور تخميني صورتيں پيدا كرکے كج بحثي كرني چاهتے هيں ' راستي و حق پرستي كا طريقه نہيں هے - " جدل " كا ڈهنگ هے -

چنانچه يهي وجه هے كه قرآن حكيم نے دعوت الي الحق كا طريقه واضح كرتے هوے كہا : ادع الى سبيل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنه ' و جادلهم بالتى هى احسن (۱۶ : ۱۲۶) اِس آيت ميں بالترتيب تين طريقوں كا ذكر كيا هے : حكمت - موعظۂ حسنه - اور جدل - ليكن جدل كو " بالتى هي احسن " كے ساتھه مقيد كر ديا هے - يعني ايسا جدل جو اچھے طريقه پر كيا جاے - اِس سے معلوم هوا كه قرآن كے نزديك " جدل " حكمت و موعظت كي طرح محمود و مطارب نہيں هے ' اِلا يه كه " بالتى هى احسن " هو -

جس آيت كي نسبت آپنے استفسار كيا هے ' دراصل وہ اسي حقيقت كا ايك بهترين نمونه پيش كرتي هے - وہ واضح كرتي هے كه انبياء كا طريق دعوت و هدايت كا هے - جدل كا نہيں هے - اور تشريح اسكي آگے آئيگي -

(۶) ليكن افسوس هے كه متكلمين كا منطقي ذوق طريق قرآني كي اهميت و حقيقت معلوم نه كرسكا - اُنهوں نے قرآن كو بهي رهي منطقي جامه پهنا دينا چاها ' جو خود انهوں نے علم و نظر كے هر گوشے ميں پهن ليا تها - چونكه يه طريقه قرآن كيليے ايك مصنوعي طريقه تها ' اسليے قدم قدم پر طرح طرح كي مشكلات پيش آئيں - لغت ساتھه نہيں ديتي تهي ' عربي اُسلوب بيان قطعاً مخالف تها - سباق و سياق كا مقتضا كچھه اور هي كہتا تها - سب سے بڑھكر يه كه قرآن كا عام نظم بيان اس طريق كے ساتھه چل نہيں سكتا تها - تاهم وہ اپني مرشگافيوں اور كوہ كندنيوں ميں برابر بڑھتے هي گئے ' اور كسي نه كسي طرح كهينچ تان كر ايك نيا كارخانۂ استدلال گڑھكر كھڑا كر ديا - اب دنيا كہتي هے كه قرآن كي مشكلات حل نہيں هوتيں - ليكن كوئي نہيں جو اس حقيقت پر سے پرده اُٹھائے كه مشكليں قرآن كي مشكليں نہيں هيں - مفسرين كي پيدا كي هوئي مشكليں هيں - اگر ايك بات كو اُس كي زبان ' اُس كے اُسلوب ' اور اُس كے قدرتي معاني سے هٹا كر ايك دوسري طرح كي شكل ديدي جائيگي ' تو يقيناً وہ صاف نہيں رهيگي ' مشكلات كا ايك معما هي بن جائيگي !

ياد ركھنا چاهيے كه قرآن كے ساتھه هم دو هي طرح كا سلوك كرسكتے هيں - يا تو اس كي سچائي تسليم كريں - يا انكار كرديں - اگر هم اس كي سچائي تسليم كرتے هيں تو ضروري هے كه وہ تمام اوصاف بهي تسليم كرليں جو اُس نے اپني نسبت بار بار بيان كيے هيں - اِن اوصاف ميں سب سے پهلا اور بنيادي وصف يه هے كه وہ هر اعتبار سے سهل هے - كسي اعتبار سے بهي مشكل نہيں - پس قرآن سب كچھه هو سكتا هے مگر مشكل اور پيچيده نہيں هوسكتا - كوئي تفسير ' كوئي تاويل ' كوئي ايسي بات جس سے اُس كي كوئي ايك سورت ' كوئي ايك ركوع ' كوئي ايك آيت ' بلكه اُس كا كوئي ايك لفظ بهي مشكل اور مقدمات طلب بن جائے ' قرآن كے ليے سچي تفسير اور سچي بات نہيں هو سكتي - يقيناً وہ سچي نہيں هوسكتي - اس ليے كه قرآن جسے سچ هونا چاهيے '

ف ۱ ؛ كہتا هے : و لقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر (۵۴ : ۱۷)

فانما یسرناہ بلسانک لعلهم یتذکرون (۴۴ : ۵۸) هو الذي ینزل علی عبده آیات بینات لیخرجکم من الظلمات الی النور (۵۷ : ۹) قرانا عربیا غیر ذي عوج (۳۹ : ۲۸) فانما یسرناہ بلسانک لتبشر به المتقین (۱۹ : ۹۷) وانه لتنزیل رب العالمین - نزل به روح الامین - علی قلبک لتکون من المنذرین - بلسان عربي مبین ! (۲۶ : ۱۹۱) انه لقول فصل وما هو بالهزل (۸۶ : ۱۳) یعني قرآن صاف اور واضح عربي زبان میں نازل هوا هے - اُسکي تعلیم بالکل کهلي هوئي اور اسکا طریق بیان تمام تر سهل اور دل میں اُتر جانے والا هے - سچائي اس میں کهول دي گئي هے - حقیقت کے لیے اُس میں کوئي نقاب نہیں - اُس کا بیان یکقلم سیدها سادها هے - کسي طرح کي ٹیڑهه اور پیچیدگي اُس میں راہ نہیں پا سکتي - اُسکے سمجهنے برجهنے کیلیے صرف اس بات کي ضرورت هے که دل لگنے والا اور کان سننے والا هو - اُسے صرف سن لینا هي اُسے پا لینا هے ' اور اُسے دیکهه لینے سے انکار نه کرنا ' اسکي شیفتگي اور عشق کا اقرار هے !

علاوہ بریں قرآن نے جابجا اپنے نام گنائے هیں - وہ کہتا هے میں " موعظة " هوں ' " ذي الذکر " هوں ' " تبیاناً لکل شي " هوں ' " تذکرہ " هوں ' " هدي و رحمه " هوں ؛ اور یه ظاهر هے که جو بات وعظ هو ' تذکیر هو ' نصیحت هو ' هدایت هو ' روح و دل کے روگوں کي شفا هو ' وہ منطقي شکلوں کا اُلجهاؤ اور مقدمات در مقدمات طلسموں کا کارخانه نہیں هو سکتي !

(۷) ضرورت هے که مختصراً اس معامله کي توضیح کے لیے ایک دو مثالیں بهي دیدي جائیں :

متکلمین نے جو طریقه الاهیات میں اثبات مدعا کا اختیار کیا تها ' اُس میں سب سے زیادہ اُن کا اعتماد حدوث عالم کے اثبات پر تها - یعنے عالم قدیم (مصطلحهٔ فلسفه) نہیں هے - پیدا شدہ هے - حدوث عالم کے لیے سب سے زیادہ قوي استدلال حرکت اور تغیر کا استدلال سمجها جاتا تها - بچپنے میں هم نے یه شکل رٹي تهي : " العالم متغیر ' و کل متغیر حادث - فالعالم حادث " (عالم متغیر هے ' اور هر چیز جو متغیر هے ' حادث هے - پس عالم حادث هے) چونکه متکلمین کے دماغ میں اثبات مدعا کي یهي شکلیں بسي هوئي تهیں ' اسلیے اُنهوں نے قرآن کے استدلالات کو بهی کهینچ تان کر یهي جامه پهنا دینا چاها - قرآن حکیم نے جس طرح آیت زیر تدبر میں حضرت ابراهیم (علی نبینا و علیه الصلوة والسلام) کي ایک " حجة " کا ذکر کیا هے ' اُسي طرح سورۂ انعام میں ایک دوسري " حجة " کا بهي ذکر کیا هے : وتلک حجتنا اتیناها ابراهیم علی قومه ' نرفع درجات من نشاء ' ان ربک حکیم علیم (۶ : ۸۳) یه " حجة " کیا تهي ؟ یه " حجة " وہ تهي جس میں حضرت ابراهیم کے مشاهدۂ " ملکوت السماوات و الارض " کے واردات کا ذکر هے : فلما جن علیه اللیل ' رای کوکبا ' قال هذا ربي ' فلما افل ' قال لا احب الافلین ! (۶ : ۷۶) یعني حضرت ابراهیم نے ستارہ ' چاند ' اور سورج دیکها ' اور جب اُن میں سے هر کوکب ڈوب گیا ' تو فرمایا " انی لا احب الافلین " چونکه اس معامله کو قرآن نے " حجة " کے لفظ سے تعبیر کیا تها ' اور جیسا که آگے چل کر معلوم هوگا ' متکلمین نے " حجة " مستعملهٔ قرآن کو وهي حجة قرار دے لیا تها جو اُن کي مصطلحهٔ منطق " حجة " تهي ' اسلیے انهوں نے اس آیت کي تفسیر کرتے هوے اپنے منطقي استدلال کي شکل یهاں بهي چپکا دي - مطلب یه قرار دیا که حضرت ابراهیم نے حدوث عالم پر حرکت و تغیر سے استدلال کیا هے - یعني اُن کي حجة بهي یهي تهي که " العالم متغیر و کل متغیر حادث " انهوں نے کواکب کے صانع عالم نه هونے پر اس بات سے استدلال کیا هے که اُن میں حرکت هے - حرکت تغیر کو کہتے هیں ' اور جس میں تغیر هو وہ محدث هے ' اور جو محدث هے ' وہ قدیم نہیں ' اور جو قدیم نہیں ' وہ صانع عالم نہیں هو سکتا ! اس تفسیر پر همارے متکلمین کو اس درجه وثوق بلکه فخر هے که حضرت امام رازي تغیر سے استدلال حدوث کو " طریق ابراهیمي " قرار دیتے هیں ' اور فرماتے هیں " پهلا حکیم رباني جس نے اس حکمت سے مخلوق کو آشنا کیا ' وہ حضرت ابراهیم خلیل هیں " !

ابهی اِس سے قطع نظر کیجئے که اِس استدلال کي کمزوریوں کا کیا حال هے ' اور اسکا صغری اور کبری هي کونسا قطعي اور مسلم هے که نتیجه قطعي الثبوت هو - اِس پر بهي بحث نه کیجئے که اِس طرح کا استدلال انبیاء کرام کي طرف منسوب کرنا طریق دعوت نبوت سے کس درجه نا آشنائي اور حقیقت فراموشي هے - صرف اِس بات پر غور کیجئے که لغت و عربیت کے لحاظ سے اِس تفسیر کا کیا حال هے ؟ آیت کریمه میں کوکب ' چاند ' اور سورج کا ذکر هے ' اور تینوں کیلیے " افل " کا لفظ آیا هے - متکلمین کي یه تفسیر " افول " کے معني حرکت و تغیر قرار دیتي هے ' اور جب تک یه معني قرار نه دیے جائیں ' اُن کے گڑهے هوے استدلال کي دیوار کهڑي نہیں هو سکتي ' لیکن جزم و قطع کے ساتهه کہا جاسکتا هے که عربي لغت میں کسي ایسے " افول " کا وجود هي نہیں جو حرکت و تغیر کے معني میں بولا جاتا هو - جو " افول " عربي زبان میں مستعمل هے ' اُسکے معني تو کسي چیز کے چهپ جانے اور غائب هو جانے کے هیں - قد افلت الشمس تأفل و تأفل افولا - اي غابت و احتجبت - اس کے سوا کوئي معني اس لفظ کے مفهوم میں داخل نہیں - آیت کا صاف مطلب یه هے که جب چاند ڈوب گیا ' سورج غروب هوگیا ' تو حضرت ابراهیم نے کہا " اني لا احب الافلین " میں چهپ جانے والوں کو دوست نہیں رکهتا - یہاں حرکت و تغیر کي مصیبت کہاں سے آگئي ؟

پهر قیامت پر قیامت یه هے که " حرکت " سے بهي انکا مقصود حرکت لغوي نہیں هے - بلکه حرکت مصطلحهٔ فلسفه هے - یعنے وہ حرکت جو ایک حالت سے دوسري حالت میں انتقال کو کہتے هیں ' خواہ مکان میں هو یا زمان میں ' اور کم میں هو یا کیفیت میں - مثلاً درخت کا نمو بهي حرکت هے ' اور یه حرکت في الکم هے ' اور کسي رنگ کا تغیر بهي حرکت هے ' اور یه حرکت في الکیف هے - ظاهر هے که اگر " افول " کے مفهوم میں کسي نه طرح کهینچ تان کر حرکت کي دلالة پیدا بهی کرلي جائے ' تو لغت اور قرآن پر یه کیسا صریح اتهام هوگا که حرکت کا یه فلسفیانه مفهوم اُن کے سر تهوپا جائے ؟

علاوہ بریں متکلمین اپنے ذوق تفلسف میں یه حقیقت بهي بهول گئے که حضرت ابراهیم علیه السلام کا خطاب جن لوگوں سے تها ' وہ کواکب کو صانع کائنات نہیں سمجهتے تهے که اُنکے لیے اِس مزعومه استدلال کي ضرورت هوتي - اُن لوگوں کا اعتقاد اجرام سماویه خصوصاً چاند سورج کي نسبت وهي تها ' جو دنیا کي تمام مشرک عقول کا اپنے اپنے دیوتاؤں کي نسبت رهچکا هے اور اب تک هے - یعنے یه ایسي روحاني اور ملکوتي هستیاں هیں جنهیں دنیا کي تدبیر و

تصرف میں دخل ہے ' اور اسلیے اِنکی پرستش ضروری ہے - پس جب وہ کواکب کو صانع کائنات سمجھتے ہی نہ تھے ' تو اُنکے محدث و مخلوق ہونے کے دلائل پر حضرت ابراہیم کیوں زور دیتے ' اور کیوں قرآن اسے " تلک حجتنا اٰتینا ها ابراهیم علی قومه " سے تعبیر کرتا ؟ اُنکے علم میں تو کوئی ایسی بات اُلٹی تھی ' جس سے کواکب کے تدبیر و تصرف عالم میں دخیل ہونے کا بطلان ثابت ہوتا ' کیونکہ اُنکے ہم وطنوں کی اصلی گمراہی یہی تھی -

یہ محل مزید تشریح و اطناب کا متحمل نہیں ' ورنہ یہی ایک تفسیر اِس حقیقت کی توضیح کیلیے کافی تھی کہ متکلمین کے طریقہ نے قرآن حکیم کے معارف و حقائق پر کیسے تو بر تر پردے ڈالدیے ہیں ' اور اُنکی ذہنیت معارف قرآنیہ کی روح سے کس درجہ مختلف بلکہ متضاد ہے - فی الحقیقت قرآن حکیم کا یہ مقام من جملہ اہم ترین دلائل قرآنیہ کے ہے ' لیکن متکلمین نے ایک دور از کار اور تقریباً بے معنی منطقی استدلال کا جامہ پہنا کر اُس کی ساری دلاویزی اور خوبی غارت کردی ہے ' جو کسی طرح بھی اُس پر راست نہیں آتا - لطف یہ ہے کہ یہ استدلال حضرت ابراہیم کی طرف اِس جوش و سرگرمی کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے ' گویا انکے لیے ابراہیم خلیل کی جگہ اِمام الحرمین یا اِمام رازی بن جانا کوئی بڑی ہی فضیلت کی بات ہے !

میں نے یہاں ارسطو کی جگہ اِمام الحرمین اور اِمام رازی اسلیے کہا کہ جو بات حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کی گئی ہے ' وہ اِتنا وزن بھی نہیں رکھتی ' جسقدر عامۂ حکماء کی عقلیات کا تسلیم کرنا پڑتا ہے - شیخ الاسلام اِبن تیمیہ نے سچ کہا ہے کہ " متکلمین نے طریق قرآنی اسلیے ترک کیا ' تاکہ فلاسفۂ و عقلیین کے ساتھ چل سکیں ' مگر افسوس کہ یہ بھی نہ کرسکے - اِنکی خام خالیوں سے تو پھر حکماء کی باتیں غنیمت ہیں "

یا مثلاً ' قرآن حکیم نے اللہ تعالی کے صفات کا ذکر کرتے ہوے " احد " اور " واحد " کا لفظ استعمال کیا ہے - " احد " اور " واحد " کے معنی اُس زبان میں جسمیں قرآن نازل ہوا ہے ' اسکے سوا کچھ نہیں ہیں کہ یہ صفت ' تعدد کی نفی کرتی ہے - یعنی وہ ایک ہے ' اکیلا ہے ' اسکا کوئی شریک نہیں - کوئی عرب یا عربی داں انسان " احد " کا لفظ سنکر اس سے زائد کسی مفہوم کا تخیل ہی نہیں کر سکتا ' لیکن متکلمین نے اسکے لیے فلسفیانہ معانی اور التزامات پیدا کر لیے ' اور بلا تکلف اُنہی معانی میں استعمال کرنے لگے - مثلاً وہ کہتے ہیں ' خدا نے اپنا وصف احد قرار دیا ہے - احد وہ ہے جو منقسم نہ ہو سکے ' پس معلوم ہوا کہ وہ جسم نہیں ہے ' کیونکہ اجسام قابل انقسام ہیں - ہمیں بھی اِسکا شرق نہیں کہ خدا کی جسمیت ثابت کی جاے ' لیکن یہ قطعی ہے کہ قرآن نے عربی کا لفظ " احد " اس مصطلحۂ متکلمین مفہوم میں استعمال نہیں کیا ہے ' اور نہ اس انقسام و عدم انقسام کی دقیقہ سنجیوں سے اسے کوئی تعلق ہے -

یا مثلاً ' عربی کا ایک لفظ " مثل " ہے - " مثول " کے اصلی معنی کسی چیز کے نصب ہونے کے تھے - مصور صورت بنا دیتا ہے ' اس لیے اُسے ممثل کہنے لگے - مثل الشي - اي انتصب و تصور - سورۂ مریم میں ہے " فتمثل لها بشراً سویا " یعنی آدمی کی شکل میں نمایاں ہوا - پھر اسی نسبت سے اِسکا استعمال مشابہت کے معنوں میں بھی ہونے لگا - فلاں چیز فلاں چیز کے مثل ہے - یعنی اُس جیسی ہے - تاج محل کے مثل کوئی عمارت نہیں - یعنی اُس جیسی کوئی عمارت نہیں - قرآن نے بھی جا بجا مثل کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے -

لیکن جب فلسفیانہ مصطلحات رائج ہوگئیں ' تو " تمثیل " کا استعمال ایک خاص تعریف و حدود کے ساتھ ہونے لگا - مثلاً مماثلت کے مفہوم میں منطقی اطلاق پیدا کرکے اُسے مماثلة في الجوهر ' مماثلة في الكيفية ' مماثلة في الكمية ' مماثلة في القدر و المساحة ؛ وغیرہ میں لے گئے ' اور اسکے بعد " مثل " مستعملۂ قرآن سے بھی وہی استدلال کرنے لگے - مثلاً " لیس کمثله شي " میں " مثل " کو وہی " مثل " مصطلحہ قرار دیتے ہیں ' اور اسپر اپنی تمام فلسفہ آرائیوں کی عمارت اُستوار کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں - تمام اجسام متماثل ہیں ' اور جسم وہ ہے جو جواہر فرد سے مرکب ہو ' یا جسکی طرف اِشارہ کیا جاسکے ' اور جسکی مقدار ہو ' پس جب خدا نے فرمایا " لیس کمثله شی " تو اِس سے اُن تمام جسمی (مصطلحہ فلسفہ) مماثلتوں کی نفی ہوگئی جو جواہر میں یا اعراض میں ہو سکتی ہیں - فلو کان جسماً لکان له مثل ' و اذا لم یکن جسماً ' لزم نفي ملزومات الجسم - یقیناً خدا کے مثل کوئی شے نہیں ' لیکن سوال یہ ہے کہ " لیس کمثله شي " میں قرآن نے عربی کا جو لفظ استعمال کیا ہے ' اور اسکا جو مطلب در سو برس تک تمام عرب مخاطبین سمجھتے رہے ' وہ کیا تھا ؟ کیا وہ یہی مثلیت مصطلحۂ فلسفہ تھی ؟ حاشا و کلا - عربی میں مثل کا لفظ ٹھیک اُنہی سیدھے سادھے معنوں میں بولا جاتا ہے ' جن معنوں میں ہم آجکل اُردو میں بولا کرتے ہیں - مثلاً ایک شخص کہتا ہے " تاج محل آگرہ کے مثل کوئی عمارت موجود نہیں " تو اِس سے اُسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مماثلة في الجوهر یا مماثلة في الكمية ' یا مماثلة في الكيفية ' یا مماثلة في القدر و المساحة ' یا مماثلة في اي معني اصطلاحي فلسفي کی نفی کر رہا ہے - بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایسی خوشنمائی رکھنے والی کوئی دوسری عمارت موجود نہیں - قرآن نے بھی ٹھیک ٹھیک اِسی سادہ اور لغوی معنی میں " مثل " کا لفظ استعمال کیا ہے - یہ فلسفیانہ دقیقہ سنجیاں یہاں کہاں سے آگئیں ؟

یا مثلاً ' عربی کا ایک لفظ " خلد " اور " خلود " ہے جسکے معنی لغت اور زبان میں طول عہد کے ہیں ' اور اِسی نسبت سے وہ ہمیشگی کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہے - لیکن یہ ہمیشگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے بول چال میں ہم کہتے ہیں " یہ آدمی ہمیشہ کلکتہ ہی میں رہیگا " اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ ابد تک رہیگا اور مستقبل میں کوئی وقت ایسا نہیں آیگا جب وہ کلکتہ میں موجود نہو ' بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ یہیں ٹھہرا ہوا ہے اور عرصہ تک یہیں ٹھہریگا - قرآن نے بھی جا بجا اسی معنی میں یہ لفظ استعمال کیا ہے ' لیکن بعد کو جب فلسفیانہ بحثیں پیدا ہوگئیں ' تو " خلود " کے معنی ایسی ہمیشگی کے ہوگئے جسکی کوئی نہایت نہ ہو -

یا مثلاً ' عربی میں لفظ " قدیم " کے وہی معنی ہیں ' جو اردو میں " پرانے " کے ہیں " یہ مکان بہت قدیم ہے " یعنے بہت مدت سے ہے - لیکن متکلمین نے فلسفیانہ مباحث میں " قدم " و " حدوث " کی خاص مصطلحات اختیار کیں ' اور اسلیے " قدیم " کی بھی ایک خاص منطقی تعریف بن گئی - اب کتاب و سنۃ کا مستعملہ " قدیم " بھی اسی معنی میں لیا جانے لگا !

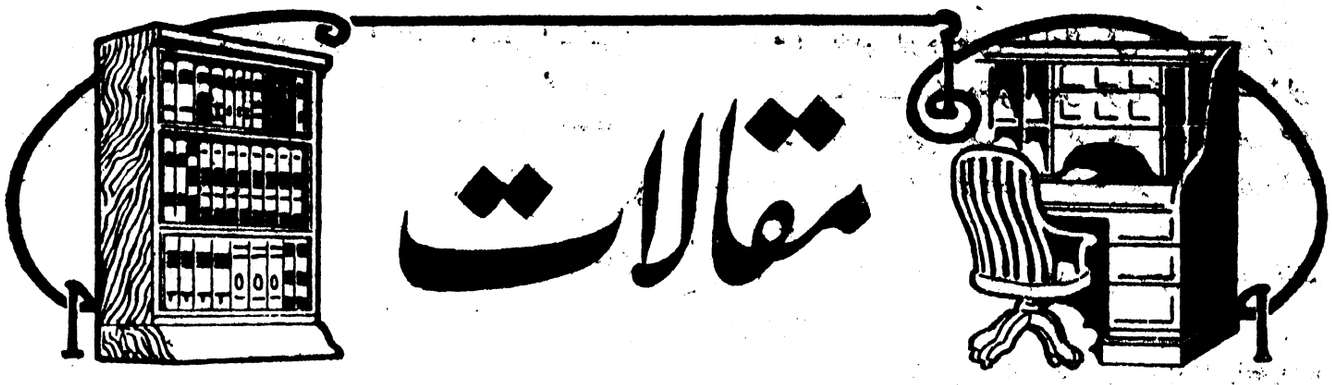

مقالات

"کمیونیزم" اور اُسکے مقاصد

(کارل مارکس کے مباحث)

(۳)

"لیکن تم کمیونسٹ ' سرمایہ دار عورتوں کی عمومیت بھی رواج دوگے"

ایک ھی طرح کے سر میں تمام سرمایہ دار یہ راگ آلاپ رھے ھیں !

چونکہ سرمایہ دار اپنی بیوی کو بھی پیداوار کا ایک آلہ تصور کرتا ھے ' اس لیے جب کبھی سنتا ھے کہ آلات پیداوار عام ملکیت ھوجانے والے ھیں ' تو قدرتی طور پر خیال کرتا ھے کہ عورتوں پر بھی اس کا اثر پڑے گا !

اُسے کبھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ کمیونسٹوں کا مقصود تو صرف اس قدر ھے کہ عورت پیداوار کا محض ایک آلہ نہ سمجھی جائے - وہ عورتوں کی موجودہ حیثیت بدل دینے چاھتے ھیں -

ھمارے سرمایہ داروں کے اس عیارانہ خوف سے زیادہ کوئی چیز مضحکہ انگیز نہیں جس کی وہ اس باطل دعوی میں نمائش کر رھے ھیں - کمیونسٹوں کو عورتوں کے عام بنانے کی کیا ضرورت ھے جب کہ ان کی یہ صورت حال تقریباً ھمیشہ موجود رھی ھے اور آج بھی موجود ھے !

ھمارے سرمایہ دار بزرگ کیا کر رھے ھیں ؟ اپنے مزدوروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے قبضۂ و تصرف میں رکھنے سے سیر نہ ھوکر نیز باضابطہ عصمت فروشی پر بھی قانع نہ ھوکر ' وہ اب آپس میں ایک دوسرے کی بیویوں سے علانیہ تعلقات پیدا کر رھے ھیں ' اور یہ تعلقات سرمایہ دار سوسائٹی کی بہترین معاشرتی دلچسپی ھیں !

خود سرمایہ دارانہ شادی بھی در حقیقت عورتوں کی عمومیت ھی ھے - کمیونسٹوں کو زیادہ سے زیادہ الزام یہ دیا جاسکتا ھے کہ وہ عورتوں کی موجودہ ریاکارانہ اور خفیہ عمومیت ختم کر دینے چاھتے ھیں - ظاھر ھے کہ پیداوار کے موجودہ نظام کی منسوخی کے ساتھ اُس کا نتیجہ یعنی عورتوں کی عمومیت بھی معدوم ھو جائیگی ' اور اُس وقت عام عصمت فروشی کا بازار بھی گرم نہیں ھو سکیگا -

کمیونسٹوں پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ھے کہ وہ وطنی و قومی رنج فنا کردینے چاھتے ھیں -

مزدوروں کی نہ تو کوئی قوم ھے نہ وطن - پس جو چیز اُنہیں ملی ھی نہیں ' چھینی بھی نہیں جاسکتی !

مزدوروں کو پہلے سیاسی طاقت حاصل کرنی چاھیے ' پھر اپنے تئیں بطور ایک قوم کے قائم کردینا چاھیے - یہ کام بذات خود ایک قومی کام ھے ' اگرچہ سرمایہ دار اُسے کچھ نہ سمجھیں -

جوں جوں سرمایہ دار ترقی کرتے جاتے ھیں ' آزاد تجارت پھیلتی جاتی ھے ' عالمگیر بازار کھلتے جاتے ھیں ' صنعتی پیداوار میں اضافہ ھوتا جاتا ھے ' قومی اختلافات بھی کم ھوتے جاتے ھیں ' اور حالات زندگی میں ھمرنگی و یکسانیت بڑھتی جاتی ھے -

مزدوروں کی فتحمندی ان اختلافات کو اور زیادہ کم کردیگی ' کیونکہ ان کی تجارت کے لیے تمام دنیا اور کم سے کم مہذب ممالک کا متحدہ عمل اولین شرط ھے -

افراد کے باھمی خود غرضانہ استعمال میں جس قدر کمی ھوتی جائیگی ' اسی قدر قوموں کا باھمی خود غرضانہ استعمال بھی کم ھوتا جائیگا -

جوں جوں فرقہ بندیاں معدوم ھوتی جائینگی ' قوموں کی باھمی دشمنی بھی مٹتی جائیگی -

رھے باقی الزام جو کمیونزم پر مذھبی ' فلسفی ' اور نظری نقطۂ نظر سے لگائے گئے ھیں ' تو وہ اس قدر پوچ ھیں کہ کسی سنجیدہ بحث کے محتاج نہیں -

کیا اِس حقیقت کے سمجھنے کے لیے کسی گہری بصیرت کی ضرورت ھے کہ مادی حالات زندگی اور اجتماعی نظام کی تبدیلی کے ساتھ انسان کے خیالات ' نظریے ' تصورات ' حتی کہ ضمیر و وجدان تک بدل جاتا ھے ؟

خیالات کی تاریخ بجز اس کے اور کیا ثابت کرتی ھے کہ دماغی پیداوار ' مادی پیداوار کے ساتھ ھمیشہ بدل جاتی ھے ؟ ھر عہد کے حکمراں خیالات ھمیشہ رھی رھے ھیں ' جو اس کے حکمراں طبقہ کے تھے -

جب لوگ اُن خیالات پر بحث کرتے ھیں جو سوسائٹی میں انقلاب پیدا کردیا کرتے ھیں ' تو یہ حقیقت صاف ظاھر ھو جاتی ھے کہ پرانی سوسائٹی کے اندر ھی نئی سوسائٹی کے عناصر کی تکوین پوشیدہ تھی ' اور یہ کہ قدیم خیالات کے انحلال کے ساتھ ھی قدیم اجتماعی رشتے بھی پراگندہ ھوجاتے ھیں -

جب قدیم دنیا اپنے زوال کی آخری گھڑیوں سے گزر رھی تھی ' تو قدیم مذاھب بھی ایڑیاں رگڑ رھے تھے - یہاں تک کہ مسیحیت نے ظاھر ھوکر انہیں نگل لیا - اسی طرح جب اٹھارھویں صدی میں مسیحی خیالات کی جگہ عقلیت نے لے لی ' تو جاگیردار سوسائٹی نے اُس وقت کے انقلابی سرمایہ داروں سے فیصلہ کن لڑائی لڑی - پھر مذھبی آزادی اور وجدانی آزادی کے خیالات نے علم کی علمداری اور آزاد مقابلہ کا اصول ظاھر کر دیا -

بلاشبہ اعتراض کیا جائیگا کہ مذہبی ' اخلاقی ' فلسفی ' سیاسی ' اور قانونی خیالات تاریخی ترقی کے دوران میں تبدیل ہوتے رہے ہیں ' مگر ان تبدیلیوں کے باوجود بھی مذہب ' اخلاق ' فلسفہ ' سیاست ' اور قانون کی حقیقت کبھی نہیں بدلی ' بلکہ یہ چیزیں بدستور باقی رہیں - مزید براں کچھ اٹل سچائیاں بھی ہیں ' جو تمام اجتماعی نظاموں میں ہمیشہ قائم رہی ہیں اور اُن میں کبھی تبدیلی نہیں ہوئی - لیکن کمیونزم یہ تمام سچائیاں نئی بنیادوں پر قائم کرنے کی جگہ اُنہیں سرے سے مٹا دینا چاہتا ہے ' اور یہ ایک ایسی بات ہے جو تمام تاریخی ترقیوں کے بالکل مخالف ہے -

لیکن ہم کہتے ہیں کہ تمام پچھلی سوسائٹیوں کی تاریخ ' جماعتی نزاع کی تاریخ ہے جس نے مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں اختیار کیں - جماعتی نزاع نے کوئی شکل بھی اختیار کی ہو ' لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں سوسائٹی کا ایک حصہ دوسرے حصوں کو خود غرضانہ استعمال میں لاتا رہا ہے - لہذا کچھ عجب نہیں ' اگر اِن تمام زمانوں کا اجتماعی ضمیر ہمیشہ تقریباً ایک ہی قسم کے خیالات کا پابند رہا ہو - ظاہر ہے کہ اِس اجتماعی ضمیر کی تبدیلی اسی وقت ممکن ہے ' جب جماعتی نزاع کا پورے طور پر خاتمہ کر دیا جائے -

کمیونیزم کیا ہے ؟ ملکیت کا انقلاب اور اسکے روایتی رشتوں کا ایک براہ راست طبعی انفجار ! لہذا کچھ عجیب نہیں ' اگر وہ اپنے دوران ترقی میں تمام روایتی نظریوں سے آزادانہ قطع تعلق کرلے اور ایک نیا نظام قائم کر دے !

لیکن ہمیں سرمایہ داروں کے اعتراضات کی پروا نہیں کرنی چاہئے - اپنے کام میں بدستور منہمک رہنا چاہئے -

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ مزدوری پیشہ طبقہ کے انقلاب کا پہلا قدم یہ ہے کہ وہ حکمراں طبقہ کی حیثیت حاصل کرلے - یعنی حقیقی جمہوریت کو کامل فتح حاصل ہو جائے -

مزدور ' سرمایہ داروں سے تمام سرمایہ بتدریج چھین لینے اور پیداوار کے تمام آلات حکومت کے ہاتھوں میں جمع کر دینے کیلیے اپنی سیاسی طاقت استعمال کرینگے ' یعنی پیداوار کے تمام ذرائع وہ خود اپنے ہاتھوں میں لے لینگے - کیونکہ وہی حکمراں طبقہ ہونگے ' اور کوشش کرینگے کہ جلد سے جلد بار اور طاقتوں کی مجموعی مقدار بڑھا دیں -

یہ مقصد ظاہر ہے کہ پورا نہیں ہوسکتا ' جبتک کہ حقوق ملکیت اور سرمایہ دارانہ حالات پیداوار پر علانیہ سخت حملے نہ کیے جائیں - یہ حملے اُن ذرائع سے کیے جائینگے جو گو ابھی اقتصادی حیثیت سے ناقابل حصول معلوم ہوتے ہیں ' مگر بتدریج بڑھینگے اور ضروری ہو جائینگے - اِس سے مقصود وہی ذرائع ہیں ' جو پیداوار کے تمام طریقوں میں انقلاب پیدا کر دیں -

یہ ذرائع مختلف ممالک میں قدرتی طور پر مختلف ہونگے - تاہم ترقی یافتہ ممالک میں حسب ذیل ذرائع سے بہتر کام لیا جاسکتا ہے :

(۱) زمین کی ملکیت کی منسوخی اور زمین کے لگان پر حکومت کا قبضہ -

(۲) بھاری اور برابر بڑھنے والا انکم ٹیکس -

(۳) سرمایہ دارانہ وراثت کی منسوخی -

(۴) باغیوں اور جلاوطنوں کے املاک کی ضبطی -

(۵) حکومت کے ہاتھوں میں قرض کی مرکزیت ' اور یہ اِس طرح کہ ایک قومی بنک قائم کیا جائے جس میں صرف حکومت کا سرمایہ ہو ' اور جسے بلا شرکت غیرے اجارہ داری کا حق حاصل ہو -

(۶) ذرائع مواصلات اور برآمد کی حکومت کے ہاتھوں میں مرکزیت -

(۷) قومی کارخانوں اور آلات پیداوار کی توسیع ' اور بنجر زمینوں کی ایک عام اجتماعی خاکہ کے مطابق اصلاح -

(۸) سب کو محنت کیلیے مجبور کرنا ' اور صنعتی فوجوں کی تنظیم ' خصوصاً زراعت کیلیے -

(۹) زرعی اور صنعتی محنت کی آمیزش ' تا کہ شہر اور دیہات کی باہمی تفریق مٹ جائے -

(۱۰) تمام بچوں کیلیے عام مفت تعلیم -

جب دوران ترقی میں جماعتی امتیازات معدوم ہو جائینگے ' اور تمام پیداوار قوم کی بڑی اکثریت کے ہاتھوں میں سمٹ آئیگی ' تو عام اجتماعی طاقت اپنی سیاسی حیثیت کھو دیگی - سیاسی طاقت درحقیقت ایک منظم طاقت ہے تا کہ دوسری جماعتوں پر مسلسل ظلم کیا جاسکے -

اگر مزدور انقلاب کے ذریعہ برسر اقتدار آجائیں ' اور طاقت کے زور سے پرانے حالات پیداوار برباد کر ڈالیں ' تو اِن حالات کے ساتھ قدرتی طور پر وہ موجودہ جماعتی نزاعات اور خود جماعتوں کو بھی برباد کر ڈالینگے ' بلکہ ساتھ ساتھ خود اپنی جماعتی حکمرانی کی حیثیت بھی مٹا دینگے -

الہلال کو

اشاعت کی کمی کی شکایت نہ ہوتی ' اگر مصارف کی زیادتی پیش نہ آتی - سنہ ۱۹۱۳ع میں الہلال کی یہی قیمت تھی - یعنی بارہ روپیہ سالانہ ' مگر تمام طباعتی اشیاء کی قیمت موجودہ قیمتوں سے آدھی تھی - اِس وقت اگرچہ الہلال کا حلقۂ اشاعت اردو کے تمام رسالوں سے زیادہ ہے ' لیکن مصارف کی زیادتی کی وجہ سے اب تک آمدنی اور خرچ برابر نہیں ہوسکے ہیں - کیا آپ اس معاملہ پر توجہ ضروری نہیں سمجھتے ؟ اگر ضروری سمجھتے ہیں تو توسیع اشاعت کے لیے کوشش کیجیے -

(منیجر الہلال)



مصر اور ترکی کی نسوانی تحریکات

پیرس کے مصور رسالہ نے ایک سلسلۂ مقالات بلاد اسلامیہ کي جدید نسواني تحریکات پر شائع کرنا شروع کیا ھے - مقالہ نگار حال میں قسطنطنیہ اور قاھرہ کے سفر سے واپس آیا ھے - وہ لکھتا ھے :

" سنہ ۱۹۲۷ کي جو فکري لہر قاھرہ اور قسطنطنیہ کي عورتوں کے دماغوں میں دوڑ رھي ھے ' اُسے میں لفظوں میں منتقل کر دینا چاھتا ھوں "

مقالہ نگار کے تاثرات کا خلاصہ حسب ذیل ھے :

(۱) ترک اور مصري عورتوں میں نئے خیالات کي نشوٴ و نما اگرچہ گذشتہ صدي کے اواخر سے شروع ھوگئي تھي ' مگر وہ ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھسکي - سنہ ۱۹۰۰ تک قسطنطنیہ اور قاھرہ میں نئي قسم کي خواتین کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ فرانسیسي زبان سے واقف ھیں ' مغربي روش کا لباس مشرقي اصلاحات کے ساتھہ پسند کرتي ھیں ' اور اُن میں اھل قلم عورتوں کي بھي ایک محدود تعداد پیدا ھوگئي ھے -

(۲) لیکن موجودہ صدي کے اوائل سے صورت حال میں نئي نئي تبدیلیاں رو نما ھوئیں - اِن تبدیلیوں میں سب سے زیادہ اھم تبدیلیاں دو تھیں - ترک اور مصري خواتین کا یورپ میں آزادانہ سفر و قیام - اور ترک نقاب - چنانچہ سنہ ۱۹۰۵ سے لیکر سنہ ۱۹۰۸ تک ترکي اور مصر کي پچاس سے زیادہ خواتین یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں دیکھي گئیں - ان میں بڑي تعداد اُن کم عمر خواتین کي تھي جو تعلیم کي غرض سے یورپ آئي تھیں - ان متعلمات میں مصر کے خاندان خدیوي کي بھي بعض خواتین تھیں -



جدید مصري خاتون
بیگم زغلول اپنے معمولی لباس میں

مصري خواتین کا نقاب جو اب رخصت ھو رھا ھے !



(۳) سنہ ۱۹۰۸ع میں جب ترکي میں انقلاب دستوري ھوا ' تو حالات نے یکایک ایک دوسري ھي صورت اختیار کرلي ' اور ترکي کے خواتین کي معاشرتي زندگي میں انقلاب عظیم ھوگیا - اُس وقت تک دار الخلافہ میں خال خال مسلمان عورتوں کے کلب تھے ' اور جتنے بھي تھے ' زیادہ تر امریکن مشنیري جماعتوں کے قائم کیے ھوئے تھے - لیکن اب یکایک زنانہ کلبوں کي تعداد میں عظیم اضافہ ھوگیا - سب سے پہلے انجمن اتحاد و ترقي نے زنانہ کلب قائم کیے - پھر عام تحریک شروع ھوگئي ' اور ایسے ایسے عظیم الشان کلب قائم ھوگئے ' جن کے ارکان کي تعداد سیکڑوں سے بھي متجاوز تھي - اُسي وقت سے ترک خواتین نے ملک کي سیاسي و معاشرتي تحریکات میں بھي علانیہ حصہ لینا شروع کردیا - ایک کثیر تعداد مقرروں اور ادیبوں کي بھي پیدا ھوگئي جن میں ایک کافي تعداد ترکي زبان کے اچھے خطیبوں اور اھل قلم کي تھي - چہرہ کا نقاب بھي تمام تعلیم یافتہ خواتین نے تقریباً ترک کردیا - البتہ باھر نکلنے کے لیے ایک خاص طرح کا جسم پوش لباس پہن لیا جاتا تھا جس سے نہ صرف تمام جسم اور لباس کي آرائش چھپ جاتي تھي ' بلکہ سر کے بال بھي پوشیدہ رھتے تھے - صرف نصف پیشاني سے لیکر ٹھڈي تک چہرہ کھلا رھتا تھا -



سنہ ۱۹۲۱ میں قسطنطنیہ کي مسلمان عورتوں کا مظاہرہ

سب سے زیادہ اہم تبدیلي یہ ہوئي کہ مسلمان خواتین نے سرکاري دفاتر میں کام کرنا شروع کردیا جس کي کوئي سابق مثال موجود نہ تھي - ٹیلي فون اور ٹیلي گراف کے اکثر مراکز میں عورتیں ہي عورتیں نظر آنے لگیں - دفاتر میں ٹائپسٹ عورتیں بھي پیدا ہوگئیں - اس صورت حال نے مشرقي ممالک میں بھي اس اسلوب حیات سے عورت کو آشنا کردیا ' جو اس وقت تک صرف یورپ اور امریکہ ہي کي مضطرب آبادیوں میں محدود تھا -

(۴) ترکي کي اس تبدیلي نے قاہرہ پر بھي اثر ڈالا جہاں مغربیت کہیں زیادہ قوت و وسعت کے ساتھہ نشو و نما پا رہي تھي - سنہ ۱۹۰۱ - میں جب قاسم امین بک نے مسلمان عورتوں کي معاشرتي زندگي میں اصلاح کي ضرورت محسوس کي تھي ' اور پردہ کے خلاف اپني مشہور کتابیں شائع کي تھیں ' تو اُس وقت مصر کے اندر بمشکل پچیس مسلمان عورتیں ایسي نکل سکتي تھیں جو بغیر نقاب کے گھر سے باہر نکلنا گوارہ کرتیں ' لیکن اب ایک بڑي تعداد ایسي عورتوں کي پیدا ہوگئي ' جو بغیر کسي جھجھک کے کھلے منہ باہر نکلنے لگي تھیں ' اور انھوں نے پوري طرح مغربي لباس اختیار کرلیا تھا - سنہ ۱۹۱۲ - میں جب میں قاہرہ گیا تھا ' تو مجھے یہ دیکھکر تعجب ہوا تھا کہ نئے تعلیم یافتہ طبقہ کي عورتیں تمام قدیم رسوم و عوائد ترک کرچکي ہیں ' اور بجز خال خال گھرانوں کے قدیم مصري زندگي کا نظارہ کہیں دکھائي نہیں دیتا - بعض گھرانوں کي خواتین سڑکوں پر بالکل کھلے ڈلے نکلنے سے پرہیز کرتي تھیں ' لیکن اپنے گھر میں انھیں اس سے انکار نہ تھا کہ ایک یورپین خاتون کي طرح مہمانوں کي پذیرائي کریں ' اور ان کي صحبتوں میں اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ساتھہ شریک ہوں -

(۵) جنگ کے بعد دنیا میں جو تعجب انگیز تغیرات ہوے ہیں ' شاید ان میں کوئي چیز بھي اس درجہ موثر اور قابل غور نہیں ہے ' جسقدر مشرقي عورت کي کامل مغربیت ہے - اب ہمیں وہ تمام پر اسرار اور قصہ زا تذکرے بھلا دینے چاہئیں ' جو کسي زمانے میں مشرقي عورتوں اور مشرقي حرمسراؤں کي داستانوں میں ہماري تعجب آمیز دلچسپي کا ذریعہ ہوا کرتے تھے ' اور ہر مغربي سیاح جو مشرق کا قصد کرتا تھا ' سمجھتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو الف لیلہ کي شاہراہوں میں سرگرداں پائیگا - اب مشرق کي ساري چیزوں کي طرح مشرق کي عورت بھي تقریباً نابود ہوگئي ہے - وہ وقت دور نہیں ہے جب اُس کا سراغ ڈھونڈھنے کیلیے مورخین کو کتابوں کے سیکڑوں اوراق اُلٹنے پڑینگے - اب انگورہ ' قسطنطنیہ ' اور قاہرہ ہي میں نہیں ' بلکہ بغداد اور شام میں بھي "مشرقي عورت" بغیر ڈھونڈھے نہیں مل سکتي - گذشتہ سال میں نے بیروت میں بہت کوشش کي کہ کسي ایسے امیر گھرانے کا سراغ لگاؤں جہاں مجھے کامل مشرقي زندگي نظر آے - کچھہ عرصہ کے بعد ایک دوست نے رہنمائي کي ' اور میں ایک گھرانے میں مدعو کیا گیا - یہ گھرانا بیروت کے ایک قدیم امیر خاندان کا گھرانا تھا - اسکے ارکان مغربیت کے دلدادوں میں " قدامت پرستي " کیلیے بدنام ہیں - یہ مخالفانہ شہرت سنکر مجھے بڑي خوشي ہوئي تھي - میں نے خیال کیا تھا کہ بیسویں صدي میں کم از کم ایک مرتبہ " الف لیلہ " کے عالم میں واپس جا سکونگا - لیکن آپ میري مایوسي کا اندازہ کر سکتے ہیں ' جو اُس وقت مجھپر طاري ہوئي ' جب میں نے اس " قدامت پرست " گھرانے میں اپنے آپکو ایک کامل قسم کے فرانسیسي ایران ملاقات کے صوفے پر پایا ' اور صاحب مکان نے یہ کہکر اپني دوازدہ سالہ لڑکي کي تقریب کي کہ " یہ میڈ موزیل ..... ہیں ! "

یہ بیروت کا قدامت پرست گھرانا ہے ! بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ اس گھرانے کي ساري قدامت پرستي اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس کي مسن عورتیں مغربي لباس نہیں پہنتیں ' اگرچہ اپني لڑکیوں کے لیے اسي کو پسند کرتي ہیں !

مقالہ نگار نے آخر میں افسوس کیا ہے کہ مشرق نے مغرب کي تقلید کے شوق میں اسکي بالکل پروا نہ کي کہ مغربي معاشرت کي بے اعتدالیوں سے اپني نگہداشت کرے - وہ کہتا ہے " بلا شبہ مشرقي عورت کو مغرب سے بہت کچھہ حاصل کرنا تھا ' لیکن ساتھہ ہي اپني قدیم زندگي کي بہت سي قیمتي چیزیں محفوظ بھي رکھني تھیں جن کے فقدان پر آج مغرب افسوس کر رہا ہے "

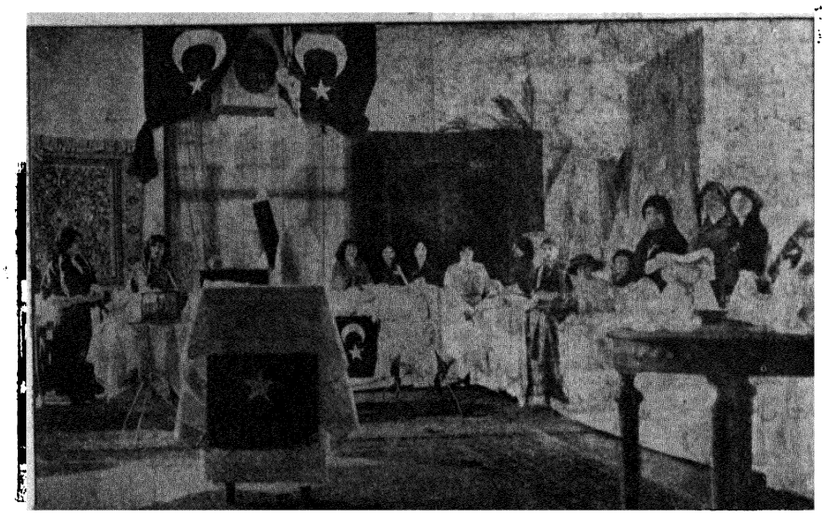

قسطنطنیہ میں خواتین کے ایک خیراتي بازار کا افتتاح

تاریخ و عبر

ہندوستان

انگریزی حکومت سے پہلے اور انگریزی حکومت کے بعد

خود انگریز مدبّروں اور مصنّفوں کی نظر میں

اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مدبّروں کی شہادت

(۲)

ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی

ہندوستان نے پارچہ بافی کو ہر زمانہ میں بے نظیر کمال اور ناقابل تعرض ہنرمندی کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔ اُن کے بعض کپڑے تو ایسی حیرت انگیز لطافت سے طیار ہوتے ہیں کہ پرستان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کمال دراصل، ہندوستانیوں کے بہترین ذوق، نفاست پسندی، اور سلیقہ کا نتیجہ ہے۔ (برلس سنہ ۱۸۲۶ء میں)

ہندوستان کے جنگلی درختوں میں پھلوں کی جگہ اون (سن) پیدا ہوتی ہے جو اپنی نفاست اور خوبصورتی میں بھیڑ کے اون کو بھی مات کرتی ہے۔ ہندوستانی اسی سے اون کے کپڑے بناتے ہیں۔
(ہیروڈوٹس سنہ قبل مسیح)

اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ہندوستان اور بابل کے مابین سنہ ۳ قبل مسیح میں تجارتی تعلقات قائم تھے۔ سنہ ۲ قبل مسیح کی مصری ممیا کی بھی فاخرہ نفیس ہندوستانی تنزیب میں لپٹی ہوئی دستیاب ہوئی ہیں۔ قدیم میں ہندوستانی پارچہ جات کی بہت بڑی کھپت تھی۔ یہ واقعہ اس طرح محقق ہوتا ہے کہ "ایلڈر پلینی" نے شکایت کی ہے کہ رقم کی بہت بڑی رقم ہر سال ہندوستانی کپڑے پر خرچ ہوتی ہے جو کہ رومن یونان میں "مچی نیکا" کے نام سے مشہور تھی۔ (پروفیسر ٹیری)

ہیروڈوٹس کہتا ہے کہ یہودیوں نے اپنی تقدیس کے ابتدائی زمانہ (یعنی قبل مسیح ۴۰۰ سال) میں ہندوستان کا کپڑا استعمال کیا ہے۔
(دیکھو صفحہ ۳۶۶)

فلنی سے ۲۰۰ سال پہلے متسرا اور عرب کی برآمد کے تذکرہ میں بنگال کی ململ کا ذکر کرتا ہے۔
(پیری پلس)

افریقہ سے لیکر شنگھائی تک، ہر بندرگاہ میں ہندوستان کا بنا ہوا ہر طرح کا کپڑا بعزت دستیاب ہوتا تھا۔ (مارکوپولو سنہ ۱۲۹۸ء)

سنہ ۱۷۲۱ء کے بذام قانون کی رُو سے انگلستان میں ۲۹ ستمبر سنہ ۱۷۲۰ء سے چین، ایران، ہندوستان کے ہر قسم کے کپڑوں کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ اس تاریخ سے جتنا بھی کپڑا آئیگا وہ یا تو ضبط کر لیا جائے گا، یا واپس کر دیا جائے گا"
(سر جارج بڈوڈ)

"میکی" انگلینڈ میں یہ سخت جرم تھا کہ کوئی عورت ہندوستانی چھینٹ استعمال کرے۔ سنہ ۱۶۶۰ء میں گلڈہال میں ایک انگریز خاتون کو دو ہزار پونڈ جرمانہ اس لئے ادا کرنا پڑا کہ اُس کا رومال ہندوستانی کپڑے کا تھا۔
(پروفیسر لیکی)

سترہویں صدی کے آخر میں نفیس اور عمدہ ہندوستانی چھینٹ اور ململ بہت بڑی مقدار میں انگلینڈ بھیجی گئی اور وہاں اس قدر مقبول ہوئی کہ مقامی اونی ریشمی کپڑے کی تجارت سخت خطرہ میں پڑ گئی۔ چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے سنہ ۱۷۱۹ء اور سنہ ۱۷۲۱ء میں پارلیمنٹ نے ایسے قانون پاس کئے جن کی رُو سے انگلینڈ میں ہندوستانی کپڑے کا استعمال قطعاً ممنوع قرار پا گیا۔
(پروفیسر لیکی)

نفیس کپڑا بُننے، رنگوں کے بنانے، دھات پر نقش و نگار بنانے، جواہرات گڑھنے، عطر کے طیار کرنے، اور جملہ قسم کی دقیق و لطیف صنعتوں میں ہندوستانیوں کا کمال قدیم زمانہ سے شہرۂ آفاق ہے۔
(پروفیسر ولسن)

سنہ ۱۷۵۸ء سے سنہ ۱۸۱۳ء تک کا زمانہ انگلستان کی پارچہ بافی کا سنہرا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ عین اُسوقت جبکہ انگریزی کپڑے کی برآمد بخاری جہازوں کی طلسمی تیز رفتاری اور میکانیکی ایجادات کی غیر معقول تاثیر کے ماتحت روز افزوں ترقی کر رہی تھی، ہندوستانی کپڑے پر ۷۵ فیصدی چنگی لگا دی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھاکہ کا نفیس کپڑا اس زبردست چنگی کی وجہ سے انگلستان جانا موقوف ہو گیا اور بالآخر یہ کپڑا بازار سے مفقود ہو گیا۔ (پروفیسر ٹیری)

سنہ ۱۸۱۳ء تک ہندوستان کا سوتی اور ریشمی کپڑا انگلستان کے بازاروں میں معقول نفع کے ساتھ خود انگریزی کپڑے سے ۵۰ اور ۶۰ فیصدی کم قیمت پر بکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی کپڑے کو بچانے کے لئے ہندوستانی کپڑے پر ۷۰ اور ۸۰ فیصدی چنگی لگا دی گئی۔ اگر یہ ظالمانہ چنگی نہ لگائی جاتی اور معاہدہ کے قانون نافذ نہ کئے جاتے، تو "پیسلی" اور "منچسٹر" کے تمام کارخانے شروع ہی میں بند ہو جاتے اور باوجود مشینوں کی قوت سے مسلح ہونے کے ہرگز نہ چل سکتے۔ درحقیقت یہ کارخانے، ہندوستانی کپڑے کی لاش پر کھڑے کئے گئے ہیں۔ اگر ہندوستان خود مختار ہوتا تو وہ اس زیادتی کا ترکی بہ ترکی جواب دیتا۔ وہ بھی انگریزی مصنوعات پر بھاری چنگی لگا دیتا اور اس طرح اپنی تجارت کو فنا ہونے سے بچا لیتا۔ مگر افسوس کا حق ہندوستان کو نہیں دیا گیا۔ وہ بے رحم بدیشیوں کے رحم پر تھا۔ انگریزی مصنوعات بغیر چنگی ادا کئے جبراً اس ملک میں رائج کی گئیں۔ بدیشی تاجروں نے غیر منصفانہ سیاسی جبر سے استعمال کر کے اپنے اُس حریف کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (ہسٹری آف انڈیا از مل)

سنہ ۱۸۲۷ء میں مسٹر تھامسن نامی ایک شخص نے صرف ۷ گھنٹے کے اندر ڈھاکہ میں ۲۱۰ تھان ململ کے خریدے۔ (ڈاکٹر ٹیری)

اسوقت انگلستان میں ایک شخص موجود ہے جسنے نواب کے زمانہ میں ایک صبح اپنے ہی مکان پر ۸۰۰ تھان ململ کے خریدے تھے۔ تعجب خود کاریگر لائے تھے۔ پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گماشتوں کا ظلم و جور بے روک ٹوک تھا۔ لیکن سراج الدولہ کے عہد سے شروع ہوا۔ خود مذکورہ بالا شخص کا عینی مشاہدہ ہے کہ جنگل باڑھی کے ساٹھ سو نوربافوں نے اپنا پیشہ اور گھر بار محض انہی ظلموں کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا حالانکہ اسوقت یہ ظلم صرف شروع ہوا تھا۔
(بوتھ کے خیالات صفحہ ۹۵-۱۹۱)

نواب جب کمپنی کے سخت اور جابرانہ معاہدے منظور کرنے سے انکار کر دیتے تھے تو کمپنی کے ایجنٹ اُن کا سامان نیلام کر کے قیمت ضبط کر لیتے۔ مہین ریشم کاتنے والوں پر بھی یہی ظلم کیا جاتا تھا۔ ایسی کھوج شالیں موجود ہیں کہ لوگوں کے انگوٹھے محض اس لئے کاٹ ڈالے گئے کہ وہ مہین تانگا نہ بنا سکیں!
(ولیم بولٹس)

جب کمپنی کا گماشتہ کسی صنعتی شہر میں پہنچتا تو اپنے لئے ایک عالیشان مکان منتخب کر لیتا۔ گماشتہ کا گھر "کوٹھی" کہلاتا تھا۔ یہاں وہ اپنے ہرکاروں کے ذریعہ سے پیکادوں اور دلالوں کو فرمانوں کے تعمیل کرنے کا حکم دیتا۔ پھر انھیں کچھ پیشگی دیکر معاہدہ پر دستخط کراتا جس کی رُو سے انھیں معین وقت میں خاص قیمت پر مال مہیا کرنا پڑتا۔ معاہدہ پر دستخط کے لئے خریدار کی رضامندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی

گماشتے جو شرطیں بھی چاہتے، زبردستی منوا لیتے تھے۔ اگر کاریگر کمپنی کا روپیہ قبول کرنے سے انکار کرتا تھا تو اُسے کوڑے لگا لگا کر اُس کے لینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ (ولیم بولٹس)

کاریگروں کو کمپنی کے لئے کام کرنے پر زبردستی مجبور کیا جاتا تھا۔ اُن سے ایسے معاہدے لئے جاتے تھے جو اُن کے حق میں سراسر نقصان دہ ہوتے تھے۔ اُن کی فریادوں کی کوئی شنوائی نہیں تھی، اور اُنھیں اپنے ذاتی مفاد اور ضمیر کے خلاف کام کرنے پر بڑی سختی سے مجبور کیا جاتا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ کاریگروں کو بھاری بھاری جرمانے کام سے انکار کرنے کی وجہ سے ادا کرنے پڑتے .... نور بافوں کو ہولناک اور عبرت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں .... چیرہ دستی کی حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کاریگروں کو مجبوراً اپنا پیشہ ترک کر دینا پڑا تھا۔ (۱۷۸۴ء اور ۱۸۱۷ء کی کمرشیل بورڈ کی ڈائری)

غریب ہندوستانی دستکاروں اور کاریگروں پر ایسے ایسے ظلم توڑے گئے ہیں جن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ غریب کمپنی کے گویا غلام بنائے گئے تھے۔ جرمانے، قید، جبری معاہدے، اور بید کی مار نے نور بافوں کی نسل معدوم کر دی! (بولٹس صفحہ ۷۳)

صنعت و حرفت اور تجارت کے تنزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ شہر (ڈھاکہ) کی آبادی تقریباً برباد ہو گئی۔ ۱۸۰۰ء میں اس کی آبادی ۲۰ لاکھ تھی، مگر اب صرف ۶۸۰۳۸ رہ گئی ہے جیسا کہ ۱۸۳۸ء کی مردم شماری سے ثابت ہوتا ہے... جتنی تیزی سے آبادی گھٹی ہے، اُس سے کہیں زیادہ سرعت سے افلاس بڑھ گیا ہے!

(جیمس ٹیلر)

مسٹر برڈ کل ہرسٹ کا سوال:

"انگلستان یا ہندوستان، دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت و حرفت کا قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لئے لازمی ہے۔ بنابریں ہندوستانی صنعت و حرفت کی قربانی کر دی گئی۔ کیا تم ہندوستان کو دوبارہ خوشحال کرنے کے لئے انگلستان کو تباہ کرنا چاہتے ہو؟"

مسٹر مارٹن کا جواب:

"میں ہرگز ہندوستان کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے نہیں کہتا۔ لیکن میں ہندوستان کو مسلسل نقصان پہنچانے کے خلاف ہوں پھر یہ بھی لازمی نہیں کہ ہندوستانی نور بافوں کی ترقی سے انگلستان برباد ہو جائے گا۔ کیونکہ ہندوستان کے پاس نہ گلاسگو اور منچسٹر کی طرح مشینیں ہیں نہ تجارتی بازار ہیں نہ سرمایہ ہے"

مسٹر برڈ کل ہرسٹ:

آپ سے جو سوال کیا گیا ہے اُس کا تعلق اُس نفیس سوت سے ہے جو مشین میں طیار نہیں ہو سکتا۔ پس سوال یہ ہے کہ کیا اس نفیس سوت کی صنعت اس ملک (انگلستان) میں باقی رکھی جائے یا ہمیشہ کے لئے اُٹھا دی جائے؟"

مسٹر مارٹن:

"اگر انگلستان میں اس صنعت کا بقا ہندوستان سے ناانصافی پر موقوف ہو تو میرا جواب یہ ہے کہ انگلستان کو انصاف سے کام لینا چاہئے۔ خواہ اُس کا نتیجہ کچھ ہو۔ کیونکہ انگریزوں کو ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ محض اپنے ذاتی مفاد کے لئے اُس ملک کے باشندوں کو تباہ کر ڈالیں جسے اُنھوں نے فتح کیا ہے"

مسٹر برڈ کل ہرسٹ:

۱۸۳۳ء میں جب کمپنی نے ہندوستان کو تاج کے حوالہ کیا تو اُس سے پہلے ہی ہندوستان کی صنعت تباہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا اب وقت تعلیمی کا سوال درپیش نہیں ہے جو واقع ہو چکی ہے۔ نیز ہمارے پاس شہادت موجود ہے کہ ہندوستان صنعتی ملک ہونے کے بجائے زرعی ملک ہے۔ اور وہ جاعتیں جو پہلے دستکاری میں مصروف تھیں، اب زراعت میں مشغول ہو گئی ہیں"

مسٹر مارٹن:

"میں اسے ہرگز تسلیم نہیں کرتا کہ ہندوستان صرف زراعتی ملک ہے۔ ہندوستان جس طرح زراعتی ملک ہے اُسی طرح صنعتی ملک بھی ہے۔ اُس کی مصنوعات ہر زمانہ میں نہایت کامیاب رہی ہیں اور کوئی قوم بھی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکی ہے۔ اب ہندوستان کو محض زراعتی ملک بنا دینا، اُس کے لئے سخت ناانصافی اور ظلم ہے"

(۱۸۴۰ء کی پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ)

ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو جو کپڑا بھیجا گیا اُس کی تفصیل یہ ہے:

سنہ	ہندوستان سے	انگلستان سے
۱۸۱۴	۱۲۶۶۶۰۸ تھان	۸۱۸۲۰۸ گز
۱۸۲۱	۵۳۴۴۹۵ "	۱۰۱۳۸۷۲۶ "
۱۸۳۸	۴۲۲۵۰۴ "	۴۲۸۸۲۰۷۷ "
۱۸۳۵	۳۰۶۰۸۶ "	۶۱۷۷۷۲۷۷ "

(مسٹر لارپنٹ)

ہندوستان کا سوت

ہندوستان میں انگریزی سوت سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں آیا اس کے بعد اُس کی مقدار بڑھتی گئی۔ چنانچہ

۱۸۲۴ء	میں	۱۲۰۰۰۰ گز
۱۸۲۵ء	"	۸۰۰۰۰۰ "
۱۸۳۰ء	"	۴۰۵۰۰۰۰ "

(ایسٹ انڈین کمپنی کے حالات صفحہ ۴۷)

ڈاکٹر آور نے ۱۸۳۶ء میں لکھا ہے کہ "ڈھاکہ میں جیسا سوت کتا ہوا اور ململ طیار ہوتی ہے اُس کا مقابلہ انگریزی ذہانت اور صنعت کسی طرح بھی نہیں کر سکتی" (براؤن)

ضلع (ڈھاکہ) میں قدیم زمانہ سے ہر گھر کا مشغلہ سوت طیار کرنا تھا۔ لیکن اب ارزاں انگریزی سوت کی وجہ سے یہ کام بالکل موقوف ہو گیا ہے۔ اس طرح کاتنے اور بُننے کی صنعت، جس سے مدتوں لاکھوں محنتی مخلوق پیٹ پالتی تھی، ۶۰ برس کے قلیل زمانہ میں اجنبی ہاتھوں میں چلی گئی۔ (" ")

سب سے پہلے ۱۸۲۱ء میں انگریزی سوت ہندوستان آیا۔ ۱۸۲۷ء میں اُس کی مقدار ۳۸۲۹۴ من تک پہنچ گئی بہ ۱۸۳۱ء میں ۸۲۸۱۰ من ہو گئی۔ اور ۱۸۳۵ء کے بعد سے تو اُس نے ہندوستانی سوت کو بالکل بے دخل کر کے ملک بھر میں اُس کی جگہ لے لی۔

(جیمس ٹیلر)

تعلیم

جب کبھی میں ہندوستان کی بے شمار مخلوق کی جہالت کا خیال کرتا ہوں، تو مجھے کارلائل کا پُر اثر جملہ یاد آ جاتا ہے "علم کی صلاحیت رکھنے والے انسان کا جاہل رہنا میرے نزدیک ایک اندوہناک مصیبت ہے۔ (ڈاکٹر سی ہال)

یہ بالکل یقینی ہے کہ ہندوستان ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا جہاں سے یورپ کی قدیم مہذب ترین قوموں نے اپنا علم، صنعت اور ادب حاصل کیا تھا۔ (لے ایف ٹمل)

جب کبھی کوئی ملک یا قوم کسی زبردست طاقت سے مفتوح ہو جاتی ہے تو یقین کر لینا چاہئے کہ حکمران طاقت سب سے پہلا کام یہی کرے گی کہ مفتوح قوم کی تعلیم تباہ کر ڈالے گی یا سختی کے ساتھ اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیگی تاکہ اُس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ علم اور غلامی پہلو بہ پہلو نہیں رہ سکتے۔ (لے سیڈی)

۱۷۹۳ء میں تعلیمی کمیٹی کے ایک ڈائرکٹر نے کہا تھا "ہم نے امریکہ محض اپنی حماقت سے اس لئے کھویا کہ وہاں اسکول اور کالج قائم کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ اب ہمیں ہندوستان میں اس حماقت کا اعادہ نہیں کرنا چاہئے۔ (ایجوکیشن کمیٹی ۱۸۳۳ء)

ہمارے مشرقی مقبوضات میں مشنری بھیجنے کی تجویز ایک نہایت ہی ناعاقبت اندیشانہ، اور مسرفانہ تجویز ہے۔ یہ تجویز نہایت ہی مہلک، مہمل، جاہلانہ، بے فائدہ، مضرت رساں، خطرناک، اور متعصبانہ ہے۔ یہ ہر طرح کے تدبر اور صحیح سیاست کے خلاف ہے۔ یہ ہمارے مقبوضات کی سلامتی اور عوام کو خطرہ میں ڈالنے والی ہے۔ (ہندوستان میں کیری، کی آمد پر ایسٹ انڈین کمپنی کے ڈائرکٹروں کا ردزولیوشن ۱۷۹۳ء)

۱۷۹۳ء میں کمپنی کے ڈائرکٹر کہتے ہیں "تم (انگریز) ہندوستانیوں کو تعلیم دینا کیوں چاہتے ہو؟ تعلیم دیکر تم اُنھیں اپنی بے انصافیوں سے آگاہ کر دو گے۔ تم نے اُن کا ملک لوٹ لیا ہے۔ تم نے اُنکے ہموطنوں کو برباد اور ذلیل کر دیا ہے۔ تم نے اُنکے بادشاہوں کو قتل کر ڈالا ہے۔ لہٰذا تمھاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم اُنھیں اسی طرح فریب خوردہ، خود فراموش، اور جاہل رہنے دو!

(سر تھامس ٹرٹین ۱۰ر مارچ ۱۸۱۷ء)

ہمیں صرف اُسی حد تک ہندوستانیوں کو تعلیم و تربیت دینی چاہئے جس حد تک ہم اُن سے اپنی تجارت اور حکومت چلانے میں فائدہ اُٹھا سکیں۔ (کلکتہ جرنل ۱۸۱۹ء)

ہمیں ہندوستانیوں کی ایک ایسی جماعت طیار کرنی چاہئے جو رنگ اور خون میں ہندوستان ہوں، مگر ذوق، خیال، اور ذہنیت انگریزوں کی رکھیں۔ (میکالے)

ہمیں ہندوستان میں ہندوستانی مدبروں، سپہ سالاروں اور مقننوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں محنتی کسان مطلوب ہیں!

(تھیکرے)

ہندوستان میں انگریزوں کے اندر ذیل تعلیمی مقاصد جاری ہیں:

(الف) انگریزی تعلیم کی روح ہمارے قبضہ کے لئے مفید ہوگی۔

(ب) ہندوستانی چاہے بڑے آدمیوں پر ہماری ہی طرح فخر کرنے لگیں گے۔

(ج) ہماری ہی طرح تعلیم حاصل کرنے، ہماری ہی طرح ایک خاص مقصد سے دلچسپی لینے، ہماری ہی طرح ایک خاص نتیجہ کے لئے کوشاں ہونے سے، وہ ہندوستانی ہونے کے بجائے انگریز ہو جائیں گے۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح رومیوں کی ماتحت قومیں رومن ہو گئی تھیں!

(د) اس طرح وہ قدیم ہندوستانی بنیادوں پر آزادی حاصل کرنے کی خواہش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی فوری تبدیلی ناممکن ہوگی۔ ہمارا قبضہ مدت دراز تک بے خطر برقرار رہ سکے گا

(ھ) تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھ کر کہ اُس کے ملک کی بھلائی ہماری ہی سرپرستی میں ہو سکتی ہے، قدرتی طور پر ہم سے وابستہ رہے گا۔

(سرکاری مراسلہ ۱۸۵۳ء)

زمین کی فتح کے بعد ہندوستان کا دماغ بھی فتح کر لیا گیا۔

(رہنٹر)

دماغ ہی سلطنتیں برباد کرتے اور قائم کرتے ہیں، دماغ پر قبضہ کرو۔ قوم پر بھی حکومت کر سکو گے۔ (لواسٹ ڈرمینین)

بغیر دماغی انقلاب کے سیاسی انقلاب ناممکن ہے۔ پوری ایک فوج کی یلغار بآسانی روکی جا سکتی ہے، لیکن دماغی حملہ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا!

(میرس)

کوئی بھی ہندوستانی ذہانت اور زیرکی پر شبہ نہیں کر سکتا۔ مگر یہ حیرت ہے کہ مغربی طریق تعلیم نے اُسے کس طرح اپنا شکار کر لیا ہے اور ہندوستان کی روایتی ذہانت کی مشتعل قوت بالکل افسردہ ہو کر رہ گئی ہے!

(ر)

ہم نے بنگالیوں کو جو تعلیم دی ہے وہ صنعت و حرفت کی طرف راغب کرنے کے بجائے صرف ادبیت سکھاتی ہے۔

(سرای، سی، بوک)

جہاں باشندے خوشحال ہوتے ہیں، وہاں تعلیمی ترقی خطرناک نہیں ہوتی۔ مگر جہاں افلاس اور تعلیم کا ساتھ ہوتا ہے، وہاں آگ لگا دیتی ہے۔ یہ ایک سچی حقیقت ہے، لیکن کتنے آدمی ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حقیقت ہندوستان میں کتنی سچی ہے! (ڈبلو۔ ایس۔ بلنٹ)

شروع میں گورنمنٹ کا تعلیمی دستور العمل یہ تھا کہ ملک کے انتظام کے لئے آدمی فراہم کئے جائیں۔ نیز علمی تعلیم کے بجائے صرف ادبی تعلیم کی ہمت افزائی کی جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ادبی تعلیم یافتوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی، اور علمی تعلیم تقریباً مفقود رہی۔ (سیڈلر کمیشن)

الہلال کے ابتدائی نمبر

الہلال سلسلۂ جدید کے ابتدائی نمبر، یعنی نمبر ۱ سے ۵ تک بعض حضرات کو مطلوب ہیں، وہ دوگنی قیمت پر خریدنے کے لئے طیار ہیں۔ دفتر کو اطلاع دیجائے۔ منیجر

بریدِ شرق

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کا تاریخی خطبہ

بعد از جنگ حوادث و اعمال کی مستند روداد

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم مستقل قسطنطنیہ کے قلم سے)

کامل ایک ہفتہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا جمہوری مؤتمر میں اپنا تاریخی خطبہ سناتے رہے۔ خطبہ بہت ہی طویل ہے۔ تلخیص کے سوا چارہ نہیں۔

۱۹۱۹ء میں التواء جنگ

موصوف نے بیان کیا:

۱۹ مئی ۱۹۱۹ء میں وہ بحر اسود کے ساحل سمسون پر پہنچے۔ یہ وہ وقت تھا جب ٹرکی کی داخلی حالت از حد ابتر ہو چکی تھی۔ سلطان وحید الدین اور اُن کے وزیر اعظم داماد فرید پاشا، ملک کو اُس قعر مذلت سے نکالنے کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے تھے جس میں وہ التواء جنگ کے بعد گر پڑا تھا۔ اتحادی سلطنتیں، معاہدۂ التوار کی کسی شرط کی بھی پابند نہ تھیں۔ برطانی، فرانسیسی، اور اطالی فوجیں، ٹرکی کی بہت سی سرحدوں پر قابض ہو گئی تھیں۔ پھر انہی اتحادیوں کے اشارے سے ۱۵ مئی ۱۹۱۹ء میں یونانی فوجیں سمرنا پر قابض ہو گئی تھیں۔ اسی قدر نہیں، بلکہ ٹرکی سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ تھریس سے دست بردار ہو جائے تاکہ وہاں جمہوری حکومت قائم کر دی جائے۔ کردستان کو خود مختاری دیدے۔ علاقۂ یونسوس کو آزاد کر دے اور اُس میں بھی ایک خود مختار حکومت بنجائے، جس کا پایۂ تخت، طرابزون ہو۔

"انجمن محبان انگریز"

استانبول، تمام سازشوں کا مرکز تھا۔ "انجمن محبان انگریز" سب سے زیادہ خطرناک سازشی مرکز تھا۔ یہ انجمن خود سلطان کی سرپرستی میں تھی۔ وزیر اعظم اور دوسرے ارکان سلطنت، اُس کے ممبر تھے۔ اس انجمن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ترکی قومی تحریک کو کچل ڈالے۔ فوج کی ابتری، آخری حد سے بھی تجاوز کر چکی تھی، لیکن وہ بدستور سلطان سے وفادار تھی۔ ملک میں یہ تحریک بھی پھیل رہی تھی کہ ٹرکی اب خود کچھ نہیں کر سکتا، لہٰذا کسی بڑی سلطنت سے امداد حاصل کرنا چاہئے۔ اس غرض کے لئے تین ذریعے لوگوں کے پیش نظر تھے:

"انگلستان کی سرپرستی قبول کر لی جائے۔ یا امریکہ کی حمایت منظور کر لی جائے۔ یا خود اندرون ملک میں مستعد حکومتیں قائم کر دی جائیں"

غازی کی ابتدائی مساعی

اس کے بعد غازی نے اپنی ذاتی کوششوں کی طرف اشارہ کیا:

"میرے دشمنوں نے مجھے آستانہ سے نکلوانے کی کوشش کی تھی میرے ماتحت پہلے تین فوجیں تھیں۔ نیز انگورہ اور دیار بکر کی فوجوں پر بھی مجھے نگرانی کا حق حاصل تھا۔ میں یہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ وطن مقدس، کسی اجنبی حکومت کی غلامی میں پڑے۔ اس حالت پر میں موت کو ترجیح دیتا تھا۔ میں نے فوراً یونان کے مقابلہ کی طیاری شروع کر دی۔ جون اور جولائی (۱۹۱۹ء) کے مہینوں میں اماسیا اور ارض روم کے شہروں میں میں نے کانفرنسیں منعقد کیں۔ لیکن میری سرگرمیاں دیکھ کر استنبول کے حکام سخت برہم ہو گئے علی کمال بک وزیر داخلیہ نے مجھے طلب کر کے کہا کہ باب عالی میری تجویز کا مخالف ہے۔

۳ جولائی کو میں نے اپنے دوستوں کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور صاف لفظوں میں اُن تمام خطروں سے آگاہ کر دیا جو میرے ساتھ قومی تحریک میں شرکت سے اُنھیں پیش آنے والے تھے لیکن اُنھوں نے نہایت بہادری سے سرگرم عمل رہنے پر اصرار کیا اور اخلاص و رفاقت کی قسمیں کھائیں۔

تب میں اپنے فوجی منصب سے مستعفی ہو گیا تاکہ آزادی سے جد و جہد جاری رکھ سکوں۔ لیکن ارض روم میں میرے دوستوں میں باہم ناچاقی پیدا ہو گئی۔ میں نے اُن سے صاف کہہ دیا کہ "تاریخ ثابت کر چکی ہے کہ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک ایک قابل مستقل مزاج، اور چست سردار کی اطاعت نہ کی جائے۔ ایسے نازک وقت میں اختلاف سے ہرگز کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا"

قومی حرکت کا دوسرا اقدام

قومی تحریک نے دوسرا قدم، سیواس کانفرنس سے اُٹھایا۔ اس کانفرنس میں تمام ترکی علاقوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے یہیں صاف طور پر یہ بات طے پا گئی کہ اتحادیوں، خصوصاً یونان کی مقاومت کی جائے اور ہر ممکن تدبیر سے ترکی سرزمین، اجنبی فوجوں سے پاک کی جائے۔

اُس موقعہ پر ایک فرانسیسی افسر نے سیواس میں آکر کہا کہ فرانس عنقریب اس وطنی تحریک کا سر کچل ڈالے گا! میں نے اُسے جواب دیا "سیواس پر تم ہرگز قبضہ نہیں کر سکتے۔ فرانس یا کوئی اور طاقت اگر ہماری تحریک کچلنا چاہتی ہے تو اُسے ایک طویل ہولناک جنگ کے لئے طیار ہو جانا چاہئے"

اسی کانفرنس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ امریکہ کی حمایت میں ٹرکی کو چلا جانا چاہئے۔ کپتان رؤف بک، جنرل رافت پاشا، خالدہ ادیب خانم (زوجۂ عدنان بک) اس تجویز کے سرگرم حامی تھے مگر میں نے ارکان مجلس سے درخواست کی کہ سر دست یہ مسئلہ ملتوی کر دیا جائے۔ میری درخواست منظور کر لی گئی۔

حکومت آستانہ اور سیواس کانفرنس

حکومت آستانہ، سیواس کانفرنس دیکھ کر گھبرا گئی اور قومی تحریک کا گلا گھونٹ دینے پر کمربستہ ہوگئی۔ اس مقصد کے لئے اُسنے صوبۂ معمورۃ العزیز کے حاکم علی غالب کو منتخب کیا۔ اُسے حکم دیا کہ مشرقی صوبوں کے تمام کردوں کو قومی تحریک کے خلاف کھڑا کردے۔ نیز ایک اجنبی افسر اُس کی مدد کے لئے مقرر کیا۔

علی غالب بک کو یقین تھا کہ وہ سیواس تک پہنچ سکتا ہے اور حکومت پر قابض ہوکے قومی تحریک کا خاتمہ کرسکتا ہے۔ لیکن ہم قومی کارکن پورے طور پر بیدار تھے۔ ہم نے بروقت ضروری تدابیر اختیار کیں۔ مجرموں کا تعاقب شروع کردیا۔ جلد ہی ان کی ہمتیں پست ہوگئیں اور اجنبی حمایت میں بھاگ کر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ نیز میں نے عام حکم صادر کردیا کہ کردستان میں اجنبی افسروں کی موجودگی قطعاً ممنوع ہے۔ الا یہ کہ اُن کے پاس ہماری خاص اجازت موجود ہو۔

پھر میں نے سلطان کو ایک طویل برقی پیغام بھیجا۔ اسمیں انتہائی تعظیم و تکریم کے الفاظ استعمال کئے اور درخواست کی کہ موجودہ خائن وزارت کو توڑ دیں اور ایک ایسی وزارت مرتب فرمائیں جو قومی آرزؤں کی موید ہو۔

ذیدیا شا یہ پیغام دیکھ کر بہت چراغ پا ہوئے۔ اُنھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ قومی کارکنوں کو بہت ڈرایا دھمکایا اور بالآخر آستانہ اور اناطولیہ کے مابین گفتگو کا سلسلہ ہی منقطع ہوگیا۔

سیواس کانفرنس کے بعد ہم نے پارلیمنٹ منعقد کرنے کی کوشش شروع کی۔ لیکن آستانہ کی حکومت اسے جمع ہونے دینا نہیں چاہتی تھی تاکہ قوم کی مرضی کے خلاف صلح حاصل کرسکے۔ یہ دیکھ کر ہم نے اپنے تمام عہدہ داروں کو حکم دے دیا کہ پوری مستعدی سے انتخابات کی طیاریاں شروع کردیں۔ نیز سیواس کانفرنس کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کمربستہ ہوگئے کہ اندرون ملک میں ایک نمائندہ جماعت، مجلس قومی کے نام سے قائم ہو اور جملہ معاملات وہی انجام دے، یہاں تک کہ ملک میں ایسی حکومت قائم ہوجائے جسپر قوم کو اعتماد ہو۔

اس جدوجہد میں ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اعتراضات، اختلافات، سوءظن، رشک وحسد کی کوئی حد نہ تھی۔ ساتھ ہی دشمنوں کی علانیہ عداوت اور خفیہ سازشوں نے اب اور بھی زیادہ زور کیا۔ ضرورت تھا کہ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کیا جائے اور سب کا سر کچل ڈالا جائے۔ ہم نے یہی کیا۔

اسی دوران میں ہر طرف سے سلطان پر تار برقیوں کی بارش ہوئی کہ فوراً اس خائن وزارت کو توڑ دیں۔ اسی دوران میں علی فواد پاشا مغربی میدان جنگ کے سپہ سالار اور انگریزوں میں جھگڑا پیدا ہوگیا۔ میں نے مداخلت کی اور پُرامن طریقہ پر تصفیہ ہوگیا۔ اس فیصلہ کی بنا پر انگریزی فوجیں، مرزنفون اور سامسون سمٹ گئیں۔

اب حکومت آستانہ کو یقین ہوگیا کہ اناطولیہ کی قومی تحریک کا مٹانا ناممکن ہے۔ اُس کے خلاف جتنی کوشش کی جاتی ہے، وہ اتنی ہی زیادہ مضبوط ہوتی جاتی ہے، لہٰذا اُسنے یہی مناسب سمجھا کہ سختی کے بجائے، نرم تدبیروں سے اُس کا خاتمہ کردے۔ چنانچہ مرحوم عبدالکریم پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ۲۷ اور ۲۸ ستمبر کی درمیانی رات کو ہم دونوں تاریکی کے آلہ پر گھنٹے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مگر کوئی سمجھوتہ نہ ہوسکا۔ اب داماد فرید پاشا کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تھا کہ وزارت کی کرسی خالی کردیں چنانچہ تین دن بعد وہ مستعفی ہوگئے۔

اُسی زمانے میں طرابزون کے بعض لوگ ایک وفد مرتب کرکے بطور خود سمجھوتہ کے لئے آستانہ جانے لگے۔ مگر اُنھیں روک دیا گیا اور طرابزون کے صوبہ دار کو قید کردیا گیا۔

اس کا جواب حکومت آستانہ نے یہ دیا کہ پھوٹ ڈالنے کے لئے بعض منافق اناطولیہ میں بھیجدیئے۔ مگر اسمیں اُسے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ اناطولیہ کی قومی مجلس نے آستانہ کے باشندوں کی اور زیادہ حمایت حاصل کرلی اور سلطانی حکومت کے شر سے انھیں باخبر کردیا۔ ہم نے یہی نہیں کیا بلکہ اُن پُرجوش ناعاقبت اندیش وطن پرستوں کی ناک میں بھی نکیل ڈال دی جو تسطنطنیہ پر حملہ کردینے اور تلوار کے زور سے فیصلہ حاصل کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ ہم نے ہر جگہ اپنی دعوت پھیلادی حتیٰ کہ دول اتحاد کے اہل الحل والعقد کو بھی، جو آستانہ میں موجود تھے، متاثر کردیا۔

علی رضا کی وزارت

ان کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سلطان نے ۲ر اکتوبر ۱۹۱۲ء کو علی رضا پاشا کی وزارت قائم کردی۔ علی رضا پاشا کا مسلک، فرید پاشا سے بالکل مختلف تھا۔ نئی وزارت، مفاہمت چاہتی تھی۔ مگر وہ بھی اس مفاہمت میں مخلص نہ تھی۔ وہ چاہتی تھی نرمی سے گلا گھونٹ دے۔

علی رضا پاشا نے مجھے مفاہمت کی دعوت دی۔ میں نے گفتگو کے لئے ۵ شرطیں پیش کیں:

(۱) اگر جدید وزارت، قومی آرزؤں کی موید ہوگی تو قومی مجلس بھی اُس کی تائید کرے گی۔

(۲) جدید وزارت، ملک کی قسمت کا کوئی فیصلہ اُسوقت تک نہ کرے، جب تک پارلیمنٹ منعقد نہ ہو اور حکومت پر اُس کی کامل اور آزاد نگرانی قائم نہ ہوجائے۔

(۳) صلح کانفرنس میں جو نمائندے جائیں، وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جن پر قوم اعتماد کرتی ہے۔

(۴) جدید وزارت، پوری صفائی سے اپنا مسلک ظاہر کردے۔

(۵) وہ تمام عہدہ دار، سپہ سالار برطرف کردیئے جائیں جو قومی تحریک کے مخالف ہیں۔ اُن کی جگہ وطن پر دو آدمی مقرر کئے جائیں۔

کئی دن تک گفت وشنید جاری رہی۔ علی رضا پاشا صرف زبان سے وعدہ کرتے تھے کہ ہماری شرطیں منظور کرتے ہیں۔ وہ ہمیں یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہمارے طرفدار ہیں۔ جمال پاشا مرسینی کو وزارت میں اسی لئے داخل کیا تھا کہ قوم کو غلط فہمی میں ڈال سکیں۔ کیونکہ جمال پاشا مرسینی، قومی آدمی خیال کئے جاتے تھے۔

لیکن ہم دھوکا نہیں کھا سکتے تھے۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ گفتگو سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو ہماری قومی مجلس بدستور قائم رہی۔ اس کی بیداری اور مستعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد پورے اناطولیہ پر اُس کی حکومت قائم ہوگئی۔ ساتھ ہی ہماری خفیہ انجمنیں ہر طرف پھیل گئیں۔ خود آستانہ اور سمرنا میں بھی ہم متعدد طاقتور انجمنیں قائم کرسکے۔ ان کوششوں کا اصلی مقصد یہ تھا کہ ہم انتخابات میں کامیابی حاصل کرلیں۔ ہم چاہتے تھے پارلیمنٹ، آستانہ کے بجائے اناطولیہ کی سرزمین میں منعقد ہو۔

اُسی زمانے میں امریکن جنرل ہاربرڈ اناطولیہ میں سیاحت کر رہا تھا۔ اُسنے مجھ سے سیواس میں ملاقات کی اور سوال کیا:

"اگر تمام قربانیوں کے بعد بھی قوم کوئی نتیجہ حاصل نہ کرسکی تو کیا کروگے؟"

میں نے جواب دیا:

"اگر قوم تمام قربانیاں کرے گی تو ضرور کامیاب ہوجائے گی۔ لیکن اگر اسپر بھی کامیاب نہ ہو تو معنی یہ ہونگے کہ قوم مرگئی!"

اس کے بعد غازی نے رُوفت پاشا کی مذمت کی۔ کہا:

"میں نے اُنھیں حکم دیا کہ صوبۂ قونیہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ مگر اُنھوں نے مجھ سے منصب کی ترقی کا مطالبہ کیا۔ پھر میں نے اُنھیں بولو کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجنا چاہا، مگر اُنھوں نے دوبارہ منصب کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ یہ وہ وقت تھا جب میں خود تمام مناصب سے برخواست کردیا گیا تھا اور مجھے پھانسی کی سزا کا حکم مل چکا تھا!"

علی رضا پاشا نے ایک چال اور چلنا چاہی۔ صالح پاشا کو مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے آمادہ بھیجا۔ مگر عین اُسی وقت سیواس میں شورش بھی پیدا کردی۔ یہ شورش انجمن محبان انگریز کی کوششوں سے برپا ہوئی تھی۔ اس علاقے میں انجمن کا روح رواں ایک انگریز راہب "فردہ" نام تھا۔ سیواس کی طرح ادابازار، بردسہ میں بھی شورش نے ظہور کیا۔ مگر ہم نے بروقت سب کا خاتمہ کردیا۔

میں اس بات پر مصر تھا کہ پارلیمنٹ، اناطولیہ میں منعقد ہو لیکن احمد عزت پاشا، جمال پاشا مرسینی، احمد عبوق پاشا اسکے خلاف تھے۔ صالح پاشا کی مجھ سے گفتگو اس سمجھوتہ پر ختم ہوئی کہ طرفین نے اناطولیہ، اطنہ، سمرنا اور آدرنہ کو ترکی قومی وطن تسلیم کرلیا۔ اُس کی تقسیم و تجزی کو ناجائز قرار دیا۔ سلطنت وخلافت کے برقرار رہنے پر اتفاق کرلیا۔ نیز یہ طے پاگیا کہ پارلیمنٹ کے انتخابات پوری آزادی کے ساتھ جاری ہوں۔

ہم نے علی رضا پاشا کی حکومت سے یہ بھی سنوالیا کہ فرانسیسیوں سے جنگ کی جائے۔ جنھوں نے انگریزوں کے بعد اطنہ پر قبضہ کرلیا تھا اور اجنبی جاسوسوں کو قطعی طور پر شرارت پھیلانے سے روک دیا جائے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ کوئی ایسی صلح قبول نہیں کی جائے جسے مجلس قومی نامنظور کرے۔ اس کے مقابلے میں ہم نے مان لیا کہ پارلیمنٹ آستانہ ہی میں منعقد ہو۔

قومی مجلس انگورہ

۲۴ دسمبر ۱۹۱۹ء میں ہماری قومی مجلس سیواس سے انگورہ میں منتقل ہوگئی کیونکہ اب ضرورت تھی کہ ہم یونانی میدان جنگ سے قریب ہیں۔

پارلیمنٹ، آستانہ میں منعقد ہوئی، مگر اتحادیوں نے اُسے جبراً بند کردیا۔ میں نے پارلیمنٹ کو انگورہ میں جمع ہونے کی دعوت دیدی۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوگیا تھا کہ اتحادی، پارلیمنٹ کے ممبروں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے ممبروں کو متنبہ کردیا اور فوراً انگورہ چلے آنے پر زور دیا۔ مگر اُنھوں نے میری نصیحت قبول نہیں کی اور قید ہوگئے۔

اُسی زمانے میں جمال پاشا مرسینی نے کوشش کی کہ اناطولیہ کی قومی تحریک پر قابض ہوجائیں۔ قومی فوج پر اپنے طرفدار افسر مقرر کردیں۔ مگر اُنھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ پھر اُنھوں نے اتحادیوں کے دباؤ سے مجبور ہوکر چاہا کہ ترکی فوج، یونانیوں کے مقابلے سے ہٹ جائے۔ مگر اُن کی یہ کوشش بھی رائگاں گئی۔

جب پارلیمنٹ کے ممبر انگورہ پہنچے تو میں نے اُنھیں باہمی اتحاد کی نصیحت کی۔ میں چاہتا تھا پارلیمنٹ کا صدر مجھے منتخب کیا جائے، تاکہ میں جب چاہوں، اُسے اناطولیہ میں طلب کرسکوں مگر اُسوقت ارکان مجلس، اتحادیوں کے خوف سے اس کی جرأت نہ کرسکے۔

اب بہت سی نئی مشکلات پیدا ہوگئی تھیں۔ ہمیں سب پر غالب آنا تھا۔ میں نے ترکی میں اور تمام اسلامی ممالک میں اعلان شائع

کئے۔ ٹرکی میں جو اعلان شایع کیا تھا، وہ اس عبارت سے شروع ہوتا تھا "آزادی کی اس مقدس جنگ میں خدا ہمارے ساتھ ہو!"

اسی زمانے میں عسکی شہر اور افیون قرہ حصار سے ہم اتحادی فوجیں نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔ ریلوے بھی کئی جگہ سے توڑ ڈالی گئی۔ نئی مجلس وطنی بھی منعقد ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کا ہے۔

اس کے بعد غازی نے رأفت پاشا کا پھر ذکر کیا۔ اُنھوں نے کہا

"میں نے اُنھیں سمرنا کے میدان جنگ میں جانے کا حکم دیا۔ مگر اُنھوں نے تعمیل نہیں کی۔ اسی قدر نہیں بلکہ ایک فرانسیسی آب دوز پر خفیہ آستانہ چلے گئے۔ آج تک معلوم نہ ہوسکا اس سفر کی غرض کیا تھی؟"

اس کے بعد کاظم قارا بکر پاشا کی مذمت کرتے ہوئے غازی نے کہا:

"یہ مجلس وطنی کے سپرد اس سے انگورہ آنے پر معترض تھے۔ پھر جب آستانہ میں پارلیمنٹ منعقد ہوئی تو انھوں نے زور دیا کہ مجلس وطنی توڑ دی جائے۔ لیکن میں نے اُن کے مشورہ کی کوئی پروا نہیں کی"

اس کے بعد غازی نے وہ روداد پڑھی جو مشہور خائن سعید ملا، انگریز راہب فرد کو بھیجا کرتا تھا۔ پھر بتایا کہ نورالدین بک قسطنطنیہ کا پولیس کمشنر انگریز جاسوسوں کو پناہ دیتا تھا۔

اس کے بعد غازی نے اس سلسلہ پر روشنی ڈالی کہ مجلس وطنی کی تاسیس کے بعد موجودہ سیاسی مسلک کیونکر اختیار کیا گیا؟ اُنھوں نے کہا:

"اُس وقت تین سیاسی رجحان ملک میں موجود تھے: پان اسلامزم، پان تورانیزم، ترکی قومیت۔ میری لئے اسی آخری رجحان کی طرف تھی۔ یہ اس لئے کہ جملہ ترکی قوموں کا ایک عَلم کے نیچے جمع ہوجانا ناممکن ہو۔ اسی طرح تورانی تحریک یا اسلامی تحریک پر بھروسہ کرنا ایک ہم اور جنون تھا۔ لہذا ہمارے لئے اس کے سوا کوئی راہ باز نہ تھی کہ اپنی خالص قومی تحریک پر تکیہ کریں۔ ہمارے لئے ایک قومی سیاست ضروری تھی۔ قومی سیاست سے مقصود، وہ زندگی ہو جو سب سے پہلے قوم کی قوت پر قائم ہو۔ پھر تمام متمدن دنیا کی ہمدردی حاصل کرسکے"

جب میں نے مجلس وطنی کے سامنے اپنا یہ نقطۂ نظر پیش کیا، تو یہ بحث شروع ہوئی کہ آخر حکومت کی شکل کیا ہونی چاہیے۔ اُس وقت سلطان اور خلیفہ آستانہ میں موجود تھا۔ بہت سے لوگ اُسے معذور اور بے گناہ سمجھتے تھے۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تجویز بنائی جائے جو حالات کے مناسب ہو۔ چنانچہ یہ تجویز منظور کی گئی:

"مجلس وطنی سے بالا کوئی قوت تسلیم نہ کی جائے۔ مجلس وطنی میں تشریعی اور تنفیذی دونوں قوتیں جمع ہیں۔ جب سلطان اور خلیفہ، قید سے آزاد ہوگا اُس وقت اُس کی وہ حیثیت ہوجائے گی جو مجلس وطنی طے کرے گی"

فرید پاشا کی وزارت

پھر مجلس وطنی کے انتخابات پیش گئے اور میں اُس کا صدر منتخب کیا گیا۔ عین اُسی زمانے میں سلطان وحید الدین نے ہماری صدر فرید پاشا کو دوبارہ وزیر اعظم بنا دیا۔ ہماری قومی حکومت کے خلاف فتوے شایع کئے گئے اور دشمن کے ہوائی جہازوں سے تمام ملک میں تقسیم کئے گئے۔ اب ہر طرف شورش پیدا ہوئی۔ خفیہ اور علانیہ قومی حکومت پر یورش شروع ہوئی۔ بولو، ادابازار، مشرقی انگورہ، توقاد، یوزغاد اردنہ، سیوہ رک، ایلغین، قونیہ، غرضکہ تمام علاقوں میں مسلح بغاوت برپا ہوگئی۔ پھر فوراً ہی ازمیت میں جیش خلافت نے ظہور کیا اور قومی حکومت مجبور ہوئی کہ ان تمام فتنوں سے بیک وقت جنگ کرے چنانچہ خیانت وطنی کا قانون بنایا گیا اور "محاکم استقلال" مرتب کردئے گئے ساتھ ہی یونانی سیلاب کے روکنے کے لئے سمرنا میں اور فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لئے اطنہ میں میدان جنگ قائم کئے گئے۔ ہماری کوشش جلد بار آور ہوئیں۔ اطنہ، طرطوس، اور مرسین میں ہم نے فرانسیسیوں کا محاصرہ کرلیا اور فرانس کو ہماری تمام سرزمینیں خالی کردینی پڑیں۔

ساتھ ہی مجلس وطنی نے اپنا ایک وفد روس بھی بھیجا۔ پورے ایک برس تک گفت وشنید جاری رہی۔ یہاں تک کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں ماسکو سے ہمارے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔

جون ۱۹۲۱ء میں یونانیوں نے حملہ شروع کیا۔ قومی فوج مجبور ہوئی کہ پیچھے ہٹ جائے۔ اُس وقت میں خود میدان جنگ گیا۔ علی فواد پاشا کی زیر قیادت عسکی شہر اور افیون قرہ حصار کے خط پر از سر نو مورچے قائم ہوگئے۔

دو نئی مشکلیں

اسی اثنا میں دو نئی مشکلات پیدا ہوئیں: ایک مشکل "سبز فوج" کی تھی۔ یہ ایک خفیہ انجمن تھی اور اہم چرکسی کے ماتحت تھی۔ دوسرا معاملہ جلال الدین عارف بک کا تھا۔ انھوں نے چاہا کہ مشرقی صوبوں میں اپنے لئے ایک خاص حیثیت پیدا کرلیں۔ مگر ہم ان دونوں مشکلوں پر بھی غالب آگئے۔

ارمنی فتنہ

اُسی دوران میں اتحادیوں کے اشارے سے ارمن قوم نے سر اُٹھایا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا۔ اب ہمیں اس نوعیت کا بھی مقابلہ کرنا تھا۔ چنانچہ ہماری فوجیں متحرک ہوئیں۔ ارمنوں کی اچھی طرح گوشمالی کی اور قارص پر قبضہ کرلیا۔ پھر ارمنوں کو مجبور کیا کہ صلح کی درخواست کریں۔ اس کا نتیجہ معاہدہ کومرد کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس معاہدہ کی رُو سے ترکی سرحدیں وہی ہوگئیں جو ۱۸۷۶ء میں تھیں اس طرح ارمنی خطرہ بالکل زائل ہوگیا۔ روس نے بھی یہ معاہدہ قبول کرلیا بشرطیکہ باطوم اُس کے حوالہ کردیا جائے۔ اس تدبیر سے ہم مشرق کی طرف سے کلیتہً مطمئن ہوگئے۔

قونیہ کی بغاوت

اس کے بعد قونیہ میں پھر بغاوت ظاہر ہوئی۔ ہم مجبور ہوئے کہ از سر نو ایک فوج مرتب کریں۔ اہم چرکسی نے اس امر کی مخالفت کی اور جب ہم نے اُس کی پروا نہیں کی تو وہ یونان سے مل گیا۔ اب ایک مرتبہ پھر قومی فوج پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگئی۔ ہم نے فوراً علی فواد پاشا کو میدان جنگ سے واپس کرکے ماسکو کی سفارت پر بھیجا اور عصمت پاشا اور رأفت پاشا کو سپہ سالار مقرر کیا۔

عین اسی زمانہ میں داماد فرید پاشا پھر معزول ہوگئی اور توفیق پاشا صالح پاشا کے ساتھ برسر حکومت آئے۔ اُنھوں نے اناطولیہ مفاہمت کے لئے ایک وفد بھیجا۔ یہ وفد اُس وقت پہونچا جب عصمت پاشا این آدنی میں یونان کو شکست دے چکے تھے۔ یہ قومی حکومت کی پہلی فتح تھی۔ لیکن اس فتح کے بعد ہی یونانیوں نے علی اہم چرکسی کی اعانت سے کوتاہیہ پر حملہ کردیا اور ہماری فوجوں کو پھر پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ صورت صرف اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ رأفت پاشا بروقت دشمن کے محاصرہ کے لئے میدان جنگ میں نہیں پہنچے تھے۔

لندن کانفرنس

اس کے بعد لندن کانفرنس منعقد ہوئی اور اُس میں حکومت انگورہ بھی مدعو کی گئی۔ مگر میں نے وزیر اعظم توفیق پاشا سے مطالبہ کیا کہ وہ دول اتحاد سے کہدیں کہ براہ راست حکومت انگورہ کانفرنس میں بلائی جائے، کیونکہ ٹرکی میں تنہا وہی حکومت موجود ہو۔ ساتھ ہی وزیر اعظم کو مجلس وطنی کی حسب ذیل دو تجویزوں سے مطلع کردیا:

(۱) مجلس وطنی، سلطان کی ذات شاہانہ کو تسلیم کرتی ہو۔

(۲) سلطان کا قیام، آستانہ میں رہے، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ کا مرکز، انگورہ میں رہوگا۔

لیکن توفیق پاشا اور سلطان نے یہ تجویزیں تسلیم نہیں کیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے لندن میں اپنا علحدہ وفد بھیجا اور کانفرنس کی شرطیں نامنظور کردیں۔

اسی اثنا میں یونانیوں نے دوبارہ حملہ شروع کیا۔ لیکن پھر عصمت پاشا کے ہاتھوں شکست کھائی۔ گرد وملو جنا میں رأفت پاشا سے سخت مقابلہ جاری رہا۔ آخر ہم نے رأفت پاشا کو واپس بلالیا اور عصمت پاشا پورے میدان کے سپہ سالار مقرر ہوگئے۔

جعفر طیار اور رأفت پاشا

غازی نے جعفر طیار پاشا کا ذکر کیا جو مشرقی تھریس میں قومی تحریک کے علمبردار تھے:

"اُنھوں نے کوئی قابلیت بھی ظاہر نہیں کی۔ اُس علاقہ میں تحریک کی ناکامی کے سراسر ذمہ دار وہی ہیں۔ تاریخ اُنھیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ بغیر کسی مقابلہ کے دشمن کے ہاتھ میں قید ہوگئے!"

اس کے بعد مقرر نے رأفت پاشا کا پھر ذکر کیا:

"رأفت پاشا نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ فوزی پاشا، وزیر جنگ بنائے جائیں، عصمت پاشا، میدان جنگ کے سپہ سالار ہوں اور وہ خود (یعنی رأفت پاشا) جنگی اسٹاف کے صدر مقرر کئے جائیں"

میں نے اُنھیں حسب ذیل جواب دیا:

"آپ جنگی اسٹاف کے صدر بننا چاہتے ہیں؟ جنگی اسٹاف کی صدارت کے معنی یہ ہیں کہ عملی طور پر پورے میدان جنگ کی سپہ سالاری۔ لیکن آپ میں اس کی ہرگز قابلیت نہیں ہوا"

اس کے بعد رأفت پاشا گوشہ نشین ہوگئے اور پھر کچھ بھی نہیں کیا۔

کامل فتح

تین مہینے سکون کے بعد ۲۶ اگست ۱۹۲۲ء کو یونانیوں نے بہت بڑے پیمانہ پر عشاق اور بروسہ کی طرف حملہ شروع کیا۔ ۱۴ دن سخت معرکہ جاری رہا۔ آخر ترکی فوجیں پیچھے ہٹنے لگیں اور دریائے سقاریا کے اس پار آکر رکیں۔

مجلس وطنی، ترکی فوجوں کی واپسی سے سخت پریشان ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ خود اپنے ہاتھ میں سپہ سالاری لے لوں۔ میں نے اس شرط پر یہ منصب قبول کرلیا کہ مجلس مجھے وہ تمام اختیارات بھی بخش دے جو اُسے فوج پر حاصل ہیں۔ مجلس نے یہ شرط منظور کرلی اور تین مہینے کے لئے اپنے اختیارات مجھے عطا کردئے۔

میں نے کمان اپنے ہاتھ میں لی، اور سقاریا کا وہ معرکہ پیش آیا، جسنے حملہ آور یونانیوں کی کمر توڑ ڈالی۔ تب مجلس وطنی نے مجھے "مارشل" کا خطاب دیا۔ ساتھ ہی "غازی" کا لقب بخشا۔ اس فتحمندی کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ فرانس نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہم سے معاہدہ کرلیا۔ ٹرکی کی کامل خود مختاری تسلیم کرلی اور اُن تمام علاقو سے دست بردار ہوگیا جو جنوبی اناطولیہ میں اُس کے قبضہ میں تھے۔

اُنہی دنوں میں یونانیوں نے بحر اسود پر ترکی علاقے میں اپنی جمہوریت قائم کرنا چاہی۔ بعض یورپین سلطنتیں اُن کی ہمت افزائی کررہی تھیں۔ ۲۵ ہزار فوج یونانیوں کی تائید پر تھی۔ مگر ہم نے اس فتنہ کا بھی سر کچل ڈالا۔

۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں خود مجلس وطنی کے اندر مخالفت نے زور پکڑا۔ مخالفت کے سرگروہ رؤف بک اور قرہ واصف بک تھے۔ رأفت پاشا کا میلان بھی اسی جماعت کی طرف تھا جو از سر نو اپنا

اور فتح سے ناامید تھی۔ حالانکہ اب ہم کافی طاقتور تھے۔ ۱۹۲۲ء کا جولائی ابھی آیا بھی نہ تھا کہ ترکی فوج، [illegible] کے لئے کمربستہ ہوگئی اور دشمن کے مقابلہ پر ۲۰ فوجوں نے حرکت کی۔ اب ہماری جنگی طاقت، دشمن کے برابر تھی۔ لیکن ہوائی جہاز اور توپیں اُسکے پاس ہم سے زیادہ تھیں۔ مغربی میدان جنگ کے ۲ حصے کر دئے گئے ایک حصہ نورالدین پاشا کی قیادت میں تھا اور دوسرا یعقوب پاشا کے سپرد کیا گیا۔ عصمت پاشا، سپہ سالار عام تھے۔

چند ہی آدمیوں کو اصلی حالات کا علم تھا۔ عام طور پر مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ مگر ہم بالکل مطمئن تھے، کیونکہ اپنی قوت سے واقف تھے۔ اچانک ۲۶ اگست کو ہم نے حملہ شروع کیا اور صرف ۵ دن کے اندر دشمن کا قلع قمع کر ڈالا! تمام دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اب ہماری مظفر و منصور فوجوں نے تھریس اور استنبول کی طرف پیشقدمی شروع کی۔ دول اتحاد ہماری مقاومت پر اُٹھیں۔ ہم نے کہا اگر یونان، تھریس اور ادرنہ سے دست بردار ہو جائے تو ہماری فوجوں کو آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح تھریس اور آستانہ بھی آزاد ہو گیا!

دوعملی کا خاتمہ

پھر لوزان کانفرنس منعقد ہوئی۔ لیکن اتحادیوں نے قومی حکومت پر پھر ایک ضرب لگانا چاہی۔ اُنھوں نے صلح کانفرنس میں حکومت آستانہ کو بھی دعوت دی۔ اب میں مجبور ہوا کہ اس دوعملی کا خاتمہ کر دوں چنانچہ میں نے مجلس وطنی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"سیادت، دی نہیں جاتی، لی جاتی ہے۔ آل عثمان نے یہ سیادت، غصب کر لی تھی۔ لیکن اب قوم نے واپس لے لی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ اب ہمیں اس کا اعتراف کر لینا چاہئے۔ مجھے یقین ہے یہاں جتنے آدمی جمع ہیں، سب یہ اعتراف کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ اعتراف نہ بھی کریں تو حقیقت بہرحال عنقریب روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گی"

اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس وطنی نے سلطنت کو خلافت سے الگ کر دیا۔ شخصی فرمانروائی کا خاتمہ کر دیا۔ آخری سلطان نے یہ دیکھا تو بدحواس ہو کر اجنبی حمایت میں پناہ لی اور ٹرکی سے بھاگ گیا۔

اس طرح وحیدالدین، منصب خلافت سے ہٹا دیا گیا اور اُس کی جگہ عبدالمجید آفندی کا انتخاب ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو عمل میں آیا پھر لوزان میں صلح کانفرنس شروع ہوئی۔

اس اثنا میں میں نے تمام اناطولیہ کا دورہ شروع کیا۔ عام باشندوں سے طویل گفتگو کی اور تمام داخلی اور خارجی معاملات، کاشت کاروں پر واضح کرنا شروع کئے۔

"شاہ پسندوں کی تحریک"

عین اُسی وقت شاہ پسندوں نے بھی اپنی تحریک پھیلانا شروع کی۔ وہ کہتے تھے خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے۔ ترکی قوم خدا کی تلوار ہے جسے خلیفہ، خلافت کے مقاصد میں استعمال کرتا ہے لیکن میں اس خیال کا مخالف تھا۔ میں کہتا تھا یہ محض اوہام ہیں۔ اگر خلیفہ، دنیا بھر کے مسلمانوں کا سلطان ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ صرف ایک ترکی ہی قوم، اُس کی تلوار بنے۔ پھر ترکی قوم اپنا خون، پوری فیاضی سے صدیوں بہا چکی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ وہ اپنے بقاء وحیات کی فکر کرے اور اوہام سے باز آجائے۔ یہی مختلف دعائیں منصب خلافت کی منسوخی کا سبب بنیں"

موجودہ دورِ حکمرانی

اس کے بعد مقرر نے موجودہ ترکی حکمرانی کی اس طرح تشریح کی:

"۲۱ اپریل ۱۹۲۴ء کے قانون اساسی میں لکھا گیا ہے کہ ترکی سلطنت کا سرکاری دین، اسلام ہے۔ لیکن اب یہ جملہ حذف کر دینا ہوگا۔ کیونکہ ہماری جدید جماعت کے قانون میں خلافت کی منسوخی، جمہوریت کا اعلان، شرعی اُمور کی وزارت، دینی مدارس کی بندش خانقاہوں کی منسوخی، اور ترکی ٹوپی کی موقوفی، یہ تمام باتیں داخل ہیں۔ شروع شروع اس کا اعلان اس لئے نہیں کیا گیا کہ ہم قول سے پہلے عمل کو پسند کرتے ہیں!

جب عصمت پاشا لوزان سے پہلی مرتبہ واپس آئے تو مخالفین نے اُن پر بڑی سختی سے حملہ شروع کیا۔ لہذا میں نے از سر نو انتخابات کا فیصلہ کر دیا۔

ایک دن رات کو رؤف بک میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ رأفت پاشا کے مکان پر لے گئے۔ وہاں علی فواد پاشا بھی موجود تھے۔ رؤف بک نے مجھ سے کہا:

"میں آل عثمان اور سلاطین آل عثمان سے وابستہ ہوں۔ میں اُنہی کا پروردہ ہوں۔ سلطنت اور خلافت، وہ درجے ہیں جن تک ہر آدمی پہنچ نہیں سکتا۔ اگر یہ منصب منسوخ کر دئے جائیں گے تو ملک ہولناک مصائب میں مبتلا ہو جائے گا!"

رأفت پاشا نے اُن کی تائید کرتے ہوئے کہا "ہم شاہی فرمانروا کے بغیر اس سرزمین پر زندہ ہی نہیں رہ سکتے!" علی فواد پاشا نے کہا "میں نے اب تک اس معاملے میں کوئی غور نہیں کیا ہے"

میں نے ان لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کہا اب تک یہ مسئلہ معرض بحث میں نہیں آیا ہے۔ لہذا یہ گفتگو قبل از وقت ہے لیکن جب وہ وقت آیا تو بلا کسی مشکل کے سلطنت اور خلافت میں تفریق کر دی گئی۔ خلیفہ عبدالمجید سے ہم نے مطالبہ کیا کہ اپنے نام سے ایک اعلان شایع کریں اور اپنے خائن پیشرو کے اعمال کی مذمت کریں مگر اُنھوں نے اس سے قطعی انکار کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اپنے دستخط ان لفظوں میں کرنے پر اصرار کیا "خلیفہ رسول اللہ عبدالمجید بن عبدالعزیز خاں" اُسی زمانہ میں رأفت پاشا نے خلیفہ عبدالمجید کو ایک گھوڑا ہدیۃً پیش کیا۔ اُنھوں نے اُسے قبول کر لیا تو رأفت پاشا نے اسے "لطف الٰہی" قرار دیا!"

سابق خلیفہ عبدالمجید کی فرانسیسی شادی

جنیوا کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سابق خلیفہ عبدالمجید آفندی عنقریب پیرس کی ایک حسین دوشیزہ سے شادی کرنے والے ہیں۔ اس عورت کا نام "جولیٹ لیبان" ہے۔ ایک فرانسیسی سرمایہ دار کی لڑکی ہے جو سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہے۔ عبدالمجید کی عمر آدھی سے زیادہ ختم ہو چکی ہے۔ بڑھاپا آگیا ہے۔ مگر دوشیزہ کی عمر صرف ۲۲ برس ہے۔

خلیفہ کے محل میں ۵۰۰ عورتیں تھیں۔ مگر شریعت اسلامیہ کے بموجب ان میں سے صرف چار اُن کی شرعی بیویاں تھیں۔ ان چار میں سے دو مر چکی ہیں۔ ایک نے پیرس میں خودکشی کر لی دوسری اٹلی میں ایک ریل کے حادثہ میں مر گئی۔

سلطان عبدالمجید اس وقت جنیوا کے مضافات میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں بالکل گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے مصاحبوں میں سے صرف گیارہ آدمی ساتھ ہیں۔ اُن کا سالانہ وظیفہ جو ترکی حکومت نے دینا منظور کیا ہے، صرف اٹھارہ ہزار پونڈ ہے۔ لیکن اُن کی جائداد کی آمدنی اس سے کئی گنی زیادہ ہے۔ اس لئے وہ اپنی جلاوطنی میں بھی آرام کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

پیرس کی دوشیزہ نے ایک اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"میں نے اور سلطان نے پوری کوشش کی کہ ہماری منگنی مخفی رہے لیکن یہ راز کسی طرح فاش ہو گیا۔ مجھے یقین ہے ہم دونوں نہایت پُرمسرت زندگی بسر کر سکیں گے۔ بلاشبہ سلطان کی عمر زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ میرے دادا معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس سے میرے دل کے تعلق پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ سلطان نے وعدہ کیا ہے کہ "ہنی مون" رویرا کے ساحلوں پر گذار کے پیرس میں ساتھ رہیں گے"

"تمھیں معلوم ہے کہ اب سے پہلے سلطان کے پاس ۵۰۰ عورتیں تھیں؟" نامہ نگار نے سوال کیا۔

"ہاں میں جانتی ہوں" نازنین نے جواب دیا "لیکن مجھے اس سے کیا سروکار؟ عقلمند عورت کبھی اپنے شوہر کے پرانے حالات نہیں کریدتی۔ یہ عقل اور ادب، دونوں کے خلاف ہے!"

تھوڑے وقفہ کے بعد اُسنے اتنا اور اضافہ کیا:

"جس مرد کے پاس اب سے پہلے ۵۰۰ عورتیں رہ چکی ہیں وہ ضرور جانتا ہوگا کہ ایک عورت کو کس طرح خوش رکھ سکے؟"

عبدالمجید آفندی اس شادی کے لئے وسیع پیمانے پر طیاری کر رہے ہیں۔ لیکن اب تک اُس کی تاریخ اور شادی کا مقام کسی کو معلوم نہیں ہے۔

عظیم الشان توأم ستارہ

پچھلے دنوں امریکن ڈاکٹر جی۔ ایس۔ بلاسکٹ نے ایک عجیب کوکب دریافت کیا ہے۔ یہ ستارہ توأم ہے۔ یعنی جڑواں ہے۔ ۲ ستارے ایک ساتھ ہیں۔ ملتہب گیس سے مرکب ہیں۔ اس گیس کی حرارت پگھلے ہوئے لوہے کی حرارت سے بارہ گنی زیادہ ہے۔ ایک ستارہ بڑا ہے۔ دوسرا چھوٹا ہے۔ چھوٹے کی روشنی آفتاب کی روشنی سے ۱۲،۵۰۰ گنی زیادہ ہے۔ اور قطر، زمین کے قطر سے ۲،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ دونوں کا حجم، زمین کے حجم سے ۸،۰۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ حرکت کا دائرہ، بیضاوی شکل کا ہے اور دائرہ ۱۷،۳۰،۰۰،۰۰۰ میل طویل ہے۔ ایک ہفتہ میں وہ یہ مسافت طے کر لیتے ہیں۔ رفتار کی سرعت ہر منٹ میں ۱،۵۳،۱۲۸ میل ہے۔

خواجہ حسن نظامی
کا
ہفتہ وار انگریزی اخبار
ینگ مسلم دہلی
تبلیغ کا حامی۔ مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا معاون اور تمام اسلامی مطالبات کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنے والا۔ سالانہ قیمت پانچ روپے۔ طالب علموں سے چار روپے
ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو پڑھنا چاہئے
مینجر ینگ مسلم دہلی

عالمِ مطبوعات و صحائف

تاریخ کا سب سے بڑا اسونگ

نام نہاد "مجلس اقوام" اور چھوٹی قومیں

حال میں امریکن اخبارات کا ایک سربرآوردہ نمائندہ مجلس اقوام کی کارروائیوں کا مطالعہ کرنے جنیوا گیا تھا۔ واپسی کے بعد اسنے امریکن اخبارات میں حسب ذیل تاثرات شایع کئے ہیں:

"یہ انجمن، صرف دول عظمیٰ نے اپنی دلچسپی اور خود غرضی کے لئے بنائی ہے۔ تمام چھوٹی سلطنتیں ان کے جور و استبداد سے فریاد کر رہی ہیں مظلوم قوموں کو یہاں ذبح کیا جاتا ہے اور اُن کی کھال کھینچکر قہقہے لگائے جاتے ہیں۔ کمزور قوموں کی فریادیں، ردی کی ٹوکری میں ڈال دیجاتی ہیں اور وہ مجلس اقوام کو لعنت کرتی، روتی پیٹتی نامراد لوٹ جاتی ہیں۔

"یہ انجمن کچھ مفید ہو سکتی تھی اگر دول عظمیٰ اپنی سازشی طبیعت بدل ڈالتیں۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ سازش اُنکے خمیر میں داخل ہو چکی ہے انجمن کی تمام رکن سلطنتیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں اور اب چھوٹی سلطنتیں بغاوت پر طیار ہو گئی ہیں۔ چنانچہ انجمن کے آٹھویں سالانہ جلسہ میں انھوں نے اپنے غصے اور نفرت کا علانیہ مظاہرہ کر دیا۔ سویڈن، ہالینڈ، پولینڈ، فنلینڈ، لیتھونیا، اسطونیا وغیرہ نے ہلکر بڑی لے دے کی۔ اُنھوں نے صاف لفظوں میں کہدیا۔ "دول عظمیٰ نے امن و امان کی کشتی، جان بوجھکر غرق کر دی ہے۔ وہ تمام اضطراب اور بےچینی واپس لے آئی ہیں جو گزشتہ جنگ کا سبب تھی۔ وہ باہم سازشیں کرتی ہیں۔ خفیہ معاہدے طیار کرتی ہیں اور وہ تمام خطرناک کام کر رہی ہیں جو مجلس اقوام کے مقاصد سے قطعی مخالفت رکھتے ہیں"

"چھوٹی قوموں کی بغاوت کا علم ہالینڈ بلند کیا۔ اسنے مطالبہ کیا کہ ۱۹۲۶ء والا جنیوا کا پروٹوکول زندہ کیا جائے جس کی رُو سے جبری تحکیم ہتیاروں کی تقلیل اور چھوٹی سلطنتوں کی زبردست سلطنتوں سے حمایت ضروری ہے۔ ہالینڈ کی اس تجویز کی سویڈن نے تائید کی اور اُس کے نمائندے نے تصریح کی کہ اسوقت بعینہ وہی مسلک، دُول عظمیٰ نے اختیار کر لیا ہے جو گزشتہ جنگ کا سبب ہوا تھا اور آئندہ بھی ایک بہت زیادہ ہولناک جنگ کا موجب بنے گا۔

"پولینڈ نے اس کی تائید کرتے ہوئے تجویز کی کہ مجلس اقوام، جنگ کی حرمت کا قطعی فیصلہ صادر کرے۔ لیتھونیا اور فنلینڈ نے تجویز کی کہ تمام سلطنتیں اس بات کا عہد کریں کہ ہر مظلوم سلطنت کو مالی مدد بھی دیں گی تاکہ وہ اپنی مدافعت پوری طرح کر سکے۔ فنلینڈ کے وزیر خارجیہ نے بیان کیا کہ گزشتہ سال یورپ نے اپنے جنگی سامان پر ۹۰۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ خرچ کئے ہیں۔ یہ بعینہ اتنی ہی رقم ہے جتنی ۱۹۱۳ء میں اُسنے خرچ کی تھی، جس سے جنگ عمومی کا ظہور ہوا۔ یورپ کی اسوقت مجموعی جنگی قوت ۱۴،۰۵۰،۰۰۰ سپاہی ہیں۔ یعنی ۱۹۱۳ء میں یورپ کے پاس جتنی فوج تھی، اُس سے اسوقت تھوڑی ہی کم ہے۔

حالانکہ معلوم ہے جنگ عمومی میں جن سلطنتوں نے شکست کھائی تھی، اُن کے ہتیار چھین لئے گئے ہیں اور اُن کے پاس کوئی فوج بھی نہیں ہے۔

"خود مجلس اقوام کے صدر سینور انریکیز دلگز کو اعتراف کرنا پڑا کہ تین دول عظمیٰ: برطانیہ، امریکہ، اور جاپان اپنے جنگی جہازوں کے محدود کرنے پر متفق نہیں ہوئیں، لہذا کوئی امید نہیں کہ باقی ۸ سلطنتیں باہم کوئی سمجھوتہ کر سکیں گی!"

غرضکہ اب "مجلس اقوام" کی حقیقت کھل گئی ہے اور یورپ میں ابھی کوئی اُسپر اعتماد نہیں رکھتا۔

جنون کے بارے میں ایک نیا نظریہ

ڈاکٹر کارل ویکلنڈ، امریکہ کا ایک مشہور ڈاکٹر ہے اور عقلی امراض میں خاص شہرت رکھتا ہے۔ حال میں اسنے جنون کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس نظریہ کو بہت سے علماء خود ڈاکٹر کا جنون بتاتے ہیں، مگر وہ اسپر از حد مصر ہے، اس قدر مصر کہ اسے "نظریہ" نہیں کہتا۔ ایک مسلّم حقیقت بتاتا ہے!

نظریہ یہ ہے کہ "موت جس سے تمام لوگ اس قدر ڈرتے ہیں، محض ایک معمولی حادثہ ہے۔ موت کے معنی یہ ہیں کہ رُوح ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ، موت کی کوئی حقیقت نہیں۔ خود روح کو بھی اس انتقال کی خبر نہیں ہوتی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بھٹکتے بھٹکتے روح پھر عالم مادہ کی طرف لوٹ آتی ہے اور کسی زندہ آدمی کے جسم میں حلول کر جاتی ہے۔ جب ایسی صورت پیش آتی ہے تو آدمی مجنون ہو جاتا ہے۔ پس جنون کی علت یہ ہے کہ کوئی گم گشتہ راہ روح، جسم میں حلول کر گئی ہے۔

ڈاکٹر اپنے مضمون میں لکھتا ہے:

"۳۰ برس کی تحقیقات کے بعد مجھے ثابت ہو گیا ہے کہ موت کے بعد بھی روح باقی اور زندہ رہتی ہے۔ ہمارے گرد بے شمار روحیں پھرتی ہیں اور ہم سے مخاطب ہونا چاہتی ہیں۔ لیکن ہم نہ اُنھیں سمجھتے ہیں نہ کسی اور طرح محسوس کرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ خود یہ روحیں بھی جاہل ہوتی ہیں۔ نہ اپنی حالت پوری طرح جانتی ہیں نہ ہمارے سکوت ہی کے سبب سے واقف ہوتی ہیں۔ یہی جہالت اُنھیں ایک تاریک عالم میں لیجاتی ہے اور وہ اسیں سرگرداں رہتی ہیں۔ لیکن بہت سی روحیں بھٹک کر اس دُنیا میں واپس آجاتی ہیں اور بعض جسموں میں داخل ہو کر اُنھیں مجنون بنا دیتی ہیں۔

"ہر انسان کے جسم سے ایک مقناطیسی سیال مادہ نکلتا رہتا ہے یہی مادہ روحوں کو جسم کی طرف کھینچتا ہے۔ بعض جسموں سے یہ مادہ کا خروج زیادہ ہوتا ہے، بعض سے کم۔ اول الذکر اجسام میں کبھی کبھی بیک وقت کئی کئی روحیں حلول کر جاتی ہیں اور وہ حد درجہ جنون میں مبتلا ہو جاتے ہیں"

آگے چلکر ڈاکٹر نے روحوں سے اپنی کئی گفتگوئیں بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات کے دن اُسنے ایک انگریز ایکٹرس "لیلیان" کی روح سے گفتگو کی۔ وہ لکھتا ہے میں نے سوال کیا:

"کاش تم مجھے بتا دیتیں کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے!"

رُوح نے یوں جواب دیا۔

"بہت سے لوگ تمھاری دُنیا سے یہاں آتے رہتے ہیں لیکن میں اُن سے نہیں ملتی۔ حالانکہ وہ ملاقات کے لئے بہت اصرار کرتے ہیں۔ یہ دیکھو ایک شخص مجھے پکار رہا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ عالم فنا میں شاہ ایڈورڈ کے نام سے مشہور تھا اور اُس کی ماں بہت بڑی ملکہ تھی۔ لیکن اب یہاں وہ خود اور اُس کی ماں، محض دو روحیں ہیں اور باقی روحوں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتیں۔ ہم یہاں اُسوقت تک ٹھہرے ہیں جبتک ہم پر اس عالم اور وجود و فنا کے تمام راز نہ کھل جائیں!"

حیوانات کی عمر

تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ بڑی حیوانات اپنی طبیعی موت سے کم مرتے ہیں۔ زیادہ تر قبل از وقت موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سردی، گرمی، بھوک پیاس، قتل اور دوسرے بہت سے حادثے اُن کی زندگی ختم کر دیتے ہیں۔

حال میں ایک جرمن ڈاکٹر ٹیمن نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ علماء نے اب تک حیوانات کی عمر کے متعلق جتنے نظریے قلم لئے ہیں، اکثر غلط ہیں۔ اور یہ کہ عمر کی درازی، جسم کے قد و قامت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ دوسرے اسباب سے تعلق رکھتی ہے۔ ہوئیل مچھلی کو مستثنیٰ کر کے، جس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے بعض دوسرے حیوانوں کی عمریں اس ڈاکٹر کی رائے میں حسب ذیل ہیں:

کچھوا	۳۰۰	برس
طوطا	۳۰۰	"
کوّا	۳۰۰	"
بطّ	۳۰۰	"
ہاتھی	۲۰۰	"
شکرا	۱۶۲	"
گدھ	۱۰۴	"
شترمرغ	۷۰	"
بوم	۷۰	"
بگلا	۶۰	"
اونٹ، گھوڑا، گدھا،	۵۰	"
ریچھ، کرگدن، دریائی گھوڑا،	۵۰	"
مگرمچھ اور میڈک،	۴۰	"
جنگلی سور،	۳۰	"
شیر، چیتا، دریائی گائے،	۲۵	"
گوریلا	۲۰	"
ہرن	۱۶	"
کتا اور بھیڑیا،	۱۵	"
لومڑی	۱۰	"
چوہا	۳	"

اسی ڈاکٹر نے یہ بھی تحقیق کیا ہے کہ بعض جنس کی مکھیاں ۱۵ برس تک زندہ رہتی ہیں اور بعض کی مکھیاں بعض شدید گرمیوں میں صرف ۲۴ گھنٹہ زندہ رہتی ہیں۔

ہمیشہ ہوتا ہے

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟

(۳)

ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کی آبادی مع شرح پیدائش و اموات

نام شہر	آبادی ۱۹۲۱ء	آبادی ۱۹۱۱ء	آبادی ۱۹۰۱ء	شرح پیدائش و اموات فی ہزار: پیدائش	شرح پیدائش و اموات فی ہزار: موت
کلکتہ	۹۰۷۸۵۱	۸۹۶۰۶۷	۸۴۷۷۹۶	۱۸٫۹	۳۲٫۷
بمبئی	۱۱۷۵۹۱۴	۹۷۹۴۴۵	۷۷۶۰۰۶	۱۷٫۰	۲۷٫۰
مدراس	۵۲۶۹۱۱	۵۱۸۶۶۰	۵۰۹۳۴۶	۴۳٫۶	۴۷٫۳
ہورہ	۱۹۵۳۰۱	۱۷۹۳۸۹	۱۵۷۵۹۴	۲۴٫۶	۳۳٫۸
ڈھاکہ	۱۱۹۴۵۰	۱۰۸۵۵۱	۷۹۷۳۳	۳۳٫۶	۲۷٫۲
پٹنہ	۱۱۹۹۷۶	۱۳۶۱۵۳	۱۳۴۷۸۳	۲۱٫۵	۱۴٫۷
بنارس	۱۹۵۳۷۳	۲۰۸۱۲۱	۲۰۹۳۳۱	۵۰٫۱۵	۴۶٫۱۵
الہ آباد	۱۴۵۶۰۵	۱۵۹۷۰۱	۱۷۲۶۳۲	۴۲٫۰۱	۲۷٫۴۷
آگرہ	۱۸۳۷۵۰	۱۸۲۶۱۹	۱۸۸۰۲۲	۶۰٫۴۷	۳۹٫۰۴
کانپور	۱۹۵۰۸۵	۱۵۷۰۴۰	۱۹۷۱۴۰	۳۶٫۲۱	۴۳٫۷
لکھنؤ	۲۱۷۱۶۷	۲۶۰۶۲۱	۲۶۴۰۴۹	۴۶٫۱۲	۳۶٫۷۵
دہلی	۲۴۶۹۸۷	۲۲۵۴۷۱	۲۰۸۵۷۵	۴۶٫۳۳	۲۹٫۳۷
لاہور	۲۵۷۲۹۵	۲۱۰۲۷۱	۲۰۲۹۰۴	۴۳٫۲۷	۳۷٫۸۴
کراچی	۲۰۶۱۹۱	۱۵۹۲۷۰	۱۱۶۶۶۸	۴۶٫۶۰	۲۶٫۹۴
بڑودہ	۹۱۸۸۰	۹۹۳۷۶	۱۰۳۷۹۰	۳۸٫۱	۳۴٫۰۱
جے پور	۱۲۰۱۹۶	۱۳۶۱۹۹	۱۶۰۵۰۷	۲۲٫۶۷	۳۴٫۹۰
ناگپور	۱۱۲۴۵۳	۱۰۶۴۴۲	۱۲۷۷۳۴	۶۰٫۰۳	۴۷٫۳۶
رنگون	۳۴۵۵۰۵	۲۹۳۳۱۶	۲۳۴۸۸۱	۱۸٫۷۶	۳۵٫۸۱

برطانی ہندوستان میں محنتی آبادی کی بربادی (۱۹۲۴ء)

عمر ۲۰—۴۰

صوبہ	مرد	عورتیں	مجموعی تعداد
مدراس	۶۹۷۹۰	۷۹۸۶۴	۱۴۹۶۵۴
بمبئی	۱۴۱۳۷۳	۴۲۴۴۳	۸۳۸۱۶
بنگال	۱۳۹۳۴۷	۱۳۳۳۳۰	۲۷۳۲۸۶
یوپی	۱۰۷۲۲۲	۱۰۷۰۲۳	۲۱۴۷۴۵
پنجاب	۷۲۳۳۲	۷۲۱۳۵	۱۴۵۰۸۷
برما	۲۲۴۹۷	۲۲۴۵۶	۴۲۷۵۳
بہار	۸۳۳۴۹	۸۵۵۲۷	۱۷۴۸۷۶
سی پی	۲۸۳۶۴	۲۹۷۷۳	۵۸۳۳۷
آسام	۲۹۳۴۷	۲۳۱۵۲	۴۳۴۹۹
کل برطانی ہند	۶۰۰۸۹۳	۶۰۶۶۲۸	۱۲۰۷۵۲۱

دنیا کے بڑے بڑے ملکوں میں ہر آدمی کی سالانہ آمدنی

(۱۹۲۶ء میں)

امریکہ	۳۳۲۸	روپیہ
برطانیہ	۱۴۵۶	"
فرانس	۱۲۹۲	"
اٹلی	۵۴۰	"
جاپان	۱۱۸۰	"
ہندوستان	۳۰	"

فی کس روزانہ آمدنی

امریکہ	۱ لعہ ۲ر
برطانیہ	۱ للعہ ۱ر
فرانس	۱ ہے ۹ر
اٹلی	۹ عہ ۹ر
جاپان	۱ ہے ۲ر
ہندوستان	۱ر

ٹیکس کی فی آدمی شرح بحساب روپیہ آنہ

سال	برطانیہ	فرانس	جرمنی	اٹلی	امریکہ	ہندوستان
۱۳ و ۱۴ء	۵۳-۸۰-۰	۲۸-۳-۰	۲۳-۰-۰	۱۸-۰-۰	۲۱-۰-۰	۲-۱۲-۰
۲۰ و ۲۱ء	۳۳۰-۸-۰	۱۳۱-۰-۰	؟	۸۳-۰-۰	۱۳۵-۰-۰	۴-۸-۰
۲۲ و ۲۳ء	۲۶۱-۰-۰	۱۵۶-۰-۰	؟	۱۰۹-۰-۰	۸۴-۰-۰	۵-۶-۰
۲۴ و ۲۵ء	۲۳۰-۶-۰	۲۲۵-۰-۰	۶۳-۰-۰	۱۲۰-۰-۰	۸۱-۰-۰	۵-۱۰-۰

ہندوستان اور جزائر برطانیہ میں پیشوں کے اعتبار سے آبادی کا تناسب

ہندوستان		جزائر برطانیہ	
مجموعی آبادی	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	مجموعی آبادی	۴۷۳۰۷۰۰۰
زراعت پیشہ	۷۱٫۸		۱۱٫۶
صنعت پیشہ	۱۱٫۳		۵۱٫۲
تجارت پیشہ	۷٫۳		۱۳٫۳
آزاد پیشہ	۲٫۶		۵٫۶
نج کی نوکریاں	۱٫۵		۱۲٫۸
دوسرے پیشے	۵٫۵		...
کان کن	۱٫۱۷		۶٫۵

دنیا کی مزدوری پیشہ آبادی

ملک	مجموعی آبادی	مزدوری
امریکہ	۱۰۵۷۱۶۰۰۰	۴۷۶۷۷۰۰۰
برطانیہ	۴۷۳۰۷۰۰۰	۲۵۷۳۳۰۰۰
فرانس	۳۹۲۰۹۰۰۰	۲۰۹۳۱۰۰۰
جرمنی	۵۹۸۵۸۰۰۰	۳۰۲۳۲۰۰۰
اٹلی	۳۸۸۳۶۰۰۰	۱۸۷۱۸۰۰۰
ہندوستان	۳۱۹۳۶۱۰۰۰	۶۸۸۶۴۰۰۰
کینیڈا	۸۷۸۸۰۰۰	۳۲۲۱۰۰۰
آسٹریلیا	۵۵۱۰۰۰۰	۲۳۹۷۰۰۰
جنوبی افریقہ	۱۴۲۲۰۰۰	۴۷۴۰۰
نیوزی لینڈ	۱۲۸۴۰۰۰	۵۱۵۰۰۰

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرمائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دو آتشہ

بہ نسخہ خاص

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہے تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہے اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اٹھائیے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر معتدبہ اور پورا فائدہ ایک چلہ میں ہوتا ہے۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض امور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے علاوہ اسکے چند قسم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست ۲۷ء معہ جنتری تیار ہے۔ مفت طلب فرمائیے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

رنگ دیکھ لو ... گھسکر آزما لو

دو روپے تولہ سونا

جرمنی کی حیرت انگیز ایجاد

اس سونے کی نہایت خوبصورت نازک منقش چوڑیاں جرمنی سے بنکر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ انکے اندر رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین زبرجد اور یاقوت کے نگینے جڑ دئے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے لیکن رنگ و رونق میں فرق نہیں آتا اور نہ سیاہی دیتی ہے۔ صنف نازک کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ ڈھائی روپیہ میں پانچسو روپے کا کام نکالا جا سکتا ہے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاف ختم نہ ہو جائے۔ ۸ چوڑیوں کی قیمت ڈھائی روپیہ جن کا وزن تقریباً ڈیڑھ تولہ ہوگا۔ چوبیس ۲۴ چوڑیوں کے دام مبلغ سات روپئے (معہ)

منیجر گولڈن اسٹور۔ پوسٹ بکس ۴ لاہور

برص سفید داغ ۲۱ یوم میں جڑ سے غائب

ورنہ پوری قیمت واپس۔ اقرار نامہ لکھا لیں اکیس ۲۱ خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت معہ خرچ سات روپیہ تیرہ آنہ

دفتر معالج برص نمبر ۵۱ دربھنگہ (بہار)

پروانہ

اپنی نوعیت کا پہلا رسالہ ملک اور قوم و ملت کا سچا پروانہ دلچسپ اور اچھوتے مضامین نظم و نثر سے لبریز نومبر ۲۷ء دربھنگہ سے نہایت پابندی کے ساتھ شایع ہوگا لکھائی چھپائی اور کاغذ بہت نفیس چندہ سالانہ تین روپیہ (عہ) طلبہ سے دو روپیہ (عہ) ممالک غیر سے پانچ روپیہ (صہ)

منیجر رسالہ پروانہ دربھنگہ (بہار)

افیم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں

جن کے استعمال سے صدہا عملی آسانی سے افیم چھوڑ چکے ہیں ایک روپیہ ماہوار کے عملی کے لئے عہ کی گولیاں کافی ہو سکتی ہیں۔ ملنے کا پتہ۔ حکیم محمد عمر اینڈ سنز۔ موگا ضلع فیروزپور پنجاب۔

تاریخ فلسفۂ اسلام ہالینڈ کے مشہور فلسفی اور مستشرق ٹی۔ جے۔ دی بوئر کی تصنیف کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (برلن) استاذ فلسفہ و تعلیمات و ناظم اردو اکادمی جامعہ ملیہ قیمت (عہ) برہان۔ تفسیر سورۂ نور مصنفہ خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی۔ خواجہ صاحب کا سلسلۂ تفسیر "الفرقان فی معارف القرآن" کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب بھی اسی مفید سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مصنف کی دیگر تفاسیر بھی ہم سے مل سکتی ہیں۔ ہدیہ مجلد عہ (ایک روپیہ)

مبادی معاشیات۔ ایڈون کینن کی مشہور و معروف تصنیف کا سلیس اردو میں ترجمہ از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں۔ ایم۔ اے۔ ایچ۔ ڈی شیخ الجامعہ (عہ)

مطبوعات جامعہ

تاریخ الامت۔ تاریخ اسلام کا وہ سلسلہ جو صحیح تاریخی اصول اور تحقیق و تنقید کے ساتھ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے اردو خوان پبلک اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے تالیف فرمایا ہے۔ طرز تحریر نہایت سادہ اور زبان بہت سلیس اور عام فہم جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور محکمہ تعلیم صوبہ متوسط برار نے اسکو اپنے مدارس کے لئے پسند کیا ہے:-

(۱) حصہ اول سیرۃ الرسول عہ (۲) حصہ دوم خلافت راشدہ عہ
(۳) حصہ سوم خلافت بنی امیہ عہ (۴) حصہ چہارم خلافت عباسیہ عہ
(۵) حصہ پنجم خلافت عباسیہ جلد دوم عہ

دیوان غالب اردو (طبع ثانی) مطبوعہ برلن جرمنی۔ ہندوستان کے مایہ ناز شاعر و ادیب مرزا غالب کے کلام کا مجموعہ بڑی لطافت و نفاست کے ساتھ طبع کرایا ہے۔ پاکٹ سائز۔ ملائم جلد۔ سنہرے نقش و نگار طلائی اوراق اور غالب کی لاثانی عکسی رنگین تصویر جرمن ہنرمندی کا اعلیٰ نمونہ ہے دیوان مکمل ہے جس میں مرزا مرحوم کا خود نوشتہ مقدمہ غزلیات۔ قصائد، اور رباعیات ہیں۔ آخر میں بیاض کے لئے حاشیہ دار سادہ اوراق شامل ہیں۔ جلد کا رنگ سرخ۔ نیلا یا سبز قیمت صرف چار روپے (للعہ)

ملنے کا پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی اشیاء کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و مساعی کے بعد حاصل کیا گیا ہے
دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران
ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

بایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز حد تک ارزاں ہیں!

برِ اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہے ہیں۔ تازہ لئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہو کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

اگر آپ

علم وکتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں

شایع ہوتا ہے

یُورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم وادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کے مُسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ

کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کیا آپکو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہی؟

---

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپکو

"شیفر" کا

"لائف ٹائم"

لینا

چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتے ہیں تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہی

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات، اور آثار قدیمہ وغیرہ سے آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجاسکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہی!

ایسی

کمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ ٹو گریٹ برٹین

The Dunlop Guide To Great Britain

کا دوسرا ایڈیشن ہی

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سے ملسکتی ہی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولانا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۰ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟ قیمت بارہ آنے (۱۲ر)

(منیجر الہلال کلکتہ)

اگر آپکو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہی

تو تامل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سے

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

دينى علوم كے بيش بها جواهر ريزے

اس سلسله ميں هم نے امامين كى ان نادر و اعلىٰ درجه كى بلند پايه عربى تصانيف كے اُردو تراجم كا سلسله شروع كيا هے ' جنكا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف كتاب و سنت كے ليے نهايت ضرورى و ناگزير هے - اميد كه يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان كى دماغى اصلاح كا كام دے :

اُسوهٔ حسنه — امام ابن قيم كى فن سيرت ميں شهره آفاق كتاب "زاد المعاد" كے خلاصه كا اُردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائى روپيه -

كتاب الوسيله — لفظ "وسيله" كى بحث كے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام كے اصل الاصول "توحيد" كى مبسوط بحث كى هے - بلا جلد ازهائى روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انكى تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انكے مفصل حالات بيان كيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الكوثر — امام ابن تيميه كے مخصوص انداز تفسير كا اُردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقىٰ — خالق و مخلوق كے درميان واسطه كا فرق بدلائل بيان كيا هے چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام كے ضرورى حالات زندگى نهايت خوش اسلوبى سے بيان كيے هيں - تو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصرى كى تازه كتاب كا اُردو ترجمه - سوا روپيه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - بارہ آنے

خلاف الامه — فى العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايك علمى ' اسلامى ' سه ماهى رساله هے جس كے خريدار هر هم كے كمال كوشش و هوش سے اُردو ' عربى ' فارسى ' انگريزى ' اور درسى زبانوں كى تمام اهم اور اعلىٰ مطبوعات كے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے كا اهتمام كيا هے - اسكے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دين كے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالك اسلاميه كے معتبر ذرائع سے حاصل كيے هوے حالات درج كيے جاتے هيں - فى پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگى -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

"Al-Hilal Book Agency,"

21, LAHORE, PANJAB.

خط و كتابت كى وقت اپنا نام اور پته صاف لكهين

اور نمبر خريدارى ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال فى مجلدات الهلال

گاه گاهے باز خوان اين دفتر پارينه را

تازه خوابى داشتن گر داغهاے سينه را

اردو صحافت كى تاريخ ميں الهلال هى وه رساله هے جو اپنى تمام ظاهرى اور باطنى خصوصيات ميں ايك انقلاب آفرين دعوت تهى -

الهلال اگرچه ايك هفته وار مصور رساله تها ' ليكن چونكه وه اردو صحافت كى مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فكر كى نئى روح پيدا كرنى چاهتا تها ' اس لئے اُس كا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق كا مجموعه تها - اُس كے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه كے هوتے تهے - اور اسكا هر باب اپنى مجتهدانه خصوصيات كے لحاظ سے اپنى نظير آپ هوتا تها - پهر اس كى ظاهرى خوبياں اُردو صحافت ميں اعلىٰ طباعت و ترتيب كا پهلا نمونه تهيں - اردو كا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاوير كے اندراج كا انتظام كيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے كى وجه سے بهت سى ايسى خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر كى چهپائى ميں ممكن نهيں - اس كى جلديں جديد اُردو علم ادب كے علمى ' مذهبى ' سياسى ' اور اجتماعى مواد و مباحث كا بهترين مجموعه هيں - ان كى مقبوليت و قدر كا اندازه اس سے هوسكتا هے كه سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شائقين علم و ادب نے اس كى تمام جلدوں كا مكمل ست سات سو روپيه ميں خريد ليا - اور حال ميں ايك صاحب نے اس كى پهلى جلد مكمل (جو دفتر ميں بهى موجود نهيں) ساڑهے چار سو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدى هے - جن لوگوں نے اس كے پرچے بحفاظت جمع كئے هيں وه بڑى سے بڑى قيمت پر بهى علحده كرنے پر آمادے نهيں - پچهلے دنوں "البلاغ پريس" كا جب تمام اسٹاك نئے مكان ميں منتقل كيا گيا تو ايك ذخيره الهلال كے پرچوں كا بهى محفوظ ملا ' هم نے نوشش كى كه شائقين علم و ادب كے لئے جس قدر مكمل جلديں مرتب كى جا سكتى هيں مرتب كرائى جائيں اور جن جلدوں كى تكميل ميں ايك دو پرچوں كى كمى هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه بحمدالله يه نوشش ايك حد تك مشكور هوئى اور اب علاوه متفرق پرچوں كے چند سالوں كى جلديں پورى مكمل هوگئى هيں - هم اس اعلان كے ذريعه شائقين علم و ادب كو اخيرى موقعه ديتے هيں كه اس قيمتى ذخيره كے حاصل كرنے ميں جلدى كريں ' چونكه جلدوں كى ايك بهت هى محدود تعداد مرتب هوسكى هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں كى تعميل هوسكے گى جو سب سے پهلے پهونچيں گى - هر جلد مجلد هے اور ابتدا ميں تمام مضامين كى انڈكس به ترتيب حروف تهجى لگادى گئى هے -

الهلال مكمل جلد دوم ۱۰ روپيه الهلال مكمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " چهارم ۱۰ روپيه " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البلاغ" (جب دوسرى مرتبه الهلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول كے هر جلد كے متفرق پرچے بهى موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين كے لحاظ سے ايك مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت فى پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاك و پيكنگ اس كے علاوه هے -

منيجر "البلاغ پريس"

دنیا کي بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبي ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کي تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمي حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاري اور زیر بحث ادبي فوائد پر بھي ہوتے ہیں جنکي اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبي ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C. 4.
سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروري ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمي ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظري اور عملي تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں ' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کر دیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.
سے طلب کرسکتے ہیں -

کیا آپ تجارت کرني چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتي تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' ہندوستان سے خام پیدا وار بھیجیں ' نئي نئي ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تھوڑي سي محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کار و بار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سي باتیں معلوم کرني چاہئیں - اس طرح کي تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملات معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساري باتیں با قاعدہ علمي اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہي آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتي حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کي مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروري ہیں ' اس کارخانے میں طیار کي جاتي ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کي مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور ہر طرح کے زرعي مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والي مشینیں صرف اسي کارخانہ سے مل سکتي ہیں -

Printed and Published by
Masud Hasan Zuberi at The Al-Balagh Press, 11, Ballygunge Circular Road, Calcutta
Editor : Maulana Abu-al-Kalam Azad.

جلد ۱ نمبر ۲۵

۱۹۲۷

الہلال

جلد ۱ نمبر ۲۵

البلاغ پریس کلکتہ

قیمت ۵ ـ ۱۱ه

الهلال

هر جمعه کو نمبر ۱۱ - بالي گنج سرکلر روڈ - کلکته سے شایع هوتا هے

قیمت سالانه مع محصول - - بارہ روپیه
هندوستان سے باهر کیلیے - - سوله روپیه
قیمت شش ماهي - - - سات روپیه
قیمت في پرچه - - - پانچ آنه

(۱) تمام خط و کتابت اور ارسال زر "منیجر الهلال" کے نام سے کي جاے لیکن جو خطوط مضامین سے تعلق رکھتے هوں اُنکے لفافه پر "ایڈیٹر" کا نام هونا چاهیے -

(۲) نمونه مفت ارسال نه هوگا -

(۳) براه عنایت خط و کتابت میں اپنا نام اور پته صاف اور خوش خط لکهیے

(۴) خط و کتابت میں نمبر خریداري لکهیے جسکي اطلاع آپکو وصول قیمت کي رسید میں دیدي گئي هے -

(۵) اگر کسي صاحب کے پاس کوئي پرچه نه پهنچے تو تاریخ اشاعت سے ایک هفته کے اندر اطلاع دیں - ورنه بصورت تاخیر بغیر قیمت کے روانه نهیں کیا جائیگا -

(۶) اگر آپ دو تین ماه کیلئے ایک جگه سے دوسري جگه جا رهے هیں تو اپنا پته تبدیل نه کرایے ' مقامي ڈاکخانه کو اطلاع دیکر انتظام کر لیجیے - اگر اس سے زیاده عرصه تک کے لئے تبدیل مقام پیش آجاے تو ایک هفته پیشتر اطلاع دیکر پته تبدیل کرالیں -

(۷) منی آرڈر روانه کرتے وقت فارم کے کوپن پر اپنا نام و پته ضرور لکهدیں -

(۸) ایسے جواب طلب امور کے لئے جنکا تعلق دفتر کے دفتري فرائض (مثلاً رسید زر و اطلاع اجراء اخبار وغیره) سے نهیں هے ٹکٹ ضرور بهیجیے ورنه دفتر پر غیر معمولی خط و کتابت کے مصارف کا بار پڑیگا -

لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين

الهلال

ایک ہفتہ وار مصور رسالہ

نمبر ۲۵ | کلکتہ : جمعہ ۱۳ ۔ جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ ہجری | جلد ۱

Calcutta : Friday, 9, December 1927.

کیا حروف کی طباعت اردو طباعت کیلیی موزون نہین ؟

آج کوئی زبان ترقی نہین کر سکتی اگر وہ اپنا ترقی یافتہ طریق طباعۃ نہین رکھتی ۔
طباعۃ کی ترقی اور تکمیل بغیر اسکی ممکن نہین کہ حروف کی چھپائی اختیار کی جای ۔
پتھر کی چھپائی مین محدود رھکر اردو کی طباعۃ کبھی ترقی نہین کر سکتی ۔

اردو کی سب سی بہتر حروف جو اس وقت تک بن سکی ھین ، وہ ھین جن مین الھلال چھپتا ھی ۔ اور عربی کا بہترین خط نسخ وہ ھی جس مین یہ سطرین کمپوز کی گئی ھین ۔ آپ ان دونون مین سی جسی چاھین پسند کر لین ۔ لیکن پتھر کی چھپائی سی اپنی زبان کو نجات دلائین ۔

براہ عنایت اپنی اور اپنی دوستون کی رای سی ھمین اطلاع دیجیی ۔ یاد رکھیی ۔ طباعۃ کا مسئلہ آج زبان و قوم کیلیی سب سی زیادہ اھم مسئلہ ھی ۔ ضروری ھی کہ اسکی تمام نقایص ایک بار دور کر دی جائین ۔ الھلال

قارییں الھلال کی آراء

اس باری مین اس وقت تک ۲۰۲۱ مراسلات وصول ھوی ھین ۔ تقسیم آراء حسب ذیل ھی :

عربی حروف کی حق مین	۲۵۵	اردو حروف کی حق مین	۵۳۵
موجودہ مشترک طباعۃ کی حق مین	۸۰۲	حروف کی حق مین بشرطیکہ	
پتھر کی چھپائی کی حق مین	۳۲۰	نستعلیق ھون	۱۹۰

ان مین سی اکثر حضرات نی اپنی رائی سی اپنی احباب کو بھی متفق ظاھر کیا ھی ۔

آراء کی دیکھنی سی معلوم ھوا کہ اس باری مین بعض اھم تفصیلات پر لوگون کی نظر نہین ھی ۔ اور اسلیی شرح وبیان کی ضرورت ھی ۔ آیندہ اس باری مین مولانا یہ تفصیل اپنی خیالات ظاھر کرینگی مگر ضرورت ھی کہ بقیہ حضرات بھی اپنی اور اپنی احباب کی رائین بھیج دین ۔ الھلال

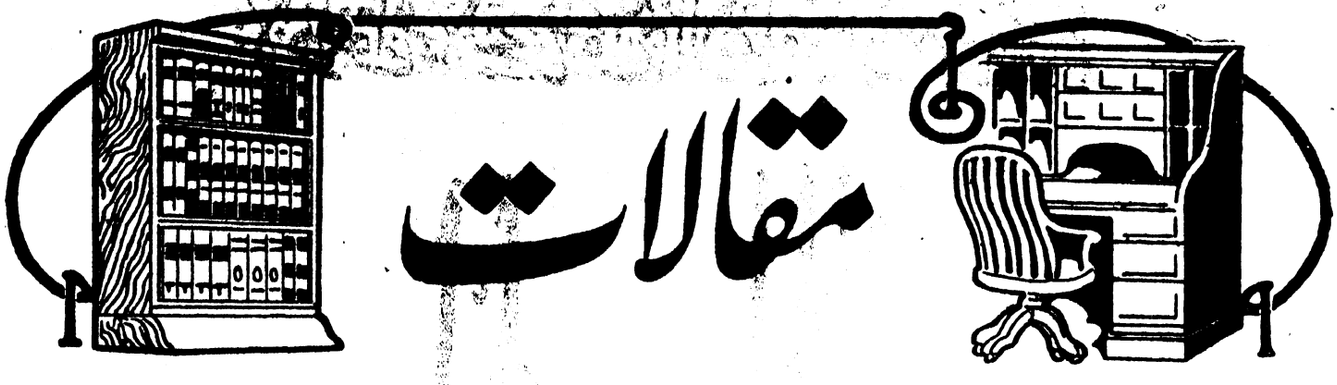

مقالات

جدید مذہب روحی

تاریخ ظہور - موافقین و مخالفین - اور نقد و تبصرہ

(۲)

جب انگلستان میں پہلے پہل یہ دعوت پہنچی ' تو علماء میں سخت بیچینی پیدا ہوگئی - وہ ڈرے کہ صدیوں کے جہاد علم کے بعد خرافات و اوہام کی جس سلطنت کو انھوں نے خاتمہ کردیا تھا ' وہ اب پھر نئے ہتیاروں سے مسلح ہوکر علم کے مقابلے میں آرہی ہے - لہذا انھوں نے چاہا ' قدم جمنے سے پہلے ہی اس کا خاتمہ کر دیں - چنانچہ بے شمار علماء نے رائل سوسائٹی سے درخواست کی کہ اس مذہب کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرے - انجمن نے درخواست منظور کرلی ' اور تحقیقات کے لیے تیس علماء کی ایک منتخب مجلس قائم کردی - اس مجلس میں رسل ویلس ' ولیم کروکس ' ٹنڈل ' لارڈ ایویبری ' اور ھکسلے جیسے ائمۂ علم و حکمت بھی شامل تھے - مسلسل اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس تحقیقات کرتی رہی - چالیس جلسے منعقد کیے ' اور ایک ضخیم کتاب میں اُنکی روداد شایع کی - یہ روداد دنیا کی اکثر زبانوں میں ترجمہ ہوچکی ہے - اس کی ذیل کی عبارت قابل غور ہے :

" مجلس نے اپنے جلسے ارکان کے خاص مکانوں میں منعقد کیے تاکہ مخفی آلات کے ذریعہ فریب کھانے کا احتمال باقی نہ رہے - نیز اُن وسیطوں سے بھی کام نہیں لیا جو پیشہ ور وسیط سمجھے جاتے ہیں - خود ارکان ہی میں سے ایک شخص وسیط بنایا تھا گیا - یہ شخص سوسائٹی میں بہت عزت و احترام رکھتا ہے - اپنی ایمانداری اور اخلاق میں غیر مشتبہ ہے - مال و دولت کی بھی اسے کوئی طمع نہیں - کیونکہ خود مالدار ہے - ہم نے وہ تمام احتیاطیں بھی برتلیں ' جو ہمارے خیال میں فریب سے بچنے کے لیے ضروری تھیں - بار بار تجربے اور مشاہدے کیے - اس روداد میں ہم نے صرف اُنھیں مشاہدات کا ذکر کیا ہے جو حواس کے ذریعہ واقع ہوئے ' اور جن کی صحت پر ہمیں کامل یقین ہے "

" مجلس کے بہت سے ارکان نے خود تجربے کیے - یہ سب کے سب اس مذہب کے سخت مخالف تھے ' اور کامل یقین رکھتے تھے کہ یہ عجیب امور یا تو تدلیس کا نتیجہ ہیں یا وہم کا ' اور یا پھر عضلات و اعصاب جسم میں کسی غیر معمولی حرکت پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس طرح کی حرکات ظہور میں آجاتی ہیں - یہ حد سے زیادہ ملکر اُس وقت تک قائل نہ ہوئے ' جبتک کہ بکثرت مشاہدات انھوں نے اس طرح نہ دیکھ لیے ' کہ کسی قسم کا شک و شبہ وارد نہیں ہو سکتا تھا - بالآخر اُنھیں تسلیم کرلینا پڑا کہ جو کچھ انھوں نے بار بار دیکھا ہے ' وہ حقیقت ہے ' اور اُس کی صحت میں کلام کی گنجائش نہیں ... "

اسی قدر نہیں بلکہ سنہ ۱۸۸۲ - میں ایک انجمن لندن میں قائم ہوئی - اس کا نام " انجمن مباحث نفسیہ " رکھا گیا - اس کا مقصد یہ تھا کہ مذہب روحی کو رسمی علم سے قریب تر کیا جائے اور علمی اصول پر اُسے اس طرح مرتب کردیا جائے کہ لوگوں کے لیے زیادہ قابل قبول بن جائے - اس انجمن میں انگلستان ' امریکا ' اور فرانس کے مشاہیر علماء و فلاسفہ داخل ہیں - اس وقت تک وہ بے شمار ضخیم جلدیں شایع کر چکی ہے -

نمونہ کے طور پر اس انجمن کے بعض ارکان کی چند تحریروں کا ترجمہ دیا جاتا ہے - اس سے معلوم ہوگا کہ اُن کا طریق بحث کیا ہے :

پروفیسر میرس (پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی) جو اس انجمن کا ممتاز رکن ہے ' لکھتا ہے :

" سنہ ۱۸۷۳ع میں جبکہ مذہب مادی ہمارے ملک کی عقلوں پر پوری طرح حاوی ہوچکا تھا ' کیمبرج میں احباب کی ایک مجلس منعقد ہوئی ' اور طے کیا گیا کہ مذہب روحی ' جس پر اس قدر بحث و نزاع جاری ہے ' ہماری توجہ و تدقیق کا مستحق ہے - میری رائے تھی کہ اس مذہب کی بحث میں نہ تو اساطیر اولین کی ورق گردانی مفید ہوسکتی ہے ' نہ معتقدین کی روایات کی تحقیق ' اور نہ منکرین کی تضحیک و انکار ہی کار آمد ہے - اس کی بحث و تحقیق کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم خود تجربے کریں ' اور اپنی آنکھوں کے مشاہدات پر بھروسہ رکھیں - اگر عالم روحانی واقعی کوئی اصلیت رکھتا ہے ' تو تمام دوسری حقیقتوں کی طرح اُس کا ثبوت بھی تجربۂ و مشاہدہ پر مبنی ہونا چاہیے - چنانچہ اسی اصول پر ہماری اس انجمن نے اپنی بحث و تحقیق کا سلسلہ جاری کر دیا "

اس کے بعد مصنف منکرین کو مخاطب کرکے کہتا ہے :

" میں اس عقیدے کو کیوں صحیح نہیں سمجھتا ؟ یہ سوال ہے جو ہر علمی بحث کے وقت ہر ایمان دار آدمی کے سامنے ہونا چاہئے - مذہب روحی کی بحث میں اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے - مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ میرا علم اور میری معلومات جو یقینی نہیں ہیں ' بلکہ مرجح یا غیر مرجح ہیں ' کائنات کے رموز و اسرار کے فہم سے قاصر ہیں - اُن میں کوئی بھی علمی یا منطقی دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنا پر میں اپنے مشاہدات کی تردید کردوں - خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ دیکھتا ہوں ' یہ تمام مشاہدات ' دوسرے یقینی مشاہدات و اصول سے کوئی تناقض نہیں رکھتے - علمی دلائل و براہین کا دائرہ گو کتنا ہی وسیع اور یقینی ہو ' مگر پھر بھی تمام مستند علماء کے اعتراف کے مطابق ' وہ نامرئی قدرت کے

لا متناهي اور سراسر مجہول عالم پر سرسري نظر سے زيادہ وقعت نہيں رکھتے "

سر اوليور لاج اپني کتاب " روح انساني کي ابديت " ميں لکھتا ہے :

" بہت سے عجيب و غريب حوادث کي صحت ثابت ہو چکي ہے - يہ حوادث ہر قوم اور ہر زمانے ميں پيش آتے رہے ہيں - ممکن ہے ان کا بڑا حصہ اوہام و خواطر پر محمول کرکے رد کر ديا جائے - مگر اُن سب کا رد کر دينا ناممکن ہے - موجودہ علمي ترقي کي روشني ميں کوئي دعوىٰ نہيں کر سکتا کہ انساني روح کے تمام اعمال و خواص سے ہم واقف ہو چکے ہيں ' يا انساني روح کا علم ہم نے اس درجہ منضبط اور آسان کر ديا ہے کہ ہر کس و ناکس اُسے سمجھ لے - ليکن عجيب بات يہ ہے کہ بعض لوگ ايسا ہي يقين رکھتے ہيں - وہ ہر روز بغير کسي اظہار حيرت کے علم الحيات ' کيميا ' اور علم الآلات کے زيادہ سے زيادہ محير العقول اکتشافات پر ايمان لاتے رہتے ہيں ' اور کبھي يہ نہيں کہتے کہ ہم قدرت کے تمام رازوں سے واقف ہو گئے اور اب کوئي نيا اکتشاف قبول نہيں کرينگے - ليکن مذہب روحي کا نام آتے ہي ان ميں انکار اور تحدي کا جوش پيدا ہو جاتا ہے - وہ بغير کسي تامل کے مدعيانہ انکار کر بيٹھتے ہيں - يہ يقيناً ايک سادہ لوح ايمان ہے - يہ اس بات کي دليل ہے کہ لوگ بلا دليل عقيدہ قائم کرنے کي کتني زيادہ استعداد رکھتے ہيں ؟ ليکن ياد رہے ' اُن کا يہ دعوىٰ ' سراسر اساس علم کے خلاف ہے - وہ صرف اُسي حال ميں کيا جا سکتا ہے جبکہ اپنے مخالف دلائل و براہين سے بلا کسي بحث کے اعراض کر ليا جائے "

پروفيسر سڈگوک صدر " انجمن مباحث نفسيہ " اپنے سنہ ۱۸۸۲ کے خطبۂ صدارت ميں کہتا ہے :

" اب يہ سخت فضيحت کي بات ہوگي کہ اِن روحي حوادث کي صحت ميں جھگڑا کيا جائے جن کي تصديق بڑے بڑے معلم علماء کر چکے ہيں - يہ شرم کي بات ہے کہ مذہب روحي کے خلاف علمي دينا اپنے احمقانہ انکار پر مصر رہے ... اب سے تيس برس پہلے لوگ خيال کرتے تھے کہ مسمريزم اور متحرک ميزوں کا اعتقاد ' عملي تہذيب کے نقص و فقدان کا کافي ثبوت ہے - ليکن جب مشہور حکماء نے يکے بعد ديگرے اپنے تجارب و مشاہدات کي بنا پر اِن امور کي تصديق کر دي ' تو منکروں نے اپنا انکار جاري رکھنے کيليے نئے وجوہ کي تلاش ميں مضحکہ انگيز مہارت کا ثبوت پيش کيا - اِنھوں نے کہنا شروع کر ديا کہ يہ علماء ' علماء نہيں ہيں ' بلکہ دجال ہيں - يا صرف علم کي بعض شاخوں ميں دخل رکھتے ہيں - لہذا اُن کي شہادت معتبر نہيں - پھر جب اسکے بعد ايسا ہوا کہ ايسے ايسے لوگوں نے شہادت دي ' جن کي فضيلت عالمگير طور پر مسلم ہے ' تو اِن لوگوں نے رنج و الم کا اظہار شروع کر ديا ' اور اسے ايک افسوسناک واقعہ قرار ديا ! "

اِس مجمل بيان سے اندازہ ہوگيا ہوگا کہ مذہب روحي نے اِس قليل مدت ميں کتني ترقي حاصل کرلي ہے - پروفيسر رسل ويلس اپني کتاب " عصر جديد کے معجزات " ميں کہتے ہيں کہ اِس مذہب کے معتقد صرف يورپ ميں اِس وقت دو کروڑ سے بھي زيادہ آدمي ہيں !

آخری مملوک سلطان مصر

ساڑھے چار سو برس پہلے ايک مغربي سياح مشرق ميں

ايک سياح کي چشم ديد شہادت اور اہم تاريخي فوائد

يورپ ميں چھاپہ خانے کي صنعت کا رواج چودھويں صدي مسيحي سے شروع ہوا ہے - چودھويں صدي سے ليکر سترھويں صدي کے وسط تک مطبوعات کي رفتار بہت سست رہي - تاہم اِس ابتدائي زمانے ميں بھي ايک کافي تعداد ايسي کتابوں کي شائع ہوتي رہي ہے ' جو علمي اور تاريخي حيثيت سے موجودہ زمانے ميں بھي اپني قدر و قيمت رکھتي ہيں -

جنيوا کي ايک علمي انجمن کچھ عرصہ سے اس قسم کي قديم اور ناپيد مطبوعات کا سراغ لگا رہي ہے - اس سلسلہ ميں کئي نادر اور قيمتي چيزيں گوشۂ گمنامي سے نکل چکي ہيں - ازانجملہ مشرقي ممالک کے سفر نامے ہيں جو چودھويں اور پندرھويں صدي مسيحي ميں لکھے گئے تھے ' اور جن ميں مشرقي ممالک کے امراؤ سلاطين اور وہاں کے آداب و رسوم کے متعلق بعض ايسي چشم ديد تفصيلات موجود ہيں ' جو کسي دوسرے ذريعہ سے حاصل نہيں ہو سکتيں - آج ہم ان ميں سے ايک خاص سفر نامہ کا مختصراً ذکر کرنا چاہتے ہيں -

يہ سفرنامہ کئي اعتبار سے مخصوص تاريخي اہميت رکھتا ہے - سنہ ۱۵۱۱ ع ميں وينس کي جمہوري حکومت نے (جو اُس وقت يورپ کي ايک طاقتور حکومت تھي) ايک سفارتي وفد مصر بھيجا تھا جس کا رئيس اُس عہد کا مشہور مدبر ڈومينکو ٹريويزان تھا - يہ سفارت مصر پہنچي ' سلطان مصر کے دربار ميں بارياب ہوئي ' اور ايک کافي عرصہ کے قيام کے بعد وينس واپس گئي - سفارت کا سکريٹري وينس کا ايک اميرجاکر باگاني نامي تھا - اِس شخص نے واپسي کے بعد اپنے سفر کي ياد داشتيں سفر نامہ کي صورت ميں مرتب کر ليں ' اور وہ تمام قلمي تصاوير بھي شامل کرديں جو سلاطين و امراء مصر کي اُس نے طيار کي تھيں - سفر نامہ کچھ عرصہ تک وينس کے سرکاري کتب خانہ ميں محفوظ رہا - پھر سنہ ۱۵۳۵ع ميں سفارت کے سفر سے تقريباً بائيس برس بعد ' حکومت نے اُسے سرکاري مطبع ميں چھپوا کر شائع کرديا - اس مطبوعہ نسخہ کے ساتھ وہ تمام تصاوير بھي چھاپي گئي تھيں جو اصل نسخہ ميں محفوظ تھيں -

(سفرنامہ کي اہميت)

يہ سفر نامہ في الحقيقت ايک نہايت قيمتي تاريخي شہادت ہے - يہ اب سے ساڑھے چار سو برس پيشتر کي ايک اسلامي حکومت کے اُن چشم ديد حالات کا ذخيرہ ہے جن کا علم کسي دوسرے ذريعہ سے حاصل نہيں کيا جا سکتا - مورخ اور سياح ميں يہي فرق ہے ' اور اسي ليے مورخ کي کتاب سے کہيں زيادہ ايک مستند سفر نامہ کا بيان قيمتي ہوتا ہے - مورخ کي نظر جزئيات پر نہيں جاتي - وہ صرف علمي ترتيب بيان کے ساتھ بڑے بڑے واقعات جمع کرديتا ہے - ليکن سياح زير سياحت شہر کے ايک ايک کوچہ کي سير کرتا ہے ' اور ايک ايک جزئي معاملہ ميں دلچسپي ليتا ہے - وہ بسا اوقات بہت سي ايسي جزئيات بيان کرديتا ہے ' جن سے

تاریخي مسائل کي عظیم کلیات طیار کرلي جاسکتي هیں - هندوستان کے عهد تغلق کي متعدد تاریخیں خود اُسي عهد میں یا اس کے بعد لکهي گئي هیں ' لیکن ابن بطوطه کي زباني همیں جیسي چلتي پهرتي تصویر اُس عهد کی نظر آجاتي هے ' وه برني اور فرشته کے صفحات پر نظر نهیں آسکتي !

(سفرنامه کا عهد)

اِس کے علاوه اُس عهد کي مخصوص اهمیت نے بهي اس سفر نامه کي قدر و قیمت بڑها دي هے - یه وه وقت تها ' جب في الحقیقت دنیا آنے والے انقلاب کے لیے پهلي کروٹ بدل رهي تهي - مشرق کا دور اقبال رو به تنزل تها ' اور یورپ کا عهد عروج طلوع هو رها تها - اسپین میں اسلامي عهد تمدن کا آخري نقش قدم بهي مٹ چکا تها ' اور غرناطه میں مسلمانوں کا قتل عام هو رها تها - یورپ اور مشرق بعید کي راه تجارت بهي ایک نئے انقلاب کي طیاریاں کر رهي تهي ' اور پرتگالیوں کے بیڑے هندوستان کي بحري راه دریافت کرنے کے لیے ایک کے بعد ایک روانه هو رهے تهے - ٹهیک ٹهیک یهي زمانه تاریخ تجارت عالم کا وه عظیم الاثر زمانه هے ' جب واسکو دي گاما نے ایک عرب معلم کے ذریعه راس امید عبور کرکے سواحل مالابار کا رخ کیا تها ' اور اس ایک واقعه نے تمام دنیا کي سیاسي اور اقتصادي عظمت کي تاریخ پلٹ دي تهي !

(سفارت کا مقصد)

مصنف نے اِس سفارت کے مقاصد شرح و بسط سے بیان کیے هیں - مختصر لفظوں میں اُن کي توضیح همارے لیے بهي ضروري هے - کیونکه اس سے وقت کے بعض اهم تاریخي حالات پر روشني پڑتي -

لیکن قبل اسکے که مصنف کے بیان کرده اسباب پر متوجه هوں ' اُس عهد کے اُن سیاسي و تجارتي تعلقات کي مختصر تاریخ بیان کردینا ضروري هے جو یورپ اور مصر میں قائم تهے -



سلطان ملک الاشرف قانصوه غوري
(آخري مملوک سلطان مصر)

صلیبي لڑائیوں کا سلسله تیرهویں صدي مسیحي تک جاري رها - یورپ کا آخري صلیبي حمله وه تها ' جو فرانس کے لوئس نهم نے مصر پر کیا تها - اس کا خاتمه منصوره کي لڑائي پر هوا جس میں توران شاه نے لوئس کو گرفتار کرلیا - اسکے بعد سلطان بیبرس ' سلطان منصور قلاؤن ' اور ملک اشرف خلیل ' یکے بعد دیگرے تخت مصر کے فرمانروا هوے ' اور پے در پے جنگوں کے بعد سنه ۱۲۹۰ میں تمام بلاد شام سے صلیبي خارج کر دیے گئے - آخري جائے پناه جو انکے هاتهه باقي رهگئي تهي ' عکا کا ساحلي شهر تها - اسي کو انهوں نے اپني مشرقي تجارت کا برزخي محل قرار دیا تها - لیکن یه بهي سنه مذکور میں انکے هاتهه سے نکل گیا - اسکے بعد کچهه عرصه تک تخت مصر اپنے اندروني مناقشات میں مشغول رها - لیکن سنه ۱۳۴۰ - میں جب ملک الناصر کي حکومت استوار هوئي ' تو اُس نے محسوس کیا که یورپ کے صلیبي ولولے اس وقت تک فرو نهیں هو گئے هیں - وه رهکر اس طرح کے واقعات ظهور میں آتے رهتے هیں جن سے اُنکي معاندانه سرگرمیوں کا پته چلتا هے - چنانچه اس نے حکم دیا که شام اور مصر سے تمام یورپین تاجر اور یورپین حکومتوں کے وکلاء چلے جائیں - اس سال کے بعد سے یورپ اور مصر کے تمام علائق منقطع هو گئے -

یهي وه صورت حال هے جس نے یورپ کے دو مختلف تجارتي حلقوں میں یه خیال پیدا کر دیا تها که قدیم عرب جغرافیه نویسوں اور ملاحوں کے اشارات کے مطابق مشرق بعید کا براه راست بحري راسته ڈهونڈه نکالیں اور مصر کے محتاج نه رهیں - چنانچه کولمبس نے بحر اطلانطک میں عرب رویه جا کر ' مشرق کي جهت سے هندوستان پهنچنا چاها ' اور پرتگالي بیڑوں نے افریقه کے گرد طواف کرتے هوے بحر هند کا نقطهٔ اتصال دریافت کرنا چاها - کولمبس هندوستان کي جگه امریکه پهنچ گیا - لیکن بر تلم دیاز نے سنه ۱۴۸۶ - میں راس امید کا سراغ پا لیا - پهر سنه ۱۴۹۷ - میں واسکو دي گاما اسے عبور کر کے مالا بار پهنچ گیا !

بهر حال تقریباً نصف صدي تک مصر اور یورپ کے علائق (بلکه کهنا چاهیے مشرق اور یورپ کے علائق کیونکه تمام مشرق اور یورپ کے تجارتي علائق مصر هي کے ذریعه تهے) منقطع رهے - یه صورت حال یورپ کیلیے ناقابل برداشت تهي - اُسکے تمام بازار بے رونق هو گئے - بڑي بڑي منڈیاں بند هو گئیں - یورپ اُس وقت تجارت اور مصنوعات میں مشرق کا اسي طرح محتاج تها - جس طرح آج مشرق یورپ کا محتاج هے - بے شمار روز مره کي ضرورتوں کي مصنوعات تهیں ' جو مشرق هي سے جاتي تهیں اور یورپ کے هر امیر و غریب گهر میں برتي جاتي تهیں - اب انقطاع تجارت سے ایک عالمگیر تجارتي قحط کي مصیبت پیدا هوگئي - یه صورت حال دیکهکر یورپ کي تمام بڑي بڑي حکومتیں مجبور هوئیں که کسي نه کسي طرح مصر کا بند دروازه پهر کهلوایا جائے - ان حکومتوں میں سب سے پیش پیش وینس کي جمهوریت تهي - یه اُسوقت یورپ کي بحري تجارت کا سب سے بڑا طاقتور مرکز تهي - حکومت وینس نے پے در پے سفارتیں بهجوائیں - عثماني اور صفوي حکومتوں کو درمیان ڈالا ' قیمتي تحائف سے لبریز جهاز پر جهاز بهیجے ' پوپ کي طرف سے بهي پیام امن و صلح بهجوایا گیا - یورپ کي تجارت کے کهل جانے میں مصر و شام کے وطني تاجروں کا بهي عظیم الشان نفع تها ' اِسلیے اُنهوں نے بهي کوششیں کیں - غرضکه ایک مدت کي سعي اور تدبیر کے بعد مصر اور یورپ کے تجارتي اور دوستانه تعلقات پهر از سر نو قائم هو گئے -

یهي زمانه هے جب مصر دنیا کا سب سے بڑا تجارتي مرکز بن گیا تها - هندوستان اور یورپ کي تجارتي کڑي یهیں آکر ملتي تهي - اُس کے باشندوں کي خوشحالي اور تاجروں کي شاهانه دولت کے افسانے جنیوا اور وینس کے بازاروں میں قصوں کي طرح سنائے جاتے تهے - یورپ میں عام طور پر قاهره کا نام " قاهره عظیم " تها - یعني

Le Grand Caire ' جیسا کہ خود اس سفر نامہ میں جا بجا یہي نام استعمال کیا گیا ھے -

مصر اور یورپ کے تعلقات کي یہ ابتدائي تاریخ بیان کر دینے کے بعد ھم اُن واقعات کي طرف متوجہ ھوتے ھیں جو اس سفر نامہ کے مصنف نے بیان کیے ھیں -

سنہ ۱۵۰۵ - ع میں کئي سال کي پادشاہ گردي کے بعد سلطان ابو النصر ملک الاشرف قانصوہ غوري تخت نشین ھوا - اِس پادشاہ کے زمانے میں یکے بعد دیگرے ایسے حوادث پیش آئے ' کہ یورپ اور مصر کے تعلقات پھر منقطع ھوگئے -

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ھے ' اُس زمانے میں مصر ' ھندوستان اور یورپ کي تجارت کي درمیاني کڑي تھا - سواحل عرب اور مصر کے عرب جہازران ھندوستاني مصنوعات مصر لے جاتے تھے - وھاں سے وینس ' جنیوا ' اور فرانس کے تاجر بیش قرار قیمتیں دیکر اپنے اپنے ملکوں کیلیے حاصل کرلیتے تھے - خود مصري حکومت کے بھي بے شمار جہاز تھے - یہ سوئز سے لیکر کالي کٹ اور چٹاگاوں تک سفر کرتے رھتے - سنہ ۱۵۰۳ع میں ایسا ھوا کہ واسکو دي گاما کا بیڑہ بحر ھند میں پہنچ چکا تھا - مصري جہازوں سے اس کي مڈ بھیڑ ھوگئي - یہ جہاز ھندوستان سے مال تجارت سوئز لیجا رھے تھے - پرتگالي بیڑہ نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا ' ادمي گرفتار کرلیے ' اور جہاز ڈبو دیے -



سلطان مصر کے وزراء

یہ خبر جب سلطان غوري کو پہنچي ' تو قدرتي طور پر نہایت برھم ھوا - اُس نے ارادہ کیا کہ تمام یورپین تاجروں کو مصر و شام سے نکال دے - لیکن اس سفر نامہ کا مصنف لکھتا ھے کہ " اُس غیر معمولي عقل و بصیرت سے کام لیکر جو مشرق کے اس عظیم الشان پادشاہ کے حصے میں آئي ھے ' اُس نے اس کار روائي میں جلدي نہیں کي ' اور خیال کیا کہ پہلے اصلاح حال کي کوشش کرلي جاے " چنانچہ اس نے ایک سفیر یورپ روانہ کیا تا کہ اٹلي ' فرانس ' اور جنیوا ' جائے ' اور ان ملکوں کي حکومتوں کو حکومت پرتگال کي ان زیادتیوں پر توجہ دلائے - یہ مصري سفیر بیت المقدس کي مسیحي خانقاھوں کا رئیس اعظم تھا - سفیر پہلے وینیس گیا - حکومت وینیس نے اس کے استقبال کے لیے ایسے انتظامات کیے ' جیسے پادشاھوں کے استقبال کے کیے جاتے ھیں - پھر جمہوریت کے دسوں ممبر جمع ھوئے ' اور سفیر کے پیام پر غور کیا - سفیر کا پیام یہ تھا کہ " اگر حکومت پرتگال نے اس طرز عمل کي تلافي نہ کي اور آئندہ مصري جہازوں کو کسي طرح کا نقصان پہنچا ' تو سلطان مصر نے ارادہ کرلیا ھے کہ بیت المقدس کا کنیسہ بند کردیگا ' اور تمام یورپین تاجروں کو اپني مملکت سے نکال دیگا " حکومت جمہوریہ نے مصر کي شکایات کے حق بجانب ھونے کا اعتراف کیا ' لیکن چونکہ اُسے پرتگال پر کوئي اقتدار حاصل نہ تھا ' اس لیے سفیر کو پوپ جولیس دوم کے پاس جانے کا مشورہ دیا ' اور اپنے سفرا بھي ساتھہ کر دیے - پوپ نے سفیر سے مل کر جب تمام حالات معلوم کیے ' تو بہت خالف ھوا - وہ سلطان مصر کي ناراضي کے نتائج سے بے خبر نہ تھا - اس نے حکومت پرتگال کے نام ایک تہدیدي مراسلت روانہ کي - اسکے بعد مصر کا سفیر اسپین اور فرانس ھوتا ھوا مصر واپس آ گیا -

لیکن ابھي مصري سفارت یورپ سے واپس پہنچي ھي تھي ' کہ اچانک بعض حوادث ایسے پیش آگئے ' جنکي وجہ سے سلطان کا غیظ و غضب پھر یورپ کے برخلاف بھڑک اُٹھا ' اور اصلاح حال کي وہ تمام کوشیشیں ضائع گئیں ' جو مصري سفارت کے ذریعہ انجام پائي تھیں - اِن حوادث میں سب سے زیادہ اھم حوادث چار ھیں ' جنھیں اس سفر نامہ کے مصنف نے بڑي تفصیل کے ساتھہ لکھا ھے :

سب سے پہلا حادثہ پرتگالیوں کي دربارہ تعدي تھي جو مصري جہازوں پر کي گئي - یہ جہاز کالي کٹ سے سوئز واپس جارھے تھے -

دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ جزیرہ روڈس کے نائٹوں کا ایک بیڑہ اسکندریہ کے قریب پہنچ گیا - اُنھوں نے سلطان مصر کے اُن جہازوں پر حملہ کر دیا جو مراکش کے حاجي واپس لیجا رھے تھے -

اِسي اثنا میں ایک تیسرا واقعہ بھي پیش آ گیا - مصر اور ترکوں میں مخالفت جاري تھي - سلطان مصر کو معلوم ھوا کہ کمال پاشا فوجي سامان و اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اناضول سے قسطنطنیہ لے جانے والا ھے - اس نے اپنے تیس جہاز گیلي پرلي کي طرف روانہ کر دیے ' تاکہ اِس ذخیرہ پر قبضہ کر لیں - اتفاق سے روڈس کے بحري نائٹوں کے ایک بیڑہ سے اُنکا مقابلہ ھوگیا - مقابلہ میں مصري جہازوں کو شکست ھوئي ' اور کئي جہاز بالکل تباہ ھوگئے -

چوتھے حادثہ کي نوعیت ان تمام حوادث سے مختلف قسم کي تھي ' لیکن سلطان کي طبیعت پر اُس کا سب سے زیادہ اثر ھوا - عراق کے بعض سرحدي اضلاع میں مصري حاکم نے ایک یوناني کو مشتبہ حالات میں دیکھا اور گرفتار کرلیا - گرفتاري کے بعد تلاشي لي گئي ' تو اس کے کپڑوں میں سے ایک مخفي کاغذ نکلا - یہ شاہ اسماعیل صفوي کا خط تھا ' جو ٹامس کرنٹرین قنصل وینیس متعینۂ اسکندریہ کے نام لکھا گیا تھا - حاکم نے یونانی قاصد مع خط کے قاھرہ بھیجوا دیا - جب سلطان نے یہ خط پڑھا ' تو اسے معلوم ھوگیا کہ حکومت ایران ' یورپ کي حکومتوں سے مل کر اُس کے خلاف سازش کر رھي ھے ' اور وینیس میں اور ایران میں عرصہ سے سلسلۂ مراسلت جاري ھے -

ان تمام واقعات نے سلطان کو یورپین حکومتوں کے برخلاف اس درجہ غضب ناک کردیا ' کہ اُس نے حکم دیا - بیت المقدس کا کنیسہ بند کردیا جائے ' تمام یورپین قنصل اور تاجر گرفتار کرلیے جائیں ' اور آئندہ کوئي فرنگي حدود مملکت میں قدم نہ رکھے - اُس نے بیت المقدس اور شام کي مسیحي خانقاھوں کے تمام راھبوں کي گرفتاري کا بھي

حکم دیدیا تھا ' لیکن سفر نامہ کا مصنف لکھتا ہے کہ " انہوں نے خزائن بیت المقدس کی بڑی مقدار دیکر اپنی جانیں بچا لیں "

اس واقعہ نے تمام یورپ میں اضطراب پیدا کردیا - واسکو ڈی گاما نے اگرچہ ہندوستان کا براہ راست بحری راستہ معلوم کرلیا تھا ' لیکن ابھی اس راہ سے ہندوستانی مال کی آمد و رفت شروع نہیں ہوئی تھی ' اور یورپ کی مشرقی تجارت کا دار و مدار بدستور مصر پر تھا - جونہی مصر کا دروازہ بند ہوا ' یورپ نے محسوس کیا کہ تمام مشرق کا دروازہ اُس پر بند ہوگیا ہے - ایک سال کے اندر وینیس اور جنیوا کی تمام تجارتی منڈیاں بند ہوگئیں ' اور یورپ میں مشرقی مصنوعات کا پھر قحط شروع ہوگیا -

یہ حالت دیکھکر وینیس اور فرانس کی حکومتیں مجبور ہوئیں کہ کسی نہ کسی طرح حکومت مصر سے از سر نو دوستانہ تعلقات پیدا کریں - وینیس کی یہ سفارت (جس کی سیاحت مصر کی روداد اس سفر نامہ میں قلمبند کی گئی ہے) اسی مقصد سے روانہ کی گئی تھی - قریب قریب اسی زمانے میں فرانس کی سفارت بھی روانہ ہوئی - سفر نامہ میں جا بجا فرانسیسی سفارت کے معاملات کا بھی ذکر کیا گیا ہے ' اگرچہ انداز بیان مخالفانہ جذبات سے خالی نہیں ہے - فرانسیسی سفارت شولیر کونت انڈری کی زیر ریاست بھیجی گئی تھی -

وینیس کی یہ سفارت ۲۳ - جنوری سنہ ۱۵۱۲ع - کو وینیس سے روانہ ہوئی ' اور بے شمار مقامات میں ٹھہرتی ہوئی ' ۲۰ - مئی سنہ مذکور کو اسکندریہ پہنچی -

(سفرنامہ کے تاریخی فوائد)

سفر نامہ اُس عہد کی ملکی اور معاشرتی حالات کے بے شمار فوائد و معلومات سے مملو ہے - ان کا استقصاء ایک تحریر میں ممکن نہیں - ہم مختصراً بعض اہم فوائد کا ذکر کرینگے -

(سلطان غوری اور وزراء کی تصاویر)

مصنف نے جا بجا لکھا ہے کہ اُسے مصوری میں کافی دخل تھا - اس کا ثبوت اُن تصاویر سے ملتا ہے جو اُس نے سفر نامہ کے ساتھہ شامل کی ہیں - ہم ان میں سے دو تصویروں کی نقل اس تحریر کے ساتھہ شائع کرتے ہیں - پہلی تصویر سلطان قانصوہ غوری کی ہے - دوسری اس کے وزراء کی ہے - مصنف لکھتا ہے " میں نے سلطان سے اُس کی اور اُس کے درباریوں کی تصویر کھینچنے کی اجازت حاصل کرلی تھی "

ان تصاویر میں سلطان اور وزراء مصر کی جو وضع و ہئیت نظر آرہی ہے ' یہ اُس عہد کے تمام ترک اور چرکس امراء کی عام وضع تھی - سلاطین و امراء عثمانیہ کا لباس اور عمامہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا - یہ عمامہ جو اسقدر بلند اور عریض ہوتا تھا ' ایسے باریک کپڑے اور ہلکے مواد سے طیار کیا جاتا تھا ' کہ کوئی غیر معمولی وزن سر پر محسوس نہیں ہوتا تھا - ہندوستان میں یہ بات دلچسپی کے ساتھہ معلوم کی جائیگی کہ اکثر حالتوں میں یہ کپڑا ہندوستانی ساخت کا ہوتا تھا !

سلطان ملک الاشرف قانصوہ غوری جسکی تصویر آپکے سامنے ہے ' دراصل مصر کے چرکسی مملوکوں کا آخری فرمانروا ہے - سنہ ۹۲۲- ھجری مطابق ۱۵۱۶- ع میں جب سلطان سلیم اول نے مصر و شام پر حملہ کیا ' تو تخت مصر پر بھی سلطان متمکن تھا - یہ " مرج دابق " کے معرکہ میں پوری شجاعت اور پامردی کے ساتھہ لڑا ' لیکن بالآخر شکست کھائی ' اور میدان جنگ میں گھوڑے سے گر کر مارا گیا - اسکے بعد ملک اشرف طومان بائی نے کچھہ عرصہ تک لڑائی جاری رکھی ' لیکن مصر کی آخری لڑائی میں اس نے بھی شکست کھائی ' اور ہمیشہ کیلیے چرکسی مملوکوں کا سلسلۂ حکومت ختم ہوگیا -

سلطان غوری سنہ ۹۰۶- ھجری مطابق ۱۵۰۱- ع میں تخت نشین ہوا تھا - اس حساب سے تقریباً پندرہ برس تک حکمران رہا

سفر نامہ کے مصنف نے اس سلطان کے غیر معمولی اوصاف شاہانہ کی بہت تعریف کی ہے ' اور اسے " حزم رائے اور دقت نظر " میں اپنے عہد کا بہترین فرمانروا قرار دیا ہے - مصر کے علم مورخین بھی اُس کے بعض اوصاف کا اعتراف کرتے ہیں -

(سقوط غرناطہ اور مصر)

من جملہ تاریخی فوائد کے ایک نہایت اہم اور عبرت انگیز واقعہ اُس سفارت کا ہے ' جو غرناطہ اور مراکش کے امراء نے مصر بھیجی تھی ' اور جسکی تفصیلات سے مصر کی تمام تاریخیں خاموش ہیں -

اسپین سے مسلمانوں کا آخری اخراج سنہ ۱۴۹۱- ع میں ہوا ہے - یہی سنہ ہے جب تمام اسلامی حکومتوں کی اعانت سے مایوس ہوکر ابو عبد اللہ نے غرناطہ فرڈیننڈ کے حوالہ کردیا - اسکے بعد پچاس برس تک مسلمانوں پر ایسے ایسے وحشیانہ مظالم ہوتے رہے ' جنکی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم میں موجود نہیں - غرناطہ کے بقیۃ السیف مسلمانوں کے خلاف محکمۂ انکویزیشن Inquisition نے قتل و احراق کا آخری حکم سنہ ۱۵۰۹ - میں صادر کیا تھا ' اور کارڈنیل فرانسسکو زی مینس اور فرڈیننڈ ڈی ٹالاویرا نے سرزمین اسپین میں اسلامی تمدن و آبادی کا آخری نقش بھی مٹا دیا تھا - یہ زمانہ ٹھیک وہی زمانہ ہے ' جب مصر میں سلطان محمد بن قایتبائی کے بعد پادشاہ گردی شروع ہوگئی ہے ' اور کئی سال کی طوائف الملوکی کے بعد اعیان سلطنت نے سلطان قانصوہ غوری کو تخت نشین کیا ہے -

تاریخ میں دو واقعات کا اجمالی ذکر ہم پڑھچکے تھے - ایک یہ کہ جب سلطان ابو عبد اللہ ' فرڈیننڈ کے مقابلہ سے عاجز ہوگیا ' تو اُس نے دو سال کیلیے عارضی صلح کرلی ' اور تمام مسلمان سلاطین عالم کی طرف سفارتیں روانہ کیں تاکہ انہیں مسلمانان اندلس کی نصرت و حمایت پر آمادہ کیا جاے - مسلمانان اندلس کو خصوصیت کے ساتھہ سلطان عثمانی اور سلطان مصر سے اعانت کی توقع تھی - لیکن دو سال کی مدت گزر گئی ' اور کسی نے بھی انکی خبر نہیں لی - دوسرا واقعہ سقوط غرناطہ کے بعد کا ہے - جب ابو عبد اللہ کی جلا وطنی کے بعد اسپین کی حکومت نے وہ تمام عہد و پیمان بھلا دیے ' جو مسلمانوں کی آزادی و حفاظت کیلیے کیے گئے تھے ' اور انکا قتل عام شروع ہوگیا ' تو یہ حالت دیکھکر مراکش اور ٹیونس کے سلاطین مضطرب ہوگئے - انہوں نے تمام مسلمان سلاطین عالم کے پاس وفود بھیجے ' اور انہیں مسلمانان اندلس کی بے بسی اور مظلومیت پر توجہ دلائی - ایک خاص سفارت جو مراکش کے بعض اکابر علماء و امراء سے مرکب تھی ' قاہرہ بھیجی گئی تھی - یہ سلطان قانصوہ غوری ہی کا زمانہ تھا - تاریخ کے صفحات ہمیں بتلاتے ہیں کہ سفارت قاہرہ پہنچی ' اور

سلطان نے تمام حالات معلوم کیے - لیکن اسکے بعد کیا ہوا ؟ اس کی کوئی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی - قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصر کا جو سلطان اپنے جہازوں کی حفاظت اور اپنے تجارتی مال و متاع کے ترداد کا اس درجہ خیال رکھتا تھا ' کہ جب کبھی یورپ کی کوئی قوم شرارت کرتی تھی ' تو بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دینے اور یورپین تاجروں کو نکال باہر کر دینے کی دھمکی دیکر فوراً راہ راست پر لے آتا تھا ' اس نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کیلیے جو آٹھ سو برس کی حکومت کے بعد مسیحیت کے مجنونانہ تعصبات کا شکار ہوگئے تھے اور زندہ جلائے جارہے تھے ' کیا کارروائی کی ؟

اس موقعہ پر یہ بات بھی یاد رہے کہ ابو البقاء صالح بن شریف الرندی کا وہ زہرہ گداز تاریخی مرثیہ جو در اصل مسلمانان عالم کے نام مسلمانان اندلس کا ایک مایوس استغاثہ تھا ' اسی زمانہ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ مقری نے تصریح کی ہے ' اور خود یورپ کے مورخین ہمیں بتلاتے ہیں کہ سلطان مراکش نے اسکی نقلیں تمام مسلمان سلاطین عالم کے نام بھیج دی تھیں :

لکل شئی اذا ما تم نقصان
فلا یغر بطیب العیش انسان
اصابها العین فی الاسلام فارتزأت
حتی خلت منه أقطار و بلدان
علی دیار من الاسلام خالیة
قد اقفرت و لها بالکفر عمران
حیث المساجد قد صارت کنائس ما
فیهن الا نواقیس و صلبان
بالامس کانوا ملوکا فی منازلهم
والیوم فی بلاد الکفر عبدان
فلو تراهم حیاری لا دلیل لهم
علیهم فی ثیاب الذل ألوان
لمثل هذا یذوب القلب من کمد
ان کان فی القلب اسلام و ایمان !

قصیدہ کے آخر میں یہ اشعار فی الحقیقت مسلمانان عالم کے نام مظلومین کا پیام الغیاث تھا :

یا راکبین عتاق الخیل ضامرة
کانها فی مجال السبق عقبان
و حاملین سیوف الهند مرهفة
کأنها فی ظلام النقع نیران
و راتعین وراء البحر فی دعة
لهم باوطانهم عز و سلطان
أعندکم نبأ من اهل اندلس ؟
فقد سری بحدیث القوم رکبان
کم یستغیث بنا المستضعفون و هم
قتلی و أسری فما یهتز انسان
ما ذا التقاطع فی الاسلام بینکم
و انتم یا عباد الله اخوان
الا نفوس أبیات لها همم ؟
أما علی الخیر أنصار و أعوان ؟

لیکن اس پیام کا جواب اُن مسلمان قوموں اور فرماں رواؤں نے کیا دیا جو بقول ابو البقاء کے " خوبصورت گھوڑوں پر سوار تھے ' ہندی تلواروں کی چمک دمک سے اُنکے ہاتھ شعلہ بار رہتے تھے ' اور اپنے آزاد وطنوں میں عزت و فرمانروائی کی پر عیش زندگی بسر کر رہے تھے " ؟ تاریخ کے اوراق ہمیشہ اس واقعہ پر ماتم کرینگے کہ تمام عالم اسلامی میں ایک صدا بھی انکی حمایت میں بلند نہ ہوئی !

بہر حال جہانتک مصری حکومت کا تعلق ہے ' اس سفر نامہ سے بعض ایسی تفصیلات روشنی میں آجاتی ہیں ' جو اس وقت تک تاریکی میں تھیں - بلاشبہ یہ ایک قیمتی فائدہ ہے جو اس کتاب سے حاصل کیا جاسکتا ہے - سفر نامہ کا مصنف اُن حالات کی تفصیل کرتا ہوا جو سلطان غوری کے تخت نشین ہونے کے بعد پیش آئے تھے ' لکھتا ہے :

" یہ وہ وقت تھا کہ اسپین نے تمام موروں (مسلمانوں) اور یہودیوں کو ملک سے نکال دیا تھا ' اور سیکڑوں برس کے بعد پھر یہ سر زمین صرف مسیحیوں ہی کیلیے مخصوص ہوگئی تھی - یہ حالت دیکھکر مراکش ' ٹیونس ' اور الجزائر کے مسلمان امیروں نے سلطان مصر کی خدمت میں وفود بھیجے ' تاکہ اسپین کے مقابلہ میں اُنکی مدد کی جاے ' اور اُنھیں اس قابل کر دیا جاے کہ یہ ملک دوبارہ مسلمانوں کیلیے حاصل کر لیں - جب یہ وفود قاہرہ پہنچے تو سلطان غوری نے اُن کا بہت اچھی طرح استقبال کیا اور اس معاملہ میں پوری دلچسپی ظاہر کی - پہلے اُس نے ارادہ کیا کہ اسپین سے انتقام لینے کیلیے اور تمام شاہان یورپ پر اثر ڈالنے کیلیے بیت المقدس کا کنیسہ بند کر دے ' اور یورپ کے تاجروں کو اپنی مملکت سے نکال دے - لیکن پھر جب اس کارروائی کے نتائج پر نظر ڈالی ' تو اُس پر ظاہر ہوگیا کہ ایسا کرنا دانشمندی کے خلاف ہوگا - اسی اثنا میں ایسا ہوا کہ حکومت اسپین بھی امراء مراکش کی کوششوں پر مطلع ہوگئی - شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازابیلا کو خبر ملگئی کہ اُمراء مراکش مصر کو اپنی اعانت پر اُبھارنا چاہتے ہیں - انھوں نے بھی فوراً ایک سفیر مصر بھیج دیا تاکہ سلطان سے ملکر اسے مسلمانان اندلس کی اعانت سے باز رکھے - اس سفیر کا نام کونٹ پیٹر ڈینکر تھا - یہ اسکندریہ پہنچا ' اور فلپ دی پیریٹز کے یہاں اُترا جو اُس وقت مصر میں فرانس اور اسپین کا مشترک قنصل تھا - قنصل نے سفیر کی آمد کی باقاعدہ اطلاع سلطان کو بھیج دی ' اور درخواست کی کہ اسکے لیے قاہرہ جانے کا پروانۂ راہداری مرحمت ہو "

" سلطان کو جب اس معاملہ کی اطلاع ملی ' تو اُس نے امراؤ علماء سے مشورہ کیا - علماء چونکہ مراکشی وفد کے ذریعہ مسلمانان اسپین کے مصائب کے واقعات معلوم کر چکے تھے ' اسلیے قدرتی طور پر اسپین کے خلاف اُنکے جذبات مشتعل ہو رہے تھے - انھوں نے بالاتفاق یہ راے دی کہ سلطان کا اس سفارت سے ملاقات کرنا بہتر نہیں - اسے واپس کر دیا جاے - سلطان نے بھی اس مشورہ سے اتفاق کیا ' اور سفیر کیلیے پروانۂ راہداری نہیں بھیجا -

لیکن ساتھہ ھي صاف لفظوں میں انکار بھي نہیں کیا - جب کبھي قنصل کي جانب سے عرضداشت پہنچي ' کسي نہ کسي طرح ٹالدیا گیا "

" لیکن کچھہ عرصہ کے بعد سلطان نے محسوس کیا کہ علماء و امراء کا مشورہ مصالح حکومت کے مطابق نہیں ھے - یہ مصلحت کے خلاف ھوگا کہ حالات نے جو موقعہ یورپین حکومتوں سے مطالب براري کا پیدا کردیا ھے ' اُسے ضائع کردیا جائے - چنانچہ اُس نے اسپیني سفیر کے لیے پروانۂ راھداري بھیجوا دیا - وہ اسکندریہ سے چل کر ۱۶ - جنوري سنہ ۱۵۰۲ع - کو قاھرہ پہنچا - قاھرہ میں سرکاري ترجمان اُس کے استقبال کے لیے موجود تھا - حسب معمول شاھي مہمانسرائے میں اُتارا گیا - اور ایک ھفتہ کے بعد دربار شاھي میں پیش ھوا "

" اس موقعہ پر اس عظیم الشان مشرقي فرمانروا نے جو طرز عمل اختیار کیا ' وہ اُس کي سیاسي مہارت اور شاھانہ حکمت عملي کا بہترین نمونہ ھے - وہ علماء و اعیان سلطنت کو اپنا مخالف بنا لینا پسند نہیں کرتا تھا ' جو قدرتي طور پر مسلمانان اسپین سے ھمدردي رکھتے تھے اور اُن کي حمایت و اعانت کے دل سے خواھشمند تھے - دوسري طرف اس کے لیے بھي طیار نہ تھا کہ ایک دور دراز ملک کے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ جنگ و خونریزي کے خطرات میں مبتلا ھو ' اور اپنے مصالح و فوائد کو نقصان پہنچائے - پس اُس نے ایسا طریقہ اختیار کیا ' جس سے ایک طرف علماء و امراء سلطنت کو بھي شکایت کا موقعہ نہیں ملا - دوسري طرف یورپ سے بھي اچھے تعلقات قائم ھوگئے - اُس نے اسپیني سفیر کو پہلي مرتبہ بر سر دربار بلوایا - اس موقعہ پر تمام امراء و علماء سلطنت موجود تھے - جب اُس نے اپنے پادشاہ کا سلام عرض کیا ' تو سلطان نے نہایت غضب ناک لہجہ میں اُس کا سلام قبول کرنے سے انکار کردیا ' اور کہا ' میں ایسے پادشاہ کا سلام نہیں سن سکتا جس نے مسلمانوں کے ساتھہ ظالمانہ سلوک کیا ھے اور جس کي حکومت میں اِس وقت تک مسلمانوں کا خون بہایا جا رھا ھے - لیکن پھر دو دن بعد پوشیدہ محل میں بلا کر دوبارہ ملاقات کي ' اور اس ملاقات میں نہ صرف پادشاہ اسپین کا سلام پوري بشاشت و مرحمت کے ساتھہ قبول کرلیا ' بلکہ اُس کے جواب میں اپني جانب سے بھي دوستانہ تعلقات کا پوري طرح یقین دلایا - اس کے بعد سفیر اور سلطان میں اور بھي کئي پوشیدہ ملاقاتیں ھوئیں - بالاخر اس سفارت کا جو مقصد تھا وہ حاصل ھوگیا - یعنے سلطان نے اسپین سے دوستانہ معاھدہ کرلیا ' اور کچھہ عرصہ کے بعد تمام یورپ سے بھي از سر نو معاھدات کي تجدید ھوگئي - مراکش کا وفد کئي سال تک قاھرہ میں پڑا رھا - آخر مایوس ھوکر واپس چلا گیا "

اس بیان پر کسي اظہار رائے اور بحث کي ضرورت نہیں ھے - جو معاھدہ اسپین اور سلطان غوري میں اس سفارت کے ذریعہ ھوا تھا ' اور سفارت نے جو تحریر سرکاري طور پر سلطان کے سامنے پیش کي تھي ' اس کا اصلي نسخہ اِس وقت تک اسپین کے شاھي کتب خانہ واقع اسکوریال میں موجود ھے -

مذاکرۂ علمیہ

قدماء کی مفقود صنعتیں

یہ معلم ھے کہ قدیم قومیں بہت سي ایسي صنعتوں سے واقف تھیں جو اب مفقود ھو چکي ھیں - حال میں امریکہ کے ایک محقق علوم قدیمہ نے ایک مقالہ میں اُن پر نہایت دلچسپ بحث کي ھے - وہ لکھتا ھے :

بعض قدیم مصري قبروں میں قرمزي رنگ کا نہایت شفاف شیشہ پایا گیا ھے - علماء عصر حیران تھے کہ یہ کیونکر بنایا جاتا تھا ؟ بیان کیا جاتا ھے کہ پندرھویں صدي میں چینیوں کو اِس صنعت کا طریقہ معلوم تھا - خوش قسمتي سے اب سر ھربرٹ جیکسن نے اِسے معلوم کرلیا ھے ' اور لندن کي رائل سوسائٹي کے سامنے پیش کرکے اُس کي تصدیق بھي حاصل کرلي ھے -

یوناني اب سے دو ھزار برس پہلے بھیڑ کي اون سے ایک خاص قسم کا تیل بناتے تھے - یونان کي بربادي کے بعد یہ صنعت مفقود ھوگئي - یہاں تک کہ انیسویں صدي کے علماء اس کا کچھہ پتہ نہ لگا سکے - یہ روغن " لانولین " کے نام سے مشہور ھے -

روم کے معمار ایک ایسا روغن جانتے تھے ' جو دیوار پر لگاتے ھي فوراً خشک ھوجاتا تھا - صدیوں تک مفقود رھنے کے بعد یہ راز سنہ ۱۹۰۸ع میں ایک انگریز رنگ ساز نے از سر نو معلوم کرلیا -

روم کے صناع ایک ایسا شیشہ بھي بناتے تھے جو لچکدار ھوتا تھا - سنہ ۱۶۱۲ ع میں فلورنس کے ایک باشندے نے اِس شیشے کا ذکر کیا ھے - وہ لکھتا ھے " شہنشاہ ٹیبرس کے عہد میں روم والوں نے ایک لچکدار شیشہ ایجاد کیا تھا - مگر اب یہ راز گم ھوچکا ھے - اگر یہ ھمیں معلوم ھوجائے ' تو شیشہ کي قیمت ' چاندي سونے سے بھي زیادہ ھو جائیگي "

لیکن عین اُسي زمانے میں جبکہ فلورنس کا باشندہ یہ سطور لکھہ رھا تھا ' ایران میں یہ صنعت موجود تھي - چنانچہ سنہ ۱۶۱۰ ع میں شاہ ایران نے فلیپ سوم شاہ اسپین کو لچکدار شیشے کے چھہ جام بھیجے تھے - یہ جام کسي طرح بھي ٹوٹ نہیں سکتے تھے !

یہ راز صنعت بالاخر گم ھوگیا - یہانتک کہ کئي صدي کے بعد اب پچھلے سال ایک اسٹریں عالم نے اسے دوبارہ معلوم کرلیا ھے - اِس شیشے کا خاصہ یہ ھے کہ شیشے کي طرح شفاف ھوتا ھے ' مگر لچک اِتني زیادہ ھوتي ھے کہ ایک پورا قاب انگلي پر رکھہ کر تہہ کرلے سکتے ھیں ! قاب تہہ کرلینے کے بعد گیند کي طرح گول ھوجاتا ھے - یہ گیند اگر زمین پر زور سے مارا جائے تو ٹوٹتا نہیں ' بلکہ اس طرح اچھلتا ھے ' جیسے ربڑ کا گیند اچھلتا ھے -

خیال کیا جاتا ھے کہ موجودہ دنیا اس صنعت سے بہت فائدہ اٹھائیگي - اس سے موٹریں بنائي جائینگي ' اور اُنکے ٹوٹ جانے کا خطرہ دور ھو جائے گا -

اسي طرح قدیم زمانے میں تانبے کے اُسترے بنائے جاتے تھے جو لوھے کے اُستروں سے زیادہ اچھا کام دیتے تھے - مدتوں کے بعد اب معلوم ھوا ھے کہ امریکا کے ایک قیدي نے یہ صنعت دریافت کرلي ھے - اُسے قید سے رھا کردیا گیا ھے تاکہ اسے مکمل کرلے -

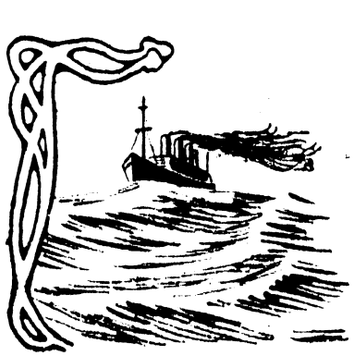

بریدِ فرنگ

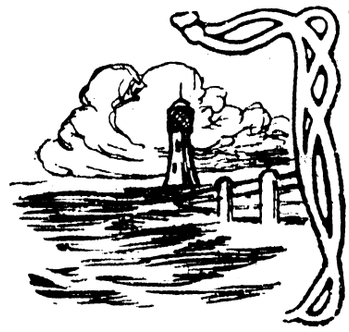

روسی انقلاب کی جوبلی

(دسویں سالگرہ کا جشن)



قارئین الہلال کو اخبارات کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے کہ گذشتہ اکتوبر میں روس کی سوویٹ حکومت نے آخری انقلاب روس کی دسویں سالگرہ منائی تھی ' اور اس تقریب کو " کمیونیزم کی دہ سالہ جوبلی " سے تعبیر کیا تھا - اس تقریب میں شرکت کیلیے بعض ہندوستانی رہنماؤں کو بھی دعوت دی گئی تھی ' لیکن اُن میں سے کوئی شخص بھی نہ جا سکا - وقت کی کمی ' حالات کی ناموافقت ' اور زیادہ تر ہندوستانی حکومت کے پروانۂ راہداری دینے کے اشتباہ سے کسی شخص نے قصد ہی نہیں کیا -

اب یورپ کی پچھلی ڈاک کے اخبارات میں اس تقریب کی نہایت دلچسپ اور موثر تفصیلات آ گئی ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ موسکو کا یہ اجتماع دنیا کے عظیم الشان اجتماعات میں سے تھا - نہ صرف تمام روسی صوبوں سے ' بلکہ دنیا کے دور دراز حصوں سے بھی نمایندوں کی بے شمار تعداد شریک ہوئی تھی - وسط ایشیا کی تمام حکومتوں اور قوموں کے وکلاء موجود تھے - قفقاز اور ارمینیا نے علاحدہ اسمیں حصہ لیا تھا - ایران سے بھی ایک وفد گیا تھا - چین اور جاپان کے بھی نمایندے موجود تھے -

تقریب کے رسوم و اعمال نہایت طول طویل تھے جو کئی دن تک متصل جاری ہے - سب سے زیادہ اہم اور عظیم اجتماع بین الاقوامی جلوس کا تھا جس سے جوبلی کی تقریب کا افتتاح ہوا - اس جلوس کی عظمت کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اسکے شرکاء کی تعداد دس لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ تھی ' اور بیس گھنٹہ سے زیادہ وقت اسکے گذرنے میں لگ گیا تھا - جو لوگ جلوس نکلتے وقت شریک ہوے تھے ' انہوں نے پورا ایک دن اور ایک رات سڑکوں پر بسر کر دی - جلوس کا ایک سرا شہر کے ایک کنارہ سے شروع ہوا تھا ' اور دوسرا سرا کئی چکر کھا کر دوسرے سرے پر ختم ہوا تھا !



اس موقعہ پر یہ بات یاد رہے کہ موسکو کی آبادی عرض کی جگہ زیادہ تر طول ہی میں واقع ہوئی ہے - وہ دنیا کے اُن شہروں میں سے ایک ہے جو سب سے زیادہ لنبے واقع ہوئے ہیں -

جلوس کے بعد سوویٹ کی بین الاقوامی مرکزی

مجلس کا اجلاس شروع هوا - ممکن نه تها که کوئي عمارت اتنے بڑے اجتماع کي گنجایش رکھتي - اس لیے ایک کھلے میدان میں منعقد هوا - اجتماع کئي ٹکڑوں میں تقسیم کردیا گیا تها ' اور هر ٹکڑے کے وسط میں لینین کا ایک مجسمه رکھا گیا تها - لینین کا ایک بہت بڑا مجسمه میدان کے دروازه پر بھي نصب کیا گیا تها ' جو روس کے ایک بہت بڑے صناع نے سنه ۱۹۲۴ میں بنایا تها - یه ایک بہت بڑے قطر کا کرهٔ ارضي هے ' اور اُس کے قطبي حصه پر لینین کھڑا هے - مجسمه کي یه صورت اس رمز کي طرف اشاره کرتي هے که کمیونزم کي دعوت تمام کرهٔ ارضي کي سرمایه پرستي پر غالب آگئي هے !

هم نے صفحات الهلال کے لیے دو مرقعوں کا انتخاب کیا هے - پهلا مرقع اُس مرقعه کا هے جب سوریت کے اعلیٰ حکام جلوس میں شریک هونے کي طیاري کر رهے هیں - بائیں جانب سیاه استر خاني ٹوپي اوڑھے هوئے صدر سوریت کھڑا هے جسے آج کل تمام یورپ "کمیونزم کے زار" سے تعبیر کرتا هے - اس کے ساتھه جدید کمیونست فوج کي وردي پهنے هوئے ' سوریت ارکان حکومت هیں -

دوسرا مرقع جلوس کا ایک خاص حصه هے - اِس میں زیاده تر یورپ اور انگلستان کے نمایندے هیں - اگر آپ بائیں جانب غور سے دیکھیں تو مسٹر سکلت والا کا چهره صاف دکھائي دے رها هے -





جدید ترکي خواتین
سنه ۱۹۱۲ - سے ۱۹۲۵ - تک !

ترکی کی نسوانی تحریکات

الهلال نمر (۲۳) میں عنوان مندرجهٔ صدر سے هم ایک فرانسیسي اهل قلم کے مقالات کا خلاصه درج کرچکے هیں - اب اس سلسلهٔ مقالات کي تیسري قسط بھي شائع هوگئي هے - اِس میں زیاده تر ترکي کي موجوده نسواني تحریکات اور اُنکے مقاصد پر نظر ڈالي هے -

بلاد اسلامیه کے جدید معاشرتي تغیرات کے متعلق وقتاً فوقتاً جو مضامین مشرق و مغرب کے اخبارات میں شائع هوتے رهتے هیں ' اکثر حالتوں میں صورت حال کي معتدل اور حقیقي نوعیت پیش کرنے سے قاصر رهتے هیں - عموماً ایسا هوتا هے که مضمون نگار کوئي خاص نقطهٔ خیال رکھتا هے ' اور اسي کے مطابق صورت حال کا نقشه کھینچنا چاهتا هے - مثلاً جب کبھي موجوده عهد کا کوئي یورپین سیاح ترکي اور مصر کي سیر کریگا ' اور وهاں کي جدید معاشرتي تحریکات پر نظر ڈالیگا ' تو چونکه پیشتر سے اس بارے میں ایک خاص نقطهٔ خیال قائم کر چکا هے ' اسلیے تغیر و اصلاح کي هر حرکت کو اُسي روشني میں دیکھیگا ' اور مجموعي حیثیت سے ایک ایسي تصویر طیار کر دیگا ' گویا ترکي اور مصر کي جدید جماعتوں نے یه یک دفعه اراده کرلیا هے که مشرقیت اور اسلامیت کے تمام عقائد و افکار سے دست بردار هو جائیں !

دوسري طرف بعض مسلمان اهل قلم هیں ' جو هندوستان کے قدامت پسند مسلمانوں کے افکار و جذبات کي رعایت کرني چاهتے هیں - اسلیے پسند نہیں کرتے که نئي تحریکات کي حد سے بڑھي هوئي آزادانه صورت اُنکے سامنے عریاں هو - وه همیشه ان تحریکات کے متعلق ایسي مبهم اور گول مول باتیں کهه جاتے هیں ' جن سے صورت حال مشتبه هو جاتي هے ' اور لوگ خیال کرنے لگتے هیں که ترکي اور مصر کي جدید تحریکات کي نسبت جو کچھه کها جاتا هے ' صداقت سے یک قلم خالي هے -

جدید ترکي نسبت کئي سال سے ایسا هي هو رها هے - ایک طرف وه بیانات هیں جو دنیا کو یقین دلانا چاهتے هیں که جدید ترکي اپنے آپکو مسلمان کهنے کے لیے بھي طیار نہیں - دوسري طرف وه خوش عقیده مسلمان هیں جو اردو اخباروں کے مضامین پڑھکر خیال کرنے لگتے هیں که ترکي کے نئي معاشرتي انقلاب کي نسبت جو کچھه کها جاتا هے ' محض یورپین نامه نگاروں کا سیاسي پروپگنڈا هے - حقیقت سے اسے کوئي لگاؤ نہیں -

اس فرانسیسي مقاله نگار کي یه خصوصیت قابل ذکر هے که اِس نے اپنے تاثرات کو کافي حد تک اس طرح کي بے اعتدالیوں سے محفوظ رکھا هے ' اور کوشش کي هے که بلاد اسلامیه کي موجوده انقلابي ذهنیت کا صحت نظر و تشخیص کے ساتھه مطالعه کیا جاے -

هم اس مقاله کا مختصر خلاصه یهاں درج کرتے هیں ' تا که مسلمانان هند جدید ترکي کے فکري تغیرات صحت کے ساتھه معلوم کرسکیں -

مقاله نگار لکھتا هے :

"گذشته دس سال کے اندر ترکي کي معاشرتي زندگي میں جو انقلاب رونما هوا هے ' اُس کا اندازه کرنے کے لیے همیں نوجوان ترک عورت کي نئي تاریخ حیات پر نظر ڈالني چاهئے -

سنه ۱۹۰۸ع میں جب دستوري انقلاب هوا ' تو تمام قسطنطنیه میں ایک مسلمان عورت بهي ایسي نهیں تهي جسے قسطنطنیه کي سڑکوں پر بغیر یشمک (هلکے نقاب) کے نکلنے کي جرأت هو - لیکن پانچ سال کے اندر هي اندر یه حالت هوگئي که نئي صدي پچهتر نوجوان لڑکیاں ایسي تهیں جنهوں نے یشمک کي جگه ایک ایسا بالائي لباس اختیار کرلیا تها جو اُن کے چهرے کے کناروں کو ڈهانپ لیتا تها ' اور درمیاني حصه بالکل کهلا رهتا تها - چند سالوں تک یه وضع نهایت مقبول رهي - بڑے بڑے باشاؤں کے گهرانے میں بهي اسي وضع کا لباس ڈرائینگ روم کي ملاقاتوں کے لیے پهنا جاتا تها - لیکن سنه ۱۹۱۴ع میں جب عالمگیر جنگ شروع هوئي ' تو بهت سي نوجوان ترک عورتیں اس پوشش سے اُکتا چکي تهیں - ایک بڑي تعداد ایسي لڑکیوں کي موجود تهي جس نے اسے ترک کردیا تها - وہ اپنے سروں کو ایک خاص طریقه سے اچهي طرح ڈهانپ لیتیں ' لیکن چهرہ ٹهڈي کے پاس پوشیده نهیں کیا جاتا - وہ پوري طرح کهلا رهتا تها "

" جهاں تک عام لباس کا تعلق هے ' ترکي کي شهري عورتیں ' خصوصاً دارالحکومت کي عورتیں ایک عرصه سے یورپین لباس کے غالب اجزاء اختیار کرچکي تهیں - لیکن سنه ۱۹۰۸ع تک ایسي عورتیں زیاده نه تهیں ' جنهوں نے کامل طور پر یورپین لباس اختیار کر لیا هو - عموماً اس طرح کا لباس پهنا جاتا تها ' جو یورپین لباس هونے پر بهي بعض مشرقي قسم کي خصوصیات رکهتا تها - سنه ۱۹۰۸ع کے انقلاب کے بعد یه خصوصیات رخصت هونے لگیں - یهاں تک که سنه ۱۹۱۴ع میں دار الحکومت کے تمام گهرانوں میں نئي نسل کي

سنه ۱۹۱۳ - میں ترک خواتین کي ایک انجمن کا اجلاس

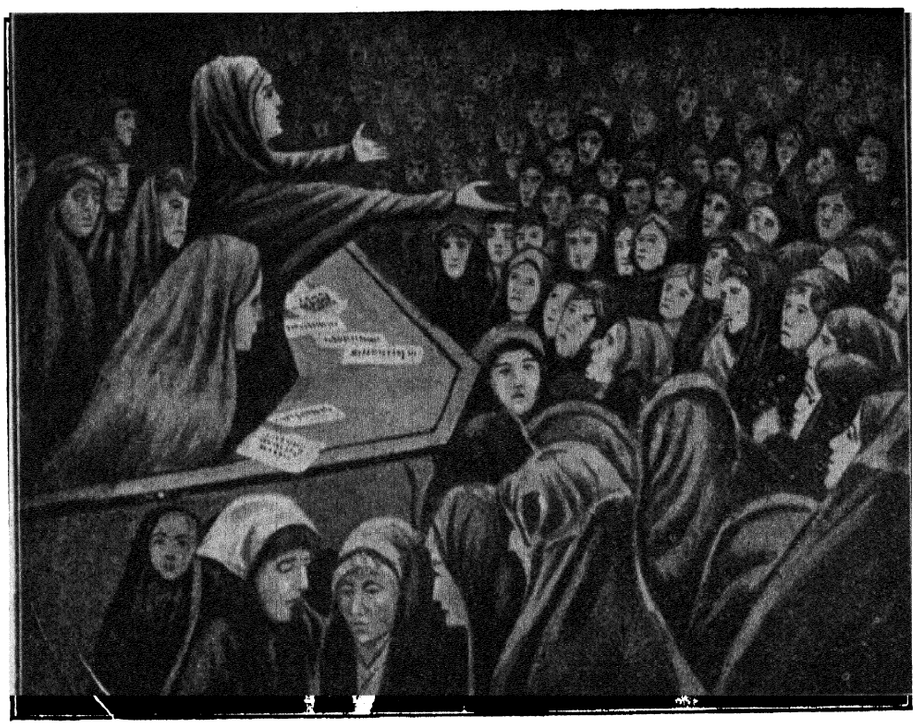

لڑکیوں نے کامل :فرانسیسي لباس اختیار کرلیا - ترکي زبان میں بهي لباس اور فیشن کے ترکي رسائل اُسي طرح نکلنے لگے ' جس طرح فرانس اور انگلستان میں نکلتے هیں - دارالحکومت سے باهر بهي تمام بڑے بڑے شهروں میں کامل قسم کا یورپین لباس رائج هوگیا - گذشته سال مجهے ایک درست نے جو عرصه سے سمرنا میں مقیم هے ' بتلایا تها که سمرنا کے ترک گهرانوں میں پیرس کے تازه ترین زنانه فیشن سے ویسي هي دلچسپي لي جاتي تهي ' جیسي دلچسپي یورپ کے کسي شهر میں لي جاسکتي هے - فرق صرف اتنا تها که پیرس کا جو فیشن ایک هفته کے اندر لندن اور برلن کے درزیوں کے یهاں پهنچ جاتا تها ' اُسے سمرنا تک پهنچتے پهنچتے کئي هفتے لگ جاتے تهے ! "

" تاهم یه ساري تبدیلیاں گهر کي چار دیواري کے اندر هي هوتي رهیں - یه ممکن نه تها که کوئي ترک عورت گهر سے باهر بهي اُسي لباس میں نکل سکے ' جس لباس کے اندر وہ گهر میں اپنے دوستوں کا استقبال کرتي تهي - باهر نکلنے کیلیے ایک خاص وضع کا بهت عریض فرغل استعمال کیا جاتا تها ' جسے کمر کے پاس پیٹي سے کس لیا جاتا تها ' اور وہ همارے ملک کے پادریوں کے گاؤن کي سي هیئت پیدا کرلیتا تها - فرغل پهن لینے کے بعد نه صرف جسم هي کامل طور پر چهپ جاتا تها ' بلکه لباس کي تمام آرائش بهي پوشیده هو جاتي تهي - امیر هو یا غریب ' جوان هو یا بوڑهي ' تعلیم یافته هو یا غیر تعلیم یافته ' لیکن گهر سے باهر هر ترک عورت ایک هي طرح کے لباس میں نظر آئیگي - سنه ۱۹۱۲ - میں جب نوجوان

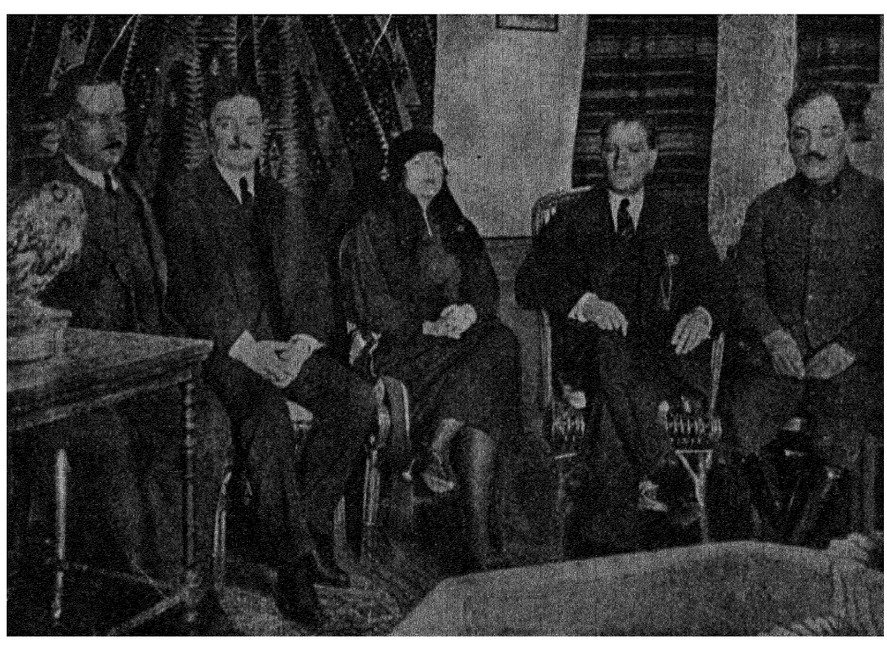

غازي مصطفے کمال پاشا اور اُنکي سابق بیوي لطیفه هانم

لڑکیوں نے یشمک کا استعمال ترک کر دیا ' اور غریب خاندانوں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں تار اور ٹیلی فون کے مرکزوں میں کام کرنے لگیں ' تو اُس وقت بھی اُنہیں اس بات کی جرأت نہیں ہوئی تھی ' کہ یورپین عورتوں کی طرح اپنے آرائشی لباس میں باہر نکلیں - دولت مند گھرانوں کی بے شمار عورتیں ہیں ' جو پیرس کے مشہور درزیوں کے یہاں اپنے کپڑے سلواتی ہیں ' اور اپنی بالوں کی آرایش اور لباس کی دیکھ بھال کیلیے بیش قرار تنخواہوں پر فرانسیسی خادمائیں رکھتی ہیں ' تاہم وہ بھی جب گھر سے باہر نکلتی ہیں ' تو اپنا حسین اور فیشنیبل فرانسیسی لباس سیاہ و عریض فرغل کے اندر چھپا لیتی ہیں - یہ فرغل اُس وقت تک اُنکے جسم سے الگ نہیں ہوتا ' جب تک کہ وہ گھر کی چاردیواری کے اندر واپس نہ آ جائیں "

اسکے بعد مقالہ نگار نے اُن تغیرات کا ذکر کیا ہے جو جنگ کے بعد جدید قومی تحریک کے ساتھہ ساتھہ ظہور پذیر ہوئے ' اور جو اب نہایت تیزی کے ساتھہ عام ہو رہے ہیں :

" اِن تغیرات میں سب سے زیادہ اہم چیز ترک عورتوں کی معاشرتی ذہنیت ہے - یہ واقعہ ہے کہ گذشتہ چند سالوں کے اندر اُنہوں نے تغیر و انقلاب کی بہت بڑی مسافت طے کرلی ہے - سنہ ۱۹۱۴ع کی نوجوان ترک خاتون اگرچہ اپنی آزاد خیالی اور ذہنی استعداد کے لحاظ سے قدیم مشرقی عورتوں سے بالکل مختلف قسم کی ذہنیت رکھتی تھی ' تاہم اُس میں موجودہ عہد کی وہ بے خوف روح نہیں پائی جاتی تھی جو قدامت کے دائرۂ اثر سے یورپی



جنگ سے پہلے ایک زنانہ اسکول کی ترک لڑکیاں

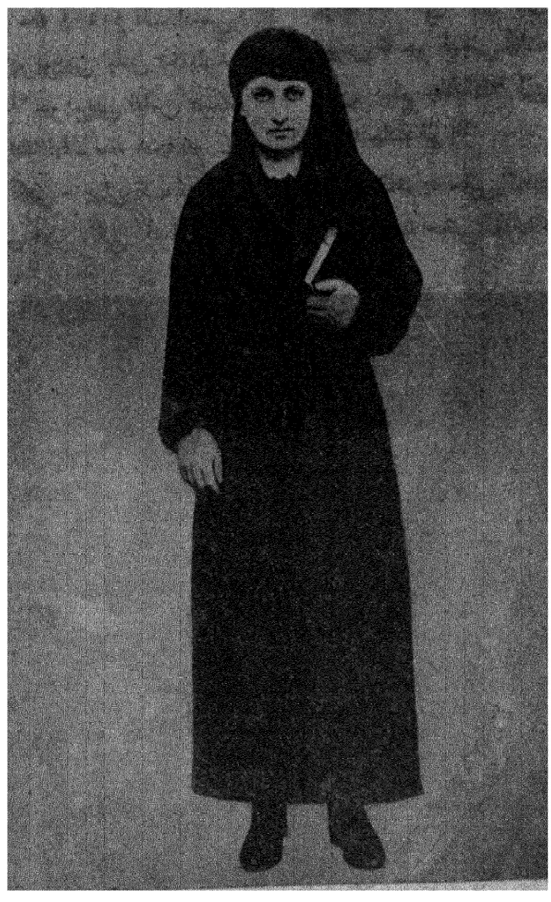

خالدہ ادیب خانم

عہد حاضر کی مشہور اہل قلم جو آجکل امریکہ میں مقیم ہے

طرح آزاد ہو چکی ہے - اُس میں ایک ایسا محسوس تذبذب اور اضطراب باقی تھا ' جس کے اندر روح قدامت کی ایک دھندلی سی تصویر نظر آجاتی تھی - لیکن سنہ ۱۹۲۷ع کی ترقی یافتہ ترک عورت کامل معنوں میں آزاد خیال ہے - اُس کا تذبذب مٹ چکا ہے - اُس میں اضطراب فکر کی جگہ عزم اور فیصلہ پیدا ہوگیا ہے - وہ وقت کی روح سے لبریز ہے ' اور صرف مستقبل ہی کی طرف نگاہ رکھتی ہے - بلا شبہ یہ صورت حال اس وقت تک صرف اونچے طبقہ ہی میں محدود ہے - متوسط طبقہ کی عورتیں عموماً پچھلی حالت ہی میں باقی ہیں - لیکن اگر ترکی کی موجودہ حکمران جماعت کو فوری زوال پیش نہ آگیا ' تو یہ بات یقینی ہے کہ بہت جلد یہ روح تمام ترکی میں پھیل جائیگی "

" اب نوجوان عورتیں وہ پرانا فرغل بھی ترک کرتی جاتی ہیں جو باہر نکلنے کیلیے اُنکی لازمی پوشش تھی - اسکی جگہ ایک ایسا لباس وضع کرلیا گیا ہے جو گھر اور گھر سے باہر ' دونوں حالتوں میں کام دیسکتا ہے - گزشتہ سال انگورہ میں یہ دیکھکر مجھے نہایت حیرت ہوئی تھی کہ ارکان حکومت کی بیویاں بغیر فرغل پہنے ہوئے باہر نکلتی تھیں اور مجلس (پارلیمنٹ) کی گیلریوں میں بیٹھی نظر آتی تھیں - بعد کو مجھے بتلایا گیا کہ یہ طریقہ اب روز بروز مقبول ہوتا جاتا ہے ' اور اعلیٰ طبقہ کی کوئی ترک عورت ایسی نہیں ہے جو قدیم فرغل استعمال کرتی ہو "

تاریخ و عبر

غدر ۱۸۵۷ء

تصویر کا دوسرا رُخ

(۲)

تین واقعات میں سے تیسرا واقعہ

جلیانوالہ باغ کا قتلِ عام

(۳) تیسرا واقعہ جلیانوالہ باغ کا قتلِ عام ہے۔ جو غدر سے ڈرے ہوئے دماغوں کے طفیل عالمِ وجود میں آیا تھا۔ یہ حادثۂ جانکاہ اپریل ۱۹۱۹ء میں واقع ہوا۔ ہندوستانی اسے اس وقت تک فراموش نہیں کر سکے ہیں۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ جنرل ڈائر کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا تھا۔ کیونکہ امرتسر میں (جو اکالی سکھوں کا صدر مقام ہے) فساد قابو سے باہر ہو چکا تھا۔ لوگوں نے کئی انگریز قتل کر دئیے تھے۔ اور عیسائی لڑکیوں کی قیامگاہ جلانے کی بھی کوشش کی تھی۔ جلیانوالہ باغ میں جو ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا، وہ امن پسند نہیں کہا جا سکتا۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ جب ڈائر موقع پر پہنچا، تو ایک شخص تقریر کر رہا تھا۔ ڈائر نے آتے ہی سپاہیوں کو فائر کرنے کا حکم دے دیا، اور دس منٹ کے اندر سینکڑوں آدمی موت کے گھاٹ اُتار دئے گئے۔ قریباً ایک ہزار آدمی زخمی بھی ہوئے تھے (لیکن ہندوستانی مقتولین اور مجروحین کی تعداد اس سے زیادہ بتاتے ہیں) جب سپاہیوں کے کارتوس ختم ہو گئے تو یہ قتلِ عام خود بخود بند ہو گیا۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ڈائر نے مارشل لا کی تحقیقاتی کمیشن کے روبرو جو شہادت دی، اس کو اسنے اپنے آپ کو سخت نقصان پہنچایا۔ کیونکہ وہ خود مانتا ہے کہ عرصہ تک منزلہ بیکر لوگوں کے دلوں میں خوف اور دہشت پیدا کرنی چاہتا تھا۔

چونکہ مارشل لا کی وجہ سے لوگوں کو شام کے بعد گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی لئے اس شام کو کوئی شخص جلیانوالہ باغ کی طرف اور زخمیوں کے پاس جانے کی جرأت نہ کر سکا۔ [illegible] نے ان کی طرف توجہ کی۔ [illegible] بیان کرنا نہیں چاہتا۔ [illegible] ڈائر کے فعل کے خلاف [illegible] طریقے سے اس کی تائید کی۔ اس کے تعریف بھی انگریزوں [illegible] سے وہی سلوک کیا جو غدر کے ایام میں کیا تھا۔ انھوں نے علانیہ طور پر یہ بات ثابت کر دی کہ وہ محض تلوار کے زور سے ہندوستان کو غلام رکھنا چاہتے ہیں۔ جب گورنمنٹ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ سخت گھبرا گئی لیکن اسے بھی مصلحۃً ڈائر کی حرکات کی تائید ہی کرنی پڑی۔ اس دہشت کا اثر یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں اتحاد کی ایک برقی امر دوڑ گئی۔ لوگوں نے باہمی نفاق بالائے طاق رکھ کر ایک متحدہ تحریک گورنمنٹ کے خلاف جاری کر دی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اسنے ایسی عظیم طاقت حاصل کر لی کہ تمام انگریز گھبرا گئے۔ انھوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بڑے زور سے مشورہ دیا کہ یہ تحریک بالکل کچل ڈالی جائے۔ انہی دنوں میں انگریزوں نے (جو ہندوستان میں مقیم تھے) جنرل ڈائر کے واسطے ۲۰ ہزار پونڈ جمع کر کے بھیجا۔ کیونکہ اسے گورنمنٹ نے ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے ان میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہونگے۔ جو ضرور خیال کرتے ہونگے کہ ان کی قوم نے ڈائر کی تائید کر کے اپنی حماقت کا ثبوت دیا ہے جب تک ہم ہندوستانی معاملات کو ٹھنڈے دل سے نہ سوچیں گے۔ ہم وقتاً فوقتاً ایسے واقعات پر مشتعل ہو جایا کرینگے۔ جس طرح کہ ہماری قوم کے ایک نمائندہ ڈائر نے امرتسر میں مشتعل ہو کر قتلِ عام کر دیا!

قصۂ انگریزی تاریخیں

میں حیران ہوں، میری قوم نے اسوقت تک تاریخی کتابوں میں غدر کے یک طرفہ افسانوں کا اندراج کیوں جاری رکھا ہے؟ ان میں ہندوستانیوں کے خلاف اس قدر زہر اگلا گیا ہے کہ کوئی انگریز بچہ [illegible] نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں محض اس غرض سے لکھی گئی تھیں [illegible] ہندوستانیوں کے دلوں میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت پیدا کی جائے [illegible] انگریزوں نے بعض بزدلیوں کی شجاعت و بہادری کی اس قدر تعریفیں [illegible] ہیں۔ میں نے بچپن میں [illegible] نہایت شوق تھا۔ میں نے اس کی سوانح حیات جو ٹراٹر نے لکھی ہے کئی دفعہ پڑھی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اسمیں انگلستان کا خاکہ نظر نہیں آ سکتا۔ اس کی موہوم بہادری کے قصوں نے اس کی حقیقی زندگی چھپا دی ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ اس کی حقیقی سیرت دکھائی جاتی۔ اسمیں شک نہیں، نکلسن ایک بہادر سپاہی تھا۔ وہ اپنی قوم کی خاطر بڑی بہادری سے لڑا۔ لیکن اسے دنیا کے عظیم سپہ سالاروں کے زمرہ میں شامل کرنا انصاف سے بعید ہے۔ سر جارج فارسٹر بکلسن کے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ ایک مُتدخو آدمی تھا۔ اور عام طور پر بدزبانی کیا کرتا تھا۔ اس کی بہادری مسلمہ تھی۔ لیکن وہ نافرمان بھی تھا۔ اُسنے فارسٹر کے ساتھ نہایت بُرا سلوک کیا تھا۔ کیمبل بھی ان انسانوں کو جو نکلسن کے متعلق مشہور تھے، بے بُنیاد قرار دیتا ہے۔ اسی طرح تواریخ میں نیل، ہیولاک اور ہاڈسن کے کارہائے نمایاں کے متعلق بے شمار لغو کہانیاں مورخانہ جرأت و سنجیدگی کے ساتھ درج کر دی گئی ہیں!

نیل کی کارگذاری کے متعلق ہومز لکھتا ہے:

"بنارس کے باشندوں میں یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ نیل شہر پر گولہ باری کرنے والا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے باشندے اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر شہر سے بھاگ گئے"

فارسٹ بھی ہومز کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"نیل نے لوگوں پر ایسے مظالم برپا کئے تھے کہ اگر وہ زندہ رہتا، تو اس کی قوم بھی ضرور اسے لعن طعن کرتی۔ لیکن موت نے جلد ہی اس کے عیب ڈھانپ لئے۔ میں نیل کو اس کے مظالم کی سزا سے ہرگز مبرا نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ظلم نہ کرتا تو ولیم میور کی پالیسی کبھی تباہ نہ ہوتی۔ الہ آباد میں بھی اسنے فیروز پور کی [illegible] اپنے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے مخالف بنا لیا تھا۔ حالانکہ مجھے اس پلٹن کی وفاداری پر پورا اعتماد تھا۔ نیل کی عادت یہ تھی کہ وہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا، اور لوگوں سے بڑی بے رحمی سے پیش آتا تھا"

مجھے یقین ہے کہ مورخین کی آئندہ نسل اس شخص کو بے شمار وحشیانہ مظالم سے بری الذمہ ثابت کرنے کی جرأت نہ کریگی!

برطانی راست بیانی!

جنگ یورپ میں بھی ہمارے اخباروں نے یہ افواہیں مشہور کرائی تھیں کہ جرمنی کے سپاہیوں کو انکے افسر مار کے میدان میں بھیجتے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے ڈرپوک تھے کہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔ لیکن یہ غلط بیانی جنگ کے واقعات نے جھوٹی ثابت کر دی۔ جرمنی کی فوجیں ایسی جانفشانی سے لڑیں کہ انکے دشمن بھی عش عش کر گئے۔ اس قسم کی جھوٹی خبروں کے پھیلانے سے مدعا یہ ہوتا ہے کہ دشمنوں کی تضحیک کی جائے، اور انکے خلاف نفرت کا جوش پیدا کر دیا جائے، اسی طرح غدر کے دنوں میں بھی انگریز مدتوں اس قدر جھوٹے افسانے تاریخوں میں درج کر ڈالے۔ کہ انھوں نے اصلی واقعات پوشیدہ کر دئے!

بعض انگریزوں کا اعتراف

ہمارے غدر کے متعلق بھی کہیں کہیں کسی ہندوستانی [illegible] تعریف کر دیتے ہیں۔ مثلاً جھانسی کی رانی کے متعلق تقریباً سب متفق ہیں کہ وہ ایک عظیم شخصیت تھی۔ سر ہیو روز نے (جسنے رانی موصوف کو شکست دی تھی) ایک دفعہ کہا تھا:

"وہ سب سے زیادہ بہادر اور [illegible] جنرل تھی اسنے لڑائی میں ایسے کارنامے دکھلائے کہ انگریز بھی تحسین کئے بغیر نہ رہ سکے"

انگریزوں نے اسے زندہ پکڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ آخر کار اسنے لڑائی کے میدان میں اپنی جان دے دی۔ ہندوستانی اسے بجا طور پر ہندوستان کی جون آف آرک کہتے ہیں۔ ایک دن

ہمیں یہ تحقیق کرنی پڑے گی کہ کیا وجہ تھی کہ ہندوستانی عورتیں بھی ہمارے خلاف لڑنے پر آمادہ ہوگئی تھیں؟ جھانسی میں کئی انگریز اور عورتیں قتل کر دی گئی تھیں۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ رانی نے یہ خونریزی پسند نہ کی ہوگی۔ جب جھانسی فتح ہوگیا، تو اس کے باپ کو سیکڑوں آدمیوں کے ساتھ پھانسی دی گئی۔

شہزادہ فیروز کے متعلق بھی عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ بڑا بہادر اور جرار آدمی تھا۔ اسنے دہلی میں ہمارے آدمیوں کو بچانے کے لئے بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جنگ کے میدان میں بڑی ثابت قدمی اور استقلال سے لڑتا رہا۔ حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ہمارے ہاتھوں میں پھنس گیا تو اسے فوراً پھانسی دے دی جائے گی۔ خود ہمارے آدمی بھی خفیہ طور پر خوش تھے کہ وہ پکڑا نہیں گیا۔ اس کی شہسواری اور اس کا سیکڑوں دفعہ موت کے منہ سے بال بال بچ جانا ایک افسانہ بن گیا ہے۔ بعض شعرائے بھی اپنے اشعار میں اس کی بہادری کے تذکرے کئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۸۵۷ء تک ہندوستان کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بعد ازاں ۱۸۶۱ء میں وہ عرب میں آخری دفعہ دیکھا گیا۔ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا کہ ہندوستانی روایات بھی تاریخ کی کتابوں میں درج کی جائیں گی۔ اور صحیح واقعات کی طرح مستند سمجھی جائیں گی۔ وہ داستان میں کسی قدر دل ہلا دینے والی ہوگی!

ہمارے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ غدر ہندوستان کو آزاد کرانے کی خاطر برپا نہیں کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ محض چند فوجوں کی بغاوت تھی اچھا، اگر ایسا ہی تھا تو پھر بے گناہ آبادیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا اور غیر محارب جماعتوں کو بھی بلا تمیز قتل کر ڈالنا، کسقدر انسانیت سوز حرکات تھیں! اگر اس قسم کے دردناک مظالم کسی دوسرے ملک میں ہوتے تو یقیناً پورا ملک متحد ہو کر برسرپیکار ہو جاتا۔ گو یہ دبا زیادہ تر آگرہ کے صوبہ ہی میں رہی۔ لیکن پھر بھی اس صوبہ کے عام لوگوں نے اسمیں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔ ہمیں ناچار تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہی لوگوں نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچا کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے حالانکہ ہندی سپاہی انکے مخالف ہو گئے تھے۔

فارسٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱ پر لکھتا ہے:

"۱۰۔ دن کے اندر اودھ کے صوبہ میں انگریزی راج خواب کی مانند غائب ہوگیا تھا۔ سپاہیوں نے بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا۔ اور عوام الناس نے اطاعت کا جوا اُتار کر پھینک دیا تھا۔ لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ پھر بھی کوئی ظلم برپا نہ ہوا۔ نہ ہی کسی نے انتقام لینے کی کوشش کی۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ نہایت اعلیٰ درجہ کا سلوک کیا۔ بلکہ لکھنؤ کے نواب بھی ان کے ساتھ کمال شرافت سے پیش آتے رہے۔ حالانکہ ان میں سے بعض نوابوں کو انگریزوں سے بسا اوقات نقصان پہنچا تھا۔"

میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں۔ کہ ہماری بے رحمی بلا وجہ نہ تھی کیونکہ غدر کے ابتدائی مرحلوں میں ہمیں اشتعال دلایا گیا تھا۔ باغی سپاہ نے قتل کی ابتدا کی تھی۔ سب سے پہلے میرٹھ کی ہندوستانی فوج کے ایک دستے نے اپنے افسروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ بعد ازاں دہلی میں انہی باغیوں کے ایسا سے فرنگیوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ اس کے بعد بغاوت کا اثر دُور دور پھیل گیا اور ۲۲ انگریزی چھاؤنیاں اس سے متاثر ہو گئیں۔ اسوقت دونوں طرف سے باقاعدہ خونریزی شروع ہوگئی تھی اور جنگ کا میدان گرم ہوگیا تھا۔ جھانسی اور کانپور میں انگریزوں کو سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ لیکن جب انگریزوں کی باری آئی تو انھوں نے تمام علاقے زیر و زبر کر دیئے۔ جھانسی اور کانپور کے واقعات تو بعد میں ظہور پذیر ہوئے تھے۔

اسمیں کچھ شک نہیں، کہ فریقین کے پاس ایسی غلط افواہیں پہنچائی جاتی تھیں جن سے خواہ مخواہ اشتعال پیدا ہو جاتا تھا۔ مثلاً باغیوں کو یقین دلایا گیا تھا، کہ انگریزی گورنمنٹ تمام ہندو مسلمانوں کی تباہی پر آمادہ ہے، اور اُن کا مذہب بگاڑنے کی تدابیر کر رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی ہندوستانیوں کی بے رحمی کے فرضی قصے سنائے جاتے تھے جس سے ہمارا جام صبر لبریز ہو جاتا تھا۔ جنگ کے ایام میں عموماً جھوٹی خبریں محض اس غرض سے پھیلائی جاتی ہیں تاکہ دشمنوں کے خلاف سخت نفرت پھیل جائے۔ اسوقت کسی کو ٹھنڈے دل سے خبروں کی چھان بین کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ یہی حال امرتسر کے فسادات میں بھی ہوا۔ وہاں ایک بیم پر حملہ کئے جانے سے تمام انگریز بھڑک اُٹھے اور انکے غصے کی کچھ انتہا نہ رہی۔

لارڈ کیننگ نے ملکہ معظمہ کو ایک خط میں مفصل ذیل فقرات لکھے تھے جو قابل غور ہیں:

"اگر وہ انگریز جن کے اہل و عیال کو باغیوں کے ہاتھوں کچھ نقصان پہونچا ہو، انکے خلاف نفرت کا اظہار کریں، تو وہ حق بجانب ہیں۔ لیکن حیرانگی کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ شور وہ لوگ مچا رہے ہیں جو بڑے آرام سے غدر کے حلقۂ اثر سے دُور اپنے اپنے گھروں میں محفوظ بیٹھے ہیں۔ مثلاً کلکتہ کی انگریزی آبادی فسادات کے علاقے سے بہت دُور تھی۔ بااین ہمہ وہ ہندوستانیوں کے خلاف بڑا زہر اگل رہی ہے، مجھے ڈر ہے کہ انکے معاندانہ خیالات امن قائم کرنے میں سدِ راہ ہونگے۔ انگریزوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستانیوں کو حقارت سے دیکھتی ہے اور ان سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہے۔ لیکن ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ اگر برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرنی ہے تو ہندوستانیوں کو دیوانی اور فوجی ملازمتیں دیکر ان پر اعتبار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان کے بغیر حکومت کا انتظام ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ میں مبالغہ نہیں کرتا۔ یہ صحیح بات ہے کہ اگر ہم تمام ہندوستانیوں کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیں تو بہت سے انگریز اسے بہ نظر تحسین دیکھیں گے۔ کیونکہ وہ صاف طور پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ انگریز اور ہندوستانیوں کے درمیان مستقل نفرت کی دیوار قائم کی جائے۔ بعض انگریز ہندوستانیوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں کرتے حالانکہ انہی فسادات میں بہت سے ہندو اور مسلمانوں نے انگریزوں کو باغیوں کے مظالم سے بچایا ہے۔"

پنجاب کے فسادات کے دوران میں انگریزوں میں بہت جوش پھیلا ہوا تھا۔ کیونکہ انہیں ہر وقت اپنی جانوں کی فکر لگی رہتی تھی لیکن تعجب کی بات ہے کہ شور مچانے والے زیادہ تر وہی لوگ تھے۔ جو صحت افزا پہاڑی مقامات پر یا بڑے بڑے شہروں میں امن و امان سے مقیم تھے۔ اور ان کی حفاظت کے واسطے مکمل فوجی انتظام موجود تھا۔ علاوہ بریں وہ خود بھی خاصی تعداد میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ برخلاف اس کے اضلاع کے حکام یا چائے کے کھیتوں کے مالکوں یا پادریوں کی جماعت نے کبھی چیخ و پکار نہ کی۔ حالانکہ انھیں ہر وقت اپنی جان کا خطرہ ہونا چاہیے تھا۔ وہ ایسے مقامات پر متعین تھے جہاں کسی قسم کی بروقت امداد کا پہنچنا تقریباً ناممکن تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مقدم الذکر لوگوں کو اپنے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ وہ پہاڑوں اور شہروں میں ہندوستانیوں سے بالکل الگ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی طرز معاشرت بالکل مختلف ہے۔ ہندوستانیوں سے انہیں کسی قسم کی یگانگت یا ہمدردی نہیں۔ وہ اپنے حلقۂ احباب میں ایسی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس طرح انکے بھائی بند انگلستان میں کرتے ہیں۔ وہ اس ملک کے واقعات بھی ولایت ہی کے اخبارات میں پڑھنے کے عادی ہیں۔ لیکن اضلاع کے افسروں یا پادریوں کو اپنے آپ پر کلی اعتماد ہوتا ہے وہ اپنی برادری سے علیحدہ رہتے ہیں۔ بدیں وجہ انہیں ہندوستانیوں سے معاشرتی تعلقات پیدا کرنے پڑتے ہیں، اور اپنے ساتھ ایسے احباب اکٹھے کر لیتے ہیں۔ جو فسادات کے موقع پر بھی مدد کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں

جب ہم ہندوستان آتے ہیں تو ہم اس کے باشندوں کے متعلق براہ راست تجربہ حاصل کرنے کی مطلق کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ جو کچھ ہمارے مصنفوں نے لکھ دیا ہو، وہی ہمارے دماغوں میں گونجتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم ہر ہندوستانی کو یا تو بھیک مانگنے والا یا خوش آمدی یا دغاباز سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس ملک کے باشندوں سے راہ و رسم پیدا کریں۔ تاکہ ان کے اصلی اخلاق و عادات سے واقف ہو سکیں۔

ایک ناقابل فراموش شہادت

پنجاب کے فسادات میں ہندوستانیوں نے سب سے زیادہ یہ بات محسوس کی کہ انگریز عورتوں نے بھی مارشل لا کے مظالم کی بڑی زور سے تائید کی تھی۔ حالانکہ یہ قدرتی امر ہے کہ عورتیں دہشناک واقعات سے نفرت کرتی ہیں۔ اور ان کے رقیق جذبات قتل و خونریزی کی سختیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ذیل میں ایک ہندوستانی عورت کا بیان جو اوڈوائر بنام سنکرن نائر کے مقدمہ میں دیا گیا تھا، درج کرتا ہوں۔ اس سے جلیانوالہ باغ کے حادثہ کی نوعیت ظاہر ہوگی:

"سوال:۔ تمھیں اپنے خاوند کے قتل کی کب اطلاع ملی؟

جواب: جب جلیانوالہ باغ میں گولی چلی۔ میں نے اپنے کوچہ کے باشندوں سے سُنا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے ہیں۔ مجھے سخت تشویش ہوئی۔ کیونکہ میرا خاوند بھی اسی جگہ گیا ہوا تھا، میں فی الفور باغ میں چلی گئی۔ اسوقت شام ہوگئی تھی۔ تمام جگہ لاشوں سے اٹی ہوئی تھی۔ میں نے ہر جگہ اپنے خاوند کی لاش تلاش کی۔ بالآخر اُس کی لاش کئی لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ زخمیوں کے دردناک نالوں اور قریب الموت انسانوں کی چیخوں سے آسمان گونج رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی شخص میرے خاوند کی لاش اُٹھا کر گھر تک پہونچا دے۔ لیکن کسی نے شام کے بعد باہر نکلنے کی جرأت نہ کی۔ کیونکہ حکام نے شام کے بعد باہر نکلنا ممنوع قرار دیدیا تھا۔ ناچار میں نے تمام رات اسی باغ میں اپنے خاوند کی لاش کے پاس جاگتے گذار دی۔ کیونکہ کتے بڑی تعداد میں اِدھر اُدھر منڈلا رہے تھے۔ اور مجھے ہر وقت انھیں چھڑی سے بھگاتے رہنا پڑتا تھا۔ رات کے ۲ بجے مجھے ایک سسکتے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی۔ میں نے اُس کی زخمی ٹانگ سیدھی کر دی۔ وہاں ایک بارہ برس کا بچہ بھی زخمی تھا جو تمام رات درد کی وجہ سے چیختا رہا تھا۔ ایک اور زخمی بھی پیاس کے مارے بلبلا رہا تھا۔ چونکہ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا اسواسطے میں لاچار تھی۔ میں تمام رات زخمیوں کے کراہنے کی آواز سنتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو سنڈاس چماری نے گرفتار کیا پھر میں اپنے خاوند کی لاش گھر لے گئی۔"

امرتسر کے حوادث سے پتہ لگتا ہے۔ کہ غدر کے تاثرات دو پشتوں تک بھی نہیں مٹ سکے۔ جب ہمیں کوئی شخص کہتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کے ساتھ غلاموں کی طرح سلوک کر رہے ہیں۔ تو ہم بڑے زور سے اس کی تردید کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے باہمی تعلقات کو غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم ہندوستانیوں کو غلاموں سے بہتر نہیں سمجھتے۔ جب ہماری آپس میں بھی ہندوستانی کے متعلق بات چیت ہوتی ہے، تو سب سے پہلے دریافت کرتے ہیں "آیا وہ وفادار اور رنگ حلال بھی ہے؟" ہمیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں۔ اگر وہ ایک نہایت لائق تجربہ کار مشہور سیاست داں ہو۔

لہ وہ وصیل شہزادہ فیروز کا دل کے واقعات تفصیلی طور پر ملتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں جب انگلستان کے والانٹیر گروہ وہاں اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ سلطان نے بخش نذر و خلعت عنایت فرمایا تھا۔ (الہلال)

بریدِ شرق

مکتوبِ آستانہ

(الہلال کے مقالہ نگار مقیم قسطنطنیہ کے قلم سے)

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا از سرِ نو انتخاب۔ سازشیوں کو سزا۔ ٹرکی کی آبادی۔ ٹرکی اور امریکہ۔ ٹرکی میزانیہ۔

غازی کا از سرِ نو انتخاب

گذشتہ ہفتہ مجلسِ وطنی (پارلیمنٹ) کا از سرِ نو افتتاح ہوگیا۔ غازی کمال پاشا، دوبارہ، صدرِ جمہوریت منتخب کئے گئے۔ عصمت پاشا بدستور وزیرِ اعظم ہے۔ مجلسِ وطنی کے سابق صدر، کاظم پاشا بھی نئے انتخاب میں کامیاب ہے۔

مجلسِ وطنی کے تمام ارکان نے ایک ایک کرکے، صدرِ مجلس کے سامنے حسبِ ذیل قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ کسی ایسے مقصد کے لئے کوشش نہیں کروں گا جو وطن کی سعادت، قوم کی سلامتی، اور اُس کی بے قید و شرط سیادت کے منافی ہو۔ نیز میں جمہوریت کے اصول سے برابر وفادار رہوں گا"

خلق فرقہ سی نے، جمہوریت کی صدارت کے لئے کوئی نام پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ارکان کو آزادی دیدی تھی کہ جس شخص کو پسند کریں اس منصب کے لئے منتخب کرلیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی غازی مصطفےٰ کمال پاشا ہی بالاتفاق صدر قرار دے دئے گئے۔ تب صدرِ مجلسِ وطنی نے اُنھیں قسم کھانے کے لئے طلب کیا۔ اُنھوں نے ان لفظوں میں قسم کھائی:

"میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ صدرِ جمہوریت ہونے کی حیثیت سے جمہوریت کے قوانین اور قومی سیادت کے اصول کی حفاظت و مدافعت کروں گا۔ میں اپنی پوری قوت سے اور پورے اخلاص سے ترکی قوم کی بھلائی کے لئے کوشش کروں گا۔ میں پوری شدت سے ہر اُس خطرے کی مقاومت کروں گا جو ترکی حکومت کو لاحق ہوگا۔ ترکی خلافت کی حفاظت، اُس کی برتری اور اپنے فرائض ادا کرنے پر میں اپنی پوری زندگی وقف کردوں گا!"

جب غازی قسم کھا رہے تھے تو اُنکے ہر جملہ پر تالیوں کا ایک شور بلند ہوجاتا تھا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بعض سلطنتوں کے سفیر بھی تالیاں بجانے میں شریک تھے۔

قسم کے بعد غازی نے خطبہ دیتے ہوئے کہا:

"یہ منصب، صدرِ جمہوریت کا منصب، درحقیقت قوم کی پوری فضیلت استقامت، اور معصومیت کا مظہر اور نمائندہ ہے۔ اس حقیقت سے میرا قلب و ضمیر پوری طرح باخبر ہے۔ میں اُن تمام اہم فرائض اور نازک ذمہ داریوں سے کماحقہ آگاہ ہوں جو صدارت کی اس کرسی نے مجھ پر عائد کردی ہیں۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ اس جدید اعتماد کو بھی سچا ثابت کردوں جس سے قوم نے مجھے سرفراز کیا ہے۔ یہ اعتماد اس امر کا ثبوت ہے کہ قوم ہماری خاکسارانہ کوششیں پورے اطمینان سے پسند کرتی ہے۔ میری مسلسل کوشش رہے گی کہ قوم کی زیادہ سے زیادہ بڑی خدمتیں انجام دیتا رہوں"

اس کے بعد غازی نے کہا:

"یہ جمہوریت، جو خود مختاری، قومیت، اور تحمندی پر قائم ہوئی ہے، اور جسنے گزشتہ برسوں میں اپنی اصلاحات و انقلابات سے اپنی قوت قاہرہ ثابت کردی ہے، قوم کی اُمیدوں اور آرزوؤں کے بالکل

بھول چکے ہیں۔ ہمیں کانپور کے مظالم پر بھی شور مچانا نہیں چاہیے۔ جس طرح ہم دہلی۔ بنارس۔ الہ آباد وغیرہ میں اپنی کارگذاریاں فراموش کرچکے ہیں۔ جب ہم اپنے مظالم بھول چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستانی کی زیادتیاں ہردم یاد رکھیں!

سر چارلس ایچین نے لارنس کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ اسنے اس کے بت کا بھی جو لاہور کی ٹھنڈی سڑک پر استادہ ہے، ذکر کیا ہے اس بت پر یہ حروف کندہ ہیں "کیا تم ہماری حکومت تلوار کے زور سے تسلیم کروگے۔ یا قلم کے زور سے"؟ ان الفاظ سے ہندوستانی قوم کو دو رخ دکھائے جاتے ہیں۔ یا تو وہ خوشی سے ہماری اطاعت قبول کرلے یا تلوار کے زور سے محکوم رہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اجکل قلم کے زور سے حکومت کی جارہی ہے۔ لیکن تلوار بھی ہر وقت برہنہ رہتی ہے۔ اس قسم کے کتبوں سے ہندوستانیوں کے دلوں میں غصہ کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بت کی شب و روز حفاظت کی جاتی ہے تاکہ اسے نقصان نہ پہنچایا جائے۔

رویش وقت نے تاریخ ہند میں کیا خوب لکھا ہے کہ غدر کے خونناک مظالم کو اسکول کی کتابوں سے مٹا دینا چاہیے۔ کیونکہ جب ہندوستانی طلبا کو نیل جیسے ظالم انگریزوں کے کارنامے نہیں پڑھائے جاتے۔ تو پھر انہیں کانپور کے کنوئیں کا افسانہ کیوں سنایا جائے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اسوقت ہماری قوم ماضی کو فراموش کردینے کے لئے طیار ہے۔ اگر انگریزوں کی موجودہ نسل کو یقین دلایا جائے کہ ان کے بزرگوں نے ہندوستانیوں پر کس قدر ظلم و ستم ڈھائے تھے، تو وہ ان کی تلافی کے لئے یقیناً طیار ہوجائے۔

(مترجمہ چودھری محمد علی صاحب وکیل ایبٹ آباد)

مطابق ہو۔ ہماری حکومت کا آئندہ سالوں میں بھی یہی مسلک رہے گا کہ ہماری جمہوریت کی عزت، قوت، استقامت میں اضافہ ہو۔ ترکی قوم کی تمام قوتیں، خود اُس کی ترقی اور خوشحالی میں خرچ ہوں۔ ہمارے پیش نظر ہمیشہ یہی رہے گا کہ جمہوریت کی زندگی اور قوت بڑھتی جائے، ہر داخلی و خارجی خطرے سے قوم کے مفاد کی حفاظت کی جائے، سب سے ہماری دوستی رہے۔ امن و امان کی کوششیں ہم سے ہر طرح کی امداد حاصل کرتی رہیں گی۔ ہم چاہتے ہیں ہماری قوم، امن و سلامتی کے ساتھ ترقی کرے"

غازی کے انتخاب کے بعد ملک بھر میں مسرت کے مظاہرے برپا ہوئے اور ہر جگہ ۲۱-۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ پھر غازی نے قوم کے نام حسب ذیل اعلان شایع کیا:

"عزیزان وطن! جمہوریت نے ترکی قوم کو خوشحالی اور برتر بنانے کی کوششوں میں جو عظیم کامیابی حاصل کی ہو، اُس کی نظیر، صدیوں کی تاریخ میں بھی موجود نہیں۔ قوم کی آرزوئیں، ضرورتیں، اُس کی ترقی و سعادت کے اسباب کی تحقیق و بحث کے بعد جن نتائج پر جمہوریت پہنچی ہو، وہ قوم کے لئے ایک نہایت درخشاں مستقبل کی خوشخبری دے رہے ہیں جو اس جمہوریت کے زیر سایہ بہت جلد آنے والا ہو۔ یہ بالکل یقینی ہو کہ عہد جمہوری کی آئندہ نسلیں، ہم سے کہیں زیادہ خوشحال اور خوش نصیب ہونگی۔

"عزیزان وطن! میرا اس دور جدید میں سب سے بڑا فرض یہ ہوگا کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون اور زیادہ عام کردوں۔ قومی وحدت کو قوی کردوں۔ جمہوریت کی عزت بڑھاؤں۔ ہمارے لائحہ عمل کی بنیادی اصل یہ ہو کہ ہم مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ ہی میں ہر طرح کی بہتری تصور کرتے ہیں۔ یہی باعث ہو کہ صدر جمہوریت، جو اس ملک کا ایک باشندہ ہونے سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، اپنے منصب کے جملہ عظیم اختیارات پورے عزم و حزم کے ساتھ قوم کی بہتری اور مجلس وطنی کے قوانین کی تنفیذ میں صرف کردے گا"

غازی کے اس آخری جملہ کو بہت اہمیت دی جارہی ہو۔ کیونکہ اس اعلان سے اُنھوں نے ظاہر کردیا ہو کہ وہ ترکی قوم کے ڈیکٹیٹر نہیں ہیں، جیسا کہ یورپ میں خیال کیا جاتا ہو، بلکہ وہ سراسر مجلس وطنی کے قوانین کے پابند اور اُن کی تنفیذ کرنے والے ہیں، حالانکہ ڈیکٹیٹر شپ کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہو۔ وہ کسی بھی قانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اُس کی زبان، ہی اُس کی نظر میں قانون ہوتی ہو۔

نیز اپنی اس تقریر سے غازی نے اُن تمام لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہو جو موجودہ جمہوریت کو ملوکیت کا ایک زینہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا یہ تمام سوانگ صرف اس لئے بنایا گیا ہو کہ مصطفےٰ کمال پاشا، ترکی قوم کے بادشاہ بننے والے ہیں۔ اب اس تقریر کے بعد کسی کو یہ خیال کرنے کی جرأت باقی نہیں رہے گی

سازشیوں کو سزا

اپنے ایک پچھلے مکتوب میں اُس سازش کا ذکر کرچکا ہوں جو یونان میں پناہ گزیں چند ترکی مجرموں نے غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے قتل کے لئے کی تھی۔ یہ لوگ، حاجی سامی بک کی زیر قیادت، یونان سے ٹرکی اس لئے آئے تھے کہ غازی جب آستانہ سے انگورہ واپس جائیں تو اُن کی گاڑی، ڈائنامیٹ سے اُڑادیں۔ پھر سابق خلیفہ عبدالمجید کے نام پر انگورہ کی حکومت پر قبضہ کرلیں۔

لیکن اُن کی سازش، بروقت کھل گئی۔ پولیس سے ایک معرکہ میں حاجی سامی مارا گیا۔ مگر اُس کے رفقاء قید ہوگئے۔ عدالت نے تحقیقات کے بعد انھیں پھانسی کی سزا کا حکم سنادیا۔ عنقریب اس کا اجراء ہونے والا ہو۔

ہندوستان اور مجموعۂ عالم

تمام دُنیا میں جغرافیائی، عمرانی، اور اقتصادی لحاظ سے ہندوستان کی موجودہ حیثیت کیا ہو؟

(۶)

کانیں

ہندوستان کی معدنی دولت (۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۱ء تک کے اعداد و شمار)

معدنیات	مقدار		قیمت	
نمک	۱۴۹۲۸۰۶	ٹن	۱۰۵۷۴۳۴۴	روپیہ
کویلہ	۱۵۷۳۰۵۲۷	"	۵۵۵۷۴۳۴۴	"
سونا	۵۸۵۰۵۲	اونس	۳۳۷۵۳۰۰۰	"
پٹرول	۲۶۱۳۹۶۰۰۰	گیلن	۱۵۰۱۲۰۰۰	"
قلعی	۱۳۸۰۰	ٹن	۱۸۳۰۰۰	"
تانبا	۵۷۴۴	"	۱۳۳۰۰۰	"
کانسا	۲۰۹۱	"	۱۱۵۰۰۰	"
لوہا	۴۳۳۴۷۰	"	۵۹۸۰۰۰	"
سیسا	۱۱۹۴۸	"	۳۶۳۶۰۰۰	"
مقناطیس	۶۴۴۶۰۰	"	۱۵۷۵۵۰۰۰	"
ابرک	۳۸۵۰۰	ہنڈرڈ ویٹ	۱۴۲۰۷۰۰	"
یاقوت، زمرد	۲۵۴۰۰۰	"	۷۸۸۰۰۰	"
شوریٰ	۳۷۳۰۰۰	"	۵۴۰۷۰۰۰	"
چاندی	۶۰۳۰۰۰	اونس	۱۰۸۹۰۰۰	"
ٹین	۶۴۰۰	ہنڈرڈ ویٹ	۴۸۵۰۰۰	"

دنیا بھر میں سونے کی پیداوار

مجموعی مقدار ۱۹۲۳ء میں: ۵۳۰۶۲۶ کیلو

ملک	وزن بحساب کیلو
ٹرنسوال	۲۸۴۰۶۸
رہوڈیسیا	۲۰۱۲۴
برطانی مشرقی افریقہ	۶۵۳۲
اسٹریلیا	۲۴۱۰۵
ہندوستان	۱۱۸۳۲
کینیڈا	۳۶۵۷۸
ولایات متحدۂ امریکہ	۷۷۲۹۲
میکسیکو	۲۴۲۶۱

دُنیا بھر میں کویلے کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں

مجموعی پیداوار: ۱۱۶۸۵۳۵۰۰۰ ٹن۔

ملک	بحساب ٹن
برطانیہ	۲۷۴۹۳۳۰۰۰
ہندوستان	۱۹۰۱۰۹۸۶
جرمنی	۱۱۸۸۲۹۰۰۰
فرانس	۴۴۰۱۰۰۰۰
ولایات متحدۂ امریکہ	۵۰۵۸۴۶۰۰۰

دُنیا بھر میں پٹرول کی پیداوار ۱۹۲۴ء میں

مجموعی مقدار: ۱۴۳۶۴۳۵۰۰ میٹرک ٹن

ملک	وزن بحساب میٹرک ٹن
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۹۶۲۲۰۰۰
میکسیکو	۲۱۶۲۲۰۰۰
روس	۶۶۵۳۴۳۰
ایران	۴۶۰۳۲۰۰
رومانیہ	۱۸۱۱۶۰۰
ہندوستان	۱۱۵۷۰۰۰
فرانس	۵۶۰۰۰
جرمنی	۴۵۷۰۰
کینیڈا	۲۲۳۰۰
جاپان	۲۲۰۱۰۰

دنیا کے مختلف ملکوں میں تعلیم یافتہ آبادی (۱۹۲۴ء)

ملک	مرد فی صدی	عورت فی صدی	
انگلینڈ	۹۳٫۴	۹۱٫۵	
ولایات متحدۂ امریکہ	۹۵٫۵	۹۳	۱٫۵
ڈنمارک	۱۰۰	۱۰۰	
جرمنی	۱۰۰	۱۰۰	۵٫۲
جاپان	۹۸	۹۶	
فلپائن	۷۰٫۵	۶۱	ہندوستان
فرانس	۹۶٫۵	۹۴	

ٹرکی کی آبادی

ٹرکی کی پہلی مردم شماری کے سرکاری اعداد و شمار اب شایع ہوگئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ آبادی ۱،۳۶،۰۰،۰۰۰ سے بھی زیادہ ہو یقیناً یہ اعداد، ٹرکی کے تمام دوستوں کے لئے موجب مسرت و اطمینان ہیں کیونکہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ پچھلی مسلسل اور طویل جنگوں کے بعد ترکی آبادی صرف ۸۰ لاکھ رہ گئی ہو۔

ٹرکی اور امریکہ

قارئین الہلال واقف ہوچکے ہیں کہ امریکہ نے معاہدۂ لوزان قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ٹرکی اور امریکہ کے مابین سابق حالت جنگ بدستور قائم تھی۔ لیکن اب یہ یقین کرلینے کے بعد کہ ترک ان سیاسی چالاکیوں سے فریب کھانے والے نہیں ہیں، امریکہ نے از سر نو دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی خواہش کی ہو۔ چنانچہ اُس نے مسٹر نمرو کو اپنا سفیر بنا کر انگورہ بھیجدیا ہو۔ ٹرکی نے بھی امریکہ کی دوستی طلبی کا خیر مقدم کیا ہو اور مختار بک کو سفیر مقرر کرکے واشنگٹن روانہ کررہی ہو۔

ترکی میزانیہ

ٹرکی کا جدید میزانیہ، ۲۰۶۲۹۱۶۱۹ پونڈ (ترکی) ہو۔ پچھلا میزانیہ ۱۹۴۴۹۶۶۱۹ پونڈ (ترکی) تھا۔ اس میزانیہ میں دینی شعبہ کے لئے

برطانی ہندوستان میں مدرسہ جانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد (سنہ ۱۹۲۵ء)

		مدراس	بمبئی	بنگال	یوپی	پنجاب	سی پی	بہار اور اڈیسہ	آسام	برما
۶ سے ۱۰ برس کی عمر	لڑکے	۱۶۰۷۱۵۵	۷۴۲۰۰۸	۱۳۱۰۰۶۴	۹۲۱۸۶۲	۳۵۸۲۵۸	۲۴۶۲۵۶	۷۹۷۴۶۰	۱۸۴۱۴۱	۱۴۷۵۱۶
	لڑکیاں	۲۰۱۲۸۱	۱۱۵۵۱۸	۳۰۵۳۶۰	۴۷۴۷۰	۵۱۱۵۲	۱۹۱۱۶	۶۶۶۸۱	۱۱۹۲۸	۲۸۵۷۴
۱۱ سے ۱۵ برس کی عمر	لڑکے	۱۵۰۸۲۹	۱۶۶۲۰۰	۳۵۲۹۰۴	۱۱۰۱۱۳	۳۳۷۷۹۰	۷۰۲۵۷	۷۴۸۱۰	۳۰۳۷۱	۱۵۱۲۹۹
	لڑکیاں	۱۷۱۹۶	۱۱۴۶۷	۱۵۶۱۶	۲۰۶۷۷	۱۵۴۱۶	۴۷۹۵	۳۸۴۷	۳۷۱۷	۲۲۵۲۵

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہیں سنہ ۲۴-۲۵ء میں

		خاص قسم کے مدرسے	قانون	ڈاکٹری	انجینری	ٹریننگ	زراعتی	بیطری	تجارتی	جنگلوں کی تعلیم	ہائی اسکول	انگریزی مڈل اسکول	دیسی مڈل اسکول	ابتدائی مدارس	مکتب اور ابتدائی مدارس
آرٹس اور سائنس	۲۱۱	۷۷۰۴	۱۳	۸	۷	۲۱	۵	۳	۱۴	۲	۲۶۰۴	۳۲۲۰	۴۲۹۰	۱۶۵۵۹۶	۰۰۰۰
مردانہ	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۲۷۰	۲۹۶۸	۳۸۵۳	۱۵۰۹۱۹	۰۰۰۰۰
زنانہ	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۳۴	۲۵۲	۴۴۶	۲۴۶۷۷	۰۰۰۰
مدراس	۳۰	۳۸۱	۱	۲	۱	۵	۱	۱	۱	۱	۳۸۰	۲۵۰	۰۰۰	۴۳۳۱۱	۶/۲
بمبئی	۱۴	۴۲۲	۲	۱	۲	۱	۱	۰۰۰	۱	۰۰۰	۲۱۳	۲۶۵	۰۰۰	۱۲۸۹۲	۷/۶
بنگال	۳۰	۲۶۸۲	۳	۳	۱	۶	۰۰۰	۱	۵	۰۰۰	۹۰۶	۱۵۷۵	۱۱۶	۵۰۴۵۰	۹/۵
یوپی	۸	۴۵۱	۰۰۰	۰۰۰	۱	۳	۱	۰۰۰	۸	۱	۱۹۰	۱۱۲	۶۸۵	۱۸۷۹۴	۶/۴
بہار، اڈیسہ	۶	۴۵۲	۱	۰۰۰	۱	۲	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۲۷	۲۸۷	۲۱۹	۲۹۴۵۷	۵/۲
پنجاب	۱۱	۲۴۴۵	۱	۱	۱	۳	۱	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۲۷۳	۲۱۱	۱۲۷۴	۶۵۹۱	۴/۸
سی پی	۵	۵۰	۱	۰۰۰	۰۰۰	۱	۱	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۵۰	۱۶۴	۳۵۰	۴۲۹۵	۴/۲
آسام	۳	۱۲۰	۱	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۴۷	۱۵۲	۱۵۳	۴۵۹۷	۵/۵
برما		۰۰۰	۵۴۵	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۰۰۰	۱۴۳	۰۰۰	۱۴۳۲	۴۱۶۸	۳۳/۲

برطانی ہندوستان میں تعلیم گاہوں کی آمدنی سنہ ۲۴-۲۵ء میں

صوبے	سرکاری امداد	بورڈ فنڈ سے	میونسپل فنڈ سے	فیس سے	دوسرے ذرائع سے	مجموعی رقم
مدراس	۴۷۱۳۸۵۴۸	۳۴۰۹۷۳۴	۱۲۲۴۲۶۱	۸۴۳۲۹۹۱	۸۸۳۳۱۱۸	۳۹۰۳۸۶۵۲
بمبئی	۱۸۴۴۷۱۶۵	۱۲۳۸۰۹۳	۳۹۱۸۷۱۲	۶۰۱۳۹۶۹	۴۲۵۷۸۵۴	۳۳۹۸۵۷۶۳
بنگال	۱۳۳۸۲۹۶۲	۱۵۴۵۸۰۵	۳۰۵۹۸۸	۱۴۶۳۶۱۲۹	۵۷۷۵۰۵۸	۳۵۶۴۵۹۳۹
یوپی	۱۷۲۲۸۴۹۰	۲۷۱۶۳۲۰	۹۸۶۲۱۲	۴۲۱۴۳۵۴	۵۲۴۰۲۲۰	۳۰۳۸۵۵۹۶
پنجاب	۱۱۸۳۴۳۶۴	۲۲۲۵۷۰۰۰	۹۲۶۱۰۵	۵۲۸۷۴۴۴	۳۱۲۱۵۹۲	۲۲۴۰۵۲۶۶
برما	۶۸۳۸۰۱۱	۱۵۱۲۵۳۱	۶۰۶۸۰۲	۲۹۲۰۱۲۵	۲۶۷۳۵۸۵	۱۴۵۵۱۰۵۳
سی پی	۵۰۰۶۱۶۳	۱۴۹۸۰۵۹	۶۷۳۰۳۶	۱۱۰۸۸۳۶	۷۵۴۳۵۰	۹۰۴۰۴۴۴
بہار و اڈیسہ	۴۹۹۱۵۴۰	۳۲۵۲۸۷۵	۲۳۴۸۷۰	۲۶۸۸۲۷۸	۲۲۳۱۳۲۶	۱۳۳۹۹۰۰۰
آسام	۲۲۶۲۳۴۶	۴۴۴۹۶۲	۴۱۲۸۷	۶۳۹۰۲۴	۴۲۸۸۲۵	۳۸۱۶۴۴۴
میزان کل	۹۹۸۰۱۵۹۴	۱۸۰۵۷۶۴۰	۹۲۶۸۴۵۶	۴۶۸۶۳۱۸۲	۴۷۵۷۴۴۵	۲۰۸۷۴۸۳۱۹

تحریری مقابلہ - انجمن اتحاد (جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے طے کیا ہے کہ اس سال ایک تحریری مقابلہ کیا جائے جس میں بہترین مضمون نویس کو جناب عبدالعزیز صاحب انصاری۔ ایم۔ اے، ایل ایل۔ بی، وکیل بارہ بنکی کی جانب سے اُنکے مرحوم دوست اور ملک کے مشہور انشاپرداز جناب ولایت علی صاحب بصوتی کی یادگار میں ایک ۵۰ روپیہ کا طلائی تمغہ دیا جائے۔ عنوان حسب ذیل ہو: "۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانان ہند کی تعلیمی جدوجہد اور اس کے نتائج" شرائط: (۱) مضمون تقریباً ۵ صفحات پر مشتمل ہو۔ (۲) مضمون اسپاریچ ۱۹۲۵ء تک ناظم انجمن اتحاد جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی کے پتہ سے آجانا چاہئے۔ (۳) طلباء اور دیگر تمام حضرات اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ مندرجۂ ذیل حضرات سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ بہترین مضمون نویس کا فیصلہ کریں: مولوی عبدالحق صاحب، بی۔ اے، ناظم انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد، دکن۔ مولانا عبدالماجد صاحب، بی۔ اے، مدیر "سچ" لکھنؤ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن) شیخ الجامعہ۔

مضمون کی اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے اُمید ہے کہ ملک کے اکثر ادیب اور طلبا اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

"ناظم انجمن اتحاد"

ہرگز توقع نہ تھی۔ اُسنے دیکھا کہ پُوری قوم متحد و متفق ہو، اور بیک آواز "مقاطعہ" کا اعلان کر رہی ہو!

ملنر کمیشن نے بہت کوشش کی۔ بہت پچکارا۔ مگر قوم کا صرف یہی ایک جواب تھا کہ "وفد سے باتیں کرو۔ ہم کچھ نہیں سُنیں گے" کمیشن مایوس ہو کر لوٹا اور وفد کو گفتگو کے لئے لندن میں دعوت دینی پڑی۔ ابتدائی گفتگو کے بعد ہی معلوم ہو گیا کہ برطانیہ اب تک اپنی طفل تسلیاں ہی کافی سمجھتا ہو۔ اُس کے نقطۂ نظر میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی ہو۔ حالانکہ خود لارڈ ملنر نے اپنی روداد میں تسلیم کر لیا تھا کہ مصر کی موجودہ حرکت، ایک حقیقی وطنی حرکت ہو، اور یہ کہ وفد مصری، پُورے ملک کا صحیح نمائندہ ہو۔ مگر برطانی حکومت نے اسپر کوئی توجہ نہ کی۔

قوم کی دوسری فتح

جد و جہد جاری رہی۔ حالات سخت سے سخت ہوتے گئے۔ اب برطانیہ نے دیکھا کہ نیا قدم اُٹھائے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، چنانچہ نہایت مجبوری سے اعلان کر دیا کہ "مصر اور برطانیہ کے مابین حمایت ایک ناپسندیدہ علاقہ ہو!" یہ قوم کی دوسری فتح مبین تھی!

نااتفاقی نے حالت بدل دی

اس اعلان کے بعد برطانیہ اُس منزل میں اُتر آیا تھا جہاں مفاہمت کی اُمید ہو سکتی تھی۔ چنانچہ سرکاری گفت و شنید کے لئے عدلی باشا کی وزارت مرتب ہوئی۔ اُس وقت سعد پاشا یورپ سے لوٹ آئے تاکہ اپنے مفید مشوروں سے حکومت اور قوم کی رہنمائی کریں۔ مگر افسوس اس نازک گھڑی میں نااتفاقی کے شیطان نے ہمارے اندر سر اُٹھایا قوم میں پھوٹ پڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ برطانیہ جتنے قدم آگے بڑھا تھا، اُتنے ہی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ مصر کی آواز سننے سے دوبارہ کان بند کر لئے گئے۔ ظلم و قہر کا از سر نو دَور دَورہ شروع ہو گیا۔

ایک اور برطانی وفد

جس زمانے میں مصری حکومت کا سرکاری وفد گفت و شنید کے لئے لندن گیا تھا، اُسی زمانے میں برطانی پارلیمنٹ کا ایک دوسرا وفد مصر آیا تاکہ اصلی حالات کی تحقیقات کرے۔ اس وفد نے آتے ہی حقیقت معلوم کر لی، کیونکہ وہ اس قدر روشن تھی کہ کوئی آدمی بھی اُس سے لاعلم نہیں رہ سکتا تھا۔ اس وفد نے واپس جا کر اپنی روداد شائع کر دی۔ اسمیں لکھا تھا کہ مسئلۂ مصر کا ایک ہی حل ہو۔ اور وہ یہ ہو کہ مصر کی کامل خود مختاری تسلیم کر لی جائے۔ اس وفد نے مصر کو بہت فائدہ پہونچایا، کیونکہ انگلستان کی عام رائے، حقیقت حال سے واقف ہو گئی تھی۔

علی گڑھ میگزین کا کانووکیشن نمبر

ہندوستان کے مشہور اور ممتاز علمی رسالہ علی گڑھ میگزین کا کانووکیشن نمبر خاص اہتمام اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جنوری ۱۹۲۸ء میں شائع ہوگا۔ اس پرچہ میں تصاویر کے علاوہ ملک کے ممتاز انشا پردازوں کے مضامین اور بلند پایہ شعرا کے افکار عالیہ شائع ہونگے۔ اس پرچہ کی ضخامت بھی غیر معمولی ہوگی اور اُردو کتابت و طباعت کا بہترین نظر فریب نمونہ ہوگا۔ تمام اہل علم ادب اور خصوصاً ان ارباب علم سے جن کا تعلق مسلم یونیورسٹی سے بحیثیت اولڈ بوائز رہا ہو استدعا کی جاتی ہو کہ اپنے مادر علمی کے اس رسالہ کے خاص نمبر کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ مضامین اور حصۂ نظم اڈیٹر صاحب علی گڑھ میگزین مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے پتہ پر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء سے قبل پہنچ جانا چاہئیں۔ خریداری رسالہ و اجرت اشتہارات کے واسطے منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے خط و کتابت کیجئے۔ منیجر علی گڑھ میگزین

عالم مطبوعات و صحائف

مشتری کے متعلق تازہ معلومات

مشتری، نظام شمسی میں سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ چمکنے والا ستارہ ہو۔ وہ آفتاب سے ۴۸۳۰۰۰۰۰۰ میل دُور ہو۔

ایک امریکن ہیئت داں نے حال میں ایک رسالہ لکھ کر مشتری کے متعلق تازہ ترین معلومات جمع کر دی ہیں۔ وہ کہتا ہو، مشتری کی اہمیت صرف اسی لحاظ سے نہیں ہو کہ وہ سب سے بڑا اور زہرہ کے بعد سب سے زیادہ روشن ستارہ ہو، بلکہ اُس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہو کہ وہ اجرام سماوی کے متعلق سدیمی نظریہ کا سب سے زیادہ واضح ثبوت پیش کرتا ہو۔

مشتری کا فلک ۲۷۱۷۰۰ میل کے دائرے میں ہو۔ وہ اپنے محور کے گرد ہر ۹ گھنٹے ۵۰ منٹ میں گردش کرتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ اُس کی رفتار غائت درجہ تیز ہو۔ اپنے خط استوا پر اُس کی حرکت ۲۶ ہزار میل فی گھنٹہ ہو جاتی ہو۔ مشتری کے مادّہ کی کثافت زمین کے مادّے کی کثافت کے مقابلے میں ¼ کا درجہ رکھتی ہو۔ لیکن اُس کی قوت جاذبہ زمین کی قوت جاذبہ سے کہیں زیادہ ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشتری میں چیزوں کا وزن، زمین میں چیزوں کے وزن سے بہت زیادہ ہوگا۔

مشتری کے اقمار

مشتری کے چاند، نو ہیں۔ ان اقمار کو علم ہیئت کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہو۔ کیونکہ:

(۱) اُس کے ۴ بڑے چاند، اجرام فلکی میں سب سے پہلے انسان نے معلوم کئے۔ گلیلو نے اپنی کمزور دُوربین سے یہ چاند دیکھے تھے۔

(۲) ان چاندوں کے گرہن کے اختلاف نے پروفیسر رومر کو موقعہ دیا کہ ۱۶۷۵ء میں نور کی سرعت دریافت کرے۔

(۳) ان چاندوں کی حرکت کے ذریعہ، مشتری کے مادّہ اور اُس کی کثافت کی تحقیق میں بہت سہولت ہوئی

۱۸۹۲ء میں پروفیسر برنارڈ نے مقام لیک کے رصد خانہ سے مشتری کا پانچواں چاند دیکھا۔ یہ پہلے چار چاندوں سے بہت چھوٹا تھا۔ باقی ۴ چاند، ابھی حال میں فلکی عکاسی کی ترقی کے بعد دریافت ہوئے ہیں

دُمدار ستارے

مشتری کے قریب ۳۰ سے زیادہ دُمدار ستارے بھی موجود ہیں۔ ان ستاروں کے فلک، مشتری کے فلک سے تقریباً متصل ہیں۔ خیال کیا جاتا ہو، کسی قدیم ترین زمانے میں یہ ستارے مشتری کے قریب حرکت کرتے تھے، بتدریج اُسنے اُنھیں جذب کر لیا، یہاں تک کہ اب قریب ہو، اُنھیں بالکل جذب کر جائے، اگرچہ یہ ستارے ابتک آفتاب ہی کے گرد حرکت کر رہے ہیں۔

مشتری کے خطوط

دُوربین سے مشتری کو دیکھنے سے اُس کے قرص پر کچھ خطوط یا مختلف رنگوں کے مساوی مسافت کے رقبے نظر آتے ہیں۔ یہ خطوط، زمین کے فرضی خطوط العرض کے بالکل مشابہ ہیں۔ یہ خطوط ہمیشہ نظر نہیں آتے۔ وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے ہیں اور چند ہفتے، چند مہینے، اور کبھی کبھی چند سال باقی رہ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کے ظہور و غیبت کی اب تک کوئی تعلیل نہیں کی جا سکی۔ علماء کا خیال ہو کہ آفتاب کو اس بارے میں کوئی دخل نہیں۔ یہ تبدیلی کسی خاص وقت کی پابند نہیں ہو۔ یہ بھی عجیب بات ہو کہ مشتری کا قرص، مرکز کے بُعد سے سیاہ ہونا شروع ہوتا ہو۔ یعنی اپنے قطبین پر مشتری کا رنگ مرکز کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دھندلا بلکہ تاریک ہو۔

مشتری کی حرکت

مشتری کی اس درجہ چمک، اس امر کی دلیل ہو کہ اُس کی سطح، دراصل ایک کثیف ابر ہو۔ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ ابر، آفتاب کی قوت سے نہیں بلکہ خود مشتری کی قوت سے بنتا ہو۔ مشتری کی یہ خصوصیت بھی عجیب ہو کہ اُس کا پُورا جسم ایک ساتھ اپنے محور پر گردش نہیں کرتا، بلکہ اُس کے بعض اجزاء بہت تیزی سے حرکت کرتے ہیں، بعض سُست رفتار ہیں!

مشتری کی حرارت، باوجود اسکے کہ وہ آفتاب سے اس قدر دُوری پر ہو، بہت ہی عظیم ہو۔ علماء کا خیال ہو کہ یہ حرارت آفتاب سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ خود مشتری ہی سے پیدا ہوتی ہو۔

انسان کا مستقبل

سر فیلپ گبز، انگلستان کا مشہور عالم اہل قلم ہو۔ پچھلے دنوں اُسنے مذکورہ بالا عنوان پر ایک مضمون شائع کیا ہو۔ وہ لکھتا ہو:

"انسان، قدرت کی خفتہ قوتیں بیدار کر کے سخت خطروں میں پڑ گیا ہو۔ اب اُس کے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یا ان قوتوں کو آخری طور پر مغلوب کر کے مسخر کر لے، یا خود مغلوب ہو کر برباد ہو جائے حالات بتا رہے ہیں کہ انسان، علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ قدرت کی قوتوں پر برابر غالب ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ زمین کا مطلق العنان حاکم بنجائے گا۔ اسی غرض سے بعض علماء نے تجویز پیش کی ہو کہ قدرت سے جنگ کا یہ طویل سلسلہ دس برس کے لئے منقطع کر دیا جائے یعنی التواء جنگ ہو جائے، تاکہ اس دوران میں انسان اسوقت کی تمام علمی فتوحات اچھی طرح استعمال میں لا سکے۔ اگر انسانی فتوحات کی یہ تیز رفتاری کچھ مدت کے لئے روکی نہ جائے گی، تو بہت جلد انسان کے دماغ کو مختل کر ڈالے گی۔ وہ مبہوت ہو کر رہ جائے گا اور فتح تباہ کن شکست بنجائے گی"

"لیکن یقین نہیں کہ دنیا اس تجویز پر عمل کر سکے۔ کیونکہ انسانی دماغ اب روکنے سے بھی رُکتا نظر نہیں آتا۔ ہزارہا برس کی قید کے بعد اب وہ آزاد ہو گیا ہو۔ اور برابر بے قید ہی رہنا چاہتا ہو"

"اب انسان کی کوشش یہ ہو کہ قدرت کا وہ سب سے بڑا اختیار بھی چھین لے جسپر ابتک نظر اُٹھانے کی اُسنے اجازت نہیں دی تھی۔ اب انسان چاہتا ہو کہ خود اپنی قسمت کا بھی حاکم بنجائے۔ اُسے شرم آتی ہو کہ خود اُس کی تکوین و تخلیق اور اُسکے نفس کی تکییف کا معاملہ، قدرت کے ہاتھ میں ہو، چنانچہ اب وہ چاہتا ہو کہ اپنی پسند کے مطابق اپنی نسل پیدا کرے، اور اپنی خواہش و ارادے سے اپنے اخلاق و اطوار بنائے"

"انسان نے اب معلوم کر لیا ہو کہ جسم اور اخلاق کی تکوین کا معاملہ سراسر اُن غدود یا گلٹیوں سے وابستہ ہو، جو ہر جسم میں موجود ہوتی ہیں اگر مادا کے جسم سے وہ خاص گلٹیاں نکال دی جائیں جنھوں نے اُسے مادا بنا دیا ہو، اور اُن کی جگہ وہ گلٹیاں لگا دی جائیں جن کی وجہ سے ذی روح نر ہوا کرتا ہو، تو فوراً جنسیت بدلجائے گی یعنی مادا، نر بنجائے گی اسی طرح نر کو مادا بنا دیا جا سکتا ہو۔ اب معلوم ہو چکا ہو کہ سر کی ایک گلٹی سے جو مادّہ خارج ہوتا ہو، اُس کی کمی بیشی سے انسان لانبا اور پست قد ہو جاتا ہو۔ اگر عمل جراحی کے ذریعہ اس گلٹی کے عمل میں ترمیم کر دی جائے، تو حسب مرضی قد دراز اور پست ہو جا سکتا ہو۔ اب قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہو کہ تمام چوروں کے جسم میں بعض خاص قسم کی گلٹیاں ہوتی ہیں۔ اُنھیں کے اثر سے وہ چوری کرتے ہیں۔ یہی حال

تمام سنگ و بد خصلتوں کا ہو کہ مخصوص گلٹیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر ان گلٹیوں میں تبدیلی کر دی جائے تو آدمی کے اخلاق بدل جا سکتے ہیں۔ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہو جب مجرموں کو قید اور پھانسی کی سزائیں نہیں دی جائیں گی، بلکہ اُنھیں شفاخانوں میں بھیجدیا جائے گا، جہاں اُن پر عمل جراحی کیا جائے گا، اور جرم کی گلٹی جسم سے نکال کر

اور کوئی حد نہیں رکھتی۔ انسان کتنا ہی بلند ہو جائے، پھر بھی فضاء قدرت اتنی ہی بلندی پر رہے گی، جتنی بلندی پر ہمیشہ سے چلی آتی ہو!

اسلام اور سزائے قتل

ایک ناتمام مبحث کی تکمیل

(از مولانا ابوالکلام)

اب کہ ایک عرصہ کی علالت کے بعد اس قابل ہوا ہوں کہ الہلال کے لئے وقت نکال سکوں، سب سے پہلے مجھے ان صفحات کی ایک ناتمام بحث مکمل کر دینی چاہیے۔ یہ ایک طالب حق کے استفسار کا جواب تھا، جو گو مستفسر کو مختصراً لکھ کر بھیجدیا گیا تھا لیکن الہلال میں ناتمام رہ گیا۔

استفسار حسب ذیل سوالات کی شکل میں تھا:

(۱) کیا واقعی یہ اسلام کا قانون ہے کہ جو شخص بانی اسلام کے خلاف بدزبانی کرے اسے فوراً قتل کر دینا چاہیے اور جس مسلمان کے سامنے ایسا کرے، اس کا مذہبی فرض ہے کہ اسی وقت اس کا سر اڑا دے؟

(۲) کیا اسلام کا یہ حکم ہے کہ اگر کسی قوم کا ایک آدمی حضرت پیغمبر اسلام کے خلاف بدزبانی کرے تو جب تک اس کے تمام ہم قوم (جنھوں نے شاید اس بدزبانی کرنے والے کا نام بھی نہ سنا ہوگا) اسکو برا بھلا نہ کہیں تمام قوم کا بائیکاٹ کر دینا چاہیے اور اپنی بستی سے نکال دینا چاہیے۔

(۳) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلمان ایسا کرے تو اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالنا چاہیے جیسا کہ مولانا محمد علی صاحب فرماتے ہیں؟

(۴) آپکے خیال میں یہ مطالبہ ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں ایسا قانون بنانا چاہیے کہ جو شخص ایسا کرے اسے قتل کر ڈالا جائے؟

(۵) کیا اسلام کا یہ قانون ہے کہ اگر ایسا شخص اپنی غلطی مانے اور اس پر افسوس ظاہر کرے، تو وہ مسلمانوں کو قبول نہیں کرنا چاہیے اور اسے جسمانی سزا دلانے پر اڑ جانا چاہیے؟

(۶) جو کتابیں دیگر مذاہب کے خلاف خود مسلمان مولوی صاحبان لکھتے آئے ہیں اور انمیں بنگیلا رسول جیسی زبان استعمال کی گئی ہے، کیا وہ بھی اسی طرح کی سزا کے مستحق نہیں ہیں جیسی بنگیلا رسول اور رسالہ درتمان ہیں؟

(۷) سو دو سو برس سے جو سیکڑوں عیسائی مشنری اسلام کے خلاف سخت سے سخت کتابیں لکھتے آئے ہیں اور اسوقت ہزاروں کی تعداد میں وہ موجود ہیں، کیوں ان کے خلاف اس قدر جوش و خروش نہیں دکھایا گیا جس قدر اس موقعہ پر دکھلایا گیا ہے؟

فقہ اسلامی کے تعزیری قوانین

قبل اس کے کہ اصل سوال کا جواب دیا جائے، دو باتیں بطور مقدمہ کے صاف کر دینی ضروری ہیں:

(۱) جب کبھی تعزیر و سیاست کے کسی ایسے معاملہ میں جیسا کہ یہ معاملہ ہے، اس طرح کی تعبیر بیان اختیار کی جاتی ہے کہ "اسلام کا قانون یہ ہے" اور "شریعت اسلامی کا حکم یہ ہے"، تو قدرتی طور پر ان تمام لوگوں کو جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، ایک سخت غلط فہمی واقع ہو جاتی ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح اسلام نے اپنے پیروؤں کو نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح تعزیر و سیاست کے بھی یہ احکام دیدئے ہیں۔ مثلاً جب ایک غیر مسلم سنتا ہے کہ "اسلام کے قانون میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والے کی سزا قتل ہے" تو وہ خیال کرتا ہے، اسلام نے اپنے پیروؤں کو حکم دیدیا ہے کہ جہاں کوئی غیر مسلم ایسی بات منہ سے نکالے جس سے انکے خیال میں توہین ہوتی ہو، تو فوراً چاقو نکالیں اور اس کا گلا کاٹ کے رکھ دیں! حالانکہ اسلام کی نسبت ایسی مجنونانہ تعلیم کا تصور بھی کرنا، اس کے خلاف سخت سے سخت اتہام ہے۔ نعوذ باللہ اگر اسلام کی ایسی تعلیم ہو، اور اس نے اپنے پیروؤں کو قتل انسانی کا عام پروانہ دیدیا ہو۔ اسلام کے نزدیک تو انسان کی زندگی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز بھی محترم نہیں۔ وہ قتل نفس کو انسان کی سب سے بڑی شقاوت قرار دیتا ہے۔ اس کی کتاب اپنے معجزانہ انداز بلاغت میں اعلان کرتی ہے کہ نوع انسانی کے کسی ایک فرد کا قتل، فرد کا قتل نہیں ہے، نوع کا قتل ہے:

من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض، فکانما قتل الناس جمیعا، ومن احیاھا، فکانما احیا الناس جمیعا، ولقد جاءتھم رسلنا بالبینات، ثم ان کثیراً منھم بعد ذالک فی الارض لمسرفون (۵: ۳۵)	جس کسی نے کسی انسان کو بغیر ان دو حالتوں کے کہ قصاص لینا ہو یا قتل و خونریزی اور ظلم و فساد روکنا ہو قتل کر ڈالا، تو وہ صرف ایک جان ہی کا قاتل نہیں ہے بلکہ تمام انسانوں کا قاتل ہے۔ اور اسی طرح جس کسی نے ایک انسان کو ہلاکت سے بچالیا، تو اس نے صرف ایک فرد انسانی ہی کی جان نہیں بچائی۔ بلکہ تمام نوع انسانی کو زندگی بخشی!

بلاشبہ اسلام نے خاص خاص صورتوں میں قتل کی اجازت دی ہے۔ صرف اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بغیر کسی جذبۂ اعتذار کے کہا جا سکتا ہے کہ ترغیب دی ہے، لیکن وہ صورتیں وہی ہیں جن میں نہ صرف اسلام نے بلکہ دنیا کے عالمگیر اخلاق و انسانیت نے بھی قتل انسانی کے ناگزیر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ قتل انسانی کی یہ ناگزیر صورتیں اس لئے گوارا نہیں کی گئی ہیں کہ انسانوں کو قتل کیا جائے، بلکہ اس لئے کہ انسانوں کو بچایا جائے:

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب! (۲: ۱۷۹)	ایسا قتل جو قاتلوں سے انسانوں کو بچانے کے لئے ہو، اگرچہ بظاہر خون بہانا ہے، لیکن فی الحقیقت اسی میں انسانی زندگی کی حفاظت پوشیدہ ہے!

قرآن بتلاتا ہے کہ یہ ناگزیر صورتیں تین ہیں: جنگ، قصاص، اور ایسے جرائم کا انسداد جن کا انسداد بغیر انتہائی سزا کے ممکن نہ ہو۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کسی حال میں بھی اسلام خدا کی اس بنائی ہوئی مخلوق کا خون بہانا برداشت نہیں کر سکتا جس کا نام انسان ہے۔ جو شخص اس سے زیادہ قتل انسانی کا جواز اس کی طرف منسوب کرتا ہے، وہ یا تو اسلام سے قطعاً بے خبر ہے، یا اسلام پر تہمت لگانے میں اسے عار نہیں!

بہرحال تعزیری احکام قوانین کی یہ تعبیر ان لوگوں کے لئے جو اسلام کے نظام شرع سے واقفیت نہیں رکھتے، سخت غلط فہمی کا باعث ہو جاتی ہے۔ وہ نہیں سمجھ سکتے کہ انکے اسلامی قانون ہونے کے معنی کیا ہیں؟ اور ان کی نوعیت عقائد و عبادات کے شرعی احکام سے کس وجہ مختلف ہے؟ بلاشبہ تعزیر و سیاست کے بے شمار احکام ہیں جو فقہاء اسلام نے یعنے مسلمان قانون سازوں نے وقتاً فوقتاً وضع کئے، اور مختلف عہدوں میں ان وقتوں کے احوال و ظروف کے مطابق ان کا اجراء و نفاذ ہوتا رہا۔ یہ تمام قوانین آج بھی قانون اسلام کی کتابوں میں موجود ہیں، اور انھیں اسلامی قانون ہی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اسلام کے اصولی اور اجمالی مبادیات ہی سے نکالے گئے ہیں۔ لیکن ان کا "اسلامی قانون" ہونے کی نوعیت وہ نہیں ہے، جس نوعیت کے قوانین عقائد و عبادات کے ہیں۔ دونوں کا فرق کئی حیثیتوں سے واضح ہے:

اولاً، تعزیر و سیاست کے تفصیلی قوانین کا بڑا حصہ براہ راست شریعت کا ٹھہرایا ہوا نہیں ہے، بلکہ قانون سازی کے طریقوں پر شرعی اصول و مبادیات سے استنباط کیا ہوا ہے۔ اس بارے میں اسلام نے جو نظام تشریع اختیار کیا تھا، وہ یہ نہیں تھا کہ نپولین کے فرانسیسی مجموعۂ قوانین یا تعزیرات ہند کی طرح اسنے تمام تفصیلی اور جزئی قوانین کا ایک مجموعہ بنا کر نافذ کر دیا ہو۔ اگر وہ ایسا کرتا، تو دنیا کا عالمگیر مذہب نہ ہوتا۔ محض کسی ایک قوم اور عہد ہی کا مذہب ہو سکتا تھا۔ پس اسنے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تفصیلات و جزئیات سے قطع نظر کر لی گئی، اور صرف ایسے اصولی اور اجمالی مبادیات وضع کر دئے گئے، جن سے حسب ضرورت ہر طرح کے تفصیلی قوانین کا استخراج کیا جا سکتا ہے۔ اصل شرعی اس بارے میں یہ تھی کہ جمعیت بشری کی استعداد و ضرورت کے مطابق عدل و سعادت کا نظام قائم رہے اور مفاسد کے روک تھام اور مصالح کے حصول کے لئے جن جن وسائل کی ضرورت ہو، وہ صحیح طریقہ پر کام میں لائے جا سکیں۔ اسلامی حکومت کی ابتدا ایک محدود رقبہ اور محدود احوال و ظروف میں ہوئی تھی۔ اس لئے تعزیر و سیاست کی تفصیلات میں بھی زیادہ پھیلاؤ نہیں ہوا تھا۔ پھر جوں جوں دائرۂ اقتدار وسیع ہوتا گیا اور تعزیر و سیاست کی نئی نئی ضرورتیں پیش آتی گئیں، متقنین اسلام تفصیلی قوانین کا استنباط بھی کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ہر طرح کے تعزیری قوانین کا ایک مکمل ذخیرہ مدون ہو گیا۔ پس اگرچہ یہ تمام تفصیلی قوانین بھی اپنی اصل کی بنا پر شرعی قوانین ہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسلام کے براہ راست احکام نہیں ہیں، اور اسلام کے براہ راست احکام میں اور قانون سازوں کے استنباط کئے ہوئے احکام میں جو بنیادی فرق ہے، اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام کی طرف دونوں کی نسبت، ایک طرح کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ پہلے قسم کے احکام اس کے براہ راست ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ دوسری قسم کے قوانین تقنین کے استنباط کئے ہوئے ہیں اور بسا اوقات ان قوانین اور اسلامی اصول و مبادیات میں بیشمار کڑیاں نظر و تفریع اور قیاس و استخراج کی واقع ہو گئی ہیں۔

ثانیاً، یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ یہ قوانین تعزیر و سیاست کے قوانین تھے، اور تعزیر و سیاست کے قوانین سلطنت کے لئے ہوتے ہیں، عام افراد امت کے لئے نہیں ہوتے۔ یعنے نماز روزہ کے احکام کی طرح ان کا خطاب افراد سے نہیں تھا۔ اسلامی سلطنت سے تھا۔ نماز روزہ کے احکام واجبات و فرائض ہیں، اس لئے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ انھیں ادا کرے۔ لیکن یہ احکام تعزیر و سیاست کے قوانین ہیں۔ واجبات و فرائض نہیں ہیں۔ اس لئے

صرف اُسی حالت میں قابل عمل ہو سکتے ہیں جبکہ کوئی اسلامی حکومت موجود ہو، اور وہ اپنی عدالتوں میں انہیں نافذ کرے۔ اسلام نے احکام قضاء پر (جسے آج کل کے اُردو اخباروں کی زبان میں "عدالتی کارروائی" کہنا چاہیئے) اس قدر زور دیا ہے کہ شاید ہی اُس عہد میں دُنیا کی کسی قانونی حکومت نے اس قدر زور دیا ہو۔ اسلام کا نظم سیاست یہ ہے کہ "جرم" اور "تعزیر" ایک ایسی چیز ہے جس کی تشخیص اور حکم ہر حال میں صرف عدالت ہی کے ہاتھ میں ہے۔ عدالت کے سوا کوئی نہیں جسے کسی انسان کو "مجرم" قرار دینے، اور "سزا" دینے کا اختیار ہو۔ عدالت سے بھی مقصود محض کوئی خاص عدالتی منصب نہیں ہے۔ بلکہ سماعت، شہادت، اور تحقیق وحکم کے وہ تمام مراتب ہیں، جن کے مطابق حاکم عدالت کو کارروائی کرنی چاہیئے۔ اگر کسی معاملہ میں یہ تمام عدالتی کارروائی نہیں ہوئی ہے، تو خلیفۂ وقت کو بھی اختیار نہیں ہے کہ اپنے علم اور مشاہدہ کی بنا پر کسی مجرم کو سزا دیدے۔ اگر خلیفۂ وقت کے ذاتی علم ومشاہدہ میں کسی شخص کا کوئی جرم آگیا ہو، تو اُس کی حیثیت محض ایک مدعی یا گواہ کی ہوگی۔ اسی حیثیت سے اُسے عدالت کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔ یہ عدالت کا کام ہے کہ اُسکے دعوے یا گواہی کی نسبت رائے قائم کرے۔

موجودہ زمانے کی قانونی اصلاحات میں بہت زیادہ زور اس اصل پر دیا جاتا ہے کہ عدالتی اختیارات انتظامی اختیارات سے علٰحدہ کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی جو قوت "سزا" کے نافذ کرنے کا اقتدار رکھتی ہو، اُسے "مجرم" قرار دینے کا اختیار نہیں ہے، اور اس ایک بنیادی اصلاح نے حاکمانہ اور شخصی ناانصافیوں کی بے شمار راہیں بند کر دی ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم اصلاح ہے لیکن دنیا کو معلوم نہیں کہ ساتویں صدی مسیحی میں جبکہ دنیا کے سب سے بڑے متمدن ملک روم کے قوانین کا یہ حال تھا کہ ایک ہی شخص بحیثیت مجسٹریٹ کے ملزم پر الزام بھی عائد کرتا تھا اور بحیثیت جج کے اُسے سزا بھی دیدیتا تھا اسلامی حکومت میں نہ صرف عدالت کے اختیارات انتظامی مناصب سے الگ تھے، بلکہ اسلامی عدالتوں کو وقت کے حاکموں، گورنروں اور خود بادشاہوں پر بھی حکم دینے اور بلا روُ ورعایت سزا تجویز کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ ویسا ہی اختیار، جیسا اختیار وہ ایک عام باشندۂ ملک کے لئے سزا تجویز کرنے کا رکھتے تھے!

اسلام نے تعزیر وسیاست کے باب میں عدالت کے نظام کو جس قدر اہمیت دی ہے، اُس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیا جا سکتا ہے کہ مسلمان قانون سازوں میں ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ کوئی آقا اپنے نوکر اور غلام کو بھی بطور خود سزا نہیں دے سکتا، اگرچہ قصور کتنا ہی بڑا اور سزا کتنی ہی ہلکی ہو۔ اُسے چاہیئے کہ باقاعدہ عدالتی چارہ جوئی کرے!

ظاہر ہے کہ تعزیر وسیاست کے بارے میں جس قانون کا یہ حال ہو، کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ عدالتی اور آئینی نظم کے علاوہ کسی حال میں بھی سزا کا دینا جائز رکھ سکتا ہے۔ خصوصاً قتل کی سزا جو انتہائی سزا ہے؟ آج اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود ہوتی، اور بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے وہی قوانین سیاست نافذ ہوتے جو ساتویں اور آٹھویں صدی مسیحی میں تشحیذ اور بغداد کی عدالتوں میں نافذ تھے، اور ایسا ہوتا کہ ایک مسلمان ایک ذمی (غیر مسلم شہری) کو قتل کر ڈالتا تو یقیناً وہ اُسی طرح قتل عمد کا مجرم قرار دیا جاتا، جس طرح دُنیا کی تمام عدالتوں کے نزدیک قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی مسلمان یہ خیال نہیں کر سکتا تھا کہ اُسنے ایک غیر مسلم انسان کا خون بہا کر اسلام کا کوئی مقدس فرض انجام دیا ہے۔

غرضکہ تعزیر وسیاست کے قوانین کا "اسلامی قانون" ہونا، نوعیت نہیں رکھتا، جو نوعیت اسلام کے شرعی واجبات وفرائض کی ہے، اور چونکہ اس طرح کی تعبیر طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کر دیتی ہے، اس لئے چاہیئے کہ تعبیر وبیان میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ بہتر اور واضح تعبیر اس طرح کے قوانین کے لئے یہ ہے کہ انھیں اسلامی حکومت کے قانون سے تعبیر کیا جائے۔ یا یوں کہا جائے کہ فقہاء اسلام نے اس طرح کا قانون قرار دیا تھا۔

(۲) دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ فقہ اسلامی کے قوانین اس بارے میں کچھ ہی کیوں نہ ہوں، لیکن کیا بحالت موجودہ اُن کا ذکر موزوں اور برمحل ہو سکتا ہے؟ کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے کہ اس قسم کے مواقع پر اُن کا حوالہ دیا جائے اگرچہ وہ حوالہ حکومت کے مقابلہ ہی میں کیوں نہ ہو؟ مجھے بغیر کسی تامل کے اس کا جواب نفی میں دینا ہے۔ میرے خیال میں جن لوگوں نے اس موقعہ پر اس قانون کا حوالہ دیا، اُنھوں نے نہ صرف ایک غیر ضروری بات کہی، بلکہ بے محل اور غیر متعلق بات کہی، اور جب کبھی کوئی بات بے موقعہ اور غیر متعلق کہی جائے گی، تو یقیناً طرح طرح کی غلط فہمیوں اور پیچیدگیوں ہی کا باعث ہوگی۔ مصالح کار اور مصالح وقت کے مطابق نہ ہوگی۔ خود اسلام کے شرعی آداب حکم وافتا کے بھی یہ خلاف ہے کہ غیر علمی اور غیر وقوعی صورتوں کا ذکر کیا جائے۔ یہ جو ائمہ سلف کی نسبت جا بجا منقول ہے کہ بعض دقیقہ سنجان فقہ کی ایسی کاوشیں ناپسند کرتے تھے جن میں غیر وقوعی صورتیں پیدا کر کے بحثیں کی جاتی تھیں، تو اس کا بھی مطلب یہی تھا۔ کہنے کے لئے ہر موقعہ پر ہزاروں باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ ایک ایسی قانون پر کیا موقوف ہے؟ سیکڑوں قوانین دوسرے دقتوں اور حالتوں کے کتابوں میں بھرے پڑے ہیں لیکن یہ تو نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم ہندوستان کی موجودہ زندگی میں اُن کا بغیر کسی مناسبت کے حوالہ دیتے پھریں۔ خود اسلام کا نظم شروع یہ ہے کہ ہر موقعہ اور حالت کا جو حکم ہو، وہی وقت کا اصلی حکم ہوگا۔ اُسکے خلاف جو کچھ ہے، وہ وقت کا حکم نہیں ہے۔ پس جب ایک بات موجودہ حالت سے شرعاً متعلق ہی نہیں رکھتی، تو اُس کا ذکر کرنا اور اُسے بیکار کارگر قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ ظاہر ہے کہ فقہ اسلامی کے جس قدر تعزیری قوانین غیر مسلموں کے متعلق ہیں، وہ سب ایک خاص قسم کی صورت حال سے تعلق رکھتے تھے۔ یعنی یہ کہ اسلامی حکومت ہو، اُسنے غیر مسلموں کی حفاظت جان ومال کا ذمہ لیا ہو، اور ذمیوں کے متعلق جو معاملات پیش آئیں، اُن میں اسلامی عدالتیں اپنے احکام نافذ کر سکیں۔ لیکن اب سرے سے وہ صورت حال باقی ہی نہیں ہے۔ نہ تو ہندوستان میں اسلامی حکومت ہے۔ نہ شرعی ذمہ ہے۔ اور نہ ذمی ہیں۔ پس فی الحقیقت اُن قوانین کا موجودہ حالت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ غیر مسلموں کو کس معاملہ میں سزا دینی چاہیئے اور کس میں نہیں دینی چاہیئے؟ یہ بات تمام تر اس اصل پر مبنی تھی کہ اسلامی حکومت نے فتح یا معاہدہ کے بعد غیر مسلموں کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، اور انھیں خاص شرائط پر ہر طرح کے شہری حقوق عطا کر دیئے تھے۔ چونکہ حکومت نے ذمہ لیا تھا، اس لئے یقیناً اُسے یہ حق بھی حاصل تھا کہ اپنے قوانین عدالت کے ذریعہ اُنکے معاملات کا فیصلہ کرے، اور اگر وہ ظلم وتعدی پر اُتر آئیں تو انھیں سزا دے۔ لیکن اگر اسلامی حکومت موجود نہیں ہے، اور نہ غیر مسلموں کا ذمہ باقی رہا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ تمام قوانین یک قلم غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اب وہ ذمہ ہی باقی نہ رہا جس پر تعزیر وسیاست کے تمام قوانین مبنی تھے، اور نہ حکومت ہی باقی رہی جسے عدالتی نظام کے ذریعہ سزائیں نافذ کرنے کا حق تھا۔ پس موجودہ حالت میں ان قوانین کا ذکر کرنا، اور انہیں اسلامی قانون، اسلامی قانون کہکر پکارنا کس قدر بے معنی بات ہے؟ ایسی ہی غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے اسلام کی صورت غیروں کی نظروں میں مشتبہ ہو گئی ہے۔ اور اُس کی صاف اور روشن تعلیم پر طرح طرح کی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے پردے پڑ گئے ہیں۔

اصل سوال کا جواب

اصل مسئلہ کے متعلق جن لفظوں میں سوال کیا گیا ہے، اُس کا جواب بغیر کسی تامل کے یہ ہے کہ نہ تو اسلام کا یہ قانون ہے اور نہ کوئی ایسا قانون اسلام کا قانون ہو سکتا ہے۔

سوال کے الفاظ یہ ہیں:

"کیا واقعی اسلام کا یہ قانون ہے کہ جو شخص حضرت بانی (داعی) اسلام کے خلاف بدزبانی کرے، اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہیئے، اور جس مسلمان کے سامنے وہ ایسا کرے، اُس کا مذہبی فرض ہے کہ اُسی وقت اُس کا سر اُڑا دے"؟

جواب یہ ہے کہ قطعاً نہیں! اور تفصیل اسکی اوپر گزر چکی۔

البتہ مسئلہ کی ایک بالکل دوسری قسم کی صورت ہے، اور وہ بلا شبہ فقہ اسلامی کے قوانین میں موجود ہے۔ وہ صورت یہ تھی کہ اگر ایک ذمی (غیر مسلم باشندہ) اپنے مذہب کے مجنونانہ تعصب کی وجہ سے، یا مسلمانوں کے بغض وعداوت کی وجہ سے، یا حکومت کی تحقیر وتذلیل کے لئے ایسا رویہ اختیار کرے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں سب وشتم کرنے لگے۔ یعنے گالیاں بکنے لگے۔ یا اس طرح کی بدزبانی کرنے لگے جو صریح سب وشتم کا حکم رکھتی ہو، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟ فقہا کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ اس طرز عمل کے بعد اُس کا ذمہ وعہد باقی نہیں رہا۔ یعنے اسلامی حکومت نے اُسے جس باہمی سلوک کے معاہدہ پر ہر طرح کے شہری حقوق اور مذہبی آزادی دی تھی، اور اُس کی جان ومال کی حفاظت کی ذمہ دار ہوئی تھی، وہ خود اُسی کی طرف سے شکست ہو گیا، اس لئے اُسے قتل کرنا چاہیئے۔ دوسری جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کی وجہ سے عہد وذمہ شکست نہیں ہوتا۔ اس لئے قتل کی سزا نہیں دی جا سکتی البتہ عدالت کو اختیار ہے کہ وہ مصلحت کے مطابق ایسی کارروائی کرے جس سے اس کا سدباب ہو جائے۔ پہلی رائے حضرت امام مالک امام احمد، اور امام شافعی کی (کتاب الام میں) ہے۔ دوسری رائے حضرت امام ابوحنیفہ کی ہے اور حنبلیہ وشافعیہ میں سے بھی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔

جو فقہاء اس طرف گئے کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہیئے، اُنھوں نے جن حالات میں اور جن وجوہ کی بنا پر ایسا حکم تجویز کیا، ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر اُسے سمجھ لیا جائے۔ لیکن اسکی وضاحت اس وقت تک نہیں ہو سکے گی، جبوقت تک کہ یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی حیثیت کیا قرار دی گئی تھی، اور شرعاً "ذمہ" اور "ذمی" سے مقصود کیا ہے؟ مختصر لفظوں میں اس کی تشریح حسب ذیل ہے:

اسلامی حکومت اور غیر مسلم

چھٹی صدی مسیحی میں جب اسلام کا ظہور ہوا، تو مذہبی اعتقاد کا اختلاف انسانی قتل وخونریزی کا سب سے بڑا باعث تھا۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی نہ تھی جو حکومت کا اقتدار حاصل کر کے دوسرے مذہب کے پیروؤں کے ساتھ انصاف کر سکتی ہو۔ جس مذہب کے پیرو طاقت وحکومت حاصل کر لیتے تھے، وہ اپنے مذہب کے سوا اور کسی مذہب کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ رومیوں کی قوم اُس عہد کی سب سے بڑی متمدن قوم تسلیم کی گئی ہے، لیکن اُس کا بھی یہ حال تھا کہ جبوقت تک اپنے قدیم مذہب پر قائم رہی، یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے امن نہ تھا۔ جب مسیحی مذہب قبول کر لیا، تو تمام غیر مسیحی رعایا زندگی اور معیشت کے

حقوق سے محروم ہوگئی!

لیکن اسلام نے مذہب اور اعتقاد کی آزادی کا اعلان کیا۔ اُس نے مذہبی رواداری اور انسانی حقوق کی ایک ایسی فضا پیدا کردی، جس کا اُس وقت تک دُنیا میں کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔ ۵۰ برس کے بعد جب اسلامی حکومت کا دائرہ اقتدار وسیع ہوا، تو یہ ایک ایسی مملکت تھی جو اگرچہ خاص ایک مذہب کے پیرؤں کی تھی، لیکن اُس میں حکمران قوم کے دوش بدوش ہر مذہب و ملت کے لوگ آباد تھے، اور سب کو بلا امتیاز ایک ہی طرح کے شہری و ملکی حقوق حاصل تھے۔ مذہب اعتقاد کے اختلاف کی بنا پر کوئی انسان دوسرے انسان کے انسانی و ملکی حقوق تلف نہیں کرسکتا تھا!

جہاں تک غیر مسلموں کا تعلق ہو، اسلام کا طریق عمل یہ تھا کہ اُس نے فتح مکہ کے بعد عرب کی قدیم بت پرستی کے اعتراف سے تو انکار کردیا۔ کیونکہ فی الحقیقت اب فعلاً اُس کا کوئی وجود باقی نہیں رہا تھا۔ تمام قبائل عرب بہ رضا و رغبت مسلمان ہوگئے تھے۔ لیکن باقی تمام غیر مسلم اقوام کے لئے یہ حکم دیا کہ وہ اسلامی حکومت کے ماتحت اُسی طرح زندگی بسر کرسکتے ہیں، جس طرح خود مسلمان رہتے سہتے ہیں۔ بہ حیثیت شہری ہونے کے اُنھیں وہ تمام حقوق حاصل ہوگئے، جو خود مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ مذہبی اصطلاح میں اُنھیں "ذمی" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ اسلامی حکومت نے اُن کی حفاظت جان، مال اور مذہبی آزادی و حقوق کے قیام کا ذمہ لیا تھا۔ اصل اس بارے میں وہ طرز عمل ہو جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں کے ساتھ وقتاً فوقتاً اختیار کیا تھا، اور اُنکے بعد خلفاء راشدین اُن پر عامل رہے تھے۔ ایران، شام اور مصر کی فتح کے بعد وہاں کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدے کئے گئے، وہ آجتک تاریخ و فقہ میں موجود ہیں۔ فقہاء نے اُنھیں سے ذمیوں کے حقوق کے مسائل کا استنباط کیا ہے۔

اسلامی احکام کی رُو سے غیر مسلم باشندوں کے جن حقوق کا بطور عہد و میثاق کے ذمہ لیا گیا تھا، وہ مختصر لفظوں میں حسب ذیل ہیں:

(۱) اُنھیں پوری مذہبی آزادی ملے گی۔ اُن کی مذہبی عبادت گاہیں اور ہر طرح کی مذہبی عمارتیں محفوظ رہیں گی۔ صلیبوں اور موریتوں کو نقصان نہیں پہونچایا جائے گا۔ نہ سنکھ بجانے سے نہیں روکے جائینگے۔ وہ اپنے تہواروں میں اپنے جلوس نکال سکیں گے۔ تمام مذہبی عہدے اور انتظامات اُسی طرح قائم رکھے جائیں گے، جس طرح پیشتر سے موجود ہیں۔ لا یغیّر ما کانوا علیہ۔

(۲) اُنھیں اُنکے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا (بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ الفاظ لکھے ہیں: لا یفتنوا عن دینھم)

(۳) ان کی جان، مال اور ہر طرح کی جائداد محفوظ رہے گی۔ نہیں اُس میں تصرف کے تمام حقوق حاصل ہونگے۔ اگر اُن کا کوئی دشمن اُن پر حملہ کرے گا تو مسلمان ان کی طرف سے لڑیں گے۔

(۴) اُن کا کوئی حق چھینا نہیں جائے گا۔

(۵) اُنھیں اُن کے مذہبی احکام کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قانون کی نظر میں اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح، ہوگی اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح سمجھا جائے گا۔

(۷) تجارت، کاروبار، اور معیشت میں کسی طرح کی روک عائد نہیں کی جائے گی۔ اُنکے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوگا، جیسا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔

(۸) وہ اُن تمام ٹیکسوں سے معاف رکھے جائینگے جو مسلمانوں کے لئے قرار دیئے گئے ہیں ان سے عشر بھی نہیں لیا جائے گا۔

(۹) وہ فوجی خدمت سے بھی معاف رکھے جائیں گے۔

یہ اُن معاہدات کا خلاصہ ہے جو خود پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غیر مسلموں سے کئے تھے۔ مثلاً نجران کا معاہدہ جو ۱۰ھ ہجری میں ہوا تھا، اور جس کے پورے الفاظ فتوح البلدان اور کتاب الخراج وغیرہ میں موجود ہیں۔ لیکن خلفاء راشدین کے زمانے میں جب مشرق کے بڑے بڑے متمدن ممالک فتح ہوئے، اور مجوسیوں اور عیسائیوں کی بے شمار آبادیاں اسلام کے ماتحت آگئیں، تو ان مجمل شرائط میں اور زیادہ تفصیل ہوئی، اور مذہبی، ملکی، اور معاشرتی آزادی و حقوق کی وہ تمام باتیں پوری صراحت کے ساتھ تسلیم کرلی گئیں، جو آزاد و باامن شہر کے لئے اُس عہد میں ہوسکتی تھیں۔

یہ محض معاہدہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک ایسا قطعی اور واضح طرز عمل تھا جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔ مسلمان خلفاء جس درجہ غیر مسلموں کے حقوق کا احساس رکھتے تھے، اُس کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر خلیفۂ اوّل سے لیکر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) تک، چاروں خلیفوں کے وہ کلمات وصیت دیکھ لئے جائیں جو مرتے وقت اُن کی زبان پر طاری ہوئے تھے۔ اُن میں سب سے پہلے یہ جملہ نظر آئے گا "غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھنا، کیونکہ ہم نے اُن کا ذمہ لیا ہے" ذمیوں کے مذہبی و ملکی حقوق کے عام اعتقاد و اعتراف کا یہ حال تھا، کہ فی الحقیقت اُن کی جان مسلمانوں کی جان کی طرح اور اُن کا مال مسلمانوں کے مال کی طرح محفوظ تھا۔

آج اسلام کی نسبت علانیہ کہا جارہا ہے کہ اُس کی نظروں میں ایک غیر مسلم انسان کی زندگی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اگر ایک مسلمان ایک غیر مسلم کو اس لئے مار ڈالے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح اپنا مذہب پھیلانا چاہتا ہے، تو یہ اسلام کی نظروں میں ایک مقدس جہاد ہوگا۔ لیکن کاش ان معترضوں کو معلوم ہوتا کہ یہی اسلام ہے جسنے اپنے عروج سلطنت کے زمانے میں، جب دُنیا انسانی جان و مال کے مساویانہ حقوق کا تخیل بھی نہیں کرسکتی تھی، اس قانون کا اعلان کیا تھا کہ من کان لہ ذمتنا، فدمہ کدمنا، ودیتہ کدیتنا۔ (۱) ایک غیر مسلم ذمی کا خون بھی ویسا ہی محترم ہے جیسا ہمارا خون، اور اُس کا خوں بہا بھی ویسا ہی ہے جیسا ہمارا۔ یہ صرف زبان ہی کا اعلان نہیں تھا، بلکہ قانون کا دائم و جاری عمل بھی تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانے سے لے کر اسلام کی آخری سلطنتوں تک، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ذمیوں کا قتل اس لئے جائز رکھا گیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ خلفاء راشدین سے بڑھ کر اسلامی تعلیم کے کون پیکر ہوسکتے ہیں؟ لیکن ایک نہیں بے شمار واقعات موجود ہیں جن میں حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) نے ایسے مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جنھوں نے کسی عیسائی یا مجوسی باشندے کو قتل کردیا تھا۔

بہرحال اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ جس رواداری اور انسانی مساوات کا سلوک کیا، اُس کی کوئی مثال نہ تو اس سے پہلے مل سکتی ہو اور نہ اُسکے عہد میں۔ ایک یورپین مورخ (سیدیو) نے ان لفظوں میں اس کا اعتراف کیا ہے "اسلام نے ذمیوں کو بجز ایک حق کے اور تمام حقوق دیدیئے تھے۔ یعنے وہ بادشاہ نہیں ہوسکتے تھے"

ان تمام حقوق کے معاوضہ میں اسلامی حکومت اُن سے کیا چاہتی تھی؟ اس پہلو سے بھی معاملہ پر غور کرلینا چاہیئے۔ اسلامی حکومت قدرتی طور پر اُن سے اس سلوک کی توقع رکھتی تھی کہ:

وہ حکومت کو اپنی حکومت تصور کرینگے، اور اس کے خلاف کسی نغاوت یا سازش میں حصہ نہیں لیں گے۔

مسلمان ہم وطنوں کے ساتھ شرافت اور رواداری کا برتاؤ کریں گے جس طرح وہ اُن کے ساتھ بہتر برتاؤ کرتے ہیں۔

وہ کوئی بات ایسی علانیہ نہیں کرینگے جس سے حکومت کی توہین و تذلیل ہو یا حکومت کے مذہب کی توہین و تذلیل ہو۔

کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص ان توقعات کو بے اعتدالانہ قرار دے سکتا ہے؟ چھٹی صدی مسیحی کی دُنیا میں جب اسلام نے ان قوانین کا اعلان کیا تھا، اگر اسلامی حکومت غیر مسلموں کو ہر طرح کے مساویانہ حقوق دیکر اُن سے اس طرز عمل کی متوقع رہتی تھی، تو یقیناً یہ کوئی ظالمانہ طرز عمل نہ تھا۔ آج دُنیا میں کون قوم اور مذہب ہو جو اپنی تاریخ کے صفحات میں اس طرح کے طرز عمل کی ایک مثال بھی دکھلا سکتا ہے؟

مسئلہ کی نوعیت

یہ اسلامی حکومتوں کا طرز عمل تھا، اور یہ ذمی اور اُن کا ذمہ تھا، جن کی نسبت سوال پیدا ہوا کہ اگر وہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں علانیہ اور صریح گالیاں بکنے لگیں، اور عدالت میں قطعی شہادت و دلائل سے یہ بات ثابت ہوجائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟ فقہاء کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ ایسے بھی اُنھیں قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ کوئی ایسی سزا دینی چاہیئے جس سے اس شرارت کے بڑھنے اور پھیلنے کا سدباب ہوجائے۔ امام ابوحنیفہ اور فقہاء شافعیہ و حنبلیہ میں سے ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ گذشتہ ۶ صدیوں میں جسقدر بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، اکثر عمل فقہ حنفی ہی پر تھا۔ مثلاً ہندوستان کی حکومت مغلیہ اور قسطنطنیہ کی حکومت عثمانیہ۔ اس لئے تاریخ میں کئی واقعات ایسے موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی مذہب کے مطابق عمل کیا گیا۔ سلطان محمد خان چہارم کے زمانہ میں ایک ارمنی پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ اُسنے مسلمانوں کے ایک مجمع کے سامنے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسم گرامی لیکر سب و شتم کیا۔ معاملہ شیخ الاسلام عبداللہ آفندی کے سامنے پیش ہوا، اور اُنھوں نے مقدمہ کی سماعت کے بعد قید کرنے کا حکم دیا۔ سلطان کو جب اس معاملہ کا حال معلوم ہوا تو اُسنے شیخ الاسلام سے دریافت کیا "کیا اس سے زیادہ سخت سزا نہیں دی جاسکتی تھی؟" شیخ الاسلام نے کہا "شرعاً میں یہی سزا تجویز کرسکتا ہوں۔ اگر آپ کوئی دوسری سزا دینی چاہتے ہیں تو اپنے حکم سے دے دیجئے" سلطان خاموش ہوگیا!

لیکن فقہاء کی دوسری جماعت اس طرف گئی کہ اس صورت میں قتل کرنا چاہیئے۔ امام مالک، امام احمد، اور امام شافعی سے ایسا ہی منقول ہے۔ اُن کی نظر اس طرف گئی تھی کہ اسلامی حکومت نے ذمیوں کو ہر طرح کے مذہبی، ملکی، اور معاشرتی حقوق دیدیئے ہیں، اور باشندۂ ملک ہونے کے اعتبار سے اُن میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے۔ اس طرز عمل کے بدلے وہ صرف یہ چاہتی ہو کہ جس طرح اُنکے مذہب کا لحاظ کیا گیا ہے، وہ بھی اسلام کا لحاظ رکھیں، اور کوئی بات علانیہ ایسی نہ کریں جس سے توہین و تذلیل مقصود ہو۔ لیکن اگر پھر بھی ذمیوں کی ایک جماعت ایسی ہو جو اسلام کا اتنا لحاظ بھی روا نہیں کرتی کہ اُسکے پیغمبر کو خود مسلمانوں کے منہ پر صریح گالیاں نہ دی جائیں، تو ایسی جماعت کسی رعایت کی مستحق نہیں ہے اُسے قتل کرنا چاہیئے۔

خلاصۂ بحث

یہاں تک جسقدر بیان کیا گیا ہے، اس سے واضح ہوگیا ہوگا کہ:

(۱) فقہ اسلامی کے جس قانون کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسلام کا کوئی براہ راست منصوص قانون نہیں ہے، بلکہ تعزیر و سیاست کا ایک فرعی حکم

---

(۱) حافظ زیلعی نے ہدایہ کی تخریج میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ قول اور ایک مسند نقل کیا ہے جو اُنھوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں صادر کیا تھا، اور مسلمان قاتل کے قتل کا حکم دیا تھا۔

ہو جسمیں خود فقہاء کی رائیوں میں اختلاف ہوا۔ ایک جماعت نے اُسے تجویز کیا ہو۔ دوسری کو اس سے اختلاف ہو۔ پس یہ فقہاء کا بھی کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہو۔

(۲) جو جماعت اس رائے کی طرف گئی کہ قتل کرنا چاہیے، اُسنے جن حالات میں یہ بات تجویز کی تھی، اُنھیں پیش نظر رکھتے ہوئے کوئی منصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مذہبی تعصب کا کوئی مجنونانہ حکم تھا۔ یا اس سے مقصود یہ تھا کہ محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے خدا کے بندوں کا خون بہایا جائے۔

(۳) علاوہ بریں یہ بھی ٹھیک نہیں ہو کہ اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے "توہین" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ "توہین" کا لفظ بہت زیادہ عام ہو۔ بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن سے ایک شخص کے خیال میں توہین نکلتی ہو۔ دوسرے کے خیال میں نہ نکلتی ہو۔ اسی لئے فقہاء نے اسے "سب" کے لفظ سے تعبیر کیا ہو۔ "سب" کے معنی صریح گالی دینے کے ہیں، یا ایسے الفاظ کہنے کے ہیں جو بمنزلۂ دشنام ہوں

(۴) پھر جو کچھ بھی ہو، یہ قطعی ہو کہ اس قسم کے قوانین اور اُن کی بحثوں کو موجودہ حالت سے کوئی دُور کی مناسبت بھی نہیں، جیسا کہ مقدمات میں گزر چکا۔

(۵) باقی رہی وہ صورت حال جو اس قانون کے تذکرہ کا باعث ہوئی، تو اُس کا حال یہ ہو کہ موجودہ زمانہ قلم اور پریس کی آزادی کا زمانہ ہو۔ لیبا اوقات اس آزادی کا استعمال غلط طریقہ پر کیا جاتا ہو ہندوستان میں سب سے پہلے بعض بدزبان مسیحی مشنریوں نے اسلام و پیغمبر اسلام کے خلاف اس قسم کی کتابیں لکھ کر شائع کیں جن کی ایک سطر بھی مہذب اور سنجیدہ نکتہ چینی نہیں کہی جا سکتی۔ اُنکے بعد آریا سماج کے نئے مشنری آئے۔ اُن میں سے بھی بہتوں نے مذہبی تحقیق اور سنجیدہ نکتہ چینی کی جگہ اُنہی کا نقش قدم اختیار کیا۔ "رنگیلا رسول" نامی رسالہ بھی اسی قسم کی ایک اخلاقی موت تھی۔ یقیناً حکومت اور قانون وقت کا فرض ہو کہ اس قسم کی دلآزار تحریروں کی اشاعت جائز نہ رکھے اور جائز نکتہ چینی اور مذہبی دلآزاری میں امتیاز کرے، لیکن میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ طریق عمل پسند نہیں کر سکتا کہ مسلمان اپنی طبیعت اس انداز کی بنالیں، کہ جب کسی ٹٹ پونجئے نے ایک چار ورقی رسالہ چھاپ کر شائع کر دیا، ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک، تمام مسلمان شور و ویلا چانا شروع کر دیں کہ اسلام کی کشتی غرق ہو گئی، اور "تحفظ ناموس رسول" کا سوال پیدا ہو گیا۔ نعوذ باللہ، اگر چند جاہل اور کور چشم انسانوں کے بکواس کرنے سے "ناموس رسول" کی حفاظت کا سوال پیش آ سکے، تو اسلام اور مسلمانوں کے لئے یہ کوئی مصیبت ہو۔ ایسا سمجھنا اسلام کی عزت و شرف اور مسلمانوں کی مذہبی خودداری کو اس درجہ خلاف ہو کہ میں سمجھ نہیں سکتا، کیونکر ایک مسلمان ایسا کلمہ بھی کہہ سکتا ہو؟ اس قسم کا ایک رسالہ کیا معنی اگر ایک ہزار یا ایک لاکھ رسالے بھی چھاپے جائیں جب بھی نعوذ باللہ اسلام اور داعی اسلام کے ناموس کے تحفظ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو کہ جس طرح ہمیشہ بُری زبان اور بُرے اخلاق کے لوگ موجود رہے ہیں، اب بھی موجود ہیں۔ اگر آن کی تحریروں میں کوئی ایک سطر بھی ایسی موجود ہو جسمیں کوئی سنجیدہ اعتراض کیا گیا ہو، تو چاہیئے کہ اس کا جواب دیدیا جائے۔ باقی جس قدر بدزبانی ہو، وہ بحکم "کانئے بدریش خاوند" اُنہی کے لئے چھوڑ دینی چاہیئے۔



اعلان۔۱

قارئین الہلال کے لئے

(۱) پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ نمبر ۲۴ پر الہلال کی پہلی شش ماہی جلد ختم ہو جائے گی۔ لیکن بعد کو خیال ہوا کہ اگرچہ مہینوں کے حساب سے یہ اعلان غلط نہ تھا، لیکن نمبروں کی تعداد کے لحاظ سے اسمیں مزید وسعت کی گنجائش ہو۔ اگر سال کی دو تعطیلیں وضع کر دی جائیں (جیسا کہ ہمیشہ دفتر الہلال کا قاعدہ تھا) تو اس صورت میں بھی سال بھر کے ۵۰ نمبر ہونے چاہئیں۔ نہ کہ ۴۸۔ بہرحال دفتر نے ارادہ کر لیا کہ پہلی جلد کا اختتام نمبر ۲۴ پر نہیں بلکہ ۲۵ پر کیا جائے، اور اس طرح خریداران الہلال کی حق تلفی کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ یہ نمبر بھی پچھلی شش ماہی جلد کے سلسلہ میں بھیجا جا رہا ہو۔ جن حضرات نے نئی جلد کے لئے دی۔ پی کی درخواست کی ہو، اُن کا یا حساب اس نمبر سے نہیں بلکہ آئندہ نمبر سے شروع ہو گا۔

(۲) لیکن الہلال کی نئی شش ماہی جلد کے آغاز کے لئے یہ صورت موزوں نہیں معلوم ہوئی کہ دسمبر کی ایک درمیانی تاریخ سے اس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس طرح مہینوں کا حساب ہمیشہ بے ترتیب رہتا، اور بجائے سال کی ابتدا یا سال کے وسط کے، ایک درمیانی تاریخ سے جلد شروع ہوا کرتی۔ پس یہی مناسب معلوم ہوا کہ آئندہ جلد کی ابتدا جنوری سے کی جائے۔ جنوری سے جون تک، اور پھر جولائی سے دسمبر تک، ہمیشہ شش ماہی اختتام و آغاز ہوتا رہے گا، اور حساب میں کسی طرح کی بے ترتیبی باقی نہیں رہے گی۔

دسمبر میں ۵ جمعہ واقع ہوئے ہیں۔ آخری جمعہ تعطیل کا تھا۔ اس لئے اگر یہ وقفہ اختیار نہیں کیا جاتا تو دو نمبر اور نکلتے۔ اب یہ دو نمبر نہیں نکلیں گے۔ جنوری کے پہلے جمعہ سے جو رکود واقع ہو گا، نئی شش ماہی جلد کا سلسلہ شروع ہو گا۔

(۳) اس وقفہ کے اندر مطبع کو مزید انتظامات کی تکمیل کا بھی موقع مل جائے گا جو پیش نظر ہیں، اور جن کی وجہ سے نئی شش ماہی سے الہلال کے ترتیب مضامین اور حسن طباعت میں متعدد نئی تبدیلیاں نظر آئیں گی۔ ادھر چند نمبروں سے الہلال کی طباعت خصوصاً تقاویر کی تعداد و طباعت میں جو ترقی ہوئی ہو، اُمید ہو کہ قارئین الہلال نے محسوس کر لی ہو گی۔ یہ اب مطبع الہلال کا ذاتی انتظام ہو جسکی وجہ سے بلاک بہ لحاظ قسم و نوعیت کے بھی بہتر بننے لگے ہیں، اور اُنکی چھپائی بھی خاص طریق طباعت اختیار کر لینے کی وجہ سے زیادہ نمایاں اور خوشنما ہو گئی ہو۔ امید ہو کہ عنقریب بقیہ انتظامات کی تکمیل ان تمام چیزوں میں مزید رونق و اہتمام پیدا کر دیگی۔ "منیجر الہلال"

اعلان۔۲

(۱) مجھے ندامت کے ساتھ اس کا اعتراف ہو کہ الہلال کی اشاعت کے وقت صورت حال کا جو اندازہ کیا تھا، وہ کئی اعتبار سے صحیح ثابت نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ مجبوری صحت کی طرف سے پیش آئی۔ میں نے جب جب ارادہ کیا کہ الہلال کے کافی وقت نکالوں صحت کی فوری ناموافقت دامنگیر ہوئی، اور قدم اُٹھا کر پھر رُک جانا پڑا۔

(۲) میں اُن دوستوں کا خصوصیت کے ساتھ شکر گذار ہوں، جو زیادہ تر میرے خاص مضامین کے شوق میں الہلال کی ورق گردانی کرتے تھے، تاہم اُنھوں نے رشتۂ انتظار ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور برابر مطالعہ جاری رکھا۔ اگر میرے خاص مضامین کی قلت نہ رہی ہوتی تو بہ حیثیت مجموعی الہلال کے مضامین کی کثرت اور تنوع کا جو اندازہ یکساں طور پر برابر قائم رہا ہو، وہ اس کے لئے کافی تھا کہ میں اس موقعہ پر معذرت کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔

(۳) بہرحال اُن دوستوں نے محسوس کر لیا ہو گا کہ جونہی پچھلی بیماری سے مجھے تھوڑی بہت مہلت ملی، میں نے الہلال کے لئے لکھنا شروع کر دیا، اور اب اُمید ہو کہ توفیق الٰہی سے یہ سلسلہ مزید ترقی و توجہ کے ساتھ جاری رکھ سکوں گا۔ افسوس ہو کہ وقت کے حالات و مسائل کے متعلق بے شمار ضروری باتیں شرح و بسط کے ساتھ لکھنی تھیں جو نہ لکھی جا سکیں۔ اب اس کے سوا چارۂ کار نہیں کہ جو کچھ ماضی میں نہ ہو سکا، اس کے لئے مستقبل کی طرف نظر اُٹھائی جائے!

(۴) مجھے چند الفاظ الہلال کی موجودہ قیمت کی نسبت بھی کہنے ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں الہلال کی قیمت بارہ روپیہ سالانہ اور ساڑھے روپیہ شش ماہی تھی۔ ۱۹۱۳ء میں البلاغ نکلا، تو اُس کی قیمت بھی یہی تھی۔ یہی قیمت اس مرتبہ بھی رکھی گئی۔ لیکن دونوں حالتوں میں جو عظیم فرق ہو چکا ہو، وہ شاید بہت کم لوگوں نے محسوس کیا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں مختصر طور پر اس کی تشریح کر دوں۔

۱۹۱۲ء میں (یعنی جنگ سے پہلے) چھپائی کے تمام مصارف، موجودہ مصارف کے مقابلہ میں نصف سے بھی کم تھے۔ جنگ کے بعد سے جس طرح تمام چیزوں کی قیمت دوگنی سہ گنی ہو گئی ہیں، سامان طباعت کی بھی ہو گئی ہیں۔ ۱۹۱۲ء میں الہلال جس مشین پر چھپتا تھا، اُس کی قیمت ۶ ہزار روپیہ تھی۔ اب بارہ ہزار ہو۔ ۱۹۱۲ء میں الہلال کے لئے جو کاغذ استعمال کیا جاتا تھا، اُسکی قیمت تین روپیہ فی ریم تھی۔ اب اُسی کاغذ کی سات روپیہ ہو۔ روشنائی جو اُسوقت لگائی جاتی تھی، ڈیڑھ روپیہ فی پونڈ سے زیادہ کی نہ تھی۔ اب وہی روشنائی ۴ روپیہ میں آتی ہو۔ اُسوقت سینیر کمپوزیٹروں کی تنخواہ زیادہ سے زیادہ ۲۰ روپیہ ہوا کرتی۔ اب اس تنخواہ میں کوئی جونیر بھی نہیں مل سکتا۔ تصویروں کے بلاک اُسوقت ۴ اسکوائر انچ میں بنتے تھے اب اُنہی کی اُجرت آٹھ آنہ سے بھی زیادہ ہو۔ لیتھو کی چھپائی میں کتابت کی اُجرت اُسوقت ۴۔ ۵ روپیہ جُز سے زیادہ نہ تھی۔ اب دس روپیہ کی اُجرت بھی اچھے خوشنویسوں کے لئے زیادہ نہیں ہو۔ ایسی حالت میں یہ آسانی اندازہ کیا جا سکتا ہو کہ الہلال کی جو قیمت ۱۹۱۲ء میں قرار دی گئی تھی، وہ ۱۹۱۳ء میں کیونکر موزوں ہو سکتی ہو؟ بیجا نہ تھا اگر اب بارہ روپیہ کی جگہ ۲۴ روپیہ قیمت رکھی جاتی لیکن مناسب معلوم نہ ہوا کہ سابق قیمت میں کسی طرح کا اضافہ کیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اتنی وسیع اشاعت رکھنے پر بھی جو اسوقت کسی اردو رسالہ کی نہ ہو گی، اب تک اُس کے مصارف اور آمدنی کی میزان ساوی نہ ہو سکی!

یہ بھی یاد رہے کہ ۱۹۱۲ء میں اس کی ضخامت عام طور پر ۱۶ صفحوں کی ہوتی تھی۔ اور اب کم از کم ۲۴ ہو۔

یہ چند سطریں اس لئے لکھی گئیں کہ اگر بعض حضرات خیال کرتے ہوں کہ وہ ۱۲ روپیہ سالانہ یا ۵ رپی پرچہ قیمت دیکر الہلال کے ساتھ کوئی فیاضانہ سلوک کر رہے ہیں، تو اُمید ہو کہ اپنے اس خیال میں نظر ثانی کرنے سے انکار نہ فرمائیں گے!

ابوالکلام

دہلی کے نامی اور نامور مشہور و معتبر مقبول خاص و عام اسم بامسمّیٰ

ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی کا

عدیم المثال نادر الوجود سرمائی تحفہ

تار کا کافی پتہ "ہمدرد، دہلی"

ماء اللحم دواء آتشہ

بہ لفوفیں

زندگی جیسی عزیز اور پیاری چیز ہو وہ ظاہر ہے لیکن تندرستی بھی ایک ایسی نعمت ہے کہ بغیر اس کے زندگی بے لطف بلکہ بیکار ہے۔ تندرستی ہزار نعمت ہے۔ تندرستی ہو تو سب کچھ ہے۔ اگر آپ کو تندرستی کی قدر ہو اور تندرست رہنا پسند کرتے ہیں تو ہمارا تازہ کشید کیا ہوا ماء اللحم استعمال کیجئے اور پیری میں شباب کا لطف اُٹھائیے یہ امر تو مسلم ہے کہ ماء اللحم مقوی ارواح ہے، بدن میں چستی اور توانائی پیدا کرنا۔ رنگ کا نکھارنا۔ روح کو تازگی اور قوت دینا۔ گئی ہوئی طاقت میں از سر نو جان کا ڈالنا اس کی خاصیت ہے۔ مگر ہمارا ماء اللحم خصوصیت کے ساتھ پیروں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بناتا ہے اس لئے کہ نادر اور بیش قیمت اور مقوی اور فرحت بخش اجزاء سے بطرز خاص تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ بھی اس کا معمولی اور کتابی نہیں ہے بلکہ عالیجناب شفاء الملک بہادر غفران مآب رئیس اعظم دہلی کا خاص خاندانی نسخہ ہے جو جناب ممدوح نے بغرض رفاہ عام "ہمدرد دواخانہ" کو مرحمت فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ماء اللحم کا استعمال فرما کر خدا کی قدرت کا مشاہدہ کیجئے۔ فائدہ تو تین دن کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے مگر مستدبہ اور پورا فائدہ ایک چلّہ میں ہوتا ہے۔ پبلک کو صرف اپنی لفاظی اور خوش بیانی سے خوش کر دینا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔ مگر بعض اُمور میں ہم کو اپنی سچی ہمدردی کے اظہار کا کوئی موقع نہیں ملتا ہے تو مجبور ہو کر اشتہار دینا پڑتا ہے۔

ماء اللحم کے استعمال کا یہی موسم ہے اور یہی زمانہ ہے منگائیے! اور آزمائیے!! تجربہ بتا دے گا کہ ہمدرد کہاں تک اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید۔ قیمت بھی بہ نظر ہمدردی پانچ روپیہ فی بوتل مقرر کی گئی ہے مگر اسکے چند اقسم کے حلوے مقوی اور خوش ذائقہ نہایت نفیس تیار ہیں جن کے پورے افعال و خواص آپ فہرست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ نیز ہر قسم کی مفرد و مرکب دوائیں اس دواخانہ سے مناسب قیمت پر ملتی ہیں۔ فہرست مفت طلب فرمائیے۔ مع جنتری تیار ہے۔ خط و کتابت کے لئے کافی پتہ "منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی"

منیجر ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

مستورات کے لئے بہترین تحفے

نئی ایجاد بے نمونے

چوڑیاں: یہ نہایت خوبصورت نازک اور منقش چوڑیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ چونکہ انہیں ایک خول کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ ان کے اندر رنگین ریشمی چوڑیاں ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین برجد یا قوت نیلم اور پکھراج کے نگینے جڑے گئے ہیں۔ برسوں استعمال کیجئے۔ لیکن رنگ و رونق میں مطلق فرق نہیں آتا۔ نہ سیاہی دیتی ہیں۔ مستورات کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ صرف ایکروپیہ میں .. ۵ روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہے دوسرے لوگ یہی چوڑیاں ڈھائی روپے کی ۸-۸ فروخت کرتے ہیں لیکن ہمنے زیادہ بکری اور تھوڑے منافع کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے قیمت بہت کم کر دی ہے۔ یعنی بارہ چوڑیوں کا سٹ قیمت صرف ایکروپیہ اس شرط پر کم از کم ایک سٹ ضرور منگوائیے۔ کہ اگر نا پسند ہوں تو واپس کر کے دام لے لیجئے۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ فروخت ہوتی ہیں۔ جلد منگوائیے تاکہ اسٹاک ختم نہ ہو جائے۔

گولڈن انگوٹھیاں: ہر ناپ کی نگدار نہایت نفیس اور خوبصورت انگوٹھیاں حال ہی میں تیار ہو کر آئی ہیں۔ خالص سونے کی انگوٹھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ایک انگلی میں یہ انگوٹھی پہنئے! دوسری میں خالص سونے کی۔ اگر پہچان لے۔ تو ہمارا ذمہ۔ کسی جوہری صراف کے پاس لے جائیے۔ وہ بھی فوراً شناخت نہیں کر سکے گا۔ اگر آپ کو انگوٹھی کی ضرورت ہو۔ تو آپ کیوں ناحق ۲۵-۳۰ روپیے منیاح کرتے ہیں، کیوں نہیں صرف ایکروپیہ میں کام لیتے ہیں۔ قیمت فی عدد ایک روپیہ۔ تین کے لئے ڈھائی روپیہ (عہ)

خط و کتابت کا پتہ۔ منیجر زنانہ کاروبار لاہور

برص سفید داغ ۲۱ یوم میں جڑ سے غائب، ورنہ پوری قیمت واپس، اقرار نامہ لکھا لیں کیس ۲۱ خوراک معجون مسیحا اور ایک شیشی روغن مسیحا جو پورے ۲۱ روز کافی ہوگی قیمت مع خرچ ساک روپیہ تیز آنہ (۳۴ء)

=: دفتر معالج برص بنراہ ۵ ورجنگ (بہار) :=

افیم چھڑانے کی بے نظیر گولیاں: جن کے استعمال سے صد فی صد آسانی سے افیم چھوٹ چکے ہیں ایک روپیہ بہار کے علی کے لئے ۴ کی گولیاں کافی ہو سکتی ہیں۔ ملنے کا پتہ حکیم محمد عمر اینڈ سنز۔ موگا۔ ضلع فیروز پور پنجاب



جلد آرڈر دیجئے

سونے کی چوڑیاں

زبردست رعایت

یعنی

تین روپے کے بجائے سوا روپیہ میں

پہنے مال کی نکاسی کی غرض سے ان چوڑیوں کی قیمت میں خاص رعایت کر دی ہے۔ کیونکہ ہم براہ راست مال منگاتے ہیں اس لئے یہ رعایت کی گئی ہے یعنی بجائے تین روپیہ فی سٹ کے سوا روپیہ فی سٹ۔ یہ چوڑیاں خول کی صورت میں بنائی گئی ہیں انکے اندر ریشمی رنگین چوڑیاں آجاتی ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہترین ہیرے جواہرات کے نگینے انکے اندر جڑے گئے ہیں صنف نازک کے لئے عجیب تحفہ ہے اور سوا روپیہ میں ڈھائی سو روپیہ کا کام نکالا جا سکتا ہے۔ برسوں استعمال کیجئے خراب نہیں ہوتیں۔ ہر سائز کی موجود ہیں۔ ناپ ضرور دیا کریں۔ قیمت فی سٹ ۱۲ عدد سوا روپیہ (عہ) محصول ۹- ایجنٹ جلد خط و کتابت بھی کریں۔ منگانے کے لئے دو آنے (۲ر) کا ٹکٹ آنا چاہئے۔ ملنے کا پتہ۔ بی۔ کے برادرس اینڈ کو نمبر ۹۵ دہلی

ان تمام اصحاب کے لئے

جو

قیمتی تمدن و صنعت کی قیمتی آثار کا شوق رکھتے ہیں

دنیا میں عظیم الشان مقام

I. SHENKER,

118, BROMPTON ROAD, KENSINGTON, LONDON, S. W. 3.

ہے

مغرب و مشرق کے قدیم آثار، پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابیں، پرانی تصویریں، پرانے سکے، اور نقوش، پرانے زیور، آرائش و تزئین کا ہر قسم کا سامان، اور ہر طرح کے پرانے صنعتی، عجائب و نوادر، اگر آپ کو مطلوب ہیں، تو ہم سے خط و کتابت کیجئے۔ کم از کم ہماری نمائش گاہوں اور ذخائر کی فہرستیں ہی منگوا لیجئے۔ اہل علم اور اہل دولت، دونوں کے لئے ہمارا ذخیرہ قیمتی ہے۔

نوادر عالم کا یہ ذخیرہ

دنیا کے تمام حصوں سے غیر معمولی مصارف و سامان کے بعد حاصل کیا گیا ہے

دنیا کے تمام قدیم تمدنی مرکزوں مثلاً مصر، شام، فلسطین، ہندوستان، ایران ترکستان، چین، وغیرہ ممالک میں ہمارے ایجنٹ ہمیشہ گردش کرتے رہتے ہیں

با ایں ہمہ

قیمتیں تعجب انگیز عہد تک ارزاں ہیں!

بر اعظم یورپ، امریکہ

اور

مشرق

کے تمام بڑے بڑے محل، کتب خانے، اور عجائب خانے، ہم سے نوادر حاصل کرتے رہتے ہیں۔ قاہرہ کے نئے ایوان شاہی کے نوادر ابھی حال میں ہم ہی نے فراہم کئے ہیں

اگر آپ کے پاس نوادر موجود ہوں

تو

آپ فروخت کرنے کے لئے بھی پہلے ہم سے ہی خط و کتابت کیجئے۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارا سفری یا مقامی ایجنٹ آپ سے مل سکے

اگر آپ

علم و کتب کی وسعت اور دستِ طلب کی کوتاہی سے گھبرا گئے ہیں تو کیوں کسی ایسے مقام کی جستجو نہیں کرتے جہاں دُنیا کی تمام بہترین اور منتخب کتابیں جمع کر لی گئی ہوں؟

ایسا مقام موجود ہے!

J. & E. Bumpus Limited,
350, Oxford Street,
LONDON, W. 1.

جو

دُنیا میں کتب فروشی کا عظیم مرکز ہے

اور جسے ملک معظم برطانیہ اور انکے کتبخانہ قصر کے لئے کتابیں بہم پہونچانے کا شرف حاصل ہے!

انگریزی کا تمام ذخیرہ جو برطانیہ اور برطانی نوآبادیوں اور ملحقہ ممالک میں

شایع ہوتا ہے

یُورپ کی تمام زبانوں کا ذخیرہ

مشرقی علوم و ادبیات پر انگریزی اور یورپین زبانوں کی تمام کتابیں

نئی اور پُرانی دونوں طرح کی کتابیں

تمام دُنیا کے ہر قسم اور ہر درجہ کے نقشے

ہر قسم کی تعلیمی کتابوں کی مُسلسل سلسلے

بچّوں کے لئے ہر قسم اور درجہ کا ذخیرہ

قیمتی سے قیمتی اور سستے سے سستے ایڈیشن

آپ ہمارے عظیم ذخیرہ سے حاصل کر سکتے ہیں

ہمارے یہاں سے ہر چھ ماہ

کے بعد نئے ذخیرہ کی مفصّل فہرست شایع ہوا کرتی ہے

کیا آپ کو معلوم نہیں

کہ

اسوقت

دُنیا کا بہترین فاونٹین قلم

امریکن کارخانہ "شیفر"

کا

"لائف ٹائم"

قلم ہی؟

(۱) اتنا سادہ اور سہل کہ کوئی حصہ نزاکت یا پیچیدہ ہونیکی وجہ سے خراب نہیں ہوسکتا

(۲) اتنا مضبوط کہ یقیناً وہ آپ کو آپکی زندگی بھر کام دے سکتا ہی

(۳) اتنا خوبصورت، سبز، سرخ اور سنہری بیل بوٹوں سے مزین کہ اتنا خوبصورت قلم دُنیا میں کوئی نہیں

کم از کم تجربہ کیجئے

یاد رکھئے

جب آپ کسی دکان سے قلم لیں تو آپ کو "شیفر" کا "لائف ٹائم" لینا چاہئے!

اگر آپ انگلستان کی سیاحت کرنا چاہتی ہیں

تو

یاد رکھئے

کہ

آپکو ایک مستند اور آخرین رہنما

گائڈ بک

کی ضرورت ہی

جو

انگلستان کے تمام شہروں، سوسائیٹیوں ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، رقص گاہوں، قابل دید مقامات،

اور

آثار قدیمہ وغیرہ سے

آپکو مطلع کردے

نیز

جس سے وہ تمام ضروری معلومات حاصل کیجا سکیں جن کی ایک سیاح کو قدم قدم پر ضرورت پیش آتی ہی! ایسی مکمل گائڈ بک صرف

ڈنلاپ گائڈ لو گریٹ برٹین

The Dunlop guide
To Great Britain

کا

دوسرا ایڈیشن ہی

ہندوستان کے

تمام انگریزی کتب فروشوں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کے بک اسٹال سی مل سکتی ہی

جامع الشواہد

طبع ثانی

مولٰنا ابوالکلام صاحب کی یہ تحریر ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی تھی جب وہ رانچی میں نظر بند تھے۔ موضوع اس تحریر کا یہ تھا کہ اسلامی احکام کی رُو سے مسجد کن کن اغراض کے لئے استعمال کی جاسکتی ہی؟ اور اسلام کی رواداری نے کس طرح اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام نوع انسانی پر کھول دیا ہی؟ قیمت بلدہ آنے (۱۲ر)

(مینجر الہلال کلکتہ)

اگر آپ کو

دمہ

ضیق النفس

یا

کسی طرح کی بھی معمولی کھانسی کی شکایت ہی

تو تأمل نہ کیجئے۔ اپنے سے قریب دوا فروش کی دکان سی

فوراً

ایک ٹین

HIMROD

کی

مشہور عالم دوا کا

منگوا کر

استعمال کیجئے

مطبوعات الهلال بك ايجنسى

معارف ابن تيميه و ابن قيم

ديني علوم کے بيش بها جواهر ريزے

اس سلسله ميں هم نے امامين کي ان نادر و اعلى درجه کي بلند پايه عربي تصانيف کے اردو تراجم کا سلسله شروع کيا هے ' جنکا مطالعه اصلاح عقائد اسلام اور اشاعت و معارف کتاب و سنت کے ليے نهايت ضروري و ناگزير هے - اميد که يه "سلسلهٔ تراجم" بد نصيب هندوستان کي دماغي اصلاح کا کام دے :

اسوهٔ حسنه — امام ابن قيم کي فن سيرت ميں شهره آفاق کتاب "زاد المعاد" کے خلاصه کا اردو ترجمه - بلا جلد ۲ روپے مجلد ازهائي روپيه -

کتاب الوسيله — لفظ "وسيله" کي بحث کے علاوه امام ابن تيميه نے اسلام کے اصل الاصول "توحيد" کي مبسوط بحث کي هے - بلا جلد ازهائي روپيه ' مجلد سوا تين روپيه -

اصحاب صفه — انکي تعداد ' ذريعه معاش ' طريق عبادت اور انکے مفصل حالات بيان کيے هيں دس آنے -

تفسير سورة الکوثر — امام ابن تيميه کے مخصوص انداز تفسير کا اردو ترجمه - چار آنے -

العروة الوثقى — خالق و مخلوق کے درميان واسطه کا فرق بدلائل بيان کيا هے - چهه آنے -

سيرت امام ابن تيميه — حضرت امام کے ضروري حالات زندگي نهايت خوش اسلوبي سے بيان کيے هيں - نو آنے

نجد و حجاز — علامه سيد محمد رشيد رضاء مصري کي تازه کتاب کا اردو ترجمه - سوا روپيه -

ائمه اسلام — ترجمه رفع الملام عن ائمة الاعلام - باره آنے

خلاف الامه — في العبادات - پانچ آنے

صبح سعادت — يه ايک علمي ' اسلامي ' سه ماهي رساله هے جس کے خريدار کو هم نے کمال کوشش و کاوش سے اردو ' عربي ' فارسي ' انگريزي ' اور درسي زبانوں کي تمام اهم اور اعلى مطبوعات کے متعلق بهترين تازه معلومات بهم پهنچانے کا اهتمام کيا هے - اسکے علاوه ائمه و اسلام و بزرگان دين کے حالات ' لطائف افسانه ' نظميں اور ممالک اسلاميه کے معتبر ذرائع سے حاصل کيے هوے حالات درج کيے جاتے هيں - في پرچه ۸ آنه سالانه ۲ روپيه پيشگي -

منيجر الهلال بك ايجنسى

(حلقه نمبر ۲۴ شيرانواله دروازه لاهور پنجاب)

" Al-Hilal Book Agency,"

24, LAHORE, PANJAB.

خط و کتابت کی وقت اپنا نام اور پته صاف لکهين

اور نمبر خريداری ضرور تحرير فرمائين

السحر الحلال في مجلدات الهلال

گاه گاه باز خوان اين دفتر پارينه را

تازه خواهی داشتن گر داغهاے سينه را

اردو صحافت کي تاريخ ميں الهلال هي وه رساله هے جو اپني تمام ظاهري اور باطني خصوصيات ميں ايک انقلاب آفريں دعوت تهي -

الهلال اگرچه ايک هفته وار مصور رساله تها ' ليکن چونکه وه اردو صحافت کي مختلف شاخوں ميں اجتهاد نظر و فکر کي نئي روح پيدا کرني چاهتا تها ' اس لئے اس کا هر نمبر مختلف اقسام اور مختلف اذواق کا مجموعه تها - اس کے هر نمبر ميں مختلف ابواب ' مذهب ' سياست ' ادبيات ' علوم و فنون ' اور معلومات عامه کے هوتے تهے - اور اسکا هر باب اپني مجتهدانه خصوصيات کے لحاظ سے اپني نظير آپ هوتا تها - پهر اس کي ظاهري خوبياں اردو صحافت ميں اعلى طباعت و ترتيب کا پهلا نمونه تهيں - اردو کا وه پهلا هفته وار رساله تها ' جس ميں هاف ٹون تصاويرکے اندراج کا انتظام کيا گيا ' اور ٹائپ ميں چهپنے کي وجه سے بهت سي ايسي خوبياں پيدا هوئيں جو پتهر کي چهپائي ميں ممکن نهيں - اس کي جلديں جديد اردو علم ادب کے علمي ' مذهبي ' سياسي ' اور اجتماعي مواد و مباحث کا بهترين مجموعه هيں - ان کي مقبوليت و قدر کا اندازه اس سے هوسکتا هے که سنه ۱۹۱۸ ميں بعض شايقين علم و ادب نے اس کي تمام جلدوں کا مکمل ست سات سو روپيه ميں خريد کيا - اور حال ميں ايک صاحب نے اس کي پهلي جلد مکمل (جو دفتر ميں بهي موجود نهيں) ساڑهے چارسو روپيه ميں حيدرآباد سے خريدي هے - جن لوگوں نے اس کے پرچے بحفاظت جمع کئے هيں وه بڑي سے بڑي قيمت پر بهي علحده کرنے کيليے تيار نهيں - پچهلے دنوں "البلاغ پريس" کا جب تمام اسٹاک نئے مکان ميں منتقل کيا گيا تو ايک ذخيره الهلال کے پرچوں کا بهي محفوظ ملا ' هم نے کوشش کي که شايقين علم و ادب کے لئے جس قدر مکمل جلديں مرتب کي جا سکتي هيں مرتب کرلي جائيں اور جن جلدوں کي تکميل ميں ايک دو پرچوں کي کمي هو انهيں دوباره چهپوا ليا جاے -

چنانچه الحمدلله يه کوشش ايک حد تک مشکور هوئي اور اب علاوه متفرق پرچوں کے چند سالوں کي جلديں پوري مکمل هوگئي هيں - هم اس اعلان کے ذريعه شايقين علم و ادب کو آخري موقعه ديتے هيں که اس قيمتي ذخيره کے حاصل کرنے ميں جلدي کريں ' چونکه جلدوں کي ايک بهت هي محدود تعداد مرتب هوسکي هے اس لئے صرف انهيں درخواستوں کي تعميل هوسکے گي جو سب سے پهلے پهونچيں گي - هر جلد مجلده اور ابتدا ميں تمام مضامين کي انڈکس به ترتيب حروف تهجي لگادي گئي هے -

الهلال مکمل جلد دوم ۱۰ روپيه الهلال مکمل جلد سوم ۱۰ روپيه

" " " چهارم ۱۰ روپيه " " " پنجم ۱۰ روپيه

جلد "البلاغ" (جب دوسري مرتبه الهلال اس نام سے شائع هوا) قيمت ۸ روپيه

علاوه جلد اول کے هر جلد کے متفرق پرچے بهي موجود هيں جن ميں سے هر پرچه اپنے مضامين کے لحاظ سے ايک مستقل مجموعه علم و ادب هے - قيمت في پرچه ۸ - آنه - محصول ڈاک و پيکنگ اس کے علاوه هے -

منيجر " البلاغ پريس "

دنیا کے ہر معلم اور ماہر فن تعلیم کیلئے

ضروری ہے کہ

ٹائمز اف لنڈن کا تعلیمی ضمیمہ مطالعہ کرے

اگر آپ چاہتے ہیں کہ فن تعلیم کے تمام نظری اور عملی تغیرات و ترقیات سے بے خبر نہ رہیں ' تو آپکو یہ ضمیمہ بلا ناغہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے -

یہ ہر ہفتہ اس موضوع پر تمام اہم خبریں اور مباحث جمع کردیتا ہے - ماہرین فن اور مشاہیر تعلیم کے قلم سے اسکے صفحات مرتب ہوتے ہیں -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے طلب کیجئے -

ورنہ

The Publisher,
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے طلب کرسکتے ہیں -

دنیا کی بہترین کتابوں کیلئے بہترین رہنما:

ٹائمز اف لنڈن کا ادبی ضمیمہ

یہ ضمیمہ دنیا کی تمام کتابوں پر ہفتہ وار دلچسپ اور وقیع تبصرہ کرتا ہے -

اسکا معتدل نقد علمی حلقوں میں مسلم ہے -

اس میں چند صفحات وقت کے جاری اور زیر بحث ادبی فوائد پر بھی ہوتے ہیں جنکی اہمیت کا عام طور پر اعتراف کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کے ایجنٹ سے تقاضہ کیجئے کہ وہ ٹائمز لنڈن کا ہفتہ وار ادبی ضمیمہ آپکے لئے مہیا کرے - لیکن اگر آپ چاہیں تو

The Publisher :
Printing House Square
London, E. C. 4.

سے براہ راست طلب کر سکتے ہیں

کیا آپ تجارت کرنی چاہتے ہیں ؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے کارخانوں سے تجارتی تعلقات قائم کریں ' نفع بخش ایجنسیاں لیں ' ہندوستان سے خام پیداوار بھیجیں ' نئی نئی ایجادات سے اپنے ملک کو آشنا کریں ' تھوڑی سی محنت اور تھوڑا سا سرمایہ لیکر ایک وقیع کاروبار شروع کردیں ' تو آپ کو ابتدا میں بہت سی باتیں معلوم کرنی چاہئیں - اس طرح کی تجارت کے گر اور بھید سیکھنے چاہئیں - ہندوستان کے تمام حلقوں اور یورپ و امریکہ کے تمام کارخانوں اور کوٹھیوں کے حالات اور اصول معاملت معلوم کرنے چاہئیں - بغیر اس کے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے -

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بہت تھوڑا سا وقت خرچ کرکے یہ ساری باتیں با قاعدہ علمی اصول پر معلوم کرلیں ' تو آپکو چاہیے کہ ہم سے خط و کتابت کریں - ہم یہ کام بہ حیثیت ایک ماہر فن کے کر رہے ہیں - خط و کتابت کے بعد ہی آپکو معلوم ہو جائیگا کہ آپکے مقصد کیلئے ہم کس درجہ مفید ہیں ؟

ہمارے تعلقات دنیا کے تمام تجارتی حلقوں سے ہیں -

M. R. MARSDEN & CO.
Post Box 708.
Clive Street, Calcutta.

برونو مولر اینڈ کو - برلن

پوسٹ بکس نمبر ۲۴

BRUNO MULLER & CO. M. B. H.

Berlin-W 35

Post No. 24.

ہر طرح کی مشینیں جو گرم ملکوں کے میووں کو خشک کرنے اور پھلوں کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہیں ' اس کارخانے میں طیار کی جاتی ہیں - تمام دنیا میں اس قسم کی مشینوں کا یہ بہترین کارخانہ ہے - مندرجۂ بالا پتہ سے خط و کتابت کیجیے -

یاد رکھیے

میووں ' ترکاریوں ' اور ہر طرح کے زرعی مواد کو خشک کرنے کا بہترین طریقہ وہ ہے جو " نئے سسٹم " کے نام سے متمدن ممالک میں مشہور ہے - اس " نئے سسٹم " کے مطابق کام کرنے والی مشینیں صرف اسی کارخانہ سے مل سکتی ہیں -

Printed and Published by
MASUD HASAN ZUBERI AT THE AL-BALAGH PRESS, 11, BALLYGUNGE CIRCULAR ROAD, CALCUTTA
EDITOR : MAULANA ABU-AL-KALAM AZAD.